اشعۃ اللمعات

شرح مشکوٰۃ

تصنیف منیف

عارف باللہ شیخ محقق حضرت مولانا شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

اردو ترجمہ و حواشی

حضرت علامہ مولانا محمد سعید احمد نقشبندی مدظلہ العالی

ناشر

فرید بک سٹال

اردو بازار

لاہور

مَا اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا صدق الله العظیم

جو کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمہیں دیں
اُسے لے لو اور جس سے منع کریں اس سے باز رہو (القرآن الحکیم)

اشعۃ اللمعات

شرح مشکوٰۃ

تصنیف منیف:-

عارف باللہ شیخ محقق حضرت مولٰنا شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

اردو ترجمہ و حواشی

حضرت علامہ مولٰنا محمد سعید احمد نقشبندی مدظلہ العالی

خطیب جامع مسجد حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ لاہور
رکن پاکستان سنی رائٹر گلڈ

ناشر

فرید بک سٹال، ۳۸۔ اردو بازار ○ لاہور (پاکستان)

وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا

جو کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمہیں دیں
اُسے لے لو اور جس سے منع کریں اس سے باز رہو (القرآن الحکیم)

جلد سوم

اشعۃ اللمعات

شرح مشکوٰۃ

تصنیف منیف

عارف باللہ شیخ محقق حضرت مولانا شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

اردو ترجمہ و حواشی

حضرت علامہ مولانا محمد سعید احمد نقشبندی مدظلہ العالی

خطیب جامع مسجد حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ لاہور
رکن پاکستان سنی رائٹرز گلڈ

ناشر

فرید بک سٹال، ۴۰۔ اردو بازار ◎ لاہور (پاکستان)

کتاب ———— اشعۃ اللمعات اُردو جلد سوم
تصنیفِ منیف ———— شیخ محقق حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ
ترجمہ وتقدیم وحواشی ———— مولانا محمد سعید احمد نقشبندی خطیب جامع مسجد حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ
کتابت ———— محمد نعیم خوشنویس حضرت کیلیانوالہ شریف
پروف ریڈنگ ———— مولانا محمد سعید احمد نقشبندی
ناشر ———— فرید بک سٹال ۳۸ اُردو بازار لاہور
سال اشاعت ———— شعبان ۱۴۰۶ھ / اپریل ۱۹۸۶ء
تعداد ———— ایک ہزار ۱۰۰۰
مطبع ———— آکسفورڈ اینڈ کیمبرج پریس ۳۸ اُردو بازار لاہور
تہذیب وتصحیح از ———— ڈاکٹر منیر احمد صاحب
قیمت ———— ۱۰۰ روپے



کتاب الزکوٰۃ

زکوٰۃ لغت میں بڑھنے اور پاک کرنے کے معنی میں آتا ہے۔ زکوٰۃ مال کے بڑھنے یا اسے طیب و پاک کرنے اور صاحب مال کے مال میں برکت اور اضافے کا موجب و ذریعہ ہے۔ اور اس سے صاحب زکوٰۃ گناہوں سے بھی پاک ہوتا ہے۔ زکوٰۃ کو صدقہ بھی کہتے ہیں کیونکہ یہ صاحب زکوٰۃ کے دعویٰ ایمان میں اس کے صدق کی دلیل ہے۔

واضح ہو کہ زکوٰۃ اور دیگر صدقات عشر وغیرہ اور ان کے احکام و حدود میں حکمتوں اور مصلحتوں کو ملحوظ رکھا گیا ہے جو اہلِ فہم و بصیرت سے پوشیدہ نہیں۔ اسی طرح تمام احکام شرعیہ میں اس قدر باریک حکمتیں ہیں جو حد و شمار سے باہر ہیں۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت مبارک تھی کہ آپ زکوٰۃ و صدقات میں فقراء و مساکین کی رعایت اور ان کی خیر خواہی کو پیش نظر رکھتے تھے۔ چنانچہ آپ زکوٰۃ و صدقات پہنچانے میں دیانت، امانت، رغبت، بے محنت و مشقت اور بے احسان جتلائے اور بے تکلیف دیے ان تک پہنچانے کی وصیت کرتے اور ترغیب دیتے تھے۔ اونٹوں میں مادہ اونٹ بطور زکوٰۃ دینے کو لازم قرار دینا کہ اس میں نر اونٹ کی نسبت فائدہ زیادہ ہے، بھی اسی باب سے ہے کہ اس میں فقراء کا نفع زیادہ ہے۔ اسی طرح آپ نے اصحاب مال کی رعایت بھی ملحوظ رکھی ہے تاکہ عمال و حکام ان سے زکوٰۃ وصول کرنے میں ظلم و تعدی نہ کریں۔ اور حدِ اعتدال سے تجاوز نہ کریں۔ اور عمدہ و اعلیٰ کا انتخاب نہ کریں۔ اور اندازہ فرض سے زیادہ ہدیوں اور مہمان نوازیوں کی صورت میں ان سے حاصل نہ کریں۔ مال کے بڑھنے اور اس پر پورا سال گزرنے کی شرط بھی جو آسانی اور رفق کو ظاہر کرتی ہے، اسی میں داخل ہے۔ پھر رعایت حکمت و عدالت کے لیے ہی زکوٰۃ کو مال کی چار قسموں میں لازم و واجب قرار دیا کہ یہ چار اقسام لوگوں میں عموماً ہر جگہ پائی جاتی ہیں۔ اور لوگوں کو ان کی ضرورت و حاجت بھی زیادہ ہے تاکہ ان کی زکوٰۃ ادا کرنے میں آسانی رہے۔ اور ان سے زکوٰۃ ادا کرنا حاجت بر آری کے لیے بھی زیادہ مؤثر ہے۔

قسم اوّل: کھیتی اور پھل جیسے گندم، کھجور یا انگور وغیرہ۔ نہ کہ وہ کھیتی جو تھوڑی دیر بعد فنا ہو جاتی ہے جیسے سبزیاں وغیرہ
قسم دوم: مویشی، جیسے اونٹ، گائے بھینس، اور بھیڑ بکریاں۔ ان تفصیلی شرائط کے ساتھ جو فقہ میں مذکور ہیں۔
قسم سوم: سونا چاندی جس پر انسان کی معاش کا انحصار ہے اور تمام اشیاء کی قیمتوں کا نظام بھی اس سے متعلق ہے

قسم چہارم :۔ مال تجارت کی ہر قسم۔ اس میں سے سال میں ایک بار زکوٰۃ ادا کی جاتی ہے۔ فصلوں اور پھلوں سے ان کی کٹائی اور کامل ہونے پر۔ پھر یہ بھی عدل وانصاف کی رعایت کے تحت ہے کہ صاحب مال کی کوشش وسعی اور اس میں سہولت ومشقت کے مطابق مقدار واجب میں فرق رکھا۔ اسی وجہ سے اس میں سے جو بے مشقت وتکلف حاصل ہوتا ہے جیسے خزانہ جو کان یا دفینہ برآمد ہو اس میں اس بات کا اعتبار نہیں کہ اس پر پورا سال گزرے بلکہ جوں ہی خزانہ یا دفینہ برآمد ہو اس میں سے خمس نکالنا واجب ہے۔ اور وہ مال جس کے حاصل کرنے میں محنت ومشقت ہو اس میں خمس کا نصف یعنی دسواں حصہ فرض ہے۔ جیسے ان فصلوں اور پھلوں میں جو بارش کے پانی سے پیدا ہوتے ہیں۔ اور ان فصلوں اور پھلوں میں بیسواں حصہ واجب ہے جن کے حاصل کرنے میں مشقت ومحنت زیادہ ہے۔ جیسے راہٹ، حوض، نہر یا کنویں سے گلے اور گڑھے وغیرہ کے ذریعے سیراب کرنا پڑتا ہے۔ پھر بیسویں کا نصف یعنی چالیس میں سے ایک حصہ فرض ہے۔ ان چیزوں میں جن میں عمل اور مسلسل مشقت اٹھانی پڑتی ہے۔ جیسے سفر کی مشقت، سمندروں میں سے گزرنا اور قیمتوں کے کم وزیادہ ہونے کا خطرہ وغیرہ دامن گیر رہتا ہے۔ پھر ان میں عدل وانصاف کا ایک پہلو یہ ہے کہ ہر نوع کے مال میں حال کی مصلحت وحکمت کے مطابق جس کا علم شارع علیہ السلام کو ہی ہے، الگ الگ نصاب متعین فرمایا ہے۔ چنانچہ چاندی میں دو سو درہم سونے میں بیس مثقال (۷½ تولے) بکریوں میں چالیس۔ گائے بھینس میں تیس اور اونٹ میں پانچ کا نصاب مقرر کیا۔ ان سے کم مقدار میں کچھ فرض نہ کیا۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

۱۶۷۱ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضؓ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعَثَ مُعَاذًا اِلَى الْيَمَنِ فَقَالَ اِنَّكَ تَاْتِيْ قَوْمًا اَهْلَ كِتَابٍ فَادْعُهُمْ اِلٰى شَهَادَةِ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ فَاِنْ هُمْ اَطَاعُوْا لِذٰلِكَ فَاَعْلِمْهُمْ اَنَّ اللّٰهَ قَدْ فَرَضَ عَلَيْهِمْ صَدَقَةً تُؤْخَذُ مِنْ اَغْنِيَآئِهِمْ فَتُرَدُّ عَلٰى فُقَرَآئِهِمْ فَاِنْ هُمْ

پہلی فصل

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ کو یمن کی طرف بھیجا تو فرمایا بے شک تو ایسی قوم کے پاس جا رہا ہے جو اہل کتاب ہے۔ پہلے انہیں لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی شہادت کی طرف بلانا اگر وہ اس میں تیری اطاعت قبول کریں اور کلمہ شہادت پڑھ لیں اور مسلمان ہو جائیں، تو پھر انہیں بتلانا کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر دن رات میں پانچ نمازیں فرض کی ہیں۔ اگر وہ اس میں فرمانبرداری اختیار کریں تو انہیں بتلانا کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر صدقہ (زکوٰۃ) بھی فرض کیا ہے جو ان کے دولتمندوں سے لے کر ان کے فقراء میں تقسیم کیا جائے گا پس اگر وہ

اَطَاعُوْا لِذٰلِكَ فَاِيَّاكَ وَ كَرَائِمَ اَمْوَالِهِمْ وَاتَّقِ دَعْوَةَ الْمَظْلُوْمِ فَاِنَّهٗ لَيْسَ بَيْنَهَا وَبَيْنَ اللّٰهِ حِجَابٌ۔
(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

صدقہ دینے کی بات مان لیں (اور صدقہ دینا شروع کر دیں) تو ان سے ان کا عمدہ مال (بطور زکوٰۃ) وصول کرنے سے بچنا اور مظلوم کی بددعا سے بھی بچنا کیونکہ اس کے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان کوئی پردہ اور رکاوٹ حائل نہیں۔[5]
(بخاری و مسلم)

[1] یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن کا قاضی اور امیر بنا کر یمن بھیجا۔ روایات میں ہے کہ انہیں وداع کرنے کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم خود بنفس نفیس پیدل چل رہے تھے، اور معاذ سواری پر تھے۔ آپ نے ان سے فرمایا شاید جب تم واپس آؤ تو ہمیں نہ پاؤ۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

[2] اہل کتاب کے ذکر کی تخصیص ان کے حال کے اہتمام کے طور پر کی۔ ورنہ اس وقت یمن میں مشرک اور ذمی بھی کافی تعداد میں موجود تھے۔

[3] زکوٰۃ سے پہلے نماز کا ذکر نماز کی فضیلت اور اس کے اہتمام کی بنا پر کیا۔ اس بنا پر نہیں کیا کہ نماز کی ادائیگی زکوٰۃ کی ادائیگی کے لیے شرط ہے۔

ع یعنی اس حد تک جتنا کہ ان پر لازم آتا ہے۔

[4] کہ اچھے اچھے اور فربہ جسم والے جانور تو چن کر لے لے بلکہ جو مالک دے وہ لے۔ بشرطیکہ عیب و نقص سے سالم و محفوظ ہو کیونکہ زکوٰۃ میں عیب والی چیز دینا شرعاً جائز نہیں ہے۔

[5] کہ مظلوم کی دعا فوراً بارگاہ صمدیت میں پہنچ کر قبول ہوتی ہے۔ اگرچہ مظلوم کافر ہی ہو جیسا کہ بعض روایات میں آیا ہے۔

۲۔ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ صَاحِبِ ذَهَبٍ وَّ لَا فِضَّةٍ لَا يُؤَدِّيْ مِنْهَا حَقَّهَا اِلَّا اِذَا كَانَ يَوْمُ الْقِيٰمَةِ صُفِّحَتْ لَهٗ صَفَائِحُ مِنْ نَّارٍ فَاُحْمِيَ عَلَيْهَا فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ فَيُكْوٰى بِهَا جَنْبُهٗ وَجَبِيْنُهٗ وَظَهْرُهٗ كُلَّمَا رُدَّتْ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی سونے چاندی والا نہیں جو اس کا حق ادا نہیں کرتا مگر جب قیامت کا دن ہوگا تو اس کے لیے اس کے سونے چاندی کی دوزخ کی آگ پر تختیاں بنائی جائیں گی[1]۔ پھر انہیں دوزخ کی آگ پر گرم کیا جائے گا۔ اس پر اس کے پہلو، پیشانی اور پشت[2] کو داغا جائے گا۔ جب وہ تختیاں اس پر سے پھیری جائیں گی

أُعِيدَتْ لَهُ فِيْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهُ
خَمْسِيْنَ أَلْفَ سَنَةٍ حَتّٰى يُقْضٰى
بَيْنَ الْعِبَادِ فَيَرٰى سَبِيْلَهُ إِمَّا
إِلَى الْجَنَّةِ وَ إِمَّا إِلَى النَّارِ قِيْلَ
يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَالْإِبِلُ قَالَ وَلَا
صَاحِبُ إِبِلٍ لَا يُؤَدِّيْ مِنْهَا حَقَّهَا
وَ مِنْ حَقِّهَا حَلَبُهَا يَوْمَ وِرْدِهَا
إِلَّا إِذَا كَانَ يَوْمُ الْقِيٰمَةِ بُطِحَ
لَهَا بِقَاعٍ قَرْقَرٍ أَوْفَرَ مَا كَانَتْ
لَا يَفْقِدُ مِنْهَا فَصِيْلًا وَّاحِدًا
تَطَؤُهُ بِأَخْفَافِهَا وَ تَعَضُّهُ
بِأَفْوَاهِهَا كُلَّمَا مَرَّ عَلَيْهِ أُوْلَاهَا
رُدَّ عَلَيْهِ أُخْرَاهَا فِيْ يَوْمٍ كَانَ
مِقْدَارُهُ خَمْسِيْنَ أَلْفَ سَنَةٍ
حَتّٰى يُقْضٰى بَيْنَ الْعِبَادِ فَيَرٰى
سَبِيْلَهَا إِمَّا إِلَى الْجَنَّةِ وَ إِمَّا
إِلَى النَّارِ قِيْلَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ
فَالْبَقَرُ وَالْغَنَمُ قَالَ وَ لَا
صَاحِبُ بَقَرٍ وَّلَا غَنَمٍ لَا
يُؤَدِّيْ مِنْهَا حَقَّهَا إِلَّا إِذَا كَانَ
يَوْمُ الْقِيٰمَةِ بُطِحَ لَهَا بِقَاعٍ
قَرْقَرٍ لَا يَفْقِدُ مِنْهَا شَيْئًا
لَيْسَ فِيْهَا عَقْصَاءُ وَلَا جَلْحَاءُ
وَلَا عَضْبَاءُ تَنْطَحُهُ بِقُرُوْنِهَا
وَتَطَؤُهُ بِأَظْلَافِهَا كُلَّمَا مَرَّ

دوبارہ اس پر لوٹائی جائیں گی (یہ عذاب و سختی) اس پر
اس دن میں ہو گی جس کی مقدار پچاس ہزار سال کے برابر
ہے۔ عذاب کا یہ سلسلہ جاری رہے گا تا آنکہ لوگوں کے
درمیان فیصلہ کر دیا جائے گا۔ پھر اسے جنت کی طرف
راستہ دکھایا جائے گا یا دوزخ کی طرف عرض کیا گیا
یارسول اللہ اونٹوں کا کیا حکم ہے۔ آپ نے فرمایا اور
نہ کوئی اونٹ والا جس نے ان کا حق ادا نہ کیا ہو گا۔
(اور اُن کے حق میں سے ہے ان کا دودھ دوہنا
جس دن انہیں گھاٹ پر لائے) مگر جب قیامت کا
دن ہو گا، تو اونٹ والے کو منہ کے بل چٹیل اور ہموار
زمین پر گرایا جائے گا اور وہ اونٹ خوب فربہ اور تنومند
ہو کے اس کے اوپر سے گزارے جائیں گے اس طرح
کہ دودھ پیتے اونٹوں کا ایک بچہ بھی گم نہ پائے گا۔ تو
وہ سب اونٹ اسے اپنے کھروں سے پامال
کریں گے۔ اور اپنے دانتوں سے اسے چبائیں گے
جب بھی اس کے اوپر سے اونٹوں کی اگلی جماعت
گزاری جائے گی تو آخری جماعت پھر اس پر لوٹائی
جائے گی۔ عرض کیا گیا گائے اور بکری کا کیا حکم ہے فرمایا
اور نہ کوئی گائے والا اور نہ بکری والا جس نے اس کا
حق ادا نہ کیا ہو گا مگر جب قیامت کا دن ہو گا تو ایک
ہموار میدان میں ڈالا جائے گا اس میں سے کسی گائے
بکری کو گم نہ پائے گا ان میں کوئی ایسی نہ ہو گی جس کے
سینگ مڑے ہوں اور نہ منڈی اور نہ سینگ ٹوٹی ہوں کر
اپنے سینگوں سے ماریں گی اور اپنے کھروں کے ساتھ
کچلیں گی۔ یہاں تک کہ اس پر پہلی جماعت گزرے گی

عَلَيْهِ أُولٰهَا رُدَّ عَلَيْهِ أُخْرٰهَا
فِيْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗ خَمْسِيْنَ
أَلْفَ سَنَةٍ حَتّٰى يُقْضٰى بَيْنَ
الْعِبَادِ فَيُرٰى سَبِيْلُهٗ إِمَّا إِلَى
الْجَنَّةِ وَإِمَّا إِلَى النَّارِ قِيْلَ
يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَالْخَيْلُ قَالَ
فَالْخَيْلُ ثَلٰثَةٌ هِيَ لِرَجُلٍ وِزْرٌ
وَّهِيَ لِرَجُلٍ سِتْرٌ وَهِيَ لِرَجُلٍ
أَجْرٌ فَأَمَّا الَّتِيْ هِيَ لَهٗ وِزْرٌ
فَرَجُلٌ رَبَطَهَا رِيَاءً وَّفَخْرًا وَّ
نِوَاءً عَلٰى أَهْلِ الْإِسْلَامِ فَهِيَ
لَهٗ وِزْرٌ وَأَمَّا الَّتِيْ هِيَ لَهٗ
سِتْرٌ فَرَجُلٌ رَبَطَهَا فِيْ سَبِيْلِ
اللّٰهِ ثُمَّ لَمْ يَنْسَ حَقَّ اللّٰهِ
فِيْ ظُهُوْرِهَا وَلَا رِقَابِهَا فَهِيَ لَهٗ
سِتْرٌ وَأَمَّا الَّتِيْ هِيَ لَهٗ أَجْرٌ
فَرَجُلٌ رَبَطَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ
لِأَهْلِ الْإِسْلَامِ فِيْ مَرْجٍ وَّ
رَوْضَةٍ فَمَا أَكَلَتْ مِنْ ذٰلِكَ
الْمَرْجِ أَوِ الرَّوْضَةِ مِنْ شَيْءٍ
إِلَّا كُتِبَ لَهٗ عَدَدَ مَا أَكَلَتْ
حَسَنَاتٌ وَّكُتِبَ لَهٗ عَدَدَ
أَرْوَاثِهَا وَأَبْوَالِهَا حَسَنَاتٌ وَّ
لَا تَقْطَعُ طِوَلَهَا فَاسْتَنَّتْ شَرَفًا
أَوْ شَرَفَيْنِ إِلَّا كَتَبَ اللّٰهُ لَهٗ

تو پہلی جماعت اس پر لوٹائی جائے گی ایسے دن میں جس
کی مقدار پچاس ہزار سال ہے۔ یہاں تک کہ بندوں کے
درمیان فیصلہ کیا جائے گا سو وہ اپنی راہ دیکھے گا یا جنت کی
طرف یا دوزخ کی طرف۔ عرض کیا گیا۔ اے اللہ کے رسول
گھوڑوں کا حکم کیا ہے فرمایا گھوڑے تین قسم کے ہیں۔
ایک وہ جو آدمی کے لیے گناہ کا سبب ہوتے ہیں دوسرے
وہ جو انسان کے لیے پردہ ہیں۔ تیسرے وہ جو آدمی کے لیے
ثواب کا موجب ہوتے ہیں۔ وہ گھوڑے جو انسان کے
لیے گناہ کا سبب بنتے ہیں، وہ ہیں جنہیں آدمی ریا و فخر
اور اہل اسلام سے دشمنی کے لیے باندھتا ہے۔ یہ
گھوڑے اس کے لیے گناہ کا باعث ہیں۔ اور وہ گھوڑے
جو اس کے لیے پردہ ہیں، وہ ہیں جنہیں اس نے خدا کی
راہ میں باندھا ہے پھر ان کی پیٹھوں اور ان کی گردنوں میں
وہ خدا کا حق نہیں بھولا۔ تو یہ گھوڑے اس کے لیے
پردہ ہیں۔ اور وہ گھوڑے جو اس کے لیے ثواب
کا موجب ہیں وہ وہ ہیں جو اس نے چراگاہ اور سبزہ زار
میں اللہ کی راہ میں اہل اسلام کے لیے باندھے ہیں۔ وہ اس
چراگاہ اور سبزے میں کوئی چیز نہیں کھاتے مگر اس کے
لیے نیکیاں لکھی جاتی ہیں۔ اتنی مقدار میں جو اس نے کھائی
ہوتی ہے اور اس کی لید اور پیشاب کے مطابق اس
کے لیے نیکیاں لکھی جاتی ہیں۔ اور وہ گھوڑے اپنے
رستے نہیں توڑتے۔ پھر ایک میدان یا دو میدان دوڑتے
ہیں مگر اللہ تعالیٰ ان کے نقش قدم کی گنتی اور ان
کی لید اور پیشاب کے مطابق نیکیاں لکھتا ہے اور
ان کا مالک کسی نہر پر سے انہیں نہیں گزارتا تو وہ گھوڑے

عَدَدَ اَظْفَارِهَا وَاَرْوَاثِهَا حَسَنَاتٍ وَلَا مَرَّ بِهَا صَاحِبُهَا عَلٰى نَهْرٍ فَشَرِبَتْ مِنْهُ وَلَا يُرِيْدُ اَنْ يَسْقِيَهَا اِلَّا كَتَبَ اللّٰهُ لَهٗ عَدَدَ مَا شَرِبَتْ حَسَنَاتٍ قِيْلَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَالْحُمُرُ قَالَ مَا اُنْزِلَ عَلَيَّ فِي الْحُمُرِ شَيْءٌ اِلَّا هٰذِهِ الْاٰيَةُ الْفَاذَّةُ الْجَامِعَةُ فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ.

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

اس میں سے پانی پیتے ہیں اور مالک نے ان کے پانی پلانے کا ارادہ نہیں کیا ہوتا[۲] مگر جتنا پانی پیتے ہیں اس کی مقدار اس کے لیے نیکیاں لکھی جاتی ہیں[۳]۔ عرض کیا گیا اے اللہ کے رسول گدھوں کا کیا حکم ہے[۴]۔ فرمایا گدھوں کے بارے میں مجھ پر کوئی حکم نازل نہیں[۵] ہوا۔ مگر یہ آیت جو اکیلی ہی سب نیکیوں کو جمع کرنے والی ہے یعنی جس نے ایک ذرہ کی مقدار نیک عمل کیا وہ اسے دیکھے گا۔ اور جس نے ایک ذرہ کی مقدار برا عمل کیا اسے دیکھے گا۔

۱؎ حدیث میں واقع لفظ صُفِّحت فا کی شد سے ہے۔ یعنی اس سونا چاندی کو کوٹ کر اس کی تختیاں بنائی جائیں گی۔ حدیث میں واقع لفظ صفائح صفیحہ کی جمع ہے۔ یعنی لوہا اور تانبا جسے آگ میں رکھ کر نرم کیا جائے۔ صفائح الباب یعنی دروازے کے تختے (کواڑ) صفیحۃ شمشیر یعنی چوڑی تلوار۔ اور چوڑے پتھر کو بھی کہتے ہیں صفیحۃ الوجہ یعنی چہرے کا گوشت پوست۔ مطلب یہ ہے کہ اس نے چاندی کو تختیوں کی شکل میں چوڑا کیا جائے گا۔ حدیث میں لفظ من نار یعنی آگ سے بنائی جائیں گی، اس بنا پر فرمایا کہ گویا اسے اس قدر گرم کیا اور تپایا جائے گا کہ وہ آگ ہی بن جائیں گی چنانچہ فرمایا کہ انہیں آگ پر گرم کیا جائے گا۔

۲؎ ان تین اعضاء کو داغنے کی تخصیص اس بنا پر کی کہ مال جمع کرنا پر اسے بہتری اور وسعت کے ذریعے جاہ و مرتبہ کی طلب، لذیذ کھانوں سے لطف اندوز ہونے اور دلفریب اور دل پسند لباس زیب تن کرنے میں یہ اعضا نمایاں ہیں اور اس بنا پر بھی کہ دولتمند لوگ مانگنے والے غریبوں مسکینوں سے منہ پھیرتے۔ ان سے پہلو تہی کرتے اور ان کی طرف پشت کر دیتے ہیں۔ اور یہ تین اعضا ظاہری اعضا میں اشرف والی اور اعضاء رئیسہ دل و دماغ و جگر پر مشتمل ہیں۔ ان وجوہات کی بنا پر ان کی تخصیص کی گئی۔

۳؎ یعنی وہ تختیاں ان کے لیے بار بار واپس لائی جائیں گی یا انہیں داغنے کے لیے بار بار ان کے جسموں پر پھیری جائیں گی جس طرح گرم لوہے کو بار بار بھٹی میں رکھا اور نکالا جاتا ہے۔

۴؎ یہ دراصل اس دن کی انتہائی درازی اور گناہ گاروں پر اس کی سختی سے کنایہ ہے مگر نیک لوگوں پر سے یہ دن

آتا جلدی گزرے گا جتنا کہ دو رکعت نماز میں وقت صرف ہوتا ہے۔ یہاں فلسفہ اور عقل پرستوں کو بڑی حیرت لاحق ہوتی ہے، اور وہ بڑے پیچ و تاب کھاتے ہیں۔ ان کے برعکس اہل ایمان کے باطن بڑے خوش اور کشادہ ہوتے ہیں۔ کہ کسی قسم کے شک و شبہ کی تاریکی ان کے قریب نہیں آتی۔ والحمد للہ۔

۵ حدیث میں واقع لفظ یُحْمٰی یا کی پیش و زبر اور سینہ کی زبر و پیش دونوں طرح روایت ہے۔

۶ یعنی ان کی زکوٰۃ کے تارک کا کیا حکم ہے اور اسے کیا عذاب ہوگا۔

۷ یعنی اونٹ کا فرض حکم تو یہی زکوٰۃ ہے۔ مگر ان کے حقوق میں ایک مستحب حکم اور شکر گزاری کا طریقہ جو گویا واجب کی طرح ہے یہ ہے کہ گھاٹ پر آنے کے دن ان کا دودھ دوہا جائے۔ یہاں حدیث میں واقع لفظ وِرْد واو کی زیر اور را ساکن سے ہے یعنی اونٹوں کو گھاٹ پر پانی پلانے کے لیے اتارنا۔ ایسے مواقع میں چونکہ لوگ موجود ہوتے اور پیاسے سیراب ہوتے ہیں۔ تو دودھ سے ان کی خدمت کرنی چاہیے۔ حدیث کا ظاہر تو اس میں ہے کہ اس حق کے ترک سے بھی عذاب ہوگا۔

۸ حدیث میں واقع لفظ قَاعٌ کا معنٰی ہے فراخ و کشادہ میدان جس میں پہاڑ اور ٹیلے نہ ہوں۔ اور لفظ قَرْقَرٌ دونوں قاف پر زبر اور پہلی را ساکن کا معنٰی بھی فراخ و ہموار میدان ہے۔ یہ قاع کی تاکید اور صفت کا شعبہ ہے۔

۹ یعنی اس کے اونٹوں کے بچے بھی اسے پامال کرنے میں اونٹوں کے ساتھ ہوں گے۔ یہ بھی احتمال ہے کہ اونٹوں کے بچوں سے بھی اونٹ ہی مراد ہوں، کیونکہ ہر اونٹ اونٹ کا بچہ ہی ہوتا ہے۔ اور معنٰی یہ ہو کہ اونٹوں کے مالک اپنے اونٹوں میں سے ایک اونٹ بھی کم نہ پائیں گے۔ اس معنٰی کی مؤید ہے۔ حدیث پاک کی وہ عبارت جو گائے اور بکریوں میں وارد ہوئی ہے جو کہ آگے آ رہی ہے۔

۱۰ واضح ہو کہ اونٹ کے سموں کو عربی میں خف کہتے ہیں۔ اور بکریوں کے کھروں کو ظلف۔ جیسا کہ آگے آ رہا ہے۔

۱۱ یعنی جوں ہی وہ سب اونٹ اس پر سے گزر جائیں گے تو پھر دوبارہ اس پر گزرنا شروع کر دیں گے یعنی اسے بار بار پامال کیا جائے گا۔ علماء نے حدیث کے الفاظ کُلَّمَا مَرَّ عَلَيْهِ أُولَاهَا رُدَّ عَلَيْهِ أُخْرَاهَا کے معانی میں قیل و قال کی ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں ظاہر یہ ہے کہ یوں کہا جائے۔ کہ جب بھی آخری جماعت اس پر سے گزرے گی پہلی اس پر لوٹا دی جائے گی کیونکہ واپسی اور رجوع اگلی جماعت میں واقع ہوگا۔ نہ کہ آخری میں[1]۔ مسلم شریف کی روایت میں بھی اسی طرح واقع ہوا ہے۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ

---

[1] مگر یہ معنی بھی ہو سکتا ہے کہ اونٹوں کی آخری جماعت جب اس پر سے گزرے گی تو وہی پہلے لوٹ کر دوبارہ اس پر سے گزرنا شروع کرے گی، اس طرح آخری جماعت پہلے رجوع کرے گی۔ اس طرح الفاظ حدیث کا معنٰی بالکل صاف اور واضح ہے۔ از امیر علی صاحب مرحوم۔ مترجم غفرلہٗ۔

کی حدیث میں بھی ایسا ہی ہے۔ اور تورپشتی رحمۃ اللہ نے کہا کہ کتاب (مشکوٰۃ) میں جو واقع ہوا وہ سہو پر مبنی ہے جو بعض راویوں سے واقع ہو گیا۔ اور صاحب مصابیح نے سب سے پہلے اسی طرح نقل کر دیا۔ تورپشتی کا کلام ختم ہوا۔ اور اگر یہ تکلف کیا جائے کہ واپسی سے گزرنا مراد لیا جائے۔ نہ کہ رجوع کرنا تو پھر کوئی اشکال باقی نہیں رہتا۔ اس میں غور کرو۔

۱۲ عَقْصَاءُ عین کی زبر قاف ساکن بمعنیٰ وہ گائے بکری جس کے سینگ مڑے ہوئے ہوں یعنی وہ مڑے ہوئے سینگوں والی نہ ہوں گی کہ وہ تکلیف پہنچانے میں پورا زور نہیں لگا سکتیں۔ لفظ جَلْحَاء پہلے جیم زبر والا پھر حا بے نقطہ۔ یعنی وہ گائے بکری جس کے سینگ ہی نہ ہوں عَضْبَاء بمعنی ٹوٹے ہوئے سینگوں والی گائے بکری۔

۱۳ حدیث میں واقع لفظ اَظْلاف جمع ظِلْف (ظا نقطہ والی کی زیر سے) بمعنی درمیان سے پھٹا ہوا کھر جیسے گائے بکری وغیرہ کا۔ اونٹ کے سم کو خف اور گھوڑے گدھے کے سم کو حافر کہتے ہیں۔

۱۴ اور ہر قسم کا ایک حکم ہے۔

۱۵ لفظ وِزر، واو کی زیر زا ساکن بمعنیٰ گرانی اور بوجھ۔

۱۶ یعنی دوسری قسم وہ گھوڑے ہیں جو مرد کے حال کا پردہ بنتے ہیں۔ تاکہ لوگ یہ نہ جان سکیں کہ یہ شخص فقیر و محتاج ہے۔ اور اس بات کے اظہار کے آگے پردہ ہیں کہ اس آدمی کو لوگوں کے سامنے کوئی حاجت بیان کرنے دیں۔

۱۷ تاکہ لوگ یہ خیال کریں کہ یہ شخص مجاہد و غازی ہے۔ حالانکہ واقع میں وہ مجاہد و غازی نہیں ہوتا۔ اور لوگوں پر فخر کرنے اور ان پر سے اپنی شان ظاہر کرنے کے لیے باندھے ہوتے ہیں۔ واضح ہو کہ ریاء فخر و مالک الگ چیزیں ہیں کیونکہ ریا طاعت و عبادت سے تعلق رکھتا ہے۔ اور مسلمانوں کے ساتھ عداوت اور دشمنی کرنے کے لیے رکھے ہوتے ہیں۔ تاکہ ان کے خلاف بغاوت اور جنگ کرے تو ایسے گھوڑے اس کے لیے گناہ کا موجب ہیں۔

۱۸ یعنی بندگی و طاعت میں باندھا ہے۔ معصیت و نافرمانی کے لیے نہیں باندھا۔ جیسا کہ قسم اول میں تھا۔ مگر اس دوسری قسم سے بالخصوص راہ خدا میں جہاد کرنا مراد نہیں۔ جیسا کہ تیسری قسم میں آ رہا ہے۔ بلکہ مراد یہ ہے کہ اپنی سواری کے لیے باندھ رکھا ہے تاکہ ان پر سوار ہو کر اپنے جائز کام انجام دے۔ اور جائز امور کے لیے ادھر ادھر جائے آئے اور اپنی ضرورت و محتاجی لوگوں سے پوشیدہ رکھے جیسا کہ ایک دوسری روایت میں واقع ہوا ہے کہ رَبَطَهَا تَغَنِّيًا وَ تَعَفُّفًا۔ یعنی انہیں اپنے دولتمند اور تونگر ہونے کے اظہار اور لوگوں سے اظہار محتاجی سے بچنے کے لیے باندھا ہو۔

۱۹ پھر ان گھوڑوں کی پشتوں میں اللہ تعالیٰ کے حق کو فراموش نہ کرے۔ اور ان سے ثواب حاصل کرنے کو ضائع نہ کرے۔ بلکہ ان پر سوار ہو کر طاعت اور امور خیر کے لیے جائے۔ دوسروں کو عاریۃً بھی دے اور لوگوں کو بھی از راہ نیکی سوار ہونے کا موقعہ دے اور ان کی گردنوں میں اللہ کا حق فراموش نہ کرے بلکہ ان کی زکوٰۃ ادا کرے۔ شافعی المسلک حضرات کہتے ہیں کہ

ان کا گردنوں کا حق یہ ہے کہ ان کے چشمے چارے کا خیال رکھے۔ ان کی اصلاح کرے اور ان سے ہر ضرر و تکلیف دور رکھے گھوڑوں کی گردنوں کی تفسیر میں اختلاف کی وجہ یہ ہے کہ احناف کے نزدیک ان گھوڑوں میں زکوٰۃ ہے جو باہر جنگل میں جا کر چریں۔ گھر میں انہیں دانہ چارہ نہ ملے۔ گھوڑوں کے مالک کو اختیار ہے کہ ہر گھوڑے کے پیچھے ایک دینار دے یا ان کی قیمت لگائے اور ہر دو سو درہم پر پانچ درہم زکوٰۃ کے طور پر ادا کرے جیسا کہ زکوٰۃ کا حساب ہے اور صاحبین (حضرت امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہما اللہ تعالےٰ) اور امام شافعی کے نزدیک گھوڑوں میں زکوٰۃ نہیں ہے کیونکہ ایک حدیث میں اس طرح آیا ہے کہ مسلمان پر اس کے غلام اور گھوڑے میں صدقہ نہیں ہے۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالےٰ کی دلیل حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول مبارک ہے کہ ہر اس گھوڑے کے عوض ایک دینار ہے جو باہر جنگل میں جا کر چرے۔ امام شافعی رحمہ اللہ نے جو حدیث پیش کی ہے وہ غازی کے گھوڑے کے بارے میں ہے جس پر وہ سواری کرتا ہو اور غلام خدمت کے لیے ہوتا ہے۔ گھوڑے کی قیمت حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ یہاں کلام کافی دراز ہے۔ شرح سفر السعادۃ میں اس کا کچھ حصہ ذکر کر دیا گیا ہے۔

۲۰؎ یعنی اجر و ثواب عظیم کا باعث ہیں۔

۲۱؎ تاکہ ان پر سوار ہو کر جہاد کرے اور دوسرے مجاہدین کی اعانت کرے اور ان پر سوار کرے تاکہ وہ بھی جہاد کریں۔

۲۲؎ لفظ مَرْج میم کی زبر را ساکن آخر میں جیم بمعنیٰ کھلی چراگاہ۔ رَوْضَۃ وہ زمین جس میں پانی اور گھاس ہو۔

۲۳؎ یہ لفظ طِوَل کا معنیٰ ہے (طا کی زیر واو کی زبر) بمعنیٰ وہ رسی جسے ایک طرف سے میخ سے باندھتے ہیں دوسری طرف گھوڑے کے پاؤں یا ہاتھ کو تاکہ گھومے پھرے اور چرتا رہے۔

۲۴؎ یعنی مالک نے ان کے پانی پلانے کی نیت نہیں کی ہوتی بلکہ وہ گھوڑے اس کے ارادہ و قصد کے بغیر ہی پانی پیتے ہیں۔ چہ جائیکہ انہیں پانی پلانے کا قصد و ارادہ کرے۔ کہ اس صورت میں تو اسے بہت زیادہ اجر و ثواب ملے گا۔

۲۵؎ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر کوئی نیک کام انجام دے اور اس کے ضمن میں بے اختیار اور بہت سے کام سر انجام پا جائیں تو ان پر بھی ثواب ملتا ہے۔ کتاب کے ابتداء میں حدیث انما الاعمال بالنیات کی شرح میں اس جانب اشارہ گزر چکا ہے اسے ذہن نشین کیا جائے۔

۲۶؎ اور ان کا حق ادا کرنے یا انہیں اس سے مستثنیٰ کرنے کے بارے میں کوئی حکم نازل ہوا ہے۔

۲۷؎ یعنی خصوصیت سے ان کے بارے میں کوئی حکم مجھ پر نازل نہیں ہوا مگر تنہا یہ ایک آیت جو افعال خیر و شر کے تمام احکام کی جامع ہے حدیث میں واقع لفظ فَاذَّۃ (فا دال کی شد سے) وہ جامع آیت یہ ہے۔ فمن یعمل الی آخرھا۔ یعنی نیکی کی

جزا بھی پائے گا۔ اور برائی کی جزا بھی۔ مگر کوئی مخصوص حکم اور مخصوص جزا مجھ پر نازل نہیں ہوئی۔

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اٰتَاهُ اللّٰهُ مَالًا فَلَمْ يُؤَدِّ زَكٰوتَهٗ مُثِّلَ لَهٗ مَالُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ شُجَاعًا اَقْرَعَ لَهٗ زَبِيْبَتَانِ يُطَوَّقُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ثُمَّ يَاْخُذُ بِلِهْزِمَتَيْهِ يَعْنِيْ شِدْقَيْهِ ثُمَّ يَقُوْلُ اَنَا مَالُكَ اَنَا كَنْزُكَ ثُمَّ تَلَا وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ الْاٰيَةَ۔

(رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جسے اللہ تعالےٰ نے مال عطا کیا اور اس نے اس کی زکوٰۃ ادا نہ کی تو وہ مال قیامت کے دن اس کے لیے نر سانپ[1] کی شکل میں بنایا جائے گا۔ جس کے سر پر بال نہ ہوں گے، اور اس کی آنکھوں پر دو کالے نقطے ہوں گے۔ وہ سانپ اس کے گلے کا طوق بنایا جائے گا پھر وہ اپنے دونوں جبڑوں[2] سے اسے پکڑے گا پھر وہ کہے گا میں تیرا مال ہوں۔ میں تیرا خزانہ ہوں۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی۔ وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ اِلٰى اٰخِرِ الْاٰيَة

بخاری شریف

[1] حدیث میں واقع لفظ شجاعا (شین کی پیش یا زیر سے) کا معنیٰ ہے نر سانپ یا اژدہا یا مطلق سانپ نر ہو یا مادہ۔ اَقْرَع وہ سانپ جس کے سر پر بال نہ ہوں یہ اس کے سخت زہریلے اور لمبی عمر والا ہونے کی علامت ہے۔ زبیبتان (زا و دو با درمیان میں یا اور دوسری با کے بعد تا کے ساتھ) یعنی دو سیاہ نقطے۔ یعنی اس سانپ کی دونوں آنکھوں کے اوپر یا اس کی دو آنکھوں کے درمیان دو سیاہ نقطے ہوں گے۔ بعض نے کہا اس کے منہ کے اردگرد یہ دو نقطے ہوں گے قیامت کے دن یہ سانپ اس کی گردن میں طوق کی طرح ڈالا جائے گا۔

[2] لہزمتیہ یعنی منہ کے دو کونے (جبڑے) لہزمتین (لام کی زبر ہا ساکن زا کی زبر سے) یعنی کان کے نیچے جبڑوں کی دو ابھری ہوئی ہڈیاں۔ شرح شیخ میں کہا لہزمتین یعنی منہ کی وہ دو ہڈیاں جن پر داڑھی کے بال اگتے ہیں چونکہ یہ ہڈیاں جبڑوں کے قریب ہوتی ہیں اس لیے جبڑوں سے اس کی تفسیر کر دی جاتی ہے۔ اس صورت میں لہزمتیہ کی ضمیر لفظ اقرع یا شجاع کی طرف لوٹتی ہے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے اس مالدار شخص کی طرف لوٹتی ہو۔ اور یا نا ندہ ہو یعنی وہ سانپ اس کے دونوں جبڑوں اور ان کی ہڈیوں کو ڈسے گا۔ پھر وہ مال اس سے زبانِ حال یا زبانِ قال سے کہے گا میں تیرا وہ مال ہوں جس کی تو نے زکوٰۃ ادا نہ کی، اور میں تیرا وہ خزانہ جس سے تو نے زکوٰۃ جدا کر کے الگ نہ رکھی۔ تا آخر یعنی بِمَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ هُوَ خَيْرًا لَّهُمْ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ سَيُطَوَّقُوْنَ مَا بَخِلُوْا بِهٖ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ۔ یعنی زکوٰۃ نہ دینے والے مالدار گمان

ذکر یں کہ اللہ نے اپنے فضل سے جو مال انہیں عطا کیا ہے وہ ان کے لیے بہتر اور خیر ہے بلکہ وہ ان کے لیے بُرا ہے جس کے ساتھ یہ لوگ بخل کرتے تھے۔ عنقریب یہ مال قیامت کے دن ان کی گردنوں میں طوق بنا کر ڈالا جائے گا۔

وَعَنْ اَبِیْ ذَرٍّ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا مِنْ رَجُلٍ یَکُوْنُ لَہٗ اِبِلٌ اَوْ بَقَرٌ اَوْ غَنَمٌ لَا یُؤَدِّیْ حَقَّھَا اِلَّا اُتِیَ بِھَا یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ اَعْظَمَ مَا یَکُوْنُ وَ اَسْمَنَہٗ تَطَاُہٗ بِاَخْفَافِھَا وَ تَنْطِحُہٗ بِقُرُوْنِھَا کُلَّمَا جَازَتْ اُخْرٰھَا رُدَّتْ عَلَیْہِ اُوْلٰھَا حَتّٰی یُقْضٰی بَیْنَ النَّاسِ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا نہیں ہے کوئی آدمی جس کی ملک میں اونٹ اگائے اور بکریاں ہوں اور وہ ان کا حق ادا نہ کرے مگر نہیں قیامت کے دن لایا جائیگا بہت عظیم الجثہ اور فربہ کرکے تو وہ اسے اپنے کھروں اور کھروں سے اور اپنے سینگوں سے روندیں اور پامال کریں گے جب بھی ان کی آخری جماعت اس کے اوپر سے گزرے گی پہلی جماعت کو پھر اس پر لوٹایا جائے گا۱۔ یہاں تک کہ لوگوں کے درمیان فیصلہ کر دیا جائے۔

(بخاری و مسلم)

۱؎ یہ عبارت اپنے ظاہر پر ہی واقع ہے۔ بخلاف حضرت ابوہریرہ کی اس حدیث کی عبارت کے جو گذشتہ صفحات میں مذکور ہوئی۔ جیسا کہ اس کی طرف اشارہ کر دیا گیا۔

وَعَنْ جَرِیْرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰہِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا اَتَاکُمُ الْمُصَدِّقُ فَلْیَصْدُرْ عَنْکُمْ وَھُوَ عَنْکُمْ رَاضٍ۔

(رَوَاہُ مُسْلِمٌ)

حضرت جریر۱ بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تمہارے پاس صدقہ وصول کرنے۲ والا آئے تو تم سے خوش خوش واپس لوٹے۳۔

(مسلم شریف)

۱؎ آپ مشاہیر صحابہ میں سے ہیں۔ نہایت خوبصورت، جلیل القدر اور اپنی قوم میں بزرگ شخصیت تھے۔

۲؎ یعنی جو امام (حاکم وقت) کی طرف سے زکوٰۃ وصول کرنے کے لیے آئے۔ اسے ساعی اور عامل کہتے ہیں۔ قاموس میں کہا مُصَدِّقٌ بروزن مُحَدِّث یعنی صدقہ وصول کرنے والا اور متصدق تاسے صدقہ دینے والا۔

۳؎ کہ اس کے ساتھ اچھی طرح پیش آؤ اور کامل اور پورے طور پر صدقہ ادا کرو۔

وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ اَبِیْ اَوْفٰیؓ قَالَ كَانَ النَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اَتَاهُ بِصَدَقَتِهِمْ قَالَ اللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى اٰلِ فُلَانٍ فَاَتَاهُ اَبِیْ بِصَدَقَتِهٖ فَقَالَ اللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى اٰلِ اَبِیْ اَوْفٰى.

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ مبارک تھا کہ جب کوئی قوم صدقہ لے کر آپ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوتی تو آپ فرماتے[1]۔ اے اللہ آل فلاں پر اپنی رحمت نازل فرما[2]۔ چنانچہ میرا باپ اپنی زکوٰۃ لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے فرمایا اے اللہ آل ابی اوفی پر رحمت نازل فرما[3]۔

(بخاری ومسلم)

وَفِیْ رِوَايَةٍ اِذَا اَتَى الرَّجُلُ النَّبِیَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِصَدَقَتِهٖ قَالَ اللّٰهُمَّ صَلِّ عَلَيْهِ.

اور ایک روایت میں اس طرح آیا ہے کہ جب کوئی آدمی اپنا صدقہ لے کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آتا تو آپ فرماتے اے اللہ تو اس پر رحمت نازل کر[4]۔

[1] یعنی آپ کا دستور یہ تھا کہ جب لوگ صدقات و زکوٰۃ لے کر حاضر ہوتے تو آپ انہیں ان کے مصارف میں صرف فرماتے تھے۔

[2] یعنی جو صدقہ و زکوٰۃ لے کر آیا ہے اس پر اور اس کی قوم پر۔

[3] حکم خداوندی بھی یہی تھا کہ آپ ان سے صدقہ قبول کریں۔ اور ان کے لیے دعائے رحمت کریں۔ جیسا کہ قرآن مجید میں صراحۃً وارد ہے خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً وَّصَلِّ عَلَيْهِمْ۔ آپ ان کے اموال سے صدقہ وصول کریں اور ان کے لیے دعائے رحمت کریں۔

[4] اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آل فلاں سے خود فلاں مراد ہے۔ اور لفظ آل زائد ہے جیسا کہ آل فرعون اور آل داؤد کہ اس سے ان کی آل مراد نہیں بلکہ خود ان کی اپنی ذوات مراد ہیں پھر پیروکار تابع ہونے کی بنا پر اس میں داخل ہوتے ہیں جیسا کہ ہم نے ترجمہ میں اس جانب اشارہ کیا ہے۔

وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَؓ قَالَ بَعَثَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عُمَرَ عَلَى الصَّدَقَةِ فَقِيْلَ مَنَعَ ابْنُ جَمِيْلٍ وَخَالِدُ بْنُ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو صدقہ وصول کرنے کے لیے بھیجا تو خدمت اقدس میں عرض کیا گیا کہ ابن جمیل[1]

الْوَلِيْدِ وَالْعَبَّاسُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا يَنْقِمُ ابْنُ جَمِيْلٍ اِلَّا اَنَّهٗ كَانَ فَقِيْرًا فَاَغْنَاهُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَاَمَّا خَالِدٌ فَاِنَّكُمْ تَظْلِمُوْنَ خَالِدًا قَدِ احْتَبَسَ اَدْرَاعَهٗ وَاَعْتُدَهٗ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَاَمَّا الْعَبَّاسُ فَهِيَ عَلَيَّ وَمِثْلُهَا مَعَهَا ثُمَّ قَالَ يَا عُمَرُ اَمَا شَعَرْتَ اَنَّ عَمَّ الرَّجُلِ صِنْوُ اَبِيْهِ.

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

اور خالد بن الولید اور حضرت عباس نے زکوٰۃ نہیں دی بلکہ روک لی ہے۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ابن جمیل جو سخت ناراض ہے اس وجہ سے ہے کہ وہ فقیر و تنگ دست تھا اللہ اور اس کے رسول نے اسے غنی کر دیا اور خالد تو تم اس پر ظلم کرتے ہو بے شک اس نے تو اپنے ہتھیار اور اپنے مویشی فی سبیل اللہ وقف کر رکھے ہیں۔ باقی رہے عباس تو ان کا صدقہ میرے ذمہ اور اس کی مثل اور بھی ہے پھر آپ نے فرمایا اے عمر تمہیں معلوم نہیں کہ آدمی کا چچا اس کے باپ کی طرح ہوتا ہے۔

(بخاری و مسلم)

۱؎ ابن جمیل (جیم کی زبر سے) یہ شخص منافق تھا۔ اور پہلے تنگ دست تھا۔ پھر خدا تعالے نے اسے دولتمند کر دیا۔ فتح الباری میں لکھا کہ میں کتب حدیث میں اس کے نام سے واقف نہیں ہو سکا۔ بعض نے کہا اس کا نام عبداللہ تھا۔ بعض نے کہا اس کا نام حمید تھا۔ علماء نے کہا ہے ابن جمیل پہلے منافق تھا پھر اس نے نفاق سے توبہ کر لی۔ قاضی حسین نے کہا۔ ابن جمیل کے بارے میں اللہ تعالے کا یہ قول نازل ہوا۔ وَمِنْهُمْ مَنْ عَاهَدَ اللّٰهَ لَئِنْ اٰتَانَا مِنْ فَضْلِهٖ لَنَصَّدَّقَنَّ الآیۃ۔ یعنی ان میں سے کچھ وہ ہیں جنھوں نے اللہ تعالے سے معاہدہ کر رکھا ہے کہ اگر اللہ نے انہیں اپنے فضل سے عطا فرمایا تو ضرور ہم صدقہ کریں گے۔

۲؎ آپ مشہور صحابی ہیں۔ رضی اللہ عنہ۔

۳؎ یعنی عباس بن عبدالمطلب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا۔ یعنی ان تین حضرات نے زکوٰۃ نہیں دی باقی سب نے دے دی ہے۔

۴؎ حدیث میں لفظ ینقم آیا ہے جو نقم سے نکلا ہے جس کا معنی ہے کسی چیز سے ایسی نفرت و کراہت جو ناراضگی اور کفران نعمت کی حد تک پہنچ جائے لفظ انتقام بمعنی سزا دینے میں حد سے تجاوز کرنا بھی اسی باب سے ہے۔ یعنی ابن جمیل کس قدر ناپسند فعل کرتا اور نعمت کی ناشکری کرتا ہے۔ اس کے ایسا کرنے کی وجہ کوئی نہیں۔ ماسوائے اس کے کہ وہ پہلے فقیر تھا اس کے پاس کچھ نہ تھا پھر اسے اس کے خدا اور رسول نے دولتمند کر دیا اس کی یہ دولتمندی اس کی بغاوت و سرکشی کا باعث بن گئی

اور اسے کفرانِ نعمت میں مبتلا کر دیا۔ حقیقت میں غنی کرنا تو خدا تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ رسول پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ذکر اس بنا پر ہے کہ آپ جناب حق سبحانہ کی طرف سے فیض پہنچانے (خیرات عطا ہونے اور نعمتوں کے پہنچنے کا ذریعہ اور واسطہ ہیں۔ آیہ مبارکہ وَمِنْهُم مَّنْ عَاهَدَ اللّٰهَ لَئِنْ آتَانَا مِن فَضْلِهِ لَنَصَّدَّقَنَّ وَلَنَكُونَنَّ مِنَ الصَّالِحِينَ (آیہ ھذا کا ترجمہ حاشیہ ۳ میں گزرا) کی تفسیر میں مفسرین نے بیان کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے غنی اور مالدار ہونے کی دعا کی تھی اور اس نے عہد کیا تھا کہ وہ نعمتِ مال کی شکر گزاری کرے گا۔

۵ یعنی خالد بن ولید جس کے متعلق تم کہہ رہے ہو کہ اس نے بھی زکوٰۃ نہیں دی تو اس کی وجہ یہ ہوگی کہ تم اس کے ساتھ زیادتی کرتے ہو کیونکہ اس کا حال تو یہ ہے کہ اس نے تو اپنی تمام زرہیں اور سارا سامان جنگ اور چارپائے غازیوں کے لیے راہِ خدا میں وقف کر دیے ہیں۔ اور جس کا یہ حال ہو کہ نفل خیرات اس وسعت سے کرتا ہو وہ زکوٰۃ کیسے نہ دے گا جو کہ فرض ہے، ہو سکتا ہے اس کا تمہیں زکوٰۃ نہ دینا تمہارے اس پر ظلم کرنے کی وجہ سے ہو، اور بہادر انسان کی یہ صفت ہے کہ وہ ظلم برداشت نہیں کر سکتا۔ یا مراد یہ ہے کہ اس کے پاس کچھ مال و متاع نہیں تاکہ اس کی زکوٰۃ ادا کرے۔ اور جو مال از قسم اسلحہ جنگ اس کے پاس تھا وہ اسے راہِ خدا میں وقف کر کے نقیر و تہیدیت ہو چکا ہے۔ حدیث میں واقع لفظ اَعْتُدُ (ہمزہ کی زبر عین ساکن تا کی پیش سے جمع عتاد بفتح عین) بمعنی ساز و سامان اور تیار شدہ چیزیں۔ واللہ اعلم۔

۶ اور ان کی زکوٰۃ کا میں ضامن ہوں۔ ان کے زکوٰۃ نہ دینے کا سبب جیسا کہ علماء نے کہا ہے یہ تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے دو سال کی پیشگی زکوٰۃ لے لی تھی۔ ایک تو اس سال کی جس کی وہ مانگ رہے تھے دوسری اگلے آنے والے سال کی۔ جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اور اس کی مثل اتنی زکوٰۃ اور بھی۔ بعض نے کہا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو مہلت دے رکھی تھی اور آپ نے حضرت عباس کے التماس کرنے کی وجہ سے انہیں دو سال تک ڈھیل دی ہوئی تھی ان کی کسی ضرورت و حاجت کی بنا پر اور امام کے لیے جائز ہے کہ وہ کسی کو مصلحت کی بنا پر مہلت اور ڈھیل دے یا یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائص میں سے ہے۔

۷ یعنی اے عمر تجھے علم نہیں اور تو نہیں سمجھتا کہ باپ کا بھائی اس کے لیے باپ کی مثل ہوتا ہے۔ لہٰذا حضرت عباس کو میرے باپ کی طرح خیال کریں اور باپ کی طرح اس کی تعظیم بجالائیں اور اسے کسی قسم کی ایذا نہ پہنچائیں۔ حدیث میں واقع لفظ صِنْوٌ (اصل میں صاد کی زیر نون ساکن سے) کھجور کے ان دو تین درختوں کو کہتے ہیں۔ جن کی جڑ ایک ہو۔ پھر اس میں سے نکلنے والے ہر تنے کو صِنْوٌ کہتے ہیں۔ اور دو تنوں کو صنوان۔ لغت کی مشہور کتاب صراح میں کہا صنو زیر سے بمعنی ایک جڑ سے اگنے والے چند تنوں میں سے ایک تنہ۔ اور باپ کا بھائی۔

وَعَنْ أَبِي حُمَيْدٍ السَّاعِدِيِّ رضی قَالَ اسْتَعْمَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ	حضرت ابو حمید الساعدی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبیلہ ازد

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجُلًا مِّنَ الْاَزْدِ يُقَالُ لَهُ ابْنُ اللُّتْبِيَّةِ عَلَى الصَّدَقَةِ فَلَمَّا قَدِمَ قَالَ هٰذَا لَكُمْ وَ هٰذَا اُهْدِيَ لِيْ فَخَطَبَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَحَمِدَ اللّٰهَ وَ اَثْنٰى عَلَيْهِ ثُمَّ قَالَ اَمَّا بَعْدُ فَاِنِّيْ اَسْتَعْمِلُ رِجَالًا مِّنْكُمْ عَلٰى اُمُوْرٍ مِّمَّا وَلَّانِيَ اللّٰهُ فَيَاْتِيْ اَحَدُهُمْ فَيَقُوْلُ هٰذَا لَكُمْ وَ هٰذِهٖ هَدِيَّةٌ اُهْدِيَتْ لِيْ فَهَلَّا جَلَسَ فِيْ بَيْتِ اَبِيْهِ اَوْ بَيْتِ اُمِّهٖ فَيَنْظُرُ اَيُهْدٰى لَهٗ اَمْ لَا وَ الَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ لَا يَاْخُذُ اَحَدٌ مِّنْهُ شَيْئًا اِلَّا جَاءَ بِهٖ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَحْمِلُهٗ عَلٰى رَقَبَتِهٖ اِنْ كَانَ بَعِيْرًا لَهٗ رُغَاءٌ اَوْ بَقَرًا لَهٗ خُوَارٌ اَوْ شَاةً تَيْعَرُ ثُمَّ رَفَعَ يَدَيْهِ حَتّٰى رَاَيْنَا عُفْرَةَ اِبْطَيْهِ ثُمَّ قَالَ اَللّٰهُمَّ هَلْ بَلَّغْتُ اَللّٰهُمَّ هَلْ بَلَّغْتُ.
(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

کے ایک آدمی کو جسے ابن اللتبیہ کہتے تھے صدقہ وصول کرنے پر عامل مقرر کیا جب یہ شخص اس سفر سے واپس آیا تو مسلمانوں سے کہا یہ مال تمہارے لیے ہے اور یہ مال ہدیہ کے طور پر مجھے دیا گیا ہے (اس پر) آپ خطبہ کے لیے باہر تشریف لائے۔ اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کی پھر فرمایا اما بعد میں تم میں سے کچھ لوگوں کو ان کاموں پر عامل مقرر کرتا ہوں جن کا اللہ تعالیٰ نے مجھے حاکم و والی بنایا ہے۔ تو ان میں سے ایک آتا اور کہتا ہے یہ مال تو تمہارے لیے ہے اور یہ میرے لیے ہدیہ اور تحفہ ہے۔ یہ مرد اپنے باپ یا اپنی ماں کے گھر کیوں نہیں بیٹھا رہا پھر دیکھتا کہ اس کے پاس کوئی ہدیہ تحفہ آتا ہے یا نہیں۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری ذات ہے۔ اس مال زکوٰۃ میں سے کوئی شخص نہ لے گا مگر قیامت کے دن اس کے ساتھ آئے گا جسے اس نے اپنی گردن پر اٹھایا ہوگا۔ اگر اونٹ ہوگا تو وہ اونٹ کی آواز نکالتا ہوگا۔ اگر گائے ہوگی تو وہ چیختی ہوگی اگر بکری ہوگی تو وہ ممیاتی ہوگی۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں ہاتھ مبارک اٹھائے یہاں تک کہ ہم نے آپ کی بغل مبارک کی سفیدی دیکھ لی پھر فرمایا اے اللہ کیا میں نے تیرا حکم مخلوق تک پہنچا دیا۔ اے اللہ کیا میں نے تیرا حکم مخلوق تک پہنچا دیا۔
(بخاری و مسلم)

قَالَ الْخَطَّابِيُّ وَ فِيْ قَوْلِهٖ هَلَّا جَلَسَ فِيْ بَيْتِ اُمِّهٖ اَوْ اَبِيْهِ

خطابی نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول هَلَّا جَلَسَ فِيْ بَيْتِ اُمِّهٖ اَوْ اَبِيْهِ فَيَنْظُرُ اَيُهْدٰى اِلَيْهِ اَمْ لَا

فَيَنْظُرَ اَيُهْدٰى اِلَيْهِ اَمْ لَا دَلِيْلٌ عَلٰى اَنَّ كُلَّ اَمْرٍ يُتَذَرَّعُ بِهٖ اِلٰى مَحْظُوْرٍ فَهُوَ مَحْظُوْرٌ وَكُلُّ دَخِيْلٍ فِى الْعُقُوْدِ يُنْظَرُ هَلْ يَكُوْنُ حُكْمُهٗ عِنْدَ الْاِنْفِرَادِ كَحُكْمِهٖ عِنْدَ الْاِقْتِرَانِ اَمْ لَا هٰكَذَا فِىْ شَرْحِ السُّنَّةِ۔

(وہ اپنے باپ یا ماں کے گھر کیوں نہ بیٹھا رہا پھر وہ دیکھتا کہ اسے ہدیہ تحفہ پیش کیا جاتا ہے یا نہیں) میں اس امر کی دلیل ہے کہ ہر وہ کام جو کسی ممنوع کام کا ذریعہ بنے وہ بھی ممنوع ہوتا ہے۔ اسی طرح ہر چیز جو عقدوں میں داخل ہو اس کے بارے میں دیکھا جائے گا کہ اس کا الگ حکم ویسا ہی ہے جیسا کہ بہت سے عقدوں میں شامل ہو کر ہوتا ہے یا نہیں۔

۱؎ حُمید۔ حا کی پیش میم کی زبر الساعدی بنی ساعدہ کی طرف منسوب ہے جو انصار میں ایک قبیلہ ہے۔ حضرت ابو حمید رضی اللہ عنہ مشہور صحابی ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کے حافظ ہیں۔ جیسا کہ باب صفۃ الصلوٰۃ میں گزرا۔

۲؎ ازد ہمزہ کی زبر زا ساکن۔ یہ بلاد یمن کے قبائل میں سے ایک قبیلہ ہے۔ اور اسے شنوءۃ بھی کہتے ہیں۔

۳؎ اس مرد کا نام ابن اللتبیۃ بتایا گیا ہے۔ لام کی پیش وزبر۔ تا کی زبر وسکون اور یا کی زبر، یائے نسبت مشدد۔ یہ اس کی ماں کی نسبت ہے جو بنی لتب کی طرف منسوب ہے (لتب تا ساکن سے) یہ ایک مشہور قبیلہ ہے۔ ابن اللتبیہ کا نام عبداللہ ہے۔

۴؎ جب اس کی یہ بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچی تو آپ ناخوش ہوئے۔ چنانچہ آپ نے خطبہ ارشاد فرمایا۔ اس میں پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کی جیسا کہ خطبہ میں ہوتا ہے۔

۵؎ یہ راوی کا شک ہے۔ یا بیان نوع کے لیے ہے۔

۶؎ یعنی یہ پیشکش کہ یہ مال ہدیہ اور تحفہ اسے دیا گیا ہے۔ درحقیقت اس کے عامل ہونے کی وجہ سے اسے دیا گیا ہے۔ اگر وہ عامل نہ ہوتا بلکہ اپنے گھر میں ہی بیٹھا ہوتا۔ تو ہدیہ اور تحفے کے نام سے اسے کون دیتا۔ لہٰذا اس مال کے ملنے کی اصل وجہ وہ ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر کسی کا دوست یا عزیز ہمیشہ سے اسے تحفے دینے کا عادی تھا۔ اس کے عامل ہونے کی وجہ سے اسے نہیں بھیجتا تھا۔ تو اس کا مال اسے لینا جائز ہے۔ جیسا کہ قاضی کے ہدیہ اور ضیافت میں کہا گیا ہے۔

۷؎ حدیث میں لفظ رُغاء را کی پیش غین نقطہ والا کی مد بمعنی اونٹ، بھیڑیے، بچھو اور شتر مرغ کی آواز اور سپاہی کے رونے اور اس کے سخت گریہ کی آواز۔ اور گائے کی آواز کو عربی میں خوار کہتے ہیں۔ خا کی پیش بمعنی گائے کی آواز قاموس میں کہا خوار گائے بکری اور ہرن کی آواز اور بھیڑ کی آواز کو تعر کہتے ہیں۔ چنانچہ یہاں حدیث میں لفظ تیعر یعین کی زیر

یا زبر وزن یضرب! پنۃ اور یعار یا کی پیش سے بھی آیا ہے بمعنی بھیڑ کی آواز۔

ش۵ حدیث میں لفظ عُفرۃ بروزن غُرۃ وصفرۃ بمعنی سفیدی، اعفر بمعنی سفید۔ جس طرح احمر، ابیض بمعنی سفید آتا ہے۔

ش۹ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قول مبارک هَلاَّ جَلَسَ الی آخرہ میں اس امر کی دلیل ہے کہ جو کام کسی دوسرے حرام و ناجائز کام کا ذریعہ اور وسیلہ بنے وہ بھی حرام ہو جاتا ہے کیونکہ وسائل مقاصد کے حکم میں ہیں۔ پس جو چیز حرام کا ذریعہ اور وسیلہ بنے وہ چیز بھی حرام ہو جاتی ہے۔ یہیں سے یہ مسئلہ بھی ہے کہ جس قرض پر نفع حاصل کیا جائے وہ قرض سود بن جاتا ہے۔ جو حرام ہے۔ پھر اس عبارت سے اگلی عبارت یعنی وکل دخیل فی العقود الخ خالص خطابی کی عبارت ہے یعنی جو چیز دوسرے عقدوں میں شامل ہو کر کسی حکم کو اختیار کرے اس کے متعلق غور کیا جائے گا کہ اس کا اکیلے بھی حکم وہی ہے جو دوسرے عقدوں کے ساتھ مل کر ہوتا ہے۔ یا اکیلے اور حکم دوسروں کے ساتھ مل کر اور حکم۔ شرح سنۃ میں ایسا ہی ہے۔ یہ دوسرا کلیہ اس شخص کے مذہب کے لائق ہے جو حیلے کو جائز قرار نہیں دیتا۔ جیسے امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ لیکن امام ابو حنیفہ امام شافعی اور دوسرے بہت سے ائمہ جو حیلہ کو جائز قرار دیتے ہیں وہ اس قاعدہ کو اختیار نہیں کرتے۔ جیسا کہ شرح شیخ میں مذکور ہے۔

وَعَنْ عَدِيِّ بْنِ عَمِيْرَةَ[1] قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنِ اسْتَعْمَلْنَاهُ مِنْكُمْ عَلٰى عَمَلٍ فَكَتَمَنَا مِخْيَطًا[2] فَمَا فَوْقَهٗ[3] كَانَ غُلُوْلًا[4] يَأْتِيْ بِهٖ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت عدی بن عمیرہ[1] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہم تم میں سے جسے کسی کام پر عامل بنائیں۔ پھر وہ ہم سے سوئی[2] یا اس سے زیادہ[3] کوئی چیز چھپائے گا تو یہ بھی خیانت[4] ہے جسے وہ قیامت کے دن لے کر آئے گا (مسلم شریف)

ل۱ عُمیرہ عین کی پیش میم کی زبر یا ساکن، آپ صحابی ہیں رضی اللہ عنہ۔

ل۲ حدیث میں واقع لفظ مِخیط میم کا زیر خا ساکن، اور یا کی زبر بمعنی سوئی۔

ل۳ یا اس سے زیادہ یعنی کمی میں سوئی سے بڑی ہونے میں زیادہ۔

ل۴ غُلول غین کی پیش بمعنی غنیمت میں خیانت۔ مطلق خیانت کے لیے بھی آتا ہے۔

الفصلُ الثانی

دوسری فصل

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضؓ قَالَ لَمَّا

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے

نَزَلَتْ هٰذِهِ الْاٰيَةُ وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ كَبُرَ ذٰلِكَ عَلَى الْمُسْلِمِيْنَ فَقَالَ عُمَرُ اَنَا اُفَرِّجُ عَنْكُمْ فَانْطَلَقَ فَقَالَ يَا نَبِيَّ اللّٰهِ اِنَّهٗ كَبُرَ عَلٰى اَصْحَابِكَ هٰذِهِ الْاٰيَةُ فَقَالَ اِنَّ اللّٰهَ لَمْ يَفْرِضِ الزَّكٰوةَ اِلَّا لِيُطَيِّبَ مَا بَقِيَ مِنْ اَمْوَالِكُمْ وَ اِنَّمَا فَرَضَ الْمَوَارِيْثَ وَ ذَكَرَ كَلِمَةً لِتَكُوْنَ لِمَنْ بَعْدَكُمْ فَقَالَ فَكَبَّرَ عُمَرُ ثُمَّ قَالَ لَهٗ اَلَا اُخْبِرُكَ بِخَيْرِ مَا يَكْنِزُ الْمَرْءُ الْمَرْاَةُ الصَّالِحَةُ اِذَا نَظَرَ اِلَيْهَا سَرَّتْهُ وَ اِذَا اَمَرَهَا اَطَاعَتْهُ وَ اِذَا غَابَ عَنْهَا حَفِظَتْهُ۔

(رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ)

فرماتے ہیں جب یہ آیت[1] وَالَّذِیْنَ یَکْنِزُوْنَ الذَّھَبَ وَالْفِضَّۃَ نازل ہوئی۔ "جو لوگ سونا اور چاندی جمع کرتے ہیں" مسلمانوں کو یہ بات بڑی بھاری محسوس ہوئی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بولے تمہاری اس تنگی کو میں کھولتا اور دور کرتا ہوں[2]۔ آپ چل پڑے اور عرض کیا یا رسول اللہ یہ آپ کے صحابہ پر بھاری ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ اسی لیے فرض کی ہے کہ تمہارے باقی مالوں کو پاک وطیب کر دے[3]۔ اور اس نے وراثتیں فرض کیں اور ایک بات ارشاد فرمائی[4]۔ تاکہ وہ پاک وطیب مال تمہارے بعد والوں کے لیے ہو۔ راوی کہتا ہے کہ اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تکبیر کہی[5]۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا میں تمہیں وہ عمدہ چیز نہ بتاؤں جسے آدمی جمع کرتا ہے۔ وہ اچھی اور نیک بیوی[6] ہے جب اسے دیکھے تو وہ اسے مسرت وخوشی سے بھر دے جب اسے کوئی حکم دے تو اس کی فرمانبرداری کرے اور جب مرد گھر سے غائب ہو تو اس کی حفاظت کرے

(ابوداؤد)

۱؎ اس آیت کا مجملاً بیان و مضمون یہ ہے جو لوگ سونے چاندی کا خزانہ جمع کرتے ہیں اور اسے راہ خدا میں خرچ نہیں کرتے وہ سونا چاندی آتش دوزخ میں گرم کیا جائے گا اور اس سے ان کی پیشانیوں، ان کے پہلوؤں اور پشتوں داغا جائے گا۔ جیسا کہ فصل اول میں گزرا۔

۲؎ یعنی تمہاری اس تنگی اور مشکل کو میں دور کرتا ہوں۔ حدیث میں واقع لفظ اُفَرِّجُ تفریج سے بنا ہے (جیم مع راشدہ سے) بمعنی کھولنا۔ یہ فرج بمعنی کشادگی سے نکلا ہے۔

۳؎ یعنی جب تم نے زکوٰۃ ادا کر دی تو باقی ماندہ مال کو اگر تم جمع کرو۔ اور اس کا خزانہ بناؤ تو کوئی حرج اور گناہ کی بات نہیں۔ اور مذکورہ آیت قرآن میں مال کو خزانہ بنانے پر جو وعید اور ڈانٹ آئی ہے۔ وہ اس صورت میں ہے جب کہ تم

اس کی زکوٰۃ ادا نہ کرو۔ اگر اس کی زکوٰۃ دے دو اور خزانہ بناؤ تو وہ اس وعید اور ڈانٹ میں داخل نہیں۔

۴ یہ راوی کا قول ہے۔ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے لفظ انما فرض المواریث کے بعد ایک بات اور ارشاد فرمائی جو مجھے یاد ہے یہی ہے جو میں نے بیان کی۔ کہ اللہ تعالیٰ نے میراث فرض کی وہ اس لیے فرض کی تاکہ وہ مال تمہارے بعد والوں کے لیے رہے۔ جو تمہارے وارث ہیں یعنی وراثت کا حکم اس لیے جاری فرمایا تاکہ مال جمع کرنے کا جواز ظاہر ہو اگر مال جمع نہ ہوگا۔ تو میراث کہاں سے آئے گی۔

۵ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول پر بطور خوشی تعجب کرتے ہوئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تکبیر کہی اور اس عقدہ کشائی اور جمع مال کی اجازت ملنے پر اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کی۔

۶ جو خدا تعالیٰ کے احکام و ارشادات پر عمل کرے اور شوہر کی فرمانبرداری کرے اور اس کی رضا و خوشنودی میں کوشاں رہے۔ جیسا کہ فرمایا کہ جب مرد اس کی طرف دیکھے تو اسے خوش کر دے۔ اور اسے اپنے حسن صورت و سیرت اور عمدہ اخلاق و عادات سے مسرور و شاداں کر دے۔ اور اپنے مرد کی اطاعت میں چست ہو۔ اور جب مرد سامنے نہ ہو تو مرد کے مال و اسباب اور اپنے جسم کی پوری طرح حفاظت کرے۔

وَعَنْ جَابِرِ بْنِ عَتِيكٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَيَأْتِيْكُمْ رُكَيْبٌ مُبَغَّضُوْنَ فَإِذَا جَاءُوْكُمْ فَرَحِّبُوْا بِهِمْ وَخَلُّوْا بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ مَا يَبْتَغُوْنَ فَإِنْ عَدَلُوْا فَلِأَنْفُسِهِمْ وَإِنْ ظَلَمُوْا فَعَلَيْهِمْ وَأَرْضُوْهُمْ فَإِنَّ تَمَامَ زَكٰوتِكُمْ رِضَاهُمْ وَلْيَدْعُوْا لَكُمْ. (رَوَاهُ أَبُوْ دَاوُدَ)

حضرت جابر بن عتیک[1] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عنقریب تمہارے پاس ناپسندیدہ سوار[2] لوگ آئیں گے۔ وہ جب آئیں تو انہیں مرحبا کہنا[3]۔ اور جو وہ چاہیں اسے ان کے سامنے حاضر کرنا۔ پھر اگر وہ انصاف کریں تو اس میں ان کا فائدہ ہے اور اگر ظلم کریں تو ان کے لیے نقصان وہ ہے۔ تمہاری زکوٰۃ کی تکمیل ان کا راضی ہونا[4] ہے اور چاہیے کہ وہ تمہارے لیے دعا کریں۔ (ابو داؤد)

۱ حضرت جابر بن عتیک (عین کی زیر تا کی زیر یا ساکن) آپ نہایت بزرگ انصاری صحابی ہیں ان کے جنگ بدر کی شرکت میں اختلاف ہے۔ اس کے بعد کے تمام غزوات میں شریک ہوئے۔

۲ رُکَیب راکب کی تصغیر ہے۔ انہیں ناپسندیدہ اس لیے کہا کہ لوگ تقاضائے طبیعت کے تحت انہیں پسند نہ کریں گے کیونکہ وہ لوگوں سے مال زکوٰۃ وصول کرنے آئیں گے۔ یا وہ سوار بد خلقی اور سخت مزاجی سے پیش آئیں گے۔ مراد

اس کی زکوٰۃ ادا نہ کرو۔ اگر اس کی زکوٰۃ دے دو اور خزانہ بناؤ تو معاملہ وعید اور ڈانٹ میں داخل نہیں۔

ؔ۴ یہ راوی کا قول ہے یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے لفظ انما فرض المواریث کے بعد ایک بات اور ارشاد فرمائی جو مجھے یاد ہے یہی ہے جو میں نے بیان کی۔ کہ اللہ تعالےٰ نے میراث فرض کی وہ اس لیے فرض کی تاکہ وہ مال تمہارے بعد والوں کے لیے رہے۔ جو تمہارے وارث ہیں یعنی وراثت کا حکم اس لیے جاری فرمایا تاکہ مال جمع کرنے کا جواز ظاہر ہو اگر مال جمع نہ ہوگا۔ تو میراث کہاں سے آئے گی۔

ؔ۵ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول پر بطور خوشی تعجب کرتے ہوئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تکبیر کہی اور اس عقدہ کشائی اور جمع مال کی اجازت ملنے پر اللہ تعالےٰ کی حمد و ثنا کی۔

ؔ۶ جو خدا تعالےٰ کے احکام و ارشادات پر عمل کرے اور شوہر کی فرمانبرداری کرے اور اس کی رضا و خوشنودی میں کوشاں رہے۔ جیسا کہ فرمایا کہ جب مرد اس کی طرف دیکھے تو اسے خوش کردے۔ اور اسے اپنے حسن صورت و سیرت اور عمدہ اخلاق و عادات سے مسرور و شاداں کردے۔ اور اپنے مرد کی اطاعت میں چست ہو۔ اور جب مرد سامنے نہ ہو تو مرد کے مال و اسباب اور اپنے جسم کی پوری طرح حفاظت کرے۔

وَعَنْ جَابِرِ بْنِ عَتِيْكٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَيَأْتِيْكُمْ رُكَيْبٌ مُبْغَضُوْنَ فَإِذَا جَاءُوْكُمْ فَرَحِّبُوْا بِهِمْ وَخَلُّوْا بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ مَا يَبْتَغُوْنَ فَإِنْ عَدَلُوْا فَلِأَنْفُسِهِمْ وَإِنْ ظَلَمُوْا فَعَلَيْهِمْ أَرْضُوْهُمْ فَإِنَّ تَمَامَ زَكٰوتِكُمْ رِضَاهُمْ وَلْيَدْعُوْا لَكُمْ. (رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ)

حضرت جابر بن عتیک[۱] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عنقریب تمہارے پاس ناپسندیدہ سوار[۲] لوگ آئیں گے۔ وہ جب آئیں تو انہیں مرحبا کہنا۔ اور جو وہ چاہیں اسے ان کے سامنے حاضر کرنا۔ پھر اگر وہ انصاف کریں تو اس میں ان کا فائدہ ہے اور اگر ظلم کریں تو ان کے لیے نقصان وہ ہے۔ تمہاری زکوٰۃ کی تکمیل ان کا راضی[۳] ہونا ہے اور چاہیے کہ وہ تمہارے لیے دعا کریں۔ (ابوداؤد)

ؔ۱ حضرت جابر بن عتیک (عین کی زیر تا کی زیر یا ساکن) آپ نہایت بزرگ انصاری صحابی ہیں ان کے جنگ بدر کی شرکت میں اختلاف ہے۔ اس کے بعد کے تمام غزوات میں شریک ہوئے۔

ؔ۲ رُکَیب رَاکِب کی تصغیر ہے۔ انہیں ناپسندیدہ اس لیے کہا کہ لوگ تقاضائے طبیعت کے تحت انہیں پسند نہ کریں گے کیونکہ وہ لوگوں سے مال زکوٰۃ وصول کرنے آئیں گے۔ یا وہ سوار بدخلقی اور سخت مزاجی سے پیش آئیں گے۔ مراد

یہ ہے کہ تمہارے پاس زکوٰۃ وصول کرنے والے آئیں گے۔

۳؎ یعنی ان کے لیے فراخ وکشادہ جگہ مہیا کرنا اور انہیں مرحبا کہنا۔

۴؎ اس میں کسی قسم کی رکاوٹ اور مخالفت نہ کرنا۔ پھر اگر یہ لوگ عدل وانصاف سے کام لیں گے تو اپنے لیے کریں گے اور اس کا ثواب خود انہیں ملے گا اور اگر وہ تمہارے خیال وعقیدہ میں ظلم کریں گے یا بالفرض والتقدیر ظلم سے کام لیں گے ورنہ جو شخص فی الحقیقت ظلم وستم کرے اسے راضی وخوش کرنے کا کیا معنیٰ۔

۵؎ یعنی اگرچہ اصل فرض ادائے زکوٰۃ ہے لیکن اگر عاملین زکوٰۃ تم سے خوش اور راضی جائیں تو یہ بہت اتم واکمل بات ہے۔

۶؎ یعنی عاملین زکوٰۃ کو چاہیے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت میں تمہارے لیے دعائے خیر کریں کہ خدا تعالےٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا تھا کہ زکوٰۃ وصول کرنے کے بعد ان کے لیے دعا کیا کریں۔

وَعَنْ جَرِيْرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ رضـ قَالَ جَآءَ نَاسٌ يَعْنِيْ مِنَ الْاَعْرَابِ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالُوْا اِنَّ نَاسًا مِّنَ الْمُصَدِّقِيْنَ يَأْتُوْنَ فَيَظْلِمُوْنَ فَقَالَ اَرْضُوْا مُصَدِّقِيْكُمْ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَاِنْ ظَلَمُوْنَا قَالَ اَرْضُوْا مُصَدِّقِيْكُمْ وَاِنْ ظُلِمْتُمْ. (رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ)

حضرت جریر ۱؎ بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں۔ کچھ دیہاتی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ زکوٰۃ وصول کرنے والے ہمارے پاس آتے ہیں تو ہم پر ظلم وستم کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنے زکوٰۃ وصول کرنے والوں کو راضی کرو۔ انہوں نے عرض کی یا رسول اللہ اگرچہ وہ ہم پر ظلم کریں فرمایا انہیں راضی کرو اگرچہ تم پر ظلم ہی کیا جائے ۲؎۔ (ابوداؤد شریف)

۱؎ آپ صحابی ہیں اور حسن صورت وسیرت میں مشہور ہیں۔

۲؎ مگر اس ظلم کی وہی تشریح وتوجیہ ہے جو گذشتہ حدیث میں بیان ہو چکی ہے۔

وَعَنْ بَشِيْرِ بْنِ الْخَصَاصِيَّةِ قَالَ قُلْنَا اِنَّ اَهْلَ الصَّدَقَةِ يَعْتَدُوْنَ عَلَيْنَا اَفَنَكْتُمُ مِنْ اَمْوَالِنَا بِقَدْرِ مَا يَعْتَدُوْنَ

حضرت بشیر ۱؎ بن خصاصیہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں ہم نے عرض کیا کہ زکوٰۃ وصول کرنے والے ہم پر زیادتی ۲؎ کرتے ہیں تو کیا ہم لوگ ان کی زیادتی کی مقدار اپنے مال ان سے چھپا لیا کریں؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم

قَالَ لَا.

(رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ)

نے فرمایا نہیں۔ (اپنے مال ان سے نہ چھپاؤ)

(ابو داؤد شریف)

ؔ۱ بشیر (با کی زبر شین کی زیر) خصاصیہ خا کی زبر صاد مخفف یا کی شد یا بغیر شد یہ ان کی ماں کا نام ہے۔ حضرت بشیر صحابی ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام۔

ؔ۲ کہ یہ لوگ حد انصاف سے تجاوز کرتے اور ہم پر ظلم و تعدی کرتے ہیں۔

ؔ۳ امراء کی زیادتی اور ظلم پر صبر کرو۔

وَعَنْ رَافِعِ بْنِ خَدِيْجٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْعَامِلُ عَلَى الصَّدَقَةِ بِالْحَقِّ كَالْغَازِيْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ حَتّٰى يَرْجِعَ اِلٰى بَيْتِهٖ.

(رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ)

حضرت رافع بن خدیج[1] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا درستی اور سچائی سے زکوٰۃ وصول کرنے والا اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے کی طرح ہے۔ یہاں تک کہ اپنے گھر واپس آ جائے۔

(ابو داؤد و ترمذی)

ؔ۱ خدیج: خا کی زبر دال کی زیر) آپ انصاری صحابی ہیں۔ رضی اللہ عنہ۔

وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا جَلَبَ وَلَا جَنَبَ وَلَا تُؤْخَذُ صَدَقَاتُهُمْ اِلَّا فِيْ دُوْرِهِمْ.

(رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ)

حضرت عمرو بن شعیب وہ اپنے والد وہ دادا سے روایت کرتے ہیں۔ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی ہیں کہ آپ نے فرمایا نہ مال ایک جگہ سے منگوانا جائز ہے اور نہ مال کو دور لے جانا اور لوگوں سے ان کے صدقات نہ لیے جائیں۔ مگر ان کے گھروں میں ہی[1]۔

(ابو داؤد شریف)

ؔ۱ حدیث میں واقع لفظ جلب و جنب (دونوں جیم اور درمیانی حرف اول میں لام دوسرے میں نون کی زبر سے) جلب سے یہ مراد ہے کہ زکوٰۃ وصول کرنے والا دور جا کر ٹھہرے اور مویشیوں والوں سے کہے کہ اپنے مویشی وہاں لاؤ جہاں وہ ٹھہرا ہے

ؔ۱ دیہاتیوں سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا محض ان کی دلجوئی کے لیے تھا کہ یہ لوگ دیہاتی ہونے اور ذرائع معاش کے تنگ ہونے کی بنا پر بخل سے کام لیتے تھے ورنہ آپ کی طرف سے زکوٰۃ وصول کرنے والے حضرات علماء اور شریعت کو جاننے والے ہوتے تھے۔ ان سے ظلم و زیادتی کرنے کا امکان نہ تھا۔ مترجم عفرلہ۔

اور جنب سے یہ مراد ہے کہ مویشیوں والا زکوٰۃ دہندہ کسی اور جگہ چلا جائے اور زکوٰۃ وصول کرنے والے کو مشقت میں ڈالے کہ وہ وہاں چل کر آئے۔ یہ دونوں صورتیں ممنوع ہیں کیونکہ اس میں تکلیف و مشقت ہے۔ پہلی صورت میں زکوٰۃ دینے والے کے لیے دوسری میں زکوٰۃ وصول کرنے والے کے لیے۔

۲ یہ کلام سابق کا تتمہ اور تاکید ہے اور جلب و جنب دونوں صورتوں کو شامل ہے۔

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنِ اسْتَفَادَ مَالًا فَلَا زَكٰوةَ فِيْهِ حَتّٰى يَحُوْلَ عَلَيْهِ الْحَوْلُ.

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے مال حاصل کیا (مال اربا) اس پر زکوٰۃ (فرض) نہیں جب تک کہ اس پر سال نہ گزرے۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

(ترمذی شریف)

وَذَكَرَ جَمَاعَةً اَنَّهُمْ وَقَفُوْهُ عَلَى ابْنِ عُمَرَ.

اور ترمذی نے ایک جماعت کا ذکر کیا جس نے اس حدیث کو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ پر موقوف کیا۔[۱]

۱ یعنی یہ کہ یہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کا قول ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث نہیں ہے۔ حدیث موقوف صحابی کے قول کو کہتے ہیں۔ جیسا کہ حدیث مرفوع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول مبارک کو۔ مگر ایسی موقوف حدیث جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنے بغیر معلوم نہ ہو سکے مرفوع حدیث کا حکم رکھتی ہے۔ جیسا کہ مقدمہ میں معلوم ہو چکا ہے۔

وَعَنْ عَلِيٍّ رضی اللہ عنہ اَنَّ الْعَبَّاسَ سَاَلَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ تَعْجِيْلِ صَدَقَتِهٖ قَبْلَ اَنْ تَحِلَّ فَرَخَّصَ لَهٗ فِيْ ذٰلِكَ.
(رَوَاهُ اَبُوْدَاؤدَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَالدَّارِمِيُّ)

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بے شک حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زکوٰۃ (فرض) ہونے سے پہلے[۱] اس کے ادا کرنے کے متعلق دریافت کیا تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اس کی اجازت دے دی۔[۲]

(ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ و دارمی)

۱ یہاں حدیث میں لفظ اَنْ تَحِلَّ آیا ہے۔ حا کی زیر سے۔ یہ حلول دین سے بنا ہے۔ اور حلول در مکان کے لیے حا کی زیر اور پیش دونوں طرح آتا ہے۔

۲ احناف رحمہم اللہ کا مذہب یہی ہے اور دوسرے اکثر ائمہ بھی اسی پر ہیں کہ سبب وجود زکوٰۃ یعنی نصاب موجود ہو تا ہے یہ حدیث فصل اول میں مذکور حضرت ابوہریرہ کی حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قول مبارک وَاَمَّا الْعَبَّاسُ فَهِيَ عَلَيَّ

کی تائید کرتی ہے۔

وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَطَبَ النَّاسَ فَقَالَ أَلَا مَنْ وَلِيَ يَتِيمًا لَهُ مَالٌ فَلْيَتَّجِرْ فِيهِ وَلَا يَتْرُكْهُ حَتَّى تَأْكُلَهُ الصَّدَقَةُ. (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ) وَقَالَ فِي إِسْنَادِهِ مَقَالٌ لِأَنَّ الْمُثَنَّى بْنَ الصَّبَّاحِ ضَعِيفٌ.

حضرت عمرو بن شعیب سے روایت ہے وہ اپنے والد اور اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو خطبہ ارشاد فرمایا کہ سنو جو کسی یتیم کا والی بنا جس کے پاس مال ہو تو وہ اس میں تجارت کرے اسے چھوڑے نہ رکھے کہ زکاۃ ہی اس کا مال کھا جائے[1]۔

اسے ترمذی نے روایت کیا

اور کہا اس کے اسناد میں اعتراض ہے کیونکہ مثنیٰ بن صباح ضعیف ہے۔

[1] یعنی اس کے مال کو کم کردے اور اسے فنا کردے۔

[2] صباح باء کی شد سے۔ جو کہ حدیث کے راویوں میں سے ہے۔ اگر چہ یہ صاحب صالح اور نیک ہیں اور عبادت میں مضبوط و قوی ہیں مگر ان کی حدیث میں نرمی اور کمزوری پائی جاتی ہے۔ یہ صاحب ۱۴۹ ھ میں فوت ہوئے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ لَمَّا تُوُفِّيَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاسْتُخْلِفَ أَبُو بَكْرٍ بَعْدَهُ وَكَفَرَ مَنْ كَفَرَ مِنَ الْعَرَبِ قَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ لِأَبِي بَكْرٍ كَيْفَ تُقَاتِلُ النَّاسَ وَقَدْ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أُمِرْتُ أَنْ أُقَاتِلَ النَّاسَ حَتَّى يَقُولُوا لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ فَمَنْ قَالَ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ عَصَمَ مِنِّي مَالَهُ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وصال فرما گئے۔ اور آپ کے بعد سیدنا ابوبکر خلیفہ بنائے گئے اور اہل دیہات میں سے جو کافر ہوئے وہ ہوئے[1] تو حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے عرض کی، آپ ان لوگوں سے کیسے جنگ کریں گے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو فرمایا ہے۔ مجھے لوگوں سے جنگ کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ یہاں تک کہ وہ کہیں لا الٰہ الا اللہ تو جس نے لا الٰہ الا اللہ کہہ لیا اس نے مجھ سے اپنے جان و مال بچا لیے۔ مگر حق اسلام[2] کے تحت

وَ نَفْسَهٗ اِلَّا بِحَقِّهٖ وَ حِسَابُهٗ عَلَى اللّٰهِ فَقَالَ اَبُوْ بَكْرٍ وَ اللّٰهِ لَاُقَاتِلَنَّ مَنْ فَرَّقَ بَيْنَ الصَّلٰوةِ وَ الزَّكٰوةِ فَاِنَّ الزَّكٰوةَ حَقُّ الْمَالِ وَ اللّٰهِ لَوْ مَنَعُوْنِيْ عَنَاقًا كَانُوْا يُؤَدُّوْنَهَا اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَقَاتَلْتُهُمْ عَلٰى مَنْعِهَا قَالَ عُمَرُ فَوَاللّٰهِ مَا هُوَ اِلَّا رَاَيْتُ اَنَّ اللّٰهَ شَرَحَ صَدْرَ اَبِيْ بَكْرٍ لِلْقِتَالِ فَعَرَفْتُ اَنَّهُ الْحَقُّ۔
(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

اور اس کا حساب اللہ پر ہے[۳]۔ اس پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا رب تعالےٰ کی قسم میں اس کے خلاف ضرور جہاد کروں گا جو نماز و زکوٰۃ میں فرق کرے گا[۴] کہ بے شک زکوٰۃ مال کا حق ہے[۵]۔ اللہ تعالےٰ کی قسم اگر وہ مجھے بکری کا بچہ نہ دیں گے[۶] جو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا کرتے تھے تو میں اس منع کرنے پر ان کے خلاف ضرور جہاد کروں گا[۷]۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ خدا کی قسم میرا یہ حال ہوا کہ میں نے یقین سے یہ جان لیا کہ اس جہاد کے لیے ابوبکر کا سینہ اللہ تعالےٰ نے کھول دیا ہے اور میں پہچان گیا کہ یہ جہاد برحق ہے۔
(بخاری و مسلم)

[۱] یعنی زکوٰۃ کی فرضیت کا انکار کرکے اور مسلیمۃ الکذاب (اللہ اس پر لعنت کرے) کے ساتھ مل جانے کی بنا پر اس صورت میں کفر سے حقیقۃً کفر مراد ہوگا۔ کیونکہ فرضیت زکوٰۃ ایک قطعی امر ہے تو پھر اس کا انکار یقیناً کفر ہوگا۔ جس طرح نماز کا انکار۔ یا یہ کفر زکوٰۃ دینے سے رکنے کے طور پر تھا۔ اس صورت میں اسے کفر قرار دینا تغلیظ و تشدید کے طور پر ہوگا۔ اور مراد کفران نعمت ہوگا۔ جس طرح ایک دوسری حدیث میں آیا ہے۔ مَنْ تَرَكَ الصَّلٰوةَ مُتَعَمِّدًا فَقَدْ كَفَرَ (جس نے جان بوجھ کر نماز کو چھوڑا اس نے کفر والا کام کیا) میں علماء نے کہا ہے۔ شرح شیخ میں کہا کہ ہو سکتا ہے بعض فرضیت زکوٰۃ کے منکر ہو گئے ہوں۔ اور بعض نے زکوٰۃ ادا کرنے سے انکار کیا ہو۔ اس صورت میں اطلاق کفر اور کفر کی نفی دونوں اپنے اپنے اعتبار سے درست ہوں۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اولاً ظاہری مفہوم کو لیا ہو۔ اور بالآخر جب آپ پر حقیقت حال منکشف ہو گئی تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے موافق ہو گئے اور اس امر کا اعتراف کر لیا کہ حق وہی ہے جو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے۔ جیسا کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کہا۔ كَيْفَ تُقَاتِلُ النَّاسَ وَ قَدْ قَالَ الخ

[۲] اور ایک روایت میں صراحۃً اِلَّا بِحَقِّ الْاِسْلَامِ کا لفظ آیا ہے۔ حق اسلام جیسے آیت قصاص وغیرہ۔

[۳] یعنی اس کا حکم ظاہر شرح میں یہ ہے اور اس کے باطن کا معاملہ آخرت میں علم الٰہی میں ہے۔ جیسا کہ منافق کا حکم ہے اور اس کا حکم بھی جو زبان سے لا الٰہ الا اللہ کہتا ہے صدق دل سے نہیں کہتا۔

[۴] کہ نماز کی فرضیت کا تو قائل ہو مگر وجوب زکوٰۃ کا منکر ہو۔ یا ادل (دونوں) پر تو عمل کرے مگر زکوٰۃ دینے سے سرتابی کرے

ف۵ اور شاذ نفس کا حق ہے۔ اس عطف کو واجب کرنے والا اسلام ہے۔

ف۶ حدیث میں لفظ عناق آیا ہے (عین کی زبر یعنی بکری کا مادہ بچہ جو ایک سال کا نہ ہو) ایک روایت میں لفظ عقال آیا ہے یعنی اونٹ کی مہار کی رسی۔ یہ دراصل طلب حق میں مبالغہ ہے۔ قاموس میں کہا عقال عین کی زیر سے بمعنی اونٹ یا بکری کی ایک سال کی زکوٰۃ۔

ف۷ کہ میں ان کے زکوٰۃ نہ دینے پر ان سے جہاد کروں گا ان کے کفر و ارتداد کی بنا پر اگر منکر ہوں۔ یا ان سے جہاد کروں گا۔ شعائر اسلام کی حفاظت اور فتنے کا دروازہ بند کرنے کے لیے اگر وہ زکوٰۃ نہ دیں۔ گو اس کے منکر نہ ہوں۔ اسے سمجھو۔

ف۸ ایک روایت میں آیا ہے کہ بعض دوسرے صحابہ کرام حتیٰ کہ سیدنا حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے بھی حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو اس جہاد سے منع کیا اور عرض کیا کہ یہ خلافت کا بالکل ابتدائی دور ہے۔ مخالفین تعداد میں زیادہ ہیں ایسا نہ ہو کہ کارخانۂ اسلام میں خلل و فتور لاحق ہو جائے اس لیے توقف و تاخیر سے کام لینا بہتر ہے۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا اگر سب لوگ ایک جانب ہو جائیں اور میں اکیلا رہ جاؤں تو میں تن تنہا ان سے جہاد و قتال کروں گا۔ یہ بات حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی کمال شجاعت پر دلالت کرتی ہے۔

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَكُوْنُ كَنْزُ اَحَدِكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ شُجَاعًا اَقْرَعَ يَفِرُّ مِنْهُ صَاحِبُهٗ وَهُوَ يَطْلُبُهٗ حَتّٰى يُلْقِمَهٗ اَصَابِعَهٗ. (رَوَاهُ اَحْمَدُ)

انہی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے ہر ایک کا خزانہ قیامت کے دن گنجا سانپ بنے گا جس سے اس کا مالک بھاگے گا اور وہ اسے تلاش کرے گا حتیٰ کہ اپنی انگلیوں کو اس کا لقمہ بنائے گا۔ (مسند احمد)

ف۱ جیسا کہ فصل اول میں گزرا۔

ف۲ یعنی صاحب خزانہ اپنی انگلیاں سانپ کے منہ میں ڈالے گا۔ جیسا کہ عادت ہے کہ سانپ وغیرہ سے ڈر کے وقت ہاتھ کو اس کے منہ میں ڈالتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ کوئی چیز دینے یا روکنے کا اثر ہاتھ اور انگلیوں سے ظاہر ہوتا ہے۔ (یا یہ کہ وہ سانپ اس کی انگلیوں کو اپنا لقمہ بنائے گا مرقاۃ)

وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا مِنْ رَّجُلٍ لَا يُؤَدِّيْ زَكٰوةَ مَالِهٖ

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کوئی شخص نہیں جو اپنے مال کی زکوٰۃ نہیں دیتا مگر قیامت کے

اِلَّا جَعَلَ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِىْ عُنُقِهٖ شُجَاعًا ثُمَّ قَرَأَ عَلَيْنَا مِصْدَاقَهٗ مِنْ كِتَابِ اللّٰهِ وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ بِمَا اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ. اَلْاٰيَةَ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَالنَّسَائِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ)

مگر اللہ تعالیٰ اس کے گلے میں اسے سانپ بنا کر ڈالے گا پھر آپ نے ہم پر اس کی دلیل میں قرآن پاک کی یہ آیت پڑھی۔ وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ بِمَا اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ۔ الآیۃ۔

(ترمذی، نسائی، ابن ماجہ)

۱ جو آپ کے قول مبارک کی تصدیق کرتی اور اس کے موافق ہے۔

۲ یعنی پوری آیت تلاوت فرمائی۔ جیسا کہ فصل اول میں مذکور ہوا۔

وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَا خَالَطَتِ الزَّكٰوةُ مَالًا قَطُّ اِلَّا اَهْلَكَتْهُ. (رَوَاهُ الشَّافِعِيُّ وَالْبُخَارِيُّ) فِىْ تَارِيْخِهٖ وَالْحُمَيْدِيُّ وَزَادَ قَالَ يَكُوْنُ قَدْ وَجَبَ عَلَيْكَ صَدَقَةٌ فَلَا تُخْرِجُهَا فَيُهْلِكُ الْحَرَامُ الْحَلَالَ وَقَدِ احْتَجَّ بِهٖ مَنْ يَرٰى تَعَلُّقَ الزَّكٰوةِ بِالْعَيْنِ هٰكَذَا فِى الْمُنْتَقٰى وَرَوَى الْبَيْهَقِيُّ فِىْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ عَنْ اَحْمَدَ بْنِ حَنْبَلٍ بِاِسْنَادِهٖ اِلٰى عَائِشَةَ وَقَالَ اَحْمَدُ فِىْ خَالَطَتْ تَفْسِيْرُهٗ اَنَّ الرَّجُلَ يَاْخُذُ الزَّكٰوةَ وَهُوَ مُوْسِرٌ اَوْ غَنِيٌّ وَاِنَّمَا هِيَ لِلْفُقَرَاءِ.

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا کہ زکوٰۃ کسی مال میں نہ ملے گی مگر اسے ہلاک کردے گی۔

(شافعی)

اور بخاری نے اپنی تاریخ میں روایت کی اور حمیدی نے یہ زیادتی کی کہ فرمایا ایسا ہوتا ہے کہ تم پر زکوٰۃ فرض ہو اور تم نہ نکالو تو حرام حلال کو ہلاک کردے گا۔ اس حدیث سے انہوں نے استدلال کیا ہے جو زکوٰۃ کو عین مال سے متعلق مانتے ہیں۔ یوں ہی کتاب منتقٰی میں ہے اور بیہقی نے شعب الایمان میں امام احمد بن حنبل سے روایت کیا ان کی اسناد حضرت عائشہ تک ہے اور امام احمد نے مخلوط ہونے کی تفسیر یہ کی کہ کوئی شخص زکوٰۃ لے لے۔ حالانکہ وہ خود مالدار ہو اور بے شک زکوٰۃ تو غریبوں کے لیے ہے۔

ؐ۱ کہ اس مال سے زکوٰۃ ادا کرنے کی وجہ سے وہ مال ضائع ہو جائے گا یا اس مال کو حرام کردے گی اور حرام شے سے چونکہ نفع حاصل کرنا ممنوع ہے اس لیے وہ مال گویا ہلاک اور ضائع ہو گیا۔

ؐ۲ یعنی اسے امام شافعی نے روایت کیا۔

ؐ۳ اور امام بخاری نے اپنی صحیح میں نہیں بلکہ اپنی تاریخ میں روایت کیا۔

ؐ۴ یعنی مولانا حمیدی نے دوسرے مال کو ہلاک کرنے والی زکوٰۃ کے دوسرے مال میں مل جانے کی تفسیر میں یہ الفاظ زیادہ بیان کیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قد وجب علیک صدقۃ الی آخرہ۔

ؐ۵ کہ زکوٰۃ جب دوسرے مال میں رل مل جائے گی تو پھر سارے مال سے نفع اٹھانا جائز نہ رہے گا۔ یا اسے ہلاک و ضائع کردے گی۔

ؐ۶ یعنی اس حدیث کی اس تفسیر کے مطابق ان لوگوں نے یہ استدلال کیا ہے جو یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ زکوٰۃ عین مال سے تعلق رکھتی ہے۔ جیسے امام شافعی اور دوسرے ائمہ ان سے اظہر روایات کے مطابق۔ یہ حضرات زکوٰۃ کی جگہ اس کی قیمت ادا کرنے کے قائل نہیں ہیں۔ کیونکہ یہ ایک ایسی عبادت ہے جو ایک خاص محل و مقام سے تعلق رکھتی ہے۔ لہٰذا خود اس کے ادا کرنے کے بغیر اس کی ادائیگی نہ ہوگی۔ جیسے حج کی قربانیاں اور عید بقر کی قربانیاں۔ ان حضرات کے نزدیک مال سے زکوٰۃ کا تعلق شرکت کا تعلق ہے۔ کیونکہ ادائیگی زکوٰۃ میں بطور زکوٰۃ بکری دینے کی نص وارد ہے۔ تو شارع علیہ السلام نے ایک معین و مخصوص چیز کی ادائیگی کو خاص کیا ہے۔ تو اس ترک واجب کی گنجائش نہیں ہے۔ اس کے برعکس اگر زکوٰۃ کا مال سے تعلق ذمہ داری کی حیثیت سے ہو جیسا کہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ کے نزدیک ہے تو پھر زکوٰۃ کے دوسرے مال کے ساتھ رل مل جانے کی صورت متصور نہ ہوگی۔ اس امر پر کہ (زکوٰۃ کا تعلق مال سے ذمہ داری کے لحاظ سے ہے) حنفیہ رحمہم اللہ تعالے کی دلیل یہ ہے کہ فقیر تک مال زکوٰۃ پہنچانے کا مطلب یہ ہے کہ اس تک اس کا رزق پہنچایا جائے جس کا وعدہ اس سے اللہ تعالے نے اپنے اس قول میں کیا ہے۔ وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا (زمین پر چلنے والی کوئی چیز نہیں مگر اس کا رزق اللہ تعالے کے ذمہ ہے) اور رزق وہ چیز ہے جس سے فقیر کی حاجات کی کفایت ہو۔ اور یہ حاجات فقیر کی ضروریات کے مطابق مختلف ہیں۔ بعد ازاں اللہ تعالے نے اپنی ذات کریم جل جلالہ کے لیے اغنیا پر مال معین کی صورت میں زکوٰۃ فرض کی اور اس امر کا حکم دیا کہ اس معین مال میں سے فقراء کے ساتھ کیے ہوئے وعدوں کو پورا کریں۔ اور یہ بات بالکل واضح ہے کہ معین مال مثلاً بکری اونٹ وغیرہ) ان کی حاجات و ضروریات اور وعدوں کو پورا کرنے کے لیے کافی نہیں کیونکہ ان کی حاجات اور وعدے مختلف نوعیت کے ہیں۔ لہٰذا ان وعدوں کو پورا کرنے کے حکم میں وہ اصل مال معین کو قیمت کے ساتھ تبدیل کرنے کی اجازت شامل ہے۔ اور بعینہٖ بکری ادا کرنے کا حکم درست نہ ہوگا بلکہ باطل اور غیر مفید ہوگا۔ جس طرح بادشاہ وقت خازنین کو آلات حرب خریدنے کی اجازت اور آزادی دیتا ہے اور سال معین میں سے جو سامان ان کے سپرد کیا ہوتا ہے اسے ان کے

حسبِ منشا خرچ کرنے کی اجازت دیتا ہے۔ تو سلطان کی طرف سے اس مال میں رد و بدل کرنے کی اجازت ہوتی ہے۔ باقی رہیں حج اور عید بقر کی قربانیاں تو اس میں اس وجہ سے تبدیلی جائز نہیں کہ ان میں عبادت خون بہانا ہے۔ اس کے برعکس اس متنازع فیہ صورت میں مسکین و فقیر کی حاجت برآتی ہے۔ صاحبِ زکوٰۃ کے ذمہ زکوٰۃ لازم کرنے میں اگرچہ صورۃً مال زکوٰۃ دوسرے مال سے مخلوط نہیں ہوتا مگر معنیً اور حکماً اس سے ملا ہوا ہے۔ اور فی الحقیقت قیمت وہ مال ہی ہے۔ اسے سمجھو۔ کتاب منتقیٰ میں ایسا ہی ہے۔ جو امام ابن عبد البر نیف ہے۔

ﮯ یہاں حدیث میں لفظ مُوسِرٌ اَوْغَنِیٌّ ہے لفظ اوسے لانا راوی کا شک ہے۔ اور اگر لفظ موسر اور غنی میں فرق کیا جائے تو وہ اس طرح ہوگا کہ لفظ موسر یُسر بمعنیٰ سہولت ضد عسر سے مشتق ہے۔ اور غنی غنا سے بمعنیٰ عدم فقر سے مشتق ہے۔ اس صورت میں دونوں کی الگ الگ نوع بیان کرنے کی ضرورت ہوگی۔

۵ؔ یعنی زکوٰۃ تو صرف فقراء کے لیے ہوتی ہے۔ زکوٰۃ کو دوسرے مال سے ملانا اور حرام سے ملا کر اسے ہلاک و برباد کرنے کا معنیٰ یہی ہے کہ فقیر کے بجائے غنی کو دے دی جائے تو اس معنیٰ کے مطابق زکوٰۃ کو مال سے ملا دینے کا معنیٰ یہ ہوگا کہ فقیر کے بجائے مالدار آدمی زکوٰۃ وصول کرے۔ اور معنیٰ اول کے مطابق مراد یہ ہے کہ زکوٰۃ ادا نہ کی جائے۔ اور فقراء کو نہ دی جائے۔ اور یہ دونوں معنیٰ درست ہیں۔ اور مذکورہ ضرورت و حاجت معنیٰ اول پر مبنیٰ ہے۔

بَابُ مَا یَجِبُ فِیْهِ الزَّکٰوۃُ

ان چیزوں کا باب جن میں زکوٰۃ فرض ہے

تمام ائمہ دین کا اس پر اتفاق ہے کہ زکوٰۃ مویشیوں، سونے چاندی نقد روپے، سامان اور ہر قسم کے مال تجارت میں فرض ہے۔ مگر تر چیزوں۔ سبزیوں اور میووں میں جو دیر پا نہیں ہوتے اور پورا سال باقی نہیں رہ سکتے، میں اختلاف ہے کہ دوسرے ائمہ کے نزدیک ان میں زکوٰۃ نہیں ہے۔ اور خشک و تر کھجوروں میں اس وقت فرض ہے جب کہ پانچ وسق وزن کو پہنچ جائے اس سے کم میں نہیں۔ وسق کا معنیٰ حدیث کی شرح میں آرہا ہے۔ اور امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک ان چیزوں میں عشر فرض ہے۔ جو زمین سے پیدا ہوتی ہیں کم ہوں یا زیادہ مگر بانس لکڑی اور گھاس میں نہیں ہے۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی دلیل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول مبارک ہے مَا اَخْرَجَتْهُ الْاَرْضُ فَفِیْهِ الْعُشْرُ۔ جس چیز کو بھی زمین پیدا کرتی ہے اس میں عشر فرض ہے۔ اس باب کی تفصیلات کتب فقہ سے معلوم کرنی چاہیں۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

فصل اوّل

عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَیْسَ فِیْمَا دُوْنَ خَمْسَۃِ اَوْسُقٍ مِّنَ التَّمْرِ صَدَقَۃٌ وَلَیْسَ فِیْمَا دُوْنَ خَمْسِ اَوَاقٍ مِّنَ الْوَرِقِ صَدَقَۃٌ وَلَیْسَ فِیْمَا دُوْنَ خَمْسِ ذَوْدٍ مِّنَ الْاِبِلِ صَدَقَۃٌ.

(مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پانچ وسق[1] سے کم کھجوروں میں صدقہ (فرض) نہیں اور پانچ اوقیہ[2] سے کم چاندی میں صدقہ واجب نہیں۔ اور پانچ عدد سے کم اونٹوں[3] میں زکوٰۃ نہیں۔

(بخاری ومسلم)

۱؎ وَسق واو وسین کی زبر یعنی ساٹھ صاع۔ اور صاع چار مُد کا اور مُد ایک رطل اور تہائی رطل کا مراد ہے (ہمارے ہاں مروج پیمانہ وزن کے مطابق ایک وسق قریباً ۳۲ من ۲۰ سیر کا ہوتا ہے۔ اور ایک صاع قریباً ساڑھے چار سیر کا) ان اوزان کی تحقیق پھر ان کی ہمارے علاقے (ہندوستان وپاکستان) کے اوزان مروجہ سے تطبیق شرح سفر السعادت میں تفصیل سے بیان ہو چکی ہے۔ وہاں دیکھ لی جائے۔

۲؎ حدیث میں لفظ اَوَاق آیا ہے۔ اُوْقِیہ کی جمع۔ ہمزہ کی پیش واو ساکن قاف کی زیر یا اور شد یعنی چالیس درہم۔ اس طرح پانچ اوقیہ دو سو درہم ہوئے۔ اور حدیث میں واقع لفظ وَرِق واو کی زبر را کی زیر سے۔ یعنی چاندی (ہمارے ملک کے مروجہ اوزان کے مطابق دس درہم سات مثقال کے اور ایک مثقال ساڑھے چار ماشے کا۔ اس حساب سے دو سو درہم ۵۲ تولے چھ ماشے ہوا۔ پھر درہم کی قیمت کا اعتبار نہیں۔ وزن کا اعتبار ہے)

۳؎ حدیث میں لفظ ذود آیا ہے (ذال وواو دال) یہ لفظ تین سے دس تک اونٹوں کے لیے آتا ہے۔ اس حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کھجور چاندی اور اونٹ کی زکوٰۃ کے سوا کسی اور چیز کا ذکر نہ فرمایا۔

وَعَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَیْسَ عَلَی الْمُسْلِمِ صَدَقَۃٌ فِیْ عَبْدِہٖ وَلَا فَرَسِہٖ وَفِیْ رِوَایَۃٍ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ مسلمان پر اس کے غلام اور گھوڑے میں صدقہ نہیں۔ ایک روایت میں اس طرح ہے کہ اس کے

قَالَ لَيْسَ فِي عَبْدِهٖ صَدَقَةٌ إِلَّا صَدَقَةُ الْفِطْرِ. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

غلام میں زکوٰۃ نہیں مگر صدقہ فطر واجب ہے۔

(بخاری و مسلم)

وَعَنْ أَنَسٍ أَنَّ أَبَا بَكْرٍ كَتَبَ لَهُ هٰذَا الْكِتَابَ لَمَّا وَجَّهَهُ إِلَى الْبَحْرَيْنِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ هٰذِهٖ فَرِيْضَةُ الصَّدَقَةِ الَّتِيْ فَرَضَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى الْمُسْلِمِيْنَ وَالَّتِيْ أَمَرَ اللّٰهُ بِهَا رَسُوْلَهٗ فَمَنْ سُئِلَهَا مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ عَلٰى وَجْهِهَا فَلْيُعْطِهَا وَمَنْ سُئِلَ فَوْقَهَا فَلَا يُعْطِ فِيْ أَرْبَعٍ وَّعِشْرِيْنَ مِنَ الْإِبِلِ فَمَا دُوْنَهَا مِنَ الْغَنَمِ مِنْ كُلِّ خَمْسٍ شَاةٌ فَإِذَا بَلَغَتْ خَمْسًا وَّعِشْرِيْنَ إِلٰى خَمْسٍ وَّثَلٰثِيْنَ فَفِيْهَا بِنْتُ مَخَاضٍ أُنْثٰى فَإِذَا بَلَغَتْ سِتًّا وَّثَلٰثِيْنَ إِلٰى خَمْسٍ وَّأَرْبَعِيْنَ فَفِيْهَا بِنْتُ لَبُوْنٍ أُنْثٰى فَإِذَا بَلَغَتْ سِتًّا وَّأَرْبَعِيْنَ إِلٰى سِتِّيْنَ فَفِيْهَا حِقَّةٌ طَرُوْقَةُ الْجَمَلِ فَإِذَا بَلَغَتْ وَاحِدَةً وَّسِتِّيْنَ وَسَبْعِيْنَ فَفِيْهَا جَذَعَةٌ فَإِذَا

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جب انہیں بحرین روانہ کیا تو انہیں یہ خط لکھ کر دیا بسم اللہ الرحمٰن الرحیم یہ فریضہ زکوٰۃ ہے۔ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں پر فرض کیا ہے۔ اور جس کا اللہ تعالےٰ نے اپنے رسول اکرم کو حکم دیا۔ تو جس مسلمان سے اس کے حساب کے مطابق مانگا جائے وہ دے دے۔ اور جس سے زیادہ کا مطالبہ کیا جائے وہ نہ دے۔ چوبیس اور اس سے کم اونٹوں کی زکوٰۃ بکری ہے کہ ہر پانچ اونٹ میں ایک بکری ہے۔ پھر جب یہ اونٹ پچیس کی تعداد کو پہنچیں تو پینتیس تک ایک سالہ مادہ اونٹنی ہے۔ پھر جب چھتیس ہو جائیں پینتالیس تک دو سالہ مادہ اونٹنی ہے۔ پھر چھیالیس کو پہنچیں تو ساٹھ تک میں چار سالہ اونٹنی ہے۔ یعنی اونٹ کی جفت کے لائق عمر والی۔ پھر جب اکسٹھ کو پہنچیں تو پچھتر تک میں ایک پانچ سالہ اونٹنی۔ پھر جب چھتر کو پہنچیں تو نوے تک میں دو عدد دو سالہ اونٹنیاں پھر جب اکیانوے کو پہنچیں تو ایک سو بیس تک میں چار سالہ دو اونٹنیاں جو اونٹ کی جفت کے لائق عمر والی۔ جب ایک سو بیس سے زیادہ ہوں تو ہر چالیس میں ایک دو سالہ اونٹنی ہے۔ اور ہر پچاس پر چار سالہ اونٹنی۔ اور جس کے پاس

بَلَغَتْ سِتًّا وَّ سَبْعِيْنَ إِلٰى
تِسْعِيْنَ فَفِيْهَا بِنْتَا لَبُوْنٍ فَإِذَا
بَلَغَتْ إِحْدٰى وَتِسْعِيْنَ إِلٰى
عِشْرِيْنَ وَمِائَةٍ فَفِيْهَا حِقَّتَانِ
طَرُوْقَتَا الْجَمَلِ فَإِذَا زَادَتْ
عَلٰى عِشْرِيْنَ وَمِائَةٍ فَفِيْ كُلِّ
أَرْبَعِيْنَ بِنْتُ لَبُوْنٍ وَّفِيْ كُلِّ
خَمْسِيْنَ حِقَّةٌ وَمَنْ لَّمْ يَكُنْ
مَعَهٗ إِلَّا أَرْبَعٌ مِّنَ الْإِبِلِ
فَلَيْسَ فِيْهَا صَدَقَةٌ إِلَّا أَنْ
يَّشَاءَ رَبُّهَا فَإِذَا بَلَغَتْ خَمْسًا
فَفِيْهَا شَاةٌ وَمَنْ بَلَغَتْ عِنْدَهٗ
مِنَ الْإِبِلِ صَدَقَةُ الْجَذَعَةِ وَ
لَيْسَتْ عِنْدَهٗ جَذَعَةٌ وَّعِنْدَهٗ
حِقَّةٌ فَإِنَّهَا تُقْبَلُ مِنْهُ الْحِقَّةُ
وَيَجْعَلُ مَعَهَا شَاتَيْنِ إِنِ
اسْتَيْسَرَتَا لَهٗ أَوْ عِشْرِيْنَ
دِرْهَمًا وَّمَنْ بَلَغَتْ عِنْدَهٗ
صَدَقَةُ الْحِقَّةِ وَلَيْسَتْ عِنْدَهٗ
الْحِقَّةُ وَعِنْدَهُ الْجَذَعَةُ فَإِنَّهَا
تُقْبَلُ مِنْهُ الْجَذَعَةُ وَيُعْطِيْهِ
الْمُصَدِّقُ عِشْرِيْنَ دِرْهَمًا أَوْ
شَاتَيْنِ وَمَنْ بَلَغَتْ عِنْدَهٗ
صَدَقَةُ الْحِقَّةِ وَلَيْسَتْ
عِنْدَهٗ إِلَّا بِنْتُ لَبُوْنٍ فَإِنَّهَا

صرف چار ہی اونٹ ہوں۔ تو اس میں زکوٰۃ
نہیں۔ ہاں اگر مالک چاہے۔ جب پانچ کی
تعداد کو پہنچیں تو اس میں ایک بکری ہے
اور جس کے اونٹوں کی زکوٰۃ پنج سالہ اونٹنی
تک پہنچے اور اس کے پاس پنج سالہ
نہ ہو بلکہ چار سالہ ہو تو اس سے چار سالہ
ہی لی جائے۔ اور اس کے ساتھ دو بکریاں
اگر میسر ہوں۔ یا بیس درہم اور جس کے اونٹوں
کی زکوٰۃ چار سالہ کو پہنچے اور اس کے پاس
چار سالہ نہیں ہے بلکہ پنج سالہ ہے تو پنجسالہ
ہی وصول کر لی جائے۔ اور زکوٰۃ وصول کرنے
والا اسے بیس درہم یا دو بکریاں واپس کرے
اور جس کے اونٹوں کی زکوٰۃ چار سالہ اونٹنی کو
پہنچے مگر اس کے پاس دو سالہ ہی ہو تو
اس سے دو سالہ ہی وصول کی جائے اور
مالک دو بکریاں یا بیس درہم بھی ساتھ دے
اور جس کی زکوٰۃ دو سالہ اونٹنی کو پہنچے مگر
مالک کے پاس چار سالہ ہو تو اس سے
چار سالہ وصول کی جائے۔ اور زکوٰۃ وصول
کرنے والا اسے بیس درہم یا دو بکریاں واپس
کرے۔ اور جس کی زکوٰۃ دو سالہ کو پہنچے مگر
دو سالہ اس کے پاس نہیں بلکہ اس کے پاس
یک سالہ ہو تو وہی اس سے لی جائے اور
اس کے ساتھ مالک بیس درہم یا دو بکریاں دے
اور جس کی زکوٰۃ یک سالہ کو پہنچے مگر اس کے

تُقْبَلُ مِنْهُ بِنْتُ لَبُوْنٍ وَّ يُعْطِيْ شَاتَيْنِ اَوْ عِشْرِيْنَ دِرْهَمًا وَ مَنْ بَلَغَتْ صَدَقَتُهُ بِنْتَ لَبُوْنٍ وَ عِنْدَهُ حِقَّةٌ فَاِنَّهَا تُقْبَلُ مِنْهُ الْحِقَّةُ وَيُعْطِيْهِ الْمُصَدِّقُ عِشْرِيْنَ دِرْهَمًا اَوْ شَاتَيْنِ وَمَنْ بَلَغَتْ صَدَقَتُهُ بِنْتَ لَبُوْنٍ وَ لَيْسَتْ عِنْدَهُ وَعِنْدَهُ بِنْتُ مَخَاضٍ فَاِنَّهَا تُقْبَلُ مِنْهُ بِنْتُ مَخَاضٍ وَ يُعْطِيْ مَعَهَا عِشْرِيْنَ دِرْهَمًا اَوْ شَاتَيْنِ وَمَنْ بَلَغَتْ صَدَقَتُهُ بِنْتَ مَخَاضٍ وَّلَيْسَتْ عِنْدَهُ وَعِنْدَهُ بِنْتُ لَبُوْنٍ فَاِنَّهَا تُقْبَلُ مِنْهُ وَ يُعْطِيْهِ الْمُصَدِّقُ عِشْرِيْنَ دِرْهَمًا اَوْ شَاتَيْنِ فَاِنْ لَّمْ يَكُنْ عِنْدَهُ بِنْتُ مَخَاضٍ عَلٰى وَجْهِهَا وَعِنْدَهُ ابْنُ لَبُوْنٍ فَاِنَّهُ يُقْبَلُ مِنْهُ وَ لَيْسَ مَعَهُ شَيْءٌ وَفِيْ صَدَقَةِ الْغَنَمِ فِيْ سَائِمَتِهَا اِذَا كَانَتْ اَرْبَعِيْنَ اِلٰى عِشْرِيْنَ وَمِائَةٍ شَاةٌ فَاِذَا زَادَتْ عَلٰى عِشْرِيْنَ وَمِائَةٍ اِلٰى مِائَتَيْنِ فَفِيْهَا شَاتَانِ فَاِذَا زَادَتْ عَلٰى مِائَتَيْنِ اِلٰى ثَلٰثِمِائَةٍ

پاس یک سالہ نہ ہو بلکہ اس کے پاس دو سالہ ہو تو اس سے وہی دو سالہ لی جائے۔ اور زکوٰۃ وصول کرنے والا اسے بیس درہم یا دو بکریاں واپس کرے۔ اور اگر مالک کے پاس زکوٰۃ کے مطابق یک سالہ مادہ نہیں بلکہ ایک سالہ نر ہو تو وہی اس سے لیا جائے۔ اور اس کے ساتھ اور کچھ نہیں۔ اور بکریوں کی زکوٰۃ میں یعنی جنگل میں چرنے والوں میں جب تعداد میں چالیس ہوں تو ایک سو بیس تک ایک بکری ہے۔ جب ایک سو بیس سے بڑھ جائیں تو دو سو تک میں دو بکریاں ہیں اور جب دو سو سے زیادہ ہوں تو تین سو تک میں تین بکریاں۔ جب تین سو سے زیادہ ہوں تو ہر سیکڑے میں ایک بکری ہے۔ اور اگر کسی کی جنگل میں چرنے والی بکریاں چالیس سے ایک بھی کم ہوں تو ان میں زکوٰۃ نہیں۔ ہاں اگر مالک چاہے تو خیرات دے دے اور زکوٰۃ میں نہ تو بوڑھی دے نہ کانی اور نہ بکرا مگر یہ کہ زکوٰۃ وصول کرنے والا لے لے۔ اور نہ متفرق مال کو جمع کیا جائے اور نہ جمع مال

فَفِيْهَا ثَلٰثُ شِيَاهٍ فَاِذَا زَادَتْ عَلٰى ثَلٰثِ مِائَةٍ فَفِيْ كُلِّ مِائَةٍ شَاةٌ فَاِذَا كَانَتْ سَائِمَةُ الرَّجُلِ نَاقِصَةً مِّنْ اَرْبَعِيْنَ شَاةً وَّاحِدَةً فَلَيْسَ فِيْهِ صَدَقَةٌ اِلَّا اَنْ يَّشَاءَ رَبُّهَا وَلَا تُخْرَجُ فِي الصَّدَقَةِ هَرِمَةٌ وَلَا ذَاتُ عَوَارٍ وَّلَا تَيْسٌ اِلَّا مَا شَاءَ الْمُصَدِّقُ وَلَا يُجْمَعُ بَيْنَ مُتَفَرِّقٍ وَّلَا يُفَرَّقُ بَيْنَ مُجْتَمِعٍ خَشْيَةَ الصَّدَقَةِ وَمَا كَانَ مِنْ خَلِيْطَيْنِ فَاِنَّهُمَا يَتَرَاجَعَانِ بَيْنَهُمَا بِالسَّوِيَّةِ وَفِي الرِّقَةِ رُبُعُ الْعُشْرِ فَاِنْ لَّمْ تَكُنْ اِلَّا تِسْعِيْنَ وَمِائَةً فَلَيْسَ فِيْهَا شَيْءٌ اِلَّا اَنْ يَّشَاءَ رَبُّهَا. (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

کر متفرق کیا جائے اور جو نصاب دو شریکوں کے درمیان ہو تو وہ آپس میں برابر برابر ایک دوسرے سے لے لیں۔ اور چاندی میں چالیسواں حصہ زکوٰۃ ہے۔ اور اگر صرف ایک سو نوے درہم ہوں تو ان میں کچھ زکوٰۃ نہیں مگر یہ کہ مالک چاہے تو دے دے۔

۱؎ یعنی شریعت کے مطابق جس طرح صدقہ ادا کرنا چاہیے ادا کرے۔

۲؎ اس کے بعد سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے تحریر کردہ خط میں ہر قسم کے مال زکوٰۃ کا نصاب بیان فرمایا۔

۳؎ حدیث میں واقع لفظ من الغنم (شاۃ) بکری کا بیان ہے جو تاکید کے لیے ہے۔

۴؎ بنت مخاض اس اونٹنی کو کہتے ہیں جو پورے سال کی ہو چکی ہو۔ اسے بنت مخاض اس لیے کہتے ہیں کہ اس کی ماں دوبارہ حاملہ ہو چکی ہوتی ہے۔ مخاض ان اونٹنیوں کو کہتے ہیں جو حاملہ ہو چکی ہوں۔ یہ ایسی جمع ہے جس کا واحد نہیں۔

۵؎ بنت لبون لام کی زبر سے۔ وہ اونٹنی جو پورے دو سال کی ہو چکی ہو کیونکہ اس کی ماں دوسرے بچے کو دودھ پلا رہی ہوتی ہے جو اس نے جنا ہوتا ہے۔

۶؎ حقہ حا کی زیر قاف کی شد سے

۷؎ یعنی وہ اونٹنی جو جوان ہونے کی وجہ سے نر شتر کے اس پر کودنے کے لائق ہو چکی ہو۔ اور یہ وہ ہوتی ہے جو چار سال

کی عمر کو پہنچ جائے۔

۸ جَذَعہ جیم و ذال کی زبر سے وہ اونٹ جو پانچویں سال میں داخل ہو چکا ہو۔

۹ یعنی نفل و تطوع کے طور پر دینا چاہے تو دے سکتا ہے۔

۱۰ جو کہ اکثر ۶۰ سے ۷۰ تک ہوتے ہیں۔

۱۱ یعنی جَذَعہ جو عمر میں حقّہ سے بڑا ہوتا ہے۔

۱۲ جس طرح گذشتہ صورت میں مالک پر لازم ہے کہ زکوٰۃ وصول کرنے والے کو دے۔

۱۳ اس کے برعکس جو وہ زکوٰۃ وصول کرنے والے کو دیتا تھا۔

۱۴ اس کا حاصل و خلاصہ یہ ہے کہ اگر زکوٰۃ وصول کرنے والے کو قدر نصاب واجب سے کم دیا تو پورا کرنے کے لیے اس کے ساتھ ارسال ملائے۔ اور اگر مقدار فرض سے زیادہ دے تو عامل سے واپس لے۔

۱۵ یہ اس امر کی دلیل ہے کہ زکوٰۃ میں اونٹنی دینا افضل ہے اور یہ فضیلت عمر بڑھنے کے ساتھ ساتھ مزید بڑھے گی۔

۱۶ یہ قید اس لیے بیان کی وہ مویشی جو گھر میں بندھے ہوئے چارہ کھائیں ان میں زکوٰۃ نہیں۔ ہاں اگر چالیس سے بڑھ کر ایک سو بیس تک پہنچ جائیں تو پھر ان میں ایک بکری ہے۔

۱۷ یعنی اگرچہ ایک بکری ہی کم ہو۔

۱۸ کہ بطور نفل کوئی چیز صدقہ کرے تو اس کی مرضی ہے۔

۱۹ حدیث میں واقع لفظ ھَرِمَہ کا معنی ہے بہت بوڑھا اونٹ یا بکری یا گائے۔

۲۰ حدیث کا لفظ عَوار عین کی زبر یا پیش سے بمعنیٰ ظاہر دکھائی دینے والا عیب و نقص جو اس کی قیمت کم کر دے۔

۲۱ عربی میں لفظ تَیس ہے۔ تا کی زبر یا ساکن آخر میں سین مہملہ مراد بکرا کہ اسے تکہ بھی کہتے ہیں۔ (یا مسے تکہ ترکی زبان کا لفظ ہے)

۲۲ کہ کسی غرض و مطلب صحیح کے لیے زکوٰۃ لینے والا بکرا ہی وصول کرنے تو ٹھیک ہے۔ یہ لفظ تیس (بکرا) سے استثنا ہے یا تمام چیزیں جو مذکور ہوئیں ان سب سے استثناء ہے۔

۲۳ اس میں دونوں معنوں کا احتمال ہے کہ صاحب مال کے لیے بھی منع ہے۔ اور زکوٰۃ وصول کرنے والے کے لیے بھی۔ اول کی مثال یہ ہے کہ ایک شخص جو چالیس بکریوں کا مالک ہو۔ اس پر چالیس بکریوں میں ایک بکری دینا فرض ہے۔ وہ ایک پوری بکری دینے سے بچنے کے لیے اپنی بکریاں دوسرے ایسے شخص کی بکریوں سے ملا دے جو چالیس

بکریوں کا مالک ہوتا کہ ایک بکری دینے کے بجائے نصف بکری دینا پڑے یا اس کے پاس بیس بکریاں ہوں اور دوسری بیس بکریوں سے ملا دے تاکہ نصاب کی حد کو نہ پہنچ سکیں۔ دوسرے کی مثال یہ ہے ایک آدمی کے پاس چالیس متفرق بکریاں ہوں۔ زکوٰۃ وصول کرنے والا ان سب کو جمع کرے۔ تاکہ اس پر مالک پر زکوٰۃ فرض ہو جائے۔ یا ایک ایسا شخص ہو جس کے پاس ایک سو بیس بکریاں ہوں۔ ان میں ایک بکری بطور زکوٰۃ واجب ہے۔ زکوٰۃ وصول کرنے والے نے چالیس چالیس کر الگ الگ شمار کیا تاکہ تین بکریاں اس پر فرض ہو جائیں۔

۲۴؎ یعنی جمع و تفریق صدقہ ادا کرنے کے خوف کی بنا پر ہو۔ تاکہ کم ہو جائیں یا سرے سے زکوٰۃ ہی ذمہ سے ساقط ہو جائے یا زیادہ زکوٰۃ فرض ہو جیسے کہ بیان کردہ گذشتہ دو مثالوں سے واضح ہوا۔

۲۵؎ اس کا بیان یہ ہے کہ مثلاً دو مرد دو سو بکریوں میں شریک ہوں۔ ان میں سے ایک کی چالیس ہوں اور دوسرے کا ایک سو ساٹھ۔ اس صورت میں پہلے شخص پر ایک بکری فرض ہوگی دوسرے پر بھی ایک ہی فرض ہوگی۔ ورکہ پہلے پر ایک بکری کا پانچواں حصہ اور باقی دوسرے پر فرض ہوں۔

۲۶؎ حدیث میں واقع لفظ رِقّہ راکی زیر قاف مخفف اسی طرح وَرِق بمعنی ڈھلا ہوا چاندی کا سکہ مگر یہاں مطلق چاندی مراد ہے۔

۲۷؎ یعنی دو سو میں سے اگر ایک درہم بھی کم ہو تو اس میں زکوٰۃ نہیں۔ مگر یہ صاحب مال اس میں سے بطور نفل کچھ دینا چاہے تو اس کی مرضی ہے۔

وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فِيْمَا سَقَتِ السَّمَاءُ وَالْعُيُوْنُ اَوْ كَانَ عَثَرِيًّا[1] الْعُشْرُ وَمَا سُقِيَ بِالنَّضْحِ نِصْفُ الْعُشْرِ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)	حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا وہ زمین جسے بارش یا چشمے سیراب کریں یا پانی دینے سے بے نیاز و فارغ ہو۔ اس میں دسواں حصہ ہے۔ اور جسے پانی کھینچ کر سیراب کیا جائے اس میں بیسواں حصہ فرض ہے۔ (بخاری شریف)

۱؎ یہاں حدیث میں لفظ عثری آیا ہے۔ عین مہملہ کی زبر بعد میں ثا تین نقطوں والی۔ قاموس میں کہا عثری وہ زمین ہے جسے آسمان کا پانی سیراب کرے۔ اس معنی کے مطابق عبارت حدیث میں تکرار لازم آتا ہے۔ اس لیے درست معنی وہ ہے جو بعض شارحین حدیث نے ذکر کیا ہے کہ عثری وہ زمین ہے جسے عاثور سے پانی دیا جائے۔ عاثور وہ گڑھا یا تالاب جو اس زمین کے قریب ہو اور زمین کی فصل کی جڑیں از خود اس سے پانی کشید کر کے سیراب ہوں۔ تو ایسے پانی سے جس زمین کی سبزی، ترکاری، کھجور کے درخت اور دوسری فصلیں سیراب ہوتی ہوں۔ اس کی آمدن میں بھی عشر ہے۔ علاوہ ازیں اس کو بھی عثری کہتے ہیں جو

دنیا اور اس کے کام کاج سے فارغ ہو۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ خدا تعالٰی کے نزدیک دشمن ترین عثری شخص ہے۔ یعنی وہ مرد جو دنیا و آخرت کے کام کاج سے فارغ البال ہو۔ اور کھجور وغیرہ کے وہ درخت جو سیراب ہونے میں کنویں وغیرہ سے پانی کھینچنے سے بے نیاز ہوں۔ انہیں بھی عثری کہتے ہیں۔ کیونکہ انسان انہیں سیراب کرنے کی محنت و مشقت سے فارغ ہوتا ہے۔ مختصر یہ کہ وہ زمین جو بارش کے پانی یا چشمہ جو نہر وغیرہ کھودنے کی مشقت کے بغیر سیراب ہوتی ہو اس کی آمدن کا دسواں حصہ بطور عشر ادا کرنا فرض ہے۔

ےے یعنی وہ زمین جو کنویں وغیرہ اور اونٹ گائے وغیرہ کے ذریعے سیراب ہو اس کا نصف عشر یعنی بیسواں حصہ فرض ہے۔

وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَلْعَجْمَاءُ جُرْحُهَا جُبَارٌ وَالْبِئْرُ جُبَارٌ وَالْمَعْدِنُ جُبَارٌ وَفِی الرِّكَازِ الْخُمُسُ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔[1] مویشی کے زخمی کرنے میں کوئی تاوان نہیں۔ کنویں میں کوئی تاوان[2] نہیں۔ اسی طرح کان[3] میں بھی کوئی تاوان نہیں۔ اور دفینۂ جاہلیت میں پانچواں حصہ[4] ہے۔ (بخاری و مسلم)

لے حدیث میں واقع لفظ العجمار بروزن حمراء بمعنی چارپایہ جیسے گھوڑا اور بیل وغیرہ۔ اور جُرح جیم کی پیش بمعنی خستہ اور زخمی ہونا۔ جیم کی زبر سے کسی کو زخمی کرنا۔ یہاں حدیث میں جیم کی پیش سے ہے اور لفظ جُبار جیم کی پیش با مخفف بمعنی ضائع اور باطل۔ مراد یہ ہے کہ مویشی اگر کسی کو زخمی یا ہلاک کر دے اور اسے ہانکنے یا کھینچنے والا ساتھ نہ ہو اور دن کا وقت ہو تو اس کے کسی کو زخمی یا ہلاک کر دینے سے مالک مویشی پر کوئی تاوان لازم نہیں۔ بلکہ مویشی کا یہ فعل ضائع اور باطل جائے گا۔ اور اگر اسے چلاتے یا ہانکنے والا اس کے ساتھ ہو تو پھر وہ ضامن ہوگا کیونکہ اس کا زخمی یا ہلاک کرنا اس کی کوتاہی کی وجہ سے ہے۔ یوں ہی اگر رات کے وقت مویشی نے ایسا کیا کیونکہ مویشی والے نے اسے باندھنے اور اس کی نگہداشت کرنے میں کوتاہی کی۔ کہ عادت و دستور یہی ہے کہ رات کے وقت مویشیوں کو باندھ دیا جاتا ہے۔ اور نگہداشت کی جاتی ہے۔ اگرچہ یہاں حدیث کا لفظ ان مذکورہ قیود و شرائط سے عام و مطلق ہے۔ مگر دلائل اور دوسری احادیث کے پیش نظر ان قیود و شرائط سے مخصوص ہے۔

ےے یعنی اگر کسی نے کوئی مزدور لگا دیا تاکہ اس کے لیے کنواں کھودے اور اچانک وہ کنواں اس پر گر پڑا تو مزدوری پر لگانے والے کے ذمہ کوئی تاوان نہیں۔ یوں ہی اگر کسی نے اپنی زمین یا صحرا میں جہاں سے راہ گیر گزرتے ہوں کنواں کھودا اور کوئی شخص اس میں گر کر ہلاک ہوگیا تو کنواں کھودنے والے پر شرعاً کوئی تاوان نہیں ہے۔

ےے حدیث میں واقع لفظ مَعدِن (دال کی زیر) عدن سے مشتق ہے بمعنی قیام پذیر ہونا۔ مطلب یہ ہے کہ اگر کسی کو کان

کھدوانے کے لیے مزدوری پر لگایا وہ مزدور کان میں گر پڑا اور اس کے ہاتھ پاؤں ٹوٹ گئے یا ہلاک ہوگیا تو کھدوانے والے پر کوئی تاوان لازم نہیں آتا۔

۲؎ حدیث میں واقع لفظ رکاز اول میں را آخر میں زا۔ حنفیہ رحمہم اللہ کے نزدیک رکاز سے معدن ہی مراد ہے۔ اور اہل حجاز کے نزدیک اہل جاہلیت کا دفینہ مراد ہے۔ پہلا معنیٰ سیاق حدیث کے زیادہ مناسب ہے۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ رکاز کیا چیز ہے۔ آپ نے فرمایا رکاز وہ سونا چاندی ہے جو اللہ تعالیٰ نے زمین کی پیدائش کے دن سے اس میں پیدا کیا ہوا ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ کے نزدیک معدن کان میں زکوٰۃ نہیں۔ بلکہ اس کا حکم شکار کا حکم ہے مگر جب کہ زمین سے نکلنے والا سونا چاندی ہو۔ مگر حنفیہ رحمہم اللہ کے نزدیک اس میں پانچواں حصہ فرض ہے جب کہ اس پر سال گزر جائے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِيْ

دوسری فصل

عَنْ عَلِيٍّ رض قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ عَفَوْتُ عَنِ الْخَيْلِ وَ الرَّقِيْقِ فَهَاتُوْا صَدَقَةَ الرِّقَةِ مِنْ كُلِّ اَرْبَعِيْنَ دِرْهَمًا دِرْهَمٌ وَ لَيْسَ فِيْ تِسْعِيْنَ وَ مِائَةٍ شَيْءٌ فَاِذَا بَلَغَتْ مِائَتَيْنِ فَفِيْهَا خَمْسَةُ دَرَاهِمَ۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْدَاوُدَ)

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک میں نے گھوڑے اور غلام کی زکوٰۃ معاف کر دی ہے[۱] البتہ چاندی کی زکوٰۃ تو وہ ہر چالیس درہم میں سے ایک[۲] درہم ہے اور ایک سو نوے درہم میں کچھ نہیں جب دو سو کو پہنچیں تو ان میں پانچ درہم ہیں۔

(ترمذی۔ ابوداؤد)

وَفِيْ رِوَايَةٍ لِاَبِيْ دَاوُدَ عَنِ الْحَارِثِ الْاَعْوَرِ عَنْ عَلِيٍّ قَالَ زُهَيْرٌ اَحْسِبُهٗ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهٗ قَالَ هَاتُوْا رُبْعَ الْعُشْرِ مِنْ كُلِّ اَرْبَعِيْنَ دِرْهَمًا دِرْهَمٌ وَ لَيْسَ عَلَيْكُمْ شَيْءٌ حَتّٰى

اور ابوداؤد کی ایک روایت میں ہے حضرت حارث اعور[۳] سے مروی ہے وہ حضرت علی سے روایت کرتے ہیں کہ زہیر نے کہا مجھے خیال ہے کہ حضرت علی نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت[۴] کی کہ آپ نے فرمایا چالیسواں حصہ دو۔ ہر چالیس درہم

تَبِحَّ مِائَتَیْ دِرْهَمٍ فَاِذَا كَانَتْ مِائَتَیْ دِرْهَمٍ فَفِیْهَا خَمْسَةُ دَرَاهِمَ فَمَا زَادَ فَعَلٰی حِسَابِ ذٰلِكَ وَفِی الْغَنَمِ فِیْ كُلِّ اَرْبَعِیْنَ شَاةً شَاةٌ اِلٰی عِشْرِیْنَ وَمِائَةٍ فَفِیْ كُلِّ مِائَةٍ فَاِذَا زَادَتْ عَلٰی ثَلٰثِ مِائَةٍ شَاةٌ فَاِنْ لَّمْ تَكُنْ اِلَّا تِسْعٌ وَّثَلٰثُوْنَ فَلَیْسَ عَلَیْكَ فِیْهَا شَیْءٌ وَّفِی الْبَقَرِ فِیْ كُلِّ ثَلٰثِیْنَ تَبِیْعٌ وَّفِی الْاَرْبَعِیْنَ مُسِنَّةٌ وَلَیْسَ عَلَی الْعَوَامِلِ شَیْءٌ۔

یں ایک درہم ہے۔ اور تم پر کچھ نہیں یہاں تک کہ دو سو درہم پورے ہو جائیں۔ تو ان میں پانچ درہم ہیں۔ جو اس سے زیادہ ہو تو اسی حساب سے زیادہ دی جائے گی۔[۵] اور بکریوں میں ہر چالیس بکریوں میں ایک بکری ہے[۶] ایک سو بیس تک اور اگر زیادہ ہو جائے تو دو بکریاں دو سو تک اگر زیادہ[۷] ہوں تو تین بکریاں[۸] تین سو تک پھر اگر تین سو سے زیادہ ہوں تو ہر سو پر ایک بکری۔[۹] اور گائیوں میں ہر تیس میں ایک سالہ گائے کا بچہ ہے[۱۰] اور کام کاج کے جانوروں میں کچھ نہیں۔

[۱] اس سے سواری کا گھوڑا اور خدمت کرنے والا غلام مراد ہے۔ اور عفو و معافی کے لفظ میں اس جانب اشارہ ہے کہ مال روک رکھنا اور اسے راہ خدا میں خرچ نہ کرنا گناہ ہے لیکن بندوں کے مال پر شفقت کے تقاضا کے تحت معافی دی گئی ہے۔

[۲] جب کہ حد نصاب کو پہنچ جائیں اور وہ دو سو درہم ہیں۔

[۳] حضرت حارث بن اعور رضی اللہ عنہ تابعی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مشہور ساتھیوں میں سے ہیں۔ اور ائمہ حدیث نے اس میں کلام کیا ہے۔

[۴] یعنی زہیر نے اسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک مرفوع کیا حضرت علی پر موقوف نہ کیا تاکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول قرار نہ پائے اور حضور کی حدیث نہ ہو۔

[۵] یعنی کم ہو یا زیادہ اور سونے چاندی میں اس طرح نہیں کہ نصاب پر حد معین زیادہ ہو تو اس میں زکوٰۃ ہو گی۔ جیسا کہ اونٹ اور بکری وغیرہ میں گزرا۔

[۶] یعنی چالیس بکریوں سے زیادہ میں اس وقت تک زکوٰۃ نہیں جب تک وہ ایک سو بیس تک نہ پہنچ جائیں۔

[۷] یعنی چاہے ایک بکری ہی زیادہ ہو۔

[۸] یہاں حدیث میں لفظ شیاہ آیا ہے یعنی آخر میں ھا۔ اس کا واحد شاۃ ہے۔ اور شاۃ کا اصل شوھۃ ہے کیونکہ اس کی تصغیر شویھۃ آتی ہے اور شیاہ جس طرح شفتہ و شفاۃ۔

[۹] یعنی جب کہ چار کی تعداد کو پہنچ جائیں۔ یہ مطلب نہیں کہ تین سو سے کچھ ہی زیادہ ہو جائیں۔

ناہ اس طرح چار سو میں چار بکریاں فرض ہوں گی۔ اور پانچ سو میں پانچ بکریاں۔ اسی طرح جتنے سو بڑھتی جائیں گی ۔اور سو سے کم میں کوئی زکوٰۃ نہیں۔

ااہ حدیث میں لفظ تبیع آیا ہے۔ تبیع گائے کا وہ نریا مادہ بچہ ہے۔ جو ایک سال پورا کر کے دوسرے سال میں پڑ چکا ہو گائے میں نر و مادہ برابر ہیں۔ اور جب گائیں چالیس کی تعداد کو پہنچ جائیں تو پھر ان میں ایک مُسنّہ فرض ہے۔ مسنہ گائے کا وہ نریا مادہ بچہ ہے جو دو سال پورے کر کے تیسرے سال میں پڑ چکا ہو۔ اس حدیث میں اونٹ کی زکوٰۃ کا ذکر نہیں ہے جیسا کہ گذشتہ فصل اول کی ایک حدیث میں گزرا۔ ظاہراً یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ حدیث ان لوگوں سے متعلق ہے جن کے پاس اونٹ نہ تھے گائے بکریاں تھیں۔

۱۲ہ جیسے کھیتی باڑی اور کنوئیں سے پانی کھینچنے وغیرہ کے لیے۔ جس طرح سواری کے گھوڑے اور خدمت کے لیے غلاموں میں زکوٰۃ نہیں۔ یہ حکم تین آئمہ کے نزدیک ہے۔ امام مالک رحمۃ اللہ کے نزدیک ان میں بھی زکوٰۃ فرض ہے

وَعَنْ مُعَاذٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا وَجَّهَهٗ اِلَى الْيَمَنِ اَمَرَهٗ اَنْ يَّاْخُذَ مِنَ الْبَقَرِ مِنْ كُلِّ ثَلٰثِيْنَ تَبِيْعًا اَوْ تَبِيْعَةً وَمِنْ كُلِّ اَرْبَعِيْنَ مُسِنَّةً (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْدَاوٗدَ وَالنَّسَائِيُّ وَالدَّارِمِيُّ)	حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب انہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یمن کی جانب روانہ کیا تو انہیں حکم دیا کہ تیس گایوں میں سے ایک تبیعلہ یا تبیعہ وصول کریں۔ اور ہر چالیس میں سے ایک مُسنّہ لہ (ابوداؤد۔ ترمذی۔ نسائی) (دارمی)

لہ تبیع میں مذکر و مونث دونوں کا ذکر فرمایا۔ مگر مسنہ میں صرف مونث کا ذکر کیا۔ اس کی وجہ یا تو یہ ہے کہ تبیع پر قیاس کرتے ہوئے یہاں صرف مونث کا ذکر کر دیا۔ دوسری وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ تبیعہ (ایک سالہ بچہ گائے) میں نر و مادہ دونوں برابر ہیں۔ مگر مسنہ (دو سالہ بچہ) میں مادہ معین ہے ۔ واللہ اعلم۔ حنفیہ کے نزدیک دونوں میں نر و مادہ برابر اور دونوں جائز ہیں۔

وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمُعْتَدِيْ فِي الصَّدَقَةِ كَمَانِعِهَا۔ (رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ وَالتِّرْمِذِيُّ)	حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا صدقہ (زکوٰۃ) میں حد سے تجاوز کرنے والا اسے روکنے والے کی طرح ہےلہ (ابوداؤد و ترمذی)

لہ گزشتہ حدیث میں تبیع اور مسنہ کی تفسیر بیان ہو چکی ہے۔ مترجم

لہ یعنی صدقہ وصول کرنے والا اگر ظلم و زیادتی کرے تو وہ زکوٰۃ نہ دینے والے کی طرح گناہ گار ہے۔ یا اس سے مراد یہ ہے کہ اگر زکوٰۃ ادا کرنے والا حد سے تجاوز کرے بایں صورت کہ مستحق کو نہ دے۔ اور جائز طریقہ کے مطابق ادا نہ کرے۔ تو وہ زکوٰۃ نہ ادا کرنے والے کی طرح خطا کار ہے۔

وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ نِ الْخُدْرِیِّ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ لَیْسَ فِیْ حَبٍّ وَّلَا تَمْرٍ صَدَقَۃٌ حَتّٰی یَبْلُغَ خَمْسَۃَ اَوْسُقٍ۔ (رَوَاہُ النَّسَائِیُّ)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بے شک نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اناج اور کھجور میں زکوٰۃ نہیں یہاں تک کہ وہ پانچ وسق کو پہنچ جائیں لہ

(نسائی شریف)

لہ یہ تین آئمہ کرام امام شافعی، امام مالک، امام احمد کا مذہب ہے۔ امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک زمین سے ہر پیدا ہونے والی چیز میں عشر فرض ہے۔ وہ چیز زیادہ ہو یا تھوڑی۔ جیسا کہ مذکور رہا۔

وَعَنْ مُوْسٰی ابْنِ طَلْحَۃَ قَالَ عِنْدَنَا کِتَابُ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنَّہٗ قَالَ اِنَّمَا اَمَرَہٗ اَنْ یَّاْخُذَ الصَّدَقَۃَ مِنَ الْحِنْطَۃِ وَ الشَّعِیْرِ وَ الزَّبِیْبِ وَ التَّمْرِ مُرْسَلٌ۔ (رَوَاہُ فِیْ شَرْحِ السُّنَّۃِ)

حضرت موسیٰ بن طلحہ لہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں ہمارے پاس حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کا خط ہے جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ طلحہ نے فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں حکم دیا کہ صرف گندم، جو، منقا، اور کھجور میں سے زکوٰۃ (عشر) وصول کریں۔ ۲

(شرح السنۃ، مرسل ۳)

لہ حضرت موسیٰ بن طلحہ بن عبداللہ تابعی ثقہ ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دور حیات میں پیدا ہوئے ان کا یہ نام خود حضور علیہ السلام نے رکھا۔

۲ ظاہر یہ ہے کہ اس علاقہ میں یہی چیزیں پائی جاتی تھیں یا کثیر الوقوع تھیں۔ یہ مطلب نہیں کہ زکوٰۃ صرف انہی اشیاء میں فرض ہے۔

۳ یعنی اس حدیث کو امام بغوی نے شرح السنۃ میں بطریق ارسال روایت کیا۔ مگر اس حدیث کے مرسل ہونے میں کلام ہے۔ اس کی وجہ شرح اعربی میں مذکور ہے۔

وَعَنْ عَتَّابِ بْنِ اَسِیْدٍ اَنَّ

حضرت عتاب لہ بن اسید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے

النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فِي زَكٰوةِ الْكَرْمِ اِنَّهَا تُخْرَصُ كَمَا تُخْرَصُ النَّخْلُ ثُمَّ تُؤَدّٰى زَكٰوتُهٗ زَبِيْبًا كَمَا تُؤَدّٰى زَكٰوةُ النَّخْلِ تَمْرًا۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْدَاوٗدَ)

فرماتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انگور کی زکوٰۃ کے متعلق فرمایا کہ اس کا اندازہ کیا جائے جس طرح کھجور کا اندازہ کیا جاتا ہے۔ پھر انگور کی زکوٰۃ منقا کی شکل میں دی جائے جس طرح تر کھجور کی زکوٰۃ خشک کھجور کی صورت میں دی جاتی ہے۔[۲]

(ترمذی۔ابوداؤد)

[۱] عتاب عین کی زبر تا شد سے۔ اسید ہمزہ کی زبر سین کی زیر۔ آپ قرشی اموی ہیں۔ فتح مکہ کے دن اسلام لائے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں مکہ کا عامل مقرر کیا۔ آپ کے بعد سیدنا حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے بھی انہیں اس عہدہ پر برقرار رکھا۔ آپ بھی اس دن فوت ہوئے جس دن حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے وصال فرمایا۔ اس وقت ان کی عمر پچیس سال تھی۔ سادات قریش میں سے تھے نہایت نیک وصالح شخصیت تھے۔ رضی اللہ عنہ۔

[۲] یعنی جب انگور و خرما میں مٹھاس پیدا ہو جائے تو ان کا ماہر شخص یہ اندازہ لگائے کہ خشک ہونے پر ان کا وزن کتنا ہوگا۔ پھر اس کے اندازے کے مطابق نصاب زکوٰۃ (پانچ وسق) کو پہنچ جائیں تو ان کی زکوٰۃ دے ورنہ نہ دے۔

وَعَنْ سَهْلِ بْنِ اَبِيْ حَثْمَةَ[۱] حَدَّثَ اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقُوْلُ اِذَا خَرَصْتُمْ فَخُذُوْا وَدَعُوا الثُّلُثَ فَاِنْ لَّمْ تَدَعُوا الثُّلُثَ فَدَعُوا الرُّبُعَ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْدَاوٗدَ وَالنَّسَائِيُّ)

حضرت سہل ابن ابی حثمہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے۔ جب تم اندازہ لگاؤ تو زکوٰۃ لیتے وقت اس کا تیسرا حصہ چھوڑ دیا کرو[۲] اگر تیسرا حصہ نہ چھوڑو تو چوتھا چھوڑ دیا کرو۔[۳]

(ترمذی۔ابوداؤد)

(نسائی)

[۱] حثمہ حا کی زبر ثا ساکن۔ آپ خورد سال صحابی ہیں۔ سنہ ۳ھ میں پیدا ہوئے۔

[۲] مراد یہ ہے کہ انگور و خرما میں مقدار زکوٰۃ کا تعین کرو۔ اور جو زکوٰۃ بنے اس کا تیسرا حصہ مالک کے پاس ہی رہنے دو اور اس پر احسان کرو تاکہ وہ اپنے ہمسایوں کو بھی کھلائے۔ وہ گزرنے والوں کو دے سادہ دستانوں کو جو بھی اس کے پاس آئے اسے بھی دے اور اس پر احسان کرے۔ تیسرا حصہ اس کے لیے اس لیے چھوڑ دے کہ اسے اپنی ملک میں سے خرچ نہ کرنا پڑے

یہ دراصل زکوٰۃ وصول کرنے والے حکام وغیرہ سے خطاب اور پھلوں وغیرہ کی زکوٰۃ ادا کرنے والوں کے لیے کشادگی و وسعت ہے کہ پھل فروخت خرچ کرنے کی چیز ہے۔

سے۳ اس سے کم نہ کرے۔

وَعَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَبْعَثُ عَبْدَ اللهِ بْنَ رَوَاحَةَ إِلَى يَهُوْدَ فَيَخْرُصُ النَّخْلَ حِيْنَ يَطِيْبُ قَبْلَ اَنْ يُؤْكَلَ مِنْهُ. (رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔ فرماتی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عبداللہ بن[۱] رواحہ رضی اللہ عنہ کو یہود کے پاس بھیجا کرتے تھے آپ جاکر کھجوروں کا اندازہ لگاتے[۲] جب کہ ان میں مٹھاس پیدا ہو جاتا۔ پیش اس کے کہ وہ کھانے کے قابل ہوں۔ (ابوداؤد)

سے۱ حضرت عبداللہ بن رواحہ مشہور صحابی اور شاعر ہیں غزوہ موتہ میں شہید ہوئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم انہیں یہود خیبر کے پاس بھیجتے تھے۔

سے۲ یہ احادیث اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ اس باب میں اندازہ کافی ہے۔ عام علمائے حدیث اسی پر ہیں۔ اور یہ امام شافعی کا قول قدیم ہے۔ لیکن فقہا فرماتے ہیں کہ صرف اندازے پر کفایت کرنے میں سود کا اندیشہ ہے۔ چنانچہ فقہاء کرام فرماتے ہیں۔ یہ احادیث حرمت سود سے پہلے کی ہیں جیسا کہ کہا گیا ہے۔ واضح ہو کہ یہ احادیث باب صدقہ سے تعلق ہیں۔ اور شارع علیہ السلام نے یہاں اندازے پر کفایت کا ذکر کیا ہے۔ یہاں مال کا مال سے تبادلہ نہیں ہے۔ تاکہ سود لازم آئے اور فقہاء کا قول باب بیع سے تعلق رکھتا ہے۔ جب کہ احادیث بیع سے متعلق نہیں تو پھر کوئی اشکال نہیں۔ اور اگر عام ہیں تو پھر بیع کو اس سے خاص کر لیا جائے گا۔

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْعَسَلِ فِيْ كُلِّ عَشَرَةِ اَزُقٍّ زِقٌّ. (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شہد کی زکوٰۃ میں فرمایا کہ شہد کی دس مشکوں میں ایک مشک ہے۔

اسے ترمذی نے روایت کیا۔

وَقَالَ فِيْ اِسْنَادِهٖ مَقَالٌ وَلَا يَصِحُّ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ هٰذَا الْبَابِ كَثِيْرُ شَيْءٍ

اور کہا اس کے اسناد میں کلام[۱] ہے۔ اس باب میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت سی باتیں صحت سے ثابت نہیں ہیں[۲]۔

سلہ کہ اس کے بعض راوی مطعون ہیں۔

سلہ اور علماء کا بھی اس میں اختلاف ہے۔ چنانچہ امام شافعی رحمۃ اللہ کے نزدیک شہد میں زکوٰۃ نہیں۔ امام بیہقی رحمۃ اللہ نے امیرالمومنین حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ لیس فی العسل زکوٰۃ۔ یعنی شہد میں زکوٰۃ نہیں۔ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک اگر وہ عشری زمین سے حاصل ہوا ہے تو اس میں عشر ہے۔ زیادہ ہو یا کم۔ اس میں کسی نصاب معین کا اعتبار نہیں۔ جس طرح زمین سے پیدا ہونے والی سبزیاں اور پھلوں میں عشر ہے۔ حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی دلیل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول مبارک ہے۔ مَا اَخْرَجَتْہُ الْاَرْضُ فَفِیْہِ الْعُشْرُ۔ یعنی جس چیز کو بھی زمین اگائے اس میں عشر ہے۔ امام ابویوسف رحمہ اللہ سے ایک روایت کے مطابق قیمت کا اعتبار ہے۔ اور ایک دوسری روایت میں دس قربہ (مشک) کا ذکر آیا ہے جیسا کہ حدیث ترمذی میں مذکور ہے جو کہ مشکوٰۃ کی یہ حدیث ہے۔ اور وہ شہد جو پہاڑوں سے حاصل ہوتا ہے اس میں بھی امام صاحب کے نزدیک عشر ہے۔ اور امام ابویوسف کے نزدیک اس میں کچھ واجب نہیں۔ علماء نے کتاب جامع صغیر سے نقل کیا ہے کہ وہ شہد جو پہاڑوں، جنگلوں اور غیر آباد زمینوں سے حاصل ہو اگر وہ محفوظ کر دیا گیا تھا تو اس میں عشر ہے۔ ورنہ وہ شکار کی طرح ہے کہ اس میں کچھ نہیں۔ واللہ اعلم۔

وَعَنْ زَیْنَبَ امْرَاَۃِ عَبْدِاللّٰہِ قَالَتْ خَطَبَنَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ یَا مَعْشَرَ النِّسَآءِ تَصَدَّقْنَ وَلَوْ مِنْ حُلِیِّکُنَّ فَاِنَّکُنَّ اَکْثَرُ اَھْلِ جَھَنَّمَ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ۔

(رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ)

حضرت عبداللہ بن مسعود کی بیوی حضرت زینب سے روایت ہے۔ فرماتی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں خطبہ ارشاد فرمایا۔ چنانچہ فرمایا اے گروہ زنان صدقہ کیا کرو اگرچہ اپنے زیورات سے ہی ہو۔ کیونکہ قیامت کے دن تم میں اکثر جہنم میں ہوں گی۔

(ترمذی شریف)

سلہ آپ صحابیات میں سے ہیں۔ اور بعض سے صحابہ کرام نے ان سے احادیث روایت کی ہیں۔

سلہ حدیث میں لفظ حُلِیّ آیا ہے۔ حا کی پیش لام کی زیر یا کی شد۔ بعض روایتوں میں حَلْیِکُنَّ آیا ہے (حا کی زبر لام ساکن اور یا کے بعد تا)

سلہ عورتوں کے زیورات کی زکوٰۃ میں اختلاف ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ کے نزدیک ان میں زکوٰۃ ہے۔ امام مالک رحمۃ اللہ کے نزدیک ان زیورات میں زکوٰۃ نہیں جن کا استعمال مباح ہے۔ اس بارے میں امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ کے دو قول ہیں۔ ظاہر تر یہی قول ہے۔ اور امام احمد کا مختار مذہب بھی یہی ہے۔ اور وہ زیورات جو پہننے کے لیے نہ ہوں یا کرایہ پر دینے اور تجارت کے لیے ہوں یا ان کا پہننا حرام ہو یا کسی ضرورت کے وقت خرچ کرنے کے لیے رکھے ہوئے ہوں۔

تو ان سب میں باتفاق ائمہ کرام زکوٰۃ فرض ہے۔ اور امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ نے موطا میں کہا کہ جواہرات و موتیوں کے زیورات میں زکوٰۃ نہیں ہے۔ اس بارے میں ائمہ کی دلیل و حجت یہ ہے کہ یہ ایک مباح چیز کا استعمال ہے۔ لہٰذا یہ پہننے کے کپڑوں، خدمت کے لیے غلاموں اور ذاتی رہائشی مکانات کی طرح ہیں۔ اور امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کی دلیل اللہ تعالیٰ کے اس قول مبارک کا عموم ہے۔ وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ الیٰ آخرہ۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول مبارک کا عموم ہے۔ فِي الرِّقَةِ رُبُعُ الْعُشْرِ۔ چاندی میں دسویں حصے کا چوتھائی ہے۔ احادیث دونوں جانب وارد ہیں۔ صحابہ و تابعین اور ان کے بعد کے حضرات میں اس بارے میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ بعض نے کہا زیورات کی زکوٰۃ سے مراد انہیں عاریت پر دینا ہے۔ یہ تاویل حضرت سعید بن المسیب اور حضرت حسن بصری سے مروی ہے مگر وعید اور ڈانٹ کا وارد ہونا جانب وجوب کو ظاہر کرتا ہے (یعنی ان میں زکوٰۃ فرض ہے) واللہ اعلم۔

وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ أَنَّ امْرَأَتَيْنِ أَتَتَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَفِيْ أَيْدِيْهِمَا سِوَارَانِ مِنْ ذَهَبٍ فَقَالَ لَهُمَا تُؤَدِّيَانِ زَكٰوتَهٗ قَالَتَا لَا فَقَالَ لَهُمَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَتُحِبَّانِ أَنْ يُسَوِّرَكُمَا اللّٰهُ بِسِوَارَيْنِ مِنْ نَارٍ قَالَتَا لَا قَالَ فَأَدِّيَا زَكٰوتَهٗ.

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ قَدْ رَوَى الْمُثَنَّى ابْنُ الصَّبَّاحِ عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ نَحْوَ هٰذَا وَالْمُثَنَّى بْنُ الصَّبَّاحِ وَابْنُ لَهِيْعَةَ يُضَعَّفَانِ فِي الْحَدِيْثِ لَا يَصِحُّ فِيْ هٰذَا الْبَابِ عَنِ

حضرت عمرو بن شعیب سے وہ اپنے باپ و دادا سے روایت کرتے ہیں کہ دو عورتیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں آئیں جب کہ ان دونوں کے ہاتھوں میں سونے کے کنگن تھے۔ آپ نے ان دونوں سے فرمایا تم ان کی زکوٰۃ ادا کرتی ہو۔ انہوں نے عرض کیا نہیں۔ تو آپ نے ان دونوں سے فرمایا کیا تم چاہتی ہو کہ تمہیں اللہ تعالیٰ آگ کے دو کنگن پہنائے۔ انہوں نے عرض کی نہ۔ فرمایا تو ان کی زکوٰۃ ادا کرو۔

(اسے ترمذی نے روایت کیا)

اور کہا یہ وہ حدیث ہے کہ مثنی بن صباح نے حضرت عمرو بن شعیب سے اس کی مانند حدیث روایت کی۔ اور مثنی بن صباح و ابن لہیعہ حدیث میں ضعیف قرار دیے گئے ہیں۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس باب میں صحیح روایت

النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَتَخٌ ۔ نہیں آئی۔

۱ یعنی عورتوں کے زیورات میں۔

وَعَنْ أُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ كُنْتُ أَلْبَسُ أَوْضَاحًا مِنْ ذَهَبٍ فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللهِ أَكَنْزٌ هُوَ فَقَالَ مَا بَلَغَ أَنْ تُؤَدَّى زَكُوتُهُ فَزُكِّيَ فَلَيْسَ بِكَنْزٍ۔ (رَوَاهُ مَالِكٌ وَأَبُوْ دَاوُد)

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں میں سونے کے زیور پہنا کرتی تھی۔ میں نے عرض کیا۔ یارسول اللہ کیا یہ کنز (خزانہ) ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو چیز اس مقدار کو پہنچ جائے جس کی زکوٰۃ ادا کی جاتی ہے اور بندے نے اس کی زکوٰۃ ادا کر دی تو وہ کنز نہیں ہے۔ (کنز کنجوسی کی بنا پر جمع کیا ہوا سونا چاندی)

(امام مالک و ابوداؤد)

۱ یہاں حدیث میں لفظ اوضاح آیا ہے۔ جو وضح کی جمع ہے (نقطہ والا ضاد اور حاء بے نقطہ والی) یہ ایک قسم کا زیور ہے جو اصل میں چاندی سے بنایا جاتا ہے۔ اور سونے کا بھی بناتے ہیں۔ جیسا کہ اس حدیث میں واقع ہے۔ اسے واضح یا وضوح اس بنا پر کہتے ہیں کہ اس میں سفیدی اور چمک دمک ہوتی ہے۔ لغت کی کتاب صراح میں کہا وضح یعنی وہ درہم جو صاف اور چمکدار ہو اور بمعنی روشنی و سفیدی۔

۲ یعنی وہ خزانہ جس کے پاس رکھنے پر ڈانٹ اور وعید آئی ہے۔

۳ یعنی حد نصاب کو پہنچ جائے۔

۴ جس کے جمع کر کے رکھنے پر ڈانٹ اور وعید آئی ہے۔ اسی طرح وہ مال جس کی زکوٰۃ ادا کر دی گئی وہ ڈانٹ اور وعید کے دائرہ سے خارج ہے۔

وَعَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدَبٍ أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَأْمُرُنَا أَنْ نُخْرِجَ الصَّدَقَةَ مِنَ الَّذِي نُعِدُّ لِلْبَيْعِ۔ (رَوَاهُ أَبُوْ دَاوُد)

حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں حکم دیا کرتے تھے کہ ہم لوگ تجارت کے لیے رکھے ہوئے مال کی زکوٰۃ ادا کریں۔

(ابوداؤد شریف)

۱ سمرہ (سین کی زبر میم کی پیش) جندب (دال کی پیش اور زبر)۔

۲ یعنی کھانے پینے اور خدمت و سواری کی چیزوں پر زکوٰۃ نہیں۔

وَعَنْ رَبِيعَةَ بْنِ أَبِي عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ غَيْرِ وَاحِدٍ أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَقْطَعَ لِبِلَالِ بْنِ الْحَارِثِ الْمُزَنِيِّ مَعَادِنَ الْقَبَلِيَّةِ وَهِيَ مِنْ نَاحِيَةِ الْفُرُعِ فَتِلْكَ الْمَعَادِنُ لَا تُؤْخَذُ مِنْهَا إِلَّا الزَّكٰوةُ إِلَى الْيَوْمِ.

(رَوَاهُ أَبُوْدَاؤْدَ)

حضرت ربیعہ[1] بن ابو عبد الرحمن رضی اللہ عنہ بہت سے صحابہ کرام سے روایت کرتے ہیں کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال[2] بن الحارث المزنی رضی اللہ عنہ کو مقام قبلیہ[3] کی کانیں بطور جاگیر عطا کیں۔ یہ مقام قبلیہ اطراف فرع[4] میں واقع ہے تو ان کانوں سے آج تک صرف زکوٰۃ[5] ہی وصول کی جاتی ہے۔

(ابو داؤد شریف)

[1] حضرت ربیعہ تابعی ہیں ان کی جلالت شان علماء میں متفق علیہ ہے۔ انہیں ربیعہ الراوی بھی کہتے ہیں۔

[2] آپ صحابہ کرام میں سے ہیں۔ آپ وفد مزینہ کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے۔ حدیث میں اقطاع آیا ہے جس کا معنی ہے امام اور حاکم کا کسی کو کوئی چیز الگ کر کے دینا۔ اور کسی فوجی کو قطعہ زمین عطا کرنا تاکہ اسے اپنا ذریعہ معاش بنائے۔ یہ عطیہ کبھی بطور تملیک ہوتا ہے اور کبھی بغیر تملیک۔

[3] قبلیہ قاف اور با کی زبر یہ ساحل سمندر کے کنارے ایک جگہ کا نام ہے۔ اس کے اور مدینہ طیبہ کے درمیان پانچ دن کی مسافت ہے۔

[4] یعنی یہ مقام قبلیہ جانب فرع میں واقع ہے فرع (فا کی پیش را ساکن) یہ حرمین شریفین کے درمیان مدینہ منورہ سے بلندی پر ایک جگہ کا نام ہے۔

[5] یعنی اس کا چالیسواں حصہ لیا جاتا ہے۔ اس سے خمس (پانچواں حصہ) نہیں لیا جاتا جیسا کہ دوسری کانوں سے خمس لیا جاتا ہے۔ یہ امام مالک اور ایک قول کے مطابق امام شافعی کا مذہب ہے۔ امام ابو حنیفہ اور امام شافعی کے دوسرے قول کے مطابق اس میں خمس لازم ہے۔ امام شافعی کا تیسرا قول یہ ہے کہ اگر ان کانوں سے آمدن مشقت و محنت سے حاصل ہو تو چالیسواں حصہ ہے۔ ورنہ پانچواں حصہ۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

عَنْ عَلِيٍّ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَيْسَ

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے بیشک نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سبزیوں میں صدقہ[1] نہیں

فِي الْخَضْرَوَاتِ صَدَقَةٌ وَلَا فِي الْعَرَايَا صَدَقَةٌ وَلَا فِي أَقَلَّ مِنْ خَمْسَةِ أَوْسُقٍ صَدَقَةٌ وَلَا فِي الْعَوَامِلِ صَدَقَةٌ وَلَا فِي الْجَبْهَةِ صَدَقَةٌ قَالَ الصَّقْرُ الْجَبْهَةُ الْخَيْلُ وَالْبِغَالُ وَالْعَبِيدُ.

(رَوَاهُ الدَّارَقُطْنِيُّ)

اور نہ عرایا یعنی تر کھجوروں میں خشک کھجور کے اندازے سے صدقہ[۲] ہے اور نہ پانچ وسق سے کم میں صدقہ ہے۔ نہ کام کاج کرنے والے جانوروں[۳] میں صدقہ ہے۔ اور نہ پیشانی میں صدقہ ہے۔ صقر راوی[۴] کہتا ہے کہ پیشانی سے گھوڑے خچر اور غلام مراد ہیں۔

(دارقطنی)

۱ یہ تین ائمہ کرام کا مذہب ہے کہ ان پھلوں اور سبزیوں میں جو دیرپا نہیں ہوتیں اور پورا سال باقی نہیں رہتیں، میں کچھ صدقہ نہیں۔ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک ہر چیز میں جسے زمین اگائے کم ہو یا زیادہ دسواں حصہ بطور عشر ادا کرنا فرض ہے مگر گھاس پھونس اور لکڑیوں میں کچھ نہیں۔ امام ابوحنیفہ علیہ الرحمۃ کے مذہب کی دلیل نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول مبارک کا عموم ہے کہ کل ما اخرجتہ الارض ففیہ العشر۔ جس چیز کو بھی زمین اگائے اس میں عشر ہے۔ جیسا کہ باب اول کے ترجمہ کی شرح میں مذکور ہوا۔

۲ یہاں حدیث میں لفظ عرایا آیا ہے یعنی عرایا عریۃ کی جمع ہے۔ اس کا معنیٰ ہے درخت پر کھڑی تر کھجور کو خشک کھجور کے عوض بطور اندازہ فروخت کرنا۔ اگرچہ درختوں پر کھڑے ترمیووں کی فروخت توڑے ہوئے خشک میوے کے عوض جسے بیع مزابنہ کہتے ہیں (زنا اور ربا) سے پہلے بار ہا منع کیا گیا ہے جیسا کہ کتاب البیوع میں انشاء اللہ تعالیٰ آئے گا۔ لیکن کچھ مفلس اور محتاج لوگوں کے لیے جو ترمیوہ کھانا چاہتے ہیں مگر ہاتھ میں نقد پیسے نہیں ہوتے کہ خرید سکیں۔ اور ان کے اپنے پاس پھل دار درخت بھی نہیں ہوتے کہ اپنے عیال کو کھلا سکیں۔ ان کے گھر میں اہل و عیال کی روزی کے لیے کچھ خشک کھجوریں پڑی ہوتی ہیں۔ جو ضرورت سے قدرے زیادہ ہوتی ہیں۔ اس میں سے کھجور کے درختوں کے مالک کو کچھ دیتے ہیں اور اس سے اس کے عوض اندازے سے کچھ ترکھجوریں لیتے ہیں۔ یہ ایک صورت ایسی ہے کہ ان پر شفقت اور ان کی حاجت برآری کے لیے پانچ وسق سے کم مقدار کی کھجوروں میں ایسا کرنے کی اجازت دی گئی ہے۔ اور جب کہ وہ پانچ وسق سے کم ہوتی ہیں تو ان میں زکوٰۃ فرض نہیں ہوتی۔ جیسا کہ آگے حدیث میں فرمایا۔

۳ یعنی جو چارپائے کام کاج کے لیے ہوں تجارت کے لیے نہ ہوں ان میں بھی زکوٰۃ نہیں۔

۴ یعنی صقر نے (قاف سے) جو اس حدیث کے راویوں میں سے ہے۔ کہا کہ پیشانی سے مراد الی آخرہ۔

وَعَنْ طَاؤُسٍ أَنَّ مُعَاذَ بْنَ

حضرت طاؤس سے روایت ہے بے شک حضرت

جَبَلٍ اُتِیَ بِوَقْصِ الْبَقَرِ فَقَالَ لَمْ یَأْمُرْنِیْ فِیْهِ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بِشَیْءٍ.
(رَوَاهُ الدَّارَ قُطْنِیُّ وَ الشَّافِعِیُّ)
وَقَالَ الْوَقْصُ مَا لَمْ یَبْلُغِ الْفَرِیْضَۃَ.

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کے پاس گایوں کی تیس سے کم مقدار لائی گئی تو آپ نے فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اس میں کچھ حکم نہیں دیا۔ (دار قطنی و شافعی)
اور شافعی نے فرمایا حدیث میں واقع لفظ وقص گایوں کی اس مقدار و تعداد کو کہتے ہیں جو حد نصاب کو نہ پہنچی ہو۔[۲]

[۱] یعنی حضرت طاؤس یمانی رضی اللہ عنہ جو مشہور تابعین سے ہیں، نے فرمایا کہ حضرت معاذ بن جبل جنہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یمن پر عامل مقرر کیا تھا، کے پاس وقص گائیں لائی گئیں تاکہ آپ اس سے زکوٰۃ وصول کریں۔

[۲] یعنی وقص کا معنیٰ ہے وہ چیز یا مال جو حد نصاب سے کم ہو۔ خواہ ابتداءً ہی کم ہو خواہ دو فریضوں کے درمیان ہو امام شافعی علیہ الرحمۃ نے فرمایا یہاں اس سے شق اول مراد ہے۔ کیونکہ حضرت معاذ کے پاس جو گائیں لائی گئی تھیں وہ مقدار یں تیس عدد سے کم تھیں۔ واللہ اعلم۔ وقص کا معنیٰ لغت میں ٹوٹنے اور کم ہونے کا آتا ہے۔

بَابُ صَدَقَةِ الْفِطْرِ

صدقہ فطر کا باب

امام شافعی رحمۃ اللہ کے نزدیک صدقہ فطر فرض ہے۔ اسی طرح امام احمد کے نزدیک بھی ان کے ظاہر مذہب کے مطابق امام مالک رحمۃ اللہ تعالےٰ کے نزدیک سنت مؤکدہ ہے۔ اور ہم احناف کے نزدیک واجب ہے۔ یہاں واجب فرض کے مقابل ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں جو آ رہی ہے، صدقہ فطر پر فرض کا اطلاق آیا ہے۔ امام شافعی اور احمد اسے ظاہر معنیٰ پر عمل کرتے ہیں۔ امام مالک فرماتے ہیں کہ یہاں فرض سے اندازہ کرنا مراد ہے۔ احناف رحمہم اللہ تعالےٰ کہتے ہیں کہ دوسری حدیث میں فرض کے بجائے صیغہ امر آیا ہے اور وہ امر جو دلیل ظنی سے ثابت وجوب کا فائدہ دیتا ہے۔
پھر صدقہ فطر کے وجوب کی شرط امام مالک رحمۃ اللہ کے نزدیک حاجت ضروریہ سے زائد نصاب ہے اور اس میں یہ شرط نہیں کہ وہ نصاب بڑھنے والا بھی ہو۔ امام شافعی رحمۃ اللہ تعالےٰ کے نزدیک ہر اس مسلمان پر صدقہ فطر فرض ہے جو اپنے لیے اور جن کا خرچہ اس کے ذمے ہے کے یومیہ مصارف پر قادر ہو۔ لباس، خادم، رہائش اور قرضہ نکال کر۔ اس کے لیے کسی نصاب کی حد شرط نہیں ہے۔

واضح ہو کہ صدقۂ فطر کی مقدار گندم کا نصف صاع اور کھجور و جو کا ایک صاع ہے۔ بعض احادیث میں گندم کا بھی ایک صاع آیا ہے۔ بعض احادیث میں طعام کا ایک صاع آیا ہے۔ اور بعض احادیث میں صاع مطلق واقع ہوا ہے۔ گندم یا جو وغیرہ سے مقید ہرگز نہیں آیا۔ علماء نے فرمایا ہے زمانہ نبوت میں نصف صاع ہی واجب تھا۔ نصف صاع سے زائد بطور نفل و تطوع ہے نہ کہ وجوب کے طور پر۔ بعض نے کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ اقدس میں گندم یا جو یا کھجور کا ایک صاع ہی مقرر تھا۔ اس کے بعد لوگوں نے کھجور اور جو کے صاع کی قیمت لگا کر اس کے برابر نصف صاع مقرر کر لیا۔ اسے سمجھو۔ پھر منقا امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ کے نزدیک گندم کے حکم میں ہے۔ اور امام ابو یوسف اور امام محمد کے نزدیک جو کے حکم میں۔

امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ نے اپنے زمانہ خلافت میں فرمایا گندم سے صدقۂ فطر نصف صاع ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے تمہیں رزق میں وسعت و کشادگی عطا فرمائی ہے۔ تو اب گندم وغیرہ سے صدقۂ فطر پورا صاع دیا کرو۔ اس روایت سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ نصف صاع سے زیادہ ادائیگی نفل و تطوع کے طور پر ہے۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

پہلی فصل

عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ فَرَضَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ زَكٰوةَ الْفِطْرِ صَاعًا مِّنْ تَمْرٍ اَوْ صَاعًا مِّنْ شَعِيْرٍ عَلَى الْعَبْدِ وَالْحُرِّ وَالذَّكَرِ وَالْاُنْثٰى وَالصَّغِيْرِ وَالْكَبِيْرِ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ وَاَمَرَ بِهَا اَنْ تُؤَدّٰى قَبْلَ خُرُوْجِ النَّاسِ اِلَى الصَّلٰوةِ۔
(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فطر کی زکوٰۃ (صدقہ) کھجور سے ایک صاع یا جو سے ایک صاع فرض کی[1]۔ یہ صدقہ فطر غلام، آزاد، مرد، عورت چھوٹے بڑے سب پر فرض ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ لوگوں کے نماز عید کے لیے جانے سے پہلے پہلے ادا کر دیا جائے۔
(بخاری و مسلم)

[1] اس حدیث میں گندم کا ذکر نہیں ہے اس سے بعض لوگوں کو یہ وہم ہوا کہ گندم سے نصف صاع صدقہ فطر دینا لوگوں نے زمانہ نبوت کے بعد شروع کیا ایک صاع کھجور یا جو کی قیمت کے برابر۔ مگر درست اور صحیح یہی ہے کہ گندم سے نصف صاع ہی واجب ہے۔ باقی رہا یہ کہ اس حدیث میں صرف کھجور اور جو کا ذکر ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ دو قسم کی جنسیں ہی غالبا موجود ہوتی

تھیں۔ علماء نے کہا ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کھجور میں صدقہ فطر دیا کرتے تھے۔ اور جب مدینہ طیبہ میں کھجور اور جو کی پیداوار کم ہو گئی۔ تو آپ نے صدقہ فطر جو میں سے ادا کیا۔ اور صرف ایک بار ہوا۔

۵۲ غلام جب کہ خود کسی شے کا مالک نہیں ہوتا تو اس پر صدقہ کا وجوب دراصل اس کے مالک پر لازم ہو گا جو غلام کی طرف سے شمار ہو گا۔ اسی طرح چھوٹے بچے کے اس صدقے کا وجوب اس کے والد پر ہو گا۔ اگر بچہ مال کا مالک نہ ہو۔ ورنہ بچہ کے مال سے لازم و واجب ہو گا۔ امام محمد رحمۃ اللہ فرماتے ہیں نابالغ بچے کے پاس مال ہونے کے باوجود اس کا صدقہ فطر اس کے باپ پر واجب ہے۔

۵۳ حدیث کا ظاہر معنی یہ واضح کرتا ہے کہ نماز کے بعد ادا کرنے سے صدقہ فطر ادا نہ ہو گا۔ لیکن چاروں ائمہ اس پر اتفاق رکھتے ہیں کہ نماز سے پہلے ادا کرنا مستحب ہے واجب نہیں۔ اور یہاں امر استحباب کے لیے ہے وجوب کے لیے نہیں۔ یہاں کافی تفصیل ہے جسے ہم نے شرح سفر السعادت میں ذکر کیا ہے۔

وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ نِ الْخُدْرِیِّ رض قَالَ كُنَّا نُخْرِجُ زَكٰوةَ الْفِطْرِ صَاعًا مِّنْ طَعَامٍ اَوْ صَاعًا مِّنْ شَعِیْرٍ اَوْ صَاعًا مِّنْ تَمْرٍ اَوْ صَاعًا مِّنْ اَقِطٍ اَوْ صَاعًا مِّنْ زَبِیْبٍ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں۔ ہم لوگ طعام[1] سے ایک صاع صدقہ فطر دیتے تھے۔ یا ایک صاع جو سے یا ایک صاع کھجور سے یا ایک صاع پنیر[2] سے یا ایک صاع منقا[3] سے۔ (بخاری و مسلم)

۱ بعض نے کہا طعام سے گندم مراد ہے کیونکہ سفر و حضر میں لفظ طعام سے متعارف و غالب یہی ہے۔ بعض نے کہا اس سے جوار مراد ہے۔ کیونکہ اس زمانہ میں اہل حجاز میں عموماً متعارف لوگوں کی یہی خوراک ہوتی تھی۔

۲ حدیث میں لفظ اَقِط (ہمزہ کی زبر قاف کی زیر) آخر میں طا محملہ ہے۔ ماسر بھی کہتے ہیں۔ یہ دراصل ترش دودھ ہے جو خشک ہو کر پتھر کی طرح سخت ہو جاتا ہے۔

۳ یعنی خشک شدہ انگور۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

دوسری فصل

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رض قَالَ فِیْ اٰخِرِ رَمَضَانَ اَخْرِجُوْا صَدَقَةَ صَوْمِكُمْ فَرَضَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ نے آخر رمضان میں فرمایا لوگو اپنے روزے کا صدقہ نکالو۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

وَسَلَّمَ هٰذِهِ الصَّدَقَةَ صَاعًا مِّنْ تَمْرٍ اَوْ شَعِيْرٍ اَوْ نِصْفَ صَاعٍ مِّنْ قَمْحٍ عَلٰى كُلِّ حُرٍّ اَوْ مَمْلُوْكٍ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى صَغِيْرٍ اَوْ كَبِيْرٍ.
(رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ)

یہ صدقہ[1] فرض کیا ہے۔ ایک صاع کھجور یا جو اور نصف صاع گندم[2] کا ہے۔ یہ صدقہ ہر آزاد غلام مرد عورت چھوٹے بڑے پر ہے۔
(ابوداؤد و نسائی)

[1] اس صدقہ سے صدقہ فطر مراد ہے۔ اور حقیقۃً یہ روزے کا صدقہ ہے کہ روزہ اس کے ادا کیے بغیر آسمان و زمین کے درمیان معلق رہتا ہے۔ جب اس کا صدقہ ادا کیا جاتا ہے تو روزہ مقام قبولیت کو پہنچ جاتا ہے۔ جیسا کہ حدیث میں آیا ہے۔

[2] حدیث میں لفظ قمح آیا ہے (قاف کی زبر میم ساکن) یعنی گندم۔

وَعَنْهُ قَالَ فَرَضَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ زَكٰوةَ الْفِطْرِ طُهْرَةً لِّلصِّيَامِ مِنَ اللَّغْوِ وَالرَّفَثِ وَطُعْمَةً لِّلْمَسَاكِيْنِ.
(رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے۔ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا صدقہ فطر روزے کو پاک کرنے کے لیے ہے۔ بعض نسخوں میں اس طرح ہے کہ یہ صدقہ روزے کو لغو[1] بے حیائی کی بات سے پاک کرنے کے لیے ہے اور مساکین کے لیے لقمہ (خوراک)[2] ہے۔
(ابوداؤد)

[1] لغو یعنی بے ہودہ اور لایعنی باتیں کرنا۔ حدیث میں واقع لفظ رَفَث (را وفا کی زبر) یعنی جماع و فحش کلام۔ اور وہ باتیں جو لحاف میں خاوند بیوی آپس میں کرتے ہیں۔ اور وہ فحش باتیں جو مرد و عورت آپس میں کرتے ہیں۔ پھر یہ لفظ ہر قبیح کلام کے لیے استعمال ہونے لگا اس سے مراد وہ اصل تقصیریں اور گناہ ہیں جو روزہ کی حالت میں بندے سے سرزد ہو جاتے ہیں۔

[2] یعنی صدقہ فطر اس لیے واجب کیا گیا ہے تاکہ مساکین کے لیے خوراک مہیا ہو۔ اور عید کے دن وہ کسی سے مانگنے اور سوال کرنے سے بے نیاز ہو جائیں۔ جیسا کہ حدیث میں آیا ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعَثَ مُنَادِيًا فِيْ

حضرت عمرو بن شعیب سے وہ اپنے باپ دادا سے روایت کرتے ہیں۔ بے شک نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ کے راستوں میں ایک ندا کرنے والے

وَفِجَاجِ مَكَّةَ اَلَا اِنَّ صَدَقَةَ الْفِطْرِ وَاجِبَةٌ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى حُرٍّ اَوْ عَبْدٍ صَغِيْرٍ اَوْ كَبِيْرٍ مُدَّانِ مِنْ قَمْحٍ اَوْ سِوَاهُ اَوْ صَاعٌ مِّنْ طَعَامٍ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

کو بھیجا کہ وہ اس طرح مُنادی کرے لوگو! صدقہ فطر ہر مسلمان مرد و عورت، آزاد غلام چھوٹے بڑے پر واجب ہے۔ دو مُد[1] گندم۔ یا اس کے سوا دانگور وغیرہ[2] سے اور ایک صاع طعام[3] سے۔ (ترمذی شریف)

[1] دو مُد یعنی نصف صاع۔ کیونکہ چار مد کا صاع ہوتا ہے۔

[2] جیسا کہ حضرت امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کا مذہب ہے۔

[3] اگر طعام سے گندم مراد ہے تو پھر لفظ یا راوی کے شک کی وجہ سے ہے اور اگر اس سے گندم مراد نہ ہو تو پھر لفظ یا بیان نوع کے لیے ہے۔

وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ ثَعْلَبَةَ[2] اَوْ ثَعْلَبَةَ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ اَبِيْ صُعَيْرٍ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَاعٌ مِّنْ بُرٍّ اَوْ قَمْحٍ عَنْ كُلِّ اثْنَيْنِ صَغِيْرٍ اَوْ كَبِيْرٍ حُرٍّ اَوْ عَبْدٍ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى اَمَّا غَنِيُّكُمْ فَيُزَكِّيْهِ اللّٰهُ وَاَمَّا فَقِيْرُكُمْ فَيَرُدُّ عَلَيْهِ اَكْثَرَ مِمَّا اَعْطَاهُ۔ (رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ)

حضرت عبداللہ بن ثعلبہ یا ثعلبہ بن عبداللہ ابی صُعَیر اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں۔ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک صاع گندم[1] دو آدمیوں کی طرف سے ہے۔ چھوٹے یا بڑے آزاد یا غلام مرد و عورت کی طرف سے۔ تو جو تم میں مالدار ہیں اس صدقہ کے ذریعہ اللہ انہیں پاک کرے گا۔ اور جو تمہارے فقیر ہیں تو اللہ انہیں اس سے بہت زیادہ دے گا۔ (ابوداؤد شریف)

[1] صاد کی پیش عین کی زبر۔

[2] مشکوٰۃ شریف کے بعض نسخوں میں ایسا ہی آیا ہے۔ مگر درست عبارت اس طرح ہے۔ عبداللہ بن ثعلبہ بن صعیر یا ابن ابی صُعیر ہے۔ حضرت ثعلبہ رضی اللہ عنہ صحابی ہیں ان سے یہی ایک حدیث مروی ہے جو صدقہ فطر کے باب میں ہے۔ کاشف میں کہا ثعلبہ بن صعیر۔ بعض نے کہا ابن ابی صعیر۔ انہیں شرف صحبت حاصل ہے۔ اس سے اس کے بیٹے عبداللہ روایت کرتے ہیں

ا؎ یہاں حدیث میں من بُرٍّ او قمح آیا ہے۔ یہ راوی کا شک ہے۔ اور بُر و قمح دونوں کا معنی گندم ہے کہ ہر ایک سے نصف صاع صدقہ فطر ادا ہوگا۔

۲؎ کہ صدقہ فطر ادا کرنے والے فقیر کو اس صدقہ کی برکت سے اللہ تعالیٰ غنی کر دے گا۔ اور اسے کئی گنا زیادہ ثواب عطا کرے گا۔ یہ معنی غنی میں بھی موجود ہے۔ فقیر کی تخصیص اسے تسلی دینے اور رغبت دلانے کے لیے ہے۔

بَابُ مَنْ لَا تَحِلُّ لَهُ الصَّدَقَةُ

ان لوگوں کے بیان میں جنہیں صدقہ لینا حلال نہیں

یعنی یہ باب ان لوگوں کے بیان میں ہے جن کے لیے صدقہ کھانا اور مالِ زکوٰۃ لینا حلال نہیں۔ محدثین کرام کبھی اس باب کا عنوان اس طرح قائم کرتے ہیں بَابُ مَنْ لَا يَجُوْزُ دَفْعُ الصَّدَقَةِ اِلَيْهِ۔ یعنی یہ باب ان لوگوں کے بیان میں ہے جنہیں صدقہ دینا جائز نہیں۔ مگر دونوں عبارتوں کے معنی کا مآل ایک ہی ہے۔ ہاں کافر میں دونوں عبارتوں میں فرق ظاہر ہوگا۔ کہ دوسرا عنوان اس پر صادق آتا ہے کہ کافر کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں اور نہ اسے دینے سے زکوٰۃ ذمہ سے ساقط ہوگی۔ کافر کو زکوٰۃ نہ دینے میں بحث و تحقیق کی کوئی ضرورت نہیں۔ اور بنی ہاشم میں دونوں معنی درست ظاہر ہیں مختصر یہ کہ کافر کو زکوٰۃ نہیں دی جا سکتی۔ بخلاف دوسرے صدقات کے۔ جیسے صدقہ فطر اور کفارے وغیرہ۔ تاہم مسلمان فقراء کو دینا زیادہ محبوب اور افضل ہے۔ اور بنی ہاشم کو زکوٰۃ نہ دینا ظاہر روایت ہے۔ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ سے ایک روایت کے مطابق اس زمانہ میں جائز ہے۔ ہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ممنوع تھی۔ ایک روایت کے مطابق امام صاحب اور امام ابو یوسف کے نزدیک بنی ہاشم کے لیے آپس میں ایک دوسرے کو زکوٰۃ دینا جائز ہے۔ اس شخص کو بھی زکوٰۃ دینا جائز نہیں جو مالک نصاب ہو۔ ہاں ایک روایت کے مطابق مالک نصاب علماء کو دینا جائز ہے کہ ان کی ضروریات خصوصاً کتابیں جمع کرنا انہیں درکار اور اس کی ضرورت انہیں زیادہ ہوتی ہے اور اسے زکوٰۃ دینا بھی جائز نہیں جس کے اور زکوٰۃ دینے والے کے درمیان رشتہ ولادت ہو۔ بخلاف دوسرے اقرباء کے۔ جیسے چچے، پھوپھیاں اور ماموں خالائیں اور ان کی اولاد کیونکہ صلہ رحمی اور صدقہ دونوں کو جمع کرنا اولیٰ و افضل ہے۔ اور اسے بھی زکوٰۃ دینا جائز نہیں جس کے ساتھ نسبت زوجیت قائم ہو۔ اسی طرح اپنے مکاتب غلام، مدبّر اور اپنی ام ولد کو بھی زکوٰۃ نہ دے۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

پہلی فصل

عَنْ اَنَسٍ رض قَالَ مَرَّ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِتَمْرَۃٍ فِی الطَّرِیْقِ فَقَالَ لَوْلَا اَنِّیْ اَخَافُ اَنْ تَکُوْنَ مِنَ الصَّدَقَۃِ لَاَکَلْتُھَا۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم راستہ میں پڑی ہوئی ایک کھجور[1] کے پاس سے گزرے تو فرمایا اگر مجھے ڈر نہ ہوتا کہ یہ صدقہ کی ہوگی تو میں اسے کھا لیتا۔ (بخاری ومسلم)

[1] یعنی جو راستہ میں پڑی ہوئی تھی حضور علیہ السلام اس کے پاس سے گزرے اور آپ کی اس پر نگاہ پڑی تو فرمایا الی آخرہ۔

[2] مطلب یہ ہے کہ میں اسے نہیں کھا سکتا۔ کیونکہ شاید یہ صدقہ کی ہو۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت وعظمت اور آپ کے جوہر ذات کی پاکیزگی اور نظافت کی وجہ سے آپ کے لیے صدقہ کی چیز کھانا جائز نہ تھا۔ ایک دوسری حدیث سے واضح ہوتا ہے کہ تمام اولاد ہاشم اور ان کے آزاد کردہ غلاموں ولونڈیوں پر صدقہ کی چیز لینا اور کھانا حرام ہے علماء نے یہ بھی فرمایا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر تو ہر طرح کا صدقہ (واجب ہو یا نفل) حرام ہے اور باقی بنی ہاشم پر صدقہ واجب حرام ہے۔ جیسا کہ طبری نے کہا۔

اور فقہ حنفیہ کی بعض کتابوں میں بنی ہاشم کے لیے امام ابو یوسف اور امام محمد کے نزدیک صدقہ نفل حرام ہے۔ امام اعظم رحمۃ اللہ سے بھی ایک روایت کے مطابق حرام ہے۔ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ زمین پر پڑی ہوئی کھانے کی چیز کو اٹھا لینا اگرچہ ادنیٰ چیز ہو، سنت ہے، اور اگر اسے کھا لیا جائے تو بھی ٹھیک ہے۔ اس میں نعمت الٰہی کی اگرچہ وہ قلیل ہی ہو تعظیم وتواضع کا کمال ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جہاں کسی چیز کے حرام ہونے کا شبہ ہو وہاں احتیاط ضروری ہے۔

وَعَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ رض قَالَ اَخَذَ الْحَسَنُ بْنُ عَلِیٍّ تَمْرَۃً مِّنْ تَمْرِ الصَّدَقَۃِ فَجَعَلَھَا فِیْ فِیْہِ فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کِخْ کِخْ لِیَطْرَحَھَا ثُمَّ قَالَ اَمَا شَعَرْتَ اَنَّا لَا نَاْکُلُ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں۔ حضرت امام حسن بن علی رضی اللہ عنہما نے صدقہ کی ایک کھجور اٹھائی اور اپنے منہ میں ڈال لی۔ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا باز رہ باز رہ[1]۔ تاکہ وہ اسے پھینک دیں[2]۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تجھے

الصَّدَقَةَ . پتہ نہیں کہ ہم لوگ صدقہ نہیں کھاتے [۳]

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ) (بخاری و مسلم)

[۱] حدیث میں لفظ کخ کخ آیا ہے (کاف کی زبر اور زیر خا کی جزم یا زیر اور نون تنوین کے ساتھ) یہ ایک کلمہ ہے جو بچے کو اس کام سے روکنے اور منع کرنے کے لیے آتا ہے جو وہ کر رہا ہوتا ہے بلیدی و نجاست سے پرہیز اور بچنے کے لیے بھی آتا ہے۔

[۲] یعنی تاکہ اس کھجور کو منہ سے پھینک دیں اور اسے نہ کھائیں۔ بعض نے کہا ہے کہ یہ عجمی (غیر عربی) کلمہ ہے۔ امام بخاری اسے بابُ مَن تکلم بالفارسیۃ میں لائے۔

[۳] یعنی ہم بنی ہاشم اور اہلِ بیت طہارت صدقہ نہیں کھاتے۔ اس عبارت کا ظاہر اس امر کو واضح کرتا ہے کہ حضرت امام حسن پہلے سے اس حکم کو جانتے تھے۔ اور یہ کوئی بعید بات نہیں جب کہ چھوٹا بچہ سمجھدار ہو اور بے شک ان دونوں امام حسن، امام حسین رضی اللہ عنہما نے چھوٹی عمر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے احادیث لی ہیں۔ امام حسن رضی اللہ عنہ کی عمر شریف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال شریف کے وقت آٹھ سال تھی۔ کیونکہ ان کی با ولادت باسعادت ۳ھ میں ہوئی تھی۔

وَعَنْ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ بْنِ رَبِيعَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ هٰذِهِ الصَّدَقٰتِ إِنَّمَا هِيَ أَوْسَاخُ النَّاسِ وَإِنَّهَا لَا تَحِلُّ لِمُحَمَّدٍ وَّلَا لِاٰلِ مُحَمَّدٍ.

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت عبدالمطلب [۱] بن ربیعہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک یہ صدقات بلاشبہ لوگوں کی میل کچیل [۲] ہیں۔ اور بے شک [۳] یہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور آل محمد کے لیے حلال نہیں ہیں۔

(مسلم)

[۱] عبدالمطلب بن ربیعہ رضی اللہ عنہ بن حارث بن ہاشم قرشی یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ اقدس میں سن بلوغت کو پہنچ گئے تھے۔

[۲] جن سے لوگ اپنے مال پاک کرتے ہیں۔

[۳] یعنی یہ صدقات یا یہ میل کچیل محمد اور آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے حلال نہیں۔ واضح ہو کہ یہاں آل محمد سے بنی ہاشم مراد ہیں۔ کہ ان کے لیے زکوٰۃ لینا جائز نہیں اور لفظ آل کے کئی معنی ہیں جن کی تحقیق اپنے مقام میں کر دی گئی ہے۔

وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے

كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اُتِيَ بِطَعَامٍ سَاَلَ عَنْهُ اَهَدِيَّةٌ اَمْ صَدَقَةٌ فَاِنْ قِيْلَ صَدَقَةٌ قَالَ لِاَصْحَابِهٖ كُلُوْا وَلَمْ يَاْكُلْ وَاِنْ قِيْلَ هَدِيَّةٌ ضَرَبَ بِيَدِهٖ فَاَكَلَ مَعَهُمْ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت مبارک تھی کہ جب کوئی کھانے کی چیز آپ کی خدمت میں لائی جاتی تو آپ دریافت کرتے کہ یہ ھدیہ ہے یا صدقہ[1]۔ اگر کہا جاتا کہ صدقہ ہے تو آپ اپنے اصحاب سے فرماتے تم کھاؤ۔ اور آپ خود نہ کھاتے اور اگر کہا جاتا کہ یہ ھدیہ ہے تو اپنے ہاتھ دراز فرماتے[2] اور صحابہ کے ساتھ کھاتے۔

(بخاری و مسلم)

۵[1] صدقہ اور ہدیہ میں فرق یہ ہے کہ صدقہ وہ چیز ہے جو فقراء و مساکین کو بطور شفقت و مہربانی دی جائے اور اس سے ثواب آخرت کا ارادہ کیا جائے۔ صدقہ میں اس کے لینے والے کے لیے قدرے خواری اور ذلت پائی جاتی ہے۔ اس کے برعکس ہدیہ وہ چیز کہلاتی ہے جو تعظیم و اعزاز کے ارادہ سے اغنیاء کو دی جائے اس میں مکافات و بدلہ مقصود ہوتا ہے صدقہ میں یہ بات نہیں ہوتی۔

۵[2] حدیث میں ضَرَبَ بِیَدِہٖ کا لفظ آیا ہے اس کا معنی ہے راستہ میں جلدی جلدی چلنا۔ اور رزق کی تلاش میں نکلنا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ صدقہ قبول نہ فرماتے تھے۔ اور نہ اسے کھاتے تھے اور ہدیہ قبول فرماتے اور شوق و رغبت سے اسے کھاتے تھے۔

وَعَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ كَانَ فِيْ بَرِيْرَةَ ثَلٰثُ سُنَنٍ اِحْدَى السُّنَنِ اَنَّهَا عُتِقَتْ فَخُيِّرَتْ فِيْ زَوْجِهَا وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْوَلَاءُ لِمَنْ اَعْتَقَ وَدَخَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالْبُرْمَةُ تَفُوْرُ بِلَحْمٍ فَقُرِّبَ اِلَيْهِ خُبْزٌ وَّاُدْمٌ مِّنْ اُدْمِ الْبَيْتِ فَقَالَ اَلَمْ اَرَ بُرْمَةً فِيْهَا لَحْمٌ قَالُوْا

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں حضرت بریرہ[1] رضی اللہ عنہا میں تین سنتیں تھیں[2]۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ بیشک اسے آزاد کیا گیا تو اسے اس کے خاوند کے بارے میں اختیار دیا گیا[3]۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ولاء اس کے لیے ہے جس نے اسے آزاد کیا۔ اور حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہ کے گھر تشریف لائے جبکہ ہانڈی[4] گوشت سے اُبل رہی ہے (گوشت پک رہا تھا) آپ کی خدمت میں روٹی اور وہ سالن[5] پیش کیا گیا جو گھر

بَلٰی وَلٰکِنْ ذٰلِکَ لَحْمٌ تُصُدِّقَ بِہٖ عَلٰی بَرِیْرَۃَ وَاَنْتَ لَا تَاْکُلُ الصَّدَقَۃَ فَقَالَ ھُوَ عَلَیْھَا صَدَقَۃٌ وَلَنَا ھَدِیَّۃٌ۔
(مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)

میں تھا (اس گوشت کے علاوہ) آپ نے فرمایا کیا میں نے ہانڈی میں گوشت نہیں دیکھا، گھر والوں نے عرض کیا ہاں لیکن وہ صدقے کا گوشت ہے جو بریرہ کو دیا گیا ہے اور آپ صدقہ تناول نہیں فرماتے (اس پر) آپ نے فرمایا وہ بریرہ پر صدقہ ہے اور ہمارے لیے ہدیہ ہے
(بخاری و مسلم)

سلہ بَرِیْرَہ (باکی زبر را اصل کی زیر) آپ حضرت عائشہ کی آزاد کردہ لونڈی ہیں۔

سلہ یعنی حضرت بریرہ کی وجہ سے تین شرعی حکم نازل اور ثابت ہوئے۔

سلہ ان کے خاوند کا نام مغیث تھا۔ حضرت بریرہ کو اختیار دیا گیا کہ وہ آزادی کے بعد اس کی زوجیت میں رہیں۔ یا اس سے جدائی اختیار کریں۔ یہ خیار عتق ہے جسے علماء نے اس عورت کے لیے ثابت کیا ہے۔ جسے غلامی سے آزادی ملی ہو کہ جب وہ آزاد ہو جائے تو اسے اختیار ہے کہ اپنے اس شوہر کو ہی پسند کرے یا اس سے جدائی پسند کرے۔ امام شافعی کے ہاں خیار عتق میں یہ قید ملحوظ ہے کہ اس کا خاوند بھی کسی کا غلام ہو۔ احناف کے نزدیک مطلق خیار عتق حاصل ہوتا ہے۔ خواہ خاوند آزاد ہو یا غلام۔ یہ مغیث حضرت بریرہ کے شوہر تھے۔ حضرت بریرہ نے آزادی کے بعد انہیں پسند نہ کیا وہ اس کے عشق و فراق میں حیران و پریشان پھرا کرتے، آہ و فریاد کرتے اور روتے تھے۔

سلہ یہ دوسری سنت ہے جو حضرت بریرہ کی وجہ سے عطا ہوئی۔ اس کا بیان یہ ہے کہ حضرت بریرہ ایک یہودی کی لونڈی تھیں جس نے انہیں مکاتبہ بنایا ہوا تھا۔ (یعنی وہ یہودی ان سے عقد کتابت کر چکا تھا کہ اتنی رقم ادا کر دو تو تم آزاد ہو) جب حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا بدل کتابت ادا کرنے سے عاجز آ گئیں تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت اقدس میں آئیں تاکہ آپ اسے کوئی چیز عطا کریں جو وہ اپنے مالک کو بطور بدل کتابت ادا کر کے آزادی حاصل کرے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا اگر تو اپنے مالکوں سے کہے کہ وہ تجھے میرے پاس فروخت کر دیں تو میں تجھے خرید لوں گی۔ وہ اپنے مالکوں کے پاس گئی اور ان سے وہ بات کہی جو حضرت عائشہ نے اس سے کہی تھی۔ انہوں نے کہا ہم فروخت کر دیتے ہیں مگر ہماری شرط یہ ہے کہ تیرا ولاء یعنی تیری میراث ہماری قرار پائے۔ حضرت عائشہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی کہ یہودی یہ شرط عائد کرتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ غلط کہتے ہیں۔ اَلْوَلَاءُ لِمَنْ اَعْتَقَ۔ یعنی میراث اس کی ہوتی ہے۔ جس نے اسے آزاد کیا ہوتا ہے۔ اے عائشہ تو اسے خرید کر آزاد کر دے اس کی میراث کی حق دار تو ہوگی۔ یہودیوں کی یہ شرط باطل ہے۔

سلہ یعنی تیسری سنت یہ ہے جو حضرت عائشہ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا

کے گھر اس وقت تشریف لائے جب کہ گھر میں ہانڈی پک رہی تھی اور اس میں گوشت اُبل رہا تھا۔ حدیث میں وارد لفظ بُرْمَۃ (با کی پیش را ساکن) بمعنی پتھر کی بنی ہوئی دیگ جو بلاد حجاز و یمن میں مشہور ہے۔ اور اب حرمین شریفین میں بھی مشہور ہو چکی ہے۔

۶ حدیث میں وارد لفظ اُدُم (ہمزہ کی پیش دال ساکن اور دال کی پیش) بمعنی سالن۔ یہ لفظ مفرد و جمع دونوں طرح استعمال ہوتا ہے۔ جس طرح لفظ فُلک (کشتی)۔ بعض نے کہا دال ساکن کی صورت میں مفرد ہے۔ اور دال کی پیش سے جمع ہے۔

۷ یعنی اگر کوئی شخص فقیر کو بہ نیت زکوٰۃ کوئی چیز دے اور وہ فقیر اپنی طرف سے کسی ایسے شخص کو دے جسے زکوٰۃ لینا جائز نہیں تو اس صورت میں یہ چیز اس کے لیے حلال ہو جائے گی۔ کیونکہ وہ چیز فقیر کی ملک ہو گئی۔ اب وہ جسے دے جائز ہو گی۔

وَعَنْهَا قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْبَلُ الْهَدِيَّةَ وَيُثِيْبُ عَلَيْهَا.
(رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ہی روایت ہے فرماتی ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہدیہ قبول فرمایا کرتے اور اس کے بدلے میں بھی کوئی چیز عطا فرماتے تھے۔ (بخاری شریف)

۱ اس طرح آپ اس کی مکافات کرتے تھے۔

وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوْ دُعِيْتُ اِلٰى كُرَاعٍ لَاَجَبْتُ وَلَوْ اُهْدِيَ اِلَيَّ ذِرَاعٌ لَقَبِلْتُ.
(رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر مجھے بکری وغیرہ کے کُھر کی دعوت بھی کی جائے تو میں اسے قبول کر لوں گا۔ اور اگر مجھے بکری کا ایک بازو بھی ھدیۃً دیا جائے گا تو میں اسے لے لوں گا۔ (بخاری)

۱ یہاں حدیث میں لفظ کُرَاع آیا ہے (کاف کی پیش سے) یعنی بکری وغیرہ کے پائے۔ جو ایک حقیر اور معمولی چیز خیال کی جاتی ہے۔ بعض نے کہا کُراع سے کراع الغمیم (ایک جگہ) مراد ہے جو مکہ اور مدینہ کے درمیان واقع ہے۔ مگر پہلا معنی زیادہ ظاہر اور حدیث کے اگلے قول کے زیادہ مناسب ہے۔ یعنی لو اُھدِیَ اِلَیَّ ذراعٌ درحقیقت اس میں مخلوق خدا سے بہت زیادہ تواضع کرنے اور ان پر غایت درجہ شفقت و مہربانی کی طرف اشارہ ہے۔

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے۔

صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ الْمِسْكِيْنُ الَّذِيْ يَطُوْفُ عَلَى النَّاسِ تَرُدُّهُ اللُّقْمَةُ وَاللُّقْمَتَانِ وَالتَّمْرَةُ وَالتَّمْرَتَانِ وَلٰكِنَّ الْمِسْكِيْنَ الَّذِيْ لَا يَجِدُ غِنًى يُغْنِيْهِ وَلَا يُفْطَنُ بِهٖ فَيُتَصَدَّقَ عَلَيْهِ وَلَا يَقُوْمُ فَيَسْأَلُ النَّاسَ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مسکین وہ نہیں جو گداگری کے لیے لوگوں کا طواف کرتا ہے کہ اسے ایک لقمہ یا دو لقمے اور ایک کھجور اور دو کھجوریں واپس لوٹاتی ہیں۔ بلکہ مسکین وہ ہے جس کے پاس دولتمندی کی کوئی چیز نہیں ہوتی جو اسے لوگوں سے بے نیاز کر دے اور اس کی اس تنگ دستی کا کسی کو پتہ بھی نہیں ہوتا[۱] کہ اس پر صدقہ خیرات کیا جائے اور نہ وہ لوگوں کے سامنے گداگری کے لیے کھڑا ہوتا ہے۔ (بخاری و مسلم)

۱؎ اس کے مانگنے اور سوال کرنے سے گریز کی وجہ سے۔

۲؎ یعنی اپنے گھر کے کونے اور زاویہ غربت سے باہر ہی نہیں نکلتا تاکہ لوگوں سے جا کر مانگے اور حدیث میں واقع لفظ فطانت بمعنی زیرکی و تیز فہم سے اس جانب اشارہ ہے کہ وہ اپنی غربت و تنگ دستی اس قدر پوشیدہ رکھتا ہے کہ آسانی سے کوئی شخص اس کے حال سے آگاہ نہیں ہو سکتا۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

دوسری فصل

عَنْ اَبِيْ رَافِعٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعَثَ رَجُلًا مِّنْ بَنِيْ مَخْزُوْمٍ عَلَى الصَّدَقَةِ فَقَالَ لِاَبِيْ رَافِعٍ اَصْحِبْنِيْ كَيْ مَا تُصِيْبَ مِنْهَا فَقَالَ لَا حَتّٰى اٰتِيَ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَسْاَلَهٗ فَانْطَلَقَ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَاَلَهٗ فَقَالَ اِنَّ الصَّدَقَةَ لَا تَحِلُّ لَنَا وَاِنَّ

حضرت ابو رافع رضی اللہ عنہ[۱] سے روایت ہے کہ بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زکوٰۃ کی وصولی کے لیے ایک شخص کو قبیلہ بنی مخزوم کی طرف بھیجا۔ اس نے حضرت ابو رافع سے کہا آپ بھی میرے ساتھ چلیں تاکہ آپ کو بھی اس میں سے کچھ مل جائے آپ نے فرمایا میں تیرے ساتھ اس وقت تک نہیں جا سکتا جب تک کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر آپ سے پوچھ نہ لوں[۲]۔ تو حضرت ابو رافع نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف گئے اور پوچھا رسول

الْمَوَالِيَ الْقَوْمِ مِنْ أَنْفُسِهِمْ. (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَأَبُوْدَاوٗدَ وَالنَّسَائِيُّ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا صدقہ ہمارے لیے حلال نہیں۔ اور بے شک قوم کے آزاد غلام اسی قوم میں سے شمار ہوتے ہیں۔[۳]

(ترمذی۔ ابوداؤد، نسائی)

[۱] حضرت ابورافع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام ہیں۔

[۲] کہ مجھے اس مرد کے ساتھ جانے اور کچھ لینے کی اجازت ہے یا نہیں۔

[۳] اور ان کے حکم میں ہیں۔ تو جس طرح ہمارے لیے صدقہ حلال نہیں ہمارے موالی (آزاد کردہ غلاموں) کے لیے بھی حلال و روا نہیں۔

وَعَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو رض قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَحِلُّ الصَّدَقَةُ لِغَنِيٍّ وَلَا لِذِيْ مِرَّةٍ سَوِيٍّ. (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَأَبُوْدَاوٗدَ الدَّارِمِيُّ وَرَوَاهُ أَحْمَدُ وَالنَّسَائِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ)

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا غنی کو صدقہ لینا حلال نہیں اور نہ اس شخص کو جو تندرست اور قوی ہو۔[۱]

ترمذی، ابوداؤد، دارمی اور امام احمد نسائی و ابن ماجہ نے اسے حضرت ابوہریرہ سے روایت کیا۔

[۱] حدیث میں یہاں لفظ مِرّة آیا ہے۔ میم کی زیر، را کی شد، یہ لفظ چند معنوں میں آتا ہے۔ قوت، سختی، عقل مضبوطی و پائداری اور جسمانی قوت۔ اور اگر ایک شخص بظاہر قوی الجسم ہو لیکن عقل و فہم اور روزی کمانے کا سلیقہ نہ رکھتا ہو تو اسے زکوٰۃ دینا جائز و روا ہے۔

اس حدیث سے امام شافعی رضی اللہ عنہ نے یہ مسئلہ اخذ کیا ہے کہ ایسے لوگوں کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں جو محنت مزدوری کر کے کمانے کے قابل ہوں۔ اس کے برعکس ہم احناف کے نزدیک ایسے شخص کو زکوٰۃ دینا جائز ہے جو مالک نصاب (دو سو درہم) نہ ہو اگرچہ قوی الجثہ اور محنت مزدوری کی قدرت رکھتا ہو۔ کیونکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ایسے صحابہ کو زکوٰۃ دیتے تھے جو فقیر ہوتے تھے حالانکہ وہ جسمانی لحاظ سے قوی اور تندرست ہوتے تھے۔ زندگی کے آخری ایام تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایسا کرتے تھے۔ لہٰذا احناف کے نزدیک یہ حدیث منسوخ ہے۔ یا اس سے مراد یہ ہے کہ جو شخص کسب رزق کی قدرت و طاقت رکھتا ہو اسے زیب نہیں دیتا کہ اس ذلت و کمینگی کو پسند کرے۔

وَعَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ عَدِيِّ ابْنِ الْخِيَارِ قَالَ اَخْبَرَنِي رَجُلَانِ اَنَّهُمَا اَتَيَا النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ فِي حَجَّةِ الْوَدَاعِ وَهُوَ يَقْسِمُ الصَّدَقَةَ فَسَاَلَاهُ مِنْهَا فَرَفَعَ فِيْنَا النَّظَرَ وَخَفَضَهُ فَرَاٰنَا جَلْدَيْنِ فَقَالَ اِنْ شِئْتُمَا اَعْطَيْتُكُمَا وَلَا حَظَّ فِيْهَا لِغَنِيٍّ وَلَا لِقَوِيٍّ مُكْتَسِبٍ. (رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ)

حضرت عبداللہ بن عدی بن الخیار[1] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں دو آدمیوں نے بتایا کہ وہ دونوں حجۃ الوداع[2] کے موقع پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم صدقہ تقسیم فرما رہے تھے ان دونوں نے بھی آپ سے صدقہ کا سوال کیا[3]۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی طرف نگاہ اٹھا کر دیکھا پھر ہمارے پاؤں تک ہم پر نگاہ[4] ڈالی اور فرمایا اگر تم چاہتے ہو تو میں تمہیں دیتا ہوں۔ تاہم اس صدقہ میں غنی اور کسب رزق کی قدرت رکھنے والے کیلئے کوئی حصہ نہیں[5]۔

(ابوداؤد، نسائی)

[1] خیار خاء نقطے والی کی زیر اور یا مخفف کی زبر سے آپ اکابر تابعین میں سے ہیں۔ زمانہ نبوت میں پیدا ہو چکے تھے۔

[2] حجۃ الوداع اس حج سے عبارت ہے جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دین کے بہت سے احکام بیان فرمائے اور اس کے بعد ظاہری زندگی کو الوداع کہی۔

[3] کہ ان دو مردوں نے آپ سے صدقہ کا سوال کیا۔

[4] یعنی جب ہم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے صدقہ مانگا تو آپ نے ہم پر اوپر سے نیچے تک نگاہ ڈالی اور ہمیں سر سے پاؤں تک دیکھا۔

[5] امام شافعی رضی اللہ عنہ کے مذہب کے مطابق اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ تم دونوں کے لیے صدقہ کھانا حرام ہے۔ اگر تم حرام غذا کھانے کو تیار ہو تو میں تمہیں دے دیتا ہوں تو آپ کا یہ انداز گفتگو زجر و ڈانٹ کے لیے تھا، انہیں کھانے میں اختیار دینے کے لیے نہ تھا یا حدیث کا معنی یہ ہے کہ بظاہر تو تم قوی و توانا دکھائی دیتے ہو۔ اگر فی الواقع تم قوی و توانا اور مالدار ہو تو پھر تمہارے لیے صدقہ کھانا حلال نہیں۔ ورنہ میں تمہیں صدقہ دے دیتا۔ ہم احناف کے مذہب کے موافق حدیث کا معنی ہوگا۔ صدقہ کھانے میں رذالت و خواری اور کمینگی ہے۔ اگر تم اس پر راضی ہو تو میں تمہیں دیتا ہوں۔ اس میں بھی درحقیقت صدقہ کا سوال کرنے پر انہیں زجر اور ڈانٹ پلائی گئی ہے۔

وَعَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ مُرْسَلًا

حضرت عطاء بن یسار[1] رضی اللہ عنہ سے مرسلاً روایت ہے

قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَحِلُّ الصَّدَقَةُ لِغَنِيٍّ اِلَّا لِخَمْسَةٍ لِغَازٍ فِي سَبِيْلِ اللّٰهِ اَوْ لِعَامِلٍ عَلَيْهَا اَوْ لِغَارِمٍ اَوْ لِرَجُلٍ اشْتَرَاهَا بِمَالِهٖ اَوْ لِرَجُلٍ كَانَ لَهٗ جَارٌ مِسْكِيْنٌ فَتَصُدِّقَ عَلَى الْمِسْكِيْنِ فَاَهْدَى الْمِسْكِيْنُ لِلْغَنِيِّ. (رَوَاهُ مَالِكٌ وَّ اَبُوْ دَاوٗدَ) وَ فِيْ رِوَايَةٍ لِاَبِيْ دَاوٗدَ عَنْ اَبِيْ سَعِيْدٍ اَوِ ابْنِ السَّبِيْلِ.

فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا غنی زکوٰۃ صرف پانچ شخصوں کے لیے حلال ہے (چاہے وہ بھی غنی ہوں) راہِ خدا میں جہاد کرنے والے کے لیے۔ اور اس کے لیے جو زکوٰۃ جمع کرنے پر مقرر کیا گیا ہو[۲]۔ یا مقروض[۳]۔ چوتھا وہ شخص جو صدقے کی چیز قیمت دے کر خرید لے[۴]۔ یا اس شخص کے لیے جس کے پڑوس میں کوئی مسکین رہتا ہو اس مسکین کو کوئی صدقے کی چیز دے اور یہ مسکین آگے بطور ہدیہ اپنے دولتمند پڑوسی کو دے دے[۵]۔ اسے مالک وابوداؤد نے روایت کیا۔ اور ابوداؤد کی ایک روایت میں جو ابوسعید سے مروی ہے۔ چھٹا ابن السبیل (مسافر) کا ذکر بھی آیا ہے[۶]۔

[۱] آپ اکابر تابعین اور علماء میں سے ہوئے ہیں۔ آپ ثقہ شخصیت اور ام المومنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے آزاد کردہ غلام ہیں۔

[۲] اور اسے سلطان وقت نے اس کام کے لیے مقرر کیا ہو۔

[۳] اور اس کے پاس اتنی رقم نہ ہو جس سے قرض کی ادائیگی کر سکے۔

[۴] جیسے مسکین کے پاس صدقہ کی کوئی چیز ہو اور غنی آدمی اسے قیمت دے کر وہ چیز خرید لے۔ اب غنی کے لیے وہ چیز حلال و جائز ہے۔ کیونکہ اب وہ چیز اس غنی کے لیے صدقہ نہیں ہے۔

[۵] جیسا کہ حدیث بریرہ رضی اللہ عنہا سے بھی معلوم ہو چکا ہے۔ اور یہ بات کہ دولتمند غازی اور مجاہد زکوٰۃ لینے کا مستحق ہے، امام شافعی علیہ الرحمۃ کا مذہب ہے۔ ہم احناف کے نزدیک زکوٰۃ جمع کرنے والے اور مقروض کے لیے زکوٰۃ میں سے لینا جائز ہے کیونکہ عامل (زکوٰۃ جمع کرنے والا) تو اپنے عمل اور کام کی اجرت لے رہا ہے۔ اور اجرت وصول کرنے میں غنی اور فقیر برابر ہیں۔ مقروض شخص کے مستحق زکوٰۃ ہونے کا سبب اس کے ذمہ قرضہ ہے۔ تو جس قدر قرضہ ہو اتنی مقدار زکوٰۃ لے سکتا ہے۔ مگر غازی جب کہ دولت مند ہو تو وہ زکوٰۃ لینے کا مستحق نہیں ہے کیونکہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی حدیث مطلق ہے۔ اس میں غازی کو مستثنیٰ نہیں کیا گیا۔ کہ اس حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ سے فرمایا کہ زکوٰۃ غنیوں سے وصول کرنا اور فقراء پر خرچ کرنا۔ اور اس وجہ سے بھی دولت مند غازی کو زکوٰۃ لینا جائز نہیں کہ ایک

اور حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا غنی کے لیے صدقہ لینا حلال و روا نہیں ہے۔

ؔ۶ یعنی ابو داؤد رحمۃ اللہ کی ایک روایت میں جو حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ ابن السبیل کا لفظ بھی آیا ہے۔ ابن السبیل سے مسافر مراد ہے جو اپنے وطن سے جدا پڑا ہو کہ سفر کی وجہ سے اس کا مال اس کے قبضہ میں نہیں ہے۔ یہ فقیر کے حکم میں ہے۔ اس کی طرف قرآن کریم کی آیت لِلْفُقَرَاءِ الَّذِينَ أُخْرِجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ وَأَمْوَالِهِمْ (ان فقراء کے لیے جنہیں ان کے گھروں اور مالوں سے نکالا گیا) میں اشارہ موجود ہے۔

وَعَنْ زِيَادِ بْنِ الْحَارِثِ الصُّدَائِيِّ رض قَالَ أَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَبَايَعْتُهُ فَذَكَرَ حَدِيثًا طَوِيلًا فَأَتَاهُ رَجُلٌ فَقَالَ أَعْطِنِي مِنَ الصَّدَقَةِ فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ اللهَ لَمْ يَرْضَ بِحُكْمِ نَبِيٍّ وَلَا غَيْرِهِ فِي الصَّدَقَاتِ حَتَّى حَكَمَ فِيهَا فَهُوَ فَجَزَّأَهَا ثَمَانِيَةَ أَجْزَاءٍ فَإِنْ كُنْتَ مِنْ تِلْكَ الْأَجْزَاءِ أَعْطَيْتُكَ۔ (رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ)

حضرت زیاد بن الحارث الصدائی[۱] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور آپ کی بیعت[۲] کی اور حضرت زیاد نے ایک لمبی حدیث بیان کی۔ اتنے میں ایک آدمی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی مجھے صدقہ میں سے کچھ عطا فرمائیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے فرمایا بے شک اللہ تعالےٰ صدقات دینے میں کسی نبی اور غیر نبی کے حکم و فیصلے پر راضی نہیں ہوا[۳] (کہ کسے دیا جائے اور کسے نہ دیا جائے) یہاں تک کہ تقسیم صدقات کے بارے میں اس نے خود حکم نازل فرمایا[۴] اور صدقہ لینے والوں کو آٹھ قسموں میں تقسیم کیا تو اگر تو ان لوگوں میں سے ہے تو میں تجھے صدقہ دیتا ہوں[۵]۔ (ابو داؤد)

ؔ۱ الصدائی۔ صاد کی پیش۔ دال مخفف پر زبر۔ یہ صداء نامی شخص کی طرف منسوب ہے۔ حضرت زیاد بن الحارث رضی اللہ عنہ صحابی ہیں۔ آپ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دست اقدس پر بیعت کی۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اذان کہی۔ جیسا کہ باب الاذان میں گزرا۔

ؔ۲ اور مسلمان ہونے کا عہد کرتے ہوئے آپ کے دست اقدس میں اپنا ہاتھ دیا۔

ؔ۳ یعنی علماء و مجتہدین امت میں سے بھی کسی کو تقسیم صدقات کا مختار نہ بنایا۔

ؔ۴ یعنی قرآن کریم میں۔ اور انہیں آٹھ گروہوں میں تقسیم کیا۔ کہ ان کے سوا کسی کو زکوٰۃ لینا جائز نہیں ہے۔ چنانچہ آیہ کریمہ إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِينِ الیٰ آخرھا میں ان آٹھ گروہوں کا واضح ذکر کیا۔ اور فقہ کی کتابوں میں سات

گروہوں کا ذکر کیا گیا اس کی وجہ یہ ہے کہ فقہاء نے فقراء اور مساکین میں فرق نہ کرتے ہوئے دونوں کو ایک ہی گروہ شمار کیا۔
ﻫ۵ اس شخص کا ظاہر حال معلوم نہ تھا کہ یہ غنی ہے یا فقیر بلکہ اس کے بارے میں تردد اشتباہ تھا (اس وجہ سے آپ نے اسے یہ جواب دیا۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

عَنْ زَيْدِ بْنِ اَسْلَمَ رض قَالَ شَرِبَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ لَبَنًا فَاَعْجَبَهُ فَسَاَلَ الَّذِيْ سَقَاهُ مِنْ اَيْنَ هٰذَا اللَّبَنُ فَاَخْبَرَهُ اَنَّهُ وَرَدَ عَلٰى مَاءٍ قَدْ سَمَّاهُ فَاِذَا نَعَمٌ مِّنْ نَّعَمِ الصَّدَقَةِ وَهُمْ يَسْقُوْنَ فَحَلَبُوْا مِنْ اَلْبَانِهَا فَجَعَلْتُهُ فِيْ سِقَائِيْ فَهُوَ هٰذَا فَاَدْخَلَ عُمَرُ يَدَهُ فَاسْتَقَاءَهُ۔
(رَوَاهُ مَالِكٌ وَالْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ)

حضرت زید بن اسلم[۱] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے دودھ نوش فرمایا جو آپکو اچھا لگا۔ تو آپنے اس شخص سے جس نے آپکو یہ دودھ پلایا تھا، دریافت کیا یہ دودھ کہاں سے لائے ہو؟ اس نے بتلایا کہ وہ ایک چشمے پر وارد ہوا جس کا اس نے نام بھی لیا، تو اچانک وہاں صدقے کے چند اونٹ موجود تھے۔ اونٹوں والوں نے اونٹوں کو پانی پلایا پھر ان کا دودھ نکالا تو میں نے اس میں سے کچھ اپنی مشک[۲] میں ڈال لیا۔ تو یہ وہ دودھ ہے۔ یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنا ہاتھ اپنے منہ میں ڈالا اور زور و تکلف سے اس دودھ کی قے کر دی[۳]۔

(مالک و بیہقی شعب الایمان میں)

ﻪ۱ حضرت زید بن اسلم فقیہ عمری ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام ہیں۔ آپ نہایت ثقہ، عالم، فقیہہ و عبادت گزار بزرگ تھے۔ آپ کے حلقہ درس میں چالیس سے زیادہ فقہاء شریک ہوا کرتے تھے۔ حضرت امام زین العابدین رضی اللہ عنہ بھی آپ کے پاس آتے اور آپ سے علم کی باتیں سنتے تھے۔

ﻪ۲ حدیث میں لفظ سقائی آیا ہے۔ سقاء (سین کی زیر الف کی مد سے) یعنی دودھ یا پانی کی مشک۔

ﻪ۳ یہ آپ کا انتہائی تقویٰ اور ورع ہے۔ ورنہ اگر فقیر صدقہ میں سے ہبہ یا ہدیہ کے طور پر کچھ دے تو اس کا کھانا روا اور جائز ہے۔ اور حضرت بریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث میں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا وہ بیان جواز کے لیے رخصت کے طور پر تھا۔ جیسا کہ شارحین حدیث نے فرمایا ہے۔

بَابُ مَنْ لَّا تَحِلُّ لَهُ الْمَسْئَلَةُ وَمَنْ تَحِلُّ لَهُ

اس شخص کا بیان جسے صدقہ لینا حلال نہیں اور جسے لینا جائز ہے

یعنی اس شخص کا بیان جسے سوال کرنا اور مانگنا حلال نہیں اور اس کا بیان جسے سوال کرنا حلال و جائز ہے۔ علماء نے کہا ہے جس آدمی کے پاس ایک دن کی خوراک موجود ہو اسے سوال نہ کرنا چاہیے۔ کیونکہ بلا ضرورت سوال کرنا حرام ہے۔ اور اگر ایک دن کی خوراک بھی اس کے پاس نہ ہو، تن چھپانے کے لیے کوئی کپڑا نہ ہو تو ایسی مجبوری کی حالت میں سوال جائز ہے اور وہ فقیر و تنگ دست جس کے پاس ایک دن کی خوراک موجود ہو یا کسب حلال پر قدرت رکھتا ہو اسے سوال کرنا اور زکوٰۃ لینا حرام ہے۔ اور اگر کوئی مسکین اپنے پاس کچھ نہ رکھتا ہو۔ یہاں تک کہ اس کے پاس ایک دن کا خرچہ بھی نہ ہو۔ اور نہ ہی کسب حلال کی قدرت و طاقت رکھتا ہو تو اس کے لیے سوال کرنا روا ہے۔

پھر علماء کرام کا اس پر بھی اتفاق ہے کہ بے ضرورت سوال کرنا حرام و ناجائز ہے۔ ہاں اس میں اختلاف ہے کہ سوال کرنا بالکل حرام ہے یا حلال تو ہے مگر کراہت کے ساتھ۔ پھر اس میں بھی تین شرطوں کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔ ایک یہ کہ سوال کے لیے اپنے آپ کو ذلیل نہ کرے۔ دوسرے یہ کہ پیچھے ہی نہ پڑ جائے۔ تیسرے یہ کہ جس سے سوال کر رہا ہے اسے ایذا نہ دے اور اسے تنگ نہ کرے۔ اگر ان تین شرطوں میں سے ایک شرط بھی موجود نہ ہو گی تو اس کے لیے سوال کرنا بالاتفاق حرام ہو گا۔

حضرت ابن المبارک رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ فرمایا مجھے اچھا نہیں لگتا کہ سوال کرنے والا جب اس طرح سوال کرے کہ مجھے اللہ کے لیے کچھ دے تو اسے دیا جائے۔ کیونکہ دنیا خسیس اور کمینی ہے اور جب مسکین نے اللہ کے واسطے سے طلب کیا تو گویا اس نے اس چیز کی تعظیم کی جسے اللہ تعالیٰ نے حقیر قرار دیا ہے۔ لہٰذا ایسے فقیر و گداگر کو زجر اور ڈانٹ کے طور پر کچھ نہ دینا چاہیے۔ اور اگر کسی فقیر نے یوں سوال کیا کہ مجھے اللہ اور اس کے رسول کے حق کی بنا پر کچھ دے تو بھی دینے والے پر اسے کوئی چیز دینا لازم نہیں آتا۔ اور اگر کسی نے جھوٹا اظہار حاجت کر کے کسی سے کچھ لیا تو وہ اس کا مالک متصور نہ ہو گا۔ اسی طرح اگر کسی نے جھوٹ بولا اور کہا کہ میں علوی خاندان سے ہوں اور تنگدست ہوں، مجھے کچھ دو۔ تو وہ بھی اس کا مالک نہ بنے گا۔ اور اگر کسی کو نیکی کی نیت سے کچھ دیا اور لینے والے نے درحقیقت اسے معصیت و گناہ میں صرف کیا اگر دینے والا اس حقیقت سے واقف نہ تھا تو لینے والا اس چیز کا مالک نہ بنا۔ اور اس نے جو کچھ اس سے لیا وہ اس کے لیے حرام ہے۔ اور اس پر لازم ہے کہ اسے مالک کو واپس کرے۔

یوں ہی اگر کسی کی بدزبانی سے بچنے یا اس کے شر سے محفوظ رہنے کے لیے اسے کچھ دیا تو اس کا لینا اس کے لیے حرام ہے اور اگر کوئی فقیر سوال کے لیے آئے اور یہ چاہے کہ دینے والے کی دست بوسی کرے۔ تاکہ وہ اسے کچھ دے تو اس بنا پر اسے کچھ دینا مکروہ ہے۔ افضل یہ ہے کہ ڈانٹ وزجر کے طور پر اسے اپنے ہاتھوں کے قریب نہ آنے دے اور اسے ہاتھ چومنے کی اجازت نہ دے۔ اور ایسے گداگر کو نہ دینا چاہیے جو لوگوں کے دروازوں پر ڈھول بجاتا پھرے۔ اسی طرح گویے اور سارنگی وغیرہ بجانے والے کو بھی نہ دیا جائے۔ کیونکہ یہ سب خلاف شرع اور فحش ترین حرکات ہیں۔ یہ مسائل کتاب مطالب المومنین میں مذکور ہیں جو اس میں دوسری کتب فقہ سے منقول ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

عَنْ قَبِيْصَةَ بْنِ مُخَارِقٍ قَالَ تَحَمَّلْتُ حَمَالَةً فَاَتَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَسْاَلُهُ فِيْهَا فَقَالَ اَقِمْ حَتّٰى تَاْتِيَنَا الصَّدَقَةُ فَنَاْمُرَ لَكَ بِهَا ثُمَّ قَالَ يَا قَبِيْصَةُ اِنَّ الْمَسْئَلَةَ لَا تَحِلُّ اِلَّا لِاَحَدِ ثَلٰثَةٍ رَجُلٍ تَحَمَّلَ حَمَالَةً فَحَلَّتْ لَهُ الْمَسْئَلَةُ حَتّٰى يُصِيْبَهَا ثُمَّ يُمْسِكُ وَرَجُلٍ اَصَابَتْهُ جَائِحَةٌ اِجْتَاحَتْ مَالَهُ فَحَلَّتْ لَهُ الْمَسْئَلَةُ حَتّٰى يُصِيْبَ قِوَامًا مِّنْ عَيْشٍ اَوْ قَالَ سِدَادًا مِّنْ عَيْشٍ وَرَجُلٍ اَصَابَتْهُ فَاقَةٌ حَتّٰى يَقُوْمَ ثَلٰثَةٌ مِّنْ ذَوِي الْحِجٰى مِنْ قَوْمِهٖ لَقَدْ اَصَابَتْ فُلَانًا فَاقَةٌ فَحَلَّتْ لَهُ الْمَسْئَلَةُ

پہلی فصل

حضرت قبیصہ بن مخارق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں۔ میں ایک قرضے کا ضامن اور کفیل بنا پھر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تاکہ آپ سے اس قرضہ کی ادائیگی کے لیے صدقہ کا سوال کروں۔ آپ نے فرمایا یہیں ٹھہر رہیاں تک کہ ہمارے پاس صدقے کا مال آجائے۔ اور ہم تیرے لیے صدقہ کا حکم دیں۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے قبیصہ بے شک سوال کرنا حلال نہیں مگر تین شخصوں کے لیے۔ ایک اس کے لیے جو کسی کے قرضے کا ضامن بنا کہ اسے اس کی ادائیگی کے لیے سوال کرنا جائز ہے پھر اس سے زیادہ مال کے لیے سوال نہ کرے بلکہ سوال کرنے سے باز رہے۔ دوسرا وہ شخص جو کسی سختی اور حادثے کا شکار ہوا جس نے اس کا مال تباہ و برباد کر دیا۔ تو ایسے شخص کے لیے سوال روا ہے تاکہ وہ اپنی زندگی برقرار رکھ سکے۔ یا ایسی چیز جس سے معاشی زندگی بحال ہو سکے۔ تیسرا وہ شخص جو فاقہ کی نوبت کو پہنچ چکا ہو۔ پھر وہ

حَتّٰی یُصِیْبَ قِوَامًا مِّنْ عَیْشٍ اَوْ قَالَ سِدَادًا مِّنْ عَیْشٍ فَمَا سِوَاھُنَّ مِنَ الْمَسْئَلَةِ یَا قَبِیْصَةُ سُحْتٌ یَاکُلُھَا صَاحِبُھَا سُحْتًا۔ (رَوَاہُ مُسْلِمٌ)

بھی اس وقت جبکہ اسکی قوم کے تین صاحب[11] عقل و فہم آدمی کھڑے ہو کر کہیں کہ بے شک فلاں فاقہ زدہ ہے۔ تو اسے بھی اس قدر سوال کرنا جائز ہے کہ وہ زندگی برقرار رکھ سکے اور اپنی ضروری حاجت پوری کر سکے[12]۔ ان تین صورتوں کے ماسوا اسے قبیصہ سوال کرنا حرام ہے۔ اور اسے کھانے والا حرام کھائے گا[13]۔ (مسلم شریف)

[1] قَبِیصَہ ق کی زبر با کی زیر اور صاد مہملہ۔ مُخَارِق میم کی پیش خا نقطہ والی۔ را کی زیر آخر میں قاف۔ یہ حضرت قبیصہ رضی اللہ عنہ صحابی ہیں۔ اہلِ بصرہ میں شمار ہوتے ہیں۔

[2] یعنی میں ایک قرضے کا ضامن وکفیل بنا جو کسی پر دیت کی وجہ سے لازم تھا۔ یہاں حدیث کے عربی الفاظ میں لفظ حَمالہ (حا مہملہ کی زبر) ہے۔ یعنی دیت وغیرہ کا وہ مال جو کوئی شخص قوم کی طرف سے اپنے ذمہ لے لے۔ اور دو مخالف گروہوں کے درمیان صلح کرانے کے لیے اس کا ضامن بن جائے یعنی مسلمانوں کی ایک جماعت آپس میں لڑ جھگڑ رہی اور خونریزی کر رہی ہو ان میں ایک تیسرا شخص بغرض اصلاح آ شامل ہو۔ اور جن پر دیت کی رقم لازم آتی تھی ان کی طرف سے وہ دیت اپنے ذمے ڈالے اور اس کا ضامن بن جائے۔ اس طرح اس کا قرضہ اس کے ذمہ آ جائے۔ تو یہ شخص بھی مقروض کی طرح مصارف زکوٰۃ میں داخل ہو جاتا ہے۔ تو یہ صحابی (حضرت قبیصہ) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تاکہ آپ مال زکوٰۃ میں سے اسے کچھ عطا کریں۔ جیسا کہ یہ صحابی خود فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا الخ۔

[3] یعنی اس ضمانت وکفالت کا قرضہ

[4] یعنی ہم تیرے بارے میں حکم دیں کہ تجھے اتنا صدقہ دے دیں۔ جس سے تو اس قرضے سے نجات پا جائے۔

[5] یعنی وہ مال ادا کرے جس کا وہ ضامن بنا ہے۔

[6] یعنی بقدر حاجت وضرورت سے زیادہ کے لیے سوال نہ کرے۔

[7] یہاں حدیث میں لفظ اِجْتَاحَتْ آیا ہے۔ یہ جَوْحٌ سے مشتق ہے۔ جس کا معنیٰ ہے تباہ کر دینا اور جڑ سے اکھاڑ پھینکنا۔ جائحہ ایسی شدت اور سختی کو کہتے ہیں جو مال کو برباد و تباہ کر دے جیسے قحط اور فتنہ۔

[8] یعنی تاکہ ایسی چیز پائے جو اسے بے نیاز کرے۔ اور اس کی زندگی کی ضروری حاجت پوری کرے۔

۹ یا آپ نے یہ دوسرا لفظ (قواماً کی جگہ سداداً) استعمال فرمایا یعنی اتنا مال جس سے وہ اپنی زندگی بچا سکے۔ قوام قاف کی زیر سے یعنی ایسی چیز جس سے وہ اپنی حاجت پوری کر سکے۔ قوام شی کا معنیٰ ایسی چیز کا بھی آتا ہے۔ جس سے انسان اپنا ضروری انتظام کر سکے۔ اور وہ چیز جس پر انسان بھروسہ کر سکے اور اپنی مجبوری کو دور کر سکے۔ یہ بھی پہلے معنیٰ کے قریب ہے۔ اور قوام یعنی قاف کی زبر سے تو اس کا معنیٰ عدل و انصاف ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں فرمایا۔ وَكَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا یعنی کنجوسی اور فضول خرچی کے درمیان کا راستہ عدل و انصاف اور میانہ روی کا راستہ ہے۔ سداد (سین کی زیر سے) کا معنیٰ ہے۔ وہ چیز جو انسان کی زندگی کو بچائے۔ ہر ایسی چیز جو انسان کی زندگی کے بچاؤ کا ذریعہ بنے اسے سداد کہتے ہیں۔ مثال کے طور پر بوتل کا ڈھکنا۔ کہ بوتل میں جو کچھ ہوتا ہے ڈھکنا اسے گرنے سے روکتا ہے۔ اور سَداد سین کی زبر سے بمعنیٰ قول و عمل میں راستی اور میانہ روی۔ پھر قوام و سداد کا لفظ ذکر کرنے میں سوال کرنے سے روکنے میں مبالغہ پایا جاتا ہے۔ گویا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سوال کرنے والے کو اس بے بس و مجبور و مضطر انسان سے تشبیہ دی جس کے لیے جان بچانے اور زندگی باقی رکھنے کی خاطر مردار کھانا جائز و حلال ہو جاتا ہے۔ اگرچہ سوال کرنے کے جواز کے لیے اس حد تک مجبوری و لاچاری ضروری نہیں بلکہ اگر ایک دن کی روزی اور خوراک موجود نہ ہو تو جواز سوال کے لیے کافی ہے۔ یہ ذکر یا مسکین کے حال کا بیان ہے اور فقیر کا حال وہ ہے حضور علیہ السلام اگلے اس فقرے میں بیان فرماتے ہیں۔ وَرَجُلٌ اَصَابَتْهُ فَاقَةٌ الٰی آخرہ۔

۱۰ فاقہ بمعنیٰ حاجت۔ احتیاق بمعنیٰ حاجت مند کرنا۔

۱۱ یعنی یہاں تک کہ اس کی قوم میں سے تین ایسے شخص کھڑے ہوں جو عقل و فہم والے ہوں خبر دیں اور کہیں (کیونکہ وہ اس کی حقیقت حال سے واقف ہیں) محض تخمینے اور قیاس سے خبر نہ دیں۔ حدیث میں واقع لفظ حجی حا مہملہ کی زیر اور جیم نقطہ دار کی زبر سے۔ بمعنیٰ عقل۔

۱۲ واضح ہو کہ ظاہر یہ ہے کہ لفظ یقوم سے شہادت اور گواہی مراد ہے۔ علماء نے کہا ہے کہ اس سے شہادت و گواہی مراد نہیں بلکہ صرف قول اور خبر دینا مراد ہے۔ اور ابوداؤد کی روایت میں یقوم کے بجائے یقول آیا ہے۔ لفظ یقوم کے ذکر کرنے میں مبالغہ پایا جاتا ہے کہ اس کے بارے میں ایسے یقین سے خبر دیں کہ گویا وہ گواہی دے رہے ہیں اور لفظ لقد میں لام کا ذکر بھی تاکید کے لیے ہے پھر تین کا لفظ احتیاط کے لیے ہے اسی طرح اصحاب عقل و فہم کا لفظ بھی تاکید کے طور پر ہے یہ سب الفاظ دراصل سوال کرنے سے روکنے اور ڈانٹنے کے لیے بطور مبالغہ استعمال فرمائے۔

۱۳ سحت سین کی پیش ما ساکن بمعنیٰ حرام۔ اصل میں سحت و اسحات کا معنیٰ ہے کسی کو ہلاک کرنا اور اس کا نام و نشان مٹا دینا۔

عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

مَنْ سَأَلَ النَّاسَ أَمْوَالَهُمْ تَكَثُّرًا فَإِنَّمَا يَسْأَلُ جَمْرًا فَلْيَسْتَقِلَّ أَوْ لِيَسْتَكْثِرْ. (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

جس شخص نے لوگوں سے اپنا مال زیادہ کرنے کے لیے[۱] سوال کیا (گداگری کی) تو وہ حقیقت میں آگ کے انگارے کا سوال کرتا ہے۔ اب اس کی مرضی ہے کہ آگ کے انگارے تھوڑے لے یا زیادہ[۲]۔ (مسلم)

[۱] یعنی اپنا مال بڑھانے کی غرض سے گداگری اور سوال کرے۔ نہ کہ فقر و محتاجی کو رفع کرنے کے لیے۔

[۲] یعنی دونوں صورتوں میں سوال و گداگری کرنا نقصان و ضرر کا باعث ہے کم ہو یا زیادہ۔

وَعَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا يَزَالُ الرَّجُلُ يَسْأَلُ النَّاسَ حَتَّى يَأْتِيَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ لَيْسَ فِي وَجْهِهِ مُزْعَةُ لَحْمٍ. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ انسان مسلسل گداگری کا پیشہ اختیار کیے رکھتا ہے یہاں تک کہ قیامت کے دن اس حال میں آئے گا کہ اس کے چہرہ پر گوشت کا ایک ٹکڑا بھی نہ ہوگا[۱]۔ (بخاری و مسلم)

[۱] یہ دراصل اس کی ذلت و خواری اور بے آبروئی سے کنایہ ہے یا اس سے چہرے کی بے گوشت ہڈیاں مراد ہیں قیامت کے دن صورتیں معانی اور اعمال کے تابع ہوں گی۔ اور حدیث میں واقع لفظ مُزْعَة میم کی پیش زا ساکن اور عین بمعنی گوشت کا ٹکڑا۔ بعض اہل لغت نے مَزعہ میم اور زا کی زبر سے نقل کیا ہے۔ مگر محدثین کے نزدیک مُزعہ میم کی پیش اور زا ساکن سے یہی محفوظ و مکتوب ہے۔

وَعَنْ مُعَاوِيَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تُلْحِفُوا فِي الْمَسْأَلَةِ فَوَاللهِ لَا يَسْأَلُنِي أَحَدٌ مِنْكُمْ شَيْئًا فَتُخْرِجُ لَهُ مَسْأَلَتُهُ مِنِّي شَيْئًا وَأَنَا لَهُ كَارِهٌ فَيُبَارَكُ لَهُ فِيمَا أَعْطَيْتُهُ. (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سوال کرنے میں پیٹ نہ جاؤ[۱]۔ کہ اللہ کی قسم تم میں سے کوئی شخص مجھ سے کوئی چیز نہیں مانگتا مجھ سے اُسے کوئی چیز دلا دیتا ہے اور مجھے اس کا مانگنا ناپسند ہوتا ہے اس طرح جو چیز میں اسے دیتا ہوں اس میں اس کے لیے کوئی خیر و برکت ہو (یعنی اس چیز میں کوئی خیر و برکت نہیں ہوتی۔ (مسلم)

وَعَنِ الزُّبَيْرِ بْنِ الْعَوَّامِ قَالَ

حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ سے روایت ہے

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَاَنْ يَّاْخُذَ اَحَدُكُمْ حَبْلَهٗ فَيَاْتِيْ بِحُزْمَةِ حَطَبٍ عَلٰى ظَهْرِهٖ فَيَبِيْعَهَا فَيَكُفَّ اللّٰهُ بِهَا وَجْهَهٗ خَيْرٌ لَّهٗ مِنْ اَنْ يَّسْاَلَ النَّاسَ اَعْطَوْهُ اَوْ مَنَعُوْهُ۔

(رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا البتہ تم میں سے کسی کا رسی لے کر لکڑی کا گٹھہ کاٹنا پھر اسے اپنی پشت پر اٹھا کر لانا اور اسے بیچنا کہ اس سے اللہ تعالیٰ اس کی عزت و آبرو محفوظ رکھے[۳] اس سے بہتر ہے کہ لوگوں کے سامنے دست گدائی دراز کرے۔ لوگ اسے دیں یا نہ دیں[۴]۔

(بخاری شریف)

۱؎ حضرت زبیر بن العوام (یعین کی زبر واو پر شد) مشہور صحابی ہیں عشرہ مبشرہ میں سے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پھوپھی زاد بھائی ہیں۔

۲؎ حدیث میں لفظ حُزمۃ آیا ہے۔ حا کی پیش زا ساکن سے بمعنی لکڑیوں کا گٹھہ۔

۳؎ اس عبارت میں اس جانب اشارہ ہے کہ بندے کی آبرو محفوظ رکھنا اللہ تعالیٰ کا کام اور اس کی نعمت اور اس پر اس کا لطف و احسان ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے مشقت میں ڈال کر اسے ثواب آخرت عطا کرتا کسب حلال کی ہمت دیتا اور دست سوال دراز کرنے سے بچاتا ہے۔

۴؎ اگر نہ دیں گے تو اس کی عزت و آبرو گئی اور محروم بھی رہا اور اگر کچھ دیں گے تو یہ اس سے بہتر ہے کہ ان کا احسان مند ہوتا اور ان کی غلامی اور ان کے احسان کا پھندا اپنے گلے میں ڈالتا ہے۔ اور طمع و گداگری کی بدعادت میں مبتلا ہوتا ہے

وَعَنْ حَكِيْمِ بْنِ حِزَامٍ رض قَالَ سَاَلْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَعْطَانِيْ ثُمَّ سَاَلْتُهٗ فَاَعْطَانِيْ ثُمَّ قَالَ لِيْ يَا حَكِيْمُ اِنَّ هٰذَا الْمَالَ خَضِرٌ حُلْوٌ فَمَنْ اَخَذَهٗ بِسَخَاوَةِ نَفْسٍ بُوْرِكَ لَهٗ فِيْهِ وَمَنْ اَخَذَهٗ بِاِشْرَافِ نَفْسٍ لَمْ يُبَارَكْ لَهٗ فِيْهِ وَكَانَ كَالَّذِيْ يَاْكُلُ وَلَا يَشْبَعُ وَالْيَدُ الْعُلْيَا خَيْرٌ مِّنَ الْيَدِ السُّفْلٰى قَالَ حَكِيْمٌ

حضرت حکیم بن حزام[۱] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی چیز مانگی آپ نے وہ چیز مجھے عطا فرما دی میں نے پھر سوال کیا تو آپ نے مجھے عطا فرمایا پھر مجھے فرمایا۔ اے حکیم یہ مال سبز رو دل پسند[۲] اور میٹھا ہوتا ہے جو اسے سخاوت کے ساتھ لیتا ہے[۳] اسے اس میں برکت دی جاتی ہے اور جو اسے انتظار کے انداز میں لیتا ہے تو اس کے لیے اس میں کوئی برکت نہیں ہوتی[۴]۔ اور اس کی مثال اس شخص کی سی ہوتی ہے۔ جو کھاتا جاتا ہے مگر سیر نہیں ہوتا۔ اور اوپر والا ہاتھ نیچے والے ہاتھ سے بہتر ہوتا ہے[۵]

فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللهِ وَ الَّذِيْ بَعَثَكَ بِالْحَقِّ لَا اَرْزَأُ اَحَدًا بَعْدَكَ شَيْئًا حَتّٰى اُفَارِقَ الدُّنْيَا (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

اس پر میں نے عرض کیا یا رسول اللہ اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا میں آپ کے بعد اپنی موت تک کسی سے سوال نہ کروں گا۔ (بخاری و مسلم)

۱ حضرت حکیم بن حزام (حا کی زیر اس کے بعد زا) رضی اللہ عنہ صحابی ہیں۔ ام المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بھتیجے ہیں آپ خانہ کعبہ میں پیدا ہوئے۔ آپ کی عمر شریف ایک سو بیس سال ہوئی۔ ساٹھ سال جاہلیت کا دور دیکھا۔ اور آخری ساٹھ برس اسلام کی برکات حاصل کرنے میں گزارے۔

۲ یہاں حدیث میں لفظ خَضِر (خا کی زبر ضاد کی زیر سے) آیا ہے حُلْوٌ (حا کی پیش لام ساکن سے) یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دنیا کا ساز و سامان بڑا دل پسند و شیریں محسوس ہوتا ہے۔ اور بڑا خوشنما و دیدہ زیب دکھائی دیتا اور دل کو لذیذ لگتا ہے۔

۳ یعنی جو شخص مال کی حرص، اسے جھانک کر دیکھنے اور اس کے ساتھ لپٹ جانے کے ارادے کے بغیر کسی سے سوال کرتا ہے تو اس کے مال میں برکت ڈالی جاتی ہے۔

۴ یعنی جو شخص مال کی حرص، اس کی انتظار و طمع اور اس کی محبت میں گرفتاری کی وجہ سے مانگتا اور سوال کرتا ہے تو اس کے مال میں برکت نہیں دی جاتی۔ لغت کی کتاب صراح میں ہے کہ اشراف کا معنٰی کسی چیز کی اطلاع حاصل کرنا اور بلندی سے نیچے دیکھنا ہے۔

۵ اوپر والے ہاتھ سے دینے والا ہاتھ مراد ہے۔ اور نیچے والے ہاتھ سے لینے والا ہاتھ۔ یا اوپر والے ہاتھ سے نہ لینے والا اور سوال نہ کرنے والا ہاتھ مراد ہے۔ جیسا کہ آئندہ حدیث سے معلوم ہوگا۔ بہر صورت اس جملے میں سوال کرنے سے روکنا پایا جاتا ہے۔ اور ترک سوال کی فضیلت کا بیان ہے۔ اسی وجہ سے حضرت حکیم رضی اللہ عنہ نے اپنی اگلی عبارت (فَقُلْتُ الی آخرہ) اس پر متفرع کی۔

۶ یعنی میں آپ کے بعد یا آپ سے اس سوال کے بعد کبھی کسی سے سوال نہ کروں گا۔ بعض نے کہا یہاں بعد بمعنی غیر ہے یعنی میں آپ کے سوا کسی سے کبھی سوال نہ کروں گا۔

۷ یعنی موت تک کسی سے کچھ نہ مانگوں گا۔ یہاں حدیث میں لفظ اَرْزَءُ (ارزءُ) را مقدم کی زبر زا ساکن آخر میں ہمزہ سے مشتق ہے اس کا معنٰی ہے کسی سے کوئی چیز پانا اور نقص و کمی کے معنٰی میں بھی آتا ہے۔ چونکہ کسی سے کوئی چیز مانگنا بندے کے لیے کمی عزت کا سبب ہے۔ اس لیے یہ لفظ اس معنٰی میں بھی استعمال ہو جاتا ہے۔

وَ عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منبر پر تشریف رکھتے ہوئے

وَ هُوَ عَلَى الْمِنْبَرِ وَ هُوَ يَذْكُرُ الصَّدَقَةَ وَالتَّعَفُّفَ عَنِ الْمَسْئَلَةِ الْيَدُ الْعُلْيَا خَيْرٌ مِّنَ الْيَدِ السُّفْلٰى وَ الْيَدُ الْعُلْيَا هِيَ الْمُنْفِقَةُ وَ السُّفْلٰى هِيَ السَّائِلَةُ. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

فرمایا جب کہ آپ صدقہ اور ماسگنے کا ذکر کر رہے تھے، اوپر والا ہاتھ نیچے والے ہاتھ سے افضل[1] ہے۔ اور اوپر والا ہاتھ خرچ کرنے والا ہاتھ[2] ہے۔ اور نیچے والا ہاتھ مانگنے والا ہاتھ[3] ہے۔

(بخاری و مسلم)

[1] یعنی پھر آپ نے خود دونوں ہاتھوں کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا۔

[2] یہاں حدیث میں لفظ منفقہ آیا ہے۔ ن و قاف کے ساتھ انفاق سے بمعنی خرچ کرنا اور دینا۔

[3] حدیث کے یہ الفاظ صحیح بخاری اور صحیح مسلم کے الفاظ ہیں۔ امام ابوداؤد علیہ الرحمۃ نے بھی یہی الفاظ روایت کیے اور انہیں الفاظ کے ساتھ اکثر روایات میں یہ حدیث مروی ہے۔ البتہ ابوداؤد کی ایک روایت میں یوں آیا ہے والید العلیا ھی المتعففۃ عین وتا وفا کے ساتھ از عفت بمعنی سوال سے بچنا اور اسے حرام جاننا۔ یہ معنی سیاق حدیث کے زیادہ مناسب ہے۔ جو فرمایا کہ (ھو یذکر الصدقۃ والتعفف عن المسئلۃ۔ کہ آپ صدقہ کرنے اور سوال سے پرہیز کرنے کا ذکر رہے تھے) اور یہ دونوں معنی صحیح اور درست ہیں۔ امام نووی رحمۃ اللہ سے منقول ہے کہ پہلا معنی زیادہ بہتر ہے۔

وَ عَنْ اَبِيْ سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ قَالَ اِنَّ اُنَاسًا مِّنَ الْاَنْصَارِ سَاَلُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَعْطَاهُمْ ثُمَّ سَاَلُوْهُ فَاَعْطَاهُمْ حَتّٰى نَفِدَ مَا عِنْدَهٗ فَقَالَ مَا يَكُوْنُ عِنْدِيْ مِنْ خَيْرٍ فَلَنْ اَدَّخِرَهٗ عَنْكُمْ وَ مَنْ يَّسْتَعِفَّ يُعِفَّهُ اللّٰهُ وَ مَنْ يَّسْتَغْنِ يُغْنِهِ اللّٰهُ وَ مَنْ يَّتَصَبَّرْ يُصَبِّرْهُ اللّٰهُ وَ مَا اُعْطِيَ اَحَدٌ عَطَاءً هُوَ خَيْرٌ وَّ اَوْسَعُ مِنَ الصَّبْرِ. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ انصار میں سے کچھ لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ مانگا جو آپ نے ان کو دے[1] دیا پھر انہوں نے آپ سے کچھ مانگا وہ بھی آپ نے ان کو دیا۔ یہاں تک کہ جو کچھ آپ کے پاس تھا وہ ختم ہو گیا[2] اس پر آپ نے فرمایا میرے پاس جو مال ہوتا ہے میں اسے تمہیں دینے کے بجائے اس کا ذخیرہ بنا کر ہرگز نہ رکھوں گا۔ اور جو شخص سوال کرنے سے بچے گا اللہ تعالیٰ اسے محتاج ہونے سے بچائے گا۔ اور جو شخص سوال کرنے سے بے نیاز رہے گا۔ اللہ تعالیٰ اسے بے نیاز کر دے گا۔ اور جو شخص صابر رہنے کی کوشش کریگا اللہ تعالیٰ اسے صبر عطا کرے[3] گا۔ اور کسی شخص کو صبر سے بہتر اور وسیع کوئی چیز عطا نہیں کی گئی۔ (بخاری و مسلم)

۱؎ یعنی جو انہوں نے مانگا تھا وہ آپ نے ان کو عطا کر دیا۔
۲؎ یعنی وہ چیز جس سے آپ نے پہلے ان کو دیا تھا وہ ختم ہو گئی۔
۳؎ یعنی صبر اللہ تعالے کی عطا ہے۔

وَعَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُعْطِيْنِي الْعَطَاءَ فَاَقُوْلُ اَعْطِهٖ اَفْقَرَ اِلَيْهِ مِنِّيْ فَقَالَ خُذْهُ فَتَمَوَّلْهُ وَ تَصَدَّقْ بِهٖ فَمَا جَاءَكَ مِنْ هٰذَا الْمَالِ وَ اَنْتَ غَيْرُ مُشْرِفٍ وَّلَا سَائِلٍ فَخُذْهُ وَ مَا لَا فَلَا تُتْبِعْهُ نَفْسَكَ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مجھے کچھ دیا کرتے تھے میں عرض کرتا تھا آپ یہ چیز مجھ سے محتاج تر انسان کو دیں آپ نے فرمایا اسے لے لے اور اسے اپنا مال بنا اور اسے آگے صدقہ کر دے کہ دنیا کے اس مال میں سے جو کچھ تیرے پاس آئے اور تو اس کا طالب نہ ہو نہ اس کا سوال کرنے والا تو اسے لے لیا کر۔ اور جو مال ایسا نہ ہو اس کا پیچھا نہ کیا کر۔ (بخاری و مسلم)

۱؎ یعنی اس کے درپے نہ ہوا کر اور نہ اس کا طمع کر۔ اور نہ اس کی انتظار کر۔ جیسا کہ لوگوں میں یہ محاورہ مشہور ہے۔ لَا رَدَّ وَلَا كَدَّ۔ یعنی نہ رد کرو اور نہ پیچھا کرو۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِيْ — دوسری فصل

عَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَسَائِلُ كُدُوْحٌ يَكْدَحُ بِهَا الرَّجُلُ وَجْهَهٗ فَمَنْ شَاءَ اَبْقٰى عَلٰى وَجْهِهٖ وَ مَنْ شَاءَ تَرَكَهٗ اِلَّا اَنْ يَّسْاَلَ الرَّجُلُ ذَا سُلْطَانٍ اَوْ فِيْ اَمْرٍ لَّا يَجِدُ مِنْهُ بُدًّا۔ (رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ وَ التِّرْمِذِيُّ وَ النَّسَائِيُّ)

حضرت سمرۃ بن جندب[۱] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سوال کرنا (گداگری کرنا) درحقیقت زخم ہیں جن سے انسان اپنا چہرہ زخمی کرتا ہے۔ تو جو چاہے اپنا چہرہ زخموں سے محفوظ رکھے[۲]۔ اور جو چاہے کہ محفوظ نہ رکھے تو نہ رکھے[۳]۔ مگر یہ کہ انسان کسی صاحب حیثیت اور حکمران سے کچھ مانگ لے یا ایسے کام میں جس کے بغیر چارہ کار نہ ہو[۴] کسی سے کچھ سوال کرے اور مانگے۔ (ترمذی۔ ابوداؤد، نسائی)

۱ حضرت سمرۃ بن جندب رضی اللہ عنہ مشہور صحابی اور انصار کے حلیف ہیں۔ اور ان حضرات میں سے ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بہت سی احادیث کے راوی اور حافظ ہیں۔ آپ سے حضرت امام حسن بصری، ابن سیرین اور شعبی نے احادیث روایت کی ہیں۔ آپ نے بصرہ میں ۵۹ھ یا ۶۰ھ میں وفات پائی۔

۲ بعض نسخوں میں اِلَّا وجہ کے بجائے اَبْقٰی عَلٰی وَجْھِہٖ آیا ہے۔ اور بعض نسخوں میں اَبْقٰی عَلٰی وَجْھِہٖ ماءٌ آیا ہے۔

۳ یہ دراصل سوال وگداگری پر ڈانٹ اور اظہار ناراضگی ہے۔ لہذا مانگنے اور گداگری سے گریز کرنا چاہیے۔

۴ جیسے سخت محتاجی اور بھوک اور ایک دن کی خوراک کا سامان بھی میسر نہ ہو۔ جیساکہ ترجمہ باب کی شرح میں گزرا۔

وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ سَأَلَ النَّاسَ وَلَهٗ مَا يُغْنِيْهِ جَاءَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَمَسْئَلَتُهٗ فِيْ وَجْهِهٖ خُمُوْشٌ اَوْ خُدُوْشٌ اَوْ كُدُوْحٌ قِيْلَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَمَا يُغْنِيْهِ قَالَ خَمْسُوْنَ دِرْهَمًا اَوْ قِيْمَتُهَا مِنَ الذَّهَبِ.

(رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَالنَّسَائِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَالدَّارِمِيُّ)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے ایسی حالت میں کسی سے سوال کیا کہ اس کے پاس ایسی چیز موجود تھی جو اسے سوال سے بے نیاز کرتی تھی تو وہ قیامت کے دن ایسے حال میں آئے گا کہ اس کا سوال اس کے چہرہ پر زخموں[۱] کی صورت میں نمایاں ہوگا۔ آپ سے کہا گیا یا رسول اللہ کس مقدار کی چیز بندے کو سوال اور مانگنے سے بے نیاز کرتی ہے[۲]۔ فرمایا پچاس درہم یا اس کی قیمت کے برابر سونا۔

(ابوداؤد، ترمذی، نسائی۔ ابن ماجہ اور دارمی)

۱ یہاں حدیث میں تین لفظ آئے ہیں یعنی خُمُوْشٌ اَوْ خُدُوْشٌ اور کُدُوْحٌ۔ بعض نے کہا یہ تینوں الفاظ قریب المعانی ہیں یا راوی کے شک کے باعث یہ تین الفاظ آئے ہیں۔ بعض نے کہا یہ الفاظ مختلف المعانی ہیں کہ خمش کا معنی ہے لکڑی سے چہرہ اکھیڑنا۔ خدش کا معنی ہے ناخن سے چہرہ ادھیڑنا اور کدح کا معنی ہے دانتوں سے چہرہ ادھیڑنا۔ اس طرح ان الفاظ کا مختلف المعنی ہونا قلت یا کثرت سوال یا میانہ روی کی بنا پر مانگنے والوں کے اختلاف حالات کے باعث ہے۔

۲ یعنی سوال سے بے نیاز ہونے کی حد کیا ہے جس کی بنا پر سوال کرنا حرام ہے۔

وَعَنْ سَهْلِ بْنِ الْحَنْظَلِيَّةِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ سَأَلَ وَعِنْدَهٗ مَا

حضرت سہل بن الحنظلیۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس کے پاس اتنا اثاثہ موجود تھا جو اسے مانگنے سے بے نیاز

يُغْنِيْهِ فَاِنَّمَا يَسْتَكْثِرُ مِنَ النَّارِ قَالَ النُّفَيْلِيُّ وَهُوَ اَحَدُ رَاوِيْهِ فِيْ مَوْضِعٍ اٰخَرَ وَ اَمَّا الْغِنَى الَّذِيْ لَا تَنْبَغِيْ مَعَهُ الْمَسْئَلَةُ قَالَ قَدْرُ مَا يُغَدِّيْهِ وَيُعَشِّيْهِ وَ قَالَ فِيْ مَوْضِعٍ اٰخَرَ اَنْ يَكُوْنَ لَهٗ شِبَعُ يَوْمٍ اَوْ لَيْلَةٍ وَّ يَوْمٍ۔ (رَوَاهُ اَبُوْدَاؤُد)

کرتا ہے پھر بھی مانگتا اور سوال کرتا ہے تو وہ اپنے لیے کافی مقدار میں آگ مہیا کرتا ہے۔ نفیلی[۲] نے جو اس حدیث کے راویوں میں ایک ہے) دوسری جگہ کہا کہ کتنی مقدار ہے جس کے ہوتے ہوئے سوال کرنا نامناسب ہے فرمایا اتنا اندازہ جو اس کی صبح اور شام کی خوراک کے لیے کافی ہو۔[۳] پھر اس نفیلی نے دوسری جگہ کہا کہ اتنی مقدار جس سے ایک دن کا گزارا ہو سکے یا ایک رات اور دن کا گزارا ہو سکے[۴][۵] (ابوداؤد)

۱؎ حضرت سہل بن الحنظلیۃ حَنظلیۃ (حا کی زبر نون ساکن ظا کی زبر سے) حنظلیہ آپ کی ماں یا آپ کی قوم کی کسی ماں کا نام ہے۔

۲؎ یعنی عبداللہ بن محمد نفیلی (نفیلی نون کی پیش خا کی زبر سے) یہ صاحب حضرت ابوداؤد سجستانی کے شیخ ہیں۔

۳؎ یعنی جس کے پاس ایک رات دن کی خوراک موجود ہو جو اس کے بدن کے لیے وجہ بقا بنے اور کفایت کرے تو اس کے لیے سوال کرنا حرام ہے۔ جیسا کہ ترجمۃ باب میں ذکر ہوا۔

۴؎ یعنی بے نیاز ہونے کی حد و مقدار جس کے سبب سوال کرنا حرام ہو جاتا ہے، یہ ہے کہ اس کے پاس کھانے کے لیے اتنا کچھ ہو کہ اس سے ایک دن یا ایک رات اور دن کا گزارا چل سکے۔ حدیث میں واقع شِبع بمعنی سیر ہو جاتا ہے۔ اور شین کی زیر یا زبر اور با ساکن سے بمعنی وہ چیز جس سے بندہ سیر ہو جائے۔

۵؎ واضح ہو کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث جو ذکر ہوئی، اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ سوال سے بے نیازی کی حد و مقدار پچاس درہم یا اس کی مقدار قیمت کا مالک ہونا ہے۔ اور آئندہ حدیث میں جو حضرت عطار سے مروی ہے، ایک اوقیہ کا مالک ہونا آیا ہے یعنی چالیس درہم کا مالک ہونا اور اس حدیث میں صبح و شام کی خوراک کی موجودگی یا ایک دن و رات کے سیر ہو جانے کی مقدار بیان کی گئی ہے۔ تو اس اختلاف کے باعث امام شافعی رحمۃ اللہ نے پہلی حدیث کو لیا ہے۔ احمد و ابن المبارک اور اسحاق نے تیسری حدیث کو اختیار کیا۔ بعض دوسرے علماء نے دوسری حدیث کو لیا اور اختیار کیا۔ مگر امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب حنفیہ رضی اللہ عنہم نے دو سو درہم کا مالک ہونا قرار دیا اگرچہ وہ مال بڑھنے والا نہ ہو اور اس باب میں بھی ایک حدیث وارد ہے، جسے کتاب کافی میں ذکر کیا۔ اس کا مضمون یہ ہے کہ جو شخص پانچ اوقیہ چاندی کا مالک ہوتے ہوئے سوال کرے الی آخرہ۔ پانچ اوقیہ کے دو سو درہم بنتے ہیں۔ علامہ طیبی رحمۃ اللہ نے کہا یہ مقدار لوگوں کے لیے آسان تر ہے اور کتاب کافی

یں کہا یہ حدیث دوسری احادیث کی ناسخ ہے۔ واللہ اعلم۔

یہ بات بھی پوشیدہ نہ رہے کہ یہاں دو چیزیں ہیں ایک تو زکوٰۃ لینے کی ممانعت دوسرے سوال کرنے کی ممانعت۔ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک دو سو درہم کا مالک ہونا زکوٰۃ لینے کی ممانعت سے متعلق ہے۔ اور صبح و شام کی خوراک کی موجودگی سوال کرنے کی ممانعت سے تعلق رکھتی ہے۔ واللہ اعلم۔

وَعَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ عَنْ رَجُلٍ مِّنْ بَنِيْ اَسَدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ سَاَلَ مِنْكُمْ وَلَهٗ اُوْقِيَّةٌ اَوْ عَدْلُهَا فَقَدْ سَاَلَ اِلْحَافًا.

(رَوَاهُ مَالِكٌ وَاَبُوْ دَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ)

حضرت عطاء بن یسار رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ بنی اسد کے ایک آدمی سے روایت کرتے ہیں کہ اس نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے تم میں سے سوال کیا حالانکہ اس کے پاس ایک اوقیہ[1] چاندی یا اس کے برابر قیمت کی کوئی چیز موجود تھی تو اس کے لیے سوال کرنا روا اور جائز نہ[2] تھا۔

(مالک، ابوداؤد، نسائی)

[1] اوقیہ یعنی چالیس درہم، یا اوقیہ کے برابر قیمت کی چیز۔

[2] یہاں حدیث میں لفظ الحاف آیا ہے یعنی اس طرح مانگنا کہ دینے والے کے لیے پیچھا چھڑانا مشکل ہو جائے۔ اس طرح کا سوال مذموم و ممنوع ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فقراء کی مدح کرتے ہوئے فرمایا۔ لَا يَسْئَلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا۔ کہ وہ لوگوں سے لپٹ کر سوال نہیں کرتے۔

وَعَنْ حُبْشِيِّ بْنِ جُنَادَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ الْمَسْئَلَةَ لَا تَحِلُّ لِغَنِيٍّ وَّلَا لِذِيْ مِرَّةٍ سَوِيٍّ اِلَّا لِذِيْ فَقْرٍ مُّدْقِعٍ اَوْ غُرْمٍ مُّفْظِعٍ وَمَنْ سَاَلَ النَّاسَ لِيُثْرِيَ بِهٖ مَالَهٗ كَانَ خُمُوْشًا فِيْ وَجْهِهٖ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَرَضْفًا يَّاْكُلُهٗ مِنْ جَهَنَّمَ فَمَنْ شَاءَ فَلْيُقِلَّ وَمَنْ شَاءَ فَلْيُكْثِرْ.

حضرت حُبشی[1] بن جنادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سوال کرنا غنی کے لیے حلال نہیں اور نہ ایسے شخص کے لیے جو قوی الجثہ اور سلیم الاعضاء ہو۔ ہاں اس کے لیے حلال ہے[2] جس کی محتاجی نے اسے خاک[3] میں لا دیا ہو یا اس مقروض کے لیے جسے قرضے نے رسوا کر دیا[4] ہو۔ اور جو شخص اس مقصد کے لیے گداگری کرتا ہے کہ اس کا مال زیادہ ہو تو وہ گداگری قیامت کے روز اس کے چہرے پر زخموں کی صورت میں نمودار ہو گی۔ اور اس کا گداگری سے حاصل کیا ہوا مال آتش دوزخ میں گرم کیا ہوا پتھر[5] بن کر اس کے منہ

(رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ)

میں ڈالا جائے گا تو جس کا جی چاہے وہ اپنے لیے یہ عذاب کم کرے یا زیادہ مہیا اور تیار کرے۔ (ترمذی)

۵۱ حبشی حا کی پیش با ساکن اور یا سے پہلے شین۔ جنادہ جیم کی پیش اور نون مخفف

۵۲ یہاں حدیث میں لفظ مُدقع آیا ہے یعنی خاک میں ڈالنے والا۔ یہ دقعاء (دال کی زبر قاف ساکن) سے مشتق ہے۔ اس سے ماضی مطلق کا صیغہ دقع یعنی اسے خاک میں ملا دیا۔ مدقع (میم کی پیش دال ساکن قاف کی زیر سے) یعنی خاک آلود کرنے والی چیز۔ دراصل یہ شدت حاجت و فقر سے کنایہ ہے۔ یعنی ایسی محتاجی اور مالی خستہ حالی جو اُسے خاک پر ڈال دے۔ کہ اب وہ اٹھنے کی طاقت نہیں رکھتا۔ مسکین کو بھی اسی وجہ سے مسکین کہتے ہیں۔ کہ وہ بھوک سے نڈھال ہونے کی وجہ سے حرکت کی طاقت نہیں رکھتا۔ جیسا کہ قرآن مجید میں فرمایا۔ اَوْ مِسْکِیْنًا ذَا مَتْرَبَۃٍ۔ یعنی خاک آلا مسکین۔

۵۳ یہاں حدیث کے عربی الفاظ اوغرم مُفْظِعٍ آئے ہیں یہ غرم غین کی پیش یعنی قرضہ اور تاوان۔ مفظع ذلیل و رسوا کرنے والا۔

۵۴ حدیث میں واقع لفظ رَضْفًا (را کی زبر ضاد ساکن) یعنی تپائے ہوئے پتھر۔ جن پر رکھ کر دودھ گرم کرتے ہیں۔ رَضَفَہٗ یعنی اسے آگ پر تپایا اور گرم کیا۔

وَعَنْ اَنَسٍؓ اَنَّ رَجُلًا مِّنَ الْاَنْصَارِ اَتَی النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَسْاَلُہٗ فَقَالَ اَمَا فِیْ بَیْتِکَ شَیْءٌ فَقَالَ بَلٰی حِلْسٌ نَلْبَسُ بَعْضَہٗ وَنَبْسُطُ بَعْضَہٗ وَ قَعْبٌ نَشْرَبُ فِیْہِ مِنَ الْمَاءِ قَالَ ائْتِنِیْ بِھِمَا فَاَتَاہُ بِھِمَا فَاَخَذَھُمَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِیَدِہٖ وَ قَالَ مَنْ یَّشْتَرِیْ ھٰذَیْنِ قَالَ رَجُلٌ اَنَا اٰخُذُھُمَا بِدِرْھَمٍ قَالَ مَنْ یَّزِیْدُ عَلٰی دِرْھَمٍ مَرَّتَیْنِ اَوْ ثَلٰثًا قَالَ رَجُلٌ اَنَا

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انصار میں ایک آدمی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ مانگنے آیا۔ آپ نے اسے فرمایا تیرے گھر کچھ نہیں اس نے عرض کی ہمارے گھر میں ایک موٹی گدڑی[۱] ہے جس کا ایک حصہ ہم پہنتے ہیں اور ایک حصہ نیچے بچھاتے ہیں۔ اور ایک چھوٹا پیالہ[۲] ہے جس میں ہم لوگ پانی پیتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ دونوں چیزیں میرے پاس لے آ۔ وہ دونوں چیزیں اٹھا کر آپ کی خدمت میں لے آیا۔ آپ نے یہ دونوں چیزیں اپنے ہاتھ مبارک میں پکڑیں اور فرمایا یہ دونوں چیزیں کون خریدتا ہے ایک شخص نے کہا میں یہ دونوں چیزیں ایک درہم سے خریدتا ہوں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک درہم سے زیادہ کون دیتا ہے یہ بات آپ نے دو مرتبہ یا تین[۳] مرتبہ

اَخَذَ هُمَا بِدِرْهَمَيْنِ فَاَعْطَاهُمَا اِيَّاهُ فَاَخَذَ الدِّرْهَمَيْنِ فَاَعْطَاهُمَا الْاَنْصَارِيَّ وَ قَالَ اشْتَرِ بِاَحَدِهِمَا طَعَامًا فَانْبِذْهُ اِلٰى اَهْلِكَ وَ اشْتَرِ بِالْاٰخَرِ قَدُوْمًا فَاْتِنِيْ بِهٖ فَاَتَاهُ بِهٖ فَشَدَّ فِيْهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ عُوْدًا بِيَدِهٖ ثُمَّ قَالَ اذْهَبْ فَاحْتَطِبْ وَ بِعْ وَلَا اَرَيَنَّكَ خَمْسَةَ عَشَرَ يَوْمًا فَذَهَبَ الرَّجُلُ يَحْتَطِبُ وَيَبِيْعُ فَجَاءَهٗ وَقَدْ اَصَابَ عَشْرَةَ دَرَاهِمَ وَ اشْتَرٰى بِبَعْضِهَا ثَوْبًا وَ بِبَعْضِهَا طَعَامًا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هٰذَا خَيْرٌ لَّكَ مِنْ اَنْ تَجِيْءَ الْمَسْئَلَةُ نُكْتَةً فِيْ وَجْهِكَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اِنَّ الْمَسْئَلَةَ لَا تَصْلُحُ اِلَّا لِثَلٰثَةٍ لِذِيْ فَقْرٍ مُدْقِعٍ اَوْ لِذِيْ غُرْمٍ مُفْظِعٍ اَوْ لِذِيْ دَمٍ مُوْجِعٍ (رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ وَ رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ اِلٰى قَوْلِهٖ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ)

فرمائی۔ اس پر ایک اور شخص نے کہا میں ان کو دو درہم سے خریدتا ہوں۔ تو آپ نے وہ دونوں چیزیں اس شخص کو دے دیں اور دو درہم وصول کر کے اس انصاری کو دے دیے۔ اور فرمایا ان میں سے ایک سے کھانا خرید کر اپنے گھر والوں کو دے دے۔ اور دوسرے سے ایک کلہاڑی خرید کر[۲] لا اور اسے میرے پاس لا۔ وہ انصاری کلہاڑی خرید کر آپ کے پاس لایا تو آپ نے اپنے دست مبارک سے اس میں دستہ ڈالا پھر فرمایا جا اور لکڑیاں کاٹ اور فروخت کر۔ اور میں پندرہ دن تک تجھے بالکل نہ دیکھوں۔ وہ شخص چلا گیا وہ روزانہ لکڑیاں کاٹتا اور انہیں فروخت کرتا۔ پھر وہ حاضر خدمت اقدس ہوا جب کہ دس درہم جمع کر چکا تھا۔ ان میں کچھ سے کپڑے خریدے اور کچھ سے آٹا دانہ۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ تیرے لیے اس سے بہتر ہے کہ قیامت کے دن تیرا سوال کرنا اس حالت میں سامنے آئے کہ تیرے چہرے پر نکتہ سیاہ پڑا ہو۔ بیشک سوال کرنا درست نہیں مگر تین آدمیوں کے لیے خاک میں ملے ہوئے فقیر کے لیے۔ ذلیل اور رسوا ہونے والے مقروض کے لیے۔ رنج والم میں ڈالنے والے خون کی دیت ادا کرنے والے کے لیے۔

اسے ابو داؤد نے روایت کیا۔ اور ابن ماجہ نے لفظ یوم القیامۃ کے لفظ تک روایت کیا۔

[۱] یہاں حدیث میں لفظ حلس (حا کی زیر سے) آیا ہے یعنی وہ ٹاٹ سی گدڑی جو اونٹ کے کجاوے کے نیچے رکھتے ہیں اور گھروں میں عمدہ قالینوں وغیرہ کے نیچے بچھاتے ہیں۔

[۲] یہاں حدیث میں لفظ قعب آیا ہے (قاف کی زبر عین ساکن) یعنی لکڑی کا بنا ہوا چھوٹا پیالہ۔

۳ یعنی آپ نے تاکید و اہتمام کی غرض سے یہ لفظ دو یا تین مرتبہ فرمایا۔
۴ جس سے وہ چند روز گزارا کریں۔
۵ یہاں حدیث میں لفظ قدوم آیا ہے (قاف کی زبر) اور دال مخفف یا مشدد بمعنی کلہاڑی یا تیشہ اور وہ جو حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی حدیث میں آیا ہے کہ اختتن بالقدوم کہ آپنے قدوم سے ختنہ کیا تو اس قدوم سے بعض کے نزدیک تیشہ مراد ہے اور بعض نے کہا قدوم ملک شام میں ایک جگہ کا نام ہے۔ یعنی آپ نے مقام قدوم میں اپنا ختنہ کیا۔
۶ حدیث میں واقع ان الفاظ کا ترجمہ گزشتہ حدیث کے ترجمہ میں بیان ہو چکا ہے۔
۷ اس خون سے دیت مراد ہے جو خون کے بدلے دی جاتی ہے اپنی طرف سے یا کسی اور کی طرف سے۔ جیسا کہ لفظ تحمل حمالۃ کی تفسیر سے معلوم ہوا۔

وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اَصَابَتْهُ فَاقَةٌ فَاَنْزَلَهَا بِالنَّاسِ لَمْ تُسَدَّ فَاقَتُهٗ وَمَنْ اَنْزَلَهَا بِاللّٰهِ اَوْشَكَ اللّٰهُ لَهٗ بِالْغِنَاءِ اِمَّا بِمَوْتٍ عَاجِلٍ اَوْ غِنًى اٰجِلٍ۔
(رَوَاهُ اَبُوْدَاؤدَ وَالتِّرْمِذِیُّ)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص کو فاقہ پہنچا اس نے اس کا اظہار لوگوں سے کیا تو اس کا فاقہ ختم نہ ہوگا[۱]۔ اور جس نے اس کا اظہار اللہ تعالےٰ سے کیا تو قریب ہے کہ اللہ تعالےٰ اسے بے نیاز کرے اور وہ اس طرح کہ یا تو اسے جلدی موت دے گا یا اسے کچھ وقت کے بعد کفایت عطا کرے گا۔
(ابو داؤد۔ ترمذی)

۱ یعنی اس کی محتاجی کا دروازہ بند نہ ہوگا۔ اور اس کی حاجت برآری نہ کی جائے گی۔
۲ یہاں حدیث میں لفظ غنا آیا ہے (غین کی زبر) بمعنی فائدہ و کفایت۔ یہ غنا غین کی زیر سے نہیں جس کا معنی تونگری اور مالداری ہے کیونکہ حدیث کے اگلے الفاظ اِمَّا بِمَوْتٍ عَاجِلٍ اس معنی کے مناسب نہیں ہیں کہ موت سے دولتمندی حاصل نہیں ہوتی۔ اور یہ معنی اس کی تفصیل نہیں بن سکتا۔ البتہ موت سے بندے کو کفایت ضرور حاصل ہو جاتی ہے۔ پھر مشکوٰۃ کے اکثر نسخوں میں عاجل یعنی ہمزہ ممدودہ کے بجائے عین مہملہ سے آیا ہے۔ محدثین نے کہا ہے کہ مصابیح اور جامع الاصول کے اکثر نسخوں میں ایسا ہی آیا ہے۔ ۳ امام سنن ابو داؤد اور جامع ترمذی میں غناء آجل کا لفظ آیا ہے۔ یعنی ہمزہ ممدودہ کے ساتھ یہ روایۃً و درایۃً زیادہ صحیح ہے جیسا کہ علامہ طیبی رحمۃ اللہ نے کہا۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

عَنِ ابْنِ الْفِرَاسِيِّ رض قَالَ قُلْتُ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَسْاَلُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاِنْ كُنْتَ لَا بُدَّ فَسَلِ الصَّالِحِيْنَ۔

(رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ وَالنَّسَائِيُّ)

حضرت ابن الفراسی[1] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بیشک فراسی نے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا۔ کیا بوقت حاجت میں لوگوں سے کچھ مانگ لیا کروں۔ فرمایا نہ۔ اور اگر مانگنے کے بغیر چارہ کار نہ ہو تو نیک و صالح لوگوں سے مانگ[2]۔

(ابوداؤد، نسائی)

[1] فراسی فا کی زیر اور سا مخفف یہ فراس بن غنم کی طرف نسبت ہے۔ یعنی ابن فراسی اپنے باپ فراسی سے روایت کرتے ہیں۔

[2] کہ کرم نوازی کے طور پر تجھے ضرور کچھ نہ کچھ دیں گے اور ان کا رزق بھی حلال ہوتا ہے۔

وَعَنِ ابْنِ السَّاعِدِيِّ رض قَالَ اسْتَعْمَلَنِيْ عُمَرُ عَلَى الصَّدَقَةِ فَلَمَّا فَرَغْتُ مِنْهَا وَاَدَّيْتُهَا اِلَيْهِ اَمَرَ لِيْ بِعُمَالَةٍ فَقُلْتُ اِنَّمَا عَمِلْتُ لِلّٰهِ وَاَجْرِيْ عَلَى اللّٰهِ قَالَ خُذْ مَا اُعْطِيْتَ فَاِنِّيْ قَدْ عَمِلْتُ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَعَمَّلَنِيْ فَقُلْتُ مِثْلَ قَوْلِكَ فَقَالَ لِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اُعْطِيْتَ شَيْئًا مِنْ غَيْرِ اَنْ تَسْاَلَهُ فَكُلْ وَتَصَدَّقْ۔

(رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ)

حضرت ابن الساعدی[1] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں مجھے حضرت عمر نے صدقہ جمع کرنے پر مقرر فرمایا (عامل بنایا) جب میں اس عمل سے فارغ ہوا اور جمع کردہ صدقہ و زکوٰۃ انہیں دے دیا تو آپ نے مجھے اپنے عمل کی اجرت وصول کرنے کا حکم دیا۔ میں نے عرض کیا کہ میں نے تو یہ عمل اللہ کے لیے کیا ہے اور میرا اجر اللہ کے ذمہ کرم پر ہے۔ فرمایا جو کچھ میں نے تجھے دیا ہے اسے لے کہ بیشک میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ اقدس میں زکوٰۃ و صدقہ جمع کرنے کا کام کیا تو آپ نے اس کی اجرت مجھے دی تو میں نے بھی تیری بات کی طرح بات کی تھی۔ اس پر آپ نے فرمایا تھا جب میں تجھے مانگنے کے بغیر کوئی چیز دوں تو اسے کھا اور صدقہ کر۔

(ابوداؤد شریف)

سلہ آپ کو ابن السعدی بھی کہتے ہیں۔ آپ صحابی ہیں ملک شام میں سنہ ۵۸ھ میں وفات پائی۔
سلہ۲ یہاں حدیث میں لفظ عمالۃ آیا ہے (عین کی پیش میم ساکن مخفف) یعنی مزدور کی مزدوری۔

وَعَنْ عَلِيٍّ رضی اللہ عنہ أَنَّهُ سَمِعَ يَوْمَ عَرَفَةَ رَجُلًا يَسْأَلُ النَّاسَ فَقَالَ أَفِي هٰذَا الْيَوْمِ وَفِي هٰذَا الْمَكَانِ تَسْأَلُ مِنْ غَيْرِ اللهِ فَخَفَقَهُ بِالدِّرَّةِ.

(رَوَاهُ رَزِيْنٌ)

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ نے عرفہ کے دن (نویں ذوالحجہ) ایک شخص کو لوگوں سے مانگتے دیکھا تو فرمایا آج کے دن اس جگہ تو غیر اللہ سے مانگتا ہے[1]۔ پھر حضرت علی نے دِرّہ[2] سے اس شخص کو مارا۔

(رزین)

سلہ کہ یہ دن خاص اللہ کی فرمانبرداری، اس کی عبادت اور اس سے دعا کرنے کا دن ہے۔ پھر یہ مکان کہ مکان عرفات ہے مقام دعا اور اللہ تعالیٰ کے آثار مغفرت اور نزول انوار رحمت کی جگہ ہے یہاں لوگوں سے مانگتا ہے؟
سلہ۲ یہاں حدیث میں واقع لفظ دِرّہ ہے (دال کی زیر را مشدد) دوسرا لفظ (خَفَقَ) خاء و فاء و قاف سے یعنی دِرّہ سے مارنا۔ اور تلوار کی چوڑائی سے کسی کو مارنا جیسا کہ صراح میں ہے۔ علامہ طیبی رحمۃ اللہ نے کہا خفق کا معنیٰ ہے کسی چوڑی چیز (تختی وغیرہ) سے مارنا۔

وَعَنْ عُمَرَ رضی اللہ عنہ قَالَ تَعَلَّمُنَّ أَيُّهَا النَّاسُ أَنَّ الطَّمَعَ فَقْرٌ وَأَنَّ الْإِيَاسَ غِنًى وَأَنَّ الْمَرْءَ إِذَا يَئِسَ عَنْ شَيْءٍ اسْتَغْنٰى عَنْهُ.

(رَوَاهُ رَزِيْنٌ)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا لوگو اس بات کو جان لو کہ طمع اور لالچ محتاجی[1] ہے۔ اور لوگوں سے بے نیاز ہونا دولتمندی ہے۔ اور بیشک بندہ جب ایک چیز سے مایوس ہو جاتا ہے تو اس سے بے[2] نیاز ہو جاتا ہے۔

(رزین)

سلہ یعنی لوگوں کے مال کی امید رکھنا زیادہ فقر و محتاجی کا باعث ہے۔ یہاں حدیث میں اِنَّ الیاس میں ان کا ہمزہ مکسور ہے۔
سلہ۲ طمع کا معنیٰ ہے لوگوں کے اس مال کی امید رکھنا جس کا ملنا مشکوک ہو۔ یعنی یہ شخص مجھے دے گا یا نہیں دے گا۔ ہاں اگر کسی کا دوسرے کے ذمہ حق ہو یا اس کا وظیفہ مقرر ہو یا اس کے محبت و کرم کے باعث یقین ہو کہ وہ دے گا تو ایسی جگہ طمع کا معنیٰ نہیں پایا جاتا۔ ایسے مقام پر مانگ لینا جائز اور درست ہے۔ اس میں غور کرو۔

وَعَنْ ثَوْبَانَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ

حضرت ثوبان[1] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں

رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ یَّکْفُلُ لِیْ اَنْ لَّا یَسْاَلَ النَّاسَ شَیْئًا فَاَتَکَفَّلُ لَہٗ بِالْجَنَّۃِ فَقَالَ ثَوْبَانُ اَنَا فَکَانَ لَا یَسْاَلُ اَحَدًا شَیْئًا۔

(رَوَاہُ اَبُوْ دَاؤدَ وَالنَّسَآئِیُّ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے لیے کون ضامن بنتا ہے کہ وہ لوگوں سے کوئی چیز نہ مانگے گا۔ تاکہ میں اسکے لیے جنت کا ضامن بن جاؤں۔[۲] حضرت ثوبان نے عرض کیا میں ضامن بنتا اور عہد کرتا ہوں کہ کسی سے کبھی کچھ نہ مانگوں گا۔ تو حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ کسی سے کچھ نہ مانگتے تھے۔

(ابوداؤد۔ نسائی)

[۱] حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ حضور کے آزاد کردہ غلام ہیں جو ہر وقت درگاہ اقدس میں حاضر رہتے اور وقت بے وقت آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے۔ اور سفر و حضر میں آپ کی خدمت میں موجود رہتے تھے۔

[۲] ان الفاظ میں درحقیقت اس امر کی انتہائی تاکید و وثوق ہے کہ اسے جنت ضرور مل کر رہے گی کہ اللہ کا حکم ایسا ہی ہے اور یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وعدہ صادق ہے اور انبیاء علیہم السلام کسی وقت کسی مخصوص طاعت پر با فرمان الٰہی ضامن بن جایا کرتے ہیں اور ذوالکفل کہ انبیاء میں سے ایک نبی ہیں، اسی وجہ سے انکو ذوالکفل کہا گیا کہ وہ اپنی امت کے لیے بہشت کے ضامن بن گئے تھے۔ جیسا کہ کہا گیا ہے۔

وَعَنْ اَبِیْ ذَرٍّ قَالَ دَعَانِیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَھُوَ یَشْتَرِطُ عَلَیَّ اَنْ لَّا تَسْاَلَ النَّاسَ شَیْئًا قُلْتُ نَعَمْ قَالَ وَلَا سَوْطَکَ اِنْ سَقَطَ مِنْکَ حَتّٰی تَنْزِلَ اِلَیْہِ فَتَاْخُذَہٗ[۱]

(رَوَاہُ اَحْمَدُ)

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس امر کا پابند کرنے کے لیے بلایا کہ تم کسی سے کوئی چیز نہ مانگنا۔ میں نے عرض کیا ہاں میں نے یہ شرط تسلیم کی کہ کسی سے کچھ نہ مانگوں گا۔ آپ نے فرمایا جب تیرے ہاتھ سے چابک گر جائے تو وہ بھی کسی سے نہ مانگنا بلکہ خود سواری سے اتر کر اسے پکڑنا۔

(امام احمد)

[۱] یہ کسی سے ترک سوال ترک طلب میں کمال مبالغہ کا بیان ہے۔

بَابُ الْاِنْفَاقِ وَكَرَاهِيَةِ الْاِمْسَاكِ

مال خرچ کرنے اور بخل کے ناپسند ہونے کا باب

لفظ انفاق کا معنیٰ ہے مال دینا اور خرچ کرنا۔ امساک کا معنیٰ ہے مال محفوظ رکھنا اور اس کے خرچ کرنے میں کنجوسی کرنا ممسک بمعنیٰ بخیل۔ ظاہر یہ ہے کہ یہاں انفاق و امساک سے غیر زکوٰۃ میں سے مراد ہے اسی لیے لفظ کراہیت استعمال فرمایا اور زکوٰۃ اور اس کے احکام گزشتہ صفحات میں ذکر فرمائے۔ یہ بھی احتمال ہے کہ مطلقاً صفت انفاق کی مدح اور بخل و امساک کی مذمت مراد ہو خواہ فرض ہو یا نفل۔ اس باب میں مذکورہ احادیث کا سیاق، سخاوت و انفاق مال اور کچھ باقی نہ رکھنے کی مدح کو ظاہر کرتا ہے۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

پہلی فصل

وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوْ كَانَ لِیْ مِثْلُ اُحُدٍ ذَهَبًا لَسَرَّنِیْ اَنْ لَّا يَمُرَّ عَلَیَّ ثَلٰثُ لَيَالٍ وَّعِنْدِیْ مِنْهُ شَیْءٌ اِلَّا شَیْءٌ اُرْصِدُهٗ لِدَيْنٍ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِیُّ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر میرے پاس احد پہاڑ جتنا سونا ہوتا تو یہ بات میرے لیے خوشی اور مسرت کا باعث ہوتی کہ مجھ پر تین راتیں نہ گزرتیں، اس حال میں کہ میرے پاس اس میں سے کچھ بھی باقی پڑتا ہوتا۔ مگر اتنا مال جو میں ادائیگی قرضہ کے لیے رکھ چھوڑتا۔[1] (بخاری شریف)

[1] اس حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی غایت سخاوت اور امت کو سخاوت کی ترغیب و تحریض کا بیان ہے۔

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ يَوْمٍ يُصْبِحُ الْعِبَادُ فِيْهِ اِلَّا مَلَكَانِ يَنْزِلَانِ فَيَقُوْلُ اَحَدُهُمَا اَللّٰهُمَّ اَعْطِ مُنْفِقًا خَلَفًا وَيَقُوْلُ الْاٰخَرُ اَللّٰهُمَّ اَعْطِ مُمْسِكًا تَلَفًا (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

انہی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی دن نہیں جس میں لوگ صبح کرتے ہیں مگر دو فرشتے اترتے ہیں ان میں سے ایک کہتا ہے اے اللہ خرچ کرنے والے کو اس کی جگہ اور دے اور زیادہ دے۔ اور دوسرا کہتا ہے یا اللہ بخیل کے مال کو ہلاک و برباد کر۔ (بخاری و مسلم)

وَعَنْ اَسْمَاءَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْفِقِيْ وَلَا تُحْصِيْ فَيُحْصِيَ اللّٰهُ عَلَيْكِ وَلَا تُوْعِيْ فَيُوْعِيَ اللّٰهُ عَلَيْكِ اِرْضَخِيْ مَا اسْتَطَعْتِ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت اسماء[1] رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے اسماء خرچ کر اور شمار نہ کر کر گنتا رہوں اور کیا دوں۔ تاکہ اللہ تعالےٰ بھی تجھے گن کر نہ دے[2] اور مال کو بچا کر نہ رکھ کہ اللہ تعالےٰ بھی تجھے بچا بچا کر دے[3] بلکہ جو کچھ دے سکتی ہے دیا کر۔[4]

(بخاری و مسلم)

[1] حضرت اسماء رضی اللہ عنہا سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی اور حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ کی زوجہ مطہرہ ہیں آپ صحابیات میں سے ہیں۔ آپ کے فضائل ومناقب بہت ہیں۔

[2] اللہ تعالےٰ کے گن کر دینے سے مراد ہے اللہ تعالیٰ کا اس سے برکت اٹھالینا اور اس میں اضافہ اور زیادتی کا دروازہ بند کردینا۔ یا یہ مراد ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے روز اس کا حساب لے گا۔ تاہم پہلا معنیٰ زیادہ ظاہر ہے۔

[3] یہاں حدیث میں لفظ توعی آیا ہے جو ایعار سے مشتق ہے۔ جس کا معنیٰ ہے کسی چیز کو برتن میں ڈال کر اس کی حفاظت کرنا یہاں بخل کرنا اور خرچ نہ کرنا مراد ہے۔

[4] حدیث میں واقع لفظ ارضخی (ضاد و خا سے) یعنی تھوڑی سی چیز دینا مراد یہ ہے کہ اگر تھوڑی سی چیز بھی ہو تو وہ بھی راہ خدا میں دے دے۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذہن مبارک میں حضرت اسماء کی حالت وقدرت بھی مستحضر تھی کہ خاوند کے مال سے بلا اجازت تھوڑی چیز ہی دے سکتی ہے۔

وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى اَنْفِقْ يَا ابْنَ اٰدَمَ اُنْفِقْ عَلَيْكَ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے خرچ کر آدم کے بیٹے تاکہ میں تجھ پر خرچ کروں۔[1]

(بخاری و مسلم)

[1] یعنی تاکہ میں تجھ پر افاضہ اور انعام کروں کیونکہ انفاق (راہ خدا میں خرچ کرنا) نعمت مال کا شکر ہے۔ اور شکر مزید نعمت ملنے کا سبب وذریعہ ہے۔

وَعَنْ اَبِيْ اُمَامَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا ابْنَ اٰدَمَ تَبْذُلُ الْفَضْلَ خَيْرٌ

حضرت ابوامامۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے اے آدم کے بیٹے اگر تو زائد مال خرچ کردے

لَكَ وَ اَنْ تُمْسِكَهُ شَرٌّ لَّكَ وَ لَا تُلَامُ عَلٰى كَفَافٍ وَ ابْدَأْ بِمَنْ تَعُوْلُ۔
(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

تو وہ تیرے لیے بہتر ہے[1] اور اگر اس میں بخل و کنجوسی کرے گا تو وہ تیرے لیے بُرا ہے۔ اور بقدر ضرورت پاس رکھنے پر تیری کوئی ملامت نہ کی جائے گی۔[2] اور خرچ کی ابتدا اپنے عیال سے کر[3]

(مسلم شریف)

[1] ظاہر یہ ہے کہ یہ حدیث مبارک بھی حدیث قدسی ہے۔ اگرچہ اس میں لفظ حدیث صراحۃً وارد نہیں ہے۔ مگر یہ بات اس کو مستلزم نہیں کہ یہ حدیث قدسی ہی ہو کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس لفظ کے ساتھ خطاب کرنے کے اہل ہیں۔ چنانچہ فرمایا اے بندے تیرا ضرورت سے زائد مال کو خرچ کرنا تیرے لیے بہتر ہے۔ بذل کا معنی ہے مال لٹا دینا اور اسے محفوظ کر کے نہ رکھ چھوڑنا۔

[2] یعنی اگر بقدر ضرورت مال اپنے پاس رکھے تو اس میں کوئی حرج نہیں یعنی اتنی مقدار شے جو بھوک اور سوال سے بچائے رکھے۔ اور یہ چیز اشخاص و افراد کے اختلاف کے مطابق مختلف ہوتی ہے۔ اور زمانہ و حالات کے اعتبار سے بھی ان میں فرق ہوتا ہے۔

[3] یعنی بقدر ضرورت سے زائد مال خرچ کرنے کی ابتداء اپنے عیال سے کر۔ کہ نفقہ واجب سے زیادہ اور فراخ دلی سے ان پر خرچ کر۔ اور اگر ان سے بھی بچ جائے تو پھر اس میں سے بیگانوں کو بھی دے۔

وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رض قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَثَلُ الْبَخِيْلِ وَ الْمُتَصَدِّقِ كَمَثَلِ رَجُلَيْنِ عَلَيْهِمَا جُنَّتَانِ مِنْ حَدِيْدٍ قَدِ اضْطُرَّتْ اَيْدِيْهِمَا اِلٰى ثُدِيِّهِمَا وَ تَرَاقِيْهِمَا فَجَعَلَ الْمُتَصَدِّقُ كُلَّمَا تَصَدَّقَ بِصَدَقَةٍ اِنْبَسَطَتْ عَنْهُ وَ جَعَلَ الْبَخِيْلُ كُلَّمَا هَمَّ بِصَدَقَةٍ قَلَصَتْ وَ اَخَذَتْ كُلُّ حَلْقَةٍ بِمَكَانِهَا۔
(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بخیل اور صدقہ کرنے والے کا حال و قصہ ان دو شخصوں کی طرح ہے۔ جن پر لوہے کی دو زرہیں[1] ہوں۔ جنہوں نے ان کے دونوں ہاتھ ان کے پستانوں اور گلے کی ہڈیوں کے ساتھ باندھ رکھے ہوں[2]۔ ان میں سے ایک نے تو صدقہ کرنا شروع کیا جیسے جیسے وہ صدقہ کرتا گیا اسی طرح اس کی زرہ ڈھیلی اور فراخ ہوتی گئی۔ اور بخیل نے جب صدقہ کا ارادہ کیا تو وہ زرہ اس پر اور تنگ ہوتی گئی اور اس کا ہر حلقہ اپنی جگہ اور مضبوط ہوتا گیا۔[3]

(بخاری و مسلم)

سلہ یہاں حدیث میں لفظ جُنَّتَان آیا ہے۔ اس کا مفرد جُنَّۃٌ ہے (جیم کی پیش نون مشدد) بمعنیٰ زرہ اور ایک روایت جبتان بھی آئی ہے (یعنی جیم اور با کے ساتھ) مگر روایۃً اور درایۃً نون والی روایت زیادہ صحیح ہے، کیونکہ جبہ لوہے کا نہیں ہوتا۔

سلہ یعنی ان زرہوں کے تنگ ہونے کی وجہ سے۔ حدیث میں واقع لفظ اضطرار دراصل احتیاج اور بے اختیار ہونے کے معنیٰ میں آتا ہے۔ یہاں ان کا متصل ہونا اور چمٹنا مراد ہے۔ پھر حدیث میں واقع لفظ ثَدْیٌ ثا کی زبر دال ساکن بمعنیٰ پستان ہے اور یہ مرد و عورت دونوں کے ہوتے ہیں اور ثُدِیٌّ (ثا کی پیش دال کی زیر یا کی شد سے) اس کی جمع ہے۔ یہاں جمع اور مفرد دونوں طرح مروی ہے۔ مگر جمع کی روایت اکثر و زیادہ ظاہر ہے۔ اور لفظ تَرَاقِیْ تَرْقُوَۃٌ کی جمع ہے۔ (تا کی زبر را ساکن قاف کی پیش) بمعنی گلے اور کندھے کے درمیان کی ہڈیاں۔ اور یہ دونوں طرف صرف دو ہڈیاں ہوتی ہیں۔ یہاں جمع کا صیغہ ان کے اطراف و جوانب کا اعتبار کرنے کی بنا پر ہے۔

سلہ اس مثال کا خلاصہ یہ ہے کہ سخی اور جواد انسان جب صدقہ کا ارادہ کرتا ہے تو اس کے لیے اس کا سینہ فراخ و کشادہ ہو جاتا ہے اور اس کے ہاتھ اس کی موافقت و طاعت اختیار کرتے ہوئے عطا و سخاوت کرنے کی طرف دراز ہو جاتے ہیں اس کے برعکس بخیل کا سینہ صدقہ کے ارادے سے ہی تنگ ہونے لگتا ہے، اور اس کے ہاتھ دراز ہونے کے بجائے تنگ ہونا شروع ہو جاتے ہیں۔ علامہ طیبی رحمۃ اللہ نے کہا یہاں حدیث میں انسان کو زرہ پہننے کے ساتھ اس لیے تشبیہ دی تاکہ اس جانب اشارہ ہو جائے کہ بخل و کنجوسی گویا انسان کی جبلت و فطرت میں داخل ہو چکی ہے۔ اسے خوب سمجھو۔

وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اتَّقُوا الظُّلْمَ فَاِنَّ الظُّلْمَ ظُلُمٰتٌ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَ اتَّقُوا الشُّحَّ فَاِنَّ الشُّحَّ اَهْلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ حَمَلَهُمْ عَلٰى اَنْ سَفَكُوْا دِمَآءَهُمْ وَاسْتَحَلُّوْا مَحَارِمَهُمْ.

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ظلم کرنے سے پرہیز کرو[1] کیونکہ روز قیامت ظلم تاریکیاں بن کر سامنے آئے گا اور کنجوسی سے[2] بچو کیونکہ کنجوسی نے ہی تم سے پہلے لوگوں کو ہلاک و تباہ کیا۔ کنجوسی نے انہیں لوگوں کی خونریزی پر آمادہ کیا اور اسی وجہ سے اللہ کی حرام کردہ چیزوں کو انھوں نے حلال گردان لیا۔[3]

(مسلم شریف)

سلہ ظلم کا لفظ گناہوں کی تمام اقسام و انواع کو شامل ہے۔ اسی وجہ سے اگلے جملے میں لفظ ظلمات جمع آیا ہے۔ یا یہ مراد ہے کہ ایک ظلم بھی قیامت کے دن بہت سی تہ بہ تہ ہولناک تاریکیوں اور شدتوں کا سبب بنے گا۔ لغۃً ظلم کا معنیٰ ہے وضع الشیء فی غیر محلہ یعنی شی کو اس کی غیر مناسب جگہ میں رکھنا۔ مگر اس کا غالب استعمال مخلوق پر زیادتی و شرارت میں ہوتا ہے۔

۲ شح یعنی شدت بخل و حرص۔ اس سے بچنا اس لیے ضروری ہے کہ یہ بھی ظلم کے اقسام اور اس کی شدید ترین انواع میں سے ہے۔ کیونکہ حب دنیا اور نفسانی شہوات کا نتیجہ یہی ظلم ہے۔

۳ اللہ تعالےٰ نے جن چیزوں کو حرام قرار دیا ہے۔ یعنی معاصی اور خطائیں، انہیں حلال ٹھہرانے والا بھی یہی بخل ہی ہے۔ یہ بخل خونریزی اور حرام کو حلال کرنے کا باعث اس وجہ سے ہے کہ راہ خدا میں مال خرچ کرنا اور دوسروں سے ہمدردی و شفقت ذریعہ نجات اور ایک دوسرے سے بہتر تعلقات استوار کرنے کا موجب ہے اس کے برعکس بخل و کنجوسی ایک دوسرے سے دور رہنے اور قطع تعلق کا سبب ہے اور یہ چیز آپس میں دشمنی اور عداوت کا باعث ہے۔ جس سے انجام کار آپس میں لڑائی جھگڑا اور قتل و غارت کا بازار گرم ہوتا ہے۔

واضح ہو کہ علماء نے شح کی تفسیر بخل سے کی ہے۔ بعض نے کہا شح اس بخل کو کہتے ہیں جس کے ساتھ حرص بھی پائی جاتی ہو اور بعض نے کہا بخل اس کنجوسی کو کہتے ہیں جو افراد امور میں پائی جاتی ہے۔ اور شح وہ کنجوسی ہے جو عام ہو اور تمام امور میں پائی جاتی ہو یعنی بخل وہ کنجوسی ہے جو بعض چیزوں میں پائی ہے اور شح وہ کنجوسی جس کا مظاہرہ ہر چیز میں کیا جائے۔ بعض نے کہا بخل کا تعلق مال سے ہوتا ہے اور شح وہ کنجوسی جو مال میں بھی پائی جاتی ہے۔ اور دوسری چیزوں میں بھی۔ علماء نے یہ بھی کہا ہے کہ شح ایک جبلی چیز ہے جو انسان کی سرشت میں پائی جاتی ہے اور یہ وصف لازم کی طرح ہے اور اس کا مرکز انسان کا نفس امارہ ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں فرمایا وَاُحْضِرَتِ الْاَنْفُسُ الشُّحَّ (نفوس امارہ کی سرشت میں بخل و کنجوسی رکھ دی گئی ہے) اس بارے میں ممنوع یہ ہے کہ بندہ اس مرض کو اپنے سرشی صفت قلب پر غالب نہ آنے دے اور احکام ایمان سے اسے روکنے کا ذریعہ بننے دے کیونکہ اس صورت میں انسان طاعت و فرمانبرداری میں کنجوسی سے کام لیتا ہے۔ چشم پوشی اختیار نہیں کرتا۔ اور حکم خداوندی کے لیے اپنے آپ کو مطیع و منقاد نہیں کرتا۔ اور یہ شح (کنجوسی) حرص و شہوت کی طرح نفوس کی سرشت میں پائی جاتی ہے۔ تاکہ بندہ کو آزمائش میں ڈالا جائے۔ پھر نظام عالم کی مصلحت اور تعمیر و آبادی بھی اس میں مضمر ہے۔ اور یہ بات اللہ تعالےٰ کے نزدیک بڑی بری ہے کہ یہ حرص و کنجوسی اس کے سرکش قلب پر غالب آجائے اور اس پر قبضہ کرے۔ اور دل اس کا مطیع ہو جائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قول مبارک شُحٌّ مُطَاعٌ (یہ حالت بہت بری ہے کہ بندہ بخل و کنجوسی کے تابع و مطیع ہو جائے) سے یہی مراد ہے۔ یہ امام تورپشتی کے کلام کا خلاصہ اور نچوڑ ہے۔

وَعَنْ حَارِثَةَ بْنِ وَهْبٍ ؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَصَدَّقُوْا فَاِنَّهٗ يَاْتِيْ عَلَيْكُمْ يَمْشِيْ الرَّجُلُ بِصَدَقَتِهٖ فَلَا يَجِدُ مَنْ يَّقْبَلُهَا يَقُوْلُ

حضرت حارثہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لوگو صدقہ کرو کیونکہ تم پر ایک ایسا زمانہ آنے والا ہے کہ ایک آدمی صدقہ لے کر دینے کے لیے چلے گا تو وہ ایسا شخص (مسکین و فقیر) نہ پائے گا جو اسے قبول کرے اور

الرَّجُلُ لَوْ جِئْتَ بِهَا بِالْاَمْسِ لَقَبِلْتُهَا فَاَمَّا الْيَوْمَ فَلَا حَاجَةَ لِيْ بِهَا۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

وہ صدقہ نہ قبول کرنے والا کہے گا اگر تو کل یہ صدقہ لے کر آتا میں قبول کر لیتا لیکن آج مجھے اس کی کوئی ضرورت وحاجت نہیں[۲]۔ (بخاری ومسلم)

[۱] حضرت حارثہ بن وہب رضی اللہ عنہ صحابی ہیں ماں کی طرف سے حضرت عبداللہ بن عمر الخطاب رضی اللہ عنہ کے بھائی ہیں۔ کوفیوں میں شمار ہوتے ہیں۔ آپ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور ام المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے احادیث روایت کرتے ہیں۔

[۲] یہ حالت آخر زمانہ (زمانہ امام مہدی علیہ السلام) میں ہوگی۔ جیسا کہ باب اشراط الساعۃ میں آرہا ہے۔

وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَجُلٌ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَيُّ الصَّدَقَةِ اَعْظَمُ اَجْرًا قَالَ اَنْ تَصَدَّقَ وَ اَنْتَ صَحِيْحٌ شَحِيْحٌ تَخْشَى الْفَقْرَ وَ تَاْمُلُ الْغِنٰى وَ لَا تُمْهِلْ حَتّٰى اِذَا بَلَغَتِ الْحُلْقُوْمَ قُلْتَ لِفُلَانٍ كَذَا وَ لِفُلَانٍ كَذَا وَ قَدْ كَانَ لِفُلَانٍ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ بڑا اجر وثواب والا صدقہ[۱] کونسا ہے۔ آپ نے فرمایا تیرا اس حال میں صدقہ کرنا کہ تو صحیح وتندرست ہو جو کہ تیرے اندر مال کی حرص موجود ہو۔ اور دولتمند بننے کا امیدوار ہو اور تجھے فقر ومحتاجی کا ڈر ہو[۲]۔ صدقہ کرنے میں اس حالت تک دیر وتوقف نہ کر یہاں تک تیری جان گلے میں آ پہنچے۔ اس وقت تو کہنے لگے فلاں کے لیے اتنا مال فلاں کے اتنا مال کہ اب تو وہ فلاں کے[۳] لیے ہوگیا۔ (بخاری ومسلم)

[۱] حدیث میں واقع لفظ تصدق تا اور دال کی زبر سے۔ اصل میں تتصدق تھا۔

[۲] یعنی کہ تو صحت وتندرستی کی حالت میں صدقہ کرے تجھے اپنی صحت کی بنا پر زندہ رہنے اور دراز عمر پانے کی امید ہو۔ اس حالت کی موجودگی کی وجہ سے انسان بخل سے کام لیتا ہے کہ اگر مال راہ خدا میں دے دیا تو محتاج وفقیر ہو جاؤں۔

[۳] ولا تمہل لام کی زبر اور جزم دونوں طرح پڑھا گیا ہے۔ یعنی تاخیر وتوقف نہ کرنا یا تاخیر وتوقف نہ کر۔

[۴] شارحین کرام نے کہا کہ فلاں اول اور فلاں ثانی سے مراد وہ شخص ہے جن کے لیے مرنے والا وصیت کرتا ہے اور فلاں اخیر سے وارث مراد ہے۔ یعنی مرنے کے وقت تو وہ مال وارث کا ہو جاتا ہے کہ جب وصیت کا تعلق وارث

کے مال سے ہو تو وارث کو حق پہنچتا ہے کہ میت کی وصیت کو جائز قرار دے یا اسے باطل کر دے۔ یعنی انسان بخل کرتا ہے تا آنکہ موت کو آجاتا دیکھتا ہے۔ اس وقت صدقہ کرتا ہے اس مال کو جس سے وارث کا حق متعلق ہوتا ہے۔ یہ بھی احتمال ہے کہ تینوں جگہ لفظ فلاں سے موصی لہ (جن کے لیے وصیت کی گئی ہو) مراد ہو۔ اور لفظ کان لانے سے جو مفید ثبوت و قرار ہے، اس جانب اشارہ ہو کہ اب جو مال جس کے لیے مقدر ہو چکا ہے اسے مل کر رہے گا۔ علامہ کرمانی علیہ الرحمۃ نے کہا یہ بھی احتمال ہے کہ کچھ مال وصیت کے طور پر دینا چاہے اور کچھ بشکل اقرار۔ اس میں غور کرو۔

وَ عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ قَالَ اِنْتَهَيْتُ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ هُوَ جَالِسٌ فِيْ ظِلِّ الْكَعْبَةِ فَلَمَّا رَاٰنِيْ قَالَ هُمُ الْاَخْسَرُوْنَ وَرَبِّ الْكَعْبَةِ فَقُلْتُ فِدَاكَ اَبِيْ وَ اُمِّيْ مَنْ هُمْ قَالَ هُمُ الْاَكْثَرُوْنَ اَمْوَالًا اِلَّا مَنْ قَالَ هٰكَذَا وَ هٰكَذَا وَ هٰكَذَا مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ وَ عَنْ يَمِيْنِهٖ وَ عَنْ شِمَالِهٖ وَ قَلِيْلٌ مَا هُمْ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں پہنچا جب کہ آپ کعبہ معظمہ کے سایہ میں تشریف فرما تھے جب مجھے دیکھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ رب کعبہ کی قسم وہی لوگ سخت نقصان میں ہیں۔ میں نے عرض کیا میرے ماں باپ آپ پر فدا کون لوگ۔ فرمایا جو بہت مالدار ہیں۔ مگر وہ جو اس طرح کرے[1] تین بار فرمایا اپنے سامنے اپنے پیچھے کی طرف دائیں اور اپنے بائیں۔ اور ایسا کرنے والے تھوڑے ہوتے ہیں[2]۔ (بخاری و مسلم)

[1] یعنی جو مال خرچ کرے۔ اور اپنا مال اس طرح دوسروں کی طرف پھینک دے۔ یعنی ہر طرف اور ہر جانب جیسا کہ آپ نے خود اس کی تفسیر اپنے قول مبارک من بین یدیہ ومن خلفہ وعن یمینہ وعن شمالہ سے کی۔ یعنی اپنے سامنے کے لوگوں کو دیتا ہے اور اپنے پیچھے کے لوگوں کو دیتا ہے اسی طرح اپنے دائیں اور بائیں رہنے والے لوگوں کو دیتا ہے۔

[2] یعنی اس طرح دینے اور کرنے والے لوگ تھوڑے ہوتے ہیں۔ یہاں حدیث کا لفظ قال فعل کے معنی میں ہے، اور عرب لفظ قول کا اطلاق تمام افعال پر کرتے ہیں۔ جیسے قال بیدہ اس نے اپنے ہاتھ سے کیا یعنی پکڑا۔ قال برجلہ یعنی وہ اپنے پاؤں سے چلا۔ اس طرح کے اطلاقات احادیث میں بہت آئے ہیں۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

دوسری فصل

وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَلسَّخِیُّ قَرِیْبٌ مِّنَ اللّٰهِ قَرِیْبٌ مِّنَ الْجَنَّةِ قَرِیْبٌ مِّنَ النَّاسِ بَعِیْدٌ مِّنَ النَّارِ وَ الْبَخِیْلُ بَعِیْدٌ مِّنَ اللّٰهِ بَعِیْدٌ مِّنَ الْجَنَّةِ بَعِیْدٌ مِنَ النَّاسِ قَرِیْبٌ مِّنَ النَّارِ وَ لَجَاهِلٌ سَخِیٌّ اَحَبُّ اِلَی اللّٰهِ مِنْ عَابِدٍ بَخِیْلٍ۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سخی اللہ کے قریب[1] جنت کے قریب[2] اور لوگوں کے قریب ہوتا ہے[3]۔ اور آگ سے دور ہوتا ہے[4] (اس کے برعکس) بخیل انسان اللہ سے دور جنت سے دور لوگوں سے دور اور آتش دوزخ کے قریب ہوتا ہے[5]۔ اور سخی جاہل عابد بخیل سے اللہ کو زیادہ پیارا[6] ہے۔

(ترمذی شریف)

۱؎ اللہ کے قریب ہے یعنی اس کی رحمت اور رضا کے قریب ہے۔

۲؎ جنت کے قریب ہے کہ اس میں داخل ہوگا۔

۳؎ یعنی لوگوں کے دلوں میں اس کی محبت ہوتی ہے۔

۴؎ یعنی جب کہ وہ جنت سے قریب ہے تو لامحالہ دوزخ سے دور ہوگا۔

۵؎ اس حدیث میں سخاوت کی بہت مدح اور بخل کی سخت مذمت کی گئی ہے۔ ظاہر یہ ہے کہ سخاوت و بخل ادائے زکوٰۃ میں مراد ہے۔ یا یہ مراد ہے کہ مطلق انسان ان دو صفتوں میں سے کسی ایک صفت سے موصوف ہوتا ہے۔

۶؎ جاہل سخی اور عابد بخیل کا مقابلہ ظاہراً اس امر کا مطالبہ کرتا ہے کہ یوں کہا جائے کہ جاہل سخی بخیل عابد سے اللہ تعالیٰ کو زیادہ پیارا ہے۔ یا یوں کہا جائے کہ غیر عابد سخی عابد بخیل سے محبوب تر ہوتا ہے۔ علماء فرماتے ہیں اس طریقہ پر چلنا اختصار عبارت کے ساتھ دونوں معنوں کو شامل ہے۔ اس میں غور کرو۔

وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَاَنْ یَّتَصَدَّقَ الْمَرْءُ فِیْ حَیٰوتِهٖ بِدِرْهَمٍ خَیْرٌ لَّهٗ مِنْ اَنْ

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بندے کا اپنی زندگی میں ایک درہم صدقہ کرنا موت کے وقت سو درہم صدقہ کرنے

يَتَصَدَّقَ بِمِائَةٍ عِنْدَ مَوْتِهِ۔ — سے بہتر ہے[1]۔

(رَوَاهُ أَبُوْ دَاوُد) — (ابوداؤد شریف)

[1] جیسا کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے معلوم ہوا۔

وَعَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَثَلُ الَّذِيْ يَتَصَدَّقُ عِنْدَ مَوْتِهِ أَوْ يُعْتِقُ كَالَّذِيْ يُهْدِيْ إِذَا شَبِعَ۔

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس شخص کی مثال جو مرت کے وقت صدقہ کرتا یا غلام آزاد کرتا ہے اس شخص کی سی ہے جس نے پہلے خود سیر ہوکر کھالیا پھر باقی کھانا کسی کو ہدیہ کر دیا۔

(رَوَاهُ أَحْمَدَ وَالنَّسَائِيُّ وَالدَّارِمِيُّ وَالتِّرْمِذِيُّ وَصَحَّحَهُ)

(احمد، نسائی، دارمی اور ترمذی نے بھی اسے روایت کیا اور صحیح قرار دیا۔

[1] کہ اب کھانے کی خود حاجت نہ رہی تھی (یعنی اس صورت میں ثواب کم ہے)

وَعَنْ أَبِيْ سَعِيْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَصْلَتَانِ لَا يَجْتَمِعَانِ فِيْ مُؤْمِنٍ اَلْبُخْلُ وَسُوْءُ الْخُلُقِ۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دو عادتیں ایسی ہیں کہ مومن میں بیک وقت جمع نہیں ہوتیں۔ بخل اور بد خلقی[1]

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ) — (ترمذی شریف)

[1] ان دو صفتوں کے جمع ہونے کی نفی سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ دونوں میں سے ایک صفت مومن میں موجود ہو سکتی ہے۔ علماء نے کہا ہے کہ دونوں کا بیک وقت جمع ہونا مراد ہے۔ یا ان دو کا انتہائی درجہ تک پہنچنا مراد ہے۔ اس حد تک کہ وہ اس کی جبلت ہو سکیں۔ اور ان سے موصوف الشان ان پر راضی اور خوش بھی ہو۔ اور اگر کبھی بد خلقی کا مظاہرہ کرے اور بخل اختیار کرے اور نادر اور بہت کم پھر ایسا ہونے پر پشیماں اور نادم بھی ہو اور اپنے نفس کو ملامت اور اس پر نفس سے جھگڑا کرے تو یہ حالت مسلمان کے خلاف نہیں۔ کہ کئی ایسے مسلمان ہوتے ہیں کہ اس بری حالت میں گرفتار ہوتے ہیں۔ الا یہ کہ نکرہ (مومن) کے مقام نفی میں واقع ہونے کی بنا پر جو مفید عموم ہے۔ مومن کامل مراد ہو۔ کہ یہ دونوں عادتیں مومن کامل کی مسلمانی کے منافی ہیں۔ اگرچہ اس عبارت سے یہ معنی مراد لینا قدرے بعید ہے۔ یا اس معنی کی حقیقت یہ ہے کہ ان دو صفات کے افعال و آثار کا صدور مومن سے نہ ہونا چاہیے اور ایک مسلمان کو ریاضت و مجاہدہ سے انہیں دور کرنے کی سعی کرنی چاہیے اور ان کو باقی رکھنے اور ان پر راضی ہونے سے باز رہنا چاہیے۔

خلاصہ یہ کہ صفات مذمومہ مومن کی شان کے خلاف ہیں اس میں موجود نہیں ہونی چاہیں۔ پھر بد خلقی سے مراد وہ برائیاں ہیں جو دین و شریعت کے خلاف ہیں اس میں موجود نہیں ہونی چاہیں۔

وہ بد خلقی مراد نہیں جو لوگوں میں مشہور و متعارف ہے۔ یعنی معاملات زندگی میں نرم مزاجی اور چشم پوشی۔ کیونکہ اللہ تعالےٰ کے لیے کسی سے بغض رکھنا اور سختی سے پیش آنا تو مسلمانی کے اقوی ارکان میں سے ہے۔ اس میں غور کرو۔

وَعَنْ اَبِیْ بَکْرِ الصِّدِّیْقِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا یَدْخُلُ الْجَنَّۃَ خَبٌّ وَّلَا بَخِیْلٌ وَّلَا مَنَّانٌ۔ (رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ)

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جنت میں نہ داخل ہوگا فریبی اور بخیل اور احسان جتلانے والا۔[1] (ترمذی شریف)

[1] یعنی تین شخص جنت میں داخل نہ ہوں گے ایک فریبی۔ دوسرا بخیل۔ تیسرا احسان جتلانے والا۔ یہاں حدیث میں لفظ خبٌّ آیا ہے۔ خا کی زیر اور زبر سے۔ یعنی فریب و دھوکا دینے والا۔ جیسا کہ ایک دوسری حدیث میں آیا ہے کہ المنافق خب لئیم۔ کہ منافق فریبی اور منحوس ہوتا ہے۔ دوسرا بخیل جو خدا تعالےٰ کے حقوق کی ادائیگی اور فقراء و مساکین سے ہمدردی و شفقت کرنے میں کوتاہی کرتا ہے۔ تیسرا شخص مَنّان نون کی شد سے یعنی عطا کرنے کے بعد احسان جتلانے والا۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ مَن سے کاٹنا اور توڑنا مراد ہو۔ یعنی حق کو کاٹنے والا اور اسے خیانت کے ذریعے توڑنے اور برباد کرنے والا۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کاٹنے سے اپنے رشتہ داروں اور عام مسلمانوں سے رشتہ محبت و دوستی کو کاٹنا اور ان سے قطع تعلق کرنا مراد ہو۔ کہ اپنے عزیزوں، رشتہ داروں اور مسلمان بھائیوں کے ساتھ رشتہ دوستی و محبت استوار رکھنا لازم و ضروری ہے۔ اس طرح کی احادیث کی وضاحت و تاویل اُن دلائل کی روشنی میں جو گناہ گاروں کے مومن ہونے پر دلالت کرتے ہیں، اصول کلام میں ہو چکی ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ترہیب اور خوف باقی رکھنے کی غرض سے ایسے مواقع میں قول مجمل پر کفایت فرمائی ہے۔ تاکہ لوگوں کے دلوں میں بُری عادات اختیار کرنے اور گناہوں کے مرتکب ہونے کا ڈر موجود رہے۔ اور وہ ایسی غلطیوں میں نہ پڑیں جو ان کے لیے نقص و عیب کا سبب بنتی ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اُمت کے علماء راسخین کے فہم و بصیرت پر اعتماد کرتے ہوئے اجمال سے کام لیا ہے آپ کو پتہ تھا کہ میری امت کے علماء محققین میرے اشارات کا اصول دین کی روشنی میں صحیح مطلب و معنیٰ لوگوں کو بتادیں گے۔

وَعَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ شَرُّ مَا فِی الرَّجُلِ شُحٌّ ھَالِعٌ وَّ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مرد میں بدترین عادتیں جو ہو سکتی ہیں یہ ہیں۔ انتہائی

جُبْنٌ خَالِعٌ وَ سَنَذْكُرُ حَدِيْثَ أَبِيْ هُرَيْرَةَ لَا يَجْتَمِعُ الشُّحُّ وَ الْإِيْمَانُ فِيْ كِتَابِ الْجِهَادِ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ تَعَالٰى۔

بے صبری میں مبتلا کرنے والا بخل اور جان نکال لینے والی بزدلی[۱]۔ اسے ابو داؤد نے روایت کیا اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث[۲] لا یجتمع الشح والایمان کتاب الجہاد میں ہم انشاء اللہ تعالیٰ ذکر کریں گے۔

[۱] یعنی خرچ کرنے کے وقت انتہا درجے کا بخل۔ یہاں حدیث میں لفظ ہالع آیا ہے جو ہلع سے نکلا ہے جس کا معنیٰ ہے تکلیف پہنچنے پر سخت شور مچانا اور واویلا کرنا۔ اور لفظ شح کا ترجمہ وحق حدیث گزشتہ میں مذکور ہو گیا ہے۔ حدیث میں واقع دوسرا لفظ جبن خالع ہے۔ جس کا معنیٰ ہے ایسی بددلی اور بزدلی جو شدت خوف کی بنا پر بدن سے جان ہی کھینچ لے۔ مطلب یہ کہ بخل شدید اور سخت بزدلی یہ دونوں بدترین عادتیں ہیں۔

[۲] یعنی جس حدیث کے ابتدائی الفاظ یہ ہیں کہ لا یجتمع الشح والایمان الخ۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

عَنْ عَائِشَةَ رض أَنَّ بَعْضَ أَزْوَاجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قُلْنَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَيُّنَا أَسْرَعُ بِكَ لُحُوْقًا قَالَ أَطْوَلُكُنَّ يَدًا فَأَخَذُوْا قَصَبَةً يَذْرَعُوْنَهَا وَ كَانَتْ سَوْدَةُ أَطْوَلَهُنَّ يَدًا فَعَلِمْنَا بَعْدُ أَنَّمَا كَانَ طُوْلُ يَدِهَا الصَّدَقَةَ وَ كَانَتْ أَسْرَعَنَا لُحُوْقًا بِهٖ زَيْنَبُ وَ كَانَتْ تُحِبُّ الصَّدَقَةَ۔
(رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

حضرت عائشہ صدیقہ[۱] رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ بے شک حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعض بیویوں نے حضور سے عرض کیا ہم میں سب سے جلدی کون آپ سے آکر ملے[۲] گی (کس کا وصال سب سے پہلے ہوگا) آپ نے فرمایا جس کا ہاتھ تم میں سب سے زیادہ لمبا[۳] ہے تو انہوں نے ہاتھوں کی پیمائش کے لیے ایک کانا لیا۔ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کے ہاتھ ان سب سے لمبے اور دراز[۴] تھے۔ مگر بعد میں ہمیں معلوم ہوا کہ ہاتھ کی درازی سے صدقہ[۵] مراد ہے اور سب آپ کے ساتھ ملنے میں سب سے زیادہ جلدی کرنے والی حضرت زینب[۶] تھیں اور آپ صدقہ و خیرات کرنا پسند کرتی تھیں۔

اسے بخاری نے روایت کیا۔

وَ فِيْ رِوَايَةِ مُسْلِمٍ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ

اور مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم

وَسَلَّمَ اَسْرَعُكُنَّ لُحُوقًا بِيْ اَطْوَلُكُنَّ يَدًا قَالَتْ وَ كَانَتْ يَتَطَاوَلْنَ اَيَّتُهُنَّ اَطْوَلُ يَدًا قَالَتْ فَكَانَتْ اَطْوَلَنَا يَدًا زَيْنَبُ لِاَنَّهَا كَانَتْ تَعْمَلُ بِيَدِهَا وَ تَتَصَدَّقُ۔

میں سے میرے ساتھ ملنے میں سب سے زیادہ جلدی کرنے والی وہ ہے جس کے ہاتھ تم سب سے زیادہ دراز ہیں اور ازواج مطہرات آپس میں ایک دوسری کے ساتھ جھگڑا کرتی تھیں کہ ان میں کس کے ہاتھ زیادہ دراز ہیں۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ حضرت زینب کے ہاتھ ہم میں سب سے زیادہ دراز تھے۔ کیونکہ آپ اپنے ہاتھوں سے مزدوری کرتیں اور صدقہ وخیرات کرتی تھیں۔[۷]

[۱] یعنی حضرت عائشہ جو ازواج مطہرات میں سے ہیں۔ کہ بعض ازواج نے آپ سے کہا اور دریافت کیا۔

[۲] یعنی یا رسول اللہ آپ کی وفات کے بعد ہم میں پہلے کونسی بیوی وصال کرے گی۔

[۳] یعنی تم میں سب سے پہلے مجھ سے ملنے والی وہ ہو گی جس کے ہاتھ تم سب سے زیادہ لمبے ہیں۔

[۴] یعنی حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کہ ان کے ہاتھ سب ازواج مطہرات سے زیادہ دراز تھے۔

[۵] یعنی بعد میں ہمیں علم ہو گیا کہ ہاتھوں کے دراز ہونے سے جن کی خبر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دی اور فرمایا کہ دراز ہاتھ والی بیوی سب سے پہلے مجھے آ کر ملے گی، صدقہ وخیرات مراد ہے یعنی اگرچہ پہلے ہم نے ہاتھ کی لمبائی سے ظاہری ہاتھ کی لمبائی سمجھی تھی۔ مگر پھر غور و فکر کرنے اور قرینہ واقعہ سے ہمیں پتہ چل گیا کہ درازی ہاتھ سے کثرت صدقہ وانعام مراد ہے کہ یہ نعمت کے معنی میں بھی آتا ہے۔

[۶] یعنی حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کہ آپ نے ۲۰ھ یا ۲۱ھ ہجری مقدسہ میں حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں وصال فرمایا۔

[۷] کہ آپ اپنے دست مبارک سے بہت کام کرتی تھیں اور صدقہ وخیرات کرتی تھیں اس روایت سے صراحۃً یہ معلوم نہیں ہوتا کہ پہلے ازواج مطہرات نے ہاتھوں کی ظاہری درازی خیال کی تھی۔ پھر انہیں پتہ چلا کہ اس سے کثرت عمل و صدقہ مراد ہے۔ شاید کہ انہوں نے اول اول یہی معنی سمجھا ہو اس کے بعد تحقیق کی ہو اور معلوم ہوا ہو کہ وہ حضرت زینب ہیں۔ اسے اچھی طرح سمجھو۔

واضح ہو کہ حدیث مشکوٰۃ سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات میں سے جس زوجہ مطہرہ نے سب سے پہلے وصال فرمایا اور آپ سے جا کر ملیں وہ حضرت زینب تھیں اور یہی بات صحیح اور اہل علم کے ہاں مشہور و معروف اور اہل تاریخ کے ہاں متفق علیہ ہے۔ بعض نے کہا وہ حضرت زینب نہیں بلکہ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا ہیں۔ صحیح بخاری کی عبارت سے بھی یہی وہم ہوتا ہے۔ بلکہ اپنی تاریخ صغیر میں انہوں نے اس کی تصریح کر دی۔ علماء نے کہا کہ یہ امام بخاری کی خطا ہے کیونکہ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کا انتقال ۵۴ھ میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور میں ہوا شرح عربی میں یہ یہاں زیادہ تفصیل سے

مذکور ہو چکا ہے۔ اس میں غور سے کام لو۔

وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ قَالَ رَجُلٌ لَأَتَصَدَّقَنَّ بِصَدَقَةٍ فَخَرَجَ بِصَدَقَتِهِ فَوَضَعَهَا فِي يَدِ سَارِقٍ فَأَصْبَحُوا يَتَحَدَّثُونَ تُصُدِّقَ اللَّيْلَةَ عَلَى سَارِقٍ فَقَالَ اللّٰهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ عَلَى سَارِقٍ لَأَتَصَدَّقَنَّ بِصَدَقَةٍ فَخَرَجَ بِصَدَقَتِهِ فَوَضَعَهَا فِي يَدِ زَانِيَةٍ فَأَصْبَحُوا يَتَحَدَّثُونَ تُصُدِّقَ اللَّيْلَةَ عَلَى زَانِيَةٍ فَقَالَ اللّٰهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ عَلَى زَانِيَةٍ لَأَتَصَدَّقَنَّ بِصَدَقَةٍ فَخَرَجَ بِصَدَقَتِهِ فَوَضَعَهَا فِي يَدِ غَنِيٍّ فَأَصْبَحُوا يَتَحَدَّثُونَ تُصُدِّقَ اللَّيْلَةَ عَلَى غَنِيٍّ فَقَالَ اللّٰهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ عَلَى سَارِقٍ وَزَانِيَةٍ وَغَنِيٍّ فَأُتِيَ فَقِيلَ لَهُ أَمَّا صَدَقَتُكَ عَلَى سَارِقٍ فَلَعَلَّهُ أَنْ يَسْتَعِفَّ عَنْ سَرِقَتِهِ وَأَمَّا الزَّانِيَةُ فَلَعَلَّهَا أَنْ تَسْتَعِفَّ عَنْ زِنَاهَا وَأَمَّا الْغَنِيُّ فَلَعَلَّهُ يَعْتَبِرُ فَيُنْفِقُ مِمَّا أَعْطَاهُ اللهُ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک شخص نے کہا البتہ میں ضرور صدقہ کروں گا۔ تو وہ صدقہ لے کر نکلا ایک چور کے ہاتھ پر جا کر رکھ دیا لوگوں نے باتیں کرنا شروع کیں کہ آج رات ایک چور کو صدقہ دے دیا گیا ہے اس شخص نے ان کی باتیں سن کر کہا اللھم لک الحمد علی سارق اے اللہ تیرے لیے ہی حمد وثنا ہے چور کے ہاتھ میں صدقہ دینے پر۔ پھر اس نے کہا البتہ میں ضرور صدقہ کروں گا۔ پھر وہ صدقہ لے کر نکلا اور صدقہ کی چیز ایک زانیہ عورت کے ہاتھ پر رکھ دی۔ لوگوں نے صبح کو یہ باتیں شروع کر دیں کہ آج رات ایک زانیہ عورت کو صدقہ دے دیا گیا ہے اس نے کہا اللھم لک الحمد علی زانیۃ اے اللہ تعالیٰ تیرے لیے ہی حمد وثنا ہے ایک زانیہ عورت کو صدقہ مل جانے پر (اس نے پھر کہا) البتہ میں ضرور صدقہ کروں گا چنانچہ وہ پھر صدقہ لے کر گھر سے نکلا۔ اور ایک غنی کے ہاتھ پر جا کر رکھ دیا۔ لوگوں نے صبح کو پھر باتیں شروع کر دیں کہ آج رات ایک غنی انسان کو صدقہ دیا گیا ہے۔ اس صدقہ کرنے والے نے کہا اللھم لک الحمد علی سارق وزانیۃ وغنی پھر اس صدقہ کرنے والے کو ایک خواب آیا جس میں اسے کہا گیا کہ تیرا چور کو صدقہ دینا تو شاید وہ اس وجہ سے ہے کہ آئندہ کے لیے وہ چوری سے بچ جائے۔ اور زانیہ عورت کو تیرا صدقہ دینا تو شاید وہ اس کی وجہ سے آئندہ کے لیے وہ زنا اور بدکاری سے بچ جائے۔ اور غنی کو تیرے صدقہ سے فائدہ ہو سکتا ہے کہ شاید وہ بھی عبرت گیر ہو کر راہ خدا

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَلَفْظُهُ لِلْبُخَارِيِّ)

میں سے خرچ کرنا شروع کردے اس میں سے جو اللہ تعالیٰ نے اُسے دیا ہے۔ متفق علیہ۔ اور یہ الفاظ بخاری کے ہیں۔

لہ یہ شخص بنی اسرائیل میں سے تھے۔

لہ اس نے یہ الفاظ نذر یا قسم کے طور پر کہے۔

سہ لوگوں نے یہ باتیں ایک چور کو صدقہ دینے پر تعجب انکاری کے طور پر کہیں۔

ٹہ۔ اس شخص نے یہ کلمہ شکر کے طور پر کہا کہ چلو کچھ بھی ہوا اللہ تعالیٰ نے صدقہ کرنے کی توفیق تو دیدی۔ یا اس نے یہ کلمہ تعجب کے طور پر کہا۔ یا اپنے دل کو تسلی دینے کے لیے کہا۔

ھہ۔ یعنی اس سے نفع ہوگا۔ یہ صدقہ بے فائدہ نہیں۔

سلہ۔ یعنی کم ازکم اس دن تو شاید چوری کرنے سے بچا رہے گا کیونکہ اسے دن کی روزی تو مل گئی۔ لہذا آج چوری چکاری کرنے کی کیا ضرورت ہے۔

ٹے۔ اور میرے صدقہ پر قیاس کرکے وہ بھی راہ خدا میں صدقہ کرنا شروع کردے۔

وَعَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ بَيْنَا رَجُلٌ بِفَلَاةٍ مِنَ الْأَرْضِ فَسَمِعَ صَوْتًا فِي سَحَابَةٍ اسْقِ حَدِيقَةَ فُلَانٍ فَتَنَحَّى ذٰلِكَ السَّحَابُ فَأَفْرَغَ مَاءَهُ فِي حَرَّةٍ فَإِذَا شَرْجَةٌ مِنْ تِلْكَ الشِّرَاجِ قَدِ اسْتَوْعَبَتْ ذٰلِكَ الْمَاءَ كُلَّهُ فَتَتَبَّعَ الْمَاءَ فَإِذَا رَجُلٌ قَائِمٌ فِي حَدِيقَتِهِ يُحَوِّلُ الْمَاءَ بِمِسْحَاتِهِ فَقَالَ لَهُ يَا عَبْدَ اللّٰهِ مَا اسْمُكَ قَالَ فُلَانٌ الْاِسْمُ الَّذِي سَمِعَ فِي السَّحَابَةِ فَقَالَ لَهُ يَا عَبْدَ اللّٰهِ لِمَ تَسْأَلُنِي عَنِ اسْمِي فَقَالَ

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے کہ اس اثنا میں کہ ایک شخص جنگل لہ میں کھڑا تھا۔ کہ اس نے ابر میں آواز سنی کہ فلاں آدمی کے باغ کو سیراب کر۔ اس آواز پر وہ ابر ایک طرف کو ہوا اور اپنا پانی ایک پتھریلی زمین پر انڈیل دیا۔ پھر اچانک پانی کے راستوں میں سے ایک راستہ نے اس سارے پانی کو جمع کیا تو وہ شخص اس پانی کے پیچھے پیچھے چل پڑا (آگے جاکر) کیا دیکھتا ہے کہ ایک شخص اپنے باغ میں کھڑا ہے اور پانی کو اپنے بیلچے کے ساتھ ادھر اُدھر پھیر رہا ہے۔ پانی کے ساتھ ساتھ جانے والے شخص نے کہا اے اللہ کے بندے تیرا کیا نام ہے اس نے کہا میرا وہی نام ہے جو تو نے ابر کے اندر سنا پھر اس پانی کے ساتھ آنے والے شخص سے پوچھا اے اللہ کے بندے تو مجھ سے میرا نام کیوں دریافت کرتا ہے۔ تو اس شخص نے کہا میں نے اس بادل میں جس کا یہ پانی ہے، سنا کہ کہنے والا کہہ رہا ہے کہ فلاں آدمی تیرا نام لے کر) کے باغ کو سیراب

إِنِّىْ سَمِعْتُ صَوْتًا فِى السَّحَابِ الَّذِىْ هٰذَا مَاءُهٗ يَقُوْلُ اسْقِ حَدِيْقَةَ فُلَانٍ لِاسْمِكَ فَمَا تَصْنَعُ فِيْهَا قَالَ اَمَّا اِذَا قُلْتَ هٰذَا فَاِنِّىْ اَنْظُرُ اِلٰى مَا يَخْرُجُ مِنْهَا فَاَتَصَدَّقُ بِثُلُثِهٖ وَاٰكُلُ اَنَا وَعِيَالِىْ ثُلُثًا وَاَرُدُّ فِيْهَا ثُلُثَهٗ۔ رَوَاهُ مُسْلِمٌ

کر۔ تو اپنے باغ میں کیا کرتا ہے؟ اس آدمی نے کہا جب تو نے مجھ سے پوچھا ہی ہے تو (بات یہ ہے) کہ جو کچھ اس باغ سے برآمد ہوتا ہے میں اسے نگاہ رکھتا ہوں۔ پھر اس آمدن کا تیسرا حصہ فقراء میں صدقہ کرتا ہوں۔ ایک حصہ میں اور میرا عیال کھاتا ہے۔ اور ایک حصہ پھر اس باغ کی طرف لوٹاتا ہوں۔

مسلم شریف

۱ے یعنی ایک شخص صحرا اور کشادہ جنگل میں کھڑا ہے۔

۲ے حدیث میں لفظ حدیقہ آیا ہے یعنی سبزہ زار یا درخت اور کھجوریں وغیرہ

۳ے یہاں حدیث میں لفظ حَرَّۃ آیا ہے (حا مہملہ کی زبر اور شد کے ساتھ) اس حدیث میں دوسرا لفظ شَرْجَۃ آیا ہے۔ (شین کی زبر اور رو جیم ۔) یعنی پانی کا وہ راستہ جو پتھریلی زمین میں سے گزر کر نرم زمین میں پہنچتا ہو۔ اس کی جمع شراج وشروج آتی ہے

۴ے یعنی وہ شخص جس سے بادل میں آواز سنی تھی اس پانی کے پیچھے پیچھے چل پڑا یہ معلوم کرنے کے لیے کہ یہ پانی کدھر جاتا ہے اور یہ بات معلوم کرنے کے لیے کہ وہ آدمی جس باغ میں یہ پانی بھیجا گیا ہے، کون ہے اور کہاں ہے۔

۵ے یہاں حدیث میں لفظ مِسحاۃ آیا ہے (میم کی زیر سین ساکن اور حا مہملہ) یعنی لوہے کا بیلچہ۔

۶ے یعنی اس شخص نے جو باغ میں کھڑا تھا اس شخص سے کہا جس نے اس کا نام دریافت کیا تھا اور ابر میں اس کے نام کی آواز سنی تھی۔

۷ے جس کی وجہ سے تجھے یہ فضیلت حاصل ہوئی ہے کہ عالم غیب میں تیرا نام لیا جا رہا ہے اور بادلوں کو حکم دیا جا رہا ہے کہ جاؤ اور فلاں کے باغ کو پانی دو۔

۸ے یعنی از خود حقیقتِ حال ظاہر نہیں کرنا چاہتا اور نہ تجھے بتانا چاہتا ہوں مگر جب کہ تو نے پوچھ ہی لیا ہے تو میں اس حقیقت کو واضح کرتا ہوں۔

۹ے یعنی میں باغ کی آمدنی کے تین حصے کرتا ہوں ایک حصہ فقراء کو دیتا ہوں۔ دوسرا حصہ اپنے اور عیال کی ضروریات میں خرچ کرتا ہوں۔ اور تیسرا حصہ پھر اس باغ کی ضروریات میں صرف کرتا ہوں۔

وَعَنْهُ اَنَّهٗ سَمِعَ النَّبِىَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اِنَّ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ بیشک انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ آپ فرما رہے تھے

ثَلٰثَةً مِّنْ بَنِیْ اِسْرَآئِیْلَ اَبْرَصَ وَ اَقْرَعَ وَ اَعْمٰی فَاَرَادَ اللّٰهُ اَنْ يَّبْتَلِيَهُمْ فَبَعَثَ اِلَيْهِمْ مَلَكًا فَاَتَى الْاَبْرَصَ فَقَالَ اَیُّ شَیْءٍ اَحَبُّ اِلَيْكَ قَالَ لَوْنٌ حَسَنٌ وَّ جِلْدٌ حَسَنٌ وَّ يَذْهَبُ عَنِّیْ الَّذِیْ قَدْ قَذِرَنِیَ النَّاسُ قَالَ فَمَسَحَهٗ فَذَهَبَ عَنْهُ قَذَرُهٗ وَ اُعْطِیَ لَوْنًا حَسَنًا وَّ جِلْدًا حَسَنًا قَالَ فَاَیُّ الْمَالِ اَحَبُّ اِلَيْكَ قَالَ الْاِبِلُ اَوْ قَالَ الْبَقَرُ شَكَّ اِسْحٰقُ اِلَّا اَنَّ الْاَبْرَصَ اَوِ الْاَقْرَعَ قَالَ اَحَدُهُمَا الْاِبِلُ وَ قَالَ الْاٰخَرُ الْبَقَرُ قَالَ فَاُعْطِیَ نَاقَةً عُشَرَآءَ فَقَالَ بَارَكَ اللّٰهُ لَكَ فِيْهَا قَالَ فَاَتَى الْاَقْرَعَ فَقَالَ اَیُّ شَیْءٍ اَحَبُّ اِلَيْكَ قَالَ شَعْرٌ حَسَنٌ وَ يَذْهَبُ عَنِّیْ هٰذَا الَّذِیْ قَدْ قَذِرَنِیَ النَّاسُ قَالَ فَمَسَحَهٗ فَذَهَبَ عَنْهُ قَالَ وَ اُعْطِیَ شَعْرًا حَسَنًا قَالَ فَاَیُّ الْمَالِ اَحَبُّ اِلَيْكَ قَالَ الْبَقَرُ فَاُعْطِیَ بَقَرَةً حَامِلًا قَالَ بَارَكَ اللّٰهُ لَكَ فِيْهَا قَالَ فَاَتَى الْاَعْمٰی فَقَالَ اَیُّ شَیْءٍ اَحَبُّ اِلَيْكَ

کہ بیشک بنی اسرائیل میں تین شخص تھے۔ ایک کوڑھی۔ دوسرا گنجا اور تیسرا اندھا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی آزمائش کرنا چاہی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف ایک فرشتہ بھیجا وہ فرشتہ کوڑھی کے پاس آیا اور کہا تجھے کونسی چیز زیادہ پیاری لگتی ہے اس نے کہا اچھا رنگ اور خوبصورت چمڑا اور یہ کہ وہ چیز مجھ سے دور ہو جائے (کوڑھ) جس کے باعث لوگ مجھے پلید اور ناپسند خیال کرتے اور مجھ سے نفرت کرتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پھر فرشتے نے اس کے اعضاء پر اپنا ہاتھ پھیرا تو اس کے جسم پر سے پلیدی اور نفرت دلانے والی چیز (کوڑھ) دور ہو گئی اور اسے اچھا رنگ اور جسم کی خوبصورتی عطا کر دی گئی پھر اس فرشتے نے کہا تجھے کونسا مال زیادہ پسند ہے۔ اس نے جواب دیا اونٹ یا گائے یہ اسحاق کا شک ہے مگر کوڑھی یا گنجے میں سے ہی ایک نے کہا مجھے اونٹ اور دوسرے نے کہا مجھے گائیں پسند ہیں تو اونٹ مانگنے والے کو ایک دس ماہ کی حاملہ اونٹنی دیدی گئی اور کہا اللہ تعالیٰ اس میں برکت پیدا کرے پھر وہ فرشتہ گنجے کے پاس آیا اور کہا تجھے کونسی چیز زیادہ پسند پیاری ہے۔ اس نے کہا خوبصورت بال۔ اور یہ کہ مجھ سے وہ چیز (گنجے پن کی بیماری) دور ہو جائے جس کی وجہ سے لوگ مجھے نفرت کی نگاہ سے دیکھتے اور مکروہ جانتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو فرشتہ نے اس پر اپنا ہاتھ پھیرا تو اس سے گنج پن کی بیماری مکمل طور پر دور ہو گئی۔ فرمایا کہ اسے خوبصورت بال عطا کر دیئے گئے۔ فرشتے نے کہا تجھے کونسا مال زیادہ پسند ہے اس نے کہا گائے تو ایک حاملہ گائے دیدی گئی (ساتھ ہی) فرشتے نے دعا کی اللہ تعالیٰ تجھے برکت عطا کرے

قَالَ اَنْ يَّرُدَّ اللّٰهُ اِلَيَّ بَصَرِيْ
فَاُبْصِرُ بِهِ النَّاسَ قَالَ فَمَسَحَهٗ
فَرَدَّ اللّٰهُ اِلَيْهِ بَصَرَهٗ قَالَ
فَاَيُّ الْمَالِ اَحَبُّ اِلَيْكَ قَالَ
الْغَنَمُ فَاُعْطِيَ شَاةً وَّالِدًا فَاُنْتِجَ
هٰذَانِ وَ وَلَّدَ هٰذَا فَكَانَ
لِهٰذَا وَادٍ مِّنَ الْغَنَمِ قَالَ ثُمَّ
اِنَّهٗ اَتَى الْاَبْرَصَ فِيْ صُوْرَتِهٖ
وَ هَيْاَتِهٖ فَقَالَ رَجُلٌ مِّسْكِيْنٌ
قَدِ انْقَطَعَتْ بِيَ الْحِبَالُ فِيْ
سَفَرِيْ فَلَا بَلَاغَ لِيَ الْيَوْمَ اِلَّا
بِاللّٰهِ ثُمَّ بِكَ اَسْاَلُكَ بِالَّذِيْ
اَعْطَاكَ اللَّوْنَ الْحَسَنَ وَ الْجِلْدَ
الْحَسَنَ وَ الْمَالَ بَعِيْرًا اَتَبَلَّغُ
بِهٖ فِيْ سَفَرِيْ فَقَالَ الْحُقُوْقُ
كَثِيْرَةٌ فَقَالَ اِنَّهٗ كَاَنِّيْ اَعْرِفُكَ
اَلَمْ تَكُنْ اَبْرَصَ يَقْذَرُكَ النَّاسُ
فَقِيْرًا فَاَعْطَاكَ اللّٰهُ فَقَالَ اِنَّمَا
وَرِثْتُ هٰذَا الْمَالَ كَابِرًا عَنْ
كَابِرٍ فَقَالَ اِنْ كُنْتَ كَاذِبًا
فَصَيَّرَكَ اللّٰهُ اِلٰى مَا قَالَ وَ
اَتَى الْاَقْرَعَ فِيْ صُوْرَتِهٖ فَقَالَ
لَهٗ مِثْلَ مَا رَدَّ عَلٰى هٰذَا وَ
رَدَّ عَلَيْهِ مِثْلَ مَا رَدَّ عَلٰى
هٰذَا فَقَالَ اِنْ كُنْتَ كَاذِبًا

حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں پھر فرشتہ اندھے کے
پاس آیا اور کہا تجھے کونسی چیز زیادہ پسند ہے۔ اس نے کہا یہ
کہ اللہ تعالیٰ مجھے میری بینائی واپس کر دے کہ میں لوگوں کو دیکھ
سکوں۔ حضور نے فرمایا تو فرشتے نے اپنا ہاتھ اس پر پھیرا تو
اللہ تعالیٰ نے اس کی بینائی واپس کر دی۔ فرشتے نے کہا تجھے
کونسا مال زیادہ پسند ہے اس نے کہا بکریاں۔ تو اسے بچہ
جننے والی بکری دیدی گئی۔ اونٹ اور گائے والے دونوں
حضرات کے ہاں بچے پیدا ہوئے۔ اور بکری والے ہاں بکری
نے بچہ دیا۔ چنانچہ اونٹ والے کے پاس اونٹوں کی ایک وادی
بھر گئی۔ گائے والے کے لیے گایوں کی وادی بھر گئی اور
بکری والے لیے بکریوں کی وادی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے
فرمایا کہ پھر وہ فرشتہ کوڑھی کے پاس اپنی پہلی صورت و ہیئت
میں آیا اور کہا میں ایک مسکین و فقیر انسان ہوں۔ میرے سفر میں
معاش کے اسباب ختم ہو چکے ہیں اس لیے (اپنی منزل تک)
پہنچنے کی سوائے اللہ تعالیٰ کی توفیق و فضل کے کوئی صورت نہیں
پھر تیری امداد و اعانت کے ساتھ۔ لہٰذا میں اس ذات کے
نام سے تجھ سے سوال کرتا ہوں جس نے تجھے اچھا رنگ اچھی
کھال اور بہت سا مال عطا کیا۔ کہ مجھے ایک اونٹ دیدے
جس کے ذریعے میں اپنا سفر طے کر سکوں۔ اس نے جواب
دیا میرے ذمے اور بہت سے حقوق ہیں۔ فرشتے نے کہا
بیشک امر واقع یوں ہے کہ گویا میں تجھے جانتا ہوں۔ کیا تو
پہلے کوڑھی نہ تھا لوگ تجھے پلید جانتے اور تجھ سے نفرت
کرتے تھے تو فقیر اور محتاج تھا اللہ تعالیٰ نے تجھے صحت اور مال
عطا کیا۔ اس نے کہا میں تو اپنے مال کا اباؤ اجداد کی طرف
سے وارث بنتا چلا آرہا ہوں۔ فرشتے نے کہا تو جھوٹا اور

فَصَيَّرَكَ اللّٰهُ إِلٰى مَا كُنْتَ
قَالَ وَ أَتَى الْأَعْمٰى فِيْ صُوْرَتِهٖ
وَ هَيْأَتِهٖ فَقَالَ رَجُلٌ مِّسْكِيْنٌ
وَ ابْنُ سَبِيْلٍ انْقَطَعَتْ بِيَ
الْحِبَالُ فِيْ سَفَرِيْ فَلَا بَلَاغَ لِيَ
الْيَوْمَ إِلَّا بِاللّٰهِ ثُمَّ بِكَ أَسْأَلُكَ
بِالَّذِيْ رَدَّ عَلَيْكَ بَصَرَكَ شَاةً
أَتَبَلَّغُ بِهَا فِيْ سَفَرِيْ فَقَالَ قَدْ
كُنْتُ أَعْمٰى فَرَدَّ اللّٰهُ إِلَيَّ
بَصَرِيْ فَخُذْ مَا شِئْتَ وَدَعْ
مَا شِئْتَ فَوَاللّٰهِ لَا أَجْهَدُكَ
الْيَوْمَ بِشَيْءٍ أَخَذْتَهٗ لِلّٰهِ فَقَالَ
أَمْسِكْ مَالَكَ فَإِنَّمَا ابْتُلِيْتُمْ
فَقَدْ رَضِيَ عَنْكَ وَ سَخِطَ
عَلٰى صَاحِبَيْكَ۔
(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

کاذب ہے تو اللہ تعالیٰ تجھے پہلے کی طرح بنا دے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ (پھر) فرشتہ گنجے کے پاس آیا اپنی پہلی شکل وصورت میں۔ اور گنجے سے بھی اسی طرح کی بات کی جس طرح کی کوڑھی سے کی تھی۔ اور اسے بھی اسی طرح کا جواب دیا اور اس کی بات کو رد کیا جس طرح اس کوڑھی کو جواب دیا اور اس کی بات کا رد کیا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں پھر وہ فرشتہ اندھے کے پاس اپنی پہلی صورت وہیئت میں آیا اور کہا میں ایک مسکین اور مسافر شخص ہوں۔ سفر کے اندر میرے اسباب معیشت اور مصارف سفر ختم ہو چکے ہیں اپنی منزل پر نہیں پہنچ سکتا مگر اللہ کی توفیق ومدد سے پھر تیری مدد واعانت سے میں اس ذات کا واسطہ دے کر جس نے تیری بینائی تجھے واپس کی ایک بکری مانگتا ہوں جس کے ذریعے میں اپنا سفر طے کر سکوں۔ تو اس نابینا شخص نے بطور شکرانہ اظہار نعمت کرتے ہوئے کہا بیشک میں نابینا تھا اللہ تعالیٰ نے مجھے بینائی واپس کی تو جو لینا چاہتا ہے لے اور جو چھوڑنا چاہتا ہے چھوڑ جا اللہ کی قسم آج تو نے جو کچھ خدا کے لیے لیا ہے میں اس میں تجھے مشقت میں نہ ڈالوں گا (تجھے نہ روکوں گا) فرشتے نے کہا اپنا مال اپنے پاس روک رکھ کر بیشک تمہیں تو آزمائش میں ڈالا گیا تھا۔ بیشک اللہ تعالیٰ تجھ سے راضی ہو گیا ہے اور تیرے دونوں ساتھیوں سے ناراض ہے۔ (بخاری مسلم)

سلے کہ یہ لوگ میری نعمت کا شکر ادا کرتے ہیں یا نہیں۔

سلے یعنی یہ بیماری مجھ سے دور ہو جائے اور میں تندرست اور پاک وصاف ہو جاؤں یہاں حدیث میں لفظ یذہب ہے ہا کی زیر اور پیش سے۔ اور لفظ قَذِرَنِی ذال کی زیر باب سَمِعَ یَسْمَعُ سے ہے۔

سلے یعنی حضرت اسحاق راہویہ رحمۃ اللہ آپ حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ کے ہم عمر اور مجتہدین امت میں سے ہیں

سے یعنی شک یقین میں ہے پھر ایک کے اونٹ کہنے اور دوسرے کے گائے کا نام لینے میں اس امر کی وضاحت ہے کہ ان دو کے علاوہ انہیں کوئی اور چیز پسند نہ تھی اور چونکہ اصل میں اونٹ کی روایت زیادہ مضبوط ہے اس لیے آگے فرمایا ۔ فَاُعْطِیَ نَاقَۃً عُشَرَاءَ کہ اسے دس ماہ کی حاملہ اونٹنی دیدی گئی ۔

ھ لغت کی کتاب قاموس میں ہے عُشَراء عین کی پیش شین کی زبر آخر میں مد بمعنی وہ اونٹنی جسے حاملہ ہوئے آٹھ یا دس ماہ گذر چکے ہوں ۔ اس کا زیادہ تر اطلاق اونٹ اور گھوڑے پر ہوتا ہے ۔

ے کہ اللہ تعالیٰ تجھے اچھے نتائج و ثمرات سے بہرہ ور کرے ۔

ے یہاں گائے کے لیے لفظ حامل استعمال کیا حاملۃ نہ کہا کیونکہ یہ لفظ مونث کے لیے ہی آتا ہے اس لیے اس میں مذکر و مونث دونوں طرح جائز ہے ۔

ے یعنی ان دونوں کے اونٹ اور گائے نے بچے دیئے یہاں حدیث میں جو انتج آیا ہے اس کی تحقیق دوسرے مقام میں کردی گئی ہے ۔

ے یاد رہے کہ عربی میں لفظ انتاج و تولید کا ایک ہی معنیٰ ہے ۔ مگر انتاج کا زیادہ تر استعمال اونٹوں کے لیے ہوتا ہے اور تولید کا بکریوں میں ۔ پھر ناتج اور مُولد کا معنیٰ ہے جلنے والا ۔ یعنی بچہ جننے کے کام کو سنبھالنے والا جس طرح انسان کے لیے دایہ ۔ اور اس میں کیا شک ہے مالک اپنے حیوانات و مویشیوں کے بچہ جننے کے کام کی دیکھ بھال کرتا ہے

ے یعنی اس کی بکریاں بہت ہوگئیں جن سے وادیاں بھر گئیں ۔

ے اس فرشتے کا ایک مسکین اور خستہ حال مسافر کی صورت میں آنا صدقہ کرنے سے انکار و منع کی مذمت و برائی کو زیادہ واضح کرتا ہے ۔

ے یہاں حدیث میں لفظ حبال (با موحدہ کے ساتھ آیا ہے) حبل کی جمع ۔ بمعنیٰ رسی اس سے مراد اسباب و ذرائع معیشت ہیں ۔ ایک روایت میں حیال یعنی یا سے بھی آیا ہے ۔ یہ حیلہ کی جمع ہے بمعنی حیلے اور کوشش ۔ اور وہ روایت خطا اور تحریف ہے جو جیم اور بار سے ہے ۔ یعنی جبال ۔

ے یہ کلام سببیت و مجاز کے طور پر علیٰ سبیل التنزل ہے ۔ اور اس طرح کہنا جائز ہے کہ میں نے اپنی حاجت اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش کی ہے اس کے بعد تیرے سامنے البتہ اس طرح کہنا جائز نہیں کہ یہ حاجت میں خدا کے آگے اور تیرے آگے پیش کرتا ہوں ۔ جیسا کہ علماء نے کہا ہے ۔

ے یہ اس نے صاحب مال کے مہربان ہونے کے لیے کہا حقیقۃً خبر دینے کے لیے نہیں کیا کیونکہ اصل واقعہ تو اس طرح ہے کہ اس صاحب مال نے کہا کہ حقوق بہت ہیں جن کی ادائیگی میرے ذمہ ہے ۔

ے یعنی ایک جماعت کثیر کے حقوق میرے ذمہ ہیں ۔ تجھے دینے کی باری کہاں آسکتی ہے ۔

۱۶؎ یہاں حدیث میں لفظ سُحِطَ ماضی مجہول کی صورت میں بھی مروی ہے۔

وَعَنْ اُمِّ بُجَيْدٍ قَالَتْ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللهِ اِنَّ الْمِسْكِيْنَ لَيَقِفُ عَلٰى بَابِيْ حَتّٰى اَسْتَحْيِيْ فَلَا اَجِدُ فِيْ بَيْتِيْ مَا اَدْفَعُ فِيْ يَدِهٖ فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِدْفَعِيْ فِيْ يَدِهٖ وَلَوْ ظِلْفًا مُحْرَقًا. (رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ وَ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ.

حضرت ام بجید رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔ فرماتی ہیں میں نے عرض کیا یا رسول اللہ مسکین میرے دروازے پر اگر کھڑا ہوتا ہے یہاں تک کہ مجھے شرم آجاتی ہے۔ اور میرے گھر میں کوئی ایسی چیز نہیں ہوتی جو میں اس کے ہاتھ میں دے دیا کروں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کے ہاتھ میں کچھ نہ کچھ دیدیا کر اگرچہ گائے بکری کا جلا ہوا کھر ہی کیوں نہ ہو۔ احمد، ابو داؤد و ترمذی۔ اور کہا یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

۱؎ بجید (با کی پیش، جیم پر زبر) آپ کا نام حوا ہے۔ آپ صحابیہ انصاریہ ہیں۔ پورا نام اس طرح ہے۔ اُمِّ بُجَید بنت یزید بن اسکن آپ اسماء بنت یزید بن اسکن کی ہمشیرہ ہیں۔

۲؎ یہاں حدیث میں لفظ ظِلْف ظا کی زیر سے ہے بمعنی چرا ہوا کھر گائے یا بکری وغیرہ کا۔ مراد حقیر اور معمولی چیز ہے۔ جس کا کچھ نفع نہ ہو۔ مقصود مبالغہ ہے۔ کہ کچھ نہ کچھ دیا کر۔

وَعَنْ مَوْلًى لِعُثْمَانَ قَالَ اُهْدِيَ لِاُمِّ سَلَمَةَ بُضْعَةٌ مِنْ لَحْمٍ وَكَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُعْجِبُهُ اللَّحْمُ فَقَالَتْ لِلْخَادِمِ ضَعِيْهِ فِي الْبَيْتِ لَعَلَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَاْكُلُهٗ فَوَضَعَتْهُ فِيْ كُوَّةِ الْبَيْتِ وَجَاءَ سَائِلٌ فَقَامَ عَلَى الْبَابِ فَقَالَ تَصَدَّقُوْا بَارَكَ اللهُ فِيْكُمْ فَقَالُوْا بَارَكَ اللهُ فِيْكَ فَذَهَبَ السَّائِلُ فَدَخَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا اُمَّ سَلَمَةَ

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو گوشت کا ایک ٹکڑا ہدیۃً دیا گیا۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو گوشت پسند تھا۔ اس لیے مائی صاحبہ نے خادمہ سے فرمایا اسے گھر میں رکھ دے۔ شاید اسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم تناول فرمائیں۔ تو خادمہ نے گھر کے ایک طاق میں رکھ دیا (اسنے میں) مانگنے والا ایک سائل اور دروازے پر کھڑے ہو کہنے لگا صدقہ کرو اللہ تمہیں برکت دے گھر والوں نے کہا اللہ تعالیٰ تجھے برکت عطا کرے۔ وہ سائل چلا گیا (ادھر) نبی صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں داخل ہوئے اور اور فرمایا اے ام سلمہ تمہارے پاس میرے کھانے کے لیے کوئی چیز ہے؟ مائی صاحبہ نے عرض کی ہاں۔

عِنْدَكُمْ شَيْءٌ أَطْعَمُهُ قَالَتْ نَعَمْ قَالَتْ لِلْخَادِمِ اذْهَبِيْ فَأْتِيْ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِذٰلِكَ اللَّحْمِ فَذَهَبَتْ فَلَمْ تَجِدْ فِي الْكُوَّةِ إِلَّا قِطْعَةَ مَرْوَةٍ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَإِنَّ ذٰلِكَ اللَّحْمَ عَادَ مَرْوَةً لِمَا لَمْ تُعْطُوْهُ السَّائِلَ.

(رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِيْ دَلَائِلِ النُّبُوَّةِ)

اور خادمہ سے فرمایا جا اور وہ گوشت لے آ۔ خادمہ گئی مگر اس نے طاق میں ایک ٹکڑا پتھر کے سوا کچھ نہ پایا۔ (اس پر) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ وہ گوشت ہے جو پتھر بن گیا ہے۔ کیونکہ تم نے سائل کو نہ دیا۔

اسے بیہقی نے دلائل النبوۃ میں روایت کیا۔

۱؎ صراح میں ہے خادم یعنی نوکر مراد ہو یا عورت۔ یہاں عورت مراد ہے۔

۲؎ یہ دراصل خادم کو نہایت نرمی سے جواب دینے کا ایک انداز ہے جس طرح آج کل بارک اللہ کی جگہ یفتح اللہ کہتے ہیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ رزق کے دروازے کھول دے۔

۳؎ مَرْوَہ چمکنے والے سفید پتھر کو کہتے ہیں بعض نے کہا اس پتھر کو مروہ کہتے جس میں سے رگڑنے پر آگ نکلے۔ یعنی سنگ چقماق۔

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَلَا أُخْبِرُكُمْ بِشَرِّ النَّاسِ مَنْزِلًا قِيْلَ نَعَمْ قَالَ الَّذِيْ يُسْأَلُ بِاللّٰهِ وَلَا يُعْطِيْ بِهٖ.

(رَوَاهُ أَحْمَدُ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں تمہیں نہ بتاؤں وہ شخص کہ رتبہ کے اعتبار سے بہت برا ہے۔ کہا گیا ہاں (بتائیں) آپ نے فرمایا وہ شخص جس سے اللہ کے نام پر سوال کیا جائے۔ مگر وہ اس کے نام پر بھی کچھ نہ دے[۱]۔

۱؎ علامہ طیبی رحمۃ اللہ نے کہا یہ مشکل جملہ ہے۔ اس مشکل کا حل اس طرح ہو سکتا ہے۔ کہ صدقہ دینے والا شخص سائل کے بارے میں یہ گمان رکھتا ہو کہ یہ صدقہ لینے کا مستحق نہیں۔ اس بنا پر اسے نہ دے تو معذور ہے اس مشکل کے جواب میں، (شیخ عبدالحق) یہ جواب دیتا ہوں کہ جس سے سوال کیا گیا ہو وہ خود محتاج اور ضرورت مند ہو۔ یا صدقہ دینے والے کے پاس ہاتھ میں جو کچھ ہو اس کے سوا کچھ نہ ہو اس بنا پر سائل کو کچھ نہ دے تو بھی معذور ہے۔

وَعَنْ أَبِيْ ذَرٍّ أَنَّهُ اسْتَأْذَنَ

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بیشک انہوں نے

عَلٰی عُثْمَانَ فَاَذِنَ لَهٗ وَبِيَدِهٖ عَصَاهُ فَقَالَ عُثْمَانُ يَا كَعْبُ اِنَّ عَبْدَ الرَّحْمٰنِ تُوُفِّيَ وَتَرَكَ مَالًا فَمَا تَرٰى فِيْهِ فَقَالَ اِنْ كَانَ يَصِلُ فِيْهِ حَقَّ اللّٰهِ فَلَا بَاْسَ عَلَيْهِ فَرَفَعَ اَبُوْ ذَرٍّ عَصَاهُ فَضَرَبَ كَعْبًا وَّ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَا اُحِبُّ لَوْ اَنَّ لِيْ هٰذَا الْجَبَلَ ذَهَبًا اُنْفِقُهٗ وَ يُتَقَبَّلُ مِنِّيْ اَذَرُ خَلْفِيْ مِنْهُ سِتَّ اَوَاقِيَّ اَنْشُدُكَ بِاللّٰهِ يَا عُثْمَانُ اَسَمِعْتَهٗ ثَلٰثَ مَرَّاتٍ قَالَ نَعَمْ.

(رَوَاهُ اَحْمَدُ)

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ[1] کے پاس آنے کی اجازت چاہی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے انہیں اجازت دیدی[2]۔ اس وقت حضرت ابو ذر کے ہاتھ میں اپنا عصا مبارک تھا۔ پھر حضرت عثمان نے کہا اے کعب بیشک عبدالرحمٰن وصال کر گیا ہے۔ اور اپنے پیچھے مال[3] چھوڑ گیا ہے۔ تیرا اس مال کے بارے میں کیا خیال[4] ہے حضرت کعب نے کہا اگر وہ اس مال میں سے اللہ تعالیٰ کا حق ادا کرتا تھا تو پھر اس پر کوئی حرج (گناہ) نہیں۔ اس پر حضرت ابو ذر نے اپنا عصا اٹھایا اور کعب کو مارا۔ اور کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا ہے۔ میں اس بات کو پسند نہیں کرتا کہ میرے پاس اس پہاڑ کی مقدار سونا ہو میں اسے راہ خدا میں خرچ کروں اور وہ قبولیت کا مقام بھی پائے[5]۔ اور میں اس میں سے صرف چھ اوقیہ سونا اپنے پیچھے چھوڑ جاؤں اے عثمان میں تجھے اللہ کی قسم دیکر پوچھتا ہوں کیا تو نے بھی یہ بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہے۔ حضرت ابو ذر[6] نے یہ لفظ تین بار فرمایا حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہاں میں نے سنا ہے۔ (احمد)

[1] یعنی امیر المومنین حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہونے کی اجازت چاہی۔

[2] اس وقت حضرت کعب احبار رضی اللہ عنہ بھی وہاں موجود تھے۔

[3] یعنی بہت سا مال۔

[4] یعنی تیرا کیا خیال و عقیدہ ہے اس کے بارے میں کہ وہ جو بہت سا مال اپنے پیچھے چھوڑ گئے ہیں۔ اس کا وبال ان پر پڑے گا ؟

[5] اس میں مبالغہ ہے یعنی باوجودیکہ وہ خرچ کردہ مال درگاہ خداوندی میں درجہ قبولیت بھی حاصل کرے پھر بھی میں نہیں چاہتا کہ دنیا سے رخصت ہو جاؤں اور اپنے پیچھے چھ اوقیہ (دو سو چالیس درہم) بھی چھوڑ کر جاؤں (بلکہ چاہتا ہوں کہ سب اپنی زندگی میں ہی خرچ کر جاؤں۔

[6] حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ فقراء صحابہ اور ان کے زہاد میں سے ہیں آپ کا مذہب ترک کل، تجرید کو اختیار کرنا اور

کسی چیز کا ذخیرہ بنانا تھا۔ اس بارے میں مسئلہ شرعی یہ ہے کہ ہر چیز و مال جس کی زکوٰۃ ادا کر دی گئی ہو وہ قابل مذمت اندوختہ اور ذخیرہ و خزانہ نہیں ہے۔ نہ اس کے ذخیرہ بنانے پر کوئی زجر و ڈانٹ ہے۔ خصوصاً ایسے وقت میں جب کہ اس میں صدقات نافلہ کی صورت میں حقوق کی ادائیگی اور صلہ رحمی کرتا ہو۔ اس مسئلہ میں حضرت ابوذر کا حضرت معاویہ سے ملک شام میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں جھگڑا اور نزاع بڑا مشہور و معروف ہے۔

وَعَنْ عُقْبَةَ بْنِ الْحَارِثِ قَالَ صَلَّيْتُ وَرَاءَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْمَدِيْنَةِ الْعَصْرَ فَسَلَّمَ ثُمَّ قَامَ مُسْرِعًا فَتَخَطّٰى رِقَابَ النَّاسِ اِلٰى بَعْضِ حُجَرِ نِسَائِهٖ فَفَزِعَ النَّاسُ مِنْ سُرْعَتِهٖ فَخَرَجَ عَلَيْهِمْ فَرَاٰى اَنَّهُمْ قَدْ عَجِبُوْا مِنْ سُرْعَتِهٖ قَالَ ذَكَرْتُ شَيْئًا مِّنْ تِبْرٍ عِنْدَنَا فَكَرِهْتُ اَنْ يَّحْبِسَنِيْ فَاَمَرْتُ بِقِسْمَتِهٖ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

حضرت عقبہ[1] بن الحارث رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء میں مدینہ منورہ کے اندر نماز عصر ادا کی۔ تو آپ نے نماز سے سلام پھیرا اور بہت جلدی اٹھ کھڑے ہوئے اور لوگوں کی گردنیں پھلانگتے ہوئے اپنی بعض ازواج مطہرات کے حجرہ میں تشریف لے گئے۔ لوگ اس طرح جلدی تشریف لے جانے پر گھبرا گئے[2] پھر آپ گھر سے نکل کر لوگوں کے اندر تشریف لائے۔ اور آپ نے کہا کہ لوگ آپ کی اس جلدی کرنے سے تعجب میں ہیں۔ تو آپ نے فرمایا مجھے کچھ سونا[3] یاد آگیا ہے جو ہمارے پاس پڑا تھا تو میں نے ناپسند جانا کہ وہ مجھے روک[4] لے تو میں نے اس کے تقسیم کرنے کا حکم[5] دیا اسے بخاری نے روایت کیا۔ اور بخاری کی

وَفِيْ رِوَايَةٍ لَّهٗ قَالَ كُنْتُ خَلَّفْتُ فِي الْبَيْتِ تِبْرًا مِّنَ الصَّدَقَةِ فَكَرِهْتُ اَنْ اُبَيِّتَهٗ۔

ایک روایت میں اس طرح ہے کہ میں اپنے گھر میں صدقے کا کچھ سونا چھوڑ آیا تھا میں نے رات کے آنے تک اس کے اپنے پاس رہنے کو ناپسند جانا۔ (بخاری)

[1] آپ صحابی قرشی نوفلی ہیں فتح مکہ کے دن اسلام لائے

[2] کہ پتہ نہیں کیا واقعہ پیش آیا ہے کہ آپ اس قدر جلدی تشریف لے گئے ہیں۔

[3] حدیث میں لفظ تبر آیا ہے۔ تا کی زیر با ساکن۔ یعنی خالص سونا جس پر ابھی مہر نہ لگی ہو۔

[4] یعنی مقام قرب سے روک لے ماسوا اللہ کے ساتھ معروف و مشغول کر دے۔

[5] اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مقربین حق تعالیٰ کو ماسوا اللہ کی جانب التفات سے بھی مشغولیت ہو جاتی ہے۔ اور انہیں بلند مقام سے نیچے لے آتی ہے یا یہ سب کچھ امت کی تعلیم و تنبیہ کے لیے ہے۔

وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔ بیشک وہ فرماتی

لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عِنْدِیْ فِیْ مَرَضِهٖ سِتَّةُ دَنَانِيْرَ اَوْ سَبْعَةٌ فَاَمَرَنِیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ اُفَرِّقَهَا فَشَغَلَنِیْ وَجَعُ نَبِیِّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ سَاَلَنِیْ عَنْهَا مَا فَعَلَتِ السِّتَّةُ اَوِ السَّبْعَةُ قَالَتْ لَا وَاللّٰهِ لَقَدْ كَانَ شَغَلَنِیْ وَجَعُكَ فَدَعَا بِهَا ثُمَّ وَضَعَهَا فِیْ كَفِّهٖ فَقَالَ مَا ظَنُّ نَبِیِّ اللّٰهِ لَوْ لَقِیَ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ وَهٰذِهٖ عِنْدَهٗ۔
(رَوَاهُ اَحْمَدُ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیماری میں جو آپ میرے پاس کاٹ رہے تھے چھ یا سات دینار پڑے ہوئے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے حکم دیا کہ میں انہیں بانٹ دوں[1] تو نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیماری کی تکلیف نے مجھے ان کے بانٹنے سے معروف رکھا (میں تقسیم نہ کرسکی) پھر آپ نے سوال کیا تو نے ان چھ یا سات دیناروں کا کیا ہے؟[2] حضرت عائشہ نے عرض کیا میں انہیں تقسیم نہیں کرسکی۔ اللہ کی قسم آپ کی بیماری اور درد نے اس کے تقسیم کرنے سے مشغول رکھا آپ نے وہ دینار منگوائے پھر انہیں اپنے دست مبارک پر رکھا۔ تو فرمایا اللہ کے نبی کا گمان کیا ہے اگر وہ اللہ عزوجل سے ملاقات کرے اور یہ دینار اس کے پاس پڑے ہوں۔[3]
(احمد)

۱ـه حدیث میں لفظ اُفَرِّق آیا ہے جس کا معنی ہے جدا کرنا اور ہر جگہ دینا اور تقسیم کرنا۔
۲ـه یعنی تو نے انہیں مساکین میں بانٹ دیا ہے یا نہیں؟
۳ـه یعنی ان دیناروں کا ہاتھ میں ہونا مقام نبوت کے منافی ہے۔

وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَخَلَ عَلٰى بِلَالٍ وَّعِنْدَهٗ صُبْرَةٌ مِّنْ تَمْرٍ فَقَالَ مَا هٰذَا يَا بِلَالُ قَالَ شَیْءٌ اَدَّخَرْتُهٗ لِغَدٍ فَقَالَ اَمَا تَخْشٰى اَنْ تَرٰى لَهٗ غَدًا بُخَارًا فِیْ نَارِ جَهَنَّمَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَنْفِقْ بِلَالُ وَلَا تَخْشَ مِنْ ذِی الْعَرْشِ اِقْلَالًا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے بیشک رسول صلی اللہ علیہ وسلم حضرت بلال کے پاس تشریف لائے اس وقت ان کے پاس کھجوروں کا ڈھیر[1] پڑا ہوا تھا۔ آپ نے فرمایا اے بلال یہ کیا ہے عرض کیا ایک شے ہے جو کل کے لیے ذخیرہ کر رکھا[2] ہے۔ تو آپ نے فرمایا اس بات سے نہیں ڈرتا کہ تو کل قیامت کو دوزخ کی آگ میں دھواں دیکھے[3] اے بلال خرچ کر اور عرش والے (رب تعالیٰ) سے کم ہونے سے نہ ڈر[4]

لہ یعنی خشک کھوروں کا ڈھیر پڑا ہوا ہے۔
لہ یعنی میں نے کل کے لیے ان کا ذخیرہ کر رکھا ہے۔
لہ یعنی تجھے ان کا اثر پہنچے۔ چنانچہ کہتے ہیں فلاں کو اس کا دھواں پہنچا ہے۔ یعنی اس کا اثر پہنچا ہے۔
لہ یعنی اسے خرچ کر۔ اور تنگ دست ہونے سے نہ ڈر۔ کیونکہ وہ قادر ذات جس نے عرش عظیم کو پیدا کیا ہے۔ اور تیری روزی رساں ہے، تجھے ضرور روزی عطا فرمائے گی یہ دراصل مقام توکل اور خدا تعالیٰ سبحانہ پر اعتماد کرنے کی تلقین وارشاد ہے۔

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ السَّخَاءُ شَجَرَةٌ فِي الْجَنَّةِ فَمَنْ كَانَ سَخِيًّا اَخَذَ بِغُصْنٍ مِّنْهَا فَلَمْ يَتْرُكْهُ الْغُصْنُ حَتّٰى يُدْخِلَهُ الْجَنَّةَ وَالشُّحُّ شَجَرَةٌ فِي النَّارِ فَمَنْ كَانَ شَحِيْحًا اَخَذَ بِغُصْنٍ مِّنْهَا فَلَمْ يَتْرُكْهُ الْغُصْنُ حَتّٰى يُدْخِلَهُ النَّارَ۔ (رَوَاهُمَا الْبَيْهَقِيُّ فِي شُعَبِ الْاِيْمَانِ)

انہیں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سخاوت جنت میں ایک درخت ہے[1] جو شخص سخی ہوتا ہے وہ اس درخت کی شاخ پکڑ لیتا ہے۔ تو وہ شاخ اسے نہیں چھوڑتی یہاں تک کہ اسے جنت میں داخل کردیتی ہے۔ اور (اس کے برعکس) بخل وکنجوسی دوزخ میں ایک درخت ہے تو جو شخص بخیل ہوتا ہے وہ اس درخت کی شاخ کو پکڑتا ہے۔ وہ شاخ اسے نہیں چھوڑتی یہاں تک اسے دوزخ میں داخل کردیتی ہے۔ ان دونوں احادیث کو بیہقی نے شعب الایمان میں روایت کیا۔

لہ یعنی ایک درخت کی طرح ہے۔ جس کی شاخیں ہوں۔ سخی انسان ان میں سے کسی ایک کو مضبوطی سے پکڑ لیتا ہے تو وہ اسے بہشت سے آتی ہے جیسا کہ آگے فرمایا۔

وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَادِرُوْا بِالصَّدَقَةِ فَاِنَّ الْبَلَاءَ لَا يَتَخَطَّاهَا۔ (رَوَاهُ رَزِيْنٌ)

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا صدقہ جلدی کرو۔ کہ بلاؤ مصیبت صدقہ سے آگے نہیں بڑھ سکتی[1] اسے رزین نے روایت کیا۔

لہ کہ وہ بلا صدقہ سے آگے نہیں بڑھ سکتی بلکہ وہیں رک جاتی اور دفع ہوجاتی ہے۔

بَابُ فَضْلِ الصَّدَقَةِ

صدقہ کی فضیلت کا باب

یہاں بھی یہ احتمال موجود ہے کہ صدقہ سے صدقات نافلہ مراد لیے جائیں کہ صدقہ کا غالب واکثر اطلاق صدقات نافلہ پر بھی ہوتا ہے۔ اور یہ احتمال بھی ہو سکتا ہے کہ یہ فرض و نفل دونوں قسم کے صدقات کو شامل ہو۔ پھر صدقہ کو لفظ صدقہ سے اس لیے موسوم کیا گیا ہے کہ یہ صدقہ کرنے والے انسان کے دعوی ایمان کے سچا ہونے پر دلالت کرتا ہے جیسے لفظ زکوۃ کہ وہ زکوۃ ادا کرنے والے کو پاک کرتی ہے اور اس کے صحیح اور کامل الایمان ہونے کی گواہی دیتی ہے۔ اس بارے میں کچھ دوسری وجوہ بھی بیان ہو چکی ہیں۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ تَصَدَّقَ بِعَدْلِ تَمْرَةٍ مِّنْ كَسْبٍ طَيِّبٍ وَ لَا يَقْبَلُ اللّٰهُ اِلَّا الطَّيِّبَ فَاِنَّ اللّٰهَ يَتَقَبَّلُهَا بِيَمِيْنِهٖ ثُمَّ يُرَبِّيْهَا لِصَاحِبِهَا كَمَا يُرَبِّیْ اَحَدُكُمْ فَلُوَّهٗ حَتّٰى تَكُوْنَ مِثْلَ الْجَبَلِ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

پہلی فصل

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس بندے نے کسب حلال میں سے ایک کھجور کے برابر[1] چیز کی تعداد صدقہ کیا اور اللہ تعالیٰ حلال و پاک چیز کو ہی قبول کرتا ہے[2] تو اللہ تعالیٰ اپنے دائیں ہاتھ سے اسے قبول کرتا ہے پھر اس صدقہ کو بڑھاتا رہتا ہے جس طرح تم میں سے کوئی آدمی اپنے گھوڑے کے بچے کی پرورش کرتا ہے یہاں تک وہ پہاڑ جتنا ہو جاتا ہے۔

(بخاری مسلم)

[1] یہاں حدیث میں لفظ عدل آیا ہے۔ عین کی زبر سے ہو تو اس کا معنی ہے قیمت میں ایک چیز کا دوسری کی مثل ہونا۔ اور عین کی زیر سے ہو اس کا معنی ہے دیکھنے میں ایک شے کا دوسری کی مثل ہونا۔ بعض نے کہا عین کی زبر سے ہو تو معنی ہو گا کسی غیر جنس چیز کا دوسری سے برابر ہونا۔ اور اگر عین کی زیر سے ہو تو معنی ہے ہم جنس چیز کا برابر اور مثل ہونا۔ بہر صورت حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ جو بندہ کھجور کے برابر چیز کا صدقہ کرتا ہے۔ الی آخرہ

[2] جب کہ ایک دوسری حدیث میں فرمایا اِنَّ اللّٰهَ طَيِّبٌ لَا يَقْبَلُ اِلَّا الطَّيِّبَ۔ اللہ تعالیٰ طیب ہے وطیب

چیز کو ہی قبول کرتا ہے۔

سکہ حدیث میں واقع لفظ فلو بروزن عدو وسمو یعنی فا کی زیر سے بمعنی گھوڑے کا بچہ جب کہ اسے دودھ چھڑا دیا جائے یہاں تک کہ وہ ایک سال کا ہو جائے۔

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا نَقَصَتْ صَدَقَةٌ مِّنْ مَّالٍ وَمَا زَادَ اللّٰهُ عَبْدًا بِعَفْوٍ اِلَّا عِزًّا وَمَا تَوَاضَعَ اَحَدٌ لِلّٰهِ اِلَّا رَفَعَهُ اللّٰهُ۔
(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا صدقہ دینے سے مال کم نہیں ہوتا[1] اور معاف کر دینے سے بندے کی عزت میں ہی اضافہ ہوتا ہے[2]۔ اور کوئی شخص اللہ تعالیٰ کے لیے تواضع وانکساری اختیار نہیں کرتا مگر اللہ تعالیٰ[3] بلندی عطا کرتا ہے۔
(مسلم شریف)

سلہ یعنی صدقہ کرنے سے بظاہر مال کم ہوتا ہے مگر حقیقۃً اس میں کمال واضافہ ہوتا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ اس میں برکت ڈالتا، آفات ومصائب دور کرتا اور اجر وثواب عطا کرتا ہے۔

سکہ یعنی جس بندہ خدا نے کسی کے جرم وبرائی کو معاف کیا جو وہ اس کے لیے سوچ رہا تھا تو اللہ تعالیٰ دنیا وآخرت میں اس کی عزت دوبالا کرتا ہے۔ یعنی عفو اور ترک انتقام اگرچہ بظاہر خواری اور بدحالی ہے مگر حقیقت میں عزت وغلبہ کا موجب وذریعہ ہے ایک بزرگ نے فرمایا کہ معاف کر دینے کے برابر کوئی انتقام نہیں۔

سکہ اس حدیث میں اس کی دلیل ہے کہ اعتبار حقیقت کا ہے ظاہر کا نہیں۔ اور معتبر معنیٰ ہے صورت نہیں۔

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اَنْفَقَ زَوْجَيْنِ مِنْ شَيْءٍ مِّنَ الْاَشْيَاءِ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ دُعِيَ مِنْ اَبْوَابِ الْجَنَّةِ وَلِلْجَنَّةِ اَبْوَابٌ فَمَنْ كَانَ مِنْ اَهْلِ الصَّلٰوةِ دُعِيَ مِنْ اَبْوَابِ الصَّلٰوةِ وَمَنْ كَانَ مِنْ اَهْلِ الْجِهَادِ دُعِيَ مِنْ بَابِ الْجِهَادِ وَمَنْ كَانَ مِنْ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے چیزوں میں سے[1] دو چیزیں اللہ کی راہ میں خرچ کیں اسے جنت کے دروازوں سے بلایا جائے گا اور بہشت کے بہت سے دروازے ہیں۔ تو جو شخص[2] نمازیوں میں سے ہوگا اسے نماز کے دروازے سے بلایا جائے گا۔ اور جو اہل جہاد سے ہوگا اسے باب جہاد سے بلایا جائے گا اور جو اہل صدقہ میں سے ہوگا اسے صدقہ کے دروازے سے بلایا جائے گا۔ اور جو روزہ داروں میں سے ہوگا

اَهْلِ الصَّدَقَةِ دُعِيَ مِنْ بَابِ الصَّدَقَةِ وَ مَنْ كَانَ مِنْ اَهْلِ الصِّيَامِ دُعِيَ مِنْ بَابِ الرَّيَّانِ فَقَالَ اَبُوْ بَكْرٍ مَا عَلٰى مَنْ دُعِيَ مِنْ تِلْكَ الْاَبْوَابِ مِنْ ضَرُوْرَةٍ فَهَلْ يُدْعٰى اَحَدٌ مِّنْ تِلْكَ الْاَبْوَابِ كُلِّهَا قَالَ نَعَمْ وَ اَرْجُوْا اَنْ تَكُوْنَ مِنْهُمْ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

اسے باب الریان[۴] سے بلایا جائے گا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا جسے ان دروازوں سے بلایا جائے اسے کوئی ضرورت وحاجت نہیں[۵]۔ کوئی ایسا شخص بھی ہوگا جسے ان تمام دروازوں سے بلایا جائے گا آپ فرمایا ہاں۔ اور مجھے امید ہے کہ تو ان میں سے ہے۔

(بخاری مسلم)

۱؎ جیسے دو درہم، یا دو دینار یا دو کپڑے۔ اور دو گھوڑے۔ بعض نے کہا دو چیزوں سے دو جنسوں کی چیزیں مراد ہیں جیسے ایک درہم ایک دینار یا ایک درہم اور ایک کپڑا۔ اور حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں جو تیسری فصل میں آرہی ہے معنیٰ اول صراحۃً مذکور ہے۔ بعض نے کہا دو چیزوں سے تکرار صدقہ مراد ہے۔ کیونکہ جب اس نے ایک بار ایک درہم خرچ کیا پھر دوبارہ خرچ کیا تو اس نے دو چیزیں خرچ کر دیں۔ مگر یہ معنیٰ قدرے بعید ہے۔

۲؎ اعمال خیر کے مطابق جنت کے دروازے بھی بہت ہیں

۳؎ یعنی جس میں نماز کا عمل غالب واکثر ہوگا۔ اسے اس دروازے سے بلایا جائے گا جو اہل نماز کے لیے خاص ہے۔

۴؎ ریان را کی زیر یا کی تشدید۔ یہ لفظ ری را کی زیر سے مشتق ہے۔ جس کا معنیٰ ہے سیرابی۔ یہ بہشت کے دروازوں میں سے ایک دروازہ ہے جو روزہ داروں کے اندر آنے کے لیے مخصوص ہے۔

۵؎ یعنی کوئی ضرورت نہیں کہ کسی کو تمام دروازوں سے بلایا جائے۔ کیونکہ اگر ایک دروازے سے بھی بہشت کے اندر آگیا تو اس کی مراد حاصل ہو گئی۔ لیکن اس کے باوجود کہ تمام دروازوں سے کسی کو بلانے کی ضرورت نہیں کوئی ایسا بھی ہوگا جسے تمام دروازوں سے بلایا جائے گا۔

۶؎ کہ تو انواع خیرات وبرکات وحسنات کا جامع ہے (سبحان اللہ)

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ مَنْ اَصْبَحَ مِنْكُمُ الْيَوْمَ صَائِمًا قَالَ اَبُوْ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے آج کس نے روزہ کی حالت میں صبح کی ہے۔ حضرت ابوبکر نے عرض کیا

بَكْرٍ اَنَا قَالَ فَمَنْ تَبِعَ مِنْكُمُ الْيَوْمَ جَنَازَةً قَالَ اَبُوْ بَكْرٍ اَنَا قَالَ فَمَنْ اَطْعَمَ مِنْكُمُ الْيَوْمَ مِسْكِيْنًا قَالَ اَبُوْ بَكْرٍ اَنَا قَالَ فَمَنْ عَادَ مِنْكُمُ الْيَوْمَ مَرِيْضًا قَالَ اَبُوْ بَكْرٍ اَنَا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا اجْتَمَعْنَ فِىْ امْرِءٍ اِلَّا دَخَلَ الْجَنَّةَ۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

ہیں ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے آج کون جنازے کے ساتھ چلا ہے ۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا میں ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے آج کس نے بیمار پرسی کی ہے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا میں نے اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں جمع ہوتیں یہ تمام بھلائیاں کسی میں مگر وہ جنت میں داخل ہو گا [۱]

(مسلم شریف)

[۱] اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے ۔ کہ کلمہ میں کہنا اور بقصد طلب و امید ثواب اور اپنے لیے فضیلت ثابت کرنا منع نہیں ہے ۔ اور وہ جو بعض صوفیہ کرام نے کلمہ انا (میں) زبان پر لانے سے روکا ہے تو وہ اس قید کے ساتھ مقید ہے کہ بارادہ تکبر و دعویٰ ہستی و انانیت کہے ورنہ کلمہ انا (میں) کا صدور و قوع کتاب و سنت اور آثار میں اس کثرت سے آچکا ہے کہ اس کا شمار کرنا مشکل ہے ۔ لہٰذا مطلقاً اس سے ممانعت کس طرح ہو سکتی ہے ۔ یہاں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا قول مبارک اَنَا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اسے ثابت و قائم رکھنا اس کے جواز کے لیے کافی اور بس ہے ۔ حضرت شیخ تورپشتی رحمۃ اللہ نے یہاں مبسوط کلام کیا ہے جسے علامہ طیبی رحمۃ اللہ نے نقل کیا ہے ۔

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا نِسَاءَ الْمُسْلِمَاتِ لَا تَحْقِرَنَّ جَارَةٌ لِجَارَتِهَا وَلَوْ فِرْسِنَ شَاةٍ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ نے فرمایا اے مسلمان عورتو تم میں سے کوئی پڑوسن اپنی پڑوسن کو حقیر نہ جانے ۔ اگرچہ بکری کا پایہ ہی کیوں نہ ہو [۲]

(بخاری مسلم)

[۱] یعنی مسلمان عورتوں کو چاہیے کہ ہدیہ و صدقہ کرنے میں اپنی ہمسایہ عورت کو حقیر اور چھوٹی خیال نہ کریں ۔ بلکہ ہدیہ و صدقہ وغیرہ کے ذریعہ ان کی ہمدردی اور خاطر و مدارات کیا کریں ۔

[۲] یہاں حدیث میں لفظ فرسن (فا کی زیر را ساکن سین کی زیر آخر میں نون ۔ بروزن زبرج) آیا ہے ۔ اس کا معنی ہے

اونٹ کا پاؤں - کبھی بکری کے پاؤں پر بھی اس کا اطلاق کر دیتے ہیں - بکری کے پائے کے لیے اکثر عربی میں لفظ ظلف آتا ہے۔ جیسے گھوڑے اور گدھے کے پاؤں کے لیے حافر آتا ہے - یہ اتنی معمولی چیز ہے کہ عموماً اس سے فائدہ نہیں اٹھایا جاتا نہ اس میں ہدیہ اور صدقہ دینے کا رواج ہے - لہٰذا یہاں اس کا ذکر مبالغہ کے طور پر ہے - یعنی اپنی پڑوسن کو کچھ نہ کچھ ضرور دیا کرے -
ایک دوسری حدیث میں وَلَوْبِظِلْفٍ مُحَرَّقٍ آیا ہے یعنی اگرچہ بکری کا جلا ہوا پایا ہی کیوں نہ ہو - یہ نہی اس امر کا احتمال رکھتی ہے کہ ایک عورت کو چاہیے کہ کم از کم اپنی ہمسائی کو اتنی مقدار کی چیز تو ہدیۃً دے دیا کرے - یا یہ اس عورت کے لیے ہو جسے اس کی ہمسایہ عورت نے معمولی سی چیز ہدیۃً دی ہو تو فرمایا کہ عورتوں کو نہ چاہیے کہ وہ اپنی ہمسایہ عورت کو اتنا حقیر و معمولی خیال کریں پھر یہاں مردوں کے بجائے عورتوں کی تخصیص اس لیے کی کہ عورتوں کے مزاج میں ناشکری اور غصہ زیادہ پایا جاتا ہے - دوسرا معنٰی یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اگر ایک ہمسایہ عورت نے اتنی سی چیز ہدیۃً بھیجی ہو تو لینے والی کو چاہیے کہ اسے حقیر و معمولی شے خیال نہ کرے -

وَ عَنْ جَابِرٍ وَّ حُذَيْفَةَ قَالَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُلُّ مَعْرُوْفٍ صَدَقَةٌ

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت جابر و حذیفہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے - فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر نیک کام صدقہ ہے[1] -

(بخاری مسلم)

[1] یعنی ہر کار خیر جس سے درگاہ خداوندی میں تقرب مقصود ہو، اور وہ نگاہ شرع میں معروف اور اچھی چیز ہو منکر اور بری نہ ہو چاہیے وہ عطا' مال ہو یا نرم بات یا خندہ پیشانی سے ملنا جس سے دل کو آرام پہنچے اور دل خوش و شاد ہو کہ یہ سب صدقہ ہے اور صدقہ کا لفظ مال کے ساتھ خاص نہیں ہے

وَ عَنْ اَبِيْ ذَرٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَحْقِرَنَّ مِنَ الْمَعْرُوْفِ شَيْئًا وَّ لَوْ اَنْ تَلْقٰى اَخَاكَ بِوَجْهٍ طَلِيْقٍ.

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کسی بھی نیک کام کو معمولی و حقیر خیال نہ کرنا[1] اگرچہ تو اپنے مسلمان کو خندہ پیشانی سے ہی ملے (کہ یہ بھی صدقہ اور کار خیر ہے)۔

(مسلم شریف)

[1] یہاں حدیث میں لفظ لاتحقرن آیا ہے (تا کی زبر اور تا ساکن) .

وَ عَنْ اَبِيْ مُوْسَى الْاَشْعَرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ

حضرت ابو موسٰی الاشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ صَدَقَةٌ قَالُوْا فَاِنْ لَّمْ يَجِدْ قَالَ فَلْيَعْمَلْ بِيَدَيْهِ فَيَنْفَعُ نَفْسَهٗ وَ يَتَصَدَّقُ قَالُوْا فَاِنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ اَوْ لَمْ يَفْعَلْ قَالَ فَيُعِيْنُ ذَا الْحَاجَةِ الْمَلْهُوْفَ قَالُوْا فَاِنْ لَّمْ يَفْعَلْهُ قَالَ فَيَاْمُرُ بِالْخَيْرِ قَالُوْا فَاِنْ لَّمْ يَفْعَلْ قَالَ فَيُمْسِكُ عَنِ الشَّرِّ فَاِنَّهٗ لَهٗ صَدَقَةٌ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

ہر مسلمان پر صدقہ لازم ہے ۔ لوگوں نے کہا اگر اس کے پاس کچھ نہ ہو ۔ فرمایا وہ اپنے ہاتھ سے کام کرے اس سے اپنے آپ کو نفع دے اور صدقہ کرے[1] ۔ لوگوں نے کہا اگر وہ اس کی طاقت نہ رکھتا ہو[2] یا وہ اس طرح نہ کرے ۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ غمناک حاجتمند کی مدد کرے لوگوں نے کہا اگر وہ یہ کام نہ کرے[3] ۔ فرمایا پھر نیک کام کا ہی حکم دے ۔ لوگوں نے کہا اگر وہ یہ بھی نہ کرے ۔ فرمایا تو برائی اور شر پھیلانے سے رکا رہے ۔ کہ اس کے لیے وہی صدقہ ہے[4]

(بخاری مسلم)

[1] ضرورت سے زائد مال کا صدقہ کرے ۔
[2] یہ راوی کا شک ہے معنیٰ اس کا بھی وہی ہے کہ اگر نہ کر سکے ۔
[3] یہاں بعض نسخوں میں فَاِنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ آیا ہے ۔ یعنی اگر ایسا کرنے کی طاقت نہ رکھتا ہو ۔
[4] خصوصاً جب کہ برائی اور شر پھیلانے کی قدرت وطاقت رکھتا ہو ۔

وَ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ رضی قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُلُّ سُلَامٰى مِنَ النَّاسِ عَلَيْهِ صَدَقَةٌ كُلَّ يَوْمٍ تَطْلُعُ فِيْهِ الشَّمْسُ يَعْدِلُ بَيْنَ الْاِثْنَيْنِ صَدَقَةٌ وَّ يُعِيْنُ الرَّجُلَ عَلٰى دَابَّتِهٖ فَيَحْمِلُ عَلَيْهَا اَوْ يَرْفَعُ عَلَيْهَا مَتَاعَهٗ صَدَقَةٌ وَ الْكَلِمَةُ الطَّيِّبَةُ صَدَقَةٌ وَ كُلُّ خَطْوَةٍ يَّخْطُوْهَا

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لوگوں پر ان کے ہر جوڑ کے بدلے صدقہ لازم ہے ۔ ہر دن جس میں سورج طلوع کرتا ہے ۔ دو انسانوں کے درمیان عدل وانصاف کرنا صدقہ ہے[1][2] (اسی طرح) سواری پر بٹھانے میں دوسرے کی مدد کرنا یا اس کے سامان کو اس کی سواری پر رکھوانا بھی صدقہ ہے اور پاک و نیک کلمہ[3] صدقہ ہے اور ہر قدم جو وہ اٹھا کر مسجد کو جاتا ہے ، صدقہ ہے ۔ نیز راستے میں تکلیف دہ چیز

اِلَى الصَّلٰوۃِ صَدَقَۃٌ وَّ یُمِیْطُ الْاَذٰی عَنِ الطَّرِیْقِ صَدَقَۃٌ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)

کو دور کرنا صدقہ ہے۔ (بخاری مسلم)

۱؎ یہاں حدیث میں لفظ سُلَامٰی آیا ہے (سین کی پیش لام ساکن) بمعنی عضو وہڈی۔ اور اس کا معنٰی جوڑ بھی کیا گیا ہے۔ آخری معنٰی زیادہ پسندیدہ ہے۔ انسان کے بدن میں تین سو ساٹھ جوڑ ہیں جس طرح کہ دوسری حدیث میں آرہا ہے۔ اور جب کہ ان جوڑوں کی پیدائش میں کامل حکمتیں اور عظیم نعمتیں مضمر ہیں تو ان کا شکرانہ بھی بندے کے ذمہ لازم ہے۔

۲؎ ان الفاظ سے اس امر کو واضح فرمایا کہ لفظ صدقہ مال خرچ کرنے سے خاص نہیں ہے۔

۳؎ یعنی مظلوم کو ظلم سے بچانا اور ظالم کو ظلم سے روکنا بھی صدقہ ہے۔

۴؎ یا نرمی اور حلیمی سے گفتگو کرنا بھی صدقہ ہے۔

۵؎ یہاں حدیث میں لفظ خُطوہ آیا ہے اگر خا پر زیر ہو تو اس کا معنٰی قدم ہے اور زبر ہو تو اس کا معنٰی ہے ایک بار قدم اٹھانا۔

۶؎ جیسے کانٹا۔ پتھر اور نجاست وغیرہ کو راستے سے دور کرنا۔

وَعَنْ عَائِشَۃَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ خُلِقَ کُلُّ اِنْسَانٍ مِّنْ بَنِیْ اٰدَمَ عَلٰی سِتِّیْنَ وَ ثَلٰثِمِائَۃِ مَفْصِلٍ فَمَنْ کَبَّرَ اللّٰہَ وَ حَمِدَ اللّٰہَ وَ ھَلَّلَ اللّٰہَ وَ سَبَّحَ اللّٰہَ وَ اسْتَغْفَرَ اللّٰہَ وَ عَزَلَ حَجَرًا عَنْ طَرِیْقِ النَّاسِ اَوْ شَوْکَۃً اَوْ عَظْمًا اَوْ اَمَرَ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ نَھٰی عَنِ الْمُنْکَرِ عَدَدَ تِلْکَ السِّتِّیْنَ وَ الثَّلٰثِ مِائَۃِ فَاِنَّہٗ یَمْشِیْ یَوْمَئِذٍ وَّ قَدْ زَحْزَحَ نَفْسَہٗ عَنِ النَّارِ (رَوَاہُ مُسْلِمٌ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آدم کا بیٹا ہر انسان تین سو ساٹھ جوڑوں پر پیدا کیا گیا ہے تو جس نے اللہ اکبر کہا اور الحمد للہ کہا۔ کلمہ لا الہ الا اللہ کہا اور سبحان اللہ اور استغفر اللہ[۱] یا اللھم اغفرلی کہا لوگوں کے راستے سے پتھر دور کیا۔ یا کانٹا یا ہڈی دور کی۔ اور نیکی کا حکم دیا برائی سے روکا یہ کام اس نے تین سو ساٹھ مرتبہ کیے[۲] تو بیشک وہ زمین پر اس حال میں چلتا ہے[۳] کہ اس دن اس[۴] نے اپنے آپ کو دوزخ کی آگ سے دور کر لیا ہوتا ہے۔ (مسلم شریف)

سلہ یا اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی معافی مانگی۔

سلہ یعنی اس نے یہ کلمات کہے یا یہ افعال سرانجام دیئے سب کے سب یا ان میں سے بعض کیے تین سو ساٹھ جوڑوں کی مقدار کے مطابق خصوصاً امر معروف اور نہی منکر کہ باقی تمام افعال و اقوال ایک طرف اور یہ دو کام ایک طرف کہ ان کا اجر و ثواب بہت زیادہ ہے۔

سلہ یہاں ایک روایت یمشی کے بجائے یُمسی آیا ہے یا کی پیش میم ساکن اور سین مہملہ۔ یعنی وہ بندہ اس حال میں شام کرتا ہے کہ اس دن الی آخرہ۔

سلہ پھر "اس دن" میں اس جانب اشارہ ہے کہ روزانہ اُسے یہ کام انجام دینے چاہییں تاکہ بدن کے جوڑوں کی نعمت کا شکرانہ قرار پائیں۔

وَ عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ بِکُلِّ تَسْبِیْحَۃٍ صَدَقَۃٌ وَ کُلِّ تَہْلِیْلَۃٍ صَدَقَۃٌ وَ اَمْرٌ بِالْمَعْرُوْفِ صَدَقَۃٌ وَ نَھْیٌ عَنِ الْمُنْکَرِ صَدَقَۃٌ وَ فِیْ بُضْعِ اَحَدِکُمْ صَدَقَۃٌ قَالُوْا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اَیَاْتِیْ اَحَدُنَا شَھْوَتَہٗ وَ یَکُوْنُ لَہٗ فِیْھَا اَجْرٌ قَالَ اَرَءَیْتُمْ لَوْ وَضَعَھَا فِیْ حَرَامٍ اَکَانَ عَلَیْہِ فِیْہِ وِزْرٌ فَکَذٰلِکَ اِذَا وَضَعَھَا فِی الْحَلَالِ کَانَ لَہٗ اَجْرٌ۔

(رَوَاہُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر تسبیح پر صدقہ کا ثواب ہے۔ اور ہر تکبیر پر صدقہ ہے یعنی اس کا ثواب ہے ہر الحمد للہ پر صدقہ ہے۔ اور ہر لا الٰہ الا اللہ کہنے پر ثواب صدقہ ہے۔ اور ہر امر معروف پر صدقہ کا ثواب ہے ہر نہی منکر پر بھی صدقہ کا ثواب ملتا ہے۔ اور تمہاری ہر شرمگاہ پر صدقہ کا ثواب ہے۔ صحابہ نے عرض کی یا رسول اللہ۔ ہم میں سے ایک شخص جب اپنی شہوت پوری کرتا ہے تو اسے اس پر بھی اجر و ثواب ملتا ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بھلا یہ تو بتلاؤ کہ اگر وہ اپنی شہوت حرام جگہ رکھے تو کیا اس کے ذمہ گناہ لازم آئے گا۔ یعنی بیشک گناہ لازم آئے گا۔ تو اسی طرح جب وہ اپنی شہوت حلال جگہ رکھے اور استعمال کرے[۳] تو وہ اس کے لیے اجر و ثواب کا باعث ہے۔ (مسلم شریف)

سلہ یعنی مجامعت جو وہ اپنی بیوی یا لونڈی سے کرتا ہے۔ تو یہ صدقہ ہے یعنی صدقہ کا ثواب ملتا ہے۔ اور چونکہ اپنی بیوی یا لونڈی سے جامعت پر ثواب حاصل ہونا ایک بعید سی بات ہے اس لیے صحابہ کرام نے استفسار کرتے ہوئے عرض کیا۔ قالو یا رسول اللہ ایاتی احدنا الی آخرۃ۔

سلہ یعنی اگرچہ مجامعت فی نفسہٖ صدقہ و عبادت نہیں ہے لیکن جب کہ اس کے ضمن میں بیوی کے حق کی ادائیگی اور اپنے نفس کو

کو حرام سے بچاتا ہے کہ نفس کو گناہ سے بچانا اجر و ثواب کا موجب ہے۔ اسی لیے یہاں فی لایا گیا اور کہا گیا فی بضع احدکم صدقہ مگر تسبیح و تحمید وغیرہ میں لفظ فی نہیں آیا کیونکہ یہ عین عبادت ہے۔

وَ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رض قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ نِعْمَ الصَّدَقَةُ اللِّقْحَةُ الصَّفِیُّ مِنْحَةً وَ الشَّاةُ الصَّفِیُّ مِنْحَةً تَغْدُوْا بِاِنَاءٍ وَ تَرُوْحُ بِاٰخَرَ۔ مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بہترین صدقہ بہت دودھ[۱] دینے والی اونٹنی کا عطیہ ہے[۲]۔ نیز بہت دودھ دینے والی بکری بھی اچھا عطیہ ہے جو صبح بھی دودھ کا ایک برتن بھرے اور شام کو بھی ایک برتن بھرے[۳]۔ (بخاری مسلم)

[۱] یہاں حدیث کے عربی الفاظ میں چند الفاظ قابل وضاحت ہیں۔ چنانچہ لِقْحہ (لام کی زیر و زبر) دودھ دینے والی اونٹنی کو کہتے ہیں۔ اسے لَقوح (بفتح لام) بھی کہتے ہیں۔ پھر وہ اونٹنی جسے بچہ دیتے ہوئے دو تین ماہ گزرے ہوں اسے لقوح۔ اس کے بعد لبون کہتے ہیں دوسرا لفظ صفی ہے۔ بروزن غنی۔ یعنی بہت دودھ دینے والی اونٹنی۔ تیسرا لفظ مِنْحَہ[۲] ہے (میم کی زیر نون ساکن) اصل میں عطیہ کے معنی میں آتا ہے۔ پھر اس کا غالب و اکثر استعمال اس اونٹنی اور بکری کے لیے آتا ہے۔ جو کسی محتاج کو دودھ کا نفع حاصل کرنے کے لیے عاریۃً دی جائے اور وہ اپنی ضرورت پوری کرنے کے بعد مالک کو واپس کر دے۔ یہ عادت مالدار عربوں میں متعارف و مشہور تھی حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس کی مدح و ثنا فرمائی۔

[۳] یعنی وقت بے وقت خوب دودھ دیتی ہو اور بکری والے اس سے خوب نفع اٹھاتے ہوں۔

وَ عَنْ اَنَسٍ رض قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ مُّسْلِمٍ یَغْرِسُ غَرْسًا اَوْ یَزْرَعُ زَرْعًا فَیَاْکُلُ مِنْهُ اِنْسَانٌ اَوْ طَیْرٌ اَوْ بَهِیْمَةٌ اِلَّا کَانَتْ لَهٗ صَدَقَةٌ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ)

وَ فِیْ رِوَایَةٍ لِمُسْلِمٍ عَنْ جَابِرٍ وَ مَا سُرِقَ مِنْهُ لَهٗ صَدَقَةٌ۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں کوئی مسلمان جو درخت لگاتا ہے یا کھیتی کاشت کرتا ہے پھر اس سے کوئی انسان یا پرندہ یا حیوان کھاتا ہے مگر وہ اس کے لیے صدقہ[۱] ہوتا ہے۔ بخاری مسلم۔ اور مسلم کی ایک روایت میں جو حضرت جابر سے مروی ہے یہ لفظ بھی آیا ہے کہ جو اس میں سے چوری کر لیا جاتا ہے۔ وہ بھی صدقہ ہے۔

(بخاری مسلم)

سلہ حدیث میں واقع لفظ صدقہ" پیش اور زیر دونوں طرح مروی ہے۔

وَ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ غُفِرَ لِاِمْرَاَةٍ مُوْمِسَةٍ مَرَّتْ بِکَلْبٍ عَلٰی رَاْسِ رَکِیٍّ یَلْهَثُ کَادَ یَقْتُلُهُ الْعَطَشُ فَنَزَعَتْ خُفَّهَا فَاَوْثَقَتْهُ بِخِمَارِهَا فَنَزَعَتْ لَهُ مِنَ الْمَآءِ فَغُفِرَ لَهَا بِذٰلِكَ قِیْلَ اِنَّ لَنَا فِی الْبَهَآئِمِ اَجْرًا قَالَ فِیْ کُلِّ ذَاتِ کَبِدٍ رَّطْبَةٍ اَجْرٌ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک بدکار عورت صرف اس نیکی سے بخشی گئی کہ ایک کنوئیں کے اوپر ایک کتے کے پاس سے گذری جس نے پیاس سے زبان دراز کی ہوئی تھی اور قریب تھا کہ پیاس اسے ہلاک کر دے۔ (اس عورت نے کتے کی یہ حالت دیکھ کر) اپنا موزہ اتارا اور اپنے دوپٹے سے باندھا اور کنوئیں سے پانی نکال کر اسے پلایا۔ تو اس نیکی کے عوض اسے بخش دیا گیا۔ آپ سے کہا گیا مویشیوں کی خاطر مدارات میں بھی ہمارے لیے اجر و ثواب ہے آپ نے فرمایا ہر جگر تر رکھنے والی چیز میں اجر و ثواب ہے۔

(بخاری مسلم)

سلہ یہاں حدیث میں لفظ مُومِسَہ آیا ہے (میم اول کی پیش دوسری میم کی زیر) بمعنی زانیہ اور بدکار عورت۔ یہ لفظ ومس سے مشتق ہے بمعنی ایک چیز کو رگڑنا۔ یعنی ایک چیز کو دوسری میں بُننا۔ یہاں حدیث میں دوسرا لفظ کی بروزن زکی آیا ہے۔ بمعنی کنواں۔

سلہ یہاں لفظ خمار آیا ہے (خا کی زیر) بمعنی عورتوں کا سرپوش۔

سلہ یعنی جب ایک پیاسے کتے کو پانی پلانے کے عمل سے وہ عورت بخشی گئی۔ تو انسان خصوصًا نیک انسان کے ساتھ بھلائی کرنے کا ثواب تو بہت ہی زیادہ ہے۔

سلہ یعنی صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم نے بطور استفہام عرض کیا۔

سلہ جگر تر" سے زندہ ہونے کی طرف اشارہ ہے۔ کیونکہ رطوبت اور تری لازمہ زندگی ہے۔ بعض نے کہا جگر جب پیاسا ہوتا ہے تو تر ہو جاتا ہے۔ اسی طرح جب اسے آگ پر رکھا جائے۔ بعض نے کہا کہ جگر کو تر اس کے سیراب ہونے کے اعتبار سے کہا۔ اور ایک روایت میں کَبِدٍ حَرّاء آیا ہے یعنی گرم جگر والا۔ علماء نے یہ بھی کہا کہ لفظ کبد رطبہ میں مبالغہ ہے کہ جب جگر تر میں اجر و ثواب ہے تو جگر گرم میں زیادہ اجر و ثواب ہوگا۔ مگر حیوانات وغیرہ کے ساتھ یہ نیک سلوک غیر موذیوں میں ہے کہ موذی حیوانات جیسے سانپ اور بچھو وغیرہ میں اجر نہیں ہے۔

وَ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہ وَ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ

حضرت عمر و ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے دونوں فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک عورت کو

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عُذِّبَتِ امْرَاَةٌ فِيْ هِرَّةٍ اَمْسَكَتْهَا حَتّٰى مَاتَتْ مِنَ الْجُوْعِ فَلَمْ تَكُنْ تُطْعِمُهَا وَلَا تُرْسِلُهَا فَتَاْكُلَ مِنْ خَشَاشِ الْاَرْضِ. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

بلی کی وجہ سے عذاب میں ڈالا گیا جس نے اسے باندھے رکھا یہاں تک کہ بھوک سے اس کی موت واقع ہو گئی۔ نہ تو اس نے خود اسے کھانے کے لیے کوئی چیز دی اور نہ اسے کھولا کہ خود زمین سے کیڑے[۱] وغیرہ کھاتی۔ (بخاری مسلم)

[۱] یہاں حدیث میں لفظ خشاش آیا ہے۔ (خا نقطہ والی کی زیر) بمعنی حشرات الارض (زمین کے کیڑے مکوڑے) جو دماغ نہیں رکھتے۔ اور خا کی پیش و زبر و زیر تینوں حرکتوں کے ساتھ بمعنی زمین کے حشرات یعنی چڑیاں وغیرہ۔

وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرَّ رَجُلٌ بِغُصْنِ شَجَرَةٍ عَلٰى ظَهْرِ طَرِيْقٍ فَقَالَ لَاُنَحِّيَنَّ هٰذَا عَنْ طَرِيْقِ الْمُسْلِمِيْنَ لَا يُؤْذِيْهِمْ فَاُدْخِلَ الْجَنَّةَ. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک شخص کا گذر درخت کی ایک ایسی شاخ کے پاس سے ہوا جو عین گذرگاہ کے اوپر[۱] تھی۔ اس شخص نے کہا میں ضرور اس کو رستے سے دور کر دوں[۲] گا تاکہ وہ اذیت نہ دے۔ تو اس عمل[۳] کی وجہ سے اسے جنت میں داخل کر دیا گیا۔ (بخاری مسلم)

[۱] یعنی وہ شاخ راستے کی پشت پر پھیلی ہوئی تھی۔

[۲] یہاں حدیث لَاُنَحِّيَنَّ آیا ہے (ہمزہ کی پیش نون کی زبر حا مشدد کی زیر سے) تنحیہ سے مشتق ہے۔ اور نون ساکن حا مخفف یا کی زیر اور نون ثقیلہ انحا سے بھی مشتق قرار دیا گیا ہے۔

[۳] یعنی یا تو صرف یہ نیت کرنے سے ہی بخشا گیا۔ یا اس نے راستہ سے اس شاخ کو دور بھی کر دیا۔ اس عمل سے اس کی بخشش ہو گئی۔

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَقَدْ رَاَيْتُ رَجُلًا يَتَقَلَّبُ فِي الْجَنَّةِ فِيْ شَجَرَةٍ قَطَعَهَا مِنْ ظَهْرِ الطَّرِيْقِ كَانَتْ تُؤْذِي النَّاسَ. (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے۔ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے ایک شخص کو جنت میں چلتے اور سیر کرتے دیکھا[۱] ہے محض اس نیکی کی وجہ سے کہ اس نے راستے سے ایک درخت کو کاٹ کر دور کر دیا جس سے گذرنے والے لوگوں کو تکلیف ہوتی تھی۔ (مسلم شریف)

[۱] کہ وہ جنت میں گھوم رہا اور اس کی نعمتوں سے سرفراز ہو رہا ہے۔

سے اس حدیث کا مضمون بھی پہلی حدیث کی طرح ہے۔ مگر اس میں تاکید و مبالغہ زیادہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی چشم مبارک سے اسے جنت میں ہر سو ناز و نعمت میں گھومتے پھرتے دیکھا۔ گذشتہ حدیث میں بھی قدرے مبالغہ تھا۔ کہ گذرگاہ سے صرف ایک شاخ دور کرنے سے اسے جنت عطا کر دی گئی۔ چہ جائے کہ سارا درخت ہی راستے سے دور کر دیا جائے۔ کہ ایسا شخص تو بطریق اولیٰ جنت کا مستحق قرار پائے گا۔

وَعَنْ اَبِیْ بَرْزَةَ قَالَ قُلْتُ یَا نَبِیَّ اللّٰهِ عَلِّمْنِیْ شَیْئًا اَنْتَفِعُ بِهٖ قَالَ اَعْزِلِ الْاَذٰی عَنْ طَرِیْقِ الْمُسْلِمِیْنَ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ) وَسَنَذْکُرُ حَدِیْثَ عَدِیِّ بْنِ حَاتِمٍ اِتَّقُوا النَّارَ فِیْ بَابِ عَلَامَاتِ النُّبُوَّةِ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ تَعَالٰی۔

حضرت ابو برزہ[1] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نے عرض کیا یا نبی اللہ مجھے ایسی چیز سکھایئے جس سے میں نفع پاؤں فرمایا مسلمانوں کے راستے سے تکلیف و اذیت کی چیز دور کر دے[2] مسلم شریف اور ہم حضرت عدی بن حاتم[3] کی حدیث اتقوا النار۔ باب علامات النبوۃ میں ان شاء اللہ تعالیٰ عنقریب ذکر کریں گے۔ (مسلم شریف)

[1] برزہ (با کی زبر را ساکن اور زا) حضرت ابو برزہ رضی اللہ عنہ مشہور قدیم الاسلام صحابی ہیں۔ غزوات اسلامیہ میں ہمیشہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے فتح مکہ کے دن عبد اللہ بن خطل (خا و طا کی زبر) کافر کو قتل کرنے والے یہی صحابی ہیں۔

[2] جیسے کانٹا، پتھر وغیرہ۔ اشیاء کو راستہ سے ہٹا دے اور اپنے معنی کے عموم کی تاویل سے ہر قسم اور ہر جنس کی تکلیف دہ چیز کو شامل ہے۔

[3] یعنی حضرت عدی بن حاتم الطائی رضی اللہ عنہ جو جنگ بدر کے بعد حاضر ہوئے اور سلام قبول کر لیا۔ کہ ان کی روایت کردہ حدیث میں یہ الفاظ ہیں۔ اتقوا النار۔ اور یہ ایک لمبی حدیث ہے جو اس کے زیادہ مناسب ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ — دوسری فصل

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ سَلَامٍ قَالَ لَمَّا قَدِمَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ الْمَدِیْنَةَ جِئْتُ فَلَمَّا تَبَیَّنْتُ وَجْهَهٗ عَرَفْتُ اَنَّ وَجْهَهٗ لَیْسَ بِوَجْهِ کَذَّابٍ فَکَانَ اَوَّلُ مَا قَالَ یَا اَیُّهَا النَّاسُ اَفْشُوا

حضرت عبد اللہ[1] بن سلام رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ[2] تشریف لائے تو میں حاضر خدمت ہوا[3]۔ جب میں نے آپ کے چہرہ انور کو اچھی[4] طرح دیکھا تو میں پہچان گیا کہ آپ کا چہرہ انور معاذ اللہ جھوٹے اور کاذب کا چہرہ نہیں ہے آپ نے پہلی گفتگو[5] جو فرمائی یہ تھی۔ اے لوگو سلام

السَّلَامَ وَ اَطْعِمُوا الطَّعَامَ وَصِلُوا الْاَرْحَامَ وَ صَلُّوْا بِاللَّيْلِ وَ النَّاسُ نِيَامٌ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ بِسَلَامٍ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَ ابْنُ مَاجَةَ وَالدَّارِمِيُّ)

کو عام کرو مسکینوں اور محتاجوں کو کھانا کھلاؤ[۷] رشتہ داروں سے صلہ رحمی کرو[۸]۔ اور رات کو اس وقت نماز پڑھو جب کہ لوگ سوئے ہوتے ہوں[۹]۔ عذاب سے محفوظ رہتے ہوئے جنت میں داخل ہو جاؤ گے[۱۰]۔

ترمذی۔ ابن ماجہ۔ دارمی۔

۱؎ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کبار صحابہ میں سے تھے۔ پہلے آپ یہودیوں کے بہت بڑے عالم تھے۔

۲؎ یعنی مکہ معظمہ سے ہجرت کر کے مدینہ طیبہ تشریف لائے۔

۳؎ یعنی تحقیق حال اور آپ کی رسالت کی صوت معلوم کرنے کے لیے حاضر ہوا۔

۴؎ اچھی طرح دیکھنے کا مطلب ہے کہ غور و خوض سے دیکھا یا نور فراست سے مجھے معلوم ہو گیا۔ یا نورات میں مذکور علامت نبوت کے ذریعہ میں نے پہچان لیا۔ حدیث کا بیان معنی اوّل کی جانب ہی اشارہ کرتا ہے۔ (بیت)

در دل ہر امتی کز حق مزہ است روے داواز ہر پیغمبر معجزہ است

ترجمہ۔ چونکہ ہر امتی کے دل میں حق و صدق کا ذائقہ موجود ہے۔ اس لیے ہر نبی کے واقعات اس کے لیے معجزہ کا کام دیتے ہیں چنانچہ آپ اسی مجلس میں ایمان لائے۔ یہودیوں نے آپ پر بڑا حسد کیا اور بڑے بغض و عناد سے آپ سے پیش آنے لگے۔ جیسا کہ اپنے مقام پر مذکور ہے۔

۵؎ یعنی لوگوں کو نصیحت و دعوت اسلام کے طور پر سب سے اول جو گفتگو فرمائی وہ یہ تھی۔ جو حدیث میں مذکور ہے۔

۶؎ یہاں حدیث میں لفظ افشوا آیا ہے یعنی بالکل کھلے ڈھلے ایک دوسرے کو سلام کیا کرو۔ یا علی الاعلان اور ظاہر بلند آواز سے سلام کیا کرو تاکہ جس کو سلام کر رہے ہو وہ سن لے۔ یا اس کا معنی ہے سلام کو آپس میں عام کرو۔ واقف حال اور بیگانے کی تمیز نہ کرو۔ بلکہ مسلمانوں میں سے جو بھی سامنے آئے اسے سلام کہا کرو۔ کیونکہ سلام کہنا حقوق اسلام میں سے ہے۔ حقوق صحبت میں سے نہیں۔

۷؎ یعنی مہمانوں، مسکینوں اور محتاج لوگوں کو کھانا کھلایا کرو۔

۸؎ رحموں کے رشتہ کو جوڑو یعنی ان پر احسان کرو۔ ان سے میل جول رکھو۔ اور رشتہ داری میں ان کے نزدیک یا دور ہونے کے مطابق ان سے حسن سلوک کرو۔ صلہ رحمی دراصل وہ رشتہ ہے جو رحم سے بواسطہ پیدائش قائم ہوتا ہے۔ رحم کا اصل معنی بچہ دانی ہے۔

۹؎ کیونکہ یہ وقت اخلاص، حضور قلب اور جمعیت خاطر کے لیے زیادہ مؤثر ہے۔

۱۰؎ یعنی عذاب دوزخ خدا تعالیٰ سے دوری اور حجاب سے محفوظ رہتے ہوئے جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔ اس حدیث

میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مومن میں تین صفات کے جمع ہونے کی جانب اشارہ فرمایا ہے۔ صفت تواضع۔ صفت جود و سخا اور صفت عبادت و بندگی اور یہ تین صفات بدنی و مالی نیز اپنی ذات تک محدود رہنے والے اور دوسروں پر اثر انداز ہونے والے اصولی اور بنیادی کمالات ہیں۔

وَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ رض قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اعْبُدُوا الرَّحْمٰنَ وَ اَطْعِمُوا الطَّعَامَ وَ اَفْشُوا السَّلَامَ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ بِسَلَامٍ۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَ ابْنُ مَاجَةَ)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لوگو خدائے رحمٰن کی عبادت کرو۔ حاجتمندوں کو کھانا کھلاؤ۔ سلام کو عام کرو۔ تو سلامتی کے ساتھ جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔

(ترمذی ابن ماجہ)

[1] اس حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مطلق عبادت کا ذکر کیا نماز ہو یا کوئی اور عبادت کھانا کھلانے کا ذکر اس حدیث میں سلام سے پہلے کیا کہ اس کا نفع زیادہ ہے گذشتہ حدیث میں سلام کا ذکر کھانے سے پہلے کیا اس جانب اشارہ کرنے کے لیے کہ وہ آپس میں محبت و الفت پیدا کرنے میں زیادہ قریب ہے۔ پھر گذشتہ حدیث میں صلہ رحمی اور رات کو لوگوں کے سونے کے وقت نماز کا ذکر ان کا اہتمام اور اہمیت واضح کرنے کے لیے کیا۔

وَ عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ الصَّدَقَةَ لَتُطْفِئُ غَضَبَ الرَّبِّ وَ تَدْفَعُ مِيْتَةَ السُّوْءِ۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بلاشک صدقہ اللہ کے غضب کو بجھاتا[1] اور بری موت کو دور کرتا ہے[2]۔

(ترمذی شریف)

[1] یعنی صدقہ اللہ تعالیٰ کے غضب کی آگ کو بجھا دیتا ہے۔

[2] اس میں اس جانب اشارہ ہے کہ صدقہ کی برکت سے دنیا و آخرت اور مبدء، مآل میں بندے کو سلامتی اور عافیت نصیب ہوتی ہے اور لفظ مِیتۃ (میم کی زیر یا ساکن) بمعنی موت کی حالت۔ اور مِیتۃ السوء سے بوقت موت بری حالت مراد ہے۔ جو بندے کو کفر اور ناشکری تک پہنچائے۔ جیسے آلام و مصائب۔ طرح طرح کے درد بے صبر ذکر موت سے غفلت کلمۂ شہادت کا زبان پر جاری نہ ہونا۔ ذات رحمٰن سے بعد و حجاب شیطانی وسوسوں میں گرفتار ہونا وغیرہ ذالک کہ یہ سب اور سوء خاتمہ اور برے انجام تک پہنچانے والے ہیں۔ نعوذ باللہ من ذالک) پھر غیر محمود حالت میں اچانک موت کا آنا بھی اسی قبیلہ میں سے ہے۔

وَ عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے

اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُلُّ مَعْرُوْفٍ صَدَقَةٌ وَّ اِنَّ مِنَ الْمَعْرُوْفِ اَنْ تَلْقٰى اَخَاكَ بِوَجْهٍ طَلْقٍ وَّ اَنْ تُفْرِغَ مِنْ دَلْوِكَ فِيْ اِنَآءِ اَخِيْكَ ۔

(رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ)

ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر کار خیر صدقہ ہے۔ اور بیشک کار خیر میں سے ہے یہ کہ تو اپنے بھائی کو خندہ پیشانی سے ملے[۱]۔ اور یہ کہ تو اپنے ڈول سے اپنے بھائی کے ڈول میں کچھ ڈالے[۲]

(احمد ترمذی)

[۱] یعنی امور خیر و احسان میں یہ بھی ہے کہ تو اپنے بھائی سے خندہ پیشانی سے ملے۔ یہاں حدیث میں لفظ طلق آیا ہے (طا کی زبر لام ساکن) بمعنی خندہ روئی جیسا کہ حضرت ابوذر کی حدیث میں فصل اول میں گزرا۔

[۲] یعنی جو پانی تیری ضرورت سے زائد ہو۔ اس کا ظاہری معنیٰ تو یہ ہے مگر فضل و احسان کی طرف بھی اشارہ ہو سکتا ہے۔ یعنی دوسروں کو اپنے فضل و احسان سے نوازے۔

وَعَنْ اَبِيْ ذَرٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَبَسُّمُكَ فِيْ وَجْهِ اَخِيْكَ صَدَقَةٌ وَّ اَمْرُكَ بِالْمَعْرُوْفِ صَدَقَةٌ وَّ نَهْيُكَ عَنِ الْمُنْكَرِ صَدَقَةٌ وَّ اِرْشَادُكَ الرَّجُلَ فِيْ اَرْضِ الضَّلَالِ لَكَ صَدَقَةٌ وَّ نَصْرُكَ الرَّجُلَ الرَّدِيْءَ الْبَصَرِ لَكَ صَدَقَةٌ وَّ اِمَاطَتُكَ الْحَجَرَ وَالشَّوْكَ وَالْعَظْمَ عَنِ الطَّرِيْقِ لَكَ صَدَقَةٌ وَّ اِفْرَاغُكَ مِنْ دَلْوِكَ فِيْ دَلْوِ اَخِيْكَ لَكَ صَدَقَةٌ ۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ)

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تیرا متبسم چہرے سے اپنے بھائی سے ملنا صدقہ اور تیرا نیک کام کا حکم دینا صدقہ ہے۔ اور برے کام سے روکنا صدقہ ہے۔ اور تیرا کسی بھولے ہوئے[۱] کو راستہ دکھانا صدقہ ہے اور نابینا انسان کی مدد کرنا صدقہ ہے۔ اور تیرا راستہ سے پتھر، کانٹے اور ہڈی وغیرہ[۲] دور کرنا صدقہ ہے۔ اور تیرا اپنے ڈول سے اپنے بھائی کے ڈول میں ڈالنا بھی صدقہ ہے۔ اسے ترمذی نے روایت کیا اور کہا کہ یہ حدیث غریب ہے۔

ترمذی شریف

[۱] یعنی ایسی زمین میں جہاں لوگ راستہ بھولتے ہوں، راستہ دکھانا صدقہ ہے۔

[2] جن سے گذرنے والوں کو تکلیف پہنچتی ہو۔

وَعَنْ سَعْدِ بْنِ عُبَادَةَ قَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ اُمَّ سَعْدٍ مَاتَتْ فَاَيُّ الصَّدَقَةِ اَفْضَلُ قَالَ الْمَاءُ فَحَفَرَ بِئْرًا وَقَالَ هٰذِهٖ لِاُمِّ سَعْدٍ۔ (رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ وَالنَّسَائِيُّ)

حضرت سعد بن عبادہ[1] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے عرض کی یا رسول اللہ بیشک سعد کی ماں فوت ہوگئی ہے تو کونسا صدقہ بہتر و افضل ہے فرمایا پانی[2] (اس پر) حضرت سعد نے ایک کنواں کھدوا[3] ۔ اور کہا یہ سعد کی ماں کے لیے ہے[4] (ابو داؤد ۔ نسائی)

[1] حضرت سعد بن عبادہ مشہور انصاری صحابی ہیں۔ اور مقبولان بارگاہ نبوت میں سے ہے۔
[2] تمام صدقات سے بہتر و افضل صدقہ یہ ہے کہ تو اس کے لیے کنواں کھودے۔ اور پیاسوں کو پانی پلائے۔
[3] تاکہ خیر و ثواب اس کے لیے جاری رہے۔
[4] تاکہ اس کا ثواب اسے پہنچتا رہے۔

وَعَنْ اَبِيْ سَعِيْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَيُّمَا مُسْلِمٍ كَسَا مُسْلِمًا ثَوْبًا عَلٰى عُرْيٍ كَسَاهُ اللّٰهُ مِنْ خُضْرِ الْجَنَّةِ وَاَيُّمَا مُسْلِمٍ اَطْعَمَ مُسْلِمًا عَلٰى جُوْعٍ اَطْعَمَهُ اللّٰهُ مِنْ ثِمَارِ الْجَنَّةِ وَاَيُّمَا مُسْلِمٍ سَقٰى مُسْلِمًا عَلٰى ظَمَاءٍ سَقَاهُ اللّٰهُ مِنَ الرَّحِيْقِ الْمَخْتُوْمِ۔ (رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ وَالتِّرْمِذِيُّ)

حضرت سعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس مسلمان نے ننگے[1] مسلمان کو کپڑا پہنایا اللہ تعالیٰ اسے جنت کا سبز لباس پہنائے گا۔ اور جس نے مسلمان کو کھانا کھلایا اللہ تعالیٰ اسے جنت کا پھل کھلائے گا۔ اور جس مسلمان نے پیاسے[2] مسلمان کو پانی پلایا اللہ تعالیٰ اسے شراب خالص و پاکیزہ سے سیراب کرے گا۔ (ابو داؤد ۔ ترمذی)

[1] یہاں حدیث میں لفظ عُری (عین کی پیش را ساکن) بمعنیٰ برہنگی۔ لُبس کی ضد (لام کی پیش) دوسرا لفظ خُضر ہے خا کی پیش ضاد ساکن اخضر کی جمع۔ یہ اللہ عزوجل کے قول مبارک عَالِيَهُمْ ثِيَابُ سُنْدُسٍ خُضْرٌ کی طرف اشارہ ہے۔ یعنی ریشمی سبز لباس پہنے ہونگے۔
[2] یہاں حدیث میں لفظ ظما آیا ہے صراح میں ہے ظاء میم کی زبر آخر میں ہمزہ بمعنیٰ پیاسا ہونا۔ حدیث میں واقع

لفظ رحیق مختوم کا معنیٰ ہے پاک خالص اور صاف شراب جس کے برتنوں پر مہر لگی ہوئی ہوگی۔ ان کی نفاست کی وجہ سے قرآن مجید میں فرمایا۔ یُسْقَوْنَ مِنْ رَّحِیْقٍ مَّخْتُوْمٍ خِتَامُہٗ مِسْکٌ یعنی مٹی کی بجائے اس پر کستوری خالص کی مہر لگی ہو گی اور یہ اس کی غایت نفاست کی طرف اشارہ ہے۔ یا اس کے پینے کے بعد کستوری خالص کی خوشبو آئے گی۔

وَ عَنْ فَاطِمَۃَ بِنْتِ قَیْسٍ[1] قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ فِی الْمَالِ لَحَقًّا سِوَی الزَّکٰوۃِ ثُمَّ تَلَا لَیْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْھَکُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَ الْمَغْرِبِ الْاٰیَۃَ۔

(رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَ ابْنُ مَاجَۃَ وَ الدَّارِمِیُّ)

حضرت فاطمہ بنت قیس[1] رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بیشک مال میں زکوٰۃ کے سوا اور بھی حق ہے[2] پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت پڑھی۔

یعنی نیکی صرف یہ نہیں کہ تم لوگ اپنا منہ مشرق اور مغرب کی طرف کرلو۔

(ترمذی ابن ماجہ ۔ دارمی)

[1] حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا قریشی خاندان کی چشم و چراغ اور ان خواتین اسلام سے ہیں۔ جنہوں نے سب سے پہلے اسلام کی خاطر ہجرت اختیار کی۔

[2] یعنی مال کی زکوٰۃ تو فرض ہے ہی مگر اس کے ساتھ صدقہ نفل بھی مستحب ہے جس طرح نماز، روزہ، حج فرض بھی ہیں اور نفل بھی پھر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مطلب کے اثبات اور تائید کے لیے آیت لیس البران تولوا الی آخرہ تلاوت فرمائی۔ اس آیت سے وجہ استدلال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اولا اہل ایمان کی مدح اس بنا پر کی کہ وہ مال کی محبت کے ہوتے ہوئے اپنے خویشوں، یتیموں اور مسکینوں پر خرچ کرتے رہتے ہیں۔ اس کے بعد ان کی مدح و ثنا اس بنا پر کی کہ وہ نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ دیتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ زکوٰۃ دینا مال خرچ کرنے کے علاوہ ہے۔ اور وہ صدقہ نفل ہے۔

وَ عَنْ بُھَیْسَۃَ[1] عَنْ اَبِیْھَا قَالَتْ قَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ مَا الشَّیْءُ الَّذِیْ لَا یَحِلُّ مَنْعُہٗ قَالَ الْمَاءُ قَالَ یَا نَبِیَّ اللّٰہِ مَا الشَّیْءُ الَّذِیْ لَا یَحِلُّ مَنْعُہٗ قَالَ الْمِلْحُ قَالَ مَا الشَّیْءُ الَّذِیْ لَا یَحِلُّ مَنْعُہٗ قَالَ اَنْ تَفْعَلَ الْخَیْرَ خَیْرٌ لَّکَ۔

حضرت بہیسہ[1] رضی اللہ عنہا سے روایت ہے وہ اپنے باپ سے روایت کرتی ہے۔ چنانچہ بہیسہ کہتی ہیں کہ ان کے باپ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہ چیز کونسی ہے جس کا روکنا حلال نہیں۔ فرمایا پانی[2]۔ انہوں نے پھر عرض کیا یا رسول اللہ وہ کونسی چیز ہے جس کا روکنا جائز نہیں۔ فرمایا نمک انہوں نے پھر عرض کی یا نبی اللہ وہ کونسی چیز ہے جس سے منع کرنا حلال نہیں فرمایا تیرا ہر نیک کام تیرے لیے بہتر ہے[3]

(رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ) (ابوداؤد شریف)

سلہ بُہیسہ باکی پیش ھاکی زیر یا ساکن اور سین مہلہ آپ صحابیات میں سے ہیں ان کی حدیث اہل بصرہ میں شمار ہوتی ہے۔
سلہ جیسے کسی کا کنواں یا نہر ہو تو اس کے لیے جائز نہیں کہ کسی کو اس سے پانی پینے سے منع کرے۔ یا کسی کو اپنے نمکدان سے نمک لینے سے روکے۔ پھر پانی کے مسئلہ میں قدرے تفصیل ہے جس کا ذکر باب احیاء الموات والشراب میں انشاء اللہ تعالیٰ آئے گا۔ اور چولہے سے آگ لینے سے منع کرنے کو بھی ناجائز قرار دیا۔
سلہ یہ جامع کلمہ ہے جو تمام خیرات کو شامل ہے۔ یعنی تو جو کچھ دے سکتا ہے وہ تیرے ہاتھ میں جو کچھ ہو اس سے کسی کو نہ روک۔

وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اَحْيٰى اَرْضًا مَّيْتَةً فَلَهٗ فِيْهَا اَجْرٌ وَّمَا اَكَلَتِ الْعَافِيَةُ مِنْهُ فَهُوَ لَهٗ صَدَقَةٌ۔

(رَوَاهُ الدَّارِمِيُّ)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے مردہ (بنجر) زمین آباد کی تو اس کے لیے اس میں اجر و ثواب ہے اور اس میں سے کھانے والی جو چیز بھی کھائے گی وہ اس کی طرف سے صدقہ ہے۔ نسائی و دارمی۔ اور بعض نسخوں میں رواہ دارمی آیا ہے یعنی اسے دارمی نے روایت کیا۔

سلہ یعنی جو زمین زراعت اور کھیتی باڑی کے لیے قابل نہ تھی جس نے محنت کرکے اسے آباد کیا تو اس کے لیے اجر و ثواب ثابت و موجود ہے۔ اس کا حکم باب احیاء الموات میں آرہا ہے۔
سلہ یہاں حدیث میں لفظ عافیۃ آیا ہے۔ عافیۃ ہر طالب رزق کو کہتے ہیں انسان ہو یا چارپایہ یا پرندہ۔ عافی ایک فرد طالب رزق عافیہ جماعت جو رزق و خوراک کی متلاشی و طلبگار ہو۔ اور ایک روایت میں بصورت صیغہ جمع العوافی بھی آیا ہے۔

وَعَنِ الْبَرَآءِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ مَّنَحَ مِنْحَةَ لَبَنٍ اَوْ وَرِقٍ اَوْ هَدٰى زُقَاقًا كَانَ لَهٗ مِثْلُ عِتْقِ رَقَبَةٍ۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

حضرت براء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے عطا کیا عطیہ دودھ کا یا عطا کیا عطیہ چاندی کا یا کسی بھولے ہوئے کو راستہ دکھایا تو ایک غلام آزاد کرنے کا ثواب ملتا ہے۔ (ترمذی)

سلہ یعنی جس شخص نے کسی فقیر و محتاج انسان کو دودھ دینے والی اونٹنی یا بکری عطا کی تاکہ وہ اس کے دودھ پیئے۔ پھر اسے واپس کردے۔

۲ے حدیث میں لفظ وَرِق آیا ہے واؤ کی زبر را کی زیر بمعنی مہر شدہ درہم یعنی جاری رکھ۔ مراد بطور قرض درہم و دینار دینا ہے۔ قرضہ کی رقم کو بھی منیحۂ (عطیہ) اس لئے قرار دیا کہ انہیں بھی واپس کرنا پڑھتا ہے۔ لفظ منحہ مطلق عطیہ کے معنی میں بھی آتا ہے۔

۳ے یعنی کسی راہ بھولے ہوئے یا اندھے کو راستہ دکھایا۔ حدیث میں لفظ ہدیٰ ہدایت سے نکلا ہے۔ بمعنی راہنمائی کرنا۔ زُقاق زکی پیش بمعنیٰ گلی جو کسی مکان یا گھر کو جاتی ہو۔ زقاق رستہ کے معنی میں بھی آتا ہے جو کہ باغات کے اندر ہوتا ہے اس صورت میں ہدی ہدیہ سے مشتق ہوگا۔ یعنی رستہ درختان کھجور کسی کو عطا کرے۔ اور صدقہ کرے۔ جو معنیٰ بھی ہو ہدیٰ دال مخفف سے ہے ایک روایت میں دال کی شد سے بھی آیا ہے مبالغہ کا معنیٰ دینے کے لیے۔ واللہ اعلم معنیٰ یہ ہوگا کہ جو شخص یہ چیزیں خیرات کرتا ہے۔

وَعَنْ اَبِیْ جُرَیٍّ جَابِرِ ابْنِ سُلَیْمٍ قَالَ اَتَیْتُ الْمَدِیْنَةَ فَرَاَیْتُ رَجُلًا یَصْدُرُ النَّاسُ عَنْ رَاْیِهٖ لَا یَقُوْلُ شَیْئًا اِلَّا صَدَرُوْا عَنْهُ قُلْتُ مَنْ هٰذَا قَالُوْا هٰذَا رَسُوْلُ اللّٰهِ قَالَ قُلْتُ عَلَیْكَ السَّلَامُ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَرَّتَیْنِ قَالَ لَا تَقُلْ عَلَیْكَ السَّلَامُ عَلَیْكَ السَّلَامُ تَحِیَّةُ الْمَیِّتِ قُلِ السَّلَامُ عَلَیْكَ قُلْتُ اَنْتَ رَسُوْلُ اللّٰهِ فَقَالَ اَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ الَّذِیْ اِنْ اَصَابَكَ ضُرٌّ فَدَعَوْتَهٗ كَشَفَهٗ عَنْكَ وَ اِنْ اَصَابَكَ عَامُ سَنَةٍ فَدَعَوْتَهٗ اَنْبَتَهَا لَكَ وَ اِذَا كُنْتَ بِاَرْضٍ قَفْرٍ اَوْ فَلَاةٍ فَضَلَّتْ رَاحِلَتُكَ فَدَعَوْتَهٗ رَدَّهَا عَلَیْكَ قُلْتُ اعْهَدْ اِلَیَّ قَالَ لَا تَسُبَّنَّ اَحَدًا قَالَ فَمَا سَبَبْتُ بَعْدَهٗ حُرًّا

حضرت ابو جُرَیّ (جابر بن سُلَیم) سے روایت ہے فرماتے ہیں میں مدینہ آیا تو میں نے ایک شخص کو دیکھا کہ لوگ اس کی رائے کے مطابق عمل کرتے ہیں۔ وہ کوئی بات نہیں کہتا مگر لوگ اس کی اطاعت کرتے ہیں میں نے کہا یہ کون شخص ہے۔ لوگوں نے کہا یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ جابر بن سلیم کہتے ہیں میں گیا اور عرض کیا علیک اسلام یا رسول اللہ۔ آپ پر سلام ہو یا رسول اللہ میں نے یہ کلمہ دوبارہ کہا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا علیک اسلام نہ کہو یہ میت کا سلام ہے (بلکہ اس طرح) کہو السلام علیک۔ میں نے کہا آپ اللہ کے رسول ہیں۔ آپ نے فرمایا ہاں میں اس اللہ کا رسول ہوں جو مزور تکلیف پہنچنے پر جب تو اسے پکارتا ہے تو تیرے دکھ کو دور کرتا ہے اور اگر تجھے قحط سال پہنچتی ہے اور تو اسے پکارتا ہے تو وہ تیرے لیے فصل اُگاتا ہے۔ اور جب تو کسی ہلاک کرنے والے جنگل میں ہوتا ہے اور تیری سواری گم ہو جاتی ہے تو تیرے پکارنے پر وہ تیری سواری تجھے واپس کر دیتا ہے۔ میں نے عرض کیا مجھے کوئی نصیحت کریں فرمایا کسی کو گالی نہ دینا۔ تو میں نے اس کے بعد نہ کسی آزاد انسان کو گالی دی نہ غلام کو

وَلَا عَبْدًا وَّ لَا بَعِيْرًا وَّ لَا شَاةً. قَالَ وَ لَا تَحْقِرَنَّ شَيْئًا مِّنَ الْمَعْرُوْفِ وَ اَنْ تُكَلِّمَ اَخَاكَ وَ اَنْتَ مُنْبَسِطٌ اِلَيْهِ وَجْهُكَ اِنَّ ذٰلِكَ مِنَ الْمَعْرُوْفِ وَ ارْفَعْ اِزَارَكَ اِلٰى نِصْفِ السَّاقِ فَاِنْ اَبَيْتَ فَاِلَى الْكَعْبَيْنِ وَ اِيَّاكَ وَ اِسْبَالَ الْاِزَارِ فَاِنَّهَا مِنَ الْمَخِيْلَةِ وَ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمَخِيْلَةَ وَ اِنِ امْرُؤٌ شَتَمَكَ اَوْ عَيَّرَكَ بِمَا يَعْلَمُ فِيْكَ فَلَا تُعَيِّرْهُ بِمَا تَعْلَمُ فِيْهِ فَاِنَّمَا وَبَالُ ذٰلِكَ عَلَيْهِ۔ (رَوَاهُ اَبُوْ دَاؤُدَ)

وَ رَوَى التِّرْمِذِيُّ مِنْهُ حَدِيْثَ السَّلَامِ وَ فِيْ رِوَايَةٍ فَيَكُوْنُ لَكَ اَجْرُ ذٰلِكَ وَ وَبَالُهٗ عَلَيْهِ۔

نہ اونٹ کو نہ بکری کو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اور نہ کسی نیک و معروف کام کو حقیر خیال کرنا۔ اور میں تجھے اس بات کی بھی وصیت کرتا ہوں کہ اپنے بھائی سے گفتگو کے وقت خندہ پیشانی سے رہنا۔ کہ یہ بھی نیکی میں سے ہے اور اپنا تہ بند نصف پنڈلی تک بلند رکھنا اور اگر اس طرح نہ کرسکے تو ٹخنوں کے اوپر ضرور رکھنا اور اپنے آپ کو تہ بند ٹخنوں سے نیچے لٹکانے سے دور رکھنا۔ کیونکہ یہ تکبر میں سے ہے اور بیشک اللہ تعالیٰ تکبر کو پسند نہیں کرتا۔ اور اگر کوئی شخص تجھے گالی دے یا اس عیب کی بنا پر تیری سرزنش کرے جو تجھ میں موجود ہو۔ اور اسے اس کا علم بھی ہو تو تو اس کے اس عیب کی وجہ سے اس کی سرزنش نہ کرنا جسے تو جانتا ہو۔ کیونکہ اس کا گناہ اس کے ذمہ ہے۔ اسے ابوداؤد نے روایت کیا اور ترمذی نے اسے حدیث اسلام تک روایت کیا۔ اور ایک روایت میں فانما وبال ذالک علیہ کے بجائے یہ لفظ آتے ہیں۔ فیکون لک اجر ذالک ووبالہ علیہ۔ یعنی ایسا کرنے سے اس کا اجر تجھے ملے گا اور اس کا وبال اس پر ہوگا۔

لہ جُرَیّ (جیم کی پیش راکی زیر یا مشدد) آپ کا نام جابر بن سلیم ہے (سُلیم سین کی پیش لام کی زیر سے) بعض نے سلیم بن جابر کہا ہے۔ مگر اول زیادہ صحیح اور زیادہ مشہور ہے۔ آپ صحابی ہیں قلیل الروایۃ ہیں ان سے حضرت محمد بن سیرین روایت کرتے ہیں۔

سلہ یعنی لوگوں کو جو معاملہ بھی پیش آتا ہے اسے لے کر آپ کے پاس آتے اور عرض کرتے ہیں۔ پھر جو کچھ آپ فرماتے ہیں اس پر عمل پیرا ہوتے ہیں۔ جیسا کہ آگے فرمایا لاتقول شیاء الی آخرہ۔

سلہ یہاں حدیث میں لفظ صدور آیا ہے جس کا اصل لغوی معنی پانی سے واپس آنے کا ہے یعنی پیاسے آدمی کا پانی سے سیراب ہوکر واپس لوٹنا یہ لفظ ورود کی ضد ہے۔ جس کا معنی ہے۔ پانی پر اترنا۔ اور صدور کا لفظ کبھی مطلق واپس آنے کے لیے بھی آتا ہے۔

سلہ یعنی مخلوق کی ہدایت کے لیے اللہ کی طرف سے بھیجے ہوئے۔

۵؎ کہ اس سے مُردہ کو سلام کرتے ہیں۔

۶؎ اس عبارت کا ظاہر یہ ہے کہ جب مردہ کی زیارت کو جائیں تو کہیں علیک السلام جس طرح کہ زندہ کو السلام علیک کہتے ہیں۔ لیکن تحقیق یہ ہے کہ میت کو بھی السلام علیک ہی کہا جاتے۔ یعنی اسلام کا لفظ علیک سے پہلے لایا جاتے کیونکہ یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مردوں کی زیارت کے وقت فرماتے تھے اسلام علیک۔ تو وہ جو یہاں حضور علیہ اسلام نے فرمایا کہ علیک اسلام مُردوں کا سلام ہے یہ لوگوں کی اغلب واکثر حالت کے اعتبار سے فرمایا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ زندہ انسان سلام کا جواب دیتا ہے رہا علیک اسلام تو اگر سلام کہنے والا بھی علیک اسلام کہے تو اس طرح تکرار لازم آئے گا۔ بخلاف میت کو سلام کے کہ سلام کا جواب اس کی طرف سے متحقق نہیں ہوتا۔ اس کی دوسری وجہ یہ ہے کہ سلام کا حکم اس لیے ہے کہ سلام کہنے والا جس کو سلام کہہ رہا ہے اس کے لیے امن وسلامتی کی دعا کرنے میں جلدی کرے سلام علیک مقدم لانا ضرور ونقصان کے لیے آتا ہے۔ جو اس مفہوم کے منافی اور غیر مناسب ہے جیسا کہا گیا ہے۔ اسے سمجھو۔ آگے پھر حضرت جابر بن سلیم فرماتے ہیں قلت انت الیٰ آخرہ۔

۷؎ یہاں حدیث میں لفظ دعوتہ" میں تا پر زبر ہے۔ اور صیغہ مخاطب ہے ایک روایت کے مطابق دعوتہ برائے واحد متکلم بھی آیا ہے۔ یعنی اگر تجھے کوئی نقصان وتکلیف پہنچے اور میں اس کے لیے دعا کروں کہ میں اس کا رسول ہوں تو اللہ تعالیٰ تیری اس تکلیف وپریشانی کو دور کردے گا۔ اسی طرح بعد کی عبارت میں بھی صیغہ مخاطب ومتکلم دونوں طرح پڑھنا درست ہے۔

۸؎ یہاں حدیث میں لفظ ارض قفر یا فلاۃ آیا ہے قفر بمعنی خوفناک جنگل وصحرا۔ اور لفظ او (یا) لانا راوی کے شک کی وجہ سے ہے۔ لفظ قَفر (قاف مفتوح مقدم بعد میں فا) کا اصل معنی ہے ایسی زمین جس میں گھاس اور پانی دستیاب نہ ہو۔ اور لفظ فَلاۃ فا کے ساتھ بمعنی جنگل اور کشادہ صحرا۔ پھر حضور علیہ اسلام کے قول مبارک میں کہ میں اس کا رسول ہوں جس کی یہ صفتیں ہیں" میں اس جانب اشارہ ہے کہ اللہ پروردگار عالم کی طرف سے نبی مبعوث ہوں جو سب کا حاجت روا اور مشکلات کا آسان کرنے والا ہے۔ اور یہ کہ میں اس کی جانب سے وسیلہ رحمت اور ہر طرح کی خیر وبرکت پہنچنے کا ذریعہ ہوں۔

۹؎ یعنی انسان تو انسان میں نے اس کے بعد حیوان کو بھی گالی نہ دی جس طرح کہ عوام عرب کی عادت ہے۔

۱۰؎ یعنی ہر نیک اور اچھا کام جو کوئی تیرے لیے کرے یا تو کسی کے لیے کرے۔ بلکہ جو بھی تیرے ساتھ بھلائی کرے اس کی نیکی کو بڑا خیال کر۔ اور اس کا شکر ادا کر۔ اور تجھ سے بھی جو نیک کام ہو سکے وہ کر اور اسے غنیمت جان۔

۱۱؎ یعنی اگر تہ بند نصف پنڈلی تک رکھنے کو تیرا نفس اور طبیعت نہ مانے تو پھر ٹخنوں سے اوپر ضرور رکھنا ان سے نیچے نہ کر۔

۱۲؎ یہاں حدیث میں لفظ مخیلہ آیا ہے میم کی زبر خا کی زیر یا ساکن سے بمعنی تکبر۔ اسی طرح لفظ خال وخیلاء خا کی پیش یا کی زبر بمعنی تکبر ہے۔ یہ مسئلہ اپنے ملحقات کے ساتھ کتاب اللباس میں انشاء اللہ تعالیٰ آرہا ہے۔

سلہ کہ تجھے اس کے وبال میں پڑنے کی کیا ضرورت ہے اور تو اسے بدی کا بدلہ بدی کی صورت میں کیوں دیتا ہے۔

بیت۔

بدی را بدی سہل باشد جزا اگر مردی احسن الی من اساء۔

برائی کا بدلہ برائی کی صورت میں دینا آسان ہے۔ اگر تو مرد ہے تو جس نے تجھ سے برائی کی ہے اس کے ساتھ نیکی اور احسان کر ظاہر یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص میں ان صفات مذکورہ کی مخالف بری صفات محسوس کی تھیں۔ اس لیے آپ نے اسے ان صفات کی وصیت فرمائی۔

سلہ یعنی اس حدیث کو ان پورے الفاظ کے ساتھ امام ابو داؤد رحمۃ اللہ نے روایت کیا۔ اور امام ترمذی نے اس حدیث کے الفاظ سلام تک روایت کیے کہ حضرت ابو جُری رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم عَلیک السلام کے الفاظ سے سلام عرض کیا۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اس سے منع فرمایا۔ ان الفاظ سے آگے الفاظ کو امام ترمذی نے حدیث کے آخر الفاظ تک روایت نہ کیا۔ بعض حواشی میں مذکور ہے کہ امام ترمذی نے بھی مکمل حدیث روایت کی۔ مگر دوسرے الفاظ میں جو ابو داؤد کی روایت کے علاوہ ہیں۔ اور کتاب میں جو الفاظ مذکور ہیں وہ ابو داؤد کے ہیں۔

وَعَنْ عَائِشَةَ اَنَّهُمْ ذَبَحُوْا شَاةً فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا بَقِيَ مِنْهَا قَالَتْ مَا بَقِيَ مِنْهَا اِلَّا كَتِفُهَا قَالَ بَقِيَ كُلُّهَا غَيْرَ كَتِفِهَا۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَصَحَّحَهُ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت (گھر والوں) نے ایک بکری ذبح کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت کیا اس بکری سے کیا بچا ہے۔ حضرت عائشہ نے عرض کیا اس کے ایک کندھے کے سوا باقی کچھ نہیں بچا[1] اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کندھے کے علاوہ ساری بکری باقی بچ گئی ہے[2]۔ اسے ترمذی نے روایت کیا اور اسے صحیح قرار دیا۔

لہ یعنی اس کے شانے اور کندھے کے سوا باقی ساری بکری صدقہ کے طور پر فقیروں اور ہمسایوں کے گھر بھیج دی ہے۔ صرف ایک کندھا گھر میں باقی رہ گیا ہے۔

سلہ یعنی باقی رہنے والا بکری کا وہ حصہ ہے جو تم نے لوگوں میں بانٹ دیا ہے کہ اس کا ثواب روز بقا میں ثابت و قائم ہو چکا ہے اور جو حصہ گھر میں رہ گیا ہے وہ فانی اور ختم ہو جانے والا ہے جیسا کہ قرآن مجید میں فرمایا۔ مَا عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ بَاقٍ۔ جو کچھ تمہارے پاس ہے ختم ہو جائے گا اور جو کچھ اللہ تعالیٰ کے پاس ہے ہمیشہ باقی رہے گا۔

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا ہے کہ

يَقُوْلُ مَا مِنْ مُّسْلِمٍ كَسَا مُسْلِمًا ثَوْبًا اِلَّا كَانَ فِيْ حِفْظٍ مِّنَ اللّٰهِ مَا دَامَ عَلَيْهِ مِنْهُ خِرْقَةٌ۔ (رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ)

جس مسلمان نے دوسرے مسلمان کو کپڑا پہنچایا تو وہ بندہ اس وقت تک اللہ تعالیٰ کی حفاظت میں ہے[1] جب تک کہ اس کے جسم پر اس کپڑے کا ایک ٹکڑا بھی باقی رہتا ہے۔ (احمد ترمذی)

[1] اکثر روایتوں میں یہاں فی حفظ من اللہ آیا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے حفاظت رہتا ہے۔

وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ يَرْفَعُهٗ قَالَ ثَلٰثَةٌ يُحِبُّهُمُ اللّٰهُ رَجُلٌ قَامَ مِنَ اللَّيْلِ يَتْلُوْا كِتَابَ اللّٰهِ وَرَجُلٌ يَتَصَدَّقُ بِصَدَقَةٍ بِيَمِيْنِهٖ يُخْفِيْهَا اُرَاهُ قَالَ مِنْ شِمَالِهٖ وَرَجُلٌ كَانَ فِيْ سَرِيَّةٍ فَانْهَزَمَ اَصْحَابُهٗ فَاسْتَقْبَلَ الْعَدُوَّ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ) وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَيْرُ مَحْفُوْظٍ اَحَدُ رُوَاتِهٖ اَبُوْ بَكْرِ بْنُ عَيَّاشٍ كَثِيْرُ الْغَلَطِ۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تین شخص ایسے ہیں جن سے اللہ تعالیٰ محبت کرتا ہے ایک وہ آدمی جو رات کو اٹھتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی کتاب تلاوت کرتا ہے[1]۔ دوسرا وہ شخص جو اپنے دائیں ہاتھ سے صدقہ کرتا ہے چھپا کر۔ راوی کہتا ہے کہ میرا گمان ہے کہ آپ نے فرمایا اپنے بائیں ہاتھ سے چھپا کر[2] تیسرا وہ شخص جو کسی لشکر میں تھا اس کے ساتھی شکست کھا گئے۔ مگر وہ شخص دشمن کی طرف آگے بڑھتا رہا[3] اسے ترمذی نے روایت کیا اور کہا یہ حدیث غیر محفوظ ہے[4]۔ کیونکہ اس کے راویوں میں سے ایک راوی (ابو بکر بن عباش) کثیر الغلط راوی ہے[5]۔

[1] یعنی قرآن پاک کی تلاوت کرتا ہے۔ نماز میں یا غیر نماز میں۔ ظاہر معنٰی اول ہے۔

[2] یہ اس کے چھپانے اور پوشیدہ رکھنے میں مبالغہ ہے۔

[3] اور جہاد میں مصروف رہا یہاں تک کہ اسے فتح حاصل ہو گئی۔

[4] غیر محفوظ کا معنٰی مقدمہ کتاب میں بیان ہو چکا ہے۔

[5] عیاش یا اور شین کے ساتھ اس راوی سے بہت دفعہ غلطی واقع ہو جاتی ہے امام ترمذی کا یہ کلام (اعتراض) اس خاص اسناد میں سے ہے۔ البتہ دوسرے الفاظ کے مطابق یہ حدیث صحیح ہے۔ جیسا کہ کہا گیا ہے۔

وَعَنْ اَبِيْ ذَرٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلٰثَةٌ يُحِبُّهُمُ اللّٰهُ وَثَلٰثَةٌ

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تین شخصوں سے اللہ تعالیٰ محبت کرتا ہے۔ اور تین آدمیوں سے بغض رکھتا ہے

يُبْغِضُهُمُ اللهُ فَاَمَّا الَّذِيْنَ يُحِبُّهُمُ اللهُ فَرَجُلٌ اَتٰى قَوْمًا فَسَاَلَهُمْ بِاللهِ وَلَمْ يَسْاَلْهُمْ لِقَرَابَةٍ بَيْنَهٗ وَبَيْنَهُمْ فَمَنَعُوْهُ فَتَخَلَّفَ رَجُلٌ بِاَعْيَانِهِمْ فَاَعْطَاهُ سِرًّا لَا يَعْلَمُ بِعَطِيَّتِهٖ اِلَّا اللهُ وَالَّذِيْ اَعْطَاهُ وَقَوْمٌ سَارُوْا لَيْلَتَهُمْ حَتّٰى اِذَا كَانَ النَّوْمُ اَحَبَّ اِلَيْهِمْ مِمَّا يُعْدَلُ بِهٖ فَوَضَعُوْا رُءُوْسَهُمْ فَقَامَ يَتَمَلَّقُنِيْ وَيَتْلُوْا اٰيَاتِيْ وَرَجُلٌ كَانَ فِيْ سَرِيَّةٍ فَلَقِيَ الْعَدُوَّ فَهُزِمُوْا فَاَقْبَلَ بِصَدْرِهٖ حَتّٰى يُقْتَلَ اَوْ يُفْتَحَ لَهٗ وَالثَّلَاثَةُ الَّذِيْنَ يُبْغِضُهُمُ اللهُ الشَّيْخُ الزَّانِيْ وَالْفَقِيْرُ الْمُخْتَالُ وَالْغَنِيُّ الظَّلُوْمُ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَالنَّسَائِيُّ مِثْلَهٗ وَلَمْ يَذْكُرْ وَثَلَاثَةٌ يُبْغِضُهُمْ)

وہ تین شخص جن سے اللہ تعالیٰ محبت کرتا ہے ان میں سے ایک وہ آدمی ہے جو کسی قوم کے پاس آیا اور ان سے اللہ کے نام پر[1] مانگا۔ ان کے درمیان باہمی قرابت و رشتہ داری کی کی بنا پر نہ مانگا۔ انہوں نے اسے کچھ نہ دیا[2]۔ تو ان میں سے ایک شخص پیچھے ہٹا[3]۔ اور اسے پوشیدہ طور پر کچھ دے دیا کہ اس عطیہ کو صرف اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے یا پھر وہ شخص جس نے وہ عطیہ دیا ہوتا ہے[4] دوسرا وہ شخص جو ایک قوم میں تھا جو رات کو سفر کر رہی تھی تو انہیں نیند زیادہ محبوب ہو گئی[5] تو انہوں نے اپنے سر رکھ دیئے تو وہ شخص کھڑا ہو گیا[6] اور میری آیتیں پڑھنا شروع کر دیں۔ اور اس نے مجھ سے چاپلوسی شروع کر دی۔ اور ایک وہ شخص جو کسی لشکر میں تھا اور دشمن سے ٹکرا گیا باقی لشکر بھاگ کھڑا ہوا۔ مگر یہ سینہ تانے آگے بڑھا[7]۔ یہاں تک کہ شہید کر دیا گیا یا اس کی وجہ سے فتح حاصل ہو گئی اور وہ افراد جن سے اللہ تعالیٰ بغض رکھتا ہے تو ان میں سے ایک بڈھا زانی ہے[8] ۔ دوسرا متکبر فقیر[9] تیسرا ظالم دولتمند[10]
ترمذی و نسائی مگر نسائی نے ثلاثہ یبغضہم اللہ کا ذکر نہ کیا[11]

[1] یعنی اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی پر۔

[2] یعنی جو کچھ اس نے ان سے مانگا وہ انہوں نے اسے نہ دیا۔

[3] امام توربشتی رحمۃ اللہ نے اس عبارت کی شرح میں فرمایا کہ اس شخص نے اپنی قوم کو چھوڑ دیا۔ یا قوم کے مخصوص افراد کو جنہوں نے دینے سے انکار کیا، الگ چھوڑ دیا اور خود آگے بڑھا۔ اور اسے کچھ نہ کچھ دیا۔ یا ان سے آگے بڑھ کر کوئی چیز اسے دیدی اور انہیں پیچھے چھوڑ دیا۔

[4] یہاں طبرانی کی روایت میں بین اعیانہم کا لفظ بھی آیا ہے۔ طبرانی کی یہ روایت 'پیچھے چھوڑنے' کے لفظ کے زیادہ مشابہ اور زیادہ مناسب ہے۔ جیسا کہ کہتے ہیں فلاں شخص فلاں ساتھ میں پیچھے رہ گیا یعنی ساتھ نہ گیا۔ مطلب یہ ہوا کہ وہ شخص اپنی قوم کے لوگوں سے جدا ہو گیا۔ اور سائل کو اپنے ساتھ خلوت و علیحدگی میں لے گیا اور اسے پوشیدہ طور پر کوئی چیز عطا کر دی جیسا

ترجمہ۔ تکبر بڑی صفت ہے پھر گداگروں میں اس صفت بد کا پایا جانا اور بھی بُرا ہے۔ جیسے برف باری کے دن اور وقت سرد اور گیلے کپڑوں کے باوجود کوئی شخص اتراتا پھرے۔

ہاں فقیر کی وہ بے نیازی اور سوال سے گریز و پرہیز جو عزت نفس، تقدیر پر خداوندی پر رضا مندی اور دنیا و اہل دنیا کو خاطر میں نہ لانے کی صفت و خوبی تو ایک دوسری چیز ہے۔ حضرت بشیر بن حارث نے امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خواب میں دیکھا تو عرض کیا مجھے کچھ وصیت فرمایئے۔ آپ نے فرمایا دولتمند لوگوں کا فقراء کے حال پر مہربانی کرنا کتنا اچھا فعل ہے خصوصًا اجر و ثواب کی نیت سے ایسا کرنا۔ مگر اس سے بہتر و اعلیٰ درجہ ان فقراء کا ہے جو اللہ تعالیٰ پر توکل و اعتماد کرتے ہوئے دولتمندوں کے ساتھ بے نیازی سے پیش آئیں۔

ۃ یعنی تیسرا شخص جس سے اللہ تعالیٰ بغض، و دشمنی رکھتا ہے، ظالم دولتمند ہے۔ جو اپنے نفس و مخلوق پر ظلم کرتا ہے۔ کہ نعمتِ دولت کا شکر ادا نہیں کرتا۔ اور زیر دستوں اور اہل حاجت پر مہربانی نہیں کرتا۔ بعض علماء نے کہا ہے اس سے یہ مراد ہے کہ جو دولتمند اللہ تعالیٰ کے حقوق ادا نہیں کرتا۔ اور لیا ہوا قرض واپس نہیں کرتا۔ اس کا ایسا کرنا ظلم و زیادتی ہے۔

۱۲ کہ امام نسائی رحمہ اللہ نے عبارت ثلاثۃ یبغضھم اللہ ذکر نہ کی۔ یعنی امام نسائیؒ نے ان تین افراد کا ذکر نہ کیا جنہیں اللہ تعالیٰ دشمن رکھتا ہے۔ انہوں نے صرف محبوبان حق تعالیٰ کے ذکر پر کفایت کی۔

وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا خَلَقَ اللّٰهُ الْاَرْضَ جَعَلَتْ تَمِيْدُ فَخَلَقَ الْجِبَالَ فَقَالَ بِهَا عَلَيْهَا فَاسْتَقَرَّتْ فَعَجِبَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ مِنْ شِدَّةِ الْجِبَالِ فَقَالُوْا يَا رَبِّ هَلْ مِنْ خَلْقِكَ شَيْءٌ اَشَدُّ مِنَ الْجِبَالِ قَالَ نَعَمِ الْحَدِيْدُ فَقَالُوْا يَا رَبِّ هَلْ مِنْ خَلْقِكَ شَيْءٌ اَشَدُّ مِنَ الْحَدِيْدِ قَالَ نَعَمِ النَّارُ فَقَالُوْا يَا رَبِّ هَلْ مِنْ خَلْقِكَ شَيْءٌ اَشَدُّ مِنَ النَّارِ

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب اللہ تعالیٰ نے زمین کو پیدا کیا تو وہ ہلنے لگی تو اللہ تعالیٰ نے پہاڑوں کو پیدا فرمایا اور انہیں زمین میں گاڑ دیا جس سے زمین ٹھہر گئی ۱ (اس پر) فرشتوں نے پہاڑوں کی مضبوطی پر تعجب کیا چنانچہ فرشتوں نے عرض کی یا الٰہی تیری مخلوق میں کوئی چیز پہاڑوں سے بھی زیادہ سخت ہے۔ فرمایا ہاں لوہا ۲ ہے۔ انہوں نے عرض کی یا الٰہی تیری مخلوق میں لوہے سے بھی زیادہ سخت کوئی چیز ہے۔ فرمایا ہاں آگ ۳ ہے۔ انہوں نے پھر عرض کی یا الٰہی تیری مخلوق میں کوئی چیز آگ

قَالَ نَعَمِ الْمَآءُ فَقَالُوْا يَا رَبِّ هَلْ مِنْ خَلْقِكَ شَيْءٌ اَشَدُّ مِنَ الْمَآءِ قَالَ نَعَمِ الرِّيْحُ فَقَالُوْا يَا رَبِّ هَلْ مِنْ خَلْقِكَ شَيْءٌ اَشَدُّ مِنَ الرِّيْحِ قَالَ نَعَمِ ابْنُ اٰدَمَ تَصَدَّقَ صَدَقَةً بِيَمِيْنِهٖ يُخْفِيْهَا مِنْ شِمَالِهٖ۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

سے بھی زیادہ سخت ہے فرمایا ہاں پانی[۵] ہے۔ فرشتے نے کہا تیری مخلوق میں کوئی چیز پانی سے بھی زیادہ سخت ہے۔ فرمایا ہاں ہوا[۶] ہے۔ فرشتے بولے یارب تعالیٰ کیا تیری مخلوق میں ہوا سے بھی زیادہ کوئی سخت چیز ہے۔ فرمایا ہاں وہ انسان[۷] جو اپنے ہاتھ سے خیرات کرے جسے بائیں ہاتھ سے بھی چھپائے رکھے۔

(ترمذی)

وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ وَّ ذُكِرَ حَدِيْثُ مُعَاذٍ اَلصَّدَقَةُ تُطْفِئُ الْخَطِيْئَةَ فِيْ كِتَابِ الْاِيْمَانِ۔

اور کہا یہ حدیث غریب ہے۔ اور حضرت معاذ کی یہ حدیث کہ صدقہ خطائیں ہٹا دیتا ہے، کتاب الایمان میں ذکر کردی گئی ہے۔

[۱] لفظ قالُ بات کرنے اور مارنے کے معنی میں آتا ہے۔

[۲] یعنی پہاڑوں کے زمین پر گاڑھنے سے زمین مضبوط اور قرار پذیر ہوگئی۔ سعدی فرماتے ہیں۔

زمین از تپ لرزہ آمد ستوہ — فرو کوفت بر دامنش میخ کوہ

زمین تپ لرزہ سے کانپتی تھی۔ تو اللہ تعالیٰ نے اس کے دامن پر پہاڑوں کی میخیں گاڑھ دیں۔

[۳] کہ وہ پہاڑوں کو بھی ریزہ ریزہ کر دیتا ہے۔

[۴] کہ آگ لوہے پر غالب و قاہر ہے۔ کہ اسے پگلا کر دیتی ہے۔

[۵] کہ پانی آگ کو بجھا دیتا اور ٹھنڈا کر دیتا ہے۔

[۶] کہ وہ پانی میں جنبش پیدا کر دیتی اور اسے متزلزل متحرک کر دیتی ہے۔

[۷] کہ یہ انسان ان تمام اشیاء سے سخت تر ہے کیونکہ صدقہ کرنے میں مخالفت نفس، طبیعت پر قہر، اور شیطان سے مقابلہ اور اس کی مدافعت ہے۔ اور یہ چیزیں مذکورہ اشیاء میں سے کسی چیز سے حاصل نہیں ہوتیں۔ اور انسان فطری و طبعی صفات پر پیدا کیا گیا ہے۔ جن کا قلع قمع ممکن نہیں مگر ریاضت و مجاہدہ اور کمال توفیق و تائید خداوندی سبحانہ سے کہ انسان کے مزاج و سرزشت میں سمعہ، ریا، عجب، حُبِ مدح و ثنا اور اپنے ساتھیوں اور ہم عمروں پر بلندی و فوقیت چاہنا پایا جاتا ہے۔ اس لیے جب بندہ کوئی چیز راہ خدا میں خرچ کرتا ہے تو ریا کے طور پر چاہتا ہے کہ اس کا اظہار اور اس کی نمائش ہو۔ اور جب بندہ

نفس و خواہشات کو بجھاتا اور ٹھنڈا کرتا ہے۔ اور یہ حقیقت ہے کہ خدا تعالیٰ کے غضب کا مقابلہ کوئی چیز نہیں کر سکتی چاہے وہ کتنی بھی سخت اور قوی ہو۔ اگر فرض کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ ہوا کی صورت میں اپنا عذاب نازل کرے اور کوئی بندہ پوشیدہ طریقہ سے صدقہ ادا کرے تو وہ صدقہ مذکور عذاب کو دور کر دے گا اور وہ عذاب آتا آتا رک جائے گا۔ تو معلوم ہوا کہ پوشیدہ صدقہ ہوا سے بھی زیادہ سخت و قوی ہے۔ بعض نے کہا صدقہ سر (پوشیدہ) اس وجہ سے سخت و قوی ہے کہ اس کا ثواب بہت زیادہ ہے۔ بعض نے کہا اس وجہ سے کہ اس سے رضائے الٰہی حاصل ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی تھوڑی سی رضا بھی بہت زیادہ ہے ورضوان من اللہ اکبر۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

عَنْ اَبِیْ ذَرٍّؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ عَبْدٍ مُّسْلِمٍ یُّنْفِقُ مِنْ کُلِّ مَالٍ لَّہٗ زَوْجَیْنِ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اِلَّا اسْتَقْبَلَتْہُ حَجَبَۃُ الْجَنَّۃِ کُلُّھُمْ یَدْعُوْہُ اِلٰی مَا عِنْدَہٗ قُلْتُ وَ کَیْفَ ذٰلِکَ قَالَ اِنْ کَانَتْ اِبِلًا فَبَعِیْرَیْنِ وَ اِنْ کَانَتْ بَقَرًا فَبَقَرَتَیْنِ۔

(رَوَاہُ النَّسَائِیُّ)

تیسری فصل

حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسلمان اپنے ہر مال سے جوڑا[1] اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتا۔ مگر جنت کے دربان اس کا استقبال کریں گے۔ ان میں سے ہر ایک اس چیز کی طرف بلائے گا جو اس کے پاس ہوگی[2]۔ میں نے عرض کیا یہ کیسے کرے۔ فرمایا اگر اونٹ ہوں تو دو اونٹ دے اور اگر گائیں ہو تو دو گائیں دے۔[3]

(نسائی)

[1] جیسے دو گھوڑے۔ یا دو اونٹ۔ یا دو جنس میں سے ہم شکل جیسے ایک گھوڑا اور ایک اونٹ۔ یا ایک درہم اور ایک دینار۔

[2] یعنی وہ ناز و نعمت کی چیزیں کہ زبان ان کی شرح کرنے سے قاصر ہے۔

[3] اور جب کہ خود حدیث میں زوجین کی تفسیر بیان ہو گئی ہے تو یہ بات متعین ہو گئی کہ مراد یہی ہے۔ ہاں محض احتمال لفظ کی بنا پر دو جنسوں کے ساتھ بھی تفسیر کر دی گئی ہے۔ جیسا کہ مذکور ہوا۔ شاید کسی دوسری جگہ سے بھی یہ دوسری تفسیر سمجھ آ جائے واللہ اعلم۔

وَ عَنْ مَرْثَدِ بْنِ عَبْدِ اللّٰہِ قَالَ

حضرت مرثد[1] بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت

حَدَّثَنِیْ بَعْضُ اَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنَّہٗ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ اِنَّ ظِلَّ الْمُؤْمِنِ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ صَدَقَتُہٗ ۔ (رَوَاہُ اَحْمَدُ)

سے فرماتے ہیں مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض صحابہ نے خبر دی کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے سنا قیامت کے دن مسلمان کا سایہ اس کا صدقہ ہوگا[۲] (احمد)

[۱] مرثد میم کی زبر را ساکن ۔ ثا کی زبر سے ۔ حضرت مرثد بن عبداللہ ثقہ تابعین میں سے ہیں ۔ اپنے وقت میں مصر کے مفتی تھے حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ ان سے مسائل دریافت کیا کرتے تھے ۔

[۲] یعنی قیامت کے روز مومن کی جائے پناہ اور اس کا سایہ اور اس کے آرام کا سبب اور اس کی نجات کا ذریعہ اس کا وہ صدقہ ہوگا جو اس نے راہ خدا میں دیا ہوگا ۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ صدقہ کو قیامت کے دن سائبان کی شکل میں اس کے اوپر پھیلایا جائے گا کہ روز حشر کی گرمی سے اس کے سر پر سایہ کرے گا ۔

وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ وَسَّعَ عَلٰی عِیَالِہٖ فِی النَّفَقَۃِ یَوْمَ عَاشُوْرَآءَ وَسَّعَ اللّٰہُ عَلَیْہِ سَائِرَ سَنَتِہٖ قَالَ سُفْیَانُ اِنَّا قَدْ جَرَّبْنَاہُ فَوَجَدْنَاہُ کَذٰلِکَ ۔ (رَوَاہُ رَزِیْنٌ وَّرَوَی الْبَیْہَقِیُّ فِیْ شُعَبِ الْاِیْمَانِ عَنْہُ وَعَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ وَاَبِیْ سَعِیْدٍ وَّجَابِرٍ وَّضَعَّفَہٗ ۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو دسویں محرم شریف کے دن اپنے بچوں کے خرچ میں فراخی کرے گا اللہ تعالیٰ سارا سال اس کو فراخی عطا کرے گا ۔ حضرت سفیان[۱] فرماتے ہیں ہم نے اس حدیث کا تجربہ کیا تو ایسے ہی پایا ۔ (رزین[۲]) اور بیہقی نے شعب الایمان میں انہی عبداللہ بن مسعود ابوہریرہ اور ابوسعید و جابر سے روایت کیا اور اسے ضعیف قرار دیا[۳] ۔ (ضعیف)

[۱] حضرت سفیان ثوری رضی اللہ عنہ ۔

[۲] یعنی اس حدیث کو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے حضرت رزین عبدری نے روایت کیا ۔ جو اکابر علمائے حدیث میں سے ہیں ۔

[۳] یعنی امام بیہقی نے اسے ابن مسعود، ابوہریرہ و ابوسعید خدری اور جابر بن عبداللہ سے روایت کیا ۔ اور اسے ضعیف

کر تورپشتی رحمۃ اللہ نے کہا۔ تو اللہ جس مرد سے پیار کرتا ہے وہ یہ مرد ہے جو اپنی قوم کے لوگوں سے الگ اور جدا ہوا اور سائل کو چپکے سے کچھ دیا۔ اس سے وہ مرد مراد نہیں جو ایک قوم کے پاس مانگنے کے لیے آیا جیسا کہ ظاہر عبارت سے مفہوم رہتا ہے۔

۵ یعنی جس چیز کو نیند کے برابر قرار دیا جاسکتا ہے اس سے بھی زیادہ انہیں نیند محبوب ہوگئی۔

۶ بعض نسخوں میں نقام احدہم آیا ہے۔ یعنی ان میں سے ایک شخص کھڑا ہوگیا۔

۷ چاپلوسی سے مراد یہ ہے کہ اللہ سے مناجات کرنے لگے۔ اور غایت تضرع و عاجزی میں ڈوب جائے۔ پھر حدیث کے الفاظ تیلو آیاتی میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے قول مبارک کو نقل کیا۔ لغت کی کتاب صراح میں ہے تملق بمعنی چاپلوسی کردن اور تملق بمعنی اس نے دوستی و نرمی کی۔ اور تملق میں اس ناز و نیاز کا بیان ہے جو محب و محبوب کے درمیان پایا جاتا ہے۔ اور اس میں ان اسرار و رموز کی جانب اشارہ ہے جو زبان حال و وقت سے ہی بیان ہو سکتے ہیں۔ جیسا کہ زبان مجاز سے اس جانب اشارہ کیا گیا ہے ہے۔ مگر حقیقی حال میں اس سے بہت بلند ہے۔

اے عاشق ناز ارجمنداں معشوق نیاز مستمنداں

چشم کرم تو عین ناز است نازی کہ درو صد نیاز است

اے ارجمند (خوش قسمت)، لوگوں کے ناز و ادا کے عاشق۔ اور محتاج لوگوں کے نیاز کے معشوق۔

تیری چشم کرم عین ناز ہے۔ تیرا یہ ناز ایسا ناز ہے کہ اس میں دو صد درجے نیاز پایا جاتا ہے۔

تو اللہ تعالیٰ ہی بلند شان والا ہے۔ جو پاک و عزت و بزرگی والا ہے۔ مشائخ طریقت قدس اسرارہم فرماتے ہیں، بہشت کے نشانات میں سے جو اس دنیا میں رکھا گیا ہے ذوق چاپلوسی ہے جو محبوں اور عاشقوں کو وقت سحر کی مناجات میں نصیب ہوتا ہے۔ یہ دراصل مشاہدہ قلبی کی جانب اشارہ ہے جو اس عالم آخرت میں دیدار بصری کی صورت میں نصیب و عطا ہوگا اے اللہ ہمیں مشاہدہ قلبی اور دیدار بصری عطا فرما۔

۸ یعنی اس نے جنگ و جہاد کی طرف رخ کیا۔ "سینہ تانے آگے ہوا" میں اس کے لڑنے اور بہادری میں مبالغہ کا بیان ہے۔ یعنی سینہ کھولے بے تحاشا جرأت و دلیری سے آگے بڑھا۔

۹ کہ اسے شرم نہیں آتی کہ ضعف آلہ اور عدم قدرت کے باوجود محض خبث باطن اور گرفتاری شہوت کے تحت اپنے آپ کو اس گھناؤنے گناہ سے آلودہ کرتا ہے۔

۱۰ یعنی وہ درویش و گداگر ہے جس میں تکبر و سرکشی پائی جاتی ہو کہ اسباب عزت نامرادی اور خستہ و شکستہ حال کے باوجود نفس و شیطان کے بہکانے سے غرور و سرکشی کا مظاہرہ کرتا ہے۔ ۔

بُرزشت است از گدایان نخوت تر دز برف و وقت سرد و جامہ تر۔

قرار دیا ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ اگرچہ اس حدیث کے طرق ضعیف ہیں۔ لیکن بعض کو بعض سے ملایا جائے تو ضعف ختم ہو کر اس میں قوت آجاتی ہے۔

واضح ہو کہ محدثین رحمہم اللہ تعالیٰ سے یوم عاشورہ کے بارے میں جو اعمال پایہ ثبوت کو پہنچے ہیں۔ وہ ایک روزہ ہے اور دوسرے طعام و کھانے کی وسعت و کشادگی روزوں کی حدیث تو صحیح ہے مگر طعام کی حدیث ضعیف مگر طرق کی کثرت تعداد سے یہ حدیث مرتبہ حسن کو پہنچ جاتی ہے۔ ہم نے اپنی کتاب ماثبت بالسنۃ فی ایام السنۃ میں روزہ عاشورہ میں وارد صحیح، حسان، اور ضعیف و موضوع احادیث سب تفصیل سے بیان کی ہیں۔ واللہ اعلم۔

وَعَنْ اَبِیْ اُمَامَةَ قَالَ قَالَ اَبُوْ ذَرٍّ يَا نَبِيَّ اللّٰهِ اَرَاَيْتَ الصَّدَقَةَ مَاذَا هِيَ قَالَ اَضْعَافٌ مُّضَاعَفَةٌ وَعِنْدَ اللّٰهِ الْمَزِيْدُ۔ (رَوَاهُ اَحْمَدُ)

حضرت[1] ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں حضرت ابوذر نے عرض کیا یا نبی اللہ فرمایئے صدقہ کا درجہ و مرتبہ کیا ہے۔ فرمایا وہ چند در چند[2] ہے (یعنی دوناددون) اور اللہ کے ہاں زیادتی اس کے علاوہ ہے۔ (احمد)

[1] حضرت ابو امامہ مشہور صحابی ہیں۔ ایک ابو امامہ تابعین میں سے بھی ہیں۔ مگر اس کلیت کے ساتھ مذکورہ صحابی زیادہ مشہور ہیں۔

[2] یعنی صدقہ کا ثواب دوناددون ہے۔ احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ دس سے سات سو تک ہے اور آیۃ کریمہ۔ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِيْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ بھی اس پر دلالت کرتی ہے۔ (ترجمہ آیۃ) اللہ کی راہ میں خرچ کیا ہوا مال اس ایک دانے کی طرح ہے جس نے سات خوشے اگائے ہر خوشے میں سو دانے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کے پاس سات سو سے بھی زیادہ ہے۔ جیسا کہ دوسرے قول میں فرمایا۔ وَاللّٰهُ يُضَاعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ اور اللہ بڑھاتا ہے جس کے لیے چاہتا ہے۔ اس آیۃ کریمہ کے آخر میں اس جانب اشارہ موجود ہے۔ لفظ ضِعف ضاد کی زیر کے ساتھ بمعنیٰ چیز کی مثل جیسے ایک پر ایک زیادہ کریں تو اس کا دوگناہ ہو جاتا ہے۔ اسی طرح جتنا آگے چلتے جاؤ۔

بَابُ اَفْضَلِ الصَّدَقَةِ

افضل صدقہ کا بیان

صدقہ کی فضیلت (اس کا بہترین ہونا) اس اعتبار سے کہ صدقہ اپنی ذوات میں نفع مند فعل ہے۔ لوگوں کو اس سے فائدہ پہنچتا ہے۔ پھر جس قدر اس کی ضرورت و حاجت ہوگی اسی قدر صدقہ کی افضلیت ہوگی۔ جس طرح پانی۔ اسی طرح ہر وہ چیز جس کی کسی وقت یا حالت یا کسی قوم کی حاجت و ضرورت کے لحاظ سے ضرورت و حاجت ہوتی ہے۔ یا ہر وہ جو صدقہ کرنے والے کی اچھی حالت کے اعتبار سے وقوع پذیر ہوتا ہے۔ جیسے تنگدستی کی حالت میں صدقہ کرنے یا اس کے غنی کی پشت سے ہونا جیسا کہ احادیث کی شرح میں اس کا معنیٰ معلوم ہوگا۔ یوں ہی صدقہ کا نہایت اخلاص، صدق نیت اور شرح صدر کے ساتھ بغیر احسان جتلانے اور تکلیف دینے کے مسکین کے ہاتھ میں پہنچنا۔ اس کے علاوہ اور اچھائیوں کا موجود ہونا۔ یا جس کو صدقہ دیا جا رہا ہے اس میں کسی عمدہ صفت کا موجود ہونا۔ اس سے سوال کرنا اسی طرح کی اور باتیں۔ اور اس باب میں اکثر احادیث جو مذکور ہوئی وہ اسی قسم اخیر سے تعلق رکھتی ہیں۔ خلاصہ یہ کہ ان مذکورہ وجوہات کے تحت جو صدقہ دیا جائے گا ان کی وجوہات کی اہمیت کے مطابق بہتر سے بہتر قرار پائے گا۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ وَ حَكِيْمِ بْنِ حِزَامٍ قَالَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَيْرُ الصَّدَقَةِ مَا كَانَ عَنْ ظَهْرِ غِنًى وَّ ابْدَأْ بِمَنْ تَعُوْلُ۔

(رَوَاهُ الْبُخَارِیُّ وَ رَوَاهُ مُسْلِمٌ عَنْ حَكِيْمٍ وَّحْدَهٗ)

پہلی فصل

حضرت ابوہریرہ اور حکیم بن حزام[1] رضی اللہ عنہما سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بہترین صدقہ وہ ہے جو قوت غنا سے ہو۔ اور خرچ[2] کی ابتداء ان سے کر جن کی تو پرورش کرتا ہے۔

اسے بخاری نے روایت کیا اور مسلم نے صرف حکیم سے روایت کیا[1]۔

[1] حزام حا کی زیر بعد میں زا۔ آپ مشہور صحابی ہیں ام المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے برادر زادہ ہیں۔ اشراف قریش میں سے ہیں۔ ایک سو بیس برس عمر پائی ساٹھ برس دورِ جاہلیت میں گذرے اور ساٹھ برس اسلام کا زرین دور دیکھنا نصیب ہوا۔

۳؎ یعنی وہ صدقہ بہترین صدقہ ہے جو غنی کی قوت سے صادر اور وقوع پذیر ہوا۔ یعنی وہ دولتمندی جس پر صدقہ کرنے والے کو اعتماد ہوتا ہے۔ یعنی اپنی دولتمندی کو باقی رکھتے ہوئے صدقہ کرنے والا۔ کہ وہ صدقہ خود اسے محتاج و فقیر نہ کر دے مطلب یہ ہے کہ اپنے اہل و عیال کے لیے خرچہ اور روزی رکھ کر زاید مال صدقہ کرنے والا۔ ایسا نہ کرے کہ سب مال صدقہ کر دے اور اپنے اہل و عیال کو بھوکا مارے۔ چنانچہ حدیث کے آخری جملہ وابدأ بمن تعول میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود یہ چیز بیان فرمادی۔
بعض علماء نے اس کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ لفظ ما کان عن ظہر غنی کہ صدقہ غنا اور سخاوت نفس سے ہو۔ خدا تعالیٰ پر توکل بھروسہ کرتے ہوئے۔ اور یہ کہ صدقہ کرنے میں فقر و محتاجی سے نہ ڈرے۔ اسی بنا پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی مدح و ثنا کی جب کہ آپ نے سارا مال صدقہ کر دیا اور گھر میں کچھ نہ چھوڑا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ سے فرمایا اپنے عیال کے لیے تو نے کیا باقی رکھا ہے۔ عرض کیا اللہ تعالیٰ کی ذات کو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا افضل الصدقۃ جہد المقل یعنی افضل صدقہ وہ ہے جس سے تنگدستی لاحق ہو جائے۔ جیسا کہ دوسری فصل میں آ رہا ہے۔ مگر معنیٰ اول کے بارے میں بہت حدیثیں وارد ہیں۔ اور تحقیق مقام یہ ہے کہ توکل صحیح اور اہل و عیال بھی موافقت کرے سب کچھ دیدے ورنہ اہل و عیال کی رعایت کرے۔ اور جانب نفس و عیال کا لحاظ کرے۔ پھر صدقہ جہد المقل میں بھی اپنے عیال کا خیال رکھنے کا حکم دیا۔

۴؎ یعنی اس حدیث کو مسلم نے صرف حضرت حکیم سے روایت کیا اور امام بخاری نے حضرت حکیم و ابو ہریرہ دونوں سے روایت کی تو حکیم کے اعتبار سے یہ حدیث متفق علیہ ہے۔ اور صرف ابو ہریرہ سے بخاری کے افراد میں سے ہو گی۔ (فتامل فیہ)

وَعَنْ اَبِیْ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا اَنْفَقَ الْمُسْلِمُ نَفَقَۃً عَلٰی اَھْلِہٖ وَھُوَ یَحْتَسِبُھَا کَانَتْ لَہٗ صَدَقَۃً۔

(مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)

حضرت ابو مسعود[۱] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب مسلمان اپنے گھر والوں پر ثواب کی طلب میں خرچ کرتا ہے تو یہ اس کے لیے صدقہ شمار ہوتا ہے[۲]

(بخاری مسلم)

۱؎ حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ مشہور انصاری صحابی ہیں۔ ان کو بدری صحابی کہا گیا ہے۔ مگر جمہور علماء اس پر ہیں کہ ان کی بدر کی طرف نسبت ان کے بدر میں سکونت کی وجہ سے ہے۔ کیونکہ آپ بدر میں رہتے تھے۔ اس وجہ سے بدری نہیں کہتے کہ آپ غزوہ بدر میں حاضر و موجود تھے۔ واللہ اعلم۔
۲؎ یعنی اگرچہ فقراء و مساکین کو نہ دے بلکہ ثواب کی نیت سے صرف اپنے اہل و عیال پر خرچ کرے تو یہ بھی اس

کی طرف سے صدقہ شمار ہوگا۔

وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ دِیْنَارٌ اَنْفَقْتَهٗ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَ دِیْنَارٌ اَنْفَقْتَهٗ فِیْ رَقَبَةٍ وَّ دِیْنَارٌ تَصَدَّقْتَ بِهٖ عَلٰى مِسْكِیْنٍ وَّ دِیْنَارٌ اَنْفَقْتَهٗ عَلٰى اَهْلِكَ اَعْظَمُهَا اَجْرًا الَّذِیْ اَنْفَقْتَهٗ عَلٰى اَهْلِكَ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک دینار وہ ہوتا ہے جو تو اللہ کی راہ میں خرچ کرتا ہے اور ایک وہ دینار جو تو گردن آزاد کرنے میں خرچ کرتا ہے۔ اور ایک وہ دینار جو تو مسکین پر صدقہ کرتا ہے۔ اور ایک دینار جو تو اپنے اہل و عیال پر خرچ کرتا ہے ان سب میں زیادہ ثواب اس کا ہے جو تو اپنے گھر والوں پر خرچ کرے۔ (مسلم شریف)

وَعَنْ ثَوْبَانَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَفْضَلُ دِیْنَارٍ یُّنْفِقُهُ الرَّجُلُ دِیْنَارٌ یُّنْفِقُهٗ عَلٰى عِیَالِهٖ وَ دِیْنَارٌ یُّنْفِقُهٗ عَلٰى دَآبَّتِهٖ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَ دِیْنَارٌ یُّنْفِقُهٗ عَلٰى اَصْحَابِهٖ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بہترین دینار جو انسان خرچ کرتا ہے۔ وہ ہے جسے انسان اپنے بال بچوں پر خرچ کرے[1]۔ اور دوسرا وہ دینار جسے انسان اللہ تعالیٰ کے لیے گھوڑے پر خرچ کرے۔ اور وہ دینار جسے بندہ اللہ کی راہ میں اپنے دوستوں پر خرچ کرے[3]۔ (مسلم شریف)

[1] بال بچوں سے مراد بیوی بچے اور ہر وہ فرد ہے جس کی پرورش اس کے ذمہ ہے۔

[2] یعنی ایسے گھوڑے پر جو راہ خدا (جہاد فی سبیل اللہ) کے لیے ہو اس پر خرچ کرنا بھی کار ثواب ہے۔ البتہ وہ گھوڑا جو اپنی سواری کے لیے ہو تو گھریلو سامان کی طرح ہے۔

[3] کہ یہ تین مقامات صدقہ کے افضل مصارف ہیں۔ باقی رہی بات کہ ان تین میں سے فضیلت کس عمل کو حاصل ہے۔ تو اس حدیث سے معلوم نہیں ہوتی۔ الا یہ کہ جو اس مقام پر یہاں پہلے ذکر کیا گیا ہے (یعنی بال بچوں پر خرچ کرنا) اس کا پہلے ذکر ہی اس بنا پر کیا گیا ہو کہ وہ سب سے افضل ہے۔ اور دوسری کئی حدیث اس امر کی صراحت بھی کرتی ہیں۔

وَعَنْ اُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ قُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَلِیْ اَجْرٌ اَنْ اُنْفِقَ

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں میں نے عرض کی یا رسول اللہ اگر میں

عَلٰی بَنِیْ اَبِیْ سَلَمَةَ اِنَّمَا هُمْ بَنِیَّ فَقَالَ اَنْفِقِیْ عَلَیْهِمْ فَلَكِ اَجْرُ مَا اَنْفَقْتِ عَلَیْهِمْ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ)

ابوسلمہ[۲] کے بچوں پر خرچ جو میرے بھی بچے ہیں، خرچ کروں تو کیا مجھے ثواب ملے گا۔ فرمایا ان پر خرچ کرو تمہیں ان پر خرچ کا ثواب ہے۔ (مسلم بخاری)

سلہ یعنی ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا۔

سلہ حضرت ابو سلمہ رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے ام سلمہ کے شوہر تھے۔ اور اکابر صحابہ میں سے تھے۔ جب ان کا وصال ہوگیا تو حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر آگئیں حضرت ابو سلمہ کے بچے رہ گئے تھے۔ جن پر حضرت ام سلمہ خرچ کیا کرتی تھیں۔ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ مجھے ان پر خرچ کرنے میں ثواب ملے گا؟ کیونکہ جب وہ میرے خاوند کے بچے ہیں تو گویا میرے بھی بچے ہیں۔ یاد رہے کہ ابو سلمہ کے بچوں سے وہ بچے مراد نہیں جو حضرت ام سلمہ کے بطن مبارک سے تھے کہ وہ تو حقیقۃً حضرت ام سلمہ ہی کے بچے تھے۔ ان بچوں کی نسبت صرف ابو سلمہ کی طرف کرنا چنداں فائدہ نہیں رکھتی۔ اور وہ بچے عمر و زینب تھے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تھے۔ یعنی جن کی پرورش حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں ہوتی تھی۔ اس میں غور کرو۔

وَعَنْ زَیْنَبَ[۱] امْرَاَةِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ تَصَدَّقْنَ یَا مَعْشَرَ النِّسَاءِ وَلَوْ مِنْ حُلِیِّكُنَّ قَالَتْ فَرَجَعْتُ اِلٰی عَبْدِ اللّٰهِ فَقُلْتُ اِنَّكَ رَجُلٌ خَفِیْفُ ذَاتِ الْیَدِ وَاِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَدْ اَمَرَنَا بِالصَّدَقَةِ فَاْتِهٖ فَاسْئَلْهُ فَاِنْ كَانَ ذٰلِكَ یُجْزِئُ عَنِّیْ وَاِلَّا صَرَفْتُهَا اِلٰی غَیْرِكُمْ قَالَتْ فَقَالَ لِیْ عَبْدُ اللّٰهِ بَلِ ائْتِیْهِ اَنْتِ قَالَتْ فَانْطَلَقْتُ فَاِذَا امْرَاَةٌ مِّنَ

حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی زوجہ زینب[۱] سے روایت ہے فرماتی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے عورتوں کے گروہ صدقہ[۲] کیا کرو اگرچہ اپنے زیور سے ہی ہو۔ فرماتی ہیں میں عبداللہ کی طرف لوٹ[۳] کر آئی اور ان سے کہا تم کچھ مسکین اور تنگدست انسان ہو[۴] اور رسول اللہ صلی اللہ نے ہمیں صدقہ کا حکم دیا ہے تم وہاں حاضر ہوکر پوچھ آؤ۔ اگر تم کو میرا صدقہ درست[۵] ہے۔ تو خیر ورنہ میں آپ لوگوں کے سوا کسی اور جگہ خرچ کردوں[۶]۔ فرماتی ہیں کہ مجھ سے حضرت عبداللہ نے کہا تم ہی[۷] وہاں جاؤ میں چلی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دروازے پر

الْاَنْصَارِ بِبَابِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ حَاجَتِیْ حَاجَتُہَا قَالَتْ وَکَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَدْ اُلْقِیَتْ عَلَیْہِ الْمَہَابَۃُ قَالَتْ فَخَرَجَ عَلَیْنَا بِلَالٌ فَقُلْنَا لَہٗ اِئْتِ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَاَخْبِرْہُ اَنَّ امْرَاَتَیْنِ بِالْبَابِ تَسْاَلَانِکَ اَتُجْزِئُ الصَّدَقَۃُ عَنْہُمَا عَلٰی اَزْوَاجِہِمَا وَعَلٰی اَیْتَامٍ فِیْ حُجُوْرِہِمَا وَ تُخْبِرْہُ مَنْ نَحْنُ قَالَتْ فَدَخَلَ بِلَالٌ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَسَاَلَہٗ فَقَالَ لَہٗ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ ھُمَا قَالَ امْرَاَۃٌ مِّنَ الْاَنْصَارِ وَ زَیْنَبُ فَقَالَ لَہٗ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَیُّ الزَّیَانِبِ قَالَ امْرَاَۃُ عَبْدِ اللّٰہِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَہُمَا اَجْرَانِ اَجْرُ الْقَرَابَۃِ وَ اَجْرُ الصَّدَقَۃِ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ وَ اللَّفْظُ لِمُسْلِمٍ)

ایک اور انصاری عورت بھی موجود تھی جسے میرے جیسا[1] ہی کام تھا حضرت زینب فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قدرت کی طرف سے ہیبت عطا کی گئی تھی ۔ فرماتی ہیں ہمارے پاس حضرت بلال آئے ۔ ہم نے ان سے عرض کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں جاؤ ۔ اور عرض کرو کہ دروازے پر دو عورتیں حاضر ہیں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کرتی ہیں ۔ کہ کیا ان کا اپنے خاوندوں اور ان یتیموں[2] پر خرچ کرنا جو ان کی پرورش میں ہوں، صدقہ بن جائے گا اور یہ نہ بتانا کہ ہم کون[3] ہیں۔ فرماتی ہیں کہ حضرت بلال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور مسئلہ پوچھا ان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا وہ کون ہیں عرض کیا کہ ایک انصاری عورت اور حضرت زینب ہیں ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ نے فرمایا کونسی زینب۔ عرض کیا عبداللہ کی زوجہ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ انہیں دوہرا ثواب ہے ۔ ایک قرابت کا ثواب دوسرا اجر نہ صدقہ ۔

(مسلم بخاری اور الفاظ مسلم کے ہیں)

[1] آپ صحابیہ ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کرم وعنایت خاص سے بہرہ ور تھیں ان سے ان کے خاوند، حضرت ابوہریرہ، حضرت ابوسعید خدری اور حضرت عائشہ روایت کرتی ہیں ۔

سے یعنی عورتوں کو صدقہ و خیرات کی ترغیب دیتے ہوئے۔
سے یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس سے یہ کلمہ سن کر میں اپنے خاوند عبد اللہ کی طرف واپس آئی۔
سے یعنی تم فقیر اور تنگدست انسان ہو زیادہ مال نہیں رکھتے۔
سے یعنی کیا یہ بات کفایت کرے گی آپ پر اور آپ کی اولاد پر صدقہ کروں حالانکہ ازدواجی زندگی کے اعتبار سے میرا ہر چیز میں آپ کے ساتھ اشتراک و اختلاط پایا جاتا ہے۔ اس کے باوجود میرا آپ پر اور آپ کی اولاد پر صدقہ کرنا ثواب کیلئے کفایت کرے گا۔

سے یعنی اگر میرا تم پر اور تمہاری اولاد پر صدقہ کرنا کفایت کرتا ہے تو میں اسے ادا کرتی ہوں اور تم پر صرف کر دیتی ہوں اور اگر کفایت نہ کرے تو میں دوسرے لوگوں پر صرف کر دیتی ہوں یہاں حدیث میں الی غیرکم اور علی غیرکم دونوں طرح روایت ہے۔

سے یعنی حضرت عبداللہ نے فرمایا بلکہ تو خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں جا اور آپ سے یہ مسئلہ دریافت کر۔ مجھے جانے کی تکلیف نہ دے گویا حضرت عبداللہ یہ دریافت کرنے سے شرم کھا گئے۔ کیونکہ یہ حیا و حجاب کا مقام تھا۔
سے یعنی اس نے بھی یہ مسئلہ دریافت کرنا تھا کہ شوہر اور اس کے متعلقین پر عورت کا خرچ درست ہے یا نہیں۔
سے بظاہر یہ دونوں عورتیں اپنے خاوند پر مال خرچ کرنے کا مسئلہ دریافت کرنے آئی تھیں مگر ان کے دل میں یتیموں پر مال خرچ کرنے کا مسئلہ بھی موجود تھا۔ یا عین اس وقت ان کے دل میں یہ مسئلہ پوچھنے کا خیال پیدا ہوا۔
سنہ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ہمارا نام نہ لینا تاکہ ایسا نہ ہو کہ آپ ہمیں اپنے پاس بلانے میں تکلیف محسوس نہ کریں اور آپ کا وقت ضائع ہو۔ دوسرے اس وجہ سے بھی کہ نام لینے کی حاجت و ضرورت نہیں ہے۔
سلہ کیونکہ بہت سی صحابیات کے نام زینب تھے۔ اس لیے آپ نے دریافت فرمایا کونسی زینب۔ اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اس بنا پر کہ مشہور زینب یہی ہیں، مطلق زینب کا نام لے لیا ان کے خاوند کا نام نہ لیا۔ یا حضرت بلال نے صرف اس عورت کا نام سنا تھا دوسری کا نام نہ سنا تھا۔

سلہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں بیوی کو کفایت کرتا ہے کہ اپنے شوہر اور اس کے یتیم تعلق داروں پر خرچ کرے۔ بعض نسخوں میں لفظ نعم نہیں ہے۔ بلکہ آپ نے صرف اسقدر فرمایا لہما اجران اجر القرابۃ واجر الصدقۃ یعنی ان دونوں عورتوں کو دو اجر ملیں گے ایک اجر قرابت اور دوسرا اجر صدقہ۔ لہذا ان پر خرچ و صدقہ کرنا ان کے غیر پر صدقہ و خرچ کرنے سے افضل و اکمل ہوگا۔

وَ عَنْ مَيْمُوْنَةَ بِنْتِ الْحٰرِثِؓ اَنَّهَا اَعْتَقَتْ وَلِيْدَةً فِيْ زَمَانِ

حضرت میمونہ بنت حارث سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ اقدس میں ایک لونڈی آزاد کی

رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرَتْ ذٰلِكَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. فَقَالَ لَوْ اَعْطَيْتِهَا اَخْوَالَكِ كَانَ اَعْظَمَ اَجْرِكِ

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ذکر کیا تو آپ نے فرمایا اگر تو لونڈی اپنے ماموؤں کو دیدیتی تو تجھے بڑا ثواب ملتا۔

(بخاری مسلم)

۱؎ اُمّ المومنین حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا۔

۲؎ جنہیں خادم کی ضرورت تھی۔ تو تجھے بہت زیادہ ثواب ملتا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے غلام آزاد کرنے سے صلہ رحمی کا درجہ و ثواب زیادہ ہے۔

وَعَنْ عَائِشَةَ رض قَالَتْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ لِيْ جَارَيْنِ فَاِلٰى اَيِّهِمَا اُهْدِيْ قَالَ اِلٰى اَقْرَبِهِمَا مِنْكِ بَابًا.

(رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے انہوں نے عرض کی یا رسول اللہ بیشک میرے دو پڑوسی ہیں ان میں سے کسے ہدیہ دیا کروں۔ فرمایا جس کا دروازہ تم سے زیادہ قریب ہے

(بخاری شریف)

۱؎ اس بارے میں معتبر ہمسائے کے دروازے کی نزدیکی ہے۔ اس کے گھر سے متصل یا قریب ہونے کا اعتبار نہیں ہے۔

وَعَنْ اَبِيْ ذَرٍّ رض قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا طَبَخْتَ مَرَقَةً فَاَكْثِرْ مَاءَهَا وَتَعَاهَدْ جِيْرَانَكَ.

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جب شوربہ پکاؤ تو اس کا پانی زیادہ کرو اور اپنے پڑوسیوں کا خیال رکھو۱؎

(بخاری شریف)

۱؎ کہ کچھ شوربہ ان کے گھر بھی بھیجو۔ حدیث میں لفظ مَرَق میم و را کی زبر سے یعنی شوربہ۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِيْ

دوسری فصل

عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ رض قَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَيُّ الصَّدَقَةِ اَفْضَلُ قَالَ جُهْدُ الْمُقِلِّ وَابْدَاْ بِمَنْ تَعُوْلُ.

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کونسا صدقہ سب سے افضل ہے فرمایا افضل صدقہ وہ جو کم مال والا انسان اپنے کو مشقت میں ڈال کر کرے۱؎۔ اور پرورش و خرچ کی ابتدا اپنے

(رَوَاهُ اَبُوْدَاؤدَ)

عیال سے کر۔

لہ یعنی کم مال والا بندہ اپنے آپ کو مشقت و تکلیف میں ڈال کر جو صدقہ کرتا اور اپنی وسعت و طاقت کے مطابق دیتا ہے یہ افضل صدقہ ہے۔ یہاں حدیث میں لفظ جُہد جیم کی پیش و زبر دونوں لغت ہیں۔ بعض نے کہا جیم پر زبر کی صورت میں اس کا معنی مشقت ہے۔ اور جیم پر پیش پڑھیں تو اس کا معنی وسعت و طاقت ہے۔ مگر یاد رہے یہ اس وقت افضل صدقہ قرار پاتا ہے جب کہ صحیح توکل اور قوت یقین سے ہو۔ اور بندے کے بال بچے بھی اس سے موافقت کریں۔ اور اگر وہ سب کچھ دینے پر راضی نہ ہوں تو پھر جائز نہیں ہے۔ اسی لیے آگے فرمایا ابتداء اپنے اہل و عیال سے کر۔

وَعَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلصَّدَقَةُ عَلَى الْمِسْكِيْنِ صَدَقَةٌ وَهِيَ عَلَى ذِي الرَّحِمِ ثِنْتَانِ صَدَقَةٌ وَّصِلَةٌ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَالنَّسَائِيُّ وَ ابْنُ مَاجَةَ وَ الدَّارِمِيُّ)

حضرت سلیمانؓ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مسکین پر صدقہ کرنا ایک درجہ ثواب رکھتا ہے۔ اور وہی صدقہ ذی رحم رشتہ داروں پر کرنا صدقہ بھی ہے اور صلہ رحمی بھی احمد۔ ترمذی، نسائی۔ ابن ماجہ۔ اور دارمی۔

لہ مشکوٰۃ کے نسخوں میں ایسا ہی ہے یعنی سُلیمان سین کی پیش اور یا کے ساتھ۔ علماء نے کہا ہے کہ درست سُلمان ہے یعنی سین کی زبر اور بغیر یا کے سلیمان یا تو کاتب کا سہو ہے یا صاحب کتابت کا۔ کتاب مغنی میں فرمایا کہ ہر جگہ سلیمان یا کے ساتھ ہے ماسوائے سلمان فارسی و سلمان بن عامر و سلمان اغر و عبدالرحمٰن بن سلمان کہ یہ یا کے بغیر ہیں اور سلمان بن عامر صحابی ہیں ان کا شمار بصریوں میں ہوتا ہے

وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ عِنْدِيْ دِيْنَارٌ قَالَ اَنْفِقْهُ عَلَى نَفْسِكَ قَالَ عِنْدِيْ اٰخَرُ قَالَ اَنْفِقْهُ عَلَى وَلَدِكَ قَالَ عِنْدِيْ اٰخَرُ قَالَ اَنْفِقْهُ عَلَى اَهْلِكَ قَالَ عِنْدِيْ اٰخَرُ قَالَ اَنْفِقْهُ عَلَى خَادِمِكَ قَالَ عِنْدِيْ اٰخَرُ قَالَ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں ایک آدمی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا میرے پاس ایک دینار ہے فرمایا اسے اپنی ذات پر خرچ کر۔ اس نے کہا میرے پاس ایک درہم اور ہے فرمایا اسے اپنی اولاد پر خرچ کر اس نے عرض کیا میرے پاس ایک اور دینار بھی ہے۔ فرمایا اسے اپنے خادم پر خرچ کر لہ اس نے عرض کیا میرے پاس اور دینار بھی ہے۔ فرمایا تو بہتر جانتا ہے لہ۔

اَنْتَ اَعْلَمُ۔

(رَوَاہُ اَبُوْ دَاؤدَ وَ النَّسَائِیُّ) ابوداود نسائی

لے یا سواری کے جانور کو بھی خادم کے حکم میں داخل کیا۔

سے یعنی تو مستحق انسان کا حال بہتر جانتا ہے۔ تو جسے تو مستحق جانتا ہے اسے دیدے۔

وَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَلَا اُخْبِرُکُمْ بِخَیْرِ النَّاسِ رَجُلٌ مُّمْسِكٌ بِعِنَانِ فَرَسِہٖ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اَلَا اُخْبِرُکُمْ بِالَّذِیْ یَتْلُوْہُ رَجُلٌ مُّعْتَزِلٌ فِیْ غُنَیْمَۃٍ لَّہٗ یُؤَدِّیْ حَقَّ اللّٰہِ فِیْھَا اَلَا اُخْبِرُکُمْ بِشَرِّ النَّاسِ رَجُلٌ یُّسْاَلُ بِاللّٰہِ وَ لَا یُعْطِیْ بِہٖ۔ (رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَالنَّسَائِیُّ وَ الدَّارِمِیُّ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں تمہیں سب سے بہتر انسان کی خبر نہ دوں بہترین مرد وہ ہے جو راہ خدا میں جہاد کے لیے جانے کی خاطر اپنے گھوڑے کی لگام تھامے کھڑا ہے پھر اس کے بعد سب سے بہترین انسان میں تمہیں نہ بتلاؤں جو الگ اپنی بکریوں کے ساتھ رہتا ہے اور ان میں سے اللہ تعالیٰ کا حق ادا کرتا ہے میں تمہیں سب سے بدتر انسان بتلاؤں۔ یہ وہ شخص ہے جس سے اللہ کے نام پر کچھ مانگا جائے اور وہ نہ دے۔ (ترمذی نسائی۔ دارمی)

لے یعنی سوار ہو کر کفار کے ساتھ جنگ کے لیے تیار کھڑا ہے۔ مراد یہ ہے کہ یہ انسان بہترین لوگوں میں سے ہے ورنہ وہ شخص جو علم الٰہی زیادہ رکھتا ہو۔ بہت متقی اور بہت ڈرنے والا اور دنیا سے بہت بے رغبت ہو اور اس پر جہاد بھی فرض نہ ہو تو وہ اس شخص سے بھی بہتر ہے۔ جیسا کہ علماء نے کہا ہے۔

سے کہ فقراء پر بھی صدقہ کرتا ہے۔

سے اس ترجمہ کے مطابق یسأل صیغہ مضارع مجہول ہوگا اور لا یعطی مضارع معروف۔ اور یہ مسئول عنہ کا حال ہے بعض نے یَسْأَلُ معروف اور ولا یعطی بہ مجہول پڑھا ہے یعنی جو خدا کے نام سوال کرے مانگے اور وہ نہ دے کہ اس طرح انکار سے اللہ تعالیٰ کے اسم مبارک کی ہتک لازم آتی ہے۔

وَ عَنْ اُمِّ بُجَیْدٍ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ رُدُّوا السَّائِلَ وَلَوْ بِظِلْفٍ

حضرت ام بجید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سائل کو کچھ دیکر واپس کیا کرو اگرچہ بکری کی جلی ہوئی

مُّحْرَقٍ
(رَوَاهُ مَالِكٌ وَ النَّسَآئِيُّ وَالتِّرْمِذِيُّ وَ اَبُوْ دَاؤُدَ مَعْنَاهُ)

کھر ہی کیوں نہ ہو۔
اسے مالک، نسائی نے روایت کیا اور ترمذی وابوداود نے اس کا معنیٰ روایت کیا۔

لے بجید با کی پیش، جیم کی زبر اور یا آخر میں دال۔ آپ انصاریہ صحابیہ ہیں۔

ٹے حدیث میں واقع لفظ ظلف ظا معجمہ کی زبر لام ساکن سے بمعنی گائے بکری کا پھٹا ہوا کھر۔ اور یہ مبالغہ ہے۔ پھر محرق جلا ہوا) میں زیادہ مبالغہ ہے۔

وَ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنِ اسْتَعَاذَ مِنْكُمْ بِاللّٰهِ فَاَعِيْذُوْهُ وَ مَنْ سَاَلَ بِاللّٰهِ فَاَعْطُوْهُ وَ مَنْ دَعَاكُمْ فَاَجِيْبُوْهُ وَ مَنْ صَنَعَ اِلَيْكُمْ مَعْرُوْفًا فَكَافِئُوْهُ فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا مَا تُكَافِئُوْهُ فَادْعُوْا لَهٗ حَتّٰى تَرَوْا اَنْ قَدْ كَافَاْتُمُوْهُ۔ (رَوَاهُ اَحْمَدُ وَ اَبُوْدَاؤُدَ وَالنَّسَآئِيُّ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو تم سے اللہ کے نام پر پناہ لے[1] اسے پناہ دو اور جو اللہ کے نام پر سوال کرے اسے کچھ دو۔ اور جو تمہاری دعوت کرے اس کی دعوت قبول کرو[2]۔ اور جو تم سے بھلائی کرے[3] اسے بھلائی کا بدلہ دو۔ پھر اگر ایسی چیز نہ پاؤ جس سے اس کا بدلہ دے سکو تو اس کے لیے دعا ہی کرو یہاں تک کہ تم خیال کرو تم نے اس کا بدلہ دیدیا ہے[4]۔ احمد۔ ابو داؤد۔ نسائی۔

لے یعنی تمہارے شر یا کسی اور کے شر سے۔

ٹے جبکہ اس میں کوئی حسی یا شرعی مانع اور رکاوٹ نہ ہو۔

سے یہاں حدیث میں لفظ صَنَعَ آیا ہے جو صُنع سے مشتق ہے۔ یعنی صاد کی پیش سے۔ اس کا معنیٰ ہے نیکی کرنا جس طرح معروف کا معنی بھی نیکی ہے۔ پھر یہاں لفظ صَنَعَ فعل کے معنیٰ میں ہے۔

کے یعنی دعا کرنے میں اتنا مبالغہ اور تکرار کرو کہ اس کا بدلہ بن جائے۔ حضرت شیخ نے فرمایا کہ اس کی مکافات کے لیے جزاک اللہ خیرا کہنا کفایت کرتا ہے اور فرماتے تھے کہ مکافات میں مبالغہ یہ ہے کہ مکافات کی پوری کوشش کے باوجود اپنے نفس کو اس کا بدلہ دینے میں عاجز محسوس کرتے ہوئے۔ اس کے بدلے کو خدا سبحانہ و تعالیٰ کے سپرد کرے۔

وَ عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يُسْاَلُ بِوَجْهِ اللّٰهِ اِلَّا الْجَنَّةُ۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کے نام پر نہیں مانگی جاتی مگر جنت

(رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ)

(ابوداؤد)

لے یعنی اس کی ذات اور اس کے نام سے جنت ہی مانگی جاتی ہے۔ اس کے اور معنیٰ ہیں ایک لوگوں کو منع کرنا کہ وہ اللہ کے نام سے نہ مانگا کریں۔ کیونکہ جب آپ نے فرمایا سوال نہ کیا جائے اللہ کے نام سے مگر جنت۔ اور بہشت کا کہ یہ سوال لوگوں سے کیا نہیں جا سکتا۔ اس سے خود بخود لازم آگیا کہ لوگوں سے اللہ کے نام پر کوئی چیز نہ مانگی جائے۔ دوسرا معنیٰ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے نہ مانگی جائیں دنیا کی چیزیں اور سامان کیونکہ دنیا بہت حقیر و فانی چیز ہے۔ اگر خدا سے سوال کرو تو جنت کا سوال کرو کہ وہ عظیم المرتبہ اور باقی رہنے والی ہے۔ مقصود اس عبارت سے بھی مبالغہ ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

عَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَ اَبُوْ طَلْحَةَ اَكْثَرَ الْاَنْصَارِ بِالْمَدِيْنَةِ مَالًا مِّنْ نَخْلٍ وَ كَانَ اَحَبُّ اَمْوَالِهٖ بَيْرَحَآءَ وَ كَانَتْ مُسْتَقْبِلَةَ الْمَسْجِدِ وَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدْخُلُهَا وَ يَشْرَبُ مِنْ مَّآءٍ فِيْهَا طَيِّبٍ قَالَ اَنَسٌ فَلَمَّا نَزَلَتْ هٰذِهِ الْاٰيَةُ لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ قَامَ اَبُوْ طَلْحَةَ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى يَقُوْلُ لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ وَ اِنَّ اَحَبَّ مَالِيْ اِلَيَّ بَيْرُحَآءَ وَ اِنَّهَا صَدَقَةٌ لِلّٰهِ تَعَالٰى اَرْجُوْ بِرَّهَا وَ ذُخْرَهَا عِنْدَ اللّٰهِ فَضَعْهَا

تیسری فصل

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ مدینہ طیبہ میں تمام انصار سے زیادہ باغات کے مالک تھے اور انہیں زیادہ پیارا مال باغ بیرحاء تھا۔ جو مسجد نبوی شریف کے سامنے تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس باغ میں تشریف لے جاتے اور وہاں کا بہترین پانی پیتے تھے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ کہ جب لن تنالوا البر حتی تنفقوا مما تحبون۔ نازل ہوئی حضرت ابوطلحہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں کھڑے ہو کر عرض کرنے لگے یا رسول اللہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے لن تنالوا البر یعنی تم لوگ اس وقت تک بھلائی نہیں پا سکتے جب تک کہ اپنا پسندیدہ مال خرچ نہ کرو۔ اور میرا پسندیدہ مال باغ بیرحاء ہے۔ اب وہ اللہ کے لیے صدقہ ہے۔ میں اللہ تعالیٰ کے پاس اس

يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ حَيْثُ اَرَاكَ اللّٰهُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَخٍ بَخٍ ذٰلِكَ مَالٌ رَابِحٌ وَقَدْ سَمِعْتُ مَا قُلْتَ وَاِنِّیْ اَرٰی اَنْ تَجْعَلَهَا فِی الْاَقْرَبِيْنَ فَقَالَ اَبُوْطَلْحَةَ اَفْعَلُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَقَسَمَهَا اَبُوْ طَلْحَةَ فِیْ اَقَارِبِهٖ وَبَنِیْ عَمِّهٖ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

کا ثواب اور اس کا ذخیرہ چاہتا ہوں۔ یا رسول اللہ آپ اسے وہاں خرچ کریں جہاں رب تعالیٰ آپ کی رائے قائم فرمائے۔ (اس پر) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خوب یہ تو بڑا نفع کا مال ہے۔ جو تم نے کہا میں نے سن لیا۔ میری رائے یہ ہے کہ اسے اپنے رشتہ داروں میں وقف کردو۔ ابوطلحہ بولے یا رسول اللہ میں یہی چاہتا ہوں۔ پھر اسے ابوطلحہ نے اپنے عزیزوں اور چچا زادوں میں تقسیم کردیا۔

(مسلم بخاری)

۱؎ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ مشہور صحابہ میں سے ہیں۔ حضرت انس کی والدہ کے شوہر ہیں۔

۲؎ بیر حاء ایک باغ کا نام ہے۔ اس لفظ کی تحقیق میں اختلاف ہے۔ مشہور تلفظ با کی زبر حا الف مقصورہ یا ممدودہ کے ساتھ۔ جیسا کہ اول کتاب میں گذرا۔ یہ باغ مسجد نبوی شریف کے سامنے تھا۔ حضور علیہ السلام اس میں موجود عمدہ اور شیریں پانی نوش فرمایا کرتے تھے۔

۳؎ یعنی جس کو آپ دینا چاہتے ہیں دیں اور جو جگہ آپ مناسب جانتے ہیں وہاں صرف کریں۔

۴؎ بخ بخ بمعنی خوب خوب۔ بخ بخ دراصل ایسا کلمہ ہے جو فخر مدح اور کسی چیز پر راضی و خوش ہونے پر بولا جاتا ہے فارسی میں لفظ خہ خہ کا بھی یہی معنی ہے۔ یعنی بیر حاء بہت نفع مند مال ہے اسے خرچ کردے۔ تکرار مبالغ کے لیے ہے اس کا آخر ساکن ہے اور جب دوسرے سے ملاتے ہیں تو مجرور اور نون تنوین کے ساتھ پڑھتے ہیں اور یہ مخفف ہے کبھی شد سے بھی پڑھتے ہیں۔

۵؎ میں نے سن لیا اور قبول کیا جو تو نے کہا اور نیت خیر کی۔

۶؎ تاکہ صدقہ اور صلہ رحمی دونوں کا ثواب تجھے ملے۔ حضرت ابوطلحہ نے کہا میں ایسا ہی کرتا ہوں جیسا آپ نے فرمایا ہے۔ اور میں اسے اپنے خویش و اقارب میں خرچ کرتا ہوں۔

۷؎ یہ اقارب کا بیان ہے یا اقارب ان کے علاوہ ہیں۔ منقول ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے دور امارت میں حضرت ابوطلحہ کے اقارب سے یہ باغ خرید لیا اور اس جگہ بلند محل تعمیر کیے۔

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ہی روایت

اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَفْضَلُ الصَّدَقَۃِ اَنْ تُشْبِعَ کَبِدًا جَائِعًا۔

(رَوَاہُ الْبَیْہَقِیُّ فِیْ شُعَبِ الْاِیْمَانِ)

ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بہترین صدقہ یہ ہے کہ تو بھوکے جگر کو سیر کرے[1]۔

اسے بیہقی نے شعب الایمان میں روایت کیا۔

[1] علامہ طیبی رحمۃ اللہ نے کہا بھوکے جگر والا مومن ہو یا کافر انسان ہو یا غیر انسان۔

بَابُ مَا تُنْفِقُهُ الْمَرْأَةُ مِنْ مَّالِ زَوْجِهَا

اس امر کا بیان کہ عورت اپنے خاوند کے مال میں سے کیا خرچ کر سکتی ہے

مؤلف رحمۃ اللہ کی عادت شریف ہے کہ کبھی باب کو بے ترجمہ ذکر کرتے ہیں اور اس باب میں باب سابق کے متممات و ملحقات بیان کرتے ہیں۔ اور بعض نسخوں میں باب صدقۃ المرأۃ من مال الزوج آیا ہے۔ اور بعض میں باب نفقۃ المرأۃ من مال زوجہا آیا ہے۔ اس باب کی احادیث عورت کے نفقہ کے ساتھ خاص نہیں ہیں۔ بلکہ خازن اور خادم کو بھی شامل ہیں۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

عَنْ عَائِشَۃَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا اَنْفَقَتِ الْمَرْاَۃُ مِنْ طَعَامِ بَیْتِہَا غَیْرَ مُفْسِدَۃٍ کَانَ لَہَا اَجْرُہَا بِمَا اَنْفَقَتْ وَلِزَوْجِہَا اَجْرُہٗ بِمَا کَسَبَ وَلِلْخَازِنِ مِثْلُ ذٰلِکَ لَا یَنْقُصُ بَعْضُہُمْ اَجْرَ بَعْضٍ شَیْئًا۔

(مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)

فصل اول

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔ فرماتی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب عورت اپنے گھر کے کھانے سے کچھ خیرات کرے بشرطیکہ نقصان پہنچانے کی نیت نہ ہو تو اسے خیرات کرنے کا ثواب ملے گا۔ اور اس کے خاوند کو کمانے کا ثواب۔ اور خزانچی کو بھی اس کے برابر جن میں کوئی دوسرے کے ثواب سے کچھ کم نہ کرے گا۔

(بخاری مسلم)

سے سب کو کامل ثواب ملے گا۔ کسی کے ثواب میں کوئی کمی نہ ہوگی۔ پھر یہ حدیث اس بات سے مطلق اور عام ہے کہ عورت نے اس کھانے میں سے خرچ کرنے کی خاوند سے اجازت لی ہو یا نہ لی ہو۔ بعض علماء نے کہا ہے کہ عورت کے لیے اپنے مرد کے مال سے بلا اس کی اجازت کے کچھ بھی خرچ کرنا جائز نہیں۔ اور اس حدیث کی تاویل کرتے ہیں کہ یہ اہل حجاز کی عادت پر مبنی ہے کہ گھر والوں اور خادم کو انہوں نے اجازت دی ہوتی ہے۔ کہ گھر میں جو کچھ ہوتا ہے اس میں سائلوں اور ضعیفوں کو صدقہ کرتے ہیں۔ مگر آئندہ حدیث اس امر میں صریح ہے کہ مرد کی اجازت کے بغیر صرف کرنا جائز ہے۔ شاید کہ علماء کی مذکورہ جماعت اسے امر جدید پر محمول کرتی ہو۔ اسے سمجھو۔

وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اَنْفَقَتِ الْمَرْاَةُ مِنْ کَسْبِ زَوْجِهَا مِنْ غَیْرِ اَمْرِهٖ فَلَهَا نِصْفُ اَجْرِهٖ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب بیوی نے مرد کی کمائی سے بلا اجازت اس کے حکم کے خرچ کیا[1] تو اس کو نصف ثواب[2] ملے گا۔ (بخاری مسلم)

[1] مگر عورت کو اپنے خاوند کی رضامندی کا پتہ یا تو صریحاً یا دلالۃً ہوتا ہے اور چیز بھی معمولی ہو جیسا کہ حواشی میں مذکور ہے۔ علامہ توربشتی نے کہا کہ مرد کا امر و حکم لوگوں کی عادت سے متعلق ہے۔ خواہ شہری ہو یا دیہاتی۔ اور مختار و پسندیدہ قول یہی ہے۔

[2] یعنی وہ ثواب دونوں کے درمیان مشترک ہوگا۔

وَعَنْ اَبِیْ مُوْسَى الْاَشْعَرِیِّ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَیْهِ الْخَازِنُ الْمُسْلِمُ الْاَمِیْنُ الَّذِیْ یُعْطِیْ مَا اُمِرَ بِهٖ کَامِلًا مُّوَفَّرًا طَیِّبَةً بِهٖ نَفْسُهٗ فَیَدْفَعُهٗ اِلَى الَّذِیْ اُمِرَ لَهٗ بِهٖ اَحَدُ الْمُتَصَدِّقِیْنَ (مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ)

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ مسلمان امانت دار خزانچی کو جو اسے حکم دیا جائے وہ پورا اور مکمل خوشدلی[1] سے خیرات کرے اور اس کو دے جسے دینے کو کہا گیا تو وہ بھی دو میں سے ایک[2] صدقہ دینے والا ہے۔ (بخاری مسلم)

[1] یعنی خوشدلی سے دے بوجھ محسوس نہ کرے۔ اور دل تنگ ہو کر نہ دے۔

[2] دو صدقہ کرنے والوں میں سے ایک تو خود وہ مالک ہے کہ حقیقۃً صدقہ کرنے والا وہی ہے۔ دوسرا یہ خازن ہے

جو ان صفات مذکورہ سے موصوف ہو وہ بھی صدقہ کرنے والے کی طرح ہے۔ یہ عبارت دراصل اس قبیلہ میں سے ہے جو کہتے ہیں کہ القلم احد اللسانین کہ قلم دو زبانوں سے ایک زبان ہے والخال احد الابوین کہ ماموں دو باپوں میں سے ایک باپ ہے۔ مراد یہ ہے کہ وہ بھی ثواب و اجر میں شریک ہے۔ اور لفظ متصدقین قاف کی زیر سے بھی پڑھا گیا ہے۔ یعنی جمع مذکر کی شکل میں۔

وَعَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ اِنَّ رَجُلًا قَالَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اُمِّي افْتُلِتَتْ نَفْسُهَا وَ اَظُنُّهَا لَوْ تَكَلَّمَتْ تَصَدَّقَتْ فَهَلْ لَهَا اَجْرٌ اِنْ تَصَدَّقْتُ عَنْهَا قَالَ نَعَمْ۔
(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔ فرماتی ہیں ایک شخص نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا بیشک میری ماں اچانک فوت ہو گئی ہے[۱]۔ اور میرا گمان ہے کہ اگر بولتی تو خیرات کرتی[۲] تو کیا اسے ثواب ہوگا اگر میں اس کی طرف سے خیرات کروں فرمایا ہاں[۳]
(مسلم بخاری)

۱ حدیث میں لفظ افتلتت آیا ہے جو فتلہ سے مشتق ہے۔ اس کا معنیٰ ہے اچانک موت کا حادثہ پیش آجانا۔ افتلات کا معنیٰ لے جانے کا بھی آتا ہے۔

۲ یعنی اگر وہ ہوشیار ہوتیں اور بول سکتیں تو کسی چیز کا صدقہ کرتیں اور صدقہ کرنے کی وصیت کرتیں۔

۳ ہاں اسے اجر و ثواب ملے گا اگر تو اس کی طرف سے صدقہ کرے۔ اس حدیث میں اس امر کی دلیل ہے کہ میت کو صدقہ کا ثواب پہنچتا ہے اسی طرح دعا و استغفار کا ثواب بھی میت کو پہنچتا ہے۔ اہل حق (اہلسنت وجماعت) کا مذہب بھی ہے۔ ہاں بدنی عبادات میں اختلاف ہے۔ مثلاً نماز اور تلاوت قرآن وغیرہ۔ اس میں ہی پسندیدہ قول یہی ہے کہ اس کا ثواب بھی پہنچتا ہے۔ امام عبداللہ یافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے روضۃ الریاحین میں فرمایا کہ شیخ اجل اکرم عز الدین عبداللہ السلام رحمۃ اللہ کو لوگوں نے بعد وفات خواب میں دیکھا انہوں نے فرمایا ہم دنیا میں یہ کہا کرتے تھے کہ تلاوت قرآن وغیرہ کا ثواب میت کو نہیں پہنچتا مگر اس عالم برزخ میں اگر ہم نے اس کے خلاف پایا ہے۔ اور اللہ ہی دعاؤں کو سننے والا ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِيْ

دوسری فصل

وَعَنْ اَبِيْ اُمَامَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ فِيْ خُطْبَتِهٖ عَامَ حَجَّةِ الْوَدَاعِ لَا تُنْفِقُ امْرَاَةٌ شَيْئًا مِّنْ بَيْتِ زَوْجِهَا اِلَّا بِاِذْنِ زَوْجِهَا قِيْلَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَ لَا الطَّعَامَ قَالَ ذٰلِكَ اَفْضَلُ اَمْوَالِنَا۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

کو حجۃ الوداع کے سال خطبہ میں فرماتے سنا کہ کوئی عورت اپنے خاوند کے گھر سے بغیر خاوند کی اجازت کے خرچ نہ کرے عرض کیا گیا یا رسول اللہ کھانا بھی نہیں[1] فرمایا یہ تو ہمارا بہترین مال ہے[2]

(ترمذی)

[1] یعنی کیا کھانے سے بھی کچھ بے اجازتِ خاوند نہیں دے سکتی باوجود کہ اس کی مالیت اور قدر و قیمت دراہم و دینار کی طرح نہیں ہوتی ۔

[2] آپ نے فرمایا وہ بھی نہیں دے سکتی کیونکہ وہ سب مالوں سے بہتر و افضل مال ہے کہ اس سے توفی الفور روزی کی حاجت برآری ہوتی ہے اور انسان کی بقائے زندگی بھی اس پر ہے ۔ یہاں کھانے سے مراد غلہ اور کھجوریں ہیں پکا ہوا کھانا مراد نہیں ۔ اور ہو سکتا ہے کھانے کا لفظ عام ہو ۔ اور پکے ہوئے کھانے کو بھی شامل ہو ۔ بعض نسخوں میں افضل اموال الناس آیا ہے یعنی لوگوں کا افضل ترین مال ۔

عَنْ سَعْدٍ قَالَ لَمَّا بَايَعَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ النِّسَاءَ قَامَتِ امْرَاَةٌ جَلِيْلَةٌ كَاَنَّهَا مِنْ نِّسَاءِ مُضَرَ فَقَالَتْ يَا نَبِيَّ اللّٰهِ اِنَّا كَلٌّ عَلٰى اٰبَائِنَا وَ اَزْوَاجِنَا فَمَا يَحِلُّ لَنَا مِنْ اَمْوَالِهِمْ قَالَ الرَّطْبُ تَاْكُلْنَهٗ وَ تُهْدِيْنَهٗ۔

(رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ)

حضرت سعد[1] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں سے بیعت لی تو ایک معزز عورت جو گویا قبیلہ[2] مضر کی عورتوں میں سے تھی ، اٹھی اور بولی ۔ یا نبی اللہ ہم تو اپنے باپ دادوں ، اولاد اور خاوندوں پر بوجھ[3] ہیں ۔ ہمیں ان کے مالوں میں سے کس قدر حلال و درست ہے فرمایا تر کھانا[4] جسے تم کھا لو اور ہدیہ دے سکو ۔

(ابو داؤد)

[1] یعنی حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ ۔

[2] مُضر میم کی پیش ضاد کی زبر یہ قبائل عرب میں مشہور قبیلہ ہے ۔ اور مضر بن نزار کی اولاد ہے ۔

[3] یہاں حدیث میں لفظ کَلّ آیا ہے ۔ کاف کی زبر لام مشدد کے ساتھ ۔ یعنی بوجھ اور عیال ۔ اور وہ شخص جو اپنے

مستقل اور آزاد حیثیت نہ رکھتا ہو۔

سے جس کے جلدی خراب ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے۔ جیسے شوربا۔ دودھ۔ میوہ اور سبزی وغیرہ۔ کہ اس کے کھانے کی نہیں اجازت ہے۔ اور اس میں سے تم کسی کو ہدیہ بھی دے سکتی ہو جسے دینا چاہتی ہو۔ ان چیزوں میں سے کھانے میں خاوند سے اجازت لینے کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ ان چیزوں کے کھانے میں عرف و عادت یہی ہے۔ کہ اجازت نہیں لی جاتی بلکہ چشم پوشی سے کام لیا جاتا ہے۔ مگر خشک خوراک میں مرد کے اذن اور اس کی رضامندی ضروری ہے۔ علامہ طیبی نے کہا یہ اجازت باپوں۔ بیٹوں اور ماؤں سے تعلق رکھتی ہے۔ خاوندوں بیویوں کے مسئلہ میں بلا اذن اجازت نہیں ہے مگر یہ حدیث اس امر میں صریح ہے کہ بیویاں بھی اس میں شامل ہیں۔ مگر حقیقۃً دار و مدار عرف و عادت پر ہے جیسا کہ کہا گیا۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

عَنْ عُمَيْرٍ مَّوْلٰى اٰبِى اللَّحْمِ قَالَ اَمَرَنِىْ مَوْلَاىَ اَنْ اُقَدِّدَ لَحْمًا فَجَآءَنِىْ مِسْكِيْنٌ فَاَطْعَمْتُهٗ مِنْهُ فَعَلِمَ بِذٰلِكَ مَوْلَاىَ فَضَرَبَنِىْ فَاَتَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرْتُ ذٰلِكَ لَهٗ فَدَعَاهُ فَقَالَ لِمَ ضَرَبْتَهٗ قَالَ يُعْطِىْ طَعَامِىْ بِغَيْرِ اَنْ اٰمُرَهٗ فَقَالَ الْاَجْرُ بَيْنَكُمَا وَ فِىْ رِوَايَةٍ قَالَ كُنْتُ مَمْلُوْكًا فَسَاَلْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَتَصَدَّقُ مِنْ مَّالِ مَوَالِىَّ بِشَىْءٍ قَالَ نَعَمْ وَ الْاَجْرُ بَيْنَكُمَا نِصْفَانِ۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

تیسری فصل

حضرت عمیر[۱] سے روایت ہے جو آبی اللحم کے غلام ہیں فرماتے ہیں مجھے میرے مولیٰ نے گوشت کھانے کا حکم دیا کہ اتنے میں ایک مسکین آگیا۔ جسے میں نے اس میں سے کچھ دیدیا۔ اس کی خبر میرے مولیٰ کو ہوئی تو اس نے مجھے مارا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا۔ اور یہ واقعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں بلایا اور فرمایا تم نے اسے کیوں مارا عرض کیا کہ یہ میرا کھانا میری بغیر اجازت دے دیتا ہے۔ فرمایا ثواب تم دونوں کو ہے[۲] ایک روایت میں یوں ہے کہ فرماتے ہیں میں غلام تھا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ کیا اپنے مولیٰ[۳] کے مال سے کچھ خیرات کر دیا کروں۔ فرمایا ہاں۔ اور ثواب تم دونوں کو آدھا آدھا ہو گا۔

(مسلم شریف)

۱؎ عُمیر عین کی پیش میم پر زبر ہے۔ آپ صحابی ہیں۔ جنگ خیبر میں حاضر ہوئے۔ اپنے مولیٰ حضرت آبی اللحم سے حدیث روایت کرتے ہیں۔ حضرت آبی اللحم قدماء اور مشہور صحابہ میں سے ہیں۔ جو غزوہ بدر میں موجود تھے۔ غزوہ حنین میں جام شہادت نوش فرمایا۔ آبی اللحم (گوشت سے انکار کرنے والا) ان کا لقب ہے۔ اس لقب کی وجہ یہ ہے کہ آپ مطلق گوشت نہ کھاتے تھے۔ بعض نے کہا کہ دور جاہلیت میں بتوں کے لیے ذبیحہ کا گوشت نہ کھاتے تھے۔

۲؎ اس کا ثواب تم دونوں کے درمیان مشترک ہے۔ علماء نے کہا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد اس سے یہ نہیں کہ غلام کو ملک مولیٰ میں علی الاطلاق تصرف کرنے کا حق حاصل ہے۔ بلکہ مقصود مالک کو تسلی دینا ہے۔ اور یہ کہ اس فعل پر غلام کو نہ مارنا چاہیے کہ اس کا ثواب مالک اور غلام دونوں کے درمیان مشترک ہے اور ثواب کو غنیمت جاننا چاہیے۔ نہ کہ ایسے فعل پر غلام کو مارا پیٹا جائے۔

۳؎ بعض نسخوں میں بلفظ جمع موالی آیا ہے۔

بَابُ مَنْ لَّا یَعُوْدُ فِی الصَّدَقَۃِ

باب اس شخص کے بیان میں جو صدقہ سے واپس نہ پھرے

یعنی یہ نہ چاہیے کہ صدقہ کرنے کے بعد صدقہ کی چیز واپس لے لے۔ اور دینے کے بعد پشیمان ہو۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ صدقہ دینے کے بعد اسے خرید کر بھی واپس اپنے قبضہ میں نہ لائے۔ اس میں درحقیقت صدقہ واپس لینے سے نفی و ممانعت میں مبالغہ ہے اور ایسا کرنے سے بچنے کی ترغیب ہے۔ ورنہ خریدنا حقیقت میں واپس کرنا نہیں ہے۔ واللہ اعلم۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رضی اللہ عنہ قَالَ حَمَلْتُ عَلٰی فَرَسٍ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ فَاَضَاعَہُ الَّذِیْ کَانَ عِنْدَہٗ فَاَرَدْتُّ اَنْ اَشْتَرِیَہٗ وَظَنَنْتُ اَنَّہٗ یَبِیْعُہٗ بِرُخْصٍ فَسَاَلْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لَا تَشْتَرِہٖ وَلَا تَعُدْ فِیْ صَدَقَتِکَ وَاِنْ

پہلی فصل

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں میں نے اللہ کی راہ میں کسی کو گھوڑا دیا۔ جس کے پاس وہ گھوڑا تھا اس نے اسے ضائع کر دیا[۱] میں نے چاہا کہ وہ گھوڑا خرید لوں۔ میرا خیال تھا کہ سستا بیچ ڈالے گا۔ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مسئلہ دریافت کیا[۲] آپ نے فرمایا اسے نہ خرید اور اپنا صدقہ واپس نہ لے۔ اگرچہ تجھے ایک درہم[۳] میں دے کیونکہ اپنا صدقہ واپس

أَعْطَاكَهُ بِدِرْهَمٍ فَإِنَّ الْعَائِدَ فِي صَدَقَتِهِ كَالْكَلْبِ يَعُوْدُ فِي صَدَقَتِهِ وَفِي رِوَايَةٍ وَلَا تَعُدْ فِي صَدَقَتِكَ فَإِنَّ الْعَائِدَ فِي صَدَقَتِهِ كَالْعَائِدِ فِي قَيْئِهِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

لینے والا اس کتے کی طرح ہے جو قے کر کے چاٹ لے۔ ایک روایت میں ہے صدقہ واپس نہ لے کر اپنے صدقہ پھیرنے والا ویسا ہے جیسے اپنی قے دوبارہ کھا لینے والا۔ (مسلم بخاری)

لہ یعنی اس نے اس کی اچھی طرح نگہداشت نہ کی۔ اور اس سے اچھا برتاؤ نہ کیا۔ اور اس کی دیکھ بھال میں خبردار نہ رہا تو گویا اس نے اسے ہلاک و ضائع کر دیا۔ ضیاع کا معنیٰ ہے ہلاک ہونا۔ اضاعت کا معنیٰ ہے ہلاک کرنا۔

سلہ یہاں حدیث میں لفظ رخص آیا ہے۔ راکی بپش سے معنیٰ ارزانی اور ارزان جاننا۔

سلہ کہ اسے خرید لوں یا نہ خریدوں۔

سلہ کلام کے چلاؤ۔ اور نظر بہ ظاہر عبارت یوں معلوم ہوتی ہے کہ اگر وہ ایک درہم سے بھی فروخت کرے تو نہ لے علامہ طیبی رحمۃ اللہ نے کہا کہ اس کے سستا ہونے اور شرعاً اس بیع کی جائز و درست ہونے کو نہ دیکھ بلکہ اس امر کو دیکھ کہ یہ ہبہ اور صدقہ بظاہر معنوی طور پر اسے واپس لوٹانے کے مترادف ہے۔ اسے سمجھو۔ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی وجہ بیان بیان فرمائی اور واپس لوٹانے کی قباحت ارشاد فرمائی یعنی فان العائد فی صدقتہ میں۔

وَعَنْ بُرَيْدَةَ رض قَالَ كُنْتُ عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذْ أَتَتْهُ امْرَأَةٌ فَقَالَتْ يَا رَسُوْلَ اللهِ إِنِّي تَصَدَّقْتُ عَلَى أُمِّي بِجَارِيَةٍ وَإِنَّهَا مَاتَتْ قَالَ وَجَبَ أَجْرُكِ وَرَدَّهَا عَلَيْكِ الْمِيْرَاثُ قَالَتْ يَا رَسُوْلَ اللهِ إِنَّهُ كَانَ عَلَيْهَا صَوْمُ شَهْرٍ أَفَأَصُوْمُ عَنْهَا قَالَ صُوْمِي عَنْهَا قَالَتْ إِنَّهَا لَمْ تَحُجَّ قَطُّ أَفَأَحُجُّ عَنْهَا قَالَتْ نَعَمْ حُجِّي عَنْهَا۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں بیٹھا ہوا تھا کہ ایک عورت حاضر ہوئی۔ اور عرض کرنے لگی یا رسول اللہ میں نے اپنی ماں کو ایک لونڈی صدقہ میں دی تھی ماں فوت ہو گئی[1]۔ فرمایا تمہارا ثواب پورا ہو گیا۔ اور میراث نے تمہیں لونڈی واپس کر دی[2]۔ عرض کیا یا رسول اللہ میری ماں پر ایک مہینہ کے روزے تھے۔ کیا میں اس کی طرف سے روزے رکھ دوں۔ فرمایا رکھ دے۔ عرض کی اس نے حج نہ کیا تھا کیا میں اس طرف سے حج کروں۔ فرمایا ہاں۔ اس کی طرف سے حج کر[3]۔ (مسلم)

لہ یعنی وہ لونڈی ماں کے فوت ہونے کے بعد بطور وراثت میری ملک میں آ رہی ہے۔ تو آپ اس بارے کیا فرماتے

رہیں۔ یہ بھی صدقہ دیکر واپس لینے کے قبیلہ میں سے تو نہیں۔
سلہ یعنی ملک وارثت ایک بدیہی امر ہے اور بندے کے اختیار کے بغیر ثابت ہے۔ بخلاف صدقہ دیکر اسے خریدنا کہ وہ اپنے اختیار سے واپس کرنے کے حکم میں ہے۔
سلہ جو اس نے بیماری یا سفر یا حیض آنے کی وجہ سے نہ رکھے تھے۔
سلہ واضح ہو کہ یہ حدیث اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ ولی کے لیے جائز ہے کہ میت کی طرف سے ادا کرے جو اس کے ذمہ تھا جیسے قضائے رمضان کے روزے یا نذر یا کفارہ۔ اس حدیث کی رو سے اسی جانب امام احمد گئے ہیں۔ مگر دوسرے ائمہ ثلاثہ نے اسے جائز قرار نہیں دیا جیسا علامہ طیبی نے کہا۔ احناف کا مذہب یہ ہے کہ ولی میت کی طرف سے روزہ نہ رکھے۔ کیونکہ حدیث میں آیا ہے کہ کوئی آدمی دوسرے کی جانب سے روزہ نہ رکھے۔ اور نہ نماز ادا کرے۔ بلکہ کھانا کھلائے اور فدیہ دے اگر میت وصیت کر گیا ہے۔ پھر یہ فدیہ تیسرا حصہ ترکہ سے واجب ہو گا۔ اور اگر اس نے وصیت نہ کی تو پھر فدیہ استحساناً تبرعاً جائز ہے۔ لازم نہیں ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک وصیت کی بھی ضرورت نہیں۔ جیسا کہ ہدایہ میں ذکر کیا گیا ہے تفصیل کلام اس طرح ہے کہ عبادات کی چند قسمیں ہیں۔ ایک محض مالی عبادت جیسے زکوٰۃ دوسری محض بدنی عبادت جیسے نماز تیسری وہ عبادت جو بدنی ومالی سے مرکب ہے جیسے حج بیت اللہ اوّل قسم عبادت میں حالت اختیار و ضرورت میں نیابت درست وجائز ہے۔ کیونکہ مقصود فعل کا وجود میں آنا ہے جو نائب سے بھی وجود میں آجاتا ہے۔ دوسری قسم عبادت میں نیابت کسی بھی حالت میں جائز وروا نہیں ہے۔ کیونکہ اس سے مقصود نفس کو مشقت میں ڈالنا ہے اور وہ نائب کے فعل سے حاصل نہیں ہوتا۔ تیسری قسم میں حالت عجز و مجبوری میں نیابت درست وجائز ہے دوسری وجہ کے اعتبار سے کہ انسان مال خرچ کر کے دوسرے کی طرف سے حج کرے۔ اور قدرت وطاقت ہونے کی صورت میں نیابت جاری نہ ہو گی کیونکہ اس صورت میں نفس کو مشقت میں ڈالنے کا مقصد حاصل نہ ہو گا۔ البتہ حج نفل میں حالت اختیار وقدرت میں بھی کسی کو نائب بنانا جائز وروا ہے۔ کیونکہ نفل میں وسعت وکشادگی ہے۔ حدیث کی عبارت کا ظاہر یہ ہے کہ یہ حج نفل تھا اسے سمجھو۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ کتاب الزکوٰۃ اللہ تعالیٰ کی مدد وتوفیق سے مکمل ہو گئی۔ اس کے پیچھے کتاب الصوم ہے۔ ہم اللہ تعالیٰ سے اس کے اتمام کا سوال کرتے ہیں۔



كِتَابُ الصَّوْمِ

روزے کا بیان

لغت میں صوم وصیام کا لفظ امساک روکنے کے معنیٰ میں آتا ہے۔ شرع میں صوم عبارت ہے۔ نفس کو کھانے پینے اور جماع سے باز رکھنے سے اس میں اختلاف ہے کہ روزہ افضل ہے یا نماز۔ جمہور کے نزدیک نماز باقی تمام اعمال سے افضل ہے۔ جیسا کہ ایک حدیث میں آیا ہے اعلموا ان خیر اعمالکم الصلوٰۃ یعنی جان لو کہ تمھارے اعمال میں بہتر نماز ہے۔ بعض نے کہا روزہ افضل ہے۔ کیونکہ حدیث میں آیا ہے علیك بالصوم فانه لاعدل له یعنی روزے کو لازم جان کہ اس کے برابر کوئی عمل نہیں ہے مگر ظاہر یہ ہے کہ روزے کی افضلیت خاص مخاطب کے لیے تھی اسے سمجھو۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا دَخَلَ رَمَضَانُ فُتِحَتْ اَبْوَابُ السَّمَاءِ وَ فِیْ رِوَایَةٍ فُتِحَتْ اَبْوَابُ الْجَنَّةِ وَ غُلِّقَتْ اَبْوَابُ جَهَنَّمَ وَ سُلْسِلَتِ الشَّیَاطِیْنُ وَ فِیْ رِوَایَةٍ فُتِحَتْ اَبْوَابُ الرَّحْمَةِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ)

پہلی فصل

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب رمضان[1] شریف آتا ہے تو آسمان کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں ایک روایت میں ہے کہ جنت کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں اور دوزخ کے دروازے بند کر دیے جاتے ہیں اور شیاطین زنجیروں میں جکڑ دیے جاتے ہیں ایک روایت میں ہے کہ رحمت کے دروازے کھولے جاتے ہیں (مسلم، بخاری)

[1] رمضان رمض سے مشتق ہے یعنی ریت یا زمین وغیرہ کا سورج کی سخت تپش سے خوب گرم ہونا اور قدموں کا جلنا۔ اور بھیڑ بکریوں کا سخت تپش میں چرنا۔ اور اندر کا جلنا اور تپش کی وجہ سے اندرونِ جسم کا مریض پڑ جانا۔ علماء فرماتے ہیں جب لغت قدیم میں مہینوں کے ناموں کو نقل کیا گیا تو اس وقت جس قسم کا موسم تھا اس کے مطابق مہینوں کے نام رکھ دیے گئے اتفاق سے اس وقت یہ مہینہ سخت گرمیوں میں آیا تھا۔ واللہ اعلم۔

پھر یہاں حدیث میں واضح لفظ فتحت مخفف و مشدد دونوں طرح آیا ہے آسمانوں کے دروازوں کو کھول دینا کنایہ ہے لگاتار رحمت نازل کرنے اور بے روک ٹوک اعمال کے آسمانوں پر جانے دعاؤں کے قبول ہونے اور بہشتوں کے دروازوں کے کھلنے سے کہ بندہ کو اللہ کی طرف سے مال خرچ کرنے کی توفیق ملتی ہے۔ اور اس کے اعمال کو حسنِ قبولیت میسر آتی ہے۔ اور دوزخ کے دروازوں کا بند ہونا کنایہ ہے۔ روزہ داروں کے فواحش کی آلودگی، گناہوں پر ابھارنے والے اسباب سے خلاصی پانے اور شہوات و خواہشات نفسانی کو نفس سے اکھیڑنے سے۔ اور شیاطین کو زنجیروں میں جکڑنا کنایہ ہے۔ شیاطین کے لوگوں کو گناہوں میں مبتلا کرنے اور وسوسہ اندازی میں ڈالنے سے روکنے سے۔ آخری روایت جس میں فرمایا کہ رحمت کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں ان سب کی تفسیر اور ان تمام معانی مذکور کا خلاصہ اور بیان ہے۔

وَعَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْجَنَّةِ ثَمَانِيَةُ اَبْوَابٍ مِنْهَا بَابٌ يُسَمَّى الرَّيَّانَ لَا يَدْخُلُهُ اِلَّا الصَّائِمُوْنَ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جنت کے آٹھ دروازے ہیں۔ ان میں ایک دروازہ ہے جسے ریان[1] کہتے ہیں۔ نہ داخل ہوں گے اس دروازے سے مگر روزہ دار[2]۔ (بخاری و مسلم)

[1] ریان را کی زبر یا شد سے یہ ری سے مشتق ہے بمعنی سیرابی۔
[2] اس کا بیان باب فضل الصدقہ میں گذر چکا ہے۔

وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صَامَ رَمَضَانَ اِيْمَانًا وَّاحْتِسَابًا غُفِرَ لَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ وَمَنْ قَامَ رَمَضَانَ اِيْمَانًا وَّاحْتِسَابًا غُفِرَ لَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ وَمَنْ قَامَ لَيْلَةَ الْقَدْرِ اِيْمَانًا وَّاحْتِسَابًا غُفِرَ لَهٗ مَا تَقَدَّمَ لَهٗ مِنْ ذَنْبِهٖ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے رمضان کا روزہ رکھا ایمان کے ساتھ[1] اور ثواب کی نیت سے اس کے گناہ گذشتہ بخش دیے جاتے ہیں اور جس نے رمضان میں قیام[2] کیا ایمان کے ساتھ اور ثواب کی نیت سے اس کے گذشتہ گناہ بخش دیے گئے اور جس نے لیلۃ القدر میں ایمان کے ساتھ اور ثواب کی نیت سے قیام کیا اس کے گذشتہ گناہ بخش دیے گئے (مسلم، بخاری)

[1] یعنی خدا تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہوئے، اس کے احکام و فرامین کی بجا آوری کے جذبہ کے تحت اور اس کے وعدہ کی تصدیق کرتے ہوئے۔ نیز اس کے اجر و ثواب کی امید رکھتے ہوئے۔

؎۲ یعنی رمضان شریف کی راتوں میں۔

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُلُّ عَمَلِ ابْنِ اٰدَمَ يُضٰعَفُ الْحَسَنَةُ بِعَشْرِ اَمْثَالِهَا اِلٰى سَبْعِ مِائَةِ ضِعْفٍ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى اِلَّا الصَّوْمَ فَاِنَّهٗ لِيْ وَاَنَا اَجْزِيْ بِهٖ يَدَعُ شَهْوَتَهٗ وَطَعَامَهٗ مِنْ اَجْلِيْ لِلصَّائِمِ فَرْحَتَانِ فَرْحَةٌ عِنْدَ فِطْرِهٖ وَفَرْحَةٌ عِنْدَ لِقَاءِ رَبِّهٖ وَلَخُلُوْفُ فَمِ الصَّائِمِ اَطْيَبُ عِنْدَ اللّٰهِ مِنْ رِيْحِ الْمِسْكِ وَالصِّيَامُ جُنَّةٌ فَاِذَا كَانَ يَوْمُ صَوْمِ اَحَدِكُمْ فَلَا يَرْفُثْ وَلَا يَصْخَبْ فَاِنْ سَابَّهٗ اَحَدٌ اَوْ قَاتَلَهٗ فَلْيَقُلْ اِنِّيْ امْرُءٌ صَائِمٌ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

انھیں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ابن آدم کا ہر عمل دوگنا ہوتا ہے ایک نیکی کے مثل دس نیکیاں ملتی ہیں سات سو درجے تک[۱] اللہ تعالیٰ فرماتا ہے مگر روزہ کہ وہ بے شک میرے[۲] لیے ہوتا ہے۔ اور میں ہی اس کی جزا دوں[۳] گا وہ اپنا کھانا اور شہوت میرے لیے چھوڑتا ہے۔ روزہ دار کے لیے دو خوشیاں ہیں ایک خوشی افطار کے وقت[۴] اور دوسری خوشی اپنے رب تعالیٰ سے ملاقات کے وقت[۵] اور روزہ دار کے منہ کی بو[۶] اللہ تعالیٰ کے ہاں مشک خالص کی خوشبو سے بہتر ہے۔ اور روزے ڈھال[۷] ہیں۔ اور جب تم میں سے کسی کے روزے کا دن[۸] ہو تو نہ بری بات کہے نہ شور[۹] مچائے اگر کوئی اس سے گالی گلوچ یا جنگ کرے تو کہہ[۱۰] دے کہ میں روزہ دار ہوں

(مسلم، بخاری)

؎۱ یہ اضافہ شدتِ ریاضت، صدقِ نیت، اللہ سبحانہٗ کے لیے اخلاص اور اس کے فضل وکرم سے ہوتا ہے۔

؎۲ یعنی اس کی جزا اور بدلے کا اثر بے حد و بے اندازہ ہوتا ہے۔

؎۳ جس کو دینی چاہتا ہوں اور جتنی دینی چاہتا ہوں حد و شمار سے زیادہ۔ کیونکہ روزہ خالص میرے لیے ہی ہوتا ہے۔ اگرچہ ہر چیز اور تمام عبادتیں اللہ سبحانہٗ تعالیٰ وتقدس کے لیے ہوتی ہیں مگر روزے کو ان سب میں خصوصیت حاصل ہے اور روزے کو خاص عزت اور بزرگی عطا فرمائی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ روزہ ایسی عبادت ہے جو ریا سے دور اور لوگوں کی نگاہوں سے پوشیدہ ہوتی ہے۔ بخلاف دوسری عبادتوں کے کہ ان میں ریا کو راستہ مل جاتا ہے۔ اسی لیے اس بات سے منع کیا گیا ہے کہ انسان یہ کہے کہ میں روزہ دار ہوں مگر فرض روزہ میں کہ وہ تو متعین و معلوم ہی ہوتا ہے اور اس وجہ سے بھی کہ روزہ میں

نفس کے لیے کوئی حصہ نہیں ہے۔ جیسا کہ آگے فرمایا "یدع شہوتہ وطعامہ" کہ بندہ خواہش نفس کو چھوڑ دیتا ہے۔ خصوصاً کھانے پینے کو حالانکہ اس کی ضرورت وحاجت بہت زیادہ ہے مگر وہ میرے لیے اور مجھ سے طلب ثواب اور میری رضا کے حصول کے لیے ایسا کرتا ہے اور ایک روایت میں طعامہ وشرابہ کا لفظ آیا ہے۔

علماء نے کہا ہے کہ روزہ ہی ایک ایسی عبادت ہے کہ اس کے ساتھ صرف حق سبحانہ وتعالیٰ کی پوجا کی گئی ہے۔ کفار نے کسی بھی زمانے میں اپنے معبودوں کی تعظیم وتکریم روزہ کی عبادت کے ساتھ نہیں کی۔ اگرچہ نماز وسجدہ کے ساتھ ان کی عبادت و پوجا کی گئی ہے۔

علماء نے یہ بھی کہا ہے کہ کھانے پینے اور دوسری شہوات سے بے نیازی خدائے پروردگار کی صفات میں سے ہے اور جب بندے نے اس کی بلند وبزرگ درگاہ میں ایسی چیز کے ساتھ قرب چاہا جو اس کی صفات اور اس کے مشابہ وموافق ہو تو اس کی نسبت اپنی ذات کی طرف کردی اور سیاق حدیث کے موافق یہ بات ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ مقدار ثواب کا عالم ہے اور اس کے دوگنا کرنے پر قادر اور ایسا کرنے میں منفرد ویکتا ہے۔

؁۴ یہ فرحت وخوشی یا تو اس وجہ سے ہے کہ بھوکا اور پیاسا رہنے کے بعد جب بندہ روزہ افطار کرتا ہے تو سیری وسیرابی کے ساتھ اس کی طبیعت میں مسرور ومسرور کی لہر اٹھتی ہے۔ پھر اس کے ساتھ نورانیت عبادت اور شکر بھی مل جاتا ہے چنانچہ کہا گیا ہے کہ سرد وشیریں پانی پینے سے اندرون دل سے شکرانے کے جذبات ابھرتے ہیں یا بندے کو اس وجہ سے مسرت و خوشی نصیب ہوتی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی نعمت وتوفیق پر اس کا شکر ادا کرتا ہے۔

؁۵ دوسری مسرت وخوشی آخرت میں خدا تعالیٰ سے ملاقات ودیدار کے وقت حاصل ہوگی۔

؁۶ یہ دراصل ایک عقلی چیز ہے حس کے ساتھ مثال اور اس کی تصویر کشی ہے۔ پھر یہاں حدیث میں خلوف خا کی پیش سے ہے۔ اور زبر سے بھی پڑھا گیا ہے بوئے دہن اور اخلاف کا معنیٰ ہے منہ کی بو کا تبدیل ہو جانا۔

؁۷ یعنی روزہ شر شیطان اور شر دنیا سے ڈھال اور پناہ کا کام دیتا ہے۔ یا آخرت میں آتش دوزخ سے بچاؤ اور نجات کا ذریعہ بنے گا۔

؁۸ تو چاہیے کہ زبان سے قبیح اور فحش کلمات نہ نکالے۔

؁۹ یہاں حدیث میں لفظ یصخب آیا ہے۔ خا کی زبر سے معنیٰ یہ ہے کہ بکواس اور جھگڑے کی باتوں سے آواز بلند نہ کرے اور شور وغوغا کرنے سے بچے۔

؁۱۰ یہ بات وہ دل سے کہے یا زبان سے کہ میں روزے سے ہوں مجھے نہ چاہیے کہ کسی کو گالی دوں یا جھگڑوں۔ بعض نے کہا کہ اگر فرض روزہ رکھا تو زبان سے کہے اور اگر نفلی روزہ ہو تو دل سے کہے تاکہ ریا سے دور رہے قاضی ابوبکر بن العربی نے کہا کہ اس بارے میں اختلاف کا مقام نفلی روزہ ہے کہ فرض روزے میں تو زبان سے ہی کہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ رض قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا کَانَ اَوَّلُ لَیْلَۃٍ مِّنْ شَھْرِ رَمَضَانَ صُفِّدَتِ الشَّیَاطِیْنُ وَ مَرَدَۃُ الْجِنِّ وَ غُلِّقَتْ اَبْوَابُ النَّارِ فَلَمْ یُفْتَحْ مِنْھَا بَابٌ وَ فُتِّحَتْ اَبْوَابُ الْجَنَّۃِ فَلَمْ یُغْلَقْ مِنْھَا بَابٌ وَ یُنَادِیْ مُنَادٍ یَا بَاغِیَ الْخَیْرِ اَقْبِلْ وَ یَا بَاغِیَ الشَّرِّ اَقْصِرْ وَ لِلّٰہِ عُتَقَاءُ مِنَ النَّارِ وَ ذٰلِکَ کُلَّ لَیْلَۃٍ۔

(رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَ ابْنُ مَاجَۃَ وَ رَوَاہُ اَحْمَدُ عَنْ رَجُلٍ وَّ قَالَ التِّرْمِذِیُّ ھٰذَا حَدِیْثٌ غَرِیْبٌ)

دوسری فصل

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جب رمضان شریف کی پہلی رات ہوتی ہے تو شیاطین اور سرکش جنات جکڑ[1] دیے جاتے ہیں۔ دوزخ کے دروازے بند کر دیے جاتے ہیں تو ان میں سے کسی کو نہیں کھولا جاتا اور جنت کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں۔ پس کوئی دروازہ بند نہیں کیا جاتا اور ایک آواز دینے والا آواز دیتا ہے اے خیر کے طالب آگے[2] آ اور اے شر و برائی کے طالب رک[3] جا اور اللہ کی طرف سے گناہ گار بندے آزاد کیے جاتے[4] ہیں۔ دوزخ کی آگ سے یہ کام رمضان کی ہر رات میں جاری رہتا ہے۔ (شب قدر کے ساتھ خاص نہیں)

(ترمذی، ابن ماجہ اور احمد نے ایک شخص سے یہ حدیث روایت کی اور ترمذی نے کہا یہ حدیث غریب ہے)۔

۱؎ یہاں حدیث میں لفظ " صفدت" آیا ہے۔ جو صفاد سے نکلا ہے۔ (صاد کی زیر اور دال) بمعنی بند و طوق اور وہ زنجیر جس سے قید وغیرہ کرتے ہیں یہ لفظ صفدت فا کی شد کے ساتھ بھی ایک روایت ہے حدیث میں دوسرا لفظ مَرَدَۃ ہے میم و را و د کی زبر سے یہ مَارِدٌ کی جمع ہے جس طرح طلبۃ و طالب۔

۲؎ کہ یہ تیرے آگے بڑھ کر خیر و نیکی حاصل کرنے کا وقت ہے۔

۳؎ یعنی گناہوں سے کہ گناہوں سے توبہ کرنے اور انھیں چھوڑ دینے کا وقت ہے۔

۴؎ یعنی رمضان شریف میں

⁂

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رض قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَتَاکُمْ رَمَضَانُ شَهْرٌ مُّبَارَكٌ فَرَضَ اللّٰهُ عَلَیْکُمْ صِیَامَهٗ تُفْتَحُ فِیْهِ اَبْوَابُ السَّمَاءِ وَ تُغْلَقُ فِیْهِ اَبْوَابُ الْجَحِیْمِ وَ تُغَلُّ فِیْهِ مَرَدَةُ الشَّیَاطِیْنِ لِلّٰهِ فِیْهِ لَیْلَةٌ[۱] خَیْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَهْرٍ مَّنْ حُرِمَ خَیْرَهَا فَقَدْ حُرِمَ۔

(رَوَاهُ اَحْمَدُ وَ النَّسَائِیُّ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، تمہارے پاس رمضان کا مہینہ آیا ہے جو مبارک مہینہ ہے اللہ تعالیٰ نے تم پر اس کے روزے فرض کیے ہیں اس میں آسمانوں کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں اور اس میں دوزخ کے دروازے بند کر دیے جاتے ہیں اور اس میں سرکش جنوں کو طوق وزنجیر ڈال دیے جاتے ہیں اسس ماہ مبارک کی ایک رات ایسی ہے جو ایک ہزار مہینوں سے افضل و بہتر ہے جو اس رات کی خیرات و برکات سے محروم کر دیا گیا وہ خیر کثیر[۲] سے محروم کر دیا گیا

(ترمذی ونسائی)

[۱] یعنی شب قدر

[۲] بلکہ ہر چیز سے محروم ہو گیا جیسا کہ یہ مضمون حضرت انس رض کی حدیث میں آرہا ہے ۔ یہ مبالغہ ہے یا خیر سے مراد وہ خیر ہے جو ماہ رمضان سے متعلق ہے بظاہر یہ ہے کہ ایسا شخص حقیقت خیر سے ہی محروم کر دیا گیا قطع نظر اس کے متعلقات کے

وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو رض اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الصِّیَامُ وَ الْقُرْاٰنُ یَشْفَعَانِ لِلْعَبْدِ یَقُوْلُ الصِّیَامُ اَیْ رَبِّ اِنِّیْ مَنَعْتُهُ الطَّعَامَ وَ الشَّهَوٰتِ بِالنَّهَارِ فَشَفِّعْنِیْ فِیْهِ وَ یَقُوْلُ الْقُرْاٰنُ مَنَعْتُهُ النَّوْمَ بِاللَّیْلِ فَشَفِّعْنِیْ فِیْهِ فَیُشَفَّعَانِ۔

(رَوَاهُ الْبَیْهَقِیُّ فِیْ شُعَبِ الْاِیْمَانِ)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا رمضان اور قرآن دونوں بندے کی شفاعت کریں گے ۔ روزہ کہے گا اے میرے رب بے شک میں نے اس بندے کو کھانے اور شہوت کی چیزوں سے دن کو روکے رکھا[۱] تو میری شفاعت اس کے حق میں قبول فرما قرآن پاک کہے گا میں نے اسے رات کو نیند سے روکے رکھا میری شفاعت بھی اس کے حق میں قبول کر تو دونوں کی شفاعت[۲] قبول کی جائے گی ۔

(اسے بیہقی نے شعب ایمان میں روایت[۳] کیا)

لہ جیسے دن کے وقت پانی پینے اور اپنی عورت سے جماع کرنے سے ۔ ظاہر یہ ہے (واللہ اعلم) کہ تمام نفسانی شہوات مراد ہیں جیسے حواس کو لذت عطا کرنے والی چیزیں اور روزہ کامل جو اہلِ طریقت کا ہوتا ہے وہ ہے جو تمام اعضاء اور حواس کو ریاضت میں ڈالتا اور نہ کرنے والی چیزوں سے باز رکھتا ہے ۔ رحمت الٰہی کے کرم نے بندے سے صرف کھانے پینے اور جماع سے پرہیز کرنے پر کفایت کر دی ۔ تاکہ سب انسان اس سے بہرہ ور ہو جائیں ۔ حضرت امام سفیان ثوری رحمہ اللہ کا مذہب یہ ہے کہ غیبت روزے کو توڑ دیتی ہے ۔

ٰ۲ شفاعت کا معنیٰ ہے کسی کا کسی کے گناہ کی معافی کی خواہش و درخواست کرنا اس خواہش کرنے والے کو شفیع اور شافع کہتے ہیں اور تشفیع کا معنیٰ ہے شفاعت قبول کرنا مشفع وہ شخص جس کی شفاعت قبول کر لی گئی ۔

ٰ۳ اور احمد و طبرانی نے بھی اس حدیث کو روایت کیا ۔ بیہقی کے رجال صحت کے لیے حجت ہیں ۔ حاکم نے کہا صحیح مسلم کی شرط پر یہ حدیث صحیح ہے ۔

وَعَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رضی اللہ عنہ قَالَ دَخَلَ رَمَضَانُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ هٰذَا الشَّهْرَ قَدْ حَضَرَكُمْ وَفِيْهِ لَيْلَةٌ خَيْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَهْرٍ مَّنْ حُرِمَهَا فَقَدْ حُرِمَ الْخَيْرَ كُلَّهٗ وَلَا يُحْرَمُ خَيْرَهَا اِلَّا كُلُّ مَحْرُوْمٍ ۔ (رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رمضان شریف آیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک یہ مہینہ تمہارے پاس آیا ہے اس میں ایک رات ہے جو ہزار مہینہ سے افضل ہے جو اس سے محروم رہا بے شک وہ تمام خیرات و برکات سے محروم کر دیا گیا اور اس کی خیر و بھلائی سے محروم نہیں ہوتا مگر ہر محروم لہ انسان ۔ (ابن ماجہ شریف)

لہ جو سعادت سے محروم اور محرومی کے نام سے موسوم ہے اور جس پہ محرومی کی مہر لگ چکی ہوتی ہے یہ عبارت اس معنی اخیر کو ظاہر کرتی ہے ۔ جو ہم نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں بیان کیے ۔

وَعَنْ سَلْمَانَ الْفَارِسِيِّ رضی اللہ عنہ قَالَ خَطَبَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ اٰخِرِ يَوْمٍ مِّنْ شَعْبَانَ فَقَالَ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ اَظَلَّكُمْ شَهْرٌ عَظِيْمٌ شَهْرٌ مُّبَارَكٌ شَهْرٌ فِيْهِ لَيْلَةٌ خَيْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَهْرٍ

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں شعبان کے آخری دن خطبہ دیتے ہوئے فرمایا۔ " لوگو! تم پر ایک عظیم المرتبت مہینہ سایہ فگن ہوا وہ ایسا مہینہ ہے کہ اس کی ایک رات ہزار مہینہ سے بہتر ہے ۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے روزے

جَعَلَ اللّٰهُ صِيَامَهٗ فَرِيْضَةً وَّ قِيَامَ لَيْلِهٖ تَطَوُّعًا مَنْ تَقَرَّبَ فِيْهِ بِخَصْلَةٍ مِّنَ الْخَيْرِ كَانَ كَمَنْ اَدّٰى فَرِيْضَةً فِيْمَا سِوَاهُ وَ مَنْ اَدّٰى فَرِيْضَةً فِيْهِ كَانَ كَمَنْ اَدّٰى سَبْعِيْنَ فَرِيْضَةً فِيْمَا سِوَاهُ وَهُوَ شَهْرُ الصَّبْرِ وَ الصَّبْرُ ثَوَابُهُ الْجَنَّةُ وَ شَهْرُ الْمُوَاسَاةِ وَ شَهْرٌ يُزَادُ فِيْهِ رِزْقُ الْمُؤْمِنِ مَنْ فَطَّرَ فِيْهِ صَائِمًا كَانَ لَهٗ مَغْفِرَةً لِّذُنُوْبِهٖ وَ عِتْقَ رَقَبَتِهٖ مِنَ النَّارِ وَكَانَ لَهٗ مِثْلَ اَجْرِهٖ مِنْ غَيْرِ اَنْ يَّنْتَقِصَ مِنْ اَجْرِهٖ شَيْءٌ قُلْنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ لَيْسَ كُلُّنَا نَجِدُ مَا نُفَطِّرُ بِهِ الصَّائِمَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُعْطِي اللّٰهُ هٰذَا الثَّوَابَ مَنْ فَطَّرَ صَائِمًا عَلٰى مَذْقَةِ لَبَنٍ اَوْ تَمْرَةٍ اَوْ شَرْبَةٍ مِّنْ مَّاءٍ وَّ مَنْ اَشْبَعَ صَائِمًا سَقَاهُ اللّٰهُ مِنْ حَوْضِيْ شَرْبَةً لَا يَظْمَأُ حَتّٰى يَدْخُلَ الْجَنَّةَ وَ هُوَ شَهْرٌ اَوَّلُهٗ رَحْمَةٌ وَّ اَوْسَطُهٗ مَغْفِرَةٌ وَّ اٰخِرُهٗ عِتْقٌ مِّنَ النَّارِ وَ مَنْ خَفَّفَ

فرض کیے ہیں اور اس کی رات کا قیام نفل و سنت ٹھہرایا ہے۔ جو بندہ اس میں نیکی کے ذریعہ اللہ کی درگاہ میں قرب (نزدیکی) چاہے گا (نفل ادا کرے گا) وہ اس شخص کی طرح ہو گا جس نے رمضان کے دوسرے مہینوں میں فرض ادا کیا ہو۔ اور جس نے اس مہینہ میں فرض ادا کیا وہ اس کی طرح ہے جس نے غیر رمضان میں ستر فرض ادا کیے۔ اور یہ صبر کا مہینہ ہے اور صبر کا ثواب و بدلہ جنت ہے۔ اور یہ غم خواری کا مہینہ ہے اور یہ ایسا مہینہ ہے جس میں مومن کا رزق بڑھا دیا جاتا ہے جو شخص اس میں روزہ دار کو روزہ افطار کراتا ہے وہ اس کے لیے گناہوں سے مغفرت کا ذریعہ اور اس کی گردن کیلیے آتش دوزخ سے نجات و آزادی کا سبب بنتا ہے۔ اور اس افطار کرانے والے کو بھی اس روزہ دار جتنا ثواب ملتا ہے۔ بغیر اس کے کہ روزہ دار کے اجر و ثواب سے کچھ کمی ہو ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہم میں سے ہر شخص وہ چیز نہیں پاتا جس سے ہم روزہ دار کا روزہ افطار کرائے (اس پر) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ افطار روزہ کا یہ ثواب اس کو بھی عطا کر دیتا ہے جو کچی لسی کے ایک گھونٹ سے روزہ افطار کراتا ہے یا ایک کھجور سے یا پانی کے ایک گھونٹ سے۔ اور جس نے روزہ دار کو سیر کیا اللہ تعالیٰ اسے میرے حوض سے ایسا سیراب کرے گا کہ اس کے بعد اسے کبھی پیاس نہ لگے گی یہاں تک کہ وہ جنت میں داخل ہو جائیگا اور یہ وہ مہینہ ہے جس کے اول حصہ میں رحمت درمیانی حصہ میں بخشش اور آخری حصہ میں دوزخ سے آزادی ہے۔ جو شخص اس مہینہ میں اپنے غلام کو

عَنْ مَمْلُوْكِهٖ فِيْهِ غَفَرَ اللّٰهُ لَهٗ وَ اَعْتَقَهٗ مِنَ النَّارِ۔

تخفیف و آسانی دے گا اللہ تعالیٰ اسے بخش دے گا اور اسے آتش دوزخ سے آزادی عطا کرے گا۔

ـــــــــــــــ

سلہ نفسانی خواہشات سے رکنے کا مہینہ

سلہ یعنی فقراء اور بھوکے لوگوں سے ہمدردی اور دل جوئی کرنے کا مہینہ ہے۔ مواسات (غمخواری) کا معنیٰ ہے مال یا اپنے بدن سے کسی کی غمخواری کرنا۔

سلہ اور اس کے رزق میں برکت ڈال دی جاتی ہے۔ اور اس وجہ سے بھی کہ جب اس ماہِ مبارک میں اہل حاجت کے ساتھ ہمدردی اور ان کے لیے رزق میں فراخی کا حکم دیا گیا ہے۔ تو یہ حکم فقراء اور حاجت مندوں کے لیے رزق میں وسعت و کشادگی کا سبب و ذریعہ بن جاتا ہے۔

سلہ اکثر نسخوں میں بجدنون سے صیغہ جمع متکلم ہے۔ بعض نسخوں میں یا سے آیا ہے۔ اور یہ قاعدہ عربیت کے مطابق زیادہ ظاہر ہے جیسا کہ اپنی جگہ میں یہ ایک طے شدہ دستور و قاعدہ ہے۔

ھ یہاں حدیث میں مذقہ کا لفظ آیا ہے جس کا معنیٰ ہے پانی میں ملا ہوا دودھ۔ عرب لوگ مذیق اس دودھ کو کہتے ہیں جس میں پانی ملایا گیا ہو عربوں کی عادت ہے کہ دودھ میں پانی کو ملا کر پیتے ہیں۔

سلہ یعنی حوض کوثر سے۔

ےہ جس میں تمام نعمتیں حاصل و موجود ہوں گی۔

شہ کہ اس کے اول حصہ میں جناب حق تعالیٰ سے رحمت کا افاضہ ہوتا ہے جس کی بدولت انسان اللہ تعالیٰ کے انوار و اسرار کے ظہور کے قابل و مستعد ہو جاتا ہے اور گناہوں کی تاریکیوں اور معصیت کی کثافت سے باہر نکل آتا ہے۔

سلہ یعنی گناہوں سے مغفرت و بخشش۔

سلہ کیونکہ جب طاعات و عبادات میسر آئیں، گناہ بخش دیے گئے تو آتش دوزخ سے آزادی مل گئی۔ اور بندہ جنت میں داخل ہونے کے لیے مستعد و تیار ہو گیا۔

سلہ جو روزہ رکھتا ہے تاکہ وہ تکلیف و مشقت میں نہ پڑیں۔

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضہ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا دَخَلَ شَهْرُ رَمَضَانَ اَطْلَقَ كُلَّ اَسِيْرٍ وَّ اَعْطٰى كُلَّ سَآئِلٍ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے فرماتے ہیں جب رمضان شریف کا مہینہ داخل ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر قیدی کو آزاد کر دیتے تھے۔ اور ہر سائل کو عطا کرتے تھے[۱]

سلہ ممکن ہے یہاں کوئی یہ سوال کرے کہ ہر اسیر و قیدی کو رہا کرنا کس طرح درست و روا ہو سکتا ہے کیونکہ بہت ممکن ہے کہ کسی قیدی پر کسی دوسرے کا حق لازم ہو اس کا جواب یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قیدی نہ ہوتے تھے مگر کفار جو غزوات میں گرفتار ہو کر آتے تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اختیار عطا کر دیا گیا تھا کہ کسی قیدی پر احسان کرتے ہوئے اسے آزاد کر دیں یا اس سے فدیہ لے کر چھوڑ دیں ۔ یا کسی کو کسی مسلمان کا غلام بنا دیں ۔ یہ تو اکثر ائمہ کے نزدیک ہے اور فقہاء حنفیہ کے نزدیک دو میں سے ایک بات متعین و مقرر ہے یا تو اسے قتل کر دیا جائے یا غلام بنا لیا جائے مگر یہ اس شخص کے بارے میں ہے جس پر لوگوں کے حقوق مثل قرض وغیرہ نہ ہوں اور جس کے ذمہ قرض وغیرہ کوئی بندوں کا حق ہوتا تھا شاید حضور علیہ السلام اس کو اس وجہ سے آزاد کرتے تھے ۔ کہ اہل حقوق کو راضی کرا لیتے تھے ۔

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ الْجَنَّۃَ تُزَخْرَفُ لِرَمَضَانَ مِنْ رَأْسِ الْحَوْلِ اِلٰی حَوْلٍ قَابِلٍ قَالَ فَاِذَا کَانَ اَوَّلُ یَوْمٍ مِّنْ رَمَضَانَ ھَبَّتْ رِیْحٌ تَحْتَ الْعَرْشِ مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّۃِ عَلَی الْحُوْرِ الْعِیْنِ فَیَقُلْنَ یَا رَبِّ اجْعَلْ لَنَا مِنْ عِبَادِکَ اَزْوَاجًا تَقَرُّ بِھِمْ اَعْیُنُنَا وَتَقَرُّ اَعْیُنُھُمْ ۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بے شک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بے شک جنت کو رمضان کے لیے آراستہ کیا جاتا سال کے ایک سرے سے آئندہ سال تک[1] ۔ فرمایا جب رمضان کا پہلا دن ہوتا ہے تو عرش کے نیچے جنت کے پتوں سے حوروں[2] پر ایک ہوا چلتی ہے تو وہ کہتی ہیں اے ہمارے رب ہمارے لیے اپنے بندوں میں سے ایسے خاوند بنا جن کے ساتھ ہماری آنکھیں ٹھنڈی ہوں ۔ اور ان کی آنکھیں ہم سے ٹھنڈی ہوں[3] ۔

رَوَی الْبَیْہَقِیُّ الْاَحَادِیْثَ الثَّلٰثَۃَ فِیْ شُعَبِ الْاِیْمَانِ ۔

(ان تینوں حدیثوں کو بیہقی نے شعب الایمان میں روایت کیا) ۔

سلہ یہاں حدیث میں لفظ تُزَخْرَفُ آیا ہے جو زُخْرُفٌ سے نکلا ہے زا کی پیش کے ساتھ بمعنی سونا اور ہر وہ چیز جو چمکیلی ہو اور آراستگی کے لیے استعمال ہوتی ہو ۔ مزخرف وہ چیز ہے جو دنیا کی آرائشوں میں سے ہو ۔

سلہ حدیث میں لفظ حور عین آیا ہے جس کا معنیٰ ہے گورے رنگ والی چاندی کے بدن والی ۔ جن کی آنکھوں کی سفیدی بہت سفید اور سیاہی بہت سیاہ اور دراز آنکھوں والی ، حور ، حوراء کی جمع ہے اور عین عیناء کی جمع ہے ۔

سلہ حدیث میں " تقر " آیا ہے ۔ قاف کی زبر اور دونوں سے یا یہ قر سے بنا ہے قاف کی پیش سے بمعنی ٹھنڈک اور یہ دستور ہے کہ محبوب کے دیدار و مشاہدہ سے آنکھوں کو ٹھنڈک اور لذت محسوس ہوتی ہے ۔ جس طرح دشمن کو دیکھنے سے آنکھیں

سوزش اور گرمی محسوس کرتی ہیں یا یہ لفظ قرٌ قاف کی زبر سے نکلا ہے بمعنی چین و قرار جب انسان کی آنکھ محبوب پر پڑتی ہے ۔ توسکون اور قرار پذیر ہو جاتی ہے ۔ اور دائیں بائیں نہیں پھرتی ۔ ایک حدیث میں آیا ہے جُعِلَتْ قُرَّةُ عَيْنِيْ فِي الصَّلٰوةِ یعنی میرے لیے آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں رکھی گئی ہے ۔ اولاد کو جو قرۃ العین کہتے ہیں اسی وجہ سے کہتے ہیں کہ اسے دیکھنے سے آنکھیں ٹھنڈک محسوس کرتی ہیں ۔

وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهٗ قَالَ يُغْفَرُ لِاُمَّتِهٖ فِيْ اٰخِرِ لَيْلَةٍ فِيْ رَمَضَانَ قِيْلَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَهِيَ لَيْلَةُ الْقَدْرِ قَالَ لَا وَلٰكِنَّ الْعَامِلَ اِنَّمَا يُوَفّٰى اَجْرَهٗ اِذَا قَضٰى عَمَلَهٗ ۔ (رَوَاهُ اَحْمَدُ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ آپ کی امت[1] کی رمضان شریف کی آخری رات میں مغفرت کردی جاتی ہے ۔ عرض کیا گیا[2] یارسول اللہ! کیا یہ لیلۃ القدر[3] میں ہوتا ہے آپ نے فرمایا نہیں[4] بلکہ کام کرنے والے کو جب وہ کام مکمل لیتا ہے تو اس کی پوری اجرت دی جاتی ہے[5] (احمد)

[1] ایک روایت میں یہاں لامتہ کے لفظ کی بجائے لامتی آیا ہے ۔
[2] یعنی صحابہ کرام نے عرض کیا
[3] کیونکہ خواص وعوام کے لیے آفات سے سلامتی نصیب ہونا اس رات کے لوازمات میں سے ہے ۔
[4] یعنی یہ شب شب قدر نہیں ہے ۔
[5] اور عمل وکام کا مکمل ہونا، رمضان شریف کی آخری شب میں ہوتا ہے ۔ یعنی یہ مغفرت و بخشش کام سے فراغت کی وجہ سے ہوتی ہے، شب قدر کی وجہ سے نہیں ۔

بَابُ رُؤْيَةِ الْهِلَالِ

چاند دیکھنے کا باب

غرۂ قمر کا نام ہلال ہے بعض نے کہا دو رات تک اسے ہلال کہتے ہیں ۔ بعض نے کہا تین رات تک، بعض کے نزدیک سات رات تک ہلال کہلاتا ہے ۔ پھر علماء نے یہ بھی کہا ہے ۔ کہ مہینہ کی ستائیویں اور اٹھائیسویں دو راتوں اور اس کے بعد کی راتوں میں وہ قمر کہلاتا ہے جیسا کہ قاموس میں آیا ہے ۔ یہاں پہلا معنیٰ مراد ہے ۔ جب کہ وہ

دکھائی دیتا ہے یعنی رمضان کی پہلی شب یا شوال کی شب اوّل جس کی صبح کو روزہ رکھنا یا افطار کرنا فرض ہوتا ہے ۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

پہلی فصل

عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَصُوْمُوْا حَتّٰى تَرَوُا الْهِلَالَ وَ لَا تُفْطِرُوْا حَتّٰى تَرَوْهُ فَاِنْ غُمَّ عَلَيْكُمْ فَاقْدِرُوْا لَهٗ وَ فِيْ رِوَايَةٍ قَالَ الشَّهْرُ تِسْعٌ وَّ عِشْرُوْنَ لَيْلَةً فَلَا تَصُوْمُوْا حَتّٰى تَرَوْهُ فَاِنْ غُمَّ عَلَيْكُمْ فَاَكْمِلُوا الْعِدَّةَ ثَلٰثِيْنَ.
(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، روزہ نہ رکھو جب تک کہ چاند نہ دیکھو اور افطار نہ کرو جب تک چاند نہ دیکھو ۔ پھر اگر بادل کی وجہ سے چاند چھپا رہے (دکھائی نہ دے) تو مہینے کا اندازہ کرو[1] ۔ ایک دوسری روایت میں آیا ہے ۔ کہ مہینہ انتیس رات کا ہوتا ہے ۔ تو روزہ نہ رکھو جب تک کہ چاند نہ دیکھو ۔ اور اگر بادل کی وجہ سے چاند تم پر پوشیدہ رہے تو تیس دن کی گنتی پوری کرو[2] ۔
(بخاری، مسلم)

[1] یعنی اس صورت میں مہینے کا اندازہ کرو کہ اس کے روزوں کو شمار کرو ۔ اور تیس دن پورے کرو ۔ اس طرح اس مہینے کے دنوں کا عدد تمام وکامل کرو جس میں بادل کی وجہ سے انتیس کو چاند نظر نہ آئے ۔ مواہب لدنیہ میں کہا یہی مذہب امام مالک، امام ابوحنیفہ اور جمہور سلف وخلف علماء کا ہے ۔ بعض نے کہا اندازہ کرنے کا مطلب ہے منازل قمر اور نجوم کا حساب کرو تاکہ پتہ چل جائے کہ یہ مہینہ تیس کا ہے یا انتیس کا ۔ مگر یہ قول درست نہیں کیونکہ نجومیوں کا قول نامقبول وغیر معتبر ہے ۔ شرع میں اس کی کوئی حیثیت نہیں ۔ لہٰذا اس پر اعتماد نہ کرنا چاہیے ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم، آپ کے صحابہ وتابعین، سلف وخلف رضی اللہ عنہم میں سے کسی نے اس پر عمل نہیں کیا ۔ اور نہ ہی اس کا اعتبار کیا ہے اور عربوں کی عادت کے بھی خلاف ہے ۔ جیسا کہ آئندہ حدیث میں آرہا ہے جس میں فرمایا نحن اُمَّۃٌ اُمِّیَّۃٌ لا نکتب ولا نحسب ہم عرب نہ لکھنے پڑھنے والی امت ہیں ۔ ہم نہ لکھتے ہیں نہ حساب کرتے ہیں ۔

[2] یہ روایت اس امر میں صریح ہے ۔ کہ اندازہ سے تیس روز مراد ہیں ۔ نجوم کا حساب اور منازلِ قمر وغیرہ مراد نہیں ۔

وَ عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

وَسَلَّمَ صُوْمُوْا لِرُؤْيَتِهٖ وَ اَفْطِرُوْا لِرُؤْيَتِهٖ فَاِنْ غُمَّ عَلَيْكُمْ فَاَكْمِلُوْا عِدَّةَ شَعْبَانَ ثَلٰثِيْنَ۔
(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

چاند دیکھ کر روزہ رکھو۔ پس اگر تم پر بادل ہوں تو شعبان کے تیس دن پورے کرو۔
(مسلم، بخاری)

وَ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّا اُمَّةٌ اُمِّيَّةٌ لَا نَكْتُبُ وَ لَا نَحْسُبُ الشَّهْرُ هٰكَذَا وَ هٰكَذَا وَ هٰكَذَا وَ عَقَدَ الْاِبْهَامَ فِي الثَّالِثَةِ ثُمَّ قَالَ الشَّهْرُ هٰكَذَا وَ هٰكَذَا وَ هٰكَذَا يَعْنِيْ تَمَامَ الثَّلٰثِيْنَ يَعْنِيْ مَرَّةً تِسْعًا وَّ عِشْرِيْنَ وَ مَرَّةً ثَلٰثِيْنَ۔
(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہم لوگ بے پڑھی جماعت ہیں ہم نہ لکھیں نہ حساب لگائیں مہینہ یا تو اتنا اتنا اور اتنا ہوتا ہے[1]۔ تیسری بار میں انگوٹھا شریف بند کر لیا[2]۔ پھر فرمایا مہینہ اتنا، اتنا اور اتنا ہوتا ہے یعنی پورے تیس دن کا۔ مطلب یہ کہ کبھی انتیس کا اور کبھی تیس کا۔
(مسلم، بخاری)

[1] یعنی تین بار دونوں ہاتھوں کی ساری انگلیاں اشارے کی صورت میں دکھلائیں۔

[2] یعنی تیسری بار انگوٹھا مبارک بند کر لیا۔ انتیس کا عدد متعین کرنے کے لیے۔

وَ عَنْ اَبِيْ بَكْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَهْرَا عِيْدٍ لَا يَنْقُصَانِ رَمَضَانُ وَ ذُوالْحِجَّةِ۔
(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ابو بکرۃ[1] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عید کے دو مہینے کم نہیں ہوتے[2] یعنی رمضان اور ذوالحجہ کا مہینہ
(مسلم، بخاری)

[1] بکرۃ با کی زبر کاف ساکن آخر میں ۃ آپ مشہور صحابی ہیں۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نہایت پسندیدہ اور نیکوکار اصحاب میں سے ہیں۔ آپ کا اصل اسم مبارک نُفَیع (ن کی پیش، عین کی زبر) آپ نے طائف کے دن اپنے آپ کو کنویں کے رہٹ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پھینک دیا۔ اس لیے آپ کی کنیت ابوبکرہ پڑ گئی۔ بکرہ با کی زبر اور کاف ساکن بھی کنویں کا رہٹ۔

۲ یعنی حکم شریعت اور ثواب آخرت میں کم نہیں ہوتے۔ اگرچہ عدد میں کم ہوں اور تیس کے بجائے انتیس کے آ جائیں - اور یہ رمضان اور عید بقر کا مہینہ ہے۔

وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رض قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَا یَتَقَدَّمَنَّ اَحَدُکُمْ رَمَضَانَ بِصَوْمِ یَوْمٍ اَوْ یَوْمَیْنِ اِلَّا اَنْ یَّکُوْنَ رَجُلٌ کَانَ یَصُوْمُ صَوْمًا فَلْیَصُمْ ذٰلِكَ الْیَوْمَ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے کوئی بھی رمضان سے ایک یا دو دن پہلے روزہ نہ رکھے۔ مگر وہ شخص جو پہلے سے روزہ رکھتا ہو۔[۱] کہ وہ اس دن روزہ رکھ لے[۲] (مسلم، بخاری)

۱ یعنی مگر وہ شخص جس کی عادت تھی کہ وہ معین دن میں روزہ رکھا کرتا تھا۔ جیسے پیر یا جمعرات کا روزہ رکھتا تھا پھر اتفاق سے رمضان سے پہلے یہ دن آگیا۔

۲ بعض نے کہا یہ مخالفت ضعیف اور کمزور لوگوں کے لیے تھی۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود شعبان اور رمضان کے روزے جمع کیے ہیں۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

دوسری فصل

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رض قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا انْتَصَفَ شَعْبَانُ فَلَا تَصُوْمُوْا۔ (رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ وَ التِّرْمِذِیُّ وَ ابْنُ مَاجَةَ وَ الدَّارِمِیُّ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب نصف شعبان ہو جائے تو روزہ نہ رکھو[۱] (ابوداؤد، ترمذی ابن ماجہ، دارمی)

۱ یہ حکم بھی اس شخص کے لیے ہے جو لگاتار روزے رکھنے کی طاقت نہ رکھتا ہو۔

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَحْصُوْا هِلَالَ شَعْبَانَ لِرَمَضَانَ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ)

انھیں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا رمضان کی تحقیق کیلیے شعبان کی گنتی کیا کرو[۱] (ترمذی شریف)

۱؎ تاکہ ایامِ رمضان کی تشخیص ہو جائے اور پتہ چل جائے کہ انتیس دن کا ہوتا ہے یا تیس دن کا۔

وَعَنْ اُمِّ سَلَمَةَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ مَا رَاَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَصُوْمُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ اِلَّا شَعْبَانَ وَرَمَضَانَ۔ (رَوَاهُ اَبُوْدَاؤدَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَالنَّسَائِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ)

حضرت اُمِّ سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں دیکھا کہ آپ لگاتار دو ماہ کے روزے رکھتے ہوں، مگر شعبان اور رمضان کے روزے

(ابوداؤد، ترمذی، نسائی وابن ماجہ)

⁘ ⁘

وَعَنْ عَمَّارِ بْنِ يَاسِرٍ رضی اللہ عنہ قَالَ مَنْ صَامَ الْيَوْمَ الَّذِيْ يُشَكُّ فِيْهِ فَقَدْ عَصٰى اَبَا الْقَاسِمِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ (رَوَاهُ اَبُوْ دَاؤدَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَالنَّسَائِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَالدَّارِمِيُّ)

حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں جس نے شک کے دن۱؎ (تیس شعبان کو) روزہ رکھا تو بے شک اس نے حضرت ابوالقاسم صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کی

(ابوداؤد، نسائی، ترمذی، ابن ماجہ دارمی)

۱؎ واضح ہو کہ شک کا دن اس دن سے عبارت ہے جس کے بارے میں شک ہوتا ہے۔ کہ یہ رمضان کا دن ہے یا رمضان کا دن نہیں۔ بوجہ اس کے کہ انتیسویں شبِ رمضان کو آسمان ابر آلود ہو یا کسی اور وجہ سے۔ پھر علمائے کرام کا شک کے دن کے روزہ میں اختلاف ہے۔ امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی رحمہم اللہ تعالیٰ اور اکثر ائمہ کے نزدیک شک کے دن روزہ نہ رکھیں۔ کہ اس دن روزہ رکھنا مکروہ ہے۔ اگر رکھیں تو نفل کی نیت سے رکھیں۔ کیونکہ اگر کچھ وقت گزرنے پر یہ ثابت ہو گیا کہ آج رمضان ہے تو وہ رمضان کا روزہ قرار پائے گا۔

احناف کے نزدیک اس دن روزہ رکھنا مستحب ہے۔ ہر اس شخص کے لیے جس کی عادت کا روزہ اس دن میں آجائے اسی طرح خواص کے لیے بھی اس دن روزہ رکھنا مستحب ہے۔ ان کے علاوہ دوسرے لوگوں کے لیے حکم یہ ہے کہ دوپہر کے بعد یہ روزہ توڑ دیں۔ امام احمد اور علماء کی ایک جماعت یہ کہتی ہے کہ اس دن اگر آسمان پر کوئی علت (ابر وغیرہ) ہو تو یہ شک کا دن نہیں ہے۔ اور اس دن کا روزہ رمضان کا متصور ہوگا۔

حضرت ابن عمر اور دوسرے بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا طریقہ یہ تھا کہ جب شعبان کے انتیس دن پورے ہوتے تو چاند تلاش کرتے تھے۔ پھر اگر چاند دیکھ لیتے یا چاند ہونے کی اطلاع انھیں پہنچ جاتی۔ تو روزہ رکھتے ورنہ اگر مطلع صاف ہوتا اور آسمان پر کوئی علت نہ ہوتی تو افطار کرتے۔ اور اگر آسمان پر کوئی علت ہوتی مطلع صاف نہ ہوتا تو بھی روزہ

رکھتے اور اس روزے کو نفلی روزہ قرار دیتے اور حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں جو آیا ہے اس سے مراد یہ ہے کہ رمضان کے روزے کی نیت کر کے رکھیں۔ واللہ اعلم۔

وَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍؓ قَالَ جَاءَ اَعْرَابِیٌّ اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اِنِّیْ رَاَیْتُ الْہِلَالَ یَعْنِیْ ہِلَالَ رَمَضَانَ فَقَالَ اَتَشْہَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ قَالَ نَعَمْ قَالَ قَالَ اَتَشْہَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ قَالَ نَعَمْ قَالَ یَا بِلَالُ اَذِّنْ فِی النَّاسِ اَنْ یَّصُوْمُوْا غَدًا وَ رَوَاہُ اَبُوْ دَاؤُدَ وَ التِّرْمِذِیُّ وَ النَّسَائِیُّ وَ ابْنُ مَاجَۃَ وَ الدَّارِمِیُّ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں ایک اعرابی حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی میں نے آج ھلال یعنی ہلال رمضان دیکھا ہے۔ اس پر آپ نے فرمایا کیا تو گواہی دیتا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اس نے عرض کی ہاں۔ پھر آپ نے فرمایا کیا تو کوئی گواہی دیتا ہے کہ بے شک حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں؟ اس نے عرض کی ہاں آپ نے فرمایا اے بلال لوگوں میں اعلان کر دے کہ روزہ رکھیں[۱]۔

(ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ دارمی)

[۱] اس حدیث میں اس امر کی دلیل ہے کہ ایک مستور الحال (جس کا فاسق ہونا معلوم نہ ہو) کی خبر بھی رمضان کے بارے میں مقبول و معتبر ہے اور اس میں لفظ شہادت استعمال کرنا شرط نہیں ہے۔

یہاں تفصیل مذاہب یہ ہے کہ حنفیہ رحمہم اللہ تعالیٰ اور امام شافعی کا صحیح مذہب نیز امام احمد کا مشہور مذہب یہ ہے کہ ہلالِ رمضان کا ثبوت ایک عادل شخص کی خبر سے ہو جاتا ہے۔ اور یہاں لفظ شہادت کی شرط نہیں ہے کیونکہ یہ ایک دینی کام ہے جس کے ساتھ روزے کا وجوب متعلق ہے۔ تو یہ خبر ان احادیث و اخبار کے مشابہ ہو گئی جو ایک عادل راوی کی روایت سے مروی ہیں۔ اور امام مالک کے نزدیک اور ایک قول میں شافعی کے نزدیک اور احمد سے ایک روایت کے مطابق اور اسحاق کے نزدیک دو آدمیوں کی شہادت ضروری ہے۔ جیسا کہ دوسری شہادتوں میں ضروری ہے۔ لیکن خبر دینے والے کا عادل ہونا سب کے نزدیک ضروری اور شرط ہے۔ امام طحاوی نے کہا اس بارے میں عادل اور غیر عادل دونوں کی خبر مقبول ہے۔ گویا غیر عادل سے مستور الحال شخص مراد ہے جیسا کہ ظاہر حدیث سے واضح ہوتا ہے۔ بعض کے نزدیک عورت اور غلام کی خبر بھی مقبول ہے۔ یہ اس روزے میں ہے کہ آسمان پر بادل چھائے ہوں۔ اور آسمان پر بادلوں کی صورت میں روزہ نہ رکھنے کے لیے، عدد، شہادت، عدالت اور آزاد ہونا شرط لازم ہے اور اگر آسمان پر بادل نہ ہوں تو پھر روزہ رکھنے اور نہ رکھنے

کے لیے (تیس رمضان) ایک جماعت کثیرہ کی شہادت ضروری ہے ۔ کثرت سے مراد عدد تواتر ہے ۔ اور بعض کے نزدیک اہل محلہ کی شہادت ضروری ہے ۔ اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ سے ایک روایت کے مطابق پچاس مردوں کی شہادت ضروری ہے ۔

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہ قَالَ تَرَآءَى النَّاسُ الْهِلَالَ فَاَخْبَرْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنِّيْ رَاَيْتُهٗ فَصَامَ وَاَمَرَ النَّاسَ بِصِيَامِهٖ ۔
رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ وَالدَّارِمِيُّ

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں لوگ ایک دوسرے کو ہلال دکھانے میں مصروف تھے[۱] کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دی کہ میں نے چاند دیکھ لیا ہے ۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے روزہ رکھا اور لوگوں کو روزہ رکھنے کا حکم ارشاد فرمایا
(ابوداؤد ، دارمی)

[۱] یعنی لوگ میدان میں چاند دیکھنے کے لیے جمع تھے ۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ
تیسری فصل

عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَحَفَّظُ مِنْ شَعْبَانَ مَا لَا يَتَحَفَّظُ مِنْ غَيْرِهٖ[۱] ثُمَّ يَصُوْمُ لِرُؤْيَةِ رَمَضَانَ فَاِنْ غُمَّ عَلَيْهِ عَدَّ ثَلٰثِيْنَ يَوْمًا ثُمَّ صَامَ ۔
(رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شعبان کی ایسی حفاظت کرتے تھے کہ اور کسی کی نہ کرتے تھے ۔ پھر رمضان کا چاند ہونے پر روزہ رکھتے ۔ اور اگر آپ پر مطلع ابر آلود ہوتا تو تیس دن کی گنتی پوری کرتے پھر روزہ رکھتے ۔
(ابوداؤد شریف)

[۱] یعنی شعبان کے دن یاد رکھتے اور ان کی نگہداشت کرتے یعنی آپ شعبان کے ایام کی گنتی میں تکلف اور مبالغہ سے کام لیتے ۔ تاکہ رمضان کے دنوں کی ٹھیک گنتی ہو سکے ۔ یہاں حدیث میں لفظ تحفظ آیا ہے ۔ جس کا معنیٰ ہے ہشیار ہونا ، بیدار ہونا اور ایک ایک کر کے یاد کرنا ۔

وَعَنْ اَبِي الْبَخْتَرِيِّ رضی اللہ عنہ قَالَ خَرَجْنَا لِلْعُمْرَةِ فَلَمَّا نَزَلْنَا بِبَطْنِ نَخْلَةَ تَرَاءَيْنَا الْهِلَالَ

حضرت ابوالبختری[۱] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں ہم لوگ عمرہ کرنے کیلیے روانہ ہوئے جب ہم لوگ بطن نخلہ[۲] میں اترے تو چاند دیکھنے کے لیے جمع ہوئے

فَقَالَ بَعْضُ الْقَوْمِ هُوَ ابْنُ ثَلَاثٍ وَ قَالَ بَعْضُ الْقَوْمِ هُوَ ابْنُ لَيْلَتَيْنِ فَلَقِيْنَا ابْنَ عَبَّاسٍ فَقُلْنَا اِنَّا رَاَيْنَا الْهِلَالَ فَقَالَ بَعْضُ الْقَوْمِ هُوَ ابْنُ ثَلَاثٍ وَ قَالَ بَعْضُ الْقَوْمِ هُوَ ابْنُ لَيْلَتَيْنِ فَقَالَ اَیَّ لَيْلَةٍ رَاَيْتُمُوْهُ قُلْنَا لَيْلَةَ كَذَا وَ كَذَا فَقَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَدَّهٗ لِلرُّؤْيَةِ فَهُوَ لَيْلَةَ رَاَيْتُمُوْهُ وَ فِیْ رِوَايَةٍ عَنْهُ قَالَ اَهْلَلْنَا رَمَضَانَ وَ نَحْنُ بِذَاتِ عِرْقٍ فَاَرْسَلْنَا رَجُلًا اِلَى ابْنِ عَبَّاسٍ لَهٗ فَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى قَدْ اَمَدَّهٗ لِرُؤْيَتِهٖ فَاِنْ اُغْمِیَ عَلَيْكُمْ فَاَكْمِلُوا الْعِدَّةَ۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

بعض لوگوں نے کہا یہ تیسری رات کا چاند ہے۔ بعض نے کہا یہ دوسری رات کا چاند ہے۔ پھر ہم لوگ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ملے ہم نے عرض کیا کہ ہم لوگوں نے چاند دیکھا ہے تو بعض نے کہا۔ یہ تیسری رات کا چاند ہے بعض کہتے ہیں دوسری رات کا ہے۔ اس پر آپ نے فرمایا تم نے کس رات دیکھا؟ ہم نے عرض کیا فلاں رات[3]؟۔ آپ نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چاند کی مدت دیکھنے تک رکھی[4]۔ وہ اسی رات کا ہے جب تم نے دیکھا۔ انھی سے ایک روایت ہے کہ ہم نے رمضان کا چاند[5] دیکھا جب ہم مقام ذات عرق[2] میں تھے۔ ہم نے حضرت عباس کے پاس ایک شخص مسئلہ دریافت کرنے بھیجا حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے چاند کی مدت دیکھنے تک رکھی ہے۔ تو اگر تم پر مشتبہ ہوجائے تو تیس دن کی گنتی پوری کرو[5]۔

(مسلم شریف)

[1] بختری "با" کی زبر "خا" ساکن "تا" کی زبر۔ حضرت ابوالبختری تابعین میں سے ہیں۔ ان کا نام سعید بن فیروز کوفی ہے۔

[2] یہ مکہ اور طائف کے درمیان ایک جگہ کا نام ہے۔

[3] یعنی انھوں نے اس رات کا تعین کیا جس رات میں انھوں نے چاند دیکھا تھا۔

[4] یعنی رمضان کی مدت چاند دیکھنے کے وقت کو قرار دیا۔ یعنی جب تم چاند دیکھو تو رمضان کے روزے رکھنے

شروع کرو۔

ؔ اہلال اور استہلال کا معنیٰ ہے چاند دیکھنا اور چاند دیکھنے کے وقت آواز بلند کرنے کے معنیٰ میں بھی آیا ہے۔

ؔ ذات عرق۔ "عین" کی زیر "را" ساکن۔ یہ بھی ایک جگہ کا نام ہے۔

ؔ یعنی تیس دن پورے کرو اور روزے رکھو۔

بَابٌ
سحری اور روزے کے مختلف مقاصد کا بیان

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ
پہلی فصل

عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَسَحَّرُوْا فَاِنَّ فِي السُّحُوْرِ بَرَكَةً۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "سحری کھاؤ کہ سحری کھانے میں برکت[1] ہے"۔ (بخاری، مسلم)

ؔ حدیث میں لفظ سحور آیا ہے۔ "سین" کی زبر اور پیش (و) دونوں طرح جائز ہے اگر زبر (ـَ) سے ہو تو اس کا معنیٰ ہے سحری کھانا اور پیش (ـُ) سے ہو تو اس کا معنیٰ ہے سحری کا کھانا کھانا۔ اکثر محدثین کے نزدیک فتح کی روایت زیادہ محفوظ ہے۔ مگر معنوی لحاظ سے پیش کی روایت زیادہ ظاہر ہے۔ کیونکہ برکت سحری کے کھانے میں ہے کہ اس میں سنت کی متابعت ہے نہ کہ محض تیار شدہ کھانے میں جیسا کہ کہا گیا ہے

وَعَنْ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَصْلُ مَا بَيْنَ صِيَامِنَا وَصِيَامِ اَهْلِ الْكِتٰبِ اَكْلَةُ السَّحَرِ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہمارے اور اہل کتاب کے روزوں میں فرق و امتیاز سحری کا کھانا ہے (مسلم شریف)

لہ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے لیے بہت سی ایسی چیزیں مباح کی ہیں جو ان کے لیے حرام تھیں تو ہمارا ان کی مخالفت کرنا اس نعمت کی شکر گذاری ہے۔ یہاں حدیث میں لفظ اکلہ آیا ہے۔ "ہمزہ" کی زبر "کاف" ساکن بمعنیٰ ایک بار کھانا اور "ہمزہ" کی پیش سے بمعنیٰ لقمہ۔ اور "صحیح" فتح سین کی روایت کے موافق ہے۔ تاہم یہاں "ہمزہ" کی زبر سے مروی ہے۔

وَ عَنْ سَهْلٍ ؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَزَالُ النَّاسُ بِخَيْرٍ مَا عَجَّلُوا الْفِطْرَ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت سہلؓ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "لوگ اس وقت تک خیر و نیکی پر رہیں گے جب تک روزہ افطار کرنے میں جلدی کرتے رہیں گے"۔ (بخاری، مسلم)

لہ یعنی حضرت سہل بن سعد الساعدی رضی اللہ عنہ مشاہیر صحابہ میں سے ہیں اور یہ آخری صحابی ہیں جنھوں نے مدینہ منورہ میں وصال فرمایا۔

ٹہ یہ خیر و نیکی بھی اہل کتاب سے مخالفت کی بنا پر ہے۔ کیونکہ اہل کتاب ستاروں کے چمکنے تک روزہ افطار کرنے میں دیر کرتے ہیں۔ ہماری ملت اسلام میں بھی بعض اہل بدعت کا یہ شعار و دستور ہے کہ افطار میں دیر کرنے کو ضروری قرار دیتے ہیں۔ تاہم جلدی سے وقت افطار کی تحقیق و یقین اور اس میں احتیاط کے بعد جلدی کرنا مراد ہے وقت کا صرف شک یا گمان ہونے پر جلدی کرنا مراد نہیں ہے۔ جیسا کہ بعض ارباب تکلف سنت کا پیرو ہونے کے اظہار میں کرتے ہیں۔

امام تورپشتی نے کہا اگر دیر کرنے سے مقصود تادیب نفس، اس کی سرکشی کو دور کرنا اور اسے مطیع فرمان کرنا ہو یا دونوں عشاؤں کو نفلوں کے ساتھ ملانا مطلوب ہو۔ دیر کرنے کو ضروری نہ جانتا ہو تو پھر تاخیر میں حرج نہیں۔ اس تاویل و معنیٰ کی مؤید ہے وہ حدیث صحیح جو حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا "کہ وصال نہ کرو" (ایک روزے کو دوسرے روزے سے بغیر کچھ کھائے پیئے نہ ملاؤ۔) اور جو شخص تم میں سے وصال کرنا چاہے اسے کہو کہ سحری تک وصال کرے۔ اور اس بنا پر افطار میں تاخیر کرنا کہ نفس کی اصلاح ہو اور نفسانی شہوات کو کاٹا جائے تو بہت سے علماء ربانیین اور ارباب احوال و معاملات طریقت نے ایسا کیا ہے اللہ تعالیٰ ان کی برکتیں ہم پر فرمائے آمین۔ تورپشتی کا کلام ختم ہوا۔

وَ عَنْ عُمَرَ ؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

وَسَلَّمَ اِذَا اَقْبَلَ اللَّيْلُ مِنْ هٰهُنَا وَ اَدْبَرَ النَّهَارُ مِنْ هٰهُنَا وَ غَرَبَتِ الشَّمْسُ فَقَدْ اَفْطَرَ الصَّائِمُ۔

جب ادھر (مشرق) سے رات آجائے[1] اور اس طرف سے دن پشت دے کر چلا جائے اور سورج غروب ہوجائے تو بے شک روزہ دار نے روزہ افطار کر لیا[2]

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ) (بخاری ومسلم)

[1] یعنی جانب مشرق سے رات کی تاریکی سامنے آجائے اور جانب مغرب سے دن رخصت ہوجائے، اور سورج غروب ہوجائے، رات کا آنا اور دن کا جانا سورج کے غروب ہونے سے ہی ہوتا ہے تو غروب آفتاب کا لفظ اس بات کی تاکید وتحقیق کے لیے ہے کہ رات داخل ہوجائے۔

[2] یعنی روزے کی افطاری کا وقت آگیا اب چاہیے کہ روزہ دار روزہ افطار کرے۔

وَ عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْوِصَالِ فِى الصَّوْمِ فَقَالَ لَهٗ رَجُلٌ اِنَّكَ تُوَاصِلُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ وَ اَيُّكُمْ مِثْلِیْ اِنِّیْ اَبِيْتُ يُطْعِمُنِیْ رَبِّیْ وَ يَسْقِيْنِیْ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے روزۂ وصال سے[1] منع فرمایا۔ ایک آدمی نے آپ سے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ تو وصال کے روزے رکھتے ہیں[2] آپ نے فرمایا اور میری مثل تم میں کون ہے؟ بے شک میں ایسی حالت میں رات بسر کرتا ہوں کہ میرا رب مجھے کھلاتا پلاتا ہے[3]۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ) (مسلم، بخاری)

[1] روزہ وصال یہ ہے کہ بندہ دو یا دو سے زیادہ روزے اس طرح رکھے کہ ان کے درمیان کچھ نہ کھائے پیئے

[2] اور ہمیں آپ اپنی اتباع وفرمانبرداری کا حکم دیتے ہیں۔

[3] واضح ہو کہ اس کھانے پینے میں چند اقوال ہیں۔ ایک یہ کہ کھانے اور پینے سے حسی کھانا پینا مراد ہو جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہر شب آتا تھا آپ وہ کھاتے اور پیتے تھے یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدا تعالیٰ کی طرف سے عزت افزائی تھی۔ جو آپ کے ساتھ خاص تھی۔ اور آپ کا یہ کھانا پینا روزہ کے وصال کے منافی اور روزہ کے باطل ہونے کا موجب نہ تھا۔ اگرچہ یہ کھانا پینا دن کے وقت بھی فرض کر لیا جائے جیسا کہ ایک روایت میں آیا ہے اظل عند ربی یطعمنی و یسقینی یعنی میں دن کو اپنے رب تعالیٰ کے پاس ہوتا ہوں وہ مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے کیونکہ جس کھانے سے روزہ شرعاً ٹوٹتا ہے وہ یہ عادی کھانا پینا ہے۔ وہ کھانا جو خرق عادت (معجزہ) کے طور پر

بہشت سے خدا تعالیٰ بھیجتا ہے اس کے کھانے سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔
بعض نے کہا یہاں کھانے پینے سے قوت وطاقت مراد ہے جو خوراک سے حاصل ہوتی ہے تو گویا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں فرمایا مجھے میرا پروردگار کھانے پینے والے انسان کی طرح قوت وطاقت عطا کرتا ہے۔ اور وہ چیز جو کھانے پینے کے قائم مقام ہے وہ مجھے اللہ تعالیٰ عطا کرتا ہے۔ اس کی وجہ سے مجھے عبادت وطاعت کی قوت حاصل ہوتی ہے۔ یا کھانے پینے سے سیری اور سیرابی مراد ہے۔ جو آپ کو کھانے پینے کے بغیر حاصل ہوتی ہے۔ اور آپ کو بھوک پیاس کی تکلیف محسوس نہ ہوتی تھی۔ یہ معنیٰ اس مذکورہ قوت کے علاوہ ہے کیونکہ اس صورت میں یہ ممکن ہے، کہ بھوک پیاس کے باوجود آپ کے اندر یہ قوت وطاقت موجود رہتی ہو اس معنیٰ میں وہ قوت سیری اور سیرابی کے اندر موجود رہتی تھی۔ کہا گیا ہے کہ معنیٰ اول زیادہ راجح ہے کیونکہ سیر وسیراب ہونا روزے دار کے حال کے منافی ہے۔ اور روزہ وصال کے مقصد کو فوت کرتا ہے کیونکہ روزہ کے عمل کی روح بھوک اور پیاس ہے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم عموماً بھوک کی حالت میں رہتے تھے۔ چنانچہ آپ شکم مبارک پر پتھر باندھتے تھے۔ جیسا کہ فتح الباری میں ہے۔ مختار ولپسندیدہ بات یہ ہے کہ اس کھانے پینے سے محسوس کھانا پینا مراد نہیں ہے۔ اور اس کا لازم مراد ہے جو کہ قوت وسیرابی ہے بلکہ اس سے غذائے روحانی مراد ہے۔ جو آپ کے قلب مبارک پر معارف، لذات ومناجات اور فیضان لطائف الٰہیہ کی صورت میں وارد ہوتی تھی۔ اور اس کی بدولت آپ جسمانی غذا اور اس کے لوازمات سے بے نیاز رہتے تھے۔ یہ چیز مجازی محبتوں ومسرتوں میں ایک تجربہ شدہ چیز ہے۔ تو محبت حقیقی اور مسرت معنوی کا کیا عالم ہوگا۔ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر وقت حاصل رہتی تھی۔

تنبیہ:۔ اس بارے میں علماء کا اختلاف ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کسی اور شخص کے لیے وصال کے روزے رکھنے جائز ہیں یا حرام یا مکروہ ہیں۔ ایک گروہ کہتا ہے اس شخص کے لیے یہ روزے جائز ہیں جو ان کی قدرت وطاقت رکھتا ہو۔ اور مخالفت رحمت وشفقت اور آسانی کے طور پر ہے۔ جیسا کہ حضرت عائشہ کی حدیث میں اس کی تصریح آچکی ہے۔ اور بعض صحابہ کرام مثل عبداللہ بن زبیر وغیرہ اور تابعین مثل عبداللہ بن ابی معمر وعامر بن عبداللہ بن زبیر اور حضرت ابراہیم تیمی سے منقول ہے مگر اکثر علماء اس پر ہیں کہ وصال کے روزے حضور علیہ السلام کے سوا کسی دوسرے کے لیے جائز نہیں ہیں۔ امام ابوحنیفہ، امام مالک اور امام شافعی رحمہم اللہ نے اس کے مکروہ ہونے کی تصریح کی ہے پھر اس میں اختلاف کیا ہے کہ یہ کراہت تحریمی یا تنزیہی ہے۔ اول زیادہ صحیح ہے امام احمد نے کہا سحری تک وصال صحیح ہے۔ اور یہ درحقیقت تاخیر افطار ہے وصال نہیں ہے جمہور علماء اس پر ہیں۔ کہ یہ حضرت نبوت کے خصائص میں سے ہے۔ ظاہر حدیث بھی اسی پر ہے اور اہل سلوک وتصوف میں سے جو حضرات ریاضت نفس اور اسے گھلانے کا بہت شوق رکھتے ہیں وہ پانی کے ایک گھونٹ سے روزہ افطار کرتے ہیں تاکہ اصل وصال سے باہر نکل آئیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

عَنْ حَفْصَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ لَّمْ يُجْمِعِ الصِّيَامَ قَبْلَ الْفَجْرِ فَلَا صِيَامَ لَهٗ۔
رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَ اَبُوْ دَاوٗدَ وَ النَّسَائِيُّ وَالدَّارِمِيُّ قَالَ اَبُوْ دَاوٗدَ وَ وَقَفَهٗ عَلٰى حَفْصَةَ مَعْمَرٌ وَ الزُّبَيْدِيُّ وَ ابْنُ عُيَيْنَةَ وَ يُوْنُسُ الْاَيْلِيُّ كُلُّهُمْ عَنِ الزُّهْرِيِّ۔

دوسری فصل

حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو فجر سے پہلے روزے کا ارادہ[1] (نیت) نہ کرے اس کے روزے نہیں ہوتے۔

ترمذی، ابوداؤد، نسائی، دارمی، اور ابو داؤد نے فرمایا اسے معمر[2]، زبیدی ابن عینیہ اور یونس ایلی[3] نے حضرت حفصہ پر موقوف کیا۔ یہ سب حضرات[4] زہری سے روایت کرتے ہیں۔

⁂ ⁂ ⁂ ⁂

[1] یہاں حدیث میں یجمع آیا ہے۔ یا کی پیش جیم ساکن میم کی زیر۔ اجماع سے بنا ہے۔ اس کا معنیٰ ہے عزم کی درستی اور کسی کام پر ثابت عزم والا ہونا۔

[2] میم کی زبر دوسری میم پر بھی زبر۔ دونوں کے درمیان عین بے نقطہ آپ تبع تابعین میں سے ہیں۔ ثوری، ابن عینیہ اور عبدالرزاق ان سے روایت کرتے ہیں۔ زبیدی۔ "زا" کی پیش "با" کی زبر یا ساکن زبید کی طرف منسوب ہے ان کا نام منبہ بن صعب ہے۔ یہ زہری کے ساتھیوں میں سے ہیں۔ دس سال ان کے ساتھ رہے۔ اور ان سے حدیث کا سماع کیا ابن عینیہ بھی تبع تابعین سے ہیں اور مشہور شخصیت ہیں۔

[3] یونس الایلی۔ ایلی ہمزہ کی زبر یا ساکن یہ ایلہ کی طرف نسبت ہے۔ ولایت شام میں مشہور شہر کا نام ہے ان کے باپ کا نام یزید ہے۔

[4] یعنی حضرت معمر، زبیدی، سفیان، ابن عینیہ اور یونس امام زہری سے روایت کرتے ہیں اور اس حدیث کو حضرت حفصہ پر موقوف کرتے ہیں۔ حدیث موقوف کا معنیٰ مقدمہ کتاب میں بیان ہو چکا ہے۔ کہ وہ صحابی کا قول ہے جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تک مرفوع نہیں ہوتا ہے۔ علماء نے کہا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے بخاری کے سوا پانچ کتابوں کے اصحاب نے اسے روایت کیا ہے دار قطنی نے بھی روایت کی۔ علماء نے یہ بھی کہا ہے کہ اس کی اسناد کے رجال سب ثقہ ہیں۔

اس حدیث کا ظاہر معنیٰ تو یہ ہے رات کے وقت نیت کے بغیر روزہ درست نہیں ہوتا۔ وہ روزہ چاہے فرض ہو جیسے رمضان کا روزہ یا قضا اور نذر وکفارہ کا روزہ یا نفلی روزہ۔ مگر یہاں مختلف مذہب ہیں۔ امام مالک کا یہی مذہب ہے کہ روزہ کے لیے رات کو نیت کرنا شرط ہے۔ جو روزہ بھی ہو۔ اس حدیث کے عموم پر نظر کرتے ہوئے۔ اور غیر نفل میں امام احمد وامام شافعی بھی اسی کے قائل ہیں۔ مگر نفلی روزہ امام شافعی کے نزدیک زوال سے پہلے نیت کرنے اور بعد زوال نیت کرنے سے درست ہوجاتا ہے اور روزہ قضا اور کفارہ اور نذر مطلق کے روزہ کے لیے رات کو نیت کرنا شرط ہے۔ ان میں سے ہر ایک کے دلائل شرح (عربی) میں مذکور ہیں۔ اس میں غور کرو۔

وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا سَمِعَ النِّدَآءَ اَحَدُکُمْ وَ الْاِنَآءُ فِیْ یَدِهٖ فَلَا یَضَعْهُ حَتّٰی یَقْضِیَ حَاجَتَهٗ مِنْهُ۔

(رَوَاهُ اَبُوْ دَاؤُدَ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی اذان سنے اور برتن اس کے ہاتھ میں ہو تو اسے اپنی حاجت پوری کرنے سے پہلے نہ رکھے[1]

(اسے ابوداؤد نے روایت کیا)

[1] یعنی پانی پی لے۔ یہاں احتمال ہے کہ اس سے مراد مغرب کی اذان ہو۔ تو اس میں روزہ افطار کرنے میں جلدی کی تاکید ہے۔ اگرچہ اذان کے وقت کھانا پینا ترک کردینا مسنون ہے اس سے صبح کی اذان بھی مراد ہوسکتی ہے۔ یعنی صبح ہونے کا دارومدار اذان پر نہیں بلکہ حقیقتاً صبح ہونے پر ہے۔ اگر اسے یقین ہوگیا کہ صبح ہوگئی ہے تو کھانا پینا بند کردے۔ شک کی صورت میں غور وتامل سے کام لے اگر رات کا ظن غالب ہو تو کھا پی لے۔ ورنہ نہ کھائے۔ علماء نے کہا ہے کہ اس سے حضرت بلال کی اذان مراد ہے۔ جیسا کہ باب اذان میں گذرا۔ اور برتن کے ہاتھ میں ہونے کی قید اتفاقی ہے۔

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی اَحَبُّ عِبَادِیْ اِلَیَّ اَعْجَلُهُمْ فِطْرًا۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے بندوں میں سے میرے نزدیک سب سے زیادہ وہ بندہ ہے جو روزہ افطار کرنے میں جلدی کرے[1]

(ترمذی)

لے کیونکہ اس میں متابعت نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام پانے کا شرف ہے نیز اس میں آسانی اور نعمت کو غنیمت جاننے پر شکر گذاری ہے۔ اور اپنی بندگی اور محتاجی کا اظہار ہے۔ بعض نے کہا اس سے سارے مسلمان مراد ہیں۔ کیونکہ یہود و نصاریٰ افطار روزہ میں دیر کرتے تھے۔

وَعَنْ سَلْمَانَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اَفْطَرَ اَحَدُكُمْ فَلْيُفْطِرْ عَلٰى تَمْرٍ فَاِنَّهٗ بَرَكَةٌ فَاِنْ لَّمْ يَجِدْ فَلْيُفْطِرْ عَلٰى مَاءٍ فَاِنَّهٗ طَهُوْرٌ۔

حضرت سلمان[1] بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں کوئی روزہ افطار کرے تو کھجور پر افطار کرے کیونکہ وہ برکت ہے[2] اگر کھجور نہ پائے تو پانی سے کرے کیونکہ پانی بھی بندے کو پاک کرنے والا ہے[3]

رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَاَبُوْ دَاوٗدَ وَالدَّارِمِيُّ وَلَمْ يَذْكُرْ فَاِنَّهٗ بَرَكَةٌ غَيْرُ التِّرْمِذِيِّ۔

احمد، ترمذی، ابو داؤد، ابن ماجہ اور دارمی اور فانہ برکۃ کا لفظ سوائے ترمذی کے کسی نے ذکر نہ کیا

٭ ٭ ٭

لے آپ صحابی ہیں۔ مشکوٰۃ شریف کے بعض نسخوں میں سلیمان "یا" کے ساتھ آیا ہے۔ مگر یہ کاتب کی خطا ہے یا مؤلف کتاب کی جیسا کہ علماء نے کہا ہے۔

سلے کہ کھجور برکت اور زیادتی ثواب کا موجب و سبب ہے۔

سلے یا پانی سے افطار کرنا معدے کو آلائشوں سے پاک و صاف کرنے کا ذریعہ ہے اور خوراک کی اشتہاء کا موجب ہے۔ بعض علماء نے کہا معدہ جب خالی ہوتا ہے اور اس میں کھانے کی طلب اور اشتہاء پیدا ہوتی ہے۔ تو وہ پوری رغبت سے کھانے کو قبول کرتا ہے۔ پھر جب سب سے پہلے اس میں کوئی میٹھی چیز پہنچتی ہے تو اس سے معدہ کو بہت نفع پہنچتا ہے۔ اور بدن اس سے غایت درجہ فائدہ حاصل کرتا ہے خصوصًا نظر کہ میٹھی چیز سے اسے زیادہ قوت و طاقت پہنچتی ہے اور جب کہ اہلِ حجاز کے ہاں میٹھی چیز کھجور ہے تو ان کی طبیعت اسی کی طرف راغب ہوتی ہے۔ اور ان کے ابدان و اجسام اس سے بہت زیادہ فائدہ اٹھاتے ہیں باقی رہا پانی تو جب جگر روزہ کی وجہ سے خشک ہو چکا ہوتا ہے۔ تو پانی سے غذا کامل کا فائدہ حاصل ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے پیاسے اور بھوکے انسان کے حال کے زیادہ مناسب و اولیٰ یہ چیز ہے کہ تھوڑا سا پانی پی کر کھانا کھائے۔

وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَ

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے

النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُفْطِرُ قَبْلَ اَنْ يُّصَلِّيَ عَلٰى رُطَبَاتٍ فَاِنْ لَّمْ تَكُنْ رُطَبَاتٌ فَتُمَيْرَاتٌ فَاِنْ لَّمْ تَكُنْ تُمَيْرَاتٌ حَسَا حَسَوَاتٍ مِّنْ مَّاءٍ۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ غَرِيْبٌ۔

فرماتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھنے سے پہلے چند تر کھجوروں پر افطار کرتے تھے۔ اگر تر کھجوریں موجود نہ ہوتی تھیں تو خشک کھجوروں[۱] سے روزہ افطار کرتے اور خشک کھجوریں بھی موجود نہ ہوتیں تو پھر پانی کے چند گھونٹ پیتے۔ اور ترمذی نے کہا کہ یہ حدیث حسن غریب ہے۔

[۱] بعض روایتوں میں تین تر کھجوریں اور تین خشک کھجوریں واقع ہوئی ہیں۔

وَعَنْ زَيْدِ بْنِ خَالِدٍ رض قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ فَطَّرَ صَائِمًا اَوْ جَهَّزَ غَازِيًا فَلَهٗ مِثْلُ اَجْرِهٖ۔ (رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ وَمُحْيِ السُّنَّةِ فِيْ شَرْحِ السُّنَّةِ وَقَالَ صَحِيْحٌ۔

حضرت زید[۱] بن خالد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے روزہ دار کا روزہ افطار کرایا یا غازی کو سامان جہاد فراہم کیا تو اسے ان جیسا ثواب ملتا ہے اسے بیہقی نے شعب الایمان میں روایت کیا اور محی السنہ نے شرح سنہ میں اور کہا یہ حدیث صحیح[۲] ہے۔

[۱] حضرت زید بن خالد مشاہیر صحابہ میں سے ہیں۔

[۲] اور ترمذی نسائی، ابن ماجہ، ابن خزیمہ اور ابن حبان نے بھی اسے روایت کیا اور کہا کہ یہ حدیث صحیح ہے۔

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رض قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اَفْطَرَ قَالَ ذَهَبَ الظَّمَاءُ وَابْتَلَّتِ الْعُرُوْقُ وَثَبَتَ الْاَجْرُ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ تَعَالٰى۔ (رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب روزہ افطار کرتے[۱] تو کہتے پیاس[۲] چلی گئی رگیں تر ہوگئیں اور اجر و ثواب انشاء اللہ تعالیٰ ثابت و موجود ہوگیا (ابوداؤد شریف)

[۱] افطار کے وقت

[۲] یہاں حدیث میں لفظ ظماء آیا ہے ہمزہ کے ساتھ پھر ہمزہ ممدودہ اور مقصورہ دونوں طرح پڑھا گیا ہے۔

وَعَنْ مُعَاذِ بْنِ زُهْرَةَ قَالَ إِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا أَفْطَرَ قَالَ اللّٰهُمَّ لَكَ صُمْتُ وَعَلَى رِزْقِكَ أَفْطَرْتُ.
(رَوَاهُ أَبُوْ دَاوُدَ مُرْسَلًا)

حضرت معاذ بن زہرہ[۱] سے روایت ہے فرماتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب روزہ افطار کرتے تو کہتے اے اللہ! میں نے تیرے لیے روزہ رکھا اور تیرے رزق پر میں نے افطار کیا۔

اسے ابوداؤد نے مرسلاً روایت کیا

[۱] زہر "زا" کی پیش "ہا" کی ساکن۔ آپ ثقہ تابعین میں سے ہیں۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ — تیسری فصل

عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَزَالُ الدِّيْنُ ظَاهِرًا مَا عَجَّلَ النَّاسُ الْفِطْرَ لِأَنَّ الْيَهُوْدَ وَالنَّصَارٰى يُؤَخِّرُوْنَ.
(رَوَاهُ أَبُوْ دَاوُدَ وَابْنُ مَاجَةَ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ دین اس وقت تک ظاہر و غالب رہے گا جب تک لوگ افطار کرنے میں جلدی کرتے رہیں گے کہ بے شک یہود و نصاریٰ دیر کرتے ہیں[۱]

(ابوداؤد، ابن ماجہ)

[۱] تو ان کے خلاف اور ان کے عمل کی بنا گرانے میں دین اسلام کا غلبہ اور شوکت ہے اس میں اس جانب اشارہ ہے کہ دین کی مضبوطی اور اس کا غلبہ دشمنانِ دین کی مخالفت میں سے ہے۔

وَعَنْ أَبِيْ عَطِيَّةَ قَالَ دَخَلْتُ أَنَا وَمَسْرُوْقٌ عَلٰى عَائِشَةَ فَقُلْنَا يَا أُمَّ الْمُؤْمِنِيْنَ رَجُلَانِ مِنْ أَصْحَابِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَحَدُهُمَا يُعَجِّلُ الْإِفْطَارَ وَيُعَجِّلُ الصَّلٰوةَ وَالْآخَرُ يُؤَخِّرُ الْإِفْطَارَ وَيُؤَخِّرُ الصَّلٰوةَ قَالَتْ أَيُّهُمَا

حضرت ابی عطیہ[۱] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں اور مسروق حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس گئے اور عرض کیا اے ام المومنین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں دو شخص ایسے ہیں کہ ایک ان میں سے افطار میں بھی جلدی کرتا ہے اور نماز میں بھی[۲] دوسرا افطار میں بھی دیر کرتا ہے اور نماز میں بھی۔ آپ نے فرمایا افطار اور نماز میں کون جلدی

يُعَجِّلُ الْإِفْطَارَ وَ يُعَجِّلُ الصَّلٰوةَ قُلْنَا عَبْدُ اللهِ ابْنُ مَسْعُوْدٍ قَالَتْ هٰكَذَا صَنَعَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالْاٰخَرُ اَبُوْ مُوْسٰى۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

کرتا ہے۔ ہم نے کہا عبداللہ بن مسعود۔ حضرت عائشہ نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایسا ہی کرتے تھے۔ اور دوسرے مرد حضرت ابو موسیٰ[۳] تھے۔ (مسلم شریف)

[۱] آپ تابعی ہیں اور حضرت مسروق کے ہم عمر لوگوں میں سے ہیں۔

[۲] یعنی نماز مغرب میں

[۳] پس حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ عزیمت پر عمل کرتے تھے۔ اور حضرت ابو موسیٰ اشعری رخصت پر اور حضرت ابن مسعود احکام کے زیادہ عالم اور زیادہ فقیہ ہیں۔ اور اسلام کی اتباع میں ان سے آگے ہیں۔ حضرت ابو موسیٰ بھی اکابر صحابہ میں سے ہیں شاید انھوں نے کسی سند یا عذر کی وجہ سے ایسے کیا ہو اور وہ بھی کبھی کبھار۔ واللہ اعلم۔

وَعَنِ الْعِرْبَاضِ بْنِ سَارِيَةَ قَالَ دَعَانِيْ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلَى السَّحُوْرِ فِيْ رَمَضَانَ فَقَالَ هَلُمَّ اِلَى الْغَدَاءِ الْمُبَارَكِ۔ (رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ وَ النَّسَائِيُّ)

حضرت عرباض[۱] بن ساریہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں مجھے رمضان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سحری کے کھانے کی طرف بلایا اور فرمایا اس مبارک کھانے کی طرف آ۔ بے شک سحری کھانے میں برکت ہے (ابوداؤد، نسائی)

[۱] آپ صحابی ہیں۔ اہل صفہ میں سے ہیں۔ اور ان کہنے والوں میں سے ہیں جن کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی۔ ولا علی الذین اذا ما اتوك لتحملهم (ترجمہ: نہ ان پر حرج ہے کہ جب وہ آپ کے پاس آئیں کہ آپ انھیں سواری فراہم کریں۔ الی آخر الآیۃ۔

وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نِعْمَ سَحُوْرُ الْمُؤْمِنِ التَّمْرُ۔ (رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "مومنوں کی بہترین سحری کھجور ہے[۱]"۔ (ابوداؤد شریف)

ؔ ایک تو خود سحری ہی بابرکت چیز ہے پھر کھجور برکت میں اضافہ کا موجب ہے ۔ جب کہ اس کے ساتھ روزہ افطار کرنے میں برکت ہے تو اسے سحری میں کھانے سے روزے کے اوّل و آخر دونوں میں برکت ہی برکت ہو جائے گی ۔

بَابُ تَنْزِيْهِ الصَّوْمِ

روزے کو پاک رکھنا

یعنی روزے کو ان چیزوں سے دور رکھنا جن سے وہ ٹوٹتا یا مکروہ ہو جاتا ہے ۔ تنزہ کا معنی ہے دور ہونا ۔ تنزیہ باری تعالیٰ کا معنیٰ ہے ۔ اللہ تعالیٰ کو ان چیزوں سے دور رکھنا جو اس کی شانِ اقدس کے لائق نہیں ہیں ۔ جیسے عیوب و نقائص ۔ ایک حدیث میں آیا ہے " الایمان تنزہ " یعنی ایمان گناہوں سے دور ہونے کا نام ہے ۔ ایک دوسری حدیث میں آیا ہے ۔ " الجابیہ نزہتہ " یعنی جابیہ وبا وغیرہ سے دور ہے ۔ جابیہ دمشق میں ایک جگہ کا نام ہے ۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

پہلی فصل

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ لَّمْ یَدَعْ قَوْلَ الزُّوْرِ وَ الْعَمَلَ بِهٖ فَلَیْسَ لِلّٰهِ حَاجَةٌ فِیْ اَنْ یَّدَعَ طَعَامَهٗ وَ شَرَابَهٗ ۔

(رَوَاهُ الْبُخَارِیُّ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص جھوٹ بولنا[1] اور اس پر عمل کرنا نہ چھوڑے تو اللہ تعالیٰ کو اس میں کوئی حاجت[2] نہیں کہ وہ اپنا کھانا اور پینا چھوڑ دے ۔

(بخاری شریف)

ؔ یہاں حدیث میں لفظ زور آیا ہے اس کا اطلاق باطل اور بہتان پر بھی ہوتا ہے ۔ زور (جھوٹ) کلام کی بھی ایک قسم ہے یہاں جھوٹ کا وہ معنیٰ مراد ہے ۔ جو قول و فعل سب کو شامل ہے ۔ یہ عمومیت اس لیے ملحوظ رکھی گئی ہے تاکہ والعمل بہ یعنی (جھوٹ پر عمل) کو بھی شامل ہو جائے ۔

ؔ یعنی اللہ تعالیٰ کے ہاں اس بات کی کوئی قدر و قیمت نہیں کہ انسان صرف کھانے پینے کو ترک کر دے اس میں اس کے روزے کے نہ قبول ہونے کی جانب اشارہ ہے ۔ یعنی روزہ کے لازم و مشروع کرنے سے مقصود بھوکا پیاسا رکھنا نہیں

بلکہ شہوت توڑنا اور نفسانیت کی آگ بجھانا ہے تاکہ نفس امارگی سے باہر ہو کر مطمئنہ بن جائے۔
مشائخ رحمہم اللہ تعالیٰ نے کہا ہے کہ روزہ تین قسم ہے۔ عوام کا روزہ، کہ خدا تعالیٰ کی رحمت کا عموم سارے جہان کے لیے یہ ہے کہ بندہ کھانے پینے اور جماع سے باز رہے۔ دوسرا خواص کا روزہ۔ وہ یہ ہے کہ بندہ تمام اعضاء، حواس، لذتوں اور حرام و مکروہ شہوتوں سے رُکا رہے۔ بلکہ مباح چیز کے اندر انہماک سے بھی گریز کرے۔ جو نفس کو توڑنے اور اس کی خواہشات کی بنیاد اکھیڑنے کے منافی ہیں۔ تیسرا روزہ اخص الخواص کا ہے اور وہ ہر ماسوا اللہ سے دور ہونے اور اس کے ماسوا کی طرف توجہ و التفات نہ کرنے اور ماسوا سے تعلق نہ رکھنے سے عبارت ہے۔

وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُقَبِّلُ وَ يُبَاشِرُ وَهُوَ صَائِمٌ وَ كَانَ اَمْلَكَكُمْ لِاَرَبِهٖ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چومتے تھے[۱]، مباشرت[۲] کرتے تھے حالانکہ آپ نے روزہ رکھا ہوتا تھا اور آپ اپنی شہوت و حاجت[۳] پر تم سب سے زیادہ قدرت رکھنے والے تھے (مسلم، بخاری)

[۱] بوسہ دیتے تھے۔

[۲] یعنی جسم مبارک کی کھال کو عورتوں کی کھال کے ساتھ لگاتے تھے۔

[۳] یہاں حدیث میں لفظ ارب آیا ہے بمعنی حاجت و شہوات۔ ایک روایت میں لاربہ کی جگہ لنفسہ آیا ہے یعنی ہمزہ، را کی زبر سے بمعنی حاجت، محدثین کے نزدیک مشہور روایت میں ایسا ہی ہے۔ اور کبھی ہمزہ کی زیر اور را ساکن سے بھی روایت کرتے ہیں یہ لغت بھی حاجت کے معنیٰ میں ہے۔ پھر یہ لفظ عضو مخصوص اور فرج کے معنیٰ میں بھی آتا ہے عضو مراد لینے کی صورت میں عضو مخصوص مراد ہو گا۔ تورپشتی نے کہا یہاں اس سے عضو مخصوص مراد لینا طریقہ ادب و ثواب سے خارج اور بعید ہے۔ لہٰذا احسن یہی ہے کہ یہاں حاجت کا معنیٰ لیا جائے۔

ترمذی نے کہا کہ اس باب میں حدیث حضرت عمر بن الخطاب، حضرت حفصہ، حضرت ابن عباس، حضرت انس اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم سے بھی آئی ہے۔ حضرت عائشہ کی حدیث، حسن و صحیح ہے۔ پھر اس بارے میں علماء صحابہ وغیرہم کا اختلاف ہے۔ کہ روزہ دار کے لیے بوسہ لینا جائز ہے یا نہیں۔ بعض نے بوڑھے مرد کو اجازت دی ہے۔ جوان کو اجازت نہیں دی اور مباشرت اس سے بھی سخت اور نامناسب عمل ہے یعنی مرد کا اپنے جسم کو عورت کے جسم سے لگانا۔ بعض نے کہا بوسہ سے ثواب کم ہوتا ہے روزہ ٹوٹتا نہیں ترمذی کا کلام ختم ہوا۔

ہم احناف کا مذہب یہ ہے کہ اگر جماع کے مرتکب ہونے یا انزال کا اندیشہ نہ ہو تو بوسہ لینے میں حرج نہیں اور اگر اس کا اندیشہ ہو تو مکروہ ہے کیونکہ بوسہ فی ذاتہ روزے کو نہیں توڑتا۔ لیکن ممکن ہے مجامعت تک پہنچا دے

اس لیے حالتِ امن میں تو بوسہ کی ذات کا اعتبار کیا گیا ۔ اور غیر امن کی حالت میں اس کے انجام کا لحاظ کیا گیا ہے امام محمد رحمۃ اللہ نے موطا میں کہا کہ اپنے آپ کو بوسہ سے باز رکھنا افضل ہے ۔ اور یہ امام ابوحنیفہ اور اکثر علماء کا قول ہے ۔ جو ہم سے پہلے گذرے ہیں اور مباشرت بوسہ کے حکم میں ہے ۔ ظاہر روایت میں ۔ اور مباشرت فاحشہ مکروہ ہے ، کہ خوف فتنہ ہے ۔ اور موطا میں کہا کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ بوسہ اور مباشرت دونوں سے روکتے تھے ۔ اور حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بوسہ سے بھی منع کرتے تھے ۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح کسی اور فرد کو عصمت و حفاظت حاصل نہ تھی ۔

وَعَنْهَا قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُدْرِكُهُ الْفَجْرُ فِيْ رَمَضَانَ وَهُوَ جُنُبٌ مِّنْ غَيْرِ حُلُمٍ فَلْيَغْتَسِلُ وَيَصُوْمُ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو صبح آ لیتی تھی جب کہ آپ بغیر احتلام کے جنبی ہوتے تھے ۔ تو آپ غسل کرتے اور روزہ رکھتے[۱] ۔ (مسلم، بخاری)

[۱] حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے بھی اس کی مثل ایک روایت آئی ہے ۔ اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، حضرت فضل بن عباس رضی اللہ عنہ سے یہ روایت کیا کرتے تھے کہ جو جنبی حالت میں صبح کرتا ہے اس کا روزہ نہیں جب حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو حضرت عائشہؓ اور حضرت ام سلمہؓ کی حدیث پہنچی تو حضرت ابوہریرہ نے اس سے رجوع کر لیا ۔ اور کہا کہ وہ دونوں اس بارے میں مجھ سے زیادہ دانا اور عالم ہیں ۔ یہاں ایک فقہ ہے جسے میں نے شرح سفر السعادت میں ذکر کیا ہے ۔ اور اکثر علماء اسی پر ہیں ۔ طیبی نے نخعی سے نقل کیا کہ نفلی روزہ ایسا ہونا درست ہے مگر فرض روزہ کی قضا کرے ۔

ترمذی نے کہا کہ تابعین کی ایک جماعت اس پر ہے کہ جب ایک شخص جنبی حالت میں صبح کرے تو اس روزے کی قضا کرے تاہم قول صحیح تر پہلا قول ہے ۔ اس کے بعد واضح ہو کہ کبھی حضرت عائشہ کے قول "بغیر احتلام کے" سے اس امر پر استدلال کیا گیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو احتلام ہونا جائز ہے ۔ ورنہ اس قید کا کچھ فائدہ نہ تھا ۔ لیکن علماء نے کہا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے احتلام ہونا جائز نہیں ۔ کیونکہ احتلام شیطان کی طرف سے ہوتا ہے مواہب لدنیہ میں قرطبی سے نقل کیا کہ صحیح بات یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے احتلام جائز نہیں ۔

حدیث میں احتلام سے مراد خواب میں صرف احتلام ہوتے دیکھنا ہے اور یہ شیطان کی طرف سے نہیں ہے یا قید کی بنا احتلام کے عدم جواز پر ہے ۔ یعنی آپ کا غسل جماع سے ہوتا تھا احتلام سے نہ ہوتا تھا کیونکہ آپ کے لیے احتلام جائز نہیں اسے سمجھو ۔

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ إِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ احْتَجَمَ وَهُوَ مُحْرِمٌ وَاحْتَجَمَ وَهُوَ صَائِمٌ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے فرماتے ہیں بیشک نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سینگھی لگوائی[1] حالانکہ آپ حالت احرام میں تھے اور آپ نے سینگھی لگوائی حالانکہ آپ روزہ دار تھے[2] (بخاری، مسلم)

[1] یعنی ایک آلے سے اپنا خون کشید کیا حالانکہ آپ احرام باندھے ہوئے تھے۔ تو معلوم ہوا کہ محرم کے لیے ایسا کرنا جائز ہے مگر شرط یہ ہے کہ کوئی بال نہ اکھڑے اور اگر کوئی بال اکھڑ جائے تو اس کا بدلہ دے جیسا کہ اس مسئلہ کی وضاحت باب احرام میں آرہی ہے۔

[2] اس سے ظاہر ہوا کہ سینگھی لگوانے سے روزہ نہیں ٹوٹتا امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک یہ فعل کرنا مکروہ بھی نہیں اور کوئی قضا و کفارہ لازم نہیں آتا۔ یہی مذہب ائمہ ثلاثہ کا ہے مگر امام احمد کے نزدیک سینگھی لگوانے اور لگانے والے دونوں کا روزہ باطل ہو جاتا ہے۔ اور ان پر قضا واجب ہو جاتی ہے۔ کفارہ واجب نہیں ہوتا۔ اور عطا کے نزدیک سینگھی لگانے والے کا روزہ ٹوٹ جاتا ہے اور اس پر کفارہ لازم آتا ہے۔ طیبی نے کہا روزہ دار شخص کے سینگھی لگوانے میں مزید کلام حدیث افطر الحاجم والمحجوم میں آرہا ہے۔

وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ نَسِيَ وَهُوَ صَائِمٌ فَأَكَلَ أَوْ شَرِبَ فَلْيُتِمَّ صَوْمَهُ فَإِنَّمَا أَطْعَمَهُ اللّٰهُ وَسَقَاهُ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس روزہ دار نے بھول کر کھا پی لیا تو وہ اپنا روزہ پورا کرے[1] کہ بے شک اسے اللہ تعالیٰ نے کھلایا اور پلایا ہے[2] (بخاری و مسلم)

[1] کہ اس کا روزہ باطل نہ ہوا۔

[2] یہ حکم سب ائمہ کے نزدیک ہر روزہ کے لیے عام ہے۔ فرض روزہ ہو یا نفل۔ مگر امام مالک کے ہاں کہ ان کے نزدیک اس صورت میں روزہ رمضان کی قضا لازم ہو جاتی ہے۔ اور قیاس بھی یہی ہے امام محمد رحمہ اللہ نے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ سے حکایت کی ہے کہ آپ فرمایا کرتے تھے اگر لوگوں کے اقوال نہ ہوتے تو میں بھی قضا کا قائل ہوتا یعنی اگر ائمہ کرام نے اس حدیث کو روایت نہ کیا ہوتا تو میں یقیناً اس کی قضا کا قائل ہوتا۔ ہدایہ میں کہا جب یہ حکم کھانے پینے کی

چیزوں میں ثابت ہو گیا تو رکنیت میں برابر ہونے کی وجہ سے جماع کے اندر بھی یہ حکم ثابت ہو گیا ۔

وَعَنْهُ قَالَ بَيْنَمَا نَحْنُ جُلُوسٌ عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذْ جَاءَهُ رَجُلٌ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ هَلَكْتُ قَالَ مَا لَكَ قَالَ وَقَعْتُ عَلَى امْرَأَتِي وَ أَنَا صَائِمٌ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَلْ تَجِدُ رَقَبَةً تُعْتِقُهَا قَالَ لَا قَالَ فَهَلْ تَسْتَطِيعُ أَنْ تَصُومَ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ قَالَ لَا قَالَ هَلْ تَجِدُ إِطْعَامَ سِتِّينَ مِسْكِينًا قَالَ لَا قَالَ اجْلِسْ وَ مَكَثَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَبَيْنَا نَحْنُ عَلَى ذٰلِكَ أُتِيَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِعَرَقٍ فِيهِ تَمْرٌ وَ الْعَرَقُ الْمِكْتَلُ الضَّخْمُ قَالَ أَيْنَ السَّائِلُ قَالَ أَنَا قَالَ خُذْ هٰذَا فَتَصَدَّقْ بِهِ فَقَالَ الرَّجُلُ أَعَلَى أَفْقَرَ مِنِّي يَا رَسُولَ اللّٰهِ فَوَاللّٰهِ مَا بَيْنَ لَابَتَيْهَا يُرِيدُ الْحَرَّتَيْنِ أَهْلُ بَيْتٍ أَفْقَرُ مِنْ أَهْلِ بَيْتِي فَضَحِكَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتّٰى بَدَتْ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے فرماتے ہیں ہم لوگ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے کہ آپ کے پاس ایک شخص آیا اور کہا یارسول اللہ میں ہلاک ہو گیا آپ نے فرمایا تجھے کیا ہوا؟ اس نے کہا میں نے اپنی عورت سے روزہ کی حالت میں مجامعت کر لی ہے اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تو گردن (غلام) پاتا ہے جسے تو آزاد کرے اس نے کہا نہیں ۔ آپ نے فرمایا کیا تو طاقت رکھتا ہے کہ لگاتار دو مہینے روزے رکھے؟ اس نے کہا نہیں ۔ آپ نے فرمایا کیا تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلا سکتا ہے اس نے کہا نہیں آپ نے فرمایا بیٹھ جا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی انتظار کرنے لگے ۔ ہم لوگ اسی اثنا میں تھے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کھجوروں کی ایک ٹوکری پیش کی گئی ۔ ٹوکری ایک بڑے پیمانے کو کہتے ہیں ۔ آپ نے فرمایا سائل کہاں ہے؟ اس نے عرض کیا میں حاضر ہوں آپ نے فرمایا یہ لے اور اسے فقراء پر صدقہ کر اس شخص نے عرض کیا کیا اپنے سے زیادہ محتاج انسان پر صدقہ کروں یارسول اللہ؟ تو اللہ کی قسم! مدینہ طیبہ کے دو سنگستانوں کے درمیان یعنی مدینہ طیبہ کی زمین کے دو جلے ہوئے کالے پتھروں کے میدان کوئی گھر والا میرے گھر والوں سے زیادہ محتاج نہیں اس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہنس پڑے یہاں تک کہ آپ کے

اَنْيَابُهٗ ثُمَّ قَالَ اَطْعِمْهُ اَهْلَكَ ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

لگے دانت ظاہر ہوئے پھر آپ نے فرمایا یہ کھجوریں اپنے بال بچوں کو کھلا دے ۔ (مسلم، بخاری)

۱؎ ایک روایت میں یہ الفاظ زیادہ آئے " اور میں نے اپنی بیوی کو بھی ہلاک کر دیا کہ میں نے اسے بھی گناہ میں مبتلا کر دیا "

۲؎ اور تو نے کیا کیا کہ ایسی بات کر رہا ہے ۔

۳؎ ایک روایت میں " دانا صائم " کے بجائے " فی نہار رمضان " واقع ہوا ہے یعنی رمضان شریف کے دن میں نے اپنی بیوی سے مجامعت کر لی ہے ۔

۴؎ یہاں حدیث میں لفظ مکث " کاف " کی پیش اور میم و کاف کی زبر دونوں طرح جائز ہے یہ کھانا اس لیے دے تاکہ اس کا کفارہ بن جائے ۔

۵؎ یہاں حدیث میں لفظ " عَرَق " آیا ہے " عین " اور " را " کی زبر اور " را " ساکن سے بھی آیا ہے اس کا معنیٰ زنبیل کا ہے ۔ یعنی بڑی زنبیل جس میں پندرہ سے بیس صاع تک جنس آتی ہے ۔ اور پندرہ صاع ساٹھ سیر ہوتے ہیں ۔

۶؎ انیاب ، ناب کی جمع ہے ناب اگلے دانتوں کو کہتے ہیں اور درندوں میں بڑے درندوں کے دانتوں کو بھی ناب کہتے ہیں ۔ اور یہ نیچے والے دو دانتوں کے ساتھ والے دانت ہیں ۔ روایات میں " بَدَتْ نَوَاجِذُہٗ " کے الفاظ بھی آئے ہیں ۔ نواجذ سب سے پچھلے دانتوں کو کہتے ہیں جنھیں عقل و دانائی کے دانت بھی کہتے ہیں یہ عقل و بلوغت کے وقت اُگتے ہیں ۔ ان دانتوں کا ہنسنے کے وقت نمایاں ہونا ناممکن ہے ۔ اس لیے علماء فرماتے ہیں کہ یہاں ان سے مطلق دانت مراد ہیں ۔ اس کی مزید تحقیق اپنی جگہ کر دی گئی ہے ۔

۷؎ جب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ یہ شخص نہایت محتاجی اور تنگدستی میں مبتلا ہے تو فرمایا خود ہی کھالے اور کفارہ طاقت و قدرت ہونے پر دوسرے وقت ادا کر دینا کہ اکثر علماء کے نزدیک اپنے ہی گھر والوں کا کھا لینا کفارہ میں کافی نہیں ہے بعض علماء اس طرف گئے ہیں کہ یہ حکم اس شخص کے ساتھ خاص تھا بعض نے کہا یہ حکم منسوخ ہو چکا ہے ۔ اور قول قدیم وہی ہے جو کہا گیا ہے ۔ واللہ اعلم ۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِيْ — دوسری فصل

عَنْ عَائِشَةَ رض اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ بیشک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کا بوسہ لیا

يُقَبِّلُهَا وَ هُوَ صَائِمٌ وَّ يَمُصُّ لِسَانَهَا۔ (رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ)

کرتے تھے۔ حالانکہ آپ روزے سے ہوتے تھے اور آپ حضرت عائشہ کی زبان مبارک چوسا کرتے تھے[۱] (ابوداؤد شریف)

[۱] حدیث میں لفظ "یمص" مص سے نکلا ہے اس کا معنیٰ ہے چوسنا یہ بھی کہا گیا ہے کہ مصمصہ، مضمضہ کی طرح ہے لیکن اتنا فرق ہے کہ اگر صاد کے ساتھ ہو تو اس کا معنیٰ ہے زبان کے کنارے سے چوسنا اور ضؔ سے ہو تو معنی ہے پورے منہ سے چوسنا۔ اس میں شک نہیں کہ ایسا کرنا اس صورت میں جائز ہے جب کہ منہ کا لعاب گلے سے نیچے نہ اُترے بعض علماء نے کہا ہے کہ اس حدیث کی سند ضعیف ہے کہ اس کے راویوں میں سے ایک راوی محمد بن دینار الحاجی البصری اور دوسرا سعید بن انس ہے اور یہ دونوں ضعیف ہیں۔ واللہ اعلم۔

وَ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ اَنَّ رَجُلًا سَاَلَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْمُبَاشَرَةِ لِلصَّائِمِ فَرَخَّصَ لَهٗ وَ اَتَاهُ اٰخَرُ فَسَاَلَهٗ فَنَهَاهُ فَاِذَا الَّذِيْ رَخَّصَ لَهٗ شَيْخٌ وَ اِذَا الَّذِيْ نَهَاهُ شَابٌّ۔ (رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بے شک ایک شخص نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روزے دار کی عورت سے مباشرت[۱] کے بارے میں سوال کیا آپ نے اجازت دے دی پھر ایک دوسرا شخص آیا اور اس نے بھی یہی سوال کیا آپ نے اسے اجازت نہ دی تحقیق کرنے پر پتہ چلا کہ جس کو آپ نے اجازت دی تھی وہ بوڑھا آدمی تھا اور جسے آپ نے اجازت نہ دی تھی وہ نوجوان[۲] تھا (ابوداؤد شریف)

[۱] یہاں مباشرت سے مرد عورت کا ایک دوسرے کے جسم سے مس کرنا مراد ہے ایک دوسرے کی شرمگاہ کا ایک دوسرے سے ملنا مراد نہیں ہے۔

[۲] تو معلوم ہوا کہ بوڑھے کے لیے ایسا کرنے کی اجازت ہے نوجوان کے لیے نہیں۔ اس کا مآل امن اور خوف ہے کہ بڑھاپے میں غالباً خوف فتنہ نہیں ہوتا جوانی میں ہوتا ہے۔

وَ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ ذَرَعَهُ الْقَيْءُ وَ هُوَ صَائِمٌ فَلَيْسَ عَلَيْهِ قَضَاءٌ وَ مَنِ اسْتَقَاءَ عَمْدًا فَلْيَقْضِ۔

انہیں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص پر قے غالب آگئی اور وہ روزہ دار تھا تو اس پر روزے کی قضا نہیں[۱] اور جس نے دانستہ قے لائی وہ روزہ قضا کرے

رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَ اَبُوْ دَاوٗدَ وَ ابْنُ مَاجَةَ وَ الدَّارِمِيُّ وَ قَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ لَا نَعْرِفُهٗ اِلَّا مِنْ حَدِيْثِ عِيْسَى بْنِ يُوْنُسَ وَ قَالَ مُحَمَّدٌ يَعْنِي الْبُخَارِيَّ لَا اُرَاهُ مَحْفُوْظًا۔

اسے ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ اور دارمی نے روایت کیا اور ترمذی نے کہا یہ حدیث غریب ہے۔ ہم اسے نہیں پہچانتے مگر عیسیٰ بن یونس سے اور محمد یعنی بخاری نے کہا میں اس حدیث کو محفوظ گمان نہیں کرتا [۳]

[۱] کہ وہ روزہ کو نہیں توڑتی

[۲] کہ ایسی قے روزے کو توڑ دیتی ہے۔ مگر اکثر علماء کے نزدیک اس صورت میں بھی کفارہ لازم نہیں اور یہ دونوں صورتیں مطلقاً ہیں یعنی دونوں صورتوں میں قے منہ بھر کر آئے یا منہ بھر کر نہ آئے تینوں ائمہ کا یہی مذہب ہے باقی رہا ہمارے اصحاب حنفیہ کا مذہب تو امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ مطلق قے کی صورت میں تینوں ائمہ کے موافق ہیں۔ کیونکہ حدیث پاک مطلق ہے اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ حدیث کو دانستہ قے کیساتھ مقید کرتے ہیں اور یہ بھی فرماتے ہیں کہ قے منہ بھر کر آئے پس اگر قے منہ بھر کر نہ آئے بلکہ قلیل ہو تو قضا نہ کرے گا۔ جبکہ حدیث میں قضا کا ذکر نہیں ہے۔ اور ہدایہ میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا مذہب ذکر نہ کیا۔ اور ہدایہ کی بعض شروح میں مذکور ہے کہ امام محمد کا قول حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے ایک قول پر مبنی ہے میں کہتا ہوں اور خدا تعالیٰ سے توفیق مانگتا ہوں۔ کہ امام محمد رحمہ اللہ نے اپنے موطا میں کہا کہ ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا یہی قول ہے۔

[۳] محفوظ شاذ کے مقابل حدیث کو کہتے ہیں ان الفاظ کے معانی مقدمہ کتاب میں مذکور ہو چکے ہیں۔

وَ عَنْ مَعْدَانَ بْنِ طَلْحَةَ رضی اللہ عنہ اَنَّ اَبَا الدَّرْدَاءِ حَدَّثَهٗ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَاءَ فَاَفْطَرَ قَالَ فَلَقِيْتُ ثَوْبَانَ فِيْ مَسْجِدِ دِمَشْقَ فَقُلْتُ اَنَّ اَبَا الدَّرْدَاءِ حَدَّثَنِيْ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَاءَ فَاَفْطَرَ قَالَ صَدَقَ وَ

حضرت معدان [۱] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بے شک ابوالدرداء رضی اللہ عنہ نے اس سے حدیث بیان کی کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قے کی تو روزہ افطار کر دیا معدان کہتے ہیں کہ پھر میری ملاقات دمشق کی مسجد میں حضرت ثوبان سے ہوئی میں نے ان سے کہا کہ ابوالدرداء نے مجھ سے حدیث بیان کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قے کی تو روزہ افطار کر دیا ثوبان [۲] نے فرمایا ابوالدرداء نے

اَنَا صَبَبْتُ لَهٗ وُضُوْءَهٗ۔ (رَوَاهُ اَبُوْ دَاؤُدَ وَ التِّرْمِذِیُّ وَ الدَّارِمِیُّ)

سچ کہا ہے اور میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے وضو کا پانی ڈالا تھا۔ (اسے ابوداؤد ترمذی اور دارمی نے روایت کیا)

لے معدان میم کی زبر عین ساکن سے یعنی حضرت معدان بن طلحہ آپ تابعی ثقہ ہیں حضرت عمر بن الخطاب، حضرت ابوالدرداء اور حضرت ثوبان رضی اللہ عنہم سے حدیث روایت کرتے ہیں۔

ہے حضرت ثوبان حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام ہیں۔

سے اس حدیث کا ظاہر اس پر دلالت کرتا ہے کہ قے وضو توڑ دیتی ہے اور حدیث سابق جس میں استقاء کا لفظ آیا ہے کہ قرینہ سے دانستہ قے مراد ہوگی۔ مگر راوی تمیز نہ کرسکا جیسا کہ علماء نے کہا ہے اور اس حدیث سے امام ابوحنیفہ، امام احمد، امام اسحاق و ابن المبارک اور ثوری رحمہم اللہ تعالیٰ نے استدلال کیا ہے کہ قے وضو کو توڑ دیتی ہے اور جو حضرات جیسے امام شافعی کہ قے ان کے نزدیک وضو نہیں توڑتی وہ وضو سے منہ دھونا مراد لیتے ہیں اور وضو کرنا مستحب قرار دیتے ہیں۔ واللہ اعلم۔

وَ عَنْ عَامِرِ بْنِ رَبِیْعَةَ قَالَ رَاَیْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَا لَا اُحْصِیْ یَتَسَوَّكُ وَ هُوَ صَائِمٌ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَ اَبُوْدَاؤُدَ)

حضرت عامرؓ بن ربیعہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نے بلا تعداد مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے کہ آپ مسواک کرتے تھے حالانکہ آپ روزہ دار ہوتے تھے ؎ (اسے ترمذی اور ابوداؤد نے روایت کیا)

لے حضرت عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہ صحابی ہیں۔ قدیم الاسلام ہیں بدر اور دوسرے تمام غزوات میں شریک ہوئے۔

ہے یہ حدیث روزہ دار کے مسواک کرنے کے جواز میں مطلق ہے۔ اور علماء کا اس میں اختلاف ہے امام ابوحنیفہ اور امام مالک مسواک کرنا جائز قرار دیتے ہیں خواہ مسواک خشک ہو یا پانی سے تر کی ہوئی ہو۔ نیز خواہ زوال سے قبل ہو یا بعد زوال۔ اور امام ابویوسف نے کہا ہے کہ ہری مسواک اور پانی سے تر کی ہوئی مسواک مکروہ ہے اور امام شافعی کے نزدیک زوال کے بعد مسواک کرنا مکروہ ہے۔ کہ بعد زوال مسواک کرنے سے منہ کی وہ بو ختم ہو جاتی ہے جو روزہ سے پیدا ہوتی ہے حالانکہ یہ بو اللہ تعالیٰ کو بہت پیاری ہے اور امام احمد و اسحاق کے نزدیک دن کے آخر حصے میں مسواک کرنا مکروہ ہے پس وہ حضرات جو مسواک کرنے کو مکروہ قرار نہیں دیتے ان کے نزدیک مسواک سنت یا مستحب ہے جیسا کہ غیر روزہ میں ہے۔ علماء نے اس کی تصریح کی ہے۔

وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ جَآءَ رَجُلٌ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اشْتَكَيْتُ عَيْنِيَّ اَفَاَكْتَحِلُ وَ اَنَا صَائِمٌ قَالَ نَعَمْ۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک شخص آیا اور عرض کی میں نے اپنی دونوں آنکھوں کی شکایت کی[1]۔ تو کیا میں روزہ کی حالت میں سرمہ ڈال سکتا ہوں[2]۔ آپ نے فرمایا ہاں[3]۔

رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَ قَالَ لَيْسَ لَهٗ اِسْنَادُهٗ بِالْقَوِيِّ وَ اَبُوْ عَاتِكَةَ الرَّاوِيْ يُضَعَّفُ)

(اسے ترمذی نے روایت کیا اور کہا کہ اس حدیث کا اسناد قوی نہیں ہے اور ابو عاتکہ راوی کو ضعیف قرار دیا گیا ہے[4])

[1] یعنی میری دونوں آنکھیں درد کرتی ہیں چنانچہ کہتے ہیں میں نے اپنے پیٹ کے درد کی شکایت کی جبکہ پیٹ کو درد ہو یا آنکھ درد کرتی ہو کبھی اس طرح کہتے ہیں اس کا پیٹ شکایت کرتا ہے ۔ یعنی اس میں درد ہے اور وہ بیمار ہے شکایت کا اصل معنی گلہ کرنے کا ہے اور یہ بھی اسی باب سے ہے ۔

[2] کیونکہ سرمہ آشوب چشم کا علاج ہے ۔

[3] یعنی روزہ کی حالت میں سرمہ لگانا روزے کو کوئی نقصان نہیں دیتا ۔ لہٰذا اگر تو سرمہ ڈالنا چاہتا ہے تو ڈال لے تجھے اجازت ہے ۔

[4] اور امام ترمذی نے یہ بھی کہا ہے کہ اس باب میں ابو رافع سے بھی حدیث مروی ہے اور حضرت انس کی حدیث کا اسناد قوی نہیں ہے ۔ اور اس باب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی چیز صحیح سند سے ثابت نہیں ۔

پھر اس بارے میں علماء کا اختلاف ہے چنانچہ بعض اہل علم نے روزہ کی حالت میں سرمہ ڈالنے کو مکروہ کہا ہے اور یہ قول حضرت سفیان ابن المبارک اور امام احمد و اسحاق کا ہے ۔ اور بعض علماء نے اس کی اجازت دی ہے اور یہ امام شافعی کا قول ہے ترمذی کا کلام ختم ہوا ۔ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا قول بھی رخصت و اجازت کا ہے ۔ اور امام مالک سے اس کی کراہت نقل کی گئی ہے ۔ اور جامع الاصول میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے بروایت ابوداؤد آیا ہے ۔ کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سرمہ ڈالا کرتے تھے ۔ اور ایک دوسری حدیث میں اس طرح لائے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ چاہیے کہ اس سے پرہیز کرو مگر یہ دونوں حدیثیں ضعیف ہیں واللہ اعلم ۔

وَعَنْ بَعْضِ اَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض صحابہ کرام سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نے نبی کریم

قَالَ رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْعَرْجِ يَصُبُّ عَلٰى رَأْسِهِ الْمَاءَ وَ هُوَ صَائِمٌ مِّنَ الْعَطَشِ اَوْ مِنَ الْحَرِّ۔

(رَوَاهُ مَالِكٌ وَ اَبُوْدَاؤُدَ)

صلی اللہ علیہ وسلم کو مقام عرج[1] میں دیکھا کہ آپ اپنے سر مبارک پر پانی ڈال رہے ہیں۔ حالانکہ آپ روزہ دار تھے۔ ایسا آپ پیاس یا گرمی[2] کی وجہ سے کر رہے تھے۔

(اسے مالک اور ابوداؤد نے روایت کیا)

[1] عرج عین کی زبر را ساکن سے۔ یہ مکہ اور مدینہ کے درمیان ایک جگہ کا نام ہے۔ بعض نے کہا یہ مدینہ طیبہ میں ایک جگہ ہے۔

[2] یہ راوی کا شک ہے کہ پیاس کی وجہ سے آپ ایسا کر رہے تھے یا گرمی کی وجہ سے۔

وَ عَنْ شَدَّادِ بْنِ اَوْسٍ رض اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَتٰى رَجُلًا بِالْبَقِيْعِ وَهُوَ يَحْتَجِمُ وَ هُوَ اٰخِذٌ بِيَدِيْ لِثَمَانِيْ عَشْرَةَ خَلَتْ مِنْ رَمَضَانَ فَقَالَ اَفْطَرَ الْحَاجِمُ وَ الْمَحْجُوْمُ۔

حضرت شداد[1] بن اوس رضی اللہ سے روایت ہے کہ بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قبرستان جنت البقیع[2] میں ایک شخص کے پاس تشریف لائے جب کہ وہ شخص سینگی لگا رہا تھا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم میرا ہاتھ پکڑے ہوئے تھے۔ یہ واقعہ رمضان شریف کی اٹھارویں شب کا ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سینگی لگانے اور لگوانے والے دونوں کا روزہ جاتا رہتا ہے[3]۔

رَوَاهُ اَبُوْدَاؤُدَ وَابْنُ مَاجَةَ وَالدَّارِمِيُّ قَالَ الشَّيْخُ الْاِمَامُ مُحْيِي السُّنَّةِ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَ تَاَوَّلَهُ بَعْضُ مَنْ رَخَّصَ فِي الْحِجَامَةِ اَيْ تَعَرَّضَا لِلْاِفْطَارِ الْمَحْجُوْمُ لِلضُّعْفِ وَ الْحَاجِمُ لِاَنَّهُ لَا يَاْمَنُ مِنْ اَنْ يَصِلَ شَيْءٌ اِلٰى جَوْفِهِ بِمَصِّ الْمَلَازِمِ۔

اسے ابوداؤد، ابن ماجہ اور دارمی نے روایت کیا شیخ امام محی السنہ رحمہ اللہ نے کہا کہ جو حضرات روزہ کی حالت میں سینگی لگانے کو جائز قرار دیتے ہیں ان میں سے بعض نے اس کی یہ تاویل[4] کی ہے کہ دونوں روزہ توڑنے کے قریب ہو جاتے ہیں، جسے سینگی لگائی جائے وہ تو اس وجہ سے کہ اس پر ضعف و کمزوری چھا جاتی ہے اور سینگی لگانے والا اس وجہ سے کہ خطرہ ہے اس کے پیٹ میں کچھ داخل ہو جائے۔ سینگی کے شیشے کو چوسنے کی وجہ سے۔

سلہ شداد، شین کی زبر، دال مہملہ کی شد سے ۔ اوس ہمزہ کی زبر واو ساکن ۔ آپ انصاری صحابہ میں سے ہیں حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کے برادر زادہ ہیں ۔ آپ خود اور آپ کے والد والدہ بھی صحابی ہیں ۔

سلہ بقیع مدینہ مطہرہ کا قبرستان ہے ۔

سلہ یعنی دونوں کا روزہ فاسد ہو گیا ۔

سلہ یعنی ان حضرات نے حدیث کی (جس کا ظاہری مفہوم یہ ہے کہ سنگی لگانے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے) کی تاویل کی ہے اور وہ کہتے ہیں سنگی لگانے سے روزہ نہیں ٹوٹتا کہ روزہ ٹوٹنے سے مراد یہ ہے کہ سنگی لگانے یا لگوانے والے دونوں کا روزہ ٹوٹنے کے قریب ہو جاتا ہے سنگی لگوانے والے کا تو اس وجہ سے کہ اس کا خون کم کرنے کے سبب اسے ضعف اور سستی لاحق ہو جاتی ہے ۔ یعنی نزدیک ہے کہ اسے ضعف لاحق ہو جائے جس کی وجہ سے کچھ کھانے پینے پر مجبور ہو جائے تاکہ ہلاک نہ ہو جائے ۔ اور سنگی لگانے والے کے روزہ کو یہ خطرہ لاحق ہو چکا ہوتا ہے ۔ کہ شاید سنگی کا شیشہ (بوتل) چوسنے کی وجہ سے اس کے پیٹ میں کچھ خون وغیرہ داخل ہو گیا ہو ۔ حجامت یعنی سنگی سے اس طرح خون کم ہوتا ہے کہ جہاں سنگی لگانی ہوتی ہے پہلے اس جگہ کو تیز دھار آلے (استرے) وغیرہ سے پچھتے ہیں ۔ پھر کسی جانور کے سینگ یا بوتل سے اس جگہ کے خون کو منہ سے چوستے ہیں عربی میں اس سینگ یا بوتل کو محجم کہتے ہیں یعنی میم کی زیر سے تو یہ ایسا عمل ہے کہ اس سے منہ میں کوئی چیز آسکتی ہے ۔ اور پیٹ میں جا سکتی ہے ۔ اور اس حدیث میں واقع لفظ محزوم ملزم کی جمع ہے یعنی سنگی لگانے کی بوتل جس میں خون جمع ہو جاتا ہے ۔

واضح ہو کہ جمہور اس پر ہیں کہ سنگی لگانے کے عمل سے روزہ نہیں ٹوٹتا اور سنگی کا یہ عمل روزہ دار کے لیے مکروہ بھی نہیں مگر اس وجہ سے کہ اس سے ضعف و کمزوری طاری ہو سکتی ہے ۔ یہ حضرت امام ابوحنیفہ اور امام شافعی رحمہم اللہ تعالیٰ کا مذہب ہے اور یہی چیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کی ایک جماعت مثل سعد بن ابی وقاص، عبداللہ بن عمر، زید بن ارقم اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہم کے فعل مبارک سے مروی ہے ۔ اور امام احمد اور علماء کا ایک گروہ جیسے عبداللہ بن المبارک، امام اوزاعی، اسحاق اور حضرت ابوذر رضی اللہ عنہم اس طرف گئے ہیں کہ سنگی سنگی کا عمل کرنے والے اور کروانے والے دونوں کے روزے کو توڑ دیتی ہے ۔ جیسا کہ اس حدیث کا ظاہر ترجمہ ہے ۔ اور قضا بھی واجب ہوتی ہے ۔ اور امام عطاء نے اس میں مزید سختی کی ہے ۔ اور کہا کہ کفارہ بھی واجب ہو جاتا ہے ۔ اور امام احمد کے قول ہی کے قائل ہوئے ہیں بعض شافعیہ جیسے ابن خزیمہ و ابن المنذر و ابن حبان رضی اللہ عنہم ۔ اور زعفرانی نے امام شافعی سے نقل کیا کہ امام شافعی نے کہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی گئی ہے کہ آپ نے سنگی لگوائی حالانکہ آپ روزہ دار تھے ۔ اور یہ بھی ہے کہ افطر الحاجم والمحجوم کہ سنگی لگانے اور لگوانے والے دونوں کا روزہ ٹوٹ جاتا ہے ۔ اور میں ان دونوں احادیث میں سے کسی کو ثابت نہیں مانتا تو اگر روزہ کی حالت میں سنگی لگوانے والا احتیاط کرے اور سنگی نہ لگوائے تو اس کی یہ بات میرے نزدیک محبوب تر ہے اور اگر یہ عمل کرے تو میں یہ نہ

کہوں گا کہ اس نے روزہ توڑ دیا۔ امام ترمذی نے کہا کہ امام شافعی جب بغداد میں تھے تو سنگی لگانے کے عمل سے منع کرتے تھے اور جب مصر آئے تو رخصت و اجازت کی جانب آپ کا میلان ہو گیا۔ اور فتح الباری میں کہا کہ امام شافعی کہا کرتے تھے کہ عمل حجامت میں ابن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث اسناد کی حیثیت سے دلیل بنانے میں زیادہ عمدہ ہے۔ مگر اس کے باوجود اگر روزہ دار احتیاط کے طور پر اس سے پرہیز کرے تو بہتر ہے۔ قیاس بھی حضرت ابن عباس کی حدیث کے موافق ہے کیونکہ عمل حجامت (سنگی) سے چیز اندر سے باہر آتی ہے۔ باہر سے اندر کوئی چیز نہیں جاتی علاوہ ازیں یہ عمل ضعف لاحق ہونے اور شہوت توڑنے کا موجب وسبب ہے۔ اور روزے کی مصلحت کے موافق و مطابق ہے اور جماع اور عورت سے صحبت ہی اگرچہ ایسی چیز ہے مگر اس سے بچنا اور پرہیز کرنا نص سے ثابت ہے۔ اور اس پر سب کا اتفاق ہے۔ اور صحابہ وتابعین عام اہل علم سے محفوظ و قوی بات یہ ہے۔ عمل حجامت سے روزہ نہیں ٹوٹتا ایک قوم یہ کہتی ہے کہ عملِ حجامت سے اگرچہ روزہ ٹوٹتا نہیں تاہم مکروہ ضرور ہے۔ کیونکہ اس سے ضعف اور ہلاکت کا خطرہ لاحق ہو سکتا ہے اور امام احمد کے مذہب کے علماء نے " افطر الحاجم والمحجوم " صحیح قرار دینے میں مبالغہ سے کام لیا ہے۔ اور انھوں نے اپنے مذہب کا مؤید معقول و منقول دونوں کو قرار دیا ہے۔ اور انھوں نے کہا ہے کہ صحابہ میں سے بارہ افراد نے اس باب میں حدیث روایت کی ہے۔ اور جمہور علماء اس کی تاویل کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ روزہ ٹوٹنے سے روزہ ٹوٹنے کے قریب ہونا مراد ہے۔ جیساکہ مؤلف نے محی السنۃ سے نقل کرتے ہوئے کہا ہے۔ بعض نے کہا کہ یہ قول یعنی " افطر الحاجم والمحجوم " دو معیّن اشخاص کے لیے تھا جنھوں نے اس عملِ حجامت کے علاوہ کسی اور امر کا بھی ارتکاب کیا تھا۔ جو مفسد روزہ تھا۔ محض عمل سنگی سے ان کا روزہ نہ ٹوٹا تھا۔ اور وہ امر یہ تھا کہ انھوں نے کسی کی غیبت بھی کی تھی۔ اور غیبت سے روزہ ٹوٹنے کے بارے میں بہت سی احادیث آئی ہیں بعض یہ کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم وقت شام کے قریب سنگی لگانے اور لگوانے والے کے پاس سے گذرے تھے۔ اور یہ قول ارشاد فرمایا تھا اور دراصل اس قول میں آپ نے ان کی طرف سے عذر بیان کیا تھا۔ یعنی انھوں نے اس وقت عمل سنگی کا کر کے اچھا کام نہیں کیا۔ لیکن کوئی حرج کی بات نہیں کیونکہ شام کا وقت (روزہ افطار کرنے کا وقت آن پہنچا ہے) اور بعض کہتے ہیں یہ اجازت و رخصت ممانعت کے بعد کی بات ہے اور نہی منسوخ ہو چکی ہے واللہ اعلم۔

وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اَفْطَرَ يَوْمًا مِّنْ رَمَضَانَ مِنْ غَيْرِ رُخْصَةٍ وَّلَا مَرَضٍ لَّمْ يَقْضِ عَنْهُ صَوْمُ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے بلا رخصت وعذر و مرض کے رمضان کا روزہ نہ رکھا وہ تمام عمر بھی اگر اس کے عوض روزے رکھے تو اس کی قضا نہیں کر سکتا۔

الدَّهْرِ كُلِّهٖ وَ اِنْ صَامَهٗ .
(رَوَاهُ اَحْمَدُ وَ التِّرْمِذِيُّ وَ اَبُوْ دَاوٗدَ وَ ابْنُ مَاجَةَ وَ الدَّارِمِيُّ وَ الْبُخَارِيُّ فِيْ تَرْجُمَةِ بَابٍ وَ قَالَ التِّرْمِذِيُّ سَمِعْتُ مُحَمَّدًا يَعْنِي الْبُخَارِيَّ يَقُوْلُ اَبُو الْمُطَوِّسِ الرَّاوِيْ لَا اَعْرِفُ لَهٗ غَيْرَ هٰذَا الْحَدِيْثِ)

اسے احمد، ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ دارمی اور بخاری نے اپنے ترجمہ باب میں[3] روایت کیا ۔ اور ترمذی نے کہا میں نے محمد سے یعنی محمد بن اسماعیل بخاری سے سنا وہ فرماتے تھے کہ ابوالمطوس[4] راوی کو میں اس حدیث کے سوا نہیں جانتا ۔

[1] یعنی بلا رخصت شرعی جیسے سفر، بڑھاپا اور بیماری کا ڈر ۔

[2] یہ حدیث تشدید و مبالغہ کی قسم سے ہے ۔ مراد یہ ہے کہ روزہ فرض کی فضیلت اس قدر زیادہ ہے کہ نفلی روزہ سے حاصل نہیں ہوسکتی ۔ اگرچہ ساری عمر نفلی روزہ اس کے عوض رکھے ۔ ورنہ مسئلہ یہ ہے کہ دو ماہ بطور کفارہ روزہ رکھنا کافی ہو جاتا ہے ۔

[3] یعنی احادیث بیان کرنے کے انداز میں اس کا ذکر نہیں کیا جس طرح کہ بخاری کی حدیث میں ہے ۔

[4] مطوس "میم" کی پیش "طا" کی زبر اور واؤ زیر والی کی شد ۔ آخر میں سین مہملہ ۔ اور امام بخاری نے یہ بھی کہا میں گمان نہیں کرتا کہ اس کے باپ نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اور ابن خلف سے یہ حدیث سنی ہو ۔ قرطبی نے کہا یہ حدیث ضعیف ہے ایسی حدیث دلیل کے طور پر پیش نہیں کی جا سکتی ۔ جیسا کہ بعض حواشی میں مذکور ہے ۔

وَ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ كَمْ مِّنْ صَائِمٍ لَيْسَ لَهٗ مِنْ صِيَامِهٖ اِلَّا الظَّمَاُ وَ كَمْ مِّنْ قَائِمٍ لَيْسَ لَهٗ مِنْ قِيَامِهٖ اِلَّا السَّهَرُ .
رَوَاهُ الدَّارِمِيُّ وَ ذُكِرَ حَدِيْثُ لَقِيْطِ بْنِ صَبِرَةَ فِيْ بَابِ سُنَنِ الْوُضُوْءِ .

انہیں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کتنے ہی روزہ دار ایسے ہوتے ہیں جنہیں روزہ سے سوائے پیاس کے کچھ حاصل نہیں ہوتا[1] ۔ اور کتنے ہی رات کو عبادت میں کھڑے ہونے والے ایسے ہوتے ہیں جن کو اس کھڑے ہونے سے سوائے جاگنے کے کچھ حاصل نہیں ہوتا[2] اسے دارمی نے روایت کیا اور لقیط[3] بن صبرہ کی حدیث باب سنن الوضوء[4] میں ذکر ہو چکی ہے ۔

سلہ جیسا کہ وہ روزہ دار جو جھوٹ ، غیبت اور دوسرے ممنوعات سے باز نہ رہے یہاں حدیث میں واقع لفظ ظماً دو زبر اور الف ممدودہ و مقصورہ دونوں طرح پڑھا گیا ہے ۔ اس کا معنیٰ ہے پیاس اور تشنگی یا سخت تشنگی ۔

سلہ جیسے وہ شخص جو غصب کردہ زمین میں نماز پڑھے اور گناہوں کا ارتکاب کرے اور فرض نماز با جماعت اور جماعت کے ارکان و آداب کا خیال نہ رکھے ۔

سلہ لقیط لام کی زبر قاف کی زیر سے ، صبرہ ۔ صاد کی زبر با کی زیر کہ اس کی حدیث میں ناک میں پانی چڑھانے میں مبالغہ کرنے سے روکا گیا ہے ہر روزہ دار کو ۔

سلہ اگرچہ مصابیح میں یہ حدیث اس جگہ مذکور ہوئی ہے ۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ — تیسری فصل

عَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ ثَلٰثٌ لَا یُفْطِرْنَ الصَّائِمَ الْحِجَامَةُ وَ الْقَیْءُ وَ الْاِحْتِلَامُ ۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَ قَالَ هٰذَا حَدِیْثٌ غَیْرُ مَحْفُوْظٍ وَ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ ابْنُ زَیْدٍ الرَّاوِیْ یُضَعَّفُ فِی الْحَدِیْثِ ۔

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تین چیزیں روزہ دار کا روزہ نہیں توڑتیں ، سنگی لگانا ، قے کرنا[1] اور احتلام ہونا اسے ترمذی نے روایت کیا اور کہا یہ حدیث غیر محفوظ ہے ۔[2] اور عبدالرحمٰن بن زید راوی حدیث میں ضعیف قرار دیا گیا ہے[3] ۔

سلہ قے سے وہ قے مراد ہے ۔ جو خود بخود آجائے ۔ اور بندے کی طبیعت پر غالب آجائے مگر دانستہ خود قے نہ لائے ۔ کہ وہ روزہ توڑ دیتی ہے جیسا کہ گذرا ۔

سلہ یعنی شاذ ہے ۔

سلہ علماء نے کہا ہے کہ اس حدیث کو دار قطنی و بیہقی نے روایت کیا ہے ۔ اور ابوداؤد نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں سے ایک مرد سے روایت کی ہے ۔ ابوحاتم نے کہا ابوداؤد کی حدیث صواب کے زیادہ مشابہ اور ابوذرعہ نے کہا کہ یہ بہت صحیح حدیث ہے ۔

وَ عَنْ ثَابِتٍ الْبُنَانِیِّ قَالَ سُئِلَ اَنَسُ بْنُ مَالِكٍ

حضرت ثابت البنانی[1] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے

كُنْتُمْ تَكْرَهُوْنَ الْحِجَامَةَ لِلصَّائِمِ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا اِلَّا مِنْ اَجْلِ الضُّعْفِ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

دریافت کیا گیا کہ تم لوگ (صحابہ کرام) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ اقدس میں سنگی لگانے کو مکروہ جانتے تھے؟ آپ نے جواب دیا نہ مگر کمزوری[۲] اور ضعف لاحق ہوجانے کے باعث۔

(اسے بخاری نے روایت کیا)

[۱] ثابت البنانی۔ با کی پیش، نون مخفف آپ اکابر تابعین سے ہیں۔ حضرت انس سے حدیث روایت کرتے ہیں۔

[۲] یعنی سنگی لگانا بذاتہٖ مکروہ نہیں اور نہ روزے کو توڑتا ہے۔ بلکہ ضعف و کمزوری کی وجہ سے مکروہ کہا گیا ہے۔

وَعَنِ الْبُخَارِيِّ تَعْلِيْقًا قَالَ كَانَ ابْنُ عُمَرَ يَحْتَجِمُ وَهُوَ صَائِمٌ ثُمَّ تَرَكَهٗ فَكَانَ يَحْتَجِمُ بِاللَّيْلِ۔

امام بخاری رحمۃ اللہ سے تعلیقاً[۱] روایت ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سنگی لگواتے تھے حالانکہ آپ روزہ دار ہوتے[۲] تھے پھر آپ نے چھوڑ دیا اور آپ رات کو سنگی لگواتے تھے۔

[۱] تعلیق کا معنیٰ مقدمہ کتاب میں ذکر ہوچکا ہے۔

[۲] یعنی روزہ کی حالت میں سنگی لگواتے تھے۔

وَعَنْ عَطَاءٍ اِنْ مَضْمَضَ ثُمَّ اَفْرَغَ مَا فِيْ فِيْهِ مِنَ الْمَاءِ لَا يَضِيْرُهٗ اَنْ يَّزْدَرِدَ رِيْقَهٗ وَمَا بَقِيَ فِيْ فِيْهِ وَلَا يَمْضَغُ الْعِلْكَ فَاِنِ ازْدَرَدَ رِيْقَ الْعِلْكِ لَا اَقُوْلُ اِنَّهٗ يُفْطِرُ وَلٰكِنْ يُنْهٰى عَنْهُ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ فِيْ تَرْجَمَةِ بَابٍ)

حضرت عطاء[۱] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں اگر کسی نے منہ میں پانی ڈالا پھر وہ پانی منہ سے الٹا دیا تو منہ کا لعاب اور جو کچھ منہ میں[۲] باقی بچا تھا اسے گلے سے نیچے اتارنے میں روزے کو کوئی نقصان نہیں پہنچتا۔ اور اخروٹ وغیرہ کا چھلکا[۳] نہ چبائے اور اگر اس چھلکے والا لعاب گلے سے نیچے اتارا تو میں نہیں کہتا کہ روزہ توڑ دے[۴] تاہم اسے ایسا کرنے سے منع کیا جائے گا۔ اور بعض نسخوں میں لا یمضغ العلک میں لفظ لا نہیں ہے[۵]

(اسے بخاری نے ترجمۃ الباب میں روایت کیا)

[۱] حضرت عطاء رضی اللہ عنہ تابعین میں سے ہیں۔

۲؎ بعض نے یہاں کہا ہے کہ ما بقی فی فیہ میں ما نافیہ ہے موصولہ نہیں ترجمہ یہ ہوگا کہ اس کے منہ میں باقی بچی ہوئی کوئی چیز نہ تھی ۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ اصل عبارت ماذا بقی ہے ۔ ذا کاتب کے قلم سے رہ گیا۔ اس صورت میں معنیٰ یہ ہوگا کہ اس کے منہ میں کیا چیز باقی رہ گئی تھی ۔ یعنی منہ سے پانی گرانے سے اس کے منہ میں کوئی چیز باقی نہ رہی تھی ۔ شیخ ابن حجر رحمہ اللہ نے کہا ہے ۔ کہ دوسری روایات میں لفظ ماذا صراحتہً آچکا ہے اس میں غور کر۔

۳؎ یہاں حدیث میں لفظ علک آیا ہے ۔ (عین کی زیر، لام ساکن) یعنی مصطگی اور اسے علک اولی کہتے ہیں سا اسے دانتوں کی قوت کے لیے چباتے ہیں اور علک چکناہٹ اور چپکنے کے معنیٰ میں بھی آتا ہے ۔ جیسے سریش وغیرہ اور اگر علک یعنی عین کی زبر ہو تو اس کا معنیٰ چبانے کا بھی آتا ہے ۔

۴؎ کیونکہ اس چھلکا سے کوئی ایسی چیز جدا نہیں ہوتی جو گلے سے نیچے اُترے ۔ جس سے اس کا روزہ ٹوٹے ۔ مگر ایسا کرنا مکروہ اور خلاف احتیاط ہے ۔

۵؎ علماء نے کہا ہے کہ یہ عبارت سیاق کے زیادہ موافق ہے اسے سمجھ ۔

بَابُ صَوْمِ الْمُسَافِرِ

مُسافر کے روزے کا بیان

واضح ہو کہ مسافر کے روزہ رکھنے یا نہ رکھنے کے بارے میں وارد احادیث مختلف ہیں بعض احادیث تو مطلقاً جواز میں وارد ہیں اس وضاحت کے بغیر کہ روزہ رکھنا افضل ہے یا نہ رکھنا افضل ہے ۔ اور بعض احادیث میں بندے کو اختیار دیا گیا ہے کہ سفر میں روزہ رکھے یا نہ رکھے ۔ اور بعض احادیث روزہ نہ رکھنے کے جواز اور روزہ رکھنے کی مذمت میں وارد ہیں ۔ مگر یہ حالات اور اوقات کے اختلاف و فرق پر مبنی ہے ۔

جمہور علماء جو اہلِ فتویٰ میں سے ہیں اس پر متفق ہیں کہ روزہ نہ رکھنا اور رکھنا دونوں امر جائز ہیں ۔ اور اس میں مختلف ہیں کہ ان دونوں میں افضل و ادنیٰ کیا ہے ۔ یا دونوں برابر ہیں ۔ امام ابوحنیفہ، امام شافعی اور ثوری وغیرہ اس پر ہیں کہ روزہ رکھنا افضل ہے اس شخص کے لیے جو روزہ رکھنے کی طاقت رکھتا ہو ۔ کیونکہ اس طرح وہ ذمہ داری سے فارغ ہو جائے گا ۔ اور اس میں مسلمانوں کے ساتھ موافقت و مطابقت کی بنا پر آسانی اور سہولت بھی ہے ۔ اور رمضان کے گذرنے کے بعد اس کے لیے قضا کرنے میں دشواری لاحق ہوگی اور روزہ رکھنے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فعل مبارک ان کی دلیل ہے ۔ اور احمد، اسحاق ، اوزاعی اور سعید بن المسیب کے نزدیک مطلق روزہ نہ رکھنا افضل ہے ۔ امام شافعی کے بعض اصحاب نے

امام شافعی سے بھی اس قول کو نقل کیا ہے۔ کہ وہ اللہ تعالیٰ کے قول مبارک فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ سے دلیل پکڑتے ہیں۔ اور ان احادیث سے بھی جو سفر کی حالت میں روزہ رکھنے کی مذمت میں وارد ہیں۔ یہاں تک کہ بعض اہل ظاہر سفر میں روزہ رکھنے کو جائز ہی قرار نہیں دیتے۔ اور وہ کہتے ہیں کہ اگر سفر میں روزہ رکھے گا تو اس کی قضا کرے گا۔ کیونکہ اس کا وقت غیر رمضان ہے۔ بعض علماء اس طرف گئے ہیں کہ جو آسان ہو وہ افضل و اولیٰ ہے۔ بعض اس پر ہیں کہ دونوں برابر ہیں اور بندے کو اس میں اختیار ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

پہلی فصل

عَنْ عَائِشَةَ رض قَالَتْ اِنَّ حَمْزَةَ بْنَ عَمْرٍو الْاَسْلَمِيَّ قَالَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَصُوْمُ فِي السَّفَرِ وَكَانَ كَثِيْرَ الصِّيَامِ فَقَالَ اِنْ شِئْتَ فَصُمْ وَاِنْ شِئْتَ فَاَفْطِرْ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں بے شک حمزہ بن عمرو الاسلمی[۱] نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا۔ کیا میں سفر میں روزہ رکھ سکتا ہوں؟ اور یہ صاحب کثرت سے روزے رکھتے تھے آپ نے فرمایا اگر تو چاہے روزہ رکھ لے اور اگر چاہے تو نہ رکھ[۲] (بخاری، مسلم)

[۱] آپ صحابہ کرام میں سے ہیں۔

[۲] ظاہر یہ ہے کہ اس پوچھنے والے کے حال کے مطابق روزہ رکھنا نہ رکھنا برابر تھا۔ اور یہ حدیث دلیل ہے کہ سفر میں روزہ رکھنا جائز ہے اور روزہ دار کو روزہ رکھنے نہ رکھنے کا اختیار ہے۔

وَعَنْ اَبِيْ سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ رض قَالَ غَزَوْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِسِتَّ عَشْرَةَ مَضَتْ مِنْ شَهْرِ رَمَضَانَ فَمِنَّا مَنْ صَامَ وَمِنَّا مَنْ اَفْطَرَ فَلَمْ يَعِبِ الصَّائِمُ عَلَى الْمُفْطِرِ وَلَا الْمُفْطِرُ عَلَى الصَّائِمِ۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک غزوے میں شریک ہوئے رمضان کی سولہ تاریخ کو تو ہم میں سے کچھ وہ تھے جنہوں نے روزہ رکھا اور کچھ وہ تھے جنہوں نے روزہ نہ رکھا پھر روزہ رکھنے والوں نے روزہ نہ رکھنے والوں پر کوئی اعتراض کیا اور نہ رکھنے والوں نے رکھنے والوں

(رَوَاہُ مُسْلِمٌ)

کوئی نکتہ چینی نہ کی (اسے مسلم نے روایت کیا)

سلہ یہ حدیث بھی بحالتِ سفر روزہ رکھنے نہ رکھنے کے جواز و اختیار اور مساوات میں ظاہر ہے مگر یہ کہ روزہ نہ رکھنے پر اعتراض نہ کرنا اصل جواز کے پیشِ نظر ہو اگرچہ دونوں میں سے ایک جانب افضل ہو۔

وَ عَنْ جَابِرٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ سَفَرٍ فَرَاٰى زِحَامًا وَ رَجُلًا قَدْ ظُلِّلَ عَلَيْهِ فَقَالَ مَا هٰذَا قَالُوْا صَائِمٌ فَقَالَ لَيْسَ مِنَ الْبِرِّ الصَّوْمُ فِي السَّفَرِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک سفر میں تھے کہ آپ نے ہجوم[1] دیکھا۔ اور ایک آدمی دیکھا جس پر سایہ کیا گیا تھا[2] آپ نے فرمایا یہ کیا ہے؟[3] لوگوں نے کہا یہ روزہ دار ہے[4] آپ نے فرمایا سفر میں روزہ رکھنا کوئی نیکی نہیں[5]۔ (مسلم، بخاری)

سلہ حدیث میں لفظ زِحام آیا ہے "زا" کی زیر سے بمعنی ہجوم۔

سلہ یعنی خیمہ وغیرہ کے ساتھ تاکہ پیاس کی مشقت اور گرمی کی تپش سے بچ سکے اور اپنی ٹھیک حالت پر آجائے یا سایہ کا مطلب ہے کہ لوگ اس کے گرداگرد سایہ کی طرح کھڑے تھے۔

سلہ یعنی یہ ہجوم کیسا ہے اور یہ سایہ اور اس کا سبب کیا ہے؟

سلہ جو روزہ کے ضعف کی وجہ سے گر پڑا ہے۔

سلہ یعنی جو روزہ دار مشقت و ضعف کی اس حد تک پہنچ جائے اس کے لیے روزہ رکھنا نیکی نہیں بلکہ روزہ نہ رکھنا افضل ہے۔

وَ عَنْ اَنَسٍ قَالَ كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي السَّفَرِ فَمِنَّا الصَّائِمُ وَ مِنَّا الْمُفْطِرُ فَنَزَلْنَا مَنْزِلًا فِيْ يَوْمٍ حَارٍّ فَسَقَطَ الصُّوَّامُوْنَ وَ قَامَ الْمُفْطِرُوْنَ فَضَرَبُوا الْاَبْنِيَةَ وَ سَقَوُا الرِّكَابَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں ہم لوگ ایک سفر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے ہم میں سے کچھ روزہ دار تھے اور کچھ نے روزہ نہیں رکھا تھا۔ اور ہم لوگ ایک گرم دن میں ایک جگہ اترے تو روزہ دار گر پڑے اور بے روزہ قائم اور کھڑے رہے انھوں نے خیمے لگائے اور سواریوں کو پانی پلایا اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ آج کے دن بے روزہ لوگ

ذَهَبَ الْمُفْطِرُوْنَ الْيَوْمَ بِالْاَجْرِ۔
(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

اجر و ثواب لے گئے [1]
(بخاری، مسلم)

[1] اس حدیث سے یہ دلیل سامنے آتی ہے۔ کہ قوت برقرار رکھنے کے لیے روزہ نہ رکھنا۔ ضعف و ناتوانی کی حالت میں روزہ رکھنے سے افضل و اولیٰ ہے جیسا کہ کہا گیا ہے۔ بندہ ضعیف (عبدالحق ، اللہ تعالیٰ اس کے معاملات سے چشم پوشی فرمائے) کہتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قول مبارک "الیوم" (آج کے دن) میں اس جانب اشارہ ہے کہ روزہ نہ رکھنے میں فضیلت، ان کی روزہ داروں کی خدمت گزاری کی وجہ سے ہے نہ کہ انھیں مطلقاً روزہ داروں پر افضلیت حاصل ہے اسے سمجھ۔ حدیث میں اس امر کی بھی دلیل موجود ہے کہ صالحین کی خدمت کرنا نفل عبادت سے افضل ہے جیسا کہ اسے شیخ (شہاب الدین) نے اپنی کتاب عوارف میں ذکر کیا ہے۔

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الْمَدِيْنَةِ اِلٰى مَكَّةَ فَصَامَ حَتّٰى بَلَغَ عُسْفَانَ ثُمَّ دَعَا بِمَاءٍ فَرَفَعَهٗ اِلٰى يَدِهٖ لِيَرَاهُ النَّاسُ فَاَفْطَرَ حَتّٰى قَدِمَ مَكَّةَ وَذٰلِكَ فِىْ رَمَضَانَ فَكَانَ ابْنُ عَبَّاسٍ يَقُوْلُ قَدْ صَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَفْطَرَ فَمَنْ شَاءَ صَامَ وَمَنْ شَاءَ اَفْطَرَ۔
(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ سے مکہ معظمہ کی جانب روانہ ہوئے (یعنی فتح مکہ کے سال) تو آپ نے (راستے میں) روزہ رکھا یہاں تک کہ آپ مقام عسفان [1] میں پہنچ گئے۔ پھر آپ نے پانی منگوایا اور اسے اپنے ہاتھوں کی بلندی تک بلند کیا تاکہ لوگ اسے دیکھ لیں۔ اور روزہ توڑ ڈالا یہاں تک کہ آپ مکہ معظمہ پہنچے اور یہ رمضان شریف کا واقعہ [2] ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرمایا کرتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سفر میں روزہ رکھا ہے [3] تو جو چاہے سفر میں روزہ رکھے اور جو چاہے نہ رکھے [4]
(بخاری، مسلم)

وَفِىْ رِوَايَةٍ لِّمُسْلِمٍ عَنْ جَابِرٍ اَنَّهٗ شَرِبَ بَعْدَ الْعَصْرِ۔

اور مسلم شریف کی ایک روایت میں جو حضرت جابر سے مروی ہے اس طرح آیا ہے انہ شرب بعد العصر کہ آپ نے نماز عصر کے بعد پانی نوش فرمایا۔

[1] عسفان۔ عین کی پیش، بعد میں سین اور فا۔ یہ مکہ معظمہ سے دو منزل کے فاصلے پر ایک جگہ ہے۔

جہاں میٹھے پانی کا ایک کنواں ہے ۔
سلہ مشہور یہ ہے کہ آپ مدینہ طیبہ سے دس رمضان کو نکلے ۔ اور مکہ معظمہ میں بیس رمضان شریف کو پہنچے اور مکہ فتح کیا ۔
سلہ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل مبارک دونوں طرح پر ہے، روزہ رکھنا اور نہ رکھنا ۔
سلہ یعنی دونوں عمل برابر ہیں اور بندہ کو اس میں اختیار ہے ۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ — دوسری فصل

عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ الْكَعْبِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللهَ وَضَعَ عَنِ الْمُسَافِرِ شَطْرَ الصَّلٰوةِ وَ الصَّوْمَ عَنِ الْمُسَافِرِ وَ عَنِ الْمُرْضِعِ وَ الْحُبْلٰى. رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ وَ التِّرْمِذِيُّ وَ النَّسَائِيُّ وَ ابْنُ مَاجَةَ.

حضرت انس بن مالک الکعبی سے روایت ہے (یہ صحابی حضرت انس بن مالک کے علاوہ ہیں) فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بیشک اللہ تعالیٰ نے مسافر سے نماز کا ایک حصہ[1] ساقط کر دیا ہے اور روزے کو مسافر، دودھ پلانے والی اور حاملہ عورت کے ذمہ سے ساقط کر دیا[2] ہے ۔ (اسے ابو داؤد، ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے)

سلہ یعنی اللہ تعالیٰ نے فرض نماز کا ایک حصہ مسافر سے ساقط کر دیا ہے کہ چار رکعت فرض کو دو کر دیا ۔
سلہ یعنی روزہ کی فرضیت اور وجوب کو مسافر پر سے ساقط کر دیا ہے ۔ پھر دودھ پلانے والی اور حاملہ عورت کے ذمہ سے روزہ کی فرضیت اس صورت میں ساقط ہے جب کہ بچے یا ان کی اپنی ذات کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو اور دودھ پلانے والی سے مراد وہ عورت ہے جو دودھ پلانے کے لیے اجرت پر مقرر کی گئی ہو اور اس عقد اجرت کی وجہ سے اس پر دودھ پلانا لازم وضروری ہو چکا ہو ۔ باقی رہی بچے کی ماں تو اس پر دودھ پلانا لازم نہیں ہے ۔ اگر وہ دودھ پلانے سے انکار کرے تو اسے دودھ پلانے پر مجبور نہیں کر سکتے ۔ مگر اس صورت میں کہ بچے کا باپ تنگ دست ہو اور کرایہ پر دائی مہیا نہ کر سکتا ہو یا کرایہ پر دائی نہ ملتی ہو ۔

وَ عَنْ سَلَمَةَ بْنِ الْمُحَبِّقِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ كَانَ لَهٗ

حضرت سلمہ بن محبق[1] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص کے پاس ایسی سواری ہو جو اسے سیری اور

حَمُوْلَةٌ تَأْوِيْ إِلٰى شِبَعٍ فَلْيَصُمْ رَمَضَانَ حَيْثُ أَدْرَكَهُ۔
(رَوَاهُ أَبُوْ دَاوُدَ)

آسانی کی حالت میں منزل تک پہنچا دے تو اسے رمضان کا روزہ رکھنا چاہیے جہاں بھی ملے رمضان کا مہینہ آپہنچے

(ابوداؤد شریف)

لہ محبق، میم کی پیش، حا کی زبر بامشدد زبر والی۔ آخر میں قاف۔ اور با کی زیر سے بھی پڑھا گیا ہے لیکن محدثین باکی زبر سے ہی پڑھتے ہیں آپ صحابی ہیں امام حسن بصری ان سے حدیث روایت کرتے ہیں۔ حضرت سلمہ بن محبق کے بیٹے حضرت سفان بن سلمہ جو بہادروں اور پہلوانوں میں سے ہیں اور چند غزوں میں شریک ہوئے وہ بھی صحابی ہیں۔

سلہ حدیث میں لفظ حمولۃ آیا ہے۔ حا کی زبر سے وہ جانور جس پر بوجھ لادا جائے جیسے اونٹ اور گدھا وغیرہ یعنی سواری کا جانور۔

سلہ یا جہاں بھی وہ رمضان کا مہینہ پالے۔ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آسانی اور آسائش کی صورت میں سفر کے اندر روزہ رکھنا چاہیے۔ اور صیغہ امر ندب و استحباب پر مبنی ہے۔ ورنہ بحالت سفر روزہ نہ رکھنا جائز ہے۔ چاہے مشقت نہ بھی ہو۔ اس پر علماء کا اجماع ہے پھر اس حدیث میں ان راویوں کی بنا پر جو ان کے اسناد میں واقع ہیں ان کے ضعیف ہونے کی بنا پر اعتراض کیا گیا ہے۔ اسے شیخ ابن حجر رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

عَنْ جَابِرٍ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَ عَامَ الْفَتْحِ إِلٰى مَكَّةَ فِيْ رَمَضَانَ فَصَامَ حَتّٰى بَلَغَ كُرَاعَ الْغَمِيْمِ فَصَامَ النَّاسُ ثُمَّ دَعَا بِقَدَحٍ مِّنْ مَّاءٍ فَرَفَعَهُ حَتّٰى نَظَرَ النَّاسُ إِلَيْهِ ثُمَّ شَرِبَ فَقِيْلَ لَهُ بَعْدَ ذٰلِكَ إِنَّ بَعْضَ النَّاسِ قَدْ صَامَ فَقَالَ أُولٰئِكَ الْعُصَاةُ أُولٰئِكَ الْعُصَاةُ۔
(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فتح مکہ کے سال رمضان کے مہینہ میں مکہ کی طرف نکلے۔ تو آپ نے روزہ رکھا یہاں تک کہ آپ مقام کراع الغمیم[1] تک جا پہنچے۔ اور لوگوں نے بھی روزہ رکھا۔ پھر آپ نے پانی کا پیالہ منگوایا اور اسے بلندی کی طرف اٹھایا یہاں تک کہ اسے لوگوں نے دیکھا پھر آپ نے پیا تو آپ سے اس کے بعد کہا گیا کہ بعض لوگوں نے روزہ رکھا ہوا ہے[2] آپ نے اس پر فرمایا یہ لوگ نافرمان ہیں، یہ لوگ نافرمان ہیں[3]۔

(مسلم شریف)

۱؎ کراع الغمیم کاف کی پیش، را مخفف غمیم غ کی زبر سے۔ یہ جگہ مکہ معظمہ اور مدینہ طیبہ کے درمیان مقام عسفان سے تین میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔

۲؎ یعنی انھوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے روزہ توڑنے کے باوجود اپنے روزے نہیں توڑے یا انھوں نے دوسرے دن روزے رکھ لیے۔

۳؎ یعنی آپ نے تاکید اور زجر و تشدید کے طور پر یہ الفاظ مکرر ارشاد فرمائے۔ کیونکہ ان لوگوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کی تھی اور خدا تعالیٰ کی طرف سے عطا کی گئی رخصت و اجازت کو قبول نہ کیا تھا۔ احادیث میں وارد ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی عطا کردہ رخصتوں کے قبول کرنے کو پسند کرتا ہے۔ جس طرح وہ اپنی عطا کردہ عزیمتوں کو پسند کرتا ہے مگر وہ لوگ اس وجہ سے نافرمان قرار نہ دیے گئے کہ سفر میں روزہ رکھنا حرام تھا۔ جس طرح فرقہ ظاہریہ کا وہم وخیال ہے کیونکہ حضور علیہ السلام نے اس سفر میں سارا دن روزہ رکھا اور یہاں آ کر توڑا۔ بلکہ ان کے نافرمان ہونے کی وجہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل کی مخالفت تھی۔

وَعَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَائِمُ رَمَضَانَ فِي السَّفَرِ كَالْمُفْطِرِ فِي الْحَضَرِ۔
(رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ)

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سفر میں روزہ رکھنے والا اس کی طرح ہے جو گھر میں روزہ نہ رکھے۱؎
(ابن ماجہ)

۱؎ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ سفر میں روزہ رکھنا اسی طرح ممنوع و ناجائز ہے جس طرح گھر میں روزہ نہ رکھنا ممنوع و ناجائز ہے۔ مگر یہ ممانعت اس صورت میں ہے جب کہ روزہ رکھنے میں نقصان پہنچنے اور موت کا خوف ہو اور بعض حواشی میں مذکور ہے کہ ممانعت میں مشابہت و مساوات اس امر میں ہے کہ ایک رخصت کا تارک ہوا اور دوسرا عزیمت کا تارک بنا۔

وَعَنْ حَمْزَةَ بْنِ عَمْرٍو الْاَسْلَمِيِّ اَنَّهٗ قَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنِّيْ اَجِدُ بِيْ قُوَّةً عَلَى الصِّيَامِ فِي السَّفَرِ فَهَلْ عَلَيَّ جُنَاحٌ قَالَ هِيَ رُخْصَةٌ مِّنَ

حضرت حمزہ بن عمرو الاسلمی سے روایت ہے بیشک انھوں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں سفر میں روزہ رکھنے کی طاقت رکھتا ہوں۔ تو مجھ پر گناہ تو نہیں (روزہ رکھنے میں) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ روزہ نہ رکھنا اللہ تعالیٰ کی طرف سے

اللّٰہِ عَزَّ وَجَلَّ فَمَنْ اَخَذَ بِھَا فَحَسَنٌ وَمَنْ اَحَبَّ اَنْ یَّصُوْمَ فَلَا جُنَاحَ عَلَیْہِ۔

(رَوَاہُ مُسْلِمٌ)

رخصت واجازت ہے جو اس رخصت کو اختیار کرتا ہے تو اچھی بات ہے[1] اور جو روزہ رکھنا پسند کرتا ہے تو اس پر بھی کوئی گناہ نہیں[2]۔

(مسلم شریف)

[1] اللہ تعالیٰ کے کرم کا مشاہدہ اور اس کی طرف سے مہیا کردہ آسانی کو پیش رکھتے ہوئے اور اپنے عجز وضعف کو مدنظر رکھتے ہوئے جیسا کہ گذرا۔

[2] اس میں روزہ نہ رکھنے کی افضلیت کی جانب اشارہ ہے۔

بَابُ الْقَضَآءِ

قضا کا باب

ظاہر یہ ہے کہ قضا سے روزۂ رمضان کی قضا مراد ہے۔ اور اگر اس سے عام روزہ مراد ہو تو بھی گنجائش ہے۔ رمضان کا روزہ نہ رکھنے کی تین صورتیں ہیں۔ اور اگر بھول کر روزہ نہ رکھا تو اس صورت میں نہ قضا لازم ہے نہ کفارہ۔ اور اگر دانستہ رمضان کا روزہ قضا کیا تو اس میں قضا وکفارہ دونوں لازم ہیں۔ گذشتہ ابواب میں اس کا حکم گذر چکا ہے اور اگر کسی عذر مثلاً مرض یا سفر کی وجہ سے رمضان کا روزہ توڑ دیا تو اس صورت میں صرف قضا لازم ہے۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

پہلی فصل

عَنْ عَائِشَۃَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ کَانَ یَکُوْنُ عَلَیَّ الصَّوْمُ مِنْ رَمَضَانَ فَمَا اَسْتَطِیْعُ اَنْ اَقْضِیَ اِلَّا فِیْ شَعْبَانَ قَالَ یَحْیَی بْنُ سَعِیْدٍ یَعْنِی الشُّغْلَ مِنَ النَّبِیِّ اَوْ بِالنَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ (مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں مجھ پر رمضان کے روزوں کی قضا لازم ہوتی تھی[1] تو میرے لیے ان کی قضا کی گنجائش نہ ہوتی تھی مگر ماہِ شعبان[2] میں یحییٰ بن سعید کہتے ہیں حضرت عائشہ کی مراد یہ تھی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے گنجائش نہ ملتی تھی یا میرے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مشغول ہونے کی وجہ سے گنجائش نہ ملتی تھی

(بخاری، مسلم)

ف۱ جو کہ عذر کی وجہ سے میرے ذمہ ہوتے تھے۔
ف۲ یعنی میں آخر سال تک ان کی قضا میں تاخیر کرتی تھی۔
ف۳ یعنی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو شعبان کے سوا دوسرے مہینوں میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے مشغولی روزے کی قضا کرنے سے روکے رکھتی تھی۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان سے صحبت وجماعت کے طلبگار رہتے تھے یا خود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مجامعت کی خواہش رکھتی تھیں۔ اور شعبان کے مہینہ میں اکثر دن بلکہ سارا شعبان روزے رکھتے تھے۔ تو اس ماہ میں حضرت عائشہ کو فرصت ملتی تھی۔ جس میں آپ رمضان کے روزے قضا کرتی تھیں۔

وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَا تَحِلُّ لِلْمَرْاَةِ اَنْ تَصُوْمَ وَزَوْجُهَا شَاهِدٌ اِلَّا بِاِذْنِهٖ وَلَا تَاْذَنَ فِیْ بَیْتِهٖ اِلَّا بِاِذْنِهٖ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کسی عورت کے لیے حلال نہیں کہ وہ روزے رکھے جب کہ اس کا خاوند گھر پر موجود ہو مگر اس کی اجازت سے[۱]۔ اسی طرح کسی عورت کے لیے جائز نہیں کہ وہ اپنے مرد کے گھر میں کسی مرد کو گھسنے کی اجازت دے مگر اپنے خاوند کی اجازت سے[۲]۔ (مسلم شریف)

ف۱ حدیث کی عبارت شامل ہے۔ اس صورت کو بھی کہ عورت بلا اجازت روزہ رکھے ہی نہ یا اگر رکھے تو توڑ دے۔ البتہ رکھ کر توڑنے کی صورت میں قضا کرے۔ یہ امام ابوحنیفہ اور ان کا مذہب ہے۔ جو ان کے موافق ہیں۔ کہ ان کا مذہب یہ ہے کہ اگر نفلی روزہ رکھ کر توڑ دیا تو اس کی قضا لازم ہے۔ اس بنا پر اس حدیث کا اس باب میں لانا درست ہوگا یا ترجمہ باب میں قضا روزہ سے وجوداً یا عدماً قضا مراد ہے یعنی قضا لازم آتی ہے یا لازم نہیں آتی۔ اس صورت میں یہ حدیث امام شافعی اور ان لوگوں کے موافق ہوگی جو اس کی قضا کو لازم تسلیم نہیں کرتے۔ اسے سمجھو۔
ف۲ اگرچہ عورت کا محرم ہی کیوں نہ ہو۔

وَعَنْ مُعَاذَةَ الْعَدَوِیَّةِ اَنَّهَا قَالَتْ لِعَائِشَةَ مَا بَالُ الْحَائِضِ تَقْضِی الصَّوْمَ وَلَا تَقْضِی الصَّلٰوةَ قَالَتْ عَائِشَةُ کَانَ یُصِیْبُنَا ذٰلِکَ فَنُؤْمَرُ

حضرت معاذۃ[۱] العدویہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے بے شک اس خاتون نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہا کیا وجہ ہے۔ کہ حیض والی عورت روزے قضا کرتی ہے مگر نماز قضا نہیں کرتی[۲]۔ حضرت عائشہ نے فرمایا ہم پر حیض کا وقت آتا تھا تو ہمیں روزے کی قضا کا

بِقَضَآءِ الصَّوْمِ وَلَا نُؤْمَرُ بِقَضَآءِ الصَّلٰوۃِ۔ حکم دیا جاتا تھا۔ نماز کی قضا کا حکم نہیں دیا جاتا تھا[3]

(رَوَاہُ مُسْلِمٌ) (مسلم شریف)

[1] حضرت معاذہ عدویہ ثقہ تابعی خاتون ہیں ان کی کنیت ام الصہباء ہے۔

[2] حالانکہ دونوں فرض ہیں اور دونوں عذر کی وجہ سے ساقط ہوتے ہیں۔

[3] یعنی یہ ایک شرعی حکم ہے جس کا شارع علیہ السلام نے حکم صادر فرمایا ہے اس کی وجہ اور علت دریافت کرنے کی کوئی ضرورت نہیں اگرچہ ممکن ہے کہ اس کی یہ وجہ بیان کی جائے کہ قضائے نماز میں بڑا حرج اور بڑی مشقت ہے اس وجہ سے اس کی قضا واجب نہیں۔ لیکن حضرت عائشہ نے یہ وجہ بیان نہ کی بلکہ گفت گو کا راستہ ہی بند کر دیا۔ شاید حضرت عائشہ نے یہ کہا ہو کہ ہمارے لیے کوئی مشقت اور حرج نہیں ہے۔ اور آپ نے اس جانب اشارہ کیا ہو کہ ہمیں احکام شرع میں علت و وجہ طلب کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ شارع علیہ السلام کا حکم ہے وہ جو فرمائے کرنا چاہیے (علت و وجہ دریافت نہ کرنا چاہیے)۔

وَعَنْ عَائِشَۃَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ مَاتَ وَعَلَیْہِ صَوْمٌ صَامَ عَنْہُ وَلِیُّہٗ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جو شخص اس حال میں مرا کہ اس کے ذمہ روزے تھے تو اس کی طرف سے اس کا ولی اور وارث روزے رکھے[1]۔

(بخاری، مسلم)

[1] واضح ہو کہ علماء کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ اگر کوئی شخص مرے اور اس کے ذمہ روزے واجب ہوں ایک گروہ اس جانب گیا ہے۔ کہ جائز ہے کہ اس کی جانب سے اس کا ولی روزے رکھے۔ امام احمد اس قول کے قائل ہیں۔ اور ایک قول کے مطابق امام شافعی بھی اسی کے قائل ہیں۔ امام نووی رحمہ اللہ نے اس حدیث سے دلیل پکڑتے ہوئے اس قول کو صحیح قرار دیا ہے۔ مگر بعض شافعیہ کہتے ہیں کہ مرنے والے کے ولی کو اس کی طرف سے روزہ رکھنے یا کھانا کھلانے کا اختیار ہے۔ اور جمہور علماء اس پر ہیں۔ کہ ولی کے لیے کھانا کھلانا جائز و متعین ہے۔ اور اس کھانے کو فدیہ کہتے ہیں اسی کے قائل ہیں امام ابوحنیفہ، امام مالک اور امام شافعی کے اکثر اصحاب کے نزدیک امام شافعی کے دو قولوں میں سے زیادہ صحیح قول کے مطابق امام شافعی بھی۔ پس احناف کے نزدیک اگر وہ میت وصیت کر گیا ہے اور اس کے ترکہ سے تہائی حصہ مال لیا جائے گا۔ اور امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک وصیت کی ہو یا نہ کی ہو کل مال سے وہ فدیہ لیا جائے گا اور انھوں نے یہ تاویل کی ہے کہ ولی کے روزہ رکھنے سے ولی کا کھانا دینا اور کفارہ ادا کرنا مراد ہے مگر یہ تاویل بعید ہے اِلّا یہ کہ دوسرے دلائل

ثابت ہو جائے کہ فدیہ واجب ہے روزہ درست نہیں ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِيْ — دوسری فصل

عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ مَاتَ وَعَلَيْهِ صِيَامُ شَهْرِ رَمَضَانَ فَلْيُطْعَمْ عَنْهُ مَكَانَ كُلِّ يَوْمٍ مِسْكِيْنٌ۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ وَالصَّحِيْحُ اَنَّهُ مَوْقُوْفٌ عَلَى ابْنِ عُمَرَ۔

حضرت نافع سے وہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہم سے روایت کرتے ہیں کہ بیشک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص فوت ہو گیا اور اس کے ذمہ رمضان کے روزے تھے تو اس کی طرف سے ہر دن ایک مسکین کو کھانا کھلایا جائے۔ اسے ترمذی نے روایت کیا اور کہا کہ صحیح یہ ہے کہ یہ حدیث حضرت ابن عمر پر موقوف ہے[1]۔

[1] مگر یہ موقوف حدیث مرفوع کے حکم میں ہے۔ کیونکہ کفارے کا معین اندازہ شارع علیہ السلام سے سننے کے بغیر درست نہیں ہو سکتا۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ — تیسری فصل

عَنْ مَالِكٍ بَلَغَهُ اَنَّ ابْنَ عُمَرَ كَانَ يُسْئَلُ هَلْ يَصُوْمُ اَحَدٌ عَنْ اَحَدٍ اَوْ يُصَلِّيْ اَحَدٌ عَنْ اَحَدٍ۔ (رَوَاهُ فِي الْمُوَطَّا)

حضرت امام مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہیں یہ روایت پہنچی کہ بیشک ابن عمر رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا جاتا تھا کہ کیا انسان دوسرے کی طرف سے روزہ رکھ سکتا ہے اور کیا ایک انسان دوسرے کی طرف سے نماز ادا کر سکتا ہے تو آپ جواب میں فرمایا کرتے تھے نہ بندہ دوسرے کی جانب سے روزہ رکھ سکتا ہے نہ دوسرے کی طرف سے نماز پڑھ سکتا ہے[1] (مؤطا امام مالک)

[1] یعنی وہ نماز و روزہ جو دوسرے کے ذمہ ہوتا ہے۔ البتہ روزہ رکھ کر اور نماز پڑھ کر اس کا ثواب دوسرے کو بخشنے میں اختلاف ہے اور صحیح یہ ہے کہ ثواب بخشنا جائز و روا ہے۔

بَابُ صِیَامِ التَّطَوُّعِ

نفلی روزوں کا باب

تطوع، طوع سے مشتق ہے بمعنی طاعت و فرمانبرداری کرنا، امام تورپشتی نے کہا تطوع کا معنی ہے توانائی ظاہر کرنا اور جو عبادت فرض نہیں اسے بجالانا۔ اور نفلی عبادت کو اس لیے تطوع کہتے ہیں کہ بندہ اپنی طرف سے فرمانبرداری ظاہر کرتا اور طاعت بجالاتا ہے۔ بغیر اس کے کہ شارع علیہ السلام نے اسے اس عبادت کا مکلف کیا ہو۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

پہلی فصل

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَصُوْمُ حَتّٰى نَقُوْلَ لَا يُفْطِرُ وَيُفْطِرُ حَتّٰى نَقُوْلَ لَا يَصُوْمُ وَ مَا رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اسْتَكْمَلَ صِيَامَ شَهْرٍ قَطُّ اِلَّا رَمَضَانَ وَ مَا رَاَيْتُهٗ فِيْ شَهْرٍ اَكْثَرَ مِنْهُ صِيَامًا فِيْ شَعْبَانَ. وَ فِيْ رِوَايَةٍ قَالَتْ كَانَ يَصُوْمُ شَعْبَانَ كُلَّهٗ وَ كَانَ يَصُوْمُ شَعْبَانَ اِلَّا قَلِيْلًا.

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لگاتار روزے رکھتے تھے یہاں تک کہ ہم کہتے تھے کہ اب روزے ترک نہ کریں گے۔ اور آپ روزے رکھنا اس طرح ترک کر دیتے تھے کہ ہم لوگ کہتے تھے کہ اب روز۔۔ے نہ رکھیں گے اور آپ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی مہینے کے پورے روزے نہ رکھتے تھے سوائے رمضان کے۔ اور نہ دیکھا آپ کو میں نے کہ شعبان کے سوا کسی مہینے میں زیادہ روزے رکھتے ہوں[۲] اور ایک روایت میں ہے کہ آپ سارا شعبان روزے رکھتے تھے اور آپ شعبان کے بغیر روزے رکھتے مگر تھوڑے دن[۳]۔

(بخاری، مسلم)

[۱] یہاں حدیث میں واقع لفظ نقول تا فوقانیہ سے بھی ایک روایت ہے یعنی لئے ۔۔ مطلب ! یہاں تک کہ ہم یہ کہنے پر مجبور ہو جاتے کہ اب روزہ نہ چھوڑیں گے۔ الی آخرہ ۔ مقصود یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت شریف تھی کہ نفلی روزہ

رکھنے میں ہمیشگی اور دوام و استمرار نہ تھا ۔ چنانچہ کبھی تو آپ مسلسل رکھتے تھے یہاں تک کہ لوگ یہ گمان کر لیتے تھے کہ آپ کبھی افطار نہ کریں گے ۔ اور کبھی آپ روزے رکھنا ترک کر دیتے تھے ۔ کہ لوگوں کا یہ گمان ہو جاتا تھا کہ آپ روزے نہ رکھیں گے ۔

سے یعنی جس کثرت سے آپ شعبان میں روزے رکھتے کسی اور مہینے میں نہ رکھتے جیسا کہ آگے فرمایا ۔

سے اور جب کہ سارا شعبان روزے رکھتے ہیں ۔ بایں طور مبالغہ ہے کہ اکثر کو کل کا حکم دیا گیا ہے ۔ اسی لیے اصل حقیقت بیان کرنے کے لیے اس کے ساتھ ہی حضرت عائشہ نے یہ الفاظ ارشاد فرمائے ۔ کَانَ یَصُوْمُ شَعْبَانَ اِلَّا قَلِیْلًا بعض علماء فرماتے ہیں عبارت کا معنیٰ یہ ہے کہ کبھی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم پورا شعبان روزے رکھتے تھے اور کبھی اس کے اکثر دن روزہ دار رہتے تھے ۔ یہ معنیٰ زیادہ بہتر ہیں خصوصاً اس روایت کے پیش نظر جس میں "کان یصوم شعبان الا قلیلا" میں کَانَ سے پہلے لفظ واؤ آیا ہے ۔ اسے سمجھ لے ۔

وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ شَقِيْقٍ قَالَ قُلْتُ لِعَائِشَةَ أَكَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَصُوْمُ شَهْرًا كُلَّهٗ قَالَتْ مَا عَلِمْتُهٗ صَامَ شَهْرًا كُلَّهٗ إِلَّا رَمَضَانَ وَلَا أَفْطَرَهٗ كُلَّهٗ حَتّٰى يَصُوْمَ حَتّٰى مَضٰى لِسَبِيْلِهٖ ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت عبد اللہ بن شقیق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نے حضرت عائشہؓ سے عرض کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کسی مہینہ کے پورے روزے رکھتے تھے ۔ آپ نے فرمایا میں نہیں جانتی کہ آپ نے رمضان شریف کے علاوہ کسی مہینے کے پورے روزے رکھے ہوں ۔ اور نہ آپ پر کوئی ایسا مہینہ گذرا جس میں آپ نے کوئی روزہ نہ رکھا ہو یہاں تک کہ آپ دنیا سے تشریف لے گئے ۔ (مسلم شریف)

سے آپ کبار تابعین اور ان کے ثقہ حضرات میں سے ہیں ۔

سے یعنی رمضان شریف کے علاوہ آپ پر کوئی ایسا مہینہ نہ گذرا جس میں آپ نے کوئی روزہ نہ رکھا ہو ۔ اور نہ کوئی ایسا مہینہ گذرا جس کے آپ نے پورے روزے رکھے ہوں ۔

سے حَتّٰى مَضٰى لِسَبِيْلِهٖ ۔ یعنی یہاں تک کہ آپ اپنے راستے پر سے گذر گئے ان الفاظ میں آپ کے وصال مبارک کی طرف اشارہ ہے اور اس جانب بھی اشارہ ہے کہ آپ کا دنیا میں ہونا اور ٹھہرنا محض ادائے رسالت اور تبلیغ احکام کے لیے تھا ۔ اور یہ کہ آپ کی سعی و کوشش ہمیشہ راہ آخرت میں ہوتی تھی ۔ اور آپ کی پوری توجہ عالم آخرت کی طرف رہی ۔ یہاں تک کہ آپ نے اپنا کام مکمل کرتے ہی آخرت کی جانب رخ کر لیا اور وصال فرما گئے ۔

وَعَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهٗ سَاَلَهٗ اَوْ سَاَلَ رَجُلًا وَّعِمْرَانُ يَسْمَعُ فَقَالَ يَا اَبَا فُلَانٍ اَمَا صُمْتَ مِنْ سَرَرِ شَعْبَانَ قَالَ لَا قَالَ فَاِذَا اَفْطَرْتَ فَصُمْ يَوْمَيْنِ ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت عمرانؓ بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عمران بن حصین سے سوال کیا یا کسی اور شخص سے سوال کیا اور عمران بن حصین سُن رہے تھے حضورؐ نے فرمایا، اے ابو فلاںؓ کیا تو نے آخر شعبان کو روزہ نہیں رکھا اس نے عرض کیا نہیں۔ فرمایا تو جب (رمضان کے روزوں سے فارغ ہو جائے) تو دو دن روزے رکھنا (بخاری و مسلم)

ؔ ؔ

لہ حصین ("حا" کی پیش، "صاد" کی زبر) آپ مشہور صحابی ہیں تیس سال بستر علالت پر رہے فرشتے آپ کی زیارت اور آپ کو سلام کہنے کے لیے آتے تھے۔ منقول ہے کہ ایک بار آپ نے زخم کا داغ جلا ڈالا۔ (داغنے سے اس کا علاج کیا) تو فرشتوں کے دیکھنے سے محجوب ہو گئے۔

لہ اس صورتِ حال میں شک کا بیان ہے بہرحال حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا سوال یہ ہے کہ "فقال یا ابافلان الٰی آخرہ اور ابو فلاں اس کی کنیت کی جانب اشارہ ہے۔ جیسے ابو محمد یا ابو عبد اللہ اور آپ نے انھیں ان کی مخصوص کنیت سے بلایا جس طرح اکثر اوقات جب کسی کو بلانا ہوتا ہے۔ تو کہتے ہیں اے فلاں، اے فلاں یا ان کی کوئی کنیت نہ تھی اس لیے مطلق کنیت (ابو فلاں) کے لفظ سے ان کا ذکر کیا گیا۔ یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تو ان کی مخصوص کنیت کے ساتھ پکارا تھا۔ مگر راوی کو وہ کنیت بھول گئی۔ واللہ اعلم۔

لہ گویا اس شخص نے دو دن کے روزوں کی نذر مان رکھی تھی۔ یا مہینے کے آخر میں دو دن روزے رکھنا ان کی عادت تھی۔ اور جب اس صحابی نے رمضان سے ایک دو دن پہلے روزے رکھنے سے ممانعت کا سنا جیسا کہ باب "رویۃ الہلال" کی فصل اوّل میں گزرا تو وہ نذر یا عادت کے روزے سے رک گئے۔ اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا کہ روزہ نذر یا عادت والا ممنوع نہیں ہے۔ وہ رکھ لینا چاہیے۔ اور اگر وہ روزہ فوت ہو جائے تو اس کی قضا کرنی چاہیے۔

پھر یہاں حدیث میں لفظ سرر آیا ہے۔ (سین کی زبر، "را" کی زیر سے) اور بعض نے سین کی پیش اور را کی زبر سے بھی پڑھا ہے۔ اس کا معنیٰ ہے مہینے کا اوّل حصہ یا درمیانہ اور آخری حصہ جیسا کہ قاموس میں مذکور ہے پھر بعض نے کہا یہاں بمعنی اوّل یا وسط (درمیانہ) ہے۔ کیونکہ شعبان کے آخری دن کی نہی تو آچکی ہے۔ مگر اس بارے میں

تحقیق یہ ہے کہ سررسرار مہینے کے ان آخری دو دنوں کو کہتے ہیں جن کی راتوں کو چاند دکھائی نہیں دیتا بلکہ روپوش رہتا ہے۔ اور اس کی تاویل و توجیہہ وہی ہے جو بیان کی گئی ہے۔

وَ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَفْضَلُ الصِّیَامِ بَعْدَ رَمَضَانَ شَهْرُ اللّٰهِ الْمُحَرَّمُ وَ اَفْضَلُ الصَّلٰوةِ بَعْدَ الْفَرِیْضَةِ صَلٰوةُ اللَّیْلِ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ رمضان کے بعد سب سے افضل روزے اللہ کے مہینے محرم[۱] کے ہیں۔ اور فرض کے بعد سب سے افضل نماز رات کی نماز (تہجد[۲]) ہے۔ (مسلم شریف)

[۱] بعض نے کہا ماہ محرم سے عاشوراء کا روزہ مراد ہے۔ کیونکہ اس کا ثواب بہت زیادہ ہے۔ اور اس کی موید ہے وہ حدیث جو بروایت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ آگے آرہی ہے۔ اور اضافت و نسبت (یعنی اللہ کا مہینہ) اس کی عظمت شان کے اظہار کے لیے ہے تخصیص کی بنا پر نہیں ہے (یعنی یہ مطلب نہیں کہ صرف محرم ہی اللہ تعالیٰ کا مہینہ ہے) اور محرم سے محرم کا سارا مہینہ مراد لیا جائے۔ تو پھر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب اشرف و افضل ماہ محرم ہے تو پھر آپ سارا شعبان یا اکثر شعبان کے روزے کیوں رکھتے تھے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ شاید شعبان کی افضلیت آخر میں جا کر ظاہر ہوئی۔ یا ماہ محرم کے روزوں میں کوئی رکاوٹ پیدا ہو چکی تھی۔

[۲] نماز تہجد کی افضلیت اس میں مشقت و ریاضت اور وجود اخلاص کی بنا پر ہے۔ باقی رہیں موکدہ سنتیں اس ترتیب کے ساتھ جو ان میں ہے۔ جیسا کہ حنفیہ رحمہم اللہ کے مذہب میں اور اکثر شافعیہ کے نزدیک ہے کہ ان کی بھی بڑی تاکید آئی ہے۔ تو اس افضلیت کا تہجد کی افضلیت سے کوئی ٹکراؤ نہیں ہے۔ پھر نوافل اور سنن موکدہ کے درمیان افضلیت کا تفصیلی بیان شرح (عربی) میں کر دیا گیا ہے۔

وَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ مَا رَاَیْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَتَحَرّٰی صِیَامَ یَوْمٍ فَضَّلَهٗ عَلٰی غَیْرِهٖ اِلَّا هٰذَا الْیَوْمَ یَوْمَ عَاشُوْرَآءَ وَ هٰذَا الشَّهْرَ یَعْنِیْ شَهْرَ رَمَضَانَ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی روزہ رکھنے کی کوشش کرتے ہوئے نہیں دیکھا جس کی فضیلت دوسرے پر ہو[۱]۔ مگر اس دن کو یعنی عاشورا کے دن کو اور اس ماہ مبارک رمضان کو۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ) (بخاری، مسلم)

سلہ یعنی وہ دن فضیلت رکھتا ہو یا اس دن کا روزہ فضیلت رکھتا ہو۔ یاد رہے یہاں حدیث میں لفظ تحری وارد ہوا ہے جس کا معنی ہے قصد کرنا اور ایسی چیز طلب کرنا جو ظن غالب میں زیادہ مناسب اور بہتر ہو۔ عاشوراء محرم کے دسویں دن کا نام ہے۔ بعض کا یہ وہم ہے کہ عاشورا محرم کے نویں دن کو کہتے ہیں۔ مگر یہ غلط ہے اس وہم اور غلطی دونوں کی وجہ شرح میں مذکور ہے۔ علماء نے یہ بھی کہا ہے کہ عاشورا کے روزہ کی افضلیت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے فہم و سمجھ سے تعلق رکھتی ہے۔ کہ انھوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حال وقال سے ایسا ہی سمجھا۔ اور ر پا یا ورنہ عرفہ کا دن عاشورا کے دن سے افضل ہے۔ بلکہ جمعہ کے علاوہ باقی تمام دنوں سے افضل ہے۔ کیونکہ عرفہ اور جمعہ کی ایک دوسرے پر افضلیت میں اختلاف ہے۔ اور بلاشبہ یہ بھی روایات میں وارد ہوا ہے۔ کہ عاشورا کا روزہ ایک سال کے روزوں کے برابر ہے اور نویں ذوالحجہ (عرفہ) کا روزہ دو سال کے روزوں کے برابر ہے۔

وَعَنْهُ قَالَ حِيْنَ صَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ عَاشُوْرَاءَ وَاَمَرَ بِصِيَامِهٖ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّهٗ يَوْمٌ يُعَظِّمُهُ الْيَهُوْدُ وَالنَّصَارٰى فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَئِنْ بَقِيْتُ اِلٰى قَابِلٍ لَاَصُوْمَنَّ التَّاسِعَ. (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

انھیں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عاشورا کے دن کا روزہ رکھا اور اس کا روزہ رکھنے کا حکم دیا تو لوگوں نے عرض کیا یارسول اللہ! یہ تو وہ دن ہے جس کی تعظیم یہود و نصاریٰ کرتے ہیں۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر میں اگلے سال تک دنیا میں رہا تو میں ضرور نویں محرم کا روزہ بھی رکھوں گا[1] (مسلم شریف)

سلہ یعنی محرم کی صرف نویں تاریخ کو یا نویں اور دسویں دونوں تاریخوں کو روزہ رکھوں گا۔ دوسرا معنی زیادہ ظاہر ہے کیونکہ اس میں اہل کتاب سے مخالفت کا اظہار پایا جاتا ہے۔ مگر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم آئندہ محرم تک دنیا میں تشریف فرما نہ رہے۔ بلکہ اسی سال کے ماہ ربیع الاول شریف میں وصال فرما گئے۔ اس سے ثابت ہوا کہ محرم کی نویں تاریخ کو روزہ رکھنا سنت ہے اگرچہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس دن کا روزہ نہ رکھ سکے۔ مگر آپ نے اس کا ارادہ فرما لیا تھا۔ پھر محرم شریف کے روزوں کے تین مرتبے ہیں سب سے افضل مرتبہ یہ ہے کہ محرم کی نویں دسویں اور گیارہویں تینوں تاریخوں کو روزے رکھے۔ امام احمد کی حدیث میں اسی طرح آیا ہے اور محدث بزار نے حضرت ابن عباس سے نویں دسویں کا اور صرف دسویں کا روزہ بھی روایت کیا ہے۔

وَعَنْ اُمِّ الْفَضْلِ بِنْتِ الْحَارِثِ اَنَّ نَاسًا تَمَارَوْا عِنْدَهَا يَوْمَ عَرَفَةَ فِي صِيَامِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ بَعْضُهُمْ هُوَ صَائِمٌ وَقَالَ بَعْضُهُمْ لَيْسَ بِصَائِمٍ فَاَرْسَلْتُ اِلَيْهِ بِقَدَحِ لَبَنٍ وَهُوَ وَاقِفٌ عَلٰى بَعِيْرِهٖ بِعَرَفَةَ فَشَرِبَهٗ۔

حارث کی بیٹی ام الفضل[1] رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ کچھ لوگوں نے ان کے پاس اس امر میں شک کیا اور جھگڑا کیا کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عرفہ کے دن (نویں ذوالحجہ) کو روزہ رکھا ہے یا نہیں؟ بعض نے کہا آپ نے روزہ رکھا ہے بعض نے کہا نہیں رکھا۔ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں (یہ جھگڑا سن کر) میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں دودھ کا ایک پیالہ ارسال کیا۔ اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عرفہ میں اپنے اونٹ پر سوار تھے تو آپ نے وہ دودھ پی لیا[2]۔

(بخاری، مسلم)

[1] حضرت ام الفضل بنت الحارث رضی اللہ عنہا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی زوجہ مطہرہ ہیں۔ ان کا نام لبابہ ہے آپ اُمّ المومنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کی ہمشیرہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی والدہ ماجدہ ہیں۔ ام الفضل سے مشہور ہیں اور ان کی یہ کنیت ہے۔

[2] اس سے معلوم ہوگیا کہ آپ نے روزہ نہ رکھا ہوا تھا۔ ایسا ہی عمل حضرت ابوبکر صدیق، حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہما سے بھی مروی ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے کہا ہے نہ میں اس دن روزہ رکھتا ہوں اور نہ کسی کو منع کرتا ہوں۔ سلف صالحین بھی اسی پر ہیں کہ میدان عرفات میں کھڑے ہونے والوں کے لیے روزہ نہ رکھنا مستحب ہے تاکہ عرفات میں کھڑے رہنے اور دعا کرنے کی قوت و طاقت ان میں بحال رہے۔

بعض اہل علم سے منقول ہے کہ انھوں نے عرفات میں روزہ رکھا ہے ظاہر یہ ہے کہ اس بارے میں اختلاف حالات اور کمزوری و طاقت کے اختلاف کی بنا پر رہا ہے۔ اور بے شک عرفہ کے دن کے روزے میں احادیث وارد ہوئی ہیں کہ یہ روزہ سال گذشتہ اور سال آیندہ کے گناہوں کا کفارہ بن جاتا ہے جیساکہ آگے آرہا ہے خلاصہ کلام یہ ہے کہ عرفہ کے دن کا روزہ حاجیوں کے سوا دوسرے لوگوں کے لیے مستحب ہے۔

وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ مَا رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَائِمًا فِي الْعَشْرِ قَطُّ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

ذوالحجہ کے دس دنوں میں کبھی روزہ رکھتے نہیں دیکھا[۱]۔ (مسلم شریف)

[۱] واضح ہو کہ تحقیق سے ثابت ہو چکا ہے کہ ان ایام میں روزہ رکھنے کی فضیلت میں احادیث وارد ہو چکی ہیں اور ان دس دنوں میں مطلق عمل کی فضیلت میں بھی احادیث آئی ہیں چنانچہ صحیح بخاری میں ہے کہ ذوالحجہ شریف کے دس دنوں سے کوئی دن افضل نہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ان دنوں میں روزہ رکھا اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی یہ حدیث ان کے مخالف نہیں ہے کیونکہ حضرت عائشہ اپنی دانست کے مطابق خبر دے رہی ہیں۔ اور فرما رہی ہیں کہ میں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ان دنوں میں روزہ رکھے ہوئے نہیں دیکھا۔ شاید حضرت عائشہ کو آپ کے روزہ رکھنے کی اطلاع نہ ہوئی ہو۔ یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ان دنوں میں کوئی مانع درپیش آیا ہو جیسے سفر یا بیماری یا پھر کوئی اور عارضہ۔

وَعَنْ أَبِي قَتَادَةَ رضی اللہ عنہ أَنَّ رَجُلًا أَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ كَيْفَ تَصُومُ فَغَضِبَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ قَوْلِهِ فَلَمَّا رَأَى عُمَرُ غَضَبَهُ قَالَ رَضِينَا بِاللهِ رَبًّا وَبِالْإِسْلَامِ دِينًا وَبِمُحَمَّدٍ نَبِيًّا نَعُوذُ بِاللهِ مِنْ غَضَبِ اللهِ وَغَضَبِ رَسُولِهِ فَجَعَلَ عُمَرُ يُرَدِّدُ هٰذَا الْكَلَامَ حَتّٰى سَكَنَ غَضَبُهُ فَقَالَ عُمَرُ يَا رَسُولَ اللهِ كَيْفَ مَنْ يَصُومُ الدَّهْرَ كُلَّهُ قَالَ لَا صَامَ وَلَا أَفْطَرَ أَوْ قَالَ لَمْ يَصُمْ وَلَمْ

حضرت ابو قتادہ[۱] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بے شک ایک شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں آیا اور عرض کیا آپ کس طرح روزہ رکھتے ہیں اس کی اس بات سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غضب ناک[۲] ہو گئے۔ جب عمر رضی اللہ عنہ نے آپ کا غصہ دیکھا۔ تو کہا ہم اللہ کے رب ہونے پر راضی ہوئے۔ اور اسلام کے دین ہونے پر اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نبی برحق ہونے پر راضی ہوئے[۳]۔ ہم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پاک کے غضب و غصہ سے اللہ کے پاس پناہ لیتے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان الفاظ کا تکرار کرتے رہے۔ یہاں تک کہ آپ کا غصہ ٹھنڈا ہوا۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا[۴] یا رسول اللہ! وہ شخص کیسا ہے جو ہمیشہ روزہ رکھے۔ آپ نے فرمایا اس شخص نے نہ روزہ رکھا نہ روزہ افطار کیا[۵]۔ یا آپ نے فرمایا: "لم یصم ولم

يُفْطِرُ قَالَ كَيْفَ مَنْ يَّصُوْمُ يَوْمَيْنِ وَ يُفْطِرُ يَوْمًا قَالَ وَ يُطِيْقُ ذٰلِكَ اَحَدٌ قَالَ كَيْفَ مَنْ يَّصُوْمُ يَوْمًا وَّ يُفْطِرُ يَوْمَيْنِ قَالَ وَدِدْتُّ اَنِّيْ طُوِّقْتُ ذٰلِكَ ثُمَّ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلٰثٌ مِّنْ كُلِّ شَهْرٍ وَّ رَمَضَانُ اِلٰى رَمَضَانَ فَهٰذَا صِيَامُ الدَّهْرِ كُلِّهٖ صِيَامُ يَوْمِ عَرَفَةَ اَحْتَسِبُ عَلَى اللّٰهِ اَنْ يُّكَفِّرَ السَّنَةَ الَّتِيْ قَبْلَهٗ وَ السَّنَةَ الَّتِيْ بَعْدَهٗ وَ صِيَامُ يَوْمِ عَاشُوْرَآءَ اَحْتَسِبُ عَلَى اللّٰهِ اَنْ يُّكَفِّرَ السَّنَةَ الَّتِيْ قَبْلَهٗ ۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

یفطر۔ یعنی مضارع لم کے صیغہ سے بیان فرمایا۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا وہ شخص کیسا ہے جو دو دن روزہ رکھے اور ایک دن افطار کرے۔ آپ نے فرمایا کیا کوئی شخص اس کی طاقت رکھتا ہے۔[۳] حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا وہ شخص کیسا ہے جو ایک دن روزہ رکھے اور ایک دن روزہ نہ رکھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ حضرت داؤد علیہ السلام کا روزہ ہے[۴] حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا وہ شخص کیسا ہے جو ایک دن روزہ رکھے اور دو دن روزہ نہ رکھے۔ فرمایا یہ بات مجھے اچھی لگتی ہے کہ اس کی طاقت قوت عطا کر دی جائے[۵]۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر ماہ میں تین روزے اور ایک رمضان سے دوسرے رمضان تک روزے (کافی اور بہتر ہیں)[۶] اور ہمیشہ روزہ رکھنے کی طرح ہیں۔ اور عرفہ کے دن کا روزہ تو اللہ تعالیٰ پر میرا گمان ہے کہ وہ گذشتہ ایک سال اور آنے والے ایک سال کے گناہوں کا کفارہ بنا دیتا ہے[۷]۔ اور عاشورا کا روزہ تو اللہ تعالیٰ پر گمان ہے کہ وہ اسے گذشتہ ایک سال کے گناہوں کا کفارہ بنا تا ہے[۸] (مسلم شریف)

[۱] حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ مشہور صحابہ کرام میں سے ہیں۔

[۲] یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس شخص اور اس کے یہ دریافت کرنے پر کہ اے اللہ کے نبی آپ کس طرح روزہ رکھتے ہیں کیونکہ سوال کا حق یہ تھا کہ وہ اپنے حال کے بارے میں یوں سوال کرتا کہ میں کس طرح روزہ رکھوں۔ تاکہ آپ اس کو اس کے حال کے مطابق جواب ارشاد فرماتے نہ یہ کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حال کے متعلق سوال کرے۔ کہ آپ کس طرح روزہ رکھتے ہیں۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل کے کم یا زیادہ ہونے میں ایسے اسرار و رموز اور مصالح مضمر ہیں، جو دوسروں کے حال سے مناسبت نہیں رکھتے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو مسلمانوں کے مصالح، ازواج مطہرات اور مہمانوں کے حقوق میں مشغول و مصروف رہتے تھے۔

[۳] ان کلمات کی شرح کتاب الایمان میں ذکر ہو چکی ہے۔

ؔ یعنی اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے وہی سوال کیا ۔ جو اس شخص نے کیا تھا ۔ مگر تفصیل سے اور ادب و نیاز کے انداز میں ۔

ؔ اس کا روزہ رکھنا تو ظاہر ہے البتہ روزہ نہ رکھنے کی توجیہہ و تاویل میں اختلاف ہے ۔ بعض نے کہا روزہ نہ رکھنے کا مطلب ہے اس نے سنت کی مخالفت کی ۔ جو روزہ اور اس کے اجر و ثواب میں نقص و عیب کا موجب ہے ۔ بعض نے کہا چونکہ یہ صورت ممنوع دنوں میں بھی روزہ رکھنے کو شامل و مستلزم ہے ۔ اس لیے اس نے روزہ رکھنے کے باوجود گویا روزہ نہ رکھا ۔ بعض نے یہ کہا یہ صورت چونکہ اس شخص کے اپنے آپ کو نقصان زدہ کرنے، مشقت میں پڑنے، اپنے نفس کو ہلاکت میں ڈالنے، جلد سے عاجز بننے اور دوسرے حقوق کی ادائیگی میں رکاوٹ کا باعث ہے ۔ اس لیے اس کا روزہ رکھنا نہ رکھنے کے مترادف ہے ۔ ان توجیہات کے مطابق یہ نہی اس شخص کے ساتھ مخصوص ہو گئی ۔ جو ممنوع ایام میں بھی روزہ رکھے ۔ نیز اس شخص کے ساتھ مخصوص ہو گی جسے ضرر و نقصان اور ضعف و کمزوری لاحق ہوتی ہو ۔ اسی لیے ائمہ کرام کی ایک جماعت ہمیشہ روزہ رکھنے کے جواز کی جانب گئی ہے ۔ اس شخص کے بارے میں جس کی حالت اس کے خلاف ہو ان کی دلیل یہ ہے کہ بعض صحابہ کرام جیسے حضرت ابو طلحہ انصاری، حضرت حمزہ بن عمرو اسلمی ہمیشہ روزہ رکھتے تھے ۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں اس عمل پر قائم رہنے دیا ۔ منع نہ فرمایا ۔ پھر یہی عمل بہت سے تابعین وغیرہم سے بھی منقول ہے ۔ بعض نے کہا آپ نے یہ اس شخص کے لیے فرمایا جو اس کی عادت بنا لے ۔ اور ہمیشہ روزہ رکھنے کا خوگر ہو جائے ۔ یہاں تک کہ روزے کا عادی ہو جانے کے باعث مشقت و ریاضت کا معنی زائل ہو جائے ۔ جس پر اجر و ثواب کا دارو مدار ہے ۔ اور جو روزہ کے مشروع ہونے کا مقصد ہے یہ وجہ، اس وجہ اوّل کے برعکس ہے ۔ جس میں بیان ہوا کہ ہمیشہ روزہ رکھنے کی وجہ سے تکالیف و مشقت میں پڑ جائے گا واللہ اعلم ۔

ؔ کہ یہ صورت بھی مشکل و دشوار ہے اور اس میں بھی بڑی مشقت ہے اس کلام کی غرض و غایت بھی یہ ہے کہ بندے کو اس صورت کے قبول و رضا سے دور رکھا جائے ۔ پھر اس کلام شریف سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہمیشہ کے روزے کے قبول نہ ہونے کی وجہ مشقت و تکلیف میں پڑنا ہے ۔

ؔ کہ حضرت داؤد علیہ السلام ایک دن روزہ رکھتے ایک دن نہ رکھتے اس روزہ میں ایک درجہ فضیلت و کمال ہے کہ اس میں ایک گونہ میانہ روی اور اعتدال پایا جاتا ہے ۔ تاہم اس میں بھی مشقت و کلفت پائی جاتی ہے ۔ جیسا کہ اسلوب حدیث سے ظاہر ہوتا ہے ۔

ؔ اور میرے لیے ادائے حقوق و مصالح و ذمہ داریوں سے مانع نہ بنے ۔ اس عبارت میں اس جانب اشارہ ہے ۔ اس کی بھی مجھ میں طاقت نہیں اور اسے بھی میری طبیعت برداشت نہیں کرتی ۔ اِلّا یہ کہ اللہ تعالیٰ مجھے اس کی طاقت و ہمت عطا کر دے ۔ اس کلام مبارک سے بھی غرض اس صورت کو طبع انسانی سے دور دکھانا اور اس کا رد کرنا ہے ۔

۹ یعنی یہ صورت بہتر و مناسب اور کافی ہے۔ کہ بندہ ہر مہینے میں تین روزے رکھے۔ اور رمضان المبارک کے روزے رکھے اور حدیث کے الفاظ " ایک رمضان سے دوسرے رمضان تک" اس تاکید کے لیے ہیں کہ بندہ ہمیشہ ہر رمضان کے روزے رکھے اور اس میں اس جانب بھی اشارہ ہے کہ اس طرح روزے رکھنے والے کا روزہ گویا ہمیشہ کا لگاتار روزہ ہے جیسا کہ آگے فرمایا فھذا صیام الدھر کلہ کہ یہ گویا ساری عمر کا روزہ ہے۔

۱۰ " مجھے اللہ تعالیٰ پر گمان ہے" کا مطلب ہے مجھے اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم پر اعتماد ہے کہ اس سے وہ میرے گذشتہ سال کے گناہ بھی بخش دے گا۔ یعنی جو گناہ اس نے اس سال کے اندر کیے اور آنے والے سال کے گناہ بھی یعنی آنے والے سال کے گناہوں سے محفوظ رکھے گا۔ یا اگر بالفرض آنے والے سال میں گناہ سرزد ہو گئے تو ان روزوں کی برکت سے وہ بھی بخش دے گا۔

۱۱ یعنی مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس روزے کے طفیل گذشتہ سال کے گناہ بخش دے گا۔ علمائے کرام نے کہا ہے کہ عرفہ کے روزہ کو عاشورا کے روزہ پر اس وجہ سے فضیلت حاصل ہے کہ یوم عرفہ کا روزہ شریعت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں سے ہے۔ بخلاف یوم عاشورا کے روزہ کے کہ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت کا روزہ ہے۔ (جسے اس شریعت میں بھی برقرار رکھا گیا ہے)

وَعَنْهُ قَالَ سُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ صَوْمِ الْاِثْنَيْنِ فَقَالَ فِيْهِ وُلِدْتُّ وَفِيْهِ اُنْزِلَ عَلَيَّ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پیر کے دن کے روزے کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا میں اسی دن پیدا ہوا ہوں۔ اور اسی دن مجھ پر پہلی وحی نازل کی گئی (مسلم شریف)

✣ ✣ ✣

۱ یہاں اس امر کا احتمال ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پیر کے دن روزہ رکھنے کے سبب یا پیر کے دن روزہ رکھنے کے استحباب کے سبب کے بارے میں سوال کیا گیا ہو گا۔ دونوں صورتوں میں اس دن روزہ رکھنے کا سبب و باعث حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود مبارک اور دین و شریعت کی نعمت کے شکرانے کو قرار دیا گیا ہے۔

وَعَنْ مُّعَاذَةَ الْعَدَوِيَّةِ اَنَّهَا سَاَلَتْ عَائِشَةَ اَكَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَصُوْمُ مِنْ كُلِّ شَهْرٍ

حضرت معاذہ عدویہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے انھوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے دریافت کیا کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر ماہ میں تین روزے رکھتے تھے؟ فرمایا

ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ قَالَتْ نَعَمْ فَقُلْتُ لَهَا مِنْ اَيِّ اَيَّامِ الشَّهْرِ كَانَ يَصُوْمُ قَالَتْ لَمْ يَكُنْ يُبَالِيْ مِنْ اَيِّ اَيَّامِ الشَّهْرِ يَصُوْمُ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

ہاں۔ میں نے پوچھا مہینہ کے کن دنوں میں یہ روزے آپ رکھتے تھے؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا آپ اس بات کی پروا نہ کرتے تھے کہ مہینہ میں کس کس دن روزہ رکھیں[۱]۔ (مسلم شریف)

[۱] اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر ماہ میں تین روزے رکھنے جس دن بھی ہوں کفایت کرتے ہیں تیرہویں چودھویں پندرہویں کے دن کی کوئی قید نہیں ہے۔ تاہم اکثر احادیث و آثار ان ہی تین تاریخوں کے بارے میں وارد ہیں لہٰذا ان تاریخوں میں روزہ رکھنا زیادہ محبوب و افضل ہے۔ دوسرا طریقہ یہ ہے کہ ہر ماہ میں کوئی سے تین روزے رکھ لے۔ کہ یہ طریقہ بھی سلف سے منقول ہے۔ یہاں کل دس قول ہیں۔ جن کو میں نے شرح (عربی) میں بیان کر دیا ہے۔

وَعَنْ اَبِيْ اَيُّوْبَ الْاَنْصَارِيِّ رض اَنَّهٗ حَدَّثَهٗ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ صَامَ رَمَضَانَ ثُمَّ اَتْبَعَهٗ سِتًّا مِّنْ شَوَّالٍ كَانَ كَصِيَامِ الدَّهْرِ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابو ایوب[۱] انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انھوں نے یہ حدیث بیان کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے رمضان شریف کے روزے رکھے پھر اس کے بعد اس کے پیچھے چھ روزے شوال کے رکھے وہ اس طرح ہے جیسے اس نے ساری زندگی روزے رکھے۔ (مسلم شریف)

[۱] حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ بزرگ صحابی ہیں۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کر کے جب مدینہ منورہ میں تشریف لائے تو سب سے پہلے انھی کے گھر رونق افروز ہوئے۔

وَعَنْ اَبِيْ سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ رض قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ صَوْمِ يَوْمِ الْفِطْرِ وَالنَّحْرِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عید الفطر اور قربانی کے دن روزہ رکھنے سے منع فرمایا ہے۔ (بخاری، مسلم)

[۱] یہ مخالفت تمام ائمہ فقہ کے نزدیک متفق علیہ امر ہے۔ پھر اکثر ائمہ کے نزدیک اس دن نذر کا روزہ رکھنا بھی

منع ہے۔ ہم احناف کے نزدیک نذر جائز ہے مگر اسے کسی دوسرے دن قضا کر لینا چاہیے۔

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا صَوْمَ فِيْ يَوْمَيْنِ الْفِطْرِ وَالْاَضْحٰى۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دو دنوں میں روزہ رکھنا جائز نہیں ایک عید الفطر کے دن دوسرے عید قربان کے دن[۱]۔ (بخاری، مسلم)

[۱] اور ان دنوں میں نذر کا روزہ رکھنا حقیقت میں ان کے اندر رکھنا نہیں ہے۔ جیسا کہ اس کی تحقیق اصول فقہ میں ہو چکی ہے۔

وَعَنْ نُبَيْشَةَ الْهُذَلِيِّ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَيَّامُ التَّشْرِيْقِ اَيَّامُ اَكْلٍ وَّشُرْبٍ وَّذِكْرِ اللّٰهِ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت نبیشہ[۱] الہذلی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تشریق[۲] کے دن کھانے پینے اور اللہ کے ذکر کے دن ہیں[۳]۔ (مسلم شریف)

[۱] نبیشہ۔ نون کی پیش، با کی زبر، یا ساکن سے۔ ہذلی۔ ہا کی پیش، ذال کی زبر۔ یہ ہذیل بن مدرکہ بن الیاس کی طرف نسبت ہے۔ آپ صحابی ہیں آپ کو نبیشۃ الخیر کہتے ہیں۔

[۲] ایام تشریق ذوالحجہ کے تین دن ہیں یعنی گیارہواں، بارہواں، تیرہواں دن ان دنوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے مہمان نوازی کے دن بھی کہتے ہیں تشریق کا معنیٰ لغت میں گوشت خشک کرنے کا ہے۔ عرب لوگ ان دنوں میں گوشت خشک کرتے تھے۔ اسی طرح قربانی کا جانور سورج طلوع ہونے کے ساتھ کرتے ہیں۔ تشریق کا معنیٰ سورج چمکنے کا بھی آتا ہے۔

[۳] یعنی کھانے پینے کے باوجود اللہ تعالیٰ کے ذکر سے غافل بھی نہیں ہوتے جیسا کہ قرآن حکیم میں فرمایا اذکروا اللہ فی ایام معدودات یعنی اللہ تعالیٰ کا ذکر کرو گنتی کے دنوں میں۔ مفسرین نے ذکر اللہ کی تفسیر فرض نماز کے بعد تکبیرات تشریق، جانور ذبح کرنے کے وقت تکبیر کہنے اور کنکریاں مارنے وغیرہ سے کی ہے جیسا کہ کتاب الحج میں آرہا ہے۔

وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

وَسَلَّمَ لَا يَصُوْمُ اَحَدُكُمْ يَوْمَ الْجُمُعَةِ اِلَّا اَنْ يَصُوْمَ قَبْلَهٗ اَوْ يَصُوْمَ بَعْدَهٗ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

فرمایا تم میں سے کوئی شخص جمعہ کے دن روزہ نہ رکھے مگر اس طرح کہ اس سے ایک دن پہلے یا ایک دن بعد بھی روزہ رکھے[۱] (بخاری، مسلم)

[۱] یعنی جمعہ کا تنہا روزہ نہ رکھے۔ بلکہ ساتھ جمعرات یا ہفتہ کا روزہ بھی رکھے۔ اور اگر جمعہ کے ساتھ جمعرات اور ہفتہ دونوں دنوں کا رکھے تو بہتر ہے۔

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَخْتَصُّوْا لَيْلَةَ الْجُمُعَةِ بِقِيَامٍ مِّنْ بَيْنِ اللَّيَالِيْ وَلَا تَخْتَصُّوْا يَوْمَ الْجُمُعَةِ مِنْ بَيْنِ الْاَيَّامِ اِلَّا اَنْ يَكُوْنَ فِيْ صَوْمٍ يَصُوْمُهٗ اَحَدُكُمْ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا شب بیداری کے لیے جمعہ کی رات کو مخصوص نہ کرو اور روزہ رکھنے کے لیے دنوں میں سے صرف جمعہ کے دن کو خاص نہ کرو۔ مگر اس صورت میں کہ تم میں سے کوئی شخص ہمیشہ سے اس تاریخ کو روزہ رکھتا ہو[۱] (مسلم شریف)

[۱] یعنی نذر یا عادت کی بنا پر صرف جمعہ کا روزہ رکھے۔ مثلاً ایک شخص ہمیشہ دسویں یا گیارہویں تاریخ روزہ رکھنے کا عادی ہے۔ یا روزہ نذر رکھنے کا دن اتفاقاً جمعہ آگیا تو اس صورت میں تنہا جمعہ کے دن روزہ رکھنا منع نہیں۔

واضح ہو کہ صرف جمعہ کے دن روزہ رکھنے کی ممانعت میں حدیث صحیح آچکی ہے۔ اس ممانعت کی تاویل و توجیہہ میں علماء کے متعدد اقوال ہیں۔ ان سب اقوال کا یہاں ذکر کرنا طوالت کا موجب ہے۔ شرح (عربی) میں وہ سب اقوال تفصیل سے بیان کر دیے گئے ہیں ان مذکورہ وجوہ تاویل میں سے زیادہ قریب یہ ہے کہ صرف جمعہ کا روزہ رکھنے میں یہود ونصاریٰ کے ساتھ مشابہت لازم آتی ہے۔ کہ وہ ایک معین ومقرر دن کی تعظیم کرتے اور عبادت وطاعت سے خاص کرتے ہیں جیسے یہودی ہفتہ کے دن کو اور نصاریٰ اتوار کے دن کو ماسوائے اس تعظیم وتخصیص کے جو شرع میں ثابت وارد ہے۔ اور ان گمراہ قوموں کے ساتھ اس میں مشابہت کا وہم بھی نہیں ہے۔ کہ ایسی تعظیم ہماری شریعت میں بھی جائز ہے۔ ہمیں از خود کسی چیز کی تعظیم وتوقیر وتخصیص کرنے کی اجازت نہیں جیسا کہ علماء نے کیا ہے۔

بندۂ ضعیف (عبدالحق) اللہ تعالیٰ اسے معاف کرے کہتا ہے کہ اس ممانعت کا سبب یہ ہے کہ بندے کو چاہیے کہ تمام اوقات عبادت وطاعت میں مصروف رہے اور ہمیشہ اللہ تعالیٰ عزاسمہ کی رحمتوں کے جھونکوں کے سامنے کھڑا رہے

ایک وقت کو (عبادت کے لیے) مخصوص کرنا اور دوسرے اوقات کو بے کار رکھنا، کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔ میرا بیان کردہ یہ معنیٰ شب جمعہ کو بیداری کے لیے مخصوص کرنے کی ممانعت کے ساتھ بہت مناسبت رکھتا ہے جیسا کہ دانا پر پوشیدہ نہیں ہے اسے سمجھ لے۔ واللہ اعلم۔

امام مالک رحمہ اللہ سے نقل کیا گیا ہے کہ آپ نے موطا میں کہا میں نے اہلِ علم وفقہ میں سے کسی سے نہیں سنا جن کی اقتداء کی جا سکتی ہے کہ ان میں سے کسی نے بھی صرف جمعہ کے دن کے روزے کی ممانعت کی ہو۔ اور میں نے بعض کو خود دیکھا کہ صرف جمعہ کے دن روزہ رکھتے تھے اور اس کی کوشش کرتے تھے۔

حضرت شیخ محی الدین نووی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے کہا کہ امام مالک نے جو کچھ کہا یہ ان کی اپنی رائے ہے۔ دوسروں کی رائے ان کے خلاف ہے اور سنت امام مالک اور ان کے مخالف لوگوں کی رائے پر مقدم ہے۔ یہ بات تحقیق سے ثابت ہو چکی ہے کہ تنہا جمعہ کے دن روزہ رکھنا منع ہے اس بارے میں صحیح حدیث وارد ہو چکی ہے۔ لہٰذا اس کا قائل ہونا ضروری ہے۔ اس بارے میں امام مالک رحمہ اللہ معذور ہیں کہ ان کو یہ حدیث نہ پہنچی اور داؤدی نے جو امام مالک کے ساتھیوں میں سے ہیں، کہا ہے کہ امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کو یہ حدیث نہ پہنچی۔ اگر ان تک پہنچ جاتی تو آپ اس کی مخالفت نہ کرتے۔ واللہ اعلم۔

وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ صَامَ یَوْمًا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ بَعَّدَ اللّٰہُ وَجْھَہٗ عَنِ النَّارِ سَبْعِیْنَ خَرِیْفًا۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)	حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے اللہ کی راہ میں ایک روزہ رکھا۔ اللہ تعالیٰ اس کے چہرے کو دوزخ سے ستر سال کی مسافت پر دور کر دیتا ہے[1]۔ (مسلم، بخاری)

[1] یہاں فی سبیل اللہ سے مراد جہاد ہے۔ یعنی جہاد کی حالت میں روزہ رکھا۔ اور تیسری فصل میں جہاد سے متعلق احادیث آرہی ہیں۔ علامہ طیبی رحمہ اللہ نے کہا ہو سکتا ہے کہ فی سبیل اللہ سے لوجہ اللہ یعنی اللہ کی رضا مراد ہو۔ اس دوسرے معنیٰ کی موید ہے وہ حدیث جو حضرت ابو ہریرہ سے باب کے آخر میں آرہی ہے۔ اور حدیث میں خریف سے مراد سال ہے کہ عرب سال کی ابتداء خریف سے کرتے ہیں۔

وَعَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عَمْرِو ابْنِ الْعَاصِ قَالَ قَالَ لِیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَا	حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے فرمایا اے عبداللہ کیا مجھے خبر نہیں دی

عَبْدَ اللّٰهِ اَلَمْ اُخْبَرْ اَنَّكَ تَصُوْمُ النَّهَارَ وَ تَقُوْمُ اللَّيْلَ فَقُلْتُ بَلٰى يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ فَلَا تَفْعَلْ صُمْ وَ اَفْطِرْ وَ قُمْ وَ نَمْ فَاِنَّ لِجَسَدِكَ عَلَيْكَ حَقًّا وَ اِنَّ لِعَيْنِكَ عَلَيْكَ حَقًّا وَ اِنَّ لِزَوْجِكَ عَلَيْكَ حَقًّا وَ اِنَّ لِزَوْرِكَ عَلَيْكَ حَقًّا لَا صَامَ مَنْ صَامَ الدَّهْرَ كُلَّهٗ صُمْ كُلَّ شَهْرٍ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ وَ اقْرَاِ الْقُرْاٰنَ فِيْ كُلِّ شَهْرٍ قُلْتُ اِنِّيْ اُطِيْقُ اَكْثَرَ مِنْ ذٰلِكَ قَالَ صُمْ اَفْضَلَ الصَّوْمِ صَوْمَ دَاوٗدَ صِيَامَ يَوْمٍ وَ اِفْطَارَ يَوْمٍ وَّاقْرَاْ فِيْ كُلِّ سَبْعِ لَيَالٍ مَرَّةً وَ لَا تَزِدْ عَلٰى ذٰلِكَ ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

گئی کہ تو دن کو روزہ رکھتا اور رات[1] کو بیدار رہتا ہے؟ میں نے عرض کیا ہاں یارسول اللہ ۔ آپ نے فرمایا ایسا نہ کر۔ بلکہ روزہ بھی رکھ اور نہ بھی رکھ ۔ اسی طرح رات کو عبادت بھی کر اور سویا بھی کر۔ کیونکہ تیرے جسم کا بھی تجھ پر حق[2] ہے ۔ اور تیری آنکھ کا بھی تجھ پر حق[3] ہے اور تیری بیوی کا بھی تجھ پر حق[4] ہے اور تیری زیارت کرنے والوں کا بھی تجھ پر حق[5] ہے جس نے ہمیشہ روزہ رکھا اس نے "حقیقۃً" روزہ نہ رکھا[6] ہر مہینے میں تین روزے رکھنا ساری عمر روزے رکھنے کی طرح ہے (اسلیے) ہر مہینے تین روزے رکھ لے اور ہر ماہ میں پورا قرآن پڑھ۔ میں نے عرض کیا میں اس سے زیادہ کی طاقت رکھتا ہوں ۔ فرمایا افضل روزہ رکھ، یعنی حضرت داؤد والا روزہ۔ وہ یہ ہے کہ ایک دن روزہ رکھ اور ایک دن نہ رکھ ۔ اور سات رات میں ایک بار قرآن ختم کر۔ اس سے زیادہ آگے نہ بڑھ[7] ۔

(بخاری، مسلم[8])

[1] ان الفاظ میں تہدید اور ڈانٹ ہے جیسا کہ پوشیدہ نہیں ۔

[2] لہٰذا اسے زیادہ مشقت میں نہ ڈال تاکہ بیمار نہ ہو جائے اور اسے ہلاک نہ کر دے ۔

[3] لہٰذا تجھے کچھ وقت نیند کرنی چاہیے اور اسے آرام دینا چاہیے ۔

[4] یاد رہے لفظ زوج تا کے بغیر عورت پر بولا جاتا ہے اور تا کے ساتھ بھی یعنی زوجہ ۔

[5] کہ تیری زیارت کو آنے والوں اور تیرے مہمانوں کا بھی تجھ پر حق ہے جو تجھے دیکھنے آئیں تاکہ تو ان سے باتیں کرے، ان کے ساتھ بیٹھے اور ان کے ساتھ کھانا کھائے یاد رہے حدیث میں واقع لفظ زور، زا کی زبر واو ساکن کے ساتھ زائر کی جمع ہے جس طرح راکب کی جمع رکب ہے ۔

۶ؔ اس کی وجہ ابو قتادہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں گزر چکی ہے ۔
۷ؔ یعنی روزہ رکھنے اور قرآن پڑھنے میں اس سے زیادتی نہ کر ۔
۸ؔ اس حدیث کو بخاری مسلم کے علاوہ ترمذی، ابوداؤد، نسائی اور ابن ماجہ نے بھی مختلف الفاظ کے ساتھ روایت کیا ہے پس یہ حدیث صحاح کی تمام کتابوں میں موجود ہے ۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

دوسری فصل

عَنْ عَائِشَۃَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَصُوْمُ الْاِثْنَیْنِ وَ الْخَمِیْسَ ۔ (رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَالنَّسَائِیُّ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پیر اور جمعرات کے دن روزہ رکھتے تھے ۔ (ترمذی، نسائی)

وَ عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ تُعْرَضُ الْاَعْمَالُ یَوْمَ الْاِثْنَیْنِ وَ الْخَمِیْسِ فَاُحِبُّ اَنْ یُّعْرَضَ عَمَلِیْ وَ اَنَا صَائِمٌ ۔ (رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پیر اور جمعرات کے دن اعمال پیش کیے جاتے ہیں۱ؔ ۔ تو میں نے محبوب جانا کہ میرا عمل اس حال میں پیش کیا جائے کہ میں روزہ دار ہوں۲ؔ ۔ (ترمذی شریف)

۱ؔ یعنی درگاہ ربُّ العزت میں یا اعمال لکھنے والے ملائکہ کے سامنے پیر اور جمعرات کے دن اعمال پیش کیے جاتے ہیں یہ ملائکہ ہر دن رات بندوں کے اعمال لے کر جاتے ہیں پھر ہو سکتا ہے کہ ان دو دنوں میں پیش کرتے ہوں یا ہر دن پیش کرتے ہوں پھر ان دونوں میں دوبارہ ان کا مجموعہ پیش کرتے ہوں اجمالاً اور تفصیلاً۔ ان حکمتوں اور مصلحتوں کے لیے جنھیں صرف اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے جس طرح شب نصف شعبان میں اعمال پیش کیے جانے کے بارے میں کہا گیا ہے
۲ؔ لہٰذا میرا پیر اور جمعرات کے دن روزہ رکھنے کا سبب یہ ہے اور پیر کے دن روزہ رکھنے کی دوسری وجہ حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں جو فصل اوّل میں مذکور ہوئی، معلوم ہو چکی ہے ۔ اسے یاد رکھو اس دن روزہ رکھنے کا سبب اس دن کی فضیلت ہے ۔ یا اس بنا پر ہے کہ اس بات کا پتہ نہیں کہ کس وقت دنیا سے جائیں اور روزہ سارے دن کو گھیرے ہوئے ہوتا ہے ۔ یا اس وجہ سے کہ روزے کے ساتھ اور بھی نیک عمل جمع ہو جاتے ہیں ۔

وَعَنْ اَبِیْ ذَرٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَا اَبَا ذَرٍّ اِذَا صُمْتَ مِنَ الشَّہْرِ ثَلٰثَۃَ اَیَّامٍ فَصُمْ ثَلٰثَ عَشْرَۃَ وَ اَرْبَعَ عَشْرَۃَ وَ خَمْسَ عَشْرَۃَ۔
(رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَالنَّسَائِیُّ)

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے ابوذر جب تو مہینے میں تین دن روزے رکھے تو تیرہویں، چودھویں اور پندرہویں کو رکھ[1]
(ترمذی، نسائی)

[1] انہیں ایام بیض کہتے ہیں یعنی وہ دن جن کی راتیں روشن وتاباں ہوتی ہیں گذشتہ بیان میں مذکور ہو چکا ہے۔ کہ مہینے کے کوئی سے تین دن روزہ رکھ لے تو ٹھیک وروا ہے۔ مگران تین دنوں میں روزہ رکھنا افضل ہے اس بارے میں بہت سی روایات آئی ہیں بعض روایات میں وہ دن جن کی راتیں تاریک ہوتی ہیں یعنی ستائیسویں اٹھائیسویں اورانتیسویں کے روزوں کا ذکر آیا ہے۔

وَعَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَصُوْمُ مِنْ غُرَّۃِ کُلِّ شَہْرٍ ثَلٰثَۃَ اَیَّامٍ وَقَلَّمَا کَانَ یُفْطِرُ یَوْمَ الْجُمُعَۃِ۔
(رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَالنَّسَائِیُّ وَرَوَاہُ اَبُوْدَاوٗدَ اِلٰی ثَلٰثَۃِ اَیَّامٍ)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بعض دفعہ ہر مہینے کے پہلے تین دن کا روزہ رکھتے تھے اور جمعہ کے روز کم ہی ہوتا تھا کہ آپ روزہ نہ رکھتے ہوں[1]۔
اسے ترمذی، نسائی نے روایت کیا اور ابوداؤد نے الی ثلاثۃ ایام تک روایت کیا[2]

[1] اس روایت کا ظاہر اس بارے میں مطلق ہے کہ آپ تنہا جمعہ کا روزہ رکھتے تھے۔ یا اس کے ساتھ دوسرا دن بھی ملاتے تھے۔ اسے سمجھ۔

[2] یعنی ترمذی اور نسائی نے تو اس حدیث کو مکمل روایت کیا مگر ابوداؤد نے صرف ثلاثۃ ایام تک روایت کیا اور اس کے آخری الفاظ یعنی قَلَّمَا کان یفطر یوم الجمعۃ روایت نہ کیے۔

وَعَنْ عَائِشَۃَ قَالَتْ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَصُوْمُ مِنَ الشَّہْرِ السَّبْتَ وَ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مہینے کے تین دن ہفتہ، اتوار اور پیر کا روزہ

الْاَحَدَ وَ الْاِثْنَیْنِ وَ مِنَ الشَّهْرِ الْاٰخِرِ الثَّلٰثَاءَ وَ الْاَرْبِعَاءَ وَ الْخَمِیْسَ۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ)

رکھتے تھے۔ پھر دوسرے مہینے میں منگل بدھ اور جمعرات کا روزہ رکھتے تھے[1]

(ترمذی شریف)

[1] حدیث میں واقع لفظ الثلاثاء مد کے ساتھ اور ثا کی زبر و پیش دونوں طرح پڑھا گیا ہے۔ مگر اوّل روایت اکثر ہے اربعاء میں باء مد کے ساتھ پڑھی گئی ہے۔

وَعَنْ اُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَاْمُرُنِيْ اَنْ اَصُوْمَ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ مِّنْ كُلِّ شَهْرٍ اَوَّلُهَا الْاِثْنَيْنِ وَ الْخَمِيْسُ۔

(رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ وَالنَّسَائِیُّ)

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے حکم دیا کرتے تھے کہ میں ہر ماہ میں تین روزے رکھوں پہلا روزہ پیر اور جمعرات کا ہو[1]

(ابوداؤد۔ نسائی)

[1] ان میں سے پہلا روزہ پیر سے بدھ وار تک کا ہوتا تھا اور کبھی پہلا جمعرات کا یا جمعہ کا ہوتا تھا۔ ایک روایت میں لفظ او الخمیس آیا ہے۔ یعنی کلمہ او سے آیا ہے جیسا کہ طبرانی نے روایت کیا اس کا معنیٰ یہ ہوا کہ آپ اختیار دیتے تھے۔ کہ ان روزوں کی ابتداء پیر کے دن سے کرے یا جمعرات کے دن سے کہ دونوں متبرک ہیں اور کتاب کی روایت کو جو کہ واو سے ہے، بھی اس معنیٰ پر حمل کیا جا سکتا ہے اسے سمجھ۔

وَعَنْ مُسْلِمٍ الْقُرَشِيِّ قَالَ سَاَلْتُ اَوْ سُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ صِيَامِ الدَّهْرِ فَقَالَ اِنَّ لِاَهْلِكَ عَلَيْكَ حَقًّا صُمْ رَمَضَانَ وَ الَّذِيْ يَلِيْهِ وَ كُلَّ اَرْبِعَاءَ وَخَمِيْسٍ فَاِذًا اَنْتَ قَدْ صُمْتَ الدَّهْرَ كُلَّهٗ۔

(رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ وَالتِّرْمِذِيُّ)

حضرت مسلم القرشی[1] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے میں نے دریافت کیا یا آپ سے دریافت کیا گیا ساری عمر روزہ رکھنے کے بارے میں تو آپ نے فرمایا بیشک تیری بیوی کا تجھ پر حق ہے[2]۔ اس لیے رمضان کے روزے رکھ اور ان دنوں کے جو اس کے بعد اس سے متصل ہیں[3]۔ اور ہر بدھ وار اور جمعرات کو روزہ رکھ اس طرح کرنے سے گویا تو نے ساری عمر کے روزے رکھ لیے[4]

(ابوداؤد، ترمذی)

سلہ آپ صحابی ہیں یعنی ابو عبد اللہ مسلم ۔ بعض نے کہا عبد اللہ ابو مسلم ۔
سلہ اور ہمیشہ روزہ رکھنے سے ضعف وکمزوری اور حقوق کی ادائیگی میں فتور اور کمی واقع ہوگی ۔
سلہ اس سے مراد شوال کے چھ روزے ہیں ۔ بعض نے کہا ماہ شعبان کے روزے مراد ہیں ۔ شرح ابن فرشتہ میں ایسا ہی آیا ہے ۔

سلہ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ساری عمر روزہ رکھنے کا ثواب ایک نیکی کے بدلے دس نیکیوں کے حساب پر منحصر نہیں ہے بلکہ حضرت شارع (اللہ تعالیٰ) اپنے فضل سے ساری عمر کے روزوں کا ثواب عطا کرتا ہے اس حساب (ایک نیکی کے بدلے دس کا ثواب) سے بھی اور اس حساب کے بغیر بھی ۔

وَ عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى عَنْ صَوْمِ يَوْمِ عَرَفَةَ بِعَرَفَةَ ۔

(رَوَاهُ اَبُوْ دَاوُدَ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عرفہ کے دن عرفات میں روزہ رکھنے سے منع فرمایا سلہ

(ابو داؤد)

سلہ نویں ذوالحجہ کے دن میدان عرفات میں روزہ رکھنے سے منع فرمایا ہے ۔ تاکہ اس کے معمولات ووظائف کے ادا کرنے میں مشقت اور دقت لاحق نہ ہو ۔ جیسا کہ مذکور ہوا ۔ علماء فرماتے ہیں ۔ یہ نہی تنزیہی ہے ۔ نہی تحریمی نہیں ہے ۔

وَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ رضی اللہ عنہ بْنِ بُسْرٍ عَنْ اُخْتِهٖ الصَّمَّآءِ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تَصُوْمُوْا يَوْمَ السَّبْتِ اِلَّا فِيْمَا افْتُرِضَ عَلَيْكُمْ فَاِنْ لَّمْ يَجِدْ اَحَدُكُمْ اِلَّا لِحَآءَ عِنَبَةٍ اَوْ عُوْدَ شَجَرَةٍ فَلْيَمْضَغْهُ ۔

(رَوَاهُ اَبُوْ دَاوُدَ وَ اَحْمَدُ وَ التِّرْمِذِيُّ وَ ابْنُ مَاجَةَ وَ الدَّارِمِيُّ)

حضرت عبد اللہ بن بُسر سلہ سے وہ اپنی بہن حضرت الصماء سے روایت کرتے ہیں کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہفتہ کے دن روزہ نہ رکھو سلہ مگر وہ جو تم پر فرض ہو سلہ تو اگر نہ پائے تم میں سے کوئی شخص (کھانے کے لیے کوئی چیز) مگر درخت انگور کا چھلکا سلہ یا درخت کی شاخ تو وہی چبا لے سلہ

(احمد، ابو داؤد، ترمذی ابن ماجہ اور دارمی)

ؒلہ بُسر۔ با کی پیش، سین ساکن کے ساتھ۔ الصماء۔ صاد کی زبر اور میم مشدد مدوالی۔ یعنی حضرت عبداللہ بن بسر مازنی رضی اللہ عنہ صحابی۔ ان کے باپ بُسر ان کی ماں حضرت عطیہ اور ان کی بہن حضرت صماء رضی اللہ عنہم سب صحابی ہیں۔

ؒلہ یعنی صرف ہفتہ کے دن کا روزہ

ؒلہ اگرچہ یہ فرضیت نذر کی وجہ سے ہو۔

ؒلہ یہاں حدیث میں لفظ لحاء لام کی زیر اور الف ممدودہ کے ساتھ ہے بمعنی چھلکا۔

ؒلہ یعنی اگر کھانے کے لیے اور کچھ نہ ملے تو یہی چیزیں چبا کر ہفتہ کے دن کا روزہ توڑ ڈالے۔ ہفتہ کے دن کے روزے کی ممانعت کی وجہ یہ ہے کہ اس طرح اس کی تعظیم لازم آتی ہے۔ اور اس تعظیم میں یہود سے مشابہت پیدا ہوتی ہے کہ یہودی اگرچہ اس دن روزہ نہیں رکھتے کیونکہ یہ ان کا عید کا دن ہے۔ مگر وہ اس وجہ سے اس دن کی تعظیم بہت کرتے ہیں۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں آرہا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہفتہ اور اتوار دونوں کا روزہ رکھتے تھے تاکہ یہود سے مخالفت لازم آئے کہ یہ لوگ اس دن کے عید ہونے کی وجہ سے روزہ نہیں رکھتے پس کسی وقت کو آپ نے ان دونوں کا روزہ نہ رکھا۔ تاکہ ان دنوں کی تعظیم لازم نہ آئے۔ اور کبھی ان کی مخالفت کی نیت سے ان دو دنوں میں روزہ رکھتے تھے۔ روزہ رکھنے نہ رکھنے کی حیثیت و نوعیت مختلف ہے۔

وَعَنْ اَبِیْ اُمَامَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صَامَ يَوْمًا فِیْ سَبِيْلِ اللّٰهِ جَعَلَ اللّٰهُ بَيْنَهٗ وَ بَيْنَ النَّارِ خَنْدَقًا كَمَا بَيْنَ السَّمَآءِ وَ الْاَرْضِ۔	حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے اللہ کی راہ میں ایک دن کا روزہ رکھا اللہ تعالیٰ اس کے اور آتش دوزخ کے درمیان اتنے بڑے فاصلے کی خندق ڈال دیتا ہے جتنا کہ آسمان و زمین کے درمیان فاصلہ ہے[1]
(رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ)	(ترمذی شریف)

ؒلہ اس سے مقصود مبالغہ ہے اور یہ الفاظ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی گزشتہ حدیث (بعد اللہ وجهه عن النار سبعين خريفا یعنی اللہ تعالیٰ اس بندے کے چہرے اور آتش دوزخ کے درمیان ستر سال کی مسافت کا فاصلہ ڈال دیتا ہے) سے زیادہ بلیغ ہیں۔ خندق اس گڑھے کو کہتے ہیں جو کسی شہر کے ارد گرد کھودا جاتا ہے۔

وَعَنْ عَامِرِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ	حضرت عامر[1] بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْغَنِيْمَةُ الْبَارِدَةُ الصَّوْمُ فِي الشِّتَاءِ۔ (رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ) وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ مُرْسَلٌ وَّ ذُكِرَ حَدِيْثُ اَبِيْ هُرَيْرَةَ مَا مِنْ اَيَّامٍ اَحَبُّ اِلَى اللّٰهِ فِيْ بَابِ الْاُضْحِيَّةِ۔

فرمایا۔ سردیوں کا روزہ مفت کی غنیمت[1] ہے۔ (اسے احمد اور ترمذی نے روایت کیا) اور ترمذی نے کہا یہ حدیث مرسل ہے[2] اور حدیث ابوہریرہ کی ما من ایام احب الی اللہ باب الاضحیۃ میں ذکر کی گئی ہے[3]۔

[1] ان کے بارے میں اختلاف ہے کہ آپ صحابی ہیں یا تابعی۔ بعض نے ان کو صحابہ میں شمار کیا اور بعض نے تابعین میں۔

[2] یہ اس سے کنایہ ہے کہ سردیوں کا روزہ بغیر مشقت و تکلیف کے رکھا جاتا ہے۔

[3] ترمذی کا یہ قول عامر بن سعود کے تابعی ہونے پر مبنی ہے صحابی ہونے پر مبنی نہیں ہے۔

[4] یعنی حضرت ابوہریرہ کی وہ حدیث جس کے اول میں یہ الفاظ ہیں ما من ایام الیٰ آخرہٖ جس میں ذوالحجہ کے دس دنوں اور ان میں عمل خیر کی فضیلت بیان کی گئی ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدِمَ الْمَدِيْنَةَ فَوَجَدَ الْيَهُوْدَ صِيَامًا يَوْمَ عَاشُوْرَاءَ فَقَالَ لَهُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا هٰذَا الْيَوْمُ الَّذِيْ تَصُوْمُوْنَهُ فَقَالُوْا هٰذَا يَوْمٌ عَظِيْمٌ اَنْجَى اللّٰهُ فِيْهِ مُوْسٰى وَقَوْمَهُ وَغَرَّقَ فِرْعَوْنَ وَقَوْمَهُ فَصَامَهُ مُوْسٰى شُكْرًا فَنَحْنُ نَصُوْمُهُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ میں تشریف لائے تو یہود کو پایا کہ وہ عاشوراء کا روزہ رکھتے تھے۔ ان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ کیسا دن ہے جس میں تم لوگ روزہ رکھتے ہو۔ انھوں نے کہا یہ ایک عظیم دن ہے۔ اسی دن میں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ اور ان کی قوم کو نجات دی اور اسی دن فرعون اور اس کی قوم کو خدا تعالیٰ نے غرق[1] کیا تو شکرانہ کے طور پر حضرت موسیٰ نے

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَصَامَهُ شُكْرًا فَنَحْنُ اَحَقُّ وَ اَوْلٰى بِمُوْسٰى مِنْكُمْ فَصَامَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ اَمَرَ بِصِيَامِهٖ۔
(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

علیہ السلام نے اس دن روزہ رکھا اور ہم بھی اس دن روزہ رکھتے ہیں اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہم تم سے حضرت موسیٰ کے زیادہ حقدار اور ان کے زیادہ قریب ہیں[۲]۔ چنانچہ آپ نے اس دن روزہ رکھا، اور صحابہ کو روزہ رکھنے کا حکم دیا[۳]۔

(بخاری، مسلم)

[۱] حدیث میں واقع لفظ غَرَّقَ را مشدد کی زبر سے۔ اور را مخفف کی زیر سے بھی ایک روایت ہے اس دوسری روایت کے مطابق لفظ فرعون مرفوع ہوگا۔ (فاعل واقع ہونے کی وجہ سے)

[۲] اس عبارت میں اس جانب اشارہ ہے کہ ہم جو اس دن روزہ رکھتے ہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام سے موافقت کے لیے رکھتے ہیں تمھارے ساتھ موافقت کے لیے نہیں رکھتے۔

[۳] یہاں ایک اشکال پیش کیا جاتا ہے کہ دینی باتوں میں یہود کی خبر غیر معتبر ہے۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی خبر پر کیوں عمل کیا اس کا جواب یہ ہے کہ ہو سکتا ہے کہ تواتر کی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی خبر کا صدق ظاہر ہوگیا ہو یا دوسرے مسلمانوں کی خبر کی بنا پر جو یہود میں سے اسلام لا چکے تھے یا ان کے خبر دینے کے بعد بذریعہ وحی ان کی خبر کی صداقت نمایاں ہوئی تھی۔

وَ عَنْ اُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَصُوْمُ يَوْمَ السَّبْتِ وَ يَوْمَ الْاَحَدِ اَكْثَرَ مَا يَصُوْمُ مِنَ الْاَيَّامِ وَ يَقُوْلُ اِنَّهُمَا يَوْمَا عِيْدٍ لِلْمُشْرِكِيْنَ فَاَنَا اُحِبُّ اَنْ اُخَالِفَهُمْ۔

(رَوَاهُ اَحْمَدُ)

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہفتہ اور اتوار کا اکثر روزہ رکھتے تھے۔ اور فرمایا کرتے تھے[۱] کہ یہ دونوں دن مشرکین[۲] کے لیے عید کے دن ہیں تو میں ان کی مخالفت کرنا پسند کرتا ہوں

(احمد)

سلہ یعنی ان دو دنوں کا روزہ رکھنے کی وجہ بیان کرتے ہوئے۔
سلہ مشرکین سے کفار یہود و نصاریٰ مراد ہیں۔ کہا گیا ہے کہ ان میں بھی بت پرستی راہ پا چکی تھی۔ اور یہ پرستش ایک متعین چیز بن چکی تھی۔ اور جب کہ یہ دن ان کے عید کے دن تھے۔ تو وہ اس کا روزہ نہ رکھتے تھے لہٰذا ان دو دنوں میں روزہ رکھنا ان کی مخالفت کے لیے ہوتا تھا۔ اس کلام کا تتمہ حضرت عبداللہ بن بسر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں گذر چکا ہے۔

وَعَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ رض قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَأْمُرُ بِصِيَامِ يَوْمِ عَاشُوْرَآءَ وَ يَحُثُّنَا عَلَيْهِ وَ يَتَعَاهَدُنَا عِنْدَنَا۔
(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت جابر[1] بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عاشورا کے دن کے روزے کا حکم دیا کرتے تھے اور ہمیں اس پر ابھارا کرتے تھے۔ اور عاشورا کا روزہ رکھنے کی ہمیں تاکید کیا کرتے تھے[2] جب رمضان کے روزے فرض ہوئے تو پھر نہ آپ نے ہمیں اس دن کا روزہ رکھنے کا حکم دیا اور نہ اس سے منع کیا اور نہ اس دن روزہ رکھنے کی تاکید فرمائی[3]
(مسلم شریف)

سلہ حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے ہمشیر زادہ ہیں۔
سلہ اور وعظ و نصیحت کی صورت میں ہمارے حالات کی نگرانی کرتے تھے۔ اور اس دن کے آنے پر ہمیں اس کے روزہ رکھنے کی تلقین دتاکید کرتے تھے۔
سلہ اس دن کے موجود ہونے پر۔

وَعَنْ حَفْصَةَ رض قَالَتْ اَرْبَعٌ لَّمْ تَكُنْ يَدَعُهُنَّ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صِيَامُ عَاشُوْرَآءَ وَ الْعَشْرِ وَ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ مِّنْ كُلِّ شَهْرٍ وَّ رَكْعَتَانِ قَبْلَ الْفَجْرِ۔
(رَوَاهُ النَّسَآئِيُّ)

حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔ فرماتی ہیں چار باتیں ایسی تھیں جنھیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ترک نہیں کیا۔ عاشوراء کا روزہ، ذوالحجہ شریف کے دس دنوں کا روزہ[1] ہر ماہ کے تین دن کے روزے۔ اور نماز فجر سے پہلے دو رکعتیں[2]۔
(نسائی شریف)

سلہ یعنی ذوالحجہ شریف کے نو دن کے روزے۔

سلہ یعنی فجر کی دو سنتیں کہ اتنی مقدار رکھتیں موکدہ ہیں۔ پھر ان دنوں کے روزوں کو ان کا قرینہ بنایا تاکہ ان روزوں کی تاکید کی قوت و طاقت کا پتہ چل جائے۔

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يُفْطِرُ اَيَّامَ الْبِيْضِ فِيْ حَضَرٍ وَّلَا سَفَرٍ۔ (رَوَاهُ النَّسَائِيُّ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایام بیض (۱۳ویں، ۱۴ویں اور ۱۵ویں تاریخ) کے روزے سفر و حضر میں کبھی ترک نہ کرتے تھے سلہ (نسائی شریف)

سلہ یہ حدیث بھی اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ ان دنوں کے روزوں کی بڑی تاکید ہے اور ان کا کامل اہتمام کرنا چاہیے۔

وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِكُلِّ شَيْءٍ زَكٰوةٌ وَّ زَكٰوةُ الْجَسَدِ الصَّوْمُ۔ (رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر چیز کی زکوٰۃ سلہ ہے اور جسم کی زکوٰۃ روزہ ہے سلہ۔ (ابن ماجہ)

سلہ یعنی اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں سے ہر نعمت کی زکوٰۃ ہے کہ نعمت موجب شکر ہے اور شرع شریف میں زکوٰۃ کا مشہور اطلاق مال کی زکوٰۃ پر ہوتا ہے۔

سلہ یعنی بدن، وجود اور صحت و عافیت کی زکوٰۃ روزہ ہے۔ گویا کہ بندہ بھوک، پیاس اور ترک شہوت کے ذریعے بدن سے کچھ نہ کچھ اللہ رب العزت کی درگاہ میں بھیجتا ہے۔ اور اس ذات کے حوالے کرتا ہے جس طرح مال میں سے کچھ مال راہ خدا میں دیتا ہے۔

وَعَنْهُ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَصُوْمُ الْاِثْنَيْنِ وَالْخَمِيْسِ فَقِيْلَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّكَ تَصُوْمُ يَوْمَ الْاِثْنَيْنِ وَالْخَمِيْسِ فَقَالَ اِنَّ يَوْمَ الْاِثْنَيْنِ وَالْخَمِيْسِ يَغْفِرُ اللّٰهُ فِيْهِمَا لِكُلِّ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ بیشک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پیر اور جمعرات کے دن کا روزہ رکھا کرتے تھے۔ آپ کی خدمت میں عرض کیا گیا یا رسول اللہ! آپ پیر اور جمعرات کا روزہ رکھتے ہیں۔ آپ نے فرمایا بے شک پیر اور جمعرات کا روزہ رکھنے سے اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو بخش

مُسْلِمٍ اِلَّا ذَا هَاجِرَيْنِ يَقُوْلُ دَعْهُمَا حَتّٰى يَصْطَلِحَا۔ (رَوَاهُ اَحْمَدُ وَ ابْنُ مَاجَةَ)

دیتا ہے[۲]۔ مگر دو قطع رحم کرنے والوں کو نہیں بخشتا[۳]۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ان دونوں کو چھوڑ دے یہانتک کہ یہ اپنی اصلاح کر لیں۔ (احمد۔ ابن ماجہ)

[۱] یعنی میں ان دنوں کا روزہ ان دنوں کی عظمت شان، شکر نعمت، اور مغفرت و رحمت الٰہی سبحانہٗ کے حصول کے لیے رکھتا ہوں۔

[۲] یہاں حدیث میں الا ذا ہاجرین میں کلمہ ذا زائد ہے اس کا کوئی معنیٰ نہیں۔

[۳] یعنی خدا تعالیٰ ہر اس انسان اور فرشتے کو کہتا ہے جو ان دو آدمیوں کی مغفرت کا اس سے سوال کرتا ہے ان کو رہنے دے اور ان کی مغفرت کا اس وقت تک سوال نہ کر جب تک کہ یہ آپس میں اتفاق اور صلح نہ کر لیں۔ بعض احادیث میں یہاں دعهما کی جگہ لفظ اترکوا آیا ہے۔ یعنی ان کو چھوڑ دو (ان کے بارے میں بات نہ کرو) اور بعض احادیث میں یہاں لفظ انظروا آیا ہے۔ جو انظار سے مشتق ہے۔ یعنی مہلت دینا مطلب یہ ہوا کہ ان کو مہلت دو ان کی مغفرت کی درخواست پیش نہ کرو۔ یعنی بصیغہ جمع آیا ہے۔

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صَامَ يَوْمًا ابْتِغَاءَ وَجْهِ اللّٰهِ بَعَّدَهُ اللّٰهُ مِنْ جَهَنَّمَ كَبُعْدِ غُرَابٍ طَائِرٍ وَهُوَ فَرْخٌ حَتّٰى مَاتَ هَرِمًا۔ (رَوَاهُ اَحْمَدُ وَرَوَى الْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ عَنْ سَلَمَةَ بْنِ قَيْسٍ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے اللہ کی رضا چاہنے کے لیے ایک دن روزہ رکھا اللہ تعالیٰ اسے دوزخ سے اتنا دور کر دیتا ہے جتنا اڑنے والے کوے کا دور فاصلہ ہوتا ہے اور وہ اتنی دیر اڑتا رہتا ہے کہ بچہ ہونے کے وقت اڑا تھا اور موت تک اڑتا رہا[۱]۔ اسے احمد نے روایت کیا اور بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت سلمہ بن قیس[۲] رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔

[۱] یعنی اپنے اخیر بڑھاپے تک لگاتار اڑتا رہا یاد رہے کوے کی عمر بہت لمبی ہوتی ہے جب وہ اپنی پوری عمر اڑتا رہا تو اس سے اندازہ کرنا چاہیے کہ وہ کتنی لمبی مسافت طے کر جائے گا اس مسافت کی مقدار اللہ تعالیٰ اس بندے کو جہنم سے دور کر دے گا۔

[۲] آپ صحابی ہیں اور اہل کوفہ میں شمار ہوتے ہیں۔

بَابٌ

گذشتہ ابواب میں مذکور روزہ نفل روزے کے ٹوٹنے اور اس کی قضا سے متعلق ملحق امور اور متممات کا باب

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

پہلی فصل

عَنْ عَائِشَۃَ رض قَالَتْ دَخَلَ عَلَیَّ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ذَاتَ یَوْمٍ فَقَالَ ھَلْ عِنْدَکُمْ شَیْءٌ فَقُلْنَا لَا قَالَ فَاِنِّیْ اِذًا صَائِمٌ ثُمَّ اَتَانَا یَوْمًا اٰخَرَ فَقُلْنَا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اُھْدِیَ لَنَا حَیْسٌ فَقَالَ اَرِیْنِیْہِ فَلَقَدْ اَصْبَحْتُ صَائِمًا فَاَکَلَ ۔ (رَوَاہُ مُسْلِمٌ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں ایک دن حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس تشریف لائے اور فرمایا تمہارے پاس (کھانے کی) کوئی چیز ہے۔ ہم نے عرض کیا نہیں فرمایا تو پھر میں روزہ دار ہوں[1]۔ ایک دن اس کے بعد پھر ہمارے پاس تشریف لائے[2] تو ہم نے کہا یا رسول اللہ ہمارے پاس ہدیے کے طور پر آیا ہوا حیس[3] (ایک قسم کا حلوہ) موجود ہے فرمایا اسے مجھے دکھا[4]۔ البتہ بے شک میں نے آج صبح سے روزے کی نیت کی ہوئی تھی[5]۔ پھر آپ نے اسے کھایا[6]

(مسلم شریف)

[1] کہ کچھ نہیں ہے تو میں نے روزے کی نیت کر لی ہے اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ نفلی روزہ کی دن چڑھے نیت کر لینا درست ہے۔ ہم احناف کا مذہب یہی ہے اور اس کے قائل ہیں امام شافعی، امام احمد اور اکثر علماء (اس کے برعکس) امام مالک اور بعض دوسرے ائمہ اس امر کے قائل ہیں کہ نفلی روزے کی نیت رات سے کرنا واجب ہے جس طرح فرض روزے میں ضروری ہے جس طرح باب رویۃ الہلال کے بعد ایک باب میں گذرا۔

[2] یعنی آپ نے ایک دن پھر دریافت فرمایا کہ تمہارے پاس کوئی چیز (کھانے کی) ہے بعض روایات میں آیا ہے کہ اسی دن پھر گھر میں تشریف لائے تو یہ بات دریافت کی۔

[3] حیس حا کی زبر یا ساکن آخر میں سین مہملہ۔ یہ ایک قسم کا کھانا ہے جو کھجور، خشک پنیر اور گھی سے تیار

کیا جاتا ہے۔ اور کبھی خشک پنیر کے بجائے آٹا یا ستو اس میں ملاتے ہیں۔ حَیس کا لغت میں معنیٰ ہے چند چیزوں کو آپس میں خلط ملط کرنا۔

ﷺ تاکہ میں دیکھوں کہ وہ کیسا ہے؟ اس لیے اسے میرے پاس لا۔ ایک روایت میں آتا ہے کہ لا اسے میرے نزدیک کر۔

۵ یعنی میں آج صبح روزے کی نیت کر کے اٹھا ہوں۔

۶ اس سے معلوم ہوتا ہے۔ نفلی روزہ بلا عذر توڑ دینا جائز وروا ہے اکثر علماء اسی پر ہیں۔ مگر امام ابو حنیفہ اور ان کے اکثر اصحاب اس کے قائل ہیں کہ اسے مکمل کرنا لازم وواجب ہے۔ اور اسے عذر ضیافت وغیرہ کے بغیر توڑنا جائز نہیں۔ کیونکہ یہ نیک عمل کو باطل کرنا ہے۔ اور نیک عمل کو شروع کر کے باطل کرنا اللہ تعالیٰ کے قول مبارک وَلَا تُبْطِلُوْا اَعْمَالَكُمْ (اپنے اعمال کو باطل نہ کرو) کے مطابق منع ہے اسی طرح ہر نیک عمل کو شروع کر کے توڑنا منع ہے۔ کیونکہ شروع کر کے اس کی تکمیل لازم ہو جاتی ہے۔ اب اگر اسے توڑے گا تو اس کی قضا لازم ہوگی۔ اور ایک روایت میں مطلقاً ہر عمل کو توڑ دینا جائز ہے۔ کیونکہ قضا اس کا خلیفہ موجود ہے۔ اس لیے اس کے توڑ دینے میں کوئی حرج اور نقصان نہیں پھر نفلی روزہ کی قضا میں بھی اختلاف ہے۔ امام مالک کے نزدیک اس صورت میں قضا لازم ہے جبکہ بلا عذر توڑے ورنہ نہیں یہ بحث امام زہری کی عروہ سے روایت کردہ حدیث میں تفصیل سے آرہی ہے۔

وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ دَخَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى اُمِّ سُلَيْمٍ فَاَتَتْهُ بِتَمْرٍ وَّ سَمْنٍ فَقَالَ اَعِيْدُوْا سَمْنَكُمْ فِيْ سِقَائِهٖ وَ تَمْرَكُمْ فِيْ وِعَائِهٖ فَاِنِّيْ صَائِمٌ ثُمَّ قَامَ اِلٰى نَاحِيَةٍ مِّنَ الْبَيْتِ فَصَلّٰى غَيْرَ الْمَكْتُوْبَةِ فَدَعَا لِاُمِّ سُلَيْمٍ وَّ اَهْلِ بَيْتِهَا۔

(رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ام سلیم (حضرت انس کی ماں) کے پاس تشریف لائے تو ام سلیم نے کھجوریں اور گھی خدمت اقدس میں پیش کیا آپ نے فرمایا اپنے گھی کو اس کے برتن میں واپس لوٹا دو[1] اور اپنی کھجوروں کو اس کے برتن میں ڈال دو کیونکہ میں روزے سے ہوں[2]۔ پھر آپ گھر کے ایک کونے میں کھڑے ہوئے اور فرض نماز کے علاوہ کوئی نماز پڑھی۔ اور ام سُلیم اور اس کے گھر والوں کے لیے دعا کی[3]۔

(بخاری شریف)

۱ یعنی جس برتن سے اسے نکالا ہے۔ گھی اور شہد کو عرب مشک میں ڈال کر رکھتے تھے۔

۲ اس موقعہ پر آپ نے تناول نہ فرمایا کیونکہ کوئی عذر موجود نہ تھا۔ گزشتہ واقعہ میں ظاہراً عذر موجود

تھا۔ ہوسکتا ہے کہ یہ واقعہ بعد زوال کا ہو یا افطار جائز ہے۔ اور افطار نہ کرنا اس کے جواز کے منافی نہیں ہے۔

سے گویا یہ دعا اہلِ خانہ کے دل کی تسلی اور تشفی کے لیے تھی۔ تاکہ وہ حضور کے کچھ تناول نہ فرمانے کو محسوس نہ کریں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت مبارکہ بھی تھی کہ جب کسی کے گھر تشریف لاتے تو نماز ادا کرتے اور اہلِ خانہ کے لیے دعا کرتے۔

وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا دُعِیَ اَحَدُکُمْ اِلٰی طَعَامٍ وَّهُوَ صَائِمٌ فَلْیَقُلْ اِنِّیْ صَائِمٌ وَّفِیْ رِوَایَةٍ قَالَ اِذَا دُعِیَ اَحَدُکُمْ فَلْیُجِبْ فَاِنْ کَانَ صَائِمًا فَلْیُصَلِّ وَاِنْ کَانَ مُفْطِرًا فَلْیَطْعَمْ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کسی کو کھانے کی طرف بلایا جائے اور وہ روزہ دار ہو تو چاہیے کہ کہے میں روزہ دار ہوں[1]۔ اور ایک روایت میں یوں فرمایا جب تم میں سے کسی کو دعوتِ طعام کی طرف بلایا جائے تو اس کی دعوت قبول کرے اور اگر روزہ دار ہو تو نماز پڑھنے میں مصروف ہو جائے[2] اور اگر روزہ نہ رکھا ہوا ہو تو کھا پی لے۔ (مسلم)

لے یعنی روزہ نہ توڑے اور زبان سے یہ بات کہنے میں کچھ کلام و تشریح ہے۔ جو کتاب الصوم کی فصل اول میں گزر چکی ہے۔

سے یا دعا کرنے میں مصروف ہو جائے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

دوسری فصل

عَنْ اُمِّ هَانِیءٍ قَالَتْ لَمَّا کَانَ یَوْمُ الْفَتْحِ فَتْحِ مَکَّةَ جَاءَتْ فَاطِمَةُ فَجَلَسَتْ عَلٰی یَسَارِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَاُمُّ هَانِیءٍ عَنْ یَّمِیْنِهٖ فَجَاءَتِ الْوَلِیْدَةُ بِاِنَاءٍ فِیْهِ شَرَابٌ فَنَاوَلَتْهُ فَشَرِبَ مِنْهُ ثُمَّ نَاوَلَهٗ اُمَّ هَانِیءٍ فَشَرِبَتْ

حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں فتح مکہ کے دن حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا تشریف لائیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بائیں جانب بیٹھ گئیں اور حضرت ام ہانی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دائیں جانب۔ تو ایک بچی ایک برتن لے کر آئی۔ جس میں پینے کی کوئی چیز (پانی یا اور کوئی چیز) لے کر آئی اور وہ برتن رسول اللہ

مِنْهُ فَقَالَتْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ لَقَدْ أَفْطَرْتُ وَكُنْتُ صَائِمَةً فَقَالَ لَهَا أَكُنْتِ تَقْضِيْنَ شَيْئًا قَالَتْ لَا قَالَ فَلَا يَضُرُّكِ إِنْ كَانَ تَطَوُّعًا۔ (رَوَاهُ أَبُوْ دَاوُدَ وَ التِّرْمِذِيُّ وَ الدَّارِمِيُّ)

وَ فِيْ رِوَايَةٍ لِأَحْمَدَ وَ التِّرْمِذِيِّ نَحْوُهُ وَ فِيْهِ فَقَالَتْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ أَمَا إِنِّيْ كُنْتُ صَائِمَةً فَقَالَ الصَّائِمُ الْمُتَطَوِّعُ أَمِيْرُ نَفْسِهٖ إِنْ شَاءَ صَامَ وَ إِنْ شَاءَ أَفْطَرَ۔

صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا۔ آپ نے اس میں سے پیا پھر آپ نے وہ برتن حضرت ام ہانی کو پکڑایا اُم ہانی نے بھی اس سے پیا۔ پھر عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں روزہ دار تھی۔ مگر میں نے روزہ افطار کر دیا ہے[1]۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تو کوئی چیز قضا کر رہی تھی[2]۔ ام ہانی نے عرض کیا نہیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر نفلی روزہ تھا تو کوئی نقصان کی بات نہیں۔ اسے ابوداؤد، ترمذی اور دارمی نے روایت کیا۔ اور امام احمد اور ترمذی کی روایت میں اسطرح آیا ہے جس میں اس روایت کے الفاظ سے قدرے مختلف ہے اس میں اس طرح ہے کہ ام ہانی نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ آگاہ رہیں کہ بیشک میں روزے سے تھی آپ نے فرمایا نفلی روزہ دار بندہ اپنے نفس پر حاکم و امیر ہوتا ہے[3] چاہے روزہ رکھے چاہے نہ رکھے۔

[1] ایک روایت میں ہے کہ میں نے روزہ توڑ کر گناہ کیا ہے۔ اس لیے میرے گناہ کی بخشش طلب کریں
[2] یعنی کیا تو رمضان یا نذر کا روزہ قضا کر رہی تھی؟
[3] یعنی وہ اپنے نفس کا حاکم ہوتا ہے۔ کہ روزہ توڑنے یا رکھنے کا اختیار اس کے ہاتھ میں ہوتا ہے پھر یہاں ایک اور روایت میں امین نفسہ او امیر نفسہ بھی آیا ہے۔ یعنی بندہ اپنے نفس کا امین یا امیر ہوتا ہے۔ یہ راوی کا شک ہے۔

امام توربشتی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس کی تاویل و توجیہہ یہ ہے کہ نفلی روزہ دار کو اختیار و اجازت حاصل ہے کہ ان امور میں جن کا اسے امین اور امیر بنایا گیا ہے کسی مصلحت پر نظر کرتے ہوئے روزہ افطار کر دے جیسا اس نے کچھ لوگوں کی دعوت طعام کی ہو یا وہ کسی کے پاس پہنچے اور یہ محسوس کرے کہ روزہ نہ افطار کرنے میں اہل خانہ وحشت و اجنبیت محسوس کریں گے تو اسے اجازت ہے کہ ان کی موافقت کرے۔ اور اس امر میں ان سے تعاون کرے جو آپس میں انس و الفت کا موجب ہے۔ اور ایسا کرنے میں شرعاً حرج اور مشقت بھی نہ ہو۔ پس اس تاویل کے مطابق اس قول میں ایسی کوئی دلیل نہیں پائی جاتی کہ اپنے اوپر روزہ لازم کرنے کے بعد اس پر قضا لازم نہیں ہوتی خصوصاً صاحب کہ

حدیث میں قضا کا حکم آچکا ہے۔ جیسا کہ حضرت عائشہ کی حدیث میں آرہا ہے اسے سمجھو۔

یہاں یہ بات باقی ہے کہ سیر و تاریخ کی متفقہ روایات میں آیا ہے کہ مکہ معظمہ رمضان میں فتح ہوا اس صورت میں حضرت اُم ہانی رضی اللہ عنہا کے روزہ کا نفلی روزہ ہونا مشکل ہے اور حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا کی حدیث میں قیل و قال بھی کی گئی ہے۔ امام ترمذی نے کہا کہ اس کے اسناد میں قیل و قال ہے امام منذری نے کہا کہ ام ہانی کی حدیث ثابت نہیں ہے۔ اور اس کے اسناد میں بہت اختلاف ہے امام نسائی نے اس اختلاف کی طرف اشارہ کیا ہے۔ منذری کا کلام ختم ہوا۔ اور حضرت ام ہانی کی حدیث میں فتح مکہ کا ذکر بھی آیا ہے جیسا کہ جامع ترمذی میں لائے۔

اور اگر یہ کہا جائے کہ یوم فتح مکہ سے فتح کا پہلا دن مراد نہیں بلکہ اس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا پوری طرح مکہ معظمہ فتح ہونے تک قیام مراد ہے تو یہ مراد بھی ٹھیک اور درست ہے اور بعید از فہم نہیں۔ نیز روایات میں آپ کا مکہ میں ٹھہرنا اور پھر وہاں سے واپس تشریف لے جانے تک ذکر آیا ہے۔ یہ اس امر کا متقاضی ہے کہ فتح بعد از رمضان ہوئی ہو۔ واللہ اعلم۔

وَعَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كُنْتُ أَنَا وَحَفْصَةُ صَائِمَتَيْنِ فَعُرِضَ لَنَا طَعَامٌ اشْتَهَيْنَاهُ فَأَكَلْنَا مِنْهُ فَقَالَتْ حَفْصَةُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّا كُنَّا صَائِمَتَيْنِ فَعُرِضَ لَنَا طَعَامٌ اشْتَهَيْنَاهُ فَأَكَلْنَا مِنْهُ قَالَ اقْضِيَا يَوْمًا آخَرَ مَكَانَهُ. (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

زہری عروہ سے وہ حضرت عائشہ سے روایت کرتے ہیں انھوں نے فرمایا کہ میں نے اور حضرت حفصہ نے روزہ رکھا ہوا تھا کہ ہمارے سامنے ایسا کھانا لایا گیا جو ہمیں پسند تھا تو ہم نے اس میں سے کھا لیا پھر حضرت حفصہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ہم دونوں روزہ سے تھیں کہ ہمارے سامنے ہماری پسند کا کھانا لایا گیا ہم نے اس میں سے کھا لیا آپ نے یہ سن کر فرمایا کہ یہ روزہ کسی دوسرے دن قضا کر لینا [۱] اسے ترمذی نے روایت کیا۔

وَذَكَرَ جَمَاعَةٌ مِّنَ الْحُفَّاظِ رَوَوْا عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ عَائِشَةَ مُرْسَلًا وَلَمْ يَذْكُرُوْا فِيْهِ عَنْ عُرْوَةَ وَهٰذَا أَصَحُّ وَرَوَاهُ أَبُوْ دَاوُدَ عَنْ زُمَيْلٍ مَوْلٰى عُرْوَةَ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ.

اور ایک جماعت حفاظ حدیث کا ذکر کیا جنھوں نے زہری سے انھوں نے عروہ سے انھوں نے حضرت عائشہ سے مرسلا روایت کیا اور انھوں نے عروہ کا ذکر نہیں کیا۔ اور یہ صحیح تر ہے [۲] اور ابو داؤد نے اسے زمیل [۳] مولی عروہ سے اور عروہ نے حضرت عائشہ سے روایت کیا [۴]۔

لہ یہ حدیث حنفیہ رحمہم اللہ تعالیٰ کی نفلی روزہ کے قضا کرنے کی دلیل ہے اور اس امر کی دلیل ہے کہ نفلی روزہ کو توڑنے سے قضا واجب ولازم آتی ہے ۔ کیونکہ ظاہر یہ ہے کہ امر کا صیغہ وجوب کے لیے آتا ہے ۔ شافعیہ کہتے ہیں کہ قضا کا حکم استحباب کے طور پر ہے ۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ روزہ نذر یا قضا کا تھا۔ شافعیہ کا مذہب یہ ہے کہ ان کے نزدیک نفلی روزے کی قضا واجب نہیں ۔ امام احمد سے بھی ایک روایت ایسی ہی ہے ۔ اور امام احمد سے ایک روایت کے مطابق اس طرح ہے کہ اگر کسی نے رات کو روزہ نفل کی نیت کی تھی ۔ پھر دن کو بلا عذر کھا پی لیا ۔ تو قضا واجب ہے ایسا ہی امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ہے ۔ اور حنفیہ کے نزدیک مطلقاً قضا واجب ہے ۔ کہ نفل عبادت شروع کر لینے کے بعد واجب ہو جاتی ہے اس کی مزید تحقیق اصول فقہ میں ہے ۔

ے اور انھوں نے اس میں عروہ کا ذکر نہیں کیا جیسا کہ گذشتہ روایت میں زہری اور حضرت عائشہ کے درمیان ان کا واسطہ آیا ہے اور امام ترمذی نے کہا کہ عروہ کا ذکر جو نہیں کیا ۔ تو یہ زیادہ صحیح ہے ۔ اور یہاں ارسال حدیث سے راوی کا اسناد سے سقوط مراد ہے ۔ سقوط بمعنی انقطاع نہیں ہے اور یہ بھی ایک اصطلاح ہے مشہور یہ ہے کہ مرسل وہ حدیث ہے ۔ جس میں تابعی کا ذکر ہو صحابی کا ذکر نہ ہو ۔ بعض نے تابعی کبیر کی قید لگائی ہے ۔ یعنی تابعی کبیر کا ذکر ہو صحابی کا ذکر نہ ہو اور یہ بھی ایک اصطلاح ہے ۔

ے زمیل ۔ زا کی پیش ، میم کی زبر ، یا ساکن ۔ یہ صاحب حضرت عروہ کے آزاد کردہ غلام ہیں ۔

ے اس حدیث میں بھی قیل و قال کی گئی ہے ۔

وَعَنْ اُمِّ عُمَارَةَ بِنْتِ كَعْبٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَخَلَ عَلَيْهَا فَدَعَتْ لَهٗ بِطَعَامٍ فَقَالَ لَهَا كُلِيْ فَقَالَتْ اِنِّيْ صَائِمَةٌ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ الصَّائِمَ اِذَا اُكِلَ عِنْدَهٗ صَلَّتْ عَلَيْهِ الْمَلٰئِكَةُ حَتّٰى يَفْرُغُوْا ۔ (رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَالدَّارِمِيُّ)

حضرت ام عمارہ[1] بنت کعب رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس تشریف لائے تو ام عمارہ نے آپ کے لیے کھانا منگوایا آپ نے اسے فرمایا کھا تو انھوں نے عرض کیا بیشک میں روزہ سے ہوں اس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بیشک روزہ دار بندے کے پاس جب کھانا کھایا جاتا ہے تو فرشتے اس کے لیے دعائے رحمت کرتے رہتے ہیں یہاں تک کہ کھانے والے کھانے سے فارغ ہوں[2]

احمد ، ترمذی ، ابن ماجہ دارمی ۔

سلہ عمارہ۔ عین کی پیش میم کی زبر غیر مشدد سے۔ یعنی حضرت ام عمارہ بنت کعب بن عمرو بن عوف رضی اللہ عنہا آپ انصاری صحابیہ ہیں آپ کا نام نسیبہ ہے (نون کی زبر، سین کی زیر) آپ بیعت العقبہ میں موجود تھیں۔ غزوہ بدر میں بھی اپنے شوہر حضرت عاصم بن زید رضی اللہ عنہ کے ساتھ حاضر ہوئیں آپ کو اس جنگ میں گیارہ زخم آئے۔ پھر آپ بیعت الرضوان کے موقع پر بھی حاضر و موجود تھیں۔ اور اس کے بعد پیش آنے والے تمام غزوات میں شریک ہوتی رہیں۔ آپ کو گیارہ یا بارہ زخم آئے تھے۔ اور آپ کا ایک ہاتھ کٹ گیا تھا۔ رضی اللہ عنہا۔

سلہ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں روزہ پر قائم رہنے دیا اور آپ کو فرشتوں کی دعا کی بشارت دی۔ یہاں حدیث میں امر اباحت و جواز کے لیے ہے اسے سمجھ لے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

عَنْ بُرَيْدَةَ قَالَ دَخَلَ بِلَالٌ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَغَدّٰى فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْغَدَاءَ يَا بِلَالُ قَالَ اِنِّيْ صَائِمٌ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَاْكُلُ رِزْقَنَا وَ فَضْلُ رِزْقِ بِلَالٍ فِي الْجَنَّةِ اَشَعَرْتَ يَا بِلَالُ اَنَّ الصَّائِمَ يُسَبِّحُ عِظَامُهٗ وَيَسْتَغْفِرُ لَهُ الْمَلَائِكَةُ مَا اُكِلَ عِنْدَهٗ۔ (رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِي شُعَبِ الْاِيْمَانِ)

حضرت بریدہ[1] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں کہ حضرت بلال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت عالی میں حاضر ہوئے جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چاشت کا کھانا تناول فرما رہے تھے آپ نے حضرت بلال سے فرمایا اے بلال! چاشت کے اس کھانے میں شرکت کرو۔ حضرت بلال نے عرض کیا یا رسول اللہ میں روزے سے ہوں۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہم نے اپنا رزق کھایا اور بلال کا زائد رزق جنت میں ہے۔ اے بلال تو نے سمجھا کہ بے شک روزہ دار کی ہڈیاں تسبیح کرتی ہیں۔ اور جب تک اس کے پاس کھانا کھایا جاتا ہے فرشتے اس کے لیے دعائے مغفرت کرتے رہتے ہیں۔ (اسے بیہقی نے شعب الایمان میں روایت کیا)

سلہ بریدہ با کی پیش سے۔ آپ مشہور صحابی ہیں۔ قبیلہ اسلم کی شاخ سہم سے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمات انجام دینے میں آپ کی مساعی جمیلہ قابل صد ستائش ہیں۔ اسی طرح خلفائے راشدین کے زمانے میں بھی آپ نے اسلام کی بڑی خدمت کی۔ جنگ جمل اور صفین میں حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے ساتھ رہے آپ کی قبر مبارک مقام مرو میں زیارت گاہ ہے۔ اور دنیا اس سے برکت و فیض حاصل کرتی ہے۔

ے یہاں حدیث میں لفظ الغداء آیا ہے۔ غین کی زبر، دال بے نقطہ سے بمعنی چاشت کا کھانا۔

بَابُ لَيْلَةِ الْقَدْرِ

لیلۃ القدر کا بیان

واضح ہو کہ لیلۃ القدر (قدر والی رات) کو اس وجہ سے لیلۃ القدر کہتے ہیں کہ اس میں (مخلوقات) کے رزق کا اندازہ کیا جاتا ہے (کہ کس کو کتنا دیا جائے اور کس کو کتنا) نیز اس رات کے اندر بندوں کے اوقات موت اور اس سال کے اندر جس قدر احکامات بھی وقوع پذیر ہوں گے ان سب کا اندازہ اور یقین کیا جاتا ہے اس معنیٰ کے مطابق لفظ قدر دال کی جزم سے پڑھا جائے گا۔ اگرچہ مشہور روایت دال کی زبر سے ہے۔ بعض نے کہا شرف و عظمت والی رات ہونے کی وجہ سے اسے لیلۃ القدر کہا گیا ہے۔ یا اس وجہ سے کہ اس رات کی عبادات و طاعات کی قدر و منزلت دوسری راتوں سے بڑھ کر ہے۔

پھر اس رات کی تعیین میں مختلف اقوال ہیں۔ اکثر احادیث اس میں ہیں کہ یہ رات رمضان میں ہے۔ خصوصاً رمضان کے آخری عشرہ کی طاق راتوں میں۔ خصوصاً ستائیسویں رات۔ ایک قول میں یہ رات سارے سال میں گھومتی ہے۔ اور ایک ماہ سے دوسرے ماہ میں منتقل ہوتی رہتی ہے۔ شیخ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے اس قول کو حنفیہ کا مشہور قول قرار دیا۔ اور کہا کہ قاضی خان اور ابو بکر رازی نے یہ قول علمائے حنفیہ سے نقل کیا ہے اور یہ بھی کہا کہ یہ قول حضرت ابن عباس، حضرت ابن مسعود اور عکرمہ وغیرہ سے مروی ہے۔ ابن حجر عسقلانی کا کلام ختم ہوا۔

شیخ ابن الہمام رحمہ اللہ تعالیٰ نے (اللہ تعالیٰ ان کی روح کو آسودگی عطا کرے) کہا ہے کہ حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ سے روایت ہے کہ شب قدر رمضان میں ہے۔ مگر یہ معلوم نہیں ہو سکتا کہ وہ کون سی رات ہے۔ کبھی وہ رمضان کے پہلے دنوں میں ہوتی ہے کبھی آخری دنوں میں۔ آپ کے صاحبین (حضرت امام ابو یوسف اور حضرت امام محمد شیبانی) سے بھی ایسا ہی منقول ہے۔ تاہم ان دونوں حضرات کے نزدیک وہ ایک معین رات ہے آگے پیچھے نہیں ہوتی۔ فتاویٰ قاضی خان میں کہا کہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے مشہور روایت یہ ہے کہ وہ سارے سال کے دنوں میں ادل بدل ہوتی رہتی ہے۔ چنانچہ وہ رمضان میں بھی آتی ہے اور غیر رمضان میں بھی۔ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے ان دلیلوں کا جواب جن سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ وہ رمضان کے آخری عشرہ میں ہی ہوتی ہے۔ یہ دیا ہے کہ رمضان

سے مراد وہ رمضان ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں آیا۔ اور آپ نے اسے تلاش وطلب کیا۔ حدیث کا سیاق اس شخص کے نزدیک جو حدیث کے طُرق والفاظ میں غور و تامل کرتا ہے۔ اسی پر دلالت کرتا ہے۔ قاضی خان کا کلام ختم ہوا۔

کاتب حروف بندہ مسکین عبدالحق بن سیف الدین عفی اللہ عنہ کہتا ہے۔ کہ اقوال کی تطبیق اور ان کے جمع کرنے میں یہ قول زیادہ احسن ہے۔ پھر علماء فرماتے ہیں کہ اس رات کے پوشیدہ رکھنے میں حکمت یہ ہے کہ لوگ عبادت و نیکی میں کوشش ومحنت کریں۔ صرف اس رات کی عبادت پر بھروسہ نہ کرلیں۔ علماء فرماتے ہیں جو شخص مسلسل ایک سال بیدار شبی اختیار کرے وہ انشاء اللہ یہ رات پالے گا۔ یہی معنیٰ مراد ہے اس شخص کا جس نے کہا ہے جو شخص اللہ کی قدر نہیں جانتا وہ قدر والی رات کو بھی نہیں پہچان سکتا۔

علماء کرام یہ بھی فرماتے ہیں کہ اس رات کی کچھ علامتیں اور نشانیاں ہیں۔ ان علامات کو انھوں نے احادیث و آثار سے پایا ہے۔ ان میں سے بعض آثار و علامات ارباب کشف اور اصحاب بصیرت ونظر سے حاصل کی ہیں۔

امام غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے شب قدر ہر اس شخص کو نصیب ہوتی ہے۔ جس پر عالم ملکوت (عالم بالا) کی اشیاء منکشف ہوتی ہیں۔ امام طبری رحمہ اللہ نے ایک قوم سے نقل کیا کہ شب قدر میں درخت سجدہ کرتے ہوئے زمین پر گر جاتے ہیں۔ اور اپنے تنوں پر سیدھے کھڑے ہوجاتے ہیں۔ اور ہر چیز اس رات میں سجدہ کرتی ہے۔ بیہقی نے فضائل اوقات میں از طریق اوزاعی از عبیدہ حضرت ابن ابی لبابہ سے روایت کی ہے۔ کہ زمین کے تمام شور پانی اس رات میں میٹھے ہوجاتے ہیں۔

ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے جو علم حدیث کے اکابر علماء میں سے ہیں۔ از طریق زہرہ بن معبد ایسی ہی روایت نقل کی ہے۔ پھر اس رات میں بڑے انوار پھیلتے ہیں۔ حتیٰ کہ تاریک جگہوں میں بھی روشنی پھیل جاتی ہے۔ اور ملائکہ کی طرف سے سلام اور جواب سنائی دیتا ہے۔ مگر درست بات یہ ہے کہ اس رات میں ان مذکورہ چیزوں کا مشاہدہ کوئی ضروری اور شرط نہیں ہے۔ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ یہ شب دکھائی دیتی ہے مگر ان امور کا مشاہدہ نہیں ہوتا۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ رات دو آدمیوں کو دکھائی دے۔ اور ایک پر یہ چیزیں منکشف ہوں دوسرے پر نہ ہوں۔ اور احسن بات یہ ہے کہ اس رات میں عبادات ومناجات اور خشوع وخضوع ذوق وحضور اور اخلاص کی توفیق نصیب ہو کہ یہ چیزیں بلاشبہ کرامات میں سے ہیں۔ اور خوارق عادات کا مشاہدہ محل خطرہ اور شبہ میں مبتلا ہونے کا مقام ہے۔ پھر اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اس رات میں بیداری کی ترغیب وتحریض میں بہت سی احادیث آئی ہیں۔ پسندیدہ اور معتبر بات یہ ہے کہ اس رات کا اکثر حصہ عبادت میں جاگ کر گذارے۔ اور اگر ساری رات جاگ کر گزارے اور بیمار ہونے سست وملول ہونے اور ادائے فرض وسنن میں کوتاہی واقع نہ ہو تو یہ افضل واکمل ہے۔ بصورت دیگر جتنی مقدار ہو سکے بیدار رہے کہ اس طرح بھی

مقصود کے حاصل ہونے کی امید ہے۔ قرآن حکیم میں ہے لَيْسَ لِلْإِنْسَانِ إِلَّا مَا سَعٰى یعنی انسان کو اس کی سعی اور کوشش کے مطابق پھل ملتا ہے۔ اور فرمایا کان سعیہ مشکورا۔ اس کی کوشش مقبول و منظور ہوگی۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو شب بیداری کی توفیق عطا فرمائے۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

پہلی فصل

عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَحَرَّوْا لَيْلَةَ الْقَدْرِ فِي الْوِتْرِ مِنَ الْعَشْرِ الْاَوَاخِرِ مِنْ رَمَضَانَ۔

(رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا رمضان کے آخری عشرہ کی طاق راتوں میں شب قدر کو تلاش کرو[1]

(بخاری شریف)

[1] یعنی اکیسویں، تئیسویں، پچیسویں، ستائیسویں اور انتیسویں میں سے کوئی ایک رات ہوتی ہے ان پانچ سے باہر نہیں ہوتی۔ مگر مبہم ہے۔

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ اِنَّ رِجَالًا مِّنْ اَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اُرُوْا لَيْلَةَ الْقَدْرِ فِي الْمَنَامِ فِي السَّبْعِ الْاَوَاخِرِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَرٰى رُؤْيَاكُمْ قَدْ تَوَاطَأَتْ فِي السَّبْعِ الْاَوَاخِرِ فَمَنْ كَانَ مُتَحَرِّيَهَا فَلْيَتَحَرَّهَا فِي السَّبْعِ الْاَوَاخِرِ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام میں سے کچھ حضرات کو آخری سات راتوں میں خواب[1] کے اندر شب قدر دکھائی گئی۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں تمہاری خواب کو آخری سات راتوں کے بارے میں ٹھیک[2] اور مناسب جانتا اور دیکھتا ہوں۔ تو جو شخص تم میں سے اسے کوشش کے ساتھ تلاش کرنا چاہے اسے چاہیے کہ آخری سات راتوں میں تلاش کرے[3]

(مسلم، بخاری)

[1] یہاں یہ احتمال موجود ہے کہ آخری سات راتوں سے مراد وہ سات راتیں ہوں جو بیسویں شب کے متصل بعد شروع ہوتی ہیں۔ یا وہ سات راتیں مراد ہیں جو مہینے کی آخری سات راتیں ہیں۔ یہ دوسرا احتمال زیادہ ظاہر و واضح ہے۔ واللہ اعلم۔

ے یہاں حدیث میں لفظ تواطأت آیا ہے ۔ بعض نسخوں میں تواطت آیا ہے ۔
ے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صالح اور نیک انسان کی خواب قابلِ اعتبار اور حق و درست ہوتی ہے خصوصاً جبکہ بہت سی نیک اور صالح لوگوں نے دیکھی ہو بشرطیکہ وہ خواب شرعی احکام کے مخالف نہ ہو۔

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْتَمِسُوْهَا فِي الْعَشْرِ الْاَوَاخِرِ مِنْ رَمَضَانَ لَيْلَةَ الْقَدْرِ فِيْ تَاسِعَةٍ تَبْقٰى فِيْ سَابِعَةٍ تَبْقٰى فِيْ خَامِسَةٍ تَبْقٰى ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بیشک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسے رمضان کی آخری دس راتوں میں تلاش کرو۔ یعنی شب قدر کو ۔ نویں رات میں جو باقی ہوتی ہے[1] اور ساتویں میں جو باقی ہوتی ہے[2] اور پانچویں رات میں جو باقی ہوتی ہے[3]۔ (بخاری شریف)

ے اس سے انتیسویں شب مراد ہے ۔
ے یعنی ستائیسویں شب رمضان المبارک
ے یعنی پچیسویں شب رمضان المبارک۔ اور یہ حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ کی اس حدیث کے موافق ہے ۔ جو آگے آرہی ہے ۔ یا نویں ، ساتویں یا پانچویں سے یہی نویں ، ساتویں اور پانچویں راتیں مراد ہیں جیساکہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے ۔ یا ساتویں الی آخرہ سے وتر اور طاق راتیں مراد ہیں ۔ جو واقع ہوتی ہیں ۔ ورنہ رمضان کے جو دن بقایا ہوتے ہیں ۔ وہ تئیسواں ، پچیسواں ، ستائیسواں اور انتیسواں دن ہوتا ہے ۔ یا وہ طاق راتیں مراد ہیں ، جو سات دنوں کے اندر واقع ہوتی ہیں ۔ اور وہ تین راتیں ہیں ۔ اور طاق راتیں پانچ دنوں کے اندر دو آتی ہیں اسے سمجھ۔

وَعَنْ اَبِيْ سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اعْتَكَفَ الْعَشْرَ الْاَوَّلَ مِنْ رَمَضَانَ ثُمَّ اعْتَكَفَ الْعَشْرَ الْاَوْسَطَ فِيْ قُبَّةٍ تُرْكِيَّةٍ ثُمَّ اَطْلَعَ رَاْسَهٗ فَقَالَ اِنِّيْ اعْتَكِفُ الْعَشْرَ الْاَوَّلَ اَلْتَمِسُ هٰذِهِ اللَّيْلَةَ ثُمَّ اعْتَكِفُ الْعَشْرَ الْاَوَاخِرَ فَمَنْ

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان المبارک کے پہلے دس دنوں کا اعتکاف کیا ۔ پھر درمیانی دس دنوں کا ایک ترکی خیمہ میں[1] ۔ پھر آپ نے اس سے اپنا سر مبارک باہر نکالا[2] اور فرمایا میں نے پہلے دس دنوں کا اعتکاف کیا اس رات (شب قدر) کی تلاش کے لیے ۔ پھر میں نے درمیانی دس دن کا اعتکاف کیا[3] ۔ پھر میرے پاس کوئی آیا[4]

كَانَ اعْتَكَفَ مَعِيَ فَلْيَعْتَكِفِ الْعَشْرَ الْاَوَاخِرَ فَقَدْ اُرِيْتُ هٰذِهِ اللَّيْلَةَ ثُمَّ اُنْسِيْتُهَا وَ قَدْ رَاَيْتُنِيْ اَسْجُدُ فِيْ مَآءٍ وَّ طِيْنٍ مِّنْ صَبِيْحَتِهَا فَالْتَمِسُوْهَا فِي الْعَشْرِ الْاَوَاخِرِ وَ الْتَمِسُوْهَا فِيْ كُلِّ وِتْرٍ قَالَ فَمَطَرَتِ السَّمَآءُ تِلْكَ اللَّيْلَةَ وَ كَانَ الْمَسْجِدُ عَلٰى عَرِيْشٍ فَوَكَفَ الْمَسْجِدُ فَبَصُرَتْ عَيْنَايَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ عَلٰى جَبْهَتِهٖ اَثَرُ الْمَآءِ وَ الطِّيْنِ مِنْ صَبِيْحَةِ اِحْدٰى وَ عِشْرِيْنَ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ فِي الْمَعْنٰى وَ اللَّفْظُ لِمُسْلِمٍ اِلٰى قَوْلِهٖ فَقِيْلَ لِيْ اِنَّهَا فِي الْعَشْرِ الْاَوَاخِرِ وَ الْبَاقِيْ لِلْبُخَارِيِّ وَ فِيْ رِوَايَةِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ اُنَيْسٍ قَالَ لَيْلَةَ ثَلٰثٍ وَّ عِشْرِيْنَ ۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

اور مجھ سے کہا گیا کہ وہ رات آخری دس دنوں کے اندر ہے۔ توجو شخص میرے ساتھ اعتکاف کرے اسے چاہیے کہ آخری دس راتوں کا اعتکاف کرے۔ کہ بے شک وہ رات مجھے دکھائی گئی[6]۔ پھر مجھے وہ بھلا دی گئی۔ اور بے شک میں نے اپنے آپ کو دیکھا کہ میں اس رات کی صبح کو کیچڑ کے اندر سجدہ کر رہا ہوں۔ تو اسے آخری دس راتوں میں تلاش کرو اور اسے ہر طاق رات میں تلاش کرو[7]۔ اور اس رات بارش ہوئی تھی اور مسجد درختوں کی شاخوں[8] کی بنی ہوئی تھی تو مسجد ٹپکی۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دونوں چشم مبارک دیکھیں۔ اس وقت آپ کے ماتھے مبارک پر پانی اور مٹی کا اثر موجود تھا۔ یہ اکیسویں رات کی صبح کا واقعہ[9] ہے۔ بخاری و مسلم دونوں معنی حدیث میں متفق ہیں۔ اور الفاظ مسلم کے ہیں۔ یعنی مسلم کے الفاظ فقیل لی انہا فی العشر الاواخر تک ہیں باقی الفاظ بخاری کے ہیں[10]۔ اور ایک روایت میں حضرت عبداللہ بن انیس[11] رضی اللہ عنہ سے مروی ہے انھوں نے تئیسویں رات کا ذکر کیا۔

(مسلم شریف)

۱ یہ نمدے کا بنا ہوا ایک چھوٹا خیمہ ہوتا ہے۔ فارسی زبان میں اسے خرگاہ کہتے ہیں۔

۲ یہاں حدیث میں لفظ "اُطْلِعَ" آیا ہے یعنی ہمزہ کی زبر طا ساکن مخفف کے ساتھ۔

۳ شب قدر کی تلاش کے لیے۔

۴ یعنی میرے پاس فرشتوں میں سے آنے والا آیا۔

۵ اس رات کی تلاش کرنے والوں کے ساتھ امر کی تخصیص کی وجہ یہ ہے۔ کہ جب انھوں نے اسے طلب و تلاش کیں اور نہ پائیں تو پھر اعتکاف کریں۔ اور اسے تلاش کریں تاکہ اسے پالیں۔ اور جو لوگ اس رات کے طالب نہیں ہیں۔ وہ

اس سے فارغ البال ہیں کہ اعتکاف بیٹھیں یا نہ بیٹھیں۔

ے یعنی معین رات دکھائی گئی رمضان کے آخری عشرہ میں۔

ے کہ وہ ان طاق راتوں سے باہر نہیں ہے۔

ے یہاں حدیث میں لفظ عریش آیا ہے (عین کی زبر را کی زیر آخر میں شین) یعنی ایسا مکان جو درختوں کی شاخوں اور پتوں سے بنایا جاتا ہے جیسا کہ انگوروں کی بیلوں کے لیے بنایا جاتا ہے۔ پھر عریش اسے بھی کہتے ہیں جس کے سایہ میں لوگ بیٹھتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ اقدس میں مسجد نبوی شریف کھجور کے درختوں کی شاخوں اور پتوں سے بنی ہوئی تھی۔

ے یہ روایت اس امر کو ثابت کرتی ہے کہ وہ شب قدر رمضان کی اکیسویں تاریخ تھی۔

ے اور یہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کے الفاظ ہیں۔

ے انیس ہمزہ کی پیش، نون کی زبر اور یا ساکن سے۔ آپ بزرگ انصاری صحابی ہیں۔

وَعَنْ زِرِّ بْنِ حُبَيْشٍ قَالَ سَأَلْتُ أُبَيَّ بْنَ كَعْبٍ فَقُلْتُ إِنَّ أَخَاكَ ابْنَ مَسْعُوْدٍ يَقُوْلُ مَنْ يَقُمِ الْحَوْلَ يُصِبْ لَيْلَةَ الْقَدْرِ فَقَالَ رَحِمَهُ اللّٰهُ أَرَادَ أَنْ لَا يَتَّكِلَ النَّاسُ أَمَا إِنَّهُ قَدْ عَلِمَ أَنَّهَا فِيْ رَمَضَانَ وَ أَنَّهَا فِي الْعَشْرِ الْأَوَاخِرِ وَ أَنَّهَا لَيْلَةُ سَبْعٍ وَّ عِشْرِيْنَ ثُمَّ حَلَفَ لَا يَسْتَثْنِيْ أَنَّهَا لَيْلَةُ سَبْعٍ وَّ عِشْرِيْنَ فَقُلْتُ بِأَيِّ شَيْءٍ تَقُوْلُ ذٰلِكَ يَا أَبَا الْمُنْذِرِ قَالَ بِالْعَلَامَةِ أَوْ بِالْآيَةِ الَّتِيْ أَخْبَرَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهَا تَطْلُعُ يَوْمَئِذٍ لَا شُعَاعَ لَهَا۔

حضرت ابو زر[1] بن جبیش رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نے حضرت ابی بن کعب سے سوال کیا اور کہا کہ بے شک تیرا بھائی عبداللہ بن مسعود کہتا ہے جو شخص سارا سال شب بیداری کرتا ہے، وہ شب قدر پالیتا ہے اس پر حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے کہا اللہ اس پر رحم کرے۔ اس نے یہ چاہا کہ لوگ بھروسہ اور اعتماد نہ کر بیٹھیں[2]۔ ورنہ ان کو پتہ ہے کہ وہ رات رمضان میں ہوتی ہے۔ وہ یہ بھی جانتے ہیں کہ وہ آخری دس راتوں میں ہوتی ہے۔ اور انھیں یہ بھی پتہ ہے کہ وہ ستائیسویں رات ہے پھر حضرت ابی بن کعب نے قسم کھائی جس میں آپ نے انشاء اللہ نہ کہا بلکہ پورے یقین کے ساتھ قسم کھائی۔ کہ وہ ستائیسویں رات ہی ہے حضرت زر بن جبیش کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابی بن کعب سے کہا اے ابو المنذر[3] آپ کس دلیل سے یہ بات کہتے ہیں آپ نے فرمایا اس رات کی وہ نشانی[4]

جس کی خبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دی ہے
یہ ہے کہ اس دن سورج اس حالت میں طلوع کرتا کہ
اس کے لیے روشنی اور شعاع نہیں ہوتی ۔ (مسلم شریف)

(رَوَاہُ مُسْلِمٌ)

سلہ زِر ، زا کی زیر ، را کی شد ۔ جبیش (حا کی پیش با کی زبر یا ساکن) حضرت زِرّ بن جبیش رضی اللہ عنہ ثقہ تابعی ہیں آپ نے زمانہ جاہلیت بھی پایا ۔ اور ساٹھ سال دور جاہلیت میں گذارے ۔ پھر ساٹھ سال اسلام کا روشن زمانہ بھی نصیب ہوا آپ کی عمر ایک سو بیس سال ہوئی ۔ بعض نے کہا ایک سو تیس سال ۔ بعض نے کہا ایک سو پچاس سال آپ کی عمر ہوئی ۔ آپ اکابر علمائے قرأت میں سے ہوئے ہیں ۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں میں سے ہیں ۔ حضرت ابی بن کعب اور حضرت عبداللہ بن مسعود عربی زبان سے متعلق چیزیں ان سے دریافت کیا کرتے تھے ۔ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ ان سے کہا کرتے تھے اے زر تو نہیں چاہتا کہ قرآن میں سے ایک آیت بھی چھوڑے مگر یہ کہ تو مجھے اس بارے میں ضرور پوچھتا ہے ۔

سلہ یعنی ایسا کہنے سے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی غرض یہ ہے کہ لوگ اعتماد نہ کر بیٹھیں ۔ کہ جب شب قدر کو پالیں تو اس کے ثواب عظیم کے حصول پر ہی بھروسہ کریں اور باقی سارا سال آرام و آسائش میں گذاریں ، اور نیک عمل کے لیے کوئی جدوجہد نہ کریں ۔

سلہ یہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی کُنیت ہے ۔

سلہ راوی کو شک ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے لفظ علامۃ کہا یا الآیہ

شہ یعنی اس رات کی علامت یہ ہے کہ اس رات کی صبح کو سورج اس حالت میں طلوع کرتا ہے کہ اس کی روشنی (تیز) نہیں ہوتی ۔ احمد رحمۃ اللہ کی روایت میں ہے کہ اس رات کی صبح کو سورج طشت کی طرح نمودار ہوتا ہے ۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے یہ بات نشانی سے معلوم کی نہ کہ نص سے ۔ اور اگر یہ نشانی کسی اور رات میں پائی جائے تو بھی ممکن ہے ۔

منقول ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام کو بلایا اور سب سے شب قدر کے بارے میں پوچھا ۔ سب صحابہ نے بالاتفاق کہا کہ وہ آخری دس راتوں میں ہوتی ہے ۔ پھر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا میں جانتا ہوں یا میرا گمان ہے کہ وہ ماہ رمضان کی ساتویں گذرنے والی رات ہے ۔ یا دس میں سے ساتویں رات جو باقی ہوتی ہے ۔ یعنی ستائیسویں رات ۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا تمھیں اس رات کا کیسے علم ہوا ۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے جواب دیا اللہ تعالیٰ نے سات آسمان اور سات زمینیں پیدا کیں ۔ ہفتہ کے سات دن پیدا کیے ۔ اور زمانہ ان سات دنوں کے اندر گردش کرتا ہے ۔ آدمی سات اعضاء سے پیدا ہوا ہے سات اندام سے

کھاتا ہے۔ سات اعضاء پر سجدہ کرتا ہے۔ طواف کے بھی سات چکر ہیں۔ جمعہ کا دن بھی ساتویں دن آتا ہے۔ اسی طرح اور چیزیں بھی بیان فرمائیں۔ جن کا عدد سات ہے۔ اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا بیشک تیرے علم میں وہ چیزیں ہیں جو ہمارے علم میں بھی نہیں۔

بعض فضلائے کرام نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سورہ " انا انزلناہ " میں تین بار لیلۃ القدر کا ذکر کیا ہے اور یہ نو حرف ہیں۔ تین بار نو جمع کرنے سے ستائیس حرف بنتے ہیں۔ مگر یہ اور اس طرح کے دوسرے دلائل ظنی نشانیاں ہیں، قطعی اور یقینی نشانیاں نہیں ہیں۔ ان ظنی نشانیوں سے کسی کو یقین حاصل نہیں ہو سکتا۔ اور اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس رات کا معین علم تھا تو صحابہ کو اس کے بتانے کی آپ کو اجازت نہ تھی اور صحابہ کرام میں سے بھی کسی کو اس رات کا علم تھا تو انھیں بھی اس کے اظہار کی اجازت نہ تھی۔ اس بنا پر کہ اس کے پوشیدہ رکھنے میں کچھ حکمتیں مضمر ہیں۔ واللہ اعلم۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت کی گئی ہے کہ آپ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اس رات کا پوچھا اور عرض کیا کہ آپ کو قسم ہے کہ آپ مجھے ضرور شب قدر بتائیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس پر غصے میں آگئے اور فرمایا اگر مجھے اللہ تعالیٰ کی طرف سے بتانے کی اجازت ہوتی تو میں ضرور تمھیں بتاتا۔

اگر یہ کہا جائے کہ پھر حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے ان شاء اللہ کیوں نہ کہا اور یقین سے کیوں کہا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ غلبۂ ظن حاصل ہو جانے کی بنا پر حضرت ابی بن کعب کا بطور مبالغہ کلام ہے۔ اور غلبۂ ظن کی حالت میں قسم کھانا جائز ہے۔ اور اس پر کوئی گرفت نہیں۔ اسی طرح جس نے بھی ایسا کہا ہے غلبہ ظن اور اجتہاد کی بنا پر کہا ہے۔ اور اجتہاد کرنے والا غلطی بھی کر سکتا ہے۔ اور اس کا اجتہاد درست اور ثواب بھی ہوتا ہے واللہ اعلم۔

وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَجْتَهِدُ فِي الْعَشْرِ الْأَوَاخِرِ مَا لَا يَجْتَهِدُ فِي غَيْرِهِ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان کی آخری دس راتوں میں عمل خیر میں اتنی کوشش کرتے کہ دوسرے دنوں میں اتنی کوشش نہ کرتے تھے۔ (مسلم شریف)

وَعَنْهَا قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا دَخَلَ الْعَشْرُ شَدَّ مِئْزَرَهُ وَ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ہی روایت ہے فرماتی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب آخری دس دن ہوتے تھے تو ازار مبارک باندھ لیتے تھے۔ اور

اَحْیٰی لَیْلَہٗ وَ اَیْقَظَ اَھْلَہٗ ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)

راتیں جاگ کر گذارتے تھے[۲] اور اپنے اہل کو بھی جگاتے تھے[۳] (بخاری، مسلم)

[۱] یہ عام اوقات میں اپنی عادت شریفہ سے بڑھ کر عبادات میں کوشش و سعی کی جانب اشارہ ہے یا یہ عورتوں سے کنارہ کشی کی جانب اشارہ ہے۔

[۲] آپ رات کو زندہ رکھتے تھے یعنی شب بیداری کرتے تھے۔ یا اپنی ذات مبارک کو بیداری شب کے لیے بیدار رکھتے تھے۔ یاد رہے کہ رات کو زندہ کرنے یا رکھنے کے دو معنی ہیں۔ ایک تو رات کو زندہ رکھنا کہ وقت کی زندگی اور تازگی اس میں عبادت کرنے سے ہوتی ہے۔ دوسرے رات کے وقت اپنے آپ کو زندہ کرنا کہ انسان کی زندگی شب بیداری میں ہے۔ خصوصاً عبادت میں رات گذارنے سے۔ کہ نیند موت کی طرح ہے اور بے کار رہنا اپنے آپ کو مردہ بنانے کے مترادف ہے

[۳] تاکہ وہ بھی عبادت کریں اور شب قدر کی دریافت کی سعادت سے محروم نہ رہیں۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

دوسری فصل

عَنْ عَائِشَۃَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ قُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اَرَاَیْتَ اِنْ عَلِمْتُ اَیُّ لَیْلَۃٍ لَیْلَۃُ الْقَدْرِ مَا اَقُوْلُ فِیْھَا قَالَ قُوْلِیْ اللّٰھُمَّ اِنَّکَ عَفُوٌّ تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنِّیْ۔ (رَوَاہُ اَحْمَدُ وَ اِبْنُ مَاجَۃَ وَ التِّرْمِذِیُّ وَ صَحَّحَہٗ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ہی روایت ہے فرماتی ہیں کہ میں نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے بتائیں اگر میں شب قدر کو جان لوں تو اس میں کیا ذکر و دعا کروں۔ آپ نے فرمایا یہ دعا کرو۔ اَللّٰھُمَّ اِنَّکَ عَفُوٌّ تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنِّیْ[۱]

(اسے احمد، ابن ماجہ، اور ترمذی نے روایت کیا اور اسے صحیح حدیث قرار دیا)

[۱] اے اللہ بے شک تو معاف کرنے والا ہے۔ معافی کو پسند کرتا ہے۔ مجھے بھی معاف کر دے۔

وَ عَنْ اَبِیْ بَکْرَۃَ رضی اللہ عنہ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ اِلْتَمِسُوْھَا یَعْنِیْ لَیْلَۃَ الْقَدْرِ فِیْ تِسْعٍ یَبْقَیْنَ اَوْ فِیْ سَبْعٍ یَبْقَیْنَ

حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا ہے کہ اس رات کو تلاش کرو نو راتوں میں جو باقی ہوتی ہیں[۱]۔ یا سات راتوں میں جو باقی ہوتی ہیں یا پانچ راتوں میں جو باقی ہوتی ہیں۔ یا تین

اَوْ فِیْ خَمْسٍ یَبْقَیْنَ اَوْ ثَلٰثٍ اَوْ اٰخِرِ لَیْلَۃٍ	راتوں میں یا رمضان کی آخری رات میں ۲
(رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ)	(ترمذی شریف)

۱ اور وہ چار طاق راتیں ہیں۔ اور سات میں تین راتیں طاق آتی ہیں۔ اور پانچ میں دو طاق راتیں ہیں جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہم نے ذکر کیا ہے۔

۲ "تین راتیں جو باقی ہوتی ہیں" یعنی ستائیسویں رات، یا انتیسویں رات جو رمضان کی آخری طاق رات ہے کہ اس پر طاق راتوں کی انتہا ہو جاتی ہے۔ اور بندہ اجر و ثواب کا مستحق ہو جاتا ہے بعض نے کہا کہ فی تسع یبقین سے بائیسویں رات مراد ہے۔ اور فی سبع سے چوبیسویں رات مراد ہے۔ اور فی خمس سے چھبیسویں رات مراد ہے اور آخری رات سے رمضان کی انتیسویں رات مراد لی جائے گی۔ اور بعض مہینہ کے نکلنے کے اعتبار سے ان راتوں کو شمار کرتے ہیں۔ اس میں غور کر۔

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ سُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَنْ لَیْلَۃِ الْقَدْرِ فَقَالَ ھِیَ فِیْ کُلِّ رَمَضَانَ۔	حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شب قدر کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا یہ رات سارے ۱ رمضان میں ہے۔
(رَوَاہُ اَبُوْدَاوٗدَ)	(اسے ابوداؤد نے روایت کیا)
وَقَالَ رَوَاہُ سُفْیَانُ وَشُعْبَۃُ عَنْ اَبِیْ اِسْحٰقَ مَوْقُوْفًا عَلَی ابْنِ عُمَرَ۔	اور کہا کہ اسے سفیان اور شعبہ نے ابو اسحاق ۲ سے روایت کیا۔ جو کہ ابن عمر پر موقوف ہے۔

۱ اس میں دو احتمال ہیں ایک یہ کہ یہ ہر رمضان میں ہوتی ہے۔ کسی ایک رمضان کے ساتھ خاص نہیں ہے دوسرا یہ کہ یہ رات سارے رمضان میں گھومتی ہے۔ آخری دس دنوں کے ساتھ خاص نہیں ہے۔ جیسا کہ علامہ طیبی رحمہ اللہ نے کہا۔

۲ یہ ابو اسحاق رحمہ اللہ اکابر تابعین میں سے ہیں۔

۳ یعنی یہ حدیث حضرت ابن عمر پر موقوف ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک مرفوع نہیں ہے۔

وَعَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ اُنَیْسٍ قَالَ قُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اِنَّ لِیْ	حضرت عبد اللہ بن انیس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ

بَادِيَةً اَكُوْنُ فِيْهَا وَ اَنَا اُصَلِّيْ فِيْهَا بِحَمْدِ اللّٰهِ فَمُرْنِيْ بِلَيْلَةٍ اَنْزِلُهَا اِلٰى هٰذَا الْمَسْجِدِ فَقَالَ اَنْزِلْ لَيْلَةَ ثَلٰثٍ وَّ عِشْرِيْنَ قِيْلَ لِابْنِهٖ كَيْفَ كَانَ اَبُوْكَ يَصْنَعُ قَالَ كَانَ يَدْخُلُ الْمَسْجِدَ اِذَا صَلَّى الْعَصْرَ فَلَا يَخْرُجُ مِنْهُ لِحَاجَةٍ حَتّٰى يُصَلِّيَ الصُّبْحَ فَاِذَا صَلَّى الصُّبْحَ وَجَدَ دَابَّتَهٗ عَلٰى بَابِ الْمَسْجِدِ فَجَلَسَ عَلَيْهَا وَ لَحِقَ بِبَادِيَتِهٖ۔

(رَوَاهُ اَبُوْ دَاوُدَ)

علیہ وسلم سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ میرا ایک گاؤں ہے جس میں رہتا ہوں۔ اور میں بحمد اللہ تعالیٰ اس میں نماز پڑھتا ہوں۔ تو آپ مجھے فرمائیں کہ میں کون سی رات اس مسجد (نبوی) میں اتر آکروں[1]۔ آپ نے فرمایا تئیسویں رات کو اس مسجد میں آیا کر۔ پھر ان کے بیٹے سے دریافت کیا گیا کہ تیرا باپ مسجد (نبوی) میں کیا کیا کرتا تھا؟ اس نے کہا (میرا باپ) نماز عصر پڑھنے کے بعد مسجد میں داخل ہوا کرتا تھا پھر وہ کسی کام کے لیے مسجد سے باہر نہ نکلتا تھا[2] یہاں تک کہ صبح کی نماز پڑھ لیتا تھا۔ جب صبح کی نماز پڑھ لیتا تو مسجد کے دروازے پر اپنی سواری موجود پاتا تھا۔ اس پر بیٹھتا اور گاؤں کو چلا جاتا۔ (ابوداؤد شریف)

[1] اس سے اس شخص نے مسجد نبوی شریف کی طرف اشارہ کیا۔ گویا اس کا ارادہ تھا کہ شب قدر میں مسجد نبوی شریف میں آکر عبادت کرے اور ثواب حاصل کرے۔

[2] یعنی ایسے کام کے لیے جو اعتکاف کے منافی ہو اور بعض اصول میں الا لحاجۃ آیا ہے۔ یعنی وہ مسجد سے باہر نہ نکلتا تھا۔ مگر ضروری حاجت کے لیے جیسے حاجت بشری (قضائے حاجت وغیرہ) کیوں کہ اعتکاف والا اس حاجت کے لیے نکلنے پر مجبور ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِؓ قَالَ خَرَجَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِيُخْبِرَنَا بِلَيْلَةِ الْقَدْرِ فَتَلَاحٰى رَجُلَانِ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ فَقَالَ خَرَجْتُ لِاُخْبِرَكُمْ بِلَيْلَةِ الْقَدْرِ فَتَلَاحٰى فُلَانٌ وَّ فُلَانٌ

حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں شب قدر کی خبر دینے کے لیے باہر تشریف لائے[1] تو اچانک دو مسلمان آپس میں جھگڑ رہے تھے آپ نے ان کو (جھگڑتے دیکھ کر) فرمایا میں تمھیں شب قدر کی خبر دینے کے لیے نکلا تھا۔ تو فلاں فلاں نے

فَرُفِعَتْ وَ عَسٰی اَنْ یَّکُوْنَ خَیْرًا لَّکُمْ فَالْتَمِسُوْھَا فِی التَّاسِعَۃِ وَ السَّابِعَۃِ وَ الْخَامِسَۃِ۔ (رَوَاہُ الْبُخَارِیُّ)

آپس میں جھگڑا کیا۔ جس کی وجہ سے وہ رات اٹھا لی گئی[۲] اور قریب ہے کہ اس کا اٹھانا تمہارے لیے بہتر ہو[۳]۔ تو اسے تلاش کرو نویں، ساتویں اور پانچویں رات میں[۴]۔ (بخاری شریف)

[۱] یعنی گھر سے اس وقت باہر تشریف لائے جب کہ وہ رات آپ کو دکھائی گئی۔

[۲] یعنی اس نزاع اور جھگڑے کی نحوست سے اس رات کا تعین اٹھا لیا گیا اور وہ بھلا دی گئی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپس میں نزاع اور جھگڑا بہت برا ہے۔ اور برکات وخیرات سے محرومی کا سبب ہے۔ غالبًا یہ نزاع کسی ناحق معاملے میں تھا۔ یا حد سے تجاوز کر چکا تھا۔

[۳] یعنی بہت نزدیک ہے کہ اس کے تعین کا اٹھا لینا اور اسے مبہم رکھنا تمہارے لیے بہتر ہو۔ کہ عبادت وطاعات میں کوشش ومحنت اور کثرت کا سبب ہے۔

[۴] یعنی انتیسویں شب میں اور ستائیسویں وپچیسویں شب میں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو وہ رات تین راتوں کے اندر متردد طور پر دکھائی گئی۔ یا ان تین راتوں کے درمیان تردد وغلبہ ظن کی وجہ سے تھا واللہ تعالیٰ اعلم۔

وَ عَنْ اَنَسٍؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا کَانَ لَیْلَۃُ الْقَدْرِ نَزَلَ جِبْرِیْلُ عَلَیْہِ السَّلَامُ فِیْ کُبْکُبَۃٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِکَۃِ یُصَلُّوْنَ عَلٰی کُلِّ عَبْدٍ قَائِمٍ اَوْ قَاعِدٍ یَّذْکُرُ اللّٰہَ عَزَّ وَ جَلَّ فَاِذَا کَانَ یَوْمُ عِیْدِھِمْ یَعْنِیْ یَوْمَ فِطْرِھِمْ بَاھٰی بِھِمْ مَلٰٓئِکَتَہٗ فَقَالَ یَا مَلٰٓئِکَتِیْ مَا جَزَآءُ اَجِیْرٍ وَّفّٰی عَمَلَہٗ قَالُوْا رَبَّنَا جَزَآؤُہٗ اَنْ یُّوَفّٰی اَجْرُہٗ قَالَ مَلٰٓئِکَتِیْ عَبِیْدِیْ وَ اِمَآئِیْ قَضَوْا فَرِیْضَتِیْ

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب شب قدر ہوتی ہے تو حضرت جبرئیل فرشتوں کی ایک جماعت[۱] کے ساتھ نازل ہوتے ہیں اور ہر اس بندے کے لیے دعا واستغفار کرتے ہیں جو کھڑے یا بیٹھے اللہ تعالیٰ کا ذکر کر رہا ہوتا ہے پھر جب بندوں[۲] کا عید کا دن ہوتا ہے۔ یعنی عید الفطر کا دن تو اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ اپنے فرشتوں پر فخر کرتا ہے[۳]۔ اور فرماتا ہے اے میرے ملائکہ! اس مزدور کی کیا جزا ہے جو اپنا کام پورا کر چکا ہو اور فرماتا ہے اے میرے ملائکہ میرے بندوں اور میری لونڈیوں نے میرے فریضے کو جو ان پر تھا پورا پورا ادا کر دیا ہے[۴] پھر

عَلَيْهِمْ ثُمَّ خَرَجُوْا يَعُجُّوْنَ اِلَى الدُّعَاءِ وَعِزَّتِيْ وَجَلَالِيْ وَكَرَمِيْ وَعُلُوِّيْ وَارْتِفَاعِ مَكَانِيْ لَأُجِيْبَنَّهُمْ فَيَقُوْلُ ارْجِعُوْا فَقَدْ غَفَرْتُ لَكُمْ وَبَدَّلْتُ سَيِّاٰتِكُمْ حَسَنَاتٍ قَالَ فَيَرْجِعُوْنَ مَغْفُوْرًا لَهُمْ ۔

(رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ)

میرے بندے نکلے ہیں (نماز عید کے لیے) میرے آگے دعا کے ساتھ آواز بلند کرتے ہوئے مجھے اپنی بزرگی، اپنے جلال، اپنے کرم اور اپنی عظمت اور اپنے بلند درجہ کی قسم میں نے ان کی دعا قبول کر لی اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے واپس لوٹ چلو بے شک میں نے تم کو بخش دیا اور میں نے تمھاری برائیاں نیکیوں سے بدل دی ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو بندے عید گاہ سے بخشے ہوئے واپس لوٹتے ہیں۔ (اسے بیہقی نے شعب الایمان میں روایت کیا)

✣ ✣

سلہ حدیث میں لفظ کبکبہ آیا ہے ۔ کاف کی پیش اور زبر سے بمعنی جماعت ۔

سلہ اور اپنے بندوں کے ساتھ اپنے ملائکہ کے سامنے ناز کرتا ہے ۔ جنہوں نے انسانوں کی نافرمانی کا طعنہ دیا تھا۔

سلہ یعنی رمضان شریف کے روزے رکھے ہیں ۔

سلہ حدیث میں لفظ یعجون آیا ہے ۔ عین کی زیر اور زبر کے ساتھ ۔

ھ یعنی میں تمھاری بدیوں کو معاف کرتا ہوں ان کے نشانات و آثار مٹاتا ہوں ۔ اور تمھاری نیکیوں کو قبول کرتا اور ثابت و مضبوط کرتا ہوں ۔ اور طاعات و عبادات کے انوار و برکات کو ظاہر و نمایاں کرتا ہوں ۔ یا تمھارے نفس میں ملکہ معصیت کو ملکہ طاعت سے تبدیل کرتا ہوں بلکہ میں ہر معصیت کو طاعت کے ساتھ بدلتا ہوں اور عذاب کی جگہ ثواب درج کرتا ہوں جیسا کہ ایک حدیث میں آیا ہے کہ قیامت کے دن (فرشتے) ایک بندے کو بارگاہ الٰہی میں پیش کریں گے اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ اس کے سامنے اس کے گناہ صغیرہ کو ظاہر کرو۔ اور اس کے کبیرہ گناہوں کو پوشیدہ رکھو۔ اور اس سے کہا جائے گا کہ تو نے یہ یہ گناہ کیے تو وہ بندہ اپنے صغیرہ گناہوں کا اقرار کرے گا۔ اور کبیرہ گناہوں کا اقرار نہ کرے گا۔ مگر ڈر رہا ہوگا کہ مبادا کبیرہ گناہ بھی ظاہر نہ کر دیں۔ تو حکم ہوگا کہ اسے اس کی برائی (صغیرہ) کے بدلے نیکی عطا کردو۔ اس وقت بندہ کہے گا میرے بڑے بڑے گناہ (کبیرہ) بھی تھے۔ جن کو میں یہاں نہیں دیکھ رہا الی آخر الحدیث



بَابُ الِاعْتِكَافِ

اعتکاف کا بیان

لغت میں اعتکاف کا معنیٰ ہے باز رکھنا، روک کر رکھنا اور ٹھہرنا اور ایک جگہ یا ایک چیز کے ساتھ چمٹ جانا اور کسی جانب رُخ کرنا۔ شرع میں اعتکاف کا معنیٰ ہے مسجد میں ٹھہرنا اور مخصوص طریقہ اور نیت سے اس میں پڑے رہنا۔

پھر اعتکاف، حنفیہ رحمہم اللہ تعالیٰ کے ظاہر مذہب کے مطابق سنت مؤکدہ ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وصال مبارک تک اس پر مداومت اور ہمیشگی فرمائی۔ جیسا کہ بخاری و مسلم میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں ہے کہ زہری نے کہا مجھے ان لوگوں پر تعجب ہے کہ وہ اعتکاف کس طرح ترک کرتے ہیں۔ حالانکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نوافل کبھی ادا کیے کبھی ادا نہ کیے۔ مگر اعتکاف کبھی ترک نہ کیا اور حنفیہ رحمہم اللہ تعالیٰ نے اسے واجب نہیں کہا باوجودیکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ایک سال اعتکاف نہ کیا تو دوسرے سال اسے قضا کیا۔ اور دس دن اعتکاف میں رہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت مبارک واجب کے بارے میں یہ تھی۔ کہ اس پر خود مواظبت اور ہمیشگی کے باوجود دوسروں کو بھی اس کے کرنے کا حکم دیتے تھے۔ اور نہ کرنے پر ڈانٹتے تھے مگر اعتکاف کے بارے میں آپ نے فرمایا تم میں سے جو شخص اعتکاف کرنا چاہے کر لے۔ جیسا کہ بخاری و مسلم میں آیا ہے اور دوسرے سال دس دن کا اعتکاف قضا کی نیت سے نہ تھا کہ یہ سالِ وصال تھا۔ بلکہ درگاہ والٰہی میں پہنچنے کے کمالِ شوق اور تیاری استعداد کے طور پر تھا۔

درست بات یہ ہے کہ اعتکاف تین قسم ہے:۔

اعتکاف واجب: ۔ یہ وہ اعتکاف ہے جو نذر کی نیت سے ہو اور اپنی ذات پر لازم کر لیا ہو۔

دوسرا سنت اعتکاف: ۔ وہ رمضان کے آخری عشرہ کا ہے

ان دو قسموں کے علاوہ باقی اعتکاف مستحب ہے۔ پھر حنفیہ رحمہم اللہ تعالیٰ نے عورتوں کے لیے مسجدوں میں اعتکاف جائز قرار دیا ہے مگر یہاں مسجد سے گھر کی وہ جگہ مراد ہے جو نماز کے لیے الگ کی ہوتی ہے۔ اس جگہ کا حکم اگرچہ مسجد کا حکم نہیں مگر عورتوں کے اعتکاف کے لیے مسجد کا حکم رکھتی ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول قدیم بھی یہی ہے اور ہمارے (احناف کے) بعض حضرات سے نقل کیا گیا ہے کہ عورت کے لیے مسجد میں اپنے مرد کے ساتھ اعتکاف کرنا جائز ہے امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ اسی کے قائل ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنی ازواج مطہرات کو اس کی اجازت دینا اس جواز کی دلیل ہے

عورتوں کو ممانعت مصلحت کی بنا پر ہے جو آگے آرہی ہے۔

پھر امام ابوحنیفہ اور امام محمد رحمہا اللہ تعالیٰ نے اعتکاف کے لیے اس مسجد کو خاص کیا ہے جس میں پانچوں نمازیں باجماعت ادا ہوتی ہوں۔ تاکہ اعتکاف سے ترک جماعت کا جو اس سے بھی زیادہ سنت مؤکدہ ہے۔ لازم نہ آئے اور اس ترک جماعت سے بچ جانے کی صورت میں پانچ وقت جائے اعتکاف سے باہر نکلنے کی نوبت نہ آئے۔ ابن الہمام رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ مسجد سے غیر مسجد جامع مراد ہے کہ اس میں اعتکاف جائز ہے اگرچہ اس میں پانچ وقت کی جماعت قائم نہ ہوتی ہو۔

اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ سے ایک روایت یہ آئی ہے کہ جس مسجد میں نماز باجماعت نہ ہوتی ہو اس میں اعتکاف جائز نہیں ہاں نفل اعتکاف غیر جماعت والی مسجد میں بھی جائز ہے۔ امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ نے اعتکاف کے لیے مسجد جامع کو شرط قرار دیا ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ سے بھی ایک قول یہی مروی ہے۔ اور کتاب حاوی میں کہ امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے مذہب کی کتاب ہے۔ جامع مسجد اعتکاف کے لیے بہتر اور اولیٰ ہے۔ مگر جمہور شافعیہ کے نزدیک ہر مسجد میں اعتکاف جائز ہے۔

اس کے بعد یہ بھی واضح ہو کہ اعتکاف کی اکثر مدت کی کوئی حد معیّن نہیں ہے۔ اگر کوئی پوری زندگی اعتکاف کی نیّت کرلے تو روا اور جائز ہے۔ ہاں کم سے کم مدت میں اختلاف ہے۔ کہ وہ کتنی ہے بعض کے نزدیک کم مدت ایک ساعت بھی ہو سکتی ہے۔ اسی وجہ سے علماء نے فرمایا ہے کہ بندہ جب مسجد میں داخل ہو تو اعتکاف کی نیّت کرلے تاکہ اس کا ثواب بھی حاصل ہو جائے اس قائل کے نزدیک مسجد میں ذرا بیٹھنا بھی شرط نہیں ہے۔ مگر صحیح یہ ہے کہ بہ نیّت اعتکاف مسجد میں سے صرف گذر جانا معتبر نہیں اور بعض کے نزدیک اعتکاف کی کم سے کم مدّت ایک دن ہے۔ احناف کے مذہب میں بھی پسندیدہ قول یہی ہے۔ بعض نے کہا کہ یہ اختلاف اعتکاف میں روزے کی شرط کے اختلاف کی فرع ہے۔ مگر تحقیق یہ ہے کہ اعتکاف کے لیے روزے کی شرط ہونے کے باوجود یہ احتمال ہے کہ اعتکاف ایک دن سے کم کا بھی ہو۔ لہٰذا روزہ دار اگر مسجد میں ایک ساعت یا دو ساعت ٹھہرے گا تو اعتکاف حاصل ہو جائے گا اور روزہ کو اعتکاف کی شرط قرار دینے کا ثمرہ و نتیجہ یہ ہے کہ جب اعتکاف کی نیّت رات کو کرے گا تو جائز نہ ہوگا۔ کیونکہ رات روزہ رکھنے کا وقت نہیں ہے مزید گفتگو احادیث کی شروح کے ضمن میں آرہی ہے۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

پہلی فصل

عَنْ عَائِشَةَ رض اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَعْتَكِفُ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ بیشک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے وصال مبارک

الْعَشْرَ الْاَوَاخِرَ مِنْ رَمَضَانَ حَتّٰى تَوَفَّاهُ اللّٰهُ ثُمَّ اعْتَكَفَ اَزْوَاجُهٗ مِنْ بَعْدِهٖ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

رمضان شریف کے آخری عشرہ میں اعتکاف کرتے تھے[1]۔ پھر آپ کے بعد آپ کی ازواج مطہرات اعتکاف کرتی رہیں[2]۔

(بخاری۔مسلم)

[1] یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عشرہ اول پھر عشرہ اوسط کا اعتکاف کرنے کے بعد کا واقعہ ہے۔ جب کہ آپ نے پہلے دو اعتکافوں میں شب قدر نہ پائی اور آپ کو بتایا گیا کہ وہ آخری دس راتوں میں ہے۔ جیسا کہ گذشتہ حدیث میں گذرا۔

[2] یعنی آخری عشرہ میں۔ یہ حدیث اس امر کی دلیل ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ اعتکاف کرتے تھے نیز یہ حدیث اعتکاف کی سنت مؤکدہ ہونے کی دلیل ہے جیسا کہ مذکور ہوا۔

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍؓ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَجْوَدَ النَّاسِ بِالْخَيْرِ وَكَانَ اَجْوَدَ مَا يَكُوْنُ فِيْ رَمَضَانَ كَانَ جِبْرِيْلُ يَلْقَاهُ كُلَّ لَيْلَةٍ فِيْ رَمَضَانَ ــــــ يَعْرِضُ عَلَيْهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْقُرْاٰنَ فَاِذَا لَقِيَهٗ جِبْرِيْلُ كَانَ اَجْوَدَ بِالْخَيْرِ مِنَ الرِّيْحِ الْمُرْسَلَةِ

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم امور خیر میں تمام لوگوں سے زیادہ سخی یا زیادہ کامل و مضبوط تھے اور سب سے زیادہ سخاوت کرنے والے رمضان میں[1] ہوتے تھے۔ رمضان شریف کی ہر رات میں حضرت جبرئیل علیہ السلام آپ سے ملاقات کرتے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان پر قرآن پیش کیا کرتے تھے[2]۔ جب حضرت جبرئیل علیہ السلام آپ سے ملتے تھے تو اس وقت آپ آزاد چھوڑی ہوئی ہوا سے بھی زیادہ خیر و نیکی کرنے والے ہوتے تھے[3]۔

(بخاری۔مسلم)

[1] رمضان المبارک میں آپ باقی اوقات سے بڑھ کر جواد و سخی ہوتے تھے۔ کیونکہ یہ مہینہ اعمال خیر و نیکی کے لیے زیادہ اشرف اور زیادہ مناسب ہے۔

[2] کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو قرآن پاک سنایا کرتے اور ان کے ساتھ دور کیا کرتے تھے۔

[3] یعنی جن اوقات میں حضرت جبرئیل آپ سے ملنے آتے تھے آپ ان اوقات میں آزادی سے چلنے والی تیز ہوا سے بھی زیادہ سخی، زیادہ تیز اور زیادہ اچھی حالت میں ہوتے تھے۔ یعنی اس ہوا سے جو بارش کی بشارت کے لیے

اس سے پہلے چلتی ہے اس میں دراصل حق سبحانہ و تعالیٰ کے اس قول کی جانب اشارہ ہے وَهُوَ الَّذِي يُرْسِلُ الرِّيَاحَ بُشْرًا بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهِ یعنی اللہ تعالیٰ وہ قادر ذات ہے جو ہواؤں کو بھیجتی ہے اس کی رحمت کے آگے آگے بشارت دینے کے لیے، تو یہ ہوا بادلوں کو اٹھاتی ہے جس کے ساتھ بارشیں ہوتی ہیں۔ پھر ان بارشوں سے رزق و برکتوں کا نزول ہوتا ہے۔ بالکل اسی طرح حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود شریف ہے جو خیرات و نیکیوں اور برکات کا باعث ہے خصوصًا ان اوقات میں یعنی رمضان شریف میں۔ حدیث میں اس جانب اشارہ ہے کہ بندے کو چاہیے کہ افضل اوقات اور نیکیوں کی صحبت و مجلس میسر آنے کے وقت فعل خیر اور کسب خیرات میں زیادہ کوشش کیا کرے اس حدیث کو باب اعتکاف میں اس مناسبت کی بنا پر لایا گیا ہے کہ آپ رمضان المبارک میں اعتکاف میں ہوتے تھے۔

وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ كَانَ يُعْرَضُ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْقُرْآنُ كُلَّ عَامٍ مَرَّةً فَعُرِضَ عَلَيْهِ مَرَّتَيْنِ فِي الْعَامِ الَّذِي قُبِضَ وَكَانَ يَعْتَكِفُ كُلَّ عَامٍ عَشْرًا فَاعْتَكَفَ عِشْرِيْنَ فِي الْعَامِ الَّذِي قُبِضَ.

(رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ہر سال قرآن پیش کیا جاتا تھا[۱]۔ پھر جس سال آپ کا وصال ہوا اس میں دو مرتبہ آپ پر قرآن پیش کیا گیا اور آپ ہر سال رمضان کے دس دن اعتکاف کیا کرتے تھے اور جس سال آپ نے وصال فرمایا اس میں بیس[۲] دن اعتکاف کیا

(بخاری)

[۱] پیش کرنے والے حضرت جبرئیل ہوتے تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جبرئیل علیہ السلام پر قرآن پیش کرنے کی اس سے کوئی منافات نہیں جیسا کہ حدیث اوّل کا مدلول ہے کیونکہ پہلے حضرت جبرئیل، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر قرآن پیش کرتے تھے۔ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت جبرئیل پر قرآن پیش کرتے تھے۔ جیسے شیخ حدیث سے حدیث سماع کرنے پھر اس کے سامنے پڑھنے میں ہوتا ہے۔ اس میں طریقہ قراءت میں انتہائی مضبوطی اور عمدگی پائی جاتی ہے۔ یہ بھی وارد ہوا ہے کہ دونوں حضرات ایک دوسرے کے سامنے بطور مدارست و تکرار قرآن پاک پڑھتے جس طرح حفاظِ قرآن ایک دوسرے کے ساتھ دورِ قرآن کیا کرتے ہیں۔

[۲] حدیث میں یہاں دو عشرہ کا ذکر بھی آیا ہے۔ اور بیس دن کا بھی، مآل دونوں عبارتوں کا ایک ہی ہے اور آپ نے وصال مبارک کے سال جو بیس دن کا اعتکاف کیا وہ درگاہِ حق تعالیٰ میں پہنچنے کے کمال شوق و تیاری کی وجہ سے تھا۔ بیت

وعدہ وصل چوں شود نزدیک آتش شوق تیز تر گردد

(ترجمہ) وصل کا وعدہ جب نزدیک آجاتا ہے تو شوق کی آگ تیز ہو جاتی ہے۔

وَعَنْ عَائِشَةَ رضـ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا اعْتَكَفَ اَدْنٰى إِلَيَّ رَأْسَهٗ وَهُوَ فِي الْمَسْجِدِ فَأُرَجِّلُهٗ وَكَانَ لَا يَدْخُلُ الْبَيْتَ إِلَّا لِحَاجَةِ الْإِنْسَانِ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں اعتکاف کر رہے ہوتے تھے تو اپنا سر مبارک میرے قریب کرتے تھے اور میں آپ کے سر مبارک کو کنگھی[۱] کرتی تھی اور آپ مسجد سے گھر میں تشریف نہ لاتے تھے مگر انسانی حاجت کے[۲] لیے۔

(بخاری و مسلم)

[۱] حدیث میں لفظ فَأُرَجِّلُهٗ آیا ہے ترجیل سے، ترجیل کا معنیٰ ہے بالوں کو کنگھی کرنا اور بال نیچے لٹکانا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ معتکف کے لیے سر مسجد سے باہر نکالنا جائز ہے اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

[۲] جیسے بول و براز کے لیے یوں ہی غسل جنابت کی غرض سے کیونکہ اس صورت میں مسجد سے نکلنا ضروری ہو جاتا ہے یوں ہی نماز جمعہ کے لیے نکلنا بھی ٹھیک ہے مگر غسل جمعہ کے لیے مسجد سے نکلنے کے جواز میں میں نے اصول میں کوئی روایت نہیں پائی ماسوائے اس کے کہ شرح اوراد میں فرمایا کہ آپ مسجد سے غسل کی خاطر باہر نکلتے تھے۔ وہ غسل فرض ہوتا یا نفل۔

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رضـ أَنَّ عُمَرَ سَأَلَ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُنْتُ نَذَرْتُ فِي الْجَاهِلِيَّةِ أَنْ أَعْتَكِفَ لَيْلَةً فِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ قَالَ فَأَوْفِ بِنَذْرِكَ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ میں نے جاہلیت میں مسجد خانہ کعبہ میں ایک رات اعتکاف کرنے کی نذر مانی تھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنی نذر پوری کر[۱] لے۔

(بخاری، مسلم)

[۱] اس حدیث سے امام شافعی نے اور امام احمد نے ان سے ایک روایت کے مطابق یہ استدلال کیا ہے، کہ اعتکاف کے لیے روزہ شرط نہیں مگر جب کہ نذر کے ساتھ روزہ بھی لازم کرے۔ کیونکہ اگر اعتکاف کے لیے روزہ شرط ہوتا تو اس طرح اس شرط کے پورا کرنے کا حکم نہ دیتے۔ مگر اس استدلال کا جواب یہ ہے کہ ایک صحیح روایت میں آیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں نے ایک دن کے اعتکاف کی نیت کی پس وہ حدیث جس میں رات کا ذکر ہے اس سے دن رات مراد ہیں۔ جیسا کہ لفظ یوم سے دن رات دونوں مراد ہوتے ہیں۔
امام ابوحنیفہ اور امام مالک رضی اللہ عنہما دونوں کے نزدیک مطلق اعتکاف کے لیے روزہ شرط ہے۔ وہ

اعتکاف واجب ہو یا نفل۔ ان کی دلیل حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے جو آرہی ہے۔ اس میں آپ نے فرمایا ہے لَا اعْتِکَافَ اِلَّا بِالصَّوْمِ یعنی روزے کے بغیر اعتکاف نہیں۔ اور حدیث اس امر میں صریح ہے کہ اعتکاف میں روزہ شرط ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ — دوسری فصل

عَنْ اَنَسٍؓ قَالَ کَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَعْتَکِفُ فِی الْعَشْرِ الْاَوَاخِرِ مِنْ رَمَضَانَ فَلَمْ یَعْتَکِفْ عَامًا فَلَمَّا کَانَ الْعَامُ الْمُقْبِلُ اعْتَکَفَ عِشْرِیْنَ۔ (رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَرَوَی اَبُوْ دَاؤدَ وَابْنُ مَاجَۃَ عَنْ اُبَیِّ ابْنِ کَعْبٍ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم رمضان شریف کے آخری دس دنوں میں اعتکاف کیا کرتے تھے۔ پھر آپ نے ایک سال اعتکاف نہ کیا تو دوسرے سال بیس دن کا اعتکاف فرمایا[1]۔ (ترمذی، ابن ماجہ اور ابوداؤد نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا)

[1] اور گذشتہ سال کے اعتکاف کی قضا کی۔ یہ عمل بظاہر وجوب اعتکاف کی علامت ہے تاہم سنت مؤکدہ کی قضا کا ذکر بھی آیا ہے۔ جیسا کہ سنت ظہر کی قضا بعد نماز عصر آئی ہے یہ بات کتاب الصلوٰۃ میں گذری ہے۔

عَنْ عَائِشَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہَا قَالَتْ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا اَرَادَ اَنْ یَّعْتَکِفَ صَلَّی الْفَجْرَ ثُمَّ دَخَلَ فِیْ مُعْتَکَفِہٖ۔ (رَوَاہُ اَبُوْ دَاؤدَ وَ ابْنُ مَاجَۃَ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب اعتکاف کا ارادہ کرتے تو فجر کی نماز پڑھتے پھر آپ جائے اعتکاف میں داخل ہو جاتے۔ (اسے ابوداؤد اور ابن ماجہ نے روایت کیا[1])

[1] علماء نے کہا ہے کہ اس حدیث کو بخاری ومسلم نے بھی روایت کیا ہے اور دیگر اصحاب صحاح نے بھی طویل حدیث کی صورت میں اسے روایت کیا ہے۔ پھر اس حدیث سے ان حضرات نے استدلال کیا ہے کہ اعتکاف کی ابتداء عشرہ آخری کی صبح سے کرے۔ اسی کے قائل ہیں۔ امام اوزاعی، سفیان ثوری اور لیث ایک قول میں۔ اور امام ابوحنیفہ و مالک و شافعی و احمد رحمہم اللہ تعالیٰ اس پر ہیں کہ جائے اعتکاف میں پہنچ آئے غروب آفتاب کے وقت جس نے مہینے کا اعتکاف کرنا ہو یا آخری دس دنوں کا وہ اس حدیث کا مطلب یہ لیتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم

مسجد میں تشریف لائے۔ جب آپ نے صبح کی نماز ادا کی تو وہ حجرہ جو آپ کے اعتکاف کے لیے بنایا گیا تھا اس میں تشریف لے آئے۔ اور لوگوں سے میل ملاپ منقطع کر دیا۔ اور تنہائی اختیار کر لی۔ جائے اعتکاف سے وہ حجرہ مراد ہے جو ٹاٹ وغیرہ سے آپ کے لیے بنایا گیا تھا۔ جیسا کہ صحیح حدیث میں آچکا ہے اس طرح اعتکاف کا وقت تو غروب آفتاب سے شروع ہوا مگر علیحدگی و تنہائی صبح کے وقت سے ہی اختیار کر لی۔

وَعَنْهَا قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَعُوْدُ الْمَرِيْضَ وَ هُوَ مُعْتَكِفٌ فَيَمُرُّ كَمَا هُوَ فَلَا يُعَرِّجُ يَسْأَلُ عَنْهُ. (رَوَاهُ اَبُوْ دَاوُدَ وَابْنُ مَاجَةَ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بیمار کی بیمار پرسی کرتے تھے حالانکہ آپ اعتکاف میں ہوتے تھے تو آپ مخصوص ہیئت میں گذارتے[1] تھے اور آپ کسی جانب متوجہ نہ ہوتے[2] تھے۔ بیمار سے اس کا حال دریافت کرتے تھے[3] (ابوداؤد، ابن ماجہ)

[1] یعنی آپ عیادت کے لیے جس شکل و ہیئت سے جاتے تھے بالکل اسی حالت میں واپس جائے اعتکاف میں آجاتے تھے۔

[2] کہ نہ تو آپ راستے میں اِدھر اُدھر متوجہ ہوتے تھے نہ ہی راہ میں کھڑے ہوتے تھے۔ اسی طرح آپ بیمار کے پاس جاتے اور اس کا حال دریافت فرماتے۔ یہاں حدیث میں لفظ "لَا يُعَرِّجُ" آیا ہے۔ تعریج سے بمعنی کھڑے ہونا اور اِدھر اُدھر مائل ہونا۔

[3] یہ عیادت کا بیان ہے طیبی رحمہ اللہ تعالیٰ نے کہا کہ چاروں آئمہ کے نزدیک طے شدہ مسئلہ ہے کہ معتکف جب جائے اعتکاف سے قضائے حاجت کے لیے نکلے اور راستہ میں اتفاق سے بیمار کی بیمار پرسی کرے یا نماز جنازہ پڑھنے کا اتفاق ہو جائے تو ان امور کے علاوہ کسی اور جانب متوجہ نہ ہو اور نہ ہی اپنے راستے سے اِدھر اُدھر پھرے اور نماز پڑھنے کی مقدار سے زیادہ وقت کھڑا نہ ہو تو اعتکاف باطل نہ ہو گا۔ اور اگر اپنے راستے سے اِدھر اُدھر مڑ جائے یا زیادہ دیر کھڑا رہے گا تو اعتکاف ٹوٹ جائے گا۔ اور حسن و نخعی نے کہا کہ معتکف کے لیے نماز جمعہ، عیادت مریض اور نماز جنازہ کے لیے نکلنا جائز ہے۔ حضرت حسن و نخعی کا بیان ختم ہوا۔

وَعَنْهَا قَالَتِ السُّنَّةُ عَلَى الْمُعْتَكِفِ اَنْ لَا يَعُوْدَ مَرِيْضًا وَ لَا يَشْهَدَ جَنَازَةً وَ لَا يَمَسَّ الْمَرْاَةَ وَ لَا يُبَاشِرَهَا وَ لَا

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ہی روایت ہے۔ فرماتی ہیں معتکف کے لیے سنت یہ ہے کہ بیمار کی بیمار پرسی کو نہ جائے اور نہ نماز جنازہ کے لیے جائے[1] اور نہ عورت کو چھوئے

يَخْرُجَ لِحَاجَةٍ إِلَّا لِمَا لَا بُدَّ مِنْهُ وَلَا اعْتِكَافَ إِلَّا بِصَوْمٍ وَلَا اعْتِكَافَ إِلَّا فِي مَسْجِدٍ جَامِعٍ۔
(رَوَاهُ أَبُوْ دَاوُدَ)

اور نہ اس سے مباشرت کرے[2]۔ اور سوائے حاجت[3] ضروری کے کسی کام کے لیے نہ نکلے۔ اور اعتکاف درست نہیں مگر روزے کے ساتھ[4] اور اعتکاف جائز نہیں مگر مسجد جامع میں[5]۔
(ابوداؤد شریف)

۞ ۞

[1] مگر اس شکل میں جس کا ذکر گزشتہ حدیث میں ہوا۔

[2] عورت کو چھونے کا مطلب ہے اس کے جسم کو ہاتھ لگانا۔ اور لفظ مباشرت بھی اسی معنیٰ میں آتا ہے بشرہ کا معنیٰ ہے ظاہر چمڑے کی شکل۔ علماء فرماتے ہیں کہ یہاں مَسّ سے مجامعت مراد ہے۔ اس سے بالاتفاق اعتکاف ٹوٹ جاتا ہے۔ اور اگر مباشرت شرمگاہ عورت کے علاوہ کسی اور چیز سے ہو تو بعض کہتے ہیں اس سے اعتکاف ٹوٹ جاتا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ اگر انزال ہو جائے تو ٹوٹ جاتا ہے، انزال نہ ہو تو نہیں ٹوٹتا ہدایہ میں کہا کہ اگر معتکف نے غیر فرج (شرمگاہ) میں جماع کیا۔ اور انزال ہو گیا یا بوسہ لیا یا مس کیا اور انزال ہو گیا تو اعتکاف باطل ہو جائے گا۔ کیونکہ یہ معنیٰ جماع ہی ہے یہاں تک کہ ایسا کرنے سے روزہ بھی ٹوٹ جاتا ہے اور انزال نہ ہو تو اعتکاف باطل نہ ہو گا اگرچہ ایسا کرنا حرام ہے۔

[3] جیسے قضائے حاجت وغیرہ کے لیے

[4] یہ حنفیہ رحمہم اللہ تعالیٰ کی دلیل ہے کہ اعتکاف کے لیے روزہ شرط ہے۔

[5] یہاں جامع مسجد سے جماعت والی مسجد مراد ہے یا یہ اولیٰ اور افضل اعتکاف کا بیان ہے واللہ اعلم۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ كَانَ إِذَا اعْتَكَفَ طُرِحَ لَهُ فِرَاشُهُ أَوْ يُوضَعُ لَهُ سَرِيرُهُ وَرَاءَ أُسْطُوَانَةِ التَّوْبَةِ۔
(رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ بے شک جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم اعتکاف کرتے کرتے تھے تو آپ کے لیے چٹائی بچھائی جاتی تھی جو آپ کی تھی اور آپ کے لیے آپ کی چارپائی بھی بچھائی جاتی تھی ستونِ توبہ کے پیچھے[1]
(ابن ماجہ شریف)

۱؎ جس پر آپ سوتے تھے اور چارپائی پر جب بستر نہ ہو تو اسے عربی میں سریر کہتے ہیں۔ بعض نسخوں میں او یوضع یعنی واؤ کے بجائے کلمہ او (بمعنی یا) کے ساتھ آیا ہے۔

۲؎ یعنی آپ کے لیے آپ کی چٹائی اور چارپائی ستون توبہ کے پیچھے یا آگے بچھائی جاتی تھی۔ اس ستون کا نام ستون توبہ تھا۔ اہل سیر فرماتے ہیں یہ وہ ستون تھا جس کے ساتھ حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ نے قبولیت توبہ تک اپنے آپ کو باندھا تھا۔ یہاں تک کہ آپ کی توبہ قبول ہو گئی۔ حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ کا یہ قصہ کتب سیر و احادیث میں مسطور و مذکور ہے یہاں حدیث میں لفظ اسطوانہ آیا ہے۔ ہمزہ کی پیش سین ساکن بمعنی ستون۔

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رض اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فِي الْمُعْتَكِفِ وَهُوَ يَعْتَكِفُ الذُّنُوْبَ وَيُجْرٰى لَهٗ مِنَ الْحَسَنَاتِ كَعَامِلِ الْحَسَنَاتِ كُلِّهَا۔ (رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے معتکف کے بارے میں فرمایا کہ اسے گناہوں سے بچایا جاتا ہے اور اسے تمام نیکیاں کرنے والے انسان کی طرح نیکیاں عطا کی جاتی ہیں۱؎۔ (ابن ماجہ شریف)

۱؎ یعنی معتکف کو ان تمام نیکیوں کا ثواب دیا جاتا ہے۔ جو وہ اعتکاف کی وجہ سے نہیں کر سکتا۔ جیسے بیمار کی عیادت، نماز جنازہ میں شرکت اور بھائیوں وغیرہ کی زیارت و ملاقات۔ یہاں حدیث میں ایک روایت یجزیٰ کے بجائے یجزی کے ساتھ بھی ہے یہ جزی اجزاء سے مشتق ہے۔



كِتَابُ فَضَائِلِ الْقُرْاٰنِ

فضائل قرآن مجید

لفظ فضائل فضیلت کی جمع ہے۔ فضل (اضافہ) نقص (کمی) کی ضد سے مشتق ہے۔ قرآن قرآت یا قرآن سے مشتق ہے بمعنی جمع کرنا۔ جوڑنا۔ قرآن مجید میں قصص، امر و نہی وعدہ و وعید اور سورتوں وآیتوں کو جمع کیا گیا ہے اور ایک دوسرے سے جوڑا گیا ہے۔ صاحب صحاح و قاموس نے مادہ قرآت کے باب میں ذکر کیا نہ کہ قرآن کے باب میں اور وہی ظاہر ہے

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ — پہلی فصل

وَعَنْ عُثْمَانَ رض قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَيْرُكُمْ مَّنْ تَعَلَّمَ الْقُرْاٰنَ وَعَلَّمَهٗ۔

(رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں بہتر وہ ہے جو خود قرآن سیکھے اور دوسروں کو قرآن سکھائے

(بخاری شریف)

[1] علماء نے فرمایا ہے مراد یہ ہے کہ یہ شخص بھی بہتر لوگوں میں سے ہے کیونکہ بہتر ہونا معلم ومتعلم کے علاوہ دوسروں کے لیے بھی آیا ہے۔ امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اگر ایک شخص نے بقدر ضرورت قرآن پاک کی تعلیم حاصل کی تو اس کی تعلیم قرآن اور تعلیم فقہ کا درجہ برابر ہے۔ بقدر ضرورت سے زیادہ فقہ حاصل کرنا زیادہ بہتر ہے۔ مگر پوشیدہ نہ رہے کہ یہ اس صورت میں ہے جب کہ تعلیم وتعلم قرآن سے کلمات قرآن کی تعلیم وتعلم مراد ہو۔ ورنہ علم فقہ حاصل کرنا لوازم و توابع قرآن میں سے ہے۔ کہ خود زمانہ نبوت میں علم فقہ یہی قرآن پاک کا سمجھنا تھا۔ احادیث نبویہ اس کی تفسیر کرتی تھیں۔ اسی وجہ سے باب امامت میں قاری صحابہ کرام کو سب سے زیادہ علم والا کہا گیا ہے۔ اس میں غور کر۔

وَعَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ رض قَالَ

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے

خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ نَحْنُ فِي الصُّفَّةِ فَقَالَ اَيُّكُمْ يُحِبُّ اَنْ يَّغْدُوَ كُلَّ يَوْمٍ اِلٰى بُطْحَانَ اَوِ الْعَقِيْقِ فَيَاْتِيَ بِنَاقَتَيْنِ كَوْمَاوَيْنِ فِيْ غَيْرِ اِثْمٍ وَّ لَا قَطْعِ رَحِمٍ فَقُلْنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ كُلُّنَا نُحِبُّ ذٰلِكَ قَالَ اَفَلَا يَغْدُوْا اَحَدُكُمْ اِلَى الْمَسْجِدِ فَيَعْلَمُ اَوْ يَقْرَاُ اٰيَتَيْنِ مِنْ كِتَابِ اللّٰهِ خَيْرٌ لَّهٗ مِنْ نَاقَتَيْنِ وَ ثَلٰثٌ خَيْرٌ لَّهٗ مِنْ ثَلٰثٍ وَّ اَرْبَعٌ خَيْرٌ لَّهٗ مِنْ اَرْبَعٍ وَ مِنْ اَعْدَادِهِنَّ مِنَ الْاِبِلِ۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے جب کہ ہم لوگ صُفہ[2] میں بیٹھے ہوئے تھے تو آپ نے فرمایا تم میں سے کون اس بات کو پسند کرتا ہے کہ ہر دن صبح کے وقت موضع بطحان[3] یا عقیق کی جانب جائے۔ اور وہاں سے دو اونٹنیاں بڑی کوہان[4] والی لائے بغیر کوئی گناہ اور بغیر قطع رحم کیے[5]۔ ہم نے کہا یارسول اللہ ہم میں سے ہر ایک یہ چاہتا ہے۔ آپ نے فرمایا تم میں سے کوئی شخص مسجد کو نہیں جاتا پس وہاں جاکر تعلیم دیتے[6] یا یا دو آیتیں کتاب اللہ کی پڑھے کہ یہ عمل اس کے لیے دو مذکورہ صفت کی اونٹنیوں سے بہتر ہے اور تین آیتوں کی تلاوت تین اونٹنیوں سے بہتر ہے اور چار آیتیں چار اونٹنیوں سے بہتر ہیں اسی کا اندازہ اونٹوں سے بھی بہتر ہیں[7]

(مسلم شریف)

[1] حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ صحابی ہیں ان کے حالات گذشتہ صفحات میں کئی جگہ بیان ہو چکے ہیں۔

[2] صُفّہ (صاد کی پیش، فا کی شد) مراد مسجد نبوی ہے یہ مسجد نبوی شریف میں ایک طرف اس کے سامنے چھتی ہوئی جگہ تھی بعض نے کہا صُفّہ قدیم مسجد تھی جس کا قبلہ جانب بیت المقدس تھا۔ اس قبلہ کے منسوخ ہونے کے بعد اسے اپنی جگہ پر ہی رہنے دیا گیا۔ فقراءِ صحابہ جن کو اصحاب صُفّہ کہتے تھے اسی جگہ میں رہتے تھے۔

[3] بُطحان (با کی پیش، طا ساکن) اور العقیق یا موضع عقیق۔ یہ راوی کا شک ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بطحان کا ذکر کیا یا موضع عقیق کا۔ یہ دونوں مدینہ منورہ میں دو جگہیں ہیں یہاں بازار تھا جس میں اونٹ فروخت ہوتے تھے۔

[4] یہاں حدیث میں لفظ "کوماوین" آیا ہے کاف کی زبر واو ساکن بمعنی بڑی موٹی کوہان والی اونٹنی۔

[5] جس کا جوڑنا واجب وضروری ہے۔ یہ تخصیص بعد تعمیم ہے۔ اس کا بطور خاص اس لیے ذکر کیا کہ یہ سخت ترین معصیت ہے۔

۵۵ بعض روایتوں میں "فیعلم" تخفیف کے ساتھ آیا ہے۔ علم سے مشتق ہے۔ اس صورت میں کلمہ اَو شک یا متعدد انواع بیان کرنے کے لیے ہے۔

۵۶ یعنی پانچ چھ آیتیں پڑھنا پانچ چھ اونٹنیوں سے بہتر ہیں۔ علیٰ ہذا القیاس۔ یاد رہے کہ ابل اسم جنس ہے نر و مادہ کو شامل ہے صرف اونٹ کو جمل کہتے ہیں اور صرف مادہ کو ناقہ جس طرح لفظ انسان کہ مرد و عورت دونوں کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ پھر صرف عورت کے لیے لفظ زن اور مرد کے لیے لفظ رجل آتا ہے۔

کوئی شخص اگر یہ کہے کہ قرآن کی ایک آیت ساری دنیا و ما فیہا سے بہتر ہے اونٹوں میں کیا فضیلت ہے کہ آیتوں کی ان پر افضلیت کا ذکر کیا جائے اور قرآن کی فضیلت اس انداز میں بیان کی جائے اس کا جواب یہ ہے کہ اصل مراد یہ ہے کہ دینی کام میں مشغولیت اس محنت و مشقت سے بہتر ہے جو طلب رزق کے لیے اٹھائی جاتی ہے۔ غایۃ الامر یہ ہے آپ نے اسے خاص مثال کی صورت میں بیان فرمایا اور فربہ کوہان والی اونٹنی کو مخصوص کیا کیونکہ وہ عرب کے نزدیک بہترین مال سمجھا جاتا ہے یا یہ مراد ہے کہ قرآن سیکھنا اور دینی کام میں مشغول رہنا معاملہ معاش میں بھی نافع اور مزید خیر و برکت کا موجب ہے اور لوگوں کی زیادہ تر مشغولیت و مصروفیت اسبابِ دنیا میں ہوتی ہے۔ قرآن کریم میں فرمایا وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ جو شخص اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اختیار کرتا ہے وہ اس کے لیے راستہ نکال دیتا ہے اور اسے ایسی جگہ سے رزق دیتا ہے کہ اسے گمان بھی نہیں ہوتا۔ جب تقویٰ اختیار کرنے سے دنیوی رزق میں اضافہ ہو جاتا ہے تو جو شخص امور آخرت کی ہی تیاری میں مصروف رہتا ہے جس کے سامنے دنیا و مافیہا کی کوئی وقعت و حیثیت نہیں۔ اسے اللہ تعالیٰ کیا کچھ عطا فرمائے اسے سمجھ و باللہ التوفیق۔

وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ اِذَا رَجَعَ اِلٰى اَهْلِهٖ اَنْ يَّجِدَ فِيْهِ ثَلٰثَ خَلِفَاتٍ عِظَامٍ سِمَانٍ قُلْنَا نَعَمْ قَالَ فَثَلٰثُ اٰيَاتٍ يَقْرَأُ بِهِنَّ اَحَدُكُمْ فِيْ صَلٰوتِهٖ خَيْرٌ لَّهٗ مِنْ ثَلٰثِ خَلِفَاتٍ عِظَامٍ سِمَانٍ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے کوئی شخص اس امر کو پسند کرتا ہے کہ جب وہ اپنے اہل و عیال کے پاس واپس لوٹے تو وہ ان کے اندر تین بڑی اور موٹی حاملہ[۵۷] اونٹنیاں موجود پائے ہم نے کہا ہاں (ضرور) فرمایا کہ قرآن کی تین آیتیں جو تم میں سے کوئی اپنی نماز میں پڑھتا ہے۔ اس کے لیے تین ایسی اونٹنیوں سے بہتر ہیں[۵۸]

(مسلم شریف)

سلہ حدیث میں یہاں لفظ خلفات آیا ہے جمع خلف (خا کی زبر، لام کی زیر) بمعنی حاملہ اونٹنیاں
سلہ اس قیاس کے مطابق یہ بھی پہلی حدیث کی ہم معنی ہے۔

وَعَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْمَاهِرُ بِالْقُرْاٰنِ مَعَ السَّفَرَةِ الْكِرَامِ الْبَرَرَةِ وَالَّذِیْ يَقْرَأُ الْقُرْاٰنَ وَيَتَتَعْتَعُ فِيْهِ وَهُوَ عَلَيْهِ شَاقٌّ لَهٗ اَجْرَانِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ قرآن کا ماہر اور جامع عالم[1] فرشتوں اور نبیوں کے ساتھ ہوگا جو کہ بزرگ اور نیک لوگ ہیں۔ اور وہ شخص جو قرآن پڑھتا ہے مگر اسے خوب طرح نہیں پڑھ سکتا اور وہ اسے مشکل محسوس ہوتا ہے اس کے لیے دوہرا اجر و ثواب[2] ہے (بخاری، مسلم)

سلہ یعنی جو بندہ حفظ و تجوید قرآن میں زیرک، اسے اچھی طرح جاننے والا اور استاد ہو وہ ملائکہ اور انبیاء علیہم السلام کے ساتھ ہے کہ یہ حضرات بزرگ و نیکو کار لوگ ہیں یعنی یہ شخص دنیا میں ان جیسے نیک کام کرنے والا ہے تو دنیا میں عمل کی صورت میں ان کے ساتھ ہے اور آخرت میں بھی ان کا رفیق اور ساتھی ہوگا۔ حدیث میں واقع لفظ سَفَرَۃ سافر کی جمع ہے۔ بمعنی کاتب سفر سے مشتق ہے۔ بمعنی کتابت یا سفیر کے معنی میں ہے۔ جو سفارت سے مشتق ہے بمعنی نمائندگی کرنا، پیغام رسانی انجام دینا اس سے مراد ملائکہ ہیں جو لوحِ محفوظ سے آسمانی صحیفوں میں باتیں درج کرتے اور لکھتے ہیں۔ اور خدا تعالیٰ اور اس کے رسولوں کے درمیان سفیر بن کر ذاتِ الٰہی کی طرف سے ہدایات لاتے ہیں نیز خدا تعالیٰ اور امتوں کے درمیان سفارت کا فریضہ ادا کرتے ہیں۔ یا اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام مراد ہیں جنھوں نے سب سے پہلے قرآن پاک لکھا یا بندوں کے اعمال لکھنے والے فرشتے مراد ہیں پھر حدیث میں واقع لفظ کرام کریم کی جمع ہے بمعنی عزت والے اور بَرَرَہ بار کی جمع ہے۔ بمعنی نیکوکار۔

سلہ اگرچہ قرآن کا ماہر اور جامع عالم افضل و اکمل ہے مگر مشقت و دقت اٹھانے کے لحاظ سے اس دوسرے شخص کو بھی فضیلت حاصل ہے اور اجر و ثواب ثابت ہے دراصل اس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد ایسے شخص کو تسلی دینا اسے ثابت قدم رکھنا اور ریاضت و مشقت پر قائم کرنا ہے اسے سمجھ۔

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا حَسَدَ اِلَّا عَلَى اثْنَتَيْنِ رَجُلٌ اٰتَاهُ اللّٰهُ الْقُرْاٰنَ فَهُوَ

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جائے رشک نہیں مگر دو آدمیوں پر ایک وہ جسے اللہ تعالیٰ نے قرآن عطا کیا وہ اس کے ساتھ رات اور

يَقُوْمُ بِهٖ اٰنَآءَ الَّيْلِ وَ اٰنَآءَ النَّهَارِ وَ رَجُلٌ اٰتَاهُ اللّٰهُ مَالًا فَهُوَ يُنْفِقُ مِنْهُ اٰنَآءَ الَّيْلِ وَ اٰنَآءَ النَّهَارِ.

دن کی گھڑیوں میں قیام کرتا ہے۔ دوسرا وہ شخص جسے اللہ تعالیٰ نے مال عطا کیا تو وہ اسے دن اور رات کی گھڑیوں میں خرچ کرتا ہے[1]۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ) (مسلم، بخاری)

[1] کتاب العلم میں اس حدیث کی مثل ایک حدیث فضیلتِ علم میں گذر چکی ہے۔ حقیقت میں دونوں حدیثوں کا مآل و معنی ایک ہی ہے کیونکہ علم تو قرآن ہے باقی سب علوم اس سے مستفاد ہیں مگر یہاں صرف تلاوتِ قرآن کی فضیلت ثابت کی اور یہ تلاوت بھی مفید علم ہے۔ اسے سمجھ۔

وَ عَنْ اَبِىْ مُوْسٰى رض قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَثَلُ الْمُؤْمِنِ الَّذِىْ يَقْرَأُ الْقُرْاٰنَ مَثَلُ الْاُتْرُجَّةِ رِيْحُهَا طَيِّبٌ وَ طَعْمُهَا طَيِّبٌ وَ مَثَلُ الْمُؤْمِنِ الَّذِىْ لَا يَقْرَأُ الْقُرْاٰنَ مَثَلُ التَّمْرَةِ لَا رِيْحَ لَهَا وَ طَعْمُهَا حُلْوٌ وَ مَثَلُ الْمُنَافِقِ الَّذِىْ لَا يَقْرَأُ الْقُرْاٰنَ كَمَثَلِ الْحَنْظَلَةِ لَيْسَ لَهَا رِيْحٌ وَ طَعْمُهَا مُرٌّ وَ مَثَلُ الْمُنَافِقِ الَّذِىْ يَقْرَأُ الْقُرْاٰنَ مَثَلُ الرَّيْحَانَةِ رِيْحُهَا طَيِّبٌ وَ طَعْمُهَا مُرٌّ۔

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس مومن کی مثال[2] جو قرآن پاک پڑھتا ہے ترنجبین کے میوے کی طرح ہے۔ جس کی خوشبو بھی اچھی اور ذائقہ بھی اچھا ہوتا ہے اور اس مومن کی مثال جو قرآن نہیں پڑھتا کھجور کی طرح ہے جس کی خوشبو نہیں ہوتی مگر اس کا ذائقہ میٹھا ہوتا ہے اور اس منافق کی مثال جو قرآن نہیں پڑھتا حنظل کی طرح ہے جس کی کوئی خوشبو نہیں ہوتی اور اس کا ذائقہ کڑوا ہوتا ہے اور اس منافق کی مثال جو قرآن پڑھتا ہے گل ریحان کی طرح ہے جس کی خوشبو اچھی مگر ذائقہ کڑوا ہوتا ہے

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ) (بخاری، مسلم)

وَ فِىْ رِوَايَةٍ اَلْمُؤْمِنُ الَّذِىْ يَقْرَأُ الْقُرْاٰنَ وَ يَعْمَلُ بِهٖ

اور ایک روایت میں اس طرح آیا ہے[3] کہ قرآن پڑھنے والے اور اس پر عمل کرنے والے

كَالْاُتْرُجَّةِ وَالْمُؤْمِنُ الَّذِیْ لَا يَقْرَأُ الْقُرْاٰنَ وَيَعْمَلُ بِهٖ كَالتَّمْرَةِ

مومن کی مثال میوہ ترنجبین کی طرح ہے اور قرآن نہ پڑھنے والے مگر اس پر عمل کرنے والے مومن کی مثال کھجور کی طرح ہے۔

سلہ یعنی اس کا قصہ اور حال " اُتْرُجَّہ " (ہمزہ کی پیش تا ساکن، را کی پیش جیم مشدد) بغیر ہا کے اترج، ترنجہ اور ترنج بھی کہتے ہیں ایک روایت میں ترنجہ بھی آیا ہے یہ ایک مشہور میوہ ہے جو خوشبودار بھی ہوتا ہے اور لذیز بھی جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا رِيْحُهَا طَيِّبَةٌ اِلٰى اٰخِرِہٖ اسی طرح وہ مومن جو قرآن پڑھتا ہے اسے اس سے لذت بھی محسوس ہوتی ہے اور اس سے نور کی شعاعیں بھی پھیلتی اور دوسروں تک پہنچتی ہیں۔

سلہ پہلی روایت میں تو صرف مومن کے عنوان پر کفایت کی کہ مومن کا معنی عمل کو مستلزم ہے یہ بھی ممکن ہے کہ ذائقہ مومن کے اعتقاد سے عبارت ہو جو مومن کے دل میں ہوتا ہے۔

وَعَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ يَرْفَعُ بِهٰذَا الْكِتَابِ اَقْوَامًا وَّيَضَعُ بِهٖ اٰخَرِيْنَ۔

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بیشک اللہ تعالیٰ اس کتاب کے ساتھ بہت سے لوگوں کو رفعت و بلندی عطا کرتا ہے[1] اور بہت سے لوگوں کو اس کے ساتھ ذلت کے گڑھے میں ڈالتا ہے[2]

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ) (مسلم شریف)

سلہ یعنی ان لوگوں کو بلند مرتبہ پر فائز کرتا ہے جو اس پر ایمان لاتے، اس پر عمل کرتے اور اس کی تلاوت کرتے ہیں۔ اور اس کے ساتھ اخلاص سے پیش آتے ہیں۔ اس کے برعکس ان لوگوں کو ذلیل و پست کرتا ہے جو اس کے الٹ چلتے ہیں۔

وَعَنْ اَبِیْ سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ اَنَّ اُسَيْدَ بْنَ حُضَيْرٍ قَالَ بَيْنَمَا هُوَ يَقْرَأُ مِنَ اللَّيْلِ سُوْرَةَ الْبَقَرَةِ وَفَرَسُهٗ مَرْبُوْطَةٌ عِنْدَهٗ اِذْ جَالَتِ الْفَرَسُ فَسَكَتَ فَسَكَنَتْ فَقَرَاَ فَجَالَتْ فَسَكَتَ فَسَكَنَتْ ثُمَّ

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بیشک حضرت اسید[1] بن حضیر[2] رضی اللہ عنہ نے کہا اس اثناء میں کہ وہ (اسید بن حضیر) رات کے وقت سورۂ بقرہ شریف پڑھ رہے تھے۔ اس وقت ان کا گھوڑا ان کے قریب ہی بندھا ہوا تھا کہ اچانک اس نے کودنا[3] شروع کر دیا۔ تو حضرت اسید بن حضیر خاموش ہو گئے اور قرآن پڑھنا ترک کر دیا۔ اس کے

قَرَأَ فَجَالَتِ الْفَرَسُ فَانْصَرَفَ وَكَانَ ابْنُهُ يَحْيٰى قَرِيْبًا مِنْهَا فَاَشْفَقَ اَنْ تُصِيْبَهُ وَلَمَّا آخْرَهُ رَفَعَ رَأْسَهُ اِلَى السَّمَآءِ فَاِذَا مِثْلُ الظُّلَّةِ فِيْهَا اَمْثَالُ الْمَصَابِيْحِ فَلَمَّا اَصْبَحَ حَدَّثَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اقْرَأْ يَا ابْنَ حُضَيْرٍ اِقْرَأْ يَا ابْنَ حُضَيْرٍ قَالَ فَاَشْفَقْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَنْ تَطَأَ يَحْيٰى وَكَانَ مِنْهَا قَرِيْبًا فَانْصَرَفْتُ اِلَيْهِ وَرَفَعْتُ رَأْسِيْ اِلَى السَّمَآءِ فَاِذَا مِثْلُ الظُّلَّةِ فِيْهَا اَمْثَالُ الْمَصَابِيْحِ فَخَرَجْتُ حَتّٰى لَا اَرَاهَا قَالَ وَتَدْرِيْ مَا ذَاكَ قَالَ لَا قَالَ تِلْكَ الْمَلٰٓئِكَةُ دَنَتْ لِصَوْتِكَ وَلَوْ قَرَأْتَ لَاَصْبَحَتْ يَنْظُرُ النَّاسُ اِلَيْهَا لَا تَتَوَارٰى مِنْهُمْ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

وَاللَّفْظُ لِلْبُخَارِيِّ وَفِيْ مُسْلِمٍ عَرَجَتْ فِي الْجَوِّ بَدَلَ فَخَرَجْتُ عَلٰى صِيْغَةِ الْمُتَكَلِّمِ۔

ساتھ ہی گھوڑے کو بھی سکون ہو گیا حضرت اسید بن حضیر نے پھر قرآن پڑھنا شروع کیا تو گھوڑے نے پھر کودنا پھکنا شروع کر دیا گھوڑے کی یہ حالت دیکھ کر حضرت اسید خاموش ہو گئے اور گھوڑے کو بھی سکون ہو گیا حضرت اسید نے پھر قرآن پڑھنا شروع کیا تو گھوڑا پھر بدکنے لگ گیا۔ (اس واقعہ کے دوران) ان کا بیٹا یحییٰ اس گھوڑے کے قریب تھا۔ حضرت اسید کو خوف لاحق ہوا کہ گھوڑا اس پر نہ آ گرے جب حضرت اسید نے اپنے بیٹے کو گھوڑے سے دور ہٹا دیا تو آسمان کی طرف سر اٹھا کر دیکھا اچانک کیا دیکھتے ہیں کہ سائبان کی طرح کی کوئی چیز پھیلی ہوئی ہے اور اس میں چراغوں کی طرح کچھ چیزیں روشن ہیں جب صبح ہوئی تو حضرت اسید نے یہ واقعہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں بیان کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے ابن حضیر پڑھ اے ابن حضیر پڑھ حضرت ابن حضیر نے عرض کیا یا رسول اللہ میں نے پڑھا تو مجھے ڈر لاحق ہوا کہ وہ گھوڑا میرے بچے کو پامال نہ کر دے کہ گھوڑا اس کے قریب تھا اسلئے میں اپنے لڑکے یحییٰ کیطرف لوٹا اور میں نے اپنا سر آسمان کیطرف اٹھایا تو کیا دیکھتا ہوں کہ سائبان کیطرح کی ایک چیز چھائی ہوئی ہے اور اسمیں چراغوں کیطرح کی چیزیں چمک رہی ہیں پھر میں اپنی جگہ سے باہر نکل آیا حتیٰ کہ اب وہ چیزیں نظر نہیں آتیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو جانتا ہے کہ وہ کیا تھا حضرت اسید نے عرض کیا میں نہیں جانتا آپ نے فرمایا وہ ملائکہ تھے جو تیری آواز سن کر آئے تھے اور اگر تو پڑھتا رہتا تو لوگ اس حال میں صبح کرتے کہ وہ فرشتوں کو دیکھتے وہ فرشتے لوگوں سے پوشیدہ نہ ہوتے (بخاری، مسلم) اور لفظ بخاری کے ہیں اور صحیح مسلم شریف میں اس طرح آیا ہے کہ وہ سائبان اوپر فضا میں چلا گیا یعنی لفظ "فخرجت" کی جگہ لفظ "عرجت فی الجو" آیا ہے یعنی وہ سائبان اوپر فضا میں چلا گیا۔

۱؎ اسید (ہمزہ کی پیش، سین کی زبر)

۲؎ حضیر (حا کی پیش، ضاد کی زبر) آپ انصاری صحابی ہیں نقبائے انصار میں سے ہیں بڑی شان والے فاضلترین صحابہ کرام میں سے ہیں۔ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ ان کا جنازہ اٹھانے میں شریک ہوئے اور آپ نے ہی ان کی نماز جنازہ پڑھی اور جنت البقیع میں دفن ہوئے۔ سن ۲۰ھ میں وصال فرمایا بعض نے کہا ۲۱ھ میں رحلت فرمائی

۳؎ یہاں حدیث میں لفظ جالت آیا ہے صراح میں ہے جولان بمعنی گرد کا اٹھنا۔

۴؎ اور اسے کوئی تکلیف پہنچائے۔

۵؎ اس تکرار سے قراءت و تلاوت ہمیشہ کرتے رہنا مراد ہے۔ حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ نے واپس لوٹنے اور قراءت چھوڑ دینے کا عذر بیان کرتے ہوئے عرض کیا کہ میں ڈر گیا۔ الی آخرہ

۶؎ حدیث میں لفظ جَوّ آیا ہے۔ جیم کی زبر واو مشدد۔ بمعنی آسمان وزمین کے درمیان کی فضا۔ اور وادی کا کشادہ ہونا۔

۷؎ یعنی مسلم کی روایت میں فخرجت صیغہ متکلم کے بجائے عَرَجَتْ فِي الْجَوِّ۔

وَعَنِ الْبَرَاءِ[۱] قَالَ كَانَ رَجُلٌ يَقْرَأُ سُوْرَةَ الْكَهْفِ وَ اِلٰى جَانِبِهٖ حِصَانٌ مَرْبُوْطٌ بِشَطَنَيْنِ فَتَغَشَّتْهُ سَحَابَةٌ فَجَعَلَتْ تَدْنُوْ وَ تَدْنُوْ وَجَعَلَ فَرَسُهٗ يَنْفِرُ فَلَمَّا اَصْبَحَ اَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرَ ذٰلِكَ لَهٗ فَقَالَ تِلْكَ السَّكِيْنَةُ تَنَزَّلَتْ بِالْقُرْاٰنِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)	حضرت البراء[۱] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں ایک شخص سورۂ کہف پڑھ رہا تھا اور اس کے پہلو میں ایک گھوڑا بھی ایک رسی[۲] سے بندھا ہوا (کھڑا) تھا کہ اس گھوڑے پر بادل کی طرح کی ایک چیز چھا گئی ہے تو وہ بادل قریب ہوتا گیا اور قریب ہوتا گیا گھوڑے نے اس سے گریز[۳] کرنا شروع کر دیا جب صبح ہوئی تو وہ شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور آپ کے سامنے یہ واقعہ بیان کیا آپ نے فرمایا وہ سکینہ[۴] تھا جو قرآن کی وجہ سے نازل ہوا۔ (بخاری، مسلم)

۱؎ حضرت البراء رضی اللہ عنہ مشاہیر صحابہ کرام میں سے ہیں۔

۲؎ شطن۔ ش اور طا دونوں کی زبر بمعنی رسی یا لمبی رسی۔

۳؎ تنفر۔ تا اور یا دونوں روایتیں ہیں اور لفظ فرس مذکر و مؤنث دونوں کے لیے آتا ہے

۴؎ سکینہ بمعنی آرام و آہستگی اور بمعنی رحمت بھی آتا ہے اور اس چیز پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے جس سے آرام و

سکون اور صفائی قلب حاصل ہو اور جس سے ظلمت نفسانیت دور ہو اور جس سے ضیائے رحمت حضور و ذوق و غنیمت نصیب ہو یہ رحمت و سکینہ کبھی ابر رحمت کی شکل وغیرہ میں نمودار ہوتا ہے سکینہ کی تشریح و معنی میں کتاب العلم کی فصل اول میں اس سے زیادہ گفتگو ہو چکی ہے اس میں غور کر ۔

وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ بْنِ الْمُعَلّٰی قَالَ كُنْتُ اُصَلِّیْ فِی الْمَسْجِدِ فَدَعَانِی النَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمْ اُجِبْهُ ثُمَّ اَتَيْتُهٗ فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنِّیْ كُنْتُ اُصَلِّیْ قَالَ اَلَمْ يَقُلِ اللّٰهُ اسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ ثُمَّ قَالَ اُعَلِّمُكَ اَعْظَمَ سُوْرَةٍ فِی الْقُرْاٰنِ قَبْلَ اَنْ تَخْرُجَ مِنَ الْمَسْجِدِ فَاَخَذَ بِيَدِیْ فَلَمَّا اَرَدْنَا اَنْ نَخْرُجَ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّكَ قُلْتَ لَاُعَلِّمَنَّكَ اَعْظَمَ سُوْرَةٍ مِّنَ الْقُرْاٰنِ قَالَ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ هِیَ السَّبْعُ الْمَثَانِیْ وَالْقُرْاٰنُ الْعَظِيْمُ الَّذِیْ اُوْتِيْتُهٗ ۔

(رَوَاهُ الْبُخَارِیُّ)

حضرت سعید بن معلی[1] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں مسجد میں نماز پڑھ رہا تھا کہ مجھے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بلایا میں نے آپ کے بلانے کا جواب نہ دیا یہاں تک کہ میں نے نماز مکمل کی پھر میں آپ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور میں نے عرض[2] کی یا رسول اللہ! میں نماز پڑھ رہا تھا[3] حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا اللہ تعالیٰ نے نہیں فرمایا استجیبوا للہ وللرسول الی آخر الآیہ یعنی بات مانو اللہ اور رسول کی جب کہ وہ تمہیں بلائیں[4]۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا میں تجھے مسجد سے نکلنے سے پہلے قرآن کی سب سے عظیم سورت نہ بتاؤں ۔ تو آپ نے میرا ہاتھ پکڑ لیا پھر جب مسجد سے نکلنے کا ارادہ کیا تو میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا تھا کہ میں ضرور تجھے قرآن کی سورتوں میں سے ایک عظیم ترین سورت بتاؤں گا ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ اعظم ترین سورت الحمد للہ رب العالمین الی آخرا ہے یہی سورت السبع المثانی ہے اور یہی سورت القرآن العظیم ہے جو مجھے عطا کیا گیا ہے[5] (بخاری شریف)

[1] معلی ۔ میم کی پیش عین کی زبر لام مشدد یہ حضرت سعید بن معلی رضی اللہ عنہ انصاری مدنی صحابی ہیں ۔

[2] اپنے جواب نہ دینے کا عذر بیان کرتے ہوئے ۔

[3] اس وجہ سے جواب نہ دے سکا ۔

[4] اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرو کہ اس کا بلانا خدا تعالیٰ کا بلانا اور اس کی اطاعت

خدا تعالیٰ کی طاعت ہے۔

۵ یہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے اس قول کی جانب اشارہ ہے وَلَقَدْ اٰتَیْنٰکَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِیْ وَالْقُرْاٰنَ الْعَظِیْمَ۔ یعنی بے شک ہم نے آپ کو اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں بار بار پڑھی جانے والی سات آیتیں عطا کی ہیں یا وہ آیتیں عطا کی ہیں جن کی فصاحت وبلاغت اور اعجاز کی بنا پر ثنا اور تعریف کی گئی ہے۔ یا وہ آیتیں اللہ تعالیٰ کی ثنا کرتی ہیں جس کا اللہ سبحانہ وتعالیٰ اہل اور لائق ہے۔ کہ اس سے مراد قرآن حکیم ہے۔ اس کی مزید تحقیق کتب تفسیر میں مذکور ہے۔ ترمذی شریف میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ یہ قصہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے متعلق ہے۔

وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَجْعَلُوْا بُيُوْتَكُمْ مَقَابِرَ اِنَّ الشَّيْطٰنَ يَنْفِرُ مِنَ الْبَيْتِ الَّذِيْ يُقْرَاُ فِيْهِ سُوْرَةُ الْبَقَرَةِ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنے گھروں کو قبرستان نہ بناؤ۔ بیشک شیطان اس گھر سے بھاگ جاتا ہے جس میں سورۂ بقرہ پڑھی جاتی ہے۔ (مسلم شریف)

۱ یعنی اپنے گھروں کو قبرستان کی طرح ذکر، تلاوت اور عبادت سے خالی نہ رکھو کہ قبرستان میں جو مردے پڑے ہوتے ہیں وہ مذکورہ کاموں میں سے کوئی کام نہیں کرتے اس کے بعد آپ نے وہ چیز بیان فرمائی جو گھروں اور گھروالوں کے لیے افضل اور بہت نفع مند ہے اور وہ تلاوت قرآن پاک ہے۔

وَعَنْ اَبِیْ اُمَامَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اِقْرَءُوا الْقُرْاٰنَ فَاِنَّهٗ يَاْتِيْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ كَاَنَّهُمَا غَمَامَتَانِ اَوْ غَيَايَتَانِ اَوْ فِرْقَانِ مِنْ طَيْرٍ صَوَافَّ تُحَاجَّانِ عَنْ اَصْحَابِهِمَا اِقْرَءُوْا سُوْرَةَ الْبَقَرَةِ فَاِنَّ اَخْذَهَا بَرَكَةٌ وَتَرْكَهَا حَسْرَةٌ وَلَا

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سنا آپ فرماتے تھے قرآن پڑھا کرو کہ بیشک وہ قیامت کے دن اسے پڑھنے والوں کا سفارشی بن کر آئے گا اور دو روشن وتاباں سورتیں پڑھا کرو یعنی سورۂ بقرہ اور سورۂ آل عمران۔ کہ بیشک وہ دونوں سورتیں قیامت کے دن آئیں گی (اس حال میں) کہ گویا وہ دو بادل ہیں[۱] یا دو سایہ کرنے والی چیزیں ہیں یا گویا وہ پرندوں کی دو جماعتیں ہیں صف[۲] باندھے ہوئے

يَسْتَطِيْعُهَا الْبَطَلَةُ ۔
(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

وہ دونوں انھیں پڑھنے والوں کی طرف سے جھگڑیں گی سورۂ بقرہ کو پڑھو کہ اس سورۃ کو لینا برکت[۴] ہے اور اسے چھوڑ دینا حسرت و افسوس کی بات ہے اور سست[۵] لوگ اسے پڑھنے کی طاقت نہیں رکھتے ۔
(مسلم شریف)

[۱] یعنی جو لوگ ان کی تلاوت کی پابندی کرتے ہیں۔
[۲] ۔ قاموس میں کہا غمام بمعنی سفید ابر ۔ غیایتان دو یا کے ساتھ ۔ بمعنی ایسی دو چیزیں جو سر پر سایہ فگن ہوں جیسے بادل وغیرہ ۔
[۳] یہاں حدیث میں لفظ صواف آیا ہے بمعنی صفیں باندھنا ۔ اور لفظ فرقان ۔ فا کی زیر را ساکن ۔ اصل بکریوں کے ریوڑ کو کہتے ہیں مراد ان تین چیزوں میں سے کسی ایک کے ساتھ تشبیہ دینا ہے ۔ اس کے بعد سورۂ بقرہ پڑھنے کی پھر تلقین و تاکید فرمائی ۔
[۴] اور مزید نعمت و سعادت کا سبب ہے ۔
[۵] یہاں حدیث میں لفظ لبطلۃ آیا ہے ۔ اس کا معنی سستی کرنے والوں کے علاوہ جادو کرنے والے اور فسق و فجور میں مبتلا ہونے والوں کا بھی آتا ہے ۔

وَ عَنِ النَّوَّاسِ بْنِ سَمْعَانَ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ يُؤْتٰى بِالْقُرْاٰنِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَ اَهْلِهِ الَّذِيْنَ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ بِهٖ تَقْدُمُهٗ سُوْرَةُ الْبَقَرَةِ وَ اٰلُ عِمْرَانَ كَاَنَّهُمَا غَمَامَتَانِ اَوْ ظُلَّتَانِ سَوْدَاوَانِ بَيْنَهُمَا شَرْقٌ اَوْ كَاَنَّهُمَا فِرْقَانِ مِنْ طَيْرٍ صَوَافَّ تُحَاجَّانِ عَنْ صَاحِبِهِمَا ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت نواس[۱] بن سمعان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا ہے کہ قیامت کے دن قرآن اور اس کے پڑھنے والوں کو جو اس پر عمل بھی کرتے تھے[۲] لایا جائے گا قرآن کریم کی پیشوائی کر رہی[۳] ہو گی سورت بقرہ اور سورۂ آل عمران گویا کہ وہ دو سفید ابر ہیں یا دو سیاہ[۴] رنگ کے سائبان ہیں ان دونوں کے درمیان فاصلہ اور فرق[۵] ہو گا ۔ گویا وہ پرندوں کی دو صفیں ہوں گی جو انھیں پڑھنے والوں کی طرف سے جھگڑتی ہوں گی ۔
(مسلم شریف)

۱؎ نواس، نون کی زبر واؤ مشدد۔ سمعان سین کی زبر یا زیر۔ آپ صحابی ہیں ملک شام میں سکونت رکھتے تھے
۲؎ یعنی اس کے احکام پر عمل کرتے تھے۔
۳؎ یہاں حدیث میں لفظ تقدمہ آیا ہے یعنی دال کی پیش سے۔
۴؎ سیاہ اس بنا پر کہ وہ مقدار میں زیادہ اور ایک دوسرے پر تہہ بہ تہہ ہوتے ہیں۔ لہٰذا وہ سیاہ دکھائی دیتے ہیں۔
۵؎ یعنی نام کی وجہ سے اس کے آپس میں امتیاز و فرق ہوتا ہے۔ شرق کا لغت میں معنیٰ ہے۔ بکری کے کان چیرنا۔ بعض حضرات یہاں شرق بمعنیٰ اشراق لیتے ہیں۔ یعنی روشن و درخشندہ ہونا۔ یہ بھی نور اور روشنی کا نام ہے۔

وَعَنْ اُبَیِّ بْنِ کَعْبٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَا اَبَا الْمُنْذِرِ اَتَدْرِیْ اَیُّ اٰیَۃٍ مِّنْ کِتَابِ اللّٰہِ تَعَالٰی مَعَکَ اَعْظَمُ قُلْتُ اَللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ قَالَ یَا اَبَا الْمُنْذِرِ اَتَدْرِیْ اَیُّ اٰیَۃٍ مِّنْ کِتَابِ اللّٰہِ مَعَکَ اَعْظَمُ قُلْتُ اَللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ قَالَ فَضَرَبَ فِیْ صَدْرِیْ وَقَالَ لِیَھْنِکَ الْعِلْمُ یَا اَبَا الْمُنْذِرِ۔
(رَوَاہُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے ابومنذر[۱]! تو جانتا ہے کہ اللہ کی کتاب میں سے کون سی آیت تیرے نزدیک اعظم و بزرگ تر ہے۔ میں نے کہا اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتا ہے۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو جانتا ہے کہ اللہ کی کتاب میں سب سے بڑی اور بزرگ آیت کون سی ہے؟ میں نے[۲] عرض کیا اَللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ۔ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے سینہ پر اپنا دست مبارک[۳] مارا اور فرمایا اے ابوالمنذر! تجھے علم مبارک[۴] ہو۔
(مسلم شریف)

۱؎ منذر۔ میم کی پیش، نون ساکن، ذال کی زیر۔ یہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ کی کنیت ہے۔
۲؎ یعنی آیت الکرسی
۳؎ بعض نسخوں میں بِیَدِہٖ کا لفظ صریحاً مذکور ہے۔
۴؎ اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کے قرآن کریم کی اعظم آیت دریافت

کر لینے پر ان کی مدح وثنا کی اگرچہ وہ دریافت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تصرف روحانی اور آپ کے القا کی وجہ سے ہوئی یہاں حدیث میں مبارک یصنک کا ترجمہ ہے۔ یا ساکن کی زبر یا ساکن نون کی زیر۔ بعض نسخوں میں یصنک ہمزہ کے ساتھ ہے اور اصل لفظ یہی ہے۔ یصنک اس کی تخفیف ہے۔

وَ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ وَکَّلَنِیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بِحِفْظِ زَکٰوةِ رَمَضَانَ فَاَتَانِیْ اٰتٍ فَجَعَلَ یَحْثُوْ مِنَ الطَّعَامِ فَاَخَذْتُهٗ وَقُلْتُ لَاَرْفَعَنَّكَ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنِّیْ مُحْتَاجٌ وَّ عَلَیَّ عِیَالٌ وَ لِیْ حَاجَةٌ شَدِیْدَةٌ قَالَ فَخَلَّیْتُ عَنْهُ فَاَصْبَحْتُ فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَا اَبَا هُرَیْرَةَ مَا فَعَلَ اَسِیْرُكَ الْبَارِحَةَ قُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ شَکَا حَاجَةً شَدِیْدَةً وَّ عِیَالًا فَرَحِمْتُهٗ فَخَلَّیْتُ سَبِیْلَهٗ قَالَ اَمَا اِنَّهٗ قَدْ کَذَبَكَ وَ سَیَعُوْدُ فَعَرَفْتُ اَنَّهٗ سَیَعُوْدُ لِقَوْلِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنَّهٗ سَیَعُوْدُ فَرَصَدْتُّهٗ فَجَآءَ یَحْثُوْ مِنَ الطَّعَامِ فَاَخَذْتُهٗ فَقُلْتُ لَاَرْفَعَنَّكَ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ دَعْنِیْ فَاِنِّیْ مُحْتَاجٌ وَ عَلَیَّ عِیَالٌ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے ذمہ رمضان کی زکوٰۃ (صدقہ فطر) کی حفاظت کا کام لگایا تو میرے پاس ایک آنیوالا آیا اور دونوں ہاتھوں سے اس صدقہ فطر کا غلہ لینا شروع کر دیا۔ میں نے اس کو پکڑ لیا اور میں نے کہا میں تجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اٹھا کر لے جاؤنگا اس شخص نے کہا میں ایک محتاج ہوں اور مجھ پر عیال کا بوجھ ہے مجھے اس کی بڑی ضرورت ہے (اس کی بابت سکر) میں نے اسے چھوڑ دیا۔ میں نے صبح کی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا۔ آپ نے فرمایا اے ابوہریرہ! تیرے رات کے قیدی کا کیا بنا؟ میں نے عرض کیا اس نے اپنی شدید مجبوری اور اپنی عیالداری کا شکوہ کیا۔ تو مجھے اس پر رحم آگیا اور میں نے اسے چھوڑ دیا۔ آپ نے فرمایا آگاہ رہ بیشک اس نے غلط بیانی سے کام لیا وہ عنقریب پھر آئے گا آپ کے یہ خبر دینے پر مجھے پتہ چل گیا کہ وہ ضرور آئے گا۔ میں نے اسکی انتظار شروع کر دی۔ اس دوران وہ آگیا اور اس نے غلہ میں سے اٹھانا شروع کر دیا۔ تو میں نے اس کو پکڑ لیا اور میں نے کہا میں تجھے ضرور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اٹھا لے چلوں گا۔ اس نے کہا مجھے چھوڑ دے کہ میں ایک محتاج اور عیال دار ہوں۔ میں پھر نہ آؤں گا۔

لَآ اَعُوْدُ فَرَحِمْتُهٗ فَخَلَّيْتُ سَبِيْلَهٗ فَاَصْبَحْتُ فَقَالَ لِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَآ اَبَا هُرَيْرَةَ مَا فَعَلَ اَسِيْرُكَ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ شَكَا حَاجَةً شَدِيْدَةً وَّ عِيَالًا فَرَحِمْتُهٗ فَخَلَّيْتُ سَبِيْلَهٗ فَقَالَ اَمَا اِنَّهٗ قَدْ كَذَبَكَ وَ سَيَعُوْدُ فَرَصَدْتُّهٗ فَجَآءَ يَحْثُوْ مِنَ الطَّعَامِ فَاَخَذْتُهٗ فَقُلْتُ لَاَرْفَعَنَّكَ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ هٰذَا اٰخِرُ ثَلٰثِ مَرَّاتٍ اَنَّكَ تَزْعُمُ لَا تَعُوْدُ ثُمَّ تَعُوْدُ قَالَ دَعْنِيْ اُعَلِّمْكَ كَلِمَاتٍ يَنْفَعُكَ اللّٰهُ بِهَا اِذَا اَوَيْتَ اِلٰى فِرَاشِكَ فَاقْرَءْ اٰيَةَ الْكُرْسِيِّ اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ حَتّٰى تَخْتِمَ الْاٰيَةَ فَاِنَّكَ لَنْ يَّزَالَ عَلَيْكَ مِنَ اللّٰهِ حَافِظٌ وَلَا يَقْرَبُكَ شَيْطٰنٌ حَتّٰى تُصْبِحَ فَخَلَّيْتُ سَبِيْلَهٗ فَاَصْبَحْتُ فَقَالَ لِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا فَعَلَ اَسِيْرُكَ قُلْتُ زَعَمَ اَنَّهٗ يُعَلِّمُنِيْ كَلِمٰتٍ يَّنْفَعُنِيْ

تو مجھے اس پر ترس آگیا اور میں نے اسے چھوڑ دیا۔ پھر میں صبح کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اے ابوہریرہ تیرے رات کے قیدی کا کیا بنا؟ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! اس نے اپنی شدید محتاجی اور عیالداری کا شکوہ کیا مجھے اس پر ترس آگیا اور میں نے اس کا راستہ آزاد چھوڑ دیا۔ اس پر آپ نے فرمایا آگاہ رہ بے شک اس نے جھوٹ بولا۔ اور عنقریب وہ پھر لوٹ کر آئے گا۔ میں نے اس کی انتظار کرنا شروع کر دی کہ اچانک وہ آنکلا اور اس نے غلہ گندم دونوں ہاتھوں سے لینا شروع کر دیا۔ میں نے پھر اسے پکڑ لیا اور میں نے کہا کہ میں ضرور تجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اٹھا لے چلوں گا۔ یہ تیسری اور آخری بار تھی۔ بے شک تو دعوی کرتا ہے کہ واپس نہ آئے گا مگر پھر تو آجاتا ہے۔ اس نے کہا مجھے چھوڑ دے۔ میں تجھے ایسے کلمات سکھاتا ہوں جن سے اللہ تعالیٰ تجھے نفع دے گا (وہ یہ کہ) جب تو اپنے بستر پر پہنچے تو آیۃ الکرسی پڑھ لیا کر۔ ہوالعلی العظیم تک۔ کہ بے شک (آیۃ الکرسی پڑھنے سے) اللہ تعالیٰ کی طرف سے تجھ پر ہمیشہ ایک محافظ موجود رہے گا اور شیطان تیرے قریب نہ آسکے گا۔ صبح ہونے تک تو میں نے اس کو رہا کر دیا۔ پھر صبح کو میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تیرے رات کے قیدی کا کیا بنا؟

اللّٰهُ بِهَا قَالَ اَمَا اِنَّهٗ صَدَقَكَ وَ هُوَ كَذُوْبٌ تَعْلَمُ مَنْ تُخَاطِبُ مُنْذُ ثَلٰثِ لَيَالٍ قُلْتُ لَا قَالَ ذَاكَ شَيْطٰنٌ۔

(رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

میں نے کہا اس نے کہا کہ میں تجھے چند کلمات سکھاتا ہوں جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ مجھے نفع دے گا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آگاہ رہ بیشک اس نے سچ کہا ہے حالانکہ وہ باقی باتوں میں جھوٹا ہوتا ہے اے ابوہریرہ تو جانتا ہے کہ تو تین راتیں کس سے باتیں کرتا رہا میں نے عرض کیا نہیں۔ آپ نے فرمایا وہ شیطان تھا۔

(بخاری)

۱؎ یعنی صدقہ فطر کی حفاظت کا کام میرے ذمہ لگایا تاکہ کسی دوسرے وقت میں فقراء کے اندر تقسیم کیا جائے۔

۲؎ کہ میں بہت محتاج ہوں۔ عیالدار ہوں اور مجھے اس کی سخت حاجت و ضرورت ہے۔

۳؎ اسے آیۃ الکرسی اس لیے کہتے ہیں کہ اس میں وہ آیت ہے جس میں کرسی کا لفظ آیا ہے۔

۴؎ یعنی جنوں اور انسانوں میں سے کوئی شیطان تیرے قریب نہ آ سکے گا۔

۵؎ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو یہ نہ فرمایا تھا کہ اسے رہا نہ کرنا اور نہ یہ فرمایا تھا کہ اسے ضرور میرے سامنے لانا۔ اس لیے حضرت ابوہریرہ اسے رہا کر دیتے تھے۔

۶؎ یعنی اس نے آیۃ الکرسی کی جو خاصیت بیان کی ہے۔ ٹھیک بیان کی ہے۔ فی الواقع آیۃ الکرسی کی وہی خاصیت ہے جو اس نے بیان کی۔

۷؎ یعنی وہ شیاطین میں سے ایک شیطان تھا جو صدقات میں کمی کرنے اور جائے خیر میں خلل اندازی کے لیے آیا تھا۔

وَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ بَيْنَمَا جِبْرَئِيْلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ قَاعِدٌ عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَمِعَ نَقِيْضًا مِّنْ فَوْقِهٖ فَرَفَعَ رَاْسَهٗ فَقَالَ هٰذَا مَلَكٌ نَزَلَ اِلَى الْاَرْضِ لَمْ يَنْزِلْ قَطُّ اِلَّا الْيَوْمَ فَسَلَّمَ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں اس اثنا میں کہ حضرت جبرئیل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ اچانک حضرت جبرئیل یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اوپر سے آواز سنی تو حضرت جبرئیل یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا سر اٹھایا تو حضرت جبرئیل علیہ السلام نے کہا یہ آسمان کا ایک دروازہ ہے جو کھولا گیا ہے۔ یہ آج کے دن کے

فَقَالَ اَبْشِرْ بِنُوْرَيْنِ اُوْتِيْتَهُمَا لَمْ يُؤْتَهُمَا نَبِيٌّ قَبْلَكَ فَاتِحَةُ الْكِتَابِ وَ خَوَاتِيْمُ سُوْرَةِ الْبَقَرَةِ لَنْ تَقْرَأَ بِحَرْفٍ مِّنْهُمَا اِلَّا اُعْطِيْتَهٗ۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

سوا کبھی نہیں کھولا گیا۔اس سے ایک فرشتہ نازل ہوا ہے حضرت جبرئیل نے کہا یہ ایک ایسا فرشتہ زمین پر نازل ہوا ہے جو آج کے دن کے سوا کبھی بھی نازل نہیں ہوا اس فرشتے نے آکر سلام کہا ہے اور عرض کیا ہے کہ آپ کو دو نوروں کی بشارت ہو جو آپ کو عطا کیے گئے ہیں وہ آپ سے پہلے کسی بھی نبی کو عطا نہیں کیے گئے (وہ دو نور) ایک تو سورۃ فاتحۃ الکتاب ہے۔دوسرا سورۃ بقرہ کی آخری آیات[۳] آپ ان کا کوئی حرف ہرگز نہ پڑھیں گے مگر وہ آپ کو عطا کر دیا جائے گا[۴] (مسلم شریف)

۞ ۞

[۱] یہاں حدیث میں لفظ نقیض آیا ہے (قاف اور ضاد معجمہ کے ساتھ) یعنی ایسی آواز جو کجاوے یا پالان کی آواز کے مشابہ ہوتی ہے۔یہاں دروازہ کھلنے کی آواز کا کجاوے کی آواز کے مشابہ ہونا زیادہ مناسب ہے۔

[۲] یعنی یہ راوی کا کلام ہے۔

[۳] یعنی سورۃ بقرہ کی دو آخری آیات۔ایک آمن الرسول دوسری ربنا لا تواخذنا آخر سورت تک۔

[۴] یعنی آپ سورۃ فاتحۃ الکتاب اور بقرۃ کی آخری آیات میں سے کوئی حرف نہ پڑھیں گے۔مگر اس کا ثواب آپ کو عطا کر دیا جائے گا۔یا قبول کر لی جائیں گی وہ دعائیں جو ان سورتوں میں ہیں یعنی یہ عمل مقبول ہے۔اور ان سورتوں میں واقع دعائیں بہرحال مقبول و مستجاب ہیں۔یہاں حرف سے دعا کے وہ کلمات مراد ہیں جو ان سے آئے ہیں جیسے رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا اور رَبَّنَا لَا تُحَمِّلْنَا وغیرہ۔معنی اول کے لحاظ سے اگر حروف سے حروف تہجی مراد لیے جائیں جو کلمات کے اجزا ہیں تو یہ بھی درست ہے۔کیونکہ قرآن پاک کے ہر ہر حرف پر اجر و ثواب ہے۔

وَ عَنْ اَبِيْ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْاٰيَتَانِ مِنْ اٰخِرِ سُوْرَةِ الْبَقَرَةِ مَنْ قَرَأَ بِهِمَا فِيْ لَيْلَةٍ كَفَتَاهُ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ابو مسعود[۱] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔فرماتے ہیں۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سورۃ بقرہ کے آخر میں دو آیتیں ہیں۔جو انہیں رات کو پڑھ کر سوتا ہے۔وہ اس کے لیے کافی ہوتی ہیں[۲]

(بخاری و مسلم)

۱ ان کا نام مبارک عقبہ بن عمرو بن ثعلبہ انصاری ہے۔ رضی اللہ عنہ۔
۲ یعنی اللہ تعالیٰ جنوں و انسانوں کے شر سے اسے محفوظ رکھتا ہے۔ یا رات کے باقی ورد و وظائف کی جگہ صرف یہی دو آیتیں کافی ہو جاتی ہیں۔

وَعَنْ اَبِی الدَّرْدَآءِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ حَفِظَ عَشْرَ اٰیَاتٍ مِّنْ اَوَّلِ سُوْرَةِ الْکَهْفِ عُصِمَ مِنَ الدَّجَّالِ۔
(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے سورۃ کہف کی پہلی دس آیات حفظ کریں۔ وہ دجال[۱] سے بچا لیا گیا۔
(مسلم)

۱ دجال سے دجال معہود مراد ہے۔ جو آخر زمانہ میں ظاہر ہوگا۔ اور لوگوں کو فتنہ میں ڈالے گا۔ یا ہر کذاب و فریبی کے شر سے بچا لیا جائے گا۔ دجل کا معنیٰ لغت میں ہے۔ کذب و خیانت۔ اور دہوکا و فریب۔
۲ ترمذی شریف میں حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ ہی کی ایک روایت میں تین آیتوں کا ذکر آیا ہے۔ جیسا کہ فصل ثانی میں آ رہا ہے۔

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَیَعْجِزُ اَحَدُکُمْ اَنْ یَّقْرَاَ فِیْ لَیْلَةٍ ثُلُثَ الْقُرْاٰنِ قَالُوْا وَکَیْفَ یَقْرَاُ ثُلُثَ الْقُرْاٰنِ قَالَ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ تَعْدِلُ ثُلُثَ الْقُرْاٰنِ۔
(رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَرَوَاهُ الْبُخَارِیُّ عَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ)

حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم میں سے کوئی اس بات سے بھی کمزوری دکھلاتا ہے کہ ایک رات میں تیسرا حصہ قرآن پاک کا پڑھ لے۔ صحابہ نے عرض کیا۔ قرآن کا تیسرا حصہ ایک رات میں کیسے پڑھا جا سکتا ہے[۱]۔ آپ نے فرمایا سورۃ قل ھو اللہ احد قرآن کے تیسرے حصے کے برابر ہے[۲]۔ مسلم شریف۔ اور بخاری نے اسے حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔

۱ کہ ایک رات میں قرآن کا تیسرا حصہ پڑھنا مشقت سے خالی نہیں خصوصاً ہر رات میں دوسرے اوراد و وظائف کے ساتھ اتنا حصہ قرآن پڑھنے کا اگر آپ حکم دیتے ہیں۔ ساتھ ہی آپ یہ بھی فرماتے ہیں کہ اپنے نفس اور اپنی بیوی کے حقوق کی بھی رعایت ملحوظ رکھو۔
۲ یعنی ناقص کو کامل کے ساتھ لاحق کرنے کے طور پر فضیلت و ثواب میں یہ سورت قرآن کے تیسرے حصے

کی تلاوت کے برابر ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے اس سورت کے کئی گنا ثواب کو قرآن کے تیسرے حصے کے ثواب کے برابر کر دیتا ہے۔ علماء نے یہ بھی کہا ہے کہ قرآن کے مضامین تین حصوں میں منقسم ہیں۔ قصے۔ احکام۔ اور توحید۔ اور سورۃ قل ھو اللہ احد بیان توحید پر مشتمل ہے۔

وَعَنْ عَائِشَةَ رض اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعَثَ رَجُلًا عَلٰى سَرِيَّةٍ وَكَانَ يَقْرَأُ لِاَصْحَابِهٖ فِيْ صَلٰوتِهِمْ فَيَخْتِمُ بِقُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ فَلَمَّا رَجَعُوْا ذَكَرُوْا ذٰلِكَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ سَلُوْهُ لِاَيِّ شَيْءٍ يَصْنَعُ ذٰلِكَ فَسَاَلُوْهُ فَقَالَ لِاَنَّهَا صِفَةُ الرَّحْمٰنِ وَاَنَا اُحِبُّ اَنْ اَقْرَاَهَا فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَخْبِرُوْهُ اَنَّ اللّٰهَ يُحِبُّهٗ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ بے شک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجاہدین کے ایک چھوٹے[۱] دستے کے ساتھ ایک ایسے شخص کو بھیجا جو اپنے ساتھیوں کے ساتھ ان کی نمازوں میں قرأت کرتا اور سورۃ قل ھو اللہ پر ختم کرتا تھا[۲] جب یہ مجاہدین واپس آئے تو انہوں نے اس بات[۳] کا ذکر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا۔ آپ نے فرمایا اس سے دریافت کرو۔ یہ اس[۴] طرح کس لیے کرتا رہا ہے۔ صحابہ نے اس سے دریافت کیا تو اس نے کہا میں اس لیے ایسا کرتا ہوں کہ اس میں ذات رحمٰن کی صفت وثنا ہے۔ میں پسند کرتا ہوں کہ اسے پڑھوں (اس پر) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس بندے کو بتلادو کہ اللہ تعالیٰ اس سے محبت[۵] کرتا ہے۔ (بخاری ومسلم)

۱ یہاں حدیث میں سَرِیَّہ آیا ہے۔ سین کی زبر را مخفف۔ یا کی شد سے بمعنی فرج کا ایک حصہ جو کسی جگہ بھیجا جائے نہ کہ لشکر عظیم۔

۲ یعنی وہ مرد جب نمازمیں اپنے ساتھیوں کی امامت کرتا تو اپنی قرأت سورۃ قل ھو اللہ احد پر ختم کیا کرتا تھا یعنی اس کی عادت یہ تھی کہ وہ سورہ فاتحہ کے بعد سورہ قل ھو اللہ پڑھا کرتا تھا۔ کذا قال الطیبی۔
ظاہرًا یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ شخص اپنی قرأت (سورۃ فاتحہ اور کوئی اور سورت) کے بعد ہر رکعت میں سورۃ قل ھو اللہ احد پڑھا کرتا تھا۔ صحیح بخاری کی ایک حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ سورۃ فاتحہ کے بعد قل ھو اللہ احد پڑھا کرتا اس کے بعد کوئی اور سورت پڑھتا تھا۔ اس پر اس کے ساتھیوں نے اس سے کہا کہ تو اپنی قرأت اس سورت سے شروع کرتا ہے۔ پھر اس سورت (اخلاص) پر کفایت نہیں کرتا۔ یہاں تک کہ اس کے ساتھ اور سورت بھی پڑھتا ہے۔

یا تو یہی سورت پڑھو یا اسے چھوڑ کر کوئی دوسری سورت پڑھو۔ اس نے جواب دیا میں اس (سورۃ اخلاص) کا پڑھنا ترک نہیں کر سکتا۔ اگر تم لوگ میری امامت پسند کرتے ہو تو میں ایسا ہی کروں گا۔ ورنہ میں تمہاری امامت کرنا چھوڑ دیتا ہوں اس فوجی دستہ کے لوگ اس شخص کو اپنے لئے افضل اور اچھا جانتے تھے۔ اور اس بات کو پسند نہ کرتے تھے کہ کوئی اور ان کی امامت کرے۔

۳؎ یعنی اس قصہ کا ذکر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا۔

۴؎ یعنی اس سے دریافت کرو کہ یہ سورۃ اخلاص پڑھنے کا اس قدر پابند کیوں ہے۔

۵؎ صحیح بخاری شریف کی روایت میں ہے کہ خود حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے دریافت کیا کہ تجھے سورۃ اخلاص ترک کرنے سے کس چیز نے روکا۔ ہر رکعت میں تو اس سورت کے پڑھنے کی پابندی کیوں کرتا ہے۔ اس نے جواب دیا مجھے اس سورۃ سے خصوصی محبت ہے۔ آپ نے فرمایا تو پھر اس سورۃ کی محبت تجھے بہشت میں لے جائے گی۔

وَعَنْ اَنَسٍ رضی اللہ عنہ قَالَ اِنَّ رَجُلًا قَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنِّيْ اُحِبُّ هٰذِهِ السُّوْرَةَ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ قَالَ اِنَّ حُبَّكَ اِيَّاهَا اَدْخَلَكَ الْجَنَّةَ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَرَوَى الْبُخَارِيُّ مَعْنَاهُ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ بے شک ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ! مجھے اس سورت سے پیار ہے۔ یعنی سورۃ قل ھو اللہ احد سے آپ نے فرمایا بیشک تیرے دل میں اس سورت کی محبت نے تجھے جنت میں داخل کر دیا۔ [۱] اور بخاری نے اس کے ہم معنی حدیث روایت کی [۲]

۱؎ یعنی تجھے جنت کا مستحق بنا دیا۔

۲؎ یعنی امام بخاری نے یہ حدیث دوسرے الفاظ سے روایت کی۔

وَعَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلَمْ تَرَ اٰيٰتٍ اُنْزِلَتِ اللَّيْلَةَ لَمْ يُرَ مِثْلُهُنَّ قَطُّ قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ وَ قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو نہیں دیکھتا یا نہیں جانتا [۱]۔ ان آیات کو جو اس رات نازل ہوئی ہیں جن کی مثل کبھی کوئی آیت نہیں دیکھی گئی [۲]۔ یعنی قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس۔

(مسلم شریف)

۱؎ اس استفہامی انداز کلام سے خود تعجب میں پڑنا اور دوسروں کو تعجب میں ڈالنا مطلوب ہے۔
۲؎ یعنی باب تعوذ میں ان کی مثل کوئی سورت دیکھنے میں نہیں آئی کیونکہ ان میں ظاہری باطنی اور جسمانی و روحانی نقصان دہ اور ناپسندیدہ امور سے بڑے مبالغہ اور تاکید سے پناہ طلب کی گئی ہے۔

وَ عَنْ عَائِشَةَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہَا اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ اِذَا اٰوٰی اِلٰی فِرَاشِہٖ کُلَّ لَیْلَۃٍ جَمَعَ کَفَّیْہِ ثُمَّ نَفَثَ فِیْہِمَا فَقَرَاَ فِیْہِمَا قُلْ ھُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ وَ قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ وَ قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ثُمَّ یَمْسَحُ بِہِمَا مَا اسْتَطَاعَ مِنْ جَسَدِہٖ یَبْدَاُ بِہِمَا عَلٰی رَاْسِہٖ وَ وَجْہِہٖ وَ مَا اَقْبَلَ مِنْ جَسَدِہٖ یَفْعَلُ ذٰلِکَ ثَلٰثَ مَرَّاتٍ (مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ بے شک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا دستور تھا کہ جب ہر رات اپنے بستر پر تشریف لاتے تو دونوں ہاتھ اکٹھے کرتے پھر ان میں پھونکتے[۱] اور دونوں ہاتھوں میں قل ہو اللہ احد اور قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس پڑھتے تھے[۲] پھر دونوں ہاتھ جسم کے ان تمام حصوں پر پھیرتے جہاں تک ہاتھ جا سکتے تھے۔ اپنے سر مبارک اور چہرہ انور اور بدن کے اگلے حصے سے شروع کرتے تھے[۳] اسی طرح آپ تین[۴] مرتبہ کرتے تھے۔ (بخاری و مسلم)

وَ سَنَذْکُرُ حَدِیْثَ ابْنِ مَسْعُوْدٍ لَمَّا اُسْرِیَ بِرَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِیْ بَابِ الْمِعْرَاجِ اِنْ شَآءَ اللّٰہُ تَعَالٰی۔

اور عنقریب ہم حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث جس کا اول لما اسری برسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے، باب المعراج میں انشاء اللہ تعالیٰ ذکر کریں گے۔

۱؎ یہاں حدیث میں لفظ نفث آیا ہے۔ نفخ، نفث، تفل سب کے ایک ہی معنی ہیں، صرف اتنا فرق ہے کہ نفخ کا معنیٰ ہے اس طرح دم کرنا کہ پھونک نکلے مگر منہ کا لعاب ساتھ نہ نکلے، تفل کا معنیٰ ہے اس طرح پھونکنا اور دم کرنا کہ اس کے ساتھ لعاب دہن بھی ہو، نفث وہ دم کرنا جو تفل سے کمتر ہو۔
۲؎ یہاں حدیث میں واقع لفظ فقرأ میں کلمہ ف جو تعقیب کے لیے ہوتا ہے، کا مدلول اس امر کا تقاضا کرتا ہے کہ پہلے آپ دم کرتے تھے پھر یہ سورتیں پڑھتے تھے، حالانکہ ظاہراً اس کے برعکس ہوتا ہے کہ پہلے پڑھتے ہیں پھر دم کرتے ہیں۔ لہٰذا بعض علماء اس کا یہ جواب دیتے ہیں کہ دم کرنے سے ارادہ دم مراد ہے۔ بعض کہتے ہیں یہاں فا تعقیب کے لیے

نہیں بلکہ واؤ کے معنی میں ہے۔ بعض نے کہا آپ جادوگروں کی مخالفت کے لیے پہلے دم کرتے پھر پڑھتے تھے یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ راوی یا کاتب کا سہو ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

سلہ پھر بدن کے دوسرے حصوں پر پھیرتے تھے۔

سکہ یعنی آپ یہ پڑھنا، دم کرنا اور بدن پر ہاتھ ملنا تین بار کرتے تھے۔ حضرت عائشہ سے ایک روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مرض موت میں حضرت عائشہ کے دونوں ہاتھ پکڑتے تھے۔ ان پر یہ دو سورتیں پڑھتے اور دم کرتے تھے اور حضرت عائشہ کے دونوں ہاتھ اپنے جسد اطہر پر پھیرنے اور ملنے کا حکم دیتے تھے۔

ھہ اور اس حدیث میں سورۃ بقرہ شریف کی آخری آیتوں کے عطا ہونے کا ذکر موجود ہے۔

سلہ کہ اس کا ذکر باب المعراج میں زیادہ مناسب ہے۔ اور مصابیح میں یہ حدیث باب فضائل القرآن میں مذکور ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ ثَلٰثَۃٌ تَحْتَ الْعَرْشِ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ اَلْقُرْاٰنُ یُحَاجُّ الْعِبَادَ لَہٗ ظَہْرٌ وَبَطْنٌ وَ الْاَمَانَۃُ وَ الرَّحِمُ تُنَادِیْ اَلَا مَنْ وَصَلَنِیْ وَصَلَہُ اللّٰہُ وَ مَنْ قَطَعَنِیْ قَطَعَہُ اللّٰہُ۔

(رَوَاہُ شَرْحِ السُّنَّۃِ)

دوسری فصل

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تین چیزیں قیامت کے دن عرش کے سایہ کے نیچے ہوں گی۔ ایک قرآن پاک جو بندوں کے متعلق حجت اور دلیل[۱] بنے گا۔ قرآن کا ظاہر بھی ہے اور باطن[۲] بھی۔ دوسری چیز امانت[۳] ہے اور تیسری چیز رشتہ رحم ہے۔ یہ رشتہ رحم ندا کرتا[۴] اور فریاد کرتا اور کہتا ہے لوگو آگاہ رہو جو شخص مجھے ملاتا اور جوڑتا اور میرے حق کی رعایت کرتا ہے اللہ تعالیٰ کا لطف و کرم اس سے ملا رہتا ہے اور اس کے حق کی رعایت کرتا ہے اور جو شخص مجھے کاٹتا ہے مجھے نہیں جوڑتا اور نہ میرے حق کی رعایت کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا قہر و غضب اسے کاٹ دیتا ہے اور درگاہ رحمت سے اسے دور ڈال دیتا ہے۔ (شرح سنۃ)

لہ "تین چیزیں روز قیامت عرش کے نیچے ہوں گی" اس جملے میں ان تین چیزوں کے کمال قرب اور درگاہِ عزت میں بڑے اعتبار واہتمام سے کنایہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے حقوق ضائع نہ کرے گا۔ اور جوان کی حفاظت کرے گا۔ اللہ تعالیٰ اسے اجر وثواب عطا کرے گا۔ ان پر عمل کرنے والوں کو ان کا بدلہ ضرور دے گا۔ جیسا کہ بادشاہوں کے مقربوں کا حال ہے۔ کہ بادشاہ ان کو ضرور انعام واکرام سے نوازتے رہتے ہیں۔

۲ہ کبھی تو بندوں کے حق میں حجت اور دلیل بنے گا۔ جب کہ انہوں نے اس کے حقوق کی رعایت کی ہوگی۔ اور کبھی ان کے خلاف دلیل وحجت بنے گا، جب کہ وہ اس کے حقوق ضائع کریں گے۔ اور اس کے احکام وفرائض اور حدود سے اعراض و بے رخی کریں گے۔

۳ہ قرآن کا ظاہر وہ ہے جس کے سمجھنے اور اس پر عمل کرنے میں سب مسلمان شریک ہیں۔ اور اس کا باطن وہ ہے جس کی سمجھ تک صرف خاصان حق کے ذہن ہی جاتے ہیں۔ اس میں اس جانب بھی اشارہ ہے کہ ہر ایک انسان سے قرآن کے بارے میں اس کے فہم وسمجھ کے مطابق اس کے حقوق وفرائض سے متعلق مطالبہ ومواخذہ ہوگا۔

۴ہ دوسری چیز امانت ہے۔ امانت سے مراد لوگوں کے حقوق ہیں جو ان کے سوال، ان کی عزتوں اور ان کے خون سے تعلق رکھتے ہیں۔ یا امانت سے لوگوں کے صرف مال مراد ہیں۔ جیسے لوگوں کی امانتیں۔ ظاہر یہی ہے کہ اس سے ان کی امانتیں مراد ہیں۔ ورنہ وہ امانت جس کا ذکر اللہ تعالیٰ کے قول مبارک اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ میں ہے۔ اور اس سے جس امانت کی جانب اشارہ ہے۔ وہ تمام شرعی تکالیف اور احکام کو شامل ہے۔

۵ہ مذا کر رحم کے ساتھ خاص کرنے میں اس کے غایت اہتمام وعظمت کی جانب اشارہ ہے۔

وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُقَالُ لِصَاحِبِ الْقُرْاٰنِ اقْرَأْ وَارْتَقِ وَرَتِّلْ كَمَا كُنْتَ تُرَتِّلُ فِي الدُّنْيَا فَاِنَّ مَنْزِلَكَ عِنْدَ اٰخِرِ اٰيَةٍ تَقْرَؤُهَا. (رَوَاهُ اَبُوْ دَاؤُدَ وَاَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَالنَّسَائِيُّ)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا صاحب قرآن لہ سے کہا جائے گا، قرآن حکیم پڑھتا اور بلندی درجات کی طرف بڑھتا جا۔ اور صحیح وعمدہ طریقہ سے پڑھ جس طرح تو دنیا میں پڑھا کرتا تھا۔ کیونکہ تیری منزل اس آیت کے پاس ہے جو تو سب سے اخیر پڑھے گا۔

(احمد، ترمذی، ابوداؤد ونسائی)

لہ صاحب قرآن سے وہ شخص مراد ہے جو قرآن کی تلاوت کا خوگر ہو اور اس پر عمل پیرا رہے۔ اس سے کہا جائے گا قرآن حکیم کو پڑھ۔ اور درجات جنت میں اوپر کو بلند ہوتا جا جس قدر کہ قرآنی آیات پڑھ سکتا ہے۔ پھر اگر سارا قرآن پڑھے گا

تو جنت کے ان آخری درجات تک پہنچ جائے گا جو اس کے لیے تیار کیے گئے اور اس کے لائق حال ہوں گے۔ یہ امر و حکم تمام اصحاب قرآن کو شامل ہے۔ انبیاء و مرسلین ہوں یا اولیاء و علماء اور دوسرے تمام صالحین کرام ان کے درجات کے مطابق۔
ؔ لغت کی کتاب صراح میں ہے۔ ترتیل بمعنی ہموار، سکون بخش اور حروف کو نمایاں اور صاف پڑھنا، رتل دو زبروں سے بمعنی عمدہ گفتگو۔

وَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ الَّذِىْ لَيْسَ فِىْ جَوْفِهٖ شَىْءٌ مِّنَ الْقُرْاٰنِ كَالْبَيْتِ الْخَرِبِ.

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس پیٹ میں قرآن پاک میں سے کچھ بھی نہیں وہ ویرانؔ گھر کی طرح ہے۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِىُّ وَ الدَّارِمِىُّ)

(ترمذی و دارمی)

وَ قَالَ التِّرْمِذِىُّ هٰذَا حَدِيْثٌ صَحِيْحٌ.

اور ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

ؔ جس میں کوئی آدمی نہ ہو۔ حدیث میں لفظ جوف آیا ہے۔ لغت کی کتاب صراح میں ہے جوف بمعنی اندرون شکم ظاہراً اس سے مراد یہ ہے کہا بجوز بہ الصلوٰۃ سے زیادہ قرآن یاد نہ ہو۔ بعض علماء نے اس میں تعمیم اختیار کی ہے بعض نے کہا ناظرہ یا حفظ کسی طرح قرآن نہ پڑھتا ہو۔ واللہ اعلم۔

وَ عَنْ اَبِىْ سَعِيْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ الرَّبُّ تَبَارَكَ وَ تَعَالٰى مَنْ شَغَلَهُ الْقُرْاٰنُ عَنْ ذِكْرِىْ وَ مَسْئَلَتِىْ اَعْطَيْتُهٗ اَفْضَلَ مَا اُعْطِى السَّآئِلِيْنَ وَ فَضْلُ كَلَامِ اللّٰهِ عَلٰى سَآئِرِ الْكَلَامِ كَفَضْلِ اللّٰهِ عَلٰى خَلْقِهٖ.

حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے جسے قرآن کی (تلاوت) نے میرے ذکر اور میرے حضور دعا کرنے اور مجھ سے مانگنے سے مشغول رکھاؔ میں اسے مانگنے والوںؔ سے زیادہ عطا کرتا ہوں اور اللہ تعالیٰ کے کلام کو باقی تمام کلاموں پر ایسی فضیلت حاصل ہے جیسے خدا تعالیٰ کو مخلوق پر فضیلت و برتری حاصل ہے۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِىُّ وَ الدَّارِمِىُّ وَالْبَيْهَقِىُّ فِىْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ)

(ترمذی، دارمی، اور بیہقی نے شعب الایمان میں روایت کیا۔

وَ قَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ غَرِيْبٌ

ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن غریب ہے۔

سلہ یعنی اس ذکر دعا و سوال سے باز رکھا جو قرآن کے علاوہ ہے۔

سلہ ظاہر یہ ہے کہ مانگنے والوں سے ذکر کرنے والے مراد ہیں۔ مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے لفظ ذاکرین کے بجائے سائلین فرمایا اور صرف سوال کے ذکر پر اکتفا فرمایا اس کی وجہ یہ ہے کہ ذکر بھی درحقیقت دعا ہی ہے لیکن ذکر کنایہ و اشارہ کے طور پر دعا ہے۔ کیونکہ کریم کا ذکر اور اس کی ثنا معنیً طلب و سوال ہوتا ہے۔ ایک دوسری روایت میں آیا ہے جسے میرا ذکر مجھ سے سوال کرنے سے باز رکھے۔ میں اسے سوال کرنے والوں سے زیادہ عطا کرتا ہوں۔ لہٰذا ذکر دعا سے افضل ہے۔ اور قرآن تمام اذکار سے افضل ہے اور دعا قرآن کا جزء ہے اور قرآن سب کو محیط ہے اور وہ جو درویش و مشائخ اپنے مریدین کو ذکر میں مشغول کرتے ۔ اور کچھ وقت کے لیے تلاوت قرآن پاک سے روک رکھتے ہیں اس میں مصلحت یہ ہے کہ ذکر کا اثر جلدی اور واضح طور پر ظاہر ہوتا ہے۔ اس کے برعکس قرآن پاک کا اثر کچھ دیر کے بعد ظاہر ہوتا ہے مگر ظاہر ہونے اور زیادہ کامل اور پورے طور سے نمایاں ہوتا ہے۔ جو پھر زائل نہیں ہوتا۔ بلکہ ذکر کا نتیجہ اور اثر جلدی جاتا رہتا ہے۔ دوسرے یہ ہے کہ قرآن کریم کا اثر ملکہ کی حد تک پہنچ جاتا ہے۔ اور بندے کو فنائے تمام تک لے جاتا ہے مشائخ کا مشہور قول ہے۔ الفانی لایرد الی اوصافہ۔ فانی اپنی صفات بشریہ کی طرف واپس نہیں لوٹتا اور قرآن کریم کا اثر دیر سے آتا اور دیر تک قائم رہتا ہے جیسا کہ حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے۔ حضرت شیخ موصوف قدس سرہٗ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ طالب حق قرآن اور تلاوت قرآن کے ذریعے (نماز میں ہو یا غیر نماز میں)، ہر آرزو تک جو بھی وہ رکھتا ہے، پہنچ جاتا ہے۔

وَ عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَرَأَ حَرْفًا مِّنْ كِتٰبِ اللّٰهِ فَلَهٗ حَسَنَةٌ وَّالْحَسَنَةُ بِعَشْرِ اَمْثَالِهَا لَا اَقُوْلُ الٓمٓ حَرْفٌ اَلِفٌ حَرْفٌ وَّلَامٌ حَرْفٌ وَّمِيْمٌ حَرْفٌ وَ قَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے قرآن پاک کا ایک حرف بھی پڑھا۔ اسے ایک نیکی ملتی ہے اور ایک نیکی کا ثواب دس نیکیوں کے برابر ہے۔ میں نہیں کہتا کہ الٓمٓ ایک حرف ہے بلکہ الف ایک حرف لام دوسرا حرف اور میم تیسرا حرف ہے۔ ترمذی۔ دارمی۔ اور ترمذی نے کہا یہ حدیث اسناد کے اعتبار سے حسن صحیح ہے۔

لے یعنی یہ امر طے شدہ ہے کہ ہر نیکی کی جزا کم از کم دس نیکیاں ہیں اس سے زیادہ کی حد نہیں اگر سوال کیا جائے کہ یہ بات تو تمام نیکیوں میں پائی جاتی ہے۔ قرآن کی فضیلت کہاں گئی، اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن کے ہر ایک حرف پر نیکی ملنا قرآن کی خاص نیکی ہے کہ اس کے ہر ایک جزو پر ثواب ملتا ہے۔ باقی اعمال میں ایک عمل پر ایک نیکی ملتی ہے۔ نہ کہ اس کے ہر ایک حصے پر ایک نیکی عطا ہوتی ہے۔ ہاں وہ عمل جو چند اعمال سے مرکب ہو وہاں پر ہر عمل پر جو اس پورے عمل کا حصہ ہوتا ہے، نیکی عطا کی جاتی ہے۔ اسے سمجھو۔ اس کے بعد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا میں نہیں کہتا کہ اَلٓمٓ ایک حرف ہے الخ۔

سلے یعنی میں نہیں کہتا کہ الم ایک حرف ہے، بلکہ الف تنہا ایک حرف ہے، اسی طرح لام اور میم بھی ایک ایک حرف ہے۔ اس کلام سے یہ مراد نہیں کہ الم کے حرف ہونے کی نفی کی جائے۔ جو تین حروف سے مرکب ہے اور جو سورتوں کے ابتدا میں واقع ہے، اور حروف کے اسماء کا اثبات مراد ہے، بلکہ اسماء کی نفی اور مسمیات کا اثبات ہے جو بسیط حروف ہیں۔ پس معنیٰ کے لحاظ سے سورۃ بقرہ کے ابتدا میں واقع الم کی نو سے نیکیاں ہوں گی اور الم ترمیں تیس نیکیاں۔ اسے سمجھو۔

وَعَنِ الْحَارِثِ الْاَعْوَرِ قَالَ مَرَرْتُ فِي الْمَسْجِدِ فَاِذَا النَّاسُ يَخُوْضُوْنَ فِي الْاَحَادِيْثِ فَدَخَلْتُ عَلٰى عَلِيٍّ فَاَخْبَرْتُهُ فَقَالَ اَوَقَدْ فَعَلُوْهَا قُلْتُ نَعَمْ قَالَ اِنِّيْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اَلَا اِنَّهَا سَتَكُوْنُ فِتْنَةٌ قُلْتُ مَا الْمَخْرَجُ مِنْهَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ كِتَابُ اللّٰهِ فِيْهِ نَبَأُ مَا قَبْلَكُمْ وَخَبَرُ مَا بَعْدَكُمْ وَحُكْمُ مَا بَيْنَكُمْ هُوَ الْفَصْلُ لَيْسَ بِالْهَزْلِ مَنْ تَرَكَهُ مِنْ جَبَّارٍ قَصَمَهُ اللّٰهُ وَمَنْ

حضرت حارث اعورلے رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں مسجد لے میں سے گزرا اچانک کیا دیکھتا ہوں کہ لوگ مسجد میں بیٹھے ادھر ادھرسلے کی باتوں میں مصروف ہیں۔ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور لوگوں کے اس طرز عمل کی خبر دی۔ آپ نے فرمایا کیا فی الواقع لوگ ایسا ہی کر رہےکلے ہیں۔ میں نے عرض کیا ہاں داس پر حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا آگاہ رہ بیشک میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ آپ فرماتے تھے آگاہ رہو کہ عنقریب فتنہ پھیلے گا میں نے عرض کیا یا رسول اللہ اس سے نکلنے اور نجات پانے کی کیا صورتھے ہوگی۔ آپ نے فرمایا اللہ کی کتاب کہ اس میں تم سے پہلے لوگوں کی خبریںلے اور واقعات ہیں، اور تمہارے بعد آنے والے واقعات بھی ہیں نیز اس میں تمہارے لیے ہر طرح کا حکم اور فیصلہ

ابْتَغَى الْهُدٰى فِىْ غَيْرِهٖ اَضَلَّهُ اللّٰهُ وَ هُوَ حَبْلُ اللّٰهِ الْمَتِيْنُ وَ هُوَ الذِّكْرُ الْحَكِيْمُ وَ هُوَ الصِّرَاطُ الْمُسْتَقِيْمُ هُوَ الَّذِىْ لَا تَزِيْغُ بِهِ الْاَهْوَآءُ وَ لَا تَلْتَبِسُ بِهِ الْاَلْسِنَةُ وَ لَا يَشْبَعُ مِنْهُ الْعُلَمَآءُ وَ لَا يَخْلَقُ عَنْ كَثْرَةِ الرَّدِّ وَ لَا يَنْقَضِىْ عَجَآئِبُهٗ هُوَ الَّذِىْ لَمْ تَنْتَهِ الْجِنُّ اِذْ سَمِعَتْهُ حَتّٰى قَالُوْٓا اِنَّا سَمِعْنَا قُرْاٰنًا عَجَبًا يَّهْدِىْٓ اِلَى الرُّشْدِ فَاٰمَنَّا بِهٖ مَنْ قَالَ بِهٖ صَدَقَ وَ مَنْ عَمِلَ بِهٖ اُجِرَ وَ مَنْ حَكَمَ بِهٖ عَدَلَ وَ مَنْ دَعَا اِلَيْهِ هُدِىَ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِىُّ وَالدَّارِمِىُّ) وَ قَالَ التِّرْمِذِىُّ هٰذَا حَدِيْثٌ اِسْنَادُهٗ مَجْهُوْلٌ وَ فِى الْحَارِثِ مَقَالٌ۔

موجود ہے۔ قرآن دوٹوک بات کرتا ہے۔ لاف زنی سے[۱۰] مبرا ہے جو متکبر اور ظالم بھی اسے پس پشت ڈالے گا اللہ تعالیٰ اس کے ظلم و تکبر کو توڑے گا اور اسے پارہ پارہ کرے گا۔ اور جو شخص ہدایت کی روشنی غیر قرآن سے چاہے گا۔ اللہ اسے گمراہی میں ڈالے گا۔ قرآن اللہ تعالیٰ کی مضبوط رسی[۱۱] اور ذکر حکیم[۱۲] ہے۔ وہ صراط مستقیم ہے اور یہ قرآن ہی وہ چیز ہے جس کی برکت کے سبب نفسانی خواہشات کجی سے محفوظ[۱۴] رہتی ہیں۔ اور اس کے ساتھ زبانیں ہر قسم کے اشتباہ[۱۵] سے بھی بچی رہتی ہیں اور علماء اس سے سیر[۱۶] نہیں ہوتے۔ اور اس کے بار بار تکرار و تلاوت سے اس میں بوسیدگی[۱۷] لاحق نہیں ہوتی۔ اور نہ اس کے عجائبات[۱۸] ختم ہوتے ہیں۔ یہ وہ کتاب ہے جسے سن کر جنات نہ رکے[۱۹] یہاں تک کہ انہوں نے کہا کہ ہم نے عجیب قرآن سنا ہے جو ہدایت و رشد کا راستہ دکھاتا ہے۔ تو ہم اس پر ایمان لے آئے[۲۰] جس نے قرآن کو پڑھا اس نے راست گوئی اختیار کی جس نے اس پر عمل کیا اسے اجر و ثواب عطا کیا گیا جس نے اس کے مطابق فیصلہ کیا اس نے عدل و انصاف اختیار کیا اور جس نے لوگوں کو اس کی طرف بلایا اسے صراط مستقیم پر چلنے کی ہدایت نصیب ہو گئی اسے ترمذی اور دارمی نے روایت کیا۔ اور ترمذی نے کہا یہ وہ حدیث[۲۲] ہے جس کا اسناد مجہول[۲۱] ہے۔ اور حارث راوی میں قیل و قال کی گئی ہے۔

۱؎ حضرت حارث اعور رضی اللہ عنہ تابعی ہیں کوفی ہیں۔ امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ کی صحبت و مجلس اختیار کرنے میں مشہور ہیں۔

۲؎ ظاہر یہ ہے کہ مسجد سے مسجد کوفہ مراد ہے۔

۳؎ یہاں حدیث میں لفظ یخوضون آیا ہے جس کا لغوی معنیٰ ہے۔ پانی میں گھسنا، باتوں میں مصروف ہونا اور

کسی کام میں مشغول ہونا۔

۴؎ اور کیا واقعی اس شنیع اور برے کام میں مصروف ہیں۔ اور لغو و باطل باتوں میں گھسے ہوئے ہیں۔

۵؎ یعنی لوگوں کا آپس میں اختلاف اور بے ہودہ اور نفسانی خواہشات میں مبتلا ہونا۔

۶؎ اس فتنہ سے نجات پانے کا راستہ کونسا ہے۔

۷؎ یعنی قرآن حکیم میں گزشتہ امتوں کے حالات و واقعات (عبرت) درج ہیں۔ اور اس میں تمہارے بعد آنے والے لوگوں کے حالات اور قیامت کے واقعات مذکور ہیں۔

۸؎ کہ اس میں تمہارے معاملات سے متعلق فیصلے اور واقعات بھی موجود ہیں۔

۹؎ کہ حق و باطل کے درمیان واضح فیصلہ کرنے والا کلام ہے۔ یا یہ دو ٹوک انداز میں کیا گیا کلام ہے کہ اس میں کوئی اشتباہ اور ابہام نہیں ہے۔

۱۰؎ یعنی اس میں بیہودہ اور نادرست باتیں نہیں ہیں۔ ہزل بمعنی لاف زنی اس کے مقابل لفظ جِدّ آتا ہے بمعنی مبنی حقیقت پر مبنی بات۔ اس میں اللہ تعالیٰ کے قول مبارک۔ اِنَّهٗ لَقَوْلٌ فَصْلٌ وَّمَا هُوَ بِالْهَزْلِ کی طرف اشارہ ہے یعنی بے شک یہ قرآن دو ٹوک باتوں پر مشتمل ہے۔ اس میں لاف زنی کا کوئی شائبہ نہیں۔

۱۱؎ یعنی جو شخص قرآن حکیم کو اپنے پاس سے دور رکھتا ہے۔ اس کا مطیع نہیں ہوتا۔ بلکہ اپنے آپ کو اس سے بے نیاز جانتا ہے۔ صرف اپنی عقل و رائے کو ہی سب کچھ سمجھتا ہے تو ایسے متکبر و سرکش اور حق سے عناد رکھنے والے کو اللہ توڑتا اور پارہ پارہ کر دیتا ہے۔

۱۲؎ کہ یہ بندے کو کھینچ کر اللہ تعالیٰ کی درگاہ قرب میں لے جاتی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے بندے اس قرآن سے تعلق قائم کرکے اس کی درگاہ تک پہنچ جاتے ہیں۔

۱۳؎ یعنی قرآن حکیم ایسا ذکر ہے جو دنیا و آخرت ظاہر و باطن کی سعادت و کمال کے بیان پر مشتمل ہے نیز یہ کتاب صراط مستقیم ہے کہ اس پر چل کر انسان جلدی اپنی منزل مقصود تک پہنچ جاتا ہے۔

۱۴؎ یعنی قرآن مجید وہ چیز ہے جس کے سبب نفسانی خواہشات حق سے باطل کی طرف مائل نہیں ہوتیں الا یہ کہ انسان متشابہات کا پیروکار بنے اور آیات محکمات پر عمل کرنا ترک کر دے۔

۱۵؎ یعنی قرآن کی یہ صفت بھی ہے کہ یہ غایت امتیاز، اپنی منفرد حیثیت اور اپنی فصاحت و بلاغت اور اسلوب بیان کی عمدگی کی بنا پر کسی دوسری چیز کے ساتھ رل مل نہیں سکتا بلکہ الگ اور ممتاز ہی رہتا ہے۔ یا مراد یہ ہے کہ یہ زبانوں پر دشوار اور تنگ محسوس نہیں ہوتا۔ بلکہ اس کی تلاوت سے دلوں کو انشراح نصیب ہوتا ہے۔ حدیث میں واقع لفظ لاتلبس التباس سے بنا ہے۔ اس کا معنی ہے کسی پر کام کا پوشیدہ ہونا اور روشنی کا تاریکی سے رل مل جانا

۱۶ یعنی علماء کے علوم قرآنی حقائق و معارف کا احاطہ نہیں کر سکتے کہ وہ کسی مقام پر جا کر رک جائیں جس طرح ایک شخص جب کھانے سے خوب سیر ہو جاتا ہے تو وہ مزید کھانے سے رک جاتا ہے۔ اور اس سے فارغ ہو جاتا ہے۔ دوسرا معنی یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس کی تلاوت کرنے والا تلاوت سے سیر نہیں ہوتا جب کہ وہ اس کا معنی جانتا اور دل حاضر رکھ کر پڑھتا ہو۔ کیونکہ اس کے الفاظ میں عجیب سلاست اور لطافت پائی جاتی ہے۔

۱۷ یعنی بار بار پڑھنے اور اس کا تکرار کرنے سے اس میں بوسیدگی محسوس نہیں ہوتی اور نہ اس کی رونق و رواج میں فرق پڑھتا ہے اور نہ اس کی لذت میں کمی واقع ہوتی ہے اور نہ ہی سننے والے کا دل اس سے بھرتا ہے۔ حدیث میں واقع لفظ یخلق یا کی زبر لام کی پیش سے پڑھا گیا ہے اور یا کی پیش لام کی زیر سے پڑھنا بھی ایک روایت ہے۔

۱۸ یعنی اس کے معانی و مطالب اور اسرار و معارف کسی حد پر جا کر ختم نہیں ہوتے۔ اس وجہ سے نہ علماء اس سے سیر ہوتے ہیں نہ اس کے بار بار تلاوت کرنے سے اکتاہٹ لاحق ہوتی ہے۔

۱۹ جنات اسے سن کر اس قدر متاثر ہوئے کہ اس کی مدح و ثنا ہی کرتے چلے گئے۔ اور اس کی مدح سے توقف و صبر نہ کر سکے۔ یہاں تک کہ انہوں نے بے سوچے اور عجلت میں یوں کہا۔ اِنَّا سَمِعۡنَا قُرۡاٰنًا عَجَبًا۔ بے شک ہم نے عجیب قرآن سنا ہے جو نیک اور اچھے کام کی طرف راہنمائی کرتا ہے۔ رُشد کا معنی ہے۔ صحیح راستے پر رہنا۔ اور درست راہ پر چلنے کا سامان مہیا ہونا۔

۲۰ یہ بھی جنات کا مقولہ اور آیت مذکورہ کا تتمہ ہے۔

۲۱ یعنی اس کے بعض رجالِ اسناد مجہول ہیں۔

۲۲ یعنی حارث اعور میں جو اس حدیث کے اسناد کا آخری راوی ہے، قیل و قال کی گئی ہے۔ نسائی نے کہا قوی نہیں۔ ایک قول میں کہا لا باس بہ۔ شعبی نے کہا کذاب ہے۔ ابن معین نے کہا ضعیف ہے۔ مگر بعض نے کہا ثقہ ہے۔

وَعَنۡ مُعَاذٍ الۡجُهَنِيِّ ؓ قَالَ قَالَ رَسُوۡلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيۡهِ وَسَلَّمَ مَنۡ قَرَاَ الۡقُرۡاٰنَ وَعَمِلَ بِمَا فِيۡهِ اُلۡبِسَ وَالِدَاهُ تَاجًا يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ ضَوۡءُهٗ اَحۡسَنُ مِنۡ ضَوۡءِ الشَّمۡسِ فِيۡ بُيُوۡتِ الدُّنۡيَا لَوۡ كَانَتۡ فِيۡكُمۡ فَمَا	حضرت معاذ جُہَنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے قرآن پڑھا اور اس کے مطابق عمل کیا قیامت کے دن اس کے والدین کو ایک تاج پہنایا جائے گا جس کی روشنی تمہارے دنیا کے گھروں پر پڑنے والی سورج کی روشنی سے زیادہ ہوگی ۲ اگر وہ سورج تمہارے درمیان موجود ہوا تو جو اس پر عمل کرنے

ظَنُّكُمْ بِالَّذِيْ عَمِلَ بِهٰذَا۔ والا ہوگا اس کے متعلق تمہارا کیا گمان ہے۔
(رَوَاهُ اَحْمَدُ وَ اَبُوْ دَاؤدَ) (احمد و ابو داؤد)

۱ جہنی جیم کی پیش ہا کی زبر سے ۔ آپ ثقہ تابعین میں سے ہیں۔

۲ اس فقرہ میں اس کی روشنی و نورانیت بطریق مبالغہ بیان کی گئی ہے۔ بعض نے کہا تاج پہننا آخرت میں انہیں ملک و سرداری عطا کرنے سے کنایہ ہے۔

۳ یعنی اس شخص کے متعلق تم کیا گمان کرتے ہو جو اسے پڑھتا اور اس پر عمل کرتا ہے۔ یعنی جس کے ماں باپ کو اس کی وجہ سے یہ درجہ اور یہ عزت حاصل ہو گی تو اس پر خود اس شخص کو قیاس کرنا چاہیے کہ اس کی شان کس قدر بلند و ارفع ہو گی۔

وَ عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لَوْ جُعِلَ الْقُرْاٰنُ فِيْ إِهَابٍ ثُمَّ اُلْقِيَ فِي النَّارِ مَا احْتَرَقَ۔
(رَوَاهُ الدَّارِمِيُّ)

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا ہے کہ اگر قرآن کو چمڑے میں رکھ کر آگ میں ڈالا جائے تو وہ نہ جلے گا۔[۱]
(احمد۔ ابو داؤد)
(دارمی)

۱ یعنی اس کی عظمت شان و شرف اس قدر زیادہ ہے کہ اگر بفرض و تقدیر اسے آگ میں بھی ڈال دیں تو آگ اسے نہ جلائے گی تاہم قرآن کی اس عظمت کا ظہور ہر شخص کے ہاتھ پر نہیں ہوتا۔ بعض نے کہا قرآن کا یہ معجزہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کرامت نشان کے ساتھ خاص تھا اور آپ کے زمانہ اقدس میں ہی پایا جاتا تھا۔ بعض نے کہا حدیث میں واقع آگ سے دوزخ کی آگ مراد ہے۔ جو حق و باطل کے درمیان امتیاز و فرق کرے گی اور صحیح جگہ پر ہی وہ کام کرے گی۔ بعض نے کہا حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص قرآن پاک پڑھتا اور اس کے مطابق عمل کرتا ہے وہ دوزخ میں نہ جائے گا۔ اور یہ کہ اہاب (چمڑہ) سے انسان کا چمڑہ اور اس کا بدن مراد ہے۔ یاد رہے کہ اہاب (ہمزہ کی زیر سے) بے رنگے ہوئے چمڑے کو کہتے ہیں۔ اس لفظ میں مزید یہ مبالغہ پایا جاتا ہے کہ بے رنگا چمڑہ جلد خراب ہوتا اور جلتا ہے اور اس میں خرابی جلدی سرایت کرتی ہے۔

وَ عَنْ عَلِيٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَرَاَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَظْهَرَهٗ

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے قرآن پڑھا اور اسے یاد کیا اور اس کے

فَاَحَلَّ حَلَالَهٗ وَحَرَّمَ حَرَامَهٗ اَدْخَلَهُ اللّٰهُ الْجَنَّةَ وَ شَفَّعَهٗ فِیْ عَشَرَةٍ مِّنْ اَهْلِ بَیْتِهٖ كُلُّهُمْ قَدْ وَجَبَتْ لَهُ النَّارُ (رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِیُّ وَ ابْنُ مَاجَةَ وَ الدَّارِمِیُّ) وَ قَالَ التِّرْمِذِیُّ هٰذَا حَدِیْثٌ غَرِیْبٌ وَ حَفْصُ بْنُ سُلَیْمَانَ الرَّاوِیْ لَیْسَ هُوَ بِالْقَوِیِّ یُضَعَّفُ فِی الْحَدِیْثِ۔

حلال کو حلال اور حرام کو حرام جانا، اللہ تعالیٰ اسے جنت میں داخل کرے گا۔ اور اس کی شفاعت اس کے گھر کے ان دس افراد کے حق میں قبول کرے گا جن کے لیے دوزخ واجب ہو چکی تھی۔[1] (ترمذی۔ ابن ماجہ۔ دارمی)

اور ترمذی نے کہا یہ حدیث غریب ہے اور حفص بن سلیمان راوی قوی نہیں بلکہ ضعیف راوی سمجھا جاتا ہے۔

[1] یعنی اس کے ان گھر والوں کے حق میں شفاعت قبول کرے گا جو فاسق اور آتش دوزخ میں جلنے کے مستحق قرار پا چکے تھے۔

وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لِاُبَیِّ بْنِ كَعْبٍ كَیْفَ تَقْرَأُ فِی الصَّلٰوةِ فَقَرَاَ اُمَّ الْقُرْاٰنِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَ الَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِهٖ مَا اُنْزِلَتْ فِی التَّوْرٰىةِ وَلَا فِی الْاِنْجِیْلِ وَ لَا فِی الزَّبُوْرِ وَ لَا فِی الْفُرْقَانِ مِثْلُهَا وَ اِنَّهَا سَبْعٌ مِّنَ الْمَثَانِیْ وَ الْقُرْاٰنُ الْعَظِیْمُ الَّذِیْ اُعْطِیْتُهٗ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ) وَرَوَی الدَّارِمِیُّ مِنْ قَوْلِهٖ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابی بن کعب سے فرمایا تو نماز میں کس طرح کی تلاوت و قرارت کرتا ہے تو ابی بن کعب نے سورۃ فاتحہ پڑھی۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے اس ذات اقدس کی قسم ہے جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے کہ تورات، انجیل، زبور اور قرآن میں اس جیسی کوئی سورت نازل نہیں کی گئی اور بے شک یہ سورۃ فاتحہ سبع المثانی[1] اور قرآن عظیم ہے جو مجھے عطا کیا گیا ہے۔

اسے ترمذی نے روایت کیا اور دارمی نے حضور کے قول مبارک ما انزلت سے روایت کیا اور ابی بن کعب اور ان کے سوال و جواب کا ذکر

مَا اُنْزِلَتْ وَ لَمْ يَذْكُرْ اُبَيُّ بْنِ كَعْبٍ وَ قَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ.

نہ کیا بلکہ یوں روایت کیا من ابی هریرہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال ما انزلت فی التوراۃ ولا الانجیل ولا الزبور ولا القرآن مثلہا[۲] ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

[۱] لفظ سبع المثانی کی تفسیر فصل اول میں واقع حضرت سعید بن المعلی کی حدیث میں گزر چکی ہے۔

[۲] یعنی ام القرآن (سورۃ فاتحہ) کی مثل کوئی سورت نہیں۔

وَ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَعَلَّمُوا الْقُرْاٰنَ فَاقْرَءُوْهُ فَاِنَّ مَثَلَ الْقُرْاٰنِ لِمَنْ تَعَلَّمَ فَقَرَءَ وَ قَامَ بِهٖ كَمَثَلِ جِرَابٍ مَحْشُوٍّ مِسْكًا تَفُوْحُ رِيْحُهٗ كُلَّ مَكَانٍ وَّمَثَلُ مَنْ تَعَلَّمَهٗ فَرَقَدَ وَهُوَ فِيْ جَوْفِهٖ كَمَثَلِ جِرَابٍ اُوْكِيَ عَلٰى مِسْكٍ.

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَ النَّسَائِيُّ وَ ابْنُ مَاجَةَ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے۔ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لوگو! قرآن سیکھو پھر اسے پڑھو کہ بے شک قرآن کا حال اس شخص کے حق میں جو اسے سیکھتا پھر پڑھتا اور رات کو اس کے ساتھ قیام کرتا ہے[۱]۔ اس شکیزے کی طرح ہے جو خوشبو سے بھرا ہوا اور اس سے ہر مکان مہک رہا ہو[۲] اور اس شخص کا حال جس نے قرآن پڑھا اور سو گیا[۳] حالانکہ قرآن اس کے سینے میں موجود ہے، اس شکیزے کی طرح ہے جس کا منہ اوپر سے بند کر دیا گیا ہو[۴]۔

(ترمذی، نسائی، ابن ماجہ)

[۱] یعنی رات کو ذکر و نفل عبادت میں اس کی تلاوت کرتا ہے۔

[۲] حدیث میں لفظ تفوح آیا ہے جو فوح سے مشتق ہے۔ اس کا معنیٰ ہے خوشبو کا مہکنا۔

[۳] یعنی رات کو نفل عبادت کے لیے نہ اٹھا۔ اور اس میں قرآن کی تلاوت نہ کی حالانکہ اس کے سینے میں قرآن موجود تھا۔

[۴] واضح ہو کہ حدیث کا ظاہر معنیٰ یہ معلوم ہوتا ہے کہ قیام سے رات کو اٹھنا اور رات کی نماز میں قرآن پڑھنا مراد ہے۔ یہ معنیٰ اگلے لفظ رَقَدَ (اور سو گیا) سے مفہوم ہوتا ہے۔ بعض قیام سے قرآن پر عمل کرنا مراد لیتے ہیں اور سو جانے کو غفلت اور ترک عمل پر محمول کرتے ہیں۔ اسے سمجھو۔

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص

قَرَأَ حٰمٓ الْمُؤْمِنَ اِلَى اِلَيْهِ الْمَصِيْرُ وَاٰيَةَ الْكُرْسِيِّ حِيْنَ يُصْبِحُ حُفِظَ بِهِمَا حَتّٰى يُمْسِيَ وَمَنْ قَرَءَ بِهِمَا حِيْنَ يُمْسِيْ حُفِظَ بِهِمَا حَتّٰى يُصْبِحَ. (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَالدَّارِمِيُّ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ)

سورۃ حٰم مومن لفظ الیہ المصیر[1] تک پڑھتا ہے نیز صبح کے وقت آیۃ الکرسی پڑھتا ہے۔ وہ شام تک محفوظ[2] رہتا ہے اور جو انہیں شام کے وقت پڑھتا ہے اسے صبح تک محفوظ کر دیا جاتا ہے۔

(ترمذی و دارمی)

اور ترمذی نے کہا یہ حدیث غریب ہے۔

[1] یعنی جو شخص اس سورت کو پڑھتا ہے جسے حٰم مومن کہتے ہیں یعنی اس سورت کی پہلی آیت پوری پڑھتا ہے۔ جو کہ یہ ہے۔ حٰم تنزیل الکتاب من اللہ العزیز العلیم۔ غافر الذنب وقابل التوب۔ شدید العقاب ذی الطول لا الہ الا ہو الیہ المصیرہ یعنی یہ کتاب اللہ عزیز وعلیم کی طرف سے اتاری گئی ہے۔ جو گناہ بخشنے والا توبہ قبول کرنے والا، سخت عذاب دینے والا اور بڑا طاقتور ہے۔ اس کے سوا کوئی معبود برحق نہیں۔ سب نے اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔

[2] یعنی اسے شام تک ظاہری باطنی آفات و بلیات سے حفاظت میں رکھا جاتا ہے۔

وَعَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيْرٍ رض قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ كَتَبَ كِتَابًا قَبْلَ اَنْ يَّخْلُقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِاَلْفَيْ عَامٍ اَنْزَلَ مِنْهُ اٰيَتَيْنِ خَتَمَ بِهِمَا سُوْرَةَ الْبَقَرَةِ وَلَا تُقْرَاٰنِ فِيْ دَارٍ ثَلٰثَ لَيَالٍ فَيَقْرَبُهَا الشَّيْطٰنُ. (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَالدَّارِمِيُّ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ)

حضرت نعمان[1] بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کرنے سے دو ہزار سال پہلے ایک کتاب لکھی[2]۔ اس میں سے دو آیتیں وہ ہیں جو سورۃ بقرہ کی آخری دو آیتیں ہیں[3]۔ یہ کسی گھر میں تین راتیں نہیں پڑھی جاتیں۔ پس شیطان اس گھر کے قریب آ سکے۔

(ترمذی۔ دارمی)

ترمذی نے کہا یہ حدیث غریب ہے۔

[1] آپ ہجرت سے چودہ ماہ گزرنے پر مدینہ طیبہ میں پیدا ہوئے۔ اور آپ پہلے بچے ہیں جو انصار مدینہ کے ہاں ہجرت کے بعد پیدا ہوئے۔ خود آپ کو اور آپ کے والدین کو صحابیت کا شرف حاصل ہے۔

۲ے یعنی ملائکہ کو اس کتاب کے لکھنے کا حکم دیا۔
۳ے اس کتاب اور دو ہزار سال میں اس کتاب کی کتابت کی تحقیق شرح عربی (لمعات) میں کر دی گئی ہے۔

وَعَنْ اَبِی الدَّرْدَآءِ رض قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَرَاَ ثَلٰثَ اٰيَاتٍ مِّنْ اَوَّلِ الْكَهْفِ عُصِمَ مِنْ فِتْنَةِ الدَّجَّالِ .
(رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ)
وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ .

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص سورہ کہف کی پہلی تین آیات پڑھتا ہے اللہ تعالے اسے فتنہ دجال سے بچا لیتا ہے[1]۔

اسے ترمذی نے روایت کیا۔
اور کہا کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

۱ے جس طرح اصحاب کہف کو ایک جابر بادشاہ دقیانوس) کے شر سے بچا لیا گیا تھا۔ فصل اول میں بھی حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے بحوالہ مسلم شریف حدیث گزری کہ جو شخص سورۂ کہف کی پہلی دس آیتیں یاد کرتا ہے وہ دجال کے شر سے محفوظ رہتا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ پہلے دس آیتوں کی یہ خاصیت ہو اس کے بعد اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم میں مزید وسعت ہوئی اور تین آیتوں کے پڑھنے اور یاد کرنے سے یہ حفاظت نصیب ہو جاتی ہے۔ واللہ اعلم۔

وَعَنْ اَنَسٍ رض قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ لِكُلِّ شَیْءٍ قَلْبًا وَّ قَلْبُ الْقُرْاٰنِ يٰسٓ وَ مَنْ قَرَاَ يٰسٓ كَتَبَ اللّٰهُ لَهٗ بِقِرَآءَتِهَا قِرَآءَةَ الْقُرْاٰنِ عَشْرَ مَرَّاتٍ .
(رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَ الدَّارِمِیُّ)
وَ قَالَ التِّرْمِذِیُّ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ .

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک ہر چیز کا دل ہوتا ہے اور قرآن کا دل سورۃ یٰسین شریف[1] ہے۔ اور جو شخص سورۃ یٰسین پڑھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کے لیے دس دفعہ قرآن پڑھنے کا ثواب لکھتا ہے۔

(ترمذی ودارمی)
ترمذی نے کہا یہ حدیث غریب ہے۔

۱ے علماء فرماتے ہیں کہ دل خلاصہ اور نچوڑ ہوتا ہے۔ اسی طرح یہ سورۃ بھی مختصر عبارت اور چھوٹے حجم

کے باوجود بدرجہ اتم و اکمل قرآن حکیم کے جملہ مقاصد و معارف پر مشتمل ہے۔ واللہ اعلم۔

سے یعنی اس سورت کے پڑھنے کے سبب اللہ تعالیٰ دس بار قرآن پڑھنے کا ثواب لکھتا اور عطا کرتا ہے۔

وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى قَرَءَ طٰهٰ وَ یٰسٓ قَبْلَ اَنْ یَّخْلُقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ بِاَلْفِ عَامٍ فَلَمَّا سَمِعَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ الْقُرْاٰنَ قَالَتْ طُوْبٰى لِاُمَّةٍ یُّنْزَلُ هٰذَا عَلَیْهَا وَ طُوْبٰى لِاَجْوَافٍ تَحْمِلُ هٰذَا وَطُوْبٰى لِاَلْسِنَةٍ تَتَكَلَّمُ بِهٰذَا۔

(رَوَاهُ الدَّارِمِیُّ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمینوں کے پیدا کرنے سے ایک ہزار سال پہلے سورۃ طٰہٰ و یٰسین پڑھی (ظاہری) جب فرشتوں نے قرآن[1] پاک سنا تو کہا اس امت کو خیر و خوبی نصیب ہو جس پر یہ قرآن اترے گا۔ اور وہ سینے اور پیٹ بھی خیر و خوبی سے رہیں جن کے[2] اندر یہ قرآن ہوگا۔ اور وہ زبانیں بھی خوش اور مسرور رہیں جن پر یہ قرآن جاری ہوگا۔

(دارمی شریف)

سلہ یاد رہے لفظ قرآن اصل میں مصدر ہے۔ بمعنی قراءت۔ پھر پڑھے جانے والے (قرآن) پر اس کا اطلاق کرنے لگے۔ یہاں قرآن سے کتاب اللہ مراد لینا بھی درست ہے اور قرآن سے یا تو سارا قرآن مراد ہے کہ طٰہٰ اور یٰسین اس کا جزو ہیں یا صرف طٰہٰ اور یٰسین مراد ہیں کہ قرآن کے جزو و کل دونوں پر لفظ قرآن کا اطلاق ہوتا ہے۔

سلہ یعنی قرآن مجید کے حفاظ کرام۔

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَرَاَ حٰمٓ الدُّخَانِ فِیْ لَیْلَةٍ اَصْبَحَ یَسْتَغْفِرُ لَهٗ سَبْعُوْنَ اَلْفَ مَلَكٍ۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ)

وَ قَالَ هٰذَا حَدِیْثٌ غَرِیْبٌ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے رات کے وقت سورۃ حٰمٓ دخان پڑھی وہ اس حال میں صبح کرتا ہے کہ ستر ہزار فرشتے اس کے لیے استغفار کر رہے ہوتے ہیں۔

اسے ترمذی نے روایت کیا۔

اور کہا یہ حدیث غریب ہے۔ اور عمر بن خثعم[1]

وَ عُمَرُ بْنُ اَبِیْ خَثْعَمٍ[1] الرَّاوِیُ یُضَعَّفُ وَ قَالَ مُحَمَّدٌ یَعْنِی الْبُخَارِیَّ هُوَ مُنْكَرُ الْحَدِیْثِ ۔

راوی کو حدیث کا ضعیف راوی قرار دیا گیا ہے۔ محمد نے یعنی امام بخاری نے کہا یہ شخص منکر الحدیث ہے۔

[1] خثعم خا کی زبر ثا ساکن اور عین کی زیر سے۔

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَرَءَ حٰمٓ الدُّخَانِ فِیْ لَیْلَةِ الْجُمُعَةِ غُفِرَ لَهٗ ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ) وَ قَالَ هٰذَا حَدِیْثٌ غَرِیْبٌ وَ هِشَامٌ اَبُوالْمِقْدَامِ الرَّاوِیُ یُضَعَّفُ ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص جمعہ کی رات[1] میں سورۃ حٰمٓ الدخان کی تلاوت کرتا ہے۔ اسے بخش دیا جاتا ہے۔

اسے ترمذی نے روایت کیا۔

اور کہا یہ حدیث ضعیف[2] ہے۔ اور ہشام ابوالمقدم راوی ضعیف قرار دیا گیا ہے۔

[1] اس حدیث میں جمعرات کی تخصیص آئی ہے۔ گزشتہ حدیث میں یہ تخصیص نہیں تھی بلکہ ہر شب میں پڑھنے کی فضیلت آئی ہے جمعرات ہو یا غیر جمعہ کی رات۔ تو مطلب یہ ہوا کہ جمعہ کی رات اس سورت کا پڑھنا اولیٰ اور افضل ہے کہ اس میں یقیناً بڑی فضیلت ہے۔

[2] مشکوۃ کے بعض نسخوں میں یہاں غریب ضعیف آیا ہے۔ اور یہ بھی آیا ہے کہ ہشام ابوالمقدام راوی ضعیف قرار دیا گیا ہے۔

وَ عَنِ الْعِرْبَاضِ بْنِ سَارِیَةَ رض اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ كَانَ یَقْرَاُ الْمُسَبِّحَاتِ قَبْلَ اَنْ یَّرْقُدَ یَقُوْلُ اِنَّ فِیْهِنَّ اٰیَةً خَیْرٌ مِّنْ اَلْفِ اٰیَةٍ ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَ اَبُوْ دَاوٗدَ وَ رَوَی الدَّارِمِیُّ عَنْ خَالِدٍ

حضرت عرباض[1] بن ساریہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بے شک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سونے سے پہلے مسبحات[2] سورتیں پڑھا کرتے تھے اور فرماتے تھے ان میں ایک آیت ایسی ہے جو ہزار آیت سے بہتر[3] ہے۔

(ترمذی، ابوداؤد)

اور دارمی نے اسے خالد بن معدان[4] سے

بْنِ مَعْدَانَ مُرْسَلًا) مرسلًا روایت کیا۔
وَ قَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ ۔ اور ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن غریب ہے۔

لہ آپ ان صحابہ کرام میں سے ہیں جن کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی۔ وَلَا عَلَى الَّذِيْنَ اِذَا مَا اَتَوْكَ لِتَحْمِلَهُمْ الآیہ۔

٢ہ مُسبحات با کی زیر سے۔یعنی وہ سورتیں جن کے ابتداء میں لفظ سبحان یا یسبح یا سبح کے الفاظ ہیں۔جیسا کہ علامہ طیبی رحمۃ اللہ نے کہا۔

٣ہ علامہ طیبی رحمۃ اللہ نے کہا وہ آیت مبہم ہے جس طرح شب قدر اور جمعہ کے روز قبولیت دعا کی گھڑی مبہم ہے واللہ اعلم۔ اور ہو سکتا ہے کہ اس سے سورہ حشر کی آخری آیت مراد ہو۔ کہ وہ ماثورہ دعاؤں میں مذکور و مشہور ہے اسی طرح اول سورۃ حدید سے تا علیم بذات الصدور تک بھی مراد لی گئی ہے۔ طیبی کے نزدیک یہ حدیث اجمال پر مبنی ہے۔ واللہ اعلم۔

٤ہ مَعدان۔میم کی زبر اور عین ساکن سے۔

٥ہ کیونکہ خالد بن معدان راوی تابعی ہے۔

وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ سُوْرَةً فِي الْقُرْاٰنِ ثَلٰثُوْنَ اٰيَةً شَفَعَتْ لِرَجُلٍ حَتّٰى غُفِرَ لَهٗ وَهِيَ تَبَارَكَ الَّذِيْ بِيَدِهِ الْمُلْكُ.

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک قرآن حکیم میں ایک سورت ہے جو تیس آیات پر مشتمل ہے اس نے ایک شخص کی شفاعت کی یہاں تک کہ وہ بخش دیا گیا۔

اور وہ سورت تبارک الذی بیدہ الملک ہے۔

(رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَ اَبُوْ دَاوٗدَ وَالنَّسَائِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ)

اسے احمد، ترمذی۔ ابو داؤد، نسائی اور ابن ماجہ نے روایت کیا۔

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما قَالَ ضَرَبَ بَعْضُ اَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خِبَاءَهٗ عَلٰى قَبْرٍ وَّ هُوَ لَا يَحْسَبُ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض اصحاب نے ایک قبر پر خیمہ لگایا انہیں گمان نہ تھا کہ اس جگہ قبر ہے۔ اچانک انہوں نے محسوس کیا کہ اس میں ایک

اَنَّهٗ قَبْرٌ فَاِذَا فِيْهِ اِنْسَانٌ يَقْرَاُ سُوْرَةَ تَبَارَكَ الَّذِيْ بِيَدِهِ الْمُلْكُ حَتّٰى خَتَمَهَا فَاَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَخْبَرَهٗ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هِيَ الْمَانِعَةُ هِيَ الْمُنْجِيَةُ تُنْجِيْهِ مِنْ عَذَابِ اللّٰهِ۔

بندہ ہے جو سورۃ تبارک الذی بیدہ الملک پڑھ رہا ہے یہاں تک کہ اس نے پوری سورت پڑھی۔ یہ ماجرا دیکھ کر وہ صحابی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں آیا اور اس واقعہ کی آپ کو خبر دی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ سورت روکنے والی ہے[۲] اور یہی نجات دینے والی ہے۔ جو اسے اللہ کے عذاب سے نجات دیتی ہے۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ)

اسے ترمذی نے روایت کیا اور کہا یہ حدیث غریب ہے۔

[۱] یہاں حدیث میں لفظ خِبار آیا ہے۔ خا کی زیر اور الف ممدودہ سے بمعنی خیمہ۔ بعض نسخوں میں آخر میں ہمزہ کے بجائے تا آیا ہے یعنی خباۃ۔

[۲] یعنی اس سورت کی تلاوت کرنے والے سے عذاب کو باز رکھنے والی ہے۔

وَعَنْ جَابِرٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ لَا يَنَامُ حَتّٰى يَقْرَاَ الٓمّٓ تَنْزِيْلُ وَ تَبَارَكَ الَّذِيْ بِيَدِهِ الْمُلْكُ۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بیشک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت تک نہ سوتے تھے جب تک کہ سورۃ الٓمّٓ تنزیل اور سورۃ تبارک الذی بیدہ الملک نہ پڑھ لیتے۔

(رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَ الدَّارِمِيُّ)

(احمد، ترمذی)

(دارمی)

وَ قَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ صَحِيْحٌ وَكَذَا فِيْ شَرْحِ السُّنَّةِ وَ فِي الْمَصَابِيْحِ غَرِيْبٌ۔

اور ترمذی نے کہا یہ حدیث صحیح ہے اور اسی طرح شرح سنۃ میں بھی[۱] ہے اور مصابیح میں ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔

[۱] یعنی امام محی السنۃ نے شرح سنۃ میں بھی اسی طرح فرمایا کہ یہ حدیث صحیح ہے۔ اور کتاب مصابیح

میں کہا یہ حدیث غریب ہے۔ میں کئی بار کہہ چکا ہوں کہ غرابت صحت کے منافی نہیں ہوتی۔ مگر جبکہ غریب سے شاذ مراد ہو۔

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍؓ وَ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا زُلْزِلَتْ تَعْدِلُ نِصْفَ الْقُرْاٰنِ وَ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ تَعْدِلُ ثُلُثَ الْقُرْاٰنِ وَ قُلْ يَاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ تَعْدِلُ رُبُعَ الْقُرْاٰنِ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ)

حضرت ابن عباس اور حضرت انس رضی اللہ عنہما دونوں سے روایت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سورۃ اذا زلزلت نصف قرآن کے برابر ہے[1]۔ اور سورۃ قل ہو اللہ احد ایک تہائی قرآن کے برابر ہے اور سورۃ قل یا ایہا الکافرون ایک چوتھائی قرآن کے برابر ہے[2]۔ (ترمذی)

[1] کہ اس کے پڑھنے کا ثواب نصف قرآن پڑھنے کے برابر ہے۔

[2] سورۃ اذا زلزلت کے نصف قرآن کے برابر ہونے کی توجیہہ یہ بیان کی گئی ہے کہ قرآن میں مبدء و معاد (دنیا و آخرت) کا بیان ہے اور اس سورت میں سب آخرت کا ذکر ہے۔ سورۃ قل ہو اللہ احد کا ایک تہائی قرآن کے برابر ہونے کی وجہ گزشتہ بیان میں مذکور ہو چکی ہے اور سورۃ قل یا ایہا الکافرون کے ایک چوتھائی قرآن کے برابر ہونے کی وجہ یہ ہے کہ قرآن حکیم تقریر توحید، ثبوت احکام اور قصص پر مشتمل ہے یہ سورۃ تقریر توحید پر مشتمل ہے۔ کیونکہ شرک سے برات توحید کا اثبات ہے۔ واللہ اعلم۔

وَعَنْ مَعْقِلِ بْنِ يَسَارٍؓ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ قَالَ حِيْنَ يُصْبِحُ ثَلٰثَ مَرَّاتٍ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ السَّمِيْعِ الْعَلِيْمِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ فَقَرَاَ ثَلٰثَ اٰيَاتٍ مِّنْ اٰخِرِ سُوْرَةِ الْحَشْرِ وَكَّلَ اللّٰهُ بِهٖ سَبْعِيْنَ اَلْفَ

حضرت معقل[1] بن یسار رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا جو صبح اٹھ کر تین مرتبہ اعوذ باللہ السمیع العلیم من الشیطان الرجیم پڑھتا ہے پھر سورۃ حشر کی آخری تین آیات[2] پڑھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس پر ستر ہزار فرشتے وکیل[3] مقرر کر دیتا ہے۔ جو اس کے لیے شام تک دعا[4] کرتے رہتے ہیں۔

مَلَكٍ يُصَلُّوْنَ عَلَيْهِ حَتّٰى يُمْسِيَ وَاِنْ مَّاتَ فِيْ ذٰلِكَ الْيَوْمِ مَاتَ شَهِيْدًا وَّمَنْ قَالَهَا حِيْنَ يُمْسِيْ كَانَ بِتِلْكَ الْمَنْزِلَةِ۔

اور اگر اس کی اسی دن موت آجاتی ہے تو وہ شہادت کی موت مرتا ہے۔ اور جو بندہ شام کو یہ کلمات پڑھ لیتا ہے۔ اس کو بھی یہی مرتبہ ملتا ہے۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَالدَّارِمِيُّ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ)

اسے ترمذی اور دارمی نے روایت کیا اور ترمذی نے کہا یہ حدیث غریب ہے۔

۱؎ مَعْقِل میم کی زبر عین ساکن قاف کی زیر۔ یَسار یا کی زبر سین غیر مشدد۔ آپ صحابی ہیں اور اہل بیعت رضوان میں سے ہیں۔ ان سے حضرت حسن بصری وغیرہ روایت کرتے ہیں۔

۲؎ ھو اللہ الذی سے لے کر آخر سورت تک۔

۳؎ حدیث میں لفظ وکّل آیا ہے جو توکیل سے بنا ہے جس کا معنی ہے کسی کام کو کسی کے حوالے کرنا (تاکہ وہ اس کا کام بہتر طور پر انجام دے)

۴؎ اور خدا تعالیٰ سے اس کی بخشش مانگتے رہتے ہیں۔

۵؎ اور شہیدوں کا ثواب پاتا ہے۔

۶؎ یعنی اسے بھی وہی مرتبہ ملتا ہے جو صبح کو اٹھ کر پڑھنے والے کو ملتا ہے۔ یعنی ستر ہزار فرشتے اس کے لیے دعا کرنے اور بخشش طلب کرنے پر مقرر کیے جاتے ہیں۔ اور اگر وہ اس دن فوت ہوتا ہے تو شہیدوں کا درجہ پاتا ہے۔

۷؎ یعنی اگر کوئی شخص رات کے وقت یہ کلمہ یعنی اعوذ باللہ السمیع العلیم من الشیطٰن الرجیم تین بار پڑھتا ہے اسی طرح سورہ حشر کی آخری تین آیات بھی پڑھتا ہے تو صبح کے وقت پڑھنے والے کی طرح اُس کی حفاظت کے لیے ستر ہزار فرشتے مقرر کیے جاتے ہیں۔ یہ فرشتے اُس کے لیے رحمت کی دعا کرتے ہیں۔ اور اگر وہ اُس رات میں فوت ہو جاتا ہے تو اُسے شہید کی موت کا ثواب ملتا ہے۔

وَعَنْ اَنَسٍؓ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ قَرَأَ كُلَّ يَوْمٍ مِّائَتَيْ

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے جو شخص ہر دن میں دو سو مرتبہ سورۃ قل ھو اللہ احد پڑھتا ہے اُس کے پچاس سال

مَرَّۃٍ قُلْ ھُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ مُحِیَ عَنْہُ ذُنُوْبُ خَمْسِیْنَ سَنَۃً اِلَّا اَنْ یَّکُوْنَ عَلَیْہِ دَیْنٌ۔

کے گناہ مٹا دئیے جاتے ہیں۔ مگر یہ کہ اس کے ذمے قرض ہو کہ (اس کی بخشش نہیں ہوتی جب تک کہ قرض ادا نہ کرے)

(رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَالدَّارِمِیُّ)

اسے ترمذی اور دارمی نے روایت کیا۔

وَفِیْ رِوَایَتِہٖ خَمْسِیْنَ مَرَّۃً وَلَمْ یَذْکُرْ اِلَّا اَنْ یَّکُوْنَ عَلَیْہِ دَیْنٌ۔

اور ایک روایت میں دو سو کی بجائے پچاس مرتبہ پڑھنے کا ذکر آیا ہے اور دارمی نے اِلّا ان یکون علیہ دین کا ذکر نہیں کیا۔

لہ یہاں حدیث میں لفظ "مُحِیَ" آیا ہے جو محو سے بنا ہے۔ محو کا معنیٰ ہے لکھی ہوئی چیز کو مٹا دینا اور تختی پر لکھے ہوئے نقوش کو صاف کر دینا۔

لہ اس کے دو معنی ہیں ایک یہ کہ قرض ادا نہ کرنے کا گناہ اس سورت کے پڑھنے سے بھی نہیں مٹتا۔ یہاں قرض کو گناہ کہا گیا ہے تاکہ لوگ قرض کی ادائیگی کو اہم چیز سمجھیں اور نہ ادا کرنے کی صورت میں شدید ناراضگی کا اظہار ہے۔ اس لفظ کا دوسرا معنیٰ یہ ہے کہ سر پر قرض موجود ہونے کی صورت میں بندے کے دوسرے گناہ بھی نہیں مٹائے جاتے اور سورت کا پڑھنا کوئی اثر نہیں دیکھاتا واللہ اعلم۔

وَعَنْہُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ اَرَادَ اَنْ یَّنَامَ عَلٰی فِرَاشِہٖ فَنَامَ عَلٰی یَمِیْنِہٖ ثُمَّ قَرَأَ مِائَۃَ مَرَّۃٍ قُلْ ھُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ اِذَا کَانَ یَوْمُ الْقِیٰمَۃِ یَقُوْلُ لَہُ الرَّبُّ یَا عَبْدِیْ اُدْخُلْ عَلٰی یَمِیْنِکَ الْجَنَّۃَ۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہی روایت ہے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا جو شخص اپنے بستر پر سونے کا ارادہ کرتا ہے اور دائیں پہلو پر بیٹھ جاتا ہے پھر ایک سو دفعہ سورہ قل ہو اللہ احد پڑھتا ہے۔ جب قیامت کا دن ہوگا تو اسے رب تعالےٰ فرمائے گا اے میرے بندے تو جنت کو دائیں جانب سے جنت میں داخل ہو جا

(رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَقَالَ ھٰذَا حَدِیْثٌ غَرِیْبٌ)

اسے ترمذی نے روایت کیا اور کہا یہ حدیث غریب ہے۔

وَعَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ رض اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے بے شک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص

سَمِعَ رَجُلًا يَقْرَأُ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ فَقَالَ وَجَبَتْ قُلْتُ وَمَا وَجَبَتْ قَالَ الْجَنَّةُ. (رَوَاهُ مَالِكٌ وَالتِّرْمِذِيُّ وَالنَّسَائِيُّ)

کہ سورہ قل ہو اللہ احد پڑھتے ہوئے سنا تو فرمایا واجب ہو گئی۔ میں نے عرض کیا کیا چیز واجب ہو گئی۔ فرمایا اس کے لیے جنت واجب ہو گئی۔ اسے مالک، ترمذی اور نسائی نے روایت کیا۔

وَعَنْ فَرْوَةَ بْنِ نَوْفَلٍ عَنْ اَبِيْهِ اَنَّهٗ قَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ عَلِّمْنِيْ شَيْئًا اَقُوْلُهٗ اِذَا اَوَيْتُ اِلٰى فِرَاشِيْ فَقَالَ اقْرَاْ قُلْ يَا اَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ فَاِنَّهَا بَرَآءَةٌ مِّنَ الشِّرْكِ. (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْ دَاوٗدَ وَالدَّارِمِيُّ)

حضرت فروۃ[1] بن نوفل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے وہ اپنے باپ[2] سے روایت کرتے ہیں کہ بے شک میرے باپ نے عرض کیا یا رسول اللہ مجھے ایسی چیز کی تعلیم دیجیے جسے میں اپنے بستر پر پہنچنے کے وقت پڑھ لیا کروں[3] آپ نے فرمایا پڑھ لیا کرو سورۃ قل یا ایہا الکافرون کیونکہ بے شک یہ سورت شرک[4] سے بیزار رہنے کا اعلان کرتی ہے اسے ترمذی، ابو داؤد اور دارمی نے روایت کیا۔

[1] فا کی زبر اور را ساکن آپ تابعی ہیں۔ بعض نے کہا آپ صحابی ہیں۔

[2] یعنی حضرت نوفل جو صحابی ہیں۔

[3] یعنی سونے کے وقت کیا پڑھا کروں۔

[4] کیونکہ اس سورت میں ان بتوں کی عبادت نہ کرنے کا اعلان ہے جن کی کافر عبادت کرتے ہیں پس جب تو یہ سورت پڑھ کر سوئے گا تو شرک اور اس کی آلائش سے پاک ہو کر سوئے گا اور اگر اس رات میں تو موت کی آغوش میں جائے گا تو توحید الٰہی پر مرے گا۔

وَعَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ بَيْنَا اَنَا اَسِيْرُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَ الْجُحْفَةِ وَالْاَبْوَآءِ اِذْ غَشِيَتْنَا رِيْحٌ وَّ ظُلْمَةٌ شَدِيْدَةٌ فَجَعَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ میں مقام جحفہ[1] اور مقام الابواء کے درمیان حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ساتھ چل رہا تھا۔ کہ اچانک ہمیں آندھی اور شدید تاریکی نے آگھیرا تو حضور نبی پاک علیہ الصلوٰۃ نے سورۃ اعوذ برب[2] الفلق اور سورۃ اعوذ برب

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَعَوَّذُ بِاَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ وَاَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ وَيَقُوْلُ يَا عُقْبَةُ تَعَوَّذْ بِهِمَا فَمَا تَعَوَّذَ مُتَعَوِّذٌ بِمِثْلِهِمَا۔

(رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ)

الناس پڑھنا شروع کردی تاکہ آپ پناہ حاصل کریں اور آپ فرمارہے تھے اے عقبہ تو بھی ان دو سورتوں کے ساتھ پناہ حاصل کر کیونکہ ان دو سورتوں کے مثل کوئی چیز نہیں ہے جس کے ساتھ پناہ حاصل کی جائے اسے ابوداؤد نے روایت کیا۔

۱؎ ج کی پیش اور حا کی جزم سے آخر میں حرف فا۔

۲؎ ہمزہ کی زبر اور یا کی جزم ایک روایت کے مطابق ہمزہ کی زیر بھی آئی ہے۔ یہ مکہ معظمہ اور مدینہ طیبہ کے درمیان دو جگہیں ہیں (اللہ تعالیٰ مکہ اور مدینہ دونوں کی بزرگی اور عزت میں اضافہ کرے)

۳؎ بعض نقلی روایات میں آیا ہے کہ ان دو سورتوں سے لفظ قل چھوڑ کر بھی پڑھنا جائز ہے۔ یہ حدیث اس بات کی سند ہو سکتی ہے۔

وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ خُبَيْبٍ ۱؎ قَالَ خَرَجْنَا فِيْ لَيْلَةٍ مَطَرٍ وَّظُلْمَةٍ شَدِيْدَةٍ نَطْلُبُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَدْرَكْنَاهُ فَقَالَ قُلْ قُلْتُ مَا اَقُوْلُ قَالَ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ وَالْمُعَوِّذَتَيْنِ حِيْنَ تُصْبِحُ وَحِيْنَ تُمْسِيْ ثَلٰثَ مَرَّاتٍ تَكْفِيْكَ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْدَاوٗدَ وَالنَّسَائِيُّ)

حضرت عبداللہ بن خُبیب ۱؎ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں ہم لوگ بارش والی شدید تاریک رات میں باہر نکلے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاش کرنے کے لیے تو ہم نے آپ کو پالیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ پڑھ میں نے عرض کیا کیا پڑھوں فرمایا قل ہو اللہ احد اور معوذتین ۲؎ یعنی قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس یعنی یہ تینوں سورتیں صبح شام تین تین مرتبہ پڑھ لیا کر کہ یہ تیرے لیے ہر آفت و بلا کو دفع کرنے میں کافی ہیں۔

اسے ترمذی، ابوداؤد اور نسائی نے روایت کیا ہے۔

۱؎ خا کی پیش اور با کی زبر آپ مدنی صحابی ہیں۔ انصار کے دوستوں میں سے ہیں۔

۲؎ معوذتین م کی پیش اور و کی زیر۔

وَعَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ ۱؎

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے

قَالَ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَقْرَءُ سُوْرَةَ هُوْدٍ اَوْ سُوْرَةَ يُوْسُفَ قَالَ لَنْ تَقْرَاَ شَيْئًا اَبْلَغَ عِنْدَ اللّٰهِ مِنْ قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ۔ (رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالنَّسَائِيُّ وَالدَّارِمِيُّ)

فرماتے ہیں میں نے عرض کیا یارسول اللہ کیا میں سورہ ہود اور سورہ یوسف پڑھ لیا کروں (یعنی پناہ حاصل کرنے کے ارادے سے) فرمایا ہرگز تو کوئی چیز نہیں پڑھے گا جو زیادہ آسان اور زیادہ مکمل ہو پناہ جوئی کے لیے قل اعوذ برب الفلق[1] کے سوا۔ اسے احمد و نسائی اور دارمی نے روایت کیا۔

[1] کیونکہ اس سورت میں تمام مخلوقات کے شر سے عموماً اور خصوصاً پناہ کا ذکر موجود ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَعْرِبُوا الْقُرْاٰنَ وَاتَّبِعُوْا غَرَائِبَهٗ وَغَرَائِبُهٗ فَرَائِضُهٗ وَحُدُوْدُهٗ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا[1] قرآن کے معنی بیان کرو اور انہیں ظاہر کرو۔ اور اس کے غرائب[2] کی پیروی کرو۔ قرآن کے غرائب اس کے فرائض اور اس کی حدود ہیں۔

[1] یہاں حدیث میں لفظ اعربوا القرآن آیا ہے۔ اعربوا اعراب سے بنا ہے جس کا معنی لغت میں بیان اور اظہار ہے۔ زیر و زبر اور جزم وغیرہ جسے اہل نحو اعراب کہتے ہیں۔ اُسے اعراب کہنے کی بھی یہی وجہ ہے کہ زیر و زبر وغیرہ سے معنی ظاہر و واضح ہوتا ہے۔ قرآن کا معنی ظاہر اور بیان کرنے میں ہر وہ شخص شریک ہے جو زبان عربی سے واقف ہونے کے بعد قرآن مجید کا معنی اور مطلب بیان کرے۔ اس کے بعد حضور نبی پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام نے قرآن پاک کے معنی بیان کرنے کے سلسلے میں اُس چیز کو بیان فرمایا جس کے ساتھ اہل شریعت اور مسلمان ممتاز ہیں یعنی حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خود ارشاد فرمایا کہ قرآن پاک کے معنی بیان کرنے کے ساتھ ساتھ اُس کے غرائب کی پیروی کرو۔

[2] حضور نبی پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام نے لفظ غرائب کی قرآن مجید کے فرائض و حدود سے تفسیر فرمائی یعنی قرآن مجید کے غرائب اُس کے احکام واجبہ اور اُس کی حدود ہیں یعنی سنتیں اور آداب یہ قرآن پاک کی حدود ہیں۔ باقی رہی یہ بات کہ قرآن مجید کے فرائض اور حدود کو لفظ غرائب سے کیوں تعبیر فرمایا۔ تو اس کی وجہ یہ ہے کہ ان فرائض اور حدود کو جاننے اور اُن پر عمل کرنے والے صرف اہل دین ہیں۔ اور جس طرح کہ عام دنیا کے ماحول کے سامنے ایمان غریب ہے

یعنی اجنبی اور نودارد ہے۔ اس کے احکام بھی لوگوں کے لیے اجنبی کی حیثیت رکھتے ہیں کیونکہ لوگ ان سے نا واقف اور اجنبی جیسا سلوک کرتے ہیں۔ علامہ طیبی نے فرمایا کہ فرائض سے وراثت کے حصے اور حدود سے قرآن کے احکام مراد ہیں یا فرائض سے وہ چیزیں مراد ہیں جن کی اتباع مکلف اور بالغ انسان کے لیے ضروری ہے اور حدود سے قرآن پاک کے اسرار و رموز مراد ہیں۔ جیسا کہ ایک حدیث میں فرمایا قرآن مجید کی ہر آیت کا ایک ظاہر ہے اور ایک باطن۔ علامہ طیبی کا کلام ختم ہوا۔

وَعَنْ عَائِشَةَ رض اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ قِرَآءَةُ الْقُرْاٰنِ فِي الصَّلٰوةِ اَفْضَلُ مِنْ قِرَاءَةِ الْقُرْاٰنِ فِيْ غَيْرِ الصَّلٰوةِ وَ قِرَآءَةُ الْقُرْاٰنِ فِيْ غَيْرِ الصَّلٰوةِ اَفْضَلُ مِنَ التَّسْبِيْحِ وَالتَّكْبِيْرِ وَ التَّسْبِيْحُ اَفْضَلُ مِنَ الصَّدَقَةِ وَالصَّدَقَةُ اَفْضَلُ مِنَ الصَّوْمِ . وَالصَّوْمُ جُنَّةٌ مِّنَ النَّارِ ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ بے شک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قرآن مجید کو نماز میں پڑھنا[1] اس کے غیر نماز میں پڑھنے سے افضل ہے۔ اور قرآن پاک غیر نماز میں پڑھنا تسبیح[2] کرنے اور تکبیر کہنے سے افضل ہے اور تسبیح صدقے سے افضل[3] ہے اور صدقہ روزے سے افضل[4] ہے۔ اور روزہ دوزخ کی آگ کے آگے ڈھال ہے۔

ف

ا۔ نماز میں تلاوت قرآن کی افضل حالت یہ ہے کہ کھڑے ہو کر قرآن پڑھا جاتا ہے۔ پھر اس کے بعد بیٹھتے ہیں۔

۲۔ اگرچہ یہ تسبیح و تکبیر اور حمد و ثنا نماز میں ہی کیوں نہ ہو کیونکہ تسبیح و تکبیر حمد و ثنا کلمہ لا الہ الا اللہ سب قرآن پاک کے اجزا ہیں۔ اور جز کل کے ماتحت ہوتا ہے چونکہ نماز میں قرآن پاک جو حالت قیام میں پڑھا جاتا ہے۔ قرآن پڑھنے کی تمام حالتوں سے بہتر حالت ہے اس لیے علماء نے نماز کی حالت قیام کو رکوع و سجود سے بھی افضل قرار دیا ہے۔ چونکہ حالت قیام قرآن پاک پڑھنے کی حالت ہے۔

۳۔ تسبیح و تحمید اور ذکر الٰہی صدقہ اور راہ خدا میں مال خرچ کرنے سے اس لیے افضل ہے کہ اس میں خدا تعالیٰ کا ذکر ہے مشہور یہ ہے کہ وہ عبادت جس کا فائدہ خود انسان کو پہنچنے کے ساتھ ساتھ دوسروں کو بھی پہنچے اس عبادت سے افضل ہے جس کا نفع خود اس کرنے والے کو ہی پہنچتا ہو۔ لیکن یہ حکم غیر ذکر الٰہی کے ساتھ مخصوص ہے ذکر الٰہی افضلیت میں سب سے بڑھ کر ہے۔ کیونکہ خدائے تعالیٰ کا ذکر ہر چیز سے افضل و اکبر ہے جیسا کہ صحیح احادیث

یں آیا ہے کہ ذکر الٰہی راہِ خدا میں سونا چاندی خرچ کرنے سے بھی افضل اور بہتر ہے۔اس بارے میں بہت سی احادیث آئی ہیں اور یہ حدیث بھی جو اس کتاب (مشکوٰۃ) میں مذکور ہے انہی احادیث میں سے ہے اس میں غور کرو۔

کہ علماء نے فرمایا ہے کہ روزہ یہ ہے کہ انسان اپنے مال کو اپنے نفس سے کچھ وقت کے لیے روک لیتا ہے پھر خود ہی اُس مال کو اپنے اوپر خرچ کرتا ہے۔اور صدقے میں مال دوسروں پر خرچ کیا جاتا ہے۔ظاہر ہے کہ اپنی ذات پر خرچ کرنے کی بجائے دوسروں پر خرچ کرنا افضل اور اعلیٰ ہے اسی لیے اس حدیث میں آیا ہے کہ صدقہ روزے سے افضل ہے۔کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے۔بیت

وگرنہ چہ حاجت کہ زحمت بری　　زخود باز گیری وہم خود گیری

ترجمہ:۔یعنی وگرنہ کیا ضرورت کہ تو مشقت اٹھائے کہ اپنے سے اپنے مال کو کچھ وقت کے لیے روک دے اور پھر خود ہی کھائے۔

روزے کی افضلیت کی جانب وہ اشارہ جو کتاب الصوم کی ایک حدیث میں گزرا کہ آدم کے بیٹے کا ہر عمل ایک کے بدلے دس کا ثواب رکھتا ہے مگر روزہ کہ وہ میرے ہی لیے ہوتا ہے اور میں خود اس کا ثواب عطا کرتا ہوں۔اپنی جگہ باقی ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ اس قسم کے مسائل میں حیثیتوں اور جہتوں کے اختلاف کا بڑا اعتبار ہے۔ اسی جانب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے قول مبارک میں اشارہ فرمایا ہے کہ روزہ دوزخ کی آگ سے ڈھال ہے یاد رہے کہ روزہ نفسانی شہوات کی آفتوں اور شیطان کے مکر و فریب سے حفاظت و نگاہ داشت کا سبب ہے کیونکہ یہ چیزیں بندے کو دوزخ میں داخل کرتی ہیں۔تو روزہ بندے کی حفاظت کرکے اُسے بچالیتا ہے۔ لہٰذا روزہ دوزخ کی آگ سے بچنے میں ڈھال کا کام دیتا ہے۔

علامہ طیبی نے فرمایا کہ جب عبادت کی ذات پر نگاہ ڈالی جائے تو پتہ چلتا ہے کہ نماز صدقے سے افضل ہے اور صدقہ روزے سے افضل ہے۔اور اگر ان میں سے ہر ایک کے اثر اور خاصیت پر نگاہ ڈالی جائے تو روزہ افضل معلوم ہوتا ہے۔علامہ طیبی کا کلام ختم ہوا۔

وَعَنْ عُثْمَانَ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ اَوْسٍ الثَّقَفِيِّ عَنْ جَدِّهٖ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قِرَاءَةُ الرَّجُلِ الْقُرْاٰنَ فِيْ غَيْرِ مُصْحَفٍ اَلْفُ دَرَجَةٍ وَقِرَاءَتُهٗ فِي الْمُصْحَفِ

حضرت عثمان بن عبداللہ بن اوس ثقفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔انسان کا قرآن پاک میں سے دیکھ کر نہ پڑھنا (زبانی پڑھنا) ایک ہزار درجہ رکھتا ہے اور قرآن پاک میں

تُضَعَّفُ عَلٰی ذٰلِکَ اِلٰی اَلْفَیْ دَرَجَۃٍ۔ دیکھ کر پڑھنا دو ہزار سے بھی زیادہ درجہ رکھتا ہے۔

لے اوس ہمزہ کی زبر اور و ساکن ثقفی تا اور ق کی زبر سے۔

ے۲ یعنی حضرت عثمان اپنے دادا سے جن کا نام اوس ہے، یہ حدیث روایت کرتے ہیں۔ یہ حضرت عثمان تابعی ہیں اور حضرت اوس صحابی

ے۳ یعنی قرآن پاک زبانی پڑھنے کا ایک ہزار درجہ ثواب ہے۔

ے۴ اس صورت میں ثواب زیادہ ملنے کی وجہ یہ ہے کہ قرآن پڑھنے والا قرآن کے حروف پر نگاہ ڈالتا اُسے چھوتا اور اسے اٹھاتا ہے اور یہ بات تحقیق سے ثابت ہو چکی ہے کہ قرآن مجید پر نظر ڈالنا بھی عبادت ہے۔ بہت سے صحابہ کرام اور سلف صالحین قرآن پاک دیکھ کر پڑھا کرتے تھے۔ روایات میں آیا ہے کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دستِ مبارک میں دو قرآن پاک بوسیدہ ہوئے۔ کیونکہ آپ بڑی کثرت سے انہیں پڑھتے تھے۔

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ حکم (کہ دیکھ کر پڑھنے کا اتنا ثواب) ہر حالت میں نہیں۔ بلکہ پڑھنے والا یاد پڑھنے کی صورت میں زیادہ تدبر زیادہ تفکر اور زیادہ حضور قلب سے پڑھ رہا ہو تو قرآن مجید کو دیکھ کر پڑھنے سے افضل ہے۔ اور اس طرح یاد پڑھنے کی فضیلت زیادہ ہے۔ اور اگر دونوں حالتیں برابر ہوں (مثلاً پڑھنے والا عالم قرآن ہے تو پھر اُس کے لیے دیکھ کر پڑھنا افضل ہے) علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ قرآن مجید دیکھ کر پڑھنے کی صورت میں معنیٰ میں تفکر اور معنی کو سمجھنے اور اس کے فہم پر قدرت و دسترس زیادہ پائی جاتی ہے مگر علامہ طیبی کا یہ قول قاعدہ کلیہ نہیں کہلا سکتا

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ ھٰذِہِ الْقُلُوْبَ تَصْدَاُ کَمَا یَصْدَاُ الْحَدِیْدُ اِذَا اَصَابَہُ الْمَآءُ قِیْلَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ وَمَا جِلَآءُھَا قَالَ کَثْرَۃُ ذِکْرِ الْمَوْتِ وَتِلَاوَۃُ الْقُرْاٰنِ۔ (رَوَی الْبَیْھَقِیُّ الْاَحَادِیْثَ

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بیشک یہ دل بھی لوہے سے بہت آلودہ ہو جاتے ہیں جس طرح لوہا پانی میں پڑنے کی وجہ سے کالا اور بدشکل ہو جاتا ہے عرض کیا گیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دلوں کو روشن کرنے اور چمکانے والی چیز کیا ہے۔ فرمایا موت کو کثرت سے یاد کرنا اور قرآن پاک کی تلاوت[1]۔ ان چاروں مذکورہ احادیث کو بیہقی نے شعب الایمان

الْاَرْبَعَۃَ فِیْ شُعَبِ الْاِیْمَانِ۔ نے روایت کیا ہے۔

لہ یہاں حدیث میں لفظ تصدأ آیا ہے جس کا معنی ہے زنگ آلود اور سیاہ ہوجانا۔

۲ لفظ تلاوت کی تا پر پیش اور زیر دونوں طرح روایت آئی ہے۔ پیش کی صورت میں کثرت تلاوت کی بجائے اصل تلاوت مراد ہوگی۔

وَعَنْ اَیْفَعَ بْنِ عَبْدِ الْکَلَاعِیِّ رض قَالَ قَالَ رَجُلٌ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اَیُّ سُوْرَۃٍ مِّنَ الْقُرْاٰنِ اَعْظَمُ قَالَ قُلْ ھُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ قَالَ فَاَیُّ اٰیَۃٍ فِی الْقُرْاٰنِ اَعْظَمُ قَالَ اٰیَۃُ الْکُرْسِیِّ اَللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ قَالَ فَاَیُّ اٰیَۃٍ یَا نَبِیَّ اللّٰہِ تُحِبُّ اَنْ تُصِیْبَکَ وَ اُمَّتَکَ قَالَ خَاتِمَۃُ سُوْرَۃِ الْبَقَرَۃِ فَاِنَّھَا مِنْ خَزَائِنِ رَحْمَۃِ اللّٰہِ تَعَالٰی مِنْ تَحْتِ عَرْشِہٖ اَعْطَاھَا ھٰذِہِ الْاُمَّۃَ لَمْ تَتْرُکْ خَیْرًا مِّنْ خَیْرِ الدُّنْیَا وَ الْاٰخِرَۃِ اِلَّا اشْتَمَلَتْ عَلَیْہِ۔

(رَوَاہُ الدَّارِمِیُّ)

حضرت ایفع[1] بن عبد الکلاعی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ قرآن کی کونسی[2] سورت سب سے عظیم اور بزرگ تر ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا سورہ قل ہو اللہ احد۔ اس شخص نے پھر عرض کیا قرآن میں سب سے عظیم آیت کونسی ہے آپ نے فرمایا آیت الکرسی جو اللہ لا الہ الا ہو الحی القیوم سے شروع ہوتی ہے پھر اس شخص نے عرض کیا اے اللہ کے نبی آپ کس آیت کے بارے میں چاہتے ہیں کہ وہ آپ[3] کو اور آپ کی امت کو ملے آپ نے فرمایا سورہ بقرہ کی آخری آیت کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کے وہ خزانے ہیں جو کہ عرش کے نیچے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے وہ خزانے اس امت کو عطا فرمائے دنیا اور آخرت کی کوئی خیر اور بھلائی ایسی نہیں جو ان[4] میں نہ ہو۔

اسے دارمی نے روایت کیا۔

لہ ایفع ہمزہ کی زبر، ی ساکن اس کے بعد حرف فا۔ الکلاعی ک کی زبر لام مخفف (یعنی غیر مشدد) اس کے بعد نقطے والا عین۔ یہ ذی الکلاع کی طرف منسوب ہے جو یمن میں ایک جگہ ہے۔ آپ صحابی ہیں اپنی قوم کے سردار تھے۔ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اپنے پاس بلالیا تھا۔ آپ نے اپنے وطن سے ہجرت کی اور آ کر مسلمان ہو گئے۔

۲ گزشتہ بیان میں یہ گزرا ہے کہ قرآن کی سورتوں میں سے اعظم اور بزرگ سورت سورۃ الفاتحہ ہے اور اس

حدیث میں سورۃ قل ہو اللہ احد کو اعظم سورت کہا گیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ سورۂ فاتحہ اپنی حیثیتوں اور جہتوں کے کے اعتبار سے اعظم سورت ہے۔ اور سورہ قل ہو اللہ احد اپنی حیثیتوں اور جہتوں کے لحاظ سے اعظم سورت ہے لہذا دونوں سورتیں اپنی اپنی حیثیت سے اعظم سورت ہیں۔

۳؎ یعنی یارسول اللہ آپ کونسی آیت کے متعلق یہ چاہتے ہیں کہ اُس کی خیر و برکت اور دعا آپ کو اور آپ کی اُمت کو عطا ہو۔

۴؎ چنانچہ اُس کے بعد آپ نے فرمایا کہ وہ امن الرسول سے آخر سورت تک کی آیتیں ہیں۔ لفظ امن الرسول میں ایمان و تصدیق کی طرف اشارہ ہے اور لفظ سمعنا و اطعنا میں اسلام اور ظاہری احکام کی طرف اشارہ ہے۔ اور لفظ الیک المصیر میں آخرت میں جزائے عمل کی جانب اشارہ ہے پھر لفظ لایکلف اللہ نفسا الی آخرہ میں دنیاوی اور اُخروی فائدوں کی جانب اشارہ کیا گیا ہے۔

وَعَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ بْنِ عُمَيْرٍ ؕ مُرْسَلًا قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ فَاتِحَةِ الْكِتَابِ شِفَاءٌ مِّنْ كُلِّ دَاءٍ۔

حضرت عبد الملک بن عمیر[۱] رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مرسلاً روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سورۃ فاتحہ الکتاب یعنی سورہ فاتحہ ہر قسم کی بیماری کے لیے شفا[۲] ہے۔

(رَوَاهُ الدَّارِمِيُّ وَ الْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْإِيْمَانِ)

اسے دارمی نے روایت کیا اور بیہقی نے شعب الایمان میں۔

۱؎ ع کی پیش م کی زبر سے۔ مرسلاً یعنی بطریق ارسال روایت ہے کیونکہ یہ عبد الملک بن عمیر ثقہ تابعی ہیں آپ امام شعبی کے بعد کوفے کے قاضی تھے۔

۲؎ یعنی ہر جسمانی، روحانی درد و تکلیف اور بیماری کے لیے شفا ہے جبکہ ایمان اور یقین کے ساتھ اسے پڑھا جائے۔

وَعَنْ عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ ؓ قَالَ مَنْ قَرَأَ اٰخِرَ اٰلِ عِمْرَانَ فِيْ لَيْلَةٍ كُتِبَ لَهٗ قِيَامُ لَيْلَةٍ۔

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے آپ نے (یعنی حضرت عثمان نے) فرمایا کہ جو شخص رات کے وقت سورہ آل عمران کی آخری[۱] آیت پڑھتا ہے تو اُس کے لیے ساری رات جاگنے کا ثواب[۲] لکھا جاتا ہے۔

لہ یعنی ان فی خلق السموات والارض سے آخر سورت تک۔
۲ہ یعنی رات کی بیداری اور نماز تہجد پڑھنے کا ثواب ملتا ہے تہجد کے لیے۔ نیند سے بیدار ہو کر ان آیتوں کا پڑھنا بہت سی احادیث میں مذکور و مشہور ہے۔

وَعَنْ مَكْحُوْلٍ قَالَ مَنْ قَرَأَ سُوْرَةَ اٰلِ عِمْرَانَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ صَلَّتْ عَلَيْهِ الْمَلٰٓئِكَةُ اِلَى اللَّيْلِ۔ (رَوَاهُ الدَّارِمِيُّ)

حضرت مکحول[1] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا جو شخص جمعہ کے روز سورہ آل عمران پڑھتا ہے اس کے لیے رات پڑنے تک فرشتے استغفار کرتے اور دعائے رحمت مانگتے رہتے ہیں ان دونوں احادیث کو امام دارمی نے روایت کیا۔

لہ حضرت مکحول شام کے رہنے والے ہیں اور مشہور تابعین میں سے ہیں۔

وَعَنْ جُبَيْرِ بْنِ نُفَيْرٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ خَتَمَ سُوْرَةَ الْبَقَرَةِ بِاٰيَتَيْنِ اُعْطِيْتُهُمَا مِنْ كَنْزِهِ الَّذِيْ تَحْتَ الْعَرْشِ فَتَعَلَّمُوْهُنَّ وَعَلِّمُوْهُنَّ نِسَآءَكُمْ فَاِنَّهَا صَلٰوةٌ وَّقُرْبَانٌ وَّدُعَآءٌ۔ (رَوَاهُ الدَّارِمِيُّ مُرْسَلًا)

حضرت جبیر[1] بن نفیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک اللہ تعالیٰ نے سورہ بقرہ کو ان دو آیتوں پر ختم فرمایا جو مجھے اس خزانے میں سے عطا کی گئی ہیں جو عرش کے نیچے ہے تو اے لوگو انہیں سیکھو[2] اور اپنی عورتوں کو سکھاؤ کیونکہ ان آیتوں کے کلمات میں رحمت[3] ہی رحمت ہے اور یہ خدا کے قرب کا ذریعہ ہیں اور دعا بھی ہیں۔ اسے دارمی نے مرسلاً روایت کیا۔

لہ ج کی پیش با کی زبر اور یا ساکن نفیر ن کی پیش فا کی زبر آخر میں یا ساکن۔ آپ شام کے ثقہ تابعین میں سے ہیں آپ نے جاہلیت اور اسلام دونوں زمانے پائے۔
۲ہ یعنی ان دو آیتوں کے کلمات سیکھو اور اپنی عورتوں اور گھر کے سب افراد کو سکھاؤ۔
۳ہ جس طرح فرشتوں کی دعا میں آیا ہے کہ وہ رحمت ہی کی دعا کرتے ہیں۔ نیز یہ آیتیں جناب صمدیت میں قرب و نزدیکی کا سبب ہیں کیونکہ یہ آیتیں اللہ تعالیٰ کے ذکر پر مشتمل ہیں۔ اسی طرح یہ آیتیں دعا بھی ہیں کیونکہ دنیا اور آخرت کے سارے مطالب و مقاصد کو شامل ہیں۔

وَعَنْ كَعْبٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

حضرت کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

قَالَ اقْرَءُوْا سُوْرَةَ هُوْدٍ يَوْمَ الْجُمُعَةِ۔ (رَوَاهُ الدَّارِمِيُّ)

نے فرمایا جمعہ کے روز سورہ ہود پڑھا کرو[۲]۔ اسے دارمی نے روایت کیا

[۱] حضرت کعب بن مالک سے یہ حدیث روایت ہے۔ آپ کے والد حضرت مالک مشہور صحابی ہیں۔

[۲] حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سورت کی جزا اور ثواب کا اس لیے ذکر نہیں فرمایا کہ اِس سورت کے پڑھنے پر ثواب ملنا بالکل ظاہر بات ہے یا اس لیے ثواب وجزا کا ذکر نہ فرمایا کہ اس کے پڑھنے کا ثواب اتنا زیادہ ہے کہ شمار میں نہیں آسکتا۔

وَعَنْ اَبِيْ سَعِيْدٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ قَرَأَ سُوْرَةَ الْكَهْفِ فِيْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ اَضَاءَ لَهُ النُّوْرُ مَا بَيْنَ الْجُمُعَتَيْنِ۔ (رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِي الدَّعْوَاتِ الْكَبِيْرِ)

حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے بیشک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص جمعہ کے دن سورہ کہف پڑھتا ہے اُس کے لیے دو جمعوں کے درمیانی دنوں میں روشنی پھیلا دی[۱] جاتی ہے۔ اسے بیہقی نے الدعوات الکبیر میں روایت کیا ہے۔

[۱] کہ اس کے لیے ایمان اور ہدایت کا نور دونوں جمعوں کے درمیانی وقفے میں پھیلا دیا جاتا ہے۔

وَعَنْ خَالِدِ بْنِ مَعْدَانَ قَالَ اقْرَءُوا الْمُنْجِيَةَ وَهِيَ الٓمّٓ تَنْزِيْلُ فَاِنَّهٗ بَلَغَنِيْ اَنَّ رَجُلًا كَانَ يَقْرَؤُهَا مَا يَقْرَأُ شَيْئًا غَيْرَهَا وَكَانَ كَثِيْرَ الْخَطَايَا فَنَشَرَتْ جَنَاحَهَا عَلَيْهِ قَالَتْ رَبِّ اغْفِرْ لَهٗ فَاِنَّهٗ كَانَ يُكْثِرُ قِرَاءَتِيْ فَشَفَّعَهَا الرَّبُّ تَعَالٰى فِيْهِ وَقَالَ اكْتُبُوْا لَهٗ بِكُلِّ خَطِيْئَةٍ حَسَنَةً وَ

حضرت خالد بن معدان رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہوئے فرماتے ہیں نجات[۱] دینے والی سورت کی تلاوت کیا کرو اور وہ سورہ الٓمّٓ تنزیل[۲] ہے کیونکہ بے شک مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ ایک شخص[۳] یہی سورت پڑھا کرتا تھا اور کوئی سورت نہیں پڑھتا تھا یہ شخص بہت ہی خطا کار اور گناہگار تھا تو اس سورت نے اپنے پر اس پر پھیلا[۴] دیے اور کہنے لگی اے میرے رب اسے بخش دے کیونکہ بکثرت[۵] یہ میری تلاوت کیا کرتا تھا تو اللہ تعالیٰ نے اس شخص کے حق میں اس سورت کی شفاعت کر

ارفعوا لہ درجۃ وقال ایضا انھا تجادل عن صاحبھا فی القبر تقول اللھم ان کنت من کتابک فشفعنی فیہ وان لم اکن من کتابک فامحنی عنہ وانھا تکون کالطیر تجعل جناحھا علیہ فتشفع لہ فتمنعہ من عذاب القبر وقال فی تبارک مثلہ وکان خالد لا یبیت حتی یقراھما وقال طاؤس فضلتا علی کل سورۃ فی القرآن بستین حسنۃ۔
(رواہ الدارمی)

قبول فرمایا اور فرمایا اے فرشتو اس بندے کے لیے اس کے ہر گناہ کے بدلے[۶] نیکی لکھو اور اس کے لیے اس کا درجہ[۷] بلند کرو حضرت خالد نے یہ بھی کہا کہ بیشک یہ سورت پڑھنے والے کی طرف سے قبر میں رب تعالی سے جھگڑا[۸] کرتی ہے اور کہتی ہے یا اللہ اگر میں تیری کتاب میں سے ہوں تو اس انسان کے حق میں میری شفاعت قبول کر اور اگر میں تیری کتاب میں سے نہیں ہوں تو مجھے اپنی کتاب میں سے مٹا دے اور بے شک یہ سورت پرندے کی طرح اس انسان پر اپنے پر پھیلا دیتی ہے[۹]۔ اس کے لیے شفاعت کرتی ہے اور اسے عذاب قبر سے محفوظ کرتی ہے۔ حضرت خالد بن معدان نے سورہ تبارک الذی بیدہ الملک کے بارے میں بھی ایسا ہی فرمایا۔ اور حضرت خالد یہ سورت رات کو پڑھنے کے بغیر نہیں سوتے[۱۰] تھے حضرت طاؤس[۱۱] نے فرمایا یہ دو سورتیں قرآن مجید کی تمام سورتوں پر ساٹھ[۱۲] نیکیاں زیادہ فضیلت اور درجہ رکھتی ہیں۔ اسے دارمی[۱۳] نے روایت کیا۔

سلہ م کی زبر اور ع ساکن۔ آپ ملک شام کے ثقہ تابعین میں سے ہیں آپ کو ستر صحابہ کی زیارت کا شرف حاصل ہوا۔

سلہ یعنی جو عذاب دنیا اور آخرت سے نجات دینے والی ہے۔

سلہ یعنی سورہ الم تنزیل جس میں آیت سجدہ بھی ہے۔

سلہ یعنی اس نے صرف اسی سورت کو پڑھنا اپنا ورد بنا رکھا تھا۔ اس کے علاوہ اور کوئی سورت نہیں پڑھتا تھا۔

ھ یعنی قبر میں وہ سورت اس کے پاس آئی اور اس پر پھیل گئی اور اسے اپنی پناہ میں لے لیا۔ دراصل یہ الفاظ اس جانب اشارہ کرتے ہیں کہ اس سورت کے پڑھنے کا نتیجہ ثواب کی شکل میں اس پر ظاہر ہوا۔

سلہ یعنی اے فرشتو اس کی برائیوں کو معاف کر دو اور اس کی نیکیوں کو قبول کر لو بلکہ ہر بدی کے عوض نیکی لکھو۔

اور عذاب کی بجائے اس کے لیے ثواب لکھ دو۔

ے یعنی اس کے لیے صرف گناہوں کے معاف کرنے پر کفایت نہ کر بلکہ اس کے درجات بھی بلند کر دو۔

۸ یعنی اسے پڑھنے والے کی جانب سے قبر میں خدا سے جھگڑتی ہے۔ اور حدیث میں واقع اگلے الفاظ اللہ تعالیٰ سے کہتی ہے۔

۹ یعنی حضرت خالد بن معدان جو اس حدیث کے راوی ہیں رات کو نہیں سوتے تھے تاوقتیکہ ان دونوں سورتوں کو پڑھ لیتے تھے۔

۱۰ یعنی طاؤس ایرانی نے کہا جو مشہور تابعین میں سے ہیں۔

۱۱ یعنی یہ دو حدیثیں وہ ہیں جنہیں دارمی نے روایت کیا مؤلف نے ان دونوں کو ایک جگہ جمع کر دیا۔ اور طاؤس کا قول ایک دوسری حدیث میں ہے کہ اسے بھی دارمی نے ہی روایت کیا یہ احادیث اگرچہ سند کے لحاظ سے مرسل ہیں لیکن حکماً مرفوع حدیث کی طرح ہیں کیونکہ یہ خبریں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کے بغیر معلوم نہیں ہو سکتیں جیسا کہ پہلی حدیث میں ہم اس کی جانب اشارہ کر چکے ہیں۔

وَعَنْ عَطَاءِ بْنِ اَبِیْ رَبَاحٍ[۱] قَالَ بَلَغَنِیْ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ قَرَاَ يٰسٓ فِیْ صَدْرِ النَّهَارِ قُضِيَتْ حَوَآئِجُهٗ۔

(رَوَاهُ الدَّارِمِیُّ مُرْسَلًا)

حضرت عطاء بن رباح[۱] رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص دن کے پہلے حصے میں سورہ یٰس پڑھ لیتا ہے اس کی ساری حاجتیں پوری کی جاتی ہیں۔

اسے دارمی نے مرسلاً روایت کیا۔

۱ لفظ رباح راکی زبر با مخفف یعنی غیر مشدد۔ آپ تابعی ہیں بلند درجہ علماء اور جلیل القدر فقہا میں سے ہوئے ہیں۔ بڑے معتمد اور کثیر حدیث ہوئے ہیں۔ حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے ان کی شان میں فرمایا میں جن جن لوگوں سے ملا ہوں اُن میں سب سے زیادہ فاضل اور کامل عطا بن رباح کو ہی پایا۔ یہ حضرت عطاء بن رباح رضی اللہ عنہ رنگ کے سیاہ تھے آپ کی ایک ہی آنکھ تھی نہایت کمزور بے طاقت اعضاء والے تھے۔ لنگڑا کر چلتے تھے۔ آخر عمر میں نابینا ہو گئے تھے یہ بزرگ ابن عباس حضرت ابوہریرہ حضرت ابو سعید حضرت جابر حضرت ابن عمر اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے احادیث روایت کرتے ہیں۔ اٹھاسی سال کی عمر میں سن ۱۱۵ ہجری میں اس دار فانی سے آپ نے رحلت فرمائی۔

وَعَنْ مَعْقِلِ بْنِ يَسَارٍ

حضرت معقل[۱] بن یسار مزنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے

اَلْمُزَنِیِّ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ قَرَءَ یٰسٓ اِبْتِغَاءَ وَجْہِ اللّٰہِ تَعَالٰی غُفِرَ لَہٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِہٖ فَاقْرَءُوْھَا عِنْدَ مَوْتَاکُمْ۔ (رَوَاہُ الْبَیْھَقِیُّ فِیْ شُعَبِ الْاِیْمَانِ)

بے شک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص خالص اللہ کی رضا چاہنے کے لیے سورہ یٰسٓ کی تلاوت کرتا ہے اُس کے گزشتہ تمام گناہ بخش دیے جاتے ہیں تو اے لوگو اپنے مُردوں کے پاس پڑھا کرو۔

اس حدیث کو بیہقی نے شعب الایمان نے روایت کیا۔

لہ معقل م کی زبر ع کی جزم اور ق کی زیر۔ لیسار ی کی زبر س کی جزم۔ مزنی م کی پیش ز کی زبر پھر حرف ن یہ مزینہ کی طرف نسبت ہے جو ایک قبیلے کا نام ہے۔ آپ صحابی ہیں۔ اہل بیت رضوان میں سے ہیں۔ آپ سے حسن بصری وغیرہ روایت کرتے ہیں۔

۲ہ یعنی اُن پر جو موت کو جھانک رہے ہوں یعنی عالم نزع میں ہوں یہ سورت اُن کے پاس پڑھو اور انہیں سناؤ اور اس سورت کے معنی اُن کے دلوں پر سے گزارو۔ یہ ایسا ہو گا گویا مرنے والے خود اس سورت کو پڑھ رہے ہیں اور ایسا کرنا اُن کے گناہوں کی مغفرت کا سبب بنے گا۔ یہ بھی احتمال ہے کہ اس موقع پر سورہ یٰسٓ پڑھنے میں گناہوں سے بخشش کی خصوصیت ہو۔ اسی لیے اس وقت میں اس سورت کے پڑھنے کا حکم آیا ہے۔

وَعَنْ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ مَسْعُوْدٍ اَنَّہٗ قَالَ اِنَّ لِکُلِّ شَیْءٍ سَنَامًا وَّ اِنَّ سَنَامَ الْقُرْاٰنِ سُوْرَۃُ الْبَقَرَۃِ وَاِنَّ لِکُلِّ شَیْءٍ لُبَابًا وَّ اِنَّ لُبَابَ الْقُرْاٰنِ الْمُفَصَّلُ۔ (رَوَاہُ الدَّارِمِیُّ)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے بے شک اُنہوں نے فرمایا کہ ہر چیز اپنے اندر ایک بلندی اور رفعت رکھتی ہے اور قرآن کی رفعت و بلندی سورہ بقرہ ہے اور بے شک ہر چیز کا ایک مغز ہے اور قرآن کا مغز قرآن کی مفصل سورتیں ہیں۔

اسے دارمی نے روایت کیا۔

لہ یہاں حدیث میں لفظ سنام آیا ہے جس کا اصل معنی اونٹ کی کوہان ہے پھر اس سے ہر بلند چیز کا کنایہ کرتے ہیں۔ اسی طرح سنام زمین کے وسط حصے کو بھی کہتے ہیں پھر کوہان سے رفعت اور بلندی بھی مراد لے لیتے ہیں۔

۲ہ قرآن مجید کی سورتیں سورہ حجرات کے اول سے آخر قرآن تک مفصل سورتیں کہلاتی ہیں یہاں لفظ مفصل کی تفسیر میں کچھ اور اقوال بھی ہیں جو کتاب الصلوات کے باب القراءت میں گزر چکے ہیں۔

وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لِكُلِّ شَيْءٍ عَرُوْسٌ وَعَرُوْسُ الْقُرْاٰنِ الرَّحْمٰنُ۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ آپ فرما رہے تھے۔ ہر ایک چیز کے لیے ایک دلہن[1] ہوتی ہے اور قرآن کی دلہن سورہ الرحمٰن ہے۔

[1] یہاں حدیث میں لفظ عروس آیا ہے یعنی ع کی زبر سے۔ یہ لفظ سجے ہوئے مرد اور عورت دونوں کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ یہاں حسن وجمال مراد ہے۔ جو سجے ہوئے مرد یا عورت میں پایا جاتا ہے۔ اس سورت کا حسن وجمال اللہ تعالیٰ کے قول مبارک فَبِاَیِّ اٰلَاءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ کے تکرار کی وجہ سے ہے۔ کیونکہ اس کلمے کا تکرار اس سورت کو خاص حسن وجمال عطا کرتا ہے۔ پھر اس حدیث میں شے سے وہ چیز مراد ہے جس کی طرف عروس کی نسبت کرنا مناسب ہو۔

وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَرَءَ سُوْرَةَ الْوَاقِعَةِ فِيْ كُلِّ لَيْلَةٍ لَمْ تُصِبْهُ فَاقَةٌ اَبَدًا وَكَانَ ابْنُ مَسْعُوْدٍ يَاْمُرُ بَنَاتِهٖ يَقْرَاْنَ بِهَا كُلَّ لَيْلَةٍ۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص ہر رات میں سورہ الواقعہ پڑھتا ہے وہ فاقے[1] اور تنگ دستی سے ہمیشہ کے لیے محفوظ رہتا ہے اور حضرت ابن مسعود اپنی بیٹیوں کو ہر رات میں یہ سورت پڑھنے کا حکم دیا کرتے[2] تھے۔

(رَوَاهُمَا الْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ۔

ان دونوں احادیث کو بیہقی نے شعب الایمان نے روایت کیا۔

[1] لغت کی کتاب صراح میں ہے کہ فاقہ بمعنیٰ درویشی اور محتاجی۔

[2] واضح ہو کہ شارع علیہ السلام نے بعض عبادات کی خصوصیت سے رغبت دلائی ہے کیونکہ وہ دنیوی امور میں خصوصیت سے مؤثر اور نفع بخش ہیں۔ پھر دین کے بارے میں بھی ممد اور معاون ہیں تاکہ لوگ ہر صورت میں ان عبادات کے ادا کرنے میں مشغول رہیں جس قدر بھی اُن سے ہو سکے اور یہ چیز عبادات سے محبت و شوق پیدا کرنے کا موجب ہے اور عبادات سے محبت اُس ہستی سے محبت کا ذریعہ بنتی ہے جو ان عبادات کے لیے کرآئی ہے کیونکہ انسان کی فطرت میں یہ بات داخل ہے کہ انعام فرمانے والے کے ساتھ وہ محبت کرتا ہے۔ اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے احسان جتلاتے ہوئے اپنے کلام پاک میں فرمایا۔ (اَمَدَّکُمْ بِاَنْعَامٍ وَّبَنِیْنَ وَجَنّٰتٍ وَّعُیُوْنٍ وَّزُرُوْعٍ۔

ترجمہ:۔ اللہ تعالیٰ نے تمہاری مدد فرمائی مویشیوں کے ذریعے بیٹوں کے ذریعے باغات اور چشموں اور کھیتوں وغیرہ کے ذریعے۔

وَعَنْ عَلِیٍّ رض قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یُحِبُّ ھٰذِہِ السُّوْرَۃَ سَبِّحِ اسْمَ رَبِّکَ الْاَعْلٰی۔ (رَوَاہُ اَحْمَدُ)

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس سورت سے محبت رکھتے تھے[1] یعنی سبح اسم ربک الاعلیٰ سے۔ اسے احمد نے روایت کیا۔

[1] علماء فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس سورت سے محبت رکھنے کی وجہ اللہ تعالیٰ کے اس قول کی بنا پر تھی جو اس سورت میں آیا ہے کہ ان ھذا لفی الصحف الاولیٰ صحف ابراہیم وموسیٰ۔ ترجمہ بے شک یہی باتیں پہلے صحیفوں میں بھی آچکی ہیں یعنی حضرت ابراہیم اور حضرت موسیٰ کے صحیفوں میں کیونکہ قرآن پاک کے یہ الفاظ قرآن کی حقانیت کی گواہی دیتے ہیں اور ان میں مشرکین اور اہل کتاب کا بھی رد ہے۔

وَعَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عَمْرٍو رض قَالَ اَتَی رَجُلٌ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اَقْرِئْنِیْ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ فَقَالَ اقْرَأْ ثَلٰثًا مِنْ ذَوَاتِ الٓرٰ فَقَالَ کَبُرَتْ سِنِّیْ وَاشْتَدَّ قَلْبِیْ وَغَلُظَ لِسَانِیْ قَالَ فَاقْرَأْ ثَلٰثًا مِّنْ ذَوَاتِ حٰمٓ فَقَالَ مِثْلَ مَقَالَتِہٖ قَالَ الرَّجُلُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اَقْرِئْنِیْ سُوْرَۃً جَامِعَۃً فَاَقْرَأَہٗ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا زُلْزِلَتْ حَتّٰی فَرَغَ مِنْھَا فَقَالَ الرَّجُلُ وَالَّذِیْ بَعَثَکَ بِالْحَقِّ

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی یا رسول اللہ مجھے پڑھا دیجیے فرمایا وہ تین سورتیں پڑھو جن کے ابتدا میں لفظ[1] الٓرٰ آیا ہے اس نے عرض کیا میری عمر زیادہ ہو چکی ہے میرا دل سخت[2] ہو چکا ہے اور میری زبان موٹی ہو چکی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ جن سورتوں کے ابتدا میں حٰم آیا ہے ان میں سے تین پڑھ لیا کرو اس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ فرمانے پر وہی جواب دیا جو پہلے دیا تھا پھر اس شخص نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے کوئی جامع[3] سورت پڑھائیں تو آپ نے اسے سورہ اذا زلزلت الارض مکمل[4] سورت پڑھائی اس شخص نے کہا مجھے اس ذات کی قسم ہے جس نے آپ کو حق دے کر

لَآ اَزِيْدُ عَلَيْهِ اَبَدًا ثُمَّ اَدْبَرَ الرَّجُلُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَفْلَحَ الرُّوَيْجِلُ مَرَّتَيْنِ۔ (رَوَاهُ اَحْمَدُ وَاَبُوْدَاوُدَ)	یعنی جاہے کہ میں اس سے زیادہ کبھی کچھ نہ پڑھوں گا پھر وہ شخص پشت پھیر کر چلا گیا۔ تو آپ نے دو دفعہ فرمایا کہ یہ پیارا مرد فلاح اور کامیابی حاصل کر گیا۔ اسے احمد ابو داؤد نے روایت کیا۔

سلہ یعنی جو سورتیں حرف را سے شروع ہوتی ہیں اور وہ کل پانچ سورتیں ہیں ان میں سے تین پڑھ لیا کرو۔ اور ایک دوسرے نسخے میں تین کا لفظ نہیں آیا۔ بلکہ صرف اتنا آیا ہے کہ حرف الرا والی سورتیں پڑھ لیا کرو۔ اس دوسرے نسخے کے مطابق المر والی سورتیں بھی داخل ہوں گی۔

سلہ یعنی اُس شخص نے ان سورتوں کے نہ پڑھ سکنے کا عذر بیان کرتے ہوئے عرض کیا۔

سلہ کہ میں اُن کو اس عمر میں یاد نہیں رکھ سکتا۔

سلہ یعنی ایسی سورت پڑھائیے جو مختصر بھی ہو مگر دنیوی اور اخروی مطالب کو بھی شامل ہو اور اس میں ثواب و عذاب کا بھی ذکر ہو۔

سلہ یعنی آخر سورت تک اُسے پڑھائی اور اس سورت میں یہ الفاظ آئے ہیں۔ و من یعمل مثقال ذرۃ خیرا یرہ ومن یعمل مثقال ذرۃ شرا یرہ۔ ترجمہ: جو شخص ایک رائی برابر نیک عمل کرے گا قیامت کے دن اسے دیکھے گا اور جو شخص ایک رائی برابر بُرا عمل کرے گا اُسے بھی دیکھے گا وہ مرد جس قسم کی جامعیت چاہتا تھا۔ اس سورت کے ان الفاظ میں پائی جاتی ہے۔

سلہ یعنی میں اس سورت کے یہی الفاظ پڑھوں گا انہی سے نصیحت حاصل کروں گا اور ساتھ ہی پر عمل کروں گا۔

سلہ یہاں حدیث میں لفظ رُوَیجِل آیا ہے یعنی را کی پیش و کی زبر ج کے نیچے زیر یہ راجل کی تصغیر ہے۔ راجل بمعنی پیادہ یا یہ لفظ رجل بمعنی مرد کی تصغیر ہے۔ یاد رہے یہ تصغیر اظہار عظمت یا اظہار شفقت کے لیے ہے۔

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلَا يَسْتَطِيْعُ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّقْرَاَ اَلْفَ اٰيَةٍ فِيْ كُلِّ يَوْمٍ قَالُوْا وَمَنْ يَّسْتَطِيْعُ اَنْ يَّقْرَاَ اَلْفَ اٰيَةٍ فِيْ كُلِّ	حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے کوئی آدمی یہ طاقت نہیں رکھتا کہ ہر دن میں ہزار آیت پڑھا کرے؟ صحابہ نے عرض کیا ہر دن میں ہزار آیت پڑھنے کی کون طاقت رکھتا ہے اس پر آپ نے فرمایا کیا تم میں کوئی شخص

يَوْمٍ قَالَ اَمَا يَسْتَطِيْعُ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّقْرَاَ اَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ.

یہ طاقت نہیں رکھتا کہ سورۂ الہکم التکاثر پڑھ لیا کرے۔[2]

(رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ.

اس حدیث کو بیہقی نے شعب الایمان نے روایت کیا۔

[1] یعنی رکاوٹوں اور دوسرے کام کاج کے باوجود تم میں سے کوئی شخص ہزار آیتیں پڑھ سکتا ہے۔

[2] یعنی اگر یہ سورت پڑھ لیا کرے تو اُسے ہزار آیت پڑھنے کا ثواب ملے گا۔ اس قدر ثواب ملنے کا علم شارع علیہ السلام کو ہی ہے اسی طرح احکام شرع کی تعداد معین کرتے ہیں جو راز پوشیدہ ہے اُس کی حقیقت بھی شارع علیہ الصلوۃ والسلام کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

وَ عَنْ سَعِيْدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ مُرْسَلًا عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ قَرَاَ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ عَشَرَ مَرَّاتٍ بُنِيَ لَهٗ قَصْرٌ فِي الْجَنَّةِ وَمَنْ قَرَاَ عِشْرِيْنَ مَرَّةً بُنِيَ لَهٗ بِهَا قَصْرَانِ فِي الْجَنَّةِ وَمَنْ قَرَءَ ثَلٰثِيْنَ مَرَّةً بُنِيَ لَهٗ بِهَا ثَلٰثَةُ قُصُوْرٍ فِي الْجَنَّةِ فَقَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ وَ اللّٰهِ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِذًا لَنُكْثِرَنَّ قُصُوْرَنَا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَللّٰهُ اَوْسَعُ مِنْ ذٰلِكَ. (رَوَاهُ الدَّارِمِيُّ)

حضرت سعید[1] بن مسیب سے مرسلاً[2] روایت ہے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا جو آدمی سورہ قل ہو اللہ احد دس دفعہ پڑھتا ہے اُس کے لیے جنت میں ایک محل بنایا جاتا ہے اور جو شخص یہ سورت بیس مرتبہ پڑھتا ہے اُس کے لیے جنت میں دو محل بنائے جاتے ہیں۔ اور جو شخص یہ سورت تین مرتبہ پڑھتا ہے اُس کے لیے جنت میں تین محل بنائے جاتے ہیں یہ سن کر حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے کہا اللہ کی قسم یا رسول اللہ پھر تو ہم اپنے لیے بہشت[3] سے محل بنائیں گے۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالے اس سے بھی زیادہ کشادہ[4] اور فراخ ہے۔

اسے دارمی نے روایت کیا۔

[1] حضرت سعید بن مسیب بلند مرتبہ تابعین میں سے ہوئے ہیں۔ رضی اللہ عنہ۔

[2] یعنی انہوں نے یہ حدیث بطریق ارسال روایت کی ہے۔

[3] یعنی جبکہ اس سورت کے پڑھنے کا اس قدر زیادہ ثواب ہے تو ضرور ہم لوگ یہ سورت بہت زیادہ

پڑھیں گے اور اس کے پڑھنے کے سبب جنت میں بہت سے محل تیار کریں گے۔

۴؎ یعنی خدائے تعالیٰ کی قدرت اس کی رحمت اور اس کا فضل بہت کشادہ ہے۔ اس لیے اس پر تعجب نہ کر اور اسے بعید نہ سمجھ۔ علامہ طیبی نے ان الفاظ کا یہی معنی بیان کیا ہے۔ ظاہر یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مقصد اس سورت کے زیادہ پڑھنے کی جانب میلان و رغبت کا اظہار ہے۔ کیونکہ اس کا پڑھنا تو عمل قلیل ہے مگر اس کا ثواب بہت زیادہ ہے لہٰذا حضرت عمر نے یہ کلمات تعجب اور بعید جانتے ہوئے نہیں فرمائے تھے جیسا کہ آپ کا ظاہر قول یعنی پھر تو ہم اسے بہت پڑھیں گے۔ اس پر دلالت کرتا ہے تو جواب کا معنیٰ یہ ہوا کہ خدائے تعالیٰ کا ثواب اور اس کا فضل اس سے بھی وسیع تر ہے لہٰذا اے لوگو اس سورت کے پڑھنے کی طرف رغبت کرو اور کوئی تعجب نہ کرو۔ ہاں، عام انسان کے ذہن میں اس سے تعجب پیدا ہوتا ہے۔ نفی کی صورت میں جواب اس کو شامل ہے مگر ایسا جواب دینا اور اس ثواب کو بعید جاننا جیسا کہ علامہ طیبی نے کہا ٹھیک نہیں ہے۔ واضح ہو کہ حدیث کی عبارت مطلق ہے۔ یعنی یہ سورت عمر میں ایک بار پڑھے یا ہر روز اس کو ورد بنائے دونوں صورتوں میں اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم بہت وسیع ہے۔

وَعَنِ الْحَسَنِ مُرْسَلًا اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ قَرَءَ فِيْ لَيْلَةٍ مِّائَةَ اٰيَةٍ لَمْ يُحَاجَّهُ الْقُرْاٰنُ تِلْكَ اللَّيْلَةَ وَمَنْ قَرَاَ فِيْ لَيْلَةٍ مِّائَتَيْ اٰيَةٍ كُتِبَ لَهٗ قُنُوْتُ لَيْلَةٍ وَّمَنْ قَرَاَ فِيْ لَيْلَةٍ خَمْسَ مِائَةٍ اِلَى الْاَلْفِ اَصْبَحَ وَلَهٗ قِنْطَارٌ مِّنَ الْاَجْرِ قَالُوْا وَمَا الْقِنْطَارُ قَالَ اثْنَا عَشَرَ اَلْفًا۔

(رَوَاهُ الدَّارِمِيُّ)

حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ سے بطریق ارسال یہ حدیث مروی ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص رات کے وقت سو آیتیں پڑھ لیتا ہے تو قرآن اس رات اس سے کوئی جھگڑا[1] نہیں کرتا۔ اور جو شخص رات کو دو سو آیتیں پڑھ لیتا ہے تو اس کے لیے ساری رات کی فرمانبرداری اور قیام و دعا اور خشوع خضوع لکھا جاتا ہے اور جو شخص رات میں پانچ سو سے ایک ہزار تک قرآن کی آیتیں پڑھ لیتا ہے وہ اس حال میں صبح کرتا ہے کہ اسے قنطار (ڈھیر) کی مقدار اجر و ثواب دیا جاتا ہے۔ صحابہ کرام نے عرض کیا قنطار کیا ہوتا ہے آپ نے فرمایا بارہ[2] ہزار کو قنطار کہتے ہیں۔

(دارمی)

۱؎ قرآن پاک اس شخص کے مخالف ہو جاتا ہے جو اسے نہیں پڑھتا اور اس کی تلاوت کی عادت نہیں بناتا۔ مگر جو شخص اتنی مقدار یعنی سو آیتیں رات کو پڑھ لیا کرتا ہے تو قرآن اس سے اپنا جھگڑا اور ناراضگی ختم کر دیتا ہے۔ یہ بندہ

اُس رات میں گویا قرآن کا حق ادا کر دیتا ہے۔

ے۵ دراصل قنطار مال کثیر کو کہتے ہیں جو مقدار میں بارہ ہزار کو پہنچا ہو۔ قاموس میں فرمایا قنطار چالیس اوقیہ سونے کے وزن کو کہتے ہیں یا دو ہزار درہم کو یا گائے کے چمڑے کو بھر دینے والا سونے اور چاندی کو قنطار کہتے ہیں۔ دراصل اس میں کثرت ثواب کا اظہار و بیان ہے۔اس میں شک نہیں کہ آخری معنی (یعنی گائے کا چمڑا سونے کی مقدار زیادہ مناسب اور زیادہ اولیٰ معلوم ہوتا ہے) طیبی نے کہا کہ قنطار بارہ ہزار اوقیہ سونے کو کہتے ہیں اور اوقیہ زمین و آسمان کے درمیانی فاصلے سے بھی زیادہ مقدار کو کہا گیا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ حدیث میں واقع لفظ قالو کی ضمیر امام حسن بصری کے ساتھیوں سے تعلق رکھتی ہو۔ اور لفظ قال حضرت حسن بصری سے متعلق ہو یعنی یہ بات حسن بصری نے فرمائی۔

بَابُ اٰدَابِ التِّلَاوَةِ

آداب تلاوت کا بیان

مشکوٰۃ شریف کے اکثر نسخوں میں یہ باب ترجمہ اور عنوان کے بغیر واقع ہوا ہے جس طرح کہ تتمات اور گزشتہ مضمون سے تعلق رکھنے والی باتوں کے ذکر کرنے میں مؤلف مشکوٰۃ کی عادت ہے گر مشکوٰۃ کے بعض نسخوں میں یہاں باب کا عنوان باب آداب تلاوت و درس القرآن کے الفاظ کی صورت میں بھی آیا ہے۔ قرآن پاک بلا ناغہ اور لگاتار پڑھنے کو تلاوت کہتے ہیں جس طرح ورد وظائف میں ہوتا ہے ۔ تجوید کے طور پر قرآن پاک سیکھنے کے لیے پڑھنے کو مشائخ اور علماء امائے قرآن کہتے ہیں لفظ قرات تلاوت اور آداب دونوں کو شامل ہے ۔ لفظ درس بھی قرات کے معنی میں آتا ہے۔ درس سے مدارست بنا ہے۔ جس کا معنی ہے دو یا دو سے زیادہ آدمیوں کا آپس میں درس و تکرار کرنا۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

پہلی فصل

عَنْ اَبِیْ مُوْسٰی الْاَشْعَرِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ تَعَاهَدُوا الْقُرْاٰنَ فَوَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِهٖ لَهُوَ اَشَدُّ تَفَصِّیًا مِّنَ الْاِبِلِ فِیْ عُقُلِهَا. (مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ)

حضرت ابوموسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قرآن پاک سے یکے ہوئے عہد و پیمان کو تازہ رکھو کیونکہ اُس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے البتہ قرآن پاک رسیوں میں بندھے ہوئے اونٹوں سے بھی چھوٹ جانے میں یعنی ہاتھ سے نکل جانے میں زیادہ سخت ہے۔ (بخاری و مسلم)

لہ یعنی قرأت اور تلاوت کو اپنی عادت بناؤ اور اُس کی حفاظت نگہداشت کرو۔ تاکہ دلوں سے اتر نہ جائے اور بھول نہ جائے۔ یہاں حدیث میں لفظ تعاہد آیا ہے جس کا معنی ہے دو شخصوں کا آپس میں کسی معاہدے کو تازہ کرنا اور اُس کا ذکر کرنا دراصل حضور کے اس ارشاد میں اس جانب اشارہ ہے کہ بندہ جب قرآن سے کیا ہوا عہد تازہ رکھتا ہے اور درس و تدریس کی شکل میں اُس کی خدمت میں لگا رہتا ہے تو یہ شخص گویا قرآن پاک سے کیے ہوئے عہد کی نگہداشت اور حفاظت کرتا ہے۔

۲لہ یعنی رسیوں سے بندھے ہوئے اونٹ رسیوں کو توڑ کر بھاگ جاتے ہیں قرآن پاک کے الفاظ و معنی اگر اُن کی نگہداشت نہ کی جائے انسان کے ذہن سے نکل جانے میں اُن اونٹوں سے بھی زیادہ سخت اور تیز ہیں۔ یہاں حدیث میں لفظ عقل آیا ہے جو کہ عقال کی جمع ہے بمعنیٰ اونٹ کو باندھنے کا رسّہ۔

وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِئْسَ مَا لِاَحَدِهِمْ اَنْ يَّقُوْلَ نَسِيْتُ اٰيَةَ كَيْتَ وَكَيْتَ بَلْ نُسِّيَ وَاسْتَذْكِرُوا الْقُرْاٰنَ فَاِنَّهٗ اَشَدُّ تَفَصِّيًا مِنْ صُدُوْرِ الرِّجَالِ مِنَ النَّعَمِ. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَزَادَ مُسْلِمٌ بِعُقُلِهَا)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں وہ آدمی برا ہے جو کہے کہ میں نے فلاں فلاں آیت بھلا دی ہے بلکہ یوں کہے مجھے بھلا دی گئی ہے اور قرآن پاک کا تکرار کیا کرو اور پابندی سے ایک دوسرے کو پڑھایا کرو کیونکہ یہ لوگوں کے سینوں سے بھاگ اور چھوٹ جانے میں مویشیوں سے بھی زیادہ سخت اور طاقتور ہے۔ (بخاری و مسلم۔ اور مسلم نے بعقلہا کا لفظ زیادہ بیان کیا ہے۔

لہ پہلے قول کے برا ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اُس کی حماقت اس جانب اشارہ کرتی ہے کہ میں نے قرآن کی تلاوت چھوڑ رکھی اُس کی تلاوت نہ کی اور اُس سے لاپروائی برتی اس وجہ سے فلاں فلاں آیتیں میں نے بھلا دیں۔ دوسرے قول میں (مجھے بھلا دی گئی ہیں) اپنی کوتاہی پر اظہار حسرت اور شرمندگی ہے کہ میں اُن آیتوں کو یاد رکھنے کی سعادت سے کیوں محروم ہوگیا اور یہ نعمت ہاتھ سے نکل جانے کا مجھے افسوس ہے یا اس دوسرے لفظ میں گناہ کا مرتکب ہونے کی تصریح سے اجتناب و پرہیز پایا جاتا ہے۔ کیونکہ یہ کہنا کہ میں نے فلاں فلاں آیتیں بھلا دی ہیں بے حیائی۔ بیباکی قرآن اور ترکِ آداب کو ظاہر کرتا ہے۔

۲لہ یعنی جن مویشیوں کو اگر نہ باندھیں اور اُن کی نگہداشت نہ کریں تو وہ بھاگ جاتے اور باہر چلے جاتے ہیں قرآن پاک سینوں سے نکل جانے میں ایسے مویشیوں سے بھی زیادہ سخت اور زور آور ہے۔

سے یعنی امام مسلم نے اپنی روایت میں بعقلہا کا لفظ بھی روایت کیا ہے اس لفظ کے معنی گزشتہ حدیث میں بیان ہو چکے ہیں۔

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رض اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّمَا مَثَلُ صَاحِبِ الْقُرْاٰنِ كَمَثَلِ صَاحِبِ الْاِبِلِ الْمُعَقَّلَةِ اِنْ عَاهَدَ عَلَيْهَا اَمْسَكَهَا وَاِنْ اَطْلَقَهَا ذَهَبَتْ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قرآن پاک کو یاد کرنے اور بھلا دینے والے کی مثال پاؤں سے بندھے ہوئے اُن اونٹوں والوں کی طرح ہے۔ اگر اُن کی نگرانی کرتے ہیں تو اپنے پاس روک کے رکھتے ہیں، اور اگر انہیں آزاد چھوڑ دیتے ہیں تو وہ ادھر اُدھر بھاگ جاتے ہیں۔ (بخاری و مسلم)

وَعَنْ جُنْدُبِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ رض قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اقْرَءُوا الْقُرْاٰنَ مَا ائْتَلَفَتْ عَلَيْهِ قُلُوْبُكُمْ فَاِذَا اخْتَلَفْتُمْ فَقُوْمُوْا عَنْهُ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت جندب[1] بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قرآن پاک کو اُس وقت تک پڑھو جب تک تمہارے دلوں کی اُنسیت[2] اُس سے قائم رہے جب تمہاری طبیعت منتشر ہونے لگے۔ دل ادھر اُدھر بٹنے[3] لگے تو اُسے پڑھنا چھوڑ کر کھڑے ہو جاؤ۔ (بخاری و مسلم)

لے جندب د کی پیش اور زبر آپ صحابی ہیں کبھی انہیں ان کے دادے کی طرف نسبت کرتے ہوئے جندب بن سفیان بھی کہہ دیتے ہیں اور انہیں بجلی اور عقلی بھی کہتے ہیں یعنی ع اور لام کی زبر اس کے بعد حرف ق۔ پہلے آپ کوفے میں رہتے تھے پھر وہاں سے رہائش تبدیل کر کے بصرے میں آگئے۔ آپ سے حضرت امام حسن اور ابن سیرین احادیث روایت کرتے ہیں۔

سے یعنی جب تک قرآن پڑھنے پر دل جما رہے اور تمہارے دلوں میں قرآن کی قرارت کا ذوق و شوق اور نشاط و سرور موجود رہے۔

سے یعنی جب تمہاری طبیعت تبدیل ہونے لگے اور تھکاوٹ و ملالت اور دل میں انتشار و تفرقہ محسوس ہونے لگے تو قرآن پاک کا پڑھنا موقوف کر دو اور اٹھ جاؤ۔ ملالت اور بے ذوقی سے نہ پڑھو۔ یہاں ایک نقطے کو ذہن میں رکھنا چاہیے کہ حدیث کے لفظ ظاہر کرتے ہیں کہ بندے کو چاہیے کہ قرآن پاک کی تلاوت کی عادت ڈالے رکھے تلاوت کے لیے جدوجہد کرے۔ نفس کو ریاضت اور مشقت میں ڈالے تاکہ اس کی زیادہ تلاوت کرنے سے طبیعت

ملال محسوس نہ کرے بلکہ نشاط و سرور میں اضافہ ہو کیونکہ سست اور آسودہ دل لوگ جو اس کی عادت اور اس کے لیے ریاضت اور مشقت نہیں کرتے جلدی تھک جاتے ہیں۔ بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ صرف ایک پارہ پڑھنے سے تھک جاتے ہیں بعض وہ ہوتے ہیں جو دس پارے پڑھ لیتے ہیں مگر اُن کے ذوق و شوق میں ذرہ فرق نہیں پڑتا اور اُن کے دل پر ملالت و تھکاوٹ کا ذرہ سا نشان بھی محسوس نہیں ہوتا اللہ تعالیٰ سے ہی توفیق مانگنی چاہیے۔ اس حدیث میں واقع لفظ اختلاف وقیام کے معنیٰ میں اور وجوہ بھی ذکر کی گئی ہیں جو ہماری شرح عربی میں مذکور ہیں۔

وَعَنْ قَتَادَةَ[۱] قَالَ سُئِلَ اَنَسٌ كَيْفَ كَانَتْ قِرَآءَةُ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ كَانَتْ مَدًّا مَدًّا ثُمَّ قَرَأَ بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ يَمُدُّ بِبِسْمِ اللهِ وَ يَمُدُّ بِالرَّحْمٰنِ وَ يَمُدُّ بِالرَّحِيْمِ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے دریافت کیا گیا کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قراءت کیسی ہوتی تھی۔ فرمایا آپ کی قراءت لمبی[۲] اور دراز ہوتی تھی۔ پھر حضرت انس نے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کو لمبا کر کے پڑھا بسم اللہ کو بھی لمبا کیا الرحمٰن بھی لمبا کر کے پڑھا اور لفظ رحیم بھی۔[۳]

اسے بخاری نے روایت کیا۔

[۱] حضرت قتادہ مشہور تابعین میں سے ہیں۔

[۲] یہاں حدیث میں لفظ مَدًا بروزن حمرا آیا ہے۔ ایک روایت میں مدا کی بجائے بصورت صحیح مصدر مدًا آیا ہے۔ مَدًا و مدًا دونوں کا ایک معنیٰ ہے۔

صحیح بخاری میں ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام صحیح لمبائی کے ساتھ قرآن پاک کی تلاوت فرماتے تھے۔ یعنی بسم اللہ میں لفظ اللہ کے لام کو ٹھیک طور پر کھڑا کرتے تھے اسی طرح لفظ رحمٰن میں میم کو اور لفظ رحیم میں یا کو صحیح مقدار میں لمبا کرتے تھے۔

[۳] واضح ہو کہ یہاں مد اصلی مراد ہے جسے مد طبعی کہتے ہیں کیونکہ مد والے حروف میں مد کرنا لازم اور طبیعت کے مطابق ہے جس طرح لفظ قالو میں الف اور و اور لفظ قیل میں یا۔ یہ مد حرف حرکات کے مکمل کرنے یا الف کو تھوڑا سا لمبا کرنے سے یا کچھ کم کرنے سے حاصل نہیں ہو سکتی کیونکہ اگر اس طرح نہ پڑھا جائے تو ان حروف کا پڑھنا درست طریقے پر نہیں ہو سکتا اور مد مشہور جس سے ارباب فن تجوید بحث کرتے ہیں اُسے مد فرعی کہتے ہیں اُس کے دو سبب ہوتے ہیں ایک جزم وسکون اور ایک ہمزہ جو ان حروف کے بعد واقع ہوتا ہے اور حرف یا سکون کی وجہ سے مدغم بھی ہوتا ہے جیسے دابۃ اور والضالین یا ادغام کے بغیر بھی جیسا کہ اُن سورتوں میں جن کی ابتدا میں الف۔ لام۔ میم

قاف ق ۔ ص ۔ نون ن اور پڑھایا جاتا ہے کہاں حروف پر بھی مد بے ادغام پڑھی جاتی ہے۔ کسی حرف پر بعض دفعہ سکون وقف عارض کی وجہ سے بھی ہوتا ہے جس طرح لفظ نستعین اور المفلحون اور اولی الالباب پھر ہمزہ یا تو ایک کلمے میں ہوگا۔ جیسے السماء اور السوء اور جیئی یا دو کلموں میں ہوگا۔ جیسے ما انزل اور قالوا آمنا و فی انفسہم، قاری حضرات کا اس مد کی مقدار میں اختلاف ہے۔ بعض ڈیڑھ الف کی مقدار قرار دیتے ہیں بعض اڑھائی الف سے تین الف تک بلکہ چار الف تک بھی کہتے ہیں۔ مد کی پوری تفصیل تجوید کی کتابوں میں ہے۔

وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا اَذِنَ اللّٰهُ لِشَیْءٍ مَّا اَذِنَ لِلنَّبِیِّ يَتَغَنّٰى بِالْقُرْاٰنِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ کسی شے کے پڑھنے سے اتنا راضی اور خوش نہیں ہوتا جتنا کہ نبی کے قرآن پاک خوش آوازی سے پڑھنے سے خوش ہوتا ہے۔ (بخاری و مسلم)

۱؎ یعنی اللہ تبارک وتعالیٰ کسی چیز کو سننے اور کان لگانے پر اتنا راضی نہیں ہوتا یعنی اُسے پسند نہیں کرتا جتنا کہ وہ کسی پیغمبر کے قرآن پڑھنے پر کان لگاتا اور سنتا ہے کیونکہ پیغمبر نہایت خوش آوازی اور عمدگی سے اُس کی تلاوت کرتا ہے۔

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا اَذِنَ اللّٰهُ لِشَیْءٍ مَّا اَذِنَ لِلنَّبِیِّ حَسَنِ الصَّوْتِ بِالْقُرْاٰنِ يَجْهَرُ بِهٖ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہی روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ کسی چیز کو کان لگا کر نہیں سنتا جتنا کہ وہ کسی نبی کی اچھی آواز سے قرآن پڑھنے سے جیسے وہ نبی بلند آواز سے پڑھتا ہے، کان لگا کر سنتا ہے۔ (بخاری و مسلم)

۱؎ اس حدیث میں اللہ تعالیٰ نے نبی کی تلاوت کو خوش آوازی سے پڑھنے کا پابند کر دیا۔ ایک دوسری حدیث میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کوئی نبی نہیں بھیجا مگر وہ انتہائی خوبصورت اور بہت خوش آواز ہوتا تھا۔ خلاصہ یہ ہوا کہ اللہ کا نبی اللہ کی وحی جب بھی پڑھتا ہے نہایت خوش آوازی اور خوش الحانی سے پڑھتا ہے۔

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ مِنَّا مَنْ لَّمْ يَتَغَنَّ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ بھی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ شخص ہم میں سے نہیں ہے

بِالْقُرْاٰنِ ۔ جو قرآن پاک تغنی سے نہیں پڑھتا۔ؔ

(رَوَاہُ الْبُخَارِیُّ) اسے بخاری نے روایت کیا۔

ؔ واضح ہو کہ بہت سی احادیث سے ظاہر ہوتا ہے کہ قرآن پاک میں تغنی کرنا مستحب ہے خصوصاً یہ حدیث جس میں تغنی نہ کرنے پر ڈانٹ موجود ہے۔ بعض علماء فرماتے ہیں کہ تغنی سے بلند آواز سے پڑھنا مراد ہے۔ جیسا کہ پچھلی حدیث میں آیا کہ اس کو بلند آواز سے پڑھتے ہیں۔ بعض علماء فرماتے ہیں تغنی بالقرآن سے یہ مراد ہے کہ جسے قرآن پاک کا علم مل گیا وہ لوگوں سے بے نیاز ہو گیا اور اپنے مقصود کے ساتھ غنی ہو گیا۔ یہ لفظ غنا بمعنی گانے سے نہیں ہے۔ یعنی خدائے تعالےٰ نے جسے علم شریعت اور قرآن پاک عطا فرمایا اُسے چاہیے کہ سب سے بے نیاز ہو کر خدا پر توکل کرے لوگوں پر اعتماد نہ کرے اُن سے کوئی طمع نہ رکھے اور اُن کے سامنے اپنے آپ کو ذلیل و خوار نہ کرے اور علم قرآن کو کھیتی دنیا کا مال ومتاع جمع کرنے کا ذریعہ نہ بنائے۔ بعض علماء فرماتے ہیں کہ لفظ تغنی بمعنی استغناء یعنی بے نیازی، کسی لغت میں نہیں آیا اور اس کا یہ معنی ٹھیک نہیں درست معنی وہی ہے جو پیچھے گزرا۔ تحقیقی بات یہ ہے کہ تغنی سے مراد آواز کو خوبصورت و عمدہ بنانا ہے اسی طرح آواز کی آرائش اس میں رقت اور سوز پیدا کرنا جس کے سننے سے دلوں میں اثر و سوز پیدا ہو اور جو خدائے تعالیٰ کی خشیت اور سکون دل اور زیادتی حضور قلب کا باعث بنے۔ اور دل کو شوق و ذوق سے بھر دے مگر خوش آوازی کے ساتھ پڑھنے میں علم تجوید کے قواعد کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔ کلمات و حروف کو اس طرح پڑھنا جس طرح قرینے سے موتی پروئے گئے ہوں بہت عمدہ اور بہتر انداز ہے۔

ایک حدیث میں آیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "قرآن پاک کو اپنی خوش آوازی سے زینت دو" اور حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس قول میں بھی کہ یا رسول اللہ اگر مجھے پتہ ہوتا کہ آپ میری تلاوت سن رہے ہیں تو میں اُسے اور زیادہ خوبصورت بنا کر پڑھتا، اس جانب اشارہ ہے۔ قرآن پاک کی تلاوت میں حسن و عمدگی جو اُن کی طبعی آواز میں پائی جاتی ہے اور اس میں تکلف اور بناوٹ کی کوشش نہیں کی جاتی جسے عرب کا لہجہ کہتے ہیں، قرآن پاک کا پڑھنا اولیٰ اور احسن ہے مگر تکلف سے موسیقی کا انداز اختیار کرنا مکروہ ہے اور اگر سُر لگانے سے قرآن کے معنی میں ہی تبدیل واقع ہو جائے تو بالکل حرام ہے۔

علامہ طیبی نے فرمایا کہ قرآن پاک کو سُر اور خوش آوازی سے پڑھنا جائز ہے جبکہ وہ حدود قراءت کے قواعد سے خارج نہ ہو۔

وَعَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ مَسْعُوْدٍؓ قَالَ قَالَ لِیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَھُوَ عَلَی

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے فرمایا، جب کہ آپ منبر پر تشریف فرما تھے

الْمِنْبَرِ اِقْرَأْ عَلَيَّ قُلْتُ اَقْرَأُ عَلَيْكَ وَعَلَيْكَ اُنْزِلَ. قَالَ اِنِّي اُحِبُّ اَنْ اَسْمَعَهُ مِنْ غَيْرِي فَقَرَأْتُ سُوْرَةَ النِّسَآءِ حَتّٰى اَتَيْتُ اِلٰى هٰذِهِ الْاٰيَةِ فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ بِشَهِيْدٍ وَّجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ شَهِيْدًا قَالَ حَسْبُكَ الْاٰنَ فَالْتَفَتُّ اِلَيْهِ فَاِذَا عَيْنَاهُ تَذْرِفَانِ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

کہ مجھ پر قرآن پاک پڑھو (مجھے قرآن پاک پڑھ کر سنا) میں نے عرض کیا یا رسول اللہ میں آپ کو قرآن پڑھ کر سناؤں حالانکہ وہ آپ پر نازل ہوا،[۱] آپ نے فرمایا بے شک میں پسند کرتا ہوں کہ دوسرے سے قرآن پاک سنوں۔[۲] تو میں نے سورۃ النساء پڑھنا شروع کی یہاں تک کہ میں اس آیت پر پہنچا فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ بِشَهِيْدٍ وَّجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ شَهِيْدًا۔ وہ حال کیسا ہوگا جب ہم ہر امت سے ایک گواہ لائیں گے۔ اور تجھے ان سب پر گواہ لائیں گے۔[۳] حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اب بس کرو میں نے حضور نبی پاک علیہ والصلوۃ والسلام کی طرف اپنا منہ پھیرا اور آپ کے چہرۂ انور کو دیکھا کیا دیکھتا ہوں کہ آپ کی دونوں آنکھوں سے آنسو جاری ہیں۔[۴]

(بخاری و مسلم)

۞ ۞

[۱] یعنی قرآن پڑھنا تو آپ کا حق ہے کیونکہ جیسا وہ نازل ہوا ہے اُس طرح آپ ہی پڑھ سکتے ہیں کسی دوسرے کی کیا مجال کہ آپ کے سامنے پڑھ سکے۔

[۲] گویا کہ دوسرے سے سننے میں حکمت یہ ہے کہ معنی کا سمجھنا اور اُن میں غور و فکر دوسرے سے سننے میں زیادہ کامل و زیادہ آسان ہے سننے والا یوں سمجھتا ہے کہ یہ کلمات غیب سے اتر رہے ہیں۔ جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے درخت طور سے کلام کا ظہور ہوا تھا۔ واللہ اعلم۔

[۳] اس آیت کا معنیٰ یہ ہے کہ پروردگار عالم فرماتا ہے ان کافروں کا کیا حال ہوگا جب کہ ہم ہر اُمت میں سے ایک گواہ لائیں گے یعنی ہر اُمت کا پیغمبر اپنی اُمت کے خلاف فساد عقائد اور بُرے اعمال کے بارے میں گواہی دے گا۔ اور اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم تمہیں ہم ان تمام پیغمبروں پر گواہ لائیں گے۔ آپ گواہی دیں گے کہ یہ سب پیغمبر اپنی امتوں کے خلاف گواہی دینے میں سچے ہیں۔ یا اے نبی آپ اپنی اُمت پر گواہی دیں گے جب کہ آپ کی اُمت دوسری اُمتوں کے بارے میں گواہی دے گی۔ اس آیت سے مقصود قیامت کا دن یاد دلانا ہے کہ عجب سخت دن ہوگا جب کہ امتوں کو پکڑا جائے گا اور پیغمبر اُن کے خلاف گواہی دیں گے۔ حضرت ابن مسعود فرماتے ہیں جب میں نے

یہ آیت پڑھی تو حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے مجھے فرمایا کہ اب بس کر آگے نہ پڑھو۔

۴؎ حضور علیہ الصلوۃ والسلام کا رونا اور گریہ کرنا قیامت کے ڈر کے تصور اور لوگوں کے حالات کی سختی کی وجہ سے تھا۔ کیونکہ پیغمبر علیہ الصلوۃ والسلام اللہ تعالیٰ کی ساری مخلوق پر سب سے زیادہ رحمت اور شفقت رکھتے ہیں۔ یہ مضمون اچھی طرح ذہن نشین کر لو۔

وَعَنْ اَنَسٍؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِاُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ اِنَّ اللّٰهَ اَمَرَنِيْ اَنْ اَقْرَاَ عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ قَالَ اَللّٰهُ سَمَّانِيْ لَكَ قَالَ نَعَمْ قَالَ وَقَدْ ذُكِرْتُ عِنْدَ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ قَالَ نَعَمْ فَذَرَفَتْ عَيْنَاهُ وَفِيْ رِوَايَةٍ اِنَّ اللّٰهَ اَمَرَنِيْ اَنْ اَقْرَاَ عَلَيْكَ لَمْ يَكُنِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا قَالَ وَسَمَّانِيْ قَالَ نَعَمْ فَبَكٰى۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابی ابن کعب سے فرمایا بے شک اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں تجھ پر قرآن پاک پڑھوں (تجھے قرآن پڑھ کر سناؤں) اس پر حضرت ابی ابن کعب نے عرض کیا کیا اللہ تعالیٰ نے آپ کے سامنے میرا نام لیا ہے؟ حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا ہاں۔ حضرت ابی ابن کعب نے پھر عرض کیا کیا اللہ رب العالمین کے حضور میں میرا ذکر آیا ہے؟ حضور نے فرمایا ہاں۔ تو یہ سن کر حضرت ابی ابن کعب کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے ایک روایت میں اس طرح آیا ہے کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے حضرت ابی ابن کعب سے فرمایا بے شک اللہ تعالیٰ نے مجھے تجھ پر قرآن پڑھنے کا حکم دیا ہے یعنی سورہ لم یکن پڑھنے کا۔ حضرت ابی نے عرض کیا یا رسول اللہ اللہ تعالیٰ نے میرا نام لے کر فرمایا؟ فرمایا ہاں تو حضرت ابی پر گریہ طاری ہو گیا۔ (بخاری و مسلم)

۱؎ حضرت ابی ابن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اکابر صحابہ میں سے ہیں۔ کاتب وحی ہیں اور ان چھ نفوس قدسیہ میں سے ہیں جنہوں نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں قرآن پاک یاد کر لیا تھا۔ آپ صحابہ میں سب سے اعلیٰ درجے کے قاری تھے چنانچہ آپ کو سید القراء کہا جاتا ہے۔ حضور نبی پاک علیہ الصلوۃ والسلام انہیں سید الانصار کہتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کا نام سید المومنین رکھا ہوا تھا۔

۲؎ یعنی کیا اللہ تعالیٰ نے خصوصیت سے میرا نام لیا ہے اور میرے نام کا وہاں ذکر ہوا ہے؟ آپ نے یہ کلمات تعجباً اور حیرت کے انداز میں اپنے نفس کی شکستگی اور گمنامی ملاحظہ کرتے ہوئے کہے کہ میں اس مقام و مرتبے کے

کب لائق ہوں کہ میرا نام اللہ تعالیٰ خود لے یا غایت شوق و لذت کی بناء پر یہ الفاظ کہے کہ کس قدر عزت افزائی اور مہربانی ہے جو آپ میرے حال پر کر رہے ہیں۔

ــــ۳ حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا ہاں اللہ تعالیٰ نے تیرا نام لیا ہے اور تیرا نام لے کر مجھے فرمایا ہے۔

ــــ۴ حضرت ابی ابن کعب نے تحقیق حال کے طور پر اپنے مزید اطمینان کے لیے بطور تعجب دوبارہ عرض کیا کہ فی الواقع تمام جہانوں کے پروردگار کے حضور میرا ذکر آیا ہے؟ حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ بے شک پروردگار کے حضور میں خصوصًا تیرا ذکر آیا ہے۔

ــــ۵ یہ خوشی کا گریہ تھا جو محبوب کے لطف و مہربانی اور حصول وصال کے وقت نصیب ہوتا ہے۔ خداوند تعالیٰ کی یہ عجیب قدرت ہے کہ دل کا غم آنکھوں کے راستے باہر آتا ہے۔

ــــ۶ اس حدیث میں یہ بات بیان کی گئی ہے کہ قرآن حکیم کے ماہر اور علم و فضل والے کے سامنے قرآن پاک کا پڑھنا مستحب ہے اگرچہ قرآن پاک پڑھنے والا سننے والے سے افضل ہی ہو۔ فضیلت یہ ہے کہ حضور نبی پاک علیہ الصلوۃ والسلام کا حضرت ابی ابن کعب کے سامنے قرآن پاک پڑھنا اُن کی تعلیم اور انہیں ذہن نشین کرانے کے لیے تھا تاکہ وہ اُسے یاد کرلیں اور حضور نبی پاک علیہ الصلوۃ والسلام کے منہ مبارک سے اپنے کانوں سے سن لیں۔ اسی بناء پر حضرت ابی ابن کعب سب صحابہ سے بڑھ کر قرآن پاک کے قاری تھے۔ حضور نبی پاک علیہ الصلوۃ والسلام نے ایک دوسرے موقع پر فرمایا اے لوگو ابی ابن کعب تم سب سے زیادہ قاری ہے۔ یہ بات تحقیق سے ثابت ہو چکی ہے کہ اکابر تابعین نے ان سے علم قرأت حاصل کیا۔ پھر اس سورت کی تخصیص کی وجہ میں علماء نے فرمایا ہے کہ یہ سورت اپنے اختصار کے باوجود دین کے اصولوں اور بنیادی امور سے متعلق بے شمار فوائد کی جامع ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ کا وعدہ اُس کی ڈانٹ۔ اخلاص عبادت اور تطہیر قلوب کا ذکر ہے۔ جیسا کہ علامہ طیبی نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ اسرار و رموز کو بہتر جانتا ہے۔

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يُّسَافَرَ بِالْقُرْاٰنِ اِلٰى اَرْضِ الْعَدُوِّ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دشمن کے علاقے کی طرف سفر کر کے جانے کے وقت قرآن پاک ساتھ لے جانے سے منع فرمایا۔ (بخاری و مسلم)

وَفِيْ رِوَايَةٍ لِّمُسْلِمٍ ؎۱ لَا تُسَافِرُوْا بِالْقُرْاٰنِ فَاِنِّيْ ؎۲ لَا

مسلم کی ایک روایت میں اس طرح آیا ہے کہ قرآن پاک ساتھ لے کر سفر میں نہ نکلو کیونکہ بے شک میں اس بات سے

۱مِنْ اَنْ یَّنَالَهُ الْعَدُوُّ۔ بے خوف نہیں ہوں کہ شاید وہ دشمن کے ہاتھ میں آ جائے۔

❊

۱ہ اگر یہ کہا جائے کہ حضور نبی پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانے میں تو قرآن پاک کتاب کی شکل میں موجود ہی نہ تھا قرآن پاک حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ حیات کے بعد کتابی شکل میں لکھا گیا تو اُسے ساتھ لے جانے سے منع کرنے کا کیا مطلب ہو سکتا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اگرچہ مکمل قرآن نہیں لکھا گیا تھا لیکن جس قدر نازل ہو چکا تھا اُسے ہر ایک اپنے لیے اپنے پاس لکھ کر رکھتا اور اُس کی حفاظت کرتا تھا۔ یا یہ بات غیب کی خبروں میں سے ہے جس نے حضور کے بعد ظہور پذیر ہونا تھا بعض کہتے ہیں کہ قرآن سے پورا قرآن مراد نہیں بلکہ قرآن کا کچھ حصہ مراد ہے۔ جیسے ہر صحابی اپنے ساتھ یادداشت کے طور پر رکھتا تھا اور آپ نے اُس جماعت کو منع فرمایا تھا جس کے پاس قرآن پاک محفوظ ہوتا تھا۔ اس جماعت کو دشمن کی زمین پر سفر کرنے سے منع فرمایا تاکہ وہ قتل نہ ہو جائیں اور اتنی مقدار قرآن ضائع ہو جائے جو کہ اُن کے پاس محفوظ ہوتا تھا اگر یہ سوال کیا جائے کہ یہ بات تحقیق سے ثابت ہو چکی ہے کہ صحابہ کرام جو قرآن پاک کے حافظ ہوتے تھے کفار سے جہاد کے لیے جنگوں میں جایا کرتے تھے تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے منع فرمانے کے باوجود اُن کے جانے کا کیا مطلب۔ اس کا جواب یہ ہے کہ شاید آپ نے اُن کے اکیلے سفر میں جانے سے منع کیا لشکر میں شامل ہو کر انہیں جانے سے منع نہ کیا ہو کیونکہ لشکر کے ساتھ جانے میں اُن کی ہلاکت کوئی یقینی امر نہ تھا۔ واللہ اعلم۔

۲ہ کیونکہ قرآن پاک کے دشمن کے ہاتھ میں آ جانے سے خطرہ ہے کہ وہ اُس کی بے ادبی کرے اور اُسے ضائع کر دے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

دوسری فصل

عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ قَالَ جَلَسْتُ فِیْ عِصَابَةٍ مِّنْ ضُعَفَآءِ الْمُهَاجِرِیْنَ وَ اِنَّ بَعْضَهُمْ لَیَسْتَتِرُ بِبَعْضٍ مِّنَ الْعُرْیِ وَ قَارِیٌ یَقْرَاُ عَلَیْنَا اِذْ جَآءَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَامَ عَلَیْنَا فَلَمَّا

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں ضعفائے مہاجرین کی ایک جماعت میں بیٹھا ہوا تھا۔ اُن میں سے بعض صحابہ کے ساتھ اپنی برہنگی چھپاتے تھے اور ایک قاری ہمارے سامنے قرآن پاک پڑھ رہا کہ اچانک حضور نبی پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام تشریف لے آئے اور ہمارے سروں پر کھڑے ہو گئے جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام

قَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَكَتَ الْقَارِئُ فَسَلَّمَ ثُمَّ قَالَ مَا كُنْتُمْ تَصْنَعُوْنَ قُلْنَا كُنَّا نَسْتَمِعُ اِلٰى كِتَابِ اللّٰهِ تَعَالٰى فَقَالَ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِىْ جَعَلَ مِنْ اُمَّتِىْ مَنْ اُمِرْتُ اَنْ اَصْبِرَ نَفْسِىْ مَعَهُمْ قَالَ فَجَلَسَ وَسْطَنَا لِيَعْدِلَ بِنَفْسِهٖ فِيْنَا ثُمَّ قَالَ بِيَدِهٖ هٰكَذَا فَتَحَلَّقُوْا وَبَرَزَتْ وُجُوْهُهُمْ لَهٗ فَقَالَ اَبْشِرُوْا يَا مَعْشَرَ صَعَالِيْكِ الْمُهٰجِرِيْنَ بِالنُّوْرِ التَّامِّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ تَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ قَبْلَ اَغْنِيَاءِ النَّاسِ بِنِصْفِ يَوْمٍ وَّذٰلِكَ خَمْسُمِائَةِ سَنَةٍ۔

(رَوَاهُ اَبُوْدَاؤُدَ)

اُٹھ کھڑے ہوگئے تو قرآن پاک پڑھنے والا خاموش ہوگیا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ہمیں سلام کہا اور فرمایا تم لوگ کیا کر رہے تھے ہم نے عرض کیا " ہم لوگ اللہ تعالیٰ کی کتاب سن رہے تھے اس پر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمام تعریفیں اُس ذات کے لیے ہیں جس نے میری اُمت میں ایسے لوگ پیدا کیے جن کے بارے میں مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں انہیں کے ساتھ صبر کرکے بیٹھوں[۱] پھر آپ ہمارے درمیان بیٹھ گئے تاکہ آپ اپنی ذاتِ پاک کو برابر حیثیت والے انسان کی طرح ظاہر کریں[۲]۔ پھر آپ نے اپنے دست مبارک سے اس طرح ارشاد فرمایا تو صحابہ کرام حلقہ باندھ کر آپ کے ارد گرد بیٹھ گئے اُن کے چہرے حضور نبی پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سامنے ظاہر اور نمایاں تھے۔ پھر آپ نے فرمایا اے فقراء[۳] مہاجرین کے گروہ تمہیں قیامت کے دن نورِ تام[۴] کی بشارت دیتا ہوں تم لوگ دولت مند لوگوں سے جنت میں آدھا دن پہلے داخل ہو جاؤ گے اور یہ آدھا دن پانچ سو[۵] سال کا ہوگا۔ (ابوداؤد)

[۱] یہاں حدیث میں لفظ عِصَابہ آیا ہے عین کی زیر سے یہاں ایک لفظ عُصبہ بھی آتا ہے۔ عین کی پیش سے لغت میں ان دونوں الفاظ کا معنیٰ ہے۔ مردوں کی وہ تعداد جو دس سے چالیس تک ہو۔

[۲] یعنی بعض صحابہ کے پاس پہننے کے لیے پورا لباس بھی نہیں ہوتا تھا اس لیے وہ مجلس میں ایک دوسرے کی اوٹ میں بیٹھ کر اپنی برہنگی چھپاتے تھے کیونکہ اُن پر بے مائگی اور تنگ دستی چھائی ہوئی تھی۔ یہاں حدیث میں لفظ عُریٰ عین کی پیش یا کی جزم سے آیا ہے بمعنیٰ برہنگی۔ مقصد صحابہ کرام کے فقر اور اُن کی تنگ دستی کا بیان ہے کہ اُن پر اتنی تنگ دستی چھائی ہوئی تھی کہ پورے جسم کے لیے اُن کے پاس کپڑے بھی نہیں ہوتے تھے اس وجہ سے ایک دوسرے کی اوٹ میں بیٹھتے تھے۔ تاکہ کچھ نہ کچھ اپنا جسم چھپا سکیں۔

[۳] یہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن پڑھنے والے کو قرآن پاک پڑھنے کی حالت میں سلام کہنا مکروہ ہے۔

جیسا کہ فقہ کی کتابوں میں مذکور ہے علماء نے فرمایا ہے اگر کسی نے ایسی حالت میں سلام کہا تو اس کا جواب لازم نہیں۔

۴ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے قاری کی قراءت اگر نہیں سنی تھی تو استفہام اپنی حقیقت پر مبنی ہے وگرنہ اس سے انہیں بشارت دینے کی تمہید مقصود ہے۔ جو آپ نے انہیں اگلے الفاظ میں دی تھی۔

۵ اس میں اللہ تعالیٰ کے اس قول مبارک۔ وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِينَ يَدْعُونَ رَبَّهُمْ۔ ترجمہ۔ اپنی ذات ملائے رکھو ان سے جو اپنے رب کو پکارتے رہتے ہیں۔ کی طرف اشارہ ہے۔

۶ یعنی تاکہ آپ اپنی ذات شریف کو ہمارے درمیان برابر حیثیت کا انسان ظاہر فرمائیں اور ہم سے اپنے آپ کو ممتاز اور اونچی حیثیت کا ظاہر نہ کریں۔

۷ یہاں حدیث میں لفظ صعالیک آیا ہے جو صعلوک کی جمع ہے۔ بمعنیٰ وہ فقیر جو کچھ مال نہ رکھتا ہو جس طرح ممالیک ومملوک کی جمع ہے۔

۸ اس میں اللہ تعالیٰ کے قول مبارک نُورُهُمْ يَسْعَىٰ بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَبِأَيْمَانِهِمْ يَقُولُونَ رَبَّنَا أَتْمِمْ لَنَا نُورَنَا۔ ان کا نور ان کے آگے اور ان کے دائیں دوڑتا ہوگا اور وہ کہتے ہوں گے۔ اے ہمارے رب ہمارا نور کامل فرمادے کی طرف اشارہ ہے۔

۹ قرآن حکیم میں وارد ہے کہ قیامت کا ایک دن ہزار سال کے برابر ہوگا۔ جیسا کہ قرآن حکیم میں فرمایا وَإِنَّ يَوْمًا عِندَ رَبِّكَ كَأَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّونَ۔ بے شک تیرے رب کے نزدیک ایک دن تمہارے ہزار سال کے برابر ہے۔

یہاں اغنیاء سے شکر کرنے والے اغنیاء مراد ہیں اور فقراء سے صبر کرنے والے فقراء یعنی بالفرض انبیاء لوگ اپنے ثواب کے لحاظ سے زیادہ افضل اور تعداد میں بھی زیادہ ہوں گے۔ جیسا کہ ایک دوسری حدیث اس پر دلالت کرتی ہے اس کے باوجود یہ سبقت فقراء ہی کو حاصل ہوگی۔ اس حدیث کا ظاہر اس امر کو واضح کرتا ہے کہ یہ فضیلت و سبقت فقراء مہاجرین کے ساتھ خاص ہے۔ مگر چونکہ اس فضیلت وسبقت کی علت فقر ہے اور یہ علت تمام صابر فقراء میں مشترک ہے اس لیے یہ حکم تمام صابر فقراء اُمت کو شامل ہوگا۔ ایک حدیث میں مطلق فقراء کا ذکر بھی آیا ہے یعنی اس میں مہاجرین کا لفظ نہیں آیا۔ چنانچہ اس حدیث کے الفاظ کا ترجمہ یہ ہے کہ فقراء اغنیاء سے پہلے جنت میں جائیں گے۔ اس بارے میں مزید گفتگو باب فضل فقراء میں انشاء اللہ تعالیٰ آرہی ہے۔

وَعَنِ الْبَرَآءِ بْنِ عَازِبٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ زَيِّنُوا الْقُرْاٰنَ	حضرت البراء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے لوگو! قرآن پاک کو اپنی خوش آوازی سے زینت

بِاَصْوَاتِكُمْ۔
(رَوَاهُ اَحْمَدُ وَ اَبُوْ دَاؤُدَ وَ ابْنُ مَاجَةَ وَ الدَّارِمِيُّ)

اسے احمد، ابوداؤد، ابن ماجہ اور دارمی نے روایت کیا۔

لے آپ مشہور صحابی ہیں۔ سب سے پہلے غزوہ خندق میں شریک ہوئے۔ اس سے پہلے آپ چھوٹی عمر کے تھے آپ امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خصوصی پیروکاروں اور ساتھیوں میں سے ہوئے ہیں اور آپ کے ساتھ جنگِ جمل، جنگ صفین اور جنگ نہروان میں ساتھ رہے۔ آپ نے حضرت مصعب بن زبیر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں وصال فرمایا۔

کے کیونکہ قرآن پاک کو صحت، خوش آوازی اور خوبصورتی سے پڑھنا دلوں پر زیادہ اثر کرتا ہے اور اس طرح پڑھنے سے اس کی تاثیر زیادہ نمایاں ہوتی ہے اور سننے والوں میں زیادہ رقت پیدا ہوتی ہے۔ بعض مشائخ کرام نے فرمایا ہے کہ گانا اپنی ذات کے اعتبار سے باطل ممنوع چیز ہے۔ مگر خوش آوازی اگر حق اور عمدہ چیز کے لیے آرائش کا ذریعہ بنے تو اس میں کوئی حرج نہیں اور جبکہ مریدین کی روحوں میں صحیح حالت پیدا کرے تنگی اور انقباض سے نجات عطا کرے نشاط و سرور میں اضافہ کرے۔ رغبت اور آسانی بڑھائے تو ٹھیک ہے۔ اس کی مثال یوں سمجھو جیسے کڑوی مگر نفع مند دوائی کو شکر اور چینی میں ملا کر مریض کو دی جائے تاکہ اس کے اندر آسانی سے چلی جائے تو ایسا کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اسی طرح قرآن کے لیے آواز کو خوبصورت بنانا بہت ہی پسندیدہ فعل ہے۔ بعض علماء فرماتے ہیں کہ یہ عبارت اصل میں الٹی ہے۔ اصل عبارت یوں ہے کہ اپنی آوازوں کو قرآن پاک سے زینت دو۔ قائل نے یہ بات ادب کو نگاہ رکھتے ہوئے کہی کیونکہ بندوں کی آواز سے قرآن کو زینت حاصل نہیں ہوتی بلکہ قرآن آواز کو زینت عطا کرتا ہے یہ بیان زیادہ آسان ہے کہ جو چیز شے کو زینت دیتی ہے وہ اس شے کے تابع ہوتی ہے۔ جیسا کہ زیور دلہن کے تابع ہوتا ہے۔ دلہن زیور کے تابع نہیں ہوتی یعنی زیور کو دلہن کے حسن سے آرائش ملتی ہے نہ کہ زیور سے دلہن کو۔ تو گویا قرآن صاحب جمال ہے جس کا حسن ذاتی ہے اور آواز ایک اچھا زیور ہے جس سے دلہن کے حسن میں اضافہ ہوتا ہے۔ حضرت براء کی ایک حدیث تیسری فصل میں آ رہی ہے جو اس معنیٰ میں بالکل صریح اور واضح ہے۔

یہاں زینت سے قرآن کی قرارت مراد ہے۔ جو بندے کا فعل ہے۔ قرآن سے ذات قرآن مراد نہیں جو ذات باری تعالیٰ جل شانہ کی صفت ہے۔ جیسا کہ ترجمہ میں ہم اس کی جانب اشارہ کر چکے ہیں۔

وَعَنْ سَعْدِ بْنِ عُبَادَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنِ امْرِئٍ

حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں ہے کوئی شخص جو قرآن پاک پڑھتا ہے پھر اسے

يَقْرَأُ الْقُرْاٰنَ ثُمَّ يَنْسَاهُ اِلَّا لَقِيَ اللّٰهَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَجْذَمَ۔ (رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ وَالدَّارِمِيُّ)

بھلا دیتا ہے مگر وہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملے گا کہ اس کے اعضاء کٹے ہوئے ہوں گے[۲]

اسے ابوداؤد اور دارمی نے روایت کیا۔

[۱] عُبادہ عین کی پیش با غیر مشدد۔ آپ انصار کے بارہ نقباء میں سے ہیں۔ اپنی قوم میں بزرگ شمار ہوتے ہیں۔ فتح مکہ کے دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا جھنڈا آپ کے ہاتھ میں تھا۔ آپ کے فضائل و مناقب بہت زیادہ ہیں۔ رضی اللہ عنہ۔

[۲] یہاں حدیث میں لفظ اجذم آیا ہے جو جذم سے نکلا ہے بمعنی قطع۔ اجذم اُس شخص کو کہتے ہیں جس کے اعضاء مرض جذام کے باعث جو ایک مشہور بیماری ہے جھڑ چکے ہوں۔ بعض نے اجذم کا معنیٰ کٹے ہوئے ہاتھ والا کیے ہیں یعنی قیامت کے دن یہ شخص خیر و برکت سے خالی ہوگا۔ بعض نے کہا کہ اس کا معنیٰ ساقط الاسنان ہے۔ یعنی وہ شخص جس کے دانت گر چکے ہوں۔ بعض نے کہا اس کا معنیٰ ہے کہ اُس کی زبان بے کار ہو چکی ہوگی۔ یعنی اُس کے پاس کوئی دلیل نہ ہوگی اور وہ بے زبان ہوگا۔ یاد رہے کہ قرآن پاک تھوڑا یا بہت یاد کرنے کے بعد بھلا دینا، علماء نے اسے کبیرہ گناہوں میں شمار کیا ہے اور ایسے شخص کے بارے میں بہت وعیدیں آئی ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ یہاں حدیث میں بھلا دینے سے مراد ترکِ عمل و ترک قراءت ہے۔ واللہ اعلم۔

وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَمْ يَفْقَهْ مَنْ قَرَاَ الْقُرْاٰنَ فِيْ اَقَلَّ مِنْ ثَلٰثٍ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْ دَاوٗدَ وَالدَّارِمِيُّ)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اس شخص نے قرآن پاک نہ سمجھا جس نے تین رات سے کم وقت میں اسے پڑھ لیا۔[۱]

اسے ترمذی۔ ابوداؤد اور دارمی نے روایت کیا۔

[۱] یعنی وہ شخص فقیہ نہیں ہے اور نہ ہی اُس نے قرآن پاک کے معنی کو جانا اور نہ اُن میں غور و تامّل اور فکر و تدبر سے کام لیا۔ جس نے قرآن پاک تین رات سے کم وقت میں پڑھ لیا۔

واضح ہو کہ پورا قرآن ختم کرنے کے وقت میں سلف صالحین کی عادت مختلف رہی ہے۔ بعض حضرات نے دو ماہ میں اٹھ قرآن بھی ختم کیے ہیں۔ یہ حضرات دن رات اُس کی تلاوت میں مصروف رہتے تھے۔ بعض نے فرمایا تین دن سے کم میں ختم نہیں کرنا چاہیے۔ اور چالیس دن سے زیادہ وقت نہیں لینا چاہیے۔ بعض حضرات ہفتے میں ایک قرآن پاک ختم کرتے تھے۔ اس کے سوا اور قول بھی ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ ختم قرآن کا وقفہ اشخاص کے اختلاف سے مختلف ہوتا ہے جن حضرات پر اللہ تعالیٰ قرآنِ حکیم کے باریک لطائف اور معارف ظاہر فرماتا ہے وہ اُس کے مطابق وقت صرف

کرتے ہیں بعض دوسرے حضرات جو تعلیم، درس و تدریس، تصنیف و تالیف، شرعی مقدمات کے فیصلوں اور مسلمانوں کے واقعات اور مہمات میں مصروف رہتے ہیں۔ وہ قرآن پاک کی تلاوت میں اس قدر وقت صرف کرتے ہیں جس سے ان چیزوں میں کوئی رکاوٹ پیدا نہ ہو علم حاصل کرنے اور اہل و عیال کے لیے نان و نفقہ مہیا کرنے میں جو وقت صرف ہوتا ہے وہ بھی ضروریات میں سے ہے۔

وَعَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْجَاهِرُ بِالْقُرْاٰنِ كَالْجَاهِرِ بِالصَّدَقَةِ وَ الْمُسِرُّ بِالْقُرْاٰنِ كَالْمُسِرِّ بِالصَّدَقَةِ۔

حضرت عقبہ[۱] بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ بلند آواز[۲] سے قرآن پاک پڑھنے والا ایسے ہے جیسے اعلانیہ صدقہ کرنے والا اور پست[۳] آواز سے قرآن پاک پڑھنے والا ایسے ہے جیسے خفیہ طریقے سے کسی کو صدقہ دینے والا۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَ اَبُوْ دَاوُدَ وَ النَّسَائِيُّ)

یہ حدیث ترمذی، ابو داؤد اور نسائی نے روایت کی ہے۔

وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ غَرِيْبٌ۔

اور ترمذی نے فرمایا یہ حدیث حسن غریب ہے۔

[۱] آپ صحابی ہیں۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور حکومت میں حضرت امیر معاویہ کے بھائی حضرت عقبہ بن ابوسفیان کے بعد حضرت امیر معاویہ کی طرف سے مصر کے گورنر رہے۔

[۲] یعنی جس طرح اعلانیہ اور کھلے بندوں فقراء کو صدقہ کرنے والے شخص کو ثواب ملتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے فضیلت حاصل ہوتی ہے ایسا ہی ثواب بلند آواز سے قرآن پاک پڑھنے والے کو بھی ملتا ہے۔

[۳] کہ آہستہ پڑھنے والے کو افضل و اکمل ثواب ملتا ہے کیونکہ وہ نمائش اور ریا سے پاک ہوتا ہے۔ مگر یہاں صدقے سے نفلی صدقہ مراد ہے اور اس مقام سے تعلق رکھتا ہے جہاں قرآن پاک بلند آواز سے پڑھنا ضروری نہیں۔

وَعَنْ صُهَيْبٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا اٰمَنَ بِالْقُرْاٰنِ مَنِ اسْتَحَلَّ مَحَارِمَهٗ۔

حضرت صہیب[۱] رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ شخص قرآن پر ایمان نہ لایا جس نے قرآن مجید کی حرام کردہ چیزوں کو حلال[۲] جانا۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

(ترمذی)

وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ لَيْسَ

اور کہا کہ اس حدیث کا اسناد قوی نہیں

اِسْنَادُهٗ بِالْقَوِيِّ۔ ہے۔

۱؎ یعنی حضرت صہیب رومی جو فقراء صحابہ میں سے بڑی شان والے صحابی ہیں آپ کے فضائل و مناقب بہت ہیں۔
۲؎ یعنی وہ شخص قرآن پاک پر کامل ایمان نہ لایا جس نے قرآن پاک کی حرام کردہ چیزوں کو حلال جانا یعنی جس شخص نے محرمات اور ممنوعات کا ارتکاب کیا گویا وہ قرآن پر ایمان ہی نہیں لایا کیونکہ ایمان لانے کا حق یہ ہے کہ عمل کرے جیسا کہ محبت کا حق یہ ہے کہ پیروی اختیار کرے۔
۳؎ کیونکہ اس حدیث کے بعض راوی کمزور ہیں۔

وَ عَنِ اللَّيْثِ بْنِ سَعْدٍ[۱] عَنِ ابْنِ اَبِيْ مُلَيْكَةَ عَنْ يَعْلَى بْنِ مُمَلَّكٍ اَنَّهٗ سَاَلَ اُمَّ سَلَمَةَ عَنْ قِرَاءَةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاِذَا هِيَ تَنْعَتُ قِرَاءَةً مُفَسَّرَةً حَرْفًا حَرْفًا۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَ اَبُوْ دَاوٗدَ وَ النَّسَائِيُّ)

حضرت لیث[۱] بن سعد، حضرت ابن ابی[۲] ملیکہ سے روایت کرتے ہیں وہ یعلیٰ[۳] بن مملک سے روایت کرتے ہیں کہ بے شک انہوں نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قراءت کے بارے میں حضرت ام سلمہ سے دریافت کیا تو حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بالکل ٹھیک ٹھیک حضور کی قراءت کا نقشہ کھینچ کر بتایا[۵] اور ایک ایک حرف جدا جدا کر کے اس طرح پڑھا جس طرح حضور علیہ السلام پڑھتے تھے۔ اسے ترمذی، ابو داؤد اور نسائی نے روایت کیا۔

۱؎ آپ فقیہ ہیں تابعی ہیں اور اہل مصر کے امام ہیں۔
۲؎ میم کی پیش لام کی زبر یا ساکن۔ آپ ثقہ تابعی ہیں، مشہور علماء تابعین میں سے ہیں۔ آپ نے تیس صحابہ کا زمانہ پایا تھا حضرت عبداللہ بن زبیر کے زمانہ میں آپ مکہ معظمہ کے قاضی تھے۔
۳؎ یا کی زبر عین ساکن پھر لام پر زبر۔
۴؎ میم اول کی زبر دوسری پر جزم لام پر زبر آخر میں قاف۔ آپ بھی ثقہ تابعی ہیں۔
۵؎ یعنی اپنے قول یا فعل کے ساتھ حضور کی قراءت کو کشادہ اور روشن طور پر بیان کیا۔

وَ عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ[۱] عَنِ ابْنِ اَبِيْ مُلَيْكَةَ عَنْ اُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُقَطِّعُ قِرَاءَتَهٗ يَقُوْلُ

حضرت ابن جریج[۱] حضرت ابن ابی ملیکہ سے اور ابن ابی ملیکہ حضرت ام سلمہ سے روایت کرتے ہیں۔ انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قراءت مبارک بالکل جدا جدا اور الگ[۲] الگ کر کے پڑھتے تھے۔

يَقُوْلُ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ. ثُمَّ يَقِفُ ثُمَّ يَقُوْلُ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ثُمَّ يَقِفُ.

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

وَ قَالَ لَيْسَ اِسْنَادُهٗ بِمُتَّصِلٍ لِاَنَّ اللَّيْثَ رَوٰى هٰذَا الْحَدِيْثَ عَنِ ابْنِ اَبِيْ مُلَيْكَةَ عَنْ يَعْلٰى بْنِ مُمَلَّكٍ عَنْ اُمِّ سَلَمَةَ وَ حَدِيْثُ اللَّيْثِ اَصَحُّ.

آپ اس طرح پڑھتے تھے۔ الحمد للہ رب العالمین پھر وقف کرتے تھے پھر پڑھتے تھے الرحمٰن الرحیم پھر وقف کرتے تھے پھر پڑھتے تھے مالک یوم الدین۔

(ترمذی)

اور کہا اس حدیث کا اسناد متصل نہیں کیونکہ لیث بن سعد نے یہ حدیث ابن ابی ملیکہ سے، اُس نے یعلیٰ بن مملک سے۔ اُس نے حضرت اُم سلمہ سے روایت کی ہے۔ اور لیث بن سعد کی حدیث زیادہ صحیح ہے۔

لہ جیم اول کی پیش را پر زبر۔ جریج کا اصل نام عبد الملک بن عبد العزیز بن جریج ہے۔ آپ دین کے آئمہ اور بلند درجہ علماء میں سے ہوئے ہیں آپ تبع تابعین میں سے ہیں۔ ان کے والد تابعین میں سے ہیں۔ مگر یہ بزرگ یعنی ابن جریج علم میں اپنے باپ سے زیادہ بڑھ کر اور زیادہ قابل اعتماد تھے۔

۲ یعنی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنی قرأت مبارک بالکل جدا جدا کر کے پڑھتے تھے۔ حروف وکلمات ایک دوسرے سے الگ رکھتے تھے۔ جیسا کہ لفظ ترتیل کا معنیٰ ہے۔ اور آیات کے آخر پر وقف کرتے تھے اگرچہ ایک آیت کا ماقبل آیت سے تعلق بھی ہوتا تھا۔

۳ یعنی آخر سورت تک اسی طرح پڑھتے تھے۔ اور ان مقررہ قواعد کے مطابق آپ کی تلاوت ہوتی تھی جو ارباب قرأت کے ہاں مختار رکھے جاتے ہیں اور اگر ایک آیت دوسری آیت سے گہرا تعلق رکھتی ہو تو دونوں کو ملا کر پڑھنا زیادہ بہتر ہے۔ اور اگر آیت ختم ہو رہی ہو تو اس پر وقف کرنا اور اگلی آیت سے ابتدا کرنا سنت ہے۔

۴ جیسا کہ گزشتہ حدیث کے دوران گزرا اور ابن ابی ملیکہ نے بلا واسطہ حضرت اُم سلمہ سے روایت نہیں سنی۔ اسی بنا پر گزشتہ حدیث زیادہ صحیح ہے کیونکہ وہ حدیث سند کے لحاظ سے متصل ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

عَنْ جَابِرٍ قَالَ خَرَجَ عَلَيْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ نَحْنُ نَقْرَاُ الْقُرْاٰنَ

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس تشریف لائے جبکہ ہم لوگ قرآن پاک پڑھ رہے تھے

وَفِيْنَا الْاَعْرَابِيُّ وَالْعَجَمِيُّ فَقَالَ اقْرَءُوْا فَكُلٌّ حَسَنٌ وَسَيَجِيْءُ اَقْوَامٌ يُقِيْمُوْنَهٗ كَمَا يُقَامُ الْقِدْحُ يَتَعَجَّلُوْنَهٗ وَلَا يَتَاَجَّلُوْنَهٗ۔ (رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ وَالْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ)

اُس وقت ہم میں دیہات کے لوگ اور غیر عربی بھی موجود تھے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ قرآن پاک پڑھو کہ سب ٹھیک اور اچھا ہے۔ اور عنقریب کچھ لوگ آئیں گے جو قرآن پاک کے حروف و کلمات کو قواعد تجوید کے مطابق اس طرح سیدھا کریں گے جس طرح تیر کو سیدھا کیا جاتا ہے مگر وہ اس کی اجرت طلب کرنے میں جلدی کریں گے۔ اپنی قرات پر اُجرت حاصل کرنے میں دیر کو برداشت نہ کریں گے۔ اسے ابوداؤد اور بیہقی نے شعب الایمان میں روایت کیا۔

۞ ۞

لے یہاں حدیث میں لفظ اعرابی اور عجمی آیا ہے۔ اعرابی کا معنی صحرانشین لوگ اور غیر عربی یعنی عجمی لوگ ظاہر ہے۔ کہ اُن کی قرات علم تجوید اور اس کے قواعد کی رعایت میں اُس پایہ کی نہیں ہوسکتی جو فصیح عربوں کی ہوتی ہے۔ اس کے باوجود حضور نبی پاک علیہ السلام نے اُن سب کو قرآن پاک کے پڑھنے اور ان کی پڑھائی کے اچھا ہونے کا اظہار فرمایا چنانچہ آپ نے فرمایا تم سب لوگ قرآن پاک پڑھو۔ کیونکہ جس طرح بھی تم پڑھو گے اچھا اور ٹھیک ہے۔

سے یعنی تم سب لوگ جس طرح بھی پڑھو گے خواہ عربی ہو یا عجمی سب کی پڑھائی ٹھیک اور اچھی ہے۔ اس ارشادِ مبارک سے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد یہ تھا کہ لوگوں کو قرآن پاک کی قرات میں زیادہ مشقت زیادہ تکلف اور زیادہ تنگی میں نہ ڈالا جائے جو کہ تجوید کی انتہائی پابندی کے تحت ہوتی ہے بلکہ تلاوت قرآن پاک میں اصل توجہ حصول ثواب اور عمل کے خاص لوجہ اللہ اور معنی میں غور و فکر اور اُن کے سمجھنے کا اہتمام ہونا چاہیے۔ اگرچہ الفاظ کی خوبصورتی اور کلمات کی عمدگی اپنی انتہا کو نہ بھی پہنچی ہوئی ہو کیونکہ تلاوت اور قراءت سے اصل مقصود معنی کا سمجھنا اور عمل کا خالص رضائے الٰہی کے لیے ہونا مطلوب ہے۔ لہذا معنی کے غور و فکر اور اُن کے مطابق عمل میں کوتاہی اور غفلت کی صورت میں صرف الفاظ کی عمدہ ادائیگی سے چنداں نفع نہیں ہے۔ اس کے برعکس الفاظ کی عمدہ اور قواعد تجوید کے اعلیٰ ترین معیار کے مطابق اگر ادائیگی نہ ہوسکے مگر معنی میں تدبر اور تفکر اور اُن کے مطابق خالص اللہ کے لیے عمل ہوسکے تو اس میں کوئی نقصان کی بات نہیں۔ جیسا کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا۔

سے یعنی میری اُمت میں بہت جلد ایسے گروہ پیدا ہوں گے جو قرآن پاک کو قواعد تجوید کے مطابق پڑھیں گے اور اپنی خوش آوازی کی نمائش کریں گے۔ مگر اس تلاوت سے اُن کا مقصود یہ ہوگا کہ انہیں اسی دنیا میں ابھی اس کی اُجرت مل جائے۔ وہ اس چیز کو برداشت نہ کریں گے کہ آخرت کے ثواب تک اُس میں تاخیر کریں۔ مطلب یہ کہ وہ اپنی قرات قرآن

کو دنیا کے عوض بیچیں گے۔

وَعَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اقْرَؤُا الْقُرْاٰنَ بِلُحُوْنِ الْعَرَبِ وَ اَصْوَاتِهَا وَ اِيَّاكُمْ وَلُحُوْنَ اَهْلِ الْعِشْقِ وَلُحُوْنَ اَهْلِ الْكِتَابَيْنِ وَ سَيَجِيْئُ بَعْدِيْ قَوْمٌ يُرَجِّعُوْنَ بِالْقُرْاٰنِ تَرْجِيْعَ الْغِنَاءِ وَالنَّوْحِ لَا يُجَاوِزُ حَنَاجِرَهُمْ مَفْتُوْنَةٌ قُلُوْبُهُمْ وَ قُلُوْبُ الَّذِيْنَ يُعْجِبُهُمْ شَاْنُهُمْ۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قرآن پاک کو عربوں کے لہجے اور اُن کی آواز میں پڑھو۔ اہلِ عشق اور اہلِ کتاب کے لہجے سے بچو۔ اور عنقریب میرے بعد ایک قوم آئے گی جو قرآن کو اس طرح سُر لگا کر پڑھے گی جس طرح گانے اور نوحہ خوانی کرنے والے کرتے ہیں۔ قرآن پاک ایسے لوگوں کے گلے سے آگے تجاوز نہ کرے گا۔ ان کے دل فتنے میں مبتلا ہوں گے۔ اور اُن لوگوں کے دل بھی جو اُن کے اس طرح سُر لگا کر پڑھنے کو پسند کریں گے۔

رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ وَ رَزِيْنٌ فِيْ كِتَابِهٖ۔

اسے بیہقی نے شعب الایمان میں اور رزین نے اپنی کتاب میں روایت کیا ہے۔

ؔلہ یعنی حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے آپ اکابر صحابہ میں سے ہیں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خصوصی راز داں اور منافقین کا علم رکھنے میں منفرد تھے۔ یہ صحابی فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قرآن پاک عربوں کے لہجے اور اُن کی خوش آوازی کے مطابق پڑھو۔ یہاں حدیث میں لفظ لحون آیا ہے۔ لغت کی مشہور کتاب صراح میں ہے۔ لحن یعنی آواز اور آواز کو گھمانا۔ قرارت میں لحن کا معنیٰ ہے اپنی آواز میں خوبصورتی پیدا کرنا۔ چنانچہ کہتے ہیں کہ فلاں شخص زیادہ لحن کرنے والا ہے یعنی فلاں شخص کا پڑھنا بہت اچھا ہے اور خوبصورت ہے۔ یہاں حدیث پاک میں لحون عرب سے مراد یہ ہے کہ آواز کو خوبصورت اور عمدہ کیا جائے اور اس میں موسیقی کے قوانین کے ملحوظ رکھنے کا تکلف نہ کیا جائے۔ اور اپنی طبیعت سے ایسی مدد نہ لی جائے جو گانے بجانے والوں کے انداز سے مشابہت رکھتی ہو۔ جیسا کہ عموماً دیکھنے میں آتا ہے۔

ؔلہ اہل عشق کے لہجے سے مراد دراصل اُن لوگوں کا انداز اور لہجہ مراد ہے جو کہ عورتوں سے عشق و محبت کے تحت غزل خوانی کے لیے اختیار کرتے ہیں اور اُن کے ساتھ آمنے سامنے بیٹھ کر انداز گفتگو اختیار کرتے موسیقی کے قاعدوں کو بروئے کار لاتے اور اس میں تکلف سے کام لیتے ہیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ بھی فرمایا کہ قرآن پاک یہود و نصاریٰ جو کہ اہل کتاب کہلاتے ہیں، کے لہجے میں نہ پڑھو کیونکہ وہ بھی اس میں تکلف اور بناوٹ سے کام لیتے ہیں

بعض لوگ یہاں اہل عشق کی بجائے اہل الفسق کا لفظ پڑھتے ہیں مگر یہ غلط اور تحریف ہے۔ صحیح نہیں ہے۔
۳ے یعنی جس طرح گانے اور نوحہ کرنے والے آواز کو گلے میں گھماتے ہیں اس طرح قرآن پاک نہ پڑھنا۔
۴ے یعنی اُن کی تلاوت اللہ کی طرف بالکل بلند نہیں ہوتی اور نہ مقامِ قبولیت تک پہنچتی ہے۔
۵ے یعنی اُن کے دل دنیا کی محبت کے فتنے میں مبتلا ہیں۔ اسی لیے وہ قرآن کی تلاوت سُر لگا کر کریں گے تاکہ لوگ اُن سے خوش ہوں۔ اسی لیے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس حدیث کے آخر میں یہ بھی فرمایا کہ جو لوگ اُن کے اس طرح پڑھنے سے خوش ہوں گے وہ بھی فتنے میں مبتلا ہوں گے۔

وَعَنِ الْبَرَآءِ بْنِ عَازِبٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ حَسِّنُوا الْقُرْاٰنَ بِاَصْوَاتِكُمْ فَاِنَّ الصَّوْتَ الْحَسَنَ يَزِيْدُ الْقُرْاٰنَ حُسْنًا۔ (رَوَاهُ الدَّارِمِيُّ)

حضرت البراء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے اے لوگو قرآن پاک کو اپنی آوازوں سے خوبصورت بناؤ کیونکہ اچھی آواز قرآن پاک کے حسن کو دوبالا کرتی ہے۔ (دارمی)

وَعَنْ طَاؤُسٍ مُرْسَلًا قَالَ سُئِلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَيُّ النَّاسِ اَحْسَنُ صَوْتًا لِلْقُرْاٰنِ وَاَحْسَنُ قِرَاءَةً قَالَ مَنْ اِذَا سَمِعْتَهٗ يَقْرَأُ اُرِيْتَ اَنَّهٗ يَخْشَى اللّٰهَ قَالَ طَاؤُسٌ وَكَانَ طَلْقٌ كَذٰلِكَ۔ (رَوَاهُ الدَّارِمِيُّ)

حضرت طاؤس رضی اللہ عنہ سے مرسلاً روایت ہے فرماتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ قرآن مجید کو اچھی آواز سے پڑھنے میں سب سے بہتر شخص کون ہوتا ہے آپ نے فرمایا وہ شخص کہ جب تو اُسے قرآن پاک پڑھتا ہوا سنے تو تجھے محسوس ہو کہ اس کے دل میں خدا کا خوف اور اس کی خشیت موجود ہے حضرت طاؤس فرماتے ہیں کہ حضرت طلق رضی اللہ عنہ قرآن پاک کی ایسی ہی قرات فرماتے تھے۔ (دارمی)

۱ے حضرت طاؤس یمنی ہیں، مشہور تابعین میں سے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی صحبت سے فیض یافتہ ہیں۔ یہ حدیث آپ نے بطریق ارسال روایت کی ہے۔
۲ے یعنی اُس کے قرآن پاک پڑھنے کو سُن کر تجھے یہ گمان پیدا ہو کہ وہ اللہ تعالیٰ سے ڈر رہا ہے اور اُس کے دل پر خدائے تعالیٰ کی ہیبت چھائی ہوئی ہے۔
۳ے ط کی زبر لام ساکن۔ آپ تابعین میں سے ہیں جب آپ قرآن پاک پڑھتے تھے تو اُن کی تلاوت سے اللہ تعالیٰ

کا خوف اس کی خشیت اور ہیبت ٹپکتی تھی۔

وَعَنْ عَبِيْدَةَ الْمُلَيْكِيِّ وَكَانَتْ لَهٗ صُحْبَةٌ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا اَهْلَ الْقُرْاٰنِ لَا تَتَوَسَّدُوا الْقُرْاٰنَ وَاتْلُوْهُ حَقَّ تِلَاوَتِهٖ مِنْ اٰنَاۗءِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَاَفْشُوْهُ وَتَغَنَّوْهُ وَتَدَبَّرُوْا مَا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ وَلَا تَعَجَّلُوْا ثَوَابَهٗ فَاِنَّ لَهٗ ثَوَابًا۔ (رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ)

حضرت عبیدہ الملیکی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے اور انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت حاصل تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے قرآن والو قرآن پاک کو تکیہ اور سرہانہ نہ بنانا بلکہ رات اور دن کی گھڑیوں میں اس کی تلاوت کرنا جیسا کہ تلاوت کا حق ہے اور اس قرآن پاک کو لوگوں میں ظاہر کرنا اور پھیلانا اور اسے خوش آوازی سے پڑھنا اور اس میں غور و فکر سے کام لینا تاکہ تمہیں فلاح اور نجات نصیب ہو۔ اور اس کا ثواب جلدی طلب نہ کرنا کیونکہ قرآن پاک کا ثواب بہت زیادہ ہے (جو اللہ تعالیٰ بندے کو آخرت میں عطا فرمائے گا) اسے بیہقی نے شعب الایمان میں روایت کیا ہے۔

لے عین کی زبر۔ با کی زیر ہے۔

۲ میم کی پیش۔ لام کی زبر۔ یا ساکن۔ ایک روایت میں ملیکی کی بجائے۔ الملوکی آیا ہے۔ یہ شام کے رہنے والے تھے۔

۳ کتاب اصابہ میں فرمایا کہ کہا جاتا ہے کہ انہیں حضور کی صحبت نصیب ہوئی۔ یہاں مشکوٰۃ کے بعض نسخوں میں مع رسول اللہ کی بجائے قال قال رسول اللہ آیا ہے۔ اس دوسرے نسخے کے مطابق یہ حدیث مرفوع کہلائے گی۔ اور پہلے نسخے کے مطابق موقوف کہلائے گی۔ اس حدیث کو رفع اور وقف دونوں صورتوں میں روایت کیا گیا ہے جیسا کہ شیخ ابن حجر نے اپنی کتاب اصابہ میں فرمایا۔

۴ "اسے سرہانے رکھ کر اس پر سو نہ جاؤ" اس میں اس جانب اشارہ ہے کہ قرآن پاک کی تلاوت میں سستی اور غفلت کو قریب نہ آنے دو۔ بلکہ اس کے حقوق صحیح طور پر ادا کرو۔

۵ یعنی قرآن پاک لوگوں کو پڑھانا اس طرح کہ انہیں سنانا اس کی تعلیم دینا اس کا درس دینا اس کی تفسیر بیان کرنا۔ اور اپنے قلم سے لکھ کر لوگوں میں اس کی اشاعت کرنا۔

۶ یعنی اس کے معنی میں غور و تامل کرنا اور اس میں جو معانی اور احکام آئے ہیں ان کے پیچھے پیچھے چلنا اور ان کے مطابق عمل کرنا اس امید پر کہ تم نجات یافتہ بن جاؤ اور تمہیں کامیابی نصیب ہو۔

۵۷ یعنی اس کی جزا دنیا میں ہی طلب نہ کرنا اور اس کے عوض اس جہاں کی لذتوں کو حاصل نہ کرنا یعنی اسے دنیا کمانے کا ذریعہ نہ بنانا۔

۵۸ اس حدیث کو امام بخاری نے اپنی تاریخ میں بھی روایت کیا مگر اس میں مرفوع صورت میں روایت نہیں کیا۔ البتہ طبرانی نے اس کو مرفوع سند کی شکل میں روایت کیا ہے۔

قرآن پاک جمع کرنے کا باب

یہ باب بھی بے ترجمہ اور بے عنوان آیا ہے۔ مگر مشکوٰۃ کے بعض نسخوں میں اس کا عنوان اس طرح واقع ہوا ہے۔ باب فی اختلاف القرآن و جمع القرآن یعنی اختلاف قرآن اور جمع قرآن کا باب۔ ظاہر یہ ہے کہ اختلاف سے قرارت اور لغات میں میں اختلاف مراد ہے۔ اور جمع سے تمام آیات قرآنی ایک جگہ اکٹھا کر کے اسے کتابی شکل دینا مراد ہے۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

پہلی فصل

عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رضی قَالَ سَمِعْتُ هِشَامَ بْنَ حَكِيمِ بْنِ حِزَامٍ يَقْرَأُ سُوْرَةَ الْفُرْقَانِ عَلٰى غَيْرِ مَا أَقْرَؤُهَا وَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَقْرَأَنِيْهَا فَكِدْتُّ اَنْ اَعْجَلَ عَلَيْهِ ثُمَّ لَبَّبْتُهٗ بِرِدَائِهٖ فَجِئْتُ بِهٖ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنِّيْ سَمِعْتُ هٰذَا يَقْرَأُ سُوْرَةَ الْفُرْقَانِ عَلٰى غَيْرِ مَا اَقْرَأْتَنِيْهَا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَرْسِلْهُ اِقْرَأْ فَقَرَأَ

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نے ھشام بن حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ کو سنا کہ وہ سورہ فرقان اس طریقہ سے پڑھ رہے تھے جو میرے پڑھنے کے طریقے کے خلاف تھا۔ حالانکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مجھے یہ سورت پڑھائی تھی۔ تو قریب[۱] تھا کہ میں ان پر جلدی سے اپنے غصے کا اظہار کروں یہاں تک کہ انہوں نے اس کی قرات سے فراغت حاصل کر لی یعنی مکمل صورت پڑھ لی پھر میں نے ان کے گلے میں چادر[۲] ڈالی اور انہیں کھینچ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے آیا۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ بیشک میں نے اس کو سورہ فرقان اس طرح پڑھتے ہوئے پایا ہے جو اس طریقے کے خلاف ہے جس طرح آپ نے مجھے یہ پڑھائی تھی۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

الْقِرَاءَةَ الَّتِيْ سَمِعْتُهُ يَقْرَأُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هٰكَذَا اُنْزِلَتْ ثُمَّ قَالَ لِيْ اِقْرَأْ فَقَرَأْتُ فَقَالَ هٰكَذَا اُنْزِلَتْ اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ اُنْزِلَ عَلٰى سَبْعَةِ اَحْرُفٍ فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَاللَّفْظُ لِمُسْلِمٍ)

نے فرمایا اسے چھوڑ دو اور ھشام سے فرمایا کہ پڑھ تو اس نے اسی طرح پڑھی جس طرح میں نے اسے پڑھتے ہوئے سنا تھا حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ سورت اسی طرح نازل ہوئی ہے پھر مجھ سے فرمایا کہ تو بھی پڑھ تو میں نے پڑھا۔ اس پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا یہ سورت اسی طرح نازل ہوئی۔ بے شک یہ قرآن سات[۴] قرأتوں اور لغتوں میں اُتارا گیا لہٰذا اس قرآن پاک کو پڑھو جس طرح تمہیں آسان ہو۔ بخاری و مسلم۔ حدیث کے یہ الفاظ مسلم کے الفاظ ہیں۔

[۱] حا کی زیر زا مخفف یعنی غیر مشدد آپ صحابی ہیں۔ فتح مکہ کے دن ایمان لائے۔ فضلائے صحابہ میں سے ہیں جس طرح ان کے باپ حضرت حکیم بن حزام بھی فضلائے صحابہ میں سے ہیں۔ آپ کے باپ یعنی حضرت حکیم ام المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بھائی کے بیٹے ہیں۔

[۲] یعنی یہ سورت جس طرح میں پڑھتا تھا اور حضور علیہ السلام نے جس طرح مجھے یہ سورت پڑھائی تھی۔ حضرت ھشام اُس کے خلاف پڑھ رہے تھے۔ اس بنا پر نزدیک تھا کہ میں اُن کے بارے میں جلدی کر بیٹھتا (اُن سے اُلجھ پڑتا) اور اُن پر اپنا غصہ نکالتا مگر میں نے اُن کو مہلت دے دی۔ انہیں چھوڑ دیا اور اُن کے بارے میں کوئی جلد بازی نہ کی۔

[۳] اور میں نے انہیں کھینچا لغت کی کتاب صراح میں ہے کہ تلبیب کا معنیٰ ہے جھگڑے کے وقت گریبان سے پکڑ کر کسی کو کھینچنا لفظ لبب اور لبہ سینے کے اُوپر کے حصے کو کہتے ہیں جہاں سے جانور کو ذبح کیا جاتا ہے۔

[۴] یہاں حدیث میں سات حرف کا لفظ آیا ہے۔ حرف سے سات قراتیں یا سات مختلف لغات مراد ہیں۔ اس کی تحقیق کتاب العلم میں گزر چکی ہے۔

وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ[۱] قَالَ سَمِعْتُ رَجُلًا قَرَأَ وَسَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُ خِلَافَهَا فَجِئْتُ بِهِ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَخْبَرْتُهُ فَعَرَفْتُ

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں میں نے ایک شخص کو قرآن پڑھتے ہوئے سنا اور میں نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی سنا کہ آپ اُس شخص کی تلاوت کے خلاف طریقہ پر پڑھ رہے تھے۔ میں اُس شخص کو حضور کی خدمت میں لے کر آیا اور

فِیْ وَجْهِهٖ اَلْكَرَاهِیَةَ فَقَالَ كِلَا كَمَا مُحْسِنٌ فَلَا تَخْتَلِفُوْا فَاِنَّ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ اخْتَلَفُوْا فَهَلَكُوْا۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِیُّ)

آپ کو حقیقتِ حال سے آگاہ کیا، تو میں نے حضور علیہ السلام کے چہرۂ انور پر ناراضگی اور ناخوشی کا نشان محسوس کیا۔ پھر آپ نے فرمایا تم دونوں ٹھیک پڑھتے ہو۔ آپس میں اختلاف نہ کرو۔ کیونکہ تم سے پہلے لوگ آپس میں اختلاف کی وجہ سے ہلاک ہوئے۔ (بخاری)

لہ یعنی حضرت ابن مسعود کے اُس شخص سے جھگڑنے اور مخالفت کرنے کی وجہ سے حضور کے چہرۂ انور پر ناخوشی کے آثار محسوس ہوئے۔

لہ یہاں اختلاف سے مراد ہے کہ قرأت کے متعدد طرق جن کے مطابق قرآن پاک نازل کیا گیا ہے اُن میں سے کسی ایک کا انکار کرنا کیونکہ تمام قراتیں جن کے مطابق قرآن نازل ہوا سب حق اور ٹھیک ہے۔ اُن میں سے کسی ایک کا انکار بھی درست نہیں۔ اور اگر انکار کیا جائے گا تو وہ قرآن پاک کا انکار ہوگا۔ لیکن بعض قاریوں کی قرأت متواتر روایات سے ثابت ہے اور بعض کی خبر واحد کی شکل میں مروی ہے۔ جیسا کہ سات قراتوں میں پڑھنا متواتر احادیث سے ثابت ہے۔ بعض حضرات یہ دعویٰ بھی کرتے ہیں کہ قرآن پاک کو دس قراتوں میں پڑھنا بھی متواتر روایات سے ثابت ہے۔ ہر قاری کی اپنی قرأت میں خصوصیت اُس کے اپنے اختیار اور اعتبار کی بنا پر ہے ورنہ سب قراتیں ٹھیک اور صحیح ہیں۔

وَعَنْ اُبَیِّ بْنِ كَعْبٍ قَالَ كُنْتُ فِی الْمَسْجِدِ فَدَخَلَ رَجُلٌ یُصَلِّیْ فَقَرَاَ قِرَاءَةً اَنْكَرْتُهَا عَلَیْهِ ثُمَّ دَخَلَ اٰخَرُ فَقَرَاَ قِرَاءَةً سِوٰی قِرَاءَةِ صَاحِبِهٖ فَلَمَّا قَضَیْنَا الصَّلٰوةَ دَخَلْنَا جَمِیْعًا عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ اِنَّ هٰذَا قَرَاَ قِرَاءَةً اَنْكَرْتُهَا عَلَیْهِ وَ دَخَلَ اٰخَرُ فَقَرَاَ سِوٰی قِرَاءَةِ صَاحِبِهٖ فَاَمَرَهُمَا النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَرَاٰ فَحَسَّنَ

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں میں مسجد کے اندر موجود تھا کہ ایک شخص مسجد میں داخل ہو کر نماز پڑھنے لگا۔ اُس شخص نے قرأت اپنے طور پر شروع کی جسے میں ٹھیک تصور نہیں کرتا تھا پھر تھوڑی دیر کے بعد ایک اور شخص مسجد میں آیا اُس نے بھی قرأت شروع کی جو پہلے شخص کی قرأت کے علاوہ تھی۔ جب ہم لوگ نماز مکمل کر چکے تو ہم سب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے میں نے عرض کیا کہ اس شخص نے ایسی قرأت کی ہے جسے میں نے ٹھیک نہیں جانا پھر ایک اور شخص آیا جس نے پہلے آدمی کی قرأت کے علاوہ اور طریقے سے قرأت کی اس پر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن دونوں کو قرآن پاک پڑھنے کا

شَأْنِهِمَا فَسَقَطَ فِيْ نَفْسِيْ مِنَ
التَّكْذِيْبِ وَلَا إِذْ كُنْتُ فِي
الْجَاهِلِيَّةِ فَلَمَّا رَأٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ
صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا قَدْ
غَشِيَنِيْ ضَرَبَ فِيْ صَدْرِيْ فَفِضْتُ
عَرَقًا وَكَأَنَّمَا أَنْظُرُ إِلَى اللّٰهِ فَرَقًا
فَقَالَ لِيْ يَا أُبَيُّ أُرْسِلَ إِلَيَّ
أَنِ اقْرَأِ الْقُرْاٰنَ عَلٰى حَرْفٍ
فَرَدَدْتُ إِلَيْهِ أَنْ هَوِّنْ عَلٰى
أُمَّتِيْ فَرَدَّ إِلَيَّ الثَّانِيَةَ اقْرَأْهُ
عَلٰى حَرْفَيْنِ فَرَدَدْتُ إِلَيْهِ أَنْ
هَوِّنْ عَلٰى أُمَّتِيْ فَرَدَّ إِلَيَّ
الثَّانِيَةَ اقْرَأْهُ عَلٰى سَبْعَةِ
أَحْرُفٍ وَلَكَ بِكُلِّ رَدَّةٍ رَدَدْتُكَهَا
مَسْأَلَةٌ تَسْأَلُنِيْهَا فَقُلْتُ اللّٰهُمَّ
اغْفِرْ لِأُمَّتِيْ اللّٰهُمَّ اغْفِرْ
لِأُمَّتِيْ وَأَخَّرْتُ الثَّالِثَةَ
لِيَوْمٍ يَرْغَبُ إِلَيَّ الْخَلْقُ كُلُّهُمْ
حَتّٰى إِبْرَاهِيْمُ عَلَيْهِ السَّلَامُ.
(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حکم دیا۔ آپ نے دونوں کی قرارت سن کر ان دونوں کو
اچھا اور ٹھیک قرار دیا حضرت ابن کعب فرماتے ہیں اُن دونوں
کی تصدیق اور تائید کرنے پر میرے دل میں تکذیب اور
غلط قرار دینے کا نشان محسوس ہوا۔ ایسا غلط گمان پیدا ہوا
جو کبھی میرے دل میں دور جاہلیت میں بھی پیدا نہیں ہوا تھا
جب حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے میرے اندر شیطان کے اس
وسوسے کو محسوس کیا تو آپ نے اپنے دست مبارک
سے میرے سینے کو مارا۔ تو مجھ سے پسینہ جاری ہو گیا اور
میری یہ کیفیت ہو گئی کہ گویا میں ڈر اور خوف کی حالت
میں اللہ تعالیٰ کی ذات کو دیکھ رہا ہوں پھر آپ نے
مجھے فرمایا اے ابن کعب مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں قرآن پاک
کو سات حرفوں پر تلاوت کروں اور میں نے اللہ تعالیٰ
کے حضور میں رجوع کیا کہ یا اللہ میری اُمت کے لیے آسانی
پیدا فرما۔ اللہ تعالیٰ نے دوبارہ وحی بھیجی کہ اے میرے حبیب
قرآن پاک کو دو حرفوں کے مطابق پڑھ میں نے پھر اللہ
تعالیٰ کے حضور میں رجوع کیا کہ یا اللہ میری اُمت پر آسانی
فرما تو اللہ تعالیٰ نے تیسری بار اس کے جواب میں فرمایا کہ سات
حرفوں کے مطابق قرآن پاک کی قرارت کر لیا کر۔ اللہ تعالیٰ
نے یہ بھی فرمایا کہ اے میرے حبیب تیرے لیے ہر بار میرے
حضور میں رجوع کرنے پر جو کچھ تو مجھ سے مانگے گا تجھے
عطا کیا جائے گا۔ پھر میں نے کہا اے اللہ میری امت کو بخش
دے۔ دوبارہ فرمایا اے اللہ میری امت کو بخش دے اور تیسری
دفعہ مغفرت مانگنے کو میں نے مؤخر کیا اس دن کے لیے
جس دن ساری مخلوق میری طرف رغبت کرے گی اور مجھ سے
شفاعت طلب کرے گی۔ یہاں تک کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی۔ اسے مسلم نے روایت کیا۔

ا‌ھ ظاہر یہ ہے کہ اس دوسرے شخص کی قراءت کو حضرت ابو کعب نے غلط تصور نہ کیا۔ اسی لیے آپ نے اس آدمی کی قرارت کے ذکر میں اپنا انکار بیان نہ فرمایا۔

۲ھ یہاں مشکوٰۃ کے بعض نسخوں میں لفظ قَضَیْنَا کی بجائے قَضَیْنَا آیا ہے بلفظ تثنیہ اُس صورت میں معنی یہ ہوگا کہ جب یہ دونوں آدمی نماز مکمل کر چکے۔

۳ھ یہ نشان حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں حضرات کی قرارت کے درست قرار دینے اور اچھا کہنے کی بنا پر پیدا ہوا۔ اس گمان کے تحت کے اللہ تعالیٰ کا کلام چاہیے کہ ایک ہی طریقے پر ہو۔ ہر شخص اپنے اپنے طریقے کے مطابق پڑھے اور پھر وہ ٹھیک بھی ہو یہ کیسے درست ہو سکتا ہے۔

۴ھ یعنی ایسی تکذیب والیا انکار دور جاہلیت کے وقت بھی کبھی میرے دل میں نہیں آیا تھا۔ اس کلام میں مبالغہ پایا جاتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ دور جاہلیت کے وقت میں جاہل تھا اس وقت ایسے خیال کا آنا کوئی بعید نہیں تھا مگر اُس زمانے میں میرے دل میں ایسی تکذیب کبھی پیدا نہ ہوئی مگر اسلام کے بعد یقین اور معرفت حاصل ہونے پر ایسے خیال کا میرے دل میں آنا بہت بڑی بات تھی۔

۵ھ وہ وسوسہ میرے اندر تکذیب وانکار کی حد تک محسوس ہونے لگا۔

۶ھ یعنی اس وسوسے کے ازالے کے لیے اظہار تصرف اور قوت باطنی کو بروئے کار لانے کے لیے آپ نے ایسا کیا۔

۷ھ یہاں حدیث میں لفظ فضتُ۔ فا کی زیر ض ساکن سے آیا ہے۔ یاد رہے یہ لفظ فیضان سے مشتق ہے یعنی کثیر پانی کا بہہ پڑنا۔

۸ھ یہاں حدیث میں لفظ فرقًا آیا ہے۔ فا اور را کی زبر سے یعنی ڈرنا۔

۹ھ یہاں حدیث میں لفظ ارسل آیا ہے۔ بصیغہ مجہول ومعلوم دونوں طرح مروی ہے۔ اسی طرح حدیث میں واقع لفظ اقرا بھی لفظ متکلم اور امر کی شکل میں مروی ہے۔ جب میں نے یہ دیکھا کہ قرآن پاک کو ایک ہی قرارت حرف میں پڑھنے سے میری اُمت کو تنگی لاحق ہوگی تو میں نے عرض کیا۔ یا اللہ قرارت قرآن کا معاملہ میری اُمت پر آسان فرما۔ اور انہیں اس میں گنجائش عطا فرما۔

۱۰ھ یعنی آپ نے دوبارہ عرض کیا یا خدائے تعالیٰ نے دوبارہ فرمایا اور جواب دیا اور میری طرف دوسری بار وحی بھیجی۔

۱۱ھ یعنی اس میں مزید کشادگی عطا فرما۔

۱۲ھ یعنی تیسری بار اللہ تعالیٰ نے میرے رجوع کرنے پر مجھے جواب ارشاد فرمایا اور مجھے وحی بھیجی کہ سات حرفوں

یعنی قراءتوں میں قرآن پاک پڑھ لیا کر پہلے معلوم ہو چکا ہے کہ حروف سے سات قراءتیں یا لغتیں مراد ہیں۔ جبکہ سوال وجواب اور اللہ تعالیٰ کے حضور میں رجوع اس بات کو ظاہر کرتا تھا کہ اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول پاک جو اُس کے محبوب و مقبول ہیں کے درمیان مطلوب کے حاصل ہونے میں توقف اور دیر محسوس ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے از خود برکت اور کرم نوازی فرمائی کہ خدائے سبحانہ وتعالیٰ کی بہت زیادہ برکتیں اور رحمتیں ہیں جو آپ کی اُمت مرحومہ کے لیے عمل آخرت سے تعلق رکھتی ہیں یعنی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اُمت کے بارے میں مقصود و مطلوب کا حاصل ہونا۔ اور دنیا میں بھی آسانی کا مہیا ہونا تاکہ دنیا اور آخرت دونوں میں آسانی اور سہولت اُمت کے لیے جمع ہو جائے اسی لیے حکم ہوا کہ آپ تیسری بار پھر سوال کریں۔ پہلی دو دفعہ رجوع کرنے کے بعد اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے محمدؐ اور اے میری درگاہ میں مقبول بندے میں نے تیرے ہر دفعہ رجوع کرنے پر تیرے سوال کو قبولیت عطا دوں گا یعنی تین بار طلب کر بلکہ یہ سوال کر کر میں تجھے عطا ہی کرتا رہوں گا۔ اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تینوں دفعہ سوال کرنے کے وقت اُمت کے لیے بخشش و مغفرت چاہی۔ اور اس چاہنے میں اس جانب اشارہ کیا اکمل چیز بندے کی مغفرت و بخشش ہے کیونکہ اگر اللہ تعالیٰ کی مغفرت تعاون نہ کرے تو کوئی بھی خلاصی نہ پا سکے گا جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے اس قول میں ہے۔ یا اللہ اگر تو ہمیں نہیں بخشے گا اور ہم پر رحم نہیں فرمائے گا تو ہم لوگ خسارے میں پڑ جائیں گے پھر تین بار رجوع کرنے سے اس جانب اشارہ فرمایا کہ دو مغفرتیں حضور کی اُمت کے لیے وہ ہیں جس سے مراد یہ ہے کہ میری اُمت کے صغیرہ اور کبیرہ گناہ بخش دیے جائیں۔ اور تیسری بار رجوع کرنے سے مراد یہ ہے کہ اولین اور آخرین ساری مخلوق کو بخش دے۔

۱۲؎ یعنی میں نے تیسری بار بخشش مانگنے کو اُس دن کے لیے مخصوص کر لیا ہے جبکہ لوگ میری جانب رغبت کریں گے میرے سامنے خواہش ظاہر کریں گے اور میری طرف متوجہ ہوں گے اور مجھ سے ساری مخلوق حتیٰ کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی شفاعت چاہیں گے یعنی خصوصاً اپنی ذات کے بارے میں حضرت ابراہیم علیہ السلام میری شفاعت کے اُمیدوار ہوں گے۔ جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قول قرآن پاک میں مذکور ہوا (والذی اطمع ان یغفرلی خطیئتی یوم الدین) یعنی وہ ذات جس سے مجھے اُمید ہے کہ وہ قیامت کے دن میری خطا معاف فرمائے گی یا تیسری بار مغفرت مانگنے میں توقف سے مراد اپنی اُمت کے لیے قیامت کے دن مغفرت و شفاعت مراد ہے۔ یہاں خصوصیت سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر اس بنا پر کر دیا کہ آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد تمام انبیاء و رسل سے افضل ہیں۔

جیسا کہ علماء نے اس بات کی تصریح کی ہے اور جمہور علماء کی طرف سے اس بارے میں کوئی تصریح آپ کے غیر میں واقع نہیں ہوئی۔ بعض نے کہا کہ حضرت ابراہیم کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام تمام انبیاء علیہ السلام سے افضل و برتر ہیں۔

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَقْرَاَنِىْ جِبْرِيْلُ عَلٰى حَرْفٍ فَرَاجَعْتُهٗ فَلَمْ اَزَلْ اَسْتَزِيْدُهٗ وَيَزِيْدُنِىْ حَتّٰى انْتَهٰى اِلٰى سَبْعَةِ اَحْرُفٍ قَالَ ابْنُ شِهَابٍ بَلَغَنِىْ اَنَّ تِلْكَ السَّبْعَةَ الْاَحْرُفَ اِنَّمَا هِىَ فِى الْاَمْرِ تَكُوْنُ وَاحِدًا لَا تَخْتَلِفُ فِىْ حَلَالٍ وَّ لَا حَرَامٍ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جبرائیل علیہ السلام نے مجھے قرآن پاک ایک حرف یعنی ایک لغت[۱] میں پڑھایا تو میں نے جبرائیل کی طرف رجوع کیا میں مسلسل اس میں اضافہ طلب کرتا رہا اور جبرائیل اس میں وسعت پیدا کرتے رہے یہاں تک کہ سات حروف[۲] یعنی لغتوں پر پہنچ گئے ابن شہاب[۳] فرماتے ہیں کہ مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ یہ سات حرف دین کے احکام کے بارے میں ایک ہی چیز ہیں یعنی متحد اور متفق ہیں جو حلال و حرام میں بالکل مختلف نہیں۔ (بخاری و مسلم)

[۱] یعنی ایک ہی لغت پر پڑھنے کی مجھے اجازت دی جو کہ اہل حجاز کی لغت ہے۔ اس زمانے میں عربوں کی سات لغتیں (انداز ادا) سات قسم کی تھیں جو فصاحت اور بلاغت کے لیے مشہور تھیں۔ جیسا کہ کتاب العلم میں یہ بیان آچکا ہے۔

[۲] آپ کا زیادہ طلب کرنا اور حضرت جبرائیل کی طرف سے زیادہ گنجائش کا ملنا ایک ہی وقت اور ایک ہی مجلس میں واقع ہوا تھا۔ جبرائیل اس وقت حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے فرمانے پر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ صمدیت میں آتے جاتے اور عرض کرتے رہے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ گنجائش و کشادگی متعدد اوقات میں حاصل ہوئی ہو۔

[۳] آپ زہری کے نام سے مشہور ہیں۔ تابعین میں بڑے اونچے درجے کے عالم شمار ہوتے ہیں۔

[۴] یعنی سب کا مطلب اور معنی ایک ہے اگرچہ الفاظ مختلف ہیں کیونکہ سات قرائتیں آپس میں معنی کے لحاظ سے کوئی ٹکراؤ نہیں رکھتیں۔ اسی طرح سات لغتیں جو سات حرفوں سے مراد لی گئی ہیں ان میں بھی کوئی اختلاف تناقض نہیں ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِىْ — دوسری فصل

عَنْ اُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ قَالَ لَقِىَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جِبْرِيْلَ فَقَالَ يَا جِبْرِيْلُ اِنِّىْ

حضرت ابی ابن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت جبرائیل سے ملے آپ نے فرمایا اے جبرائیل میں ایک ایسی امت کی

بُعِثْتُ اِلٰی اُمَّۃٍ اُمِّیِّیْنَ مِنْهُمُ الْعَجُوْزُ وَ الشَّیْخُ الْکَبِیْرُ وَالْغُلَامُ وَ الْجَارِیَۃُ وَ الرَّجُلُ الَّذِیْ لَمْ یَقْرَاْ کِتَابًا قَطُّ قَالَ یَا مُحَمَّدُ اِنَّ الْقُرْاٰنَ اُنْزِلَ عَلٰی سَبْعَۃِ اَحْرُفٍ رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَ فِیْ رِوَایَۃٍ لِاَحْمَدَ وَ اَبِیْ دَاوٗدَ قَالَ لَیْسَ مِنْهَا اِلَّا شَافٍ کَافٍ وَ فِیْ رِوَایَۃٍ لِلنَّسَائِیِّ قَالَ اِنَّ جِبْرِیْلَ وَ مِیْکَائِیْلَ اَتَیَانِیْ فَقَعَدَ جِبْرِیْلُ عَنْ یَّمِیْنِیْ وَمِیْکَائِیْلُ عَنْ یَّسَارِیْ فَقَالَ جِبْرِیْلُ اِقْرَاِ الْقُرْاٰنَ عَلٰی حَرْفٍ قَالَ مِیْکَائِیْلُ اسْتَزِدْہُ حَتّٰی بَلَغَ سَبْعَۃَ اَحْرُفٍ وَّکُلُّ حَرْفٍ شَافٍ کَافٍ ۔

طرف بھیجا گیا ہوں جو لکھنا پڑھنا نہیں جانتی[1]۔ ان میں بہت[2] بوڑھی عورتیں بہت بوڑھے مرد اور بچے اور بچیاں[3] بھی ہیں اور ایسے مرد بھی ہیں جنہوں نے کبھی کوئی کتاب نہیں پڑھی اس پر حضرت جبرائیل نے فرمایا اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم بیشک قرآن اتارا گیا ہے سات حرفوں پر (یعنی سات لغتوں اور سات قراءتوں میں اسے پڑھنے کی گنجائش ہے) اسے ترمذی نے روایت کیا اور ایک روایت میں جو احمد اور ابوداؤد سے مروی ہے یہ لفظ زیادہ آئے ہیں کہ جبرائیل نے فرمایا کہ ان سات حروف میں سے ہر حرف شافی اور کافی ہے اور نسائی کی ایک روایت میں اس طرح آیا ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک جبرائیل اور میکائیل میرے پاس آئے۔ جبرائیل میرے دائیں طرف بیٹھ گئے اور میکائیل میری بائیں جانب۔ تو جبرائیل نے کہا کہ آپ قرآن کو ایک حرف یعنی ایک لغت پر پڑھیں۔ میکائیل نے کہا کہ ان کے لیے گنجائش طلب کریں یہاں تک کہ جبرائیل سات حرفوں تک پہنچ گئے یعنی سات لغتوں میں پڑھنے کی گنجائش مل گئی ان میں سے ہر حرف یعنی لغت شافی اور کافی ہے۔

[1] جو بالکل ناخواندہ ہیں کہ انہوں نے پڑھنا لکھنا بالکل نہیں سیکھا۔

[2] یہاں حدیث میں لفظ عجوز آیا ہے یعنی وہ عورت جو بہت ہی عمر رسیدہ ہو۔ لغت کی کتاب قاموس میں فرمایا عجوز بمعنی بوڑھا مرد اور بوڑھی عورت۔ اس کے آخر میں ۃ نہیں آتا۔ اگر کہیں آیا ہے تو وہ ردی اور غیر فصیح لغت ہے۔

[3] یہاں حدیث میں لفظ غلام اور جاریہ آیا ہے۔ بمعنی بچہ اور لڑکی پھر یہ لفظ غلاموں اور لونڈیوں پر جو بولتے ہیں تو ان کی حقارت کی وجہ سے بولتے ہیں۔ جس طرح لفظ فتا و فتاۃ۔ یعنی جواں مرد اور جواں عورت کیونکہ بچوں اور بچیوں اور غلاموں اور لونڈیوں کے ساتھ تعظیم و تکریم والا وہ سلوک نہیں کیا جاتا جو بوڑھوں کے ساتھ کیا جاتا ہے۔

۴؎ یعنی سینے کی تمام بیماریوں جیسے کفر و جہالت وغیرہ کے لیے بہت شفا عطا کرنے والا ہے۔ اسی طرح اپنے اعجاز میں، نبی علیہ السلام کے صدق کی دلیل ہونے اور دین کی حقانیت ثابت کرنے اور منکرین و معاندین پر حجت قائم کرنے میں کافی ہے۔

۵؎ یعنی ان سے کہو کہ دوسری لغت اور قرارت میں بھی پڑھ لیا کریں۔

۶؎ جب توسیع مل گئی تنگی چلی گئی اور معاملہ قرارت میں آسانی عطا کر دی گئی تو امت کے لیے جس طرح بھی پڑھیں گنجائش دے دی گئی۔ اگر یہ گنجائش اور توسیع نہ دی جاتی بلکہ ایک ہی حرف و لغت میں پڑھنے کی پابندی برقرار رکھی جاتی تو امت کیلئے بڑی تنگی اور دقت واقع ہو جاتی۔ اسے اچھی طرح سمجھو۔

وَعَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ اَنَّهٗ مَرَّ عَلٰى قَاصٍّ يَقْرَاُ ثُمَّ يَسْاَلُ فَاسْتَرْجَعَ ثُمَّ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ قَرَاَ الْقُرْاٰنَ فَلْيَسْاَلِ اللّٰهَ بِهٖ فَاِنَّهٗ سَيَجِيْءُ اَقْوَامٌ يَقْرَءُوْنَ الْقُرْاٰنَ يَسْاَلُوْنَ بِهِ النَّاسَ۔ (رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ)	حضرت عمران[1] بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ بے شک وہ ایک قصہ[2] گو آدمی کے پاس سے گزرے جو قرآن پڑھتا تھا اور لوگوں سے سوال کرتا تھا حضرت عمران نے اس کو اس حالت میں دیکھ کر انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا[3] پھر فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ آپ فرماتے تھے جو شخص قرآن پاک پڑھے اسے چاہیے کہ اللہ ہی سے[4] مانگے۔ اور بے شک واقعہ یہ ہے کہ کچھ ایسے لوگ آئیں گے جو قرآن پڑھیں گے اور اس کے عوض لوگوں سے سوال کریں[5] گے (احمد ترمذی)

۱؎ آپ مشہور صحابی ہیں ملائکہ آکر آپ کی زیارت کرتے تھے اور انہیں سلام کہتے تھے آپ مسلسل تیس سال بیماری کے بستر پر پڑے رہے۔

۲؎ یہاں حدیث میں لفظ قاص آیا ہے جو قص سے مذکور ہے بمعنی بتلانا اور خبر دینا۔ قاص اس شخص کو کہتے ہیں جو ادھر ادھر کی خبریں دے اور قصے کہانیاں بیان کرے۔ یہاں قاص کی بجائے وقاص بر وزن وعاظ بھی اطلاق کر دیتے ہیں وقاص کا معنیٰ بھی قصہ گوئی کرنے والا ہے۔

۳؎ جس طرح کہ مصیبت کے وقت یہ لفظ زبان سے پڑھتے ہیں۔ گویا قرآن پڑھنا اور سوال کرنا اس کے لیے ایک مصیبت تھی کہ وہ قصہ گو شخص اس میں مبتلا تھا۔ یا اس کا معنیٰ یہ ہے کہ حضرت عمران اس بری حالت کے مشاہدہ سے مصیبت میں پڑ گئے جو ان کو اس آدمی کی حالت سے پہنچی۔

۴؎ یعنی چاہیے کہ قرآن کے ساتھ خدا ہی سے سوال کرے اور اپنی دینی و دنیوی حاجت خدا ہی سے طلب کرے۔

جس طرح اگر آیت رحمت پر پہنچے یا جنت کا ذکر پڑھے تو اُسے اللہ تعالیٰ ہی سے طلب کرنا چاہیے اور اگر عذاب کی آیت یا آتش دوزخ کا ذکر پڑھے تو اس کے ساتھ خدا ہی سے پناہ طلب کرے یا مراد یہ ہے کہ جب قرارت سے فارغ ہو تو منقول دعاؤں کے ساتھ دعا مانگے۔

۵ یعنی قرآن پاک پڑھیں گے اور اُس کی پڑھائی کے عوض لوگوں سے مانگیں گے اور اُن کے سامنے دستِ گدائی پھیلائیں گے

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

عَنْ بُرَيْدَةَ[1] قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَرَأَ الْقُرْاٰنَ يَتَاَكَّلُ بِهِ النَّاسَ جَاءَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَوَجْهُهٗ عَظْمٌ لَيْسَ عَلَيْهِ لَحْمٌ (رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ)

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص قرآن پڑھتا ہے اور اُس کے عوض لوگوں سے چیزیں[2] لے کر کھاتا پیتا ہے۔ قیامت کے دن ایسی حالت میں آئے گا کہ اُس کا چہرہ ہڈیوں کا ڈھانچہ ہوگا جس پر کوئی گوشت[3] نہ ہوگا۔
اسے بیہقی نے شعب الایمان میں روایت کیا۔

۱ یعنی بریدہ اسلمی پاک پیش سے۔ آپ مشہور صحابہ میں سے ہیں۔ آپ نے حضرتِ نبوت اور خلفائے راشدین کے لیے مساعی جمیلہ اور گراں قدر خدمات انجام دیں۔

۲ یعنی قرآن کو کمینی دنیا کا ساز و سامان جمع کرنے کا وسیلہ اور ذریعہ بناتا ہے۔

۳ یعنی بہت کمزور اور لاغر ہوگا اور خوار و بے عزت حالت میں قیامت کے دن اللہ کے حضور پیش ہوگا۔

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَعْرِفُ فَصْلَ السُّوْرَةِ حَتّٰى يَنْزِلَ عَلَيْهِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ (رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک سورت کا دوسری سورت سے جدا ہونا اور فرق کرنا نہیں پہچانتے تھے جب تک کہ آپ پر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نازل نہیں[1] ہوتا تھا۔
اسے ابوداؤد نے روایت کیا۔

۱ اس حدیث کا ظاہر اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم قرآن کی آیتوں میں سے ایک آیت ہے جو سورتوں کے درمیان فصل کرنے اور جدا کرنے کے لیے نازل ہوتی تھی۔ جیسا کہ ہم احناف کا مذہب ہے۔

وَعَنْ عَلْقَمَةَ[1] قَالَ كُنَّا بِحِمْصَ فَقَرَأَ ابْنُ مَسْعُوْدٍ سُوْرَةَ يُوْسُفَ فَقَالَ رَجُلٌ مَا هٰكَذَا أُنْزِلَتْ فَقَالَ عَبْدُ اللّٰهِ وَاللّٰهِ لَقَدْ أَقْرَأْتُهَا عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ أَحْسَنْتَ فَبَيْنَمَا هُوَ يُكَلِّمُهُ إِذْ وَجَدَ مِنْهُ رِيْحَ الْخَمْرِ فَقَالَ أَتَشْرَبُ الْخَمْرَ وَتُكَذِّبُ بِالْكِتَابِ فَضَرَبَهُ الْحَدَّ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت علقمہ[1] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں ہم لوگ شہر حمص[2] میں تھے کہ حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے سورہ یوسف پڑھی ایک شخص نے کہا یہ سورت اس طرح نازل نہیں ہوئی تو حضرت عبداللہ نے فرمایا اللہ کی قسم البتہ میں نے بے شک اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں پڑھا تھا تو حضور نے فرمایا تھا تو نے اسے خوب اچھی طرح پڑھا ہے۔ پھر اسی دوران کہ وہ شخص حضرت عبداللہ بن مسعود سے باتیں کر رہا تھا حضرت ابن مسعود نے اس آدمی سے شراب کی بو[3] محسوس کی تو فرمایا تو شراب پیتا ہے اور کتاب اللہ کی تکذیب کرتا ہے تو حضرت عبداللہ ابن عمر نے اس پر شراب پینے کی سزا[4] جاری کی۔ (بخاری و مسلم)

[1] حضرت علقمہ اکابر تابعین میں سے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعود کے ساتھیوں میں سے ہیں۔
[2] حمص۔ حا کی زیر میم ساکن۔ یہ بلاد شام میں سے ایک شہر ہے۔
[3] یہاں حدیث میں لفظ وَجَدَ میں مجہول اور معروف دونوں طرح روایت آئی ہے۔
[4] اگر ابن مسعود نے جو کچھ پڑھا وہ قراءت مشہورہ میں سے تھا اور وہ یقیناً کتاب اللہ میں سے تھا تو اس کی تکذیب اور انکار یقیناً کفر ہے اور اگر ایسا نہیں تھا بلکہ انہوں نے شاذ قراءت پڑھی تھی تو پھر اس پر تکذیب کتاب کا اطلاق بطور تغلیظ و تشدید ہوگا (یعنی زجر و ڈانٹ کے لیے ہوگا) اور ظاہر یہی ہے۔ اسی لیے آپ نے اسے مرتد قرار دینے کا حکم صادر نہ فرمایا۔ بلکہ صرف شراب کی سزا نافذ کرنے پر کفایت فرمائی۔

وَعَنْ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ[1] قَالَ أَرْسَلَ إِلَيَّ أَبُوْ بَكْرٍ مَقْتَلَ أَهْلِ الْيَمَامَةِ فَإِذَا عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ عِنْدَهُ قَالَ أَبُوْ بَكْرٍ إِنَّ عُمَرَ أَتَانِيْ فَقَالَ إِنَّ الْقَتْلَ قَدِ اسْتَحَرَّ يَوْمَ الْيَمَامَةِ

حضرت زید[1] ابن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اہل یمامہ[2] کے وقت قتل کے موقع پر میری طرف کسی شخص کو بھیجا۔ میں ان کے پاس پہنچ گیا تو اچانک ان کے پاس اس وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی تشریف فرما تھے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ بے شک عمر میرے پاس آئے

بِقُرَّآءِ الْقُرْاٰنِ وَاِنِّیْ اَخْشٰی اِنِ اسْتَحَرَّ الْقَتْلُ بِالْقُرَّآءِ بِالْمَوَاطِنِ فَیَذْهَبُ كَثِیْرٌ مِّنَ الْقُرْاٰنِ وَاِنِّیْ اَرٰی اَنْ تَاْمُرَ بِجَمْعِ الْقُرْاٰنِ قُلْتُ لِعُمَرَ كَیْفَ تَفْعَلُ شَیْئًا لَّمْ یَفْعَلْهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ قَالَ عُمَرُ هٰذَا وَاللّٰهِ خَیْرٌ فَلَمْ یَزَلْ عُمَرُ یُرَاجِعُنِیْ حَتّٰی شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرِیْ لِذٰلِكَ وَرَاَیْتُ فِیْ ذٰلِكَ الَّذِیْ رَاٰی عُمَرُ قَالَ زَیْدٌ قَالَ اَبُوْبَكْرٍ اِنَّكَ رَجُلٌ شَابٌّ عَاقِلٌ لَا نَتَّهِمُكَ وَقَدْ كُنْتَ تَكْتُبُ الْوَحْیَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَتَتَبَّعِ الْقُرْاٰنَ فَاجْمَعْهُ فَوَاللّٰهِ لَوْ كَلَّفُوْنِیْ نَقْلَ جَبَلٍ مِّنَ الْجِبَالِ مَا كَانَ اَثْقَلَ عَلَیَّ مِمَّا اَمَرَنِیْ بِهٖ مِنْ جَمْعِ الْقُرْاٰنِ قَالَ قُلْتُ كَیْفَ تَفْعَلُوْنَ شَیْئًا لَّمْ یَفْعَلْهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ هُوَ وَاللّٰهِ خَیْرٌ فَلَمْ یَزَلْ اَبُوْبَكْرٍ یُرَاجِعُنِیْ حَتّٰی شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرِیْ لِلَّذِیْ شَرَحَ لَهٗ

ہیں اور کہا ہے کہ جنگ یمامہ کے دن قرآن پاک کے بہت سے قاری بڑی تعداد میں قتل ہو گئے ہیں اور اس جنگ نے قتل کا بازار خوب گرم کیا ہے اور بے شک مجھے ڈر ہے کہ مختلف مقامات میں قاریوں کے قتل کا بازار قتل اسی طرح گرم رہا تو بہت سا قرآن ضائع ہو جائے گا اور بے شک میں خیال کرتا ہوں کہ آپ قرآن پاک کے جمع کرنے کا حکم صادر فرمائیں۔ میں نے حضرت عمر سے کہا تم وہ کام کیسے کرنا چاہتے ہو جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا۔ اس پر حضرت عمر نے فرمایا اللہ کی قسم یہ کام خیر اور اچھا ہے۔ حضرت عمر مسلسل اس کام کے لیے مجھ سے رجوع کرتے رہے اور مجھے بار بار کہتے رہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اس کام کے لیے میرے سینے کو کھول دیا۔ اور میں نے اس چیز میں خیر و مصلحت کو پالیا۔ جیسے حضرت عمر نے پایا تھا۔ حضرت زید فرماتے ہیں کہ حضرت ابوبکر نے فرمایا اے زید تو جوان اور عقلمند آدمی ہے میں تجھ پر خیانت اور غفلت کی تہمت نہیں لگا سکتا۔ اور بے شک تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے وحی کو لکھا کرتا تھا۔ لہٰذا تو قرآن پاک کو تلاش کر پھر اسے ایک کتاب کی شکل میں جمع کر۔ اس پر حضرت زید ابن ثابت نے فرمایا اللہ کی قسم اگر لوگ مجھے پہاڑوں میں سے کسی پہاڑ کو ادھر ادھر کرنے کا حکم دیتے۔ وہ میرے لیے اتنا بھاری نہیں تھا جتنا کہ مجھے انہوں نے یہ حکم دیا کہ میں قرآن کو جمع کروں۔ حضرت زید ابن ثابت فرماتے ہیں میں نے حضرت ابوبکر سے کہا آپ ایسا کام کس طرح کر سکتے ہیں جیسے رسول اللہ صلی اللہ

صَدْرَ اَبِیْ بَکْرٍ وَّ عُمَرَ فَتَتَبَّعْتُ الْقُرْاٰنَ اَجْمَعُہٗ مِنَ الْعُسُبِ وَاللِّخَافِ وَصُدُوْرِ الرِّجَالِ حَتّٰی وَجَدْتُّ اٰخِرَ سُوْرَۃِ التَّوْبَۃِ مَعَ اَبِیْ خُزَیْمَۃَ الْاَنْصَارِیِّ لَمْ اَجِدْھَا مَعَ اَحَدٍ غَیْرِہٖ لَقَدْ جَآءَکُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِکُمْ حَتّٰی خَاتِمَۃِ بَرَآءَۃٍ فَکَانَتِ الصُّحُفُ عِنْدَ اَبِیْ بَکْرٍ حَتّٰی تَوَفَّاہُ اللّٰہُ ثُمَّ عِنْدَ عُمَرَ حَیٰوتَہٗ ثُمَّ عِنْدَ حَفْصَۃَ بِنْتِ عُمَرَ۔ (رَوَاہُ الْبُخَارِیُّ)

علیہ وسلم نے نہیں کیا حضرت ابوبکر صدیق نے فرمایا اللہ کی قسم یہ کام خیر ہے تو حضرت ابوبکر بار بار مجھ سے اس کام کے لیے رجوع فرماتے رہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے میرے سینے کو بھی اُس کام کے لیے کھول دیا جس کے لیے حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کے سینے کو کھولا تھا۔ تو میں نے قرآن پاک کو تلاش کرنا شروع کیا میں اُسے کھجوروں کی شاخوں[۱] سے سفید پتھروں[۲] کے اوپر سے اونٹوں کے شانوں پر سے اور پہلو کی ہڈیوں پر سے اور مردوں کے سینوں[۳] میں سے اکٹھا کیا، یہاں تک کہ میں نے سورہ توبہ کے آخری حصے کو حضرت ابوخزیمہ انصاری رضی اللہ عنہ کے پاس پایا۔ سورۃ توبہ کا یہ آخری حصہ میں نے کسی اور کے پاس نہ پایا سورہ توبہ کا آخری حصہ یہ ہے۔ لقد جاءکم رسول من انفسکم سے سورہ کے آخر تک تو قرآن پاک کے جمع شدہ صحیفے حضرت ابوبکر صدیق کے پاس رہے۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں وفات دے دی۔ پھر حضرت عمر کی زندگی میں اُن کے پاس رہے پھر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صاحبزادی حضرت حفصہ کے پاس رہے۔ (بخاری)

۱ؔ آپ فقہائے صحابہ میں سے ہیں بلند مرتبہ فقیہہ کاتب وحی اور علم وراثت کے بہت بڑے عالم تھے۔

۲ؔ یعنی حضرت زید بن ثابت فرماتے ہیں کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کسی کو بھیجا اور مجھے اپنے حضور طلب فرمایا۔ یہ اُس وقت کی بات ہے جبکہ اہل یمامہ کا قتل واقع ہوا۔ دراصل یہ بنی حنیفہ کے قتل کے موقع کی بات ہے جس میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کے زمانے میں جھوٹا نبی مسیلمہ کذاب قتل ہوا جیسا کہ کتاب الزکوٰۃ میں گزر چکا ہے۔ اس جنگ یمامہ میں بہت سے قرآن کے قاری صحابہ شہید ہوئے تھے۔ چنانچہ میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے بلانے پر اُن کی خدمت پر مامور ہوگیا۔

۳ؔ یعنی جنگ یمامہ کے دن قتل کا بازار خوب گرم ہوا اور بڑی تعداد میں لوگ مارے گئے اور قرآن کے بہت سے حافظ شہید ہوگئے عرب لوگ سخت اور مشکل کام کو گرم کام سے تعبیر کرتے ہیں۔ کہا گیا ہے کہ اس جنگ میں کوئی

سات سو قاری شہید ہوئے تھے۔

۴؎ یعنی میں اس کام میں یہ مصلحت محسوس کرتا ہوں کہ آپ قرآن پاک کو ایک کتاب کی شکل میں جمع کرنے کا حکم دیں۔

۵؎ یعنی حضرت ابو بکر نے حضرت عمر سے فرمایا تو وہ کام کیسے کر سکتا ہے۔ ایک روایت میں اس طرح آیا ہے کہ ہم وہ کام کیسے کر سکتے ہیں جسے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے نہیں کیا۔

۶؎ یعنی حضرت عمر نے فرمایا خدا کی قسم قرآن پاک کو کتابی شکل میں جمع کرنا اچھا کام اور اچھی بدعت ہے۔ بہت ساری بدعتیں یعنی نئی چیزیں ایسی ہیں جو ضروری ہوتی ہیں۔ جیسے علم صرف و نحو کی تعلیم۔ بعض بدعتیں مستحب ہوتی ہیں جیسا کہ باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ میں گزرا۔

۷؎ اور حضرت عمر کی بات مجھے بڑی پسند آئی اور میں نے بھی خیر و مصلحت اسی چیز میں دیکھی جس میں حضرت عمر خیر و مصلحت دیکھ رہے تھے۔

۸؎ یا یہ کہ ترتیب میں بھول جائے اور اپنے پاس سے کوئی اور چیز لکھ ڈالے۔

۹؎ یعنی قرآن کو جمع کرے جہاں سے بھی میسر پائے۔ یہاں حدیث میں لفظ تتبع آیا ہے جس کا معنیٰ ہے کسی شے کو طلب کرنا اور اس کی تلاش کے پیچھے جانا۔

۱۰؎ یہاں حدیث میں لفظ کَلَّفُوْا آیا ہے جو تکلیف سے بنا ہے تکلیف کا معنیٰ ہے کسی کو ایسا کام کرنے پر مجبور کرنا جو اس کے اندازہ طاقت سے باہر ہو اور جس میں شدید مشقت پائی جاتی ہو۔

۱۱؎ یہاں حدیث میں لفظ عُسُب عین کی پیش اور سین کی بھی پیش۔ یعنی کھجور کی شاخیں۔ یہ عسیب کی جمع ہے۔ یعنی کھجور کی وہ شاخ جس کو ابھی پھل نہ لگا ہو یا وہ شاخ جس سے پتے الگ کر لیے گئے ہوں۔ بعض نے اس لفظ کی کھجور کے پھل سے تفسیر کی ہے۔

۱۲؎ یہاں حدیث میں لفظ لخاف آیا ہے لام کی زیر خا مخفف۔ یہ لخفہ کی جمع ہے۔ یعنی چھوٹا سفید پتھر ایک روایت میں والرقاع بھی آیا ہے۔ رقعہ کی جمع یعنی چمڑے یا کاغذ کے ٹکڑے اور ایک روایت میں وقطع الادیم بھی آیا ہے۔ یعنی چمڑے کے ٹکڑے۔ اسی طرح ایک روایت میں الاکتاف آیا ہے یعنی اونٹ یا بکری کے شانے اور ایک روایت میں والاضلاع آیا ہے۔ یعنی جانوروں کے پہلو کی ہڈیاں۔ حسب ضرورت ان سب چیزوں پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانے میں قرآن پاک لکھا ہوا تھا۔

۱۳؎ یعنی اُن مردوں کے سینوں سے جو صحابہ میں سے قرآن پاک کے حافظ تھے۔ قرآن مجید کی اصل بنیاد اور قابل اعتماد یہی چیز تھی۔ کھجوروں کی شاخوں سفید پتھروں وغیرہ پھر قرآن کا لکھا ہوا ہونا۔ مزید تاکید توثیق کے لیے تھا یاد رہے کہ قرآن پاک متواتر اور یقینی روایات سے آیا ہے جب تک تمام صحابہ اتفاق و اجماع نہیں کرتے تھے کوئی آیت نہیں لکھی جاتی تھی

اور یہ جو فرمایا حتی کہ میں نے سورہ توبہ کا آخری حصہ حضرت ابو خزیمہ انصاری (خاکی پیش زا کی زبر) الی آخرہ تو اس کا معنی یہ ہے کہ میں نے اس حصے کو اُن کے پاس لکھا ہوا پایا۔ کسی اور کے پاس محفوظ نہ پایا۔ اسی طرح وہ جو بعض روایتوں میں آیا ہے کہ صحابہ کرام اُس شخص سے قسم لیتے تھے جس کے پاس قرآن کا کوئی حصہ پاتے تھے کہ یہ قرآن ہے۔ یا دو گواہ گزارے جاتے تھے تو اس سے مراد بھی بغرض احتیاط تحقیق و تاکید اور مبالغہ مقصود ہے۔

شیخ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ دو گواہوں سے اُس کا حفظ و کتابت مراد ہے۔ علامہ سخاوی نے جمال القراء میں فرمایا کہ اس سے مراد یہ ہے کہ گواہ اگر گواہی دیتے تھے کہ مکمل ہوئی یہ تحریر جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لکھی گئی تھی صرف حفظ پر ہی اکتفا نہیں کیا جاتا تھا۔

بندہ مسکین عبدالحق بن سیف الدین (اللہ تعالیٰ اُس سے چشم پوشی فرمائے) کہتا ہے کہ قرآن مجید بالقطع والیقین صحابہ کے ہاں معلوم و مشہور اور اپنے ماسوا سے ممتاز و الگ تھا اور تمام صحابہ کے نزدیک مجمع علیہ تھا۔ قرآن پاک کی کوئی چیز اور کوئی آیت اُن کے نزدیک متشبہ نہ تھی صرف اتنی بات تھی کہ بعض حضرات کے نزدیک کچھ آیتیں ایسی تھیں جو بعض دوسروں کے پاس نہ تھیں۔ مگر اُس کے قرآن ہونے کا کوئی بھی منکر نہ تھا۔ ایسا بھی نہیں تھا کہ دوسروں کو اُس کی شناخت نہ ہو اس لیے حلف و شہادت کے ساتھ اُس کا قرآن ہونا ثابت کرتے تھے۔ حاشا و کلا ایسی بات بالکل نہ تھی بلکہ صحابہ کرامؓ قرآن پاک اپنی معجزانہ تالیف کی وجہ سے مشہور و ممتاز تھا۔ نظم و عبارت اور بالتحقیق اُس کے مشاہدہ سے جو کہ وہ حضور نبی پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام سے تیئس سال کے عرصے میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے اُس کی تلاوت سنتے اور کرتے آرہے تھے۔ لہٰذا انہیں قرآن پاک کی کسی بھی آیت کے قرآن ہونے میں کسی بھی قسم کا شک و اشتباہ نہ تھا۔ پھر صحابہ کرام کی ایک بڑی جماعت اس کی حافظ بھی تھی۔ لہٰذا قرآن مجید ہر قسم کی ملاوٹ سے محفوظ پاک تھا یہ تحقیقات اور تفتیشات تاکید اور مزید پختگی کے لیے تھیں جو کہ مضبوط اور قابل اعتماد چیز ہے۔ امام سیوطی حضرت حارث محاسبی رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کرتے ہیں کہ قرآن کی کتابت کوئی نئی چیز نہیں ہے بلکہ خود حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس کی کتابت کا حکم ارشاد فرماتے تھے صرف اتنی بات تھی کہ آپ کے زمانہ میں یہ قرآن پاک کاغذ کے مختلف ٹکڑوں وغیرہ اشیاء میں منتشر صورت میں تھا۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حکم دیا کہ مختلف جگہوں سے اسے اکٹھا کر کے کتابی شکل میں یکجا کر دیا جائے اس کی مثال یہ ہے کہ گویا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مکان میں قرآن کے بکھرے ہوئے اوراق پڑے تھے جو صحابہ نے پائے تو انہوں نے اُن سب کو جمع کر دیا اور رشتہ انتظام و ترتیب میں پرو دیا تاکہ اُن میں سے کوئی چیز گم نہ ہونے پائے۔

خطابی نے کہا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ایک قرآن کی شکل میں جمع نہ کرنے کی وجہ یہ تھی کہ آپ کو انتظار اور امید ہوتی تھی کہ شاید بعض احکام منسوخ ہو جائیں لہٰذا آپ قرآن کی آیتوں کی صرف تلاوت جاری رکھتے تھے۔ ایک کتاب کی شکل میں جمع نہیں فرماتے تھے۔ جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وصال مبارک سے نازل قرآن کا سلسلہ اختتام پذیر

ہو گیا تو اللہ تعالیٰ نے خلفائے راشدین رضی اللہ عنہ کو الہام فرمایا کہ وہ اسے کتابی شکل میں جمع کریں تاکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک کی حفاظت کا جو وعدہ صادق فرمایا تھا پورا ہو جائے۔ تو اس مبارک کام کی ابتدا حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مشورے سے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے کی۔

جاننا چاہیے کہ سورتوں کی ترتیب اور آیتوں کو اپنی اپنی جگہ رکھنا وحی کے ذریعے ہوا تھا حضرت جبرائیل علیہ السلام کسی واقعہ سے متعلق کوئی آیت لے کر جب آتے تھے تو کہتے تھے کہ اس کو فلاں سورت میں فلاں آیت کے بعد رکھا جائے اس بارے میں بہت سی احادیث موجود ہیں چنانچہ قرآن پاک کی ترتیب و جمع نقل متواتر کے ساتھ وقوع پذیر ہوئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اجماع صحابہ سے قرآن پاک کی یہی ترتیب مروی اور منقول ہے۔ اس میں شک و شبے کا شائبہ تک نہیں ہے لوح محفوظ میں بھی قرآن پاک اسی ترتیب سے لکھا ہوا موجود ہے وہاں سے حضرت جبرائیل علیہ السلام آسمان دنیا پر قرآن پاک لاتے تھے پھر وہاں سے حسب واقعات و ضرورت سورتوں اور آیات کو لے کر نازل ہوتے تھے نزول آیات کی ترتیب تلاوت کی ترتیب کے خلاف ہے۔ پھر حضرت جبرائیل ہر سال رمضان میں ایک بار تمام قرآن اسی ترتیب سے لاتے تھے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سامنے درس و تکرار کی صورت میں پڑھتے تھے۔ جس سال حضور نبی پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس عالم سے رحلت فرمائی اُس سال دو بار آپ قرآن لے کر آئے اور حضور علیہ السلام کے سامنے درس و تکرار کی صورت میں اس کی تلاوت فرمائی۔ (اِنَّهٗ لَكِتٰبٌ عزیز لا یاتیہ الباطل من بین یدیہ ولا من خلفہ تنزیل من حکیم حمید) ترجمہ۔ بے شک البتہ یہ عزت والی کتاب ہے باطل اس کے پاس نہیں آسکتا نہ اس کے آگے سے اور نہ اس کے پیچھے سے۔ یہ حکیم اور حمید ذات کی طرف سے اُتارا گیا ہے۔ اور جب حضرت زید ابن ثابت نے باتفاق صحابہ اس قرآن پاک کو متعدد صحیفوں میں جمع کر لیا تو پھر اُسے رکھ دیا گیا۔ مگر مصحف میں جمع کرنے کا اتفاق میسر نہ آسکا۔

۲۴ھ پھر حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسے ایک مصحف میں جمع کیا اور اُس کے متعدد نسخے لکھوا کر اسلامی ممالک میں بھیجے جیسا کہ آئندہ حدیث میں آرہا ہے۔

وَعَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ اَنَّ حُذَيْفَةَ بْنَ الْيَمَانِ قَدِمَ عَلٰى عُثْمَانَ وَكَانَ يُغَازِيْ اَهْلَ الشَّامِ وَفِيْ فَتْحِ اَرْمِيْنِيَةَ وَاَذْرَبِيْجَانَ مَعَ اَهْلِ الْعِرَاقِ فَاَفْزَعَ حُذَيْفَةَ اخْتِلَافُهُمْ فِيْ	حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بے شک حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت عثمان کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ فتح آرمینیہ کے سلسلے میں اہل شام سے جہاد کرنے گئے ہوئے تھے اسی طرح آپ اہل عراق سے علاقہ آذربیجان کے لوگوں سے بھی جہاد کرنے گئے ہوئے تھے حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

الْقِرَاءَةِ فَقَالَ حُذَيْفَةُ لِعُثْمَانَ
يَا اَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَدْرِكْ هٰذِهِ
الْاُمَّةَ قَبْلَ اَنْ يَخْتَلِفُوْا فِي
الْكِتَابِ اخْتِلَافَ الْيَهُوْدِ وَالنَّصَارٰى
فَاَرْسَلَ عُثْمَانُ اِلٰى حَفْصَةَ اَنْ
اَرْسِلِيْ اِلَيْنَا بِالصُّحُفِ نَنْسَخُهَا
فِي الْمَصَاحِفِ ثُمَّ نَرُدُّهَا اِلَيْكِ
فَاَرْسَلَتْ بِهَا حَفْصَةُ اِلٰى عُثْمَانَ
فَاَمَرَ زَيْدَ بْنَ ثَابِتٍ وَّعَبْدَ اللّٰهِ
ابْنَ الزُّبَيْرِ وَسَعِيْدَ بْنَ الْعَاصِ
وَعَبْدَ اللّٰهِ بْنَ الْحَارِثِ بْنِ
هِشَامٍ فَنَسَخُوْهَا فِي الْمَصَاحِفِ
وَقَالَ عُثْمَانُ لِلرَّهْطِ الْقُرَشِيِّيْنَ
الثَّلٰثَةِ اِذَا اخْتَلَفْتُمْ اَنْتُمْ وَ
زَيْدُ بْنُ ثَابِتٍ فِيْ شَيْءٍ مِّنَ الْقُرْاٰنِ
فَاكْتُبُوْهُ بِلِسَانِ قُرَيْشٍ فَاِنَّمَا
نَزَلَ بِلِسَانِهِمْ فَفَعَلُوْا حَتّٰى
اِذَا نَسَخُوا الصُّحُفَ فِي الْمَصَاحِفِ
رَدَّ عُثْمَانُ الصُّحُفَ اِلٰى حَفْصَةَ
وَ اَرْسَلَ اِلٰى كُلِّ اُفُقٍ بِمُصْحَفٍ
مِّمَّا نَسَخُوْا وَ اَمَرَ بِمَا سِوَاهُ
مِنَ الْقُرْاٰنِ فِيْ كُلِّ صَحِيْفَةٍ
اَوْ مُصْحَفٍ اَنْ يُّحْرَقَ قَالَ
ابْنُ شِهَابٍ فَاَخْبَرَنِيْ خَارِجَةُ
ابْنُ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ اَنَّهُ سَمِعَ

کو لوگوں کے قرآن پاک کی قراءت میں اختلاف سے
گھبراہٹ لاحق ہوئی تو حضرت حذیفہ نے حضرت عثمان غنی
رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا اے امیر المؤمنین اس امت کو بچائیے
اس سے پہلے کہ ان میں کتاب اللہ کے اندر اختلاف پیدا ہو۔
جیسا کہ یہود و نصاریٰ میں اختلاف پیدا ہوا تھا تو حضرت
عثمان نے حضرت حفصہ کی طرف کسی کو بھیجا کہ آپ تمام صحیفے
ہمارے پاس بھیج دیں تاکہ ہم انہیں مختلف مصحفوں میں لکھ
لیں، پھر آپ کے پاس سے لائے ہوئے صحیفے آپ کو
واپس کریں گے، ام المؤمنین حضرت حفصہ نے وہ تمام
صحیفے یعنی اوراق حضرت عثمان کے پاس بھیج دیے۔ پھر
حضرت عثمان نے حضرت زید ابن ثابت، حضرت عبداللہ
بن زبیر، حضرت سعید ابن عاص اور حضرت عبداللہ بن حارث
بن ہشام کو حکم دیا تو ان حضرات نے اُن صحیفوں اور
اوراق کو قرآن پاک کے چند نسخوں کی شکل میں تحریر فرمایا
حضرت عثمان نے تین قرشی حضرات سے فرمایا جب
تم میں اور زید ابن ثابت میں قرآن کے بارے میں کسی
جگہ اختلاف واقع ہو تو اُسے قریش کی زبان میں تحریر
کرنا کیونکہ قرآن پاک قریش کی زبان و لغت میں نازل
ہوا ہے، ان حضرات نے ایسا ہی کیا جب یہ حضرات
اُن صحیفوں اور اوراق کو قرآن کے چند نسخوں کی شکل میں لکھ
چکے تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے وہ صحیفے حضرت حفصہ
کو واپس کر دیے اور ہر نسخہ جو انہوں نے لکھا تھا مختلف
اسلامی علاقوں کی طرف بھیج دیا، حضرت عثمان نے یہ بھی حکم
دیا کہ ان موجودہ مصحفوں کے علاوہ جہاں جہاں اور
جس جس چیز پر بھی قرآن پاک کی آیتیں لکھی ہوئی ہیں،

زَيْدَ بْنَ ثَابِتٍ قَالَ فَقَدْتُ آيَةً مِّنَ الْأَحْزَابِ حِيْنَ نَسَخْنَا الْمُصْحَفَ قَدْ كُنْتُ أَسْمَعُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُ بِهَا فَالْتَمَسْنَاهَا فَوَجَدْنٰهَا مَعَ خُزَيْمَةَ بْنِ ثَابِتٍ الْأَنْصَارِيِّ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللهَ عَلَيْهِ فَأَلْحَقْنَاهَا فِيْ سُوْرَتِهَا فِي الْمُصْحَفِ۔

(رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

سب جلادی جائیں۔ ابن شہاب کہتے ہیں مجھے خارجہ بن زید بن ثابت نے خبر دی کہ بے شک انہوں نے زید ابن ثابت کو سنا کہ وہ کہتے تھے کہ سورہ احزاب کی ایک آیت گم ہو گئی جبکہ ہم قرآن پاک کا نسخہ لکھ رہے تھے حالانکہ میں وہ آیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کرتا تھا جب کہ آپ اس آیت کو پڑھتے تھے۔ ہم نے وہ آیت تلاش کرنا شروع کی تو اسے ہم نے حضرت خزیمہ بن ثابت انصاری کے پاس پایا اور اسے سورۃ احزاب میں قرآن پاک کے نسخے میں لکھ دیا۔

اسے بخاری نے روایت کیا۔

۱؎ یہاں حدیث میں لفظ ارمینیہ آیا ہے۔ ہمزہ کی زبر۔ را ساکن۔ میم کی زیر۔ پہلی یا ساکن۔ نون کی زیر۔ دوسری یا مخفف جیسا کہ کتاب المغنی میں ہے۔ قاموس میں ہمزہ کی زیر سے بیان کیا۔ کتاب جامع الاصول میں آیا ہے کہ ہمزہ کو تینوں حرکتوں (زبر، زیر پیش) سے پڑھا گیا ہے۔ دوسری یا کو شد سے پڑھنے کی بھی ایک روایت آئی ہے۔

۲؎ آذربیجان۔ ہمزہ کی مد۔ ذال کی زبر۔ را ساکن۔ با کی زیر پھر یا ساکن۔ اس کے بعد جیم۔ اس کلمہ کے حرف با کو زبر سے بھی پڑھا گیا ہے۔

۳؎ آپ کی گھبراہٹ کی وجہ یہ تھی کہ لوگ قرآن کو مختلف اور متعدد لغتوں میں پڑھ رہے تھے۔ اور انہوں نے اس میں وسعت پیدا کر رکھی تھی۔

۴؎ اور ان کی دستگیری کیجئے اس سے پہلے کہ امت میں اللہ تعالیٰ کی کتاب کے بارے میں اختلاف پیدا ہو۔

۵؎ کہ انہوں نے اپنی اپنی کتابوں میں کئی طرح کی تبدیلیاں اور تحریفیں کر لی تھیں۔ علماء نے یہود و نصاریٰ کی تبدیلیوں اور تحریفوں کے بارے میں کہا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی کتابوں کی حفاظت و نگہداشت خود ان کے ذمہ لگائی تھی۔ جیسا کہ فرمایا بِمَا اسْتُحْفِظُوْا مِنْ كِتَابِ اللهِ (اس وجہ سے کہ کتاب اللہ کی حفاظت ان کے ذمہ لگائی گئی تھی) تو وہ ان کی حفاظت نہ کر سکے۔ اور اس ذمہ داری کو محسوس نہ کیا اس لیے لامحالہ ان کی کتابوں میں جا بجا تبدیلیاں اور تحریفات واقع ہو گئیں۔ اس کے برعکس قرآن مجید کی شان میں فرمایا۔ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُوْنَ۔ کہ بے شک ہم ہی

اس کی حفاظت کرنے والے ہیں غرض اللہ تعالیٰ خود اپنی اس آخری کتاب کا حافظ و نگہبان بن گیا جس کی بدولت قرآن مجید میں کسی قسم کا خلل، اور تغیر و تبدل محال و ناممکن ہو گیا۔

۶؎ یعنی جو صحیفے اور اوراق آپ کے پاس ہیں، وہ ہمیں بھیج دیں۔

۷؎ ان میں حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ انصار میں سے ہیں۔ باقی تین حضرات مکی اور خاندان قریش میں سے ہیں۔

۸؎ یعنی اگر لغات قرآن میں کسی جگہ تم میں اختلاف پیدا ہو۔

۹؎ پہلے مذکور ہو چکا ہے کہ قرآن مجید قریش کی لغت و زبان اور ان کے لہجہ میں نازل ہوا۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں التماس اور گزارش کرنے سے اس میں وسعت و گنجائش دی گئی۔ اور اس امر کی رخصت مل گئی کہ ہر شخص اپنی لغت و لہجہ میں پڑھ لے۔ اب امیر المومنین حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے باتفاق صحابہ کرام لوگوں کے اختلاف کے خطرہ کے تحت قریش کی لغت کے علاوہ باقی تمام لغات کو کالعدم قرار دے دیا اور صرف لغت قریش میں پڑھنے کی اجازت برقرار رکھی۔ قرآن کے لغت قریش میں نازل ہونے کا یہی معنیٰ ہے۔

۱۰؎ یعنی حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے دیا۔ اسلام کے علاقے میں ان لکھے ہوئے قرآن کے نسخوں میں سے ایک ایک نسخہ بھیج دیا۔ یہاں حدیث میں لفظ اُفق آیا ہے۔ ہمزہ اور فا کی پیش سے۔ بعض روایات میں فا کی جزم سے بھی آیا ہے بمعنیٰ گوشہ اور جانب۔ یا افق سے آسمان کا کنارہ مراد ہے۔ جہاں سے ستارے طلوع کرتے اور غروب ہوتے ہیں۔ جبکہ ہر علاقے اور شہر کے افق و کنارے مختلف ہیں۔ اس لیے انہیں آفاق و بلاد بھی کہتے ہیں۔

۱۱؎ یا انہیں ٹکڑے ٹکڑے کر کے مختلف کر دیا جائے۔ تلف کردہ صحیفوں سے ظاہراً وہ صحیفے مراد لیے گئے ہیں جو کاغذوں کے مختلف ٹکڑوں اور مختلف شاخوں کے چھلکوں وغیرہ پر لکھے ہوئے تھے۔ اس قسم کے جتنے بھی صحیفے اور متفرق اوراق تھے چاہے وہ حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس ہی تھے۔ سب کے تلف کرنے کا حکم صادر فرمایا۔ یہاں حدیث میں لفظ یُحرق۔ حا اور خا دونوں روایتیں ہیں۔ ہو سکتا ہے یہ اختلاف راوی کے شک کی وجہ سے ہو۔ تاہم حا کی روایت اکثر ہے۔ حدیث پاک کا ظاہر یہ ہے کہ جو کچھ حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس تھا۔ وعدہ پورا کرنے کے بعد اُسے حضرت حفصہ کو واپس کر دیا۔ اور متفرق اوراق جلا دیے گئے۔ پھر اس امر میں اختلاف ہے کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو قرآن پاک کے نسخے لکھوا کر مختلف علاقوں میں بھیجے اُن کی تعداد کیا تھی۔ مشہور یہ ہے کہ پانچ نسخے تیار کرائے گئے۔ ابو داؤد فرماتے ہیں میں نے ابو حاتم سجستانی سے سنا وہ کہتے تھے کہ سات نسخے تیار کیے گئے جو مختلف علاقوں میں بھیجے گئے یعنی ایک نسخہ مکہ شریف ایک ملک شام ایک یمن ایک بحرین ایک بصرے اور ایک کوفے بھیجا گیا اور ایک نسخہ مدینہ پاک میں ہی محفوظ رکھا گیا۔

۱۲ؒ یعنی ابن شہاب زہری نے مجھے بتایا کہ حضرت خارجہ جو کہ حضرت زید ابن ثابت کے بیٹے اور علمائے تابعین میں سے اونچے درجے کے عالم تھے نیز مدینہ طیبہ کے سات فقہا میں سے ایک تھے۔

۱۳ؒ ظاہر یہ ہے کہ یہ گمشدگی اُس وقت واقع ہوئی تھی جبکہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانے میں قرآن پاک لکھا گیا تھا۔ یہ بات بھی معلوم ہو چکی ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانے میں قرآن پاک کی لکھائی اور تیاری صحابہ کرام کے اتفاق سے ہوئی تھی۔ اگرچہ اُس کے لکھنے لکھانے کی ذمہ داری حضرت زید ابن ثابت رضی اللہ عنہ کے سپرد تھی۔

۱۴ؒ جو کہ صاحب شہادتین ہیں۔ وہ آیت یہ تھی۔ (مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ)

۱۵ؒ یعنی ہم نے یہ آیت اُس سورت میں درج کر دی۔ اسی قسم کا کلام سورہ توبہ کی آیت کے بارے میں بھی گزر چکا ہے۔ مقصود یہ ہے کہ ہم نے اس گمشدہ آیت کو تلاش کیا تو ہمیں یہ آیت حضرت خزیمہ رضی اللہ عنہ سے مل گئی۔ جیسا کہ گزشتہ بیان سے معلوم ہو چکا ہے۔

تنبیہ۔ علمائے کرام فرماتے ہیں کہ قرآن پاک کو تین بار جمع کیا گیا ایک تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے۔ مگر وہ ایک قرآن کی شکل میں جمع نہ کیا گیا۔ بلکہ متفرق چیزوں پر لکھا گیا۔ دوسری مرتبہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے سامنے جمع کیا گیا۔ حضرت عبد خیر جو کہ حضرت علی مرتضی رضی اللہ عنہ کے پیروکاروں میں سے ایک ہیں، سے روایت ہے کہ میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو یہ کہتے سنا کہ قرآن مجید جمع کرنے کے بارے میں اجر و ثواب کے لحاظ سے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ عظیم ترین شخصیت ہیں۔ اللہ تعالیٰ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر رحمتیں نازل فرمائے آپ سب سے پہلے شخص ہیں جنہوں نے اللہ عزوجل کی کتاب مبارک قرآن پاک کو یکجا کیا۔ پھر تیسری بار حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جمع کیا آپ نے صحابہ کرام کو جمع کیا تو انہوں نے قریش کی لغت میں قرآن پاک کے چند نسخے تیار کیے اور ہر علاقے کی طرف قرآن کا ایک نسخہ بھیجا۔ یہ کام ۲۵ھ ہجری میں تکمیل کو پہنچا۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بسند صحیح یہ بھی مروی ہے کہ آپ نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے متعلق فرمایا "عثمان کے بارے میں خیر کے سوا کوئی بات نہ کہو۔ خدا کی قسم انہوں نے جو کچھ کیا مگر صحابہ کرام کی جماعت کے سامنے اور ان کے اتفاق سے"

حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ بھی فرمایا کہ ان قاریوں کی شان میں تم لوگ کیا کہتے ہو۔ یہ امر واقع ہے کہ مجھ تک یہ بات پہنچی ہے کہ بعض قاری کہہ رہے ہیں میری قراءت تیری قراءت سے بہتر ہے۔ نزدیک ہے یہ بات کفر میں شمار ہو جائے۔ ہم لوگوں نے کہا اے عثمان پھر آپ کی اس بارے میں کیا رائے ہے اور آپ کس چیز میں مصلحت دیکھتے ہیں آپ نے فرمایا میں یہ مناسب سمجھتا ہوں کہ سب لوگوں کو ایک قرآن پر جمع کیا جائے تاکہ اس میں کوئی انتشار یا اختلاف نہ ہے۔ ہم لوگوں نے کہا یہ اچھی بات ہے جو کچھ کہ آپ نے محسوس کی ہے۔ حضرت علی مرتضی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں

اگر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ وہ نہ کرتے جو انہوں نے کیا تو وہ کام مجھے کرنا پڑتا۔ حضرت علی کا کلام ختم ہوا۔
علماء فرماتے ہیں کہ حضرت ابوبکر کے جمع قرآن اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما کے جمع کرنے میں فرق یہ ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس خطرے کے تحت قرآن پاک کو جمع کیا کہ اس کا کوئی حصہ ادھر ادھر پڑے ہونے کی وجہ سے ضائع نہ ہو جائے اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قرآن پاک کو جمع کرکے اس لیے کتابی شکل دی تاکہ اس میں کسی قسم کا اختلاف واقع نہ ہو۔ حضرت حارث محاسبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ لوگوں میں مشہور یہ ہے کہ قرآن پاک کے جامع حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ ہیں۔ حالانکہ حقیقت یہ نہیں ہے۔ کیونکہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جو کام کیا صرف یہ تھا کہ سب لوگوں کو لغت قریش پر جمع کر دیا۔ جبکہ آپ کو ڈر لاحق ہوا کہ اہل عراق اور اہل شام حروف قرارت میں فتنے میں مبتلا نہ ہو جائیں۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے جمع کرنے سے پہلے قرآن پاک سات لغتوں میں نازل ہوا یعنی پڑھا جاتا تھا۔ لوگوں کی آسانی اور سہولت کے لیے اور جب اس کی ضرورت نہ رہی اور سب کے لیے لغت قریش میں قرآن کا پڑھنا آسان ہو گیا تو آپ نے سب کو ایک ہی لغت پر اکٹھا کر دیا جس میں اصل نزول قرآن ہوا تھا۔ لیکن امر واقع یہ ہے کہ قرآن پاک کو کتابی شکل میں جمع کرنے والے سب سے پہلے شخص حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں۔ حارث محاسبی کا کلام ختم ہوا۔

یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی قرآن کو ترتیب نزول کے مطابق جمع فرمایا۔
علماء نے کہا ہے اگر حضرت علیؓ کا جمع کردہ قرآن لوگوں کے معمول میں داخل ہوتا تو مشہور ہوتا اور اس سے لوگوں کو علم کثیر حاصل ہوتا یعنی لوگوں کو ناسخ و منسوخ کی پہچان ہو جاتی جو کہ ایک ضروری علم ہے۔ گمان یہی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لوگوں کے اختلاف کے ڈر سے اپنے تیار کردہ نسخے سے کام نہ لیا۔ تاکہ سب لوگ ایک طریقے اور ایک طرز تحریر پر اکٹھے ہو جائیں۔ واللہ اعلم۔

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قُلْتُ لِعُثْمَانَ مَا حَمَلَكُمْ عَلَى أَنْ عَمَدْتُمْ إِلَى الْأَنْفَالِ وَهِيَ مِنَ الْمَثَانِي وَإِلَى بَرَاءَةَ وَهِيَ مِنَ الْمِئِينَ فَقَرَنْتُمْ بَيْنَهُمَا وَلَمْ تَكْتُبُوا سَطْرَ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ وَوَضَعْتُمُوْهَا فِي السَّبْعِ الطُّوَلِ مَا حَمَلَكُمْ

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے عرض کیا آپ کو کس چیز نے سورہ انفال کی طرف رخ کرنے پر آمادہ کیا ..... حالانکہ وہ مثانی میں سے ہے۔ اسی طرح سورہ براءۃ کی طرف تمہارا رخ کس وجہ سے ہوا ..... حالانکہ براءۃ ان سورتوں میں سے ہے جو کہ سو آیتوں پر مشتمل ہے تم نے ان دونوں سورتوں کو آپس میں جوڑ دیا ہے اور تم نے ان کے درمیان بسم اللہ الرحمن الرحیم کی سطر نہیں لکھی اور

عَلٰی ذٰلِكَ قَالَ عُثْمَانُ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِمَّا يَأْتِيْ عَلَيْهِ الزَّمَانُ وَهُوَ تَنْزِلُ عَلَيْهِ السُّوَرُ ذَوَاتُ الْعَدَدِ وَكَانَ إِذَا نَزَلَ عَلَيْهِ شَيْءٌ دَعَا بَعْضَ مَنْ كَانَ يَكْتُبُ فَيَقُوْلُ ضَعُوْا هٰؤُلَاءِ الْاٰيَاتِ فِي السُّوْرَةِ الَّتِيْ يُذْكَرُ فِيْهَا كَذَا وَكَذَا فَإِذَا نَزَلَتْ عَلَيْهِ الْاٰيَةُ فَيَقُوْلُ ضَعُوْا هٰذِهِ الْاٰيَةَ فِي السُّوْرَةِ الَّتِيْ يُذْكَرُ فِيْهَا كَذَا وَكَذَا وَكَانَتِ الْاَنْفَالُ مِنْ اَوَائِلِ مَا نَزَلَتْ بِالْمَدِيْنَةِ وَكَانَتْ بَرَاءَةٌ مِنْ اٰخِرِ الْقُرْاٰنِ نُزُوْلًا وَكَانَتْ قِصَّتُهَا شَبِيْهَةً بِقِصَّتِهَا فَقُبِضَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَمْ يُبَيِّنْ لَنَا اَنَّهَا مِنْهَا فَمِنْ اَجْلِ ذٰلِكَ قَرَنْتُ بَيْنَهُمَا وَلَمْ اَكْتُبْ سَطْرَ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ وَوَضَعْتُهَا فِي السَّبْعِ الطُّوَلِ۔

(رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْ دَاوُدَ) -

تم نے سورہ انفال یا توبہ کی سات لمبی سورتوں میں رکھ دیا ہے ایسا کرنے پر کس چیز نے آپ کو آمادہ کیا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے جواب میں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایسا وقت بھی آتا تھا کہ آپ پر ایسی سورتیں نازل ہوتی تھیں جن میں بہت سی آیتیں ہوتی تھیں جب آپ پر کوئی آیت نازل ہوتی تھی تو آپ بعض ایسے لوگوں کو بلاتے تھے جو لکھنا جانتے تھے آپ انہیں فرماتے کہ ان آیتوں کو اس سورت میں رکھو جس میں ایسا ایسا ذکر آیا ہے۔ جب آپ پر کوئی آیت نازل ہوتی تھی آپ فرماتے تھے کہ اس آیت کو فلاں سورت میں رکھو۔ جس میں یہ یہ ذکر آیا ہے۔ اور سورۂ انفال اُن سورتوں میں سے ہے جو سب سے پہلے مدینہ پاک میں نازل ہوئیں۔ اور سورہ براءۃ (توبہ) نزول کے لحاظ سے قرآن کی آخری سورت ہے۔ سورۂ انفال اور سورہ براءۃ دونوں کے مضامین آپس میں ملتے جلتے تھے اس دوران رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے اٹھا لیے گئے اور آپ نے اس امر کی وضاحت نہ فرمائی کہ سورۂ انفال سورہ براءۃ میں سے ہے یا اُس سے علیحدہ ہے تو مضامین کی مطابقت کی بناء پر دونوں کو ملا دیا گیا اور دونوں کے درمیان میں نے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کی سطر نہ لکھی اور میں نے ان دونوں کو سات لمبی سورتوں میں رکھ دیا۔[1]

اسے احمد ترمذی اور ابوداؤد نے روایت کیا۔

[1] یعنی سورۃ انفال اُن سات لمبی سورتوں میں سے ہے جنہیں پڑھا جاتا ہے۔

۲ یہاں حدیث میں لفظ مثین آیا ہے جو مائیۃ کی جمع ہے یعنی سو، یہ ان سورتوں کا نام ہے جو کہ سورہ فاتحہ کے بعد آتی ہیں چونکہ یہ سورتیں سو سے زیادہ یا سو کے قریب آیتوں پر مشتمل ہیں۔ لہٰذا ان کے لیے یہ لفظ استعمال کیا گیا۔ کئی سو آیتوں والی سورتوں کے بعد وہ سورتیں ہیں جنہیں ثوانی کہتے ہیں۔ یہ وہ سورتیں ہیں جن کی آیتیں سو سے کم ہیں۔ تو گویا ثوانی سورتیں کئی آیتوں والی سورتوں کے تابع ہیں اور کئی سو والی سورتیں ان سے پہلے ہیں۔ یا ان سورتوں کو مکرر اور بار بار پڑھا جاتا ہے اور یہ کئی سو آیتوں والی سورتوں سے زیادہ ہیں پھر ثوانی کے بعد مفصل سورتیں ہیں۔ قرآنی سورتوں کی تقسیم اور ان کے اسماء علماء نے ایسے ہی بیان فرمائے ہیں جیسا کہ امام سیوطی نے اپنی تفسیر الاتقان میں بیان فرمایا ہے پس حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے کہا کہ آپ نے سورہ انفال کو مثانی میں داخل فرمایا ہے جو کہ سات لمبی سورتوں کا نام ہے اور سورہ براءۃ کو اُن سورتوں میں سے شمار کیا ہے جو کئی سو آیتوں پر مشتمل ہیں۔ حالانکہ سورۂ انفال سورہ براءۃ سے چھوٹی ہے اور اگر تم نے سورہ انفال کو انہی سورتوں میں سے شمار کر لیا ہے تو ان سورتوں کے درمیان تم نے بسم اللہ شریف نہیں لکھی۔

۳ یہاں حدیث میں لفظ ذالک آیا ہے بعض نسخوں میں ذالکم آیا ہے۔ تو گویا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے دو سوال کیے۔ اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے اُس کا جواب ارشاد فرمایا جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ان دو سورتوں کے بارے میں یہ شبہ موجود ہے کہ یہ دونوں ایک ہی سورت ہیں اس حیثیت سے سورہ انفال کو سات لمبی سورتوں میں شامل کر لیا گیا ہے۔ اور اس بنا پر درمیان میں بسم اللہ شریف نہ لکھنا بھی درست ہوا۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ یہ دونوں دو سورتیں ہیں اس بناء پر دونوں کے درمیان ہم نے فاصلہ بھی چھوڑ دیا۔

۴ یعنی وحی اور سورتوں کو لکھتے تھے جیسا کہ حضرت زید ابن ثابت وغیرہم رضی اللہ عنہ

۵ بظاہر یہ دو فقرے مکرر دکھائی دیتے ہیں دونوں میں کوئی فرق معلوم نہیں ہوتا ہاں اتنا فرق محسوس ہوتا ہے کہ پہلے فقرے میں لفظ آیات آیا ہے دوسرے میں لفظ آیت۔ مقصود دونوں سے تقریر و تاکید ہے۔

۶ کیوں کہ اس میں غزوہ بدر کا ذکر ہے۔

۷ کہ اس میں منافقین کی ذلت و خواری کا ذکر ہے نیز اس میں مشرکین کو مسجد حرام میں داخل ہونے سے بھی رد کا گیا ہے۔

۸ کیوں کہ دونوں سورتوں میں دین کی بلندی، مشرکین و منافقین کی ذلت و خواری کا ذکر ہے۔

۹ لیکن دونوں کے متحد یا متعدد ہونے کے احتمال و اشتباہ کی بناء پر ہم نے دونوں میں فاصلہ چھوڑ دیا مگر اس فاصلے کا یہاں صریحاً ذکر نہیں کیا کیونکہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا سوال دو سورتوں کے بارے میں اور اُن کے درمیان بسم اللہ شریف نہ لکھنے سے متعلق تھا ہو سکتا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا سوال یوں ہو اور آپ کا قول کہ وہ مثانی میں سے ہے اور براءۃ کئی سو والی سورتوں میں سے ہے" مطلب کو قریب کرنے کے لیے ہو یا وہ واقعہ کا بیان ہو کہ تقدیم و تاخیر سے

متعلق سوال ہو۔ اس میں غور کرو۔

سلہ اللہ تعالیٰ کی مدد اور اس کی توفیق سے فضائل قرآن کا بیان تکمیل کو پہنچا۔ اس کے متصل بعد باب کتاب الدعوات کا بیان شروع ہو رہا ہے۔

کِتَابُ الدَّعْوَاتِ

دعاؤں کا باب

واضح ہو کہ قرآن و حدیث میں دعا کرنے کا حکم آیا ہے۔ ظاہر یہ ہے کہ یہ حکم جواز یا استحباب کے لیے ہے۔ لازمی حکم نہیں ہے مگر نزول بلا یا خوف کے وقت دعا کرنا انبیاء علیہم السلام اور ان کے متبعین رحمہم اللہ اجمعین کی سنت اور ان سے منقول و ماثور ہے اور دعا سے خاموشی اختیار کرنا، اللہ کے علم اور اس کی تقدیر پر اکتفاء کرنا بھی آیا ہے جیسا کہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ صلوٰۃ اللہ وسلامہ علیہ کا قول مبارک حسبی من سوالی علمہ بحالی یعنی میرے سوال کرنے سے اُس کا علم میرے حال کے لیے کافی ہے (حضرت ابراہیم علیہ السلام) نے یہ کلمات حضرت جبرائیل علیہ السلام کو اُس وقت کہے جب کہ کافر آپ کو آگ میں ڈالنے لگے تو حضرت جبرائیل نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے عرض کیا آپ خدا سے دعا کریں کہ وہ آپ کو اس مصیبت سے بچائے آپ نے اُس وقت فرمایا اللہ تعالیٰ کا میرے حال کو جاننا میرے لیے سوال کرنے سے کافی ہے۔

حضرت شیخ ابن عطاء اللہ اسکندری رحمۃ اللہ علیہ اپنی تالیف کتاب الحکم میں فرماتے ہیں کہ بسا اوقات اللہ تعالیٰ اپنے مقرب بندوں کی رہنمائی فرماتا ہے تو وہ ذاتِ الٰہی کا ادب ملحوظ رکھتے ہوئے اُس سے کوئی چیز طلب نہیں کرتے بلکہ قسمت پر اعتماد کرتے اور سوال کرنے کے بجائے اُس کے ذکر میں مشغول رہتے ہیں۔ امام ابوالقاسم قشیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں لوگوں نے اس امر میں اختلاف کیا ہے کہ دعا افضل ہے یا سکوت و رضا بہتر ہے بعض کہتے ہیں افضل دعا کیونکہ اپنی حد ذات میں عبادت ہے جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا الدعاء مخ العبادۃ۔ یعنی دعا عبادت کا مغز ہے لہٰذا دعا نہ کرنے کی بجائے کرنا بہتر ہے کیونکہ اس حدیث کے مطابق یہ اعلیٰ درجہ کی عبادت ہے۔ دعا کرنا خدا کا حق ہے آگے اُسے قبول نہ کرنا اُس کی مرضی ہے اور بندہ کی حاجت دعا کے نہ قبول ہونے کی بنا پر پوری نہیں بھی ہوتی تو بھی دعا کے ذریعے بندہ اپنے پروردگار کا حق ادا کرنے میں مصروف ہوتا ہے کیونکہ اپنی محتاجی کا اظہار اپنے بندہ ہونے کی بہترین صورت کا اظہار ہے۔ حضرت ابو حازم اعرج رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں "دعا سے محروم ہونا (دعا نہ کرنا) میرے نزدیک دعا قبول نہ ہونے سے بھی زیادہ سخت ہے"۔ ایک گروہ اس طرف گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم اتم و اکمل پر اعتماد کرتے ہوئے سکوت و گمنامی اختیار کرنا زیادہ بہتر ہے۔

اور حق عزوجل کی تقدیر پر راضی رہنا اور دعا نہ کرنا اولیٰ وافضل ہے۔ واسطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "جو کچھ بندے کے لیے ازل میں فیصلہ ہو چکا ہے اس پر راضی رہنا زیادہ بہتر ہے۔ بجائے اس کے کہ انسان اپنے وقت وحال کو دیکھ کر گھبرا جائے اور اللہ تعالیٰ سے تکرار شروع کر دے"

ایک حدیث میں آیا ہے کہ جسے میرے ذکر نے میرے آگے دعا کرنے سے روکا میں اس کو اُس سے بہتر اور زیادہ دیتا ہوں جو میں مانگنے اور دعا کرنے والوں کو دیتا ہوں۔ ایک گروہ یہ کہتا ہے کہ بندے کو چاہیے کہ زبان سے صاحبِ دعا ہو اور دل سے صاحب رضا کہ اپنے لیے دونوں حالتیں جمع کرے۔

امام قشیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں بہتر یہ ہے کہ کہا جائے اوقات وحالات مختلف ہوتے ہیں بعض اوقات خاموشی سے دعا بہتر ہوتی ہے اور ادب بھی اسی میں ہوتا ہے۔ بعض حالات میں دعا کی نسبت خاموشی افضل ہوتی ہے اور وہی ادب ہوتا ہے اور یہ چیز وقت کے مطابق پہچانی جاتی ہے کیونکہ آنے والے وقت کا علم اُسی وقت میں حاصل ہوتا ہے۔ پس اگر اپنے دل میں دعا کرنے کا اشارہ پائے تو دعا افضل ہے اور خاموش رہنے کا اشارہ پائے تو خاموشی بہتر ہے۔ حضرت قشیری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا صحیح یہ ہے کہ کہا جائے کہ بندے کو چاہیے کہ اپنے پروردگار کے شہود وحضور سے کسی وقت بھی غافل نہ ہو اور نہ اُسے بھولے دعا کے وقت بھی اس کی یہی حالت ہونی چاہیے تو چاہیے کہ اپنے حال پر نگاہ ڈالے اگر یہ محسوس کرے کہ دعا میرے اندر کشادگی اور زیادہ قرب کا باعث بن رہی ہے تو چاہیے کہ اپنے حال پر نگاہ ڈالے اگر دل کی طرف رجوع کرنے سے یوں محسوس کرے کہ دعا کرنے سے طبیعت میں ڈانٹ اور تنگی محسوس ہو رہی ہے تو پھر ایسے وقت میں دعا نہ کرنا بہتر ہے اور اگر دل میں نہ تو کشادگی پائے نہ تنگی تو ایسی حالت میں دعا کرنا یا نہ کرنا دونوں برابر ہیں۔ اسی طرح اگر کسی وقت علم کا غلبہ ہو تو دعا افضل ہے کیونکہ دعا عبادت ہے اور اگر کسی وقت دل پر معرفت اور حال کا غلبہ ہو تو خاموشی بہتر ہے۔ یہ بھی صحیح ہے کہ یوں کہا جائے کہ جس چیز میں کسی مسلمان کا یا خدا کا حق ہو اس میں دعا افضل ہے اور جس چیز میں نفس کا حصہ ہو اُس سے خاموشی بہتر ہے۔ حدیث میں آیا ہے بندہ دعا کرتا ہے اور خدائے تعالیٰ اسے دوست رکھتا ہے تو اللہ تعالیٰ جبرائیل سے فرماتا ہے اس کی دعا کی قبولیت میں دیر کر اور اس کی حالت میں توقف کر کیونکہ میں پسند کرتا ہوں کہ میں اپنے بندے کی آواز سنتا رہوں اور کبھی ایک بندہ دعا کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس بندے کو اپنا دشمن جان رہا ہوتا ہے تو خدائے تعالیٰ جبرائیل سے فرماتا ہے اس کی حاجت جلد پوری کر کیونکہ میں اس کی آواز سننا نہیں چاہتا۔ امام قشیری کا کلام ختم ہوا۔

واضح ہو کہ رسالہ تسلیۃ المصاب[1] میں دعا کے کرنے یا نہ کرنے اور اُس کے موقع ومحل کے بارے میں کلام طویل

---

[1] یہ رسالہ حضرت شیخ عبدالحق محدث مولف اشعۃ اللمعات رحمۃ اللہ علیہ کا تالیف کردہ رسالہ ہے۔ جو حضرت شیخ قدس سرہ کے مکتوبات میں موجود ہے۔ مترجم غفر اللہ تعالیٰ عنہ۔

حادی اور کامل کردیا ہے تفصیل دیکھنی ہو تو وہاں سے دیکھ لی جائے۔ دعا کی دوسری شرائط آداب اوقات اور قبولیت کی حالتیں اس باب میں واقع احادیث کی شرح کے ضمن میں معلوم ہو جائیں گی۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لِکُلِّ نَبِیٍّ دَعْوَةٌ مُّسْتَجَابَةٌ فَتَعَجَّلَ کُلُّ نَبِیٍّ دَعْوَتَهٗ وَاِنِّیْ اخْتَبَأْتُ دَعْوَتِیْ شَفَاعَةً لِاُمَّتِیْ اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَةِ فَهِیَ نَائِلَةٌ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ مَنْ مَّاتَ مِنْ اُمَّتِیْ لَا یُشْرِكُ بِاللّٰهِ شَیْئًا۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَ لِلْبُخَارِیِّ اَقْصَرُ مِنْهُ)

پہلی فصل

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر نبی کی ایک دعا ضرور قبول ہوتی ہے[۱]۔ تو ہر نبی نے دعا کرنے میں جلدی کی[۲] اور بے شک میں نے چھپائے رکھا ہے اپنی دعا کو قیامت کے دن اپنی اُمت کی شفاعت کے لیے۔ تو وہ دعا انشاء اللہ تعالیٰ پہنچ کر (قبول ہو کر) رہے گی۔ ہر اُس شخص کے لیے جو میری اُمت میں سے مرے گا اس حالت میں کہ اُس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی شے کو شریک نہیں کیا ہوگا یعنی جس کی موت ایمان پر واقع ہوئی ہوگی[۳]۔ اسے مسلم نے روایت کیا اور بخاری کے الفاظ مسلم کے الفاظ سے مختصر ہیں[۴]۔

[۱] یعنی اللہ تعالیٰ کی سنت اسی طرح جاری ہے کہ وہ اپنی امت کے حق میں ہر پیغمبر کو دعا کرنے کی اجازت دیتا ہے یا اُن کے خلاف دعا کرنے کو کہتا ہے جسے وہ ضرور قبول فرماتا ہے۔

[۲] یعنی ہر نبی نے دنیا میں ہی اُس کی قبولیت کو پا لیا۔

[۳] یعنی جو دنیا سے ایمان کے ساتھ گیا اگرچہ گناہ گار ہی ہو۔ انبیاء علیہم السلام کی باقی دعائیں، بعض کہتے ہیں وہ بھی سب کی سب قبول ہوتی ہیں۔ مگر یہ تحقیقی بات نہیں ہے کیونکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میں نے اپنی اُمت کے لیے تین چیزیں مانگیں جن میں سے دو چیزیں مجھے عطا کر دی گئیں اور ایک سے روک دیا گیا جیسا کہ آئندہ حدیث میں آرہا ہے۔ واللہ اعلم۔

[۴] یعنی اس حدیث کو ان الفاظ سے مسلم نے روایت کیا۔ بخاری نے ان سے مختصر تر الفاظ میں یہ حدیث روایت کی۔

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے فرماتے

اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اتَّخَذْتُ عِنْدَكَ عَهْدًا لَّنْ تُخْلِفَنِيْهِ فَاِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ فَاَيُّ الْمُؤْمِنِيْنَ اٰذَيْتُهٗ شَتَمْتُهٗ لَعَنْتُهٗ جَلَدْتُّهٗ فَاجْعَلْهَا لَهٗ صَلٰوةً وَّ زَكٰوةً وَّ قُرْبَةً تُقَرِّبُهٗ بِهَآ اِلَيْكَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے اللہ بے شک میں نے تجھ سے ایک وعدہ لے رکھا ہے جس کی تو ہرگز مجھ سے خلاف[1] ورزی نہ کرے گا اور واقع یہ ہے کہ بیشک میں بشر ہوں[2] تو ایمان والوں میں سے جسے بھی مجھ سے تکلیف پہنچے اس کے بارے میں میری زبان پر گالی آجائے یا اس کی کو لعنت کروں یا اسے کوڑے لگاؤں[3] تو میری ان تمام چیزوں کو اس کے لیے رحمت و پاکیزگی اور اپنی درگاہ میں قرب کا ذریعہ بنانا اور اسے قیامت[4] کے دن اپنے قرب میں جگہ دینا۔ (بخاری و مسلم)

[1] اس سے مقصود دعا کی قبولیت اور اس کی تاکید مقصود ہے اور اپنی اُمید کو نمایاں کرنا ہے گویا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا خدا کے ساتھ ایسا عہد ہو چکا ہے جو کبھی نہ ٹوٹے گا اور اللہ تعالیٰ نے آپ سے ایسا وعدہ فرمالیا ہے جس کی اللہ تعالیٰ ہرگز خلاف ورزی نہیں کرے گا۔

[2] کہ مجھے بھی کبھی بہ تقاضائے بشریت غصہ آجاتا ہے اور بشریت کے تقاضے جن کا کچھ حصہ میرے اندر باقی رکھا گیا ہے اُن میں مصلحتیں ہیں جن کی بنا پر مجھے غصہ آجاتا ہے۔

[3] یہاں حدیث میں لفظ جَلَدْتُّ آیا ہے جو جلد سے نکلا ہے جس کا معنیٰ ہے انسان کے چمڑے پر کوڑے لگانا۔

[4] یہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی اُمت مرحومہ پر کمال شفقت و مہربانی ہے جو آپ برے عمل کرنے والوں پر بھی فرماتے ہیں۔ اس سے اندازہ کرنا چاہیے کہ اُمت کے نیکوکار لوگوں پر حضور علیہ السلام کی شفقت و مہربانی کس قدر زیادہ ہوگی۔ مطلب یہ ہوا کہ جو لوگ اذیت دینے کے مستحق ہیں اور جو مستحق نہیں سب پر میری کمالِ شفقت و مہربانی ہے یہ مفہوم رحمت اور رفعت کے باب میں بہت ہی مکمل اور بلیغ ہے یہ بھی احتمال ہے کہ یہ حکم اُن لوگوں کے ساتھ خاص ہو جو اذیت پہنچنے کے مستحق نہیں۔ واللہ اعلم۔

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا دَعَا اَحَدُكُمْ فَلَا يَقُلْ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِيْ اِنْ شِئْتَ ارْحَمْنِيْ اِنْ شِئْتَ ارْزُقْنِيْ

۱ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے۔ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی شخص دعا کرے تو یوں نہ کہے کہ اے اللہ اگر تو چاہتا ہے تو مجھے بخش دے۔ اگر تو چاہتا ہے تو مجھ پر رحم فرما اگر تو چاہتا ہے تو مجھے رزق[1] عطا کر۔

اِنْ شِئْتَ وَ لْيَعْزِمْ مَسْئَلَتَهٗ اِنَّهٗ يَفْعَلُ مَا يَشَاءُ لَا مُكْرِهَ لَهٗ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

بلکہ اپنی طلب و سوال میں[۲] یقین کو بروئے کار لائے یعنی میرا یقین ہے کہ تو میری ان دعاؤں کو قبول کرے گا۔ بے شک اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے کرتا ہے اور اُسے کوئی مجبور نہیں کر سکتا۔ (بخاری)

[۱] یعنی دعا کرنے اور اللہ تعالیٰ سے طلب کرنے میں شک و تردد نہ کرے اور اللہ تعالیٰ کی مشیت اور چاہت کے ساتھ متعلق نہ کرے۔

[۲] یعنی طلب وسوال میں یقین کو کام میں لائے۔ یہاں حدیث میں لفظ لیعزم آیا ہے۔ لغت کی مشہور کتاب صراح میں ہے کہ لیعزم عزم اور عزیمت سے بنا ہے۔ جس کا معنیٰ ہے کسی چیز کا ارادہ کرنا اور دل کو اُس چیز پر رکھ دینا۔ قاموس میں ہے عزم بمعنیٰ ارادہ فعل اور یقین سے کسی کام کا کرنا۔ اور اُسے کوئی مجبور نہیں کر سکتا۔ یاد رہے یہاں حدیث میں لفظ مکرہ آیا ہے جو اکراہ سے بنا ہے جس کا معنیٰ ہے کہ کسی کو اُس کی چاہت و مرضی کے خلاف کام کرنے پر مجبور کرنا یعنی تمہیں چاہیے کہ تم یقین اور پختہ ارادے سے اللہ تعالیٰ کے حضور دعا کرو آگے اللہ تعالیٰ کی مرضی ہے جو چاہے کرے۔ تمہیں کوئی ضرورت نہیں کہ اپنی دعا میں اللہ کے چاہنے کا ذکر کرو کیونکہ دعا میں اس کے چاہنے کا ذکر عبث و فضول ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے قبولیت کے وعدے کو پورا کرتا ہے۔ لہٰذا بندے کو چاہیے کہ قبولیت دعا پر یقین رکھے۔ نور یقین سے اپنے سینے کو کشادہ کرے اور دل کو یقین کی روشنی سے منور و روشن کرے کیونکہ یقین نور ہے اور شک و تردد ظلمت و تاریکی ہے۔

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا دَعَا اَحَدُكُمْ فَلَا يَقُلِ اللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِيْ اِنْ شِئْتَ وَلٰكِنْ لِيَعْزِمْ وَ لْيُعَظِّمِ الرَّغْبَةَ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يَتَعَاظَمُهٗ شَيْءٌ اَعْطَاهُ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی شخص دعا کرے تو یوں نہ کہے اے اللہ اگر تو چاہتا ہے تو مجھے بخش بلکہ یقین اور پوری رغبت[۲] سے دعا کرے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے آگے کوئی چیز بھی بھاری اور بڑی نہیں ہے جو وہ اپنے بندے کو دینا چاہتا ہے۔ اسے مسلم نے روایت کیا۔

[۱] یعنی چاہیے کہ اپنی خواہش و ہمت کو دعا کے وقت مضبوط اور قوی رکھے۔

[۲] تو چاہیے کہ رغبت زیادہ ہو اور اُس کا مطلوب و مقصود بھی عظیم ہو بندہ کو چاہیے کہ مطالب عظیمہ کے طلب کرنے میں اپنی ہمت کو تاہ نہ کرے۔

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُسْتَجَابُ لِلْعَبْدِ مَا لَمْ يَدْعُ بِإِثْمٍ اَوْ قَطِيْعَةِ رَحِمٍ مَّا لَمْ يَسْتَعْجِلْ قِيْلَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَا الْاِسْتِعْجَالُ قَالَ يَقُوْلُ قَدْ دَعَوْتُ وَقَدْ دَعَوْتُ فَلَمْ اَرَ يُسْتَجَابُ لِيْ فَيَسْتَحْسِرُ عِنْدَ ذٰلِكَ وَ يَدَعُ الدُّعَاءَ .

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بندے کی دعا قبول کر لی جاتی ہے جب کہ وہ گناہ[1] یا قطع رحمی کی دعا نہ کرے۔ اور اس میں جلد قبول ہونے کی خواہش[2] نہ کرے عرض کیا گیا یا رسول اللہ جلدی کرنے کا کیا مطلب ہے فرمایا کہ مثلاً بندہ یوں کہے بے شک میں نے دعا[3] کی۔ بیشک میں نے دعا کی میں نے نہیں دیکھا کہ میری وہ دعا قبول ہوئی ہو۔ تو بندہ اس طرح کہنے کے بعد تھک[4] جاتا ہے اور دعا کرنا چھوڑ دیتا ہے۔

(مسلم)

[1] مثلاً یوں کہ یا اللہ مجھے فلاں گناہ کی طاقت دے اور قطع رحمی کی مثال یہ ہے کہ کوئی بندہ خدا سے یوں دعا کرے کہ یا اللہ مجھے فلاں رشتہ دار سے بے زار کر دے اور میرا تعلق اُس سے کاٹ دے کہ ان چیزوں میں بندے کی دعا قبول نہیں ہوتی کیونکہ اس میں بندے کا نقصان ہے۔ ان کے علاوہ جائز کاموں میں بندے کی دعا البتہ قبول ہوتی ہے۔

[2] یعنی کہ مجھے میرا مدعا جلد حاصل ہو۔

[3] یعنی میں نے مکرر اور بار بار دعا کی ہے مگر میں نے اپنی دعا کی قبولیت کا کوئی نشان نہیں دیکھا۔

[4] یہاں حدیث میں لفظ یستحسر آیا ہے جو استحسار سے بنا ہے۔ اس کا معنیٰ ہے کہ کسی کام کے کرنے سے بندے کا ملول ہونا اور تھک جانا۔

حضرت شیخ ابن عطاء اللہ اسکندری شاذلی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب الحکم میں فرماتے ہیں جس کا ترجمہ یہ ہے۔ چاہیے کہ اللہ تعالیٰ سے کچھ مانگنے کے وقت قبولیت میں دیر ہونے اور دعا مانگنے پر جلد نہ ملنے سے تجھ میں مایوسی اور ناامیدی نہ پیدا ہو۔ کیونکہ اللہ عزوجل اُس چیز کے لیے تیری دعا قبول کرنے میں تیرا ضامن بن چکا ہے جو اُس نے تیرے لیے اختیار کی ہے۔ یہ نہیں ہونا چاہیے کہ تو اپنے لیے کسی چیز کا اختیار کرے۔ یہاں شیخ عطاء اللہ کا قول کہ اللہ تعالیٰ سے بار بار اور لپٹ لپٹ کر دعا کرنا دونوں طرف سے تعلق رکھتا ہے۔ ایک یہ کہ مثلاً تو کہے کہ میں نے بار بار دعا کی ہے اور اللہ تعالیٰ کے حضور اس کی بارگاہ سے گویا چمٹ کر میں نے اُس سے اپنا مدعا طلب کیا ہے مگر افسوس کہ میری دعا قبول نہیں ہوئی پھر حضرت شیخ موصوف فرماتے ہیں جبکہ دعا میں تجھے دوام اور ہمیشگی حاصل ہے تو قبولیت دعا کے لیے تجھے کوئی غم نہیں کرنا چاہیے کیونکہ تیرا مقصود حاصل ہے۔ اس لیے کہ یہی دعا اور تفرع و زاری دعا سے اصل مقصود ہے۔ دعا

کا قبول ہو جانا تو نفس کا حصہ ہے۔

بعض عارفین فرماتے ہیں دعا کا فائدہ اپنی محتاجی اور بے بسی کا اظہار ہے۔ آگے اللہ تعالیٰ کی مرضی ہے جو چاہے کرے حضرت سیدی احمد بن مرزوق رحمۃ اللہ علیہ کتاب الحکم کی شرح میں فرماتے ہیں دعا اعلیٰ درجہ کی عبادت ہے جو نزول بلا یا خوف کے وقت بندے کے دل سے اگر ملتی ہے۔ جس طرح نماز اپنے وقت سے ملی ہوتی ہے اور دعا پر قبولیت کا مرتب ہونا اس طرح ہے جس طرح نماز پر ثواب کا مرتب ہونا۔ اس ثواب کا تعین یا کیفیت کا بیان نہیں کیا جا سکتا۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ بندہ جب بھی دعا کرتا ہے تو اسے تین چیزوں میں سے ایک چیز ضرور حاصل ہوتی ہے یا اس کا مطلوب اس جہاں میں اُسے جلدی مل جاتا ہے یا اُسے اُس کے لیے آخرت کے جہاں میں ذخیرہ بنا دیتا ہے یا اُس دعا کی برکت سے کسی اور تکلیف و برائی کو اُس سے دور کر دیتا ہے یا ایسی ہی کوئی اور چیز دعا کے عوض اُسے دے دیتا ہے۔ مطلب یہ کہ دعا کی قبولیت بہر صورت ہوتی ہے یہ قبولیت اس بات میں منحصر نہیں ہے کہ بندے کا عین مقصود حاصل ہو یا وقت معین میں حاصل ہو اور اللہ تعالیٰ نے یہ وعدہ جو کیا ہے کہ میں دعا قبول کرتا ہوں تو اس سے مطلق قبولیت دعا مراد ہے۔ یہ مراد نہیں کہ بندہ جو چیز مانگ رہا ہوتا ہے وہی اُس کو مل جائے یا اسی وقت اُسے مل جائے اور اللہ تعالیٰ کا بندے کی دعا کو اپنی پسندیدگی کی طرف لے جانا بندے کی پسندیدگی کو اختیار نہ کرنا درحقیقت بندے پر اللہ تعالیٰ کا عین لطف و کرم اور اُس کے حال کی بہتری کے لیے ہے کیونکہ بندہ جاہل اور بے خبر ہے وہ بسا اوقات شر کو اپنے لیے خیر تصور کرتا ہے۔ فرد

بس دعا ہا کان زیان است و وبال　　　　از کرم می نشنود شان ذوالجلال

ترجمہ۔ بہت سی دعائیں بندے کے لیے درحقیقت نقصان و وبال ہوتی ہیں اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ اپنے کرم کی بنا پر اُن دعاؤں کو قبول نہیں کرتا۔

پھر اس وجہ سے بھی بسا اوقات اللہ تعالیٰ بندے کی دعا قبول نہیں کرتا تاکہ اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کی ہیبت اور احکام عبودیت کی تکمیل بندے پر ظاہر فرمانا مقصود ہوتا ہے تاکہ بندہ نگاہ رکھنے سے بے خوف نہ ہو جائے۔ جب بندہ اللہ تعالیٰ کی ہیبت و عظمت کو ملاحظہ کرتا اور دعا کی، عدم قبولیت کے باعث اپنی بے بسی محسوس کرتا ہے تو مزید صدق و اخلاص کی کوشش کرتا ہے اور اپنی بے بسی اور پریشانی ملاحظہ کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ بندے کو اس کیفیت سے اس لیے دوچار کرتا ہے تاکہ اُسے ہمیشہ اپنی نزدیکی کی چٹائی پر بٹھلائے رکھے۔ اور اس کام میں لگائے رکھے کہ وہ اُس کے دروازہ قرب و محبت کو کھٹکھٹاتا رہے۔ کہ فی الحقیقت دعا کا اصل فائدہ یہی ہے۔ مثنوی۔

ہیچ نبود از دعا مطلوب شان　　　　جز سخن گفتن بآن شیریں دہاں

دل زحرص مدعا خالی شدہ　　　　ذوقِ عجز و بندگی خالی شدہ

گر اجابت کرد شان فہو المراد — ورنہ با دیدار نقد آیند شاد

در کند رد لذتِ آں بیشتر — ہر تقریب سخن بار دگر

(۱) اُن کا مطلوب و مقصود دعا کرنے سے کچھ بھی نہیں ہوتا سوائے اس کے کہ وہ اُس شیریں دہن محبوب سے باتیں کرنا چاہتے ہیں۔

(۲) اُن کا دل مقصود کی حرص سے خالی ہوتا ہے اور اُن کا ذوقِ عجز و بندگی بھی ہر خواہش سے خالی ہوتا ہے۔

(۳) اگر اُن کا محبوب اُن کی دعا قبول کر لیتا ہے تو اُن کی یہی مراد ہوتی ہے۔ ورنہ دولت دیدار سے ہی وہ خوش ہوتے ہیں۔

(۴) اور اگر وہ اُن کی دعا رد کر دیتا ہے تو اس میں انہیں بہت لذت محسوس ہوتی ہے۔ اس لیے لذت زیادہ محسوس ہوتی ہے کہ انہیں دوبارہ باتیں کرنے کا موقع مل جاتا ہے۔

وَعَنْ اَبِی الدَّرْدَاءِ رض قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَعْوَةُ الْمَرْءِ الْمُسْلِمِ لِاَخِيْهِ بِظَهْرِ الْغَيْبِ مُسْتَجَابَةٌ عِنْدَ رَاْسِهٖ مَلَكٌ مُوَكَّلٌ كُلَّمَا دَعَا لِاَخِيْهِ بِخَيْرٍ قَالَ الْمَلَكُ الْمُوَكَّلُ بِهٖ اٰمِيْنَ وَلَكَ بِمِثْلٍ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بندۂ مسلم کی دعا اپنے بھائی کے لیے اُس کے پس پشت قبول ہوتی ہے اُس کے سر کے پاس ایک فرشتہ موجود ہوتا ہے کہ جب بھی وہ بندہ اپنے بھائی کے لیے دعا کرتا ہے وہ فرشتہ اُس پر آمین کہتا ہے اور یہ بھی کہتا ہے کہ تجھے بھی اُس کی مثل[1] عطا ہو۔ (مسلم)

[1] یہاں حدیث میں لفظ و لک بمثل یہاں لفظ مثل پر حرف با نا مذ ہے اور لفظ مثل میم کی زیر سے بھی ایک روایت ہے بہرصورت حدیث میں لفظ مثل پر تنوین ہے۔ بعض روایتوں میں بمثلیہ یعنی یا اور ھا کے ساتھ لفظ تثنیہ کی صورت میں ایک روایت ہے۔ یعنی اے دعا کرنے والے تجھے اپنے بھائی کی نسبت دو حصے عطا ہوں۔

وَعَنْ جَابِرٍ رض قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَدْعُوْا عَلٰى اَنْفُسِكُمْ وَلَا تَدْعُوْا عَلٰى اَوْلَادِكُمْ

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنے آپ کے لیے بد دعا نہ کرو۔ اور نہ اپنی اولاد کے لیے اور نہ اپنے مال کے لیے کیونکہ تمہاری دعا کی موافقت اگر

وَ لَا تَدْعُوْا عَلٰی اَمْوَالِکُمْ لَا تُوَافِقُوْا مِنَ اللّٰہِ سَاعَۃً یُسْأَلُ فِیْھَا عَطَاۤءً فَیَسْتَجِیْبُ لَکُمْ۔ (رَوَاہُ مُسْلِمٌ)

اس گھڑی سے ہرگز جس میں اللہ تعالیٰ دعا قبول کرتا ہے اور کسی کو کوئی چیز عطا کرتا ہے تو تمہاری وہ بددعا بھی قبول[۱] ہو جائے گی۔ اسے مسلم نے روایت کیا

اسے مسلم نے روایت کیا۔

وَ ذُکِرَ حَدِیْثُ ابْنِ عَبَّاسٍ اِتَّقِ دَعْوَۃَ الْمَظْلُوْمِ فِیْ کِتَابِ الزَّکٰوۃِ۔

اور حضرت ابن عباسؓ کی حدیث جس کے اول میں یہ لفظ ہے کہ مظلوم کی بددعا سے بچو۔ کتاب الزکوٰۃ میں مذکور ہے۔

[۱] یعنی دن رات میں ایک گھڑی ایسی بھی ہے کہ بندے اس میں جو دعا کرتے ہیں قبول ہو جاتی ہے تو تمہیں چاہیے کہ اپنے لیے اپنی اولاد کے لیے اور اپنے مال کے لیے کسی وقت بھی بددعا نہ کرو۔ ایسا نہ ہو کہ تمہاری یہ بددعا اس گھڑی میں ہو رہی ہو اور وہ قبول ہو جائے پھر تمہیں اس پر ندامت اور پشیمانی ہو۔ یہ ممانعت دراصل ان نادان لوگوں کے لیے ہے جو غصے کے وقت بددعائیں کرتے ہیں۔ یہ طریقہ اچھا نہیں بلکہ اس میں نقصان کا اندیشہ ہے۔

[۲] یعنی ابن عباسؓ کی حدیث جس کے ابتدائی الفاظ یہ ہیں کہ مظلوم کی بددعا سے بچو۔ کتاب الزکوٰۃ میں مذکور ہے اور کتاب مصابیح میں یہاں مذکور ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

دوسری فصل

عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِیْرٍؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَلدُّعَاۤءُ ھُوَ الْعِبَادَۃُ ثُمَّ قَرَاَ وَ قَالَ رَبُّکُمُ ادْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَکُمْ۔ (رَوَاہُ اَحْمَدُ وَ التِّرْمِذِیُّ وَ اَبُوْ دَاؤدَ وَ النَّسَائِیُّ وَ ابْنُ مَاجَۃَ)

حضرت نعمان[۱] بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دعا ہی عبادت[۲] ہے۔ پھر آپ نے یہ آیت پڑھی۔ وَقَالَ رَبُّکُمُ ادْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَکُمْ۔ میرے حضور دعا کرو کہ میں تمہاری دعا قبول کرتا ہوں[۳]۔

اسے احمد، ترمذی، ابوداؤد، نسائی اور ابن ماجہ نے روایت کیا۔

[۱] نعمان۔ نون کی پیش عین ساکن۔ بشیر با کی زبر شین کی زیر۔ آپ چھوٹی عمر کے صحابہ کرام میں سے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال مبارک کے وقت آپ آٹھ سال کے تھے۔

[۲] یعنی دعا کرنا عبادت ہے۔ بلکہ بطور مبالغہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں فرمایا کہ دعا ہی عبادت ہے اور دعا

ہی کو عبادت کا نام دینا چاہیے۔ کہ دعا کے وقت بندے کی تمام تر توجہ جناب حق کی طرف ہوتی ہے اور ما سوائے حق ہر چیز سے اُس نے منہ پھیر لیا ہوتا ہے۔ اُس وقت کسی اور سے بندے کی اُمید وابستہ نہیں ہوتی اور نہ ہی خدائے تعالیٰ کے سوا کسی اور چیز سے ڈر رہا ہوتا ہے پھر دعا کے اندر چند چیزیں خصوصی طور پر پائی جاتی ہیں جیسے اخلاص خدائے تعالیٰ کا صبر و شکر اُس کے حضور دست گدائی دراز کرنا اُس کی توحید پر یقین و ایمان اُس کی ذات برحق کے حضور شوق و رغبت کا اظہار اُس سے مناجات اُس کے سامنے تضرع و تذلل اُس سے طلب مدد اور اس کے حضور اپنی فریاد پیش کرنا، کیونکہ دعا ان تمام چیزوں کی جامع ہے اس لیے اس حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ دعا ہی دراصل عبادت ہے۔

سے اس سے معلوم ہوا کہ دعا اُن چیزوں میں سے ہے جن کا حکم دیا گیا ہے اور اُن پر اجر و ثواب بھی مترتب ہوتا ہے تو جو چیز اس نوعیت کی ہو بلاشبہ عبادت ہے۔ پھر اس آیت کے آخر میں جو الفاظ آئے ہیں وہ بھی اس امر کی دلیل ہیں کہ دعا عبادت ہے۔ آیت کے آخری الفاظ یہ ہیں (ان الذین یستکبرون عن عبادتی سیدخلون جھنم داخرین) بے شک جو لوگ میری عبادت سے سرکشی کرتے ہیں عنقریب وہ جہنم میں داخل ہوں گے ذلیل و خوار حالت میں۔ یہاں عبادت سے دعا مراد ہے پھر اس آیت میں واقع ڈانٹ سے ظاہر ہوتا ہے کہ دعا کرنا واجب و ضروری ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ دعا کرنا واجب نہیں بلکہ مباح یا مستحب ہے اور اس آیت میں دوزخ میں داخل ہونے کی جو دھمکی پائی جاتی ہے وہ بندے کے تکبر اور سرکشی سے متعلق ہے۔ یہ نکتہ اچھی طرح سمجھ لو۔

وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلدُّعَاءُ مُخُّ الْعِبَادَةِ۔	حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دعا عبادت کا مغز و خلاصہ ہے۔[1]
(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)	اسے ترمذی نے روایت کیا۔ مشکوٰۃ کے بعض نسخوں میں یوں ہے کہ اسے ابوداؤد نے روایت کیا۔

[1] کیونکہ عبادت کی حقیقت اور اُس کا خلاصہ یہ ہے کہ بندہ اللہ تعالیٰ کے حضور خضوع و تذلل اور اپنی خواری اور بے بسی کا اعتراف کرے اور یہ چیز دعا میں بطریق اکمل واتم پائی جاتی ہے۔ یہاں حدیث میں لفظ مخ میم کی پیش سے بمعنی ہڈیوں اور دماغ کا مغز اور آنکھ کی پتلی اور ہر چیز کا خالص اور نکھرا ہوا حصہ۔

وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ	حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

وَسَلَّمَ لَيْسَ شَيْءٌ أَكْرَمُ عَلَى اللّٰهِ مِنَ الدُّعَاءِ۔

اللہ تعالیٰ کے نزدیک دعا سے بڑھ کر کوئی چیز بھی معزز اور مکرم نہیں ہے[1]۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ) وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ غَرِيْبٌ۔

اسے ترمذی نے روایت کیا۔ اور ابن ماجہ نے روایت کیا اور ترمذی نے کہا کہ یہ حدیث حسن غریب ہے۔

[1] کیونکہ دعا ان معانی، حالات اور کیفیات پر مشتمل ہوتی ہے جو عبادت کا مغز اور خلاصہ کہلاتی ہیں۔

وَعَنْ سَلْمَانَ الْفَارِسِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَرُدُّ الْقَضَاءَ إِلَّا الدُّعَاءُ وَلَا يَزِيْدُ فِي الْعُمُرِ إِلَّا الْبِرُّ۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تقدیر و قضا کو کوئی چیز نہیں پھیر سکتی مگر دعا[1]۔ اور بندے کی عمر میں کوئی چیز اضافہ نہیں کر سکتی مگر نیکی[2]۔

اسے ترمذی نے روایت کیا۔

[1] گویا دعا کی تاثیر اس قدر زیادہ ہے کہ وہ بلا اور مصیبت کو جو بندے کی تقدیر میں لکھی ہوتی ہے دعا کی تاثیر سے دفع ہو جاتی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اگر تقدیر کو پھیرنا ممکن ہوتا تو وہ دعا سے پھر جاتی۔ بعض نے کہا کہ تقدیر کے پھر جانے سے یہ مراد ہے کہ دعا کی تاثیر و برکت سے بندے کے لیے تقدیر کے تابع ہونا آسان اور سہل ہو جاتا ہے گویا دعا کی وجہ سے بندہ یوں محسوس کرتا ہے کہ مجھ پر کوئی بلا و مصیبت نازل ہی نہیں ہوئی۔ بعض کہتے ہیں کہ قضا سے وہ چیز مراد ہے جس سے بندہ ڈر رہا ہوتا ہے کہ وہ اس پر نازل نہ ہو جائے تو وہ اس سے پرہیز کرتا اور بچتا ہے جب بندے کو دعا کی توفیق مل جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس سے مصیبت و بلا کو اٹھا لیتا ہے مگر ان تمام توجیہات میں تکلف پایا جاتا ہے۔ معنیٰ کی اصل تحقیق یہ ہے کہ تقدیر سے تقدیر معلق مراد ہے اور دعا سے تقدیر معلق فی الواقع ٹل جاتی ہے اور دعا کو اس تقدیر معلق کے پھیر دینے کا سبب تسلیم کیا گیا ہے کیونکہ قضا اور تقدیر سبب سبب اور مسبب سے کوئی ٹکراؤ نہیں رکھتی کہ سب چیزیں قضا اور تقدیر سے رونما ہوتی ہیں اور تقدیر معلق میں یہ بات بھی لکھی ہوتی ہے کہ یہ کام فلاں سبب کی وجہ سے ہوگا اور فلاں سبب اختیار کرنے سے یہ کام ظاہر نہ ہوگا۔ اگر یہ سوال کیا جائے کہ اس کلام کا کیا فائدہ ہوا کیونکہ جو کچھ تقدیر میں ہوتا ہے وہ تو ہو کر رہتا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ اس کلام کا فائدہ یہ ہے کہ بطور مبالغہ یہ چیز بیان کر دی گئی ہے کہ اس میں یعنی تقدیر معلق میں تبدیلی واقع ہو سکتی ہے جیسا کہ ہم نے ذکر کیا اور اللہ تعالیٰ ہی حقیقتِ حال کو بہتر طور پر جانتا ہے۔

ــــہ عمر کے زیادہ ہونے کا شاید یہ مطلب ہے کہ اُس کی عمر ضائع نہیں ہوتی بلکہ اُس میں خیر و برکت عطا ہوتی ہے مگر تحقیقی بات وہی ہے جو گزشتہ تقدیر کی بحث میں ذکر کی گئی ہے۔ یعنی کہ اُس کی عمر اتنی ہو گی اگر نیکی کرے گا اور اگر نیکی نہ کرے گا تو پھر اتنی ہو گی یاد رہے کہ مقام تقدیر و سبب میں مٹانا اور باقی رکھنا واقع ہوتا رہتا ہے مگر حقیقت میں کسی قسم کا تغیر اور کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوتی۔ اسی لیے فرمایا گیا ہے کہ جو کچھ اللہ نے چاہا وہی ہوتا ہے اور جو کچھ وہ نہیں چاہتا نہیں ہوتا۔

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رض قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ إِنَّ الدُّعَاءَ يَنْفَعُ مِمَّا نَزَلَ وَمِمَّا لَمْ يَنْزِلْ فَعَلَيْكُمْ عِبَادَ اللّٰهِ بِالدُّعَاءِ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَرَوَاهُ أَحْمَدُ عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک دعا نفع دیتی ہے اُس چیز کے بارے میں بھی جو نازل ہو چکی ہوتی ہے اور اُس چیز کے بارے میں بھی جو نازل نہیں ہوئی ہوتی[1] تو اے اللہ کے بندو اپنے اوپر دُعا کو لازم کر لو[2]۔ اسے ترمذی نے روایت کیا اور امام احمد نے اسے حضرت معاذ بن جبل رض سے روایت کیا اور ترمذی نے کہا یہ حدیث غریب ہے۔

ــلـہ یعنی بلا اور مصیبت کو دعا دفع کر دیتی ہے اور جو بلا و مصیبت ابھی نازل نہیں ہوئی ہوتی دُعا سے وہ بھی ٹل جاتی ہے۔

ــلـہ اس میں اس جانب اشارہ ہے کہ دعا کرنے کا حکم شرعاً دیا گیا ہے لہٰذا طریقہ بندگی یہی ہے کہ حکم شرعی کی پیروی کی جائے۔ دوسری طرف اللہ تعالیٰ کی قضا اور تقدیر کو بھی تسلیم کیا جائے۔

وَعَنْ جَابِرٍ رض قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ أَحَدٍ يَدْعُوْا بِدُعَاءٍ إِلَّا آتَاهُ اللّٰهُ مَا سَأَلَ أَوْ كَفَّ عَنْهُ مِنَ السُّوْءِ مِثْلَهُ مَا لَمْ يَدْعُ بِإِثْمٍ أَوْ قَطِيْعَةِ رَحِمٍ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی بندہ دعا نہیں کرتا مگر اللہ تعالیٰ اُسے یا تو جو اُس نے مانگا ہوتا ہے اُسے دے دیتا ہے یا اسی طرح کی کوئی تکلیف اُس سے روک[1] لیتا ہے جب تک کہ وہ کسی گناہ کے لیے یا قطع رحمی کے لیے دعا نہ کرے۔ اسے ترمذی نے روایت کیا۔

لہ یعنی تکلیف اور برائی کی بات کو اس کی دعا کی وجہ سے اس پر وارد ہونے سے روک لیتا ہے یہ بندے پر خدائے تعالیٰ کا لطف و کرم ہوتا ہے۔ کیونکہ ضرر اور تکلیف کی چیز کو دفع کرنا بندے کو نفع بخش چیز عطا کرنے سے زیادہ اہم و ضروری ہوتا ہے۔

وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ رض قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَلُوا اللّٰهَ مِنْ فَضْلِهٖ فَاِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ اَنْ يُّسْاَلَ وَاَفْضَلَ الْعِبَادَةِ اِنْتِظَارُ الْفَرَجِ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ) وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالےٰ سے اس کا فضل مانگا کرو کہ بے شک اللہ تعالیٰ پسند کرتا ہے کہ اس سے مانگا جائے اور افضل عبادت یہ ہے کہ بندہ کشائش اور کشادگی لہ کے انتظار میں رہے۔ اسے ترمذی نے روایت کیا۔ اور کہا کہ یہ حدیث غریب ہے۔

لہ یعنی ثواب کے امیدوار رہنے میں یہ چیز بہت افضل ہے کہ بندہ رب تعالیٰ کی طرف سے کشائش اور کشادگی کا منتظر رہے اور غم واندوہ اور مصیبت کے دور ہونے میں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے منتظر رہے دراصل ان الفاظ میں صبر و ترک شکایت کی تلقین ہے اس میں کوئی شک نہیں کہ صبر کا اجر و ثواب بے حد و بے اندازہ ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے۔ (انما یوفی الصابرون اجرھم بغیر حساب) سوائے اس کے نہیں کہ صبر کرنے والوں کو ان کا اجر بے حد و حساب دیا جائے گا بعض علماء نے کشائش کی انتظار کا معنی یہ لکھا ہے کہ دعا کی قبولیت میں جلد بازی کو ترک کر دیا جائے۔

وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ لَّمْ يَسْاَلِ اللّٰهَ يَغْضَبْ عَلَيْهِ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اللہ تعالیٰ سے نہیں مانگتا اللہ تعالیٰ اس پر غضب ناک ہوتا ہے لہ۔ اسے ترمذی نے روایت کیا۔

لہ کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر بہت ہی سخاوت و مہربانی کرنا چاہتا ہے تو بندوں کے اس سے مہربانی طلب نہ کرنے سے خدائے تعالیٰ کو غصہ آتا ہے علماء فرماتے ہیں رحمٰن وہ ذات ہے جو طلب کرنے پر بندے کو عطا کرتی ہے۔ اور رحیم وہ ذات کہ اگر اس سے نہ مانگا جائے تو اس کو غصہ آئے۔ مراد یہ ہے کہ کبر و نفرت کے تحت اللہ تعالیٰ سے نہ مانگنا خدائے تعالیٰ کو طیش میں لاتا ہے ورنہ اللہ تعالیٰ کی قضا پر راضی ہوتے ہوئے سر تسلیم خم کرنا ایک بلند ترین مقام ہے یا اللہ تعالیٰ کے غضب ناک ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر وقت جود و سخاوت کرنے اور

رحم و مہربانی کرنے کے لیے تیار رہتا ہے جیسا کہ ہم نے اس کی طرف اشارہ کیا۔

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ فُتِحَ لَهُ مِنْكُمْ بَابُ الدُّعَاءِ فُتِحَتْ لَهُ اَبْوَابُ الرَّحْمَةِ وَمَا سُئِلَ اللّٰهُ شَيْئًا يَعْنِي اَحَبَّ اِلَيْهِ مِنْ اَنْ يُّسْأَلَ الْعَافِيَةَ۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے جس کے لیے دعا کا دروازہ کھول دیا گیا اس کے لیے رحمت کے دروازے کھول دیے گئے اور اللہ تعالیٰ سے نہیں مانگی جاتی کوئی چیز جو اس کے نزدیک سب سے زیادہ پیاری ہوتی ہے اس کے علاوہ کہ اس سے صحت و عافیت[1] مانگی جائے۔

(ترمذی)

[1] عافیت بمعنی صحت یہ بیماری کی ضد ہے مگر یہاں حدیث میں تمام آفات، بیماریوں، بلاؤں، ظاہری بلاؤں دنیا آخرت میں بری اور ناپسندیدہ چیزوں سے سلامتی مراد ہے۔ اور یہ معنی تمام خیرات و بھلائیوں کو شامل ہے۔ اور قواعد الطریقہ میں مذکور ہے کہ عافیت کا معنی ہے (سکون القلب مع اللہ) یعنی اللہ تعالیٰ کے ساتھ بندے کے دل کا سکون پذیر ہو جانا تو اگر کسی بندے کا دل اللہ تعالیٰ کی طرف سے بلا اور مصیبت میں بھی خوش اور سکون میں ہے تو اس کے لیے یہی عافیت ہے۔ مگر یہ عافیت اہل کمال کو نصیب ہوتی اور بندے کے تمام حالات باطنی کو شامل ہے۔ ہم اللہ تعالیٰ سے اس عافیت کی دعا کرتے ہیں۔

وَعَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ سَرَّهُ اَنْ يَّسْتَجِيبَ اللّٰهُ لَهُ عِنْدَ الشَّدَائِدِ فَلْيُكْثِرِ الدُّعَاءَ فِي الرَّخَاءِ۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

وَقَالَ هٰذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص مصیبتوں اور سختیوں میں پسند کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی دعا قبول کرے اسے چاہیے کہ سہولت اور آسانی[1] کے وقت اس کے حضور میں زیادہ دعا کرے۔

(ترمذی)

اور کہا کہ یہ حدیث غریب ہے۔

[1] یعنی اسے چاہیے کہ نرمی اور خوشی کی حالت میں اس کے حضور زیادہ دعا کرے یہ حد سے بڑھنے والے اور منحرف لوگوں کی حالت کے برعکس حالت ہے کیونکہ سرکش لوگ سختی اور نقصان کے وقت تو دعا کرتے ہیں مگر جب سختی دور ہو جاتی ہے تو حد سے بڑھنا شروع کر دیتے ہیں۔

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اُدْعُوا اللّٰهَ وَ اَنْتُمْ مُوْقِنُوْنَ بِالْاِجَابَةِ وَ اعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ لَا يَسْتَجِيْبُ دُعَآءً مِّنْ قَلْبٍ غَافِلٍ لَاهٍ ۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

وَ قَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ.

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہی روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ سے دعا کرو اس حال میں کہ تمہیں اپنی دعا کی قبولیت کا یقین ہونا چاہیے اور جان رکھو کہ بے شک اللہ تعالیٰ غافل اور لاپرواہ دل کی دعا قبول نہیں کرتا۔

(ترمذی)

اور کہا یہ حدیث غریب ہے۔

وَعَنْ مَالِكِ بْنِ يَسَارٍ[1] قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا سَاَلْتُمُوا اللّٰهَ فَاسْئَلُوْهُ بِبُطُوْنِ اَكُفِّكُمْ وَلَا تَسْئَلُوْهُ بِظُهُوْرِهَا وَفِيْ رِوَايَةِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ سَلُوا اللّٰهَ بِبُطُوْنِ اَكُفِّكُمْ وَلَا تَسْئَلُوْهُ بِظُهُوْرِهَا فَاِذَا فَرَغْتُمْ فَامْسَحُوْا بِهَا وُجُوْهَكُمْ ۔

(رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ)

حضرت مالک بن یسار[1] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب بھی اللہ تعالیٰ سے سوال کرو تو اپنے ہاتھوں کی ہتھیلیوں سے سوال کرو ہاتھوں کی پشتوں[2] سے سوال نہ کرو۔ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ فرمایا اللہ تعالیٰ سے اپنے ہاتھوں کی ہتھیلیوں سے مانگو ہاتھوں کی پشتوں سے نہ مانگو پھر جب تم دعا سے فارغ ہو جاؤ تو ہاتھوں کو اپنے چہروں[3] پر مل لو۔

(ابوداؤد)

[1] یا کی زبر اور سین مخفف آخر میں را۔

[2] کیونکہ ہاتھوں کی ہتھیلیوں سے مانگنا دعا کے قبول ہونے کے یقین اور صورت طلب کی بہترین شکل ہے پھر یہاں ہاتھ کی بجائے ہاتھوں کا لفظ جو جمع کے لیے ہے اس بات کو ظاہر کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ بہت کچھ عطا فرماتا ہے اور ہاتھ کی پشت سے دعا کرنا دعا کے رد ہونے کی شکل کو ظاہر کرتا ہے۔ تاہم حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے مروی ہے کہ بارش کے لیے دعا کرتے وقت آپ ہاتھوں کی پشتوں سے دعا کرتے اور آسمانوں کی طرف اشارہ کرتے تھے بعض علماء نے کہا دعا سے جب ایسی چیز طلب کی جا رہی ہو جو نعمتوں کی جنس میں سے ہو تو ہتھیلیوں سے دعا کرنا مستحب ہے اور ہتھیلیاں آسمان کی طرف ہونی چاہئیں اور اگر دفع فتنہ کے لیے دعا کر رہا ہو تو چاہیے کہ آسمان کی طرف ہاتھوں

کی پشتیں کرے اس بارے میں مزید کلام باب استسقاء میں گزر چکا ہے۔

۳ے تاکہ تم پر قبولیت دعا کے انوار فائض ہوں۔پھر چہرے پر ہاتھ پھیرنے کی وجہ یہ ہے کہ چہرہ تمام اعضاء سے زیادہ اشرف و عمدہ عضو ہے تو اشرف و اعلیٰ عضو کو ان انوار سے مستفید کرنا بہت بہتر ہے۔

وَعَنْ سَلْمَانَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ رَبَّكُمْ حَيِيٌّ كَرِيْمٌ يَّسْتَحْيِيْ مِنْ عَبْدِهٖ اِذَا رَفَعَ يَدَيْهِ اِلَيْهِ اَنْ يَّرُدَّهُمَا صِفْرًا۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَ اَبُوْ دَاؤُدَ وَ الْبَيْهَقِيُّ فِي الدَّعْوَاتِ الْكَبِيْرِ)

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک تمہارا رب بڑا ہی باحیا اور بڑا ہی کریم ہے اسے اپنے بندے سے شرم آجاتی ہے جبکہ بندہ اس کے سامنے اپنے ہاتھ اٹھاتا ہے کہ اُس کے دونوں ہاتھ خالی[1] رکھے۔

اسے ترمذی نے اور ابوداؤد نے روایت کیا۔ اور بیہقی نے الدعوات الکبیر میں روایت کیا ہے۔

[1] یہاں حدیث پاک میں لفظ صفر آیا ہے۔ص کی زیر فا کی جزم یعنی خالی ہاتھ اسی سے اصفار بنا ہے یعنی خالی ہاتھ ملانا اور محتاج ہوجانا۔واضح ہو کہ حیاء مہربانی وغیرہ الفاظ جو خدا کی صفات کے طور پر استعمال ہوتے ہیں، آثار و افعال کے اعتبار سے ان کا اطلاق ہوتا ہے۔ مبادی کے اعتبار سے ان کا استعمال نہیں ہوتا جن میں ایک چیز سے اثر پذیر ہونے کا معنیٰ پایا جاتا ہے۔

وَعَنْ عُمَرَ رضی اللہ عنہ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا رَفَعَ يَدَيْهِ فِي الدُّعَاءِ لَمْ يَحُطَّهُمَا حَتّٰى يَمْسَحَ بِهِمَا وَجْهَهٗ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب بھی دعا میں ہاتھ اٹھاتے تو انہیں اپنے چہرہ انور پر ملنے سے پہلے نیچے نہیں کرتے تھے۔

(ترمذی)

وَعَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْتَحِبُّ الْجَوَامِعَ مِنَ الدُّعَاءِ وَ يَدَعُ مَا سِوٰى ذٰلِكَ۔ (رَوَاهُ اَبُوْ دَاؤُدَ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان دعاؤں کو پسند فرماتے تھے جو بڑی جامع اور کامل ہوتی تھیں اور ان کے سوا دوسری دعاؤں کو چھوڑ دیتے تھے۔

(ابوداؤد)

وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اَسْرَعَ الدُّعَاءِ اِجَابَةً دَعْوَةُ غَائِبٍ لِغَائِبٍ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْدَاؤدَ)

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک جلد قبول ہونے والی دعا وہ ہے جو بندہ غائب شخص[1] کے لیے کرتا ہے۔ (ترمذی، ابوداؤد)

[1] کیونکہ ایسی دعا میں صدقِ اخلاص اور محبت پائی جاتی ہے اور اس میں بناوٹ یا ریا کی کوئی ملاوٹ نہیں ہوتی۔

وَعَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ قَالَ اسْتَأْذَنْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْعُمْرَةِ فَاَذِنَ لِيْ وَقَالَ اَشْرِكْنَا يَا اُخَيَّ فِيْ دُعَائِكَ وَلَا تَنْسَنَا فَقَالَ كَلِمَةً مَا يَسُرُّنِيْ اَنَّ لِيْ بِهَا الدُّنْيَا۔ (رَوَاهُ اَبُوْ دَاؤدَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَانْتَهَتْ رِوَايَتُهُ عِنْدَ قَوْلِهِ وَلَا تَنْسَنَا)

حضرت عمر ابن الخطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عمرہ کرنے کی اجازت طلب کی آپ نے مجھے اجازت دے دی اور آپ نے فرمایا اے میرے پیارے بھائی[1] اپنی دعا میں ہمیں بھی شریک کرنا وقتِ دعا ہمیں فراموش نہ کر دینا حضرت عمر فرماتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک ایسا کلمہ[2] ارشاد فرمایا جو کہ اس کے بدلے ساری دنیا بھی اگر مل جائے تو اتنی خوشی مجھے نہیں ہو سکتی۔[3] اسے ابوداؤد نے اور ترمذی نے روایت کیا اور ترمذی کی روایت حدیث کے لفظ ولاتنسنا پر ختم ہو جاتی ہے۔

[1] یہاں حدیث میں لفظ اُخَیَّ بصیغہ تصغیر آیا ہے جس کا معنی ہے اے میرے پیارے بھائی۔ تو یہ تصغیر لطف و مہربانی کے معنی میں ہے۔

[2] ہو سکتا ہے کہ وہ کلمہ یہی ہو (اے میرے پیارے بھائی) یا کوئی اور کلمہ ہو جو اس کلمے کے علاوہ فرمایا ہو جس سے زیادہ عنایت اور مہربانی کا اظہار ہوتا ہو۔

[3] اور اگلی عبارت یعنی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک ایسا کلمہ ارشاد فرمایا" ترمذی کی روایت میں نہیں ہے۔

وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلٰثَةٌ لَا تُرَدُّ دَعْوَتُهُمُ الصَّائِمُ حِيْنَ يُفْطِرُ وَ الْإِمَامُ الْعَادِلُ وَ دَعْوَةُ الْمَظْلُوْمِ يَرْفَعُهَا اللّٰهُ فَوْقَ الْغَمَامِ وَ تُفْتَحُ لَهَا اَبْوَابُ السَّمَاءِ وَ يَقُوْلُ الرَّبُّ وَعِزَّتِيْ لَاَنْصُرَنَّكَ وَلَوْ بَعْدَ حِيْنٍ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

تین آدمیوں کی دعا رد نہیں ہوتی۔ روزہ دار کی جب وہ روزہ افطار کرتا ہے۔ عدل و انصاف کرنے والے بادشاہ کی۔ اور مظلوم[1] کی دعا۔ اللہ تعالیٰ اُس کی دعا کو بادلوں سے اُوپر لے[2] جاتا ہے۔ اور اُس کی دعا کے لیے آسمانوں کے دروازے کھول دیے[3] جاتے ہیں اور اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے مجھے میری عزت کی قسم میں ضرور ہی تیری مدد کروں گا اگرچہ تھوڑی دیر کے بعد ہو[4]۔ (ترمذی)

[1] ظاہراً عبارت یوں چاہیے تھی۔ والمظلوم یعنی اُن تین میں سے تیری دعا جو رد نہیں کی جاتی۔ مظلوم کی دعا ہے لیکن بجائے اُس عبارت کے یوں فرمایا و دعوۃ المظلوم۔ یہ طرزِ کلام مظلوم کی دعا کی اہمیت ظاہر کرنے کے لیے اختیار کیا گیا ہے۔ اسے سمجھ لو۔

[2] یہ اس امر کی جانب اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ قبولیت و اجابت کے بلند مقام کی طرف اُس کی دعا کو لے جاتا ہے۔ بعض روایتوں میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں کے اوپر بھی بادل پیدا فرمائے ہیں۔ جیسا کہ فرمایا (یوم تشقق السماء بالغمام) جس دن آسمان بادلوں کے ساتھ پھٹ پڑے گا۔

[3] یہاں حدیث میں لفظ تفتح آیا ہے مگر ایک روایت میں یا سے بھی آیا ہے یعنی یفتح۔ اس صورت میں معنی یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ مظلوم کی دعا کے لیے آسمانوں کے دروازے کھول دیتا ہے۔

[4] یہ اللہ تعالیٰ کا مظلوم آدمی سے خطاب ہے۔ ایک روایت میں حدیث میں واقع لفظ لانصرنک ک پر زبر کی بجائے زیر بھی پڑھی گئی ہے۔ اس صورت میں معنیٰ یہ ہوگا مجھے اپنی عزت کی قسم کہ اے مظلوم کی دعا میں تیری ضرور ہی مدد کروں گا۔ مگر ک پر زبر کی روایت اصل ہے۔

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلٰثُ دَعَوَاتٍ مُّسْتَجَابَاتٌ لَا شَكَّ فِيْهِنَّ دَعْوَةُ الْوَالِدِ وَ دَعْوَةُ الْمُسَافِرِ وَدَعْوَةُ الْمَظْلُوْمِ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْ دَاوٗدَ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تین دعائیں قبول ہوتی ہیں۔ اُن کے قبول ہونے میں کوئی شک نہیں۔ ایک باپ کی دعا[1]۔ دوسری مسافر کی دعا[2]۔ تیسری مظلوم کی دعا۔
اسے ترمذی، ابوداؤد اور ابن ماجہ نے

وَابْنُ مَاجَةَ) نے روایت کیا۔

لہ یعنی باپ کی اپنی اولاد کے لیے دعا یا بد دعا قبول ہو کر رہتی ہے۔ جب باپ کی دعا کی یہ تاثیر ہے تو ماں کی دعا بطریق اولیٰ قبول ہوتی ہے۔ کیونکہ ماں کی شفقت و مہربانی باپ سے بھی زیادہ ہوتی ہے۔

لہ یعنی مسافر کا اپنے لیے دعا کرنا یا دوسرے کے لیے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِيَسْاَلْ اَحَدُكُمْ رَبَّهٗ حَاجَتَهٗ كُلَّهَا حَتّٰى يَسْاَلَهٗ شِسْعَ نَعْلِهٖ اِذَا انْقَطَعَ. زَادَ فِيْ رِوَايَةٍ عَنْ ثَابِتٍ الْبُنَانِيِّ مُرْسَلًا حَتّٰى يَسْاَلَهُ الْمِلْحَ وَحَتّٰى يَسْاَلَهٗ شِسْعَهٗ اِذَا انْقَطَعَ.

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا چاہیے کہ تم میں سے ہر آدمی اپنے رب سے ہی حاجت طلب کرے حتیٰ کہ اپنے جوتے کا تسمہ[1] بھی جب ٹوٹ جائے تو خدا ہی سے مانگے۔ راوی نے ثابت البنانی[2] سے مرسلاً یہ بھی روایت کیا کہ ہانڈی کا نمک بھی خدا ہی سے مانگے اور اس کا تسمہ جب ٹوٹ جائے تو خدا ہی[3] سے مانگے۔

اسے ترمذی نے روایت کیا۔

لہ یہاں حدیث میں لفظ شسع آیا ہے۔ ش کی زیر سین ساکن بمعنیٰ جوتے کا تسمہ۔

لہ بنانی با کی پیش سے آپ تابعین میں سے ہیں۔

لہ حضرت ابو علی دقاق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ کی معرفت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی یہ ہے کہ تو اپنی کوئی حاجت بھی معمولی ہو یا بڑی خدا ہی سے مانگے۔ جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کے دیدار کا شوق جب دامن گیر ہوا تو عرض کیا (رب ارنی انظر الیک) اے میرے پروردگار مجھے اپنی ذات دکھا تاکہ میں تجھے دیکھوں اور جب حضرت موسیٰ علیہ السلام ایک روٹی کے محتاج ہوئے تو اس وقت بھی عرض کیا (رب اِنِّیْ لِمَا اَنْزَلْتَ اِلَیَّ مِنْ خَیْرٍ فَقِیْرٌ) اے میرے پروردگار بے شک میں اُس چیز کے لیے جو میری طرف تو خیر و بھلائی میں سے نازل کرتا ہے محتاج ہوں۔

وَعَنْهُ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دعا میں

يَرْفَعُ يَدَيْهِ فِي الدُّعَاءِ حَتّٰى يُرٰى بَيَاضُ اِبْطَيْهِ۔

اپنے دونوں ہاتھ اٹھاتے تھے یہاں تک کہ آپ کی دونوں بغلوں کی سفیدی دکھائی دیتی تھی۔

۱؎ یعنی بعض اوقات آپ اپنے ہاتھ مبارک زیادہ اوپر اٹھاتے اور بعض اوقات زیادہ نہیں اٹھاتے تھے یہاں حدیث میں لفظ ابطیہ ہے جو کہ تثنیہ ہے مگر بعض روایتوں میں ابطہ آیا ہے۔ ہمزہ کی زیر با ساکن اور با کی زیر سے۔ بمعنی بغل۔

وَعَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍؓ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ قَالَ كَانَ يَجْعَلُ اِصْبَعَيْهِ حِذَاءَ مَنْكِبَيْهِ وَ يَدْعُوْ

حضرت سہل بن سعد۱ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے وہ حضور سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنی انگلیاں مبارک کندھوں۲ کے برابر اٹھا کر دعا کرتے تھے۔

۱؎ یعنی حضرت سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہ مشہور صحابی ہیں۔ مدینہ منورہ میں تمام صحابہ کے بعد فوت ہونے والے یہی صحابی ہیں۔

۲؎ یہاں تک ہاتھ اٹھانا درمیانی درجہ ہے۔

وَعَنِ السَّائِبِ بْنِ يَزِيْدَؓ عَنْ اَبِيْهِ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ اِذَا دَعَا فَرَفَعَ يَدَيْهِ مَسَحَ وَجْهَهٗ بِيَدَيْهِ۔

حضرت السائب۱ بن یزید رضی اللہ عنہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ بے شک نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب دعا کرتے تھے تو اپنے ہاتھ اٹھاتے تھے۔ پھر اپنے چہرے پر دونوں ہاتھ ملتے۲ تھے۔

(رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ الْاَحَادِيْثَ الثَّلٰثَةَ فِي الدَّعْوَاتِ الْكَبِيْرِ)

ان تینوں۳ احادیث کو بیہقی نے الدعوات الکبیر میں روایت کیا۔

۱؎ آپ مشہور صحابی ہیں حضور کے زمانے میں آپ چھوٹی عمر کے تھے ہجرت کے دوسرے سال پیدا ہوئے اپنے باپ کے ساتھ حجۃ الوداع میں حاضر ہوئے۔

۲؎ یہ ملنا جب ہوتا تھا جبکہ آپ نے ہاتھ اوپر اٹھائے ہوتے تھے اور جب نہیں اٹھائے ہوتے تھے تو چہرہ انور پر نہیں ملتے تھے لیکن دعا میں ہاتھ اٹھانا دعا کے آداب میں داخل ہے۔

۳؎ یعنی حضرت انس کی حدیث دوسری حضرت سہل کی اور تیسری حضرت سائب بن یزید کی۔

وَعَنْ عِكْرِمَةَؓ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍؓ قَالَ الْمَسْئَلَةُ اَنْ

حضرت عکرمہ سے روایت ہے وہ ابن عباس سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس نے فرمایا دعا کا

تَرْفَعَ يَدَيْكَ حَذْوَ مَنْكِبَيْكَ أَوْ نَحْوَهُمَا وَ الْاِسْتِغْفَارُ أَنْ تُشِيْرَ بِاِصْبَعٍ وَّاحِدَةٍ وَ الْاِبْتِهَالُ أَنْ تَمُدَّ يَدَيْكَ جَمِيْعًا وَّ فِيْ رِوَايَةٍ قَالَ وَ الْاِبْتِهَالُ هٰكَذَا وَ رَفَعَ يَدَيْهِ وَ جَعَلَ ظُهُوْرَهُمَا مِمَّا يَلِيْ وَجْهَهٗ۔

(رَوَاهُ أَبُوْ دَاوٗدَ)

طریقہ یہ ہے کہ تو اپنے دونوں ہاتھ اپنے کندھوں تک یا اُن کے نزدیک[1] تک اٹھائے اور استغفار[2] کا طریقہ یہ ہے کہ تو اپنی ایک ہی انگلی اٹھائے اور تضرع[3] کا طریقہ یہ ہے کہ تو اپنے دونوں ہاتھ پوری طرح پھیلائے اور ایک روایت میں اس طرح آیا ہے کہ حضرت ابن عباس نے فرمایا تضرع اس طرح ہے اور آپ نے دونوں ہاتھ بلند کیے اور اپنے ہاتھوں کی پشتوں کو اپنے چہرے کی طرف کیا۔

(ابوداؤد)

[1] کیونکہ جب کسی سے کوئی چیز طلب کی جاتی اور سوال کیا جاتا ہے تو دونوں ہاتھ اس کی جانب پھیلائے جاتے ہیں۔

[2] ایک انگلی سے یعنی شہادت کی انگلی سے اشارہ کرے۔ کیونکہ استغفار کے وقت مقصود یہ ہوتا ہے کہ انسان نفس امارہ اور شیطان مردود کو برا کہے اور خدا کے حضور ان دونوں کے شر سے پناہ مانگے لہٰذا استغفار کے وقت ایک انگلی سے اشارہ کرنا چاہیے۔

[3] یہاں حدیث میں لفظ ابتہال آیا ہے۔ قاموس میں فرمایا ابتہال کا معنیٰ ہے دعا میں کوشش کرنا اور اسے ہر قسم کی نمائش سے خالص کرنا لغت کی کتاب صحاح میں فرمایا ابتہال بمعنیٰ تضرع قرآن حکیم میں فرمایا ثم نبتہل جس کا معنیٰ ہے ہم دعا میں خلوص رکھتے ہیں کتاب مجمع البحار میں فرمایا ابتہال کا معنیٰ ہے دونوں ہاتھ دراز کرنا اس میں اصل تضرع اور دعا و سوال میں مبالغہ ہے طیبی نے کہا حدیث میں ابتہال سے مراد شاید اُس چیز کا دفع کرنا ہے جو عذاب کے مقابلہ میں متصور ہوتی ہے تو بندہ دونوں ہاتھ تلوار کی طرح گھماتا ہے تاکہ کوئی ناپسندیدہ چیز لاحق نہ ہو۔

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہ أَنَّهٗ يَقُوْلُ إِنَّ رَفْعَكُمْ أَيْدِيَكُمْ بِدْعَةٌ مَا زَادَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى هٰذَا يَعْنِيْ إِلَى الصَّدْرِ۔

(رَوَاهُ أَحْمَدُ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں بے شک تمہارا اپنے ہاتھوں کو اٹھانا بدعت[1] ہے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ مبارک اس سے زیادہ بلند نہ ہوتے تھے یعنی سینے[2] سے اوپر بلند نہ ہوتے تھے۔

اسے احمد نے روایت کیا۔

ل۱ یعنی سینے سے بھی زیادہ بلند ہاتھ اٹھانا بدعت ہے۔

ل۲ یعنی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سینے تک ہاتھ اٹھاتے تھے یہ الفاظ راوی کی تفسیر ہے جو اُس نے حضرت ابن عمر کے قول کی فرمائی۔ اور جس کی طرف حضرت عمر نے لفظ ھذا سے اشارہ کیا تھا یعنی دعا میں سنت سینے تک ہاتھ اٹھانا ہے نہ کہ سینے سے بھی اوپر۔ طیبی نے کہا ابن عمر کا اعتراض ان لوگوں پر ہے جو غالباً دعا اور سوال میں سینے سے بھی اوپر ہاتھ اٹھاتے اور مختلف حالات میں فرق نہیں کرتے کہ کس کام کے لیے سینے تک ہاتھ اٹھائیں اور کس کام کے لیے سینے سے بلند کر کے کندھوں تک یا کس کام کے لیے کندھوں سے بھی اوپر ہاتھ اٹھائے جائیں۔ اسے سمجھو۔

وَعَنْ اُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا ذَكَرَ اَحَدًا فَدَعَا لَهٗ بَدَاَ بِنَفْسِهٖ.
(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)
وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ غَرِيْبٌ صَحِيْحٌ.

حضرت ابی ابن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی[1] کا ذکر کرتے تو پہلے اپنے لیے دعا کرتے۔
(اسے ترمذی نے روایت کیا۔)
اور کہا یہ حدیث حسن غریب صحیح ہے۔

ل۱ یعنی کسی کا ذکر جب دعا میں کرتے تو یوں فرماتے (اللھم اغفرلی ولفلان) حدیث کا ظاہر یہ ہے کہ دعا کے ساتھ اپنے آپ کو مخصوص کرنا صرف مغفرت کے لیے نہیں ہوتا تھا بلکہ ہر دعا پہلے آپ اپنے لیے کرتے تھے پھر دوسرے کے لیے۔

وَعَنْ اَبِيْ سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا مِنْ مُّسْلِمٍ يَّدْعُوْ بِدَعْوَةٍ لَيْسَ فِيْهَا اِثْمٌ وَّلَا قَطِيْعَةُ رَحِمٍ اِلَّا اَعْطَاهُ اللّٰهُ بِهَا اِحْدٰى ثَلٰثٍ اِمَّا اَنْ يُّعَجِّلَ لَهٗ دَعْوَتَهٗ وَاِمَّا اَنْ يَّدَّخِرَهَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ وَاِمَّا اَنْ يَّصْرِفَ عَنْهُ

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے بے شک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں ہے کوئی مسلمان جو ایسی دعا کرتا ہے جس میں گناہ اور قطع رحمی نہیں ہوتی مگر اللہ تعالیٰ اس دعا کی وجہ سے اُسے تین چیزوں میں سے ایک چیز عطا کرتا ہے یا تو جلدی[1] اس کی دعا قبول کرتا ہے یا اس کی دعا کو اس کے لیے آخرت میں ذخیرہ بناتا ہے یا اُس سے اس کی مثل کوئی تکلیف کی چیز دور کر دیتا ہے۔ صحابہ کرام نے عرض کیا اب تو ہم لوگ بہت[2] دعائیں کیا کریں گے

مِنَ السُّوْءِ مِثْلَهَا قَالُوْا اِذًا نُكْثِرُ قَالَ اللّٰهُ اَكْثَرُ۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس سے بھی اکثر اور زیادہ ہے۔[۳]

(رَوَاهُ اَحْمَدُ)

(احمد)

[۱] یعنی اسی جہاں میں اُسے اُس کی دعا کی قبولیت سے سرفراز فرما دیتا ہے۔

[۲] یعنی جبکہ ہمیں پتہ چل گیا کہ ہماری دعائیں سب کی سب قبول ہی ہوتی ہیں اور اُس قبولیت کے یہ تین طریقے ہیں تو پھر ہم لوگ کثرت سے دعائیں مانگا کریں گے۔

[۳] یعنی اللہ تعالیٰ کا فضل اور اُس کا ثواب دعاؤں کی کثرت سے بھی زیادہ ہے۔ وہ اُن کے ثواب میں کوئی کمی نہیں لائے گا جتنی بھی دعائیں ہوں۔ اور اُس کے خزانہ فضل میں سے جتنا بھی زیادہ تم لوگ مانگو گے وہ تمہاری طلب سے بڑھ کر تمہیں عطا فرمائے گا۔

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ خَمْسُ دَعَوَاتٍ يُسْتَجَابُ لَهُنَّ دَعْوَةُ الْمَظْلُوْمِ حَتّٰى يَنْتَصِرَ وَدَعْوَةُ الْحَاجِّ حَتّٰى يَصْدُرَ وَدَعْوَةُ الْمُجَاهِدِ حَتّٰى يَقْعُدَ وَدَعْوَةُ الْمَرِيْضِ حَتّٰى يَبْرَأَ وَدَعْوَةُ الْاَخِ لِاَخِيْهِ بِظَهْرِ الْغَيْبِ ثُمَّ قَالَ وَاَسْرَعُ هٰذِهِ الدَّعَوَاتِ اِجَابَةً دَعْوَةُ الْاَخِ بِظَهْرِ الْغَيْبِ۔

(رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِي الدَّعَوَاتِ الْكَبِيْرِ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا پانچ دعائیں قبول کر لی جاتی ہیں ایک مظلوم کی دعا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اُس کی مدد فرماتا ہے دوسری حاجی کی دعا اُس کے گھر واپس پہنچنے تک تیسری مجاہد کی دعا۔ جہاد کے ختم ہونے تک[۱]۔ چوتھی بیمار کی دعا اُس کے تندرست ہونے تک پانچویں بھائی کی بھائی کے لیے دعا اُس کی پشت کے پیچھے۔ پھر حضور علیہ السلام نے فرمایا ان پانچوں میں سے بھی جلدی قبول ہونے والی بھائی کی بھائی کے لیے غائبانہ دعا ہے۔

اسے بیہقی نے الدعوات الکبیر میں روایت کیا۔

[۱] یہاں حدیث میں لفظ یفقد آیا ہے فا اور ق سے جس کا معنی ہے گم ہونا۔ مطلب یہ ہے کہ جہاد کے اسباب و آلات گم کرنے تک یعنی اُس سے فارغ ہونے تک بعض نسخوں میں یفقد کی بجائے یقعد آیا ہے ق اور عین کے ساتھ۔ یعنی جہاد سے فارغ ہو کر بیٹھنے تک اور بعض روایتوں میں یقفل آیا ہے ق اور فا کے ساتھ یعنی گھر واپس لوٹنے تک یہ لفظ قفول سے بنا ہے بمعنی لوٹنا اور رجوع کرنا۔ مطلب یہ ہے کہ مجاہد جب تک جہاد میں مصروف رہتا ہے اور

اس سے فارغ نہیں ہوتا اور گھر واپس نہیں لوٹتا اللہ تعالیٰ اس کی دعا سنتا اور قبول کرتا ہے۔

بَابُ ذِكْرِ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ وَالتَّقَرُّبِ اِلَيْهِ

اللہ عزوجل کے ذکر اور اس کی بارگاہ میں نزدیک ہونے کا باب

واضح ہو کہ ذکر دو طرح کا ہوتا ہے دل سے اور زبان سے افضل ذکر وہ ہے جو زبان اور دل دونوں سے ہو۔ اور اگر ان میں سے صرف ایک سے ہو تو پھر دل سے ذکر کرنا بہت افضل ہے۔ امام نووی نے شرح مسلم میں ایسا ہی فرمایا ہے اور یہ بھی فرمایا کہ حق سبحانہ کا ذکر دو قسم پر ہے۔ دل سے ذکر اور زبان سے ذکر پھر ذکر قلب کی دو قسمیں ہیں ان دونوں قسموں میں سے ایک قسم بہت بلند اور اعلیٰ ہے اور وہ ہے خدائے تعالیٰ کی عظمت و جلال میں اس کی بزرگی اور اس کی بادشاہت میں زمین و آسمان میں اس کے پھیلے ہوئے نشانات قدرت میں غور و فکر کرنا۔ اسے ذکر خفی کہتے ہیں اللہ تعالیٰ کا دوسرا ذکر جو دل سے ہوتا ہے یہ ہے کہ اس کے امر و نہی کو دل میں حاضر کرنا اور اس کے مطابق چلنے کا پختہ ارادہ رکھنا۔ امام نووی کا کلام ختم ہوا۔

بعض فقہا فرماتے ہیں کہ ذکر صرف زبان سے ہی ہوتا ہے اس کا کمتر درجہ یہ ہے کہ بندہ اتنی آواز سے ذکر کرے کہ خود اپنے آپ کو سنا سکے۔ ان فقہاء کے نزدیک پسندیدہ قول یہی ہے۔ اگر اتنی بلند آواز سے ذکر نہ کیا جو بندہ خود نہ سن سکے تو اس ذکر کا کوئی اعتبار نہیں جس طرح کہ نماز میں قرأت ہے یا طلاق کے الفاظ اگر زبان سے ادا کیے جائیں۔ اور وہ ذکر جو دل سے ہوتا ہے وہ دل کا فعل ہے وہ علم اور تصور کی قسم ہے اسے ذکر نہیں کہہ سکتے جیسا کہ اسے قرأت بھی نہیں کہہ سکتے ذکر اس چیز کا نام ہے جو زبان کے فعل سے وجود میں آئے۔ مگر معلوم نہیں کہ ان فقہا کا اس گفتگو سے کیا مطلوب و مقصود ہے اگر ان کی مراد یہ ہے کہ لغت میں دل کے ذکر کو ذکر نہیں کہتے تو یہ ایک دوسری بات ہے جس کا تعلق لغت کی کتابوں سے ہے۔ لغت کی مشہور کتاب صحاح اور قاموس میں فرمایا کہ ذکر نسیان (بھولنا) کی ضد ہے اور یہ خود دل کا فعل ہے یعنی کسی چیز کو یاد رکھنا دل کا فعل ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ لغت کے لحاظ سے بھی دل میں کسی چیز کو یاد رکھنا ذکر کہلاتا ہے۔ لہٰذا ان فقہا کا قول سنت کے اعتبار سے بھی درست نہیں ہے ہاں زبان کے فعل کو بھی ذکر کہتے ہیں۔ لہٰذا لفظ ذکر مشترک ہے دل کے فعل اور زبان کے فعل میں یعنی ذکر دل سے بھی ہوتا ہے اور زبان سے بھی اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے (واذکر ربک اذا نسیت) اپنے رب کا ذکر کر جبکہ تو بھول جائے) تو ثابت ہوا کہ ذکر بمعنی قول و کلام نہیں ہے اور اگر اسے کلام قرار دیا جائے تو پھر یہ کلام نفسی ہوگا

لفظی نہ ہوگا۔کلام لفظی وہ ہے جو زبان سے ہوتا ہے اور نفسی وہ ہے جو دل سے ہوتا ہے تو پھر جبکہ کلام کی دو قسمیں ہیں تو ذکر بھی قلبی اور لسانی ہو سکتا ہے اور اگر ان فقہا کی مراد یہ ہے کہ وہ فضائل اور خصوصیات جو ذکر کی شان میں آئی ہیں زبان کے فعل سے متعلق ہیں اور انہی پر ثواب بھی مرتب ہوتا ہے۔ دل کے فعل پر مرتب نہیں ہوتا تو فقہا کا یہ قول بھی بلا دلیل ہے، کیوں اُس پر ثواب مرتب نہ ہوگا جبکہ وہ بھی اُس کے نام کا ذکر ہے اور اگر ان کی مراد یہ ہے کہ افضل ذکر وہ ہے جو زبان سے ہو اور دل بھی اُس ذکر کی موافقت کر رہا ہو تو یہ ایک علیحدہ بات ہے اس میں کوئی نزاع اور کوئی جھگڑا نہیں۔

مشائخ طریقت قدس اللہ اسرارھم کے نزدیک ذکر کی دو قسمیں ہیں ذکرِ قلبی و ذکرِ لسانی قلبی ذکر کا اثر بڑا قوی، بڑا عظیم اور بہت زیادہ ہے اُس ذکر کی نسبت جو صرف زبان سے ہوتا ہے بلکہ درحقیقت ذکر قلبی ہی ذکر ہے۔ ذکر کی حقیقت ان مشائخ رضی اللہ عنہم کے نزدیک اللہ تعالٰی کی ذات پاک کے سوا ہر چیز کو مکمل طور پر فراموش کر دینا ہے۔ ذکر کا قیاس قرات اور عتاق پر غلط ہے کیونکہ شرع شریف میں صریحاً ثابت ہو چکا ہے کہ قرات اور عتاق وغیرہ زبان کے فعل پر مرتب ہوئے ہیں سوائے زبان کے فعل کے قرات و عتاق وغیرہ میں احکام شرعًا مرتب نہیں ہوتے اور ذکر الٰہی ان احکام سے الگ ایک چیز ہے۔ اور شاید کہ اُن کا مقصود یہ ہو کہ وہ اذکار و اوراد جو شرع میں وارد ہوئے ہیں جیسا کہ تسبیح و تحمید اور تکبیر جو نماز میں اور نماز کے بعد اسی طرح کرنے کا حکم آیا ہے وہ زبان کا فعل ہے اور ثواب بھی اُسی صورت میں ملتا ہے جبکہ یہ اذکار زبان سے کیے جائیں۔ جس طرح کہ نماز میں قرات تو یہ بھی الگ بات ہے۔ کتاب حصن حصین کے اوائل میں امام جزری کا کلام دلالت کرتا ہے جبکہ اُن کے کلام کے سیاق و سباق کو ملحوظ رکھا جائے۔ وہ لوگ جو دل سے خدا کو یاد کرنے کو بالکل ذکر قرار نہیں دیتے اور نہ اُسے خدا کی یاد کرنے کو بالکل ذکر قرار نہیں دیتے اور نہ اُسے خدا کی یاد سمجھتے ہیں نہ اُس پر کوئی ثواب و نتیجہ مرتب ہونا تسلیم کرتے ہیں تو اُن کا یہ موقف محل نظر ہے یعنی درست نہیں ہے۔ واللہ اعلم۔

یہاں یہ بات بھی ذہن میں رہے کہ بلند آواز سے ذکر کرنا بھی بلاشبہ شرعًا جائز درست ہے۔ جیسا کہ ایک حدیث میں آیا ہے کہ میرا جو بندہ میرا علانیہ ذکر کرتا ہے۔ حدیث کے اس فقرے کے بالمقابل فرمایا اور جو شخص میرا ذکر اپنے دل میں کرتا ہے۔ "بلند آواز سے ذکر کرنے کی ایک دلیل حق سبحانہٗ و تعالٰی کا یہ قول مبارک ہے (کَذِکْرِکُمْ اٰبَآءَکُمْ) یعنی اللہ تعالٰی کا ذکر اس طرح کرو جس طرح تم اپنے باپ دادا کا ذکر کرتے ہو۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں نماز کے ختم ہونے کا پتہ مجھے اس سے چلتا تھا کہ لوگ اختتام نماز کے بعد بلند آواز سے ذکر کرتے تھے۔ اسے بخاری وغیرہ نے روایت کیا۔ پھر تکبیرات عید کو بلند آواز سے کہنا، اسی طرح نمازوں کے بعد بلند آواز سے ذکر کرنا اور ملک کی سرحدوں پر اور

سفر میں بلند آواز سے تکبیر کہنا بھی اس امر کی دلیل ہے کہ بلند آواز سے ذکر کرنا جائز ہے۔ یہاں تک کہ جب صحابہ کرام نے بہت بلند آواز سے ذکر کرنا شروع کیا تو حضور علیہ الصلوۃ والسلام کو کہنا پڑا "اے لوگو اپنی جانوں پر زیادہ بوجھ نہ ڈالو بلکہ اُن سے نرمی کرو اور ان کے لیے آسانی پیدا کرو زیادہ بلند آواز سے ذکر نہ کرو کیونکہ تم لوگ ایسی ذات کو نہیں پکار رہے جو سنتی نہیں یا جو تم سے غائب ہے"

اس حدیث میں حضور علیہ السلام کا یہ فرمان کہ اپنے اوپر نرمی کرو۔ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ حضور علیہ السلام کا صحابہ کرام کو بلند آواز سے ذکر کرنے سے روکنا شفقت کی بنا پر تھا۔ اس بنا پر نہیں تھا کہ بلند آواز سے ذکر کرنا جائز نہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ خود نبی پاک علیہ الصلوۃ والسلام نے بہت سے مقامات میں بلند آواز سے ذکر اور دعائیں کی ہیں جیسا کہ جنگ خندق میں خندق کھودتے وقت اور مسجد تعمیر کرتے ہوئے پتھر اور اینٹیں اٹھاتے وقت اور دوسرے مقامات میں آپ بلند آواز سے ذکر کرتے تھے۔ پھر بلند آواز سے ذکر کرنا صحابہ کرام اور اُن کے بعد کے سلف صالحین سے بھی منقول ہے۔ یہ سب دلائل اس مسئلے کو واضح کرتے ہیں کہ بلند آواز سے ذکر کرنا اور ایسے ذکر کے لیے جمع ہونا جائز و روا ہے۔ لیکن یہ مذکورہ واقعات خاص جگہوں سے تعلق رکھتے ہیں ان میں احتمال ہے کہ بلند آواز سے ذکر کرنا انہی مقامات کے ساتھ خاص ہو۔ تو جو حضرات معنی اور علت کو دیکھتے ہیں وہ تمام اوقات میں بلند آواز سے ذکر کو جائز قرار دیتے ہیں۔ اور جو اس کے خصوص پر نظر کرتے ہیں وہ بلند آواز سے ذکر کرنے کو انہی مقامات سے خاص رکھتے ہیں۔ مگر پہلا طریقہ یعنی بلند آواز سے ذکر کرنا شرع کے مقاصد و مطالب سے موافق و مطابق ہے تو اس تحقیق سے جو مذکور ہوئی ظاہر ہو گیا کہ بعض مشائخ کرام بلند آواز سے ذکر کے لیے جو جمع ہوتے ہیں اور ایک گروہ کی شکل میں حلقہ باندھ کر بیٹھتے ہیں درست و جائز ہے۔ حدیث پاک میں ذکر کے لیے حلقہ باندھنے کا ذکر آیا ہے وہ بھی اس کی دلیل ہے۔ لیکن امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب میں اس طریقے کو مکروہ قرار دیا گیا ہے کیونکہ اُن کے نزدیک مشائخ کی طرح کا یہ عمل صحابہ و تابعین سے منقول نہیں اور اس لیے بھی درست نہیں تاکہ راستے کو بند کر دیا جائے ایسا نہ ہو کہ رفتہ رفتہ لوگ اس ذکر میں اپنے پاس سے کئی اضافے نہ کر دیں اور حد سے تجاوز نہ کر جائیں۔

مشائخ شاذلیہ قدس سرہم کے بعض متاخرین فرماتے ہیں بلند آواز سے ذکر کے لیے اجتماع اور حلقے بنانا دین کے رواج میں سے ہے اور اس کا جائز ہونا بالکل متعین ہے۔ اسے دلیل بنانا چاہیے کیونکہ اس زمانے میں اصل حقائق تو ناپید ہیں۔ کم از کم ذکر کی ایسی مجلسیں تو قائم ہونی چاہئیں۔ اور اگر ایسی مجالس ذکر منعقد کرنا بدعت قرار دیا جائے گا تو یہ بدعت مختلف فیہ ہے۔ زیادہ سے زیادہ اتنی بات ہے کہ اسے مکروہ قرار دیا جائے خلاصہ کلام یہ کہ جو لوگ اس کے قائل ہیں اُن کے نزدیک یہ عمل صحیح ہے اور شاید کہ شارع علیہ السلام نے ایک جماعت کو جو صحابہ کے بعد پیدا ہوئی ترغیب دینے کے لیے ایسا کیا ہو۔ کیونکہ انہیں بلند آواز سے ذکر کرنے کی ضرورت محسوس ہوتی تھی۔ اور کبھی کبھی

ایک حکم زمانے جگہ بلکہ اختلاف اشخاص کی بنا پر مباح یا مستحب ہونے میں مختلف ہوتا ہے۔ اس ساری گفتگو سے یہ بات واضح ہو گئی کہ شرائط و آداب کو ملحوظ رکھتے ہوئے بلند آواز سے ذکر کرنا جائز ہے وہ شرائط و آداب اپنی جگہ میں مذکور ہیں اللہ ہی بہتر جانتا ہے اور اسی سے توفیق حاصل ہوتی ہے۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

پہلی فصل

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ وَاَبِیْ سَعِیْدٍ قَالَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَا یَقْعُدُ قَوْمٌ یَذْکُرُوْنَ اللّٰهَ اِلَّا حَفَّتْهُمُ الْمَلٰٓئِکَةُ وَغَشِیَتْهُمُ الرَّحْمَةُ وَنَزَلَتْ عَلَیْهِمُ السَّکِیْنَةُ وَذَکَرَهُمُ اللّٰهُ فِیْمَنْ عِنْدَهٗ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابوہریرہ اور حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہما سے روایت ہے دونوں حضرات فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ کا ذکر کرنے کے لیے نہیں بیٹھتی کوئی قوم مگر فرشتے اس جماعت کو اپنے گھیرے میں لے لیتے ہیں اور ان پر رحمت کے انوار و آثار چھا جاتے ہیں۔ اور ان پر اس وقت نورانیت اور طمانیت[1] چھا جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ ان کا ذکر ان کے سامنے کرتا ہے جو اس کی درگاہ میں مقرب[2] ہوتے ہیں۔ (مسلم)

[1] اور انہیں حضور قلب و جمعیت ذوق و شوق جو حاصل ہوتا ہے وہ اسی کا نتیجہ ہوتا ہے۔ اس بارے میں مزید گفتگو کتاب علم کی فصل اول اور فضائل قرآن میں گزر چکی ہے۔ اسے یاد رکھو۔

[2] اللہ تعالیٰ ان ذکر کرنے والوں کا چرچا اس بنا پر کرتا ہے کہ خدائے تعالیٰ ان کے ساتھ فخر کرتا اور فرشتوں پر انسانوں کی فضیلت و کرامت کا اظہار کرتا ہے۔ کیونکہ فرشتوں نے اپنے لیے تسبیح و تقدیس کا ذکر کیا تھا اور فساد پھیلانے اور خون بہانے کا ذکر انسانوں کے لیے کیا تھا۔

وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَسِیْرُ فِیْ طَرِیْقِ مَکَّةَ فَمَرَّ عَلٰی جَبَلٍ یُّقَالُ لَهٗ جُمْدَانُ فَقَالَ سِیْرُوْا هٰذَا جُمْدَانُ سَبَقَ الْمُفَرِّدُوْنَ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جبکہ آپ مکہ کے راستے پر چل رہے تھے آپ کا گزر ایک پہاڑ پر سے ہوا جسے جمدان کہتے ہیں۔ آپ نے فرمایا چلو اور تیز چلو یہ جمدان پہاڑ ہے کہ اکیلے[3] چلنے والے آگے گزر گئے۔ لوگوں نے کہا یا رسول اللہ اکیلے چلنے

یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ قَالَ الذَّاکِرُوْنَ اللّٰہَ کَثِیْرًا وَّ الذَّاکِرَاتُ۔
(رَوَاہُ مُسْلِمٌ)

والے کون لوگ ہیں فرمایا کثرت سے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے والے مرد اور کثرت سے اس کا ذکر کرنے والی عورتیں۔ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ اُن کا ذکر الٰہی کرنا اُن کے بوجھوں کو اُن پر سے ہٹا دیتا ہے۔ تو یہ لوگ قیامت کے دن بالکل ہلکے پھلکے آئیں گے۔

ؑ ؑ

لہ یعنی جو راستہ مکہ سے مدینہ جاتا ہے۔

ؑ جُمدان جیم کی پیش میم ساکن میم کے بعد د ہے یہ ایک پہاڑ کا نام ہے جو مدینہ منورہ سے ایک رات کی مسافت پر واقع ہے۔

ؑ اور یہاں سے مدینہ بالکل نزدیک ہے۔

ؑ یہاں حدیث میں لفظ مفردون آیا ہے۔ ف کی زبر را کی شد اور زیر کی بجائے را پر زبر بھی پڑھی گئی ہے و فا ساکن اور را کی زیر غیر مشدد اور را پر زبر بھی آئی ہے اس لفظ کا مطلب یہ ہے کہ اکیلے چلنے والے آگے نکل گئے ہیں اور اپنے آپ کو لوگوں سے الگ رکھنے والے سب سے آگے چلے گئے۔ واقعہ یہ ہے کہ صحابہ کرام حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی معیت میں کسی سفر سے واپس مدینہ طیبہ تشریف لا رہے تھے۔ جب صحابہ کرام کی ایک جماعت مدینہ منورہ کے قریب پہنچی تو انہیں اپنے وطن اور اپنے اہل وعیال میں پہنچنے کا زبردست شوق پیدا ہوا یہ جماعت دوسرے لوگوں سے جدا ہو گئی اور بڑے شوق و ذوق سے اپنی جگہوں میں پہنچ گئی۔ اور ایک دوسری جماعت جس میں شوق و نشاط نہ تھا پیچھے رہ گئی۔ حضور علیہ السلام نے اس پیچھے رہنے والی جماعت سے فرمایا کہ چلو اور تیز چلو کہ منزلیں نزدیک آ گئی ہیں۔ اور اکیلے چلنے والے باقی لوگوں سے سبقت لے گئے ہیں۔

ؑ ظاہر یہ ہے کہ لوگوں نے یہ سوال کیا کہ اکیلے چلنے والے کون لوگ ہیں لیکن سوال کرنے والوں کا مقصد یہ تھا کہ اکیلے چلنے والوں کی حقیقت بیان فرمائیں اُن کی ماہیت کا نشان بتلائیں۔ گویا صحابہ کرام کے سوال کا مقصد یہ تھا کہ یہی مخصوص اشخاص جو آگے نکل گئے ہیں کہ تیز چلتے ہیں یہ مراد نہیں کیونکہ ان کو تو صحابہ کرام جانتے تھے۔ تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حقیقت کی جانب رُخ کرتے ہوئے اکیلے چلنے والوں کی تفسیر ارشاد فرمائی۔ چنانچہ فرمایا اکیلے چلنے والوں سے وہ مرد اور عورتیں مراد ہیں جو خدائے تعالیٰ کا ذکر بہت کرتے ہیں یعنی وہ لوگ جنہوں نے اپنے آپ کو ہر ماسوا اللہ چیز سے جدا اور خالص کر لیا ہے۔ یا وہ لوگ جو خدا کی عبادت اور خلوت میں بیٹھ کر اللہ سبحانہ کے ذکر کے لیے مخصوص کر دیے گئے ہیں اور جنہوں نے مخلوق سے الگ ہو کر گوشہ تنہائی اختیار کر لیا اور ماسوائے حق کے ہر چیز سے کٹ چکے ہیں۔ دوستوں کی صحبت کو بھی انہوں نے ترک کر دیا ہے اور

اسباب دنیوی شہوات نفسانی کو بھی ترک کر چکے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کے ذکر کے لیئے ہو کر رہ گئے ہیں۔ یاد رہے بندے کے اس مقام کو مقام تفرید کہتے ہیں یعنی (اللہ کے ذکر کے لیے سب سے الگ ہو جانا) قرآن مجید کی آیت (وتبتل الیہ تبتیلا) (سب سے کٹ کر اسی کے لیے ہو جا)۔ میں اسی مقام تفرید کی طرف اشارہ ہے۔ بعض فرماتے ہیں کہ حدیث میں واقع لفظ معزدون یا مفردون سے وہ اصحاب توحید مراد ہیں جو غیر خدا کو جانتے ہی نہیں اور دیدہ شہود سے اُس کے سوا کسی کو نہیں دیکھتے۔ وہ ایک ذات ہی کی بات کرتے ہیں ایک ذات کو ہی جانتے اور ایک ذات کو ہی دیکھتے ہیں اور کلیتہً یاد حق کے لیے ہو کر رہ گئے ہیں۔ کتاب مشارق میں فرمایا فرد ار جل اُس شخص کے لیے کہتے ہیں جس نے دین کا علم حاصل کیا اور پھر اُس پر عمل کے لیے گوشہ خلوت و تنہائی اختیار کر لی۔ اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لیے ہی ہو کر رہ گیا۔ ایسا شخص اللہ تعالیٰ کے امر و نہی کی حفاظت کرتا اور ذات سبحانہ کے ذکر میں مشغول رہتا ہے۔ لغت کی کتاب قاموس میں بھی معزدون یا مفردون کا یہی معنی بیان کیا گیا ہے۔ اسے مسلم نے روایت کیا اور ترمذی کی روایت میں اس طرح آیا ہے کہ مفردون وہ لوگ ہیں جو ہر وقت اللہ تعالیٰ کی یاد اور اُس کے ذکر پر شیفتہ و فریفتہ رہتے ہیں۔ ترمذی کی روایت میں اصل لفظ متہر ومشتر آیا ہے جس کا معنی ہے ایسا شخص جو کسی انسان یا کسی چیز پر سخت فریفتہ ہو چکا ہو یہاں تک کہ وہ سوائے اُس کے کسی کی بات نہ کرے۔ اور اُس کے سوا کسی کو یاد نہ کرے۔

لے ایک حدیث میں آیا ہے کہ قیامت کے دن محشر کے میدان میں فقراء اُمت اپنے اسلحہ کے ساتھ آئیں گے۔ دو زانو ہو کر بیٹھیں گے اور عرض کریں گے ہمیں کس لیے یہاں روکا گیا ہے اور ہم سے کونسا حساب و کتاب لینا چاہتے ہو۔ حکم دو کہ ہم جائیں اور بہشت میں پہنچیں اور وہاں جا کر آرام کریں۔ جیسا کہ باب فضل الفقراء میں آ رہا ہے۔

وَعَنْ اَبِیْ مُوْسٰی ؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَثَلُ الَّذِیْ یَذْکُرُ رَبَّہٗ وَ الَّذِیْ لَا یَذْکُرُ مَثَلُ الْحَیِّ وَ الْمَیِّتِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)

حضرت موسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اُس شخص کا حال جو اپنے رب کا ذکر کرتا ہے اور اُس شخص کا حال جو اپنے رب کا ذکر نہیں کرتا۔ زندہ انسان اور مردہ انسان کی طرح ہے لے۔ (بخاری و مسلم)

لے کہ ذکر کرنے والا زندہ انسان کی طرح ہے کیونکہ اس میں اصل زندگی یعنی روحانی زندگی کے آثار پائے جاتے ہیں۔ جیسے روحانیت کی صفائی۔ معرفت الٰہی۔ ذوق و شوق اور محبت جس طرح ایک زندہ انسان میں زندگی کے آثار جیسے چلنا پھرنا۔ کھانا پینا۔ بولنا وغیرہ پائے جاتے ہیں اور جو ذکر سے غافل ہے وہ اس کے برعکس مردہ انسان کی طرح ہے۔

بیت:۔ زندگانی نتوان گفت حیاتیکہ مراست زندہ آنست کہ با دوست وصالے دارد

ترجمہ:۔ اس زندگی کو زندگی نہیں کہتے جو کہ مجھے حاصل ہے۔ زندہ وہ ہے جسے اپنے دوست کا وصال نصیب ہو چکا ہے۔

وَعَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ رضی قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ اللّٰہُ تَعَالٰی اَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِیْ بِیْ وَ اَنَا مَعَہٗ اِذَا ذَکَرَنِیْ فَاِنْ ذَکَرَنِیْ فِیْ مَلَاٍ ذَکَرْتُہٗ فِیْ مَلَاٍ خَیْرٍ مِّنْھُمْ (مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالے فرماتا ہے میں اپنے بندے کے ذہن اور گمان کے مطابق ہوتا ہوں جو اُس کا میرے متعلق[1] ہوتا ہے اور میں اُس کے ساتھ ہوتا ہوں جبکہ وہ مجھے یاد کرتا ہے۔ اگر وہ میری یاد اپنے دل میں کرتا ہے میں بھی اُس کی یاد اس طرح[2] کرتا ہوں اور اگر وہ مجھے کسی جماعت کے اندر یاد کرتا ہے تو میں[3] اُسے اس سے بہتر جماعت[4] میں یاد کرتا ہوں۔ (بخاری ومسلم)

* *

[1] یعنی اللہ تعالی فرماتا ہے میں اپنے بندے کے گمان کے نزدیک ہوتا ہوں جو اُس کا میرے متعلق ہوتا ہے۔ یعنی میں اس کے گناہ بخشتا ہوں جبکہ وہ مجھ سے بخشش طلب کرتا ہے میں اُس کو بخشش دیتا ہوں اور اُس کی توبہ قبول کرتا ہوں جبکہ وہ مجھ سے توبہ کرتا اور گناہوں سے باز آتا ہے۔ اور جب وہ مجھ سے دعا کرتا ہے تو میں اس کی دعا قبول کرتا ہوں اور جب وہ مجھ سے حاجت طلب کرتا ہے تو میں اُس کی حاجت پوری کرتا ہوں۔ اس جملے کا ایک معنی یہ بیان کیا گیا ہے۔ مگر صحیح تر یہ ہے کہ اس سے رجاء اور اُمید مراد ہے۔ یعنی جو شخص مجھ سے میرے عفو وکرم کی امید رکھتا ہے تو میں اُس سے عفو و درگزر فرما دیتا ہوں اور اگر مجھ سے سزا کا گمان رکھتا ہے تو میں اُسے سزا دیتا ہوں۔ اس لفظ میں اس جانب اشارہ ہے کہ امید ورجاء کا تصور دل میں زیادہ ہونا چاہیے۔ محققین فرماتے ہیں کہ رجاء و اُمید کی حقیقت یہ ہے کہ بندہ عمل کرے خدمت بجالائے اور قبولیت کی اُمید رکھے اور وہ شخص جو عمل نہیں کرتا نافرمانی و سرکشی کرتا ہے توبہ و استغفار نہیں کرتا اس کے باوجود اللہ تعالی کی طرف سے نیک سلوک کی اُمید رکھتا ہے۔ یہ اُس کی صرف آرزو ہے اور یہ اس طرح ہے جیسے کہ ٹھنڈے لوہے کو کوٹنا تاہم کسی بھی حال میں اللہ تعالی کے لطف و کرم سے نا اُمید نہیں ہونا چاہیے۔

بیت:۔ نا امید از در لطف تو کجا باید رفت درگاہ تو چنان است کہ درگاہ ترا ثانی نیست

ترجمہ:۔ تیری مہربانی کے دروازے سے نا اُمید ہو کر کہاں جا سکتے ہیں۔ تیری درگاہ وہ ہے کہ اس جیسی اور کوئی درگاہ نہیں ہے۔

بعض علماء فرماتے ہیں کہ یہاں حدیث میں لفظ ظن سے علم یقینی مراد ہے۔ یعنی میں اپنے بندے کے یقین و علم کے نزدیک ہوں کہ ایک دن بندہ میری طرف لوٹے گا اور میں ہی اُس کا حساب لوں گا۔ اور جو کچھ میں اُس کے لیے خیر و شر سے مقدر کر چکا ہوں ضرور اُسے پہنچ کر رہے گا۔ یعنی جب بندہ مقام توحید پر پورے استحکام سے متمکن ہو جاتا ہے تو

میرے قریب ہو جاتا ہے۔ چنانچہ پھر وہ جو دعا کرتا ہے میں اُس کی دعا قبول کرتا ہوں۔ یا ظن سے اُس کا علم مراد ہے۔ یعنی میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں جبکہ وہ مجھے یاد کرتا ہے۔ یا میں اُس کو جزا و ثواب عطا کرتا ہوں جبکہ وہ پوشیدہ یا ظاہر کوئی نیک عمل بجا لاتا ہے۔ اس آخری معنی کے مطابق اس کے بعد کے الفاظ تفصیل و تفسیر کے طور پر ہیں چنانچہ فرمایا کہ میں اپنے بندے کے ساتھ اور قریب ہوں یعنی اپنی خدمت کی مشقت اٹھانے کی اُسے توفیق دیتا ہوں اور اپنے نور حضور کے مقام سے اُسے سرفراز کرتا ہوں۔ اور جب کہ وہ مجھے یاد کرتا ہے تو میں اُس کے دل کے اندر موجود ہوتا ہوں گویا کہ وہ مجھے دیکھتا ہے۔

ؑ۲ یعنی جب کہ وہ مجھے دل میں یاد کرتا ہے تو میں بھی چپکے چپکے ثواب عطا کرتا ہوں اور اُس کی ذات کا کارساز بنتا اور اپنے ذکر میں اُس کی ذات کو ثابت و قائم کرتا ہوں۔ یہ سب کام اس طرح پوشیدہ طریقے سے کرتا ہوں کہ نہ تو اُس کی اس حالت کو کوئی فرشتہ جانتا ہے اور نہ اُس کے سوا کوئی اور۔ علماء نے اس کا معنی یہی بیان کیا ہے۔

ؑ۳ یعنی میرا بندہ مجھے اگر انسانوں کی جماعت میں یاد کرتا ہے تو میں اُسے ان سے بہتر جماعت میں یاد کرتا ہوں جو کہ ملائکہ مقربین کی جماعت ہے۔ یہاں حدیث میں لفظ ملاء میم اور لام کی زبر سے بمعنی قوم کے اشراف اور سردار لوگ ہیں اس میں شک نہیں کہ حق سبحانہ تعالیٰ کا کلام نفسی بھی ہے اور لفظی بھی۔ جیسا کہ دوسرے مقام میں اس کی تحقیق ہو چکی ہے تو اللہ تعالیٰ اپنے بندے کو دونوں قسم کے کلام سے یاد کرتا ہے اور اس میں کوئی حرج نہیں۔ اللہ تعالیٰ کے ذکر کے لیے ثواب لازم ہے اور اُس کا اثر بھی ظاہر ہو کر رہتا ہے۔

حضرت قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہاں اس امر کا احتمال ہے کہ اللہ کے اپنے بندے کا ذکر کرنے سے ظاہری معنی مراد ہو یعنی حق سبحانہ و تعالیٰ بندے کو ذکر کے عزت و بزرگی عطا فرماتا ہے اس حدیث میں یہ دلیل بھی ہے کہ اونچی آواز سے ذکر کرنا جائز ہے۔ البتہ یہ بات باقی ہے کہ کچھ لوگ اس حدیث سے یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ انسان سے فرشتے افضل ہیں۔

طیبی نے کہا کہ ملاء سے ملائکہ مقربین و ارواح مسلین مراد ہیں نہ صرف ملائکہ واضح ہو کہ ابھی تک اشکال باقی ہے اُس ذکر کی بناء پر جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں کیا گیا ہو مگر یہ کہ یوں جواب دیا جائے کہ حضور نبی پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام کی روح مقدس بہت سے اوقات میں ملائکہ کے اندر موجود ہوتی ہے۔ اسی بناء پر فرشتوں کی جماعت کو بہتر اور خیر جماعت کا نام دیا گیا اور یہ لازم نہیں کہ جب ذکر کیا جا رہا ہو تو حضور علیہ السلام کی روح اُس مجلس میں ہو بلکہ ہو سکتا ہے کہ اُس وقت بھی حضور کی روح پاک ملائکہ میں موجود ہو۔ اسے اچھی طرح سمجھو۔ تاہم احسن و بہتر یہ ہے کہ یوں کہا جائے کہ فرشتوں کی جماعت کا بہتر ہونا اُن کے اللہ تبارک و تقدس کے قریب اور اُس بلندی میں ہونے

کی وجہ سے ہے ۔کیونکہ فرشتوں کی بلند جماعت جسے ملاء اعلیٰ کہتے ہیں کو اللہ تعالیٰ کے حضور بہت قرب اور بلند ہونے کی وجہ سے یہ افضلیت حاصل ہے ۔اور جو افضلیت اللہ تعالیٰ کے قرب کی وجہ سے حاصل ہو کوئی شک نہیں کہ بشر اُس سے افضل نہیں ہو سکتا۔ البتہ بشر کو بھی افضلیت حاصل ہے مگر یہ افضلیت بندے کی عبادت پر کثرت ثواب کی وجہ سے ہے۔ باوجودیکہ کہ بندہ جسمانی موانع اور عوارض میں پھنسا ہوا ہوتا ہے تو ان موانع اور عوارض کے باوجود جو بندہ اللہ کی عبادت پورے اخلاص اور حضور قلب سے کرتا ہے اُس کے افضل ہونے میں کیا شک ہے۔ اسی تحقیق کے قریب ہے وہ بات جو بعض لوگوں نے کہی ہے کہ فرشتوں کا افضل ہونا اس وجہ سے ہے کہ وہ فرشتے خدائے عزوجل کے نزدیک ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اُن کے ساتھ ہوتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں فرمایا (ان الذین عند ربك لا يستكبرون) ترجمہ۔ بے شک وہ بندے یعنی فرشتے جو تیرے رب کے قریب ہیں تکبر سے پاک ہیں۔ اور اللہ سبحانہ کے اس قول میں کہ (انی معکم) اس آیت میں لفظ عند اور معیت اگرچہ انسانوں کے لیے بھی ثابت وشامل ہے مگر ملائکہ کے لیے پہلے اور اول حاصل ہے پھر اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کے غلبے کا ظہور اور اُس کے قدس کے انوار عالم ملکوت میں زیادہ واضح اور کثیر مقدار میں ہیں اگرچہ بشر کی افضلیت و بزرگی اور وجہ سے ہے بہت سے علماء نے جہات کے اختلاف کی بنا پر ملائکہ اور انسانوں کے لیے الگ الگ افضلیت بیان فرمائی ہے۔ واللہ اعلم۔

وَعَنْ اَبِیْ ذَرٍّ رضی قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ اللّٰهُ تَعَالٰی مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا وَاَزِیْدُ مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا وَاَزِیْدُ وَمَنْ جَآءَ بِالسَّیِّئَةِ فَجَزَآءُ سَیِّئَةٍ مِّثْلُهَا اَوْ اَغْفِرُ وَمَنْ تَقَرَّبَ مِنِّیْ شِبْرًا تَقَرَّبْتُ مِنْهُ ذِرَاعًا وَمَنْ تَقَرَّبَ مِنِّیْ ذِرَاعًا تَقَرَّبْتُ مِنْهُ بَاعًا وَمَنْ اَتَانِیْ یَمْشِیْ اَتَیْتُهٗ هَرْوَلَةً وَمَنْ لَقِیَنِیْ بِقُرَابِ الْاَرْضِ

حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے جو شخص ایک نیکی کرتا ہے اُسے اُس کے بدلے دس گنا ثواب ملتا ہے اور اس سے بھی زیادہ اور جو ایک برائی کرتا ہے تو اس کی مثل جزا دی جاتی ہے یا میں اسے بخش دیتا ہوں۔ اور جو بندہ ایک بالشت میرے قریب ہوتا ہے میں ایک گز اُس کے قریب ہوتا ہوں اور جو بندہ ایک گز میرے قریب ہوتا ہے میں دو گز اُس کے قریب ہوتا ہوں اور جو میرے قریب چل کر آتا ہے میں اس کی طرف دوڑ کر آتا ہوں اور جو شخص مجھ سے زمین جتنے گناہ لے کر ملے گا اس حال میں کہ اس نے میرے ساتھ کسی چیز کو شریک نہیں کیا ہوگا تو میں اُس سے زمین جتنی مغفرت کے ساتھ

خَطِیْئَۃً لَا یُشْرِکُ بِیْ شَیْئًا لَقِیْتُہٗ بِمِثْلِھَا مَغْفِرَۃً۔ ملاقات کروں گا۔

(رَوَاہُ مُسْلِمٌ) (اسے مسلم نے روایت کیا)

لے یعنی، جسے چاہتا ہوں اُس کے عمل میں صدق و اخلاص کے اندازے کے مطابق زیادہ ثواب بھی عطا کرتا ہوں یہاں تک کہ سات سو نیکی تک اُسے ثواب عطا کرتا ہوں۔

ے۲ یعنی ایک برائی کی جزا ایک ہی درجہ عذاب ہے۔

ے۳ یعنی اور اگر میں چاہوں تو اُس کو بالکل سزا نہیں دیتا اس سے مقصود اللہ تعالیٰ شانہ کے فضل و کرم کا بیان ہے اللہ تعالیٰ کا دوسرا فضل و مہ ہے جو اگلی عبارت میں بیان ہو رہا ہے۔ یعنی جو شخص مجھ سے ایک بالشت قریب ہوتا ہے۔ الیٰ آخرہ۔

ے۴ یعنی جو شخص تھوڑا سا عمل کرتا ہے جو بارگاہ الٰہی میں کس قدر قرب کا ذریعہ بنتا ہے تو میں اُسے اُس سے زیادہ ثواب اور بدلہ عطا کرتا ہوں اور جس کا مرد مستحق و لائق ہوتا ہے میں اُس سے بھی زیادہ اُسے اپنی بارگاہ میں قرب عطا فرماتا ہوں۔ یہاں حدیث میں لفظ شبر آیا ہے شین کی زیر با ساکن بمعنی ایک بالشت۔ یہاں دوسرا لفظ ذراع آیا ہے یعنی کہنیوں تک لمبا ہاتھ جیسا کہ صراح میں آیا ہے اور قاموس میں فرمایا کہ شبر اُس درازی کو کہتے ہیں جو انگوٹھے سے لے کر سب سے چھوٹی انگلی کے کنارے تک ہوتی ہے۔ اور ذراع اُس لمبائی کو کہتے ہیں جو کہنی کے کنارے سے درمیانی انگلی کے سرے تک ہوتی ہے۔ حدیث میں تیسرا لفظ 'باع' ہے جس کا معنیٰ ہے دو ہاتھ کے مقدار فاصلہ۔

ے۵ یہاں حدیث میں لفظ ہرولہ آیا ہے۔ ہا کی زبر را ساکن و کی زبر بمعنی دوڑنا۔ جیسا کہ صراح میں مذکور ہے قاموس میں فرمایا ہرولہ اُس رفتار کو کہتے ہیں جو آہستہ چلنے اور دوڑنے کے درمیان کی رفتار ہوتی ہے۔ دراصل یہ کنایہ ہے۔ اس بات سے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اُس کا قرب اپنے بندوں کی طرف بندوں سے بھی زیادہ تیز چل کر آتا ہے۔ اور اس میں بندوں کے اعمال اور اُن کی نیکیوں پر زیادہ ثواب و زیادہ فضل و عطا کی طرف بھی اشارہ پایا جاتا ہے۔

ے۶ یہاں حدیث میں لفظ قُراب آیا ہے ق کی پیش یا زیر سے بمعنی ایسی چیز جو کسی چیز کی مقدار کے قریب ہو۔

وَعَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰہَ قَالَ مَنْ عَادٰی لِیْ وَلِیًّا فَقَدْ اٰذَنْتُہٗ بِالْحَرْبِ وَمَا

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے فرمایا جس شخص نے میرے دوست سے دشمنی کی تو بے شک میں نے اُسے

تَقَرَّبَ اِلَیَّ عَبْدِیْ بِشَیْءٍ اَحَبَّ اِلَیَّ مِمَّا افْتَرَضْتُ عَلَیْہِ وَ مَا یَزَالُ عَبْدِیْ یَتَقَرَّبُ اِلَیَّ بِالنَّوَافِلِ حَتّٰی اَحْبَبْتُہٗ فَاِذَا اَحْبَبْتُہٗ کُنْتُ سَمْعَہُ الَّذِیْ یَسْمَعُ بِہٖ وَ بَصَرَہُ الَّذِیْ یُبْصِرُ وَ یَدَہُ الَّتِیْ یَبْطِشُ بِھَا وَ رِجْلَہُ الَّتِیْ یَمْشِیْ بِھَا وَ اِنْ سَاَلَنِیْ لَاُعْطِیَنَّہٗ وَ لَئِنِ اسْتَعَاذَنِیْ لَاُعِیْذَنَّہٗ وَ مَا تَرَدَّدْتُ عَنْ شَیْءٍ اَنَا فَاعِلُہٗ تَرَدُّدِیْ عَنْ نَفْسِ الْمُؤْمِنِ یَکْرَہُ الْمَوْتَ وَ اَنَا اَکْرَہُ مَسَاءَتَہٗ وَ لَا بُدَّ لَہٗ مِنْہُ۔

(رَوَاہُ الْبُخَارِیُّ)

اپنے ساتھ جنگ کے لیے آگاہ کر دیا۔[1] اور میرا بندہ مجھ سے نزدیکی حاصل نہیں کرتا جو مجھے سب سے زیادہ محبوب ہے اُس سے جو کچھ میں نے اُس پر فرض کیا ہے (یعنی میرے بندے کو میرے نزدیک سب سے زیادہ قرب اس سے حاصل ہوتا ہے کہ وہ میری فرض کردہ چیزوں کو ادا کرے) اور میرا بندہ ہمیشہ نوافل کے ساتھ میرے قریب ہوتا رہتا ہے[2] یہاں تک کہ میں اُسے اپنا محبوب بنا لیتا ہوں جب میں اُسے اپنا محبوب بنا لیتا ہوں تو میں اُس کے کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے اور میں اس کی آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے اور میں اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے[3] اور میں اس کا پاؤں بن جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے[5] اگر مجھ سے مانگتا ہے تو میں اُسے دیتا ہوں اگر میرے پاس پناہ لیتا ہے تو میں ضرور اُسے پناہ دیتا ہوں اور میں توقف اور دیر نہیں کرتا اُس کام میں جسے میں کرنے والا ہوتا ہوں جتنا کہ میں بندۂ مومن کی جان قبض کرنے میں توقف اور دیر کرتا ہوں بندۂ مومن موت کو نہیں چاہتا اور میں نہیں چاہتا کہ اُسے تکلیف میں ڈالوں حالانکہ موت کا اس پر طاری ہونا ضروری امر ہے (بخاری)

✿ ✿ ✿ ✿

[1] اور میں اُسے اپنے ساتھ جنگ کرنے کی خبر دیتا ہوں یہاں حدیث میں لفظ ولی آیا ہے جو ولایت سے نکلا ہے ولایت کا معنیٰ محبت کرنا اور مدد کرنا۔ یا اس کا معنیٰ ہے کام کسی کے سپرد کرنا جس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نظام کائنات کے بہت سے کام اپنے ولیوں کے سپرد کرتا ہے۔

[2] یعنی ادائے فرائض کے ساتھ بندے کو میرا جو قرب حاصل ہوتا ہے وہ مجھے زیادہ محبوب ہے۔ اُس قرب سے جو بندہ نفل عبادت ادا کرنے سے حاصل کرتا ہے کیونکہ فرائض کی ادائیگی میرے نزدیک زیادہ پسندیدہ زیادہ محبوب اور مجھے زیادہ مطلوب ہے۔ پھر یہ بات بھی ذہن میں رہے کہ نوافل سے جو قرب حاصل ہوتا ہے اُس کا نتیجہ بھی بڑا بلند اور

اس کا درجہ بھی بڑا عظیم ہے کیونکہ نوافل فرائض کو تمام و کمال تک پہنچانے کا ذریعہ ہیں۔

۳؎ یعنی ان عبادتوں کے ذریعے میرے قریب ہوتا رہتا ہے۔ جو شرعاً فرض و واجب نہیں ہیں۔

۴؎ یہاں حدیث میں لفظ لبطش آیا ہے۔ لغت کے لحاظ سے اس لفظ کا معنیٰ ہے کسی پر حملہ کرنا۔ اور کسی کو سختی سے پکڑنا مگر یہاں مطلق پکڑنا مراد ہے۔

۵؎ یہاں بعض روایتوں میں یہ الفاظ بھی آئے ہیں۔ وَفُؤَادَہُ الَّذِیْ یَعْقِلُ بِہٖ۔ یعنی اور میں اس کا دل بن جاتا ہوں جس سے وہ سمجھتا ہے۔ اور یہ لفظ بھی آئے ہیں۔ ولسانہ الذی یتکلم بہ۔ اور میں اس کی زبان بن جاتا ہوں جس سے وہ کلام کرتا ہے اس حدیث کے آخر میں بعض روایات میں یہ بھی آیا ہے۔ دبی یسمع اور وہ مجھ سے سنتا ہے۔ دبی یُبصر اور میرے ساتھ دیکھتا ہے۔ دبی یبطش اور میرے ساتھ پکڑتا ہے۔ دبی یمشی۔ اور میرے ساتھ چلتا ہے۔ یعنی وہ بندہ نہیں سنتا، نہیں دیکھتا، نہیں پکڑتا اور نہیں جاتا کسی جانب مگر اس کا ملحوظ خاطر اور اس کا مقصود صرف میری رضا ہوتی ہے اور میری طاعت کو ہی اختیار کرتا ہے۔ اور اس کا منظور و مشہود صرف میری ذات ہی ہوتی ہے۔ بندے کے اس حال کا ابتدائی مرتبہ تو یہ ہوتا ہے کہ وہ خدائے تعالیٰ کے احکامات کی بجا آوری کرتا اور ذات سبحانہ کے قرب کی نیت کرتا ہے۔ یہ مرتبہ عمل کہلاتا ہے۔ اس کا آخری مرتبہ توحید الٰہی میں فنا ہونا ہے۔ اس کلام کی ایک تفسیر وہ ہے جو کتاب فتوح الغیب کی شرح میں کر دی گئی ہے۔ جب بندہ اس درجہ پر فائز ہو جاتا ہے تو وہ مستجاب الدعا ہو جاتا ہے کیونکہ اس کی دعا اللہ تعالیٰ کے ارادہ میں فنا اور خالص عبادت بن چکی ہوتی ہے۔ جیسا کہ آگے فرمایا کہ اگر وہ مجھ سے سوال کرتا ہے تو میں اسے عطا کرتا اور اس کے مطلوب و مقصود سے نوازتا ہوں۔ اور اگر وہ مجھ سے برائیوں اور مکروہ امور سے پناہ مانگتا ہے تو اسے پناہ دیتا ہوں۔ یاد رہے کہ یہ معنیٰ کے لحاظ سے زیادہ ظاہر و واضح ہے۔ جیسا کہ اول روایت کے اعتبار سے زیادہ مشہور ہے۔ اور چونکہ پناہ دینا اور ذکر سے کلام کا افتتاح کرنا دوستی اور محبت کو ظاہر کرتا تھا اس کی مناسبت سے کلام کا اختتام بھی ایسے مضمون پر کیا جا سی مذکورہ معنیٰ کی جانب اشارہ کرتا ہے۔ چنانچہ آگے فرمایا کہ میں کسی کام کے کرنے میں اتنا متردد نہیں ہوتا نہ اس میں اتنا توقف کرتا ہوں جتنا کہ میں اپنے بندۂ مومن کی جان قبض کرنے میں تردد و توقف کرتا ہوں۔ کہ بندہ مومن بہ تقاضائے طبیعت موت سے نفرت کرتا ہے۔ اور میں اسے تکلیف دینا اور ناراض کرنا پسند نہیں کرتا۔ یہاں بعض روایتوں میں اس سے آگے یہ عبارت بھی ہے۔ وَلَا بُدَّ لَہٗ مِنْہُ۔ یعنی حالانکہ اسے مرنے سے کوئی چارۂ کار نہیں۔ یعنی مجھے اپنے بندۂ مومن سے جو محبت ہوتی ہے۔ اس کی وجہ سے میں اس کی جان قبض کرنے میں تردد و توقف کرتا ہوں۔ کیونکہ وہ موت کو ناپسند جانتا ہے تاہم چونکہ موت سے چارہ نہیں اس لیے اسے موت کی آغوش میں جانا ہی پڑتا ہے۔ مگر وہ موت بھی اس کے لیے بہتر ہوتی ہے۔ کیونکہ موت کے ذریعے وہ طرح طرح کی عزتوں اور بلند درجات پر فائز ہوتا ہے۔ جو اللہ تعالیٰ

کے قرب اور اس کی رضا و خوشنودی پر مشتمل ہوتی ہیں۔

واضح ہو کہ اس حدیث میں اللہ تعالیٰ کے لیے لفظ تردد و توقف استعمال ہوا ہے۔ جو درحقیقت اس کی بلند و پاک درگاہ کے لائق نہیں۔ کیونکہ تردد و توقف کا معنیٰ ہے دو رائوں کا مختلف ہونا اور دو ارادوں کا آپس میں ٹکرانا جو ایک فعل سے متعلق ہوں۔ کہ یہ کام کیا جائے یا نہ کیا جائے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ اطلاق ارادہ کی غایت اور انتہا کے اعتبار سے ہے یعنی کسی ارادہ کی انتہا اور غایت یہ ہوتی ہے کہ ارادہ کرنے والا اپنا ارادہ پورا کرتا ہے یا پورا نہیں کرتا۔ اسی طرح مخلوق کی وہ صفات جو اللہ تعالیٰ کی جانب منسوب کی جاتی ہیں۔ جیسے غضب، حیا اور مکر وغیرہ کہ ان الفاظ کا وہ معنیٰ مراد ہوتا ہے جو ان کا غایت اور انتہاء کے لحاظ سے ہوتا ہے۔ لہٰذا یہاں تردد و توقف کا معنیٰ یہ ہوگا کہ میں بندۂ مومن کی جان قبض کرنے میں اس طرح تردد و توقف کرتا ہوں جس طرح ایک انسان کسی کام کے انجام دینے میں کرتا ہے (اگر میں بندۂ مومن کی جان قبض کے علاوہ کسی کام میں تردد و توقف نہیں کرتا) اور میں اسے موت دینے میں اس لیے تردد کرتا ہوں کہ اس پر موت طاری ہونا آسان ہو جائے۔ اور وہ موت کی جانب مائل ہو جائے۔ اور موت کا مشتاق اور گرویدہ بن جائے۔ اور موت کا اشتیاق ظاہر کر کے میرے مقرب بندوں کی لڑی میں پرو دیا جائے۔ اور ملاء اعلیٰ کے گروہ میں شامل ہو جائے۔

علامہ تورپشتی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا موت میں تردد و توقف کرنے کا معنیٰ اور مفہوم یہ ہے کہ بوقت موت اللہ تعالیٰ اپنے برگزیدہ بندہ پر اپنے لطائف و کرم نوازیوں کا خصوصی اظہار کر کے اس کے دل سے موت کی نفرت نکال دیتا ہے۔ اور اس پر ظاہر کر دیتا ہے تاکہ وہ رد و کراہت جو موت کے بارے میں بندے کے اندر موجود ہوتی ہے، دور ہو جاتی ہے۔ اور اس کے بجائے اس کے سامنے اللہ تعالیٰ کے راضی ہونے کی بشارت نیز اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقام عزت اس کے سامنے نمایاں ہو جاتا ہے۔ اسی لیے اس حالت تک پہنچنے سے پہلے اللہ تعالیٰ اسے کئی قسم کے حالات میں سے گزارتا ہے کہ اسے بیمار کرتا ہے۔ اس پہ بڑھاپا طاری کرتا۔ اس پر فاقہ مسلط کرتا ہے۔ اس پر بے بسی ڈالتا ہے اور اسے بلا و مصیبت کی شدت میں رکھتا ہے۔ تاکہ ان منازل سے گزار کر دنیا سے جدائی کا صدمہ اس کے لیے آسان کر دیتا ہے۔ اور پھر دنیا سے اس کا تعلق منقطع کر دیتا ہے۔ اور وہ جان کندنی کی حالت میں دنیا میں رہنے کی اُمید دل سے نکال دیتا ہے۔ اور اسے اس چیز کا امیدوار بنا دیتا ہے جو اس کے لیے اللہ تعالیٰ کے پاس ہوتی ہے۔ اور اسے اپنے دیدار کی عزت اور آخرت کی باقی رہنے والی نعمتوں کا مشتاق و گرویدہ بنا دیتا ہے۔ ان اسباب مذکورہ سے اس کے لیے موت کی منزل آسان کر دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا بندے کو اس طرح آہستہ آہستہ موت کی حالت تک لے جانا گویا اسے موت دینے میں تردد و توقف کرنا ہے۔ اسے سمجھ لو۔

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ لِلّٰهِ مَلٰٓئِكَةً يَطُوْفُوْنَ فِي الطُّرُقِ يَلْتَمِسُوْنَ اَهْلَ الذِّكْرِ فَاِذَا وَجَدُوْا قَوْمًا يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ تَنَادَوْا هَلُمُّوْا اِلٰى حَاجَتِكُمْ قَالَ فَيَحُفُّوْنَهُمْ بِاَجْنِحَتِهِمْ اِلَى السَّمَآءِ الدُّنْيَا قَالَ فَيَسْاَلُهُمْ رَبُّهُمْ وَهُوَ اَعْلَمُ بِهِمْ مَا يَقُوْلُ عِبَادِيْ قَالَ يَقُوْلُوْنَ يُسَبِّحُوْنَكَ وَ يُكَبِّرُوْنَكَ وَ يَحْمَدُوْنَكَ وَ يُمَجِّدُوْنَكَ قَالَ فَيَقُوْلُ هَلْ رَاَوْنِيْ قَالَ فَيَقُوْلُوْنَ لَا وَاللّٰهِ مَا رَاَوْكَ قَالَ فَيَقُوْلُ كَيْفَ لَوْ رَاَوْنِيْ قَالَ فَيَقُوْلُوْنَ لَوْ رَاَوْكَ كَانُوْا اَشَدَّ لَكَ عِبَادَةً وَّاَشَدَّ لَكَ تَمْجِيْدًا وَّ اَكْثَرَ تَسْبِيْحًا قَالَ فَيَقُوْلُ فَمَا يَسْاَلُوْنَ يَسْاَلُوْنَكَ الْجَنَّةَ قَالَ يَقُوْلُ وَهَلْ رَاَوْهَا قَالَ فَيَقُوْلُوْنَ لَا وَاللّٰهِ يَا رَبِّ مَا رَاَوْهَا قَالَ يَقُوْلُ فَكَيْفَ لَوْ رَاَوْهَا قَالَ يَقُوْلُوْنَ لَوْ اَنَّهُمْ رَاَوْهَا كَانُوْا اَشَدَّ عَلَيْهَا

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک اللہ تعالیٰ کے کچھ فرشتے ایسے ہیں جو راستوں میں گھومتے رہتے ہیں۔ اہلِ ذکر کو تلاش کرنے کے لیے جب وہ کسی گروہ کو اللہ تعالیٰ کے ذکر میں معروف پاتے ہیں تو ایک دوسرے کو پکارتے ہیں اور کہتے ہیں اپنی حاجت (مقصد) کی جانب آجاؤ (جسے تم تلاش کر رہے تھے) حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں تو وہ فرشتے ان پر آسمانِ دنیا تک اپنے پر پھیلا دیتے ہیں۔ حضور علیہ السلام فرماتے ہیں کہ ان کا رب ان سے دریافت کرتا ہے۔ حالانکہ وہ ان سے زیادہ علم والا ہے کہ میرے بندے کیا کہہ رہے ہیں حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ فرشتے رب تعالیٰ کے حضور میں عرض کرتے ہیں یا رب العزۃ وہ تیری تسبیح کر رہے ہیں تیری بڑائی بیان کر رہے ہیں۔ تیری حمد و ثنا کر رہے ہیں تیری عظمت و بزرگی بیان کر رہے ہیں حضور فرماتے ہیں تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کیا انہوں نے مجھے دیکھا ہے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا، فرشتے عرض کرتے ہیں۔ خدا کی قسم انہوں نے تجھے بالکل نہیں دیکھا آپ نے فرمایا تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اگر وہ مجھے دیکھ لیں تو پھر ان کا کیا حال ہوگا حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ فرشتے کہتے ہیں اگر وہ (بندے) تجھے دیکھ لیں تو تیری عبادت زیادہ کریں گے تیری تعظیم زیادہ کریں گے اور تیری تسبیح کثرت سے کریں گے حضور علیہ السلام فرماتے ہیں پھر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرے بندے (مجھ سے) کیا مانگ

حِرْصًا وَّ اَشَدَّ لَهَا طَلَبًا وَّ
اَعْظَمَ فِيْهَا رَغْبَةً قَالَ فَمِمَّ
يَتَعَوَّذُوْنَ قَالَ يَقُوْلُوْنَ مِنَ
النَّارِ قَالَ يَقُوْلُ فَهَلْ رَاَوْهَا
قَالَ يَقُوْلُوْنَ لَا وَ اللّٰهِ يَارَبِّ
مَا رَاَوْهَا قَالَ يَقُوْلُ فَكَيْفَ
لَوْ رَاَوْهَا قَالَ يَقُوْلُوْنَ لَوْ
رَاَوْهَا كَانُوْا اَشَدَّ مِنْهَا فِرَارًا
وَّ اَشَدَّ لَهَا مَخَافَةً قَالَ فَيَقُوْلُ
فَاُشْهِدُكُمْ اَنِّيْ قَدْ غَفَرْتُ
لَهُمْ قَالَ يَقُوْلُ مَلَكٌ مِّنَ
الْمَلٰٓئِكَةِ فِيْهِمْ فُلَانٌ لَّيْسَ
مِنْهُمْ اِنَّمَا جَآءَ لِحَاجَةٍ
قَالَ هُمُ الْجُلَسَآءُ لَا يَشْقٰى
جَلِيْسُهُمْ۔

(رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

وَفِيْ رِوَايَةِ مُسْلِمٍ قَالَ
اِنَّ لِلّٰهِ مَلٰٓئِكَةً سَيَّارَةً فُضُلًا
يَبْتَغُوْنَ مَجَالِسَ الذِّكْرِ فَاِذَا
وَجَدُوْا مَجْلِسًا فِيْهِ ذِكْرٌ
قَعَدُوْا مَعَهُمْ وَحَفَّ بَعْضُهُمْ
بَعْضًا بِاَجْنِحَتِهِمْ حَتّٰى يَمْلَئُوْا
مَا بَيْنَهُمْ وَ بَيْنَ السَّمَآءِ
الدُّنْيَا فَاِذَا تَفَرَّقُوْا عَرَجُوْا
وَ صَعِدُوْا اِلَى السَّمَآءِ قَالَ

رہے ہیں۔ فرشتے عرض کرتے ہیں کہ وہ تجھ سے جنت مانگتے ہیں
حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کیا
انہوں نے جنت کو دیکھا ہے۔ فرشتے کہتے ہیں واللہ
یارب انہوں نے جنت کو نہیں دیکھا ہے۔ حضور علیہ السلام
نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اگر وہ جنت کو دیکھ لیں تو پھر
ان کا کیا حال ہوگا۔ حضور نے فرمایا کہ فرشتے عرض کرتے ہیں
کہ اگر وہ اس کو دیکھ لیں تو اس کی حرص وچاہت زیادہ کریں
گے اور اسے بہت زیادہ طلب کریں گے اور اس کی
جانب بڑی رغبت کریں گے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ پس
وہ کس چیز سے پناہ پکڑتے ہیں حضور نے فرمایا کہ فرشتے
عرض کرتے ہیں کہ وہ دوزخ کی آگ سے پناہ مانگتے ہیں
حضور علیہ السلام نے فرمایا اللہ تعالیٰ فرشتوں سے فرماتا ہے
کیا انہوں نے دوزخ کو دیکھا ہے۔ حضور نے فرمایا فرشتے
عرض کرتے ہیں واللہ یارب انہوں نے اُسے بالکل نہیں
دیکھا۔ حضور نے فرمایا کہ فرشتے کہتے ہیں اگر وہ اس کو دیکھ
لیں تو اس سے بہت دور بھاگیں گے اور اس سے بہت
زیادہ ڈریں گے (اس پر) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ
اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے فرشتو میں تم کو گواہ بناتا ہوں کہ
بے شک میں نے ان کو بخش دیا۔ حضور فرماتے ہیں کہ فرشتوں
میں سے ایک فرشتہ کہتا ہے کہ ان میں فلاں شخص ایسا ہے
جو ان میں سے نہیں ہے۔ وہ اپنے کسی کام آیا تھا۔ اللہ تعالیٰ
فرماتا ہے میرے وہ ذاکر بندے ایسے ہم نشیں ہیں کہ ان کے
ساتھ بیٹھنے والا بدبخت (بدنصیب) نہیں ہوتا۔ (بخاری)
اور مسلم کی روایت میں اس طرح ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم
نے فرمایا بے شک اللہ تعالیٰ کے کچھ فرشتے ایسے ہیں جو

فَيَسْأَلُهُمُ اللّٰهُ وَهُوَ أَعْلَمُ بِحَالِهِمْ مِنْ أَيْنَ جِئْتُمْ فَيَقُوْلُوْنَ جِئْنَا مِنْ عِنْدِ عِبَادِكَ فِي الْأَرْضِ يُسَبِّحُوْنَكَ وَيُكَبِّرُوْنَكَ وَيُهَلِّلُوْنَكَ وَيَحْمَدُوْنَكَ وَيَسْأَلُوْنَكَ جَنَّتَكَ قَالَ وَهَلْ رَأَوْا جَنَّتِيْ قَالُوْا لَا أَيْ رَبِّ قَالَ وَكَيْفَ لَوْ رَأَوْا جَنَّتِيْ قَالُوْا وَيَسْتَجِيْرُوْنَكَ قَالَ وَمِمَّا يَسْتَجِيْرُوْنِيْ قَالُوْا مِنْ نَارِكَ قَالَ وَهَلْ رَأَوْا نَارِيْ قَالُوْا لَا قَالَ فَكَيْفَ لَوْ رَأَوْا نَارِيْ قَالُوْا يَسْتَغْفِرُوْنَكَ قَالَ فَيَقُوْلُ قَدْ غَفَرْتُ لَهُمْ فَأَعْطَيْتُهُمْ مَا سَأَلُوْا وَأَجَرْتُهُمْ مِمَّا اسْتَجَارُوْا قَالَ يَقُوْلُوْنَ رَبِّ فِيْهِمْ فُلَانٌ عَبْدٌ خَطَّاءٌ إِنَّمَا مَرَّ فَجَلَسَ مَعَهُمْ قَالَ فَيَقُوْلُ وَلَهٗ غَفَرْتُ هُمُ الْقَوْمُ لَا يَشْقٰى بِهِمْ جَلِيْسُهُمْ۔

زمین میں گھومتے رہتے ہیں۔ یہ فرشتے بڑے فاضل اور اعلیٰ درجے کے ہوتے ہیں۔ یہ فرشتے ذکر کی مجلس تلاش کرتے ہیں جب وہ کوئی ایسی مجلس پاتے ہیں تو اس میں بیٹھ جاتے ہیں اور ایک دوسرے پر اپنے پر پھیلا دیتے ہیں یہاں تک اس جگہ سے کر آسمان دنیا تک ساری فضا پُر کر دیتے ہیں جب ذکر کرنے والے بکھر جاتے ہیں تو وہ فرشتے اوپر آسمانوں کی طرف چڑھتے اور اوپر آسمان کی طرف عروج کر جاتے ہیں۔ حضور علیہ السلام فرماتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان سے دریافت کرتا ہے (حالانکہ وہ ان سے زیادہ علم والا ہوتا ہے) کہ تم کہاں سے آئے ہو فرشتے کہتے ہیں ہم تیرے بندوں کے پاس سے آئے ہیں جو زمین میں ہیں۔ وہ بندے تیری تسبیح کر رہے ہیں تیری بڑائی بیان کرتے ہیں۔ تیری تہلیل کرتے ہیں (کلمہ لا الہ الا اللہ پڑھتے ہیں) تیری بزرگی بیان کرتے ہیں اور بعض نسخوں کے مطابق تیری حمد وثنا کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ان سے فرماتا ہے وہ مجھ سے کیا مانگتے ہیں فرشتے عرض کرتے ہیں وہ تجھ سے تیری جنت مانگتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کیا انہوں نے میری جنت کو دیکھا ہے۔ عرض کرتے ہیں اے ہمارے پروردگار انہوں نے تیری جنت کو نہیں دیکھا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اگر وہ میری جنت دیکھ لیں تو ان کا کیا حال ہوگا۔ وہ عرض کرتے ہیں کہ وہ بندے تجھ سے پناہ پکڑتے ہیں اللہ تعالیٰ دریافت کرتا ہے وہ کس چیز سے پناہ مانگتے ہیں۔ فرشتے عرض کرتے ہیں تیری آگ سے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کیا انہوں نے میری آگ کو دیکھا ہے۔ فرشتے عرض کرتے ہیں انہوں نے آگ کو دیکھا تو نہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اگر وہ میری آگ کو دیکھ لیں تو۔ فرشتے عرض کرتے ہیں یا اللہ وہ بندے تجھ سے بخشش طلب کرتے ہیں حضور فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے تو بے شک میں نے ان کو بخش دیا۔ اور میں نے ان کو عطا کر دیا جو انہوں نے مجھ سے مانگا۔ اور میں نے ان کو پناہ دے دی اس چیز سے جس

سے انہوں نے مجھ سے پناہ طلب کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا فرشتے عرض کرتے ہیں یا رب ان ذکر کرنے والوں میں فلاں شخص بھی ہے جو بڑا بدکار اور گنہگار ہے۔ وہ تو صرف گزر رہا تھا کہ ان میں بیٹھ گیا (اس نے تیرا کوئی ذکر نہیں کیا) حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میں نے اس بندے کو بھی بخش دیا وہ ذکر کرنے والے ایسے لوگ ہیں کہ ان کے پاس بیٹھنے والا بدبخت[۹] نہیں رہتا۔

ےا جو سب آسمانوں سے نیچے اور زمین سے نزدیک تر ہے۔

ےہ اللہ تعالیٰ کے فرشتوں سے دریافت کرنے اور سوال کرنے کا فائدہ انسان کے شرف کا اظہار۔ اور ان کی اچھائی ان کی تسبیح و تقدیس کا بیان ہے۔ اور ضمناً ملائکہ پر چوٹ ہے جنہوں نے انسان کے خسارے اور نافرمان ہونے کی گواہی دی تھی اور اپنے آپ کو خدا تعالیٰ کی تسبیح و تقدیس کرنے والا ظاہر کیا تھا۔

ےس اس کے سوال کا جواب دیتے ہوئے۔

ےم یعنی وہ جنت پر بن دیکھے ایمان رکھتے ہیں اور جنت کے موجود و ثابت ہونے پر یقین رکھتے ہیں۔ بخلاف ملائکہ کے کہ وہ جنت کو دیکھ کر اس پر ایمان رکھتے ہیں۔

ےہ اگرچہ وہ ذکر کرنے کے لیے نہیں بلکہ اپنے کسی کام آیا ہوتا ہے۔ ان ذکر کرنے والوں کے کام (ذکر) میں شامل ہونے کے لیے نہیں آیا۔ میں نے اس کو بھی بخش دیا اور اس کے گناہ معاف کر دیے۔

بیت۔ ہمنشینی اولیاء چوں کیمیا است کیمیائے خود بایں خوبی کجاست

اولیاء اللہ کے ساتھ محبت و ہمنشینی کیمیا کا درجہ رکھتی ہے۔ بلکہ کیمیا بھی ان کی صحبت کی برکتوں کے سامنے کچھ حیثیت نہیں رکھتا۔

ےہ یہاں حدیث میں لفظ فُضُلاً آیا ہے۔ فا کی پیش۔ ض ساکن یا ض پر بھی پیش۔ بعض نسخوں میں فُضلاء بروزن فُصحاء آیا ہے۔ علماء کرام فرماتے ہیں اگرچہ یہ لفظ اپنی حد ذات میں فصیح ہے مگر یہاں لمبے بروزن فصحاء پڑھنا درست نہیں بلکہ وہم ہے۔

ےے بعض نسخوں میں اس طرح آیا ہے کہ حالانکہ اللہ تعالیٰ اُن کے حالات کو بہت بہتر جانتا ہے۔

ےہ یہاں حدیث میں لتجیرولی آیا ہے یعنی بعض نسخوں میں یہاں بغیر نون مشدد کے آیا ہے۔

ےہ یعنی اُن کے پاس بیٹھنے اور اُن کی صحبت اختیار کرنے کی وجہ سے اُن کے پاس بیٹھنے والا بدبختی کی نحوست سے بچا لیا جاتا ہے۔ حضور غوث الثقلین شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ؎

أَنَا مِنْ رِجَالٍ لَا يَخَافُ جَلِيْسُهُمْ

رَيْبَ الزَّمَانِ وَلَا يَرٰى مَا يُرْهَبُ

ترجمہ۔ میں اُن مردانِ خدا میں سے ہوں جن کے پاس بیٹھنے والے کو زمانے کے حادثات کا کوئی خطرہ نہیں اور نہ وہ ایسی چیزیں دیکھے گا جن سے انسان ڈر جاتا ہے۔

وَ عَنْ حَنْظَلَةَ بْنِ الرَّبِيْعِ الْاُسَيْدِيِّ قَالَ لَقِيَنِيْ اَبُوْ بَكْرٍ فَقَالَ كَيْفَ اَنْتَ يَا حَنْظَلَةُ قُلْتُ نَافَقَ حَنْظَلَةُ قَالَ سُبْحَانَ اللهِ مَا تَقُوْلُ قُلْتُ نَكُوْنُ عِنْدَ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُذَكِّرُنَا بِالنَّارِ وَ الْجَنَّةِ كَاَنَّا رَاْيُ عَيْنٍ فَاِذَا خَرَجْنَا مِنْ عِنْدِ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَافَسْنَا الْاَزْوَاجَ وَ الْاَوْلَادَ وَ الضَّيْعَاتِ نَسِيْنَا كَثِيْرًا قَالَ اَبُوْ بَكْرٍ فَوَاللهِ اِنَّا لَنَلْقٰى مِثْلَ هٰذَا فَانْطَلَقْتُ اَنَا وَ اَبُوْ بَكْرٍ حَتّٰى دَخَلْنَا عَلٰى رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ نَافَقَ حَنْظَلَةُ يَا رَسُوْلَ اللهِ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ مَا ذَاكَ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللهِ نَكُوْنُ عِنْدَكَ تُذَكِّرُنَا بِالنَّارِ وَ الْجَنَّةِ كَاَنَّا رَاْيُ عَيْنٍ فَاِذَا خَرَجْنَا مِنْ عِنْدِكَ عَافَسْنَا الْاَزْوَاجَ وَ الْاَوْلَادَ وَ الضَّيْعَاتِ نَسِيْنَا

حضرت حنظلہ بن ربیع الاسیدی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں مجھ سے حضرت ابوبکر صدیق ملے تو فرمایا اے حنظلہ تم کیسے ہو؟ میں نے کہا حنظلہ تو منافق ہو گیا ہے۔ حضرت صدیق اکبر نے فرمایا سبحان اللہ تم کیا کہہ رہے ہو۔ میں نے کہا ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ہوتے ہیں تو آپ ہمارے سامنے دوزخ اور جنت کا ذکر اس طرح کیا کرتے ہیں گویا کہ ہم جنت اور دوزخ کو آنکھوں کے سامنے دیکھ رہے ہیں۔ جب ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے اٹھ کر باہر آجاتے ہیں بیویوں اور اولاد اور زمینوں اور باغات سے ہماری مصروفیت جاتی تھی تو ہمیں بہت سی چیزیں بھول جاتی ہیں۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا اللہ کی قسم ہم بھی اپنے اندر ایسی ہی حالت محسوس کرتے ہیں۔ حضرت حنظلہ فرماتے ہیں تو میں اور ابوبکر دونوں چل پڑے یہاں تک کہ ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچ گئے۔ حضرت حنظلہ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ حنظلہ تو منافق ہو گیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم یہ کیا بات کر رہے ہو۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب ہم لوگ آپ کے پاس ہوتے ہیں اور آپ ہمارے سامنے دوزخ اور جنت کا ذکر کرتے ہیں تو ہم اس طرح محسوس کرتے ہیں گویا کہ ہم لوگ انہیں آنکھوں کے سامنے دیکھ رہے ہیں جب ہم آپ کے پاس سے اٹھ کر باہر چلے جاتے ہیں اور اپنی

كَثِيرًا فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ لَوْ تَدُوْمُوْنَ عَلٰى مَا تَكُوْنُوْنَ عِنْدِيْ وَفِي الذِّكْرِ لَصَافَحَتْكُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ عَلٰى فُرُشِكُمْ وَفِيْ طُرُقِكُمْ وَلٰكِنْ يَا حَنْظَلَةُ سَاعَةً وَّ سَاعَةً ثَلٰثَ مَرَّاتٍ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

بیویوں اپنی اولاد اور اپنی زمینوں اور باغات وغیرہ سے رَل مِل جاتے ہیں تو ہم بہت سی چیزیں بھلا دیتے ہیں اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے اگر تم لوگ مسلسل اسی حالت میں رہو جو میرے پاس تمہاری ہوتی ہے یعنی ذکر کی حالت میں بھی تو تمہارے بستروں پر فرشتے تم سے اگر مصافحہ کریں لیکن اے حنظلہ ایک گھڑی میں حالت کچھ ہوتی ہے اور دوسری گھڑی میں کچھ ہوتی ہے یہ بات آپ نے تین بار ارشاد فرمائی۔ (مسلم)

۱ راکی پیش باکی زبر یا کے نیچے زیر مشدد۔

۲ الاسیدی ہمزہ کی پیش سین کی زبر یا مشدد کی زیر اور ایک روایت میں یا ساکن بھی آئی ہے یہ لفظ اسید بن امر بن تمیم کی طرف منسوب ہے آپ صحابی ہیں کاتب وحی تھے عرب کے زاہد اور عبادت گزار اور عقلمند لوگوں میں سے تھے آپ نے طویل عمر پائی اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور امارت کے ابتدائی ایام میں وصال فرمایا۔

۳ یعنی تمہارے یقین وایمان کا حال کیا ہے۔

۴ یعنی اس خلوص ایمانی کے ہوتے ہوئے تم اپنی طرف نفاق کی نسبت کیوں کر رہے ہو۔

۵ یعنی جب ہم لوگ حضور نبی پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مجلس سے اٹھ کر باہر آتے ہیں تو ہم پر غفلت طاری ہوجاتی ہے اور وہ حالت باقی نہیں رہتی جو حضور کی مجلس میں ہوتی ہے۔ یاد رہے یہاں حدیث میں عافسنا آیا ہے جو معاسفت سے بنا ہے جس کا معنیٰ ہے کسی چیز سے رَل مِل اور گھُل مِل جانا۔ حدیث میں دوسرا لفظ الضیعات ہے جو کہ ضیعۃ کی جمع ہے بمعنیٰ ایسی چیزیں جن سے بندے کی معاش متعلق ہوتی ہے جیسے تجارت اور زراعت وغیرہ یہ لفظ پیشے کے معنیٰ میں بھی آتا ہے۔ قاموس میں فرمایا ضیعۃ اس زمین کو کہتے ہیں جو حاصل کی ہوتی ہے۔

۶ یعنی ہماری حالت بھی ایسی ہی ہوجاتی ہے کہ حضور علیہ السلام کے سامنے اور آپ سے غائب ہوجانے کی حالتوں میں فرق واقع ہوجاتا ہے اگرچہ یقین وایمان اپنی حالت پر برقرار رہتے ہیں۔ مگر قلبی کیفیت میں فرق پڑ جاتا ہے۔

۷ کیونکہ اس کا ظاہر اور باطن ہر وقت ایک جیسا نہیں رہتا۔

۵۸ گزشتہ حدیث کے الفاظ میں لفظ عافسنا صیغہ غائب تھا یہاں لفظ حاضر سے ہے یعنی عافستا۔
۵۹ یعنی ہمیشہ تم لوگ ملائکہ کو مختلف حالتوں میں دیکھتے۔
۶۰ یہاں حدیث میں لفظ ساعۃ وساعۃ آیا ہے اور مصابیح میں ساعۃ فساعۃ یعنی ایک گھڑی حضور قلب کی ہوتی ہے جس میں تم اپنے پروردگار کے حقوق ادا کرتے ہو اور دوسری گھڑی اُس سے غائب ہونے کی ہوتی ہے جس میں تم اپنی جانوں کے حقوق ادا کرتے ہو بندے کا وجود حضور کی ایک ہی حالت پر ہر وقت قائم رہنا مشکل اور دشوار ہے اور (اس کی حکمت اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے)

بیت۔ اگر درویش بر حالے بماندے — سر دست از دو عالم بر فشاندے
گہے بر طارم اعلیٰ نشینم — گہے بر پشت پائے خود نہ بینم

ترجمہ ۱:۔ اگر درویش ہمیشہ ایک ہی حالت پر رہتا تو دونوں عالم سے اپنا ہاتھ جھاڑ بیٹھتا۔
۲:۔ کبھی تو میں اونچے محل پر جا بیٹھتا ہوں اور کبھی میں اپنے پاؤں کی پشت بھی نہیں دیکھ سکتا۔
۶۱ ظاہر یہ ہے کہ تین دفعہ فرمانے سے اس فقرے کا تین دفعہ فرمانا مراد ہے یعنی یا حنظلۃ ساعۃ وساعۃ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ تین دفعہ کے تکرار سے تکرار ساعت مراد ہو یعنی بندے کی ایک گھڑی تو ذکر اور پروردگار کے حقوق ادا کرنے میں گزرتی ہے اور دوسری گھڑی اپنے نفس اور اہل وعیال کے حقوق ادا کرنے میں بسر ہوتی ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

عَنْ اَبِی الدَّرْدَاءِ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلَا اُنَبِّئُكُمْ بِخَيْرِ اَعْمَالِكُمْ وَاَزْكَاهَا عِنْدَ مَلِيْكِكُمْ وَاَرْفَعِهَا فِىْ دَرَجَاتِكُمْ وَخَيْرٍ لَّكُمْ مِنْ اِنْفَاقِ الذَّهَبِ وَالْوَرِقِ وَخَيْرٍ لَّكُمْ مِنْ اَنْ تَلْقَوْا عَدُوَّكُمْ فَتَضْرِبُوْا اَعْنَاقَهُمْ وَيَضْرِبُوْنَ ———

دوسری فصل

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں تمہیں تمہارا سب سے بہتر عمل نہ بتلاؤں اور وہ عمل جو تمہارے بادشاہ یعنی پروردگار کے نزدیک سب سے پاکیزہ عمل کہلاتا ہے اور جس عمل سے تمہارے درجے سب سے زیادہ بلند ہوتے ہیں اور جو عمل تمہارے لیے سونا اور چاندی[۱] کے خرچ کرنے سے بھی بہتر ہے اور تمہارے لیے اس سے بھی بہتر ہے کہ تم اپنے دشمن سے جہاد میں ٹکراؤ اور تم اُن کی گردنوں کو اڑاؤ اور وہ تمہاری گردنوں کو اڑائیں[۲] یعنی جو عمل جہاد سے بھی افضل ہے اور اللہ

اَعْنَاقَكُمْ قَالُوْا بَلٰى قَالَ ذِكْرُ اللّٰهِ رَوَاهُ مَالِكٌ وَاَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ اِلَّا اَنَّ مَالِكًا وَقَفَهٗ عَلٰى اَبِى الدَّرْدَآءِ۔

کے رستے میں جان فدا کرنے سے بھی بہتر ہے صحابہ نے عرض کیا ہاں[۳] یارسول اللہ آپ نے فرمایا وہ عمل اللہ کا ذکر ہے[۴]۔ اسے مالک اور احمد اور ترمذی اور ابن ماجہ نے روایت کیا۔ مگر مالک نے اس حدیث کو ابودرداء صحابی پر موقوف[۵] رکھا۔

۱؎ یہاں حدیث میں لفظ ورق ہے۔ قاموس میں ہے کہ ورق بروزن کتف ورجل وہ درہم جو سکے کے طور پر چلتے ہوں۔

۲؎ یعنی تم کافروں کو مارو اور کافر تمہیں ماریں۔ مطلب یہ ہے کہ کفار سے لڑائی اور جہاد کرنا۔

۳؎ یعنی وہ عمل ہمیں ضرور بتائیں جس کی آپ نے اتنی تعریف کی ہے۔

۴؎ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سب سے افضل ذکر خدا ہے۔ حتیٰ کہ صدقے اور راہ خدا میں جہاد و قتال سے بھی افضل ہے۔ اس سے ظاہر ہوا کہ بعض لوگ جو یہ کہتے ہیں کہ دوسروں میں اثر کرنے والی عبادت صرف اپنی ذات میں محدود رہنے والے اثر کی عبادت سے افضل ہے یہ کوئی قاعدہ کلیہ نہیں ہے بلکہ یہ افضلیت ذکر خدا کے علاوہ دوسری عبادتوں میں ہے۔

۵؎ اور حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام تک اس حدیث کو نہیں ملایا۔ یاد رہے حدیث موقوف صحابی کے قول کو کہتے ہیں۔ جیسا کہ مقدمہ میں گزرا۔

وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ بُسْرٍ رضی اللہ عنہ قَالَ جَآءَ اَعْرَابِيٌّ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اَيُّ النَّاسِ خَيْرٌ فَقَالَ طُوْبٰى لِمَنْ طَالَ عُمْرُهٗ وَحَسُنَ عَمَلُهٗ قَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَيُّ الْاَعْمَالِ اَفْضَلُ قَالَ اَنْ تُفَارِقَ الدُّنْيَا وَلِسَانُكَ رَطْبٌ مِّنْ ذِكْرِ اللّٰهِ۔ (رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ)

حضرت عبداللہ بن بسر[۱] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں ایک اعرابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ سب سے بہتر انسان کون ہوتا ہے آپ نے فرمایا مبارک ہے وہ شخص جس کی عمر لمبی ہوئی اور ساری نیک کاموں میں گزری۔ اعرابی نے کہا یارسول اللہ یہ فرمائیے کہ سب سے افضل عمل کونسا ہے جس کا ثواب بھی زیادہ ہو آپ نے فرمایا وہ عمل یہ ہے کہ تو دنیا سے اس حال میں جدا ہو کہ تیری زبان اللہ کے ذکر سے تر ہو[۲]۔
اسے احمد و ترمذی نے روایت کیا۔

سلہ باکی پیش سین ساکن آپ صحابی ہیں۔ ان کا باپ، ان کا بھائی عطیہ اور ان کی بہن حضرت صماسب صحابی ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کے گھر ان کی زیارت کے لیے آیا کرتے اور ان کے پاس آکر کھانا کھاتے تھے اور ان کے حق میں دعا فرمایا کرتے تھے۔ مشہور قول کے مطابق آپ آخری صحابی ہیں جنہوں نے ملک شام میں وصال فرمایا۔

سلہ زبان کا تر ہونا اس امر سے کنایہ ہے کہ زبان پر اللہ کا ذکر بڑی سہولت بڑی آسانی اور بڑی روانی سے جاری ہو جیسا کہ خشک زبان چلنے میں دقت محسوس کرتی ہے۔ یا زبان کے تر ہونے سے اس جانب اشارہ ہے کہ موت کے قریب اُس کی زبان پر مسلسل ذکر جاری ہو اور زبان ذکر سے نہ رکی ہو اور خشک نہ ہوئی ہو کہ اس سے پہلے موت طاری ہو جائے۔

وَعَنْ اَنَسٍ رضی قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا مَرَرْتُمْ بِرِیَاضِ الْجَنَّۃِ فَارْتَعُوْا قَالُوْا وَمَا رِیَاضُ الْجَنَّۃِ قَالَ حِلَقُ الذِّکْرِ۔ (رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم لوگ جنت کے باغوں میں سے گزرو تو ان میں سے کھا لیا کرو[1] صحابہ نے عرض کیا جنت کے باغ کیا چیزیں ہیں فرمایا ذکر الٰہی کے حلقے[2]۔ اسے ترمذی نے روایت کیا۔

سلہ یہاں حدیث میں لفظ فارتعوا آیا ہے جس کا معنیٰ ہے چر لیا کرو، مطلب یہ ہے کہ کھا لیا کرو۔

سلہ کہ لوگ جمع ہوتے ہوں اور ذکر خدا کرتے ہوں اس لیے کہ ذکر کی ایسی مجلسیں بندے کو جنت میں پہنچانے کا ذریعہ ہیں، یا ایسی مجلس سے تمہیں وہ ذوق وحضور نصیب ہو گا جو جنت کی نعمتوں کے ذائقے کی طرح اور اُس کے نمونے کی مانند ہو گا۔

بعض بزرگانِ دین فرماتے ہیں کہ دنیا میں بہشت کی لذت وہ ذوق اور وہ چاشنی و مٹھاس ہے جو سحری کے وقت مناجات میں اللہ تعالیٰ سے چاپلوسی کرتے وقت نصیب ہوتی۔ یہاں حدیث میں حلق الذکر آیا ہے حلق حا کی زیر لام کی زبر سے حلقہ کی جمع ہے جو کہ حا کی زبر لام ساکن سے پڑھا جاتا ہے جیسے بدرۃ و بدرۃ اور قصع و قصعہ اور حلق و حلقہ دونوں کلموں کو زبر سے بھی پڑھا گیا ہے یعنی حلق حلقہ۔ حربی نے کہا کہ حلق اور حلقہ دونوں لام ساکن سے ہیں۔ جیسے تمر و تمرہ اس حدیث میں اس امر کی دلیل ہے کہ حلقہ اور دائرہ بنا کر ذکر کرنا جائز ہے۔

وَعَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ رضی قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ قَعَدَ مَقْعَدًا لَّمْ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص کسی مجلس میں بیٹھے اور اس میں اللہ کا ذکر نہ کرے

يَذْكُرِ اللهَ فِيْهِ كَانَتْ عَلَيْهِ مِنَ اللهِ تِرَةٌ وَ مَنِ اضْطَجَعَ مَضْجَعًا لَا يَذْكُرُ اللهَ فِيْهِ كَانَتْ عَلَيْهِ مِنَ اللهِ تِرَةٌ. (رَوَاهُ اَبُوْدَاؤدَ)

تو اُس پر اللہ کی طرف سے حسرت اور نقصان ہے اور جو آدمی پہلو پر نیند کرے مگر اُس میں اللہ کا ذکر نہ کرے تو اُسے اللہ کی طرف سے حسرت اور نقصان لاحق ہوتا ہے۔[۱]

اسے ابوداؤد نے روایت کیا۔

[۱] یعنی بندے کو چاہیے کہ ہر حال میں اپنی نشست و برخاست نیند اور بیداری کی حالت میں شب و روز اللہ کے ذکر میں مصروف رہے کیونکہ جو وقت اللہ کے ذکر سے خالی گزرے گا قیامت کے دن بندے کو اُس پر بڑی حسرت اور ندامت لاحق ہوگی۔

بیت۔

چو اول شب آہنگ خواب آورم ۔۔۔ بہ تسبیح نامت شتاب آورم

دگر نیم شب سر برآرم ز خواب ۔۔۔ ترا خوانم و ریزم از دیدہ آب

دگر با مداد ست راہم بہ تست ۔۔۔ ہمہ روز تا شب پناہم بہ تست

ترجمہ (۱)۔ جب رات کے اول حصے میں سونے کا ارادہ کرتا ہوں تو سبحان اللہ کے ساتھ تیرا نام زبان پر جلدی لاتا ہوں۔

(۲) اور اگر آدھی رات نیند سے بیدار ہو جاتا ہوں تو میں تجھے ہی پکارتا اور آنکھوں سے آنسو بہاتا ہوں۔ اور گراتا ہوں آنکھ سے پانی۔

(۳) اور اگر صبح کو مجھے تیرا راستہ ملتا ہے تو سارا دن رات تک میری پناہ تجھ سے ہی ہوتی ہے۔

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ قَوْمٍ يَقُوْمُوْنَ مِنْ مَجْلِسٍ لَا يَذْكُرُوْنَ اللهَ فِيْهِ اِلَّا قَامُوْا عَنْ مِثْلِ جِيْفَةِ حِمَارٍ وَّ كَانَ عَلَيْهِمْ حَسْرَةٌ. (رَوَاهُ اَحْمَدُ وَاَبُوْدَاؤدَ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی گروہ نہیں جو کسی مجلس سے اٹھ کھڑا ہوتا ہے اور اس میں خدا کا ذکر نہیں کرتا مگر یہ کہ وہ کھڑا ہوتا ہے گدھے کے مردار کی مثل چیز سے اور وہ مجلس اُن کے لیے حسرت و افسوس کا موجب بنے گی۔

اسے احمد اور ابوداؤد نے روایت کیا)[۱]

[۱] یعنی جو لوگ آپس میں مل کر بیٹھیں اور دنیا کی باتوں اور گپ شپ میں یا بیہودہ گوئی میں مصروف رہیں تو اُن کی مثال ایسے ایسے لوگوں کی مثال ان لوگوں کی سی ہے جو گدھے کے مردار کے پاس بیٹھے ہوئے ہوں اور پھر کچھ دیر بیٹھے رہنے کے بعد اٹھ کر چل پڑیں اور

منتشر ہو جائیں خلاصہ حدیث یہ ہے کہ جو مجلس اللہ کے ذکر سے خالی ہو وہ نحوست و خرابی میں ایسی ہے جیسے گدھے کے مردار جسم سے بُری بدبو پھیل رہی ہوتی ہے۔

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا جَلَسَ قَوْمٌ مَجْلِسًا لَمْ يَذْكُرُوا اللّٰهَ فِيْهِ وَلَمْ يُصَلُّوْا عَلٰى نَبِيِّهِمْ إِلَّا كَانَ عَلَيْهِمْ تِرَةً فَإِنْ شَاءَ عَذَّبَهُمْ وَإِنْ شَاءَ غَفَرَ لَهُمْ. (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں بیٹھتا کوئی گروہ کسی مجلس میں جس میں وہ اللہ کا ذکر نہیں کرتا اور نبی پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام پر درود پاک نہیں پڑھتا مگر ان کا اس طرح بیٹھنا اُن کے لیے حسرت وندامت ہو گا اگر اللہ تعالیٰ چاہے گا تو انہیں عذاب دے گا اور اگر چاہے گا تو انہیں بخش[1] دے گا اسے ترمذی نے روایت کیا۔

[1] یعنی اگر چاہے گا تو ذکر و درود کے ترک پر انہیں سزا دے گا اور اگر چاہے گا تو ان کی اس تقصیر کو معاف کر دے گا۔

وَعَنْ أُمِّ حَبِيْبَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُلُّ كَلَامِ ابْنِ اٰدَمَ عَلَيْهِ لَا لَهُ إِلَّا أَمْرٌ بِالْمَعْرُوْفِ أَوْ نَهْيٌ عَنْ مُنْكَرٍ أَوْ ذِكْرُ اللّٰهِ. (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ) وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ.

حضرت ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے۔ فرماتی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آدم کے بیٹے کی ہر گفتگو اُس پر بوجھ بنی ہوئی ہے اُس کے لیے فائدہ مند نہ ہوگی مگر وہ جو اُس نے نیک کام کا حکم دیا ہو گا یا بُرے کام سے روکا ہو گا یا اللہ کا ذکر کیا ہو گا یعنی مجلس میں بیٹھ کر نیک بات کا حکم دینا برائی سے روکنا یا اللہ کا ذکر کرنا تو قیامت کے دن اُسے فائدہ پہنچائے گا اور جو گفتگو اس کے علاوہ ہو گی وہ بندے کے گناہوں میں لکھی جائے گی اسے ترمذی اور ابن ماجہ نے روایت کیا اور ترمذی نے فرمایا یہ حدیث غریب[1] ہے۔

[1] اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جائز اور مباح گفتگو بھی موجب نقصان ہے۔ اس حدیث میں درحقیقت مباح گفتگو سے بھی سختی کے ساتھ منع کیا گیا ہے کیونکہ ایسی گفتگو میں بھی خسارہ ہے اور اس سے بھی دل سخت اور سیاہ ہوتا ہے۔

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تُكْثِرُوا الْكَلَامَ بِغَيْرِ ذِكْرِ اللّٰهِ فَاِنَّ كَثْرَةَ الْكَلَامِ بِغَيْرِ ذِكْرِ اللّٰهِ قَسْوَةٌ لِلْقَلْبِ وَ اِنَّ اَبْعَدَ النَّاسِ مِنَ اللّٰهِ الْقَلْبُ الْقَاسِيْ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کے ذکر کے بغیر زیادہ باتیں نہ کرو اس لیے کہ ذکر الٰہی کے بغیر بولتے رہنا دل کو سخت[1] کرتا ہے اور بے شک لوگوں میں سے اللہ تعالیٰ سے زیادہ دور وہ دل ہے جو سخت ہو یعنی اللہ تعالیٰ کے ذکر سے خالی ہو اسے ترمذی نے روایت کیا۔

[1] یعنی بے ذکر خدا بولتے رہنا دل کی سختی کا موجب ہے اس میں اس جانب اشارہ ہے کہ غافل دل سے اور خوف و اُمید کے جذبات سے خالی دل سے ذکر کرنا بارگاہ الٰہی میں قبول نہیں ہوتا اور ایسے انسان کے دل میں اچھی اور پسندیدہ صفتیں پیدا نہیں ہوتیں۔

وَعَنْ ثَوْبَانَ قَالَ لَمَّا نَزَلَتْ وَ الَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَ الْفِضَّةَ كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ بَعْضِ اَسْفَارِهٖ قَالَ بَعْضُ اَصْحَابِهٖ نَزَلَتْ فِي الذَّهَبِ وَ الْفِضَّةِ لَوْ عَلِمْنَا اَيُّ الْمَالِ خَيْرٌ فَنَتَّخِذَهٗ فَقَالَ اَفْضَلُهٗ لِسَانٌ ذَاكِرٌ وَ قَلْبٌ شَاكِرٌ وَزَوْجَةٌ مُؤْمِنَةٌ تُعِيْنُهٗ عَلٰى اِيْمَانِهٖ۔ (رَوَاهُ اَحْمَدُ وَ التِّرْمِذِيُّ وَ ابْنُ مَاجَةَ)

حضرت ثوبان[1] رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں جب یہ آیت نازل ہوئی (والذین یکنزون الذھب والفضۃ) اور جو لوگ جوڑتے ہیں سونا اور چاندی) اُس وقت ہم لوگ نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام کے ساتھ کسی سفر میں تھے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض صحابہ نے کہا کہ سونے اور چاندی کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی ہے کاش ہمیں پتہ چل جائے کہ کونسا مال بہتر اور اچھا ہے تاکہ ہم اُسے جمع کریں اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ افضل مال ذکر کرنے والی زبان اور شکر کرنے والا دل ہے۔ اسی طرح بہتر مال سچے ایمان والی بندے کی بیوی ہے جو اُس کے ایمان پر اُس کی مددگار ہوتی ہے۔ اسے احمد اور ترمذی اور ابن ماجہ نے روایت کیا۔

[1] حضرت ثوبان حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام ہیں سفر و حضر میں ہر وقت حضور کی درگاہ اقدس میں حاضر رہتے تھے۔

۲؎ یعنی جو احکام ایمان میں اُس کے لیے حفاظت کا ذریعہ بنے اور اُسے سچ بولنے رزق حلال کھانے عفت اور پاکیزگی ۔ذکر الٰہی میں دل جمعی اور حضور قلب کی نعمت کے نصیب ہونے میں اُس کی مدد گار رہے ۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

عَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ قَالَ خَرَجَ مُعَاوِیَۃُ عَلٰی حَلْقَۃٍ فِی الْمَسْجِدِ فَقَالَ مَا اَجْلَسَکُمْ اِلَّا ذٰلِکَ قَالُوْا آللّٰہِ مَا اَجْلَسَنَا غَیْرُہٗ قَالَ اَمَا اِنِّیْ لَمْ اَسْتَحْلِفْکُمْ تُھْمَۃً لَّکُمْ وَ مَا کَانَ اَحَدٌ بِمَنْزِلَتِیْ مِنْ رَّسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَقَلَّ عَنْہُ حَدِیْثًا مِّنِّیْ وَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ خَرَجَ عَلٰی حَلْقَۃٍ مِّنْ اَصْحَابِہٖ فَقَالَ مَا اَجْلَسَکُمْ ھٰھُنَا قَالُوْا جَلَسْنَا نَذْکُرُ اللّٰہَ وَ نَحْمَدُہٗ عَلٰی مَا ھَدَانَا لِلْاِسْلَامِ وَ مَنَّ بِہٖ عَلَیْنَا قَالَ آللّٰہِ مَا اَجْلَسَکُمْ اِلَّا ذٰلِکَ قَالُوْا آللّٰہِ مَا اَجْلَسَنَا اِلَّا ذٰلِکَ قَالَ اَمَا اِنِّیْ لَمْ اَسْتَحْلِفْکُمْ تُھْمَۃً لَّکُمْ وَلٰکِنَّہٗ اَتَانِیْ جِبْرِیْلُ فَاَخْبَرَنِیْ اَنَّ اللّٰہَ عَزَّ وَجَلَّ یُبَاھِیْ بِکُمُ الْمَلٰٓئِکَۃَ ۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے ۔ فرماتے ہیں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ مسجد کے اندر لوگوں کے ایک حلقے (مجلس) کی طرف تشریف لائے تو فرمایا تمہیں کس چیز نے یہاں بٹھا رکھا ہے لوگوں نے کہا ہم لوگ ذکر الٰہی کے لیے بیٹھے ہوئے ہیں حضرت امیر معاویہ نے فرمایا کیا تم لوگ قسم کھاتے ہو کہ تمہیں اللہ کے ذکر کے سوا کسی اور چیز نے نہیں بٹھایا لوگوں نے کہا ہم اللہ کی قسم کھا کر کہتے ہیں کہ ہمیں ذکر الٰہی کے سوا کسی چیز نے نہیں بٹھایا فرمایا آگاہ رہو بے شک میں نے تم سے تم پر کوئی تہمت لگانے کے لیے قسم نہیں اٹھوائی اور کوئی شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں میرے مرتبے پر میری طرح نہ تھا میں ہی آپ سے سب سے کم حدیث بیان کرتا تھا اور بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن اپنے صحابہ کرام کے ایک حلقے پر تشریف لائے تو فرمایا تمہیں کس چیز نے یہاں بٹھا رکھا ہے صحابہ کرام نے عرض کیا ہم لوگ یہاں اللہ کے ذکر کے لیے بیٹھے ہوئے ہیں اور ہم لوگ اس بات پر اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کر رہے ہیں کہ اس نے ہمیں دین اسلام پر چلنے کی ہدایت عطا فرمائی اور اسلام کی نعمت عطا کر کے ہم پر احسان فرمایا ۔آپ نے فرمایا تم لوگ اللہ کی قسم کھاتے ہو کہ تمہیں ذکر الٰہی کے سوا کسی چیز نے نہیں بٹھایا لوگوں نے کہا ہم اللہ کی قسم اٹھا کر کہتے ہیں

(رَوَاہُ مُسْلِمٌ)

کو نہیں کسی چیز نے اس کے سوا نہیں بٹھایا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آگاہ ہو بے شک میں نے کسی تہمت کے خدشے کی بنا پر تم سے قسم نہیں لی بلکہ امر واقع یہ ہے کہ میرے پاس حضرت جبرائیل آئے اور مجھے خبر دی کہ بے شک اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ فرشتوں پر فخر کرتا ہے۔ (مسلم)

لے یہاں حدیث میں لفظ آللہ آیا ہے لفظ اللہ پر حرف قسم یعنی۔ و محذوف ہے جب حرف قسم محذوف ہوتا ہے تو یہ کلمہ یعنی اللہ پر زبر پڑھی جاتی ہے کبھی اس پہ اس صورت میں زیر بھی پڑھ دیتے ہیں اس کے بعد حرف استفہام بھی لاتے ہیں جیسے لمبا کر کے پڑھتے ہیں یعنی اللہ۔

۲ یہاں بھی لفظ اللہ پر حدیث میں ھمزہ استفہام صرف پہلی قسم کے ساتھ شکل ملانے کے لیے لایا گیا ہے۔

۳ یعنی تمہیں جھوٹا جانتے ہوئے میں نے تم سے قسم نہیں اٹھوائی بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پیروی اور اتباع کے ارادے سے قسم اٹھوائی ہے۔ کیونکہ ایک دفعہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی باہر تشریف لائے تو دیکھا کہ صحابہ کرام کا ایک حلقہ مسجد میں بیٹھا ہوا ہے آپ نے اُن سے بھی اسی طرح قسم اٹھوائی تھی جیسا کہ میں نے تم سے اٹھوائی اس کے بعد حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اگلی حدیث پاک بیان فرمائی۔

۴ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی اس گفتگو سے مقصد بیان واقع ہے (یعنی میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت کم حدیثیں روایت کرتا تھا) یا اس سے آپ کا مقصد یہ ہے کہ مجھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث نہیں بھولتی تھی کیونکہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت کم حدیثیں روایت کرتا تھا۔ اور کم حدیثیں یاد رکھنا آسان ہوتا ہے کیونکہ جو شخص زیادہ حدیثیں روایت کرتا ہے اس میں بھولنے کا احتمال بھی ہوتا ہے۔

۵ اور تم سے فرشتوں پر ناز کرتا ہے۔

وَعَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ بُسْرٍ اَنَّ رَجُلًا قَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اِنَّ شَرَآئِعَ الْاِسْلَامِ قَدْ کَثُرَتْ عَلَیَّ فَاَخْبِرْنِیْ بِشَیْءٍ اَتَشَبَّثُ بِہٖ قَالَ لَا یَزَالُ لِسَانُکَ رَطْبًا مِّنْ ذِکْرِ اللّٰہِ۔
(رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَابْنُ مَاجَۃَ)
وَقَالَ التِّرْمِذِیُّ هٰذَا حَدِیْثٌ

حضرت عبداللہ بن بسر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے بے شک ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ شریعت اسلامی کے احکام مجھ پر بہت زیادہ ہو گئے یعنی میں انہیں زیادہ خیال کرتا ہوں تو آپ مجھے ایسی چیز کی خبر دیں جسے میں اپنے پنجے سے مضبوطی کے ساتھ پکڑ لوں۔ آپ نے فرمایا تیری زبان اللہ کے ذکر سے ہمیشہ تر رہنی چاہیے۔
لے ترمذی اور ابن ماجہ نے روایت کیا اور ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن غریب

حَسَنٌ غَرِیْبٌ۔

سلہ یہ وہ صحابی ہیں جن کا ذکر گزشتہ فصل ثانی میں قریب ہی گزرا ہے۔

سلہ۲ یعنی مجھے ایسا عمل بتائیں جس سے مجھے ثواب کثیر حاصل ہو اور میں اُسے لازم پکڑ لوں اور ادائے فرائض کے بعد اُسے اپنا ورد بنا لوں اور باقی تمام نوافل و اوراد سے بے نیاز ہو جاؤں۔ علمائے کرام نے اس کلام کی یہی تفسیر بیان کی ہے۔

سلہ۳ اس عبارت کا معنی فصل ثانی میں گزر چکا ہے۔

وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍؓ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ سُئِلَ اَیُّ الْعِبَادِ اَفْضَلُ وَاَرْفَعُ دَرَجَۃً عِنْدَ اللّٰہِ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ قَالَ الذَّاکِرُوْنَ اللّٰہَ کَثِیْرًا وَّالذَّاکِرَاتُ قِیْلَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ وَمِنَ الْغَازِیْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ قَالَ لَوْ ضَرَبَ بِسَیْفِہٖ فِی الْکُفَّارِ وَالْمُشْرِکِیْنَ حَتّٰی یَنْکَسِرَ وَ یَخْتَضِبَ دَمًا فَاِنَّ الذَّاکِرَ لِلّٰہِ اَفْضَلُ مِنْہُ دَرَجَۃً۔ (رَوَاہُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِیُّ) وَقَالَ ھٰذَا حَدِیْثٌ غَرِیْبٌ۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا بندوں میں سب سے افضل اور درجے کے لحاظ سے سب سے بلند قیامت کے دن اللہ کے نزدیک کونسا بندہ ہوگا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کثرت سے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے والے مرد اور ذکر کرنے والی عورتیں ہوں گی عرض کیا گیا یا رسول اللہ یہ اللہ کا کثرت سے ذکر کرنے والے مرد اور عورتیں فی سبیل اللہ جہاد کرنے والے غازیوں سے بھی افضل اور بلند مرتبہ ہوں گے فرمایا ہاں اگر فی سبیل اللہ جہاد کرنے والے کفار و مشرکین کو اپنی تلواروں سے اتنا ماریں کہ اُن کی تلواریں ٹوٹ جائیں اور خون سے رنگین ہو جائیں تب بھی اللہ کا ذکر کرنے والا درجے کے لحاظ سے افضل ہی ہے[1]۔ اسے احمد اور ترمذی نے روایت کیا اور ترمذی نے کہا یہ حدیث غریب ہے۔

سلہ یعنی اگرچہ کفار سے جہاد اور جنگ اس حد کو بھی پہنچ جائے کہ مجاہدین کی تلواریں ٹوٹ جائیں اور کافروں کے خون سے رنگین ہو جائیں تو پھر بھی اللہ کا ذکر کرنے والا ہی افضل اور اعلیٰ ہے۔ معمولی درجے کا جہاد کرنے والا تو اس سے بہت ہی کم درجے والا ہے۔

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا شیطان

اَلشَّيْطٰنُ جَاثِمٌ عَلٰى قَلْبِ ابْنِ اٰدَمَ فَاِذَا ذَكَرَ اللّٰهَ خَنَسَ وَاِذَا غَفَلَ وَسْوَسَ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ تَعْلِيْقًا)

آدم کے بیٹے کے دل پر بیٹھا رہتا ہے اور اس سے چمٹا رہتا ہے جب بندہ اللہ کا ذکر کرتا ہے تو شیطان دل سے جدا ہو جاتا ہے اور جب وہ ذکر سے غافل ہوتا ہے تو فوراً وسوسہ[1] اندازی شروع کر دیتا ہے۔ اسے بخاری نے تعلیقاً[2] روایت کیا۔

[1] یعنی جب بندہ ذکر خدا سے غافل اور بے خبر ہو جاتا ہے تو شیطان دل میں طرح طرح کے وسوسے ڈالتا ہے۔ یہاں حدیث میں لفظ جاثم آیا ہے جو جثوم سے بنا ہے جس کا معنیٰ ہے پرندے یا آدمی اور چوہے وغیرہ کا زمین پر اپنا سینہ رکھ دینا یعنی وہ چیزیں جو زمین پر حرکت کرتی ہوں اور جانور وغیرہ۔ حدیث میں دوسرا لفظ خَنَسَ آیا ہے جو خنوس سے بنا ہے جس کا معنیٰ ہے کسی چیز کا پیچھے ہٹ جانا اور کسی چیز کا پوشیدہ ہو جانا اور لفظ وسواس کا معنیٰ ہے دل میں برے برے خیالات ڈالنا۔

[2] یعنی امام بخاری نے اس حدیث کو بطور تعلیق روایت کیا۔ تعلیق کا معنیٰ ہے اسناد کے اول سے کسی راوی کا نام حذف کر دینا امام بخاری اس قسم کی احادیث الباب کے تراجم میں لاتے ہیں۔ جیسا کہ مقدمے میں گزرا۔

وَعَنْ مَالِكٍ رضی اللہ عنہ قَالَ بَلَغَنِيْ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقُوْلُ ذَاكِرُ اللّٰهِ فِي الْغَافِلِيْنَ كَالْمُقَاتِلِ خَلْفَ الْفَارِّيْنَ وَ ذَاكِرُ اللّٰهِ فِي الْغَافِلِيْنَ كَغُصْنٍ اَخْضَرَ فِيْ شَجَرٍ يَابِسٍ وَفِيْ رِوَايَةٍ مِثْلُ الشَّجَرَةِ الْخَضْرَاءِ فِيْ وَسْطِ الشَّجَرِ وَ ذَاكِرُ اللّٰهِ فِي الْغَافِلِيْنَ مِثْلُ مِصْبَاحٍ فِيْ بَيْتٍ مُظْلِمٍ وَذَاكِرُ اللّٰهِ فِي الْغَافِلِيْنَ يُرِيْهِ اللّٰهُ مَقْعَدَهٗ مِنَ الْجَنَّةِ وَ هُوَ حَيٌّ وَ ذَاكِرُ اللّٰهِ فِي الْغَافِلِيْنَ يُغْفَرُ

حضرت مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے غافل لوگوں میں اللہ کا ذکر کرنے والا انسان ایسا ہے جیسے بھاگ جانے والوں کے پیچھے دشمن کے مقابلے میں ڈٹ کر لڑنے[1] والا۔ اسی طرح اللہ غفلت میں ڈوبے ہوئے لوگوں میں اللہ کا ذکر کرنے والے کی مثال خشک درخت میں سے سرسبز شاخ کی طرح ہے اور ایک روایت میں اس طرح ہے کہ غافل لوگوں میں ذکر کرنے والے کا کیا حال ایسا ہے جیسے سوکھے درختوں کے درمیان سرسبز درخت اسی طرح غافلوں میں اللہ کا ذکر کرنے والے کی مثال اندھیرے گھر میں روشن چراغ کی طرح ہے غافل لوگوں کے درمیان اللہ کے ذکر کرنے والے انسان کی اللہ تعالیٰ اتنی مقدار میں مغفرت

لَهٗ بِعَدَدِ كُلِّ فَصِيْحٍ وَّ اَعْجَمَ وَ الْفَصِيْحُ بَنُوْ اٰدَمَ وَ الْاَعْجَمُ الْبَهَائِمُ۔

کرتا ہے یعنی اُس پر بخشش اور رحمت نازل کرتا ہے جتنی تعداد دنیا میں پیلے ہوئے انسانوں اور تمام حیوانات کی ہے۔

(رَوَاهُ رَزِيْنٌ)

اسے رزین نے روایت کیا۔

لے یعنی میدان جنگ سے ایک جماعت بھاگ کھڑی ہو اور اُن میں سے ایک آدمی میدان جنگ میں ہی ڈٹا رہے اور کافروں سے جہاد کرتا ہے تو اس کی فضیلت بھاگ جانے والی جماعت پر کس قدر زیادہ ہوگی مگر اللہ کا ذکر کرنے والے کی شان اور فضیلت اس مجاہد سے بھی بڑھ کر ہے۔

ے یعنی یا تو خواب میں یا بیداری میں یا دکھانے سے مراد ہے کہ اُسے ایسا یقین عطا کرتا ہے گویا کہ اُسے دیکھ رہا ہے۔

وَعَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍؓ قَالَ مَا عَمِلَ الْعَبْدُ عَمَلًا اَنْجٰى لَهٗ مِنْ عَذَابِ اللّٰهِ مِنْ ذِكْرِ اللّٰهِ۔ (رَوَاهُ مَالِكٌ وَالتِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ)

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں بندہ کو سب سے بڑھ کر نجات عطا کرنے والا کوئی عمل جو اللہ کے عذاب سے نجات دینے والا ہو اللہ تعالیٰ کے ذکر سے بڑھ کر نہیں ہوتا لے۔

مالک ترمذی اور ابن ماجہ نے روایت کیا۔

لے یعنی بندے کے لیے اللہ تعالیٰ کے عذاب سے نجات دینے والا سب سے اعلیٰ اور بڑھ کر عمل خدائے تعالیٰ کا ذکر ہے۔

وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى يَقُوْلُ اَنَا مَعَ عَبْدِيْ اِذَا ذَكَرَنِيْ وَتَحَرَّكَتْ بِيْ شَفَتَاهُ۔

(رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بیشک اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میں اپنے بندے کے ساتھ ہوتا ہوں جبکہ وہ میرا ذکر کرتا ہے۔ جب کہ اُس کے دونوں ہونٹ حرکت کر رہے ہوتے ہیں لے۔

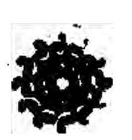
اسے بخاری نے روایت کیا۔

لے مراد یہ ہے کہ دل اور زبان دونوں ذکر میں مصروف ہوتے ہیں اور یہ افضل حالت ہے اور یہ کلمہ جبکہ وہ "میرا ذکر کر رہا ہوتا ہے" اُس کی تفسیر نہیں ہے۔ جیسا کہ بعض فقہا نے کہا ہے کہ ذکر صرف زبان سے ہی ہو سکتا ہے بلکہ حدیث پاک سے بالکل واضح ہوتا ہے کہ دل سے بھی ذکر ہوتا ہے اور زبان سے بھی۔

وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهٗ كَانَ يَقُوْلُ لِكُلِّ شَيْءٍ صِقَالَةٌ وَصِقَالَةُ الْقُلُوْبِ ذِكْرُ اللّٰهِ وَمَا مِنْ شَيْءٍ اَنْجٰى مِنْ عَذَابِ اللّٰهِ مِنْ ذِكْرِ اللّٰهِ قَالُوْا وَلَا الْجِهَادُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ قَالَ وَلَا اَنْ يَّضْرِبَ بِسَيْفِهٖ حَتّٰى يَنْقَطِعَ۔ (رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِي الدَّعَوَاتِ الْكَبِيْرِ)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے ہر چیز کے لیے اُس کے اوپر سے زنگ اور میل کچیل دور کرنے کے لیے ایک چیز ہوتی ہے اور دل کا زنگ دور کرنے والی چیز اللہ تعالیٰ کا ذکر ہے اور اللہ کے عذاب سے زیادہ نجات دینے والی ذکر اللہ کے سوا اور کوئی چیز نہیں۔ لوگوں نے کہا کیا جہاد فی سبیل اللہ بھی نہیں فرمایا نہیں چاہے مجاہد اپنی تلوار اس قدر چلاتا رہے کہ اُس کی تلوار بھی ٹوٹ جائے [1] اسے بیہقی نے دعوات الکبیر میں روایت کیا۔

[1] یعنی جہاد کرتے کرتے اس حالت کو پہنچ جائے کہ اُس کی تلوار ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے تب بھی اللہ کا ذکر کرنے والا اس مجاہد سے افضل ہے۔ جیسا کہ حضرت ابو سعید کی حدیث میں گزرا اور کتاب حصن حصین میں ہے کہ چاہے وہ مجاہد اپنی تلوار کے ساتھ کافروں سے اتنا جہاد کرے کہ اُس کی تلوار ہی ٹوٹ جائے یعنی پہلی روایت میں لفظ ینقطع اور دوسری روایت میں لفظ "تنقطع" آیا ہے اور بعض نسخوں میں نتقطع آیا ہے یعنی اس حد تک تلوار چلائیں کہ ہمارے جسم ہی ٹوٹ پھوٹ جائیں تب بھی ذکر الٰہی کرنے والا انسان افضل ہے۔ یہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ خاص جہاد مستثنیٰ ہے اور یہ دوسری احادیث کے خلاف ہے۔ لہٰذا ایک حدیث کو دوسری حدیث پر ترجیح دینا ضروری ہے یا ہم یوں کہیں گے کہ تنقطع کی روایت راوی کا وہم ہے۔ جیسا کہ مولانا محمد حنفی رحمۃ اللہ علیہ کی شرح میں ہے یا یوں کہا جائے گا کہ وہ جہاد جو ذکر سے کم درجہ ہے وہ جہاد ہے جو ذکر سے خالی ہو اور اگر جہاد کرنے والا جہاد کے ساتھ ساتھ ذاکر بھی ہو تو کوئی شک نہیں کہ یہ جہاد صرف ذکر سے افضل ہے۔ واللہ اعلم۔



کِتَابُ اَسْمَآءِ اللّٰہِ تَعَالٰی

اللہ تعالیٰ کے اسمائے مبارکہ کی کتاب

واضح ہو کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء سب کے سب توقیفی ہیں یعنی شرع شریف اور شارع علیہ السلام کی طرف سے اجازت پر موقوف ہیں یعنی کہ شرع میں جس نام کا اطلاق اللہ تعالیٰ پر آچکا ہو اس ہی نام سے اسے پکارنا درست ہے اپنی عقل سے اس کے لیے کوئی نام تجویز نہیں کرنا چاہیے۔ اگرچہ دونوں ناموں کا ایک ہی معنیٰ ہو مثلاً اللہ تعالیٰ کو عالم کہہ سکتے ہیں۔ عاقل نہیں کہہ سکتے۔ اور جواد کہہ سکتے ہیں سخی نہیں کہہ سکتے اور شافی کہہ سکتے ہیں طبیب نہیں کہہ سکتے۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کا اس بارے میں پسندیدہ مسلک یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء جن سے اس کی صفت کرنا مقصود ہو عقل سے بھی تجویز کرنا جائز ہے مگر بطور نام اطلاق کرنا جائز نہیں ہے۔ امام غزالی کا یہ قول اس شرح وبیان کا تقاضی ہے جو عربی شرح میں کر دی گئی ہے اور وہ جو کہتے ہیں کہ بندہ اللہ کی صفتوں سے موصوف اور اس کے اخلاق سے متخلق ہو جاتا ہے تو اس کا یہ معنیٰ نہیں کہ بندہ بعینہٖ اللہ تعالیٰ کی صفتوں کا حامل بن جاتا ہے۔ خدا کی پناہ کہ بندے کی صفات اللہ کی صفات کی مثل ہو جائیں کیونکہ مثل اسے کہتے ہیں جو دوسری چیز کے ساتھ ہر لحاظ سے مثل اور اس کے ساتھ شریک ہو یہ بات یہاں ناممکن ہے کیونکہ اللہ تبارک وتعالیٰ لیس کمثلہ شیءٌ ہے (اللہ تعالیٰ کی مثل کوئی شے نہیں ہو سکتی) بلکہ مراد یہ ہے کہ بندے کی صفات کسی نہ کسی اعتبار سے اللہ تعالیٰ کی صفات کا پرتو بن جاتی ہیں۔ جو کہ بندے کے حال کے مناسب ہوتا ہے جس طرح کہ اس نام کا اطلاق کر سکتے ہیں حالانکہ حقیقت میں بندے کی خدا کے ساتھ کسی بات میں مشارکت نہیں ہو سکتی سوائے لفظی اطلاق کے مثلاً لفظ رحمت قدرت اور عزت جو کہ اللہ تعالیٰ کی صفات ہیں اللہ تعالیٰ کی صفات کے اعتبار سے ان کی حقیقت کچھ اور ہے اور جب ان کا اطلاق بندے پر کیا جائے گا یعنی یوں کہا جائے گا کہ بندے میں رحمت بھی ہے اور قدرت وعزت بھی کہ یہ صفتیں اللہ تعالیٰ کی ہیں تو بندے میں ان کا معنیٰ وہ نہیں جو خدا کے لیے ان کا معنیٰ ہے۔ اللہ تعالیٰ ایسے وہم وتصور سے بھی پاک ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ کی صفتوں سے بندے کا متخلق ہونا اسم اللہ کے ماسوا میں ہے یعنی ان میں روا ہے جو اسماء صفات میں سے ہیں اور جن کا تعلق ان اسماء سے ہے جن کے معنیٰ کا اعتقاد رکھتے ہوئے صدق ہمت کے ساتھ اس کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور اس طرح حق عبودیت ادا کرتے ہیں تو اس حقیقت کے باوجود بندہ جن جن اسماء کے معنی سے متخلق ہوتا ہے ان کا ذکر آئندہ شرح کے ضمن میں آئے گا تاہم اسم اللہ سے سوائے اللہ تعالیٰ کی ذات سے کوئی بھی متخلق اور متصف نہیں ہو سکتا۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

پہلی فصل

عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ لِلّٰهِ تَعَالٰى تِسْعَةً وَّ تِسْعِيْنَ اِسْمًا مِائَةً اِلَّا وَاحِدَةً مَّنْ اَحْصَاهَا دَخَلَ الْجَنَّةَ وَ فِیْ رِوَايَةٍ وَّهُوَ وِتْرٌ يُّحِبُّ الْوِتْرَ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک اللہ تعالیٰ کے ننانوے نام مبارک ہیں[۱] جو شخص انہیں گنتا ہے وہ جنت میں داخل ہوگا یعنی اس کے ایک کم سو[۲] نام ہیں جو شخص انہیں گنتا اور حفظ کرتا ہے وہ جنت[۳] میں داخل ہوگا اور ایک روایت میں یوں آیا ہے اللہ تعالیٰ طاق ہے طاق عدد کو پسند[۴] کرتا ہے۔ اسے بخاری و مسلم نے روایت کیا۔

۱؎ یہاں یہ سوال کیا جاتا ہے کہ یہ بات تحقیق سے ثابت شدہ ہے کہ اہل سنت و جماعت کا مذہب یہ ہے کہ خدائے تعالیٰ کی سات صفتیں ہیں تو پھر یہ اتنے نام کہاں سے آگئے دوسرا سوال یہ کیا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء ننانوے کی تعداد سے زیادہ ہیں تو پھر صرف اس عدد کی تخصیص کی وجہ کیا ہے۔ پہلے سوال کا جواب یہ ہے کہ اگرچہ صفات سات ہیں مگر افعال زیادہ ہیں لہٰذا اسماء کی کثرت افعال کی کثرت کی وجہ سے ہے اور حقیقت میں ان صفات میں سے کسی ایک صفت سے تعلق رکھتے ہیں۔ دوسرے سوال کا جواب یہ ہے صرف اتنے عدد میں حصر کرنا صفت کی وجہ سے ہے کیونکہ فرمایا جو شخص انہیں گنتا ہے وہ جنت میں داخل ہوگا تو شاید کہ جنت میں داخل ہونے کی خاصیت انہی اسماء کے ساتھ مخصوص ہو جیسا کہ کسی بادشاہ کے پاس ایک لاکھ سوار ہوں اور وہ یوں کہے کہ میرے ہزار سوار ایسے ہیں یہ انہیں جہاں پہنچنے کا حکم دیتا ہوں اور وہ اسی جگہ پہنچتے اور فتح حاصل کرتے ہیں اگرچہ سوار زیادہ ہوتے ہیں مگر یہ صفت ہزار سوار کے ساتھ خاص ہوتی ہے۔ علماء نے اس کا یہی مطلب بیان کیا بعض صوفیاء کہتے ہیں کہ ہر انسان میں ایک کم سو بری اور تاریک خصلتیں ہیں تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے ایک کم سو نام ایسے منتخب فرمائے جن میں سے ہر اسم کا نور نفس کی ظلمت و کدورت زائل کرنے کے لیے مناسبت رکھتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے ان اسماء کی خصوصیات و انوار میں سے ایک خصلت اور نور ان تاریک نفسانی خصلتوں پر وارد ہوتا ہے تو نفس کی وہ تاریکی اللہ تعالیٰ کے اسم کے نور سے زائل ہو جاتی ہے اور بندہ نور الانوار یعنی ذات حق تک پہنچ جاتا ہے۔ واللہ اعلم۔

۲؎ یہاں حدیث میں مائۃ الا واحدۃ ہے بعض نسخوں میں واحدۃ کی بجائے بغیر تا کے لفظ واحد آیا ہے یعنی ایک کم سو یاد رہے کہ یہ گزشتہ لفظ تسعۃ و تسعین (ننانوے) کی تاکید ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے اتنے ہی نام ہیں اس سے

زیادہ یا کم کوئی خیال نہ کرے یا تسعۃ و تسعین کے بعد مائۃ الا واحدۃ کا کلمہ اس لیے آیا ہے تاکہ کتابت سے کوئی شبہ لاحق نہ ہو کیونکہ بعض دفعہ لکھنے میں تسعۃ و تسعین کو سبعۃ و سبعین یا سبعۃ و تسعین یا تسعۃ و سبعین پڑھ دیتے ہیں۔

۳ یعنی اس کے مقرب اور سابقین کے ساتھ بہشت میں داخل ہوگا یہاں گننے سے انہیں یاد کرنا مراد ہے بعض نے کہا گننے سے ان کے معنی کا علم اور ان پر ایمان اور جس ذات کے یہ نام ہیں۔ اس کی تعظیم مراد ہے۔ بعض یہ کہتے ہیں کہ گننے سے حسب طاقت انسانی ہر اسم کے تقاضے کے مطابق عمل مراد ہے۔ یعنی خدا کے ساتھ اس کے ہر ہر اسم کے مطابق تعلق اور موصوف ہونا مراد ہے۔

۴ یہاں حدیث میں لفظ وتر (و کی زیر یا زبر سے) آیا ہے بمعنی طاق عدد جیسے ایک، تین، پانچ، یہاں اس کلمے کا اطلاق اللہ تعالیٰ پر بمعنی فرد (یگانہ) آیا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ اپنی ذات میں کئی جزوں سے نہیں بنا نہ اس کی کئی جزیں ہو سکتی ہیں اور نہ ہی وہ متعدد اجزا میں منقسم ہو سکتا ہے۔ صفات میں اس کے واحد ہونے کا یہ معنی ہے کہ اس کی صفات کے مشابہ کسی کی صفت نہیں اور نہ اس کی مثل کسی کی صفت اور اس کے افعال میں فرد کا معنیٰ یہ ہے کہ اس کا کوئی مددگار نہیں۔ اور نہ ہی اس کا کوئی شریک ہے اور عدد فرد اس کی ذات کے مشابہ ہے اور ان میں سے بعض معانی میں عدد وتر سے محبت کا ذکر بھی آیا ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ طاق عدد پر زیادہ ثواب عطا کرتا ہے اس لیے شرع شریف میں بہت سے مقامات پر عدد وتر کی رعایت کا ذکر آیا ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

دوسری فصل

عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رضی قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ لِلّٰهِ تَعَالٰى تِسْعَةً وَّ تِسْعِيْنَ اِسْمًا مَنْ اَحْصَاهَا دَخَلَ الْجَنَّةَ هُوَ اللّٰهُ الَّذِىْ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک اللہ تعالیٰ کے ننانوے اسمائے مبارکہ ہیں جو انہیں گن لیتا ہے جنت میں داخل ہوگا وہ اسماء یہ ہیں ہو اللہ الذی لا الٰہ الا ہو الرحمٰن الرحیم۔

۱ ظاہراً عبارت کا طرز ادا یہ بتلاتا ہے کہ یہاں اسمائے مبارکہ تعداد کے طور پر ذکر کیے گئے ہیں مگر حقیقت یہ ہے کہ یہاں توصیف اور خبر دینے کے طریق پر ان اسماء کا ذکر آیا ہے یعنی ان اسماء کے ساتھ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی وحدانیت سے صفت کی گئی ہے اور اس کی صفات کمال کی خبر دی گئی ہے اور اس کے اسماء کے گننے کی تعلیم دی گئی ہے اس لیے یہاں اسماء کا ذکر اس لیے کیا گیا ہے تاکہ بندے کو خدائے تعالیٰ کی توحید کے سلسلے میں بیداری، شوق و ذوق اور

لذت نصیب ہو نیز اُس کی صفات سے بھی یہ کیفیت نصیب ہو پھر اس عبارت میں یہ بھی ظاہر کیا گیا ہے کہ لفظ اللہ اسم ذات ہے باقی اُس کی صفات ہیں جو اُس کی ذات کیلیے ثابت ہیں اور اسی کے ضمن میں اللہ تعالیٰ کے اسماء کی تعداد بھی معلوم ہوتی ہے یاد رہے یہاں کلمہ ہو ذات مجردہ اور ہویت مطلقہ کی طرف اشارہ ہے اور لفظ اللہ سے مرتبہ جامعہ کی طرف اشارہ ہے جو مجملاً تمام اچھی صفات سے متصف ہے اور لفظ الرحمٰن الرحیم سے صفتوں کی تفصیل اور اُس ذات کے مفصلاً ان صفات سے موصوف ہونے کی جانب اشارہ ہے پس لفظ ہو سے اللہ تعالیٰ کی ذات جو کہ دل میں راز کی طرح پنہاں ہے کی جانب اشارہ ہے۔ اور لفظ اللہ مشاہدہ روح کے لیے اور لفظ الرحمٰن الرحیم مکاشفہ دل کے لیے ہے۔ یاد رہے کہ اس گروہ (اہل طریقت) کے ہاں کلمہ ھو کی شرح میں عجیب کلمات اور غریب اشارات موجود ہیں جنہیں بیان کا کر بند جمع نہیں کر سکتا اب ہم اللہ تعالیٰ کی توفیق اور اُس کے کرم سے اسمائے الٰہی کی شرح میں گفتگو شروع کرتے ہیں۔

اَللّٰہ:

اُس موجود اور حق ذات کا نام ہے جو الوہیت کی صفات کی جامع ہے۔ منفرد ہے اور وجود حقیقی سے موجود ہے اُس کے سوا جو کچھ بھی موجود ہے اُسے اسی موجود حقیقی کی ذات سے وجود عطا ہوا ہے کیونکہ اُس کے ماسوا جو کچھ بھی ہے وہ اپنی حد ذات میں معدوم ہے۔ اُس کا وجود اس وجہ سے ہے کہ اُس کی نسبت ذات حق سے ہے اور اُس کا منہ اُس ذات برحق کی جانب ہے اس تشریح کے مطابق یہ آیت کل شیٔ ھالک الا وجہہ۔ (ترجمہ۔ اُس کی ذات کے سوا ہر چیز ہلاک ہونے والی ہے) بالکل مطابق ہے اور یہ کہنا بھی بالکل ٹھیک ہو جاتا ہے کہ فی الحقیقت اور بالذات اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی چیز موجود نہیں اور لفظ اللہ ذات واجب الوجود کا علم ہے جو کہ معبود بحق ہے اور لفظ الٰہ بمعنیٰ معبود مطلق ہے۔ حق ہو یا باطل لفظ اللہ کے مفہوم میں تمام صفات کی جامعیت ملحوظ ہے۔ باقی اسماء صرف ایک ایک صفت پہ دلالت کرتے ہیں اسم اللہ کا اطلاق بطریق حقیقت و مجاز کسی طرح بھی غیر حق پر نہیں بولا جا سکتا۔ جس کے برعکس دوسرے اسماء کا اطلاق بطریق مجاز غیر حق پر بھی کر لیا جاتا ہے۔ اس گفتگو سے واضح ہوا کہ اسم مبارک اللہ اُس کے تمام اسماء سے اعظم ہے دوسرے اسماء کو اسماء اللہ کہتے ہیں اس کا عکس نہیں ہو سکتا باقی اسماء کے معانی بندے کے لیے بھی متصور ہو سکتے ہیں جو کہ اُن معانی سے اُس طور پر متخلق ہو۔ جیسا کہ پیچھے ذکر کیا گیا ہے مگر اسم اللہ بندے کے ساتھ تعلق کے لیے ہے۔ تخلق اور موصوف ہونے کے لیے نہیں۔ اس اسم سے بندے کا حصہ یہ ہے کہ بندہ اُس کی محبت میں سرگرداں رہے اور اپنے دل کو مکمل طور پر اُس کی یاد میں مستغرق کر دے اُس کے غیر کی طرف کوئی توجہ نہ کرے اور نہ اُس کے غیر سے کوئی اُمید رکھے نہ ہی غیر خدا سے ڈرے اور اپنے دیدہ شہود سے اُس کے غیر کو نہ دیکھے

بیت۔ رفت او ز میان ہمیں خدا ماند خدا الفقر اذا تم فھو اللہ ایں است

ترجمہ:۔ بندہ درمیان میں سے چلا جاتا ہے پیچھے خدا ہی خدا رہ جاتا ہے جب فقر مکمل ہو جاتا ہے تو اللہ ہی کی ذات

باقی رہ جاتی ہے۔

الرَّحْمٰنُ الرَّحِیْمُ:

یہ دونوں اسم رحمت سے مشتق ہیں۔ مبالغے کے لیے آتے ہیں رحمٰن میں زیادہ مبالغہ ہے کیونکہ یہ دنیا اور آخرت کی رحمت کو شامل ... اور اللہ تعالیٰ کی ذات مقدس کے ساتھ خاص ہے۔ لفظ رحمت کا معنیٰ ہے محتاجوں تک خیر و بھلائی کا پہنچانا اور اُن کے لیے خیر کا ارادہ کرنا حق تعالیٰ کی رحمت عام ہے جو دنیا اور آخرت کی نعمتوں اور ہر قسم کی منفرتوں و حاجتوں کو شامل ہے اور ہر قسم کی جود و عنایت کی خصوصیات اور فضیلتوں کو شامل ہے اُس کی عنایت بندے کے شامل حال بغیر کسی غرض و عوض کے ہوتی ہے ان دو اسموں سے بندے کا حصہ یہ ہے کہ جب وہ پہچان لیتا ہے کہ منعم حقیقی اور مطلق ولی نعمت وہی ہے تو پھر بندے کو چاہیے کہ اُسی پر توکل کرے اور اپنے سب کام اُسی کے سپرد کرے اور کلیۃً اُس کی جناب رحمت کی طرف متوجہ ہے اُس کے غیر سے حقیقتاً مدد طلب نہ کرے اور اُس کے غیر کی طرف رخ بھی نہ کرے ان معانی کے مطابق تو ان دو اسموں سے یہ تعلق ہے اور ان دو اسموں سے خود متخلق ہونے کا معنیٰ یہ ہے کہ بندہ بندگانِ خدا پر رحمت کرے سب کو نظر رحمت سے دیکھے برائی کے دور کرنے میں کوشش کرے محتاجوں کی حاجت حتی الامکان پوری کرے یہ سب کچھ بطریق مہربانی اور ارادہ خیر و بھلائی کرے کسی غرض اور عوض کو ذہن میں نہ رکھے اگرچہ واقع میں حقیقتاً انسان کی رحمت دوسرے پر کسی غرض اور عوض کے بغیر نہیں ہو سکتی۔

اَلْمَلِكُ:

یعنی وہ ایسا بادشاہ ہے کہ دونوں عالم کی ملکیت اُس کے احاطہ قدرت و تصرف میں ہے۔ بادشاہ حقیقی وہی ہے تمام اشیاء پر غالب ہے ہر چیز میں اُسی کا تصرف کارفرما ہے۔ اشیاء کو وجود میں لانے اور وجود سے عدم کی طرف لے جانے زندہ کرنے مارنے تکلیف دفع کرنے اور عطا کرنے کی قدرت بھی اُسی کو ہے اپنی ذات و صفات میں ہر موجود سے بے نیاز ہے اُس کے سوا ہر موجود چیز اپنی ذات و صفات میں اور وجود و بقا، افعال و آثار میں اُس کی محتاج ہے تو جو چیز بھی اُس کے ماسوا ہے وہ اُس کی مملوک اور تابع فرمان ہے وہ ہر چیز سے بے نیاز ہے اپنی تقدیر و تدبیر میں یگانہ ہے اُس کے حکم کو کوئی رد کرنے والا نہیں اُس کے ارادہ سے کوئی سرکشی نہیں کر سکتا پس وہی ذات بادشاہ اور حاکم علی الاطلاق ہے پھر ملک مالک کی نسبت زیادہ خاص اور زیادہ بلیغ ہے ہر ملک مالک ہوتا ہے مگر ہر مالک ملک نہیں ہوتا جب بندے نے یہ جان لیا کہ علی الاطلاق وہی بادشاہ ہے بندہ تو اُس کی درگاہ اور اُس کے کوچے کا ایک گدا ہے عزت کی طلب اُسی کے آستانہ خدمت و طاعت سے کرتا ہے۔ بندہ جب یہ بھی جان لیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا جو کچھ ہے اُسی کا محتاج اُسی کے تابع اور اُسی کے زیر حکم ہے تو بندے کو لازم ہے کہ اُسی کی جناب قدرت اور تصرف میں پیش کرے اور لوگوں سے بالکلیہ بے نیاز ہو جائے کسی کے سامنے اپنی حاجت ظاہر نہ کرے مخلوقات

میں سے کسی سے کوئی ڈر اور امید وابستہ نہ کرے پھر بندے کا اس اسم سے متخلق ہونے کا معنیٰ یہ ہے کہ بندہ اپنے نفس دل اور جسم کے ملک میں حکمرانی کرے اس میں منشاء خداوندی کے مطابق تصرف کرے اور ہر چیز کا مالک بنے اپنے اعضاء اور قوتوں کو خدائے تعالیٰ کی اطاعت اور حکم شرع کے تابع کرے یہاں تک کہ اپنے وجود کے جہان کا بادشاہ بن جائے طالبان حق اور اس راستے پر چلنے والوں میں تصرف کرے۔ کسی بزرگ سے لوگوں نے وصیت کی درخواست کی تو اس نے فرمایا دنیا و آخرت کا بادشاہ بن یعنی اپنی ہر دنیوی حاجت اور خواہش کو اپنے اندر سے الگ کر دے کیونکہ بادشاہی اور حکمرانی کے لیے آزادی اور بے نیازی ضروری ہے۔

اَلْقُدُّوْسُ :

یعنی نقص و عیب کے ہر نشان اور حدوث و امکان کے ہر شائبہ سے انتہائی پاک و منزہ ذات بلکہ ہر ایسے وصف سے بھی منزہ اور پاک جو حس و خیال اور وہم میں آسکتی ہے یا جس وصف کا عقل احاطہ کر سکتی ہے جیسا کہ بزرگوں نے فرمایا ہے ہر وہ شے جو تیرا دل محسوس کرے یا ہر وہ صورت جو دل یا خیال میں ابھرے اللہ تعالیٰ اس سے پاک ہے۔

بیت:۔ ہر چہ اندیشی پذیرائے فناست وانچہ در اندیشہ ناید آن خداست

ترجمہ: جو کچھ تو تصور میں لا سکتا ہے وہ تو فانی ہونے والی چیز ہے اور جو تیرے تصور میں نہیں آسکتا وہ خدا ہے۔

اس اسم مبارک سے بندے کا حصہ یہ ہے کہ اس جناب اقدس تک وصول ممکن نہیں ہے مگر عالم حس سے عروج اور لذائذ جسمانی سے خروج اور لوح دل سے غیر کے نقوش کی صفائی کے بعد اسی طرح جو کچھ ماسوائے حق ہے اس سے باطن کو مکمل طور پر پاک اور منزہ کر لینے کے بعد ہی اس کی ذات کا وصال ممکن ہے۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ بندے کا مقدس ہونا و منزہ ہونا یہ ہے کہ بندہ اپنے علم کو خیال میں لانے والی چیزوں و محسوسات اور وہم میں آنے والی چیزوں اور اپنے تمام ارادوں کو بشری حظوظ و لذائذ سے جو شہوت و غضب سے تعلق رکھتی ہیں بالکل پاک کرے۔ تاکہ باقی نہ رہے اس کے لیے کوئی لذت اور حصہ مگر اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس میں ذات حق کی ملاقات کے سوا کسی چیز کا شوق نہ رہے اور اس کے قرب کے سوا کسی چیز سے خوشی نہ ہو۔

اَلسَّلَامُ :

لغت میں اس کا معنیٰ سلامتی ہے یہاں بمعنی سالم اور محفوظ ہے یعنی وہ ذات کہ اس کی ذات اور صفتیں ہر قسم کے عیب و نقصان سے سالم اور محفوظ ہوں اور اس کے افعال میں کسی قسم کا شر نہ ہو یعنی ایسا شر جس کے ضمن میں کوئی خیر یا حکمت نہ پائی جاتی ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ کے تمام افعال بالذات خیر ہی خیر ہیں ان میں کوئی شر نہیں۔ سوائے وقتی اور عارضی شر کے طیبی رحمۃ اللہ علیہ نے قدوس اور سلام کے درمیان فرق بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ اسم قدوس اس نقص اور عیب سے پاکیزگی پر دلالت کرتا ہے جو بمقتضائے ذات ہو اور اسم سلام اس عارضی نقص سے بریت پر دلالت کرتا ہے جو کسی وقتی عارضے کی بناء پر لاحق ہو بعض نے

اس طرح کہا کہ قدوس اُس پاک ذات کا نام ہے جو ازل سے اَبد تک ہر عیب و نقص سے پاک و منزہ ہے یہ معنیٰ پہلے معنیٰ کے قریب ہے اور سلام کا معنیٰ ہے مومنوں کو کفر اور عذاب آخرت کی آفت سے بچانے والا اس کا معنیٰ بہشت میں سلام کہنے والے کا بھی کیا گیا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا یہ قول مبارک سلام قولا من رب رحیم اس پر دلالت کرتا ہے۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ہر بندہ جو کینے کھوٹ بغض و حسد ارادہ شر سے اُس کا دل سلامتی میں ہو اور اُس کا خیال گناہوں اور معاصی سے پاک ہو اور جس کا جسم ذلیل صفات، ردی اخلاق سے محفوظ ہو وہ بندہ بھی سالم و محفوظ کہلاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے قرب میں اللہ تعالیٰ کے سلام سے مشرف ہوتا ہے۔ ذلیل صفات سے مراد یہ ہے کہ اُس کی عقل شہوت و غضب کی اسیر نہ ہو مگر صحیح بات یہ ہے کہ شہوت و غضب عقل کی اسیر ہوں اور اُس کے تابع ہوں یہ بھی ذہن میں رکھا جائے کہ سلام اور اسلام سے وہی مسلمان موصوف ہو سکتا ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے مسلمان محفوظ رہیں اور جس کا دل اللہ کی یاد کے ساتھ غفلت سے محفوظ رہے۔

المُؤمِنُ:

یعنی مخلوق کو امن دینے والا، امن کے اسباب و آلات پیدا فرما کر۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے بندے کو امن عطا کرنے کے لیے اعضاء حواس و غذائیں، دوائیں، مکانات، قلعے، ہتھیار و لشکر، معاون و مددگار دنیا میں عطا فرمائے کہ بندہ ان کے ذریعے دنیوی آفات سے امن میں رہتا ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ بندے کو آخرت کی آفات سے کلمہ توحید کے ساتھ بچانے والا ہے جیسا کہ اُس نے فرمایا کہ کلمہ لا الٰہ الا اللہ میرا قلعہ ہے جو شخص میرے اس قلعے میں داخل ہوگا وہ میرے عذاب سے امن میں رہے گا۔ بلکہ یہ کلمہ دنیوی اور اُخروی آفات سے امن میں رہنے کا مضبوط قلعہ ہے۔ امن کے یہ اسباب تو جانداروں کے لیے ہیں غیر جان داروں میں بھی اللہ تعالیٰ نے بندے کو ایسے اسباب سے مربوط کر دیا جو اسے ہلاکت و فنا آفات و حوادث کے مقامات اور ہلاکت اور فساد کے امور سے امن میں رکھتے ہیں۔ پس خلاصہ کلام یہ ہوا کہ جہاں میں کسی کو جناب حق کی ذات کے سوا کہیں بھی امن حاصل نہیں ہوتا تو کامل طور پر مومن یعنی امن عطا کرنے والا وہی ہے اسی طرح یہ بات بھی بندے کو امن عطا کرنے والی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندگان مومنین کو اپنے دین کی سچائی پر واضح دلیلیں سکھلا دیں اور ایمان کی حفاظت کے لیے اُسے یقین کے انوار عطا فرمائے۔ پھر اُسے ہر قسم کے گناہوں سے بچنے کے لیے اور اُن سے حفاظت کے لیے اپنی تائید اور توفیق عطا فرمائی۔ مومن کا معنیٰ مصدق کا بھی کیا گیا ہے یعنی اپنے کلام سے اپنے رسولوں کی تصدیق کرنے والا اسی طرح معجزات عطا کر کے اپنے نبیوں کی تائید فرمانے والا مومن کے موجودات کو وجود میں لا کر اور کائنات کو ظاہر کر کے اپنی تصدیق کرنے والے کے بھی کیے گئے ہیں۔ لفظ مومن کی یہ تحقیق جان لینے کے بعد بندے کو چاہیے کہ وہ اس چیز کا یقین رکھے کہ شر نفس اور مکر شیطان سے اللہ تعالیٰ شانہٗ ہی مجھے امن میں رکھنے والا ہے تو بندے کو چاہیے کہ اُس کی جناب میں التجا کرے اور تمام

آفات اور ظاہری و باطنی ڈرانے والی چیزوں سے اسی سے امن طلب کرے پھر اس اسم کے ساتھ بندے کے تعلق اور متصف ہونے کا یہ معنیٰ ہے کہ اپنے شر سے مخلوق کو بچائے اور اُن کے لیے خوف و ہلاکت کی چیزوں سے دفع کرنے کا سبب بنے یاد رہے کہ دین دُنیا میں اس نام کا مستحق ترین وہ ہے جو مخلوق کے لیے اللہ کے عذاب سے امن کا سبب بنے اور وہ اس طرح کہ اُن کی ہدایت کا ذریعہ بنے انہیں حق و ارشاد کے راستے پر ڈالے جو کہ نجات کا راستہ ہے اور یہ اصل میں انبیاء کرام علیہم السلام کا مشن اور پیشہ ہے۔ اور ان انبیاء میں سب سے بزرگ ترین ہستی سید الانبیاء حبیب کبریا علیہم الصلوٰۃ والسلام اجمعین اس کے بعد انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے متبعین اور پیروکار علمائے دین ہیں واضح ہو کہ جس طرح اللہ تعالیٰ امن کے اسباب پیدا کرنے کی وجہ سے مومن یعنی امن دینے والا کہلاتا ہے اسی طرح مخوف بھی کہلاتا ہے یعنی خوف و ڈر کے اسباب پیدا کرنے والا اور اللہ تعالیٰ کا خوف و ڈر کے اسباب پیدا کرنے والا ہونا اُس کے امن عطا کرنے والے کی صفت کے خلاف نہیں جس طرح کہ اُس کی صفت معز مذل (عزت عطا کرنے والا) (ذلت دینے والا) کے خلاف نہیں۔ اسی طرح صفت قابض و باسط اور ضار و نافع میں بھی کوئی منافات و ٹکراؤ نہیں لیکن شرع شریف میں مخوف کا اطلاق اللہ تعالیٰ پر نہیں آیا کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء توقیفی ہیں جیسا کہ پہلے گزرا۔

الْمُهَيْمِنُ :

لغت میں اس کا معنیٰ گواہ اور نگہبان آتا ہے اور اس ذات کے لیے جو دوسرے کو ہر خوف و خطرے سے بے خوف کر دے یہی معنیٰ لفظ رقیب کا ہے مگر رقیب میں حفاظت کا معنیٰ زیادہ پایا جاتا ہے رقیب سے ہی لفظ مراقبہ بنا ہے جس کا معنیٰ ہے اپنے دل کی حفاظت کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے فیضان کا منتظر رہنا امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے لیے اس لفظ کا معنیٰ ہے وہ ذات جو مخلوق پر اُس کے اعمال اُس کے رزق اور اُس کی اجل پر ہر وقت نگران و نگہبان ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ اپنے علم اپنے غلبے اور اپنی حفاظت سے ہر چیز پر حاوی و نگہبان ہے اور ہر وہ شخص جو کسی چیز کی حقیقت سے واقف اور آگاہ ہو اللہ تعالیٰ اُس پر بھی غالب ہے اور اُس کا بھی محافظ و نگران۔ یہی معنیٰ لفظ مھیمن کا ہے یہ تمام معانی مکمل اور مطلق طور پر اللہ تعالیٰ کی ذات پاک کے سوا کسی میں نہیں پائے جاتے۔ بندے کو چاہیے جب اُس نے خدائے تعالیٰ کو پہچان لیا کہ وہ ہر معاملے میں مھیمن و رقیب ہے اور میرے ظاہری اور باطنی جملہ حالات کا نگہبان اور اُن سے واقف و آگاہ ہے تو اپنے تمام حالات میں اس معنیٰ کو پیش نظر رکھے اور ہر ناشائستہ حرکت کرنے میں اُس سے شرم کرے یاد رہے کہ اس گروہ کی زبان میں اپنے حالات کی طرف اس طرح دھیان رکھنے کو مراقبہ کہتے ہیں۔ اس اسم کے ساتھ بندے کے تعلق و متصف ہونے کا معنیٰ یہ ہے کہ بندہ اپنے دل کا محافظ و نگران بنے اپنے باطنی اسرار اور دل کی کیفیات سے مطلع رہے۔ قلبی حالات اور اوصاف کے درست اور ٹھیک رکھنے میں گویا مھیمن اور گواہ بنا رہے اور جب کوئی شخص بندے کے حالات کو درست و نیکی کی جانب لگانے اور سا تھیں

برائی سے محفوظ رکھنے میں اُن کی پوری طرح حفاظت کرے گا تو بندے میں اس قسم کا معنی کمل طور پر جلوہ گر ہو جائے گا۔

العزیز:

بمعنی غالب، قوی اور بے مثل آیا ہے اور وہ ذات جس تک پہنچنا آسان نہ ہو اُسے عزیز کہتے ہیں یہ صفات تمام وکمال صورت میں صرف پروردگار تعالیٰ شانہٗ کے لیے ہی ثابت ہیں۔ ہاں اللہ تعالےٰ اپنے فیض سے کسی کو اپنی عزت سے حصہ عطا کرے تو یہ دوسری بات ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے من کان یرید العزۃ فللہ العزۃ ولرسولہ وللمؤمنین۔ جو شخص چاہتا ہے کہ اُسے عزت ملے تو عزت اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول اور مومنین کے لیے ہی ہے۔ جو شخص یہ جان لیتا ہے کہ عزت والا وہی ہے تو وہ اسی سے عزت چاہتا ہے اور حقیقی عزت بندے کو اُس وقت ملتی ہے جبکہ وہ اُس کی طاعت اور خدمت کر کے اُس سے عزت چاہتا ہے مخلوق میں سے کسی کی طرف بھی عزت و بزرگی کی نگاہ سے نہیں دیکھتا مگر اُسے جسے اللہ تعالیٰ نے عزت بخشی ہو اور عزیز بنایا ہو۔

بیت۔ عزیزی وخواری تو بخشی وبس عزیز تو خواری نہ بیند زکس

تو ہی عزت و ذلت بخشنے والا ہے اور بس۔ جسے تو نے عزت دے دی وہ کسی سے ذلت وخواری نہ دیکھے گا بندے کا اس صفت سے موصوف ہونا اس طرح ہے کہ بندہ اپنے نفس و خواہش پر غالب ہو اُس کی قوت اور اُس کا حملہ نفس اور شیطان پر سخت ہو اور اپنی عزت و آبرو طمع اور سوال کے ذریعے اہل دنیا کے دروازوں پر نہ گرائے اور نہ اس طرح ذلت کے گڑھے میں گرے اپنی محتاجی سوائے اللہ تعالیٰ کی ذات کے کسی کے سامنے ظاہر نہ کرے نیز علم و عمل میں اس قدر بلند ہو جائے کہ دوسرے اُس کی مثل نہ بن سکیں اور دوسروں کو اُس کے مرتبے تک پہنچنا مشکل ہو جائے جیسا کسی شے کی حقیقت کو پانا مشکل ہوتا ہے۔

الجبار:

لغت میں اس لفظ کا معنیٰ ہے ٹوٹی ہوئی چیز کو جوڑنا اور باندھنا اور کسی کا حال درست اور ٹھیک کرنا اور زور و غلبہ سے کسی کو کام پر لگانا۔ یہ لفظ بلندی اور اونچائی کے معنیٰ میں بھی آتا ہے۔ چنانچہ کہتے ہیں نخلۃ جبار یعنی ایسی اونچی کھجور جس کی بلندی تک کسی کا ہاتھ نہ پہنچ سکے۔ لفظ جبار میں مبالغہ پایا جاتا ہے یعنی بہت ہی درستی فرمانے والا اور بہت ہی بلند و بالا یہ معنیٰ کمل طور پر ذات پاک خدائے قدوس کے لیے ہے اور حقیقت و کمال کے اعتبار سے اُسی میں منحصر ہے کیونکہ ہر قسم کی شکستگی کو جوڑنے والا وہی ہے۔ صلاح و درستی کرنے والا بھی وہی ہے اہل زمانہ کے خراب حالات کو بہتر کرنے والا بھی وہی ہے اسی طرح تمام موجودات اُس کی مشیت کے غلبہ و فرمان کے نیچے ہیں کسی کو بھی اُس کے خلاف کرنے کی مجال نہیں۔ چاہیے کہ بندہ ہمیشہ ذات جبار جل شانہ کے حضور شکستہ دل اور نیاز مند رہے اور اُس کی جناب میں اس بات کا ملتجی رہے کہ اُس کی ہر طرح کی شکستگی میں بہتری اور اچھائی ہے اور اُس کا

حال صلاح و بہتری کی طرف رُخ کرے اور اُس کے تشریعی وارادی اوامر و احکام میں بجا آوری کرے اور اُن کے آگے اپنا سر تسلیم خم کرے اور اپنی قوت و طاقت سے اظہار بیزاری کرے اپنی تدبیر و اختیار کو ترک کر دے تاکہ عبادت اور عبودیت کی صفت سے موصوف ہو جائے اس اسم سے بندے کے موصوف ہونے کی کیفیت یہ ہے کہ بندہ اپنے نقائص نفس کی شکستگی کو کمال کی تحصیل اور فضائل کی تکمیل سے جوڑے اور پُر کرے ۔ اور مقام اصلاح میں بیٹھ کر دلوں کے حالات کے صحن کو ہر قسم کے فساد سے پاک کر دے اور اپنے نفس سرکش پر مسلط اور غالب ہو جائے اور اُسے ہمیشہ تقویٰ اختیار کرنے اور طاعات کی پابندی کرنے پر آمادہ کرتا رہے اسی طرح مخلوقِ خدا کی ہر طرح کی کمی پوری کرے اُن کے حالات کی اصلاح کرے شکستہ دلوں کا دستگیر بنے ۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے ذریعے امور شریعت کے جاری کرنے میں غالب ہو ۔ اس بارے میں کوشش سے کام لے اور ہمت بلند رکھے ۔

الْمُتَكَبِّرُ :

تکبر و استکبار کا معنیٰ ہے اپنی بڑائی ظاہر کرنا اور سرکشی دکھلانا ۔ لفظ کبریا کا معنیٰ ہے بزرگی اور بڑائی یہاں اسم متکبر سے بڑائی اور بزرگی میں مبالغہ اور کمال مراد ہے کوئی بھی چیز اللہ تعالیٰ کے سوا اس طرح کی بڑائی و بزرگی کی مستحق نہیں کبیر علی الاطلاق وہی ہے بندہ جب حق تعالیٰ کی کبریائی اور اُس کی بلندی شان کو پہچان لیتا ہے تو اُسے چاہیے کہ دل کو اُس کی کبریائی میں مستغرق رکھے تواضع و تذلل کا طریقہ اپنائے اُس کی بندگی میں اپنی گردن نرم رکھے اُس کے اوامر و احکام سے سرتابی نہ کرے اس اسم سے بندے کے موصوف ہونے کا معنیٰ یہ ہے کہ تمام چیزوں کو جو کہ اُس کی جناب قدس کے وصول اور وصول کے اسباب کے علاوہ ہیں ۔ جیسے دنیا کی خواہشات بلکہ آخرت کی لذیذ چیزیں ان سب کو چھوٹی اور حقیر جانے اور دنیا و اہل دنیا اور دنیا کی زینت و زیبائش کی چیزوں کی طرف نہ جھکے بلکہ انسانیت کی بلندی شان اور دین کے مرتبے کی رفعت کا لحاظ کرتے ہوئے دنیا کی بے حقیقت اور پست چیزوں پر قدم نہ رکھے اپنی ذات کو عظیم جانتے ہوئے اپنے نفس کو اپنی عظمت و تکبر میں مبتلا نہ کرے ۔

الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ :

یہ تینوں اسماء پیدا کرنے وجود میں لانے اور کسی چیز کو نیست سے ہست کرنے کے معنی میں سب ایک ہیں تاہم ان میں سے ہر اسم اپنا اپنا الگ اور خاص معنیٰ بھی رکھتا ہے ۔ چنانچہ پیدا کرنے سے پہلے کسی چیز کے خاکے اور ڈھانچے کا اندازہ کرنا خلق ہے ۔ اور برء کا معنیٰ ایجاد کرنا اور پیدا کرنا ہے ۔ تصویر کا معنیٰ صورت بنانا اور کسی شئے کو شکل اور ہیئت عطا کرنا ہے ہر چیز جو عدم سے وجود میں آتی ہے اولاً اس کی محتاج ہوتی ہے کہ اُس کا اندازہ کیا جائے اُس کے بعد وہ پیدا کرنے کی محتاج ہے اُس کے بعد اس امر کی محتاج ہوتی ہے کہ اُسے کوئی صورت عطا کی جائے اس کی مثال یوں سمجھیے کہ ایک عمارت ہو پہلے اُس کے خاکے کا اندازہ کیا جاتا ہے اُس کے بعد وہ وجود میں آتی ہے

پھر ایک صورت اختیار کرتی ہے۔ اگرچہ حق سبحانہ وتعالیٰ کے کسی چیز کو پیدا کرنے میں یہ تینوں حالتیں بیک وقت موجود ہوتی ہیں۔ مگر ایک کا رتبہ دوسرے سے مقدم ہے۔ یعنی پہلے شے کا اندازہ پھر اُسے پیدا کرنا اور پھر صورت عطا کرنا۔ جو کچھ عالم علوی اور سفلی میں عرش سے زمین کے نیچے تک ہے پیدا ہو چکا ہے یا پیدا ہوگا ملک و ملکوت میں اُس کا ظہور ہو چکا ہے یا ہوگا سب اللہ تعالیٰ کی خلق اُس کی تقدیر اس کی ایجاد اور اُس کی تصویر کشی ہے۔ سب چیزوں کا پیدا فرمانے والا وہی تعالیٰ شانہ ہے جس نے محکم ترتیب بہترین صورت پر حکمتوں و مصلحتوں سے لبریز کرکے اشیاء کو پیدا کیا ہے۔ اور ہر چیز کو مناسب ترتیب کے مطابق پیدا فرمایا چنانچہ فرمایا (فتبارک اللہ احسن الخالقین) (بہت برکت والا ہے اللہ تعالیٰ جو سب سے بہتر پیدا کرنے والا ہے۔ بندے کو چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی جس چیز پر بھی نگاہ ڈالے اُس سے اُس کے پیدا کرنے والے کی یاد دل میں لائے اور جس صورت کو بھی دیکھے اُس سے تصویر بنانے والے کا مشاہدہ کرے اور ہمیشہ بیدار چوکس اور عبرت ونصیحت کی آنکھ سے اشیاء کو دیکھے ان صفات سے بندے کے موصوف ہونے کا معنی یہ ہے کہ بندے میں یہ صفتیں بطور مجاز پائی جاتی ہیں کیونکہ حقیقتاً تمام اشیاء کا خالق اللہ تعالیٰ ہی ہے صرف اتنی بات ہے کہ انسان کو قصد و افعال میں اعضاء کو حرکت میں لانے کی قوت دی گئی ہے جس سے وہ کمالات و طاعات کا کسب و اکتساب کرتا ہے نیز اپنی ذات میں جسمانی و روحانی چیزوں کی صورتوں کو حاصل کرتا اور حضور و توجہ قلبی سے اللہ تعالیٰ کی قدرتوں اس کی حکمتوں اور اُس کے اسرار رموز کے جھونکوں سے سرشار ہوتا ہے۔ بعض علماء فرماتے ہیں کہ بندے کا ان اسماء سے موصوف ہونے کا مطلب یہ ہے کہ جس وقت عبادت کی ذمہ داریوں سے فراغت پائے تو اپنی معیشت اور روزی کے لیے بھی کچھ نہ کچھ کسب و کار کرے خصوصاً ایسا کام جس کا اثر اُس کی موت کے بعد بھی باقی رہے تاکہ اُس کا فیض تادیر لوگوں کو پہنچتا رہے۔

اَلْغَفَّارُ:

یاد رہے کہ مغفرت اور غفران کا معنی ہے بخش دینا۔ خداوند تعالیٰ بندوں کے گناہوں کو بخشنے والا ہے لفظ غفار میں یہ معنی بہت زیادہ پایا جاتا ہے۔ لفظ غفور میں اس سے بھی زیادہ مبالغہ پایا جاتا ہے۔ جیسا کہ نیچے شرح میں آرہا ہے غفر کا معنی چھپانے کا بھی آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ دنیا و آخرت میں گناہوں کو چھپاتا نیز قبیح چیزوں کو چھپاتا اور جمیل چیزوں کو ظاہر کرتا ہے اور گناہ بھی قبیح اشیاء میں سے ہیں تو اللہ تعالیٰ انہیں بھی اپنی رحمت سے چھپاتا ہے اللہ تعالیٰ کی صفت پردہ پوشی میں سے یہ بھی ہے کہ بندے کے ظاہری بدن پر جو چیزیں قبیح دکھائی دیتی ہیں اسی طرح جو چیزیں اُس کے شکم میں ہوتی ہیں یعنی آلائشیں وغیرہ اللہ تعالیٰ اُسے ظاہری جمال و حسن عطا کرکے نگاہوں سے قبیح چیزوں کو پوشیدہ کر دیتا ہے بُرے بُرے خیالات و قبیح ارادے جو اُس کے دل میں ہوتے ہیں۔ مخلوق کے علم سے پوشیدہ رکھتا ہے تاکہ کوئی بھی اُس کے باطنی حالات و ارادوں سے مطلع نہ ہو نعوذ باللہ اگر جو کچھ آدمی کے دل میں وسوسے

خطرات اور قبیح ارادے موجود ہوتے ہیں مخلوق پر ظاہر ہو جاتے تو مخلوق میں اُس کا جو سب سے زیادہ دوست ہو وہ اُسے سب سے زیادہ دشمن اور بدتر محسوس ہوتا اور سب لوگ اُس کی دشمنی اور ہلاکت میں کوشش کرتے۔ یہ جو کچھ بیان کیا گیا ہے اس کے مطابق غفار اور ستار کا معنیٰ ایک ہی بن جاتا ہے لیکن حدیث کی اس روایت میں لفظ ستار مذکور نہیں ہے لہذا ان دونوں اسموں کے معنوں میں یہاں فرق بیان کرنے کی ضرورت نہیں اور اگر اسم ستار بھی مذکور ہوتا تو غفار کے معنیٰ یہ ہوتے وہ ذات جو گناہوں کو بخشنے والی ہے اور ستار کے معنیٰ یہ کیے جاتے عیبوں کو چھپانے والا جیسا کہ بعض دعاؤں میں آیا ہے یا غفار الذنوب و یا ستار العیوب۔ بندہ جب یہ جان لیتا ہے کہ حق سبحانہ و تعالیٰ غفار الذنوب ہے تو اُس کی مغفرت اور رحمت سے ناامید نہیں ہوتا اور رد کے ہاتھ مجرم کے سینے پر نہیں مارتا اور جب یہ جان لیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ستار العیوب ہے تو اس نعمت کے شکرانے سے کسی وقت بھی غافل و فارغ نہیں ہوتا۔ لیکن یہ بات ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفت غفاریت پر بھروسہ کر کے مغرور نہ ہو جائے اور توبہ و انابت سے غفلت نہ کرے اور اس میں تاخیر کو جائز نہ رکھے کیونکہ عمر فانی پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔

بیت۔ لطف حق گرچہ مواسا ہا کند لیک چوں از حد بگذرد رسوا کند

اللہ تعالیٰ کا لطف و کرم اگرچہ بندے کی بہت ہی دل جوئی کرتا ہے لیکن بندہ جب حد سے بڑھ جاتا ہے تو وہ اُسے رسوا بھی کر سکتا ہے۔

ہم اللہ تعالیٰ سے عافیت اور خیر کا سوال کرتے ہیں۔

بندے کا اس اسم سے متعلق ہونے کا معنیٰ یہ ہے کہ بندہ لوگوں کے جرائم اور اُن کی زیادتیوں سے درگزر کرے اور اُن کے عیبوں کو چھپائے۔

اَلْقَهَّارُ:

یہ لفظ قہر سے بنا ہے قہر کا معنیٰ ہے غلبہ کرنا اور کسی پر تسلط ظاہر کرنا اللہ تعالیٰ قاہر و غالب ہے کہ جابروں اور متکبروں کی پشتیں توڑنے والا اور انہیں خوار و ہلاک کرنے والا ہے تمام مخلوقات اُس کے حملہ قہر کے آگے مقہور و مغلوب اور عاجز و خوار ہے اور اُس کے قبضہ قدرت و عظمت کے سامنے حیران اور اُس کی وادی قہر و جلال میں سرگرداں ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے (لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ) (آج کے دن ملک اور بادشاہی کس کی ہے صرف اللہ واحد و قہار کی ہی ہے)

جو شخص اُس کی قہاریت کو پہچان لیتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی خفیہ تدبیروں اور اُس کے اچانک قہر سے ترساں و لرزاں رہتا اور انتہائی خوف و ڈر کے تحت اُس کی جناب لطف و کرم میں ملتجی رہتا ہے اُس کے بندوں میں سے قہار وہ ہوتا ہے جو اپنے باطنی غلبہ حال اور حملہ عزت و بزرگی سے دین کے دشمنوں یعنی جنوں انسانوں اور شیاطین پر

غالب آتا ہے اپنے وقت و حال کے دروازے اُن سے بند رکھتا ہے۔ تاکہ وہ راہ حق سے اِدھر اُدھر نہ بھٹکیں اور طریقت و سلوک میں سالک کے چلنے میں رکاوٹ نہ بن سکیں۔ جاننا چاہیے کہ انسان کا بدترین دشمن اُس کا نفس ہے جو اُس کے دونوں پہلوؤں کے درمیان چھپا بیٹھا ہے بندے کا یہ نفس قلب کی نورانیت کے غلبے سے ہی حق کے تابع اور حالت اطمینان سے بہرہ ور ہو سکتا ہے اور اسی صورت میں یہ نفس طاعت و بندگی میں آرام پذیر ہو سکتا ہے۔ اسی طرح یہ کامل شخص مخلوق کو زدوکوب۔ زجر ڈانٹ، قتل و غارت، حدود شرعیہ کے ترک پر اُن سے سختی سے پیش آتا ہے اور نفس کو بھی آداب و سنن کے ترک پر اور لایعنی و بے ہودہ امور میں مشغول و مصروف ہونے پر اُس کی سرزنش کرتا ہے۔ قاہر مردوں کے گروہ میں سے وہ مرد بھی ہے کہ جو شخص بھی اس کے مقابلے اور مزاحمت کی جراءت کرتا ہے مغلوب و مقہور ہو جاتا ہے۔ صاحب فتوحات مکیہ قرآن مجید کی ہر آیت کو کسی نہ کسی ولی کی طرف منسوب کرتے اور فرماتے ہیں کہ حضرت شیخ محی الدین عبد القادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مناسب حال یہ آیت ہے (ھوالقاھر فوق عبادہ) (وہ ذات غالب ہے اپنے بندوں پر)

الوَھَّابُ :

وہب و ہبہ بمعنی کوئی چیز بخشنا و عطا کرنا موہبت بمعنی بخشش اللہ جل جلالہ وعم نوالہ کثیر الہبہ اور دائم العطاء ہے جس کی بخشش کی کوئی حد نہیں اور جس کا فیض کبھی بھی منقطع نہیں ہو سکتا۔ یاد رہے کہ حقیقی ہبہ وہ عطیہ ہے جو غرض و عوض سے خالی و پاک ہو کیونکہ غرض و عوض کے تحت کوئی چیز عطا کرنے والا ہے حقیقت میں بخشنے اور عطا کرنے والا نہیں بلکہ وہ تو کوئی چیز بیچنے والا ہے۔ یعنی اپنی غرض کے عوض جب کوئی چیز دی تو فی الواقع وہ علیہ اور ہبہ نہیں ہے۔ پس وہاب کا معنی ہے بہت ہی سخاوت کرنے اور عطا کرنے والا اس روایت میں اسم جواد کا ذکر نہیں ہے وہاب کا ذکر ہے۔ جود اور ہبہ فی الحقیقت ذات مقدس باری تعالیٰ میں منحصر ہے کیونکہ وہی ہے جو ہر محتاج کی حاجت اُس کی احتیاج سے زیادہ عطا کرتا ہے اور عطا بھی بے غرض اور بے عوض کرتا ہے اس جہاں میں بھی عطا کرتا ہے اور اُس جہاں میں بھی وہ بندے کے کام بھی اپنی حکمت سے درستی سے بندے سے موافقت کرتا ہے بندہ جب اس بات کو جان لیتا ہے کہ وہاب مطلق اُس کی بلند ذات ہے تو پھر وہ سب کچھ اُسی سے چاہتا اور اُسی سے ہر قسم کا طمع وابستہ کرتا ہے۔ ہر قسم کی اُمید بھی اُسی سے رکھتا ہے۔ اُس کے سوا باقی سب سے طمع کاٹ لیتا ہے۔ غیر سے منہ پھیر لیتا ہے غیر سے ہر قسم کی توقع بھی ختم کر لیتا ہے اور اپنی ہر خواہش چاہے کتنی بھی دشوار بلکہ ناممکن محسوس ہو اُس کے طلب کرنے میں نہیں شرماتا۔ اس کاتب حروف بندہ مسکین (شیخ عبدالحق) کی دعا اپنی ابتدائی پیاس کی حالت میں جبکہ وہ نادانی اور ناعاقبت اندیشی سے ملی ہوتی تھی، یہ ہوتی تھی کہ رب ھب لی ملکا لاینبغی لاحد من بعدی (اے میرے رب مجھے ایسا ملک عطا فرما جو میرے بعد کسی اور کے لائق نہ ہو) اگرچہ یہ دعا اپنے عموم و اطلاق کے اعتبار سے محال دکھائی دیتی ہے لیکن حال کی خصوصیت اور واستعداد

کے ملاحظہ کرنے کی صورت میں ایک قسم کی تاویل کے طور پر انشاء اللہ قبول ہونے کے لائق ہے۔ اس اسم سے متخلق ہونے کا مفہوم یہ ہے کہ بندے کے ہاتھ میں جو کچھ ہو اُسے خرچ کرے۔ اگرچہ اپنی جان ہی کیوں نہ ہو اور راہ حق میں خرچ کرنے میں کسی قسم کے دنیوی حصے آخرت کے ثواب اور اچھی شہرت خیال میں لانے کے بغیر ہونی چاہیے اگرچہ ہبہ اور جود کی حقیقت آدم زاد سے ممکن نہیں کیونکہ بندہ جو فعل بھی کرتا ہے اسی وجہ سے کرتا ہے کہ اُس کے نزدیک اُس کا کرنا چھوڑنے سے بہتر ہوتا ہے اس کے علاوہ اُس کی نگاہ میں جب تک کوئی غرض و غایت نہیں ہوتی اُس کام کے کرنے کی طرف متوجہ نہیں ہوتا ہبہ اور عطا میں سب سے اکمل حضور سید البشر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات پاک ہے جنہوں نے باذن خدا عطا کرنے اور انعام فرمانے میں انتہا کر دی اُس میں غرض و عوض کا شائبہ تک نہ تھا بلکہ محض اللہ تبارک و تعالیٰ و تقدس کے حکم کی بجا آوری کے تحت آپ کا جود و عطا تھا۔ اسی طرح تمام انبیاء و مرسلین صلوٰۃ اللہ و سلامہ علیہم اجمعین کی حالت ہوتی تھی۔

اَلرَّزَّاقُ:

رزاق بمعنی روزی عطا کرنے والا انسانوں جنوں، چرند پرند اور تمام حیوانات و بہائم کو روزی فراہم کرنے والا ان میں سے ہر ایک کے حال و حکمت کے مطابق یہ اللہ تعالیٰ ہی کی شان ہے اور اسم رزاق کا یہی معنی ہے۔

واضح ہو کہ رزق کی دو قسمیں ہیں رزقِ محسوس اور رزقِ معقول رزقِ محسوس تو وہ رزق ہے جو ہر چیز کے بدن کو پہنچتا ہے اور رزق معقول روحوں کا رزق ہے پھر یہ بات بھی یاد رہے کہ رزق ایسی چیز ہے جس کا اللہ تعالیٰ ضامن بن چکا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی خاص مہربانی سے رزق کی ضمانت اپنے ذمے لے لی ہے یہ رزق و ضمانت تمام جانداروں کو شامل ہے کیونکہ قرآن مجید میں فرمایا۔ وما من دابۃ فی الارض الا علی اللہ رزقھا (زمین میں کوئی چلنے والی شے نہیں مگر اُس کا رزق اللہ تعالیٰ کے ذمے ہے۔ رزق کی ایک قسم وہ ہے جسے رزقِ موعود کہتے ہیں یعنی جس کا وعدہ اللہ تعالیٰ نے اپنے متقی بندوں سے کر رکھا ہے جو انہیں بغیر تھکاوٹ اور مشقت کے اس جگہ سے ملتا ہے جہاں سے کوئی وہم و گمان نہیں ہوتا چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنے سے وعدہ کر رکھا ہے جس کا ذکر اس آیت میں ہے۔ (مَنْ یَّتَّقِ اللّٰہَ یَجْعَلْ لَہٗ مَخْرَجًا وَّیَرْزُقْہُ مِنْ حَیْثُ لَا یَحْتَسِبُ) جو شخص اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اختیار کرتا ہے وہ اُس کے لیے راستہ نکال دیتا ہے اور اُسے وہاں سے رزق عطا کرتا ہے جہاں سے اُسے گمان بھی نہیں ہوتا اسی طرح ایک رزق رزق مقسوم ہے جو کہ قسمت میں کر دیا گیا ہے وہ بہر حال پہنچ کر رہتا ہے چاہے رزق مضمون ہو یا رزق موعود (جس کا وعدہ کیا گیا ہے) اور جب بندہ جان لیتا ہے کہ رزق عطا کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے تو اپنے رزق کی انتظار اللہ تعالیٰ سے ہی رکھتا ہے غیر سے توقع نہیں رکھتا نہ ہی اپنا کام کسی اور کے حوالے کرتا ہے بلکہ وہ اُسی پر توکل و بھروسہ کرتا ہے اور جب جان لیتا ہے کہ روزی مقدر ہو چکی ہے تو روزی کی فکر میں دل تنگ نہیں ہوتا نہ ہی

مخلوق سے کوئی گلہ شکایت کرتا ہے اس اسم سے تخلق ہونے کا معنی یہ ہے کہ اپنے ہاتھ کو لوگوں کے بدنوں کی روزی کا خزانہ بنانا اور زبان کو دلوں کی روزی کا خزانہ بناتا ہے ایسا شخص خدائے تعالیٰ اور اس کے بندوں کے درمیان جسمانی و روحانی روزیوں کے پہنچنے کا واسطہ ہوتا ہے کہ وہ تعلیم و ہدایت دینے اور دعائے خیر کرنے میں لوگوں پر سب کچھ خرچ کرتا ہے۔
اس اسم کے ساتھ متخلق ہونے کی وجوہ میں سے ایک وجہ یہ ہے کہ اپنے اہل و عیال اور جن کی پرورش اس کے ذمے ہے، روزی کی وسعت اور کشادگی کرتا ہے ان کے لیے خرچ میں تنگی نہیں کرتا مہمان کے آنے پر ترش رو نہیں ہوتا کیونکہ مہمان تو تیرے دسترخوان پر بیٹھ کر اپنی روزی کھاتا ہے۔ بیت

مر ترا منت ز مہمان داشت باید بہر آنکہ   میخورد بر خوان انعام تو نان خویشتن

تجھے اپنے مہمان کا احسان مند ہونا چاہیے کیونکہ وہ تیرے انعام کے دسترخوان پر بیٹھ کر اپنی روزی کھا رہا ہوتا ہے۔

اَلْفَتَّاحُ :

فتح بمعنیٰ کھولنا اور حکم کرنے کے معنیٰ میں بھی آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کو فتاح کہا جاتا ہے کہ وہ اپنی مخلوق کی تمام قسموں پر اپنی رحمت کے دروازے کھولنے والا ہے نیز مخلوق کے درمیان حاکم علی الاطلاق بھی وہی ہے تمام کاموں کی کشائش بھی اس کی طرف سے ہے پھر دنیا میں بواسطہ اسباب اور آخرت میں بے واسطہ بے حجاب سب کے درمیان فیصلے بھی وہی فرمائے گا۔ یاد رہے کہ فتح بمعنیٰ مدد بھی آتا ہے چنانچہ فرمایا اذا جاء نصر اللہ والفتح وانا فتحنا لک فتحا مبینا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاء و مرسلین صلوٰۃ اللہ و سلامہ علیہم اجمعین پر فضل و برکت کے دروازے کھول دیے اور وہی اپنے نبیوں اور کفار کے درمیان حکم و فیصلہ فرمانے والا ہے وہ اس طرح کہ انبیاء اور ان کے متبعین کی دشمنان دین پر مدد و نصرت فرماتا ہے چنانچہ فرمایا وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِينَ إِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنْصُورُونَ وَإِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ الْغَالِبُونَ) اور البتہ بے شک ہمارا کلمہ اپنے مرسل بندوں کے لیے طے ہو چکا ہے کہ بے شک یہی وہ بندے ہیں جن کی مدد کی جائے گی اور بے شک ہمارا لشکر ہی غالب آکر رہے گا اللہ تعالیٰ کے فتاح ہونے کا یہ معنیٰ بھی ہے کہ اس نے اپنے مومن بندوں کے دلوں پر معرفت کے دروازے اور اپنے فرمانبردار بندوں پر بخشش کے دروازے کھول دیے ہیں وہی عاجزوں اور غمناک دلوں کی مدد فرمانے والا ہے۔
مختصر یہ کہ اسم فتاح جامع اسم ہے جو خیرات کے تمام دروازوں اور ہر قسم کی برکتوں کو کھولنے والا ہے۔ جب بندہ جان لیتا ہے کہ وہی ذات فتاح ہے یعنی رحمتوں اور برکتوں کے دروازے کھولنے والی ہے تو اسے چاہیے کہ فتاح اور کشادگی کی امید لیے ہوئے اس کے دروازۂ کرم پر بیٹھ جائے اس کے افضال کے حصول کی انتظار میں بغیر کسی تھکاوٹ و جلد بازی کے رہے اور اس کے حکم کے تحت سکون و تسلیم سے اپنے شب و روز بسر کرے۔

بیت۔ ہمہ درہا بگل برخود فرو بند دلا د گیر دائم دل درو بند

سب دروازے مٹی سے اپنے اوپر بند کر دے صرف اُس کا دروازہ اختیار کر لے۔ دل کو اُس سے لگا لے۔

اس اسم سے تخلق ہونے کا مطلب یہ ہے کہ بندہ غیر کے طالبوں پر مال وعلم کا دروازہ کھولے۔ لوگوں کے درمیان انصاف سے فیصلے کرے اور مظلوم و درماندہ افراد کی مدد و نصرت کرے۔

العَلِيْمُ:

یہ عالم کا مبالغہ ہے یعنی بہت ہی علم رکھنے والا اللہ تعالیٰ تمام ظاہر و پوشیدہ اور دل کے خیالات اور خطروں اور جو کچھ کہ ابھی دل میں نہیں گزرا سب کا جاننے والا ہے اُس کا علم تمام اشیاء کے ظاہر و باطن کی کلیات و جزیات اور اُن کے حقائق کو محیط ہے اُس کی معلومات غیر متناہی ہیں اور جب بندے نے یہ جان لیا کہ اللہ تعالیٰ ظاہر و باطن کے جملہ اسرار و رموز سے واقف ہے تو بندے کو چاہیے کہ ہر ایسے کام و خیال سے جو نہیں چاہیے پاک رکھے۔ اور خالق کے علم کا ملاحظہ مخلوق کے علم سے پہلے کرے۔ بندے کا حصہ اس اسم سے یہ ہے کہ دینی علوم کی تحصیل و تکمیل کرے اُن حقائق و معارف کو حاصل کرے جو اُس کے نفس کی تکمیل اور اسے عبادت پر آمادہ کرنے والے ہوں اور اس کے ظاہری و باطنی حال کی درستی کا سبب ہوں کیونکہ علم نافع ایسے ہی علم سے عبارت ہے اور رَبِّ زِدْنِی عِلْمًا کی نداو دعا میں مشغول و معروف رہے۔

اَلْقَابِضُ وَالْبَاسِطُ:

قبض بمعنی گرفتگی و تنگی اور بسط بمعنی ارزانی اور پھیلانا یہ دونوں اسم ایک دوسرے کی ضد ہیں اللہ تعالیٰ اپنے ان اسماء کے تحت جس کے لیے چاہتا ہے رزق تنگ کرتا جس کے لیے چاہتا ہے کشادہ کرتا ہے اور جس کے لیے چاہتا ہے اُسے رزق حسی یا معنوی تنگی سے دیتا ہے۔ جسے چاہتا ہے فراخی سے دیتا ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ اجسام سے بوقت موت روحوں کو قبض کرتا ہے اور جس کے لیے چاہتا ہے اُسے زندہ کرنے کے وقت روحوں کے ساتھ اُس کیلئے فراخی پیدا کرتا ہے یا نیند کے وقت روحوں کو قبض کرتا اور بیداری میں روحوں کو پھیلاتا ہے یا تجلی صفات قہریہ و جلالیہ سے دلوں کو غم و پریشانی سے تنگ کرتا اور صفات لطیفہ و جمالیہ کے ظہور سے فرحت و مسرت کی فراخی و کشادگی عطا کرتا ہے۔ علماء نے یہ بھی فرمایا ہے کہ اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ دولت مندوں سے صدقات قبض کرتا ہے اور انہیں فقراء میں پھیلاتا ہے اس گروہ صوفیا نے قبض و بسط اور اُس کے آداب میں خاص کلام فرمایا ہے۔ جو کہ فتوح الغیب کی شرح میں بعض مشائخ عظام کے کلام کی روشنی میں تفصیل سے نقل کر دیا گیا ہے۔ جب بندہ یہ جان لیتا ہے کہ قابض و باسط اللہ تعالیٰ ہی ہے تو وہ حالت قبض میں صبر سے کام لیتا اور حالت بسط نصیب ہونے کا اُمید وار رہتا ہے۔ بسط کی حالت میں ایک طرف خدائے تعالیٰ کا شکر گزار ہوتا ہے دوسری طرف حالت قبض طاری ہونے سے ڈرتا رہتا ہے اور جہاں بھی قبض و بسط محسوس کرتا ہے اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے جانتا ہے۔

حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بندوں میں سے قابض و باسط وہ ہیں جو کہ لوگوں کے دلوں پر اللہ تعالیٰ کے جلال و کبریائی کا خوف دلانے سے تنگ کرتے ہیں۔ عذاب و بلا کے تصور سے دلوں پر قبض کی کیفیت طاری کرتے ہیں۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کے لطف و عطا اور اس کی نعمتوں اور عزتوں کی بے شمار اقسام کی بشارت دے کر انہیں بسط کی کیفیت عطا کرتے ہیں یا اس کا معنیٰ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نا اہل لوگوں پر اسرار الٰہیہ کے حقائق کے دروازے تنگ کر دیتا ہے اور انہیں ان اسرار سے واقف نہیں کرتا۔ دوسری طرف جو ان اسرار کے اہل ہوتے ہیں ان پر صفت بسط کے تحت فیضان کا بہاؤ تیز کر دیتا ہے۔ امام غزالی کا کلام ختم ہوا۔

بعض علماء فرماتے ہیں ان دو اسموں سے متعلق ہونے کا معنیٰ یہ ہے کہ بندہ اپنے نفس بد کو شرع کے حکم کے نیچے رکھے اور جو بھی اس کے سامنے آئے اس کے ساتھ ان دو صفتوں کے مطابق مناسب معاملہ کرے تاکہ تربیت اپنے کمال کو پہنچے اور جب یہ دیکھے کہ جو لوگ میری تربیت میں ہیں وہ تھکاوٹ، اکتاہٹ محسوس کر رہے ہیں تو بسط و کشادگی سے ان کے ملال کو دور کرے اور اگر یہ دیکھے کہ میری تربیت کے تحت جو لوگ ہیں وہ کچھ جرأت اور شوخی دکھلانے لگے ہیں تو ان کے ساتھ قبض و ضبط کا معاملہ اختیار کرے۔

علمائے کرام یہ بھی فرماتے ہیں کہ نفس اگر طاعت و بندگی میں اطمینان و آرام سے کام میں مصروف ہو تو بندے کو چاہیے اس میں حد سے نہ بڑھے تاکہ نفس مرجھا نہ جائے اور کام کرنے میں پریشان نہ ہونے لگے کیونکہ جو طاعت و عبادت انبساط و نشاط کی حالت میں ہوتی ہے، قبولیت کے زیادہ نزدیک ہوتی ہے تاہم اگر نفس مسلسل ہوا و ہوس اور شیطان کے راستے پر دوڑنا چاہتا ہو تو پھر پوری ذمہ داری و جانفشانی سے اس پر ضابطہ ڈالے اور اس کی کسی خواہش کی تکمیل نہ ہونے دے۔ بیت

گر کنی یک آرزوئے خود تمام در تو صد ابلیس زاید والسلام

اگر تو اپنی یعنی اپنے نفس کی ایک آرزو بھی پوری کرے گا تو اس سے تجھ میں سو شیطان اور پیدا ہو جائیں گے

اَلْخَافِضُ الرَّافِعُ:

خافض خفض سے بنا ہے بمعنی نیچے رکھنا۔ رافع رفع سے بنا ہے بمعنیٰ اوپر اٹھانا۔ اللہ تعالیٰ کافروں کو بد بختی کی طرف لاتا اور مومنوں کو نیک بختی کی طرف بلند کرتا ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ اپنے دوستوں کو اپنے نزدیک کر کے بلندی عطا کرتا ہے اپنے دشمنوں کو اپنے سے دور کر کے پستی میں ڈالتا ہے۔ نیز جسے چاہتا ہے اُسے اس کی طبیعت کی سب سے ردی حالت میں نیچے ڈال دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے اپنی محبت کی بلند ترین فضاؤں میں اٹھائے جاتا ہے۔ یوں ہی جسے چاہتا ہے دوزخ کے بالکل نچلے طبقات میں نیچے ڈال دیتا ہے جسے چاہتا ہے جنات نعیم میں بلندیوں پر فائز کرتا ہے ان دو صفتوں کے بے شمار مراتب اور درجات ہیں۔

کہ اللہ تعالیٰ ہی بلندی اور پستی عطا کرنے والا ہے تو چاہیے کہ اسی کے پاس پناہ لے کہ کہیں بدبخت لوگوں کا ساتھی بن کر پستی میں نہ گر جائے۔ یہ بات بھی اس سے چاہے کہ نیک بختوں کا ہم نشین بن کر درجات کی بلندی حاصل کرے دونوں جہان میں اسی حالت کا طلبگار رہے۔ ان دو اسموں سے متخلق ہونے کی شکل یہ ہے کہ بندہ باطل کو پست کرے حق کو بلند کرے دین کے دشمنوں کو زیر کرے ان سے دشمنی رکھے حق کے دوستوں کو بلند کرے اور ان سے دوستی رکھے کیونکہ بندے کا سب سے افضل عمل یہ ہے کہ اللہ کے لیے محبت کرے اور اسی کے لیے دشمنی رکھے جیسا کہ فرمایا افضل الاعمال الحب للہ والبغض للہ (اسی طرح اپنے نفس کے مرتبے کو جو کہ تمام دشمنوں سے بڑھ کر بندے کا دشمن ہے، نیچے کرے۔ دل اور روح کے مقام کو بلند کرے اسی طرح مشائخ اہل یقین اور اپنے دینی بھائیوں کے مرتبے بلند و بالا دیکھے اپنے مقام کو ان سب سے نیچے جانے بلکہ اپنے آپ کو نہ ہی دیکھے اور اگر دیکھے تو ناقص و کمینہ دیکھے۔ بیت

ہنرمندے کہ رہ را پا و سر وید — زخود عیب و زبیگانہ ہنر وید

حکیمانیکہ دور اندیش بودند — دوائے خلق درد خویش بودند

(۱) وہ ہنرمند جو راستے کے سر اور پاؤں کو دیکھ رہا ہوتا ہے۔ وہ اپنے میں عیب اور دوسرے میں کمال دیکھتا ہے۔

(۲) وہ دانا لوگ جو دور اندیش تھے مخلوق کے لیے دوا اور اپنے لیے مجسم درد بنے ہوئے تھے۔

اَلْمُعِزُّ الْمُذِلُّ:

المعز اعزاز سے بنا ہے۔ اعزاز بمعنیٰ کسی کو عزت دینا مذل اذلال سے بنا ہے بمعنیٰ ذلیل و خوار کرنا۔ یعنی اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے دنیا میں توفیق طاعت و ہدایت دے کر اور معصیت و ضلالت کے راستے سے بچا کر عزت عطا کرتا ہے اور عقبیٰ میں بلندی مرتبہ، جنت کی نعمتوں اور اپنی ذات پاک کے دیدار سے عزت عطا فرماتا ہے جسے چاہتا ہے اُسے مذکورہ صفات کے خلاف صفتوں میں مبتلا کر کے ذلت میں ڈالتا ہے۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا وہی اللہ ہے جسے چاہتا ہے ملک عطا کرتا ہے جس سے چاہتا ہے ملک چھین لیتا ہے۔

یاد رہے کہ دائمی عزت اور حقیقی بادشاہت، حاجت کی ذلت نفس کی اسیری غلبہ شہوت یا جہالت کے عیب سے نجات پانے میں ہے۔ پس وہ شخص جس کے دل سے حجاب اٹھا لیے گئے حضرت عزت باری تعالیٰ کے مشاہدہ جمال سے سرفراز ہوتا ہے اللہ تعالیٰ اُسے ملک قناعت اور مخلوق سے بے نیازی کی بادشاہت عطا فرماتا ہے نیز اس کے نفس پر غالب آنے میں اُسے قوت دے کر اور اس کی تائید کر کے اس کی مدد فرماتا ہے تو حقیقت یہ ہوئی کہ اُس نے عزت دی تو ایسے ہی شخص کو عزت دی اور اُسے ہی دین و دنیا کی بادشاہی عطا فرمائی۔ اس کے برعکس جس شخص

کسی لیے مخلوق کی طرف اُس کی چشم حاجت کو دراز کردیا اہل حاجت کو اس پر عادی کردیا حرص کو اس پر مسلط کردیا تو وہ قناعت سے محروم ہوگیا اور نفس و استدراج کے مکروفریب کے دھوکے میں پڑ گیا۔ اور جہالت کی تاریکی میں ہی پھنس کر رہ گیا۔ اور اللہ تعالیٰ نے اُس سے حقیقی ملک چھین لیا۔ امام غزالی کا کلام ختم ہوا۔

واضح ہو کہ امام غزالی نے جس اعزاز و اذلال کا ذکر کیا ہے وہ اعزاز و اذلال حقیقی روحانی ہے وہ اعزاز و اذلال جو حسی و جسمانی ہے وہ بھی اللہ تعالیٰ کی صفات و افعال کا کرشمہ ہے جیسا کہ قوت، کمال جاہ و جلال اور مال و اسباب شرفِ نسب لوگوں کا کسی کے لیے مدد و نصرت کے لیے مددگار و پیروکار بننا۔ اسی طرح ان کمالات کی ضد اگر کسی پر ظاہر ہو تو وہ بھی اللہ تعالیٰ کی صفات و افعال کا ظہور ہے اسی طرح وہ تمام چیزیں جس کا دین میں نفع یا نقصان ظاہر ہوتا ہے اور جن کا اثر اہل دین میں باقی رہتا ہے بندہ جب یہ جان لیتا ہے کہ عزت و ذلت دینے والا صرف اللہ تعالیٰ ہے تو وہ دنیا و آخرت کی عزت اُس سے چاہتا اور اُس کی درگاہ سے ذلت و خواری سے پناہ مانگتا ہے۔ وہ اس بات کو بھی جان لیتا ہے کہ عزت، فرمانبرداری میں ہے اور خواری نافرمانی و معصیت میں لہٰذا بندے کو چاہیے کہ حرص و طمع اور شہوت نفس میں گر کر اپنے آپ کو ذلیل و خوار نہ کرے۔

حکایت:۔

منقول ہے کہ دو بچے کھیل رہے تھے۔ ایک کے ہاتھ میں خشک روٹی تھی دوسرے کے ہاتھ میں اچھی اور تر روٹی خشک روٹی والے بچے نے دوسرے سے کہا کہ مجھے بھی اپنی اچھی روٹی میں سے دے اُس نے کہا آ اور میرا کتا بن تاکہ میں تجھے یہ روٹی دوں وہ بچہ راضی ہوگیا۔ دوسرے بچے نے اُس کے گلے میں رسی ڈالی اور اُسے کھینچا۔ حضرت فتح موصلی رحمۃ اللہ علیہ (جو ایک کامل بزرگ گزرے ہیں) نے جب یہ دیکھا تو فرمایا اگر یہ بچہ اپنی خشک روٹی پر قناعت کرتا تو اپنے دوست کا کتا بن کر ذلیل و خوار نہ ہوتا۔ بیت۔

بنان خشک قناعت کنیم و جامۂ دلق　　　　که بارِ محنت خود بہ زبارِ منت خلق

ہم خشک روٹی اور پھٹے ہوئے کپڑے پر قناعت کریں گے کیونکہ اپنی محنت کا بوجھ اُٹھانا مخلوق کے احسان کا بوجھ اٹھانے سے بہتر ہے۔

اس اسم سے متخلق ہونے کا مطلب یہ ہے کہ بندہ اُن بندوں کو عزیز جانے جنہیں اللہ تعالیٰ نے علم و معرفت اور مخالفت نفس و ہوا سے عزت عطا فرمائی اور انہیں خوار جانے جنہیں اللہ تعالیٰ نے کفر و ضلالت کمینی دنیا سے میل ملاپ موافقت نفس اور جہالت و نفسانی شہوات کے گڑھے میں ڈال دیا۔

اَلسَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ:

یہ دو صفتیں بھی اللہ تعالیٰ کی صفات حقیقیہ میں سے ہیں جن کے ساتھ وہ تمام چیزیں جو سننے اور دیکھنے سے تعلق

رکھتی ہیں، منکشف ہوتی ہیں اللہ تعالیٰ کے لیے یہ انکشاف کمل اور تمام ہوتا ہے اُسے اس کے لیے کسی آلے اور قوت حاسہ کی کوئی محتاجی نہیں۔ وہ سنتا ہے مگر کان سے نہیں وہ دیکھتا ہے مگر آنکھ سے نہیں۔ اس طرح کا سننا اور دیکھنا بڑا اکمل و جامع ہوتا ہے کیونکہ اعضاء و آلات پر تغیر، حادثات و آفات کا اثر ہو سکتا ہے اللہ تعالیٰ کے لیے دور و نزدیک سب برابر ہیں اُس کی یہ بھی شان ہے کہ ایک چیز کا سننا اور دیکھنا اُسے دوسری چیز کے سننے اور دیکھنے سے مزاحم نہیں۔ ان دو صفتوں کے اثبات کے مقام میں تشبیہ سے بچنا ضروری ہے اور جب کہ ثابت ہو چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ جسمانی صفات سے منزہ ہے تو یہ بھی ثابت ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ تشبیہ سے بھی پاک و منزہ ہے۔ قرآن مجید ان دونوں صفتوں کو ثابت کرتا ہے۔

ان دونوں صفتوں کی علم سے تاویل کرنا (یعنی یہ کہنا کہ سمیع و بصیر سے مراد اُس کا علم ہے) اس کی یہ تاویل خلافِ ظاہر ہے اور جب بندہ جان لیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ سمیع و بصیر ہے تو وہ کوئی ایسی بات نہیں کرتا جس سے اللہ تعالیٰ ناراض ہو چنانچہ وہ جو کچھ کہتا ہے ادب و احترام سے کہتا ہے غیبت، بہتان، گپ شپ۔ مدحِ نفس اور لعن طعن سے پرہیز کرتا ہے وہ نہیں دیکھتا اور نہیں سنتا مگر خدا کا کلام۔ اور خدا کی پیروی کرنے والوں کا کلام۔ چنانچہ وہ اسی چیز سے راضی ہوتا ہے جس سے خدا راضی ہوتا ہے وہ نظر کو بھی حرام سے بچاتا ہے اسی طرح آنکھ کو دنیا کی چمک دمک اور آرائش و زیبائش کے دیکھنے سے بھی بچاتا ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کی مصنوعات اور اُس کی عجیب عجیب مخلوقات کو دیکھتا اور عبرت حاصل کرتا ہے پھر اس کے نتیجے میں وہ دائمی مراقبۂ دل کی کیفیت کو اپنے لیے لازم کر لیتا ہے اور محاسبے کی شکل میں ہر وقت اپنے نفس کا مطالعہ کرتا رہتا ہے حدیث پاک کے الفاظ (بی یسمع و بی یبصر) (وہ میرے ساتھ سنتا اور میرے ساتھ دیکھتا ہے) میں اسی جانب اشارہ ہے۔

الحکم:

بمعنیٰ حاکم ہے۔ اللہ تعالیٰ حاکم علی الاطلاق ہے کہ تشریعی و ارادی ہر قسم کا حکم اُسی کا نافذ ہے۔ وہی مخلوق کے درمیان فیصلہ کرنے والا وہی ظلم کی بنیادوں کو اکھیڑنے والا اور زیادتی اور ظلم کو دفع کرنے والا ہے نیز ظالموں سے مظلوموں کا انصاف لینے والا ہے۔ اور جزا کے دن وہی ساری مخلوق کے درمیان عدل و انصاف فرمانے والا ہے۔ اور اپنے بندوں میں بدبختی اور نیک بختی کا فیصلہ کرنے والا بھی وہی ہے۔

قاموس میں فرمایا کہ حکم بمعنیٰ قضا ہے۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ حکم سے قضا و قدر سامنے آتی ہے تو اسباب کے پیدا کرنے میں اصل بنیاد اُس کا حکم اور اُس کی تدبیر ہوتی ہے جو کہ امر رب سے عبارت ہے جو کہ آنکھ جھپکنے کے وقفے میں وجود میں آجاتی ہے۔ پھر اسباب کلی کو پیدا کرنا جیسے زمین و آسمان اور ستارے قضا کہلاتا ہے اور لحظہ بہ لحظہ اسباب پر مُسَبَّبات کے مرتب ہونے کو تقدیر کہتے ہیں۔ اس مقام کا تفصیلی بیان حضرت امام غزالی نے شرح اسماء حسنیٰ میں کیا ہے۔ ہم نے اس کا بہت سا حصہ اپنی شرح عربی میں نقل کر دیا ہے اور جب کہ اللہ تعالیٰ حاکم ہے تو چاہیے کہ بندہ

اُس کے حکم کے آگے اپنے آپ کو جھکا دے اور اس کا فرماں بردار رہے نیز اُس کی قضاء پر راضی رہے اور اپنے ذمے جتنے بھی حقوق ہیں اُن سے بری الذمہ ہو جائے یعنی انہیں پوری طرح ادا کرے۔ لوگوں کے ساتھ جھگڑے کرنے سے احتیاط کرے اور اگر کسی کو اُس سے کوئی تنازعہ اور جھگڑا ہو تو انصاف کو نگاہ رکھے تاکہ ظالموں میں سے نہ اٹھایا جائے اور جس دن کہ اللہ تعالیٰ لوگوں کے درمیان عدل و انصاف کے فیصلے کرے گا اس کے حضور شرمندہ اور رسوا نہ ہو پھر اس صفت کے تحت یہ بھی ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم ازلی سے ہر وقت ڈرتا رہے اور غم و خوف محسوس کرتا رہے اس اسم سے متعلق ہونے کا معنیٰ یہ ہے کہ جھگڑے مٹائے۔ عدل و انصاف سے حکومت کرے اور اپنے نفس پر حاکم بن کر رہے اُسے مجاہدات وریاضات میں ڈالے اور ایسی تدابیر اختیار کرے۔ جن سے اُس کی دنیا اور دین دونوں بہتر ہو جائیں۔

العدل:

عدل کا معنیٰ لغت میں انصاف ہے اور انصاف کرنے والا عدل ظلم اور جور کی ضد ہے پھر یہ لفظ استقامت و اعتدال اور ایک چیز کو دوسری چیز کے ساتھ برابر کرنے کے معنیٰ میں بھی آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ جور و ظلم سے منزہ ہے کیونکہ ظلم دراصل غیر کی ملک میں دخل دینے کا نام ہے اور کائنات کی کوئی بھی چیز اللہ تعالیٰ کی ملک سے باہر نہیں بلکہ سارا عالم اُس کی ملک ہے۔ خداوند تعالیٰ کے تمام افعال مستقیم و معتدل اور لاتعداد حکمتوں و مصلحتوں پر مشتمل ہیں اور جیسے کہ چاہیے ویسے ہی ہیں قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ (مَا تَرٰى فِیْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍ) اے مخاطب تو اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی چیزوں میں کسی قسم کا کوئی فرق نہیں پائے گا۔ اللہ تعالیٰ ہر بندے کے ساتھ اُس کے عمل کے مطابق معاملہ فرماتا ہے اور اُس کی لگن اور چاہت کے مطابق اُسے اپنی محبت و نعمت کے لائق بناتا ہے یہ اُس کا عدل ہے کبھی کبھی معاف بھی فرما دیتا ہے بلکہ معاف کرنے کی بجائے برائیوں کو نیکیوں سے بدل دیتا ہے یہ اُس کا فضل ہے اس بیان کی روشنی میں جب بندے نے یہ جان لیا کہ حاکم مطلق وہی ہے اور قضاء و قدر کے تمام فیصلے اُسی کی طرف سے ہیں تمام افعال میں حکمتیں ہی حکمتیں پائی جاتی ہیں اور چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کے افعال اور اُس کی تدبیر حکمت میں کسی قسم کا اعتراض نہ کرے بلکہ سب حق و عدل کے مطابق جانے اس صفت سے متعلق ہونے کا معنیٰ یہ ہے کہ لوگوں میں عدل کا نظام کرے خصوصاً رعیت میں پورے انصاف سے کام لے بندے کی حکومت کے نیچے اُس کا اپنا وجود بھی ہے اور شہوت و غضب بھی تو چاہیے کہ عقل کی سیاست و تدبیر کے تحت اپنی ان قوتوں کو درست اور دین کی قید کے دائرے میں رکھے۔ اسی طرح یہ بھی چاہیے کہ اس صفت کی روشنی میں میانہ روی اور اعتدال کو اختیار کرتے ہوئے استقامت کے راستے پر چلے۔ بیت

سعدیا راست روان گوئے سعادت بردند ۔۔۔ راستی کن کہ بمنزل نہ رود کج رفتار

اے سعدی سیدھے راستے پر جانے والے ہی سعادت کا گیند اٹھاتے ہیں۔ اس لیے راستی اختیار کر کیونکہ

کی رفتار انسان منزل پر نہیں پہنچ سکتا۔

اللطیف:

یہ لفظ لطف سے بنا ہے جس کا معنیٰ ہے نرمی اور کام و کردار میں نازک مزاجی دکھلانا اور کسی سے نیکی کرنا۔ بندے پر خدا کا لطف یہ ہے کہ وہ اُسے طاعات کی توفیق دیتا اور معصیت سے بچاتا ہے بندوں پر اُس کے لطف و کرم میں یہ بات بھی ہے کہ وہ بندے کو کفایت و ضرورت سے بڑھ کر عطا کرتا اور اس کی طاقت سے کم اُسے تکلیف دیتا ہے اور عمر کی مختصر سی مدت میں معمولی سی سعی و کوشش سے اُسے سعادت ابدی سے ہمکنار کرتا ہے بلکہ ایک ساعت کے اندر اُسے سعادت ابدی سے بہرہ ور فرما دیتا ہے جیسا کہ ایک شخص ایمان لایا اور ایمان لاتے ہی دنیا سے رحلت کر گیا اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ لطف و نرمی کے تحت بندے کے لیے مشقت، مجاہدہ، محنت و ریاضت میں آسانی مہیا کر دیتا ہے۔ اور اگر چاہے تو بغیر ریاضت و مجاہدہ کی زحمت کے منزل مقصود تک پہنچا دیتا ہے اور اپنے قرب اور اپنی درگاہ میں قبول ہونے کے ساتھ مخصوص و مشرف کر دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے لطف و کرم کی تفسیر اس طرح بھی کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ مصلحتوں کی باریکیوں کا علم رکھتا اور مخفی امور سے پوری طرح واقف ہوتا ہے جملہ امور کو پورے رفق و نرمی سے اپنے اپنے بہتر مقام تک لے جاتا ہے یہ دونوں امور یعنی باریکیوں اور مخفی امور کا خدائے تعالیٰ کا احاطہ کرنا اور افعال میں رفق و نرمی کو بروئے کار لانا، احاطہ حصر و بیان سے باہر ہے۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے بعض مثالوں کے ضمن میں اس پر تنبیہ کرتے ہوئے فرمایا کہ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا لطف اور اُس کی نرمی بچے کے ساتھ شکم مادر سے لے کر آخر عمر تک ساتھ رہتی ہے پھر وہ شکم میں بچے کو غذا پہنچاتا ہے اسی طرح شیر خوارگی کی حالت میں بھی اُسے دودھ کی غذا مہیا فرماتا ہے نیز اللہ تعالیٰ اپنے لطف و کرم سے خون و گوبر کے درمیان سے صاف اور میٹھا دودھ نکالتا ہے۔ اور پتھروں کے درمیان سے نفیس قسم کے موتی پیدا فرماتا ہے شہد کی مکھی سے بہترین شہد پیدا کرتا ہے کیڑوں سے ریشم پیدا کرتا ہے اسی طرح لمبے لمبے اور عجیب عجیب سیپ پیدا کرتا ہے جس سے قیمتی موتی برآمد ہوتے ہیں اُس کے لطف و کرم کی عجیب تر کیفیت یہ ہے کہ وہ آدمی کے اندر معرفت کی امانت رکھتا اور حامل امانت بناتا ہے اور آسمانوں اور زمین کی بادشاہی کے مشاہدے کراتا اور بندے کو اپنی ذات و صفات کا عارف بنا دیتا ہے یہ سب اُس کے لطف و کرم کی مثالیں ہیں۔ اس طرح کی اور اتنی مثالیں ہیں جو حد و شمار میں نہیں آسکتیں۔ جب بندہ یہ جان لیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ لطیف ہے دلوں کے پوشیدہ تمام اسرار و رموز جاننے والا ہے اور یہ بھی جان لیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی بندے کو بڑی بڑی نعمتوں سے سرفراز فرماتا ہے تو اُسے چاہیے کہ اپنے ظاہر و باطن کو شیطانی مکر و فریب ترک عدل اور بُرے اخلاق سے محفوظ رکھے اُس کی نعمت کا شکر ادا کرے اُس سے خیر و طاعت کی توفیق مانگے اپنی تقصیرات و کوتاہیوں کا اعتراف کرے اُس کے حضور میں تائب ہو اور عذر خواہی کرے

اس صفت سے متخلق ہونے کا معنیٰ یہ ہے کہ اللہ کی مخلوق سے لطف و نرمی سے پیش آئے چاہے اُن کا تعلق حسی اور دنیوی جہان سے ہو چاہے روحانی و دینی منافع سے ہو اور حق تعالیٰ کے طریقہ کے مطابق لطف و نرمی سے مخلوق کو اللہ کی طرف بلائے ہدایت کا راستہ دکھلائے یونہی لطف و حکمت سے اچھی اچھی نصیحتوں، حقائق کا علم پوشیدہ دقائق کا فہم پورے رفق و سہولت اور نرمی سے لوگوں تک پہنچائے اور فائدے سے بہرہ ور کرے۔

الخبیر:

خبیر بمعنیٰ آگاہ و دانا، زمینوں و آسمانوں کے ملک و ملکوت میں کوئی متحرک و ساکن چیز نہیں ہے اور زمینوں و آسمان میں بھی کوئی چیز نہیں اور کوئی ذرہ بے چین یا مطمئن نہیں اور کون و مکان میں بھی کوئی شے نہیں اور نہ کوئی چیز سانس لینے والی مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ شانہٗ اُس کے نزدیک اور اُس سے باخبر ہے اس معنی کے مطابق خبیر کا معنیٰ علیم کے معنی کی طرف لوٹ جائے گا مگر یہ کہ خبیر کو خبر دینے سے مخصوص کیا جائے اور عالم کو تمام خبروں کا عالم قرار دیا جائے۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ خبیر بمعنیٰ علیم ہے لیکن علم کی نسبت جب باطنی مخفی امور کی طرف ہو تو اُس علم کو خبرت کہتے ہیں اور اُن کے جاننے والے کو خبیر کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ امام غزالی کا کلام ختم ہوا۔

کبھی خبیر کا معنیٰ خبر دینے والا بھی کرتے ہیں یعنی اپنے کلام کے مخفی اسرار بتانے والا اللہ تعالیٰ اپنے کلام کے ساتھ گزشتہ اور آئندہ کی خبریں دینے والا ہے اس معنی کے مطابق اس اسم کا معنیٰ صفت کلام کی طرف لوٹ جاتا ہے پھر خبرت اور اختبار کا معنیٰ آزمانے کا بھی آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ بندوں کو امر و نہی اور تکلیف شرعی سے آزماتا ہے جیسا کہ اُس نے فرمایا (لیبلوکم ایکم احسن عملا) (تاکہ وہ تمہیں آزمائے کہ تم میں سے اچھا عمل کرنے والا کون ہے) جب بندہ یہ جان لیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ خبیر ہے تو اُسے چاہیے کہ اُس کا مراقبہ اور اُس کے علم کو ہاتھ سے نہ جانے دے اور انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام نے جن اوامر و نواہی کی خبر دی ہے اُن کی تصدیق کرے اس اسم سے متخلق ہونے کا معنیٰ یہ ہے کہ وہ دین کے کاموں میں دانا اور باریک بین بنے اور جو کچھ بھی اُس کے دل و جسم پر گزرے، بصیرت اور ہوش سے اُس سے آگاہ رہے نفس کی مکاریوں اور اُس کے مکر و دھوکے سے پوری طرح محتاط رہے نیز نجات کے راستے کی طرف لوگوں کو بلانے میں مصروف رہے اور لوگوں کو آزماتا رہے کہ وہ کس حد تک صراط مستقیم کو اختیار کرتے ہیں۔

الحلیم:

حلم بمعنیٰ آہستگی و بردباری حلیم اُس ذات کو کہتے ہیں جسے اُس کا غصہ راہ راست سے بھٹکنے نہ دے اور انتقام لینے اور سزا میں مبتلا کرنے میں جلدی نہ کرے اور قدرت رکھنے کے باوجود اگر بندہ توبہ کرے تو اُسے معاف کر دے اور اگر چاہے توبہ کے بغیر ہی رحمت کر دے۔ حلیم مطلق صرف اللہ تعالیٰ کی ذات پاک ہے بندہ کبھی سزا دینے میں عملاً جلدی نہیں کرتا مگر اُس کے دل میں کئی دفعہ اس کا ارادہ پیدا ہوتا ہے اور دل میں کینہ بھی چھپا کر رکھتا ہے تاکہ فرصت اور گنجائش کے

وقت اپنا کینہ بروے کار لائے اللہ تعالیٰ نے صفت انتقام بھی اپنے لیے ثابت فرمائی ہے۔ پس بندے کا حق یہ ہے کہ اس کے انتقام سے ڈرتا رہے اور اس کے حلم سے معافی کا اُمیدوار رہے۔ کیونکہ جب اللہ تعالیٰ نے اُس سے اس وقت حلم و نرمی کا سلوک کیا ہے۔ آئندہ بھی وہ مغفرت فرمائے گا اور چاہیے کہ ایسی ذات جو سزا دینے پر کامل قدرت رکھتی ہے اس کے باوجود انتقام نہیں لیتی بلکہ اُسے معاف کرتی ہے جو نعمتیں اُس نے دی ہوتی ہیں انہیں واپس نہیں لیتی، اُس کا شکر گزار رہے۔ اور شرم کرے کہ ایسی کریم ذات کی نافرمانی کا مرتکب ہو اس صفت سے متخلق ہونے کا معنی یہ ہے کہ کسی بھی غلط چیز کو دیکھ کر راستے سے نہ بھٹکے بلکہ سنجیدگی و وقار سے راہ راست پر قائم رہے اور اپنے ماتحت لوگوں کو سزا دینے میں جلدی نہ کرے بلکہ عفو و درگزر کو اپنا وطیرہ بنائے ہاں حدود شرعیہ کے جاری کرنے میں بالکل سستی اور نرمی نہ کرے۔

العظیم:

یہ لفظ العظیم اور العظمۃ سے بنا ہے بمعنی بزرگ ہونا عظمت کبھی تو اجسام میں پائی جاتی ہے جو آنکھوں سے دیکھی جاتی ہے۔ چنانچہ کہتے ہیں یہ جسم عظیم ہے اور وہ جسم اس سے بھی عظیم تر ہے یہ اُس وقت کہتے ہیں جب کہ دوسرا جسم طول عرض اور موٹاپے میں دوسرے سے زیادہ ہو پھر آگے اس کی دو قسمیں ہیں ایک یہ کہ اُس کی عظمت آنکھ کو بھر دے اور بندے کی آنکھ اُس کا پورا احاطہ کرے جیسا کہ کہا گیا ہے دوسری عظمت وہ ہے کہ نگاہ اُس کی اطراف کا احاطہ نہ کر سکے جیسے زمین و آسمان اور پہاڑوں سے بھی عظیم تر ہے اور کبھی عظمت کا اطلاق باطنی بصیرتوں کے استعمال پر بھی کرتے ہیں۔ اس کی بھی بہت سی قسمیں ہیں۔ ایک قسم یہ ہے کہ عقل جس کی حقیقت کی تہہ کو پالے عظمت کی ایک قسم وہ ہے جس کے ادراک سے اکثر یا بعض عقلیں قاصر ہیں۔ ایک قسم وہ ہے کہ حقیقت کی تہہ کو پانا اور اُس کا احاطہ کرنا ادراک عقل سے باہر ہو اور عظیم مطلق وہ ہوتا ہے جو سب سے عظیم اور حد عقول کی دسترس سے باہر ہو اور دائرہ ادراک میں نہ آئے اور کوئی بھی عقل اُس کی ذات و صفات کی تہہ تک نہ پہنچ سکے وہ ذات حق تعالیٰ و تقدس ہے جو شخص اللہ جل جلالہٗ کی عظمت جان لیتا ہے وہ اُس کی ذاتِ عظیم کے سامنے اپنی ذات کو حقیر و خوار جانتا اور اللہ تعالیٰ کے اوامر و نواہی اور احکام کے بجا لانے میں پوری پھرتی دکھاتا ہے بندے کو چاہیے کہ عظمت و جلالِ حق کو دل میں اس طرح لائے کہ کسی بھی شخص اور کسی بھی چیز کو ذات حق سبحانہٗ کے سامنے کچھ نہ جانے۔ اس صفت سے متخلق ہونے کی کیفیت یہ ہے کہ اپنی ہمت بلند رکھے اور کبھی دنیا کے لیے اپنا سر نیچے نہ جھکائے۔ دونوں جہاں کو عظمت الٰہی کے سامنے کوئی حیثیت نہ دے اور ایسے کمالات و صفات شریفہ کی تحصیل کرے جس سے کہ اُس کی عظمت عظیم سے عظیم تر ہو جائے اور ایسے مرتبے تک پہنچ جائے کہ اکثر عقول انسانی اُس کی شان و قدر کی حقیقت تک نہ پہنچ سکیں۔

ایک حدیث میں آیا ہے کہ ایک باعمل عالم جو لوگوں کو خیر و نیکی کی تعلیم دیتا ہے اُس کا نام عالم بالا میں عظیم رکھا جاتا ہے

انسانوں میں عظیم ترین ہستیاں انبیاء اور علماء ہیں کیونکہ ایک صاحب عقل انسان جب اُن کی صفات کا تصور کرتا ہے تو اُس کی عقل اُن کی کیفیت و عظمت سے پُر ہو جاتی ہے اللہ تعالیٰ کی تمام مخلوقات میں سے اعظم ترین مخلوق سید المرسلین حضرت جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس ہے کیونکہ مخلوق میں آپ سے عظیم تر کوئی ہستی وجود میں نہیں آئی اور عالم اجسام میں عرش سے بڑھ کر کوئی چیز پیدا نہیں کی گئی اور عالم معانی میں ارواح انسانی سے بڑھ کر کوئی چیز عظیم نہیں مگر ان سب کی عظمت عظمتِ روح محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب ہی رخ کرتی ہے۔

الغفور:

بمعنیٰ غفار ہے یہ دونوں صیغے مبالغہ کے لیے آتے ہیں۔ غفور میں غفار سے زیادہ مبالغہ ہے یعنی غفار بمعنیٰ ایسی ذات جو بہت ہی بخشش فرمانے والی ہے اور بخشش اور مغفرت اُس سے بہت زیادہ وجود میں آتی ہے اور وہ گناہوں کو بہت ہی بخشتی ہے غفور وہ ذات جس کی بخشش تمام و کامل ہو اور وہ بڑے بڑے گناہوں کو بخشتا ہے اس کی بخشش و مغفرت آخری درجے و مرتبے تک پہنچی ہوئی ہے بعض نے کہا غفور وہ ذات ہے کہ جب بندے کے گناہوں میں سے کسی ایک قسم کے گناہ بخشے تو تمام لوگوں کے تمام گناہوں کو بخش دے اور جب کہ غفر پوشیدہ کرنے کے معانی میں بھی آتا ہے۔ غافر کا معنیٰ یہ ہوگا ایسی ذات جو بندوں کے اعمال ناموں میں گناہوں کو پوشیدہ رکھتی ہے اور غفور وہ ذات جو فرشتوں کے دلوں سے بھی بندوں کے گناہوں کے نشانات مٹا دیتی اور پوشیدہ کر دیتی ہے تاکہ گناہوں کی ذلت پر پردہ پڑا رہے بلکہ گناہ گار کے ذہن سے بھی اُس کے گناہوں کو بھلا دے تاکہ گناہوں کو یاد کر کے شرمسار و خوار نہ ہوتا رہے۔ بیت

سر خجالت درویش زاں بود در پیش — کہ گر گناہ نہ بخشند شرمساری ہست

درویش کا سر شرمندگی سے اس لیے نیچے ہوتا ہے کہ اگر اس کے گناہ بخشتا ہے تو یہ بھی اُس کے لیے شرمساری کی بات ہے کہ اُس سے گناہ ہوا کیوں۔

اس اسم سے متعلق ہونے کی وجہ اسم غفار کے ضمن میں مذکور ہو چکی ہے۔

الشکور:

شکر بمعنیٰ کسی کی قدردانی کرنا اور اُس کی صفت و ثنا کرنا کیونکہ اُس نے اُس پر انعام کیا ہوتا ہے یہ معنیٰ بندے کے خدا کے شکر گزار ہونے کا ہے۔ شکر کی نسبت خدائے تعالیٰ کی طرف بھی کرتے ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کو شاکر اور شکور کے نام سے موسوم کرتے ہیں شکور کا معنیٰ ہے تھوڑے سے عمل پر بہت زیادہ ثواب عطا کرنے والا دنیوی زندگی کے چند گنے چنے ایام میں تھوڑے سے عمل پر آخرت کا عظیم ثواب دینے سے بڑھ کر اور کونسا ثواب بڑا ہو سکتا ہے۔

بعض نے کہا شکور کا معنیٰ ہے فرماں بردار بندوں کی صفت و ثنا کرنے والا یہ معنیٰ شکر کے معنیٰ کے قریب ہے بعض نے کہا بطریق مشاکلت شکر کی جزا کو بھی شکر کہہ دیتے ہیں چونکہ اللہ تعالیٰ بہت زیادہ ثواب عطا فرمانے والا ہے

تو گویا اس طرح وہ بندے کی طاعت و فرمانبرداری پر بندے کی صفت و ثنا فرماتا ہے بندے کو چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کی ثنا اُس کے شکر اور اُس کی طاعت میں ہر لحظہ آگے بڑھتا رہے اور صدق و اخلاص سے کام لیتا رہے اس اسم سے متعلق ہونے کی وجہ یہ ہے کہ بندہ خدائے تعالیٰ کی نعمت پر اُس کا شکر گزار رہے اور اُس کا بھی شکر گزار رہے جو اُس پر احسان کرے اور جہاں تک ہو سکے اچھائی کی شکل میں اُس کا بدلہ دے اگر اُس کا بدلہ اُس کی طاقت سے باہر ہو تو اُس کے لیے دعا کرے اور کچھ نہیں تو یوں ہی کہے "جزاک اللہ خیراً"

العلی:

یہ لفظ علو سے بنا ہے بمعنیٰ بلندی اور کسی جگہ کا بلند ہونا اور بلندی پر آنا اور کسی چیز کے اوپر ہونا پھر بلندی کی دو قسمیں ہیں ایک حسی جیسے ایک جسم کا دوسرے جسم پر بلند ہونا اور ایک عقلی جیسے ایک چیز کا رتبے میں دوسری چیز سے بلند تر ہونا اللہ تعالیٰ و تقدس مرتبے میں سب سے بالاتر ہے۔ کوئی بھی رتبہ اُس کے رتبے سے بلند نہیں ہے تمام مراتب اُس کے مرتبے سے نیچے ہیں کیونکہ سبب اور علت مسبب اور معلول سے بلند تر ہوتا ہے اللہ تعالیٰ تمام مسببات اور معلولات کا سبب و علت ہے اور علیت و فاعلیت کے تمام مراتب اُس کی ذات پر ختم ہوتے ہیں لہٰذا کوئی چیز اُس سے بالاتر نہیں بلکہ وہ سب سے بلند و بالا ہے نیز موجودات دو قسم کی ہیں۔ ایک مردہ دوسری زندہ پھر زندہ چیزوں کی تقسیم اس طرح ہے کہ جس کا ادراک حس کی حد تک ہے وہ حیوانات ہیں اور کچھ زندہ چیزیں ایسی ہیں جن میں ادراک حسی کے علاوہ ادراک عقلی بھی ہوتا ہے جن چیزوں میں ادراک عقلی پایا جاتا ہے وہ پھر آگے منقسم ہوتی ہیں۔ اُس چیز کی طرف کہ اُس کے معلومات کے بالمقابل اُن میں شہوت و غضب بھی پائی جاتی ہے وہ انسان ہے اس کی دوسری قسم وہ ہے جو شہوت و غضب کے مقابلے سے سالم و محفوظ ہے اُس میں کسی قسم کی میل کچیل بھی نہیں ہے پھر جو چیزیں اس سے سالم اور محفوظ ہیں وہ یا تو ممکن ہیں مگر اُن میں شہوت و غضب کی ملاوٹ پائی جاتی ہے مگر اللہ تعالیٰ نے اُسے شہوت و غضب سے سلامتی عطا کردی ہوتی ہے اور دوسری وہ چیز ہے جس کے حق میں شہوت و غضب میں مبتلا ہونا یا شہوت و غضب کا اُس میں پایا جانا محال و ناممکن ہے وہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ پس اللہ تعالیٰ مرتبے میں سب چیزوں سے بلند ہے کہ اُس سے عالی تر اور کامل تر کوئی مرتبہ نہیں ہو سکتا۔ اور عوام کی سمجھ میں جو کہ حیوانات کے مرتبے میں ہیں حسی بلندی کے سوا اور کوئی بلندی نہیں اس کے برعکس خاصانِ حق جو بصیرتوں کے ادراک کی بدولت معنوی بلندی سے آگاہ ہوتے ہیں اور بلند مراتب کو حسی بلندی سے اوپر سمجھتے ہیں، عوام کے درجہ سے بالکل الگ ہیں، یہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے عرش سے اوپر ہونے کا کیا معنیٰ ہے کیونکہ عرش تمام اجسام سے اُوپر ہے اور وہ موجود جو حدوں میں ہونے اور اجسام کی حدود کے اندازے سے بھی منزہ ہے اور اُن کی مقادیر سے بھی اونچا ہے وہ تمام اجسام سے مرتبے میں بلند ہوگا۔ عرش سے تخصیص کرنے کی وجہ یہ ہے کہ وہ تمام اجسام سے اوپر ہے اور جبکہ اللہ تعالیٰ اُس سے بھی اُوپر ہے تو وہ سب سے اوپر ہوا۔ پھر علو کسی پر غلبہ

کرنے کے معنی میں بھی آتا ہے۔اللہ تعالیٰ سب پر غالب ہے جیساکہ فرمایا (واللہ غالب علی امرہ) پس بندے کو چاہیے کہ قیاس عقلی اور ترتیب فطری کو اُس کی ذات وصفات کی حقیقت کی جانب راستہ نہ دے اور معرفت کے راستے میں اس بات کو اپنے باطن سے نکال دے کہ اللہ تعالیٰ کیا ہے بلکہ اپنے عاجز ہونے کا اعتراف کرے کیونکہ معرفت کا کمال بھی یہی ہے اپنی عقل کو اُس کے امر وحکم کے غلبے کے سامنے بالکل نیست ونابود کر دے۔حکم کی بجا آوری اور تسلیم خم کرنے کے انداز میں اُس کے سامنے آئے اس اسم سے موصوف ہونے کی صورت یہ ہے کہ علم وعمل کی تحصیل میں اس قدر کوشش کرے کہ اپنے بنی نوع افراد سے کمالات میں فائق وبلند ہو جائے مراتب ومقامات میں عروج حاصل کرے لیکن بندے کے لیے کامل بلندی ممکن نہیں کیونکہ اُس کے اوپر اپنے اپنے درجات کے مطابق انبیاء کے درجات میں تمام درجات سے بلند تر درجہ جس سے اوپر کوئی درجہ نہیں، حضور سید الانبیا صلی اللہ علیہ وسلم کا درجہ ہے اور مطلق اعلیٰ ذات خدائے تعالیٰ جل جلالہٗ وتعالیٰ شانہٗ کی ذات ہے اس صفت سے متخلق ہونے کی ایک شکل یہ بھی ہے کہ اپنے نفس وخواہش پر غالب رہے اہل دنیا کی صحبت سے بلندی اور علیحدگی اختیار کرے۔امر حق کے علاوہ کسی جانب بھی اپنی ہمت نیچے نہ لائے۔مشائخ رحمہم اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں جو شخص درگاہِ حق کی جانب توجہ کرنے میں صادق ہو گیا اُس کی ہیبت آسمان وزمین والوں کے دل میں بیٹھ جاتی ہے کہ سب اُس سے ڈرتے ہیں۔

الکبیر:

یعنی بزرگ اور صاحب کبریا کبریا کامل ذات سے عبارت ہے اور کمال سے کمال وجود مراد ہے۔اللہ تعالیٰ کا کمالِ وجود دو چیزوں سے تعلق رکھتا ہے ایک دوامِ وجود سے جب آدمی کے وجود کی مدت لمبی ہو جاتی ہے تو کہتے ہیں کہ وہ زیادہ عمر والا ہو گیا جب طویل الوجود کو کبیر یعنی بڑا کہتے ہیں تو وہ ہستی جو دائم الوجود ہو پھر ازلی وابدی بھی ہو تو وہ اس اسم کے ساتھ موسوم ہونے کے زیادہ لائق اور مستحق ہے۔دوسری چیز یہ کہ اللہ تعالیٰ کا وجود وہ وجود ہے کہ اُس سے سارے وجود سامنے آئے پس کبیر کا معنی ہو گا کامل الذات تام الوجود اور عظیم کا معنیٰ ہو گا کامل الصفات رفیع القدر اور عالی مرتبہ اس اسم سے متخلق ہونے کی وجہ قریب قریب وہی ہے جو اسم العلی کی شرح میں گزری۔

الحفیظ:

حفاظت میں رکھنا جو کچھ کہ عالم میں ہے اُسے ہر طرح کی آفتوں اور ضائع ہونے سے بچانے والا اور اُس کی حفاظت کرنے والا اللہ تعالیٰ ہی ہے کیونکہ وہ باقی رکھتا ہے اُن تمام چیزوں کو جو ایک دوسرے کی ضد اور دشمن ہیں جیساکہ وہ عناصر کو چیزوں کی پیدائش میں نگاہ رکھتا ہے۔وہ اُن کی ایک خاص ترکیب اور خاص مزاج اور قوتوں کو میانہ روی کی حالت میں رکھتا ہے یونہی حیوانات کی حفاظت کرتا ہے وہ اس طرح کہ حیوانات کی ذوات میں اُن کی حفاظت کے لیے آلات واعضاء پیدا کرتا ہے اسی طرح سینگ داڑھیں اور پنجے وغیرہ۔جیسے اسلحہ وہتھیار پھر وہ اُن میں معرفت وہدایت پیدا کر کے انہیں راہ راست

پر قائم رکھتا ہے نیز حیوانات میں حواس پیدا کرتا ہے جو کہ جاسوس کے فرائض انجام دیتے ہیں اور اس بات سے آگاہ کرتے ہیں کہ دشمن اور آفات اُس کے قریب آرہی ہیں جیسے کہ آنکھیں اور کان وغیرہ اسی طرح ملکوت و آسمان و زمین کا ہر ذرہ بھی اللہ تعالیٰ کی حفاظت میں ہے۔ حتیٰ کہ وہ گھاس جو زمین سے اُگتی ہے اللہ تعالیٰ اُس کے مغز کو چھلکے کے ذریعے اور اُس کی طراوت کو رطوبت اور بخارات کے ساتھ جو کہ اس سے اٹھتے ہیں، حفاظت کرتا ہے پھر کانٹا نباتات اور پودوں کا ہتھیار ہے جس طرح کہ سینگ کاٹنے والے دانت اور پنجے حیوانات کا ہتھیار ہیں۔ اسی طرح پانی کے ہر قطرے کے ساتھ حفاظت کرنے والا ایک فرشتہ لگا ہوا ہے جو اُس کی حفاظت کرتا ہے کہ وہ قطرہ ہوا کی شکل اختیار نہ کرے۔

ایک حدیث میں آیا ہے بارش سے کوئی قطرہ نیچے نہیں گرتا مگر اُس کے ساتھ ایک فرشتہ ہوتا ہے جو اُس کی نگرانی کرتا ہے تاکہ وہ قطرہ زمین میں اُسی جگہ گرے جو اُس کا مستقر و مقام ہے۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ سب کچھ حق ہے اور ارباب باطن کا مشاہدہ اور ان کی بصیرت کی نگاہیں اس پر دلالت کرتی ہیں۔ اور یہ ارباب مشاہدہ اُس پر بصیرت کے تحت ایمان رکھتے ہیں نہ کہ تقلید کے طور پر، اور اللہ تعالیٰ کی حفاظت کے دروازے اتنے زیادہ ہیں کہ شمار میں نہیں آسکتے۔ اُس رب جلیل کی حفاظت میں سے یہ بھی ہے کہ وہ مومنوں کے ایمان اُن کے سینوں میں باقی رکھتا ہے۔ اور ان کے عقائد کو کجی و لغزش سے بچاتا ہے پھر توحید کے سلسلے میں ایمان والوں نے اللہ تعالیٰ سے جو وعدے وعید کر رکھے ہیں ان پر دلائل و براہین قائم کرکے انہیں دین کی صداقت پر قائم رکھتا ہے۔ ان تمام دلائل و براہین میں قوی ترین دلیل نور یقین ہے جو وہ اُن کے دلوں میں ڈالتا ہے بندے کے کسب و اختیار کا اس میں قطعاً کوئی دخل نہیں۔

ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کا شکر کس طرح ادا کر سکتے ہیں کہ اس عالم میں مذاہب اور دینوں کے اس قدر اختلافات کے باوجود ہمارے دلوں میں اپنے دین کے بارے میں ذرا بھی کوئی خطرہ نہیں گزرتا کسی قسم کا کوئی اشکال پیدا ہوتا ہے اور نہ ہی ایمان کی گرہ میں کسی قسم کا کوئی اختلاف یا شبہ پیدا ہوتا ہے بلکہ نور ایمان دل میں ثابت اور باقی رہتا ہے۔ اے دلوں کو پھیرنے والے میرے دل کو ایمان پر ثابت رکھ۔ حفظ بمعنی کسی چیز کو یاد کرنے کا بھی آتا ہے جو نسیان اور بھول جانے کی ضد ہے۔ اس معنی کے مطابق بھی حفیظ کا اطلاق اللہ تعالیٰ کی ذات پاک کے لیے درست ہے کیونکہ تمام چیزیں اُس کے علم میں محفوظ ہیں اور سہو و نسیان کی بنا پر اللہ تعالیٰ کے علم سے کسی چیز کا مٹ جانا بالکل ناممکن۔

منقول ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ایک بزرگ بندے کو وراثت میں بہت سا مال ملا۔ اُس نے اس مال کو دیکھ کر عرض کیا یا الٰہی تو نے مجھے ان دراہم کا محتاج پیدا کیا ہے۔ لیکن حضور قلب کے ساتھ اس دولت کی حفاظت میں نہیں کر سکتا کیونکہ اس سے میرے دل میں خلل پیدا ہونے کا اندیشہ ہے اس لیے اے میرے خدا تو ہی میرا حفیظ بن اور تو ہی مجھے

اپنی نگاہ میں رکھا اس بزرگ نے یہ کہہ کر سارا مال درویشوں اور مسکینوں میں بانٹ دیا۔ اس کے بعد اس بزرگ کو جب بھی کسی چیز کی ضرورت پڑتی خدائے تعالیٰ غیب سے وہ چیز اُسے عطا کر دیتا۔

جب بندے نے یہ جان لیا کہ میرا پروردگار میرا محافظ ہے تو اُسے چاہیے کہ تمام آفات اور ڈر کی چیزوں اور نفس و ہوا کے غلبے سے اس کی حفاظت اور حمایت کی پناہ میں رہے۔ بیت۔

ہر کس بخدا پناہ آرد اورا از بلا نگاہ دارد

ہر شخص جو خدا کی پناہ میں آتا ہے اللہ تعالیٰ ہر بلا سے اُسے محفوظ رکھتا ہے۔

اس اسم سے متعلق ہونے کا معنیٰ یہ ہے کہ بندہ احکام شرع کی حدود کی حفاظت کرے۔ اپنے اعضاء کو گناہوں سے بچائے اپنے دل کو غیر کے ذکر سے بچائے رکھے اور اپنے باطن کو ملاحظہ اغیار سے محفوظ رکھے اپنے تمام حالات کو حدِ استقامت و اعتدال سے باہر نکلنے سے محفوظ رکھے اور بے بس و عاجز لوگوں کی دستگیری کرے ان کی محافظت کرے قرآن و حدیث کا حافظ بنے ان کے معانی و مطالب دل کے اندر بٹھائے۔

المُقیت:

یعنی روزی کا خالق اور ابدان تک ان کی خوراک پہنچانے والا۔ یہ لفظ قوت سے بنا ہے۔ قوت دراصل اُس خوراک کو کہتے ہیں جس سے انسان کا بدن قائم رہتا ہے۔ جیسے مختلف کھانے لفظ مُقیت کا مصدر اقاتت ہے بمعنیٰ خوراک عطا کرنا۔ مذکورہ خوراک بدن سے تعلق رکھتی ہے اور روح کی خوراک معرفت و ایمان ہے۔ لفظ مقیت بمعنیٰ توانا حفاظت کرنے والا اور گواہ و حاضر بھی آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے (وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ مُّقِيْتًا) اور اللہ تعالیٰ ہر چیز سے واقف و ہر چیز پر قادر ہے۔ پس اسم مقیت علم و قدرت کے دونوں معنوں کا جامع ہے بندے کو چاہیے کہ تن اور جان کی روزی اور قوت اُس سے چاہے اور اس کے علم پر اکتفاء کرے۔

حضرت سہل بن عبداللہ تستری رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا کہ روزی کسے کہتے ہیں۔ آپ نے جواب دیا اُس زندہ ذات کا ذکر کرنا جو موت سے پاک ہے۔ بعض حضرات اس طرح حکایت بیان کرتے ہیں کہ لوگوں نے آپ سے پوچھا کہ آپ کی خوراک کیا ہے فرمایا اللہ لوگوں نے کہا ہم کھانے کی وہ مقدار دریافت کرتے ہیں جس کے بغیر چارہ نہیں فرمایا اللہ کے بغیر چارہ نہیں۔ لوگوں نے کہا ہم اُس چیز کے بارے میں پوچھتے ہیں جس سے لوگوں کے بدن اور جسم قائم ہیں فرمایا تمام اجسام اللہ تعالیٰ کی ذات سے قائم ہیں اگر تم اللہ تعالیٰ کو پہچانتے ہو۔ اس اسم سے متعلق ہونے کا معنیٰ یہ ہے کہ بندہ بھوکوں کو کھانا دے۔ غافلوں کو راہ راست دکھلائے اپنے نفس کے حالات سے مطلع رہے اور اپنے حال کی اصلاح پر قادر رہو۔

الحَسِیْبُ:

بمعنیٰ کافی اور تمام کاموں کا سرپرست اور ضامن ہونا احساب کا معنیٰ ہے کسی کام کے لیے کافی ہونا عرب لوگ کہتے ہیں (احسبنی الشی) بمعنیٰ کفانی یعنی وہ شخص میرے لیے کافی ہو گیا پس حسیب بمعنیٰ محسب ہو گا یعنی ہر کام کے لیے کافی یہ وہ وصف ہے جس کا حقیقتاً ثبوت صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ہی ہو سکتا ہے کیونکہ کافی ہونے کی حاجت وضرورت وجود کے اعتبار سے اور دوام وجود وکمال وجود کے لحاظ سے بھی ہے کوئی بھی چیز ایسی نہیں جو کہ کسی چیز کے لیے کافی ہو مگر اللہ تعالیٰ کیونکہ اُسی سے وجود اشیاء ہے اور اُس سے دوام وجود اور کمالِ وجود بھی ہے۔ باقی سب اسباب جن کا وجود اشیاء میں دخل ہے اور جن سے اشیاء کمال کو پہنچتی ہیں تو وہ بھی سب خدائے تعالیٰ کے پیدا کیے ہوئے ہیں پس وہی کافی مطلق ہے۔ بعض نے کہا حسیب بمعنیٰ محاسب ہے یعنی حساب لینے والا۔ جیسے جلیس وندیم بمعنیٰ مجالس ومنادم یعنی ہمنشین اور ساتھی اور خدائے تعالیٰ قیامت کے دن مخلوق سے حساب لے گا اور دنیا اور آخرت میں اُن کے سانس تک گنے گا۔ بعض نے کہا حسیب بمعنیٰ شریف ہے جو حسب سے بنا ہے یعنی کسی کے فضائل وخوبیاں شمار کرنا جب بندے نے یہ جان لیا کہ اللہ تعالیٰ اُس کے لیے کافی ہے تو چاہیے کہ اُسی کو کافی جانے اور اُسی کی تدبیر پر بھروسہ کرے اور تمام امور میں اُسی پر توکل کرے قرآن مجید میں فرمایا (ومن یتوکل علی اللہ فھو حسبہ) جو شخص اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرتا ہے تو وہ اُس کے لیے کافی ہوتا ہے بندہ جب یہ جان لیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ میری زندگی کے سانس بھی گن رہا ہے اور ایک ایک سانس کا حساب لے گا کہ میں نے اُس میں کیا کیا۔ تو چاہیے کہ اپنے افعال ضابطے کے اندر رکھے اپنے احوال کو ٹھیک کرے جب وہ یہ بھی جان لیتا ہے کہ شرف وکمال تو اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے تو اُس پر اپنے نفس کی کمینگی اور عیب ظاہر ہو جاتا ہے پھر وہ اپنی ذات پر تکبر نہیں کرتا اور نہ اپنے افعال کو دیکھ کر خود پسندی میں مبتلا ہوتا ہے اس اسم سے متخلق ہونے کا معنیٰ یہ ہے کہ محتاج لوگوں کی حاجات کی کفایت کا ذریعہ بنے اپنے نفس کا محاسبہ کرے اس سے پہلے کہ اُس کا حساب لیا جائے اور اپنے نفس کو معرفت وطاعت سے شریف اور نیک بنائے۔

الجَلِیْلُ:

جلال اور جلالت بمعنیٰ بزرگی اور بزرگ درجے والا ہونا اللہ تعالیٰ جلیل مطلق ہے۔ جلال وکمال کی صفتوں کا جامع ہے۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ کبیر تو اُسے کہتے ہیں جو اپنی ذات میں کامل ہو اور جلیل اُسے جو صفات میں کامل اور عظیم اُسے کہتے ہیں جو ذات وصفات دونوں میں کامل ہو ایسا کمال کہ کسی کی بصیرت کا ادراک اُس کے کمالات کا احاطہ نہ کر سکتا ہو۔ امام غزالی کا کلام ختم ہوا۔

گروہ اولیاء کی اصطلاح میں صفات قہریہ کے آثار کے ظہور کو جلال۔ صفات لطیفہ کے آثار کے ظہور کو جمال کہتے ہیں

جمیل بھی اسماء حسنیٰ میں آیا ہے اگرچہ اس روایت میں مذکور نہیں ہے لفظ جمیل دراصل اُس خوبصورتی کے لیے وضع کیا گیا ہے جو ظاہری صورتوں میں پائی جاتی ہے اور آنکھ سے محسوس ہوتی ہے جس کا حسن بڑا تمکین اور آنکھ کو بڑا پسند آتا ہو اور دل کے بہت موافق ہو۔ اصل میں جمیل کا معنیٰ یہ ہے جو بیان ہوا اس کے بعد اس لفظ کا استعمال باطنی صورتوں کی خوبصورتی کے لیے ہونے لگا جو بصیرت سے محسوس ہوتی ہے۔ چنانچہ کہتے ہیں سیرت جمیل، خلقِ جمیل اور جمیل مطلق صرف اُس کی ذات ہے جس طرح کہ جلیل مطلق بھی وہی ہے کیونکہ عالم میں جس جگہ بھی کوئی حسن یا جمال یا کمال یا جلال پایا جاتا ہے اُسی کی ذات کے انوار اور اُسی کی صفات کے آثار کا پرتو ہے۔ جب بندہ اس بات کی شناخت کر لیتا ہے کہ جلیل و جمیل مطلق اُسی کی ذات پاک ہے تو وہ صرف اُس کی تعظیم کرتا اور صرف اُسی کو دوست رکھتا ہے۔ بزرگی میں اُس کی قدر کو سب سے ارفع جانتا ہے اور اپنے وجود مجازی میں اُسی کے انوار جلال و جمال اور اس کی عظمت اور کبریائی کو اپنا ورد و زبان بناتا ہے اور اُس کے آگے دست دعا دراز کرتا ہے۔ اُس کے آگے مطلق نیست بن جاتا ہے تاکہ اُس میں ہست مطلق ظہور پذیر ہو جائے۔ جیسا کہ ایک شاعر کہتا ہے۔

شرقنی و غربنی　　　اخرجنی عن وطنی
اذا تغیبت بدا　　　وان بدا غیبنی

ترجمہ۔ مجھے وہ مشرق کی جانب لے گیا اور مغرب کی جانب لے گیا حتیٰ کہ مجھے اپنے وطن سے ہی نکال کر لے گیا۔

(۲) جب میں غائب ہو گیا تو وہ ظاہر ہو گیا اور اگر وہ ظاہر ہوا تو مجھے غائب کر دیا۔ بیت۔

گم شدم در گم شدن دین منست　　　نیستی از ہستی آئین منست!
تو درو گم شو کہ تجرید ایں بود　　　گم شدن گم کن کہ تفرید ایں بود

ترجمہ (۱) گم ہونے میں گم ہو جانا میرا دین ہے۔ ہست سے نیست ہو جانا میرا دستور ہے۔
(۲) تو اُس میں گم ہو جا کہ تجرید یہ ہے۔ گم ہونے کو بھی گم کر دے کیونکہ تفرید یہ ہے۔

اس صفت سے موصوف ہونے کا معنیٰ یہ ہے کہ اپنے نفس کو صفات کمال سے آراستہ کرے اپنی صفات باطنہ کو نیک کرے اخلاقِ ذمیمہ کو مہذب بنائے تاکہ خود بھی جلیل و جمیل بن جائے اور خدا و مخلوق سب اُس سے دوستی کرنے لگیں۔

الکریم:

بعض بزرگ و عزیز علماء فرماتے ہیں جب تو نے کسی کو کریم کہہ دیا تو گویا تمام نیک صفات اُس کے لیے ثابت کر دیں۔ علماء یہ بھی فرماتے ہیں کہ کریم وہ ذات ہے جو قدرت رکھنے کے باوجود معاف کر دے۔ جب وعدہ کرے

پورا کرے۔ جب عطا کرے اُمید سے زیادہ عطا کرے جو اُس سے التجا کرے اُسے ضائع نہ ہونے دے اور تمام وسیلوں اور سفارشیوں سے بے نیاز کردے، کریم بمعنیٰ مکرم بھی کیا گیا ہے جس طرح جلیل بمعنیٰ مُجل یعنی بزرگی عطا کرنے والا کریم بمعنیٰ جواد (بہت سخی) بھی آیا ہے کامل طور پر یہ معنیٰ اللہ تعالیٰ کی کریم اور بلند ذات کے ساتھ خاص ہے۔

منقول ہے کہ ایک اعرابی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ یا رسول اللہ قیامت کے دن ہمارا حساب کون لے گا فرمایا اللہ تعالیٰ خود ہی حساب لے گا یہ سُن کر اعرابی خوش ہوا اُس کے منہ پر تبسم بکھر گیا۔ لوگوں نے پوچھا تمہارے تبسم کرنے کی کیا وجہ ہے اُس نے کہا کریم جب عیب دیکھتا ہے انہیں چھپا دیتا ہے۔ جب قادر ہوتا ہے تو معاف کر دیتا ہے۔ بندے کو چاہیے کہ شکر و کرم عفو و درگزر اور جود و سخاوت کو اپنا دستور بنائے اور دل میں ایسے کریم کی محبت و دوستی بٹھلائے۔ اس اسم سے متصف ہونے کا معنیٰ یہ ہے کہ ان صفات کے حاصل کرنے کی کوشش کرے اور ان صفات کے ساتھ متصف ہونے کے لیے زور لگائے تاکہ اُسے بھی ان صفات میں سے کچھ یا زیادہ حاصل ہو جائے اس طور پر جو اُس کے حال کے لائق ہے۔ ان صفات سے باقی تمام لوگوں سے بڑھ کر انبیاء علیہم السلام متصف ہوتے ہیں اور سید الانبیاء علیہ من الصلوات افضلہا ومن التحیات اکملہا سب سے کامل تر و کریم تر ہستی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے بعد آپ ہی سب کریموں سے بڑھ کر کریم ہیں پھر آپ کی اُمت کے اولیاء و علماء اپنے اپنے درجات و مراتب کے مطابق اہل کرم ہیں۔

الرَّقِیْبُ:

صراح میں ہے رقیب بمعنیٰ نگہبان و نگاہ میں رکھنے والا کام بنانے والا علامہ طیبی نے کہا رقیب بمعنیٰ حفیظ ہے کہ تمام اشیاء کی نگہبانی کرتا اور ہر ایک شے کا ملاحظہ کرتا ہے تو زمین و آسمان میں ایک ذرے کی مقدار چیز بھی اُس سے غائب نہیں۔

امام غزالی نے فرمایا کہ رقیب علیہ بمعنیٰ حفیظ ہے پس جو محفی چیزوں پر نگاہ رکھے اُس سے غافل نہ ہو انہیں ملاحظہ کرے اور اگر یہ ملاحظہ و نگرانی اُس کے لیے لازم و دائم ہو تو وہ رقیب ہوگا۔ تو معلوم ہوا کہ اس لفظ کا معنیٰ رقابت یعنی حفاظت بعلم و حفظ کی جانب رجوع کرتا ہے لیکن اس اعتبار سے کہ یہ علم و حفظ لازمی ہو اور ہمیشہ کے لیے ہو پیچھے گزر چکا ہے کہ علماء نے رقیب کی یہی تفسیر کی ہے لیکن انہوں نے رقابت میں جاننے کا مفہوم بھی ملحوظ رکھا ہے یعنی بہت زیادہ حفاظت کرنے والا اس اعتبار سے دونوں کے درمیان فرق ہوگا بندے کے اس صفت سے متعلق اور متحقق ہونے کی وجہ ظاہر ہے۔ یعنی بندہ اپنی نگہبانی کرے اپنے آپ کو نفسی و قلبی عوارض یعنی فریب و زبردستی وغیرہ سے بچائے۔ ہمیشہ حق تعالیٰ کی نگاہ میں با ادب رہے اور نامناسب امور سے پوری طرح پرہیز کرے۔ اور یہ بات ذہن میں رکھے کہ اللہ تعالیٰ میرے ہر ظاہری اور باطنی حال پر رقیب و گواہ ہے۔ اور اس بات کی فکر میں رہے کہ نفس و شیطان

تاک میں بیٹھے ہیں فرصت کی تلاش میں ہیں اور مجھے غفلت میں ڈالنا چاہتے ہیں تاکہ جب میں غافل ہو جاؤں تو اپنا کام کریں۔ اور اپنے غصے کا نشانہ بنائیں۔ تو بندے کو چاہیے کہ ان سے ہمیشہ ڈرتا رہے اُن کے مکر و فریب سے ہوشیار رہے اور دل میں ان کے آنے کے راستے بند کر دے مراقبے کا یہی معنیٰ ہے۔

المُجیب :

اجابت سے بنا ہے بمعنیٰ جواب دینا۔ اجابت کا معنیٰ دعا کرنے کا بھی آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اُسے جواب دیتا ہے جو بھی اُسے پکارتا ہے وہ ہر دعا کو قبول فرمانے والا ہر سوال پر عطا فرمانے والا اور وہی پریشان حال لوگوں کی دعاؤں کو سننے والا ہے۔ جب کہ وہ قال اور حال کی زبان سے دعا کرتا ہے۔ بلکہ دعا کرنے سے پہلے اُن کی دعائیں قبول فرمانے والا اور طلب کرنے سے پہلے انہیں عطا کرتے والا اجابت میں سے یہ بھی ہے کہ وہ مخلوق کی دعائیں سنتا اور اُن کی حاجتوں کے لیے کافی ہوتا ہے جو اُس نے بندوں کے کاموں کی تدبیر کے لیے تدبیریں کر دی ہیں اُن کی پیدائش سے پہلے وہ اس طرح کہ اُس نے اسباب پیدا کر دیے اُن کے رزق کے انتظامات کیے زمین و آسمان میں ایسے آلات پیدا فرمائے جن سے بندوں کی ضرورتیں پوری ہوتی ہیں تو بندے کیلئے چاہیے کہ امر و نہی میں حق تعالیٰ کی دعوت قبول کرے بندوں کی حاجات کے پورا کرنے میں کوشش کرے جہاں تک اُس سے ہو سکتا ہے اُن کی ضروریات کو پورا کرے اگر عاجز اور بے بس ہو تو نرمی اور نرم بات سے اُن کو جواب دے اُن کی باتیں سنے اُن کی طرف سے ہدیہ قبول کرے جیسا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کرتے تھے۔

الواسعُ ،

یہ لفظ سَعَۃ سے بنا ہے بمعنیٰ فراخی و فراخ کرنا اور سب کو پہنچانا اس فراخی کی نسبت علم کی طرف بھی کرتے ہیں چنانچہ کہتے ہیں کہ اُس کا علم تمام معلومات کو وسیع و محیط ہے احسان کی طرف بھی اس کی نسبت کرتے ہیں۔ چنانچہ کہتے ہیں اُس کا احسان وسیع ہے اور اُس کی نعمت ہر طرف پھیلی ہوئی ہے پھر اس کی نسبت قدرت، ملک و غنا کی طرف بھی کرتے ہیں ان تمام صفات میں واسع مطلق اللہ تعالیٰ ہے اور وہ جو کہتے ہیں سعت بمعنیٰ دولتمندی و توانائی و دسترس بھی آتا ہے تو وہ اسی تعلق کی بناء پر آتا ہے۔ اور بندے کے ذمے لازم ہے کہ جب اُس نے خدا کو پہچان لیا اور اُس کے علم قدرت ملک اور بے نیازی کو بھی جان لیا کہ جہالت، بے بسی، فقر اور محتاجی کی تنگی میں نہ پڑا رہے بلکہ بے نیاز ہو جائے اور تمام کاموں میں اُسی کے حضور التجا کرے اور تنگی کے وقت اُسی سے پناہ چاہے اس اسم سے متخلق ہونے کا معنیٰ یہ ہے کہ علوم و معارف میں وسعت پیدا کرے۔ اخلاق جود و سخاوت اختیار کرے سینے کو کشادہ کرے دل کو فراخ کرے اُس پر جو حوادث بھی نازل ہوں اور جو اذیت بھی پہنچے اُس سے دل تنگ نہ ہو اور کوئی چیز کسی سے ہٹا کر نہ رکھے۔ سب کے ساتھ ہر لحاظ سے کشادہ رو رہے۔ بیت۔

بند ہا بردار گر خواہی کشاد دست دل بکشا اگر خواہی مراد

بندشیں اٹھالے اگر کشادگی چاہتا ہے دل کے ہاتھ کھول اگر مراد چاہتا ہے۔

الحکیم:

حکمت سے بنا ہے۔ حکمت کمالِ علم اور حسنِ عمل، ایقان اور علم و عمل کے اِحکام سے عبارت ہے۔ علم محکم کو بھی حکمت کہتے ہیں پس یہ لفظ احکام کے اضافے کے ساتھ علیم کے معنٰی میں آتا ہے۔ بعض فرماتے ہیں حکیم حاکم کا مبالغہ ہے اور حکیم اُسے کہتے ہیں جو حقائق اشیاء کا عالم ہو اور جو مصنوعات کی باریکیوں کو بہتر طور پر جانتا ہو اور کسی چیز کے بنانے میں بہت محکم اور پائیدار ہو ان تمام معانی میں کمال صرف خدائے تعالٰی کی ذات پاک کے لیے ہے۔ چنانچہ وہ جو کام بھی کرتا ہے بہ تقاضائے حکمت کرتا ہے اور دانش اور بینش سے کرتا ہے وہ اپنے کاموں میں سستی و کمزوری سے منزہ و مبّرا ہے۔ وہ اسرار کے حقائق و دقائق کو جاننے والا ہے۔ اور جو شخص جان لیتا ہے کہ پروردگار تعالٰی حکیم ہے اُس پر لازم ہو جاتا ہے کہ اُس کے حکم سے راضی ہو اور اس بات کو جانے کہ ہر بات میں اُس نے بہت اعلٰی اعلٰی حکمتیں رکھی ہیں اگرچہ ظاہرًا معلوم نہیں ہوتیں تو اُسے چاہیے کہ کسی بات پر اعتراض نہ کرے نہ غصہ کرے اور یہ جانے کہ وہ فاعل مختار اور حاکم علی الاطلاق ہے۔ یفعل مایشاء و یحکم مایرید وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے اور جو ارادہ کرتا ہے اُس کا حکم دیتا ہے۔ بندے کو چاہیے کہ حقائق کے سمجھنے میں اسم الحکیم کے فیض کی طرف متوجہ رہے۔

اس اسم سے متعلق ہونے کی صورت یہ ہے کہ قوت نظریہ کی تکمیل اور قوت عملیہ کی تحسین میں پوری پوری کوشش کرے اور اُن علوم و فنون کو اچھی طرح جانے جو اُس کے نفس کی تکمیل سے تعلق رکھتے ہیں۔ اس اسم کے مطابق بندے کو یہ بھی چاہیے کہ بے وقوفی اور لغو باتوں سے پرہیز کرے کوئی بھی کام حقانی اشارے اور ربانی تقاضے کے بغیر نہ کرے تاکہ اسم الحکیم کے اطلاق کا مستحق بنے۔

حضرت ذوالنون مصری قدس اللہ سرہ سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا میں نے علاقہ مغرب کے بارے میں سنا کہ وہاں ایک شخص ہے جو علم و حکمت میں مشہور ہے میں اُس کی زیارت کے لیے گیا میں چالیس دن اُس کے دروازے پر پڑا رہا وہ شخص وقت نماز مسجد میں آتا اور پھر حیرانی اور گم سم حالت میں گھر واپس چلا جاتا میری طرف کوئی توجہ نہ کرتا۔ اُس کی اس حالت سے مجھے تنگی لاحق ہوئی۔ میں نے کہا اے جوانمرد میں چالیس دن سے یہاں کھڑا ہوں میری طرف تو نے کوئی توجہ نہیں کی اور مجھ سے کوئی بات نہیں کی رب مجھے کوئی نصیحت کر اور حکمت و نصیحت کی بات سکھا۔ تاکہ میں اُسے یاد رکھوں اُس نے کہا تو اُس پر عمل کرے گا میں نے کہا ہاں اگر خدا نے توفیق دی اُس نے فرمایا دنیا کو دوست نہ رکھ فقر کو دولتمندی شمار کر۔ مصیبت کو نعمت جان اور روک رکھنے کو عطا سمجھ۔ غیر حق سے اُنست کرنہ ہی غیر حق سے محبت کر دین کے لیے خواری کو عزت سمجھ۔ زندگی کو موت سمجھ اور طاعت کو حرمت و عظمت جان اور توکل کو اپنا ذریعہ معاش بنا۔

از سینہ محو کن بہ نام و نشان غیر　　الا کسیکہ مید ہد از دمے نشان

سینے سے غیر کا نام و نشان تک مٹا دے مگر اُس کا تصور نہ مٹانا جو تجھے اُس کا نشان بتاتا ہو۔

الودود:

وکی پیش و زبر و زیر سے۔ اس سے مودت بھی بنا ہے یعنی دوستی کرنا۔ بعض نے فرمایا کہ مضبوط دوستی قائم کرنے کا نام مودت ہے۔ اللہ تعالیٰ مومنوں سے دوستی کرتا ہے اور مومن اُس سے دوستی رکھتے ہیں۔ چنانچہ فرمایا (یحبھم ویحبونہ) یعنی وہ اُن سے محبت کرتا ہے اور وہ اُس سے محبت کرتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اُن پر رحمت کرتا ہے اُن کے لیے خیر چاہتا ہے انہیں نعمت سے سرفراز کرتا ہے اُن پر احسان فرماتا ہے۔ اور اُن کی صفت و ثنا کرتا ہے۔ اور ایمان والے اُس سے دوستی رکھتے ہیں یعنی اُس کی فرمانبرداری کرتے اُس کی تعلیم بجالاتے اور اُس کی ہیبت دل میں رکھتے ہیں اور اُس کی ذات میں مستغرق رہتے ہیں اور فرمایا وھو الغفور الودود یہاں اسم غفور کو اسم ودود سے پہلے بیان فرمایا تاکہ عاصی گناہ کار جو غبار معصیت سے آلودہ ہوتے ہیں وہ بھی نا اُمید نہ ہوں یعنی اللہ تعالیٰ پہلے عاصیوں کے حال کے رخسار پر سے عفو و مغفرت کے ساتھ غبار معصیت صاف کرتا ہے اور اُن کے اوپر سے معصیت کا گرد و غبار جھاڑتا اور انہیں پاک کرتا ہے اُس کے بعد اپنے محبوبوں اور معشوقوں کے دائرے میں لاتا ہے۔ بیت

از من گناہ آید و من آ نم　　وز تو کرم آید و تو آنی

مجھ سے گناہ ہی سرزد ہوتا ہے اور میں وہی گناہ گار ہوں۔ تجھ سے کرم ہی سامنے آتا ہے اور تو وہی کرم نواز ہے۔

اس اسم سے　　ہونے کی وجہ ظاہر ہے پھر اس　　سے متخلق ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اہل دین سے دوستی کرے خیر و بھلائی میں سے جو کچھ اپنے لیے چاہتا ہے، دوسرے مسلمانوں کے لیے بھی پسند کرے بلکہ اپنے نفس پر ایثار کرنے میں انہیں ترجیح دے اس اسم میں کمال پیدا کرنے کی صورت یہ ہے کہ اُسے ایثار و احسان سے کوئی چیز بھی نہ روک سکے اور غضب و کینہ و ایذا، ایثار کے راستے میں رکاوٹ نہ بنے اور جو شخص اُس سے تعلق کاٹے یہ اُس سے تعلق جوڑے جو اُسے محروم کرے یہ اُسے عطا کرے جو اس پر ظلم کرے یہ اُس سے درگزر کرے اس محبت کا فرد اعلیٰ یہ ہے کہ محبان حق کی محبت میں بالکل ثابت قدم رہے اور محبوں کے طریقے کے مطابق چلنے میں پوری کوشش صرف کرے استقامت و پامردی دکھائے اور اُس کے دوستوں کی دوستی کو اپنی نجات کا وسیلہ عظمیٰ جانے خصوصاً اللہ تعالےٰ کے تمام محبوبوں سے محبوب ترین اور تمام محبوں سے محب ترین حضرت جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت و طاعت کو لازم جانے کیونکہ وہ عین محبت حق و طاعت حق ہے۔

حکایت:۔

ایک عجیب حکایت مروی ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عاشقوں میں سے ایک عاشق کو ستر ہزار دینار

بطور وراثت ملے۔ اچانک اس کے سامنے حضور نبی پاک علیہ السلام کا ایک بال مبارک کسی کے ہاتھ میں سامنے آیا۔ اس عاشق نے وہ ستر ہزار دینار دے کر آپ کا موئے مبارک خرید لیا۔ بیت۔

جمائے چند دادم جان خریدم بحمد اللہ عجب ارزان خریدم

میں نے چند پتھر دیئے اور جان خرید لی۔ الحمد اللہ کہ میں نے عجیب سستا سودا کر لیا۔

علماء فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی محبت کے صحیح ہونے کی نشانی یہ ہے کہ اس کے رگ و ریشے میں حضرت جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت سرایت کر چکی ہو۔ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے سچی دوستی کا نشان یہ ہے کہ آپ کے اہل بیت سے محبت ہو اور ان تمام سے بھی جو آپ سے نسبت رکھتے ہیں۔ بیت

دوستے را دوست داری دوستش را دوست دار دوست را بر دیدہ دار و دیدہ را بر دوست دار

اگر تو دوست سے دوستی رکھتا ہے تو اس کے دوست سے بھی دوستی کر۔ دوست کو آنکھ پر رکھ اور آنکھ کو دوست پر رکھ۔

ایک کتے نے دو تین دن اللہ تعالیٰ کے دوستوں کا ساتھ اختیار کیا تو اسے انسانی صورت مل گئی اور ہمیشہ کی نعمتیں مل گئیں۔ تو آدمی کیوں ناامید ہو۔ پیر ہری قدس اللہ سرہ العزیز فرماتے ہیں جب پتھر کو لعل لگ سکتا ہے اور کتے کو دیدار نصیب ہو سکتا ہے تو عبداللہ کو ناامیدی سے کیا سروکار۔

المجید:

یہ ماجد سے صیغہ مبالغہ ہے۔ صراح میں ہے بمعنی بزرگی و مجید بمعنی بزرگ۔ قاموس میں ہے مجد بمعنی شرف و کرم کو پالینا۔ علامہ طیبی نے فرمایا مجد کرم کی فراخی کو کہتے ہیں۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا مجید وہ ذات ہوتی ہے جو بزرگ ہو اور جس کے افعال جمیل و خوبصورت ہوں اور جس کی عطا اور بخشش جزیل اور بہت زیادہ ہو پس مجید، جلیل، وہاب وکریم کے معنی کا جامع ہے۔ بندے کو چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کا وظیفہ بجا لائے اس کی نعمت و طاعت کی شکر گزاری میں ذرا بھی غفلت نہ کرے۔ اس اسم سے متعلق ہونے کا معنیٰ یہ ہے کہ اپنے میں شرف و بزرگی حاصل کرے وہ اس طرح کہ اپنے میں شرف و بزرگی کے اسباب یعنی علم و عمل اور تہذیب اخلاق پیدا کرے۔ دوسروں کو بھی اپنی عطا و سخاوت سے فائدہ پہنچائے۔

الباعث:

بعث سے بنا ہے بمعنیٰ قبر سے اٹھانا سوئے ہوئے کو نیند سے جگانا اور کسی کو کسی کام کے لیے بھیجنا۔ اللہ تعالیٰ مردوں کو قبروں سے اٹھانے والا ہے۔ غافل دلوں کو غفلت و غرور کی نیند سے بیدار کرنے والا اور رسولوں کو خلق کی طرف بھیجنے والا ہے۔ بعض نے کہا کہ باعث کا معنیٰ ہے ہمتوں کو نیک کاموں کے لیے ابھارنے والا ہے پس بندے کو

چاہیے کہ خواب غفلت سے بیدار ہو اور رسول پاک علیہ السلام کی نافرمانی سے بیزار اور بعث ونشور کا دن یاد رکھے اپنے آپ کو آخرت کے کاموں میں مشغول رکھے اس اسم سے متخلق ہونے کا معنیٰ یہ ہے کہ مردہ دلوں کو جہالت کی قبر سے جو کہ موت اکبر ہے، باہر نکالے۔ علم کے ساتھ جو کہ حیات ابدی کا سبب ہے زندہ کرے۔ غافلوں کو خواب غفلت سے بیدار کرے اپنی روح کو خیر کے جذبے سے لبریز کرے (جو کہ رسول کی طرح ہے) اپنے اعضاء اور قوتوں کی جانب بھیجے اور مخلوق کی جانب تعلیم وارشاد ورسل ورسائل کی صورت میں ارسال کرے اور ہمت کو خیر ونیکی کے کاموں کے لیے مقرر کرے۔

الشہود:

یہ شہود سے نکلا ہے بمعنیٰ حاضر آنا یا شہادت سے نکلا ہے بمعنیٰ گواہی دینا۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ ظاہر وباطن اور غیب و شہادت سب پر حاضر ومطلع ہے۔ اور قیامت کے دن مخلوق کے اعمال وافعال پر گواہی دینے والا ہے یہ بھی ہو سکتا ہے کہ مراد یہ ہو کہ وہ اپنی وحدانیت پر شاہد وگواہ ہے جیسا کہ فرمایا (شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ) اللہ تعالیٰ گواہی دیتا ہے کہ بے شک وہی معبود ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں یا اپنے رسول کو مدد دینے اور یوم میثاق میں پیغمبروں سے ایمان پر گواہی لینے والا ہے کہ جب تمہارے بعد میرا رسول آئے تو اس پر ایمان لانا اور اس کی مدد کرنا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا (وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ) یعنی جب اللہ تعالیٰ نے نبیوں سے عہد لیا یہ آیت اس عہد پر دلالت کرتی ہے۔ بعض نے فرمایا شاہد بمعنیٰ ظاہر کرنے والا بھی آیا ہے اللہ تعالیٰ اپنے کلام سے بطریق وحی والہام احکام دین اسلام کو ظاہر کرنے والا ہے۔ بعض نے شہید بمعنیٰ مشہود لہٗ بھی کیا ہے یعنی انبیاء واولیاء علماء اور ملائکہ اس کی ذات کی وحدانیت اور اس کی صفات کے کمال کی گواہی دیتے ہیں۔ اگرچہ اس کی ذات وصفات کی حقیقت پانے سے عاجز وقاصر ہیں۔ بیت

خطبہ بر نام تو خوانند ایں ہمہ　　　از تو جز نامی ندانند ایں ہمہ

گرچہ توحید تو میخوانیم ما　　　ہم تو میدانی کہ نادانیم ما

(۱) یہ سب تیرے نام کا خطبہ پڑھتے ہیں۔ مگر تیرے نام کے سوا کچھ نہیں جانتے۔
(۲) اگرچہ ہم تیری توحید کا سبق پڑھتے ہیں مگر تو جانتا ہے کہ ہم نادان ہیں۔

بندے کو چاہیے کہ مراقبے کے ذریعے خدائے تعالیٰ کے حضور واطلاع اور اعمال پر اس کی شہادت سے غافل نہ ہو اور رسول کے تشریف لانے پر اللہ تعالیٰ کی شہادت اور اس کے صدق کی تصدیق کرے اور دین اسلام کے احکام کا متبع بنے اس کی ذات وصفات کے کمال کا اعتراف کرے اس اسم سے متخلق ہونے کا معنیٰ اول معنیٰ کے لحاظ سے علیم وخبیر کی طرف رجوع کرتا ہے۔ اور دوسرے معنیٰ کے لحاظ سے بندے کو چاہیے کہ اہل شہادت سے تزکیہ وتصفیہ اور عدل وانصاف کا نور دنیا وآخرت میں حاصل کرے اور اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور میثاق انبیاء پر شاہد بنے تاکہ اللہ تعالیٰ کے خاص بندوں

میں سے ہو جائے۔

الحق:

بمعنی ثابت و ہست اس کے بالمقابل لفظ باطل آتا ہے بمعنی نیست و ناچیز و معدوم۔ یاد رہے ثابت و ہست مطلق اللہ تعالٰی ہے۔ باقی موجودات امکان کی حیثیت سے معدوم ناچیز اور نیست ہیں اور حد ذات میں ان کے لیے کوئی وجود و ثبوت نہیں۔ جیسا کہ کہا گیا ہے (اَلَا كُلُّ شَيْءٍ مَا خَلَا اللهَ بَاطِلٌ) سنو اور آگاہ رہو کہ اللہ تعالٰی کے سوا ہر چیز باطل و فانی ہے۔

تفصیل کلام یہ ہے کہ یہاں تین چیزیں ہیں حق مطلق و باطل مطلق، ایک اعتبار سے حق دوسرے اعتبار سے باطل۔ پس ممتنع بالذات باطل مطلق ہے اور ممکن لذاتہ ایک اعتبار سے حق ہے اور ایک کے اعتبار سے باطل اس ممکن کا اپنی ذات کے لحاظ سے بالکل کوئی وجود نہیں۔ پس ممکن اپنی ذات میں باطل ہے اُس کا وجود غیر سے حاصل ہوتا ہے۔ اس وجہ سے کہ اُس میں جانب وجود کو لگا دیا گیا ہے۔ پس اس اعتبار سے ممکن بھی حق ہے یہی معنی ہے اللہ تعالٰی سبحانہ کے قول مبارک (كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ) اُس کے سوا ہر چیز فانی ہے، کا۔ پس معلوم ہو گیا کہ حق مطلق وہی موجود حقیقی ہے کیونکہ وہی اپنی ذات سے موجود ہے یعنی اُس کا وجود کسی سے مستعار نہیں ہر چیز اُسی سے وجود حاصل کرتی ہے حق مطلق خدائے عزوجل تعالٰی و تقدس ہے پھر حق بمعنی صدق و راستی اور اقوال و اعتقادیں درستی کے معنی میں بھی آتا ہے اور مذاہب کو بھی حق کے ساتھ موصوف کرتے ہیں کیونکہ ان کی نسبت بھی چونکہ ثبوت کے اعتبار سے حق کے ساتھ ہوتی ہے اس وجہ سے انہیں بھی حق کہہ دیا جاتا ہے۔ حق بمعنی لائق و مستحق کے بھی آتا ہے۔ اللہ تعالٰی الوہیت کے لائق و مستحق ہے۔ اُس کے اقوال و افعال بطلان و کذب کے شائبہ سے بھی منزہ و مبرا ہیں۔ اس اسم سے متخلق ہونے کا معنٰی یہ ہے کہ بندہ متابعت حق جو شریعت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے سے موصوف ہو جائے تاکہ اُس شریعت کا نور و حضور اُس کے دل پر غالب آ جائے اور وہ اُس نور و حضور کی وجہ سے حق تعالٰی کے وجود اور اُس کے ذکر و حضور میں مستغرق ہو جائے یہاں تک کہ حقانیت سے متصف ہو جائے۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ رحمۃً واسعۃً فرماتے ہیں بندہ اگرچہ حق ہے لیکن اپنی ذات میں حق نہیں ہے بلکہ خدا اعز اُس کی ذات کے ساتھ حق ہے۔ چنانچہ بندہ بذات خود باطل یعنی نیست ہے۔ اگر خدا نے اُسے موجود نہ کرنا ہوتا تو وہ ہمیشہ نیست ہی رہتا۔ پس اُس شخص نے غلطی کی ہے جس نے کہا ہے اُس کا یہ قول دو تاویلوں سے درست ہو سکتا ہے۔ ایک یہ کہ اُس کی مراد یہ ہو کہ اللہ حق ہے۔ علماء فرماتے ہیں کہ یہ تاویل بعید ہے۔ کیونکہ لفظ اس تاویل پہ دلالت نہیں کرتے۔ دوسری تاویل یہ ہے کہ حق ہونا صرف خدا کے ساتھ خاص نہیں بلکہ اُس کے ماسوا جو کچھ ہے وہ بھی حق ہے اگرچہ خدائے تعالٰی کے حق کرنے سے حق ہوا ہے۔ ایک دوسری تاویل یہ بھی ہے کہ بندہ وجود حق میں مستغرق ہو جائے یہاں تک کہ

شہود کے اعتبار سے اُس کے باطن میں غیر کی گنجائش نہ رہے، اور ہر وہ چیز جو کل اور مکمل طور پر کسی چیز میں فنا اور مستغرق ہو جاتی ہے تو بطور مبالغہ یوں کہہ دیتے ہیں کہ یہ وہی ہے۔ یہیں سے کہا گیا ہے انا من اھوی ومن اھوی انا میں بعین وہ ہو گیا ہوں جسے میں چاہتا ہوں اور جسے میں چاہتا ہوں میں وہی ہو گیا ہوں۔ اس سے مراد یہ ہے کہ عاشق معشوق کی ذات میں فانی اور مستغرق ہو چکا ہے۔ امام غزالی کا کلام ختم ہوا۔

اے موجود بحق اور اے نورِ مطلق ہم پر اپنے وجود کی حقانیت و نورانیت انڈیل دے تاکہ ہم تیرے عرفان و شہود کے دریا میں ڈوب جائیں اور اپنے بندے کے دل کو اپنے اسم کے نور سے منور کر دے تاکہ جس طرح وہ اسماً وصورۃً عبدالحق ہے حقیقتاً و معنًی بھی عبدالحق ہو جائے اور حقیقت کے پا لینے سے اپنے اندر آگاہی و ہوشیاری پیدا کرے اور مستی و بے خودی کو نگاہ رکھے تاکہ انا الحق کہنے کی بجائے انا عبدالحق کہے (اِنَّکَ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ)

الوَکِیۡلُ :

وکیل اُسے کہتے ہیں جس کے ذمے کوئی کام لگا دیں اور عمل دخل کی باگ ڈور اُس کے ہاتھ میں دے دیں۔ خداوند تعالیٰ نے خود بخود ہی بندوں کے کام اپنے ذمے لے رکھے ہیں اور دنیا کی ابتداء و انتہا میں بندوں کے کاموں کے لیے خود ہی سرپرست بن چکا ہے وہ اس طرح کہ بندے جس چیز کے محتاج ہیں وہ انہیں عطا کرتا اور سب کی ضروریات اپنی عنایت و کرم سے پوری کرتا ہے بغیر اس کے کہ کوئی اپنا کام اُس کے حوالے کرے یا اُسے اپنا وکیل بنائے۔ اور وکیل ایسا بھی ہوتا ہے جس کی قدرت جس کام کے لیے وہ وکیل بنا ہوتا ہے پوری نہیں اترتی۔ وکیل مطلق جس کے حوالے تمام کام ہوں اور جو تمام کاموں کے لیے کافی و وافی ہو اور کرم و عنایت سے ہر کام پورا کرے، صرف ذاتِ باری تعالیٰ ہے اس لیے بندے کو چاہیے کہ اپنے تمام کام اُس کے حوالے کرے اور خود کلیۃً اُس پر متوکل ہو جائے اور اُس کی اعانت اور مدد پر اعتماد کرتے ہوئے غیر سے بالکل کٹ جائے۔ بیت

کار خود را بخدا باز گزار   کہ نمی بینم ازین بہتر کار

اپنا کام خدا پر چھوڑ دے کیونکہ اس سے بہتر مجھے کوئی کام نظر نہیں آتا۔

توکل کی حقیقت یہ ہے کہ حق تعالیٰ کے ضامن ہونے پر اعتماد رکھا جائے۔ اکثر طور پر توکل کا استعمال رزق کے بارے میں ہوتا ہے مگر مفہوم اور معنیٰ عام ہے۔ اس اسم سے متخلق ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ضعیفوں و درماندہ لوگوں کے کام کرنے میں سعی کرے اُن کی مشکلات حل کرنے کی کوشش کرے۔ اُن کے مطالب و مقاصد پورا کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھے۔ گویا کہ اُن کا وکیل وہی ہے۔ نیز خدائے تعالیٰ کو نفس کے خلاف اپنا وکیل بنائے اور حقوق الٰہی اور اُس کے اوامر و نواہی کے پورا کرنے میں اپنے نفس کا دشمن بنا رہے۔

القوی المتین :

قوی بمعنی توانا متین بمعنی مضبوط امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں قوت، قدرت تامہ کاملہ بالفہ پر اور متانت شدت قوت پر دلالت کرتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس اعتبار سے کہ قوت بالغہ کاملہ رکھتا ہے قوی ہے اور اس حیثیت سے کہ شدید القوت ہے متین ہے کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے اپنا وصف اس طرح بیان فرمایا (ذوا لقوۃ المتین) یعنی بڑی سخت قوت اور طاقت والا یہ معنی قدرت کی طرف رجوع کرتا ہے۔ قدرت کا ذکر آگے آرہا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ عجز۔ بے بسی ضعف اور درماندگی سے منزہ و مبرا ہے۔ بعض کہتے ہیں قوی متین بمعنی خالق قوت و متانت ہے۔ اس اعتبار سے فعیل بمعنی مفعل ہوگا جب یہ حقیقت بندے پر منکشف ہوگئی تو چاہیے کہ تمام کاموں میں قوت و نصرت اُسی سے چاہے۔ اور اپنے آپ کو بلکہ سب کو بلکہ تمام چیزوں کو اُسی کا مسخر و مطیع جانے اور جرات و بے ادبی کی حالت میں اُس کی قوت و قدرت سے ڈرے۔ اس اسم سے متعلق ہونے کا معنیٰ یہ ہے کہ اپنے نفس کی خواہش پر قوی و غالب ہو۔ اس بارے میں سخت مضبوط ہو کر یقین میں قوی اور متین بن جائے۔ شرع کے احکام جاری کرنے میں سستی اور کاہلی کو بالکل قریب نہ آنے دے۔ بیت

نفس کافر کیش را بر خویشتن سلطان مکن دشمن است او ہر چہ فرماید کہ آں کن آں مکن

کافر صفت نفس کو اپنے پر غالب نہ ہونے دے۔ وہ دشمن ہے جو کچھ وہ کہے کہ کر وہ کام نہ کر۔

الولی :

ولی بمعنی محب و ناصر حق سبحانہ و تعالیٰ مومنوں و متقیوں کا محب ہے۔ اُن کی مدد فرماتا اور ایمان والوں سے دوستی رکھتا ہے چنانچہ فرمایا (اَللّٰہُ وَلِیُّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا) اللہ تعالیٰ ایمان والوں کا دوست ہے۔ ولی بمعنی متولی یعنی امورات کی سرپرستی کرنے والا بھی آتا ہے حق تعالیٰ صالحین کے امور کا لطف و اصلاح کے ساتھ متولی اور کارساز ہے کیونکہ انہوں نے اُسی پر توکل کیا ہوتا ہے اپنے سارے کام اُسی کے حوالے کیے ہوتے ہیں۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ تمام مخلوق کے حسب امور کا متولی ہے اور جس جس چیز کے محتاج ہیں اُن کی حاجتیں پوری کرتا ہے جیسے دنیا میں روزی پہنچانا اور آخرت میں نجات و سرفرازی عطا کرنا ولی بمعنی قریب بھی آتا ہے۔ اُس کی رحمت اُس کے مخلص بندوں کے قریب ہے۔ چنانچہ فرمایا (وَاِذَا سَاَلَکَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ) اور جب میرے بندے تجھ سے میرے متعلق پوچھیں تو بے شک میں قریب ہوں۔ بندے کو چاہیے کہ اپنے ایمان کے تمام شعبوں کو مکمل کر کے اپنے آپ کو خدائے تعالیٰ کی دوستی کے مزید لائق بنائے۔ تمام کاموں میں اُس سے مدد طلب کرنی چاہیے اور اس کی سرپرستی و محبت پر شکر گزار رہے۔ اُس کے قرب سے آگاہی حاصل کرے دل کو غیر کی طرف متوجہ نہ ہونے دے۔ اس اسم سے متعلق ہونے کا معنی یہ ہے کہ خدائے سبحانہ و تعالیٰ اور اُس کے دوستوں سے دوستی کرے اُس کے دین کی اشاعت میں مدد کرے اُس کے دوستوں کی بھی مدد کرے مخلوق کی حاجتیں پوری کرنے میں پوری کوشش سے کام لے مخلوق کے انتظامات کرنے میں چستی دکھائے تاکہ وہ بھی اس اسم سے مشرف ہو جائے اور اُس کا نام بھی ولی اللہ ہو جائے

ولایت کے نشانات میں سے ایک نشان یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی توفیق و نصرت ہمیشہ اس کے ساتھ رکھے اسے ذلیل و خوار نہ کرے۔ یہاں تک کہ بندہ اگر معصیت و برائی کا ارادہ بھی کرے تو اُسے بچائے اور اگر اچانک کسی گناہ میں پڑ بھی جائے تو اسے فوراً توبہ و انابت کی توفیق دے اور برائی سے نکال کر نیکی کی طرف لے آئے یہ معنی ہے اس حدیث کا۔ (اِذَا اَحَبَّ اللّٰہُ عَبْدًا لَمْ یَضُرَّہٗ ذَنْبٌ) جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کو اپنا محبوب بنا لیتا ہے تو گناہ اُسے ضرر نہیں پہنچا سکتا۔

ولایت کے نشانات میں سے ایک نشان یہ بھی ہے کہ اُسے اپنے دوستوں کے دلوں میں جگہ دیتا ہے کیونکہ ان کے دل خدا کی نگاہ کا مرکز ہوتے ہیں۔ اور بندہ جب اللہ تعالیٰ کی ذات کو اُن کے دلوں میں پاتا ہے۔ تو اُس کا پرتو اس پر بھی پڑتا ہے۔ بیت۔

دل بدست آر گر ولے داری در رہ فقر حاصلے داری

ترجمہ۔ اگر دل رکھتا ہے تو دل کو قابو میں رکھ۔ اسی سے تجھے فقر کی دولت حاصل ہوگی۔ اے اللہ ہمیں عطا فرما۔

اَلْحَمِیْدُ

حمد محمدۃ بمعنی صفت کرنا اور صفت کیا جانا اللہ تعالیٰ اپنی ذات کی صفت کرتا اور ازل میں اپنے کلام سے اپنی ثنا کرنے والا ہے اسی طرح اپنی آیاتِ قدرت بکھیر کر ہمیشہ اپنی صفت کرتا رہے گا (لَآ اُحْصِیْ ثَنَاءً عَلَیْكَ اَنْتَ کَمَا اَثْنَیْتَ عَلٰی نَفْسِكَ) ترجمہ۔ (میں تیری ثنا کی گنتی نہیں کرسکتا۔ جیسی کہ تو نے خود اپنی ذات کی ثنا کی ہے) یہ حدیث اس امر کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی صفت خود کرنے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ انبیاء اور حضراتِ اولیاء کی بھی ثنا کرنے والا ہے وہ اس طرح کہ انہیں ایمان احسان اور عرفان کی دولت عطا فرماتا ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ خود اپنی ذات کی ثنا کرتا ہے اللہ تعالیٰ کی ساری مخلوق بھی اُس کی صفت و ثنا کرتی ہے۔ قرآن پاک میں فرمایا (وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِہٖ) نہیں ہے مخلوقات میں سے کوئی چیز مگر وہ اللہ تعالیٰ کی حمد و تسبیح کرتی ہے یا حمید بمعنی وہ ذات جو تمام حمدوں کی مستحق ہے کیونکہ وہ ہر کمال سے موصوف ہے اور ہر نعمت عطا کرنے والا ہے اور ہر حمد و ثنا اُس کی ذات اقدس کی جانب رجوع کرتی ہے۔ اس اسم سے متخلق ہونے کا معنیٰ یہ ہے کہ بندہ تمام اوقات و حالات میں ہمیشہ حق کی تعریف کرے اور اس امر کی کوشش کرے کہ دوسروں کو بھی کمال تک پہنچائے اور انہیں بھی نعمتیں عطا کرے تاکہ خدا کے نزدیک محمود و ممدوح بن جائے اور اُس کے بندوں کی نگاہوں میں بھی محمود و ممدوح وہ ہے جس کی صفات، اخلاق و عادات، اعمال و اقوال اور عادات و اطوار اچھے ہوں۔ اُن میں نقصان و سرکشی کا شائبہ تک نہ ہو تو ایسی کامل ہستی وہ سید رسل ہیں جن کا نام پاک محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہے۔ پھر وہ ہستیاں جو اپنے اپنے مقامات و مراتب کے مطابق درجات قرب پر فائز ہیں جیسے انبیاء اولیاء علماء و صلحا کہ ان میں سے ہر ایک اندازہ کمال و فیضان کے مطابق محمود و ممدوح ہے اور حمید مطلق اللہ تعالیٰ ہے جل جلالہٗ و عم نوالہٗ۔

المحصی:

محصی احصاء سے بنا ہے بمعنی گننا اور کسی چیز کو مکمل طور پر جان لینا۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے محصی کی تفسیر عالم سے کی ہے اور فرمایا ہے کہ علم کی نسبت معلومات کی طرف جب عدد اور احاطے کی حیثیت سے ہو تو اُسے احصا کہتے ہیں محصی مطلق وہ ہوتا ہے جس کے علم میں ہر معلوم کی حد منکشف ہو جائے اور اُس کی گنتی اور تعداد بھی سامنے ہو بندے کے لیے اگرچہ ممکن ہے کہ اپنے علم سے بعض معلومات کا احاطہ کرے لیکن اکثر معلومات کا احاطہ کرنے سے عاجز ہے (وَمَا اُوْتِیْتُمْ مِنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِیْلًا) نہیں دیا گیا تمہیں علم میں سے مگر تھوڑا) پس محصی مطلق صرف خدا تعالیٰ عزشانہ ہے۔ وہی اشیاء کے دقائق و حقائق کا دانا ہے اور اسی کا علم کائنات کے تمام ذروں کے اعداد کو محیط ہے۔ اس کی صفت کمال یہی ہے کیونکہ اَحَاطَ بِكُلِّ شَيْءٍ عِلْمًا وَّ اَحْصٰى كُلَّ شَيْءٍ عَدَدًا۔ اس ذات نے تمام اشیاء کا اپنے علم سے احاطہ کیا ہوا ہے اور اسی نے ہر شے کے عدد کو گن رکھا ہے بندے کو چاہیے کہ اپنے اعمال و احوال کی جزئیات پر خدا کے علم کو مراقب اور نگران جانے۔ روز قیامت کے حساب سے غافل نہ ہو اور اپنی زندگی میں اپنی آخرت کا حساب کرے۔ اور یہ بھی ذہن میں رکھے کہ جس طرح نیک کام کے ترک کرنے پر تاسف کرتا ہے نیک تر کام کے رہ جانے پر بھی بہت افسوس کرے۔ بیت۔

غافل مشو کہ عمرے زیں تازہ تر نیابی ۔۔۔ دانش بدہ کہ چوں شد عمرے دگر نیابی

ترجمہ۔ غافل نہ ہو کیونکہ اس سے زیادہ تازہ عمر دوبارہ تجھے نصیب نہ ہوگی۔ جو کچھ کرنا ہے کر لے۔ کیونکہ جب یہ عمر چلی جائے گی واپس تجھے نصیب نہ ہوگی۔

بندے کے اس اسم سے متخلق ہونے کا معنی یہ ہے کہ جیسا کہ اس صفت علم کو اپنے اندر پیدا کرتا ہے جس قدر ہو سکے کمال پیدا کرے۔ اس اسم سے موصوف ہونے کی ایک صورت یہ ہے کہ اپنے اعمال گنتا رہے۔ قبل اس کے کہ اُس کے اعمال کو گنا جائے۔ محاسبہ شروع ہونے سے پہلے اپنے نفس کا محاسبہ کرے۔ اس محاسبے میں سستی سے کام نہ لے بلکہ کوشش کرے تاکہ اپنے اعمال و احوال کی باریکی اور اپنے ظاہر اور باطن سے آگاہ رہے۔

المُبْدِی المُعِید:

مبدی ابداء سے بنا ہے بمعنی ابتدا کرنا کوئی نئی چیز پیدا کرنا۔ معید اعادت سے بنا ہے بمعنی کسی چیز کو واپس کرنا عدم سے وجود میں لانا اور طرح طرح کی مصنوعات اور عجیب چیزوں کو اپنے فیض سے باہر لانے والا اور عدم کے بعد دوبارہ زندگی کی طرف لانے والا۔ یہ صفت اللہ تعالیٰ ہی کی ہے اُس کی قدرت تمام کو شامل ہے جو تمام اشیاء کو عدم سے وجود میں لا سکتی ہے۔ مارنے کے بعد دوبارہ زندہ کرنے پر بھی قادر ہے۔ بیت۔

آنکہ مارا اول از خاک آفرید ۔۔۔ ایں چنیں شائستہ و پاک آفرید
گر کند مارا پس از مردن درست ۔۔۔ نو دراز قدرت عجب تراز نخست

ترجمہ۔وہ ذات جس نے ہمیں اولاً خاک سے پیدا کیا اور اس طرح شائستہ اور پاک پیدا کیا۔ اگر وہ ہمیں مرنے کے بعد درست اور ٹھیک طور پر پیدا فرمائے تو اُس کی قدرت کے آگے ابتدا پیدا کرنے سے عجیب تر نہیں ہے۔ اور مُعید کو پروردگار تعالیٰ کے انعامات، فوائد، اپنے الطاف و افضال پر جو وہ بندے پر کرتا ہے پھر بندے کی بعض کوتاہیوں و مجبوریوں کی بناء پر عدم و انحطاط کی جانب لے جاتا ہے پھر عفو و کرم و احسان سے بندے کی جانب دوبارہ رجوع فرماتا ہے، پر بھی حمل کیا گیا ہے۔ سنتِ الٰہی اسی طرح جاری ہے کہ اللہ تعالیٰ بندے کو دیتا پھر لے لیتا ہے۔ تاکہ نعمت کی قدر پہچانے اور اُس کا شکر ادا کرے اس معنی کے مطابق مُبدی کا معنی ہوگا انعامات کو پیدا فرمانے والا یعنی بندے کو وجود اور لوازم وجود عطا کرنے والا۔ اللہ تعالیٰ بندے پر اُس کے پیدا ہونے سے پہلے اپنی نعمتوں کی بارش برسا رہا ہے لہٰذا بہر تقدیر اور بہر صورت بندے کو چاہیے کہ حق تعالیٰ کی نعمت کا شکر ادا کرتا رہے اور ہر حالت میں اُس کی رضا کا متلاشی رہے۔ اور اس زندگی کی نعمت کے شکریے کے طور پر جو اُسے اس جہاں میں نصیب ہوئی ہے۔ آخرت کی زندگی کو سازگار و تابناک بنائے۔
اس اسم سے متخلق ہونے کا معنیٰ یہ ہے کہ خیرات کے ابتدا کرنے اور احسانات کی بنیاد رکھنے میں سعی و کوشش کرے اور جو کچھ اُس کی کوتاہی اور بے اعتدالی کی بناء پر اُس سے ضائع ہو چکا ہے واپس لانے کی کوشش کرے۔

اَلْمُحْيِي الْمُمِيْتُ،

محیی یعنی جسم میں زندگی کو پیدا کرنے والا۔ ممیت یعنی زندگی کو جسم سے دور کر دینے والا۔ یاد رہے کہ زندہ کرنا اور مارنا دو قسم کا ہے ایک صوری و جسمانی دوسرا دلوں کو ایمان و معرفت سے زندہ کرنے والا اور کفر و ظلمت سے مارنے والا کہ یہ روحانی و معنوی زندگی و موت ہے۔ دونوں طرح کی زندگی عطا کرنے والا اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ بندے کو چاہیے کہ اس زندگی کی نعمت کے شکرانے میں مشغول رہے۔ اس فانی زندگی کو حیاتِ ابدی حاصل کرنے میں صرف کرے اور کسی بھی سبب کو حیات و موت میں مؤثر حقیقی نہ جانے۔ اس اسم سے متخلق ہونے کا معنی یہ ہے کہ اپنے دل کو معارف الٰہیہ کے ساتھ زندہ کرے اور نفس کی قوت غضبیہ و شہویہ کے مارنے میں لگا رہے۔ بیت

حَيَاةُ الْقَلْبِ عِلْمٌ فَاغْتَنِمْهُ وَمَوْتُ الْقَلْبِ جَهْلٌ فَاجْتَنِبْهُ

ترجمہ۔دل کی زندگی علم سے ہے اس لیے علم کو غنیمت جان۔ دل کی موت جاہل رہنے میں ہے لہٰذا جاہل رہنے سے بچ۔

پھر طالبوں اور مریدوں کے دلوں کو انوارِ ہدایت سے زندہ کرنا اور گمراہی کی ظلمتوں سے ان کے نفوس کو مارنا کہ شیخ و مرشد کامل وہ ہوتا ہے جو زندہ کرتا اور مارتا ہے، تو یہ بھی اسی باب میں سے ہے اور بھوکوں کو غذا دینا جو ابدان کے باقی اور زندہ رہنے کا سبب ہے۔ نیز کافروں کے خلاف جہاد کرنا جو ناپاک لوگوں کو نیست کرنے کے مترادف ہے، بھی ان دو عظیم الشان اسماء کے ساتھ متخلق ہونے میں داخل ہے۔

الحیّ:

یعنی ازل وابد سے اللہ تعالیٰ شانہ ہی زندہ ہے۔ جس پر کبھی موت نہیں آسکتی۔ نہ ہلاک اور زوال پذیر ہوسکتا ہے۔ حیات ایک صفت ہے جو علم وفعل ارادی کا موجب ہے۔ جس میں کامل مطلق وہ ہوتا ہے کہ تمام مدرکات اس کے ادراک کے نیچے اور تمام موجودات اس کے فعل کے تحت ہوں۔ تاکہ اس کے مدرکات سے کوئی مدرک باہر اور کوئی مفعول اس کے فعل سے خارج نہ رہے وہ خدا تعالیٰ ہے۔ تو وہی حی مطلق ہے۔ اس کے سوا جو حی وزندہ ہے اس کی حیات اور اس کے ادراک وفعل کے بقدر ہے۔

پھر بندہ جب جان لیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ زندہ ہے کبھی نہ مرے گا تو وہ اسی پر توکل وبھروسہ کرے گا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَتَوَكَّلْ عَلَى الْحَيِّ الَّذِي لَا يَمُوتُ۔ اس ذات پر بھروسہ کر جو ہمیشہ زندہ ہے اسے کبھی موت نہ آئے گی اور جو شخص مخلوق پر اعتماد کرتا ہے۔ ہوسکتا ہے وقت ضرورت وہ مرجائے اور اس کی امید ضائع ہوجائے۔ اس اسم سے متخلق وموصوف ہونے کا معنی یہ ہے کہ بندہ اللہ تعالیٰ اور اس کی یاد سے زندہ رہے تاکہ پھر کبھی مر نہ سکے۔ بَلْ أَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُونَ فَرِحِينَ وہ اپنے رب کے پاس زندہ ہیں انہیں رزق ملتا ہے وہ بڑے خوش باش ہیں۔ بیت۔

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

جس کا دل عشق سے زندہ ہوگیا وہ کبھی نہ مرے گا۔ صفحہ عالم پر ہمارا دوام ثبت ہوچکا ہے۔ شعر

قَدْ مَاتَ قَوْمٌ وَهُمْ فِي النَّاسِ أَحْيَاءُ

کچھ لوگ فوت ہوچکے ہوتے ہیں حالانکہ وہ لوگوں میں زندہ ہوتے ہیں۔

القیّوم:

یعنی اپنی ذات سے قائم۔ اور اپنے غیر کو قائم اور زندہ رکھنے والا۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اشیاء کا وجود وبقا اس کی ذات کے بغیر ممکن ومتصور نہیں ہوسکتا۔ اور لوگوں کی بقا اس کی قیومیت سے وابستہ ہے۔ علماء فرماتے ہیں کہ قیوم قیم کا مبالغہ ہے اور قیم مصلح امور کو کہتے ہیں اور اسے جو لوگوں کے امور کو صلاح وتدبیر کی جانب لاتا ہے اور جو صلاح ودرستی کا راستہ کھولنے والا اور بندوں کے مسائل معاش ومعاد کو درست کرنے والا ہے۔ جو شخص جان لیتا ہے کہ اشیاء کو قائم رکھنے اور امور کی اصلاح کرنے والا وہ ہے تو وہ خود تدبیر کرنے کی مشقت سے نجات پا جاتا اور اپنی زندگی کو راحت میں کر لیتا ہے۔ اور اس کے سایہ توکل وتفویض میں اپنی زندگی بسر کرتا ہے۔ اس صفت سے بندے کا حصہ اس قدر ہے کہ جتنا وہ غیر خدا سے بے نیاز ہوتا ہے۔ بندے کے لیے اس صفت سے یہ بھی حصہ ہے کہ وہ لوگوں کی مدد کرتا اور ان کے امور کی اصلاح کرتا ہے۔ علماء فرماتے ہیں اَلْحَيُّ الْقَيُّومُ اسم اعظم ہے۔ جو کوئی سجدہ میں سر رکھ کر یَا حَيُّ یَا قَيُّومُ بِرَحْمَتِكَ أَسْتَغِيثُ پڑھتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی حاجت پوری کرتا ہے۔

الواجد:

واجد وجود سے بنا ہے وجد بمعنی ہستی اور مطلوب کو پانا۔ وَجد اور وُجدہ بمعنی دولت مند ہونا۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ واجب الوجود ہے کوئی مراد اور کوئی مقصود اُس سے گم نہیں ہوسکتا اور کوئی چیز بھی اُس کے وجود کے بغیر موجود نہیں ہوسکتی وہ غنی علی الاطلاق ہے کہ کسی چیز اور کسی شخص کی جانب محتاج نہیں اور نہ وہ کسی کا نیاز مند ہے اُس کا غیر جو بھی ہے وہ ایک لحاظ سے شے کو پانے والا اور دوسرے لحاظ سے شے کو گم کرنے والا ہے۔ بعض چیزوں سے بے نیاز ہے اور بعض کا محتاج ہے بعض علماء فرماتے ہیں کہ وَجد بمعنی علم بھی آیا ہے تمام چیزیں جس صفت اور جس کیفیت میں بھی ہیں اُس کے علم میں ثابت اور موجود ہیں۔ پھر واجد غنی اور علیم میں یہ فرق بیان کیا جاسکتا ہے کہ غنی میں دو چیزیں ہیں ایک تو جس چیز کو وہ چاہے وہ اسے حاصل ہو اور غیر کی جانب محتاج نہ ہو پہلے اعتبار سے واجد ہے دوسرے اعتبار سے غنی۔ اسی طرح علم میں انکشاف وحصول ہے۔ پہلی حیثیت سے علیم ہے دوسری حیثیت سے واجد ہے۔ واللہ اعلم۔

بندے کو چاہیے کہ حق کی مراد کے تابع رہے اور اُسی کا اپنے آپ کو محتاج جانے۔ اور اُس کے علم سے آگاہ ہے اس صفت سے متعلق ہونے کا معنیٰ یہ ہے کہ ضروری کمالات کے حاصل کرنے میں پوری کوشش کرے تاکہ اپنی مراد کو پالے اور اپنا مقصود حاصل کرے اور ماسوائے حق سے خدا کے فضل کے ساتھ بے نیاز ہوجائے۔ ع

چوں تو داریم بمعنیٰ ہمہ داریم ہمہ

ہم تجھے اپنے پاس رکھتے ہیں تو معنًی تمام چیزیں اپنے پاس رکھتے ہیں

الماجد:

بمعنیٰ مجید ہے۔ جس طرح عالم بمعنیٰ علیم ہے لیکن مجید میں مبالغہ وتاکید ہے۔ اللہ تعالیٰ کی تمام صفات بالغ وکامل ہیں۔ لیکن کبھی الفاظ میں مبالغے اور تاکید سے خبر دی جاتی ہے اور کبھی اصل معنیٰ پر اکتفا کردیتے ہیں جو کہ اصل ذات میں ہوتا ہے کسی اور لفظ کے دلالت کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی اس اسم سے تخلق وتعلق ہونے کا معنیٰ اسم المجید کی شرح میں گزر چکا ہے۔

الواحد:

واحد بمعنیٰ ایک وحدت ایک ہونا۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ اپنی ذات میں ایک ہے اور اپنی صفات کمال میں بھی یگانہ ہے یاد رہے یہ وہ ایک نہیں جو کہ عدد کی ابتدا ہوتی ہے کیونکہ عدد محدود ہوتا ہے اور ایک انتہا پر جاکر ختم ہوجاتا ہے اور خداوند تعالیٰ و سبحانہ ایسا واحد ہے جس کی کوئی انتہا نہیں اور عددوں کو جمع کرنے والا بھی وہی ہے۔ عرف میں واحد کے دو معنیٰ آتے ہیں ایک وہ ذات جو جز جز اور بعض بعض نہ ہوسکے جیسے جوہر فرد دوسرا معنیٰ ہے وہ ذات جو بے مثل اور بے مثال ہو جس طرح آفتاب جس کی نظیر نہیں ہے مگر ممکن ہے کہ اُس کی نظیر پیدا ہوجائے مگر اللہ تعالیٰ ایسا منفرد اور موجود ہے جس کے وجود کی تقسیم نہیں ہوسکتی اور

اُس کے وجود کی نظیر ممکن نہیں ازلاً و ابداً واحد مطلق وہی ہے بندہ کبھی واحد ہوتا ہے جب کہ انسانوں میں کوئی شخص اُس کی خصلتوں میں سے کسی خصلت میں اُس جیسا نہ ہو کسی وقت بھی اُس کی مثل اور کوئی نہ ہو۔ باوجودیکہ دوسری خصلت میں اُس جیسا کوئی دوسرا موجود ہوتا ہے پس ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی بھی واحد علی الاطلاق نہیں ہے اور جو شخص یہ جان لیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی صفاتِ کمال میں واحد ہے کہ اُس کا کوئی شریک نہیں تو چاہیے کہ اُس کی جانب متوجہ رہے اور کسی بھی غیر کو اُس کا شریک نہ بنائے۔ اس اسم سے متعلق ہونے کا معنیٰ یہ ہے کہ ممکنات کے اندر فضل و کمال میں متوحد اور یگانہ بنے۔ یہ بھی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے میں بھی یکتا ہے جس طرح کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ الوہیت میں ایک ہے بندے کو چاہیے کہ یک جہت و یک روح اور یک دل ہو کر ذات واحد کی جانب متوجہ رہے تاکہ وحدت کے فیض سے مشرف اور توحید کی گہرائی میں ڈوب جائے اور اس کی حالت یہ ہو جائے کہ ایک ہی زبان سے کہے، ایک ہی جانے ایک ہی دیکھے اور ایک کو ہی تلاش کرے جو کچھ دیکھے اُس کی طرف سے دیکھے اور اُسی کی طرف سے جانے۔ بیت۔

از بہر آں یکے دو جہاں دادہ ام بباد   عیبم مکن کہ حاصل ہر دو جہاں یکے ست

ترجمہ۔ میں نے اُس ایک ذات کے لیے دونوں جہان کو قربان کر دیا مجھے عیب نہ لگا کہ دونوں جہان کا حاصل اور خلاصہ وہی ایک ذات ہے۔

منقول ہے کہ حضرت شبلی قدس اللہ سرہ العزیز ایک رنگریز کی دوکان کے پاس سے گزرے جو کہ یہ آواز لگا رہا تھا۔ لوگو! میرے پاس ایک ہی رنگ باقی رہ گیا ہے۔ حضرت شبلی یہ سن کر وجد میں آگئے اور فریاد کرنے لگے کہ ایک کے سوا اور کیا باقی ہو سکتا ہے۔

واضح ہو کہ حضرت ابوہریرہ کی روایت میں جو جامع ترمذی دلائل بیہقی اور شرح السنۃ میں آئی ہے اس میں اسم الاحد نہیں آیا لیکن جامع الاصول میں الواحد الاحد دونوں اسم آئے ہیں۔ ان دونوں میں یہ فرق بیان کیا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ذات کے اعتبار سے احد اور صفات کے اعتبار سے واحد ہے۔ بعض اس کا الٹ بیان کرتے ہیں اور کبھی یوں بھی کہتے ہیں کہ واحد بمعنیٰ ایسی ذات جس کی جزئیں جزیں نہ ہو سکتی ہوں اور احد ایسی ذات جس کی نظیر ممکن نہ ہو۔

الصَّمَدُ:

یعنی ایسا سید و سردار جس کی تمام مطالب و آرزوئیں اُس کی اس درگاہ کی جانب رخ رکھتی ہوں۔ صمد بمعنیٰ قصد بھی آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ تمام نقائص اور آفات سے منزہ اور تمام کمالات کا جامع ہے۔ اس اعتبار سے صمد بمعنیٰ مصمد ہو گا وہ چیز جس کا اندر خالی نہیں ہوتا۔ یہ لفظ مصمد میں ایک لغت ہے۔ اس اسم کی روشنی میں بندے کو چاہیے کہ ہمیشہ اُسی کی درگاہ کی جانب دوڑنے کا قصد کرے اپنے تمام مقاصد و حاجات اُسی سے حاصل کرے اور اُسے تمام نقائص اور آفات سے منزہ جانے۔ اُسی سے مدد اور اپنا کمال چاہے اور اپنا چہرہ اُس سے ہٹا کر دوسری طرف نہ کرے اس اسم سے متعلق

ہونے کا معنی یہ ہے کہ محتاج لوگوں کی کارسازی اور طالبوں کی حاجات کے پورا کرنے میں کوشش کرے۔ بُری عادتوں اور لذات وشہوات کی جانب بھٹکنے سے نفرت کرے تاکہ تمام حاجات بندگان خدا کا مقصد ومرجع بن جائے اور تمام آفات ونقائص سے محفوظ ومصون ہو جائے اور احکام دین کی رعایت کرنے میں پختہ وسخت ہو جائے نیز علم ویقین کے راستے میں متمکن ومستقیم بن جائے۔

القَادِرُ المُقْتَدِرُ:

قدر وقدرت واقتدار ومقدرت بمعنی توانائی اور کرسکنا قادر ومقتدر بمعنی صاحب قدرت۔ مقتدر میں مبالغہ پایا جاتا ہے۔ قادر اُس ذات کو کہتے ہیں جو اگر چاہے تو کرے نہ چاہے تو نہ کرے قدرت اس معنی سے عبارت ہے کہ ممکن اس کے ارادے کے مطابق موجود ہو جائے قادر حقیقی وہ ذات ہے جو ہر موجود کا اختراع کرسکتی ہے اور اُس اختراع اور بنانے میں وہ یگانہ اور بے نیاز ہو اُسے کسی کی مدد لینے کی محتاجی نہ ہو۔ ایسی ذات صرف خداوند تعالیٰ جل جلالہٗ ہے۔ بندے میں اگرچہ قدرت ہے مگر خدا کے عطا کرنے سے ہے وہ بھی بعض چیزوں میں بعض حالات میں ناقص قدرت کے تحت۔ پھر بندہ جن چیزوں کو بناتا ہے وہ خدا کی قدرت کے تابع ہیں لہٰذا بندہ اس لائق ہے کہ اُسے قادر نہ کہا جائے مگر بصورت مجاز اور کسی خاص چیز کے لیے۔ ثابت ہوا کہ قادر علی الاطلاق صرف وہی ہے۔ جو شخص پہچان لیتا ہے کہ بطریق کمال قادر علی الاطلاق وہی ذات ہے جس کو چاہے کرسکتا ہے چاہے تو ہست کو نیست کردے۔ چاہے تو ہست کو نیست۔ تو بندے کو چاہیے کہ ہمیشہ اُس کے قہر سے ڈرتا رہے اور اُس کے لطف کا امیدوار رہے اُس کے حکم وارادے کے تحت اپنے آپ کو رکھے جب یہ بھی بندے کو معلوم ہو جائے کہ مولائے قدوس انتقام لینے پر قادر ہے تو وہ خود اپنے اوپر ظلم کرنے والے سے انتقام نہ لے اور اُسے رنج نہ پہنچائے۔ اس اعتقاد کے تحت کہ خدا کی قدرت اور اس کا انتقام نفس کے لیے میرے انتقام لینے سے زیادہ سخت اور زیادہ کامل ہے۔ اس اسم سے متعلق ہونے کی صورت یہ ہے کہ بندہ نفس کو شریعت کی مخالفتوں سے روک کر رکھے۔ شیطان کی گمراہیوں سے بھی اپنے آپ کو محفوظ رکھے اور اپنی طبیعت اور خواہش کو شہوتوں اور لذتوں کی جانب میلان کرنے سے روکے۔

المُقَدِّمُ المُؤَخِّرُ:

خا کی زیر۔ مقدم تقدیم سے بنا ہے بمعنی آگے کرنا تاخیر، پیچھے ڈالنا۔ اللہ تعالیٰ ہی وہ ذات ہے جو اپنے دوستوں کو اپنی درگاہ عزت کے نزدیک کرتا اور اپنے قرب کی درگاہ کا راستہ دکھاتا ہے اسی طرح دین کے دشمنوں کو پیچھے ڈالتا اور اپنے لطف ومہربانی سے دور پھینکتا ہے اور اُن کے اور اپنے درمیان پردہ ڈال دیتا ہے تو جسے اُس نے نزدیک کیا اُسے گویا اُس نے آگے کیا اور جسے اُس نے دور کیا اُسے شرف ورتبے سے پیچھے کر دیا۔ یاد رہے تقدیم وتاخیر کبھی تو جگہ کے اعتبار سے ہوتی ہے کبھی زمانے کے اعتبار سے اور کبھی شرف ورتبہ کے لحاظ سے سب کو خدا کی طرف سے رتبہ

ملتا ہے۔ آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے اس جہان میں وجود عطا فرما کر پہلے ظاہر کیا۔ اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو سب انبیاء کے بعد مگر قیامت کے دن اس کا الٹ ہوگا اسی طرح حضور علیہ السلام کی امت کی نسبت دوسری امتوں کا حال ہوگا۔ جیسا کہ فرمایا (نَحْنُ الْاٰخِرُوْنَ السَّابِقُوْنَ) ہم سب سے آخر ہیں یعنی دنیا میں اور سب سے آگے ہوں گے یعنی آخرت میں قرآن مجید میں فرمایا (وَالسّٰبِقُوْنَ السّٰبِقُوْنَ اُولٰٓئِکَ الْمُقَرَّبُوْنَ) اور سبقت لے جانے والے ہی سبقت لے جانے والے ہوں گے۔ یہی لوگ مقرب ہوں گے۔ جب بندے نے جان لیا کہ تقدیم وتاخیر خدا کی طرف سے ہے تو چاہیے کہ اپنی قوت و طاقت سے اظہار بیزاری کرے۔ اپنے عمل پر اعتماد نہ کرے اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم پر اپنی نگاہ منحصر کردے۔ اس اسم سے تخلق رکھنے والے کو چاہیے کہ ایسے لوگوں کو بھی پیچھے ڈال دے جو خیر سے لوگوں کو روکنے والے ہیں اس کے برعکس ان لوگوں کو مقدم ومعظم رکھے جنہیں خدائے تعالیٰ نے بھی مقدم اور مقرب بنایا ہے۔ اور ان لوگوں کو پیچھے جانے اور حقیر سمجھے۔ جنہیں خدائے سبحانہ وتعالیٰ نے پیچھے کیا اور دور ڈال دیا ہے۔

اَلْاَوَّلُ الْاٰخِرُ:

وہ ایسا اول ازلی ہے جس کے وجود کی ابتدا اور جس کی ہستی کا آغاز نہیں وہ ایسا آخر دائمی وابدی ہے کہ اس کی بقاء کے لیے کوئی انتہا نہیں۔ اس کا دوام کبھی ختم نہ ہوگا یا اول کا معنیٰ یہ ہے کہ تمام اشیاء سے اس کا وجود پہلے تھا۔ اللہ تعالیٰ اس وقت بھی موجود تھا جبکہ اس کے ساتھ کوئی چیز موجود نہ تھی اور وہ ایسا آخر ہے کہ فنائے خلق کے بعد بھی باقی رہے گا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے (کُلُّ مَنْ عَلَیْهَا فَانٍ وَّیَبْقٰی وَجْهُ رَبِّکَ) (جو کچھ بھی زمین کی سطح پر ہے سب فنا ہونے والا ہے اور تیرے رب ذوالجلال والاکرام کی ذات ہی باقی رہنے والی ہے) یا وہ اول ہے وجود کے اعتبار سے آخر ہے سلوک کے اعتبار سے سب کی ابتدا اس سے ہے۔ سب کی انتہا آخر کار اس ذات تک ہے یا اللہ تعالیٰ احسان کے اعتبار سے اول اور غفران کے لحاظ سے آخر ہے یا اللہ تعالیٰ اپنے عارف بندوں کو ہدایت واحسان کی راہ پر چلانے میں اول اور اپنی یگانگی سے علم واقف کرنے والا بھی وہی ہے اور اس لحاظ سے آخر ہے کہ اپنے لطف وامتنان کے کمال سے بندگان عارفین کے کام پورے کرتا ہے۔ پس ابتدائے تصرف کے لحاظ سے اول اور کمال لطف کے لحاظ سے آخر ہے اور جسے اللہ تعالیٰ نے ابتدا میں ہی ہدایت سے نوازا انتہا میں بھی وہی اس کے لیے کافی ہوگا۔

اَلظَّاهِرُ الْبَاطِنُ:

یعنی اللہ تعالیٰ ظاہر ہے کہ اس کا وجود اور اس کی ہستی غالب نشانیوں کے ساتھ زمین وآسمان میں ظاہر وموجود ہے وہ باطن بھی ہے کہ اس ذات مقدس کی حقیقت اس کے جلال وکبریا میں پوشیدہ ہے یا وہ نعمت کے ساتھ ظاہر رحمت کے ساتھ باطن ہے نیز اپنی قدرت کے ساتھ ظاہر اور عزت کے لحاظ سے باطن ہے۔ دل کی آنکھوں سے ظاہر ہے ظاہری آنکھوں سے باطن ہے۔ ظاہر ہے بغیر قرب کے اور باطن ہے حجاب کے لحاظ سے اللہ تعالیٰ کا پوشیدہ ہونا اس کی

شدت ظہور کی وجہ سے ہے اور اُس کا ظہور سبب بن چکا ہے اُس کے پوشیدہ ہونے کا اُس کا نور اُس کے نور کا حجاب ہے (سُبْحَانَ مَنْ خَفِيَ بِشِدَّةِ ظُهُوْرِهٖ وَاحْتَجَبَ نُوْرُهٗ بِنُوْرِهٖ) (پاک ہے وہ ذات جو اپنے شدت ظہور کی وجہ سے مخفی اور اپنے نور کے نور کی وجہ سے حجاب میں ہے)، تو اللہ تعالیٰ ہی ایسا ظاہر ہے کہ اُس سے ظاہر تر کوئی چیز نہیں اور وہ ایسا باطن ہے کہ اُس سے بڑھ کر کوئی باطن نہیں۔ ان دو اسماء سے بندے کا حصہ یہ ہے کہ اپنے حال کی درستی کا اہتمام کرے اپنی اول حالت میں غور کرے اپنی آخری حالت میں فکر و تدبر کرے۔ اپنے ظاہر و باطن کی اصلاح کرے، عالم کے حدوث و فنا کو جانے اور دل اُس سے نہ لگائے اور ظاہر اشیاء کو نظر تدبر سے دیکھے۔ اُن سے اپنے صانع (اللہ تعالیٰ) کا راستہ تلاش کرے اور دین کے کام میں پیش پیش اور سب سے آگے رہے۔ دنیا کے کاموں میں پیچھے اور دور رہے اپنے آپ کو شریعت کے احکام سے ظاہر کرے اور اسرار حقیقت کے ساتھ باطن رہے۔ اسی طرح ظاہراً مخلوق کے ساتھ رہے اور باطناً خدا کے ساتھ جیسے کہ کہا گیا ہے (الصوفی کائن وبائن) صوفی ساتھ بھی ہوتا ہے اور جدا بھی ہوتا ہے یعنی ظاہراً لوگوں کے ساتھ اور باطناً اُن سے الگ ہوتا ہے۔ بیت۔

ہو الاول ہو الاخر ہو الظاہر ہو الباطن ‏ ‏ ‏ بغیر از ہو و باطن ہو دگر چیزے نمیدانم

ترجمہ۔ وہی اول ہے وہی آخر ظاہر ہے وہی باطن۔ میں اُس کے سوا کسی چیز کو نہیں جانتا۔

اَلْمَوْلیٰ:

یہ لفظ ولایت سے بنا ہے یعنی و کی زیر سے بمعنی تصرف کرنا اور قبضہ کرنا۔ اس لفظ کو و کی زبر سے بھی پڑھا گیا ہے بمعنی دوستی کرنا اور حکومت چلانا سیبویہ نے کہا کہ ولایت یعنی و کی زبر سے مصدر ہے اور و کی زیر سے اسم ہے والی وہ ہوتا ہے جو جملہ امورات کرنے والا اور سب کا مالک ہوتا ہے۔ لفظ ولایت تدبیر قدرت اور فعل کو ظاہر کرتا ہے جب تک یہ تینوں معانی کسی میں جمع نہ ہو جائیں اُسے والی نہیں کہہ سکتے۔ والی امور علی الاطلاق اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے سوا کوئی نہیں کیونکہ وہ اولاً تدبیر کرنے والا ہے اور اس تدبیر کرنے میں یگانہ ہے اور ثانیاً احکام کو نافذ کرنے والا ہے۔ اشیاء اُس کی ذات کے ساتھ قائم ہیں۔ تیسری بات یہ کہ بندے کو چاہیے کہ امر و نہی میں فرمانبرداری ظاہر کرے اور اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کو اپنے اوپر لازم جانے اپنے وجود کی مملکت کو حُسنِ تدبیر و تنفیذ احکام شریعت سے مضبوط کرے شیاطین و جن و انس کی تباہ کاریوں سے اپنے آپ کو محفوظ رکھے اللہ تعالیٰ کے امر اور اُس کے حکم سے اپنے وجود کی مملکت کا والی بنے۔ اُس پر حکمرانی کرے۔

اَلْمُتَعَالِیْ:

بمعنی سب سے زیادہ بلند قدر نیز سب والیوں کا والی تمام نقائص و آفات سے بلند۔ یاد رہے کہ لفظ عالی اور متعالی میں اعلیٰ سے زیادہ مبالغہ پایا جاتا ہے۔ بندے کے ان دو اسموں کے ساتھ متعلق و متخلق ہونے کا بیان گزر چکا ہے۔

اَلْبَرُّ:

یہ لفظ با کی زیر سے بھی پڑھا گیا ہے بمعنیٰ نیکی کرنا با کی زبر سے بھی پڑھا گیا ہے بمعنیٰ نیکی کرنے والا فی الحقیقت نیکی کرنے اور احسان جتلانے والا اللہ جل جلالہٗ وعم نوالہ ہی ہے کوئی نیکی واحسان نہیں مگر اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہی اُس کا متولی ہے خدا کا فضل واحسان مخلوق پر حصر و بیان کی حد سے باہر ہے۔ جیسا کہ فرمایا (وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَۃَ اللّٰہِ لَا تُحْصُوْھَا) ترجمہ اگر تم لوگ اللہ کی نعمت شمار کرنے لگو تو نہیں شمار کر سکتے۔

بندے کو چاہیے کہ خدائے تعالیٰ کی نعمت اور نیکی پر اُس کا شکر ادا کرے۔ خلق خدا سے نیکی واحسان کرے خصوصاً ان سے جن کا حکم آیا ہے جیسے ماں باپ رشتے دار۔ ہمسائے اور باقی اہل حقوق بلکہ مستحقین وغیر مستحقین سے نیکی کرے بیان کرتے ہیں ایک شخص غوث الثقلین حضرت شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس کچھ مالِ زکوٰۃ لے کر آیا اور عرض کیا میں مستحق و نا مستحق کو نہیں جانتا۔ ان کے درمیان تمیز نہیں کر سکتا۔ آپ فرمائیں کہ میں یہ مال کس کو دوں۔ فرمایا مستحق وغیر مستحق دونوں کو دے تاکہ اللہ تعالیٰ بھی تجھے وہ کچھ عطا کرے جس کا تو مستحق ہے اور وہ کچھ بھی دے جس کا تو مستحق نہیں ہے۔

اَلتَّوَّابُ:

توبہ کا معنیٰ ہے گناہ سے لوٹ آنا۔ اصل معنیٰ رجوع ہے جب اس کی نسبت بندے کی طرف کرتے ہیں تو مراد یہ ہوتی ہے گناہوں سے رجوع کر لینا اور اگر اس کی نسبت خدائے تعالیٰ کی جانب ہے تو اُس کا معنیٰ ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں کے لیے رحمت اور توفیق کا ارادہ پھر اللہ تعالیٰ ہی توبہ کے اسباب پیدا کرتا اور بندے کو اس کی توفیق دیتا اور خواب غفلت سے بیدار کرتا ہے وہ اس طرح کہ ڈر اور خوف کی چیزیں اُس کے سامنے لاتا اور معاصی کے نتائج کی برائی پر تنبیہ کرتا ہے پس بندہ توبہ اور ندامت کے ذریعے رجوع کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ اُس بندے پر فضل وکرامت سے رجوع فرماتا ہے نتیجہ کلام یہ ہوا کہ رب تعالیٰ کی توبہ بندے کی توبہ سے پہلے ہوتی ہے جیسے کہ فرمایا (ثُمَّ تَابَ عَلَیْھِمْ لِیَتُوْبُوْا) پھر اللہ تعالیٰ اُن پر مہربانی فرماتا ہے تاکہ وہ توبہ کریں۔ ؎

توبہ کنیم وبشکنیم توبہ وہی و نشکنیم

ہم توبہ کرتے ہیں اور توڑتے ہیں تو ہمیں توبہ عطا کر پھر ہم اسے نہ توڑیں گے

بندے کو چاہیے کہ ہمیشہ اُمید کا دروازہ کھٹکھٹاتا رہے ناامیدی کا دروازہ بند کر دے۔ اللہ تعالیٰ سے توبہ طلب کرے گناہوں پر پشیمان ہو اپنے عبرت کے دونوں کان کھلے رکھے۔ توبہ کرنے میں دیر نہ کرے۔ اور (عَجِّلُوْا بِالتَّوْبَۃِ قَبْلَ الْمَوْتِ) ترجمہ موت سے پہلے توبہ کرنے میں جلدی کرو، کہ حکم کی بجا آوری کرے۔

حکایت۔ عیسیٰ بن عیسیٰ وزیر اپنے درباریوں کے جھگڑے میں جا رہا تھا اور لوگوں کو راستے سے ہٹایا جا رہا تھا جس طرح کہ وزیروں کی عادت ہوتی ہے۔ لوگوں نے پوچھا یہ کون ہے۔ اُس وقت ایک بڑھیا راستے پر بیٹھی ہوئی تھی اُس نے کہا

کتنی مرتبہ کہو گے کہ یہ کون ہے۔ سنو یہ ایک بندہ ہے جسے اللہ تعالیٰ کی عنایت کی آنکھ نے دور کر دیا ہے اور اس حال میں مبتلا کر دیا ہے۔ یحییٰ بن عیسیٰ نے یہ بات سن لی اور اپنے محل کی طرف واپس آ گیا۔ وزارت چھوڑ دی توبہ کی دولت سے مشرف ہوا اور مکہ معظمہ میں آ کر خانہ کعبہ کا مجاور بن گیا۔ اس اسم سے متخلق ہونے کا معنیٰ یہ ہے کہ لوگوں کی لغزشوں پر درگزر کرے اگر وہ عذر خواہی اور توبہ کریں تو اُن کی توبہ قبول کرے اور کرم و انعام کے ذریعے اُن کی طرف رجوع کرے۔

جو شخص چاشت کی نماز کے بعد یہ دعا سو دفعہ پڑھتا ہے (اللّٰھُمَّ اغْفِرْلِیْ وَتُبْ عَلَیَّ اِنَّکَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ) اے اللہ مجھے بخش دے میری توبہ قبول کر بے شک تو التواب الرحیم ہے۔ اُس کے سارے گناہ بخش دیے جاتے ہیں جیساکہ کتب حدیث میں آچکا ہے۔

اَلْمُنْتَقِمُ:

یہ اسم انتقام سے بنا ہے۔ اس کا معنیٰ ہے سزا کی صورت میں کسی سے بدلہ لینا۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی صفات مبارکہ میں سے ایک صفت انتقام ہے۔ قرآن حکیم میں ہے اِنَّ اللّٰہَ عَزِیْزٌ ذُوْانْتِقَامٍ۔ بے شک اللہ تعالیٰ غالب اور بدلہ لینے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا بندوں سے انتقام لینا انہیں ڈرانے اور مہلت دینے کے بعد نہایت سخت و شدید ہو جاتا ہے اور ان سے بدلہ لینے میں جلدی کرتا ہے۔ حق سبحانہ وتعالیٰ کافروں سرکشوں سے ان کے کفر و سرکشی کی وجہ سے انتقام لیتا ہے مگر عاصی اور فاسق لوگوں کے بارے میں یہ ہے کہ اگر چاہتا ہے سزا دیتا ہے۔ چاہتا ہے تو درگزر کر دیتا ہے۔

بندے کو چاہیے کہ ہر وقت اللہ تعالیٰ کے انتقام سے بچتا رہے۔ معاصی سے اجتناب کرے۔ اس اسم سے متخلق ہونے کی صورت یہ ہے کہ حدود و احکام شرع کی پوری پوری حفاظت کرے۔ نرمی اور چشم پوشی کو قریب نہ آنے دے بلکہ دشمنان دین سے انتقام لے۔ انسان کا دشمن ترین اس کا نفس امارہ ہے۔ اس کی سزا یہ ہے کہ جب وہ معصیت و نافرمانی کا ارتکاب کرے۔ یا عبادت میں کوتاہی کرے تو اس سے انتقام لے۔ اور اسے سزا میں ڈالے۔ حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک رات میرے نفس نے ورد و وظیفہ میں سُستی کی تو میں نے اُسے سزا میں ڈالا وہ اس طرح کہ پورا ایک سال اسے کھانے پینے کی چیز نہ دی۔

اَلْعَفُوُّ:

یعنی سیئات کو معاف کرنے والا۔ معاصی سے درگزر کرنے والا۔ اس لفظ کا معنیٰ غفور کے معنیٰ کے قریب ہے۔ لیکن غفور سے یہ زیادہ بلیغ ہے۔ کیونکہ لفظ غفران ستر و کتمان کے معنیٰ سے خبر دیتا ہے۔ پس غفار کا معنیٰ ہوا گناہوں کو چھپانے والا۔ اور عفو محو و اعدام کو ظاہر کرتا ہے۔ بندہ کتنا ہی گنہ گار ہو۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت و بخشش کا امیدوار رہتا ہے۔ لہٰذا کسی مجرم کی پیشانی پر رد کا ہاتھ نہیں رکھ سکتے (اسے مردود قرار نہیں دے سکتے) شاید کہ اللہ تعالیٰ کرم نوازی کرتے ہوئے بخش دے اور اسے شرع اور احکام دین قائم کرنے کی توفیق عطا کر دے۔

ردمکن بدرجہ ادنی در ازل نام او در نامۂ نیکاں بود
ور دو جائے نیکاں ایں گمان بر تو در روز جزا تاواں بود

کسی کو بھی ازلی مردود نہ جانو کیونکہ ہو سکتا ہے اس کا نام نیک لوگوں میں درج ہو۔
اور اگر نیکوں کے متعلق تیرا یہ گمان ہو تو پھر قیامت کے دن تجھ پر تاوان و جرمانہ عائد ہوگا۔

اس اسم سے موصوف ہونے کا معنیٰ یہ ہے کہ لوگوں کی تقصیرات و جرائم جو تیرے ساتھ کیے، ان سے درگزر کرے تاکہ درجہ الکاظمین الغیظ والعافین عن الناس (غصہ پی جانے والے اور لوگوں کو معاف کرنے والے) کو پالے۔

اَلرَّؤُفُ :

رافت سے بنا ہے بمعنیٰ رحمت اور اس کا غلبہ۔ بعض نے کہا رافت اس احسان کو کہتے ہیں جس کا مبدء شفقت ہوتی ہے اور رحمت اس احسان کا نام ہے جس کا مبدء کسی کی محتاجی ہوتی ہے۔ جس پر کہ احسان کرنا ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ بندوں پر مہربان ہے۔ کہ بندوں میں رسول مبعوث فرمائے۔ شریعت کی وضاحت فرمائی جس پر عمل پیرا ہونے سے بندہ آخرت کی سزا کے اسباب سے حفاظت میں ہو جاتا ہے۔ ذرا سی لغزش سے بھی بچے رہنا معصیت کی بخشش سے زیادہ بلیغ ہے۔ رأفت معنیٰ اول سے عبارت ہے اور رحمت معنیٰ ثانی سے اس اسم مبارک سے متعلق و متخلق ہونے کا معنیٰ اسم الرحمٰن الرحیم کے بیان میں گزر چکا ہے۔

مَالِكُ الْمُلْكِ :

یعنی اس کا حکم اور مشیت اس کے ملک میں نافذ ہے۔ وہ اس طرح کہ اللہ تعالیٰ بعض اشیاء کو وجود بخشتا ہے۔ بعض کو نیست و نابود کرتا بعض کو باقی رکھتا اور بعض کو فنا کرتا ہے۔ اس اسم سے تعلق و تخلق کا بیان اسم مبارک الملک میں گزر چکا ہے۔

ذُوالْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ :

یعنی وہ ذات کہ ہر جلال و کمال اس کے لیے ثابت ہے اور ہر کرامت و کرمت بھی اسی ذات جل جلالہ و عم نوالہ سے صادر ہے۔ پس جلال اس کی ذات کی صفت ہے۔ اور کرامت اس کے فعل کی کہ اس کی طرف سے اس کے بندوں پر نافذ ہوتی ہے۔ بندوں پر اس کے اکرام کی انواع دائرۂ حصر و شمار سے باہر ہیں۔ اس کا اجمالی بیان آیۃ وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيٓ اٰدَمَ ہم نے آدم کی اولاد کو عزت بخشی، نیز فرمایا وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا۔ اگر تم لوگ اللہ تعالیٰ کی نعمتیں شمار کرنے لگو تو شمار نہ کر سکو گے، میں مندرج و مذکور ہے۔

جو شخص اللہ تعالیٰ کے جلال کو جان لیتا ہے وہ اس کی درگاہ میں اظہار تذلل کرتا ہے۔ اور جو بندہ اس کے اکرام کو دیکھتا ہے وہ اس کا شکر ادا کرتا ہے۔ پھر وہ صرف اسی کی خدمت گزاری کرتا ہے اور اسی ذات واحد سے سوال کرتا ہے۔ اس

اسم سے متعلق ہونے کا معنیٰ یہ ہے کہ بندہ اپنی ذات و نفس کے لیے جلال و شرف و کمال پیدا کرے۔ اس کے بندوں پر انعام و اکرام کرے۔ جیسا کہ وہ اس کے انعام و اکرام کا مستحق اور اس کے لائق ہے۔

اَلْمُقْسِطُ :

قسوط بمعنیٰ ظلم و جور۔ اقساط بمعنیٰ عدل و انصاف کو پھیلانا۔ مقسط اس ہستی کو کہتے ہیں جو انصاف کرے، مظلوم کی دادرسی کرے اور ظالم سے اس کا بدلہ لے۔ اس معنیٰ کا کمال یہ ہے کہ قیامت کے روز ظالم و مظلوم دونوں کو ایک دوسرے سے خوش کریگا۔ جیسا کہ ایک حدیث میں آچکا ہے۔ جس کی شرح اسم العدل میں گزر چکی ہے۔

اَلْجَامِعُ :

یہ لفظ جمع سے بنا ہے بمعنیٰ اکٹھا کرنا۔ اللہ تعالیٰ ایک جیسی مخلوق کو اکٹھا کرنے والا ہے۔ جیسا کہ انسانوں کو اس نے روئے زمین پر جمع کر دیا ہے۔ پھر محشر میں دوبارہ سب کو جمع کرے گا۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ ایک دوسری کے متبائن و مخالف چیزوں کو بھی جمع کرنے والا ہے۔ یعنی آسمانوں، زمینوں، ستاروں، ہواؤں اور دریاؤں، حیوانات، نباتات اور پتھروں کو جمع کرنے والا ہے۔ اور مختلف معدنوں کو بھی جمع کرنے والا ہے۔ یہ تمام چیزیں مختلف شکلیں مختلف رنگ، ذائقے اور اوصاف رکھتی ہیں۔ مگر اپنی قدرت کاملہ سے اس نے ان سب کو زمین میں جمع کر دیا ہے۔ اور سب کو جہاں میں اکٹھا کر دیا ہے۔ اسی طرح حیوانات میں اس نے ہڈیوں، انتڑیوں، رگوں مغز اور دوسری چیزوں کو جمع کر دیا ہے اور اس نے متضاد اشیاء کو بھی جمع کر دیا ہے۔ جیسے عناصر اور ان کی مختلف کیفیات کو مزاج میں جمع کر دیا ہے۔ یہ جمع کی بلیغ ترین صورت ہے۔ پھر اس نے عارفین کے دلوں کو تقدیر میں میدان شہود کے اندر جمع کر دیا تاکہ وہ پراگندگی کے اسباب درمیانی واسطوں کے دیکھنے اور حادثات سے نجات پا گئے۔ اور اللہ تعالیٰ نے اپنی طلب میں اُن کی فکر و سوچ کو ایک نکتے پر جمع کر دیا ہے۔ وہ نکتہ یہ ہے کہ اُن کے دل ذکر الٰہی میں ڈوبے رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ اور اللہ تعالیٰ نے انبیاء، اولیاء اور علماء کے فضائل و کمالات کو بھی جمع کر دیا اور بعض کاملین اولیاء میں علم، سرداری کرامت اور عزت و قدرت کو بھی جمع کر دیا۔ پھر اولین و آخرین کے فضائل حضور سید المرسلین میں جمع کر دیے۔ صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ واتباعہ اجمعین۔

بندے کو چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے جو عجیب عجیب چیزوں اور مصنوعات کو جمع کر دیا ہے اس میں تفکر و تامل کرتا رہے اس کے غیر متناہی افعال میں بھی غور و تدبر کرتا رہے اس اسم سے موصوف ہونے کا معنیٰ یہ ہے کہ اپنے اندر علم و عمل نفسانی و جسمانی کمالات اور حق تعالیٰ کی ذات و صفات کی معرفت اور اچھی اچھی صفتوں کو جمع کرے۔ پسندیدہ اخلاق عبادات کے وظائف خیرات مبرات اور باقی فضائل و کمالات کو اپنے میں جمع کرے۔ اپنے ارادوں کو یکجا کرے۔ سکون قلب حاصل کرے اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ اپنے آپ کو ملائے رکھے۔ بیت۔

در جمعیت کوش تا ہمہ ذات شوی ترسم کہ پراگندہ شوی مات شوی

ترجمہ۔ دل کو جمع کرنے میں کوشش کرتا کہ تو سارے کا سارا ذات بن جائے۔ مجھے ڈر ہے کہ تو منتشر رہ کر اپنے آپ کو مات ہی نہ کر دے۔

الغنی المغنی :

غنا بمعنی بے نیاز ہونا۔ اغنا بے نیاز کر دینا۔ اللہ تعالیٰ غنی ہے کہ ذات وصفات اور افعال میں سب سے بے نیاز ہے اور بے نیاز ہونے کی وجہ سے دوسروں کو بے نیاز کر دیتا ہے۔ یعنی اپنے بندوں کو بے نیاز کر دیتا ہے۔ لیکن جو ہستی دوسرے کے بے نیاز کرنے سے غنی ہوتی ہے وہ غنی مطلق نہیں ہو سکتی بالفرض اگر اپنے جیسے افراد سے وہ بے نیاز بھی ہو پھر بھی حقیقتاً محتاج ہے اور غنی مطلق صرف حق تعالیٰ و تقدس ہے۔ یَا اَیُّهَا النَّاسُ اَنْتُمُ الْفُقَرَاءُ اِلَى اللّٰهِ وَاللّٰهُ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ (اے لوگو تم سب اللہ کے محتاج ہو صفت و ثنا والی بے نیاز ذات صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ بندے نے جب یہ جان لیا کہ خدائے سبحانہ و تعالیٰ بے نیاز ہے تو اُس کے حضور میں اپنی نیازمندی ظاہر کرے اور جب اُس نے یہ جان لیا کہ وہ بے نیاز کرنے والا ہے تو سب سے طمع کا تعلق کاٹ لے۔ اگر سوال کرے تو صرف اُسی سے سوال کرے اگر نیازمند بنے تو اُسی کا نیازمند رہے مخلوق سے بے نیاز رہے۔ اس اسم سے موصوف ہونے کا معنیٰ یہ ہے کہ نیازمندوں کی دستگیری کرے اور جیسے بھی ہو سکے اُن کی محتاجی کو دور کرے۔ خدائے تعالیٰ کی جو نعمتیں اور کرم نوازیاں اُس پر ہیں۔ فقراء و مساکین پر انہیں تقسیم کرے اور انہیں فیض پہنچائے اور انہیں سوال سے بے نیاز کر دے تاکہ اسم المغنی سے بھی حصہ پائے۔

اَلْمُعْطِي الْمَانِعُ :

جو چاہتا ہے دیتا ہے جسے چاہتا ہے نہیں دیتا۔ ایک حدیث میں فرمایا لَا مَانِعَ لِمَا اَعْطَى وَلَا مُعْطِيَ لِمَا مَنَعَ (ترجمہ۔ جو کچھ اللہ کسی کو دینا چاہتا ہے اُسے کوئی روک نہیں سکتا اور جسے اللہ تعالیٰ روکنا چاہے اُسے کوئی عطا نہیں کر سکتا) بندہ جب جان لیتا ہے کہ خدائے تعالیٰ ہی دینے والا اور روکنے والا ہے تو وہ اُس کی عطا کا اُمیدوار بن جاتا ہے اور اُس کے روک لینے کے خوف سے ڈرتا رہتا ہے اس اسم سے موصوف ہونے کا معنیٰ یہ ہے کہ صالحین و متقین کو عطا کرے اور فاسق اور ظالم لوگوں سے اپنی عطا روک کر رکھے۔ یا دل اور روح کو حضور و طاعت کے ثواب سے حصہ عطا کرے اور نفس و طبیعت کو ہوا و شہوت سے روک کر رکھے۔

اس روایت میں جو کہ حضرت ابوہریرہ سے کتاب میں مذکور ہے۔ المعطی کا ذکر نہیں ہے۔ منع کی بھی اس روایت کے مطابق تفسیر کرتے ہیں وہ اس طرح کہ اللہ تعالیٰ انسانی بدنوں کو ہلاک و نقصان کے اسباب سے روک کر رکھتا ہے اور دین کو عقل پیدا کرکے اور شرع کی روشنی سے فیضان عطا کرتا ہے۔ اس معنیٰ کے مطابق یہ لفظ حفیظ کے معنیٰ کی طرف رجوع کرتا ہے۔ کیونکہ ہلاکت کے اسباب کو روک لینا حفظ کی ضروریات و لوازم میں سے ہے۔ یہ حفاظت اُس کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتی لیکن منع کی نسبت ہلاک کرنے والے سبب کی طرف کرتے ہیں۔ اور حفظ کی نسبت ہلاکت سے محفوظ

رہنے کی جانب کرتے ہیں۔ منع سے مقصود اور غرض وغایت بندے کی حفاظت ہے۔ پس اسم الحفیظ میں جس قدر بھی معنی ہیں وہ سب ان دو اسموں میں بھی پائے جاتے ہیں۔

الحفیظ کے معنیٰ میں تعلق اور موصوف ہونے کا جو ذکر پیچھے گزرا ہے اسم المانع میں بھی ملحوظ ہوگا۔ دو معنوں کے درمیان فرق یہ ہے کہ معنیٰ اول کے لحاظ سے عطا سے روکنا مراد ہوگا اور معنیٰ ثانی کے لحاظ سے بلا و مصیبت سے روکنا۔ بعض دفعہ اللہ تعالیٰ کا لطف اور اُس کا کرم ظاہر و علانیہ ہوتا ہے اور کبھی عطا سے روکنا بھی اللہ تعالیٰ کا لطف و کرم ہوتا ہے لیکن یہ لطف و کرم پوشیدہ ہوتا ہے اور اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ اُس بندے کو اُس کی آرزوں اور شہوتوں سے روک لیتا ہے جسے وہ اپنے فضل و کرم سے مخصوص کرنا چاہتا ہے اور اُسے اپنے خاص بندوں میں سے کر لیتا ہے اور ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک بندے کے دل سے اُس کے ارادوں اور اختیارات کو روک لیتا ہے جسے وہ اپنی ذات کے لیے خالص کرنا چاہتا ہے۔ یاد رہے اہل خلوص کا مقام اہل خصوص سے بلند تر ہے۔ بندہ جب جان لیتا ہے کہ میرا مولا تعالیٰ ہلاکت و نقصان کے اسباب مجھ سے روک کر رکھتا اور اپنی حفاظت میں میری نگرانی کرتا ہے تو اُسے چاہیے کہ اس نعمت پر خدائے تعالیٰ کا شکر ادا کرے۔ اس اسم سے موصوف ہونے کا معنیٰ یہ ہے کہ فساد کے راستوں سے دور رہے اور اپنے آپ کو روک کر رکھے اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالے اور جو لوگ دین میں صلاحیت پیدا کرنا چاہتے ہیں اُن کی دین میں حفاظت کرے اور اہل دین کو آفات و بلیات سے حفاظت میں رکھے۔

اَلضَّارُّ النَّافِعُ:

یعنی اللہ تعالیٰ خالق خیر و شر ہے اور خالق نفع و ضرر ہے اور وہی درد و دوا کو پیدا کرنے والا ہے اور وہی خوشی اور تکلیف گرمی و سردی و خشکی و تری کو پیدا کرنے والا ہے۔ یہ گمان نہ کرو کہ دوا بذات خود نفع دیتی ہے اور زہر بذات خود ہلاک کرتا ہے اور کھانا بذات خود بندے کو سیر کرتا ہے اور پانی بذات خود بندے کو سیراب کرتا ہے یہ تمام چیزیں عادی اسباب ہیں۔ اس کا معنیٰ یہ ہے کہ اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ کی عادت مبارکہ اس طرح جاری ہے کہ اُس نے ان چیزوں کو اسباب بنایا ہے اور ان کے ذریعے چیزوں کو ظاہر فرماتا ہے اگر وہ چاہے تو ان کے بغیر بھی چیزوں کو پیدا کر سکتا ہے اور اگر چاہے تو ان اسباب کے باوجود کچھ بھی نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح عالم علوی و سفلی کے تمام اجزاء میں یہی چیز کارفرما ہے۔ واسطے اور اسباب اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کے تابع ہیں۔ ان تمام اسباب کی نسبت قدرت ازلی کی جانب اس طرح ہے جیسے لکھنے والے کے ہاتھ میں قلم کہ وہ قلم بے توقف لکھتا چلا جاتا ہے۔ حالانکہ اُس قلم میں لکھنے والے کی قدرت و ارادہ کارفرما ہوتا ہے۔ قدرت ایک ایسی صفت ہے جو اکثر صفات کو شامل ہے۔ بخصوصاً صفات فعلیہ کو۔ ان میں فرق عموم و خصوص اور جہات و حیثیات کا ہے۔ بندے کو چاہیے کہ ضرر و نفع سب کچھ خدا کی طرف سے جانے اور عالم اسباب کو اُس کی قدرت کے آگے مغلوب تصور کرے۔ تقاضائے الہٰی کے آگے اپنے آپ کو ڈال دے اور اپنے تمام امور کو اُس کے حوالے کر دے

اور ایسی زندگی بسر کرے کہ لوگوں کو اُس سے راحت پہنچے اور لوگ اُس سے آرام میں رہیں۔

حکایت :-

بیان کرتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دانت درد کا عارضہ لاحق ہوا آپ اُس درد سے خدا کے حضور میں رو پڑے حکم ہوا فلاں گھاس دانتوں پر رکھیں تاکہ آرام آجائے۔ آپ نے وہ گھاس اپنے دندان مبارک پر رکھی تو فوراً آرام آگیا۔ ایک مدت کے بعد دوبارہ آپ کو پھر دانتوں کا درد لاحق ہوا آپ نے پھر وہی گھاس دانتوں پر رکھی تو بجائے آرام آنے کے درد زیادہ ہوگیا۔ عرض کیا یا الٰہی یہ وہی گھاس ہے جو تو نے مجھے بتلائی تھی۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جھڑک والا خطاب آیا کہ پہلی بار تیری توجہ میری جناب کی طرف تھی تو ہم نے شفا دے دی۔ اس دفعہ تیری توجہ گھاس کی طرف تھی اس لیے ہم نے درد کو زیادہ کر دیا تاکہ تو جان لے کہ شفا عطا کرنے والے ہم ہیں نہ کہ گھاس۔

اس اسم سے موصوف ہونے کا معنیٰ یہ ہے کہ اگر کسی کو ضرر پہنچائے تو خدا کے امر و شہادت کے حکم کے مطابق پہنچائے دین کے دشمنوں کو ڈانٹے اللہ تعالیٰ کے دوستوں کو نفع پہنچائے اُن کی مدد کرے تاکہ ارادہ و عمل کے تحت دونوں عملوں کا تقاضہ پورا کرے۔ حقیقت و شریعت کو جمع کرنے کا طریقہ یہی ہے۔

اَلنُّوْرُ :

عرفِ عام میں نور بمعنیٰ روشنی ہے اور اسم الٰہی میں نور بمعنیٰ منور ہے کہ اللہ تعالیٰ آسمانوں کو ستاروں اور سیاروں سے روشن کرنے والا زمین کو انبیاء اولیاء علماء مومنین مومنات، باغات اور پھولوں سے روشن کرنے والا ہے اسی طرح مومنوں اور عارفوں کے دلوں کو نورِ ایمان، طاعات و اخلاق و معارف و حقائق سے روشن کرنے والا ہے۔

خاص لوگوں کے نزدیک نور ایسی چیز سے عبارت ہے جو خود بھی بہت ظاہر ہو اور غیر کو ظاہر کرنے والی ہو جب وجود و عدم کا مقابلہ کیا جاتا ہے تو وجود عدم سے ظاہر ہوتا ہے اور عدم پوشیدہ ہوتا ہے۔ اور کوئی چیز عدم سے زیادہ تاریک نہیں ہے۔ پس وہ ذات جو عدم سے پاک ہو بلکہ عدم کے امکان سے بھی پاک ہو اور جو اشیاء کی حقیقتوں کو ظلمت عدم سے باہر لانے والی ہو وہ باقی ہر چیز سے زیادہ مستحق ہے کہ اُس کا نام نور رکھا جائے۔ وجود بھی ایک نور ہے جو تمام اشیاء پر جلوہ گر ہوتا ہے تمام چیزوں کا وجود اُس کی ذات کے نور سے ہے۔

اس دوران ایک رسالہ اس آیہ کریمہ کی تفسیر میں ظہور پذیر ہوا ہے جو نور کے اسرار و رموز کو ظاہر کرنے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی سے توفیق حاصل ہوتی ہے۔

بندے کو چاہیے کہ طبیعت کی تاریکی اور نفس کی میل کچیل سے باہر نکلے اور ہدایتوں سے سینے .... اور شریعت کے چراغ سے نور حاصل کرے علم و عمل کے نور سے نیک کو بد سے الگ کرے ۔ شیطانی و نفسانی خیالات ملکانی اور رحمانی خیالات سے جدا کرے بزرگوں نے فرمایا ہے طریقت کا ہر وہ حال جو علم شریعت کا نتیجہ نہ ہو اگرچہ کتنا ہی عظیم حال

کیوں نہ ہو اس کا ضرر اس کے نفع سے زیادہ ہے۔ اور جو شخص ظاہر علم اور آداب شریعت کو نظر انداز کرتا ہے اس کے دل میں حقیقی نور نہیں آسکتا۔ اس اسم سے موصوف ہونے کا معنیٰ یہ ہے کہ بندہ ایمان و عرفان کے نور سے اپنے آپ کو منور کرے دین کے احکام کو ظاہر کرے۔ ریاضت و مجاہدہ تزکیہ نفس تصفیہ قلب اور تجلیہ روح اور نور الانوار کے ذریعے بشری ظلمتوں کو فنا کرے نیز نوروں کے نور سے اپنے آپ کو باقی کرے بلکہ عین نور بن جائے۔ اَللّٰھُمَّ اَعْطِنِیْ نُوْرًا وَّاَعْظِمْ لِیْ نُوْرًا وَاجْعَلْنِیْ نُوْرًا) اے اللہ میرا نور زیادہ کر اور مجھے مجسم نور بنا دے۔

اَلْھَادِیْ:

یہ لفظ ہدایت سے بنا ہے بمعنیٰ راستہ دکھانا اور منزل مقصود تک پہنچانا۔ تمام چلنے والوں کا راہنما وہی ہے جو شخص دنیا کے راستے پر چلتا ہے اس کا راہنما وہی ہے جو آخرت کے راستے پر چلتا ہے اس کا رہبر بھی وہی ہے اور جو اس کی جناب قرب کے راستے پر اس کے وصال کے لیے چلتا ہے۔ اس کے جذبات محبت و عنایت کا ہادی بھی وہی ہے۔ بیت۔

گر نہ چراغ لطف تو راہ نماید از کرم قافلہائے شب روان پے نبرد بمنزلے

ترجمہ۔ اگر تیری کرم نوازی سے تیرے لطف و کرم کا چراغ راستہ نہ دکھائے تو رات کو چلنے والے قافلے منزل مقصود کا سراغ نہیں لگا سکتے۔

خداوند تعالیٰ کی ہدایت کے اقسام و انواع شمار میں نہیں آسکتے۔

چنانچہ بچے کو ماں کے شکم سے باہر آنے کے ساتھ ہی پستان سے دودھ چوسنے کی ہدایت دیتا ہے۔ مرغی کے بچے کو انڈے سے نکلنے کے فوراً بعد دانہ چگنے کی راہنمائی کرتا ہے۔ شہد کی مکھی کو مسدس شکل میں گھر بنانے کی راہنمائی بھی وہی کرتا ہے۔ یہ مسدس شکل شہد کے ذخیرے کے لیے نہایت موافق اور بہترین شکل ہے۔ ہدایت کی شرح بہت لمبی ہے۔ افضل و اعلیٰ ہدایت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسے طریق کی راہنمائی فرماتا ہے جو بندے کو جنات نعیم اور اس کی ذات کے چہرہ کریم کے دیدار تک پہنچاتا ہے پھر اپنے خاص بندوں کے باطن میں توفیق کے عجیب عجیب انوار پیدا کرتا ہے اور ایسے اسرار و تحقیق سے بہرہ ور فرماتا ہے کہ اس کے سبب بندہ طاعت و معرفت کی طرف ہدایت پاتا ہے۔

ہدایت سے سب سے بڑھ کر موصوف ہونے والے اور اس اسم سے متعلق ہونے والے انبیاء اولیاء اور علماء ہوتے ہیں کیونکہ یہ حضرات مخلوقات کے لیے ہادی ہیں کہ صراط مستقیم و طریق قویم پر لوگوں کو چلاتے ہیں خصوصاً سید انبیاء ختم رسل صلی اللہ علیہ وسلم و آلہ و اصحابہ و اتباعہ جو حق کے راستے کے ہادی اور دینی علوم کو زندہ کرنے والے ہیں۔ اے اللہ ہمیں توفیق دے ہمیں صراط مستقیم پر چلا ان لوگوں کے راستے پر جن پر تو نے انعام فرمایا نہ ان کے راستے پر جو تیرے غضب کا نشانہ بنے اور نہ گمراہوں کا راستہ۔

حضرت ذوالنون مصری قدس سرہ فرماتے ہیں تین چیزیں عارفین کے اخلاق میں سے ہیں۔ غم زدہ لوگوں کی تنگ دلی کو کھولنا غافل لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی نعمتیں عطا کر کے اللہ کی یاد میں مصروف کرنا اور توحید کی زبان سے مسلمان کو حق کا راستہ دکھانا یعنی اُن کے دل کے چہرے کو دنیا سے موڑ کر دین کی طرف کرنا۔ اور دنیوی زندگی سے دل ہٹا کر آخرت کی زندگی کی طرف متوجہ کرنا۔

اَلْبَدِیْعُ:

بمعنیٰ بے مثل و بے مثال جو ہستی اپنی ذات اپنی صفات اور افعال میں بے مثل و بے مانند ہو وہ بدیع المطلق ہوتی ہے اور وہ صرف ذات باری تعالیٰ ہے۔ اُس کے سوا اور کوئی نہیں۔ اسم بدیع بمعنیٰ مبدع بھی آتا ہے یعنی نئی شکل وصورت میں بنانے والا جس کا پہلے سے کوئی نمونہ نہ ہو اس اسم کی دونوں طرح تفسیر کی گئی ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے قول مبارک (بَدِیْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ) میں مفسرین نے دونوں طرح تفسیر کی ہے۔ بندے کو چاہیے کہ جو کچھ بھی ہو عجیب عجیب اور نئی نئی خدائی مصنوعات پر نگاہ ڈالتا رہے تو دل کو خدائے بے مثل و مانند کی جانب جو اُسے بھی نئی شکل وصورت میں لانے والا ہے لے جائے اور اُس کے قدیم وجود پر نئے نئے حادثات کے رونما ہونے سے دلیل پکڑے۔ حضور نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام جب کوئی نیا میوہ دیکھتے تو فرماتے تھے کہ یہ ابھی ابھی میرے رب کی طرف سے آیا ہے اُسی معرفت کا اثر ہے۔ ہر بندہ جو کہ نبوت کی خاصیت سے مخصوص ہوتا ہے اور ولایت و علم جو اُس میں بے مثل و بے نظیر ہوتا ہے یا نئی سامنے آنے والی چیز جو بھی ہوتی ہے اور جو صفت کمال کی طرف لوٹتی ہے اپنے وقت و زمانے میں انوکھی شکل وصورت میں نمایاں ہوتی ہے اُسے بھی بدیع کہتے ہیں۔

تمام مخلوقات میں سے بے مثل ذات حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے۔ آپ ہی اللہ تعالیٰ کی صفات سے متصف ہونے میں فردِ کامل اور واحد ذات ہیں اور اسمائے واجب تعالیٰ سے علی الاطلاق موصوف ہونے والے بھی آپ ہی ہیں کوئی بھی ہستی آپ کی مثل اور نظیر نہیں ہے اللھم صل وسلم علی محمد بعدد کل ذرۃ۔ شعر

منزہ عن شریک فی محاسنہ　　　فجوہر الحسن فیہ غیر منقسم

ترجمہ۔ آپ اپنے حسن و جمال میں شریک سے منزہ ہیں تو حسن کا ذخیرہ جو آپ میں پایا جاتا ہے تقسیم نہیں ہو سکتا۔ علیہ من الصلوات افضلھا ومن التحیات اتمھا واکملھا۔

اَلْبَاقِیْ

یعنی دائم الوجود جو ہرگز فنا کو قبول نہ کرے۔ بندے کو چاہیے کہ حق تعالیٰ کی بقا کے عکس میں اپنے آپ کو فانی کرے اور دل کو ماسوا کے تعلق سے محفوظ رکھے اس اسم سے موصوف ہونے کا معنیٰ یہ ہے کہ ایسے کمالات حاصل کرنے کی کوشش کرے جن کے نشانات اس جہاں میں بھی باقی رہیں اور اُس جہاں میں بھی اور بندے کو یہ بھی چاہیے کہ جلال حق میں فانی ہو جائے

تاکہ اس طرح حیات ابدی پاکر ہمیشہ کے لیے باقی ہو جائے۔

اَلْوَارِثُ:

وارث سے مراد وہ ذات ہے جو تمام موجودات کے فنا ہونے کے بعد بھی باقی رہے گی کیونکہ تمام املاک کے فانی ہونے اور تمام مالکوں کے فنا ہونے کے بعد سب ملکیتیں اُسی کی جانب رجوع کر جائیں گی یہ کلام ظاہر کے لحاظ سے ہے ورنہ ازل سے ابد تک مالک علی الاطلاق وہی ہے۔ اُس کی ملکیت میں کسی قسم کی تبدیلی نہیں آسکتی اور تمام ملک و ملکوت بلا کسی شرکت کے اُس کی ملکیت میں ہیں تمام اہل بصیرت گوش ہوش سے یہی ندا سنتے ہیں (لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ) جل جلالہ عظم شانہ۔

پس بندے کو چاہیے کہ مال و وراثت کی فکر میں نہ پڑے اور یہ جانے کہ سب کچھ چھوڑ جانا ہے اور سب سے ہاتھ اٹھا لینا ہے (مُوْتُوْا قَبْلَ اَنْ تَمُوْتُوْا) مرنے سے پہلے مرجاؤ۔ یہ عارفوں کا دستور اور طریقہ ہے۔ بیت۔

دل برین منزل فانی چہ نہی رخت بر بند کہ انا للہ

ترجمہ۔ اس فانی منزل پر کیا دل لگاتا ہے سامان باندھ لے کیونکہ ہم سب اللہ کی طرف جانے والے ہیں۔
اس اسم سے متخلق ہونے کا معنیٰ یہ ہے کہ دین کے علوم و معارف حاصل کرے تاکہ انبیاء کا وارث بن جائے۔

الرشید:

یہ لفظ رشد سے بنا ہے بمعنیٰ صحیح راستے پر ہونا یہ گمراہی کی ضد ہے۔ رُشد یہ ہے کہ بندے کے اقوال صحیح و درست ہوں، اُس کے افعال ٹھیک اور مناسب ہوں اور اُس کے احکام مضبوط اور ٹھوس ہوں ان میں خلل اور لغزش کا شائبہ نہ ہو۔ اُس کی تمام تدبیرات صحیح نتائج تک پہنچانے والی ہوں اور غلطی و کجی سے محفوظ ہوں۔ علماء فرماتے ہیں کہ یہاں رشید بمعنیٰ مرشد ہے۔ یعنی بندوں کو دین و دنیا کے مقاصد میں اور اس جہاں میں کتاب و شریعت کے مطابق درستی کے راستے پر چلانے والا ہو۔ اس اسم سے تعلق و تخلق کی وجہ ظاہر ہے۔

الصبور:

صبر کا معنیٰ لغت میں ہے برداشت کرنا۔ صبور اُسے کہتے ہیں جو گناہ گاروں کی گرفت میں جلدی نہ کرے۔ انہیں سزا دینے اور اُن سے انتقام لینے میں جلد بازی سے کام نہ لے۔ صبور حلیم کے معنیٰ کے قریب ہے۔ دونوں میں فرق یہ ہے کہ صبور اس چیز کو ظاہر کرتا ہے کہ اگرچہ اُس نے صبر کیا ہوا ہے لیکن آخر کار اُسے گرفت میں لائے گا۔ حلیم اس سے مطلق ہے یعنی آخر کار گرفت میں لائے یا نہ لائے۔ بعض کہتے ہیں۔ صبور بمعنیٰ صبر دینے والا۔ بندے کو صبر دینے والا بلا و مصیبت میں اس طرح امانت کا بوجھ اٹھانے میں بندے کو صبر دینے والا۔ اور خواہش اور شہوت کی مخالفت کرنے میں صبر کرنے والا۔ اسی طرح بندے کو عبادت کے ادا کرنے میں مشقت پر صبر دینے والا وہی سبحانہ و تعالیٰ ہے۔ بندے کو چاہیے کہ تمام

مصیبتوں، تکلیفوں اور برائیوں میں اسی سے صبر چاہے اور اس کی نافرمانی سے دور رہے۔

حکایت :۔

بیان کرتے ہیں کہ اکابر اسلام میں سے ایک بزرگ نے فرمایا" میں کہ معظمہ میں تھا میں نے ایک درویش دیکھا جو مسجد خانہ کعبہ میں داخل ہوا اور طواف کیا اور ایک رقعہ جیب سے نکالا۔ اسے دیکھا اور چلا گیا۔ دوسرے دن بھی اس نے اسی طرح کیا اور چلا گیا۔ میں چند دن اس کے اس حال کی نگرانی کرتا رہا۔ وہ اسی طور پر آتا اور چلا جاتا۔ ایک دن آیا اور طواف کیا اور رقعے پر نظر ڈالی اور جان اللہ کے حوالے کر دی"۔ میں اپنی جگہ سے اٹھا رقعے کو دیکھا اس میں لکھا ہوا تھا۔

وَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ فَإِنَّكَ بِأَعْيُنِنَا

ترجمہ۔ اپنے رب کے حکم پر صبر کر بے شک تو ہماری آنکھوں کے سامنے ہے۔

اس اسم سے موصوف ہونے کا معنیٰ یہ ہے کہ کسی کام میں بھی جلد بازی اور شتابی نہ کرے بلکہ آرام و آہستگی اختیار کرے اور فراق کی تکلیف میں امید وصال سے پناہ حاصل کرے۔ اور اپنے درد اشتیاق کا علاج محبوب کے ذکر سے کرے۔ تاکہ اپنے مقصود کو پالے اور کامیاب و بامراد بن جائے۔ رَبَّنَا أَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَثَبِّتْ أَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اصْبِرُوا وَصَابِرُوا وَرَابِطُوا وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ۔

ترجمہ۔ اے ہمارے پروردگار ہم پر صبر کو انڈیل دے۔ ہمیں ثابت قدمی عطا فرما اور کافروں پر ہماری مدد فرما۔
اے ایمان والو صبر کرو۔ صبر کی تلقین کرو۔ جہاد کے لیے تیار رہو۔ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو تاکہ تم فلاح پا جاؤ۔
ایک بزرگ فرماتے ہیں صبر کا پیالہ پیارہ۔ اگر تو قتل ہو جائے گا تو شہید ہوگا۔ اور اگر زندہ رہے گا تو نیک بخت ہوگا۔

بیت۔

صبرے کنیم تا کرم او چہ میکند	با ایں دل شکستہ غم او چہ میکند
عیسیٰ دم است نفس دہرا پیش او بکش	وانگہہ نظارہ کن کہ دم او چہ میکند

(۱) ہم صبر سے کام لیں گے اور دیکھیں گے کہ اس کا کرم کیا سلوک کرتا ہے۔ اور اس دل شکستہ سے اس کا غم کیا سلوک کرتا ہے۔

(۲) میرا معشوق حضرت عیسیٰ کا سانس رکھتا ہے نفس و خواہش کو اس کے آگے ختم کر دے پھر دیکھ کہ اس کی پھونک کیا کام کرتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کے ایک کم سو اسمائے حسنیٰ کی شرح مکمل ہو گئی۔ جن کا ذکر اس حدیث میں آیا تھا۔ اسے ترمذی نے اپنے جامع میں اور بیہقی نے اسے الدعوات الکبیر میں روایت کیا۔ (دعوات کبیر ایک کتاب ہے جو امام بیہقی نے تصنیف کی ہے

اور ترمذی نے فرمایا یہ حدیث غریب ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں اس کے سوا اور اسماء بھی آئے ہیں جیسے الاحد والمنعم۔الرب۔العلی یا ان اسماء کے بدلے دوسرے نام آئے ہیں یا ان سے کچھ زیادہ نام آئے ہیں۔اس صورت میں اللہ تعالیٰ کے اسماء ایک کم سو سے بڑھ جائیں گے۔حق بات یہ ہے کہ کتاب وسنت میں اسمائے الٰہی ایک کم سو سے زیادہ آئے ہیں بعض مفرد بعض مرکب۔ایک کم سو میں ہی منحصر نہیں ہیں مگر اس خصوصیت کے اعتبار سے جو کہ حدیث پاک میں مذکور ہے جیسا کہ بیان کیا گیا ہے۔واللہ اعلم

وَعَنْ بُرَيْدَةَ[1] اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَمِعَ رَجُلًا يَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْاَلُكَ بِاَنَّكَ اَنْتَ اللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّاۤ اَنْتَ الصَّمَدُ الَّذِيْ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ فَقَالَ دَعَا اللّٰهَ بِاسْمِهِ الْاَعْظَمِ الَّذِيْ اِذَا سُئِلَ بِهٖ اَعْطٰى وَاِذَا دُعِيَ بِهٖ اَجَابَ. (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْ دَاوُدَ)

حضرت بریدہ[1] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو سنا کہ وہ کہہ رہا تھا۔ اللھم انی اسألک بانک لا الٰہ الا انت الاحد الصمد[2] الذی لم یلد ولم یولد ولم یکن لہ کفوا احد اے اللہ بے شک میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اس وسیلے سے کہ بے شک تو ہی معبود ہے یگانہ ہے بے نیاز ہے اور تو وہ ہستی ہے جس نے کسی کو نہیں جنا اور نہ اسے کسی نے جنا ہے اور اس کی مثل کوئی نہیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کے یہ الفاظ سن کر فرمایا کہ اس بندے نے اللہ تعالیٰ کو اس کے اسم اعظم سے پکارا ہے۔یہ وہ اسم اعظم ہے کہ جب اس کے ساتھ اللہ سے مانگا جائے تو وہ عطا کرتا ہے[3] اور جب اس کے ساتھ اس سے دعا کی جائے تو دعا قبول کرتا ہے۔ اسے ترمذی اور ابو داؤد نے روایت کیا[4]

[1] یعنی حضرت بریدہ اسلمی۔

[2] یعنی بے نیاز ذات کہ تمام حاجتیں اسی کے سامنے پیش کی جاتی ہیں۔

[3] یہاں سوال و دعا میں فرق بیان کیا گیا ہے سوال کا معنیٰ طلب کرنا اور چاہنا ہے جیسا کہ کوئی شخص کہے اللھم اعطنی۔اے اللہ مجھے عطا فرما۔اور دعا کا معنیٰ بلانا اور ندا کرنا جیسا کہ کوئی کہے یا اللہ اور اجابت کا معنیٰ دعا قبول کرنا جیسا کہ اللہ تعالےٰ فرمائے لبیک عبدی یعنی اے میرے بندے میں تیری دعا قبول کرنے کے لیے حاضر ہوں۔

[4] واضح ہو کہ اسم اعظم کی تحقیق میں علماء کے مختلف اقوال آئے ہیں۔امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے رسالہ الدر المنظم فی بیان الاسم الاعظم میں ذکر کیا ہے کہ بعض علماء اس بات پر ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے تمام اسماء اسم اعظم ہیں ان میں سے

بعض کو بعض پر فضیلت دینا جائز نہیں۔ یہ قول شیخ ابوالحسن اشعری اور قاضی ابو بکر باقلانی اور ان کے علاوہ ایک جماعت کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔ یہ علماء فرماتے ہیں کہ جہاں بھی اسم اعظم کا ذکر آیا ہے وہاں اسم اعظم سے اسم عظیم مراد ہے۔ طبرانی نے فرمایا کہ اسم اعظم کی تعیین میں اختلاف ہے۔ میرے نزدیک سب اقوال صحیح ہیں کیونکہ کسی حدیث میں بھی واقع نہیں ہوا کہ یہ اسم اعظم ہے۔ اور کوئی دوسرا اسم اس سے اعظم نہیں ہے تو گویا امام طبرانی اس امر کے قائل ہیں کہ اُس کے تمام اسماء کو اعظم کہا جا سکتا ہے۔ پس اعظم عظیم کے معنیٰ کی طرف رجوع کرے گا۔

ابن حبان فرماتے ہیں کہ اسماء کے لیے جو عظمیت احادیث میں آئی ہے اُس سے مراد ان اسماء سے پکارنے والے کو زیادہ ثواب دیا جانا مراد ہے۔ یہ معنیٰ قرآنی آیات میں بھی جاری ہے کہ بعض آیات کی تلاوت زیادہ ثواب کی موجب ہوتی ہے۔ اگرچہ فی نفسہٖ اُس کا سارا کلام عظیم ہے کیونکہ خدائے تعالیٰ کا کلام ہے۔ بعض کہتے ہیں اسم اعظم کا تعین اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے اُس کے سوا کوئی نہیں جانتا جس طرح لیلۃ القدر اور جمعہ کے دن کی خاص گھڑی کو خدا ہی جانتا ہے۔ بعض علماء نے ظاہر احادیث کو دیکھتے ہوئے اسم اعظم کا تعین کیا ہے۔ اُن احادیث میں سے ایک حدیث حضرت بریدہ کی یہ حدیث ہے جس میں مذکور ہے کہ اسم اعظم لا الٰہ الا انت الاحد الصمد الذی لم یلد ولم یولد ولم یکن لہ کفوا احد۔ امام سیوطی نے شیخ ابن حجر سے نقل کیا ہے۔ کہ شیخ ابن حجر نے فرمایا "یہ قول اس باب میں باقی تمام اقوال سے سند کے لحاظ سے زیادہ راجح ہے۔ دوسری حدیث حضرت انس کی حدیث ہے جیسا کہ مؤلف نے فرمایا۔

وَعَنْ اَنَسٍؓ قَالَ كُنْتُ جَالِسًا مَّعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْمَسْجِدِ وَرَجُلٌ يُصَلِّيْ فَقَالَ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْئَلُكَ بِاَنَّ لَكَ الْحَمْدُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ الْحَنَّانُ الْمَنَّانُ بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ يَا ذَا الْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ يَا حَيُّ يَا قَيُّوْمُ اَسْئَلُكَ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَعَا اللّٰهَ بِاسْمِهِ الْاَعْظَمِ الَّذِيْ اِذَا دُعِيَ بِهٖ اَجَابَ وَاِذَا

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں مسجد میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا اُس وقت ایک شخص نماز پڑھ رہا تھا تو نماز پڑھنے والے نے کہا اللھم انی اسئلک بان لک الحمد لا الٰہ الا انت الحنان المنان بدیع السموات والارض یاذا الجلال والاکرام یا حی یا قیوم۔ اے اللہ میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اس وسیلے سے کہ تمام تعریفیں تیرے ہی لیے ہیں تیرے سوا کوئی معبود بحق نہیں۔ تو مہربان اور نعمت عطا کرنے والا ہے۔ آسمانوں اور زمین کو نئے انداز میں پیدا فرمانے والا ہے۔ اے بزرگی اور اکرام والے یا حی یا قیوم۔ ان کے معانی اسماء کے ذکر میں گزر چکے ہیں اے اللہ میں تجھ سے سوال کرتا ہوں۔ اس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس بندے نے اللہ تعالیٰ

سُئِلَ بِهٖ اَعْطٰى۔
(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْدَاوٗدَ وَالنَّسَائِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ)

کہ اُس کے اسم اعظم سے پکارا وہ اسم اعظم کہ جب اُس سے پکارا جائے تو وہ قبول کرتا ہے اور جب اُس سے سوال کیا جائے تو وہ عطا کرتا ہے۔ اسے ترمذی ابوداؤد اور نسائی اور ابن ماجہ[1] نے روایت کیا۔

[1] اس بارے میں ایک اور حدیث حضرت اسماء کی ہے جیسا کہ مؤلف نے فرمایا۔

وَعَنْ اَسْمَاءَ بِنْتِ يَزِيْدَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اسْمُ اللّٰهِ الْاَعْظَمُ فِيْ هَاتَيْنِ الْاٰيَتَيْنِ وَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ وَفَاتِحَةِ اٰلِ عِمْرَانَ الٓمّٓ اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْدَاوٗدَ وَابْنُ مَاجَةَ وَالدَّارِمِيُّ)

حضرت اسماء[1] بنت یزید رضی اللہ عنہا سے روایت ہے بے شک نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ کا اسم اعظم ان دو آیتوں میں ہے۔ ایک آیت والھکم الٰہ واحد لا الٰہ الا ھو الرحمٰن الرحیم اور آل عمران کی ابتدائی آیت اور وہ یہ ہے۔ الٓم اللہ لا الٰہ ھو الحی القیوم۔
اسے ترمذی ابوداؤد ابن ماجہ اور دارمی[2] نے روایت کیا۔

[1] آپ جلیل القدر انصاری صحابیہ ہیں بڑے عقل و دین والی تھیں غزوہ تبوک میں شریک تھیں آپ نے اس جنگ میں اپنے خیمے کی لکڑی سے نو کافروں کو قتل کیا۔

[2] پس اس روایت کے مطابق اسم اعظم الرحمن الرحیم الحی القیوم ہوگا۔

وَعَنْ سَعْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَعْوَةُ ذِي النُّوْنِ اِذَا دَعَا رَبَّهٗ وَهُوَ فِيْ بَطْنِ الْحُوْتِ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحَانَكَ اِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ لَمْ يَدْعُ بِهَا

حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حضرت ذوالنون (یونس) کی دعا جب کہ آپ نے اپنے رب کے حضور کی اور وہ مچھلی کے پیٹ میں تھے یہ دعا تھی لا الٰہ الا انت سبحانک انی کنت من الظلمین۔ کوئی مسلمان شخص بھی کسی بارے میں ان الفاظ کے ساتھ دعا نہیں کرتا مگر اُس کی دعا قبول کر لی جاتی ہے۔

رَجُلٌ مُسْلِمٌ فِیْ شَیْءٍ اِلَّا اسْتَجَابَ لَهٗ ۔ (رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِیُّ)

اسے احمد اور ترمذی نے روایت کیا۔[1]

[1] اس روایت کے مطابق اسم اعظم لا الٰہ الا انت سبحانک انی کنت من الظلمین ہے۔ اگرچہ اس حدیث میں صراحتاً یہ نہیں فرمایا کہ یہ اسم اعظم ہے۔ مگر یقینی طور پر دعا کا قبول ہونا اسم اعظم کے خاصو میں سے ہے۔ جبکہ اس کے مقررہ آداب و شرائط کا لحاظ رکھا جائے بعض روایات میں صراحتاً اسے اسم اعظم فرمایا گیا ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

عَنْ بُرَیْدَةَ قَالَ دَخَلْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ الْمَسْجِدَ عِشَاءً فَاِذَا رَجُلٌ یَّقْرَاُ وَیَرْفَعُ صَوْتَهٗ فَقُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَتَقُوْلُ هٰذَا مُرَاءٍ قَالَ بَلْ مُؤْمِنٌ مُّنِیْبٌ قَالَ وَاَبُوْ مُوْسَى الْاَشْعَرِیُّ یَقْرَاُ وَیَرْفَعُ صَوْتَهٗ فَجَعَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَسْتَمِعُ لِقِرَاءَتِهٖ ثُمَّ جَلَسَ اَبُوْ مُوْسٰی یَدْعُوْ فَقَالَ اللّٰهُمَّ اِنِّیْ اُشْهِدُكَ اَنَّكَ اَنْتَ اللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ اَحَدًا صَمَدًا لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُوْلَدْ وَلَمْ یَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَقَدْ

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عشاء کے وقت مسجد میں داخل ہوا تو اچانک ایک شخص بلند آواز سے پڑھ رہا تھا میں نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ یہ فرمائیں گے کہ یہ شخص ریاکار ہے فرمایا نہیں بلکہ یہ مومن ہے اللہ کی طرف رجوع کرنے والا حضرت بریدہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابو موسیٰ اشعری بلند آواز سے قرارت کر رہے تھے تو حضور علیہ السلام نے اُن کی قرارت سننا شروع کردی پھر حضرت ابو موسیٰ اشعری بیٹھ گئے اور دعا کرنے لگے اور یوں کہنے لگے اللھم انی اشھد لک انک انت اللہ لا الٰہ الا انت احد صمد لم یلد ولم یولد ولم یکن لہ کفوا احد یعنی اے اللہ بے شک میں گواہی دیتا ہوں تیری کہ بیشک تو ہی اللہ ہے تیرے سوا کوئی معبود برحق نہیں تو ایک ہے بے نیاز ہے جس نے کسی کو نہیں جنا نہ وہ کسی سے جنا گیا ہے اور کوئی بھی اُس کی مثل نہیں۔ یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا البتہ اس شخص نے اللہ تعالیٰ

سَأَلَ اللّٰهَ بِاسْمِهٖ الَّذِيْ اِذَا سُئِلَ بِهٖ اَعْطٰى وَاِذَا دُعِيَ بِهٖ اَجَابَ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اُخْبِرُهٗ بِمَا سَمِعْتُ مِنْكَ قَالَ نَعَمْ فَاَخْبَرْتُهٗ بِقَوْلِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لِيْ اَنْتَ الْيَوْمَ لِيْ اَخٌ صَدِيْقٌ حَدَّثْتَنِيْ بِحَدِيْثِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔

(رَوَاهُ رَزِيْنٌ)

سے اُس کے اُس اسم سے مانگا ہے کہ جب اس اسم کے ساتھ اُس سے مانگا جائے تو وہ عطا کرتا ہے اور اس اسم کے ساتھ جب اُس سے دعا کی جائے تو وہ قبول کرتا ہے حضرت بریدہ فرماتے ہیں یارسول اللہ جو کچھ میں نے آپ سے سنا ہے اس کی خبر میں اس شخص کو دوں۔ فرمایا ہاں تو میں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قول مبارک کی اُسے خبر دی حضرت ابوموسیٰ نے مجھ سے فرمایا تو آج کے دن سے میرا مخلص دوست ہے کہ تو نے مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث سنائی ہے۔

(اسے رزین نے روایت کیا)

لہ یعنی یہ حدیث پاک جس میں قبولیت دعا کی بشارت ہے مگر حدیث کو مطلق بیان کیا اس جانب اشارہ کرنے کے لیے کہ آپ سے دوستی اور بھائی چارہ اس بنا پر ہے کہ آپ نے مجھے حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سنائی ہے۔ مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں یہی حدیثیں لائی ہیں۔ یہاں کچھ اور اقوال بھی ہیں۔ بعض نے بسم اللہ الرحمن الرحیم کو اسم اعظم کہا ہے بعض نے فرمایا کہ لفظ اللہ اسم اعظم ہے اسے ابن ابی حاتم نے حضرت جابر بن عبداللہ سے روایت کیا ہے۔ بعض الحی القیوم کو اسم اعظم کہتے ہیں بعض مالک الملک کو اور بعض کلمہ توحید کو یعنی لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ بعض کہتے ہیں کہ اللہ لا إلٰہ الا ھو رب العرش العظیم اسم اعظم ہے۔

امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ حضرت امام زین العابدین سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے اللہ رب العزت سے درخواست کی کہ مجھے اسم اعظم بتلایا جائے تو آپ کو خواب میں بتلایا گیا کہ اسم اعظم لا الٰہ الا اللہ ہے۔ بعض فرماتے ہیں اسم اعظم اسمائے حسنیٰ میں پوشیدہ ہے۔ اس قول کی تائید حضرت عائشہ کی حدیث کرتی ہے کہ آپ جب بعض اسمائے حسنیٰ کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے حضور دعا کیا کرتی تھیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے۔ انہی اسماء میں اسم اعظم ہے۔ بعض فرماتے ہیں کہ لفظ اللھم اسم اعظم ہے۔

امام زرکشی رحمۃ اللہ علیہ نے شرح جمع الجوامع میں بعض سلف سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا جس نے اللھم کہا اور دعا کی تو اس نے تمام اسماء کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے دعا کی اسی قسم کا قول حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی منقول ہے۔ بعض نے کہا الٓمٓ اسم اعظم ہے۔ یہ قول حضرت ابن عباس اور حضرت ابن مسعود سے منقول ہے۔ بعض فرماتے ہیں

اسمائے الٰہی میں سے جس اسم کے ساتھ بھی بندہ اللہ کو پکارتا ہے اور اس میں حضور واستغراق پیدا کرتا ہے کہ اُس کے باطن میں حق تعالیٰ کے سوا کوئی چیز نہیں ہوتی۔ جو کوئی حضور و استغراق کی اس حالت میں دعا کرتا ہے اللہ تعالیٰ اُس کی دعا کو ضرور قبول کرتا ہے۔ یہ قول حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ اور حضرت شیخ جنید وغیرہم رضی اللہ عنہ سے منقول ہے۔

ابن نعیم نے حلیہ میں حضرت بایزید بسطامی سے نقل کیا ہے کہ ایک شخص نے حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ سے اسم اعظم کے بارے میں سوال کیا تو آپ نے فرمایا اسم اعظم کے لیے کوئی حد متعین نہیں درحقیقت اسم اعظم یہ ہے کہ تیرا دل حق تعالیٰ کی وحدانیت کے لیے مکمل طور پر فارغ ہو جائے۔ جب تیرا یہ حال ہو جائے تو پھر ہر اسم سے جو بھی تو ارادہ کرے گا اُس سے مشرق اور مغرب میں جا سکتا ہے۔

حضرت ابوسلیمان دارانی رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے۔ فرماتے ہیں میں نے بعض مشائخ سے اسم اعظم کے بارے میں پوچھا فرمایا تو اپنے دل کو جانتا ہے میں نے کہا ہاں۔ فرمایا جبکہ تو اپنے دل کو اس حالت میں دیکھے کہ اُس کی توجہ مکمل طور پر خدا کی طرف ہے اور دل میں رقت وسوز موجود ہے تو اُس وقت اپنی حاجت مانگ کہ یہی اسم اعظم ہے۔

حضرت ابو ربیع سائح رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ کسی شخص نے اُن سے عرض کیا کہ مجھے اسم اعظم بتلائیں فرمایا لکھ بسم اللہ الرحمن الرحیم اطاعت کر خدا کی تاکہ خدا تیری اطاعت کرے۔

بزرگ فرماتے ہیں عارف و ولی کا بسم اللہ الرحمن الرحیم کہنا اس طرح ہے جس طرح خداوند تعالیٰ و تقدس کا لفظ کن فرمانا۔ واللہ اعلم۔

بَابُ ثَوَابِ التَّسْبِيْحِ وَالتَّحْمِيْدِ وَالتَّهْلِيْلِ وَالتَّكْبِيْرِ

تسبیح، تحمید، تہلیل و تکبیر کے ثواب کا باب

تسبیح بمعنی منزہ کرنا اور پاکی سے یاد کرنا۔ تحمید بہت اور بار بار حمد و ثنا کرنا اسی معنی کے مطابق لفظ محمد کا اشتقاق عمل میں ہوا ہے کیونکہ آپ کی بار بار حمد کی جاتی ہے۔ تکبیر بمعنی بزرگ قرار دینا اور تہلیل لا الٰہ الا اللہ کہنا یہاں اس سے مراد ان احادیث کا بیان ہے جو سبحان اللہ الحمد للہ لا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر کے ثواب میں وارد ہیں تہلیل لا الٰہ الا اللہ سے مشتق ہے۔ عربوں کے نزدیک جب کسی چیز کا استعمال زیادہ ہوتا ہے تو وہ دو کلموں کو آپس میں اس طرح ملا دیتے ہیں کہ ایک کلمے کے بعض حروف کو دوسرے کلمے کے بعض حروف سے جوڑ دیتے ہیں۔ جیسے کہتے ہیں حمدلہ و حوقلہ و بسملہ اور کہتے ہیں ہیلل الرجل و ہلل جبکہ کوئی شخص لا الٰہ الا اللہ کہے اسی طرح حیعل بمعنی حی علی الفلاح۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

پہلی فصل

عَنْ سَمُرَۃَ بْنِ جُنْدُبٍؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَفْضَلُ الْکَلَامِ اَرْبَعٌ سُبْحَانَ اللّٰہِ وَ الْحَمْدُ لِلّٰہِ وَ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَ اللّٰہُ اَکْبَرُ۔

حضرت سمرہؓ بن جندب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ثواب کے لحاظ سے افضل کلام چار کلمے ہیں۔ سبحان اللہ والحمد للہ ولا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر۔

وَ فِیْ رِوَایَۃٍ اَحَبُّ الْکَلَامِ اِلَی اللّٰہِ اَرْبَعٌ سُبْحَانَ اللّٰہِ وَ الْحَمْدُ لِلّٰہِ، وَ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَ اللّٰہُ اَکْبَرُ لَا یَضُرُّکَ بِاَیِّھِنَّ بَدَأْتَ۔

ایک روایت میں اس طرح ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک محبوب ترین چار کلمے ہیں سبحان اللہ والحمد للہ ولا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر تو ان میں سے جس سے بھی شروع کرے گا تجھے کوئی ضرر نہ پہنچے گا۔

(رَوَاہُ مُسْلِمٌ)

اسے مسلم نے روایت کیا۔

لہ سمرہ س کی زبر میم کی پیش سے۔ جندب د کی پیش اور زبر سے آپ مشہور صحابی اور کثیر الحدیث ہیں۔

۲ کیونکہ ان میں سے ہر ایک اپنا مقصودی معنیٰ بیان کرنے میں مستقل کلمہ ہے۔ ان کلمات میں اللہ تعالیٰ کے جلال و کمال کا بیان ہے۔ لہٰذا ان کے آگے پیچھے پڑھنے میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ تاہم اس ترتیب سے جو حدیث میں آئی ہے، مناسب معانی میں کیونکہ یہ کلمات اللہ کی معرفت کو ظاہر کرتے ہیں وہ اس طرح کو اوّلاً اس کی تنزیہ کا بیان ہے پھر یہ بات بیان کی گئی ہے کہ تمام نقص اور کمالات اسی کی ذات میں منحصر ہیں جب وہ ان دو باتوں کو جان لیتا ہے تو اس پر اللہ تعالیٰ کی توحید منکشف ہوتی ہے۔ اس کے بعد اپنے آپ کو اس کی ثنا اور توحید میں عاجز پاتا ہے تو کہہ اٹھتا ہے اللہ اکبر۔ امام غزالی نے ایسا ہی بیان کیا ہے۔ اور یہ جو فرمایا کہ خدا کے نزدیک محبوب ترین کلام یہ کلمات ہیں تو اس سے مراد قرآن مجید کے علاوہ کلام مراد ہے۔ پھر یہ کلمات قرآن میں بھی آئے ہیں سوائے چوتھے کلمے کے۔

اور ایک روایت میں یہاں یوں آیا ہے (افضل الذکر بعد کتاب اللہ) یعنی کتاب اللہ کے بعد سب سے افضل ذکر یہ چار کلمات ہیں۔

وَعَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَؓ قَالَ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَاَنْ اَقُوْلَ سُبْحَانَ اللّٰہِ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ وَلَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ اَحَبُّ اِلَیَّ مِمَّا طَلَعَتْ عَلَیْہِ الشَّمْسُ۔
(رَوَاہُ مُسْلِمٌ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سبحان اللہ والحمد للہ ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر کہنا میرے نزدیک اُن تمام چیزوں سے محبوب ہے جن پر سورج طلوع کرتا ہے۔
(اسے مسلم نے روایت کیا)

لے یعنی دنیا وما فیہا سے زیادہ پسند ہے۔ یہ گویا تمام مخلوقات سے کنایہ ہے صرف دنیا کی گھٹیا چیزوں کی نسبت پسندیدہ نہیں ہے کیونکہ ذکر خدا تمام عالم کی چیزوں سے افضل ومحبوب ہے۔

وَعَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ قَالَ سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ فِیْ یَوْمٍ مِائَۃَ مَرَّۃٍ حُطَّتْ خَطَایَاہُ وَاِنْ کَانَتْ مِثْلَ زَبَدِ الْبَحْرِ۔
(مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص دن میں سو مرتبہ کہتا ہے سبحان اللہ وبحمدہٖ اس کی تمام خطائیں جھاڑ دی جاتی ہیں۔ اگرچہ وہ سمندر کے جھاگ لے جتنی ہوں۔
(بخاری ومسلم)

لے یعنی کثرت وزیادتی میں اُن کے گناہ سمندر کی جھاگ جتنے بھی ہوں تو اس کلمے کے پڑھنے سے اُن کے سب گناہ مٹ جاتے ہیں۔

وَعَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ قَالَ حِیْنَ یُصْبِحُ وَحِیْنَ یُمْسِیْ سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ مِائَۃَ مَرَّۃٍ لَمْ یَاْتِ اَحَدٌ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ بِاَفْضَلَ مِمَّا جَآءَ بِہٖ اِلَّا اَحَدٌ قَالَ مِثْلَ مَا قَالَ اَوْ زَادَ عَلَیْہِ۔
(مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص صبح کے وقت اور شام کے وقت پڑھتا ہے سبحان اللہ وبحمدہٖ سو بار تو نہیں آئے گا کوئی شخص قیامت کے دن اس سے افضل چیز کے ساتھ۔ سوائے اُس شخص کے جس نے یہی کلمہ پڑھا ہوگا یا اس سے زیادہ پڑھا ہوگا۔
(بخاری ومسلم)

لہ یہاں دو اعتراض کیے جاتے ہیں ایک یہ کہ ظاہر عبارت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جو شخص اس شخص کی مثل کہتا ہے تو وہ اس سے افضل ہو جاتا ہے یہ اعتراض بالکل ظاہر ہے۔

دوسرا اعتراض یہ ہے کہ شمار اور گنتی میں شرع کی مقرر کردہ حدود میں زیادتی جائز نہیں ہے جیسا کہ اگر کوئی شخص ظہر کی چار رکعت کی جگہ پانچ رکعت پڑھ لے پس ان کلمات سے زیادہ پڑھنا کیسے جائز ہوگا۔

سوال اول کا جواب یہ ہے کہ کلام کا معنی یہ ہے کہ کوئی شخص اس کے برابر اور اس سے افضل نہیں لا سکے گا ماسوائے اُس شخص کے جس نے یہی کلمات کہے ہوں گے تو وہ اس کے برابر ہوگا۔ یا وہ شخص جس نے اس سے زائد کلمات کہے ہوں گے تو وہ اس سے افضل ہوگا۔

دوسرے اعتراض کا جواب یہ ہے کہ زیادتی اُس صورت میں ناجائز ہے جبکہ شارع علیہ السلام کی طرف سے زیادہ کرنے کی اجازت نہ ہو۔ اور جبکہ حدیث میں زیادہ کرنے کی صراحت موجود ہے تو معلوم ہوا کہ ایسے کلمات میں اضافہ کرنے کی اجازت ہے۔ پس یہ زیادتی ظہر کی چار رکعت کی جگہ پانچ رکعت پڑھنے کی طرح نہیں ہے بلکہ یہ نماز تہجد اور نماز چاشت کی طرح ہے جن کی تعداد آٹھ رکعت آئی ہے اگر کوئی شخص تیرہ رکعت اور بارہ رکعت پڑھ لے تو بھی جائز ہے بلکہ افضل ہے اور ہو سکتا ہے کہ حضور علیہ السلام نے اس حدیث میں جس زیادتی کا ذکر کیا ہے وہ دوسرے اعمال خیر ہوں نہ کہ تسبیح میں اضافہ مراد ہو۔ اسے سمجھو۔

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَلِمَتَانِ خَفِيْفَتَانِ عَلَى اللِّسَانِ ثَقِيْلَتَانِ فِي الْمِيْزَانِ حَبِيْبَتَانِ اِلَى الرَّحْمٰنِ سُبْحَانَ اللهِ وَبِحَمْدِهٖ سُبْحَانَ اللهِ الْعَظِيْمِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دو کلمے ایسے ہیں جو زبان پر ہلکے ہوتے ہیں اعمال کے ترازو پر بھاری ہوں گے اور رحمٰن کے نزدیک بہت پیارے ہیں وہ کلمے یہ ہیں۔ سبحان اللہ وبحمدہ۔ سبحان اللہ العظیم۔ (بخاری ومسلم)

وَعَنْ سَعْدِ بْنِ اَبِيْ وَقَّاصٍ قَالَ كُنَّا عِنْدَ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اَيَعْجِزُ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّكْسِبَ كُلَّ يَوْمٍ

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھے کہ آپ نے فرمایا تم میں سے کوئی شخص اس بات سے عاجز ہے کہ ہر دن میں

أَلْفَ حَسَنَةٍ فَسَأَلَهُ سَائِلٌ مِّنْ جُلَسَائِهِ كَيْفَ يَكْسِبُ أَحَدُنَا أَلْفَ حَسَنَةٍ قَالَ يُسَبِّحُهُ مِائَةَ تَسْبِيحَةٍ فَيُكْتَبُ لَهُ أَلْفُ حَسَنَةٍ أَوْ يُحَطُّ عَنْهُ أَلْفُ خَطِيئَةٍ۔

ہزار نیکی[1] کمائے۔ آپ کے پاس بیٹھنے والوں میں سے ایک شخص نے سوال کیا کہ کوئی شخص ہزار نیکی کیسے کما سکتا ہے فرمایا جو سو دفعہ تسبیح پڑھے تو اس کے لیے ہزار[2] نیکی لکھ دی جاتی ہے یا اس سے ہزار گناہ مٹائے جاتے ہیں۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

اسے مسلم نے روایت کیا۔

وَفِي كِتَابِهِ فِي جَمِيعِ الرِّوَايَاتِ عَنْ مُوسَى الْجُهَنِيِّ أَوْ يُحَطُّ قَالَ أَبُو بَكْرٍ الْبَرْقَانِيُّ وَرَوَاهُ شُعْبَةُ وَأَبُو عَوَانَةَ وَيَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ الْقَطَّانُ عَنْ مُوسَى فَقَالُوا وَيُحَطُّ بِغَيْرِ أَلِفٍ هٰكَذَا فِي كِتَابِ الْحُمَيْدِيِّ

اور مسلم کی کتاب میں تمام روایات کے اندر حضرت موسیٰ جہنی[3] سے او یحط کا لفظ آیا ہے۔ ابوبکر البرقانی[4] فرماتے ہیں کہ اسے شعبہ ابو عوانہ اور یحییٰ بن سعید القطان نے روایت کیا۔ اور انہوں نے ویحط بغیر الف[5] کے روایت کیا۔ کتاب الحمیدی[6] میں ایسا ہی آیا ہے۔

[1] مشہور حساب کے مطابق کہ ہر نیکی پر دس نیکیاں ملتی ہیں۔

[2] کہ ہزار گناہوں کا مٹنا ہزار نیکیوں کے ملنے کی طرح ہے۔ یہاں حدیث میں لفظ جیسا کہ آیا ہے اس میں ضمیر حضور علیہ السلام کی طرف لوٹتی ہے مگر اس لفظ کا اطلاق احادیث میں مالوس اور مشہور نہیں ہے یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ضمیر سعد بن ابی وقاص کی طرف لوٹتی ہو۔ اور یہ قول سعد راوی کا ہو گویا حضرت سعد کے ساتھیوں میں سے کسی کو پریشانی لاحق ہوئی ہو اور اس نے حدیث مکمل ہونے سے پہلے ہی سوال کر دیا ہو۔ اسے سمجھ لو۔

[3] جیم کی پیش ہا کی زبر سے یہ ثقہ راوی ہے ان کی روایت میں ویحط کی جگہ او یحط آیا ہے اور یہ او تردید کے لیے ہوگا جیسا کہ اس کی تحقیق ہو چکی ہے۔

[4] با کی زبر و پیش اور زیر سے۔ برقان کی طرف نسبت ہے اور یہ علاقہ خوارزم میں ایک بستی ہے

[5] اگر یہ روایت بغیر الف کے ہو تو معنیٰ یہ ہوگا کہ ہزار نیکیاں لکھی جاتی ہیں اور ہزار خطائیں معاف کی جاتی ہیں۔ ظاہر یہی ہے کیونکہ حسنات سیئات کو دور کر دیتی ہیں۔

[6] یعنی کتاب حمیدی میں اسی طرح بیان ہوا ہے اور یہ حمیدی کی کتاب وہ ہے جس میں بخاری و مسلم دونوں کی

حدیثیں جمع کی گئی ہیں۔

وَعَنْ اَبِیْ ذَرٍّ قَالَ سُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَیُّ الْکَلَامِ اَفْضَلُ قَالَ مَا اصْطَفَی اللّٰہُ لِمَلٰٓئِکَتِہٖ سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ۔ (رَوَاہُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کونسا کلام سب سے افضل ہے فرمایا وہ کلام جو اللہ تعالیٰ نے اپنے فرشتوں کے لیے منتخب فرمایا۔ (مسلم)

لہ جو کہ تسبیح و تہلیل ہے۔ درحقیقت اس میں اللہ تعالیٰ کے اس قول مبارک کی طرف اشارہ ہے۔ (وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِکَ وَنُقَدِّسُ لَکَ) کیونکہ یہ کلمات اللہ تعالیٰ نے اُن کو سکھائے اس کی دلیل فرشتوں کا وہ قول ہے یعنی (لاعلم لنا الا ما علمتنا) اور فرشتوں کا وہ کلام سبحان اللہ وبحمدہ ہے۔

وَعَنْ جُوَیْرِیَۃَ رضی اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ خَرَجَ مِنْ عِنْدِھَا بُکْرَۃً حِیْنَ صَلَّی الصُّبْحَ وَھِیَ فِیْ مَسْجِدِھَا ثُمَّ رَجَعَ بَعْدَ اَنْ اَضْحٰی وَھِیَ جَالِسَۃٌ قَالَ مَا زِلْتِ عَلَی الْحَالِ الَّتِیْ فَارَقْتُکِ عَلَیْھَا قَالَتْ نَعَمْ قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَقَدْ قُلْتُ بَعْدَکِ اَرْبَعَ کَلِمَاتٍ ثَلٰثَ مَرَّاتٍ لَوْ وُزِنَتْ بِمَا قُلْتِ مُنْذُ الْیَوْمِ لَوَزَنَتْھُنَّ سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ عَدَدَ خَلْقِہٖ وَرِضٰی نَفْسِہٖ وَزِنَۃَ عَرْشِہٖ وَمِدَادَ کَلِمَاتِہٖ (رَوَاہُ مُسْلِمٌ)

حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے بے شک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک صبح اُن کے پاس سے باہر تشریف لائے جبکہ آپ نے فجر کی پڑھی۔ اُس وقت حضرت جویریہ اپنی نماز کی جگہ تشریف فرما تھیں۔ پھر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اُن کے پاس تشریف لائے۔ نماز چاشت پڑھنے کے بعد وہ اُس وقت بیٹھی ہوئی تھیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا۔ میں جس حالت میں تجھ سے جدا ہوا تھا ابھی تک تو اُسی حالت میں اور اُسی جگہ بیٹھی ہوئی ہے۔ انہوں نے عرض کی ہاں۔ حضور نبی کریم علیہ السلام نے فرمایا۔ میں نے تیرے بعد ایسے چار کلمات تین دفعہ پڑھے ہیں کہ اگر تو انہیں وزن کرے جو آج کے دن تو نے پڑھے ہیں تو ضرور وہ کلمات اُن تسبیحات کے برابر ہوں گے جو تو نے پڑھے ہیں۔ اور وہ چار کلمے یہ ہیں۔ سبحان اللہ وبحمدہ عدد ورضی نفسہ وزنۃ عرشہ ومداد کلماتہ۔ (مسلم)

۱؎ جیم کی پیش واو کی زبر یا ساکن۔ آپ امہات المومنین میں سے ہیں۔

۲؎ یہاں حدیث میں لفظ مسجدہا یعنی حضرت جویریہ اپنی جائے نماز میں بیٹھی ہوئی ذکر و تسبیح کر رہی تھیں۔ شاید اس سے وہ مقام مراد ہے جو آپ نے اپنے گھر میں نماز کے لیے بنایا ہوا تھا۔ اس جگہ کو بعض دفعہ جیم کی زیر سے بھی پڑھتے ہیں۔

۳؎ یعنی صبح سے لے کر اب تک کہ وقت چاشت ہو گیا ہے تو اپنی جگہ ذکر میں ہی معروف ہے۔

۴؎ یعنی تیرے پاس سے اٹھ کر باہر آنے کے بعد چار کلمے تین تین دفعہ پڑھے ہیں۔ وہ ایسے کلمے ہیں کہ اگر ان کا وزن اُن کلموں سے کیا جائے جو تو نے کہے ہیں تو وہ ان کے برابر ہوگا۔ اور یہ کلمات وہ ہیں جو لکھے گئے ہیں۔ ان کلمات میں مبالغہ اور کمال پایا جاتا ہے۔ یہ کلمات تسبیح و تحمید میں مشترک ہیں یعنی میں تیری تسبیح و تحمید تیری مخلوقات کے شمار جتنی کہتا ہوں کہ وہ بے شمار اور بے اندازہ ہے۔ ایسی تسبیح و تحمید جو تیری رضا کا موجب بنے جس کا وزن تیرے عرش عظیم جتنا ہو اور جو تیرے کلمات کی مقدار جتنے ہوں یعنی تیرے کلام جتنے ہوں، یا تیرے اسماء و صفات جتنے ہوں یا تیرے علم جتنے ہوں۔

وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَالَ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِیْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ فِیْ یَوْمٍ مِّائَةَ مَرَّةٍ كَانَتْ لَهٗ عَدْلَ عَشْرِ رِقَابٍ وَّكُتِبَتْ لَهٗ مِائَةُ حَسَنَةٍ وَّمُحِیَتْ عَنْهُ مِائَةُ سَیِّئَةٍ وَّكَانَتْ لَهٗ حِرْزًا مِّنَ الشَّیْطٰنِ یَوْمَهٗ ذٰلِكَ حَتّٰی یُمْسِیَ وَلَمْ یَاْتِ اَحَدٌ بِاَفْضَلَ مِمَّا جَآءَ بِهٖ اِلَّا

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص سو بار لا الٰہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ لہ الملک ولہ الحمد وھو علی کل شیء قدیر پڑھ لیتا ہے اُسے دس گردنوں کے برابر ثواب ملتا ہے اور اس کے لیے سو نیکیاں لکھی جاتی ہیں اور سو گناہ مٹائے جاتے ہیں۔ اور یہ کلمے اس کے لیے اس دن شیطان اور اس کے شر سے پناہ بن جاتے ہیں اور کوئی شخص بھی اس سے افضل عمل نہیں لا سکے گا۔ مگر وہ شخص جو اس سے بھی زیادہ عمل کرے۔

رَجُلٌ عَمِلَ اَكْثَرَ مِنْهُ .

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ) (بخاری ومسلم)

لہ یہاں حدیث میں لفظ عدل عین کی زیر وزبر دونوں طرح پڑھا جاتا ہے یعنی مثل وبرابر بعض نے کہا زبر سے ہو تو معنی ہوگا غیر جنس سے برابر زیر سے پڑھا جائے تو معنی ہوگا اپنی جنس کے ساتھ برابر۔

سلہ یہ حدیث حضرت سعد بن ابی وقاص کی حدیث کی تائید کرتی ہے جس میں بغیر الف کے ویحط کا لفظ آیا ہے۔

سلہ یعنی شام تک یہاں حدیث میں لفظ حرز آیا ہے۔ حا کی زیر سے بمعنی حفاظت وتعویذ گردہ آدمی جو اس سے زیادہ عمل کرے۔ یہ حدیث اس اعتراض سے محفوظ ہے جو حضرت ابوہریرہ کی حدیث میں پہلی شق پر وارد ہوتا ہے۔

وَعَنْ اَبِىْ مُوْسَى الْاَشْعَرِيِّ قَالَ كُنَّا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِىْ سَفَرٍ فَجَعَلَ النَّاسُ يَجْهَرُوْنَ بِالتَّكْبِيْرِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَاۤاَيُّهَا النَّاسُ ارْبَعُوْا عَلٰۤى اَنْفُسِكُمْ اِنَّكُمْ لَا تَدْعُوْنَ اَصَمَّ وَلَا غَائِبًا اِنَّكُمْ تَدْعُوْنَ سَمِيْعًا بَصِيْرًا وَهُوَ مَعَكُمْ وَالَّذِىْ تَدْعُوْنَهُ اَقْرَبُ اِلٰۤى اَحَدِكُمْ مِنْ عُنُقِ رَاحِلَتِهِ قَالَ اَبُوْ مُوْسٰى وَاَنَا خَلْفَهُ اَقُوْلُ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ فِىْ نَفْسِىْ فَقَالَ يَا عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ قَيْسٍ اَلَا اَدُلُّكَ عَلٰى كَنْزٍ مِنْ كُنُوْزِ الْجَنَّةِ فَقُلْتُ بَلٰى يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ لَا حَوْلَ

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک سفر میں تھے تو لوگ خوب بلند آواز سے تکبیر کہنے لگے اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے لوگو اپنی جانوں پر نرمی کرو۔ کیونکہ تم لوگ کسی بہرے یا غائب کو نہیں پکار رہے بلکہ تم لوگ سمیع وبصیر ذات کو پکار رہے ہو وہ تمہارے ساتھ ہے اور تم اس ذات کو پکار رہے ہو جو تمہاری سواری کی گردن سے بھی تمہارے نزدیک ہے۔ حضرت ابوموسیٰ فرماتے ہیں اور میں آپ کے پیچھے کھڑا اپنے دل میں لاحول ولا قوۃ الا باللہ پڑھ رہا تھا حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اے عبداللہ بن قیس میں تجھے جنت کے خزانوں میں سے ایک خزانہ نہ بتلاؤں۔ میں نے عرض کیا ہاں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

فرمایا وہ خزانہ لاحول ولاقوۃ الا باللہ ہے[۳]۔ (بخاری ومسلم)

[۱] اور اپنے آپ کو مشقت میں نہ ڈالو اور اتنی بلند آواز سے ذکر نہ کرو۔ اس میں اس جانب اشارہ ہے کہ بلند آواز سے ذکر کرنے سے روکنا آسانی اور نرمی کے لیے ہے۔ اس وجہ سے نہیں کہ ذکر جہر ناجائز ہے۔ حق یہ ہے کہ بلاشبہ ذکر جہر جائز ہے مگر کسی عارضے کی بنا پر۔ ہم نے اس مسئلے کو اپنے رسالہ درود وظائف میں ثابت کیا ہے۔ اس کے بعد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تاکید کے طور پر زیادہ اونچی آواز سے ذکر کرنے سے منع فرمایا ہے۔ چنانچہ فرمایا تم لوگ کسی بہرے اور غائب کو نہیں پکار رہے اور فرمایا کہ وہ تمہارے ساتھ ہے علم وحضور سے۔ یہاں بصیر کے ساتھ سمیع کا ذکر دونوں میں مناسبت کی بنا پر کر دیا۔ کیونکہ دونوں اکثر مقامات میں اکٹھے مذکور ہوتے ہیں۔ اس کے باوجود اس جانب بھی اشارہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں دیکھتا ہے ہمارے حالات کو جانتا اور ہماری ہیئت اور صورت سے بھی واقف ہے۔

علامہ طیبی نے فرمایا کہ بصیر کا اضافہ سمیع کے ساتھ اس لیے کیا کہ جو سمیع و بصیر ہوتا ہے وہ سننے والے مگر آنکھوں سے اندھے سے زیادہ بات کو سمجھتا ہے۔ اسے اچھی طرح سمجھ لو۔

[۲] یعنی اونٹ پر سوار یا پیادہ

[۳] یعنی یہ کلمہ بہشت کے خزانوں میں سے ایک خزانہ ہے۔ معنی یہ ہے کہ اس کلمے کو پڑھنے والا اپنے لیے اتنا ثواب حاصل کر لیتا ہے گویا کہ اسے دنیا کے خزانے مل گئے۔ بلکہ دنیا کے خزانے اس کے سامنے کیا شے ہیں۔ مشائخ نے فرمایا ہے کہ کوئی ذکر بھی عمل پر زیادہ معین ومددگار اس کلمے سے بڑھ کر نہیں ہے کیونکہ اس کا معنی یہ ہے کہ بندہ اپنی قوت وطاقت سے بری ہوتا ہے اور اپنے نفس پر اعتماد وبھروسہ کرنے سے دور ہو جاتا ہے۔

جبکہ یہ فقیر یہ حدیث حضرت شیخ عبدالوہاب رحمۃ اللہ علیہ سے پڑھ رہا تھا تو حضرت سے اس خزانے کی کیفیت وحقیقت کے بارے میں دریافت کیا۔ آپ نے فرمایا انشاء اللہ اس خزانے کا پتہ وہاں چل کر معلوم ہوگا یہاں اس میں بحث کی ضرورت نہیں۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِيْ

دوسری فصل

وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَالَ سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص سبحان اللہ العظیم وبحمدہ پڑھتا ہے

وَ بِحَمْدِهٖ غُرِسَتْ لَهٗ نَخْلَةٌ فِي الْجَنَّةِ۔

اُس کے لیے جنت میں کھجور کا ایک درخت لگایا جاتا ہے۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

(ترمذی)

وَ عَنِ الزُّبَيْرِؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ صَبَاحٍ يُصْبِحُ الْعِبَادُ فِيْهِ اِلَّا مُنَادٍ يُنَادِيْ سَبِّحُوا الْمَلِكَ الْقُدُّوْسَ سُبْحَانَ الْمَلِكِ الْقُدُّوْسِ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی صبح نہیں جو بندے کرتے ہیں مگر ایک آواز دینے والا آواز[1] دیتا ہے کہ تسبیح کہو[2] الملک القدوس اور یوں کہو سبحان اللہ الملک القدوس۔

(ترمذی)

[1] یعنی ایک فرشتہ آواز دیتا ہے۔

[2] یعنی خدائے تعالیٰ کی تنزیہ بیان کرو۔ اور یوں کہو کہ اللہ تعالیٰ مالک الملک ہے اور تمام نقائص سے پاک ہے۔

وَ عَنْ جَابِرٍؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَفْضَلُ الذِّكْرِ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَفْضَلُ الدُّعَاءِ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ)

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا افضل الذکر[1] لا الہ الا اللہ اور افضل دعا[2] الحمد للہ ہے۔

اسے ترمذی و ابن ماجہ نے روایت کیا۔

[1] اگرچہ اذکار بہت ہیں۔ اقوال و افعال میں سے جس طرح بھی خدا کی یاد کی جائے ذکر ہی ہے لیکن یہ کلمہ کلمۂ توحید و ایمان ہے۔ اس کے بغیر ایمان صحیح نہیں ہو سکتا۔ اس کلمے سے مشغول ہونا اور دوامًا اسے پڑھتے رہنا اپنے اندر عجیب و غریب اسرار اور خاصیتیں رکھتا ہے۔ اس سے باطن کی تطہیر اور دل کا تصفیہ نصیب ہوتا ہے اور وہ راز ظہور پذیر ہوتا ہے جو دل میں بطور امانت رکھا گیا ہے اسی لیے مریدوں کی تربیت کے لیے مشائخ نے اس کلمے کو اختیار کیا۔

[2] حمد کو دعا اس بنا پر کہا گیا ہے کہ کریم کی صفت و ثنا درحقیقت اُس سے دعا اور سوال ہے اور افضل اس وجہ سے ہے کہ خدائے تعالیٰ کی حمد جو کہ منعم حقیقی ہے۔ شکر کے معنیٰ میں ہے۔ بلکہ حمد شکر کی سردار ہے اور شکر نعمت کے زیادہ ہونے کا باعث ہے۔

وَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍوؓ

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے

قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْحَمْدُ رَأْسُ الشُّكْرِ مَا شَكَرَ اللّٰهَ عَبْدٌ لَا يَحْمَدُهٗ۔

فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ الحمد شکر کا سر[1] ہے وہ بندہ اللہ کا شکر نہیں کرتا جو اس کی حمد[2] نہیں کرتا۔

[1] کیونکہ شکر منعم کی تعظیم کا نام ہے اور زبان کا فعل اس تعظیم پر زیادہ ظاہر طریقے سے دلالت کرتا ہے۔ دل کا فعل پوشیدہ ہوتا ہے۔ اگرچہ بندہ اپنے اعضاء سے بھی حمد کرتا ہے مگر اس کا تعلق نیت سے ہوتا ہے اور شکر منعم کی تعظیم کا نام ہے۔ یا دل سے محبت کرنے کا نام ہے یا زبان سے ثنا کرنا یا اعضاء سے خدمت کرنے کا نام شکر ہے اور اعضاء کے افعال منعم کی تعظیم پر دلالت کرنے میں ناقص اور کوتاہ ہیں اور ان میں احتماع بھی پایا جاتا ہے۔

[2] یعنی وہ بندہ خدا کا شکر کامل نہیں کرتا جو اس کی حمد نہیں کرتا اس کلام میں اس جانب اشارہ ہے کہ آدمی کو چاہیے کہ باطنی تصفیے کے باوجود اپنے ظاہر کی بھی حفاظت کرے۔ اور دل کو منور کرنے کے ساتھ زبان کے فعل سے بھی اس کی تکمیل کرے تاکہ ظاہر و باطن دونوں کمال حاصل کریں۔

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَوَّلُ مَا يُدْعٰى اِلَى الْجَنَّةِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ الَّذِيْنَ يَحْمَدُوْنَ اللّٰهَ فِي السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ۔ (رَوَاهُمَا الْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سب سے پہلے قیامت کے دن جنت کی طرف جن کو بلایا جائے گا وہ لوگ ہوں گے جو خوشی اور ناخوشی[1] دونوں حالتوں میں اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کرنے والے ہوں گے ان دونوں احادیث کو بیہقی نے شعب الایمان میں روایت کیا۔

[1] یعنی تمام حالات میں اس کی حمد و ثنا کرتے ہیں۔

وَعَنْ اَبِيْ سَعِيْدِنِ الْخُدْرِيِّؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مُوْسٰى عَلَيْهِ السَّلَامُ يَا رَبِّ عَلِّمْنِيْ شَيْئًا اَذْكُرُكَ بِهٖ اَوْ اَدْعُوْكَ بِهٖ فَقَالَ يَا مُوْسٰى قُلْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ فَقَالَ يَا رَبِّ كُلُّ

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا موسیٰ علیہ السلام نے اپنے رب سے عرض کیا اے میرے رب مجھے ایسی چیز سکھا جس کے ساتھ میں تیرا ذکر کروں یا جس کے ساتھ میں تجھے پکاروں[1]۔ فرمایا اے موسیٰ کہہ لا الہ الا اللہ۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا اے میرے رب تیرے سارے بندے

عِبَادُكَ يَقُوْلُ هٰذَا اِنَّمَا اُرِيْدُ شَيْئًا تَخُصُّنِيْ بِهٖ قَالَ يَا مُوْسٰى لَوْ اَنَّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعَ وَعَامِرُهُنَّ غَيْرِيْ وَ الْاَرَضِيْنَ السَّبْعَ وُضِعْنَ فِيْ كِفَّةٍ وَّلَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ فِيْ كِفَّةٍ لَمَالَتْ بِهِنَّ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ۔ (رَوَاهُ فِيْ شَرْحِ السُّنَّةِ)

یہ کلمہ پڑھتے ہیں میں تو ایسی چیز چاہتا ہوں جو تو میرے لیے خاص کرے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے موسیٰ اگر ساتوں آسمان اور میرے سوا انہیں آباد کرنے والی ہر چیز[۳] اور ساتوں زمینیں ان سب کو ایک پلے میں رکھا جائے اور لا الٰہ الا اللہ کو دوسرے پلے میں رکھا جائے تو لا الٰہ الا اللہ والا پلڑا[۴] بھاری ہو جائے گا۔ اسے شرح السنۃ میں روایت کیا۔

[۱] یہ راوی کا شک ہے کہ حدیث میں اذکرک بہ آیا ہے یا ادعوک بہ آیا ہے بعض نسخوں میں لفظ او کی جگہ واو ادعوک بہ آیا ہے۔ پس مطلب یہ ہوگا کہ یا اللہ مجھے سکھا کہ میں کس طرح تیرا ذکر کروں اور تجھ سے دعا مانگوں۔

[۲] یعنی ایسا خاص ذکر اور خاص دعا مجھے بتلا جس میں میرے ساتھ دوسرے لوگ شریک نہ ہوں۔

[۳] یعنی تمام اہل آسمان اور فرشتے اللہ تعالیٰ کی ذات پاک کا استثنا آسمانوں کو آباد کرنے والی اشیاء سے بطور مجاز و انقطاع ہے۔ یہاں حدیث میں واقع لفظ عامر بمعنیٰ اصلاح کرنے والا اور خلل اور خرابی سے حفاظت کرنے والے کے معنیٰ میں بھی آتا ہے۔ اس صورت میں استثنا اپنی حقیقت پر ہوگا۔ یہاں زمینوں کے آباد کرنے والے کا ذکر نہیں کیا یا تو ان کی کمی کی وجہ سے یا آسمانوں میں ذکر پر کفایت کرتے ہوئے اس کا ذکر نہیں فرمایا۔

[۴] یعنی آسمانوں زمینوں اور ان میں بسنے والی تمام مخلوقات کے وزن سے اس کا وزن بھاری ہوگا۔

وَعَنْ اَبِيْ سَعِيْدٍ وَاَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَالَ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اللّٰهُ اَكْبَرُ صَدَّقَهٗ رَبُّهٗ قَالَ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اَنَا وَاَنَا اَكْبَرُ وَاِذَا قَالَ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ يَقُوْلُ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اَنَا وَحْدِيْ لَا شَرِيْكَ لِيْ وَاِذَا قَالَ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اَنَا لِيَ الْمُلْكُ وَلِيَ الْحَمْدُ وَاِذَا

حضرت ابوسعید و ابوہریرہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے دونوں فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص کہتا ہے لا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر تو اللہ تعالیٰ اس کی تصدیق کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے لا الٰہ الا انا وانا اکبر اور جب بندہ کہتا ہے لا الٰہ الا اللہ وحدہ لاشریک لہ تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے لا الٰہ الا انا وحدی لاشریک لی اور جب بندہ کہتا ہے لا الٰہ الا اللہ لہ الملک ولہ الحمد تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے لا الٰہ الا انا لی الملک ولی الحمد اور جب بندہ کہتا ہے لا الٰہ الا اللہ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ تو خدائے تعالیٰ

قَالَ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ قَالَ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اَنَا لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِيْ وَكَانَ يَقُوْلُ مَنْ قَالَهَا فِيْ مَرَضِهٖ ثُمَّ مَاتَ لَمْ تَطْعَمْهُ النَّارُ۔
(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ)

فرماتا ہے لا اِلٰہ الّا انا ولا حول ولا قوۃ الا بی[1] اور حضور علیہ السلام فرمایا کرتے تھے جو شخص یہ کلمات اپنی بیماری کے دوران کہتا ہے پھر مرجاتا ہے تو اُسے دوزخ کی آگ نہ کھائے گی اسے ترمذی اور ابن ماجہ نے روایت کیا۔

[1] یعنی اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے بندے کی بات کو اور اس کے ان اقوال کو صحیح قرار دیتا ہے اور اپنے بندے کے موافق وہ بھی ایسا ہی فرماتا اور اُسے قبول کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا بھی ان کلمات کو پڑھنا ان کلمات کی فضیلت کو ظاہر کرتا ہے۔

وَعَنْ سَعْدِ بْنِ اَبِيْ وَقَّاصٍ اَنَّهٗ دَخَلَ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى امْرَاَةٍ وَّبَيْنَ يَدَيْهَا نَوًى اَوْ حَصًى تُسَبِّحُ بِهٖ فَقَالَ اَلَا اُخْبِرُكِ بِمَا هُوَ اَيْسَرُ عَلَيْكِ مِنْ هٰذَا اَوْ اَفْضَلُ سُبْحَانَ اللّٰهِ عَدَدَ مَا خَلَقَ فِي السَّمَآءِ وَسُبْحٰنَ اللّٰهِ عَدَدَ مَا خَلَقَ فِي الْاَرْضِ وَسُبْحَانَ اللّٰهِ عَدَدَ مَا بَيْنَ ذٰلِكَ وَسُبْحَانَ اللّٰهِ عَدَدَ مَا هُوَ خَالِقٌ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ مِثْلَ ذٰلِكَ وَلَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مِثْلَ ذٰلِكَ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ مِثْلَ ذٰلِكَ۔

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک عورت کے پاس گئے[1] جب کہ اس عورت کے سامنے کھجور کی گٹھلیاں یا[2] کنکریاں تھیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ میں تجھے ایسی چیز نہ بتاؤں جو اس سے بھی تیرے لیے آسان اور افضل[3] بھی ہو وہ یہ ہے سبحان اللہ عدد ما خلق فی السماء وسبحان اللہ عدد ما خلق فی الارض۔ وسبحان اللہ عدد ما بین ذلک و سبحان اللہ عدد ما ھو خالق واللہ اکبر مثل[4] ذلک والحمد للہ مثل ذلک ولا الٰہ الا اللہ مثل ذلک ولا حول ولا قوۃ الا باللہ مثل ذلک۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَ اَبُوْ دَاؤُدَ) وَ قَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ۔

اسے ترمذی اور ابوداؤد نے روایت کیا اور ترمذی نے کہا یہ حدیث غریب ہے۔

لہ بعض روایات میں آیا ہے کہ وہ عورت حضرت جویریہ تھیں جو اُمہات المومنین میں سے ہیں یا اُن کے علاوہ کوئی اور عورت تھیں۔ واللہ اعلم۔

ٹلہ یہ راوی کا شک ہے۔ یہ خاتون اُن گٹھلیوں یا کنکریوں پر تسبیح پڑھ رہی تھیں جیسا کہ آج کل بھی متعارف ہے۔ اور حضور علیہ السلام کے زمانے میں ایسا متعارف نہ تھا بعض لوگ بوسیدہ گٹھلیاں یا کنکریوں کو اپنے پاس رکھ لیتے تھے اور اُن پر شمار کرتے تھے۔ بعض لوگ بلے دھاگے وغیرہ میں باندھ لیتے تھے۔ جیسا کہ علامہ سیوطی نے اپنے رسائل میں اس کی تحقیق کی ہے۔

ٹلہ یعنی تعداد اور شمار کے لحاظ سے افضل ہے۔

ٹلہ یعنی حضور علیہ السلام نے واللہ اکبر عدد ما خلق فی السماء الا آخرہ پڑھا۔ اور یہ بھی احتمال ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے عدد ما خلق فی السما الی آخرہ کی جگہ لفظ مثل ذلک استعمال فرمایا ہو۔

وَ عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍؓ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ سَبَّحَ اللّٰهَ مِائَةً بِالْغَدَاةِ وَ مِائَةً بِالْعَشِيِّ كَانَ كَمَنْ حَجَّ مِائَةَ حَجَّةٍ وَ مَنْ حَمِدَ اللّٰهَ مِائَةً بِالْغَدَاةِ وَ مِائَةً بِالْعَشِيِّ كَانَ كَمَنْ حَمَلَ عَلٰى مِائَةِ فَرَسٍ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ مَنْ هَلَّلَ اللّٰهَ مِائَةً بِالْغَدَاةِ وَ مِائَةً بِالْعَشِيِّ كَانَ كَمَنْ اَعْتَقَ مِائَةَ رَقَبَةٍ مِنْ وُلْدِ اِسْمٰعِيْلَ وَ مَنْ كَبَّرَ

حضرت عمرو بن شعیب رضی اللہ عنہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے صبح کے وقت سو بار اللہ کی تسبیح کی یعنی سبحان اللہ کہا اور سو بار شام کی تو وہ ایسا ہے جیسا کسی نے سو حج کیے ہوں۔ اور جس نے صبح کے وقت سو دفعہ اللہ کی حمد کی اور شام کو بھی سو بار حمد کی یعنی سو بار الحمد للہ کہا اُس کی مثال اس شخص جیسی ہے جس نے سو گھوڑوں پر مجاہدین فی سبیل اللہ کو جہاد کے لیے بھیجا اور جس شخص نے سو بار کلمہ لا الٰہ الا اللہ صبح کو پڑھا اور شام کو بھی سو مرتبہ تو وہ اُس شخص کی طرح ہے جس نے سو گردنیں اولادِ اسماعیلؑ میں

اللہَ مِائَۃً بِالْغَدَاۃِ وَ مِائَۃً بِالْعَشِیِّ لَمْ یَاْتِ فِیْ ذٰلِکَ الْیَوْمِ اَحَدٌ بِاَکْثَرَ مِمَّا اَتٰی بِہٖ اِلَّا مَنْ قَالَ مِثْلَ ذٰلِکَ اَوْ زَادَ عَلٰی مَا قَالَ۔

سے آزاد کیں۔ اور جس نے سو بار صبح کو اللہ اکبر کہا اور شام کو بھی سو مرتبہ تو کوئی شخص بھی اس دن اس سے زیادہ ثواب والا نہ ہوگا جو اس نے کیا مگر وہ شخص جس نے اسی کی مثل کہا یا اس سے زیادہ کہا جو اس نے پڑھا۔

(رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ) (ترمذی)

وَقَالَ ھٰذَا حَدِیْثٌ حَسَنٌ غَرِیْبٌ

اور کہا یہ حدیث حسن غریب ہے۔

[1] اس قسم کی گفتگو کو کامل کے ساتھ ناقص کو ملا دینا کہتے ہیں۔ اس عمل کی فضیلت کے لیے اس قسم کی گفتگو مبالغے کے طور پر ہوتی ہے۔ بعض کہتے ہیں شاید کہ ایسی صورت میں اصل سے کئی گنا زیادہ ثواب ملتا ہے اس کے باوجود یہ حدیث ذکر خدا کی فضیلت اور اس کے کمال پر دلالت کرتی ہے اور اللہ کا فضل بڑا وسیع ہے۔

[2] علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ کیا خالص عربوں کو غلام بنانا جائز ہے یا نہیں۔ بعض کہتے ہیں عرب کے مشرکوں میں دو ہی صورتیں ہیں یا انہیں قتل کیا جائے یا وہ ایمان لے آئیں یہ حدیث قول اول کو ثابت کرتی ہے یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کسی نے غفلت اور نادانستہ طور پر قیدی اور غلام بنایا ہو۔ بعض کہتے ہیں یہ مبالغہ ہے۔

[3] اس حدیث میں بھی ویسا ہی کلام ہے جیسا کہ حضرت ابوہریرہ کی بات والی حدیث میں فصل اول میں گزرا ہے۔

وَعَنْ عَبْدِ اللہِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَلتَّسْبِیْحُ نِصْفُ الْمِیْزَانِ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ یَمْلَؤُہٗ وَ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہُ لَیْسَ لَھَا حِجَابٌ دُوْنَ اللہِ حَتّٰی تَخْلُصَ اِلَیْہِ۔

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تسبیح نصف[1] میزان ہے اور الحمد للہ میزان کو بھر دے گی اور لا الٰہ الا اللہ ایسا کلمہ ہے کہ اس کے درمیان اور اللہ تعالیٰ کے درمیان کوئی پردہ نہیں ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کے حضور میں پہنچا رہتا ہے۔

(رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ) (ترمذی)

وَقَالَ ھٰذَا حَدِیْثٌ غَرِیْبٌ وَلَیْسَ اِسْنَادُہٗ بِالْقَوِیِّ۔

اور کہا یہ حدیث غریب ہے اس کا اسناد قوی نہیں۔

[1] یعنی تسبیح ایک طرف اور باقی تمام اعمال ایک طرف یہ تسبیح ان سب کے برابر ہوگی۔

۵ یعنی حمد اس تمام میزان کو بھر دے گی اور لفظ الحمد للہ سبحان اللہ سے زیادہ افضل ہے۔ کیونکہ الحمد للہ خدا کی نعمتوں کا شکر ہے اور شکر مزید نعمتوں کو لاتا ہے تو الحمد للہ کا ثواب اکثر اور زیادہ ہوگا۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس سے مراد ہو کہ الحمد للہ سبحان اللہ کے برابر اور مساوی ہے کہ نصف وہ اور نصف یہ دونوں کے ثواب سے مل کر ترازو کا پلہ پر ہو جائے گا واللہ اعلم۔

۶ کہ راستے میں اس کے لیے کسی قسم کی رکاوٹ نہیں ہوتی کیونکہ وہ حق کی توحید ہے اور توحید اللہ کے ساتھ قائم ہے۔

وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَا قَالَ عَبْدٌ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُخْلِصًا قَطُّ اِلَّا فُتِحَتْ لَهٗ اَبْوَابُ السَّمَآءِ حَتّٰی یُفْضِیَ اِلَی الْعَرْشِ مَا اجْتَنَبَ الْكَبَآئِرَ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ) وَقَالَ هٰذَا حَدِیْثٌ غَرِیْبٌ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بندہ مخلص طریقہ سے ہرگز لا الہ الا اللہ نہیں کہتا مگر اس کے لیے آسمان کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ وہ عرش تک پہنچ جاتا ہے[1] جبکہ وہ کبیرہ[2] گناہوں سے بچتا ہو (ترمذی) اور کہا یہ حدیث غریب ہے۔

۱ جو کہ خدائے تعالیٰ کی عظمت وکبریا کا مقام ہے دراصل یہ کنایہ ہے اس بات سے کہ یہ کلمات خدائے تعالیٰ تک پہنچ جاتے ہیں جیسا کہ گزشتہ حدیث میں گزرا۔

۲ یعنی جب کہ وہ کبیرہ گناہوں سے پرہیز کرے اور ان سے الگ رہے۔ کبیرہ گناہوں سے بچنے کی شرط اس لیے لگائی کہ کبیرہ گناہوں سے بچنے والے کی نیکی جلد قبول ہوتی اور اللہ کی بارگاہ میں پہنچتی ہے کیونکہ ایمان عمل کے بغیر ناقص ہوتا ہے اور ایمان کا بلند مقام خلاص سے نصیب ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے (والعمل الصالح یرفعہ)

وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَقِیْتُ اِبْرَاهِیْمَ لَیْلَةَ اُسْرِیَ بِیْ فَقَالَ یَا مُحَمَّدُ اَقْرِئْ اُمَّتَكَ مِنِّی السَّلَامَ وَاَخْبِرْهُمْ اَنَّ الْجَنَّةَ طَیِّبَةُ التُّرْبَةِ عَذْبَةُ الْمَآءِ وَاَنَّهَا قِیْعَانٌ وَّاَنَّ غِرَاسَهَا

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں لیلۃ المعراج[1] میں حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ملا تو حضرت ابراہیم نے فرمایا اے محمد میری طرف سے اپنی امت کو سلام[2] کہہ دینا۔ اور انہیں خبر دو کہ بے شک جنت اچھی اور پاک زمین والی ہے اس کا پانی بھی میٹھا ہوتا ہے اور بے شک وہ ہموار زمین ہے مگر اس میں درخت نہیں ہیں

سُبْحَانَ اللّٰهِ وَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اللّٰهُ اَكْبَرُ۔

اور بے شک اُس کے درخت یہ کلمات ہیں سبحان اللہ والحمد للہ ولا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر[۳]

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ) (ترمذی)

وَ قَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ غَرِيْبٌ اِسْنَادًا۔

اور فرمایا یہ حدیث سند کے لحاظ سے حسن غریب ہے۔

[۱] یعنی اُس رات جب کہ آپ کو شب معراج مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک لے گئے۔

[۲] یعنی اپنی امت کو میری طرف سے سلام کہہ دینا۔ یہاں حدیث میں لفظ اقرأ آیا ہے ہمزہ کی زبر را کے نیچے زیر یہ اقراء سے بنا ہے۔ یعنی پڑھا دینا۔ بعض نسخوں میں اقرء آیا ہے یعنی ہمزہ کی زیر اور را کی زبر سے یہ قرارت سے بنا ہے یعنی میری طرف سے اپنی امت کو سلام کہنا۔ اس لفظ کی تحقیق کتاب میں دوسری جگہ کر دی گئی ہے۔

[۳] یعنی لوگوں کے اعمال کی جزا کے طور پر جنت میں درخت لگائے جائیں گے ان کلمات مذکورہ میں سے ہر کلمے کے عوض بہشت میں درخت لگایا جاتا ہے اور جبکہ جنت کے درخت ان کلمات کی جزا ہیں تو گویا بعینہٖ یہ کلمات وہاں کے درخت ہیں یہاں حدیث میں لفظ قیعان آیا ہے جو قاع بمعنیٰ ایسی ہموار زمین ہے جس میں درخت اور پودے نہ ہوں۔ حدیث میں دوسرا لفظ غراس آیا ہے جو غرس سے بنا ہے۔ غرس بمعنیٰ درخت لگانا اور غرس بمعنیٰ پودا۔

وَ عَنْ يُسَيْرَةَ بِنْتِ يَاسِرٍ وَكَانَتْ مِنَ الْمُهَاجِرَاتِ قَالَتْ قَالَ لَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَيْكُنَّ بِالتَّسْبِيْحِ وَ التَّهْلِيْلِ وَ التَّقْدِيْسِ وَاعْقِدْنَ بِالْاَنَامِلِ فَاِنَّهُنَّ مَسْئُوْلَاتٌ مُسْتَنْطَقَاتٌ وَ لَا تَغْفُلْنَ فَتَنْسَيْنَ الرَّحْمَةَ۔

حضرت یسیرہ[۱] بنت یاسر رضی اللہ عنہا سے روایت ہے آپ مہاجر عورتوں میں سے تھیں۔ فرماتی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے فرمایا اے عورتو تسبیح وتہلیل اور تقدیس اپنے پر لازم کر لو اور انگلیوں کے ساتھ گرہ[۲] لگایا کرو بے شک انگلیوں سے بھی پوچھا[۳] جائے گا اور اُن سے بھی کلام کرایا[۴] جائے گا۔ لہٰذا ذکر خدا سے غفلت[۵] نہ کرو تاکہ ایسا نہ ہو کہ تمہیں خدا کی رحمت سے محروم کر دیا جائے۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْ دَاوُدَ)

اسے ترمذی وابوداؤد نے روایت کیا۔

[۱] یا اول کی پیش اور یا ثانی ساکن سین پر زبر اور ایک روایت میں یا کی جگہ پیش والا ہمزہ آیا ہے یعنی اُسیرہ آپ صحابی عورت ہیں اور اُن خواتین میں سے ہیں جنہوں نے مکہ معظمہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کی۔ بعض کہتے ہیں آپ انصاری عورتوں میں سے ہیں مگر پہلا قول زیادہ صحیح ہے۔

۲؎ یعنی اے عورتو خدا کی یاد اپنے پر لازم جانو اور اس کی پاکیزگی اور ثنا صفات بیان کرو۔ اور یوں کہو سبوح۔ قدوس ربنا ورب الملئکۃ والروح یا یوں کہو سبحان الملک القدوس یا ایسے الفاظ کہو جن کے یہ معنیٰ ہوں جیسا کہ علماء نے فرمایا ہے۔

۳؎ یعنی اللہ کی تسبیح وغیرہ کو انگلیوں سے شمار کرو۔ اور اہل حساب انگلیوں کے ساتھ گننے کے لیے اپنے ہاں مقرر طریقے رکھتے ہیں۔

۴؎ یعنی قیامت کے دن سوال کیا جائے گا کہ کیا انگلیوں کے ساتھ تم نے اللہ کی تسبیحات کو گنا یا نہیں۔

۵؎ جس طرح دوسرے تمام اعضاء بولیں گے اور ان کے خلاف گواہی دیں گے۔

۶؎ یعنی خدائے تعالیٰ کے ذکر اور اس کی تسبیح وتقدیس سے غافل نہ ہونا۔ تاکہ ایسا نہ ہو کہ تمہیں بھلا دیا جائے اور رحمت سے محروم کردیا جائے۔ ایک روایت میں بصیغہ معلوم بھی آیا ہے جس کا معنیٰ ہے ایسا نہ ہو کہ تمہیں خدا کی رحمت سے محروم ہونا پڑے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

عَنْ سَعْدِ بْنِ اَبِیْ وَقَّاصٍ قَالَ جَاءَ اَعْرَابِیٌّ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ عَلِّمْنِیْ كَلَامًا اَقُوْلُهٗ قَالَ قُلْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ اَللّٰهُ اَكْبَرُ كَبِيْرًا وَّ الْحَمْدُ لِلّٰهِ كَثِيْرًا وَّ سُبْحَانَ اللّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ قَالَ فَهٰؤُلَاءِ لِرَبِّیْ فَمَا لِیْ فَقَالَ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِیْ وَارْحَمْنِیْ وَاهْدِنِیْ وَارْزُقْنِیْ وَعَافِنِیْ شَكَّ الرَّاوِیْ فِیْ عَافِنِیْ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک اعرابی آیا اور عرض کیا مجھے ایسا کلام سکھائیے جو میں کہوں تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا یوں کہہ لا الٰہ الا اللہ وحدہٗ لا شریک لہ اللہ اکبر کبیرا والحمد للہ کثیرا وسبحان اللہ رب العالمین لاحول ولا قوۃ الا باللہ العزیز الحکیم۔ ترجمہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ وحدہٗ لاشریک ہے اللہ بڑا ہے بہت بڑا ہے کثرت سے اسی کے لیے حمد وثنا ہے پاک ہے اللہ جو رب العالمین ہے اور کوئی طاقت اور قوت نہیں مگر اللہ غالب اور حکیم کے ساتھ۔ اعرابی نے کہا یہ سارے کلمات تو میرے رب کے لیے ہوئے میرے لیے کیا ہے۔ اس پر حضور علیہ السلام نے فرمایا یوں کہہ اللّٰھم یعنی اے اللہ مجھے بخش دے مجھ پر رحم فرما مجھے ہدایت دے اور مجھے رزق عطا فرما اور مجھے عافیت عطا فرما راوی کو لفظ عافنی میں شک ہے کہ حدیث میں یہ لفظ ہے یا نہیں (مسلم)

لہ ایک روایت میں العزیز الحکیم کی جگہ العلی العظیم آیا ہے اعرابی نے کہا کہ یہ الفاظ تو خدائے تعالیٰ کی حمد و ثنا ہوئی میرے لیے کیا ہوا کہ میں اپنے لیے دعا کروں اور اپنے لیے خیر طلب کروں۔

وَعَنْ اَنَسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرَّ عَلٰى شَجَرَةٍ يَابِسَةِ الْوَرَقِ فَضَرَبَهَا بِعَصَاهُ فَتَنَاثَرَ الْوَرَقُ فَقَالَ اِنَّ الْحَمْدَ لِلّٰهِ وَسُبْحَانَ اللّٰهِ وَلَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ تُسَاقِطُ ذُنُوْبَ الْعِبَادِ كَمَا يَتَسَاقَطُ وَرَقُ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ) وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک سوکھے ہوئے پتوں والے درخت کے پاس سے گزرے آپ نے اس درخت کو اپنے عصا شریف سے مارا تو اس درخت کے پتے جھڑ گئے آپ نے فرمایا بے شک الحمد للہ و سبحان اللہ ولا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر کا پڑھنا بندے کے گناہوں کو اس طرح گراتا ہے جس طرح اس درخت کے پتے گرتے ہیں۔ (ترمذی)

اور فرمایا یہ حدیث غریب ہے

وَعَنْ مَكْحُوْلٍ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَكْثِرْ مِنْ قَوْلِ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ كَنْزِ الْجَنَّةِ قَالَ مَكْحُوْلٌ فَمَنْ قَالَ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ وَلَا مَنْجَا مِنَ اللّٰهِ اِلَّا اِلَيْهِ كَشَفَ اللّٰهُ عَنْهُ سَبْعِيْنَ بَابًا مِّنَ الضُّرِّ اَدْنَاهَا الْفَقْرُ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ) وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ لَيْسَ

حضرت مکحول سے روایت ہے وہ حضرت ابوہریرہ سے روایت کرتے ہیں ابوہریرہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا لاحول ولا قوۃ الا باللہ کثرت سے پڑھا کر کیونکہ بے شک یہ جنت کے خزانوں میں سے ایک خزانہ ہے۔ حضرت مکحول فرماتے ہیں جو شخص لاحول ولا قوۃ الا باللہ پڑھتا ہے اور ساتھ یہ بھی پڑھتا ہے لا منجا من اللہ الا الیہ تو اللہ تعالیٰ اس سے تکلیفوں کے ستر دروازے کھول دیتا ہے (ستر تکلیفیں دور کر دیتا ہے) ان میں سے سب سے چھوٹا دروازہ فقر اور محتاجی کا دروازہ ہے۔ (ترمذی)

اور کہا یہ حدیث اسناد کے اعتبار سے

اِسْنَادُهٗ بِمُتَّصِلٍ وَ مَكْحُوْلٌ | متصل نہیں ہے اور مکحول نے ابو ہریرہ سے یہ
لَمْ يَسْمَعْ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ۔ | حدیث نہیں سنی۔[۵]

۱؎ حضرت مکحول شامی علماء میں سے ہیں اور مشہور تابعین میں سے ہیں۔

۲؎ کیونکہ اس میں نفس کے حیلے اور اس کی توانائی سے برأت کا اعلان ہے۔ کیونکہ نفس کے حیلے اور اس کی توانائی فنا اور توکل کے راستے پر چلنے میں رکاوٹ ہے۔ شیخ امام قطب ابوالحسن شاذلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں مجھے اپنے سفرِ سیاحت کے دوران ایک مردِ خدا کی صحبت نصیب ہوئی۔ اس نے مجھے وصیت کی کہ نیک اقوال میں اچھے افعال پر کلمہ لاحول ولا قوۃ الا باللہ سے بڑھ کر کوئی قول زیادہ ممد و معاون نہیں کیونکہ اس کلمے کے ذریعے بندہ اپنے نفس سے بھاگتا اور خدا کی طرف جاتا ہے اور اس کے نفس کو مضبوطی سے تھامتا ہے جیسا کہ قرآن حکیم میں فرمایا وَمَنْ يَّعْتَصِمْ بِاللّٰهِ فَقَدْ هُدِيَ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ یعنی جس شخص نے خدا کی ذات کو مضبوطی سے تھام لیا تو اسے صراط مستقیم پر چلنے کی ہدایت نصیب ہو گئی۔ ابوالحسن شاذلی کا کلام ختم ہوا۔

۳؎ اس لفظ کا ترجمہ یہ ہے نہیں ہے گناہ سے بچنے کا کوئی حیلہ اور نہ اطاعت اور فرمانبرداری کی توانائی مگر خدا کی توفیق سے۔

۴؎ اور نہیں ہے اللہ تعالیٰ سے گریز اور فرار مگر اس کی طرف۔ بعض روایتوں میں یہاں منجا کی جگہ ملجا بھی آیا ہے۔ لفظ منجا مقصور ہے اور لفظ ملجا ممدود ہے۔

۵؎ ذہبی نے کاشف میں فرمایا کہ مکحول حضرت عائشہ سے روایت کرتے ہیں اور حضرت ابوہریرہ سے بھی بطریق ارسال روایت کرتے ہیں۔

وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ دَوَاءٌ مِّنْ تِسْعَةٍ وَّتِسْعِيْنَ دَاءً اَيْسَرُهَا الْهَمُّ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لاحول ولا قوۃ الا باللہ ایک کم سو بیماریوں کی دوا ہے ان میں سب سے کم فکر اور پریشانی[۱] کی بیماری ہے۔

۱؎ فکر اور پریشانی سے طریقت اور باطن کی فکر مراد ہے یعنی نفس میں گرفتاری کی فکر خود بینی اور خود پرستی کی فکر اور شرک خفی کی بیماری یا ہر باطنی و ظاہری فکر و تشویش مراد ہے اور یہ مراد لینا زیادہ ظاہر ہے۔

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلَا اَدُلُّكَ عَلٰى كَلِمَةٍ مِّنْ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں تجھے ایسا کلمہ نہ بتاؤں جو عرش کے نیچے[۱] جنت

تَحْتِ الْعَرْشِ مِنْ كَنْزِ الْجَنَّةِ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللهِ يَقُولُ اللهُ تَعَالَى أَسْلَمَ عَبْدِي وَاسْتَسْلَمَ رَوَاهُمَا الْبَيْهَقِيُّ فِي الدَّعَوَاتِ الْكَبِيرِ۔

کے خزانوں میں سے ہے۔ وہ کلمہ یہ ہے لاحول ولا قوۃ الا باللہ ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میرے بندے نے اسلام قبول کیا میری فرمانبرداری کی اور اعتقاد و اخلاص میں میری اطاعت اختیار کی اور اس نے اپنا سب کچھ میرے حوالے کر دیا۔ ان دونوں حدیثوں کو بیہقی نے الدعوات الکبیر میں روایت کیا۔

لہ جو کہ خدائے سبحانہ کی قدرت اس کی عظمت اور اس کی خاص کبریائی کا مقام ہے۔

۲ لہ بعض نے فرمایا یہاں حدیث میں لفظ اسلم واستسلم دونوں کا ایک ہی معنٰی ہے اور مقصود تکرار و تاکید ہے۔

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّهُ قَالَ سُبْحَانَ اللهِ هِيَ صَلٰوةُ الْخَلَائِقِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ كَلِمَةُ الشُّكْرِ وَلَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ كَلِمَةُ الْإِخْلَاصِ وَاللهُ أَكْبَرُ تَمْلَأُ بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ وَإِذَا قَالَ الْعَبْدُ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللهِ قَالَ اللهُ تَعَالَى أَسْلَمَ وَاسْتَسْلَمَ۔

(رَوَاهُ رَزِيْنٌ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لفظ سبحان اللہ ساری مخلوق کی عبادت لہ ہے اور کلمہ الحمد للہ کلمۂ شکر ہے لا الٰہ الا اللہ کلمہ اخلاص اور اللہ اکبر بھر دیتا ہے ۲ آسمان اور زمین کے درمیانی فاصلے کو اور جو بندہ لاحول ولا قوۃ الا باللہ کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اس بندے نے میری فرمانبرداری اختیار کی اور اپنا سب کچھ میرے حوالے کر دیا۔

(رزین)

لہ یعنی یہ کلمہ ساری مخلوق کی صلوٰۃ و عبادت ہے کیونکہ تمام مخلوق اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تنزیہ کی قائل ہے اور سب اس کا اقرار کرتے ہیں جیسا کہ فرمایا وان من شئ الا یسبح بحمدہ (کوئی چیز نہیں مگر وہ اسی کی تسبیح اور حمد کرتی ہے) دوسری جگہ فرمایا کل قد علم صلاتہ و تسبیحہ یعنی ہر چیز اپنی نماز اور تسبیح کو جانتی ہے اور یہ نماز و تسبیح یا تو زبان حال سے کرتی ہے یا زبان قال سے۔

۲ لہ کیونکہ لفظ اللہ اکبر اللہ تعالیٰ کی بڑائی و عظمت کو محیط و شامل ہے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آسمان اور زمین کے درمیان کے لفظ سے سارا عالم مراد ہو۔

بَابُ الْاِسْتِغْفَارِ وَ التَّوْبَةِ

معافی مانگنے اور توبہ کا باب

لغت میں استغفار کا معنی طلب غفر ہے۔ غفر کا معنی چھپانا اور شرع میں گناہ پوشیدہ کرنے کی طلب کرنا اور گناہوں کو بخشنا لغت میں توبہ کا معنی رجوع آنا ہے۔ شرع شریف میں توبہ کا معنی ہے معصیت سے رجوع کرنا اور اُس سے پشیمان ہونا ایسے مضبوط ارادے کے ساتھ کہ دوبارہ گناہ کی طرف نہیں جائے گا کبھی توبہ کی نسبت خدائے تعالیٰ کی طرف بھی کرتے اور کہتے ہیں تاب اللہ علیہ یعنی خدائے تعالیٰ نے رحمت اور توفیق توبہ سے اُس کی جانب رجوع فرمایا یا شدت سے نرمی کی جانب رجوع فرمایا یا رکاوٹ سے اجازت کی جانب رجوع فرمایا۔ سید الطائفہ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ سے لوگوں نے پوچھا توبہ کسے کہتے ہیں فرمایا گناہ کو بالکل بھلا دینا توبہ کہلاتا ہے۔ یعنی دل سے گناہ کا شمار اس طرح مٹ جائے گویا کہ وہ گناہ کو پہچانتا ہی نہیں۔

حضرت سہل تستری رحمۃ اللہ علیہ سے لوگوں نے پوچھا کہ توبہ کیا چیز ہے آپ نے فرمایا توبہ یہ ہے کہ تو گناہ کو بالکل فراموش نہ کرے جیسا کہ کتاب تعرف میں ہے۔ شرح تعرف میں فرمایا کہ حضرت سہل تستری نے مریدین کے حال کی جانب اشارہ فرمایا کیونکہ مریدین خوفِ سزا اور زیادتی مجاہدہ کے تحت اپنے گناہ کو کبھی نہیں بھولتے۔ اور حضرت جنیدہ نے اپنے قول میں محققین کی توبہ کا بیان کیا کہ وہ دوام ذکر اور دل پر عظمتِ خدا کے غلبے کی وجہ سے گناہ کو بالکل یاد ہی نہیں کرتے کیونکہ حالت وفا میں جفا کا ذکر کرنا ٹھیک نہیں ہوتا بعض نے کہا گناہ کو بھول جانے سے مراد یہ ہے کہ بندہ گناہ کی طرف دوبارہ نہ آئے۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ
پہلی فصل

عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاللّٰهِ اِنِّيْ لَاَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ وَاَتُوْبُ اِلَيْهِ فِي الْيَوْمِ اَكْثَرَ مِنْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کی قسم میں ایک دن میں اللہ سے ستر دفعہ بخشش مانگتا اور اُس کے حضور توبہ کرتا ہوں۔

(بخاری)

وَعَنِ الْاَغَرِّ الْمُزَنِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّهٗ لَيُغَانُ عَلٰى قَلْبِيْ وَ اِنِّيْ لَاَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ فِي الْيَوْمِ مِائَةَ مَرَّةٍ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)	حضرت اغر مزنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک امر واقع یہ ہے کہ میرے دل پر بھی پردہ سا چھا جاتا ہے اور بے شک میں ایک دن میں سو بار اللہ سے استغفار کرتا ہوں۔ (مسلم)

۱؎ ھمزہ کی زبر اور غین کی زبر۔ راشد دے۔ مزنی میم کی پیش زا کی زبر۔ یہ قبیلہ مزینہ کی طرف منسوب ہے یہ عربوں کا مشہور قبیلہ ہے۔ آپ صحابی ہیں اہل کوفہ میں شمار ہوتے ہیں بعض نے انہیں اہل بصرہ میں شمار کیا ہے۔

۲؎ یہاں حدیث میں لفظ لیغان آیا ہے جو غین سے نکلا ہے غین بمعنٰی بادل۔ صراح میں فرمایا غین بمعنٰی ابر دیری گی بعض نے کہا کہ غین باریک بادل کو کہتے ہیں۔

واضح ہو کہ علماء و عرفا اس حدیث کا معنٰی بیان کرنے میں بڑے حیران اور سرگردان ہیں اور یہ بات ٹھیک بھی ہے کہ وہ حیران و پریشان ہوں کیونکہ کسی بھی شخص کی مجال نہیں کہ وہ قلب مصطفوی کی حقیقت کے بارے میں کچھ جان سکے اور اُن حالات کے بارے میں کچھ بیان کر سکے جو آپ کے قلب اطہر کو عارض ہوتے ہیں۔ اس بارے میں جو کچھ بھی کہا گیا ہے یا کہا جاتا ہے ظن و تخمینے سے ہی کہا جا سکتا ہے۔ اگرچہ کوئی شخص کشف و یقین کا ہی دعوٰی کیوں نہ کرے ہاں اتنا ضرور ہے کہ بعض محققین، عارفین کے باطن میں حضور نبی پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نور مبین کا پرتو پڑتا ہے۔ واللہ اعلم

پس بعض علماء یوں فرماتے ہیں کہ آپ کے دل پر پردے کا آنا دنیا و آخرت میں اُمت کے متعلق غم اور پریشانی کی وجہ سے تھا کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام دنیا سے جانے کے بعد بھی اُمت کے حالات سے واقف تھے اور حضور علیہ السلام اُن کے لیے توبہ و استغفار کرتے تھے۔ لیکن لفظ اتوب الیہ جو گزشتہ حدیث میں گزرا۔ اس معنٰی کا انکار کرتا ہے۔ اسی طرح آئندہ حدیث میں بھی آ رہا ہے کہ اے لوگو! اللہ کے حضور میں توبہ کیا کرو کہ بے شک میں بھی اس کے سامنے دن میں سو بار توبہ کرتا ہوں۔ اسے سمجھو۔

شاید یہاں توبہ سے بھی یہ مراد ہو کہ آپ اُمت کے لیے توبہ نصیب ہونے کی توفیق طلب کرتے تھے۔ بعض فرماتے ہیں کہ دل پر پردہ چھانے سے مراد یہ ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کیونکہ اُمت کے کاروبار اور اُن کے بہتری کے کاموں میں جیسے رشد و ارشاد انہیں ہدایت دینا اپنی بیویوں کے ساتھ خلط ملط کھانا پینا اور دشمنان دین سے جنگ وجہاد میں مصروف رہتے تھے اور یہ باتیں ایسی تھیں جو آپ کے دل کو کمال جمعیت و حضور سے ذرا ہٹاتی تھیں۔ اگرچہ یہ بھی اعظم طاعت و اشرف عبادت تھیں مگر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے علو مقام اور رفعت درجہ اور بارگاہ الٰہی میں منفرد حیثیت کی بناء پر اور حضور کے خلوص قلب اور بلندی ہمت

کی وجہ سے آپ اتنے سے تعلق کو بھی گویا گناہ تصور کرتے اور اس سے استغفار کرتے تھے جیسا کہ کہا گیا ہے "نیک لوگوں کی نیکیاں مقربین کے گناہ ہوتے ہیں"

بعض صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ یہ پردہ انوار کا پردہ تھا اغیار کا پردہ نہ تھا اور یہ اشارہ ہے اس جانب جو بعض عارفین نے کہا ہے کہ حضور نبی پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قلب شریف کی یہ حالت تھی کہ ہر گھڑی صفات حق کے انوار آپ کے دل پر پڑتے تھے اور آپ ہر آن ان تجلیات میں ترقی کرتے چلے جاتے تھے۔ جب آپ اوپر کے درجے میں پہنچتے تو نیچے والے درجے کو اپنے لیے گناہ کی طرح خیال کرتے۔ اس وجہ سے آپ اس نچلے درجے میں ہونے سے استغفار کرتے تھے آپ کے قلب شریف کا حال دائماً اور ہمیشہ ایسا ہی ہوتا تھا۔ اور آپ یہ بھی خیال کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات کے انوار تو گویا ذات کے لیے حجاب ہیں اگرچہ یہ حجابات نورانی ہیں اور اسی جانب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے اس قول مبارک میں ارشاد فرمایا ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ کے لیے نور اور ظلمت کے ستر ہزار پردے ہیں۔

اس مقام میں سب سے بلند ترین کلام اصمعی رحمۃ اللہ علیہ کا کلام ہے جبکہ ان سے اس حدیث کا معنیٰ پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا اے پوچھنے والے اگر تو کسی دوسرے کے قلب کے متعلق پوچھتا تو میں کچھ کہتا اور بیان کرتا جو میں جانتا مگر قلب مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے حال کے بارے میں دم بھی نہیں مار سکتا کہ وہ کیسا ہے۔ بلکہ آپ کے قلب انور کا حال متشابہات میں سے ہے کہ اس میں دم مارنے کی گنجائش نہیں۔

حضرت شیخ توربشتی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ اصمعی کو خیر و برکت عطا کرے کہ وہ نہایت ادب و اجلال اور تعظیم و حرمت کے راستے پر چلے ہیں کیونکہ حضور علیہ السلام کا دل مبارک اللہ تعالیٰ کی وحی اور قرآن اترنے کی جگہ تھی۔ اس کے بعد فرماتے ہیں کہ ہم اس مقام میں دو طریقوں پر چلیں گے۔ ایک یہ کہ ہم یوں کہتے ہیں کہ جب کہ قلب مصطفوی صلی اللہ علیہ السلام تمام ترین کامل ترین روشن ترین اور سب سے عارف ترین دل تھا اور اس کے باوجود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام شریعت کی تشریع اور سنت کی تاسیس میں مصروف ہوتے تھے اور آپ کو یکسانی اور نیچے کے مقام کی طرف ان ضروریات کے لیے نیچے اترنا پڑتا تھا اور بعض دفعہ نفس کی لذتوں کے امتحان میں بھی گزرنا پڑتا تھا۔ احکامِ شریعت کی وضاحت کے لیے اور بشریت کے جائز تقاضوں کو بیان کرنے کے لیے۔ جب آپ کو ان شرعی مقاصد کے تحت بشری تقاضوں کے پورا کرنے کے لیے نیچے کی طرف اترنا پڑتا تھا تو اس وجہ سے آپ کے اصل بلند مقام کی نسبت سے آپ کے دل مبارک پر کچھ کدورت سی آجاتی تھی اور کمال نورانیت میں ذرا سا غبار محسوس ہوتا تھا کیونکہ کوئی چیز جتنی زیادہ رقیق اور جتنی زیادہ صاف ہوگی اتنے ہی اس پر ظاہر کا اثر زیادہ جلدی نمایاں ہوگا۔ اور حضور نبی پاک علیہ السلام جب اپنی اس حالت کو دیکھتے تھے تو اسے گناہ شمار کرتے تھے اور اس سے توبہ و استغفار کرتے تھے۔ اسی وجہ سے جب آپ وضو خانے سے باہر تشریف لاتے تھے زبان مبارک سے غفرانک کہتے تھے کیونکہ ایسے مقام میں آپ زبان سے ذکر نہیں کر سکتے تھے

یہاں دوسرے طریقے سے ہم یوں کہتے ہیں جبکہ خداوند تعالیٰ نے آپ کو تمام عالمین سے برگزیدہ کیا۔ اور ان کی طرف بھیجا تو اللہ تعالیٰ نے یہ بھی چاہا کہ آپ لوگوں کے درمیان رہیں تاکہ لوگ آپ سے نفع حاصل کر سکیں۔ اُس وقت تک کہ لوگ تمام و کمال ارشاد و ہدایت و تکمیل کے مقام کو پالیں اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اگر اس حالت میں رکھا جاتا تھا تو آپ کو حضور و تجلیات الٰہیہ کی فراغت اور فرصت نہیں ملتی تھی۔ بلکہ آپ کو منکر کے سمجھانے اور جاہل کو تعلیم دینے کی بھی ضرورت پیش آتی تھی پس حکمت الٰہی نے اس امر کا تقاضا کیا کہ اس فریضہ ہدایت کو ادا کرنے کے لیے آپ کے دل پر انوار ذات کے آگے کچھ حجاب اور پوشیدگی آپ کے قلب شریف کے لیے پیدا کی جائے تاکہ آپ اس جہاں کے ساتھ مشغول رہ سکیں اور لوگ آپ سے مکمل طور پر حصہ اور نفع حاصل کریں تو حضور علیہ السلام اپنے حال کی نسبت سے اس حالت میں رہنے کو گویا گناہ جانتے اور اس سے استغفار کرتے تھے یہ امام توربشتی کے کلام کا خلاصہ ہے۔ ان کی بیان کردہ پہلی وجہ پہلے معنیٰ کی جانب رجوع کرتی ہے اور وجہ ثانی کا رخ بھی اسی جانب ہے۔

علامہ طیبی نے بھی اس مقام پر دو وجہیں بیان کی ہیں۔ شیخ الوقت شہاب الدین سہروردی نقل فرماتے ہیں کہ ان کی ثانی وجہ دوسری دو وجہوں کے زیادہ قریب ہے جو توربشتی نے ذکر کی ہیں۔ اور رسالہ مرج البحرین میں یہ تمام وجوہ بھی نہایت احسن طریقے سے بیان کر دی گئیں ہیں۔ اس فقیر (عبدالحق) ضعیف کے نزدیک اصمعی کا کلام سب سے بہتر ہے۔ واللہ اعلم۔

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَاۤ اَيُّهَا النَّاسُ تُوْبُوْۤا اِلَى اللّٰهِ فَاِنِّيْ اَتُوْبُ اِلَيْهِ فِي الْيَوْمِ مِائَةَ مَرَّةٍ.
(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

انہی حضرت اغر مزنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے لوگو اللہ تعالیٰ کے حضور توبہ کرو بے شک میں دن میں سو بار اس کے حضور توبہ کرتا ہوں۔
(مسلم)

وَعَنْ اَبِيْ ذَرٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْمَا يَرْوِيْ عَنِ اللّٰهِ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى اَنَّهُ قَالَ يَا عِبَادِيْ اِنِّيْ حَرَّمْتُ الظُّلْمَ عَلٰى نَفْسِيْ وَ جَعَلْتُهُ بَيْنَكُمْ مُحَرَّمًا فَلَا تَظَالَمُوْا يَا

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس بیان میں سے جو اللہ کی طرف سے روایت کیا جاتا ہے یہ بھی ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے میرے بندو بے شک میں نے ظلم کو اپنی ذات پر حرام کر دیا ہے۔ اور میں نے اُسے تمہارے درمیان بھی حرام کیا ہے تو آپس میں ایک دوسرے پر ظلم نہ کرو

عِبَادِیْ کُلُّکُمْ ضَالٌّ اِلَّا مَنْ هَدَیْتُهٗ فَاسْتَهْدُوْنِیْ اَهْدِکُمْ یَا عِبَادِیْ کُلُّکُمْ جَائِعٌ اِلَّا مَنْ اَطْعَمْتُهٗ فَاسْتَطْعِمُوْنِیْ اُطْعِمْکُمْ یَا عِبَادِیْ کُلُّکُمْ عَارٍ اِلَّا مَنْ کَسَوْتُهٗ فَاسْتَکْسُوْنِیْ اَکْسُکُمْ یَا عِبَادِیْ اِنَّکُمْ تُخْطِئُوْنَ بِاللَّیْلِ وَالنَّهَارِ وَاَنَا اَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِیْعًا فَاسْتَغْفِرُوْنِیْ اَغْفِرْلَکُمْ یَا عِبَادِیْ اِنَّکُمْ لَنْ تَبْلُغُوْا ضَرِّیْ فَتَضُرُّوْنِیْ وَلَنْ تَبْلُغُوْا نَفْعِیْ فَتَنْفَعُوْنِیْ یَا عِبَادِیْ لَوْ اَنَّ اَوَّلَکُمْ وَاٰخِرَکُمْ وَاِنْسَکُمْ وَجِنَّکُمْ کَانُوْا عَلٰی اَتْقٰی قَلْبِ رَجُلٍ وَّاحِدٍ مِّنْکُمْ مَا زَادَ ذٰلِکَ فِیْ مُلْکِیْ شَیْئًا یَا عِبَادِیْ لَوْ اَنَّ اَوَّلَکُمْ وَاٰخِرَکُمْ وَاِنْسَکُمْ وَجِنَّکُمْ کَانُوْا عَلٰی اَفْجَرِ قَلْبِ رَجُلٍ وَّاحِدٍ مِّنْکُمْ مَا نَقَصَ ذٰلِکَ مِنْ مُلْکِیْ شَیْئًا یَا عِبَادِیْ لَوْ اَنَّ اَوَّلَکُمْ وَاٰخِرَکُمْ وَاِنْسَکُمْ وَجِنَّکُمْ قَامُوْا فِیْ صَعِیْدٍ وَّاحِدٍ فَسَاَلُوْنِیْ فَاَعْطَیْتُ کُلَّ اِنْسَانٍ مَسْئَلَتَهٗ مَا نَقَصَ ذٰلِکَ مِمَّا عِنْدِیْ اِلَّا کَمَا یَنْقُصُ الْمِخْیَطُ اِذَا

اے میرے بندو! تم سب گمراہ ہو مگر وہ جسے میں ہدایت دوں پس مجھ سے ہدایت طلب کرو میں تمہیں ہدایت دوں گا اے میرے بندو تم سب بھوکے ہو مگر وہ جسے میں کھانا دوں تو تم مجھ سے کھانا مانگو میں تمہیں کھانا دوں گا اے میرے بندو تم سب ننگے ہو مگر جسے میں لباس عطا کروں پس تم لوگ مجھ سے لباس طلب کرو میں تمہیں لباس دوں گا۔ اے میرے بندو بے شک تم لوگ گناہ کرتے ہو رات میں بھی اور دن میں بھی اور میں سارے گناہوں کو بخشتا ہوں تو مجھ سے بخشش طلب کرو میں تمہیں بخش دوں گا اے میرے بندو بے شک تم مجھے کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے ہو بھی تم مجھے پہنچانا چاہو اور اگر تم ہرگز مجھے نفع نہیں پہنچا سکتے جو بھی مجھے نفع پہنچانا چاہو اے میرے بندو اگر تمہارے پہلے تمہارے پچھلے تم میں سے انسان اور تم میں سے جن سب کے سب کسی اعلیٰ ترین مرد کے اعلیٰ درجہ کے تقویٰ والے دل پر ہو جائیں یا تم میں سے کوئی اس حالت کا ہو جائے تو یہ بات میرے ملک میں کسی چیز کو بڑھا نہیں سکتی۔ اے میرے بندو اگر تمہارے پہلے اور تمہارے پچھلے اور تمہارے انسان، تمہارے جن ایک فاسد ترین آدمی کے دل کی حالت پر ہو جائیں یا تم میں سے کوئی ایک اس کی حالت پر ہو جائے تو اس سے میرے ملک میں کسی قسم کی کمی واقع نہیں ہو سکتی اے میرے بندو اگر تمہارے پہلے تمہارے پچھلے تمہارے انسان اور تمہارے جن ایک روئے زمین پر کھڑے ہو جائیں اور مجھ سے

أُدْخِلَ الْبَحْرَ يَا عِبَادِي إِنَّمَا هِيَ أَعْمَالُكُمْ أُحْصِيهَا عَلَيْكُمْ ثُمَّ أُوَفِّيكُمْ إِيَّاهَا فَمَنْ وَجَدَ خَيْرًا فَلْيَحْمَدِ اللّٰهَ وَمَنْ وَجَدَ غَيْرَ ذٰلِكَ فَلَا يَلُومَنَّ إِلَّا نَفْسَهٗ۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

سوال کریں جو وہ چاہیں اور میں ہر ایک انسان کو اس کے سوال کے مطابق عطا کردوں تو جو کچھ میرے پاس ہے اس میں کوئی کمی واقع نہ ہوگی مگر اتنی کمی کہ اگر کوئی شخص سمندر میں سوئی داخل کرے اور اس سے جو پانی لگ کر باہر آئے اے میرے بندو یہ تمہارے اعمال ہی ہیں جن کو میں گن رہا ہوں پھر میں تمہیں ان کا پورا پورا بدلہ دوں گا۔ تو وہ شخص جو خیر کو پائے تو چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کی حمد کرے اور جو شخص اس کے سوا کچھ اور پائے تو وہ نہ ملامت کرے مگر اپنے نفس کو ہی۔ (مسلم)

لے یعنی میں نے اپنی ذات سے ظلم کو بالکل ہی سلب کر رکھا ہے یہ اس امر سے کنایہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ظلم سے بالکل منزہ و مقدس ہے۔ حرام کرنے کا ذکر اگلی عبارت کے ساتھ مناسبت کی بنا پر ہے یعنی میں نے اسے تمہارے اندر بھی حرام کیا ہے۔

۲ لے یعنی حد اعتدال و انصاف سے تجاوز نہ کرو۔

۳ لے یعنی سب کچھ میری طرف سے ہے۔ چاہے دینی نعمت ہو جیسے ہدایت۔ چاہے دنیا کی نعمت ہو جیسے خوراک و لباس۔ مگر پہلی نعمت بعض انسانوں کے ساتھ خاص ہے اور دوسری سب کو عام ہے۔ پس یہ سوال وارد ہو گا کہ الامن کسوتہ فاستکسونی اکسکم۔ استثنا کا تعلق کس سے ہو گا حالانکہ وہ سب کے لیے ثابت ہے اور اس سے کوئی محروم نہیں۔ طیبی نے کہا یہاں طعام اور لباس سے رزق و دولت میں فراخی مراد ہے۔ اے مجمع

۴ لے یہاں حدیث میں تحطیون آیا ہے تا کی پیش طا ساکن طا کی زیر۔

۵ لے یعنی نافرمانی کر کے مجھے کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے۔ یہاں حدیث میں لفظ ضر آیا ہے ض کی پیش اور زبر سے یعنی نقصان پہنچانا یہ لفظ نفع کی ضد ہے جبکہ ض پر پیش ہو یا اگر ض پر زبر ہو تو پھر یہ مصدر ہے۔ جیسا کہ قاموس میں فرمایا اور کتاب مشارق میں فرمایا کہ ضر کے ساتھ جب نفع کا لفظ آیا ہو تو ض پر زبر ہی پڑھی جاتی ہے۔

۶ لے یعنی فرمانبرداری کر کے تم مجھے کوئی نفع نہیں پہنچا سکتے۔ اور بندوں کی معصیت سے درگاہ صمدیت حق کو کوئی نقصان نہیں پہنچ سکتا اور نافرمانوں سے اسے کوئی نفع اور کمال حاصل نہیں ہو سکتا۔ بلکہ دونوں صورتوں میں بندوں کا ہی نفع اور نقصان ہے۔

وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے

قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ فِیْ بَنِیْ اِسْرَآئِیْلَ رَجُلٌ قَتَلَ تِسْعَۃً وَّ تِسْعِیْنَ اِنْسَانًا ثُمَّ خَرَجَ یَسْاَلُ فَاَتٰی رَاھِبًا فَسَاَلَہٗ فَقَالَ اَلَہٗ تَوْبَۃٌ قَالَ لَا فَقَتَلَہٗ وَ جَعَلَ یَسْاَلُ فَقَالَ لَہٗ رَجُلٌ ائْتِ قَرْیَۃَ کَذَا وَ کَذَا فَاَدْرَکَہُ الْمَوْتُ فَنَآءَ بِصَدْرِہٖ نَحْوَھَا فَاخْتَصَمَتْ فِیْہِ مَلٰٓئِکَۃُ الرَّحْمَۃِ وَ مَلٰٓئِکَۃُ الْعَذَابِ فَاَوْحَی اللّٰہُ اِلٰی ھٰذِہٖ اَنْ تَقَرَّبِیْ وَ اِلٰی ھٰذِہٖ اَنْ تَبَاعَدِیْ فَقَالَ قِیْسُوْا مَا بَیْنَھُمَا فَوُجِدَ اِلٰی ھٰذِہٖ اَقْرَبَ بِشِبْرٍ فَغُفِرَ لَہٗ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)

فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بنی اسرائیل میں ایک شخص تھا جس نے ایک کم سو انسانوں کو قتل کیا پھر وہ مسئلہ پوچھنے[1] نکلا تو وہ ایک راہب کے پاس پہنچا اور اس سے پوچھا کہ میری توبہ قبول ہو سکتی ہے[2] اس نے کہا تیری توبہ قبول نہیں ہو سکتی اس نے اسے بھی قتل کر دیا اور پھر اس نے پوچھنا شروع کر دیا تو ایک آدمی نے اس سے کہا کہ فلاں فلاں[3] بستی میں جا وہ ادھر چل پڑا اور راستے میں ہی اسے موت[4] نے آلیا۔ تو اس آدمی نے اپنا سینہ گھسیٹ کر اس بستی کے نزدیک کیا پھر اس کی موت واقع ہو گئی تو اس بندے کے بارے میں رحمت اور عذاب کے فرشتوں میں جھگڑا[5] شروع ہو گیا تو اللہ تعالیٰ نے اس زمین کی طرف وحی[6] بھیجی کہ تو قریب ہو جا اور اس زمین کی طرف وحی بھیجی کہ دور ہو جا۔ پھر فرمایا ان دونوں کے درمیان پیمائش کر تو وہ بندہ صرف ایک بالشت اس بستی کے قریب پایا گیا تو اسے بخش[7] دیا گیا۔ (بخاری و مسلم)

[1] کہ میری توبہ قبول ہو سکتی ہے یا وہ خدا سے مغفرت کی دعا کر سکتا ہے اور استغفار کر سکتا ہے۔ پہلا معنیٰ اگلے قول کہ وہ ایک راہب کے پاس آیا زیادہ مناسب ہے۔

[2] یہاں حدیث میں لفظ اَلِیْ توبۃ آیا ہے۔ بعض نسخوں میں الہٗ توبۃ آیا ہے اور یہ اگرچہ معنیٰ کے لحاظ سے زیادہ ظاہر ہے مگر روایت کے لحاظ سے پہلا لفظ زیادہ صحیح ہے۔

[3] جو کہ رحمت کی جگہ ہے۔ بعض روایتوں میں آتا ہے کہ اس بستی میں ایک عالم ہے جو تیری مشکل حل کرے گا۔

[4] یعنی موت کی علامات ظاہر ہو گئیں۔

[5] یعنی اپنے سینے کو زمین پر گھسیٹا اور اس جانب قریب ہوا جدھر وہ جا رہا تھا یہاں حدیث میں لفظ نا بصدرہٖ آیا ہے یعنی سینے سے کسی جانب لڑھکنا۔

لـ۶ رحمت کے فرشتے کہتے تھے کہ یہ مرحوم و مغفور ہے اور عذاب کے فرشتے کہتے تھے کہ یہ مغضوب و معذب ہے۔

لـ۷ یعنی اُس بستی کی طرف جدھر یہ جا رہا تھا کہ تو اس کے نزدیک ہو جا۔

لـ۸ یعنی ظلم والی بستی سے فرمایا جس سے وہ ہجرت کر کے جا رہا تھا کہ تو میت سے دور ہو جا۔

لـ۹ اس حدیث میں رحمت الٰہی کی وسعت کمال درجہ بیان کی گئی ہے۔ اور یہ بات واضح کی گئی ہے کہ خدائے تعالیٰ کی مغفرت کی بڑی اُمید رکھنی چاہیے مگر اس کے لیے توبہ و استغفار میں صدق نیت ضروری ہے۔

وَ عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ الَّذِیْ نَفْسِیْ بِيَدِهٖ لَوْ لَمْ تُذْنِبُوْا لَذَهَبَ اللّٰهُ بِكُمْ وَ لَجَآءَ بِقَوْمٍ يُّذْنِبُوْنَ فَيَسْتَغْفِرُوْنَ اللّٰهَ فَيَغْفِرُ لَهُمْ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اُس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے اگر تم لوگ گناہ نہیں کرو گے تو اللہ تعالیٰ تمہیں لے جائیگا اور ایسی قوم لائے گا جو گناہ کریں گے پھر اللہ تعالیٰ سے استغفار کریں گے تو اللہ تعالیٰ اُن کو بخش لـ۱ دیں گے۔ (مسلم)

لـ۱ اس سے مقصود اللہ تعالیٰ کا بندے کے گناہوں کو بخشنا اور معاف کرنا ہے تاکہ اللہ تعالیٰ اپنے اسم عفو و غفور کے تقاضے کا اظہار فرمائے۔ بیت

گر جرم ز بندگان نیاید ۔۔۔ عفو تو جمال کے نماید

ترجمہ۔ اگر بندوں سے جرم صادر نہ ہو تو تیرا عفو کیسے اپنا جمال دکھائے۔

اور اس لیے بھی اللہ تعالیٰ مغفرت چاہتا ہے کہ لوگ اس کے حضور توبہ و استغفار کریں اس سے مراد گناہوں پر دلیر کرنا نہیں ہے اور نہ یہ ظاہر کرنا مقصود ہے کہ گناہ کوئی چیز نہیں۔ اس لیے کہ خداوند تعالیٰ نے گناہوں سے روکا ہے اور پیغمبروں کو بھیجا ہے تاکہ لوگوں کو گناہوں سے باز رکھنے سمجھو اور توفیق اللہ تعالیٰ سے ہی حاصل ہوتی ہے۔

وَ عَنْ اَبِیْ مُوْسٰی قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ يَبْسُطُ يَدَهٗ بِاللَّيْلِ لِيَتُوْبَ مُسِيْٓءُ النَّهَارِ وَ يَبْسُطُ يَدَهٗ بِالنَّهَارِ لِيَتُوْبَ مُسِيْٓءُ

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ رات کو اپنا دست رحمت پھیلاتا ہے تاکہ دن کو برائی کرنے والے کی توبہ قبول فرمائے اور دن کو اپنا دست رحمت پھیلاتا ہے لـ۱ تاکہ رات کے وقت برائی

بِاللَّیْلِ حَتّٰی تَطْلُعَ الشَّمْسُ مِنْ مَّغْرِبِهَا۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

کرنے والوں کی توبہ قبول کرے۔ اللہ تعالیٰ ایسا ہی کرتا رہے گا یہاں تک کہ مغرب سے سورج طلوع کریگا۔

(مسلم)

۱؎ ہاتھ پھیلانا مغفرت کی وسعت اور اظہار کرم سے کنایہ ہے۔
۲؎ اس کا بیان کتاب کے آخر میں علامات قیامت کے بیان میں آئے گا۔

وَعَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ الْعَبْدَ اِذَا اعْتَرَفَ ثُمَّ تَابَ تَابَ اللّٰهُ عَلَيْهِ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بندہ جب اپنے گناہ کا اعتراف کرتا ہے پھر توبہ کرتا ہے اور خدائے تعالیٰ کی رحمت کی جانب رجوع کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اُس کی توبہ قبول کرتا اور اپنی رحمت سے اُس کی جانب رجوع کرتا ہے۔

(بخاری ومسلم)

وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ تَابَ قَبْلَ اَنْ تَطْلُعَ الشَّمْسُ مِنْ مَّغْرِبِهَا تَابَ اللّٰهُ عَلَيْهِ۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص مغرب سے سورج طلوع ہونے سے پہلے پہلے توبہ کرے گا اللہ تعالیٰ اُس کی توبہ قبول کرے گا اور اُس پر اپنا فضل وکرم فرما دے گا۔

(مسلم)

وَعَنْ اَنَسٍ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَللّٰهُ اَشَدُّ فَرَحًا بِتَوْبَةِ عَبْدِهٖ حِيْنَ يَتُوْبُ اِلَيْهِ مِنْ اَحَدِكُمْ كَانَتْ رَاحِلَتُهٗ بِاَرْضِ فَلَاةٍ فَانْفَلَتَتْ مِنْهُ وَعَلَيْهَا طَعَامُهٗ وَشَرَابُهٗ فَاَيِسَ مِنْهَا فَاَتٰى شَجَرَةً فَاضْطَجَعَ فِیْ

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ اپنے بندے کی توبہ سے انتہائی خوش ہوتا ہے جبکہ وہ اُس کے حضور توبہ کرتا ہے اُس کی خوشی اس آدمی سے زیادہ ہوتی ہے جس کی سواری جنگل میں گم ہوگئی اور اُس سواری پر اُس کا کھانا اور پانی تھا اور وہ اُس سواری کے دستیاب ہونے سے مایوس ہوگیا تو وہ ایک درخت کے نیچے آیا اور اُس کے سایے کے

ظِلِّهَا قَدْ اَيِسَ مِنْ رَاحِلَتِهٖ فَبَيْنَمَا هُوَ كَذٰلِكَ اِذْ هُوَ قَآئِمَةٌ عِنْدَهٗ فَاَخَذَ بِخِطَامِهَا ثُمَّ قَالَ مِنْ شِدَّةِ الْفَرَحِ اَللّٰهُمَّ اَنْتَ عَبْدِيْ وَ اَنَا رَبُّكَ اَخْطَاَ مِنْ شِدَّةِ الْفَرَحِ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

نیچے سو گیا اس حالت میں کہ وہ اپنی سواری سے ناامید ہو چکا تھا وہ اسی مایوسی کی حالت میں ہوتا ہے کہ اچانک اس کی وہ سواری اُس کے پاس آکر کھڑی ہو جاتی ہے تو وہ اُس کی مہار پکڑ لیتا ہے پھر وہ بندہ شدت خوشی سے یوں کہہ اٹھتا ہے اے اللہ تو میرا بندہ ہے اور میں تیرا رب ہوں یہ خطا وہ انتہائی[1] خوشی کی وجہ سے کرتا ہے۔ (مسلم)

[1] یعنی چاہیے تو یہ تھا کہ وہ یوں کہتا کہ تو میرا پروردگار اور میں تیرا بندہ مقصود تو یہ تھا کہ انتہائی رضائے حق کو بیان کرے اور اس بات کی تشریح ہے کہ ایک شخص جو اپنی گم شدہ اور بھاگی ہوئی چیز کو پاکر بہت ہی خوش ہوتا ہے اور بندہ گناہ گار اللہ تعالیٰ سے بھاگا ہوا بندہ ہے اور اُس کا توبہ کرنا اس طرح ہے جیسا کہ بھاگا ہوا غلام واپس دروازے پر آجائے۔ اسے سمجھو۔

وَ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ عَبْدًا اَذْنَبَ ذَنْبًا فَقَالَ رَبِّ اَذْنَبْتُ فَاغْفِرْهُ فَقَالَ رَبُّهٗ اَعَلِمَ عَبْدِيْ اَنَّ لَهٗ رَبًّا يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ وَ يَاْخُذُ بِهٖ غَفَرْتُ لِعَبْدِيْ ثُمَّ مَكَثَ مَا شَآءَ اللّٰهُ ثُمَّ اَذْنَبَ ذَنْبًا فَقَالَ رَبِّ اَذْنَبْتُ ذَنْبًا فَاغْفِرْهُ فَقَالَ اَعَلِمَ عَبْدِيْ اَنَّ لَهٗ رَبًّا يَغْفِرُ الذَّنْبَ يَاْخُذُ بِهٖ غَفَرْتُ لِعَبْدِيْ ثُمَّ مَكَثَ مَا شَآءَ اللّٰهُ ثُمَّ اَذْنَبَ ذَنْبًا قَالَ رَبِّ اَذْنَبْتُ ذَنْبًا اٰخَرَ فَاغْفِرْهُ لِيْ فَقَالَ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک بندہ گناہ کرتا ہے تو کہتا ہے اے میرے رب میں نے گناہ کیا پس اس گناہ کو بخش دے تو اللہ تعالیٰ فرشتوں سے فرماتا ہے۔ کیا میرا بندہ جانتا ہے کہ اُس کا رب ایسا ہے جو گناہ بخش دیتا ہے میں نے اپنے بندے کا گناہ بخش دیا۔ پھر بندہ جتنا عرصہ اللہ تعالیٰ چاہتا ہے ٹھہرا رہتا ہے یعنی گناہ نہیں کرتا پھر گناہ کرتا ہے۔ پھر کہتا ہے اے میرے رب میں نے گناہ کیا پس اُسے بخش دے اللہ تعالیٰ فرماتا کیا میرا بندہ جانتا ہے کہ اُس کا رب ہے جو اُس کا گناہ بخش دے اور جو اُس کی گرفت بھی کر سکتا ہے میں نے اپنے بندے کا گناہ بخش دیا پھر بندہ جب تک اللہ چاہتا ہے ٹھہرا رہتا ہے یعنی گناہ نہیں کرتا پھر بندہ گناہ کرتا ہے تو عرض کرتا ہے اے میرے رب مجھ سے

أَعَلِمَ عَبْدِي أَنَّ لَهُ رَبًّا يَغْفِرُ الذَّنْبَ وَ يَأْخُذُ بِهٖ غَفَرْتُ لِعَبْدِي فَلْيَفْعَلْ مَا شَاءَ ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

اور گناہ ہو گیا تو میرے لیے دو گنا بخشش دے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کیا میرا بندہ جانتا ہے کہ اس کا رب اس کا گناہ بخش دیتا ہے اور اسے گرفت میں بھی لا سکتا ہے ۔ میں نے اپنے بندے کو بخش دیا ، بندہ جو چاہے کرے۔

(بخاری و مسلم)

لہ اس مرتبہ لفظ لی آیا ہے اور بعض نسخوں میں اول اور دوم مرتبہ بھی لفظ لی موجود ہے مگر صحیح نسخے میں اسی طرح ہے جیسا کہ ہم نے ذکر کیا ۔

نہ ۲ اس سے مقصود استغفار کی فضیلت کا بیان اور یہ ظاہر کرنا مراد ہے کہ استغفار مغفرت میں بڑی تاثیر رکھتا ہے ۔ یہ مطلب نہیں کہ بندہ جتنے چاہے گناہ کرے ۔

وَ عَنْ جُنْدُبٍ[۱] أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَدَّثَ أَنَّ رَجُلًا قَالَ وَ اللّٰهِ لَا يَغْفِرُ اللّٰهُ لِفُلَانٍ وَ إِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى قَالَ مَنْ ذَا الَّذِي يَتَأَلّٰى عَلَيَّ أَنِّي لَا أَغْفِرُ لِفُلَانٍ فَإِنِّي قَدْ غَفَرْتُ لِفُلَانٍ وَ أَحْبَطْتُ عَمَلَكَ أَوْ كَمَا قَالَ ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت جندب[۱] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا کہ ایک شخص نے کہا خدا کی قسم[۲] اللہ فلاں کو نہیں بخشے گا ، اور بیشک اللہ تعالیٰ نے فرمایا کون شخص ہے جو میرے اوپر قسم ڈالتا ہے[۳] کہ میں فلاں کو نہ بخشوں گا بے شک میں نے بخش دیا فلاں کو اور بے شک تیرے سارے عمل ضائع کر دیے[۴] ۔ یا جیسا حضور علیہ السلام نے فرمایا[۵] ۔

(مسلم)

لہ جیم کا پیش نون ساکن دکی پیش اور زبر یہ حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ کا نام ہے آپ اکابر و زاہد صحابہ میں سے ہیں ۔ جندب بعض دوسرے صحابہ کا نام بھی ہے ظاہر یہ ہے کہ یہاں حضرت ابو ذر مراد ہیں ۔

سلہ ۲ ظاہر یہ ہے کہ وہ فلاں شخص اپنے فسق و گناہ پر اڑا ہوا تھا اور اس مرد نے فضول کلام کیا اور یہ قسم کھائی کہ اللہ تعالیٰ اس کو نہیں بخشے گا ۔

سلہ ۳ یہاں حدیث میں لفظ یتألّٰی آیا ہے یعنی ھمزہ اور لام مشدد کا کسرہ ۔ یہ لفظ ایلاء سے بنا ہے بمعنی قسم کھانا ۔

سلہ ۴ یہاں اس مرد سے خطاب ہے جس نے کہا تھا کہ اللہ تعالیٰ فلاں کو نہیں بخشے گا ۔ یا اس سے مراد اس کا قسم والا یہ عمل مراد ہے یعنی میں نے تجھے جھوٹا قرار دیا اور میں نے تیری قسم کو باطل کر دیا ۔ اور میں نے اس کو

بخش دیا۔

۵ یا راوی نے کہا۔ ایسے الفاظ وہاں کہے جاتے ہیں جہاں راوی کو بعینہٖ ہی حدیث کے الفاظ محفوظ نہ رہے ہوں۔ اسے مسلم نے روایت کیا۔ اس حدیث میں اس شخص کو ڈانٹا گیا ہے اور حقیقت پسندی کا راستہ بتایا گیا ہے جو فاسق اور بدکار کے بارے میں یہ کہتا ہے کہ اللہ اسے نہیں بخشے گا بلکہ اسے پکڑلے گا۔ یہی کہا گیا ہے۔ بیت۔

نا امید مکن از سابقۂ روز ازل — تو چہ دانی کہ پس پردہ کہ خوب است و کہ زشت

ترجمہ۔ روز ازل میں جو کچھ ہو چکا ہے مجھے اس سے نا امید نہ کر کہ اے مخاطب تو نہیں جانتا کہ پردے کے پیچھے اچھائی ہے یا برائی۔

عَنْ شَدَّادِ بْنِ اَوْسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَيِّدُ الْاِسْتِغْفَارِ اَنْ تَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ اَنْتَ رَبِّيْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ خَلَقْتَنِيْ وَ اَنَا عَبْدُكَ وَ اَنَا عَلٰى عَهْدِكَ وَ وَعْدِكَ مَا اسْتَطَعْتُ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّ مَا صَنَعْتُ اَبُوْءُ لَكَ بِنِعْمَتِكَ عَلَيَّ وَ اَبُوْءُ بِذَنْبِيْ فَاغْفِرْ لِيْ فَاِنَّهٗ لَا يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اَنْتَ قَالَ وَ مَنْ قَالَهَا مِنَ النَّهَارِ مُوْقِنًا بِهَا فَمَاتَ مِنْ يَوْمِهٖ قَبْلَ اَنْ يُّمْسِيَ فَهُوَ مِنْ اَهْلِ الْجَنَّةِ وَ مَنْ قَالَهَا مِنَ اللَّيْلِ وَ هُوَ مُوْقِنٌ بِهَا فَمَاتَ قَبْلَ اَنْ يُّصْبِحَ فَهُوَ مِنْ اَهْلِ الْجَنَّةِ۔

(رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

حضرت شداد ابن اوس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سید الاستغفار یہ ہے کہ تو کہے اللھم[۱] انت ربی لا الہ إلا انت خلقتنی وأن عبدك وأنا علی عهدك[۲] ووعدك ما استطعت[۳] اعوذ بك من شر ما صنعت[۴] ابوء لك بنعمتك علی۔ فاغفرلی فانه لا یغفر الذنوب إلا أنت۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا جو شخص یہ کلمات یقین سے پڑھ لیتا ہے اور وہ اسی دن فوت ہو جاتا ہے تو وہ اہل جنت میں سے ہے اور جو شخص ان کلمات کو رات کے وقت پڑھتا ہے، ان پر یقین رکھتے ہوئے اور وہ پھر صبح ہونے سے پہلے فوت ہو جاتا ہے تو وہ اہل جنت میں سے ہے۔

(بخاری)

ؔلہ پہلے شین مشدد کے ساتھ اور ہمزہ کی زبر اور واو ساکن۔ آپ انصاری صحابی ہیں۔ حضرت حسان بن ثابت کے بھتیجے ہیں یہ اور ان کے باپ دونوں صحابی ہیں۔

ؔلہ اے اللہ تو میرا رب ہے تیرے سوا کوئی معبود بحق نہیں تو نے مجھے پیدا کیا میں تیرا بندہ ہوں تیرے عہد اور تیرے وعدے پر قائم ہوں جہاں تک مجھ سے ہو سکے اور جو شر بھی تو نے بنایا ہے میں اس سے پناہ مانگتا ہوں میں اعتراف کرتا ہوں اپنے اوپر تیری نعمتوں کا اور میں اپنے گناہ کا بھی اعتراف کرتا ہوں تو مجھے بخش دے بے شک کوئی نہیں بخشنے والا مگر تو ہی۔

ؔلہ یعنی میں تیری عبودیت کے عہد پر قائم ہوں اور جو وعدہ میں نے تجھ سے کیا ہے اگرچہ میں اُسے پورا نہیں کر سکتا اور میں عہد و وعدہ تو نہیں نبھا سکتا مگر تیرے فضل و کرم سے اہل ایمان کے لیے اور تیرے اہل طاعت کے لیے پس میں تیرے عہد پر مقیم اور اعتماد کرنے والا ہوں اور تیرے وعدے کی تصدیق کرنے والا ہوں اور دل باندھ کر تیری امید کے دروازہ پر بیٹھا ہوں اگرچہ مجھ میں ایسی کوئی عبادت نہیں جو ہونی چاہیے۔

ؔلہ یعنی میں اتنی پابندی کر سکتا ہوں جتنی مجھ میں استعداد ہے اتنی نہیں کر سکتا جو تیری درگاہ کے لائق ہو۔ اور جس سے میں تیرا حق ادا کر سکوں کیونکہ وہ بشر کی قدرت اور آدمی کی طاقت سے باہر ہے۔

ؔلہ اور میں تیری ذات کے پاس پناہ لیتا ہوں اُس بدی سے جو مجھ سے سرزد ہو چکی ہے۔ اور اُن گناہوں سے جو مجھ سے ہوئے ہیں بلکہ اس بندگی اور طاعت سے بھی میں پناہ پکڑتا ہوں۔ کیونکہ میری یہ طاعت معنیٰ حسن و احسان سے خالی ہے اور میری اپنی لیاقت اور قوت کے دعوے کو متضمن ہے۔ نعوذ باللہ من ذالک۔

میں تیری نعمت کا اعتراف کرتا ہوں جو کہ میرے اوپر متواتر فیضان کی طرح نازل ہو رہی ہے۔

ؔلہ یعنی ہمیشہ اور دائماً جو گناہ مجھ سے ہوتے ہیں میں اُن کا اعتراف کرتا ہوں اور تیری نعمتوں کے شکر کی کوتاہی کو بھی تسلیم کرتا ہوں یہ معنیٰ دائمی ہے اس میں انقطاع نہیں ہے۔ نعمت کا وجود اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتا ہے اور گناہوں کا صدور بندے کی طرف سے ہے۔

روایتوں میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کب تک میری طرف سے تجھ پر خیر و برکت نازل ہوتی رہے گی اور کب تک تیری طرف سے شرک و کفران صادر ہوتا رہے گا۔ میں تجھ سے محبت کرتا ہوں اور تجھ سے دوستی رکھتا ہوں حالانکہ میں تجھ سے بے نیاز ہوں اور تو مجھ سے دشمنی کرتا ہے اور میری معصیت اور نافرمانی کرتا ہے۔ حالانکہ تو میرا محتاج ہے۔

ؔلہ اس میں غایت درجہ عجز و انکسار اور نہایت درجہ ذلت و محتاجی و انکساری ہے اس لیے اس کو سید الاستغفار کہا گیا ہے کیونکہ اس میں بہت سے معانی جمع ہو چکے ہیں۔ سید اسے کہتے ہیں جو قوم کا سردار و پیشوا ہو۔ سب

حاجتیں اُس کے سامنے پیش کی جاتی ہیں اس استغفار کا حاصل معنی یہ ہے کہ بندے کو چاہیے کہ ہمیشہ اپنے گناہوں و تقصیرات پر نظر رکھے اور بالکل محتاج و فقیر ظاہر کرے۔ اس لیے کہ اگر اپنے نفس کے عیوب کی تفتیش کرے گا تو اپنے عمل کو ناقص پائے گا کہ وہ اعمال اللہ تعالیٰ کی درگاہ میں قربت کی صلاحیت نہیں رکھتے اور نہ ہی اُس کی شان کے لائق ہیں کسی نے کتنا ہی اچھا کہا ہے۔ بیت۔

اطاعت ناقص ما موجب غفران نشود راضیم گر مدد علت عصیان نہ شود

ترجمہ۔ ہماری ناقص طاعات ہماری بخشش کا سبب نہیں بن سکتی۔ ہم راضی ہیں اگر ہمارے گناہوں کو کہیں سے مدد نہ ملے۔

بیت۔ گر طاعت خود نقش کنم بر نانے وآں نان بنہم پیش سگے بر خوانے
واں سگ سالے گرسنہ در زندانے از ننگ وراں نزد دندانے

ترجمہ (۱) اگر میں اپنی طاعت اور فرمانبرداری کا کسی روٹی پر نقش بنادوں اور وہ روٹی کتے کے آگے رکھ دوں تو وہ کتا اگر سال بھر بھی قید میں پڑا رہے اور وہ روٹی اس کے سامنے ہو تو شرم کے مارے اُس روٹی کو دانت نہ لگائے اللہ تعالیٰ اس کہنے والے پر رحم فرمائے۔

اور اگر فرضاً کوئی عمل خالص بھی ہو جائے گر حال صحیح نہ ہو جب اُس کا وقت صاف اور ٹھیک ہو تو بندہ اللہ تعالیٰ کے فضل و احسان کا مشاہدہ کرتا ہے اپنی طرف سے نہیں جانتا اور اُس پر غرور اور دھوکے میں نہیں آتا۔ اور اپنے آپ کو اہل و مستحق نہیں سمجھتا۔ پس بندہ ہمیشہ اپنے عمل کے عیبوں کو دیکھتا رہتا ہے اُس کے بالمقابل خدا کے فضل پر نگاہ رکھتا ہے۔ بندے کا یہ حال اعلیٰ درجے کا عرفان اور بہت ہی نفع اور سلامتی والی حالت ہے۔ بندہ اس کے باوجود حق تعالیٰ کے وعدے کو مضبوطی سے تھامے اور اُس کے عہد کو مضبوطی سے باندھے۔ اُس کی علامت یہ ہے کہ بندہ عہد عبودیت کو پورا کرنے میں ثبات و استقامت دکھلائے اور عبودیت کے حقوق ادا کرنے میں پوری کوشش کرتا ہے اب اس کے بعد حضور علیہ السلام سید الاستغفار کی فضیلت بیان فرماتے ہیں۔ چنانچہ فرمایا کہ جو شخص یہ کلمات دن کو پڑھتا ہے اِلیٰ آخرہٖ۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

دوسری فصل

عَنْ اَنَسٍؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی یَا ابْنَ اٰدَمَ

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اے آدم کے بیٹے بے شک

إِنَّكَ مَا دَعَوْتَنِيْ وَ رَجَوْتَنِيْ غَفَرْتُ لَكَ عَلٰى مَا كَانَ فِيْكَ وَلَا أُبَالِيْ يَا ابْنَ آدَمَ لَوْ بَلَغَتْ ذُنُوْبُكَ عَنَانَ السَّمَاءِ ثُمَّ اسْتَغْفَرْتَنِيْ غَفَرْتُ لَكَ وَلَا أُبَالِيْ يَا ابْنَ آدَمَ إِنَّكَ لَوْ لَقِيْتَنِيْ بِقُرَابِ الْأَرْضِ خَطَايَا ثُمَّ لَقِيْتَنِيْ لَا تُشْرِكُ بِيْ شَيْئًا لَأَتَيْتُكَ بِقُرَابِهَا مَغْفِرَةً. (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَرَوَاهُ أَحْمَدُ وَ الدَّارِمِيُّ عَنْ أَبِيْ ذَرٍّ) وَ قَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ غَرِيْبٌ.)

تو جب تک مجھ سے دعا کرے گا اور مجھ سے امید رکھے گا تو میں تجھے بخش دوں گا اس کے باوجود جو کچھ تیرے اندر[1] ہوگا۔ اور مجھے کوئی پرواہ[2] نہیں اے آدم کے بیٹے اگر تیرے گناہ آسمان کے اوپر کے کنارے[3] تک پہنچ جائیں اور پھر تو مجھ سے استغفار کرے تو میں تجھے بخش دوں گا اور مجھے کوئی پرواہ نہیں ہے اے آدم کے بیٹے اگر تو مجھ سے ملاقات کرے گا زمین بھر گناہوں کے ساتھ پھر تو مجھے ایسے حال میں ملے کہ تو نے مجھ سے کسی چیز کو شریک نہیں کیا ہوگا تو میں زمین جتنی مغفرت لے کر تیرے پاس[4] آؤں گا۔ اسے ترمذی، ابو داؤد اور دارمی نے ابو ذر سے روایت کیا۔ اور کہا یہ حدیث غریب ہے۔

[1] یعنی تیرے گناہ۔

[2] کوئی یہ کہے کہ جو شخص گناہ گار و لائق سزا تھا اسے کیوں بخش دیا۔

[3] یہاں حدیث میں لفظ عنان آیا ہے عین کی زبر سے بمعنی ابر اور ابر کی نسبت بلندی میں مبالغے کے لیے کہی جاتی ہے۔ ایک روایت میں عنان عین کی زیر سے بھی آیا ہے بمعنی وہ چیز جب تو اوپر کو سر اٹھائے تو تجھے آسمان میں نظر آئے اور تو اس کی جانب دیکھے اور اعنان بمعنی اردگرد جمع عنن بھی ایک روایت ہے۔

[4] یہاں حدیث میں لفظ قراب آیا ہے ق کی زیر یا پیش سے بمعنی ایسی چیز جو مقدار میں دوسری کے قریب ہو پس قراب ارض بمعنی زمین کے بھرے ہوئے ہونے کے قریب۔

کتاب مشارق میں فرمایا کہ قراب ق کی زیر سے چمڑے کے بنے برتن کو کہتے ہیں جس میں تلوار یا نیام یا چھری اور تازیانہ وغیرہ رکھتے ہیں اور سوار کا توشہ جو ہلکا ہوتا ہے وہ بھی اس میں رکھتے ہیں اور قراب یعنی ق کی پیش سے بمعنی قرب آتا ہے۔ حدیث میں پیش اور زیر دونوں طرح آیا ہے۔ کتاب مشارق کا کلام ختم ہوا۔

وَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

وَسَلَّمَ قَالَ قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی مَنْ عَلِمَ اَنِّیْ ذُوْ قُدْرَۃٍ عَلٰی مَغْفِرَۃِ الذُّنُوْبِ غَفَرْتُ لَہٗ وَلَا اُبَالِیْ مَا لَمْ یُشْرِكْ بِیْ شَیْئًا۔ (رَوَاہُ فِیْ شَرْحِ السُّنَّۃِ)

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے جو بندہ یہ جانتا ہے کہ میں گناہوں کے بخشنے پر قدرت رکھتا ہوں تو میں اُسے بخش دیتا ہوں اور مجھے کوئی پرواہ نہیں ہے جب تک کہ اُس نے میرے ساتھ کسی چیز کو شریک نہیں کیا[1] ہوگا۔ اسے شرح سنہ میں روایت کیا۔

[1] کیونکہ جب وہ جانتا ہے کہ خداوند تعالیٰ گناہوں کو بخشنے پر قادر ہے تو وہ اُس سے اُمید رکھتا ہے اور جو شخص کریم سے اُمید رکھتا ہے تو کریم اُسے محروم نہیں کرتا۔ قدرت کا ذکر اس لیے کیا کہ اللہ تعالیٰ کو عذاب دینے کی طاقت بھی ہے اسی لیے وہ بندہ خوف بھی رکھتا ہے اور جو شخص قادر سے ڈرتا ہے وہ اُس پر رحم کرتا ہے۔ نیز یہ شخص کیونکہ خدائے تعالیٰ اور اُس کی صفتوں پر ایمان رکھتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی مغفرت اس کے شامل حال ہوتی ہے یہاں شرک نہ کرنے کا ذکر ایمان کی تاکید کے لیے آیا ہے۔

وَعَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ لَزِمَ الْاِسْتِغْفَارَ جَعَلَ اللّٰہُ لَہٗ مِنْ كُلِّ ضِیْقٍ مَخْرَجًا وَّمِنْ كُلِّ هَمٍّ فَرَجًا وَّرَزَقَہٗ مِنْ حَیْثُ لَا یَحْتَسِبُ۔ (رَوَاہُ اَحْمَدُ وَاَبُوْدَاؤدَ وَابْنُ مَاجَۃَ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اپنے لیے استغفار کو لازم کرلیتا ہے اللہ تعالیٰ اسے ہر تنگی سے نکلنے کی جگہ مہیا کردیتا ہے اور ہر فکر سے اسے کشادگی عطا کرتا ہے اور اسے اُس جگہ سے رزق دیتا ہے جہاں سے اُسے گمان نہیں ہوتا[1]۔ احمد ابوداؤد اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے۔

[1] اور جہاں سے اُس کو امید نہیں ہوتی کیونکہ جو شخص استغفار کو اپنے لیے لازم کرلیتا ہے تو اُس کے گناہ بخش دیے جاتے ہیں وہ متقی کے حکم میں ہو جاتا ہے جس کے اوپر کوئی گناہ نہیں ہوتا اور متقی کا حال یہی ہے جو ذکر کیا گیا ہے کہ اُسے وہاں سے روزی ملتی ہے جہاں سے کوئی گمان نہیں ہوتا۔

وَعَنْ اَبِیْ بَكْرِنِ الصِّدِّیْقِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَا اَصَرَّ مَنْ

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے استغفار کرلیا اُس نے گناہ پر اصرار[1] نہ کیا

اسْتَغْفَرَ وَ اِنْ عَادَ فِی الْيَوْمِ سَبْعِيْنَ مَرَّةً۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَ اَبُوْ دَاوُدَ)

اگرچہ وہ دن میں ستر دفعہ گناہ کی طرف لوٹے۔ اسے ترمذی اور ابو داؤد نے روایت کیا۔

لہ اصرار یعنی کسی حالت پر ہمیشہ رہنا اور کسی چیز پر مقیم ہو جانا گناہ پر اصرار کرنا مذموم ہے اور صغیرہ پر اصرار کرنے سے کبیرہ ہو جاتا ہے پس حضور علیہ السلام فرماتے ہیں جو شخص استغفار کرتا ہے وہ اصرار سے باہر نکل آتا ہے اور بے استغفار گناہ کرنے والا گناہ پر اصرار کر رہا ہے۔ بعض بزرگوں نے فرمایا کہ اصرار کی حد یہ ہے کہ گناہ کو بار بار کرے اور دل میں بے باکی محسوس کرے بہر حال استغفار کرنے سے اصرار کی کیفیت ختم ہو جاتی ہے۔

وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُلُّ بَنِيْ اٰدَمَ خَطَّاءٌ وَخَيْرُ الْخَطَّائِيْنَ التَّوَّابُوْنَ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَالدَّارِمِيُّ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آدم کے اکثر بیٹے خطا کار لہ ہیں اور بہتر خطا کار وہ ہیں جو بہت توبہ کرنے والے ہیں۔ اسے ترمذی ابن ماجہ اور دارمی نے روایت کیا۔

لہ یہاں حدیث میں لفظ خطاء آیا ہے یہ صیغہ مبالغہ ہے اور اس میں کثرت خطا کا اعتبار کیا گیا ہے۔ یا یہ معنی ظاہر کرنے کے لیے کہ آدم کا بیٹا بہت ہی خطا کار ہے یاد رہے کہ خطا ثواب کی ضد ہے اسی طرح آدم کا بیٹا برائی اور گناہ بھی کرتا ہے یونہی انبیاء علیہم السلام کے سوا باقی لوگ خطا سے معصوم نہیں۔ اور اگر خطا میں صغیرہ گناہ بھی شامل کریں جیسا کہ بعض کے قول کے مطابق کہ صغیرے کا صادر ہونا بھی جائز مانتے ہیں اور خطا کو صغیرے میں شامل کرتے ہیں تو اس صورت میں انبیاء بھی اس میں داخل ہوں گے۔

وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ الْمُؤْمِنَ اِذَا اَذْنَبَ كَانَتْ نُكْتَةٌ سَوْدَاءُ فِيْ قَلْبِهٖ فَاِنْ تَابَ وَاسْتَغْفَرَ صُقِلَ قَلْبُهٗ وَاِنْ زَادَ زَادَتْ حَتّٰى تَعْلُوَا قَلْبَهٗ فَذٰلِكُمُ الرَّانُ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک مومن جب کوئی گناہ کرتا ہے تو اس کے دل میں ایک کالا نکتہ لہ پڑ جاتا ہے پھر اگر توبہ اور استغفار کر لیتا ہے تو اس کا دل صاف ہو جاتا ہے اور اگر گناہ زیادہ کرتا ہے تو وہ سیاہ نکتہ بڑھ جاتا ہے حتیٰ کہ اس کے سارے دل پر چھا جاتا ہے تو یہ وہی میل کچیل ہے جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے

الَّذِیْ ذَکَرَ اللّٰہُ تَعَالٰی کَلَّا بَلْ رَانَ عَلٰی قُلُوْبِھِمْ مَّا کَانُوْا یَکْسِبُوْنَ ۔ — اپنے کلام میں فرمایا ہے (کلا بل ران علی قلوبہم ما کانوا یکسبون[2])

(رَوَاہُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِیُّ وَ ابْنُ مَاجَۃَ) — اسے احمد ترمذی اور ابن ماجہ نے روایت کیا۔

وَ قَالَ التِّرْمِذِیُّ ھٰذَا حَدِیْثٌ حَسَنٌ صَحِیْحٌ — اور ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

[1] یعنی وہ گناہ دل میں سیاہ نکتہ پڑنے کا سبب بن جاتا ہے اور نکتہ بمعنیٰ نقطہ آتا ہے اصل میں نکتہ اُس اثر کو کہتے ہیں جو زمین پر چھڑی مارنے سے پیدا ہوتا ہے۔

[2] بلکہ اُن کے دلوں پر زنگ چڑھ گیا ہے اُن کے اُن اعمال کی وجہ سے جو وہ کرتے تھے۔

وَ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰہَ یَقْبَلُ تَوْبَۃَ الْعَبْدِ مَالَمْ یُغَرْغِرْ۔ — حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک اللہ تعالیٰ بندے کی توبہ قبول کر لیتا ہے اُس کے گلے میں جان پہنچنے سے پہلے[1] تک۔

(رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَابْنُ مَاجَۃَ) — اسے ترمذی وابن ماجہ نے روایت کیا۔

[1] یعنی جب تک کہ اُس کی روح گلے میں نہیں پہنچی ہوئی۔ یہاں حدیث میں یغرغر آیا ہے جو کہ غرغرہ سے بنا ہے جس کا معنیٰ ہے آواز کا گلے میں آنا جانا اور جان کا گلے میں پہنچ جانا۔ اصل میں غرغرہ کہتے ہیں گلے میں پانی کو گھمانا اور مرنے کے وقت گلے میں غرغرے کی طرح آواز پیدا ہوتی ہے۔ اس حدیث کا ظاہر یہ ہے کہ موت کے حاضر ہو جانے پر توبہ قبول نہیں ہونی چاہیے کفر سے توبہ ہو یا گناہ سے۔ اور آیہ مبارکہ انما التوبہ بھی اسی معنیٰ کو ظاہر کرتی ہے مگر بعض علماء اس جانب گئے ہیں کہ موت دیکھ لینے کے وقت گناہ سے توبہ صحیح ہے کفر سے صحیح نہیں ہے۔ پس اُن کے نزدیک وہ ایمان مقبول نہیں جو مایوسی کے وقت بندہ قبول کرتا ہے مگر توبہ مایوسی کے وقت کی بھی مقبول ہے۔

وَ عَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ الشَّیْطٰنَ قَالَ وَ — حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بیشک شیطان نے کہا یا رب مجھے تیری عزت کی قسم ہے میں

عِزَّتِكَ يَا رَبِّ لَا أَبْرَحُ أُغْوِيْ عِبَادَكَ مَا دَامَتْ أَرْوَاحُهُمْ فِيْ أَجْسَادِهِمْ فَقَالَ الرَّبُّ عَزَّوَجَلَّ وَعِزَّتِيْ وَجَلَالِيْ وَارْتِفَاعِ مَكَانِيْ لَا أَزَالُ أَغْفِرُ لَهُمْ مَا اسْتَغْفَرُوْنِيْ۔

(رَوَاهُ أَحْمَدُ)

ہمیشہ تیرے بندوں کو بہکاتا رہوں گا جب تک اُن کی روحیں اُن کے جسموں میں باقی رہیں گی تو رب تعالیٰ نے فرمایا مجھے اپنی عزت اپنے جلال اور اپنے بلند مرتبے کی قسم کہ جب تک میرے بندے مجھ سے معافی مانگتے رہیں گے میں بھی اُن کو ہمیشہ بخشتا رہوں گا۔

(احمد)

وَعَنْ صَفْوَانَ بْنِ عَسَّالٍ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى جَعَلَ بِالْمَغْرِبِ بَابًا عَرْضُهٗ مَسِيْرَةُ سَبْعِيْنَ عَامًا لِلتَّوْبَةِ لَا يُغْلَقُ مَالَمْ تَطْلُعِ الشَّمْسُ مِنْ قِبَلِهٖ وَذٰلِكَ قَوْلُ اللّٰهِ تَعَالٰى يَوْمَ يَأْتِيْ بَعْضُ اٰيٰتِ رَبِّكَ لَا يَنْفَعُ نَفْسًا إِيْمَانُهَا لَمْ تَكُنْ اٰمَنَتْ مِنْ قَبْلُ

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ)

حضرت صفوان بن عسال[1] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بیشک اللہ تعالیٰ نے مغرب میں ایک دروازہ رکھا ہے جس کی چوڑائی ستر سال ہے یہ توبہ کا دروازہ ہے یہ دروازہ بند نہ ہوگا جب تک کہ سورج مغرب کی جانب سے طلوع نہ ہوگا اور یہی ہے اللہ تعالیٰ کا قول مبارک[2] یوم یاتی بعض آیات ربک لا ینفع نفسا ایمانہا لم تکن آمنت من قبل۔ ترجمہ۔ جس دن تیرے رب کی بعض نشانیاں آجائیں گی یعنی ظاہر ہو جائیں گی تو کسی جان کو اُس کا ایمان نفع نہ دے گا جس نے پہلے ایمان نہیں لایا تھا اسے ترمذی اور ابن ماجہ نے روایت کیا۔

[1] عسال عین کی زبر سین مشدد آپ صحابی ہیں۔ کوفہ میں سکونت پذیر رہے آپ بارہ جنگوں میں شریک ہوئے۔ کہتے ہیں حضرت عبداللہ بن مسعود ان سے حدیث روایت کرتے تھے۔

[2] لیکن اس آیت کا ظاہر یہ واضح کرتا ہے کہ ایمان قبول نہیں ہوتا جو کہ کفر سے توبہ ہے اور حدیث مطلقاً دلالت کرتی ہے کہ اُس وقت کسی قسم کی کوئی توبہ قبول نہ ہوگی چاہے کفر سے ہو چاہے گناہ سے ہو جیسا کہ کہا گیا ہے۔

وَعَنْ مُعَاوِيَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَنْقَطِعُ الْهِجْرَةُ

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہجرت ختم نہ ہوگی جب تک توبہ منقطع نہ ہوگی اور توبہ منقطع نہ ہوگی

حَتّٰى تَنْقَطِعَ التَّوْبَةُ وَلَا تَنْقَطِعُ التَّوْبَةُ حَتّٰى تَطْلُعَ الشَّمْسُ مِنْ مَغْرِبِهَا۔

جب تک کہ سورج مغرب سے طلوع نہ ہوگا۔

(رَوَاهُ اَحْمَدُ وَ اَبُوْ دَاوٗدَ وَالدَّارِمِيُّ)

اسے احمد ابوداؤد اور دارمی نے روایت کیا۔

لہ یہاں ہجرت سے مراد، ہجرت متعارف نہیں جو کہ مکے سے مدینے کی طرف ہو کیونکہ وہ تو منقطع ہو چکی ہے بلکہ ہجرت سے گناہوں اور خطاؤں کو چھوڑ دینا مراد ہے جیسا کہ ایک حدیث میں آیا ہے کہ مہاجر وہ ہے جو گناہوں اور خطاؤں کو چھوڑ دے یا ہجرت سے وہ مقام مراد ہے جس میں نیک بات کا حکم دینے اور برائی سے روکنے کی قدرت ختم ہو جائے۔ تو بندے کو حکم ہے کہ وہاں سے چلا جائے۔ یہ ہجرت اس وقت منقطع ہو گی جب اللہ تعالیٰ کا حکم اور اس کی شریعت ختم ہو گی اور یہ وہ وقت ہو گا جبکہ سورج مغرب سے طلوع کرے گا کہ اس وقت توبہ قبول نہ ہو گی۔

وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ رَجُلَيْنِ كَانَا فِيْ بَنِيْ اِسْرَائِيْلَ مُتَحَابَّيْنِ اَحَدُهُمَا مُجْتَهِدٌ فِي الْعِبَادَةِ وَالْاٰخَرُ يَقُوْلُ مُذْنِبٌ فَجَعَلَ يَقُوْلُ اَقْصِرْ عَمَّا اَنْتَ فِيْهِ فَيَقُوْلُ خَلِّنِيْ وَرَبِّيْ حَتّٰى وَجَدَهٗ يَوْمًا عَلٰى ذَنْبٍ اسْتَعْظَمَهٗ فَقَالَ اَقْصِرْ فَقَالَ خَلِّنِيْ وَرَبِّيْ اَبُعِثْتَ عَلَيَّ رَقِيْبًا فَقَالَ وَاللّٰهِ لَا يَغْفِرُ اللّٰهُ لَكَ اَبَدًا وَلَا يُدْخِلُكَ الْجَنَّةَ فَبَعَثَ اللّٰهُ اِلَيْهِمَا مَلَكًا فَقَبَضَ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بیشک بنی اسرائیل میں دو آدمی رہتے تھے اُن دونوں کی آپس میں بڑی محبت تھی اُن میں سے ایک عبادت میں بڑی کوشش کرتا تھا دوسرا یہ کہتا تھا کہ میں بڑا گناہ گار ہوں تو وہ آدمی جو عبادت زیادہ کرتا تھا اُس نے کہا اے گناہ کرنے والے تو اُس سے رک جا جس میں تو پڑا ہوا ہے وہ بندہ کہتا تھا مجھے اور میرے رب کو خالی چھوڑ دے۔ یہاں تک کہ ایک دن اُس عابد صورت نے دوسرے کو ایک گناہ میں پایا جائے بڑا عظیم محسوس ہوا تو اُس سے کہا باز آجا تو اُس نے کہا مجھے میرے رب کے ساتھ چھوڑ دو کیا تو میرے اوپر نگہبان[1] بن کر آیا ہے تو اُس عابد نے کہا اللہ کی قسم اللہ تعالیٰ تجھے کبھی نہ بخشے گا اور نہ تجھے جنت میں داخل نہ کرے گا تو اللہ تعالیٰ نے اُن دونوں کی طرف فرشتہ

اَرْوَاحَهُمَا فَاجْتَمَعَا عِنْدَهٗ فَقَالَ لِلْمُذْنِبِ اُدْخُلِ الْجَنَّةَ بِرَحْمَتِیْ وَقَالَ لِلْاٰخَرِ اَتَسْتَطِیْعُ اَنْ تَحْظُرَ عَلٰی عَبْدِیْ رَحْمَتِیْ فَقَالَ لَا یَا رَبِّ قَالَ اذْهَبُوْا بِهٖ اِلَی النَّارِ۔

(رَوَاهُ اَحْمَدُ)

بھیج دیا فرشتے نے اُن دونوں کی روحیں قبض کریں تو وہ دونوں بندے اُس کے پاس جمع ہوگئے اللہ تعالٰی نے گناہ گار سے فرمایا تو میری رحمت سے جنت میں داخل ہوجا اور دوسرے سے فرمایا کیا تجھ میں طاقت ہے کہ تو میری رحمت میرے بندوں سے روک دے۔ عرض کیا یا رب مجھے یہ طاقت نہیں ہے اللہ تعالٰی نے فرمایا اسے دوزخ میں لے جاؤ۔[۲]

(احمد)

[۱] اور تو میرے اُوپر نگران بن گیا ہے گویا وہ مرد استغفار کرتا تھا اور اپنے استغفار کو چھپا کر رکھتا تھا۔ اسی وجہ سے یہ حدیث باب استغفار میں لائی گئی۔ حدیث کا ظاہر یہ ہے کہ محض اللہ تعالٰی کے فضل و رحمت سے بہشت میں جائیگا تو مناسب یہ تھا کہ اس حدیث کو باب وسعت رحمت میں لایا جاتا جو کہ آگے آئے گا۔

[۲] کیونکہ یہ اپنے عمل پر عجب و اعتماد کرتا تھا اور گنا گار کیلئے قادر کریم کی بخشش کی نفی کرتا تھا مگر امید ہے کہ آخر کار یہ عمل والا انسان بھی بخشا جائیگا اور بہشت میں داخل ہوگا بیت

غافل مشو کہ مرکب مردان زہد را ۔۔۔ درسنگلاخ بادیہ پیہا بریدہ اند

ترجمہ۔ تو غفلت اور فریب میں نہ پڑ کہ زہد و پرہیز گاری دکھانے والوں کی سواریں پر سلوک و طریقت کے پتھریلے صحراؤں میں ڈاکے پڑ چکے ہیں (شیطان انہیں بہکانے میں کامیاب ہو چکا ہے) اور قدرے ازلی فیصلوں کے تحت رحمت و بخشش سے دور پھینک دیے گئے ہیں بیت

نومید ہم مباش کہ رندان بادہ نوش ۔۔۔ ناگہ بیک خروش بمنزل رسیدہ اند

یعنی ایک ہی بار سچی توبہ کی اور اللہ کی درگاہ میں قبول ہوگئی تو سب ہی حق کی موت کے امیدوار ہیں اور وہ قادر و مختار ہے۔ بیت

ای سوختۂ سوختنی ۔۔۔ وے آتش دوزخ ز تو افروختنی

تا کے گوئے کہ بر عمر رحمت کن ۔۔۔ حق را تو کئی کہ رحمت آموختنی

ترجمہ (۱) اے جلے ہوئے تو جل رہی رہے گا اور آتش دوزخ تجھ سے ہی روشن ہوگی۔

(۲) تو کب تک کہے گا کہ عمر پر رحمت کر تو کون ہے جو حق کو رحمت کرنا سکھاتا ہے۔

وَعَنْ اَسْمَاءَ بِنْتِ یَزِیْدَ قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقْرَاُ یَا عِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰی اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ

حضرت اسماء بنت یزید رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سنا آپ یہ آیت پڑھ رہے تھے۔ یا عبادی الذین اسرفوا علی انفسھم لا تقنطوا من رحمۃ اللہ ان اللہ یغفر الذنوب جمیعا اے میرے بندو جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی ہے اللہ تعالٰی کی

رَحْمَةِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا وَّ لَا يُبَالِيْ۔ (رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ) وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ غَرِيْبٌ وَ فِيْ شَرْحِ السُّنَّةِ يَقُوْلُ بَدَلَ يَقْرَأُ۔

رحمت سے مایوس نہ ہو جاؤ بے شک اللہ تعالیٰ تمام گناہوں کو بخش دیتا ہے اور اسے کوئی پرواہ نہیں [۲]

اسے احمد و ترمذی نے روایت کیا۔

اور ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن غریب ہے اور شرح السنۃ میں یقرأ کی جگہ یقول آیا ہے۔

[۱] آپ جلیل القدر انصاری صحابیہ ہیں آپ کا خاندان عقل دین و شجاعت میں مشہور تھا۔ آپ غزوہ تبوک میں شریک تھیں اور آپ نے خیمے کی لکڑی سے نو کافروں کو مارا تھا۔

[۲] ظاہر یہ ہے کہ یہ حضور علیہ السلام کا قول مبارک ہے یعنی اللہ تعالیٰ گناہ بخش دیتا ہے اور اسے کوئی پرواہ نہیں ہوتی جیسا کہ فصل اول میں گزرا کہ اے بندے میں نے تجھے بخشا اور مجھے کوئی پرواہ نہیں ہے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ راوی کا قول ہو یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس آیت کو پڑھتے تھے اور کوئی ڈر محسوس نہیں کرتے تھے اور نہ اس مضمون کو چھپاتے تھے۔ تیسری فصل میں حضرت ثوبان کی حدیث کے بیان میں اس کی مزید وضاحت آ رہی ہے۔

[۳] چنانچہ وہاں اس طرح روایت ہے کہ میں نے سنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے یا عبادی الذین اسرفوا الیٰ آخرہ۔

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہ فِيْ قَوْلِ اللّٰهِ اِلَّا اللَّمَمَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنْ تَغْفِرِ اللّٰهُمَّ تَغْفِرْ جَمًّا وَ اَيُّ عَبْدٍ لَكَ لَا اَلَمَّا۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ) وَ قَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ غَرِيْبٌ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے اللہ تعالیٰ کے اس قول کے متعلق کہ الا اللمم [۱] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا الٰہی اگر تو بخشے تو بڑے گناہ بخش دے [۲] گناہ صغیرہ کس بندے نے نہیں کیا [۳]

(ترمذی)

اور کہا یہ حدیث حسن صحیح غریب ہے۔

[۱] پوری آیت اس طرح ہے۔ وَالَّذِيْنَ يَجْتَنِبُوْنَ كَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ اِلَّا اللَّمَمَ اِنَّ رَبَّكَ وَاسِعُ الْمَغْفِرَةِ یعنی وہ لوگ جو بڑے گناہوں اور فواحشات سے بچتے ہیں مگر چھوٹے گناہ کے مرتکب ہو جاتے ہیں۔ بے شک تیرا رب بڑی وسیع مغفرت والا ہے۔ یعنی صغیرہ اور تھوڑے گناہ۔ تو اللہ تعالیٰ ہر قسم کے گناہوں کے لیے فراخ مغفرت والا ہے

لغت کی کتاب صراح میں آیا ہے لمم بمعنی گناہ صغیرہ کرنا۔

۲؎ یہاں حدیث میں بڑے گناہ کے لیے لفظ جمّا آیا ہے۔ جیم کا زبر میم کی شد سے بمعنی کبیر وعظیم۔

۳؎ یعنی تیری شان اور تیرا فضل یہ ہے کہ کبیرہ گناہوں کو بھی بخش دے صغیرہ کیا ہوتے ہیں۔ اور تیرے بندوں میں سے کون ہیں جن سے صغیرہ گناہ نہ ہوا ہو۔ اور تیری شان تو یہ ہے کہ تو گناہ حسنات سے بدل دیتا ہے۔ دراصل یہ اُمیہ بن ابی الصلت کا شعر ہے جو شعرائے جاہلیت میں سے ہوا ہے۔ یہ شخص اپنے زمانے میں اپنے آپ کو دین دار سمجھتا تھا اور حکمت اور دانائی کی باتیں کیا کرتا تھا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اُس کے شعر سنا کرتے تھے اور انہیں پڑھا کرتے تھے اس شخص کے حالات بیان شعر کے باب میں آرہے ہیں۔ انشاء اللہ تعالیٰ صحیح یہ ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام شعر بنا نہیں سکتے تھے دوسرے کے شعر پڑھ سکتے تھے۔

وَعَنْ اَبِیْ ذَرٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ اللّٰهُ تَعَالٰی یَا عِبَادِیْ كُلُّكُمْ ضَآلٌّ اِلَّا مَنْ هَدَیْتُ فَسَلُوْنِیَ الْهُدٰی اَهْدِكُمْ وَكُلُّكُمْ فُقَرَآءُ اِلَّا مَنْ اَغْنَیْتُ فَسَلُوْنِیْ اَرْزُقْكُمْ وَكُلُّكُمْ مُذْنِبٌ اِلَّا مَنْ عَافَیْتُ فَمَنْ عَلِمَ مِنْكُمْ اَنِّیْ ذُوْ قُدْرَةٍ عَلَی الْمَغْفِرَةِ فَاسْتَغْفَرَنِیْ غَفَرْتُ لَهٗ وَلَا اُبَالِیْ وَلَوْ اَنَّ اَوَّلَكُمْ وَاٰخِرَكُمْ وَحَیَّكُمْ وَمَیِّتَكُمْ وَرَطْبَكُمْ وَیَابِسَكُمْ اجْتَمَعُوْا عَلٰی اَتْقٰی قَلْبِ عَبْدٍ مِّنْ عِبَادِیْ مَا زَادَ ذٰلِكَ فِیْ مُلْكِیْ جَنَاحَ بَعُوْضَةٍ وَلَوْ اَنَّ

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اے میرے بندو تم سب گمراہ ہو سوائے اُس کے جسے میں ہدایت دوں تو مجھ سے ہی ہدایت مانگو تمہیں ہدایت دوں گا۔ تم سب فقیر ہو سوائے اُس کے جسے میں غنی کر دوں تو مجھ ہی سے مانگو میں تمہیں روزی دوں گا اور تم سب گنہگار ہو سوائے اُس کے جسے میں سلامتی عطا کروں۔ تو تم میں سے جس نے جان لیا کہ میں بخش دینے پر قادر ہوں پھر اُس نے مجھ سے معافی مانگی تو میں اُسے بخش دوں گا اور مجھے کوئی پرواہ نہیں اور اگر تمہارے اگلے اور تمہارے پچھلے زندے مردے تر و خشک[۱] میرے بندوں میں سے نیک ترین بندے کے دل پر جمع ہو جائیں تو اُن کی یہ نیکی میرے ملک میں مچھر کے پر کے برابر بھی نہیں بڑھا سکے گی اور اگر تمہارے اگلے پچھلے زندے مردے تر و خشک میرے بندوں میں سے بدبخت ترین دل پر

اَوَّلَكُمْ وَاٰخِرَكُمْ وَحَيَّكُمْ وَمَيِّتَكُمْ وَرَطْبَكُمْ وَيَابِسَكُمْ اجْتَمَعُوْا عَلٰى اَشْقٰى قَلْبِ عَبْدٍ مِّنْ عِبَادِيْ مَا نَقَصَ ذٰلِكَ مِنْ مُّلْكِيْ جَنَاحَ بَعُوْضَةٍ وَّلَوْ اَنَّ اَوَّلَكُمْ وَاٰخِرَكُمْ وَحَيَّكُمْ وَمَيِّتَكُمْ وَرَطْبَكُمْ وَيَابِسَكُمْ اجْتَمَعُوْا فِيْ صَعِيْدٍ وَّاحِدٍ فَسَاَلَ كُلُّ اِنْسَانٍ مِّنْكُمْ مَّا بَلَغَتْ اُمْنِيَّتُهٗ فَاَعْطَيْتُ كُلَّ سَائِلٍ مَّا نَقَصَ ذٰلِكَ مِنْ مُّلْكِيْ اِلَّا كَمَا لَوْ اَنَّ اَحَدَكُمْ مَرَّ بِالْبَحْرِ فَغَمَسَ فِيْهِ اِبْرَةً ثُمَّ رَفَعَهَا ذٰلِكَ بِاَنِّيْ جَوَادٌ مَّاجِدٌ اَفْعَلُ مَا اُرِيْدُ عَطَائِيْ كَلَامٌ وَّعَذَابِيْ كَلَامٌ اِنَّمَا اَمْرِيْ لِشَيْءٍ اِذَا اَرَدْتُّ اَنْ اَقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ.
(رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ)

جمع ہو جائیں تو ان کے یہ جرم میرے ملک سے مچھر کے پر برابر کچھ کم نہ کر سکیں گے اور اگر تمہارے اگلے پچھلے زندے مردے تر و خشک ایک میدان میں جمع ہو جائیں اور پھر تم میں سے ہر شخص اپنی انتہائی تمنا اور آرزو مجھ سے طلب کرے پھر میں ہر مانگنے والے کو دے دوں تو یہ میرے ملک کے مقابل ایسا ہی کم اور تھوڑا ہوگا جیسا تم میں سے کوئی دریا پر گزرے اس میں سوئی ڈبوئے پھر اسے اٹھا لے[3] یہ اس لیے ہے کہ میں بہت دینے والا ہوں بہت بزرگ[4] ہوں جو چاہتا ہوں کرتا ہوں[5] میری عطا صرف فرما دینا ہے اور میرا عذاب بھی فرما دینا ہے[6]۔ میرا حکم کسی چیز کے متعلق یہ ہے کہ جب کچھ چاہتا ہوں فرما دیتا ہوں کہ ہو جا تو وہ ہو جاتی ہے۔

اسے احمد ترمذی ابن ماجہ نے روایت کیا۔

۱؎ اس کلام میں اس چیز کا بیان ہے کہ عافیت گناہوں کے چھوڑنے میں ہے۔ اور ایسی ہی عافیت اتم اور اکمل ہے۔

۲؎ درحقیقت یہ کنایہ ہے تمام بندوں سے وہ جس صفت پر بھی ہوں جیسا کہ فرمایا (ولا رطب ولا یابس الا فی کتاب مبین) نہیں ہے کوئی تر اور خشک چیز مگر وہ روشن کتاب میں موجود ہے۔ بعض فرماتے ہیں کہ تر سے نباتات و درخت مراد ہیں اور خشک سے پتھر اور اینٹیں وغیرہ یعنی اگر فرض کریں کہ جو کچھ زمین میں ہے یعنی پتھر درخت سب انسان بن جائیں یہ بھی ہو سکتا ہے کہ تر اور خشک سے انسان اور جن مراد ہوں کیونکہ انسان کو پانی سے پیدا کیا گیا۔

اور جن کو آگ سے اور اس معنی کی تائید کرتی ہے حضرت ابو ذر کی وہ حدیث جو فصل اول میں گزری ہے جس میں جکم وانس کم آیا ہے۔

۳ؔ ظاہر ہے سوئی میں دریا کا پانی کتنا آئے گا ابھی دریا میں بہت پانی ہے اور اس کی کوئی نہایت نہیں ہے یہ سمجھانے کے لیے ایک مثال بیان کی۔

۴ؔ وجود میری صفت ذاتی ہے تمام عالم میرے وجود کے آثار انوار سے پُر ہے اور کسی کو عطا کرنے میں میری کوئی غرض وغایت نہیں ہوتی ماسوا اس کے کہ میں بزرگ وکریم ہوں۔ ان معانی کی تفسیر شرح اسمار حسنیٰ میں گزر چکی ہے۔

۵ؔ یعنی یہ سب جود وکرم میرے ارادہ واختیار سے ہے بندے کے ارادے اور اس کی خواہش کا اس میں کوئی دخل نہیں۔

۶ؔ یعنی ایک ہی بات سے میں یہ سب کچھ کر سکتا ہوں اسباب کا محتاج نہیں ہوں اور نہ میرا کوئی کام اسباب پر موقوف ہے۔ جیسا کہ فرمایا کہ جب میں کسی کام کے لیے کہتا ہوں کہ ہو جا تو ہو جاتا ہے۔ یعنی بغیر کسی تاخیر کے دراصل یہ کسی کام کے جلد وجود میں لانے کی تمثیل ہے۔ ہو سکتا ہے کہ سنت الٰہی ایسی ہی جاری ہوئی ہو کہ کسی چیز کو ایجاد کرنے کے لفظ کن فرماتا ہے وہ چیز موجود ہو جاتی ہے۔ واللہ اعلم۔

عَنْ اَنَسٍؓ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهٗ قَرَاَ هُوَ اَهْلُ التَّقْوٰى وَ اَهْلُ الْمَغْفِرَةِ قَالَ قَالَ رَبُّكُمْ اَنَا اَهْلٌ اَنْ اُتَّقٰى فَمَنِ اتَّقَانِيْ فَاَنَا اَهْلٌ اَنْ اَغْفِرَ لَهٗ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَالدَّارِمِيُّ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت فرمائی ہو اہل التقویٰ واہل المغفرۃ وہ تقویٰ اور بخشش والا ہے حضور علیہ السلام نے فرمایا تمہارا رب فرماتا ہے کہ میں اس لائق ہوں کہ مجھ سے ڈرا جائے تو جو مجھ سے ڈرے گا میں اس لائق ہوں کہ اُسے بخشش دوں۔

(ترمذی، ابن ماجہ، دارمی)

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَؓ قَالَ اِنْ كُنَّا لَنَعُدُّ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْمَجْلِسِ يَقُوْلُ رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَتُبْ عَلَيَّ اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الْغَفُوْرُ مِائَةَ

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں بے شک ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے شمار کیا کرتے تھے ایک مجلس میں جس میں آپ ہمارے ساتھ بیٹھتے تھے کہ آپ رب اغفرلی وتب علی انک انت التواب الغفور سو بار پڑھتے

مَرَّۃً۔ ہے۔

(رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَ اَبُوْ دَاوٗدَ وَابْنُ مَاجَۃَ) (احمد، ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ)

وَعَنْ بِلَالِ بْنِ یَسَارِ بْنِ زَیْدٍ مَوْلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ حَدَّثَنِیْ اَبِیْ عَنْ جَدِّیْ اَنَّہٗ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ مَنْ قَالَ اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ الَّذِیْ لَا اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ وَ اَتُوْبُ اِلَیْہِ غُفِرَ لَہٗ وَ اِنْ کَانَ قَدْ فَرَّ مِنَ الزَّحْفِ۔

حضرت بلال بن یسار[1] بن زید سے روایت ہے جو حضور نبی کریم علیہ السلام کے غلام ہیں فرماتے ہیں مجھ سے میرے والد نے میرے دادا نے روایت کی انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ جو یہ پڑھا کرے میں معافی مانگتا ہوں اُس اللہ سے جس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ زندہ ہے قائم رکھنے والا ہے اور اُس کی بارگاہ میں توبہ کرتا ہوں تو اُس کی بخشش کردی جائے گی اگرچہ وہ جہاد سے بھاگا ہو۔

(رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَ اَبُوْ دَاوٗدَ وَلٰکِنَّہٗ عِنْدَ اَبِیْ دَاوٗدَ ھِلَالُ بْنُ یَسَارٍ وَ قَالَ التِّرْمِذِیُّ ھٰذَا حَدِیْثٌ غَرِیْبٌ) (ترمذی، ابوداؤد) لیکن ابوداؤد کے نزدیک راوی ہلال بن یسار[2] ہیں اور ترمذی نے فرمایا یہ حدیث غریب ہے۔

[1] یسار یا کی زبر غیر مشدد آپ حضور کے آزاد کردہ غلام ہیں اور یہ زید کی صفت ہے۔ یہ زید زید ابن حارثہ کے علاوہ ہیں۔ آپ زید بن بولی با کی زبر و ساکن سے۔ یہ نوبل کے غلام ہیں صحابی ہیں۔ یہ بلال اور ان کے باپ تابعی ہیں بلال باپ سے روایت کرتے ہیں اور اپنے دادا سے۔

[2] قاموس میں بھی ہلال بن یسار فرمایا گر مشہور بلال بن یسار ہے۔ اور اکثر کتابوں میں جیسے جامع الاصول اور الکاشف وغیرہ میں اسی طرح ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ — تیسری فصل

عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ رضی قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَ جَلَّ لَيَرْفَعُ الدَّرَجَةَ لِلْعَبْدِ الصَّالِحِ فِي الْجَنَّةِ فَيَقُوْلُ يَا رَبِّ اَنّٰى لِيْ هٰذِهٖ فَيَقُوْلُ بِاِسْتِغْفَارِ وَلَدِكَ لَكَ ۔ (رَوَاهُ اَحْمَدُ)

بے شک اللہ عزوجل البتہ نیک بندے کا درجہ جنت میں بلند کرتا ہے وہ بندہ صالح عرض کرتا ہے یا رب میرے لیے درجے کی یہ بلندی کہاں سے آگئی ہے اللہ تعالیٰ اس وقت فرماتا ہے تیرے بچے کی تیرے لیے استغفار کی وجہ سے۔ (احمد)

لہ یہ نکاح کے منافع میں ایک نفع ہے اور فوائد نکاح میں سے بہت بڑا فائدہ ہے۔ اور یہ ان تین چیزوں میں سے ایک ہے جو بندہ مومن کی موت کے بعد اس کے عمل اور اس کی نیکیوں میں سے اس تک پہنچتی رہتی ہیں۔ جیسا کہ کتاب کے ابتدا میں گزرا۔

وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا الْمَيِّتُ فِي الْقَبْرِ اِلَّا كَالْغَرِيْقِ الْمُتَغَوِّثِ يَنْتَظِرُ دَعْوَةً تَلْحَقُهٗ مِنْ اَبٍ اَوْ اُمٍّ اَوْ اَخٍ اَوْ صَدِيْقٍ فَاِذَا لَحِقَتْهُ كَانَ اَحَبَّ اِلَيْهِ مِنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيْهَا وَاِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى لَيُدْخِلُ عَلٰى اَهْلِ الْقُبُوْرِ مِنْ دُعَاءِ اَهْلِ الْاَرْضِ اَمْثَالَ الْجِبَالِ وَاِنَّ هَدِيَّةَ الْاَحْيَاءِ اِلَى الْاَمْوَاتِ الْاِسْتِغْفَارُ لَهُمْ ۔ (رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں ہوتا میت قبر میں گر ڈوبنے والے اور فریاد کرنے والے کی طرح جو کہ دعا کی انتظار میں ہوتا ہے جو اسے باپ کی طرف سے یا ماں کی طرف سے یا بھائی کی طرف سے یا دوست کی طرف سے پہنچتی ہے جب ان میں سے کسی کی طرف سے اُسے دعا پہنچتی ہے تو وہ اس میت کے نزدیک دنیا و مافیہا سے زیادہ محبوب ہوتی ہے اور بے شک اللہ تعالیٰ البتہ اہل قبور کے لیے داخل کرتا ہے۔ اہل زمین کی دعائیں پہاڑوں کی مانند بنا کر اور بے شک زندوں کا ہدیہ مُردوں کے لیے اُن کے لیے استغفار ہے۔

اسے بیہقی نے شعب الایمان میں روایت کیا۔

وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ بُسْرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ

حضرت عبداللہ بن بسر سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مبارک ہے اُس

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ طُوْبٰى لِمَنْ وَجَدَ فِىْ صَحِيْفَتِهٖ الْاِسْتِغْفَارَ كَثِيْرًا۔ (رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ وَرَوَى النَّسَائِيُّ فِىْ عَمَلِ يَوْمٍ وَّ اللَّيْلَةِ)

شخص کو جو اپنے عمل نامے میں بہت زیادہ استغفار پائے گا۔

اسے ابن ماجہ نے روایت کیا اور نسائی نے عمل الیوم واللیلۃ میں روایت کیا۔

لہ باکی پیش سین ساکن۔ آپ صحابی ہیں آپ کے باپ ماں، بھائی بہن سب صحابی ہیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ان لوگوں کی زیارت کے لیے آیا کرتے تھے اور ان کے ساتھ کھانا کھایا کرتے تھے اور ان کے لیے دعائے خیر فرماتے تھے آپ نے ملک شام میں قیام فرمایا اور حمص شہر میں وفات پائی۔

لہ اس سے مطلوب استغفار کی مدح اور اہل استغفار کو بشارت ہے۔

وَعَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا اَنَّ النَّبِىَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقُوْلُ اللّٰهُمَّ اجْعَلْنِىْ مِنَ الَّذِيْنَ اِذَا اَحْسَنُوْا اسْتَبْشَرُوْا وَ اِذَا اَسَاءُوْا اسْتَغْفَرُوْا۔ (رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ وَ الْبَيْهَقِىُّ فِى الدَّعْوَاتِ الْكَبِيْرِ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے بے شک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے اے اللہ مجھے ان لوگوں میں سے کر کہ جب وہ نیکی کریں تو خوش ہوں اور جب اُن سے بُرا کام ہو جائے تو استغفار کریں۔

اسے ابن ماجہ نے روایت کیا اور بیہقی نے الدعوات الکبیر میں۔

لہ یعنی توفیق الٰہی کا شکر کر کے خوش ہوں اور اللہ تعالیٰ کے فضل و رحمت پر خوشی منائیں اور جب برائی ہو جانے کی صورت میں اپنی کوتاہی کو دیکھ کر استغفار کریں تو نیک عمل سے آراستہ نہ ہونے پر پریشان ہوں۔ بزرگ فرماتے ہیں دل کے زندہ ہونے کی نشانی یہ ہے کہ جب اُن سے نیک عمل ہو تو خوشی محسوس کریں اور جب کوئی برائی ہو جائے تو غمناک ہوں۔

وَعَنِ الْحَارِثِ بْنِ سُوَيْدٍ قَالَ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مَسْعُوْدٍ حَدِيْثَيْنِ اَحَدُهُمَا عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالْاٰخَرُ عَنْ نَّفْسِهٖ قَالَ اِنَّ الْمُؤْمِنَ يَرٰى ذُنُوْبَهٗ كَاَنَّهٗ قَاعِدٌ تَحْتَ جَبَلٍ يَّخَافُ اَنْ يَّقَعَ عَلَيْهِ

حضرت حارث بن سوید سے روایت ہے فرماتے ہیں ہم سے حضرت عبداللہ بن مسعود نے دو حدیثیں بیان فرمائیں۔ ایک حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اور دوسری اپنی طرف سے۔ اپنی طرف سے جو آپ نے حدیث بیان فرمائی وہ یہ تھی کہ آپ نے فرمایا کہ بے شک مومن جب اپنے گناہ دیکھتا ہے تو یوں محسوس کرتا ہے کہ گویا وہ کسی پہاڑ کے

وَاِنَّ الْفَاجِرَ يَرٰى ذُنُوْبَهٗ كَذُبَابٍ مَرَّ عَلٰى اَنْفِهٖ فَقَالَ بِهٖ هٰكَذَا اَيْ بِيَدِهٖ فَذَبَّهٗ عَنْهُ ثُمَّ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اللّٰهُ اَفْرَحُ بِتَوْبَةِ عَبْدِهِ الْمُؤْمِنِ مِنْ رَجُلٍ نَزَلَ فِيْ اَرْضٍ دَوِيَّةٍ مَهْلَكَةٍ مَعَهٗ رَاحِلَتُهٗ عَلَيْهَا طَعَامُهٗ وَشَرَابُهٗ فَوَضَعَ رَاْسَهٗ فَنَامَ نَوْمَةً فَاسْتَيْقَظَ وَقَدْ ذَهَبَتْ رَاحِلَتُهٗ فَطَلَبَهَا حَتّٰى اِذَا اشْتَدَّ عَلَيْهِ الْحَرُّ وَالْعَطَشُ اَوْ مَا شَاءَ اللّٰهُ قَالَ اَرْجِعُ اِلٰى مَكَانِيَ الَّذِيْ كُنْتُ فِيْهِ فَاَنَامُ حَتّٰى اَمُوْتَ فَوَضَعَ رَاْسَهٗ عَلٰى سَاعِدِهٖ لِيَمُوْتَ فَاسْتَيْقَظَ فَاِذَا رَاحِلَتُهٗ عِنْدَهٗ عَلَيْهَا زَادُهٗ وَشَرَابُهٗ فَاللّٰهُ اَشَدُّ فَرَحًا بِتَوْبَةِ الْعَبْدِ الْمُؤْمِنِ مِنْ هٰذَا بِرَاحِلَتِهٖ وَزَادِهٖ رَوٰى مُسْلِمٌ الْمَرْفُوْعَ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْهُ فَحَسْبُ وَرَوَى الْبُخَارِيُّ الْمَوْقُوْفَ عَلَى ابْنِ مَسْعُوْدٍ اَيْضًا۔

نیچے بیٹھا ہوا ہے اور ڈر رہا ہوتا ہے کہ وہ اس پر گر ہی پڑے گا اور بے شک فاجر اور بدکردار اپنے گناہ دیکھتا ہے تو یوں محسوس کرتا ہے جیسے مکھی اس کی ناک کے اوپر سے گزر گئی۔ تو اُس مکھی کی طرف یوں اشارہ کیا تو اُسے اپنے پر سے اُڑا دیا۔ دوسری حدیث جو حضور علیہ السلام سے روایت کی وہ یہ تھی کہ پھر حضرت عبداللہ ابن مسعود نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سنا آپ فرماتے تھے البتہ اللہ تعالیٰ اپنے بندہ مومن کی توبہ سے اُس آدمی سے بھی زیادہ خوش ہوتا ہے جو کسی زمین میں اُترا جس میں ہلاکت کا خطرہ ہو اور وہ بیابان ہو۔ اُس کے ساتھ اُس کی سواری ہو سواری پر اُس کا کھانا پینا ہو۔ اُس نے اپنا زمین پر سر رکھ دیا اور سو گیا پھر بیدار ہوا اس حالت میں کہ اُس کی سواری کہیں جا چکی ہو وہ اُسے تلاش کرے یہاں تک کہ جب اُس پر گرمی اور پیاس شدید ہو جائے یا جو اللہ تعالیٰ چاہے اُس بلا و مصیبت میں مبتلا ہو جائے تو کہنے لگے میں اپنے اُس مکان کی طرف چلتا ہوں جہاں میں تھا۔ تاکہ میں مر جاؤں تو وہ اپنا سر اپنی کلائی پر رکھتا ہے تاکہ مر جائے پھر وہ آنکھیں کھولتا ہے تو اچانک اپنی سواری کو اپنے پاس پاتا ہے۔ اُس پر اس کا سفر خرچ اور پانی موجود ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اپنے بندہ مومن کی توبہ سے بہت زیادہ خوش ہوتا ہے اس آدمی کی نسبت جسے اپنی سواری اور سفر خرچ واپس مل جاتا ہے روایت کیا مسلم نے مرفوع حدیث کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک اور بس۔ اور روایت کیا بخاری نے موقوف حدیث کو حضرت ابن مسعود سے بھی۔

لہ سین کی پیش واو کی زبر یا ساکن سے آپ کوفہ کے اکابر تابعین اور وہاں کے ثقہ لوگوں میں سے ہیں حضرت امام احمد سے ان کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا یہ شخصیت اُن لوگوں میں سے نہیں ہے جن کا حال بیان ہو سکے یعنی ان کی خوبیاں احاطہ بیان سے باہر ہیں۔

۲لہ یعنی وہ اپنے گناہوں کو چاہے کبیرہ ہوں یا صغیرہ پہاڑوں کی مانند دیکھتا ہے ہر وقت ڈر رہا ہوتا ہے۔ یہ میرے اوپر گر نہ پڑے یعنی گناہ کو بہت بڑی پریشانی اور نقصان کی چیز خیال کرتا ہے۔

۳لہ یعنی اپنے ناک کے اوپر سے مکھی کو اڑا دیتا ہے یا اپنے اوپر سے اڑا دیتا ہے اور اسے اپنے گناہ سے کوئی خوف وڈر نہیں ہوتا اور نہ وہ اس کی سزا کے طور پر ہلاکت میں گرنے کا خوف محسوس کرتا ہے۔

۴لہ یہاں حدیث میں لفظ دویۃ آیا ہے۔ دکی زبر واو مشدد کی زیر اس کے بعد یا مشدد بمعنیٰ بیابان اور ایسی خالی زمین جس میں گھاس نہ اُگتی ہو۔ ایک روایت میں الف کی زیادتی کے ساتھ داویۃ بھی آیا ہے۔ دویہ کا اصل واو مشدد کے ساتھ بمعنیٰ بیابانی زمین بعض دفعہ ایسے کلمے میں الف کو بھی زیادہ کر دیتے ہیں۔ جیسے طی کو طائی یہاں حدیث میں ایک دوسرا لفظ مہلکۃ آیا ہے یعنی جائے ہلاکت میم کی زبر لام کی زیر سے اور ایک روایت میں مہلکۃ آیا ہے یعنی میم کی پیش لام کی زبر سے بمعنیٰ ہلاک کرنے والی جگہ۔

۵لہ اس آدمی سے بھی جس کا توشہ گم ہو چکا ہوتا اور اس کی سواری بھاگ چکی ہوتی ہے اسی طرح بندہ گناہ گار اپنے مولا تعالیٰ سے بھاگا ہوتا ہے۔ اور توبہ کرنے سے وہ پھر اس کے پاس آجاتا ہے۔

۶لہ مسلم نے ان دونوں حدیثوں میں سے اسی مرفوع حدیث کو جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تک پہنچتی ہے روایت کیا جس میں کہ سواری کے بھاگ جانے اور پھر واپس آنے کا قصہ مذکور ہے۔ پس موقوف حدیث کو جو ابن مسعود پر موقوف ہے جس میں یہ مذکور ہے کہ مومن گناہ کو پہاڑ کی طرح دیکھتا ہے اور منافق مکھی کی طرح روایت نہیں کی۔

وَعَنْ عَلِيٍّ ؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْعَبْدَ الْمُؤْمِنَ الْمُفْتَنَ التَّوَّابَ۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک اللہ تعالیٰ بندہ مومن سے جو فتنے میں مبتلا اور توبہ کرنے والا ہو، محبت کرتا ہے۔

لہ یعنی اُس بندہ مومن سے پیار کرتا ہے جو معاصی میں مبتلا ہو اور گناہوں کی آزمائش میں پڑا ہو مگر بڑی توبہ کرتا ہو اللہ تعالیٰ کی جناب رحمت و مغفرت میں رجوع کرتا ہو اور گناہوں کی آزمائش میں پڑا ہو مگر بڑی محبت اُس کی توبہ کی وجہ سے ہے اُس کی معصیت کی وجہ سے نہیں ہے اسی لیے بعض لوگ ایسے توبہ کرنے والے کو فضیلت دیتے ہیں جو شہوت و معصیت کی لذت چکھ چکا ہو۔ اُس آدمی پر جو ابتداء عمر سے ہی عفت اور نیکی پر پیدا ہوا ہو دیاد رہے کہ یہ بات قابل غور ہے

کیونکہ ایک حدیث میں آیا ہے کہ وہ شخص جو ابتدائے عمر سے ہی تقویٰ پر پروان چڑھا ہو وہ قیامت کے دن اللہ کے سایہ کے نیچے ہوگا جس دن اُس کے سایے کے سوا کوئی سایہ نہ ہوگا (از مترجم)

وَعَنْ ثَوْبَانَ رض قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَا اُحِبُّ اَنَّ لِيَ الدُّنْيَا بِهٰذِهِ الْاٰيَةِ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا الْاٰيَةَ فَقَالَ رَجُلٌ فَمَنْ اَشْرَكَ فَسَكَتَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ قَالَ اَلَا وَمَنْ اَشْرَكَ ثَلٰثَ مَرَّاتٍ ۔

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سنا کہ میں اس آیت کے بدلے تمام دنیا کی چیزوں کو بھی پسند نہیں کرتا کیونکہ اس آیت میں تمام گناہوں سے مغفرت کی بشارت دی گئی ہے اور وہ آیت یہ ہے ۔ یاعبادی الذین اسرفوا علی انفسھم لا تقنطوا من رحمۃ اللّٰہ (اے میرے بندو جنہوں نے اپنے اوپر زیادتی کی ہے اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہوں) ایک شخص نے کہا کہ جس نے شرک کیا کیا وہ بھی بخشا جائیگا نبی پاک علیہ السلام خاموش رہے پھر حضور علیہ السلام نے فرمایا آگاہ رہو اور سنو جس نے شرک کیا ہوگا اللہ تعالیٰ اُسے بھی بخش دے گا لیکن توبہ کے ساتھ شرک کے سوا باقی گناہ اگر چاہے گا تو بغیر توبہ کے بھی بخش دے گا صحیح مذہب میں ایسا ہی آیا ہے ۔ یہ بات حضور علیہ السلام نے تین بار ارشاد فرمائی ۔

وَعَنْ اَبِيْ ذَرٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى لَيَغْفِرُ لِعَبْدِهٖ مَالَمْ يَقَعِ الْحِجَابُ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَمَا الْحِجَابُ قَالَ اَنْ تَمُوْتَ النَّفْسُ وَهِيَ مُشْرِكَةٌ رَوَى الْاَحَادِيْثَ الثَّلٰثَةَ اَحْمَدُ وَرَوَى الْبَيْهَقِيُّ الْاَخِيْرَ فِيْ كِتَابِ الْبَعْثِ وَالنُّشُوْرِ

حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک اللہ تعالیٰ پردہ واقع ہونے سے پہلے اپنے بندے کو بخش دیتا ہے ۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ پردہ کیا چیز ہے فرمایا پردہ یہ ہے کہ انسان شرک و کفر پر مر جائے ۔ ان تینوں احادیث کو امام احمد نے روایت کیا اور بیہقی نے آخری حدیث کو کتاب البعث و النشور میں روایت کیا ۔

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے فرماتے ہیں

اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ لَقِيَ اللّٰهَ لَا يَعْدِلُ بِهٖ شَيْئًا فِي الدُّنْيَا ثُمَّ كَانَ عَلَيْهِ مِثْلَ جِبَالٍ ذُنُوْبٌ غَفَرَ اللّٰهُ لَهٗ ۔ (رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِي كِتَابِ الْبَعْثِ وَالنُّشُوْرِ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اللہ تعالیٰ سے اس حالت میں ملے[1] گا کہ وہ دنیا میں کسی شے کو اُس کے برابر نہیں کرتا تھا یعنی دنیا میں اُس کے ساتھ کسی شے کو شریک نہیں کرتا تھا۔ پھر اُس پر اگر پہاڑوں جتنے بھی گناہ ہوں گے تو اللہ تعالیٰ اُسے بخش دے گا۔

اسے بیہقی نے کتاب البعث والنشور میں روایت کیا۔

[1] یعنی آخرت میں ملے گا۔

وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلتَّائِبُ مِنَ الذَّنْبِ كَمَنْ لَا ذَنْبَ لَهٗ ۔ (رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ وَالْبَيْهَقِيُّ فِي شُعَبِ الْاِيْمَانِ)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا گناہ سے توبہ کرنے والا ایسا ہو جاتا ہے کہ گویا اُس نے کوئی گناہ کیا ہی[1] نہیں۔

اسے ابن ماجہ نے روایت کیا۔ اور بیہقی نے شعب الایمان میں روایت کیا۔

وَقَالَ تَفَرَّدَ بِهِ النَّهْرَانِيُّ وَهُوَ مَجْهُوْلٌ وَفِي شَرْحِ السُّنَّةِ رَوَى عَنْهُ مَوْقُوْفًا قَالَ النَّدَمُ تَوْبَةٌ وَالتَّائِبُ كَمَنْ لَا ذَنْبَ لَهٗ ۔

اور بیہقی نے کہا کہ اس حدیث کے روایت کرنے میں النہرانی منفرد ہے۔ اور وہ مجہول ہے[2]۔ حضرت ابن مسعود نے فرمایا کہ گناہ سے پشیمان ہونا توبہ ہی[3] ہے اور توبہ کرنے والا ایسے ہو جاتا ہے جیسے اُس نے گناہ کیا ہی نہیں۔

[1] کیونکہ توبہ کی وجہ سے بندے کو اُس گناہ کا کوئی نقصان نہیں پہنچتا۔ بعض لوگوں نے کہا کہ یہ چیز ناقص کو کامل کے ساتھ ملانے کے باب میں سے ہے۔ واللہ اعلم۔

[2] اور شرح السنہ میں اُس سے یعنی ابن مسعود سے بطریق موقوف حدیث کو روایت کیا۔

[3] اور گناہ کی طرف دوبارہ کبھی رجوع نہ کرنے کا ارادہ بھی ندامت میں ہی داخل ہے۔

آگے گزشتہ ابواب کے لواحقات تتمات کا باب ہے بعض نسخوں میں یہاں باب فی سعۃ آیا ہے۔

بَابُ فِیْ سَعَةِ رَحْمَتِهٖ[1]

گزشتہ ابواب کے لواحقات ومتممات کا باب

بعض نسخوں میں یہاں باب فی سعۃ رحمۃ اللہ آیا ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی رحمت کی وسعت کا باب یہ ترجمہ باب میں واقع احادیث کے مناسب ہے۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

پہلی فصل

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا قَضَی اللّٰهُ الْخَلْقَ کَتَبَ کِتَابًا فَهُوَ عِنْدَهٗ فَوْقَ عَرْشِهٖ اِنَّ رَحْمَتِیْ سَبَقَتْ عَلٰی غَضَبِیْ وَفِیْ رِوَایَةٍ غَلَبَتْ غَضَبِیْ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب اللہ تعالیٰ نے مخلوق کے پیدا کرنے کا فیصلہ فرمایا تو اس نے ایک کتاب لکھی وہ کتاب اس کے پاس اس کے عرش پر ہے[1]۔ وہ کتاب یعنی تحریر یہ ہے بے شک میری رحمت میرے غضب پر سبقت لے گئی ہے۔ (بخاری ومسلم) اور ایک روایت لفظ سبقت کی جگہ غلبت[2] آیا ہے۔

[1] ان الفاظ میں اس امر کی تنبیہ ہے کہ وہ کتاب بڑی عظمت والی ہے اور اس کی شان بڑی بلند ہے۔

[2] دونوں کا مقصود ایک ہے۔ اور رحمت کا غضب پر سبقت لے جانا اور اس پر غالب آنا باین معنیٰ ہے۔ کہ اس کی رحمت کے غلبے کے آثار یعنی وجود وانعام تمام مخلوق پر چھائے ہوئے ہیں۔ گنتی میں نہیں آسکتے بخلاف غضب کے آثار کہ وہ انسانوں میں بعض وجوہ سے ظاہر ہے۔ جیسا کہ فرمایا وان تعدوا نعمۃ اللہ لاتحصوھا۔ اور اگر تم لوگ اللہ کی نعمتوں کو گننے لگو تو شمار نہ کر سکو اور یہ بھی فرمایا عذابی اصیب بہ من اشاء ورحمتی وسعت کل شیٔ میرا عذاب پہنچاتا ہوں میں انہیں جنہیں میں چاہتا ہوں اور میری رحمت تمام چیزوں کو وسیع ہے۔ پھر بندے سستی اور کوتاہی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کے شکر کی ادائیگی نہیں کر سکتے ان کی یہ سستی اور کوتاہی حد سے بڑھ چکی ہے۔ چنانچہ فرمایا۔ وَلَوْ یُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِظُلْمِهِمْ مَا تَرَکَ عَلَیْهَا مِنْ دَابَّةٍ۔ اور اگر اللہ تعالیٰ لوگوں کو ان کے ظلم کی وجہ سے پکڑتا تو زمین پر کوئی چلنے والی چیز باقی نہ چھوڑتا۔ تو یہ بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے کہ اس کے باوجود اللہ تعالیٰ انہیں زمین پر باقی رکھتا ہے روزی

دیتا ہے۔انہیں نعمت سے سرفراز کرتا ہے اور دنیا میں انہیں عذاب نہیں کرتا اور آخرت میں اللہ سبحانہ کی رحمت اس طرح ظاہر ہوگی کہ اگلی حدیث اسے بیان کر رہی ہے

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ لِلّٰهِ مِائَةَ رَحْمَةٍ اَنْزَلَ مِنْهَا رَحْمَةً وَّاحِدَةً بَيْنَ الْجِنِّ وَ الْاِنْسِ وَالْبَهَائِمِ وَ الْهَوَامِّ فَبِهَا يَتَعَاطَفُوْنَ وَبِهَا يَتَرَاحَمُوْنَ وَبِهَا تَعْطِفُ الْوَحْشُ عَلٰى وَلَدِهَا وَ اَخَّرَ اللّٰهُ تِسْعًا وَّ تِسْعِيْنَ رَحْمَةً يَرْحَمُ بِهَا عِبَادَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک اللہ تعالیٰ کی سو[1] رحمتیں ہیں اس نے ان میں سے جنوں اور انسانوں کے درمیان صرف ایک نعمت نازل فرمائی ہے اور مویشیوں اور کیڑوں کوڑوں کے درمیان بھی ایک ہی رحمت نازل فرمائی ہے جس کے ساتھ وہ ایک دوسرے پر مہربانی کرتے اور ایک دوسرے کے ساتھ شفقت کرتے ہیں اور اس رحمت کے ساتھ وحشی جانور اپنی اولاد پر مہربان[2] ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے نوے اور نو رحمتیں قیامت کے دن کے لیے پیچھے کر رکھی ہیں ان کے ساتھ وہ اپنے بندوں[3] پر رحمت کرے گا۔ (بخاری ومسلم)

وَفِیْ رِوَايَةٍ لِّمُسْلِمٍ عَنْ سَلْمَانَ نَحْوُهٗ وَفِیْ اٰخِرِهٖ قَالَ فَاِذَا كَانَ يَوْمُ الْقِيٰمَةِ اَكْمَلَهَا بِهٰذِهِ الرَّحْمَةِ۔

اور ایک روایت میں مسلم کے نزدیک سلمان[4] سے بھی ایسی ہی حدیث مروی ہے۔ اس روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں حضور علیہ السلام نے فرمایا جب قیامت کا دن ہوگا اللہ تعالیٰ ان ایک کم سو رحمتوں کو اس ایک رحمت کے ساتھ مکمل فرما دے گا جو اس نے جنوں اور انسانوں[5] وغیرہ پر کی تھی۔

[1] ظاہر یہ ہے کہ اس سے کثرت کی جانب اشارہ ہے۔ یا اس سے اس کی انواع مراد ہیں کہ ہر نوع کے نیچے غیر متناہی افراد ہیں۔ یا سو میں حصر اس وصف کے اعتبار سے ہے۔ جیسا کہ فرمایا ہے بے شک اللہ تعالیٰ کے ایک کم سو نام ہیں۔ واللہ اعلم۔

[2] وحشی جانوروں کی تخصیص کی وجہ یہ ہے کہ ان میں انسیت والفت کا پایا جانا بڑی بعید بات ہے۔

[3] کیونکہ یہ بات طے شدہ ہے کہ آخرت میں بخشش اور رحمت ایمان والوں کے ساتھ خاص ہوگی۔ لہٰذا بندوں سے مراد اس کے بندگان مومن ہیں کیونکہ آخرت میں رحمت مومنوں کے لیے ہی ہوگی۔

۴ۂ یعنی حضرت سلمان فارسی سے ایسی ہی روایت آئی ہے جو معنیٰ میں متفق علیہ ہے ۔ اور لفظوں میں اختلاف ہے ۔

۵ۂ اس روایت سے لازم آتا ہے کہ قیامت کے دن یہ رحمت بھی ہوگی اور ایک کم سو دوسری رحمتیں بھی اس کے ساتھ ملائی جائیں گی ۔ یہاں تک کہ کل سو رحمتیں بن جائیں گی ۔

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوْ يَعْلَمُ الْمُؤْمِنُ مَا عِنْدَ اللّٰهِ مِنَ الْعُقُوْبَةِ مَا طَمِعَ بِجَنَّتِهٖ اَحَدٌ وَلَوْ يَعْلَمُ الْكَافِرُ مَا عِنْدَ اللّٰهِ مِنَ الرَّحْمَةِ مَا قَنَطَ مِنْ جَنَّتِهٖ اَحَدٌ ۔
(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر بندہ مومن جان لے جو اللہ کے پاس عذاب ہے جس کے ساتھ وہ بندوں کو سزا دے گا تو کوئی بھی ایمان والوں میں سے بہشت کی امید اور اس کا طمع نہ رکھے ۔ اور اگر کافر یہ جان لے کہ اللہ کی رحمت کتنی ہے تو اس کی جنت سے کوئی بھی ناامید نہ ہو۔ [۱]

(بخاری و مسلم)

۱ۂ یعنی کافروں میں سے بھی کوئی ناامید نہ ہو یہاں حدیث میں قنط آیا ہے نون کی زبر اور زیر سے ۔ بھی ایک روایت ہے اور کتاب صراح میں اسے نصر اور ضرب وسمع سے کہا قاموس میں فرمایا کہ یہ نصر اور ضرب اور حسب اور کرم سے آتا ہے اس حدیث کا انداز اللہ تعالیٰ کی صفت لطف و قہر اور رحمت و غضب کے بیان کے لیے ہے ۔ کہ کوئی بھی اس کی حقیقت تک نہیں پہنچ سکتا ۔ پس مومن جو کہ خدائے تعالیٰ کی رحمت و لطف کا مظہر ہے اگر اس کے قہر کا تصور کرے تو ان میں سے کوئی بھی بہشت کا تصور نہ کر سکے ۔ اگر کافر جو کہ غضب و قہر کا مظہر ہے اگر اس کی رحمت و لطف پر نگاہ ڈالے تو وہ بھی ناامید نہ ہو ۔ اور یہ ایک دوسرا مقصود ہے جو کہ غضب پر غلبہ رحمت اور سبقت اس طریقے سے جو بیان کی گئی ہے کوئی ٹکراؤ نہیں رکھتا ۔ یعنی معانی میں سعدی نے فرمایا ؎

بتہدید گر برکشد تیغ حکم ۔۔۔ بمانند کروبیان صم و بکم

دگر در دہد یک صلائے کرم ۔۔۔ عزازیل گوید نصیبے برم

(۱) اگر ڈانٹ کے طور پر اٹھائے تلوار حکم کی تو رہ جائیں گے فرشتے بھی بہرے اور گونگے ۔

(۲) اگر وہ کرم کی ایک آواز دے تو ابلیس کہے گا کہ مجھے بھی حصہ ملنا چاہیے ۔

اللہ تعالیٰ کی قدرت سب کو شامل ہے مگر ہوگا وہی کچھ جس کے بارے میں اس نے ارادہ فرمایا ۔
يَفْعَلُ اللّٰهُ مَا يَشَاءُ وَيَحْكُمُ مَا يُرِيْدُ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۔ اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے کرتا ہے اور جو چاہتا ہے

حکم دیتا ہے۔ اور بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔

وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْجَنَّةُ اَقْرَبُ اِلٰى اَحَدِكُمْ مِّنْ شِرَاكِ نَعْلِهٖ وَالنَّارُ مِثْلُ ذٰلِكَ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جنت تم سے تمہارے جوتے کے تسمے سے بھی زیادہ قریب ہے۔ اور آگ بھی ایسی ہی ہے۔[1]

اسے بخاری نے روایت کیا۔

[1] یعنی وہ بھی جوتے کے تسمے سے زیادہ نزدیک ہے؛ یہ جنت اور دوزخ کے مردوں کے قریب ہونے کی تمثیل و تشبیہ ہے کیونکہ جنت یا دوزخ میں جانے کا سبب بندے کی سعی اور خدا کا حکم ہے۔ اور یہ دونوں چیزیں بالفعل موجود اور حاصل ہیں۔ اسے بخاری نے روایت کیا۔

وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ رَجُلٌ لَّمْ يَعْمَلْ خَيْرًا قَطُّ لِاَهْلِهٖ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک شخص جس نے کبھی کوئی نیکی نہ کی تھی اس نے اپنے گھر والوں سے کہا۔

وَفِيْ رِوَايَةٍ اَسْرَفَ رَجُلٌ عَلٰى نَفْسِهٖ فَلَمَّا حَضَرَهُ الْمَوْتُ اَوْصٰى بَنِيْهِ اِذَا مَاتَ فَحَرِّقُوْهُ ثُمَّ اذْرُوْا نِصْفَهٗ فِي الْبَرِّ وَنِصْفَهٗ فِي الْبَحْرِ فَوَاللّٰهِ لَئِنْ قَدَرَ اللّٰهُ عَلَيْهِ لَيُعَذِّبَنَّهٗ عَذَابًا لَّا يُعَذِّبُهٗ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ فَلَمَّا مَاتَ فَعَلُوْا مَا اَمَرَهُمْ فَاَمَرَ اللّٰهُ الْبَحْرَ فَجَمَعَ مَا فِيْهِ وَاَمَرَ الْبَرَّ فَجَمَعَ مَا فِيْهِ ثُمَّ

اور ایک روایت میں یوں ہے کہ ایک شخص نے اپنی جان پر زیادتی کی تھی جب اسے موت آئی تو اس نے اپنی اولاد کو وصیت کی کہ جب وہ مرجائے تو اسے جلادو پھر اس کا آدھا حصہ جسم کا جنگل میں اور آدھا دریا میں اڑا دو رب کی قسم اگر اللہ نے اس پر تنگی کی تو اسے وہ عذاب دے گا جو جہنم میں کسی کو نہ دے پھر جب وہ مرگیا تو جو اس نے کہا تھا وہ ان لوگوں نے کیا۔ اللہ تعالیٰ نے دریا کو حکم دیا اس نے اپنے اندر کا سب جمع کر دیا اور جنگل کو حکم دیا تو اس نے اپنے اندر کا سب جمع کر دیا پھر اس سے

قَالَ لَهٗ لِمَ فَعَلْتَ هٰذَا قَالَ مِنْ خَشْيَتِكَ يَا رَبِّ وَ اَنْتَ اَعْلَمُ فَغَفَرَ لَهٗ ۔
(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

فرمایا کہ تو نے یہ حرکت کیوں کی وہ بولا یا رب تیرے ڈر سے تجھے تو خود خبر ہے تو اس بندے کو رب تعالیٰ نے بخش دیا۔
(بخاری و مسلم)

سلہ حدیث میں لفظ اذرو آیا ہے جو کہ ذرو سے بنا ہے۔ یعنی ذ کے ساتھ بمعنیٰ ہوا کا کلیاں وغیرہ کو اڑانا اسی سے لفظ ذاریات بنا ہے یعنی اُڑانے والی ہوائیں اور لفظ اذرو ہمزہ کے وصل اور قطع دونوں طرح روایت ہے اور ذرونی بھی ایک روایت ہے یعنی ذ کی زبر یا پیش سے اور را کی شد سے۔ ذر کا معنیٰ ہے پھیلانا اور بکھیرنا۔ گویا اس مرد کا گمان یہ تھا کہ عذاب اُسی کو ہوتا ہے جس کو قبر میں رکھتے ہیں۔

سلہ یعنی اُسے زندہ کرنے کے بعد اُس سے پوچھا کہ تو نے ایسی وصیت کیوں کی۔

سلہ یہاں ایک اعتراض وارد ہوتا ہے اور وہ اس قول پر وارد ہوتا ہے کہ (لئن قدر اللہ) یعنی اگر اللہ کو قدرت ہوئی اور یہ خدا کی قدرت میں شک ہے اور یہ کفر ہے۔ اس اعتراض کے جواب میں بہت سی توجیہات و تاویلات کی گئی ہیں۔ چنانچہ بعض نے کہا کہ یہاں لفظ قدر قدرت سے نہیں بلکہ قدر سے ہے جس کا معنیٰ قضا و قدر ہے اور ایک روایت میں لفظ قدر بھی آیا ہے د کی شد سے۔ یہ قول معنیٰ تقدیر میں صریح ہے اور یہی توجیہ حضرت یونس علیہ السلام کے قول مبارک فظن ان لن نقدر میں بھی کی گئی ہے۔ بعض کہتے ہیں یہاں قدر بمعنیٰ تنگی ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے قول (من قدر علیہ رزقہ) میں فرمایا اور جس پر اُس کا رزق تنگ کیا گیا۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ کلام عرب میں مجاز ہے۔ اسے تجاہل العارف کہتے ہیں۔ اگرچہ یہ شک کی صورت میں ہے مگر مراد اس سے یقین ہے اور بعض کہتے ہیں کہ یہ ایک ایسے مرد کا واقعہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے کسی صفت سے بے خبر تھا اور متکلمین کا اس میں اختلاف ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی کسی صفت سے جاہل ہو وہ کافر ہے یا نہیں یا اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ یہ شخص اُس زمانے میں ہوا ہے جو زمانہ فترت کہلاتا ہے جس میں صرف توحید ہی کافی اور نفع مند ہوتی ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ وہ کلام ہے جو غلبہ قہر اور دہشت و خوف و خشیت کی حالت میں واقع ہوا ہے۔ اس حالت میں مرد مجنون کی طرح اور طوب العقل ہوتا ہے اس حالت میں بندے کی گرفت نہیں ہوتی۔ جیسا کہ اُس شخص کا قول جس نے انتہائی فرحت و سرور کی حالت میں بے خودی کے اندر کہہ دیا کہ تو میرا بندہ ہے میں تیرا رب ہوں۔

وَعَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ قَالَ قَدِمَ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَبْيٌ فَاِذَا

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کچھ قیدی آئے تو قیدیوں میں سے ایک عورت کی

امْرَاَۃٌ مِّنَ السَّبْیِ قَدْ تَحَلَّبَ ثَدْیُھَا تَسْعٰی اِذَا وَجَدَتْ صَبِیًّا فِی السَّبْیِ اَخَذَتْہُ فَاَلْصَقَتْہُ بِبَطْنِھَا وَ اَرْضَعَتْہُ فَقَالَ لَنَا النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَتَرَوْنَ ھٰذِہٖ طَارِحَۃً وَّلَدَھَا فِی النَّارِ فَقُلْنَا لَا وَھِیَ تَقْدِرُ عَلٰی اَنْ لَّا تَطْرَحَہٗ فَقَالَ اللّٰہُ اَرْحَمُ بِعِبَادِہٖ مِنْ ھٰذِہٖ بِوَلَدِھَا۔

(مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)

چھاتیاں دودھ سے چھلک رہی تھیں وہ دوڑ رہی تھی جب قیدیوں میں سے کوئی بچہ پاتی تو اُسے پکڑتی اپنے پیٹ سے چمٹا لیتی اور اُسے دودھ پلاتی یہ دیکھ کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم یہ خیال[1] کر سکتے ہو کہ یہ عورت اپنے بچے کو آگ میں پھینک سکتی ہے ہم نے عرض کیا کہ اگر وہ پھینکنے پر قادر ہو تو کبھی نہ پھینکے فرمایا اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر اس سے بھی زیادہ مہربان[2] ہے جتنی یہ اپنے بچے پر۔

(بخاری و مسلم)

[1] یہاں حدیث میں اتُرون ہے۔ یعنی تا کی پیش سے ایک روایت میں تَرون۔ تا کی زبر سے۔

[2] یعنی اللہ تعالیٰ قادر ہے کہ دوزخ میں نہ ڈالے یہاں اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ تو کافروں کو ہمیشہ کے لیے اور گناہ گاروں کو جب تک چاہے گا دوزخ میں ڈالے گا اس کا جواب یہ ہے کہ کافروں کو اُن کے انکار و تکبر اور نافرمانوں کو اُن کی عدم پیروی اور بندگی کے ترک پر ڈالے گا گویا کہ وہ اللہ کے بندے ہی نہ رہے تھے جیسا کہ فصل الثالث میں حضرت عبداللہ بن عمر کی حدیث میں آرہا ہے۔

وَعَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَنْ یُّنَجِّیَ اَحَدًا مِّنْکُمْ عَمَلُہٗ قَالُوْا وَلَا اَنْتَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ قَالَ وَلَا اَنَا اِلَّا اَنْ یَّتَغَمَّدَنِیَ اللّٰہُ مِنْہُ بِرَحْمَتِہٖ فَسَدِّدُوْا وَ قَارِبُوْا وَ اغْدُوْا وَ رُوْحُوْا وَ شَیْءٌ مِّنَ الدُّلْجَۃِ وَ الْقَصْدَ الْقَصْدَ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کسی کو اُس کا عمل نجات نہیں دے سکے گا لوگوں[1] نے عرض کیا یارسول اللہ آپ کو بھی نہ دے سکے گا فرمایا مجھے بھی نہ دے سکے گا مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ مجھے مہربانی سے اپنی رحمت میں چھپا[2] لے۔ لہٰذا ٹھیک رہو میانہ روی اختیار کرو صبح شام اور کچھ اندھیری رات[3] میں نیکیاں کر لیا کرو۔ میانہ روی میں رہو پہنچ جاؤ گے[4]

تَبْلُغُوْا۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ) (بخاری و مسلم)

ؔ لوگوں نے بطریق استفہام پوچھا یعنی آپ بھی اپنے عمل سے نجات نہ پائیں گے۔ حالانکہ آپ کا عمل بڑا عظیم و کامل ہے فرمایا نہیں۔

ؔ یہاں حدیث میں لفظ غمد آیا ہے۔ غین کی زیر بمعنیٰ تلوار کا غلاف جبکہ یہ عمل اس بات کو ظاہر کرتا ہے کہ نجات کی علت بننے میں عمل کی کوئی حیثیت نہیں تو یہ بات عمل کے سبب ہونے کے منافی نہیں ہے۔ اور بندے کے عمل کا بندے کی نجات میں دخل ہے۔ اسی لیے آپ نے اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق عمل کے ثابت کرنے کا اشارہ فرمایا۔ چنانچہ فرمایا کہ اپنے عمل کو ٹھیک اور درست کرو اس میں افراط و تفریط نہ آنے دو جیسا کہ بالکل سیدھا تیر نشانے پر جاتا ہے۔ یہاں حدیث میں لفظ سددو آیا ہے جو سداد سے بنا ہے۔ سداد سین کی زبر سے بمعنیٰ کردار و گفتگو کی درستی و راستی یہاں حدیث میں دوسرا لفظ قاربوا آیا ہے بمعنیٰ عمل میں میانہ روی اختیار کرو اس میں افراط و تفریط نہ کرو۔ یہ معنیٰ سددوا کی طرح ہے۔

ؔ یہاں حدیث کا لفظ دُلجہ ہے دکی پیش لام ساکن یعنی رات کے کچھ حصے میں بھی عبادت الٰہی میں سیر کرو۔ یہ نماز تہجد سے کنایہ ہے۔ اور حدیث میں واقع لفظ شئ زیر و پیش دونوں طرح پڑھا گیا ہے۔

ؔ یعنی تاکہ منزل مقصود تک پہنچ جاؤ۔ یہ تینوں چیزوں کا جواب ہے یعنی صبح کو چلو شام کو چلو اور رات کے کچھ حصے میں چلو یا اس کا تعلق میانہ روی سے ہے۔ یعنی میانہ روی سے لگے رہو گے تو اپنے مقصد کو پاؤ گے۔

وَعَنْ جَابِرٍؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يُدْخِلُ اَحَدًا مِّنْكُمْ عَمَلُهُ الْجَنَّةَ وَلَا يُجِيْرُهُ مِنَ النَّارِ وَلَا اَنَا اِلَّا بِرَحْمَةِ اللّٰهِ۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے کسی کو اس کا عمل نہ جنت میں پہنچا سکے گا نہ آگ سے بچا سکے گا اور نہ مجھے مگر اللہ کی رحمت سے۔

(مسلم شریف)

وَعَنْ اَبِيْ سَعِيْدٍؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اَسْلَمَ الْعَبْدُ فَحَسُنَ اِسْلَامُهٗ يُكَفِّرُ اللّٰهُ عَنْهُ كُلَّ سَيِّئَةٍ كَانَ زَلَفَهَا

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بندہ جب اسلام لایا اور اس کا اسلام اچھا ہو گیا ؔ تو اللہ تعالیٰ اس کی ہر برائی جو وہ گزشتہ زمانہ میں کر چکا ؔ ہوتا ہے

وَ کَانَ بَعْدُ الْقِصَاصُ الْحَسَنَةُ بِعَشْرِ اَمْثَالِهَا اِلٰى سَبْعِ مِائَةِ ضِعْفٍ اِلٰى اَضْعَافٍ كَثِيْرَةٍ وَ السَّيِّئَةُ بِمِثْلِهَا اِلَّا اَنْ يَّتَجَاوَزَ اللّٰهُ عَنْهَا۔

(رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

مٹادیتا اور بخش دیتا ہے اس کے بعد قصاص اور بدلہ ہوتا رہتا ہے۔ کہ نیکی تو ایک سے دس اور دس سے سات سو تک ملتی ہے۔ اور گناہ اس کے برابر مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ معافی عطا کر دے۔

(بخاری)

۱ یعنی اس میں شک و نفاق کا شائبہ تک نہ رہا بلکہ وہ اخلاص و یقین سے پوری طرح معمور ہو گیا۔

۲ یہاں حدیث میں لفظ زلفہا ہے لام کی شد سے تخفیف لام سے بھی ایک روایت ہے۔ زلف، زلّف۔ ازلف سب کا ایک معنیٰ ہے۔ اس کا اصل زلفی ہے۔ بمعنی قرب۔

۳ یعنی اس کے بعد عمل میں جزا اور مماثلت پائی جاتی ہے۔ یعنی اسے وجود میں لایا جاتا ہے۔ قصاص قصص سے نکلا ہے بمعنی کسی نشان کے پیچھے چلنا اور مرد کا اس جگہ چلے جانا جہاں سے آیا تھا۔ اور جب کہ جزا عمل کے پیچھے آتی ہے اس لیے اسے بھی قصاص کہہ دیتے ہیں۔

۴ یعنی بندے کی مشقت اور صدق و اخلاص کے مطابق ملتی ہے۔

۵ اور اس ایک برائی کی سزا بھی نہ دے۔ یہ فضل و کرم الٰہی ہے۔ کہ نیکی کی جزا تو آتنی زیادہ عطا کرتا ہے اور بدی سے مکمل طور پر درگزر فرماتا ہے۔ اور اگر برائی کا بدلہ دیتا بھی ہے تو صرف ایک۔

وَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ كَتَبَ الْحَسَنَاتِ وَ السَّيِّئَاتِ فَمَنْ هَمَّ بِحَسَنَةٍ فَلَمْ يَعْمَلْهَا كَتَبَهَا اللّٰهُ لَهٗ عِنْدَهٗ حَسَنَةً كَامِلَةً فَاِنْ هَمَّ بِهَا فَعَمِلَهَا كَتَبَهَا اللّٰهُ لَهٗ عِنْدَهٗ عَشْرَ حَسَنَاتٍ اِلٰى سَبْعِ مِائَةِ ضِعْفٍ اِلٰى اَضْعَافٍ كَثِيْرَةٍ وَ مَنْ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بیشک اللہ تعالیٰ نے نیکیاں اور برائیاں لکھ رکھی ہوئی ہیں۔ تو جس نے نیکی کا ارادہ کیا مگر اسے عملاً نہ کیا تو اللہ تعالیٰ اسے اپنے پاس پوری نیکی لکھتا ہے۔ اگر وہ ارادہ بھی کرتا ہے اور عملاً بھی وہ نیکی کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے اپنے پاس دس نیکیوں سے سات سو گنا تک لکھتا ہے۔ بلکہ اس سے بھی کئی گنا زیادہ لکھتا ہے جو برائی کا ارادہ کرتا ہے۔ مگر عملاً اسے

هَمَّ بِسَيِّئَةٍ فَلَمْ يَعْمَلْهَا كَتَبَهَا اللّٰهُ لَهٗ عِنْدَهٗ حَسَنَةً كَامِلَةً فَاِنْ هُوَ هَمَّ بِهَا فَعَمِلَهَا كَتَبَهَا اللّٰهُ لَهٗ سَيِّئَةً وَّاحِدَةً۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

نہیں کرتا تو اللہ تعالیٰ اس کے بدلے ایک نیکی کامل لکھتا ہے۔ اور اگر وہ اس کا ارادہ بھی کرتا ہے پھر عملاً بھی وہ برائی کر لیتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے ایک برائی لکھتا ہے[۱]۔ (بخاری و مسلم)

[۱] یعنی ایک حقیر قلیل برائی لکھتا ہے۔ اس حدیث میں اللہ تعالیٰ کے بے انتہائی فضل و کرم و عفو و درگزر کا ذکر ہے جیسا کہ حدیث کے الفاظ سے ظاہر ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

دوسری فصل

عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ مَثَلَ الَّذِيْ يَعْمَلُ السَّيِّئَاتِ ثُمَّ يَعْمَلُ الْحَسَنَاتِ كَمَثَلِ رَجُلٍ كَانَتْ عَلَيْهِ دِرْعٌ ضَيِّقَةٌ قَدْ خَنَقَتْهُ ثُمَّ عَمِلَ حَسَنَةً فَانْفَكَّتْ حَلْقَةٌ ثُمَّ عَمِلَ اُخْرٰى فَانْفَكَّتْ اُخْرٰى حَتّٰى تَخْرُجَ اِلَى الْاَرْضِ۔ (رَوَاهُ فِيْ شَرْحِ السُّنَّةِ)

حضرت عقبہ[۱] بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس شخص کا حال جو برے عمل کرتا ہے پھر اچھے عمل کرتا ہے اس شخص کے حال کی طرح ہے جس پر تنگ زرہ ہو جس نے اس کے گلے کو تنگ کر رکھا ہو پھر وہ کوئی نیک عمل کرتا ہے تو اس کا حلقہ کشادہ ہو جاتا ہے۔ پھر دوسری نیکی کرتا ہے پھر دوسرا حلقہ کشادہ ہو جاتا ہے یہاں تک کہ وہ زرع رفتہ رفتہ بدن سے الگ ہو کر زمین پر آگرتی ہے[۲]۔ اسے شرح السنۃ میں روایت کیا۔

[۱] آپ مشہور صحابی ہیں۔

[۲] خلاصہ یہ ہے کہ نیکی کرنا سینے کی کشادگی و فرحت کا موجب ہے اور برا کام کرنا سینے اور دل کی تنگی کا موجب ہے۔ حضور علیہ السلام نے اس کیفیت کو زرع پہننے کے ساتھ تشبیہ دی جو بعد میں ہلکی اور کشادہ ہوتی چلی جاتی ہے جس سے بندے کو فراخی اور خوشی نصیب ہوتی ہے۔

وَعَنْ اَبِي الدَّرْدَاءِ اَنَّهٗ

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے بے شک

سَمِعَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُصُّ عَلَى الْمِنْبَرِ وَهُوَ يَقُوْلُ وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ قُلْتُ وَ اِنْ زَنٰى وَ اِنْ سَرَقَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَقَالَ الثَّانِيَةَ وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ فَقُلْتُ الثَّانِيَةَ وَ اِنْ زَنٰى وَ اِنْ سَرَقَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَقَالَ الثَّالِثَةَ وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ فَقُلْتُ الثَّالِثَةَ وَ اِنْ زَنٰى وَ اِنْ سَرَقَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ وَ اِنْ رَغِمَ اَنْفُ اَبِي الدَّرْدَاءِ۔ (رَوَاهُ اَحْمَدُ)

انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو منبر پر بیان کرتے ہوئے سنا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اس پر تشریف فرما ہو کر وعظ فرما رہے تھے اور قرآن پاک کی یہ آیت پڑھ رہے تھے (ولمن خاف مقام ربہ جنتان) یعنی جو شخص اللہ تعالیٰ کے حضور حساب کے لیے کھڑے ہونے سے ڈرے گا اُس کے لیے دو بہشتیں ہیں میں نے عرض کیا یعنی بطور سوال استفہام کہا کہ اگرچہ اُس نے زنا کیا ہو چوری کی ہو یا رسول اللہ آپ نے دوبارہ فرمایا (ولمن خاف مقام ربہ جنتان) میں نے دوبارہ کہا اگر اُس نے زنا کیا ہو اور چوری کی ہو آپ نے تیسری دفعہ پڑھا ولمن خاف مقام ربہ جنتان میں نے تیسری بار عرض کیا یا رسول اللہ اگرچہ اُس نے زنا کیا ہو اور چوری کی ہو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہاں اگرچہ ابودردا کی ناک خاک آلودہ ہی ہو۔[1] (احمد)

[1] ناک کے خاک آلودہ ہونے سے مراد ناپسندگی اور خواری ہے۔ جب حضرت ابودردا نے اس حکم میں دوری محسوس کی تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے آپ کے قول کے خلاف مکرر اور بار بار فرمایا اس میں حضرت ابودردا کے لیے ناپسندگی پائی جاتی تھی اور وہ جو عرف میں کہتے ہیں کہ میں نے اُس کے رغم پر یوں کیا اور یوں کہا تو اُس کا بھی یہی معنی ہوتا ہے کہ اگرچہ تمہیں کتنا ہی ناگوار ہو بات ایسی ہی ہے۔ اور ایسی بات کہنا اس امر کو مستلزم نہیں ہوتا کہ نفس الامر میں بھی اُس کے خلاف ہی ہو۔ جیسا کہ عرف عام میں لوگ سمجھ لیتے ہیں۔

وَعَنْ عَامِرِنِ الرَّامِ قَالَ بَيْنَا نَحْنُ عِنْدَهٗ يَعْنِيْ عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذْ اَقْبَلَ رَجُلٌ عَلَيْهِ كِسَاءٌ وَ فِيْ يَدِهٖ شَيْءٌ قَدِ الْتَفَّ

حضرت عامر الرام رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم اُن کے یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر تھے کہ اچانک ایک شخص آیا جس پر کمبل تھا۔ اُس کے ہاتھ میں کوئی چیز تھی جس پر کمبل لپیٹا تھا۔ عرض کیا یا رسول اللہ میں ایک درخت کی جھاڑی

عَلَيْهِ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَرَرْتُ بِغَيْضَةِ شَجَرٍ فَسَمِعْتُ فِيْهَا اَصْوَاتَ فِرَاخِ طَائِرٍ فَاَخَذْتُهُنَّ فَوَضَعْتُهُنَّ فِیْ كِسَائِیْ فَجَاءَتْ اُمُّهُنَّ فَاسْتَدَارَتْ عَلٰى رَاْسِیْ فَكَشَفْتُ لَهَا عَنْهُنَّ فَوَقَعَتْ عَلَيْهِنَّ فَلَفَفْتُهُنَّ بِكِسَائِیْ فَهُنَّ اُولَاءِ مَعِیَ قَالَ ضَعْهُنَّ فَوَضَعْتُهُنَّ وَ اَبَتْ اُمُّهُنَّ اِلَّا لُزُوْمَهُنَّ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَتَعْجَبُوْنَ لِرُحْمِ اُمِّ الْاَفْرَاخِ فِرَاخَهَا فَوَالَّذِیْ بَعَثَنِیْ بِالْحَقِّ اَللّٰهُ اَرْحَمُ بِعِبَادِهٖ مِنْ اُمِّ الْاَفْرَاخِ بِفِرَاخِهَا اِرْجِعْ بِهِنَّ حَتّٰى تَضَعَهُنَّ مِنْ حَيْثُ اَخَذْتَهُنَّ وَاُمُّهُنَّ مَعَهُنَّ فَرَجَعَ بِهِنَّ۔

(رَوَاهُ اَبُوْ دَاؤُدَ)

پر گزرا۔ تو میں نے اُس جھاڑی میں چڑیا کے چوزوں کی آواز سنی میں نے انہیں پکڑ لیا اور اپنے کمبل میں رکھ دیا۔ اتنے میں اُن کی ماں آگئی وہ میرے سر پر چکر لگانے لگی میں نے اُس کے سامنے وہ بچے کھولدیے وہ ان پر گر پڑی میں نے اُن سب کو اپنے کمبل میں لپیٹ لیا وہ سب میرے ساتھ ہیں ۔فرمایا انہیں رکھ دو میں نے انہیں رکھ دیا اُن کی ماں انہیں چمٹی رہی تھی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم ان چوزوں کی ماں کی اپنے بچوں سے اتنی ماںتا پر تعجب کرتے ہو اُس کی قسم جس نے مجھے حق کے ساتھ بھیجا۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر اس سے زیادہ مہربان ہے جتنی بچوں کی ماں چوزوں پر انہیں واپس لے جاؤ حتیٰ کہ انہیں وہاں ہی رکھ آؤ جہاں سے پکڑا ہے اور اُن کی ماں اُن کے ساتھ رہی وہ انہیں واپس لے گیا۔

(ابوداؤد)

[1] رام رامی کا مخفف ہے یعنی تیر انداز اور بعض عامر بن الرام کہتے ہیں مگر اول صحیح تر ہے۔
[2] یہاں حدیث کے بعض نسخوں میں بفراخہا آیا ہے اور رام کی بجائے رحم آیا ہے۔ یعنی را کی پیش حا ساکن اور حا کی پیش۔
[3] کیونکہ اُس نے اس قدر بے اندازہ نعمتیں بندوں کے حال پر نثار کر رکھی ہیں اور وہ چاہتا ہے کہ بندے میری طرف آئیں، توبہ کریں اور اُس کی درگاہ قبولیت میں حاضر ہو جائیں۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ بَعْضِ غَزَوَاتِهٖ فَمَرَّ بِقَوْمٍ فَقَالَ مَنِ الْقَوْمُ قَالُوْا نَحْنُ الْمُسْلِمُوْنَ وَامْرَاَةٌ تَحْضِبُ بِقِدْرِهَا وَمَعَهَا ابْنٌ لَهَا فَاِذَا ارْتَفَعَ وَهَجٌ تَنَحَّتْ بِهٖ فَاَتَتِ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

فَقَالَتْ اَنْتَ رَسُوْلُ اللهِ قَالَ نَعَمْ قَالَتْ بِاَبِيْ اَنْتَ وَاُمِّيْ اَلَيْسَ اللهُ اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ قَالَ بَلٰى قَالَتْ اَلَيْسَ اللهُ اَرْحَمَ بِعِبَادِهٖ مِنَ الْاُمِّ بِوَلَدِهَا قَالَ بَلٰى قَالَتْ اِنَّ الْاُمَّ لَا تُلْقِيْ وَلَدَهَا فِي النَّارِ فَاَكَبَّ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَبْكِيْ ثُمَّ رَفَعَ رَاْسَهٗ اِلَيْهَا فَقَالَ اِنَّ اللهَ لَا يُعَذِّبُ مِنْ عِبَادِهٖ اِلَّا الْمَارِدَ الْمُتَمَرِّدَ الَّذِيْ يَتَمَرَّدُ

تیسری فصل

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں ہم بعض غزوں میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک قوم پر گزرے پوچھا تم کون لوگ ہو وہ بولے ہم لوگ مسلمان ہیں ایک عورت ہانڈی کے نیچے آگ جلا رہی تھی اُس کے ساتھ اُس کا بچہ تھا جب آگ بھڑک کر اونچی ہوتی تو عورت بچے کو دور ہٹا دیتی وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور بولی کیا آپ اللہ کے رسول ہیں فرمایا ہاں تو اُس نے عرض کیا میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں کیا اللہ تعالیٰ تمام رحم کرنے والوں سے بڑھ کر رحیم نہیں فرمایا ہاں بولی کیا اللہ اپنے بندوں پر ماں کے اپنے بچے سے زیادہ مہربان نہیں فرمایا ہاں تو بولی کہ ماں تو اپنے بچے کو آگ میں نہیں ڈالتی اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سر جھکا لیا اور آپ بہت روئے پھر سر مبارک اس کی طرف اٹھا کر فرمایا اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے صرف سرکش بندے ہی کو عذاب دے گا جو اللہ تعالیٰ

عَلَى اللّٰهِ وَ اَبٰى اَنْ يَّقُوْلَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ . (رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ)

پر سرکشی کرے اور لا الٰہ الا اللہ کہنے سے انکاری ہو۔[۴] (ابن ماجہ)

۱؎ یہاں حدیث میں لفظ حضب آیا ہے بمعنیٰ آگ جلانا اور ایدھن کے لیے لفظ حطب آتا ہے۔ اور ابن عباس نے قرآن پاک کے لفظ حصب جہنم کو حضب جہنم بھی پڑھا ہے۔

۲؎ یہاں حدیث میں لفظ وہج آیا ہے دونوں زبروں کے ساتھ بمعنیٰ آگ کا شعلہ۔

۳؎ یہاں حدیث میں اکب آیا ہے جو کہ اکباب سے بنا ہے بمعنیٰ منہ نیچے کر لینا۔ یہاں اس کا معنی یہ بھی کیا گیا ہے کہ آپ پوری طرح متوجہ ہوئے۔ یہ معنیٰ قاموس میں بیان کیا گیا ہے بعض احادیث میں بھی یہ معنیٰ آیا ہے۔

۴؎ یعنی توحید الٰہی کے اقرار سے سرکشی کرتا ہے۔ لفظ مارد یا مرید جنوں اور انسانوں میں سے ان شیاطین کو کہتے ہیں جو ہر قسم کی خیر اور بھلائی سے خالی اور عاری ہوں اور جو کچھ اُن کے ذمے واجب ہے اُس سے وہ باہر ہوتے ہیں اور متمرد اُسے کہتے ہیں جو بہت ہی سرکش ہو۔ اس کا اصل مرد ہے مارد برہنہ ہونے اور خالی ہونے کے معنیٰ میں آتا ہے۔ چنانچہ امرد اُس جوان کو کہتے ہیں جسے ابھی داڑھی نہ آئی ہو۔ اور اُس درخت کو بھی کہتے ہیں جس پر پتے نہ ہوں۔

وَعَنْ ثَوْبَانَ رض عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ الْعَبْدَ لَيَلْتَمِسُ مَرْضَاةَ اللّٰهِ فَلَا يَزَالُ بِذٰلِكَ فَيَقُوْلُ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ لِجِبْرَئِيْلَ اِنَّ فُلَانًا عَبْدِيْ يَلْتَمِسُ اَنْ يُّرْضِيَنِيْ اَلَا وَ اِنَّ رَحْمَتِيْ عَلَيْهِ فَيَقُوْلُ جِبْرَئِيْلُ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلٰى فُلَانٍ وَ يَقُوْلُهَا حَمَلَةُ الْعَرْشِ وَ يَقُوْلُهَا مَنْ حَوْلَهُمْ حَتّٰى يَقُوْلَهَا اَهْلُ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ ثُمَّ تَهْبِطُ لَهٗ اِلَى

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا بندہ اللہ تعالیٰ کی رضا تلاش کرتا رہتا ہے۔ اس جستجو میں رہتا ہے تو اللہ تعالیٰ حضرت جبرائیل سے فرماتا ہے کہ میرا فلاں بندہ مجھے راضی کرنا چاہتا ہے۔ آگاہ رہو کہ اس پر میری رحمت ہے تو حضرت جبرائیل کہتے ہیں فلاں پر اللہ کی رحمت ہو یہی بات عرش اٹھانے والے فرشتے کہتے ہیں یہی اُن کے ارد گرد کے فرشتے کہتے ہیں حتیٰ کہ ساتوں آسمان والے یہ کہنے لگتے ہیں پھر یہ رحمت اُس کے لیے زمین پر نازل ہوتی

الْاَرْضِ۔ ہے۔

(رَوَاهُ اَحْمَدُ) (احمد)

ـ۱ یہاں حدیث میں لفظ تَہْبِطُ آیا ہے یعنی بصیغہ معلوم بھی آیا ہے۔ یہ لفظ ہبوط سے بنا ہے بمعنی نیچے اترنا اور اہباط بمعنی نیچے لانا۔ اس کی مثل ایک اور حدیث ہے جو کہ اللہ تعالیٰ کے قول (ان الذین آمنوا وعملوا الصلحٰت سیجعل لھم الرحمٰن ودا) بے شک وہ لوگ جو ایمان لائے اور نیک عمل اختیار کرے عنقریب اللہ تعالیٰ اُن کے لیے دوستی پیدا کرے گا۔ کی تفسیر میں آیا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ بندوں میں سے کسی بندے کو اپنا دوست بناتا ہے تو حضرت جبرائیل سے فرماتا ہے میں نے فلاں بندے کو اپنی دوستی کے لیے چن لیا۔ تو بھی اُسے دوست بنا اور ملائکہ کو بھی خبر دے دے کہ وہ بھی اُس سے دوستی کریں۔ اُس کے بعد اللہ تعالیٰ اس بندے کی محبت انسانوں کے دلوں میں ڈال دیتا ہے تو سارے انسان اُس سے دوستی کرنے لگتے ہیں۔ یہی سبب ہے اولیاء کرام اور دوستانِ حق کی قبولیت و شہرت کا کہ تمام اُن سے دوستی کرتے ہیں اور وہ لوگ جو مختلف حیلوں اور مکر و فریب کے ذریعے عوام کے دل اپنی طرف کھینچتے ہیں ایسے لوگ کسی اہمیت کے لائق نہیں اللہ تعالیٰ ہمیں لوگوں کو مکر و فریب سے بچائے۔

وَعَنْ اُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ[۱] عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي قَوْلِ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ وَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ وَمِنْهُمْ سَابِقٌ بِالْخَيْرَاتِ قَالَ كُلُّهُمْ فِي الْجَنَّةِ۔

(رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِي كِتَابِ الْبَعْثِ وَالنُّشُوْرِ)

حضرت اُسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے متعلق کہ بعض لوگ اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے ہیں اور بعض میانہ رو ہیں اور بعض بھلائیوں میں سبقت لے جانے والے ہیں حضور علیہ السلام نے فرمایا یہ سب جنتی ہیں۔ اسے بیہقی نے کتاب البعث والنشور میں روایت کیا۔

ـ۱ اُسامہ بن زید بن حارثہ آپ درگاہ نبوت کے محبوب و مقرب صحابی ہیں انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا محبوب کہتے تھے اور زید ابن حارثہ جو آپ کے باپ ہیں حضور علیہ السلام کے متبنٰی تھے۔ یہ حضرت اسامہ بن زید اللہ تعالیٰ کے قول مبارک جو اوپر مذکور ہوا ہے کی تفسیر میں فرماتے ہیں اس آیت کا اول حصہ اس طرح ہے۔ ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْكِتَابَ الَّذِيْنَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ۔ ترجمہ۔ تو ہم نے دی کتاب اور شریعت اُن لوگوں کو جنہیں ہم نے اپنے بندوں میں سے برگزیدہ فرمایا۔ ایمان اور اسلام کے ساتھ پس ان برگزیدہ بندوں میں سے بعض وہ ہیں جو اپنے اوپر ظلم کرتے والے ہیں جو کہ عمل میں کوتاہی کے مرتکب ہوتے ہیں۔ اور ان میں سے کچھ میانہ رو ہیں جو غالب اوقات

عمل میں لگے رہتے ہیں مگر جتنی کوشش چاہیے نہیں کرتے اور ان میں سے کچھ وہ ہیں جو نیکیوں میں سبقت لے جانے والے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو عمل میں غایت درجہ کی کوشش و محنت کرتے اور علم و عمل سے خود منور ہونے کے ساتھ ساتھ دوسروں کی تعلیم و ارشاد میں بھی لگے رہتے ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ ظالم سے جاہل، میانہ رو سے طالب علم اور سابق سے عالم مراد ہیں۔ اس قیاس کے مطابق خیرات اور بھلائیوں میں ایک تو ادنیٰ مرتبہ ہے ایک درمیانہ اور ایک اعلیٰ یہ تینوں قسم کے لوگ برگزیدگان میں شامل ہیں اسی لیے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حدیث کے آخر میں فرمایا کلھم فی الجنۃ کہ یہ سب کے سب اپنے مراتب و درجات کے مطابق جنت میں ہوں گے۔ یہاں سے اللہ تعالیٰ کی رحمت کی وسعت کا اندازہ کرنا چاہیے۔

بَابُ مَا يَقُوْلُ عِنْدَ الصَّبَاحِ وَالْمَسَآءِ وَالْمَنَامِ

ان دعاؤں کا باب جو صبح شام اور سونے کے وقت پڑھی جاتی ہیں

لفظ صباح و صبح بمعنی فجر اور سورج نکلنے کے وقت تک پر بھی صبح کا اطلاق کرتے ہیں۔ مسا بمعنیٰ شام صباح کی ضد ہے۔ اس باب میں مذکورہ دعائیں جو صبح اور شام کو پڑھی جاتی ہیں انہیں بھی شامل ہیں جو نماز فجر و مغرب سے پہلے اور اُن کے بعد اور سونے کے وقت پڑھی جاتی ہیں۔ ظاہر یہ ہے کہ سونے سے رات مراد ہے۔ یہ قیلولے کو شامل نہیں ہے اس پر دلالت کرتا ہے۔

دوسری حدیث میں ایک قول جس میں فرمایا اذا اخذ مضجعہ من اللیل۔ یعنی جب آپ رات کو اپنے بستر پر جاتے تھے۔ اس میں غور کرو واللہ اعلم۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

پہلی فصل

عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ رض قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اَمْسٰى قَالَ اَمْسَيْنَا وَ اَمْسَى الْمُلْكُ لِلّٰهِ وَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَ لَآ اِلٰهَ اِلَّا

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب شام کرتے تو کہتے ہم نے رات کی اور ملک نے بھی اللہ تعالیٰ کے لیے رات کی۔ تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں کوئی معبود نہیں سوائے

اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ لَہُ الْمُلْکُ وَلَہُ الْحَمْدُ وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ مِنْ خَیْرِ ھٰذِہِ اللَّیْلَۃِ وَخَیْرِ مَا فِیْھَا وَ اَعُوْذُ بِکَ مِنَ الْکَسَلِ وَالْھَرَمِ وَ سُوْءِ الْکِبَرِ وَ فِتْنَۃِ الدُّنْیَا وَ عَذَابِ الْقَبْرِ وَ اِذَا اَصْبَحَ قَالَ ذٰلِکَ اَیْضًا اَصْبَحْنَا وَ اَصْبَحَ الْمُلْکُ لِلّٰہِ۔

اُس کے وہ وحدہ لاشریک ہے۔ ملک اُسی کا ہے اُس کے لیے حمد ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے اے اللہ بے شک میں تجھ سے اس رات کی خیر مانگتا ہوں اور اُس کی خیر جو اس میں[۱] ہے اور میں تیرے ساتھ اس رات کے شر سے اور اس رات میں جو شر ہے اُس سے پناہ لیتا ہوں اے اللہ بے شک میں تیرے ساتھ کاہلی سے، ردی[۲] قسم کے بڑھاپے اور بڑھاپے کی برائی سے پناہ لیتا ہوں اور دنیا کے فتنے[۳] اور عذاب قبر سے بھی پناہ لیتا ہوں ہم نے صبح کی[۴] اور ملک نے بھی اللہ کے لیے صبح کی۔

وَ فِیْ رِوَایَۃٍ رَبِّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِکَ مِنْ عَذَابٍ فِی النَّارِ وَ عَذَابٍ فِی الْقَبْرِ۔ (رَوَاہُ مُسْلِمٌ)

اور ایک روایت میں اس طرح آیا ہے کہ حضور پڑھتے تھے اے میرے رب بے شک میں تیرے پاس عذاب دوزخ اور عذاب قبر سے پناہ لیتا ہوں۔ (مسلم)

[۱] یعنی کائنات اور حوادث کی نیکی جو اس رات میں پائی جاتی ہے۔

[۲] یہاں حدیث میں لفظ ہرم آیا ہے دونوں زبروں کے ساتھ۔ بمعنی بہت زیادہ بڑھاپا۔

[۳] یہاں حدیث میں لفظ سوء الکبر آیا ہے ک کی زیر با کی زبر یہ گویا لفظ ہرم کی تفسیر اسی کی تاکید ہے۔ ک کی زیر اور با ساکن سے بھی ایک روایت ہے بمعنی تکبر۔ مگر پہلی روایت زیادہ صحیح اور زیادہ ظاہر ہے۔

[۴] یعنی اس کی بلاؤں آسائشوں سے اور عذاب قبر سے یعنی فتنہ عذاب قبر سے۔

[۵] یعنی جب آپ صبح کرتے تھے تو اس طرح فرماتے تھے۔

وَعَنْ حُذَیْفَۃَ قَالَ کَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا اَخَذَ مَضْجَعَہٗ مِنَ اللَّیْلِ وَضَعَ یَدَہٗ تَحْتَ خَدِّہٖ ثُمَّ یَقُوْلُ اَللّٰھُمَّ بِاسْمِکَ اَمُوْتُ

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات کو جب اپنے بستر پر جگہ[۱] لیتے تھے تو اپنا دست مبارک اپنے رخسار مبارک کے نیچے رکھتے[۲] تھے۔ اپنے دائیں پہلو پر پھر آپ فرماتے تھے اے اللہ میں تیرے

وَ اَحْيٰی وَ اِذَا اسْتَيْقَظَ قَالَ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَحْيَانَا بَعْدَ مَا اَمَاتَنَا وَ اِلَيْهِ النُّشُوْرُ. (رَوَاهُ الْبُخَارِیُّ وَمُسْلِمٌ عَنِ الْبَرَاءِ)

نام کے ساتھ مرتا اور تیرے نام کے ساتھ زندہ ہوتا ہوں اور جب بیدار ہوتے تھے تو کہتے تھے تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جس نے ہمیں مارنے کے بعد زندگی عطا فرمائی اور اُسی کی طرف اُٹھنا ہے۔ اسے بخاری نے روایت کیا۔ اور مسلم نے اس حدیث کو حضرت براء بن عازب سے روایت کیا۔

۱؎ یہاں حدیث میں لفظ مضجعہ آیا ہے بمعنیٰ خواب گاہ یہ لفظ ضجعۃ سے بنا ہے بمعنیٰ زمین پر پہلو رکھنا۔ مضجعہ میم اور جیم کی زبر سے پہلو رکھنے کی جگہ اور اسے مُضْطَجِعْ بھی کہتے ہیں۔

۲؎ یعنی دائیں ہاتھ مبارک جیسا کہ حدیث میں آیا ہے۔

۳؎ یعنی تیرے نام سے سوتا اور تیرے نام سے بیدار ہوتا ہوں۔ ہو سکتا ہے کہ اس سے حقیقی موت وحیات مراد ہو۔

۴؎ اس عبارت کا ظاہر معنیٰ اول کو ظاہر کرتا ہے۔

۵؎ یعنی قیامت کے دن اُس کے حضور اُٹھنا ہے۔

۶؎ اگر یہ سوال کیا جائے کہ جب اس حدیث کو بخاری ومسلم دونوں نے روایت کیا تو پھر اسے متفق علیہ کیوں نہ کہا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ متفق علیہ حدیث میں اصطلاح کے مطابق ایک صحابی سے روایت ہونی چاہیے۔ اور جب کہ بخاری نے اسے حذیفہ سے روایت کیا اور مسلم نے حضرت براء سے تو یہ حدیث متفق علیہ نہ ہوئی۔ جیسا کہ شیخ نے فرمایا ہے۔

وَ عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اَوٰى اَحَدُكُمْ اِلٰى فِرَاشِهٖ فَلْيَنْفُضْ فِرَاشَهٗ بِدَاخِلَةِ اِزَارِهٖ فَاِنَّهٗ لَا يَدْرِیْ مَا خَلَفَهٗ عَلَيْهِ ثُمَّ يَقُوْلُ بِاسْمِكَ رَبِّیْ وَضَعْتُ جَنْبِیْ وَبِكَ اَرْفَعُهٗ اِنْ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی شخص اپنے بستر میں جائے تو اپنے تہ بند کے اندر والے پلو سے بستر جھاڑ لے کہ کیا خبر کہ بستر پر کیا چیز پڑی ہے پھر کہے یارب میں تیرے نام پر اپنا پہلو رکھ رہا ہوں اور تیرے نام پر ہی اٹھاؤں گا اگر آج میری جان تو قبض کرے تو اس پر رحم فرمانا

اَمْسَكْتَ نَفْسِيْ فَارْحَمْهَا وَ اِنْ اَرْسَلْتَهَا فَاحْفَظْهَا بِمَا تَحْفَظُ بِهٖ عِبَادَكَ الصّٰلِحِيْنَ

اور اگر اُسے واپس بھیجے تو اُس کی اُس ہی سے حفاظت فرما جس سے تو اپنے نیک بندوں کی حفاظت[۴] فرماتا ہے۔

وَ فِيْ رِوَايَةٍ ثُمَّ لِيَضْطَجِعْ عَلٰى شِقِّهِ الْاَيْمَنِ ثُمَّ لِيَقُلْ بِاسْمِكَ -

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

اور ایک روایت میں اس طرح ہے کہ پھر اپنی دائیں کروٹ پر لیٹ جائے پھر کہے باسمك ربي الی آخرہ۔

(بخاری و مسلم)

وَفِيْ رِوَايَةٍ فَلْيَنْفُضْهُ بِصَنِفَةِ[۵] ثَوْبِهٖ ثَلٰثَ مَرَّاتٍ وَ اِنْ اَمْسَكْتَ نَفْسِيْ فَاغْفِرْ لَهَا -

اور ایک روایت میں ہے کہ پھر اپنے کپڑے کے پلو سے بستر تین بار[۵] جھاڑے اور یوں کہے کہ اگر تو میری جان قبض فرمائے تو اُسے بخش دینا۔

۱ یہاں حدیث میں لفظ اوی آیا ہے یعنی الف مقصورہ کے ساتھ بمعنیٰ اُس نے پناہ لی اور مد کے ساتھ آدی بمعنیٰ پناہ دی اور کبھی دونوں کلمے ایک دوسرے کے معنیٰ میں استعمال ہوتے ہیں مگر الف مقصورہ کے ساتھ پڑھنا زیادہ فصیح اور اکثر ہے۔ لہٰذا یہاں قصر سے پڑھا جائے گا مد بھی ایک روایت ہے۔ اور حضرت انس کی حدیث میں جو آوٰنا آیا ہے وہ مد سے ہے۔

۲ اندر والے کنارے سے جو جسم سے لگا ہوتا ہے۔

۳ یعنی پہلے اپنے کپڑے سے بستر جھاڑنا چاہیے پھر اُس پر سونا چاہیے شاید کوئی کیڑا یا خس و خاشاک اُس پر پڑا ہوا ہو۔

۴ آدمی جب سو جاتا ہے تو مردے کی طرح ہو جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اُس کی روح نکال لیتا ہے یا اُس کی روح کی حفاظت کرتا ہے اور پھر اُس کی روح کو واپس بھیجتا ہے اور اُسے زندہ کرتا ہے۔ پس بندہ دعا کرتا ہے خداوندا اگر تو نے میری حفاظت کی اور مجھے موت دی ہے تو مجھے بخش دے۔ اور اگر تو نے میری روح کو واپس بھیجا اور زندہ رکھنا ہے تو میری اُس طرح حفاظت فرما جس طرح تو صالح بندوں کی حفاظت فرماتا ہے۔

۵ یہاں حدیث میں لفظ صنفہ ص کی زبر نون کی زیر اور بعد میں فا آیا ہے بمعنیٰ تہبند کا وہ کنارہ جس طرف سے کھلا ہوتا ہے اس روایت میں اَمْسَكْتَ نَفْسِيْ فَاغْفِرْ لَهَا بجائے فارحمها آیا ہے۔

بزرگ فرماتے ہیں کہ دائیں پہلو پر سونے میں حکمت یہ ہے کہ دل بائیں پہلو میں ہے بندہ جب دائیں پہلو پر سوتا

ہے تو دل لٹک جاتا ہے اور اسے کوئی زیادہ استراحت حاصل نہیں ہوتی، گہری نیند نہیں پڑتی اور شب بیداری کے لیے اٹھنا آسان ہو جاتا ہے اور اگر بندہ بائیں پہلو پر سو جائے تو دل کو قرار ملتا ہے زیادہ راحت حاصل ہوتی ہے اور نیند بھی گہری آتی ہے۔کتاب شرح سفر السعادت میں یہ بات زیادہ تحقیق کے ساتھ بیان کی گئی ہے وہاں سے دیکھ لی جائے۔

وَعَنِ الْبَرَآءِ بْنِ عَازِبٍؓ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَوٰى إِلٰى فِرَاشِهٖ نَامَ عَلٰى شِقِّهِ الْأَيْمَنِ ثُمَّ قَالَ اللّٰهُمَّ أَسْلَمْتُ نَفْسِيْ إِلَيْكَ وَوَجَّهْتُ وَجْهِيْ إِلَيْكَ وَفَوَّضْتُ أَمْرِيْ إِلَيْكَ وَأَلْجَأْتُ ظَهْرِيْ إِلَيْكَ رَغْبَةً وَّرَهْبَةً إِلَيْكَ لَا مَلْجَأَ وَلَا مَنْجَأَ مِنْكَ إِلَّا إِلَيْكَ اٰمَنْتُ بِكِتَابِكَ الَّذِيْ أَنْزَلْتَ وَبِنَبِيِّكَ الَّذِيْ أَرْسَلْتَ وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَالَهُنَّ ثُمَّ مَاتَ تَحْتَ لَيْلَتِهٖ مَاتَ عَلَى الْفِطْرَةِ۔

حضرت البراء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب اپنے بستر پر تشریف لے جاتے تو اپنی داہنی کروٹ پر لیٹتے پھر یوں کہتے الٰہی میں نے اپنی جان تیرے سپرد کی اور اپنا چہرہ تیری طرف متوجہ کیا اور اپنا کام تیرے سپرد کیا۔ تیرے کرم پر ٹیک[۱] لگائی تیری طرف رغبت کرتے اور تجھ سے ڈرتے ہوئے تجھ سے نہ کہیں پناہ ہے نہ رہائی سوائے تیری طرف[۲] کے۔میں تیری اتاری ہوئی کتاب اور تیرے بھیجے ہوئے رسول پر ایمان[۳] لایا جس کو تو نے رسول بنا کر بھیجا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو بندہ یہ کلمات کہہ لیتا ہے پھر اسی رات مر جائے تو ایمان پر مرے گا۔

وَفِيْ رِوَايَةٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِرَجُلٍ يَا فُلَانُ إِذَا أَوَيْتَ إِلٰى فِرَاشِكَ فَتَوَضَّأْ وُضُوْءَكَ لِلصَّلٰوةِ ثُمَّ اضْطَجِعْ عَلٰى شِقِّكَ الْأَيْمَنِ ثُمَّ قُلْ

اور ایک روایت میں ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص سے فرمایا جب تو اپنے بستر پر جائے تو نماز کی طرح کا وضو کر پھر اپنی داہنی کروٹ پر لیٹ جا پھر کہہ میں نے اپنے کو تیرے سپرد کیا آخر کلام ارسلت تک

اَللّٰهُمَّ اَسْلَمْتُ نَفْسِيْ اِلَيْكَ اِلٰى قَوْلِهٖ اَرْسَلْتَ وَقَالَ فَاِنْ مُتَّ مِنْ لَيْلَتِكَ مُتَّ عَلَى الْفِطْرَةِ وَاِنْ اَصْبَحْتَ اَصَبْتَ خَيْرًا (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)	اور فرمایا اگر تم اس رات مر گئے تو اسلام پر مرو گے۔ اور اگر تم صبح پاؤ گے تو بہت بھلائی حاصل کرو گے۔ (بخاری و مسلم)

لہ یعنی میں نے تیرے اوپر ہی اعتماد کیا اور تمام کاموں میں میں نے تیری ہی پناہ لی۔

ٹہ یعنی تیری صفات قہریہ سے تیری صفات لطیفہ کے پاس ہی پناہ لیتا ہوں لفظ ملجاء ہمزہ سے اور منجا الف سے ہے۔

ٹہ یعنی ہر کتاب پر پیغمبر پر یا قرآن پاک اور حضور کی ذات پاک۔ کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر اور قرآن پر ایمان لانا ہر مومن کے لیے فرض ہے اسی طرح ہر پیغمبر پر ایمان لانا بھی فرض ہے۔

وَعَنْ اَنَسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ اِذَا اَوٰى اِلٰى فِرَاشِهٖ قَالَ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ اَطْعَمَنَا وَسَقَانَا وَكَفَانَا وَاٰوَانَا فَكَمْ مِمَّنْ لَا كَافِيَ لَهٗ وَلَا مُؤْوِيَ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)	حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب اپنے بستر پر جاتے تو فرماتے خدا کا شکر ہے جس نے ہمیں کھلایا پلایا اور جس نے ہمیں بچایا[1] اور ہمیں پناہ[2] دی کیونکہ بہت سے وہ ہیں جنہیں نہ کوئی بچانے والا ہے نہ پناہ دینے[3] والا۔ (مسلم)

لہ اپنی تمام مہمات میں ہمارے لیے کافی ہوا اور ہر قسم کی مضر چیزوں کے شر سے ہمیں بچایا۔

ٹہ یہاں حدیث میں لفظ آوٰنا مد سے آیا ہے۔ ایک روایت قصر سے بھی ہے۔

ٹہ بلکہ انہیں ان کے شر کے ساتھ ہی چھوڑ دیا ہے اور انہیں کوئی جگہ بھی نہیں دی بلکہ انہیں حیران و پریشان جنگلات اور وادیوں میں چھوڑ دیا ہے یا کفایت اور مدد سے مومنوں کی مدد مراد ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ہے۔ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ مَوْلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاَنَّ الْكٰفِرِيْنَ لَا مَوْلٰى لَهُمْ۔ ترجمہ۔ یہ اس لیے کہ بے شک اللہ تعالیٰ ایمان والوں کا محافظ ہے اور بے شک کافروں کے لیے کوئی محافظ نہیں۔

وَعَنْ عَلِيٍّ رضی اللہ عنہ اَنَّ فَاطِمَةَ اَتَتِ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ	حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے بے شک فاطمۃ الزہرا حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت

وَسَلَّمَ تَشْكُوْا اِلَيْهِ مَا تَلْقٰى فِيْ يَدِهَا مِنَ الرَّحٰى وَبَلَغَهَا اَنَّهٗ جَآءَهٗ رَقِيْقٌ فَلَمْ تُصَادِفْهُ فَذَكَرَتْ ذٰلِكَ لِعَآئِشَةَ فَلَمَّا جَآءَ اَخْبَرَتْهُ عَآئِشَةُ قَالَ فَجَآءَنَا وَقَدْ اَخَذْنَا مَضَاجِعَنَا فَذَهَبْنَا نَقُوْمُ فَقَالَ عَلٰى مَكَانِكُمَا فَجَآءَ فَقَعَدَ بَيْنِيْ وَبَيْنَهَا حَتّٰى وَجَدْتُ بَرْدَ قَدَمِهٖ عَلٰى بَطْنِيْ فَقَالَ اَلَا اَدُلُّكُمَا عَلٰى خَيْرٍ مِّمَّا سَاَلْتُمَا اِذَا اَخَذْتُمَا مَضْجَعَكُمَا فَسَبِّحَا ثَلٰثًا وَّثَلٰثِيْنَ وَاحْمِدَا ثَلٰثًا وَّثَلٰثِيْنَ وَكَبِّرَا اَرْبَعًا وَّثَلٰثِيْنَ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمَا مِنْ خَادِمٍ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

میں حاضر ہوئیں اُس تکلیف کی شکایت کرنے کے لیے جو اُن کے ساتھ چکی سے پہنچتی تھی انہیں خبر ملی تھی کہ حضور کے پاس غلام آئے ہیں[1]۔ مگر انہوں نے حضور کو نہ پایا اور حضرت عائشہ سے کہہ آئیں جب حضور تشریف لائے تو حضرت عائشہ نے یہ قصہ عرض کیا فرماتے ہیں کہ حضور ہمارے پاس تشریف لائے جبکہ ہم بستر پکڑ چکے تھے تو ہم اٹھنے لگے فرمایا اپنی جگہ رہو تشریف لائے میرے اور فاطمۃ الزہرا کے درمیان بیٹھ گئے[3]۔ حتیٰ کہ میں نے حضور کے قدم کی ٹھنڈک اپنے پیٹ پر[4] محسوس کی فرمایا میں تمہیں تمہارے سوال سے بہتر چیز نہ بتاؤں جب تم اپنے بستر لو تو بستر لو تو تینتیس بار سبحان اللہ پڑھ لو اور تینتیس بار الحمد للہ اور چونتیس بار اللہ اکبر یہ تمہارے لیے خادم سے بہتر ہے[5]۔

(بخاری و مسلم)

۱ مال غنیمت میں۔

۲ اور اس وجہ سے اپنا حال بیان نہ کر سکیں۔

۳ یہ حضور علیہ السلام کی اُن کے ساتھ انتہائی مہربانی شفقت اور بے تکلفی تھی۔ جیسا کہ عربی کا محاورہ ہے جب الفت آجاتی ہے تو کلفت اور بے چینی ختم ہو جاتی ہے۔

۴ ہو سکتا ہے ٹھنڈک سے یقین کی ٹھنڈک مراد ہو جو کہ حضور علیہ السلام کے پاؤں مبارک سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے باطن شریف میں سرایت کر گئی تھی۔

۵ جس کا تم نے سوال کیا ہے۔ اور جو تم نے خدمت گزار مانگے ہیں۔ بس یہ ورد تمہارے لیے خادم سے بہتر ہے

لفظ خادم خدم کا واحد ہے۔ اور یہ مذکر مونث دونوں کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ کتاب صراح میں ہے کہ خادم بمعنی ذکر ظاہر یہ ہے کہ حضرت فاطمہ الزہرہ رضی اللہ عنہا نے کوئی لونڈی مانگی تھی۔

وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ جَاءَتْ فَاطِمَةُ اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ تَسْاَلُهٗ خَادِمًا فَقَالَ اَلَا اَدُلُّكِ عَلٰی مَا هُوَ خَیْرٌ مِّنْ خَادِمٍ تُسَبِّحِیْنَ اللّٰهَ ثَلٰثًا وَّ ثَلٰثِیْنَ وَتَحْمَدِیْنَ اللّٰهَ ثَلٰثًا وَّ ثَلٰثِیْنَ وَتُكَبِّرِیْنَ اللّٰهَ اَرْبَعًا وَّ ثَلٰثِیْنَ عِنْدَ كُلِّ صَلٰوةٍ وَّ عِنْدَ مَنَامِكِ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں حضرت فاطمہ الزہرہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں خادم مانگنے کے لیے آئیں تو آپ نے فرمایا کہ میں تمہیں وہ چیز نہ بتا دوں جو خادم سے بہتر ہے تینتیس بار سبحان اللہ پڑھا کرو تینتیس بار الحمد للہ اور چونتیس بار اللہ اکبر ہر نماز کے وقت اور سوتے وقت[1] پڑھ لیا کرو۔ (مسلم)

[1] اس حدیث میں نماز کے بعد اور سونے کے وقت دونوں کا ذکر ہے گزشتہ حدیث میں صرف سونے کے وقت کا ذکر ہے۔ ان کلمات کا ہر نماز کے بعد پڑھنا مقرر اور مشہور ہے۔ امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ فرمایا یہ ورد کبھی بھی مجھ سے فوت نہ ہوا یہاں تک کہ جنگ صفین کی رات بھی۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

دوسری فصل

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اَصْبَحَ قَالَ اَللّٰهُمَّ بِكَ اَصْبَحْنَا وَ بِكَ اَمْسَیْنَا وَبِكَ نَحْیٰی وَ بِكَ نَمُوْتُ وَ اِلَیْكَ الْمَصِیْرُ وَاِذَا اَمْسٰی قَالَ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب صبح کا وقت پاتے تو کہتے الٰہی ہم نے تیری مہربانی سے صبح پائی اور تیری مہربانی سے ہی شام کریں گے تیرے رحم سے جئیں گے تیرے فضل سے مریں گے اور تیری طرف رجوع ہے اور جب شام پاتے تو کہتے

اَللّٰھُمَّ بِکَ اَمْسَیْنَا وَ بِکَ اَصْبَحْنَا وَ بِکَ نَحْیٰی وَ بِکَ نَمُوْتُ وَ اِلَیْکَ النُّشُوْرُ۔ (رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَاَبُوْ دَاوٗدَ وَابْنُ مَاجَۃَ)

الٰہی تیرے فضل سے ہم نے شام پائی اور تیرے فضل سے صبح کریں گے تیری مہربانی سے جئیں گے اور مریں گے تیری ہی طرف اٹھنا ہے[1]۔

(ترمذی، ابوداؤد)

(ابن ماجہ)

[1] اس حدیث میں صبح اور شام دونوں میں اصبحنا اور امسینا دونوں کا ذکر آیا ہے لیکن صبح میں اصبحنا کو امسینا سے پہلے بیان کیا۔ اور شام میں امسینا کو اصبحنا پر مقدم کیا اور صبح میں ایک المصیر اور شام میں ایک النشور آیا ہے۔ مشہور روایت میں صرف اصبحنا ہے۔ اور ایک النشور صبح شام دونوں کے لیے صحیح ہے۔ اسے اچھی طرح سمجھ لو اور بک نحیٰی وبک نموت صبح میں مذکور ہے شام میں مذکور نہیں ہے۔

وَعَنْہُ قَالَ قَالَ اَبُوْبَکْرٍ قُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ مُرْنِیْ بِشَیْءٍ اَقُوْلُہٗ اِذَا اَصْبَحْتُ وَ اِذَا اَمْسَیْتُ قَالَ قُلِ اللّٰھُمَّ عَالِمَ الْغَیْبِ وَ الشَّھَادَۃِ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ رَبَّ کُلِّ شَیْءٍ وَّ مَلِیْکَہٗ اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اَنْتَ اَعُوْذُبِکَ مِنْ شَرِّ نَفْسِیْ وَ مِنْ شَرِّ الشَّیْطٰنِ وَ شِرْکِہٖ قُلْہُ اِذَا اَصْبَحْتَ وَ اِذَا اَمْسَیْتَ وَ اِذَا اَخَذْتَ مَضْجَعَکَ۔

(رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَاَبُوْ دَاوٗدَ وَالدَّارِمِیُّ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ مجھے ایسی چیز بتائیے جو میں صبح اور شام کے وقت پڑھ لیا کروں فرمایا یوں کہا کرو اے اللہ اے کھلی وچھپی چیزوں کے جاننے والے۔ اے آسمانوں و زمین کے پیدا کرنے والے۔ اے ہر چیز کے رب و مالک میں گواہی دیتا ہوں کہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں میں اپنے نفس کی اور شیطان کی شرارت اور اس کے شرک[1] سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔ جب صبح پاؤ جب شام پاؤ جب اپنے بستر پر لیٹو تو یہ کلمات پڑھ لیا کرو۔

(ترمذی۔ ابوداؤد)

(دارمی)

[1] یہاں حدیث میں لفظ شرک آیا ہے شرک شین کی زبر سے بھی ایک روایت ہے اس کا معنیٰ ہے شکاری کا جال اس سے مراد وہ فتنے اور اختلاف ہیں جس میں وہ ڈالتا ہے اور جن کے سبب وہ آدمی کو گرفتار کرتا ہے جیسے عورتیں

مال واولاد کہ یہ چیزیں انسان کو خدا کی یاد سے غافل کرتی ہیں۔

وَعَنْ اَبَانَ بْنِ عُثْمَانَ قَالَ سَمِعْتُ اَبِیْ يَقُوْلُ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ عَبْدٍ يَقُوْلُ فِیْ صَبَاحِ كُلِّ يَوْمٍ وَّ مَسَاءِ كُلِّ لَيْلَةٍ بِسْمِ اللّٰهِ الَّذِیْ لَا يَضُرُّ مَعَ اسْمِهٖ شَیْءٌ فِی الْاَرْضِ وَلَا فِی السَّمَآءِ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ثَلٰثَ مَرَّاتٍ فَيَضُرُّهٗ شَیْءٌ فَكَانَ اَبَانُ قَدْ اَصَابَهٗ طَرَفُ فَالِجٍ فَجَعَلَ الرَّجُلُ يَنْظُرُ اِلَيْهِ فَقَالَ لَهٗ اَبَانُ مَا تَنْظُرُ اِلَیَّ اَمَا اِنَّ الْحَدِيْثَ كَمَا حَدَّثْتُكَ وَلٰكِنِّیْ لَمْ اَقُلْهُ يَوْمَئِذٍ لِيُمْضِیَ اللّٰهُ عَلَیَّ قَدَرَهٗ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَاَبُوْ دَاوٗدَ)

حضرت ابان[1] بن عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نے اپنے والد کو فرماتے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایسا کوئی بندہ نہیں جو ہر دن صبح شام اور ہر رات تین بار یہ کہہ لیا کرے میں نے اس کے نام سے صبح اور شام کی جس کے نام کی برکت سے نہ زمین کی کوئی چیز نقصان دے سکتی ہے نہ آسمان کی اور وہ سنتا اور جانتا ہے پھر اسے کوئی چیز نقصان بھی دے۔ حضرت ابان کو کچھ فالج[2] ہوگیا ایک شخص انہیں غور سے دیکھنے لگا[3] آپ نے اس سے فرمایا کہ تو مجھے کیوں دیکھ رہا ہے حدیث ویسی ہی ہے جیسی کہ میں نے تجھے سنائی لیکن میں اس حال میں یہ دعا نہ کرسکا کہ اللہ مجھ پر اپنی قضاء و قدر نافذ کردے۔ (ترمذی، ابن ماجہ) (ابو داؤد)

وَفِیْ رِوَايَةٍ لَمْ تُصِبْهُ فَجْاَةُ بَلَاءٍ حَتّٰى يُصْبِحَ وَمَنْ قَالَهَا حِيْنَ يُصْبِحُ لَمْ تُصِبْهُ فَجْاَةُ بَلَاءٍ حَتّٰى يُمْسِیَ۔

اور ابوداؤد کی روایت میں یوں ہے کہ اسے صبح بلائے ناگہانی[4] نہ پہنچے گی اور جو صبح کو یہ پڑھ لیا کرے اسے شام تک آفت ناگہانی نہ پہنچے گی۔

لہ ہمزہ کی زبر اور با مخفف سے آپ تابعین میں سے ہیں جنگ جمل میں جو حضرت عائشہ کے ساتھ ہوئی سب

سے پہلے جو شخص اس جنگ میں بھاگ کھڑے ہوئے وہ یہی ہیں۔ یہ بھینگے اور مرض جذام کے مریض اور کانوں سے بہرے تھے۔ اور آخر میں ان کو فالج ہو گیا تھا یہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں اور دوسرے صحابہ کرام سے بھی۔

۲ فالج یہ ایک مشہور مرض ہے جو بندے کو زمین پر گرا دیتا ہے اور بدن کے دو حصوں میں سے ایک حصہ سست اور بیکار ہو جاتا ہے کیونکہ اُس حصے میں سے بلغمی مواد بہہ جاتا ہے۔ جس نے روح کے راستوں کو بند کیا ہوا ہے۔

۳ یعنی تم نے خود روایت کی ہے کہ جو شخص ہر روز یہ دعا پڑھ لیتا ہے اُسے کوئی بیماری نہیں پہنچتی اور تم پڑھتے بھی ہو تو پھر تمہیں فالج کی بیماری کیوں لاحق ہوئی اُس کے جواب میں انہوں نے کہا کہ میں نے اُس حالت میں یہ دعا نہیں پڑھی تھی کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے آج اس کو پڑھنے کی توفیق نہ دی۔

۴ یہاں حدیث میں لفظ فجارۃ آیا ہے یعنی فا کی زبر جیم ساکن اور ہمزہ کی زیر سے اور فا کی پیش جیم کی زبر اور مد سے دونوں طرح پڑھنا جائز ہے۔

وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ رضؓ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقُوْلُ اِذَا اَمْسٰى اَمْسَيْنَا وَ اَمْسَى الْمُلْكُ لِلّٰهِ وَالْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ رَبِّ اَسْئَلُكَ خَيْرَ مَا فِيْ هٰذِهِ اللَّيْلَةِ وَ خَيْرَ مَا بَعْدَهَا وَ اَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّ مَا فِيْ هٰذِهِ اللَّيْلَةِ وَ شَرِّ مَا بَعْدَهَا رَبِّ اَعُوْذُبِكَ مِنَ الْكَسَلِ وَ مِنْ سُوْءِ الْكِبَرِ اَوِ الْكُفْرِ۔ وَفِيْ رِوَايَةٍ مِّنْ سُوْءِ الْكِبَرِ وَ الْكِبْرِ رَبِّ اَعُوْذُبِكَ مِنْ عَذَابٍ فِي النَّارِ وَعَذَابٍ فِي الْقَبْرِ وَ اِذَا اَصْبَحَ قَالَ ذٰلِكَ اَيْضًا اَصْبَحْنَا وَ اَصْبَحَ

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے بے شک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم شام کے وقت یہ پڑھتے تھے ہم نے اور اللہ کے سارے ملک نے شام پالی اللہ کا شکر ہے اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اُس کا کوئی شریک نہیں اُسی کا ملک ہے اُس کی تعریف ہے وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ الٰہی میں تجھ سے اس رات کی بھلائی اور اُس کے بعد کی بھلائی مانگتا ہوں اور اس رات کے شر اور اس کے بعد کے شر سے تیری پناہ مانگتا ہوں یا رب میں سستی اور بڑے بڑھاپے یا کفر سے

اور ایک روایت ہے کہ بڑے بڑھاپے اور تکبر سے تیری پناہ مانگتا ہوں یا رب میں آگ کے عذاب اور قبر کے عذاب سے تیری پناہ مانگتا ہوں اور آپ جب صبح پاتے تو بھی کہتے کہ ہم نے اور

اَلْمُلْكُ لِلّٰهِ .

(رَوَاهُ اَبُوْ دَاؤُدَ وَ التِّرْمِذِيُّ)

وَ فِيْ رِوَايَتِهٖ لَمْ يَذْكُرْ مِنْ سُوْٓءِ الْكُفْرِ ـ

وَ عَنْ بَعْضِ بَنَاتِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُعَلِّمُهَا فَيَقُوْلُ قُوْلِيْ حِيْنَ تُصْبِحِيْنَ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ مَا شَآءَ اللّٰهُ كَانَ وَمَا لَمْ يَشَاْ لَمْ يَكُنْ اَعْلَمُ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ وَ اَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَحَاطَ بِكُلِّ شَيْءٍ عِلْمًا فَاِنَّهٗ مَنْ قَالَهَا حِيْنَ يُمْسِيْ حُفِظَ حَتّٰى يُصْبِحَ ـ

(رَوَاهُ اَبُوْ دَاؤُدَ)

وَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَالَ حِيْنَ يُصْبِحُ فَسُبْحَانَ اللّٰهِ حِيْنَ تُمْسُوْنَ وَ حِيْنَ تُصْبِحُوْنَ وَ لَهُ الْحَمْدُ فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ عَشِيًّا وَّ حِيْنَ تُظْهِرُوْنَ اِلٰى قَوْلِهٖ وَ كَذٰلِكَ

اللہ کے ملک نے صبح پائی۔

(ابوداؤد، ترمذی)

اور ایک روایت میں کفر کی برائی کا ذکر نہ فرمایا۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعض صاحبزادیوں سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم انہیں سکھاتے تھے اور فرماتے تھے صبح کے وقت یہ کہہ لیا کرو۔ اللہ پاک ہے اس کا شکر ہے اللہ کے بغیر قوت نہیں جو اللہ نے چاہا وہ ہوا اور جو نہ چاہا نہ ہوا۔ میں جانتا ہوں کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے اور اللہ کا علم ہر چیز کو گھیرے ہوئے ہے۔ جو صبح کے وقت یہ کہہ لے گا شام تک اس کی حفاظت کی جائے گی۔ اور جو شام کے وقت یہ کہے گا تو صبح تک اس کی حفاظت ہوگی۔

(ابوداؤد)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو صبح کے وقت کہہ لے اللہ کی پاکی شام و سویرا پاتے وقت اس کی حمد ہو رہی ہے آسمانوں اور زمین میں اور عصر اور ظہر کو بھی تسبیح پڑھو۔ کذلک تخرجون تک تو اس دن میں جو کچھ چھوٹ

تُخْرَجُوْنَ ۔ اَدْرَكَ مَا فَاتَهٗ فِيْ يَوْمِهٖ كَذٰلِكَ وَ مَنْ قَالَهُنَّ حِيْنَ يُمْسِيْ اَدْرَكَ مَا فَاتَهٗ فِيْ لَيْلَتِهٖ

(رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ)

گئی ہو اُسے پالے گا اور شام کے وقت یہ پڑھ لے گا تو اُس رات میں چھوٹی نیکی پالے گا۔

(ابوداؤد)

لہ اس آیت میں پانچ نمازوں کی طرف اشارہ ہے جیسا کہ اپنے مقام پر اس کا ذکر ہوگا۔

وَعَنْ اَبِيْ عَيَّاشٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ قَالَ اِذَا اَصْبَحَ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَ لَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ كَانَ لَهٗ عِدْلُ رَقَبَةٍ مِّنْ وُّلْدِ اِسْمٰعِيْلَ وَ كُتِبَ لَهٗ عَشْرُ حَسَنَاتٍ وَ حُطَّ عَنْهُ عَشْرُ سَيِّئَاتٍ وَّ رُفِعَ لَهٗ عَشْرُ دَرَجَاتٍ وَّ كَانَ فِيْ حِرْزٍ مِّنَ الشَّيْطَانِ حَتّٰى يُمْسِيَ وَ اِنْ قَالَهَا اِذَا اَمْسٰى كَانَ لَهٗ مِثْلُ ذٰلِكَ حَتّٰى يُصْبِحَ فَرَاٰى رَجُلٌ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْمَا يَرَى النَّآئِمُ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ اَبَا عَيَّاشٍ يُحَدِّثُ

حضرت ابو عیاش رضی اللہ عنہ سے روایت ہے بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص صبح کے وقت یہ کہہ لیا کرے کہ اکیلے اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اس کا کوئی شریک نہیں اسی کا ملک ہے اس کی حمد ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اُسے اولاد اسمٰعیل میں سے ایک غلام آزاد کرنے کا ثواب ہے اور اس کے لیے دس نیکیاں لکھی جائیں گی اور اُس کے دس گناہ معاف ہوں گے اور اُس کے درجے بلند ہوں گے اور اُس کے لیے شام تک شیطان سے حفاظت ہوگی اور اگر یہی کلمات شام کے وقت کہہ دے تو صبح تک اُسے یہی ملے گا ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا اور عرض کیا۔ یا رسول اللہ! ابو عیاش آپ سے

عَنْكَ بِكَذَا وَكَذَا قَالَ صَدَقَ أَبُوْ عَيَّاشٍ۔
(رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ وَابْنُ مَاجَةَ)

ایسی ایسی حدیث روایت کرتے ہیں۔ فرمایا ابو عیاش سچے ہیں۔
(ابوداؤد ابن ماجہ)

لہ یا کی شد اور شین سے آپ صحابی ہیں آپ کا نام زید بن ثابت انصاری ہے۔ ایک ابو عیاش تابعی ہے۔ وہ زید ابن عیاش مخذومی ہے۔

لہ اس کا بیان باب تسبیح وتحمید میں حدیث عمرابن شعیب فصل الثانی کے اندر گزر چکا ہے۔

وَعَنِ الْحَارِثِ بْنِ مُسْلِمِ التَّمِيْمِيِّ عَنْ أَبِيْهِ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ أَسَرَّ إِلَيْهِ فَقَالَ إِذَا انْصَرَفْتَ مِنْ صَلٰوةِ الْمَغْرِبِ فَقُلْ قَبْلَ أَنْ تُكَلِّمَ أَحَدًا اَللّٰهُمَّ أَجِرْنِيْ مِنَ النَّارِ سَبْعَ مَرَّاتٍ فَإِنَّكَ إِذَا قُلْتَ ذٰلِكَ ثُمَّ مُتَّ فِيْ لَيْلَتِكَ كُتِبَ لَكَ جِوَارٌ مِّنْهَا وَإِذَا صَلَّيْتَ الصُّبْحَ فَقُلْ كَذٰلِكَ فَإِنَّكَ إِذَا مُتَّ فِيْ يَوْمِكَ كُتِبَ لَكَ جِوَارٌ مِّنْهَا۔
(رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ)

حضرت حارثؓ بن مسلم تمیمی سے روایت ہے وہ اپنے والد سے اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے خفیۃً[۲] فرمایا جب نماز مغرب سے فارغ ہو تو کسی سے کلام کرنے سے پہلے سات بار یہ پڑھ لیا کرو۔ الٰہی مجھے آگ سے بچا جب تم یہ کہہ لوگے تو پھر اگر اس رات میں مر جاؤگے تو تمہیں آگ سے گزر جانا لکھا جائے گا۔ اور جب تم فجر پڑھو یہ کہہ لو پھر اگر تم اس دن فوت ہو جاؤ تو تمہارے لیے آگ سے گزر جانا لکھا جائے گا۔
(ابوداؤد)

لہ آپ تابعی ہیں۔

لہ یہاں حدیث میں لفظ اسّر جو اسرار سے بنا ہے حمزہ کی زبر سے ہے یعنی کوئی بات پوشیدہ کرنا

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَؓ قَالَ لَمْ يَكُنْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدَعُ هٰؤُلَاءِ

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صبح شام کے وقت یہ کلمات پڑھنا کبھی نہ

الْكَلِمَاتِ حِيْنَ يُمْسِيْ وَ حِيْنَ يُصْبِحُ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْٓ اَسْئَلُكَ الْعَافِيَةَ فِي الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْٓ اَسْئَلُكَ الْعَفْوَ وَ الْعَافِيَةَ فِيْ دِيْنِيْ وَ دُنْيَايَ وَ اَهْلِيْ وَ مَالِيْ اَللّٰهُمَّ اسْتُرْ عَوْرَاتِيْ وَ اٰمِنْ رَوْعَاتِيْ اَللّٰهُمَّ احْفَظْنِيْ مِنْ بَيْنِ يَدَيَّ وَ مِنْ خَلْفِيْ وَ عَنْ يَمِيْنِيْ وَ عَنْ شِمَالِيْ وَ مِنْ فَوْقِيْ وَ اَعُوْذُ بِعَظَمَتِكَ اَنْ اُغْتَالَ مِنْ تَحْتِيْ يَعْنِي الْخَسْفَ۔

(رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ)

چھوڑتے تھے۔ الٰہی میں تجھ سے عافیت مانگتا ہوں دنیا اور آخرت میں الٰہی میں تجھ سے اپنے دین و دنیا اور گھر بار اور مال میں معافی اور عافیت مانگتا ہوں۔ الٰہی میرے عیبوں[1] کو چھپا لے اور مجھے خوف کی چیزوں سے امن دے الٰہی مجھے آگے پیچھے دائیں بائیں اور اوپر[2] سے محفوظ رکھ میں تیری عظمت کی پناہ مانگتا ہوں۔ اس لیے کہ[3] نیچے سے نہ ہلاک کیا جاؤں یعنی زمین میں دھنسا کر۔

(ابوداؤد)

[1] یہاں حدیث میں لفظ عورات آیا ہے یعنی بہت سے عیب صراح میں ہے عورت بمعنی وہ عضو جسے برہنہ کرنے سے، دیکھنے سے، انسان شرم محسوس کرتے ہیں۔ یہاں عیب مراد ہے۔

[2] یعنی کوئی عذاب یا آفت آسمان سے نازل ہو۔

[3] یعنی ایسی جگہ سے جس کا مجھے شعور نہ ہو۔

وَ عَنْ اَنَسٍؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَالَ حِيْنَ يُصْبِحُ اَللّٰهُمَّ اَصْبَحْنَا نُشْهِدُكَ وَ نُشْهِدُ حَمَلَةَ عَرْشِكَ وَ مَلٰٓئِكَتَكَ وَ جَمِيْعَ خَلْقِكَ اَنَّكَ اَنْتَ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو صبح کے وقت یہ کہہ لے الٰہی ہم نے صبح کو پا لیا ہے ہم تجھے اور تیرا عرش اٹھانے والوں اور دوسرے فرشتوں اور تیری ساری مخلوق کو گواہ بناتے ہیں کہ تو اللہ ہے تجھ اکیلے کے

اَنْتَ وَحْدَكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ وَ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُكَ وَرَسُوْلُكَ اِلَّا غَفَرَ اللّٰهُ لَهٗ مَا اَصَابَهٗ فِيْ يَوْمِهٖ ذٰلِكَ مِنْ ذَنْبٍ وَ اِنْ قَالَهَا حِيْنَ يُمْسِيْ غَفَرَ اللّٰهُ لَهٗ مَا اَصَابَهٗ فِيْ تِلْكَ اللَّيْلَةِ مِنْ ذَنْبٍ۔	سوا کوئی معبود نہیں تیرا کوئی شریک نہیں اور یہ کہ محمد تیرے بندے اور تیرے رسول ہیں مگر اللہ اُس دن کے سارے گناہ معاف کر دے گا اور اگر یہ کلمات شام کے وقت کہہ لے گا تو اللہ تعالیٰ اُس رات کے اُس کے سارے گناہ معاف کر دے گا۔
(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَ اَبُوْدَاؤدَ)	ترمذی۔ ابوداؤد
وَ قَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ	ترمذی نے فرمایا کہ یہ حدیث غریب ہے۔

لہ یہ آٹھ فرشتے ہیں اور اتنے بڑے بڑے فرشتے ہیں کہ ان کے کان اور کندھوں کے درمیان دو ہزار سال کا سفر اور ایک روایت میں سات ہزار سال کا سفر ہے۔

وَعَنْ ثَوْبَانَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ عَبْدٍ مُّسْلِمٍ يَقُوْلُ اِذَا اَمْسٰى وَ اِذَا اَصْبَحَ ثَلٰثًا رَضِيْتُ بِاللّٰهِ رَبًّا وَّ بِالْاِسْلَامِ دِيْنًا وَّ بِمُحَمَّدٍ نَّبِيًّا اِلَّا كَانَ حَقًّا عَلَى اللّٰهِ اَنْ يُّرْضِيَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ۔	حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایسا کوئی بندہ مسلمان نہیں جو شام اور صبح تین بار یہ کہہ لیا کرے میں اللہ کی ربوبیت اسلام کے دین ہونے اور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے نبی[1] ہونے پر راضی ہوا مگر اللہ کے ذمہ کرم پر ہوگا کہ قیامت میں اُسے راضی فرمائے[2]۔
(رَوَاهُ اَحْمَدُ وَ التِّرْمِذِيُّ)	(احمد و ترمذی)

لہ ان کلمات کی شرح کتاب کے ابتدا میں کتاب الایمان کی فصل اول میں گزر چکی ہے۔

۲ لہ یعنی اُسے اتنا ثواب عطا فرمائے گا کہ وہ اُس سے راضی ہو جائے گا۔

وَعَنْ حُذَيْفَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ	حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے بے شک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب

كَانَ إِذَا أَرَادَ أَنْ يَّنَامَ وَضَعَ يَدَهُ تَحْتَ رَأْسِهِ ثُمَّ قَالَ اَللّٰهُمَّ قِنِيْ عَذَابَكَ يَوْمَ تَجْمَعُ عِبَادَكَ أَوْ تَبْعَثُ عِبَادَكَ. (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَرَوَاهُ أَحْمَدُ عَنِ الْبَرَاءِ)

سونا چاہتے تو آپ اپنا ہاتھ اپنے سر کے نیچے رکھتے[۱] پھر فرماتے الٰہی مجھے اپنے عذاب سے بچانا جس دن تو اپنے بندوں کو جمع کرے گا، یا[۲] اپنے بندوں کو اٹھائے گا۔

ترمذی اور احمد نے حضرت براء سے روایت کی۔

[۱] فصل اول میں حضرت حذیفہ کی حدیث میں بھی ایسا ہی گزر چکا ہے اور آگے حضرت حفصہ کی حدیث میں آرہا ہے کہ آپ اپنا دست مبارک رخسار کے نیچے رکھتے تھے۔ پس احتمال ہے کہ سر اور رخسار کے قریب ہونے کی بناء پر کبھی رخسار مبارک کے نیچے رکھتے تھے کبھی سر کے نیچے۔ بہرصورت اس طرح سونے میں حکمت یہ تھی کہ آپ بیداری کی تیاری کے لیے ایسا کرتے تھے جیسا کہ دائیں پہلو پر سونے میں بھی یہی حکمت ہے۔ جیسا کہ گزرا۔
[۲] یہ راوی کا شک ہے کہ حدیث کے الفاظ تجمع ہیں یا تبعث ہیں۔

وَعَنْ حَفْصَةَ رضی اللہ عنہا أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا أَرَادَ أَنْ يَّرْقُدَ وَضَعَ يَدَهُ الْيُمْنٰى تَحْتَ خَدِّهٖ ثُمَّ يَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ قِنِيْ عَذَابَكَ يَوْمَ تَبْعَثُ عِبَادَكَ ثَلٰثَ مَرَّاتٍ. (رَوَاهُ أَبُوْ دَاؤُدَ)

حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب سونے کا ارادہ فرماتے تو اپنا دائیں ہاتھ اپنے رخسار کے نیچے رکھتے پھر تین بار کہتے خدایا مجھے اپنے عذاب سے بچا۔ جس دن تو اپنے بندوں کو اٹھائے گا۔

(ابوداؤد)

وَعَنْ عَلِيٍّ رضی اللہ عنہ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقُوْلُ عِنْدَ مَضْجَعِهٖ اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَعُوْذُ بِوَجْهِكَ الْكَرِيْمِ وَكَلِمَاتِكَ التَّامَّاتِ

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے بستر پر لیٹتے وقت کہتے تھے الٰہی میں تیری ذات کریم کی اور تیرے کامل کلمات کی پناہ لیتا ہوں اس کی

مِنْ شَرِّ مَا اَنْتَ اٰخِذٌ بِنَاصِيَتِهٖ اَللّٰهُمَّ اَنْتَ تَكْشِفُ الْمَغْرَمَ وَ الْمَاْثَمَ اَللّٰهُمَّ لَا يُهْزَمُ جُنْدُكَ وَ لَا يُخْلَفُ وَعْدُكَ وَ لَا يَنْفَعُ ذَاالْجَدِّ مِنْكَ الْجَدُّ سُبْحَانَكَ وَ بِحَمْدِكَ ۔

(رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ)

شرارت سے جس کی پیشانی تو پکڑے ہوئے[1] ہے ۔ الٰہی تو ہی کرب اور گناہ کو دور کرتا ہے ۔ الٰہی تیرا لشکر کبھی شکست نہیں کھاتا۔ تیرا وعدہ کبھی خلاف نہیں ہوتا اور تیرے مقابل بخت[2] والے کو بخت نفع نہیں دیتا۔ تو پاک ہے اور تیری ہی حمد ہے۔

(ابوداؤد)

[1] یعنی ہر وہ چیز جو زمین پر چلنے والی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے قول مبارک میں فرمایا۔ مَا مِنْ دَآبَّةٍ اِلَّا هُوَ اٰخِذٌ بِنَاصِيَتِهَا۔ نہیں ہے کوئی بھی چلنے والی چیز مگر وہ اللہ تعالیٰ اُس کی پیشانی کو پکڑے ہوئے ہے۔

[2] یعنی کسی کا بخت تیرے عذاب سے نہیں بچا سکتا۔ یہاں حدیث میں لفظ جد آیا ہے یعنی باپ کا باپ۔ یہیں سے وہ بھی مراد لیا گیا ہے یعنی کسی کا نسب کام نہ دے گا یہ لفظ جیم کی زیر سے بھی پڑھا گیا ہے بمعنیٰ کوشش یعنی کسی کی کوشش کام نہیں دے سکتی۔ رکوع کے باب میں اس کا ذکر گزر چکا ہے۔ پہلی وجہ یعنی بمعنیٰ بخت زیادہ صحیح زیادہ مشہور اور زیادہ ظاہر ہے۔

وَ عَنْ اَبِیْ سَعِيْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَالَ حِيْنَ يَاْوِیْ اِلٰى فِرَاشِهٖ اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ الَّذِیْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَیُّ الْقَيُّوْمُ وَ اَتُوْبُ اِلَيْهِ ثَلٰثَ مَرَّاتٍ غَفَرَ اللّٰهُ لَهٗ ذُنُوْبَهٗ وَ اِنْ كَانَتْ مِثْلَ زَبَدِ الْبَحْرِ اَوْ عَدَدَ رَمْلِ عَالِجٍ اَوْ عَدَدَ وَرَقِ الشَّجَرِ اَوْ عَدَدَ اَيَّامِ الدُّنْيَا۔

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اپنے بستر پر جاتے وقت یہ کہہ لے میں اُس اللہ سے معافی مانگتا ہوں جس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ زندہ اور قائم رکھنے والا ہے اور اُسی کی بارگاہ میں توبہ کرتا ہوں تین بار کہے تو اللہ تعالیٰ اس کے گناہ بخش دے گا۔ اگرچہ سمندر کے جھاگ یا اڑنے والی ریت[1] یا درختوں کے پتوں یا دنیا کے دنوں[2] کے برابر ہوں۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ)

ترمذی شریف۔ اور ترمذی نے کہا یہ حدیث غریب ہے۔

لے یعنی اگرچہ اس کے گناہ وادی عالج جتنے ہوں یہ علاقہ مغرب میں ایک وادی ہے جس میں ریت بہت زیادہ ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ عالج یعنی بہت ادھر اُدھر بکھرنے والی ریت۔ اس صورت میں لفظ عالج لفظ رمل یعنی ریت کی صفت ہوگا۔

سے یہاں چار چیزوں کے درمیان لفظ یا آیا ہے اور یہ مبالغے کے لیے ہے یعنی ان میں سے جو بھی زیادہ ہو اس کے مطابق شمار کرو۔

وَعَنْ شَدَّادِ بْنِ اَوْسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ مُّسْلِمٍ يَاْخُذُ مَضْجَعَهٗ بِقِرَاءَةِ سُوْرَةٍ مِّنْ كِتَابِ اللّٰهِ اِلَّا وَكَّلَ اللّٰهُ بِهٖ مَلَكًا فَلَا يَقْرَبُهٗ شَيْءٌ يُّؤْذِيْهِ حَتّٰى يَهُبَّ مَتٰى هَبَّ. (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

حضرت شداد ابن اوس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایسا کوئی مسلمان نہیں جو بستر پر لیٹے قرآن شریف کی کوئی سورت پڑھے مگر اللہ تعالٰی اس پر ایک فرشتہ مقرر فرما دیتا ہے پھر کوئی ایذا دینے والی چیز اس کے قریب نہیں آسکتی حتٰی کہ بیدار ہو جب بھی بیدار ہو۔ (ترمذی)

وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرِو ابْنِ الْعَاصِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَلَّتَانِ لَا يُحْصِيْهِمَا رَجُلٌ مُّسْلِمٌ اِلَّا دَخَلَ الْجَنَّةَ اَلَا وَهُمَا يَسِيْرٌ وَمَنْ يَّعْمَلُ بِهِمَا قَلِيْلٌ يُّسَبِّحُ اللّٰهَ فِيْ دُبُرِ كُلِّ صَلٰوةٍ عَشْرًا وَّيَحْمَدُهٗ عَشْرًا وَّيُكَبِّرُهٗ عَشْرًا قَالَ فَاَنَا رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى

حضرت عبداللہ بن عمر ابن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دو خصلتیں ایسی ہیں کہ کوئی مسلمان آدمی انہیں اختیار نہیں کرتا مگر ضرور جنت میں جائے گا وہ ہیں تو آسان مگر ان پر عمل کرنے والے تھوڑے ہیں وہ یہ ہیں کہ ہر نماز کے بعد دس مرتبہ اللہ کی تسبیح کہے دس بار اس کی حمد کرے اور دس بار تکبیر کہے راوی فرماتے ہیں پھر میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ نے اپنی انگلیوں پر گن کر فرمایا کہ یہ

اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَعْقِدُهَا بِيَدِهٖ
قَالَ فَتِلْكَ خَمْسُوْنَ وَ مِائَةٌ
بِاللِّسَانِ وَ اَلْفٌ وَّ خَمْسُ مِائَةٍ
فِي الْمِيْزَانِ وَ اِذَا اَخَذَ
مَضْجَعَهٗ يُسَبِّحُهٗ وَ يُكَبِّرُهٗ
وَيَحْمَدُهٗ مِائَةً فَتِلْكَ
مِائَةٌ بِاللِّسَانِ وَ اَلْفٌ فِي
الْمِيْزَانِ فَاَيُّكُمْ يَعْمَلُ فِي
الْيَوْمِ وَاللَّيْلَةِ اَلْفَيْنِ
وَخَمْسَ مِائَةِ سَيِّئَةٍ قَالُوْا
وَكَيْفَ لَا نُحْصِيْهَا قَالَ يَاْتِيْ
اَحَدَكُمُ الشَّيْطٰنُ وَهُوَ فِيْ
صَلٰوتِهٖ فَيَقُوْلُ اُذْكُرْ كَذَا اُذْكُرْ كَذَا
حَتّٰى يَنْفَتِلَ فَلَعَلَّهٗ اَنْ لَّا
يَفْعَلَ وَ يَاْتِيْهِ فِيْ مَضْجَعِهٖ
فَلَا يَزَالُ يُنَوِّمُهٗ حَتّٰى يَنَامَ
(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَ اَبُوْ دَاوٗدَ وَ
النَّسَائِيُّ)

وَفِيْ رِوَايَةِ اَبِيْ دَاوٗدَ
قَالَ خَصْلَتَانِ اَوْ خَلَّتَانِ لَا
يُحَافِظُ عَلَيْهِمَا عَبْدٌ مُسْلِمٌ
وَ كَذَا فِيْ رِوَايَتِهٖ بَعْدَ قَوْلِهٖ
وَ اَلْفٌ وَّ خَمْسُ مِائَةٍ فِي
الْمِيْزَانِ قَالَ وَيُكَبِّرُ اَرْبَعًا
وَّ ثَلٰثِيْنَ اِذَا اَخَذَ مَضْجَعَهٗ

زبان میں تو ڈیڑھ سو ہیں مگر میزان یعنی
ترازو میں ڈیڑھ ہزار ہوں گی اور جب
اپنے بستر پر پہنچے تو سو بار اللہ کی تسبیح
تکبیر اور حمد کرے تو یہ زبان میں ایک
سو ہیں مگر میزان میں ایک ہزار تو بتاؤ
تم میں سے کون ہے جو کہ ایک رات
دن میں ڈھائی ہزار گناہ کرے لوگوں
نے عرض کیا کہ ہم ان کلمات کی
کیوں نہ پابندی کریں گے فرمایا جب
کوئی نماز میں ہوتا ہے تو شیطان
اس کے پاس پہنچ کر کہتا ہے
فلاں بات یاد کر فلاں بات یاد کر
حتی کہ نمازی کو باز رکھ دیتا ہے
تو شاید وہ یہ عمل نہ کر سکے اور
شیطان اس کی خواب گاہ پر پہنچ
کر اسے سلاتا رہتا ہے حتی کہ وہ
سو جاتا ہے۔ (ترمذی، ابوداؤد
(نسائی)

ابو داؤد کی روایت میں یوں ہے
کہ فرمایا دو خصلتیں یا دو عادتیں
ایسی ہیں جن کی کوئی بندہ مسلمان
حفاظت نہیں کرتا اسی طرح ابوداؤد
کی روایت میں اس کلام کے
بعد کہ میزان میں ڈیڑھ ہزار ہے
اور فرمایا چونتیس بار تکبیر کہے، جب اپنا

وَ يَحْمَدُ ثَلٰثًا وَّ ثَلٰثِيْنَ وَ يُسَبِّحُ ثَلٰثًا وَّ ثَلٰثِيْنَ وَ فِيْ اَكْثَرِ نُسَخِ الْمَصَابِيْحِ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ -

بستر لے اور تینتیس بار الحمد للہ کہے تینتیس بار سبحان اللہ کہے اور مصابیح کے اکثر نسخوں میں عبد اللہ بن عمر سے روایت ہے۔

ا یعنی بحساب ایک کے بدلے دس۔

۲ اور ان دو خصلتوں کا مجموعہ دو ہزار پانچ سو ہوگا۔

۳ یعنی ان کلمات کا ثواب اڑھائی ہزار گناہوں کو بھی مٹا سکتا ہے۔ اور دن رات میں اڑھائی ہزار گناہ کون کر سکتا ہے لہذا جتنے گناہ ہوں گے وہ بخشے جائیں گے اور باقی ثواب سے درجات بلند ہوں گے۔

۴ بعض نسخوں میں یہاں تثنیہ کا صیغہ آیا ہے یعنی ہم ان دونوں عادتوں پر کیوں پابندی نہ کریں۔

۵ یہ کنایہ ہے شیطان کے خطرات اور وسوسوں سے جو وہ نمازی کے دل میں ڈالتا ہے۔

۶ یعنی جب کہ نماز میں حضور قلب فوت ہوگیا اور نمازی وسوسوں میں گرفتار ہوگیا تو شاید اسے یہ کلمات یاد نہ آئیں اور اسے ان کا کہنا میسر نہ ہو سکے یہ انہیں نہ گننے کا بیان ہے اور پہلی خصلت یعنی نماز کے بعد ان کلمات کو پڑھنے کا بیان ہے دوسری خصلت پر پابندی نہ کرنے کا بیان جو رات کو سونے کے وقت ہوتا ہے اگلے الفاظ میں مذکور ہے۔

۷ یہ بعض الفاظ میں اختلاف کی جانب اشارہ ہے ایک یہ کہ ابو داؤد کی روایت میں اس طرح آیا ہے کہ خصلتان او خلتان یعنی اس میں شک ہے کہ خصلتان فرمایا یا خلتان ۔ دوسرا اختلاف یہ ہے کہ فرمایا لا یحافظ علیھما عبد مسلم بجائے لا یحصیا رجل مسلم۔

۸ اس میں اس طرح واقع ہوا ہے کہ چونتیس بار اللہ اکبر کو پہلے بیان فرمایا اور بستر پر آنے کا لفظ بعد میں اور حمد و تسبیح کا ذکر بھی بعد میں فرمایا اور ہر ایک کا بیان عدد بھی بعد میں بیان کیا اور دوسری روایت میں بستر پر آنے کا ذکر مقدم ہے اسی طرح تسبیح اور حمد کا ذکر بھی مقدم ہے اور تکبیر کا ذکر بعد میں ہے اور عدد کا بیان ہے ہی نہیں اور مصابیح کے اکثر نسخوں میں حضرت عبد اللہ بن عمر سے یہ دوسرا فائدہ مذکور ہے۔ جو کہ عبد اللہ بن عمر کی حدیث میں مذکور ہے۔ نیز مصابیح کے اکثر نسخوں میں عبد اللہ بن عمر بن خطاب سے روایت کیا۔

وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ غَنَّامٍ قَالَ - قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَالَ حِيْنَ

حضرت عبد اللہ بن غنام رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو بندہ صبح

يُصْبِحُ اَللّٰهُمَّ مَا اَصْبَحَ بِيْ مِنْ نِّعْمَةٍ اَوْ بِاَحَدٍ مِّنْ خَلْقِكَ فَمِنْكَ وَحْدَكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ فَلَكَ الْحَمْدُ وَ لَكَ الشُّكْرُ فَقَدْ اَدّٰى شُكْرَ يَوْمِهٖ وَ مَنْ قَالَ مِثْلَ ذٰلِكَ حِيْنَ يُمْسِيْ فَقَدْ اَدّٰى شُكْرَ لَيْلَتِهٖ ـ

(رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ)

کے وقت یہ پڑھے الٰہی تیری ہر نعمت جو مجھے یا تیری کسی مخلوق کو ملی وہ صرف تجھ اکیلے کی طرف سے ہے تیرا کوئی شریک[1] نہیں اس لیے تیری ہی حمد ہے اور تیرا ہی شکر ہے تو اُس نے آج کے دن کا شکر ادا کر دیا اور جو اسی طرح شام کے وقت کہہ دے تو اُس نے اُس رات کا شکر[2] ادا کر دیا۔

[1] اگرچہ نعمت کے ملنے میں درمیان میں کوئی سبب و واسطہ بھی ہو کیونکہ وہ سبب و واسطہ بھی تیری طرف سے اور تیری قدرت اور تیرے ارادے سے ہے۔

[2] روایات میں آیا ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے عرض کیا اے پروردگار تیری نعمتیں میرے پاس بہت زیادہ ہیں میں ان کا شکر کیسے کروں تو فرمان الٰہی آیا اے داؤد جب تو نے جان لیا کہ جو کچھ تیرے پاس نعمتیں ہیں وہ میری طرف سے ہیں تو تو نے ان کا شکر ادا کر دیا۔

وَ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ اَنَّهٗ قَالَ يَقُوْلُ اِذَا اَوٰى اِلٰى فِرَاشِهٖ اَللّٰهُمَّ رَبَّ السَّمٰوٰتِ وَ رَبَّ الْاَرْضِ وَ رَبَّ كُلِّ شَيْءٍ فَالِقَ الْحَبِّ وَ النَّوٰى مُنَزِّلَ التَّوْرٰىةِ وَ الْاِنْجِيْلِ وَ الْقُرْاٰنِ وَ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّ كُلِّ ذِيْ شَرٍّ اَنْتَ اٰخِذٌ بِنَاصِيَتِهٖ اَنْتَ الْاَوَّلُ فَلَيْسَ قَبْلَكَ شَيْءٌ وَ اَنْتَ الْاٰخِرُ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ حضور جب اپنے بستر پر جاتے تو عرض کرتے اے اللہ اے آسمانوں کے رب اے زمین کے رب[1] اے ہر چیز کے رب[2]۔ اے دانہ اور گٹھلی کو پھاڑ کر نکالنے[3] والے اور توراۃ و انجیل اور قرآن[4] کو اتارنے والے میں ہر اس کی شر سے تیری پناہ مانگتا ہوں جس کی پیشانی تیری گرفت میں ہے تو ہی اول ہے کہ تجھ سے پہلے کچھ نہیں

فَلَيْسَ بَعْدَكَ شَيْءٌ وَ اَنْتَ الظَّاهِرُ فَلَيْسَ فَوْقَكَ شَيْءٌ وَ اَنْتَ الْبَاطِنُ فَلَيْسَ دُوْنَكَ شَيْءٌ اقْضِ عَنِّي الدَّيْنَ وَ اَغْنِنِيْ مِنَ الْفَقْرِ۔

اور تو ہی آخر ہے کہ تیرے پیچھے کچھ نہیں اور تو ہی ظاہر ہے کہ تیرے اوپر کوئی چیز نہیں تو ہی چھپا ہے کہ تیرے ؁ پیچھے کچھ نہیں میرا قرض ادا کر دے ؁ اور مجھے محتاجی سے بے نیاز کر کے دولتمندی ؁ عطا کر۔

(رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ وَ التِّرْمِذِيُّ وَ ابْنُ مَاجَةَ وَ رَوَاهُ مُسْلِمٌ مَعَ اخْتِلَافٍ كَثِيْرٍ۔

ابو داؤد، ترمذی۔ ابن ماجہ اور مسلم نے اسے تھوڑے فرق سے روایت کیا۔

؁ اس میں بقائے عالم کے اسباب وکلیہ کی جانب اشارہ ہے۔

؁ اللہ تعالیٰ کی ربوبیت ہر چیز کو عام ہے جو بھی آسمانوں اور زمین کے درمیان ہے وہ عناصر ہیں یا ان سے پیدا ہونے والی چیزیں یا افراد وجزئیات۔

؁ اس میں جسمانی ارزاق کی جانب اشارہ ہے جس سے اجسام کی بقاء وابستہ ہے۔ دانہ انسانی خوراک کے لیے استعمال ہوتا ہے اور گٹھلی پھل وغیرہ کے لیے۔

؁ یعنی یہ جلیل الشان تین کتابیں اس نے نازل فرمائیں۔ اس میں روحانی ارزاق کی جانب اشارہ ہے۔ جو آخرت کے حالات کی تدبیر سے تعلق رکھتے ہیں۔ یہاں زبور کا ذکر نہ کیا کیونکہ اس میں احکام وشرائع کا ذکر نہیں تھا بلکہ اس میں اکثر وبیشتر اذکار ودعوات ومناجاتیں مذکور تھیں بلکہ زبور حقیقتاً توراۃ کا ایک جزو تھا جیسا کہ علماء نے فرمایا۔

؁ جو چیز بلند ہوتی ہے وہ ظاہر ہوتی ہے جو چیز نیچے ہوتی ہے وہ پوشیدہ ہوتی ہے تو اوپر ہونے کی نفی ظہور کے مناسب ہے اور نیچے ہونے کی نفی پوشیدگی کے مناسب ہے یہاں حدیث میں واقع لفظ دون فوق کی ضد ہے۔

؁ یعنی مجھے قرضے سے بری کر دے اور مجھے توفیق دے کہ میں قرضے کو ادا کروں وہ اس طرح کہ مجھے قرضے کے ادا کرنے کے اسباب عطا فرما۔ عربی میں لفظ قضا کا معنیٰ ہے ادا کرنا پہنچانا اور کسی کی حاجت پوری کرنا۔

؁ یہاں حدیث میں لفظ من الفقر ہے اور من بمعنیٰ بعد ہے یعنی مجھے محتاجی کے بعد دولتمندی عطا فرما۔

وَ عَنْ اَبِي الْاَزْهَرِ الْاَنْمَارِيِّ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ اِذَا اَخَذَ مَضْجَعَهٗ

حضرت ابو الازہر انماری ؓ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب رات کو اپنی خواب گاہ پر

مِنَ اللَّيْلِ قَالَ بِسْمِ اللّٰهِ وَضَعْتُ جَنْبِيْ لِلّٰهِ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِيْ ذَنْبِيْ وَ اَخْسِئْ شَيْطَانِيْ وَ فُكَّ رِهَانِيْ وَاجْعَلْنِيْ فِي النَّدِيِّ الْاَعْلٰى.

(رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ)

تشریف لے جاتے تو کہتے اللہ کے نام پر اللہ کے لیے میں نے اپنی کروٹ رکھ دی الٰہی میرے گناہ بخش دے میرے شیطان کو دور کر دے[۲] اور میرا رہن چھڑا دے[۳] اور مجھے اعلیٰ مجلس[۴] میں داخل فرما۔

(ابو داؤد)

۱؎ ھمزہ کی زبر نون ساکن آپ صحابی ہیں شام میں سکونت رکھتے تھے۔

۲؎ یعنی اُس شیطان کو جو میرا ساتھی ہے یا ہر اُس شیطان کو جو بہکانے کا ارادہ کرے۔ یہاں حدیث میں لفظ خساء آیا ہے جس کا معنی ہے کتے کو دھتکارنا۔

۳؎ اس سے مراد یہ ہے کہ میرے نفس کو میرے اعمال کی جزا سے نجات عطا کر، اور میرے اعمال کے بدلے مجھے وہاں گروی نہ رکھ لینا۔ جیسا کہ قرآن مجید میں فرمایا (كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ رَهِيْنَةٌ) ہر جان اپنے کیے کے بدلے مرہون ہوگی۔ عربی میں لفظ فک غلامی دینے اور رہن سے باہر آنے کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ وہاں ر کی زیر سے بمعنی گرو۔

۴؎ جو کہ ملائکہ کرام مقربین کی مجلس ہے ندی نون کی زبر دکی زیر اور شد بمعنی مجلس اور اہل مجلس کو بھی کہتے ہیں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اگرچہ مرتبہ عزت وفضیلت وکرامت میں ملائکہ سے اعلیٰ واکمل ہیں مگر درگاہ علو وارتفاع کے قرب کی ملاقات کا شوق آپ کو دامن گیر رہتا تھا۔ آپ یہ چاہتے تھے کہ ہمیشہ مقام ملکوت میں ہی تشریف فرما رہیں اور آپ بھی چاہتے تھے کہ عالم ناسوت یعنی عالم دنیا سے میل جول اور خلط ملط جو کہ بشریت کا تقاضا ہے اس سے بالکل مبرا اور بلند رہیں اسے سمجھو وباللہ التوفیق۔

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ اِذَا اَخَذَ مَضْجَعَهٗ قَالَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ كَفَانِيْ وَاٰوَانِيْ وَ اَطْعَمَنِيْ وَ سَقَانِيْ وَ الَّذِيْ مَنَّ عَلَيَّ فَاَفْضَلَ وَ الَّذِيْ اَعْطَانِيْ فَاَجْزَلَ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب رات کو اپنا بستر اختیار فرماتے تو کہتے شکر ہے اُس اللہ کا جو میرے لیے کافی ہوا اور جس نے مجھے کھلایا اور جس نے مجھ پر احسان پھر فضل کیا اور جس نے مجھے دیا تو بہت

عَلٰى كُلِّ حَالٍ اَللّٰهُمَّ رَبَّ كُلِّ شَيْءٍ وَّ مَلِيْكَهٗ وَ اِلٰهَ كُلِّ شَيْءٍ اَعُوْذُبِكَ مِنَ النَّارِ ۔

(رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ)

زیادہ دیا۔ ہر حال میں اللہ کا شکر ہے اے اللہ اے ہر چیز کے رب اور بادشاہ اے ہر چیز کے معبود میں آگ سے تیری پناہ لیتا ہوں۔

(ابوداؤد)

لہ پہلا فقرہ کیفیت کے اعتبار سے ہے اور دوسرا مقدار کے اعتبار سے۔

سلہ یعنی فقر و غنا کی حالت ہو یا شدت وکشادگی کی یا نعمت و بلا کی حالت۔ کہ دونوں میں اللہ تعالیٰ کا لطف وکرم یا ظاہر ہوتا ہے یا پوشیدہ اور دونوں صورتیں بندے کے شامل حال ہوتی ہیں۔

وَ عَنْ بُرَيْدَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ شَكٰى خَالِدُ بْنُ الْوَلِيْدِ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَا اَنَامُ اللَّيْلَ مِنَ الْاَرَقِ فَقَالَ نَبِيُّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اَوَيْتَ اِلٰى فِرَاشِكَ فَقُلِ اللّٰهُمَّ رَبَّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ وَمَا اَظَلَّتْ وَ رَبَّ الْاَرْضِيْنَ وَمَا اَقَلَّتْ وَرَبَّ الشَّيٰطِيْنِ وَ مَا اَضَلَّتْ كُنْ لِّيْ جَارًا مِّنْ شَرِّ خَلْقِكَ كُلِّهِمْ جَمِيْعًا اَنْ يَّفْرُطَ عَلَيَّ اَحَدٌ مِّنْهُمْ اَوْ اَنْ يَّبْغِيَ عَزَّ جَارُكَ وَ جَلَّ ثَنَاۗؤُكَ وَ لَا اِلٰهَ غَيْرُكَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ ۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

حضرت بریدۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں شکایت کی کہ یا رسول اللہ میں بے خوابی کے باعث رات کو سوتا نہیں ہوں اس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم اپنے بستر پر جاؤ تو یوں کہو اے اللہ اے سات آسمانوں کے اور جن پر یہ آسمان سایہ فگن ہیں اُن کے رب اور اے زمینوں کے اور جنہیں زمین اٹھائے ہوئے ہے اُن کے رب اور اے شیطانوں کے اور جنہیں وہ گمراہ کریں اُن کے رب تو اپنی ساری مخلوق کے شر سے میری پناہ بن جا۔ کہ اُن میں سے کوئی بھی مجھ پر زیادتی یا ظلم کر سکے تیری پناہ غالب ہے تیری ثنا بہت عزت والی ہے تیرے سوا کوئی معبود نہیں صرف تو ہی معبود ہے۔

(ترمذی شریف)

وَ قَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ لَيْسَ اِسْنَادُهٗ بِالْقَوِيِّ وَ حَكِيْمُ بْنُ ظُهَيْرِ الرَّاوِيْ قَدْ تَرَكَ حَدِيْثَهٗ بَعْضُ اَهْلِ الْحَدِيْثِ۔

اور ترمذی نے کہا کہ اس حدیث کی اسناد قوی نہیں اور حکیم بن ظہیر راوی کی حدیث کو بعض محدثین نے چھوڑ دیا ہے۔

ا یا کی پیش سے آپ مشہور صحابی ہیں۔

۲ یہاں حدیث میں لفظ اَلْاَرَقُ ہمزہ اور را کی زبر سے۔ آخر میں ق ایسی بیداری جو کسی بیماری کی وجہ سے ہو۔

۳ زمین کو کبھی مفرد لاتے ہیں یہ اعتبار کرتے ہوئے کہ زمین کے طبقات ایک ہی طبقے کی طرح ہیں کبھی جمع لاتے ہیں اس لیے کہ زمین کے ٹکڑے متعدد ہیں اور کبھی جمع کی تاویل لفظ آفاق اور اقالیم سے کرتے ہیں۔ واللہ اعلم۔

۴ مراد شیاطین کے لشکر ہیں تاکہ جنوں اور انسانوں سب کو شامل ہو جائیں۔

۵ یہ توحید کی تاکید و تقریر ہے۔ یہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ بے خوابی شیطان اور جن کے تصرفات میں سے ہے۔

۶ بعض روایتوں میں حکم بن ظہیر یعنی حکم دونوں پیشوں سے اور ظُہیر میں ظا پر پیش اور ھا پر زبر

۷ امام بخاری اور ابو زرعہ۔ نسائی اور ابن ابی حاتم نے ایسا ہی کہا ہے۔ ابن معین نے کہا کہ یہ شخص کوئی شے نہیں۔ ابن عدی نے کہا اس کی اکثر احادیث غیر محفوظ ہیں۔ حاشیے میں لکھا ہے کہ حکیم کی بجائے حکم یا کے بغیر زیادہ درست ہے جیسا کہ تقریب اور کاشف میں مذکور ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

عَنْ اَبِيْ مَالِكٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا اَصْبَحَ اَحَدُكُمْ فَلْيَقُلْ اَصْبَحْنَا وَ اَصْبَحَ الْمُلْكُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْاَلُكَ خَيْرَ هٰذَا الْيَوْمِ فَتْحَهٗ وَ نَصْرَهٗ وَ نُوْرَهٗ وَ بَرَكَتَهٗ وَ هُدَاهُ

حضرت ابی مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر تم میں سے کوئی صبح پائے تو کہے ہم نے صبح کی اور اللہ رب العالمین کے ملک نے صبح کی۔ اے اللہ میں تجھ سے اس دن کی بھلائی اس کی کشادگی اس کا نور اس کی برکت اور اس کی ہدایت مانگتا

وَ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّ مَا فِيْهِ وَ شَرِّ مَا بَعْدَهٗ ثُمَّ اِذَا اَمْسٰى فَلْيَقُلْ مِثْلَ ذٰلِكَ. (رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ)

ہوں اور جو اس دن میں ہے اس کی اور اس کے بعد کی شرؔ سے پناہ مانگتا ہوں پھر جب شام پائے تو اسی طرح کہہ دے۔ (ابو داؤد)

۱؎ بعض مالک اشجعی کہتے ہیں آپ صحابی ہیں آپ کے نام میں اختلاف ہے۔ زیادہ مشہور یہ ہے کہ آپکا نام کعب بن مالک ہے۔

۲؎ یعنی عمل و اعتقاد میں راہ راست کی توفیق مانگتا ہوں اور حق و ثواب پر قائم رہنے کا سوال کرتا ہوں تمام برکتوں اور تمام خیرات کا منبع یہی چیز ہے اور توفیق و تائید الٰہی کے سوا میسر نہیں آتی۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو عطا کرے۔

۳؎ اس میں تاکید و مبالغہ اور اس بات کا بیان ہے کہ میں ہر شر سے جو متصل آ رہا ہو یا متصل نہ آ رہا ہو پناہ مانگتا ہوں۔

وَعَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ[۱] بْنِ اَبِيْ بَكْرَةَ قَالَ قُلْتُ لِاَبِيْ يَا اَبَتِ اَسْمَعُكَ اَللّٰهُمَّ عَافِنِيْ فِيْ بَدَنِيْ تَقُوْلُ كُلَّ غَدَاةٍ اَللّٰهُمَّ عَافِنِيْ فِيْ سَمْعِيْ اَللّٰهُمَّ عَافِنِيْ فِيْ بَصَرِيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ تُكَرِّرُهَا ثَلٰثًا حِيْنَ تُصْبِحُ وَ ثَلٰثًا حِيْنَ تُمْسِيْ فَقَالَ يَا بُنَيَّ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدْعُوْ بِهِنَّ فَاَنَا اُحِبُّ اَنْ اَسْتَنَّ بِسُنَّتِهٖ. (رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ)

حضرت عبدالرحمان بن[۱] ابی بکرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نے اپنے والد سے عرض کیا ابا جان میں آپ کو ہر صبح[۲] یہ کہتے سنتا ہوں الٰہی مجھے میرے بدن میں عافیت دے الٰہی مجھے میرے کانوں میں عافیت دے الٰہی مجھے میری آنکھوں میں عافیت دے[۳]۔ تیرے سوا کوئی معبود نہیں اسے تین بار کہہ فرماتے ہیں جب سویرا ہوتا ہے اور تین بار جب شام ہوتی ہے فرمایا اے میرے بیٹے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ دعا مانگتے سنا کہ اس سنت کی پیروی[۴] کروں۔ (ابو داؤد)

۱؎ بکرہ یا کی ادبرا آخر میں تا آپ مشہور صحابی ہیں آپ نے جنگ طائف کے دن ایک حیرت انگیز کارنامہ سرانجام دیا کہ کنوئیں سے چمٹ کر اپنے آپ کو زمین پر نیچے ڈالا اور حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اسلام قبول کیا۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کی کنیت ابوبکرہ مقرر فرمائی۔ بکرہ کنوئیں کے راہٹ کو کہتے ہیں۔ عبدالرحمٰن بن ابی بکرہ تابعی ہیں کثیر الحدیث ہیں۔

ے۲ یہاں حدیث میں لفظ غداۃ آیا ہے یہاں اس سے دن مراد ہے جو صبح شام کو شامل ہے۔

ے۳ یعنی میری بینائی کو عافیت عطا فرما یہاں اعضاء اور اجزائے بدن میں سے کان اور آنکھ کی تخصیص اس لیے فرمائی کہ یہ دو عضو بڑی اہمیت و عظمت والے ہیں پھر کان کا ذکر آنکھ سے پہلے کیا کیونکہ کان آنکھ سے افضل ہے۔ جیسا کہ اکثر علماء فرماتے ہیں اکثر و بیشتر ان دو صفتوں کا ذکر اسی ترتیب سے آتا ہے۔

ے۴ اس میں اس جانب اشارہ ہے کہ دعا وغیرہ کے عمل میں مطلوب اصل حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے عمل کی بجا آوری اور سنت کی اتباع ہے نہ کہ عمل کی جزا اور قبولیت دعا۔

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ اَبِیْ اَوْفٰی[۱] قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اَصْبَحَ قَالَ اَصْبَحْنَا وَ اَصْبَحَ الْمُلْكُ لِلّٰهِ وَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَ الْكِبْرِيَاءُ وَ الْعَظْمَةُ لِلّٰهِ وَ الْخَلْقُ وَ الْاَمْرُ وَ اللَّيْلُ وَ النَّهَارُ وَ مَا سَكَنَ فِيْهِمَا لِلّٰهِ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ اَوَّلَ هٰذَا النَّهَارِ صَلَاحًا وَّ اَوْسَطَهٗ نَجَاحًا وَّ اٰخِرَهٗ فَلَاحًا يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ ذَكَرَهُ النَّوَوِيُّ فِيْ كِتَابِ الْاَذْكَارِ بِرِوَايَةِ ابْنِ السُّنِّيِّ۔

حضرت عبداللہ بن ابی[۱] اوفی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب صبح پاتے تو یوں کہتے ہم نے اور اللہ کے ملک نے سویرا پایا اللہ ہی کی حمد و بڑائی ہے۔ اور عظمت اللہ کے لیے ہے، خلق و حکم اور رات دن اور جو ان میں رہتے ہیں سب اللہ کے لیے ہیں۔ الٰہی اس دن کا اول درستی بنا، درمیان کو کامیابی اور آخر کو چھٹکارا بنا اے تمام رحم والوں سے بڑے رحم کرنے والے اسے امام نووی نے کتاب الاذکار میں ابن سنی[۲] کی روایت سے بیان کیا۔

ے۱ آپ مشہور صحابی ہیں۔

ے۲ سُنّی سین کی پیش اور نون مشدد سے۔

وَ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ ابْنِ اَبْزٰى قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اِذَا اَصْبَحَ اَصْبَحْنَا عَلٰى فِطْرَةِ

حضرت عبدالرحمٰن بن ابزیٰ[۱] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب صبح پاتے تو کہتے ہم نے اللہ کے دین پر اور

الْاِسْلَامِ وَ كَلِمَةِ الْاِخْلَاصِ وَعَلٰى دِيْنِ نَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعَلٰى مِلَّةِ اَبِيْنَا اِبْرَاهِيْمَ حَنِيْفًا وَ مَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ۔
(رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالدَّارِمِيُّ)

اخلاص کے کلمے پر اور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین پر اور اپنے والد حضرت ابراہیم کی ملت پر صبح کو پایا۔ حضرت ابراہیم ہر برائی سے دور تھے۔ مشرکوں سے نہ تھے۔
(احمد۔ دارمی)

لہ ہمزہ کی زیر یا ساکن زا مقصورہ انہوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو پایا ہے اور حضور علیہ السلام کے پیچھے نماز پڑھی ہے آپ امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے خراسان کے حاکم تھے۔ آپ کی اکثر روایات امیر المومنین حضرت عمر و حضرت ابی بن کعب سے مروی ہیں۔

بَابُ الدَّعَوَاتِ فِي الْاَوْقَاتِ

مقررہ وقت کی دعاؤں کا باب

یعنی ان دعاؤں کے ذکر کا باب جنہیں مخصوص اوقات میں پڑھا جاتا ہے۔ وقت ایسے زمانے کو کہتے ہیں جو کسی چیز کے لیے مخصوص کیا گیا ہو۔ جیسے کہتے ہیں وقت نماز وقت روزہ اور وقت حج پھر جس طرح دعا کے لیے مخصوص اوقات ہیں اس کے لیے مخصوص حالات بھی ہیں جیسے حالت غضب اور کافروں کے مقابلے میں جنگ کرنے کے وقت، صف بنانے کی حالت وغیرہ۔ چونکہ حالت بھی اوقات میں ہی ہوتی ہے۔ اس لیے مؤلف نے سب کو اوقات میں ہی داخل کر دیا تاہم بعض حضرات اوقات کا جدا ذکر کرتے ہیں اور حالات کا الگ کیونکہ جہاں حالات کو الگ بیان کرتے ہیں وہاں حالات کا بیان کرنا مطلوب و مقصود ہوتا ہے نہ کہ وقت اسے اچھی طرح سمجھو۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ
پہلی فصل

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوْ اَنَّ اَحَدَكُمْ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر تم میں سے

اِذَا اَرَادَ اَنْ يَّاْتِيَ اَهْلَهٗ قَالَ بِسْمِ اللّٰهِ اَللّٰهُمَّ جَنِّبْنَا الشَّيْطَانَ وَ جَنِّبِ الشَّيْطٰنَ مِمَّا رَزَقْتَنَا فَاِنَّهٗ اِنْ يُّقَدَّرْ بَيْنَهُمَا وَلَدٌ فِيْ ذٰلِكَ لَمْ يَضُرَّهٗ شَيْطَانٌ اَبَدًا (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

کوئی جب اپنی بیوی کے پاس جاتا[1] ہے تو یہ کہہ دے بسم اللہ خدایا شیطان سے دور رکھ اور شیطان کو اس بچے سے دور رکھ جو تو ہمیں دے گا۔ تو اس صحبت میں ان کے نصیب میں بچہ ہوا تو اسے شیطان کبھی نقصان[2] نہ دے سکے گا۔ (بخاری و مسلم)

[1] یعنی جماع و صحبت کے لیے۔

[2] اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر کوئی شخص اس مخصوص وقت میں یہ دعا نہ پڑھے اور اسے دعا کے ذکر کی توفیق نصیب نہ ہو تو شیطان کو اس وقت بھی اپنی شیطانی کرنے کا راستہ مل جاتا ہے اور وہ نقصان پہنچاتا ہے ایسا خوش قسمت کون ہے جسے اس وقت بھی ذکر و دعا کی توفیق مل جائے۔ یہی وجہ ہے کہ آج کل اولاد کے حالات اور ان کی تباہ کاریاں اور ان کا فسادِ طبیعت حد سے بڑھا ہوا معلوم ہوتا ہے۔

وَعَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقُوْلُ عِنْدَ الْكَرْبِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ الْعَظِيْمُ الْحَلِيْمُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَرَبُّ الْاَرْضِ رَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيْمِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سخت تکلیف[1] کے وقت یہ کہتے اللہ کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں وہ عظمت والا علم والا ہے۔ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں جو بڑے عرش کا رب[2] ہے اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں جو آسمانوں کا رب زمین کا رب اور کرم والے عرش کا رب ہے۔ (بخاری و مسلم)

[1] یہاں حدیث میں لفظ کرب آیا ہے صراح میں لکھا ہے کہ کرب ایسی تکلیف کو کہتے ہیں جو بندے کا سانس بند کر دے یعنی سخت تکلیف۔

[2] عظیم و کریم عرش کی صفت ہے یا اللہ تعالیٰ کی صفت ہے اگر کہا جائے کہ یہ ذکر ہے دعا نہیں اس کا جواب یہ ہے کہ ذکر بھی دعا کے حکم میں ہے کیونکہ کریم کی ثنا کرنا اس سے سوال کرنے کے مترادف ہے نیز یہ بھی وارد ہوا ہے کہ خداوند تعالیٰ فرماتا ہے جس بندے کو میرا ذکر مجھ سے مانگنے سے روک دیتا ہے میں اسے مانگنے والوں سے زیادہ دیتا ہوں۔

وَعَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ صُرَدٍ[1] قَالَ اسْتَبَّ رَجُلَانِ عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَنَحْنُ عِنْدَهٗ جُلُوْسٌ وَّ اَحَدُهُمَا يَسُبُّ صَاحِبَهٗ مُغْضَبًا قَدِ احْمَرَّ وَجْهُهٗ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنِّيْ لَاَعْلَمُ كَلِمَةً لَوْ قَالَهَا لَذَهَبَ عَنْهُ مَا يَجِدُ اَعُوْذُ بِاللهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ فَقَالُوْا لِلرَّجُلِ لَا تَسْمَعُ مَا يَقُوْلُ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنِّيْ لَسْتُ بِمَجْنُوْنٍ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت سلیمان بن صرد[1] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں دو شخصوں نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آپس میں گالی گلوچ کی ہم لوگ حضور علیہ السلام کے پاس بیٹھے تھے اُن میں سے ایک شخص دوسرے شخص کو غصے میں برا بھلا کہہ رہا تھا اُس کا منہ سرخ ہوچکا تھا۔ یہ حالت دیکھ کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں ایسی دعا جانتا ہوں اگر وہ پڑھ لے تو اُس کی یہ حالت جاتی رہے جسے وہ محسوس کر رہا ہے وہ دعا یہ ہے میں مردود شیطان سے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں لوگوں نے اس سے کہا کیا تو سنتا نہیں جو نبی پاک علیہ السلام فرما رہے ہیں وہ بولا میں دیوانہ[2] نہیں۔ (بخاری ومسلم)

[1] ص کی پیش رکی زبر سے آپ صحابی ہیں بہت بڑے عالم و فاضل اور بڑے عبادت گزار ہوئے ہیں کافی عمر پائی اپنی قوم کے معزز اور شریف انسان سمجھے جاتے تھے اور اُس لشکر کے امیر بنے جس نے کینے کے تحت امام شہید حسین بن علی بن ابی طالب کا خون گرایا تھا۔

[2] اور یہ کلمات اُس شخص کو کہتے ہیں جو دیوانہ ہوتا ہے۔ علماء فرماتے ہیں ایسا کلام وہ شخص کرتا ہے جو انوار شریعت سے آراستہ نہ ہو اور جس کو دین کی سمجھ نہ ہو تو اُس شخص نے یہ وہم کیا کہ اعوذ باللہ پڑھنا دیوانے کے لیے خاص ہے۔ اُس کو یہ معلوم نہ ہوسکا کہ غصہ بھی شیطان کے اثرات میں سے ہے۔ علماء فرماتے ہیں کہ یہ احتمال بھی ہے کہ یہ شخص منافق یا عرب کے سخت مزاج لوگوں میں سے تھا۔ واللہ اعلم۔

وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا سَمِعْتُمْ صِيَاحَ الدِّيَكَةِ فَسْئَلُوا اللهَ مِنْ فَضْلِهٖ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم مرغ کی آواز سنو تو اللہ سے اُس کا فضل مانگو کیونکہ مرغ فرشتے کو دیکھتا ہے

فَاِنَّهَا رَاَتْ مَلَكًا وَ اِذَا سَمِعْتُمْ نَهِيْقَ الْحِمَارِ فَتَعَوَّذُوْا بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ فَاِنَّهٗ رَاٰى شَيْطَانًا. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

اور جب تم گدھے کا ہینکنا سنو تو مردود شیطان سے اللہ کی پناہ مانگو کیونکہ اس نے شیطان کو دیکھا ہے۔ (بخاری و مسلم)

ل یہاں حدیث میں لفظ دیکہ آیا ہے بمعنی بہت سے مرغے یہ لفظ د کی زیر یا کی زبر سے پڑھا گیا ہے یہ دیکہ کی جمع ہے د کی زیر یا ساکن جیسے قِرَدَۃ و قِرَدٌ۔

ل تو اس وقت اس امید میں دعا کرو کہ شاید وہ فرشتہ ہماری دعا پر آمین کہے۔ واضح ہو کہ مرغ کی فضیلت میں بہت سی حدیثیں آئی ہیں مگر محدثین ان احادیث میں قیل و قال کرتے ہیں اور وہ حدیث جو سفید مرغ کے بارے میں آئی ہے کہ وہ عرش کے نیچے ہوتا ہے جب وہ بانگ دیتا ہے تو سارے مرغ بانگ دیتے ہیں اس حدیث میں بھی قیل و قال ہے یہ بحث تفصیل سے شرح سفر السعادت میں مذکور ہے۔

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رض اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اسْتَوٰى عَلٰى بَعِيْرِهٖ خَارِجًا اِلَى السَّفَرِ كَبَّرَ ثَلٰثًا ثُمَّ قَالَ سُبْحَانَ الَّذِيْ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَمَا كُنَّا لَهٗ مُقْرِنِيْنَ وَ اِنَّا اِلٰى رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَسْاَلُكَ فِيْ سَفَرِنَا هٰذَا الْبِرَّ وَ التَّقْوٰى وَ مِنَ الْعَمَلِ مَا تَرْضٰى اَللّٰهُمَّ هَوِّنْ عَلَيْنَا سَفَرَنَا هٰذَا وَ اَطْوِلَنَا بُعْدَهٗ اَللّٰهُمَّ اَنْتَ الصَّاحِبُ فِي السَّفَرِ وَ الْخَلِيْفَةُ فِي الْاَهْلِ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب سفر کو روانہ ہوتے ہوئے اونٹ پر سوار ہو جاتے تو تین بار تکبیر کہتے پھر یہ فرماتے پاک ہے وہ اللہ جس نے اسے ہمارا تابع کر دیا۔ ہم اسے مطیع نہ کر سکتے تھے اور ہم اپنے رب کی طرف لوٹنے والے ہیں الٰہی ہم تجھ سے اپنے سفر میں بھلائی پرہیزگاری اور تیرے پسندیدہ امور کی توفیق مانگتے ہیں اے اللہ ہم پر اس سفر کو آسان کر دے اور اس کی درازی سمیٹ دے اے اللہ تو ہی سفر میں ساتھی ہے اور گھر بار میں والی ہے اے اللہ میں تیری پناہ مانگتا ہوں سفر کی مشقتوں سے اور برے انتظار سے اور بری واپسی

وَعْثَاءِ السَّفَرِ وَ كَآبَةِ الْمَنْظَرِ وَ سُوْءِ الْمُنْقَلَبِ فِي الْمَالِ وَ الْأَهْلِ وَ إِذَا رَجَعَ قَالَهُنَّ وَ زَادَ فِيهِنَّ آئِبُوْنَ تَائِبُوْنَ عَابِدُوْنَ لِرَبِّنَا حَامِدُوْنَ.

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

سے مال میں ، گھر بار میں اور جب واپس ہوتے تو بھی یہی فرماتے۔ ان کلمات میں یہ کلمے اور بڑھا دیتے تھے ہم لوٹنے والے توبہ کرنے والے عبادت کرنے والے اپنے رب تعالیٰ کے ثناگو ہیں۔[۸]

(مسلم)

[۱] یعنی اونٹ ہو یا کوئی اور سواری۔

[۲] حقیقت یہ ہے کہ حیوانات میں سے گھوڑا اونٹ اور ہاتھی اگر خدائے تعالیٰ انہیں تابع نہ کرے تو انسان میں ان پر سواری کرنے اور انہیں تابع کرنے کی کب طاقت ہے یہ محض خدائے تعالیٰ کی قدرت اور اس کا اقتدار ہے کہ یہ انسان کے تابع کر دیے گئے ہیں۔ صراح میں ہے کہ مُقْرِن را کی زیر سے اُسے کہتے ہیں جس کے پاس مویشی چلانے کی طاقت یا ہمت نہ ہو۔

[۳] اس عبارت کا پہلے کلام سے یہ تعلق ہے کہ ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہونے کے لیے انسان سواری اختیار کرتا ہے اور بڑا انتقال وہ انتقال ہے جو خدائے تعالیٰ کی طرف ہو نیز سواری خطرے اور ہلاکت کی چیز ہے پس سوار کو چاہیے کہ اپنی ہلاکت سے غافل نہ ہو۔ بلکہ خدائے تعالیٰ سے ملنے کے لیے تیار رہے۔

[۴] تاکہ ہمیں اس میں تھکاوٹ اور تکلیف نہ پہنچے۔

[۵] یہاں حدیث میں لفظ وعثاء آیا ہے جو وعث سے بنا ہے۔ یعنی ایسی نرم جگہ جس میں پاؤں نیچے دھنس جائے اور آسانی سے چلنا مشکل ہو بلکہ وہاں چلنے سے پاؤں لڑکھڑاتے ہوں۔

[۶] یہاں حدیث میں لفظ کآبۃ المنظر آیا ہے یعنی نفس کی شکستگی جو کہ آنکھوں سے دیکھنے کا مقام ہے لفظ کآبۃ کاف کی زبر سے بروزن رفت۔ بمعنی شکستگی بدحالی اور غم واندوہ۔

[۷] یہاں حدیث میں لفظ سوء المنقلب آیا ہے لام کی زبر سے یعنی مال اور اہل میں بری واپسی سے۔ یعنی ایسا نہ ہو کہ ہماری واپسی ہمیں غم واندوہ میں ڈال دے وہ اس طرح کہ ہم گھر والوں میں کوئی نقصان یا گمشدگی دیکھیں یا ایسی حالت میں اپنے گھر واپس نہ آئیں کہ جس مقصود کے لیے گئے تھے وہ حاصل نہ ہوا ہو۔

[۸] بعض نسخوں میں آئبین وتائبین وعابدین۔ حامدین بھی آیا ہے۔

وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ سَرْجِسَ رض قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ

حضرت عبداللہ بن سرجس رض سے روایت ہے فرماتے ہیں جب رسول اللہ صلی اللہ

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا سَافَرَ يَتَعَوَّذُ مِنْ وَّعْثَاءِ السَّفَرِ وَ كَآبَةِ الْمُنْقَلَبِ وَ الْحَوْرِ بَعْدَ الْكَوْرِ وَ دَعْوَةِ الْمَظْلُوْمِ وَسُوْءِ الْمَنْظَرِ فِي الْأَهْلِ وَ الْمَالِ.

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

علیہ وسلم سفر کرتے تو ان چیزوں سے پناہ مانگتے تھے۔ سفر کے نقصانات سے واپسی کی تکلیف سے بھلائی کے بعد برائی[2] سے مظلوم کی بددعا[3] سے اور گھر بار و مال میں برائی دیکھنے سے۔

(مسلم)

[1] سرجس سین کی زبر را ساکن جیم کی زیر آپ بصری صحابی ہیں۔

[2] یہاں حدیث میں لفظ الحور بعد الکور ہے یعنی زیادتی کے بعد نقصان سے اور اضافے کے بعد کمی سے۔ اور درستی کے بعد فساد سے اور ساتھیوں کی جماعت کے بعد اکیلا رہ جانے سے۔ ایک روایت میں الحور بعد الکون بھی آیا ہے۔ معنیٰ یہ ہوگا کہ اچھی حالت نصیب ہونے کے بعد بری حالت طاری ہونے سے پناہ مانگتا ہوں اور ثابت قدمی کے بعد پاؤں کے لڑکھڑانے سے بھی پناہ مانگتا ہوں۔ اصل لغت میں کور دستار لپیٹنے کو کہتے ہیں اور حور اُسے کھول دینے کو کہتے ہیں۔

[3] مظلوم کی بددعا سے پناہ مانگنا درحقیقت ظلم سے پناہ مانگنا ہے۔ یعنی ہم کسی پر ظلم نہ کریں تاکہ وہ مظلوم ہمارے خلاف بددعا نہ کرے۔

وَ عَنْ خَوْلَةَ بِنْتِ حَكِيْمٍ قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ نَّزَلَ مَنْزِلًا فَقَالَ أَعُوْذُ بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّآمَّاتِ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ لَمْ يَضُرَّهُ شَيْءٌ حَتّٰى يَرْتَحِلَ مِنْ مَنْزِلِهِ ذٰلِكَ.

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت خولہ[1] بنت حکیم رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا جو کسی منزل پر اترے تو یہ کہہ لے میں اللہ تعالیٰ کے پورے کلمات کی پناہ لیتا ہوں اس کی ساری مخلوق کے شر سے تو اس منزل سے کوچ کرتے وقت تک اُسے کوئی چیز نقصان نہ دے گی۔

(مسلم)

[1] خا کی زبر و ساکن سے آپ عالم و فاضل صحابیات میں سے ہیں۔

سلہ یعنی وہ کلمات تام اور کامل ہیں جن میں نقصان کو راستہ نہیں مل سکتا مراد قرآنی کلمات ہیں۔ بعض نے کہا اس سے حق تعالیٰ کے اسماء و صفات مراد ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جو بھی شر پیدا کیا ہے بندہ ان اسماء کی برکت سے اُن سے محفوظ رہتا ہے۔

وَ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ جَآءَ رَجُلٌ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَا لَقِیْتُ مِنْ عَقْرَبٍ لَدَغَتْنِی الْبَارِحَةَ قَالَ اَمَا لَوْ قُلْتَ حِیْنَ اَمْسَیْتَ اَعُوْذُ بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّآمَّاتِ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ لَمْ تَضُرَّكَ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر بولا یا رسول اللہ آج رات مجھے بچھو کے کاٹ لینے سے بہت تکلیف پہنچی فرمایا اگر تم شام کے وقت یہ کہہ لیتے کہ میں اللہ تعالےٰ کے کامل کلموں کی پناہ لیتا ہوں۔ تمام مخلوق کے شر سے تو تمہیں بچھو تکلیف نہ پہنچا سکتا۔ (مسلم)

وَعَنْهُ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ كَانَ اِذَا كَانَ فِیْ سَفَرٍ وَ اَسْحَرَ یَقُوْلُ سَمِعَ سَامِعٌ بِحَمْدِ اللّٰهِ وَ حُسْنِ بَلَآئِهٖ عَلَیْنَا رَبَّنَا صَاحِبْنَا وَ اَفْضِلْ عَلَیْنَا عَآئِذًا بِاللّٰهِ مِنَ النَّارِ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب سفر میں ہوتے اور سویرا پاتے تو یہ فرماتے سننے والے[1] سن لیں کہ ہم اللہ کی حمد کرتے ہیں اُس کی حمد پر اچھی نعمت ہے اے ہمارے رب تو ہمارا ساتھی ہو جا اور ہم پر فضل کر[2] آگ سے اللہ کی پناہ لیتا ہوں[3]۔ (مسلم)

لہ یہاں حدیث میں لفظ سمع آیا ہے اسے دو طریقوں سے پڑھا گیا ہے ایک میم کی زیر سے اور میم پر بغیر شد کے یعنی سماع سے بمعنی اسنا۔ دوسری روایت یوں ہے کہ سمع میم زبر اور شد سے جو تسمیع سے بنا ہے بمعنی کسی کو سنوانا دونوں صورتوں میں الفاظ خبر ہیں اور معنیً امر ہے۔

پہلی صورت کے مطابق معنیٰ یہ ہے کہ ہم خدا کی جو حمد کرتے ہیں اُسے سننے والا سنے اور ہم پر جو اُس نے اچھی اچھی نعمتیں کیں ہیں وہ بھی سنے اور دیکھے تاکہ اس کی اتباع کرے اور اُس پر گواہ بنے۔ بلا کا لفظ نعمت کے معنیٰ میں بھی آتا ہے۔ اس

کی حقیقت خدا کی طرف سے بندے کا ابتلا اور امتحان ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کبھی تو بندے کو تکلیف پہنچا کر اس کا امتحان لیتا ہے تاکہ یہ دیکھے کہ بندہ صبر کرتا ہے کہ نہیں اور کبھی مسرت و خوشی عطا کر کے بندے کو آزماتا ہے کہ یہ میرا شکر کرتا ہے کہ نہیں اور یہ دونوں نعمتیں ہیں۔ اس اعتبار سے کہ جب بندہ اس کے مطابق اپنے آپ کو رکھتا ہے تو اس پر اجر و ثواب ملتا ہے اور کمال ایمان سے بہرہ ور ہوتا ہے۔ لفظ کی دوسری صورت میں معنیٰ یہ ہے کہ بندے کو چاہیے کہ دوسروں کو بھی سنوائے اور دوسروں تک بھی اپنا حمد کرنا پہنچائے تاکہ دوسرے بھی حمد کرنے میں پیروی کریں۔

جیسا کہ ایک روایت میں آیا ہے کہ دین کی باتیں سننے والے کو چاہیے کہ وہ غائب تک بھی دین کی باتیں پہنچائے بعض علماء اس کو خبر کے معنیٰ میں ہی رکھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ معنیٰ یہ ہے کہ جس کے کان ہیں اس نے ہماری حمد سن لی ہے اور دوسروں کو بھی سنا دی ہے۔ اور یہ ایک ایسی چیز ہے جو مشہور و عام ہے کسی سے مخفی نہیں ہے۔

۲؎ یعنی اپنے کرم و عنایت سے ہم پر مزید احسان فرما۔ درحقیقت یہ مزید عنایت و نعمت کے ہمیشہ رہنے اور حصول برکت کی مزید طلب ہے۔ اس میں اس جانب اشارہ ہے کہ بندہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی لگاتار بارش کے باوجود اس کی مزید نعمتوں سے بے نیاز نہیں ہے۔ ع

آنانکہ غنی تر اند محتاج تر اند

جو لوگ جتنے زیادہ غنی ہوتے ہیں اتنے ہی زیادہ محتاج ہوتے ہیں۔

۳؎ یا معنیٰ یہ ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام آگ سے اللہ تعالیٰ کے پاس پناہ لیتے ہوئے اس طرح فرمایا کرتے تھے۔ پہلے معنیٰ کے مطابق یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قول ہوگا اور ثانی معانی کے مطابق یہ راوی کا قول ہے۔ اسے سمجھ لو۔

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رض قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا قَفَلَ مِنْ غَزْوٍ اَوْ حَجٍّ اَوْ عُمْرَةٍ يُكَبِّرُ عَلٰى كُلِّ شَرَفٍ مِّنَ الْاَرْضِ ثَلٰثَ تَكْبِيْرَاتٍ ثُمَّ يَقُوْلُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی غزوے یا حج یا عمرے سے واپس تشریف لاتے تو زمین میں ہر اونچائی پر چڑھتے ہوئے تین تکبیریں پڑھا کرتے تھے پھر آپ فرماتے کوئی معبود نہیں سوائے اللہ کے وہ وحدہ لاشریک ہے اس کے لیے ملک اور وہی حمد کے لائق ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے، ہم لوگ لوٹنے والے

قَدِيرٌ اٰيِبُوْنَ تَآئِبُوْنَ عَابِدُوْنَ سَاجِدُوْنَ لِرَبِّنَا حَامِدُوْنَ صَدَقَ اللّٰهُ وَعْدَهٗ وَنَصَرَ عَبْدَهٗ وَهَزَمَ الْاَحْزَابَ وَحْدَهٗ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

توبہ کرنے والے عبادت کرنے والے اُس کے حضور سجدہ کرنے والے اور اُسی کی حمد کرنے والے اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا ہے[۲] اس نے اپنے بندے[۳] کی مدد کی اور اُس نے دشمنوں کے تمام لشکروں کو اکیلے شکست[۴] دی۔ (بخاری و مسلم)

[۱] یہ آپ کی تمام حالات میں دائمی عادت تھی، کہ جب بھی آپ بلند جگہ پر چڑھتے تو تکبیر کہتے۔ تورپشتی نے کہا کہ نئی حالت اور نئی کیفیت پیدا ہونے کے وقت ذکر کرنا مستحب ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اس کی رعایت اور اس کا لحاظ جگہ اور وقت کے مطابق کرتے تھے۔ جیسا کہ وقت صبح اور شام اور بیداری اور نیند کے وقت ذکر کرتے تھے۔ اس طرح آپ اس جانب اشارہ کرتے تھے کہ انسان کو چاہیے کہ حالات کی تبدیلی کے وقت حالات تبدیل کرنے والی ذات سے غافل نہ ہو۔ بعض کہتے ہیں ہو سکتا ہے کہ تبدیلی حالت کے وقت تکبیر کے جائز ہونے کی وجہ یہ ہے کہ جب بندے کو بلند جگہ پر چڑھنے کا موقع میسر آتا ہو اور جتنی رفعت حاصل ہوتی ہو تو شاید اُس کے دل میں تکبر وغیرہ میں سے کوئی چیز پیدا ہوتی ہو تو نفس کے اس وسوسے کو خدائے تعالیٰ کی کبریائی کے مشاہدے اور اُس کی عظمت کے تصور سے دور کر لے اور اپنے نفس میں اللہ تعالیٰ کے ذکر کی یہ خوبی حاصل کرے اور یہ معنیٰ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حال شریف کے بہت موافق و احسن ہے۔ تیسری فصل کے آخر میں آرہا ہے کہ اترتے وقت آپ سبحان اللہ پڑھتے تھے۔ بعض روایات میں آیا ہے کہ نیچے اترتے وقت آپ کلمہ لا الٰہ الا اللہ پڑھتے تھے۔ یہ اس وجہ سے آپ کرتے تھے کہ نیچے اترنا ذلت انکسار اور تنزل کی حالت ہے پس آپ خدائے تعالیٰ کو اس سے منزہ ظاہر کرتے تھے۔ جیسا کہ آپ کے قول مبارک سے ظاہر ہوتا ہے۔

[۲] یعنی دین اسلام کی تقویت و تائید میں اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا ہے۔

[۳] یہ حضور علیہ السلام کے اپنے وجود شریف سے عبارت ہے۔

[۴] اگرچہ بظاہر مسلمانوں نے جہاد کیا اور شکست دی لیکن حقیقت میں سب کچھ اللہ ہی کی قدرت سے ہوتا ہے یہ بھی احتمال ہے کہ گروہوں سے مشرکین کے گروہ اور یہود کے قبائل مراد ہوں۔ کہ غزوہ خندق میں جسے غزوہ احزاب بھی کہتے ہیں جمع ہوئے تھے اور انہوں نے اپنے اپنے لشکر ترتیب دیئے تھے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خلاف رائے پر متفق ہو کر آئے تھے تو اللہ تعالیٰ نے آندھیاں بھیجیں۔ اور ملائکہ کے لشکر روانہ کیے جنہوں نے اُن پر ہلاکت تباہی مسلط کر دی اور اللہ تعالیٰ کے قول صدق وعدہٗ سے خدائے تعالیٰ سبحانہٗ کے اس قول کی جانب اشارہ ہے وکفی اللہ المومنین القتال وکان اللہ قویا عزیزا۔ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کی طرف سے لڑنے میں کافی ہے اور اللہ تعالیٰ قوی و غالب ہے۔

وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ اَبِيْ اَوْفٰی[1] قَالَ دَعَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ الْاَحْزَابِ عَلَی الْمُشْرِكِيْنَ فَقَالَ اَللّٰهُمَّ مُنْزِلَ الْكِتَابِ سَرِيْعَ الْحِسَابِ اَللّٰهُمَّ اهْزِمِ الْاَحْزَابَ اَللّٰهُمَّ اهْزِمْهُمْ وَزَلْزِلْهُمْ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ خندق کے دن مشرکین پر بددعا فرمائی اور فرمایا اے اللہ کتاب یعنی قرآن یا تمام آسمانی کتابیں نازل کرنے والے بندوں سے جلد حساب لینے والے یعنی علم و احاطہ کی بدولت بندوں کے قلیل و کثیر تمام اعمال کا حساب لینے والے۔ اے اللہ کفار کے ان گروہوں کو شکست دے اے اللہ انہیں شکست دے اور انہیں ہلا۔ اور ان کے پاؤں کو پھسلا دے۔ (بخاری و مسلم)

[1] اوفیٰ ہمزہ کی زبر واؤ ساکن اس کے بعد فا۔ آپ مشہور صحابی ہیں۔ صحابہ کرام میں سے کوفہ میں سب سے آخر وفات پانے والے صحابی یہی ہیں۔

وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ بُسْرٍ قَالَ نَزَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰی اَبِيْ فَقَرَّبْنَا اِلَيْهِ طَعَامًا وَّوَطْبَةً فَاَكَلَ مِنْهَا ثُمَّ اُتِيَ بِتَمْرٍ فَكَانَ يَاْكُلُهُ وَيُلْقِي النَّوٰى بَيْنَ اِصْبَعَيْهِ وَيَجْمَعُ السَّبَّابَةَ وَالْوُسْطٰی وَفِيْ رِوَايَةٍ فَجَعَلَ يُلْقِي النَّوٰى عَلٰی ظَهْرِ اِصْبَعَيْهِ السَّبَّابَةِ وَالْوُسْطٰی ثُمَّ اُتِيَ بِشَرَابٍ فَشَرِبَهُ فَقَالَ اَبِيْ وَاَخَذَ بِلِجَامِ دَابَّتِهِ اُدْعُ اللّٰهَ لَنَا فَقَالَ اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لَهُمْ فِيْمَا رَزَقْتَهُمْ وَاغْفِرْ لَهُمْ وَارْحَمْهُمْ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت عبداللہ بن بسر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے والد کے پاس تشریف لائے تو ہم نے آپ کی خدمت میں کھانا اور کھجور کا حلوہ پیش کیا اس سے حضور علیہ السلام نے کچھ کھایا پھر کھجوریں پیش کی گئیں تو انہیں کھانے لگے اور گٹھلیاں دو انگلیوں کے بیچ سے رکھ کر پھینکنے لگے کر کلمہ کی انگلی اور بیچ کی انگلی جمع فرماتے اور ایک روایت میں ہے کہ گٹھلیاں اپنے کلمہ کی اور بیچ کی انگلی کی پشت پر ڈالنے لگے پھر پانی لایا گیا تو حضور نے پیا پھر میرے والد نے آپ کے گھوڑے کی لگام پکڑ کر عرض کیا حضور ہمارے حق میں اللہ سے دعا فرمایئے تو آپ نے فرمایا اے اللہ تو نے انہیں جو روزی دی ہے اس میں برکت ڈال اور انہیں بخش دے اور ان پر رحم فرما۔ (مسلم)

لے بُسر با کی پیش سین ساکن آپ مشہور صحابی ہیں۔ آپ آپ کے باپ آپ کی ماں آپ کے بھائی اور آپ کی بہن سب کو صحابیت کا شرف حاصل ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ان کے گھر تشریف لائے کھانا کھایا اور ان کے حق میں دعا فرمائی جیسا کہ اس حدیث میں آیا ہے۔

سلہ یہاں حدیث میں لفظ وطبۃ آیا ہے۔ اس لفظ کو کئی صورتوں میں روایت کیا گیا ہے اور علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ اس لفظ کا صحیح تلفظ کیا ہے۔ قاضی عیاض نے مشارق الانوار میں حرف واؤ میں فرمایا کہ یہ لفظ وطئۃ ہے۔ طا کی زیر اس کے بعد ہمزہ ممدودہ اُس کھجور کو کہتے ہیں جسے پہلے خستہ کرتے ہیں پھر اُس میں دودھ ملاتے ہیں۔ ابن درید نے فرمایا کہ یہ لفظ طبیہ ہے یعنی کھجور کا شیرہ۔ اس لفظ میں اختلاف و وہم بہت زیادہ ہے اور صحیح یہی ہے اور سمرقندی نے کہا کہ یہ لفظ رطبہ ہے۔ را کی پیش اور طا کی زبر۔ رطب کا واحد بمعنیٰ تر کھجور اور وطبہ بھی آیا ہے یعنی طا ساکن اس کے بعد با۔ نقل کرنے والوں نے نووی سے نقل کیا ہے کہ اکثر روایت واؤ و طا ساکن اور با سے ہے۔ مشکوٰۃ کے نسخوں میں ایسا ہی موجود ہے اس کا معنیٰ دودھ کی مشک بھی آیا ہے۔ واللہ اعلم۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

دوسری فصل

عَنْ طَلْحَۃَ بْنِ عُبَیْدِ اللّٰہِ[1] اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ اِذَا رَاَی الْھِلَالَ قَالَ اللّٰھُمَّ اَھِلَّہٗ عَلَیْنَا بِالْاَمْنِ وَالْاِیْمَانِ وَالسَّلَامَۃِ وَالْاِسْلَامِ رَبِّیْ وَرَبُّکَ اللّٰہُ۔
(رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ)
وَقَالَ ھٰذَا حَدِیْثٌ حَسَنٌ غَرِیْبٌ۔

حضرت طلحہ[1] بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے بے شک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب چاند دیکھتے تو کہتے اے اللہ اسے ہم پر امن و ایمان سلامتی اور اسلام کا چاند بنا کر چمکا[2] اے چاند میرا اور تیرا رب اللہ ہے[3]۔
(ترمذی)
اور ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن غریب ہے۔

لے حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ عشرہ مبشرہ میں سے ہیں۔

سلہ یعنی آفات نفس اور دنیا کی خوفناک چیزوں سے ہمیں اس چاند میں حالت امن میں رکھ اور اس میں ہمیں ایمان کی پختگی بھی عطا فرما۔ ہمارے دل کی سلامتی اور اسلام کے بہتر حالات ہمیں نصیب فرما اور تمام احکام الٰہی پر عمل کی توفیق سے سرفراز فرما۔ یہ چاند امن حالات کے ساتھ ہم پر چمکتا ہے۔ کیونکہ یہ عطائیں اور عظیم نعمتوں کے اصول ہیں بلکہ تمام نعمتیں

کو شامل ہیں۔ مشہور یہ ہے کہ ہلال تین رات تک کے چاند کو کہتے ہیں اُس کے بعد اُسے قمر کہتے ہیں۔ قاموس میں فرمایا کہ ہلال دو یا تین رات یا سات رات تک کے چاند کو کہتے ہیں اور مہینے کی آخری دو راتیں جو کہ چھبیسویں اور ستائیسویں رات ہوتی ہے، کے چاند کو قمر کہتے ہیں۔ ظاہر یہ ہے کہ دعا میں اول مہینے کا چاند مراد ہے۔ اور اقوال میں سے مشہور قول بھی یہی ہے واللہ اعلم۔

۳ اس میں اس امر کی تنبیہ اور پاکیزگی کا بیان ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی تیرا اور میرا خالق اور شریک سے پاک ہے اس میں فرقہ دہریہ کا رد ہے۔ اس حدیث میں اس امر پر بھی تنبیہ ہے کہ نشانیوں کے ظہور حالات کے بدلنے اور خدائے تعالیٰ کی مصنوعات میں نظر کرنے اور ان کا مشاہدہ کرنے کے وقت دعا کرنا مستحب ہے۔

وَعَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رضی وَاَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ رَجُلٍ رَاٰی مُبْتَلًی فَقَالَ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ عَافَانِیْ مِمَّا ابْتَلَاكَ بِهٖ وَفَضَّلَنِیْ عَلٰی كَثِیْرٍ مِّمَّنْ خَلَقَ تَفْضِیْلًا اِلَّا لَمْ یُصِبْهُ ذٰلِكَ الْبَلَاءُ كَائِنًا مَّا كَانَ.

حضرت عمر ابن الخطاب اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایسا کوئی شخص نہیں جو کسی کو بلا میں گرفتار دیکھے تو یہ کہہ دے۔ شکر ہے اس اللہ کا جس نے مجھے اس آفت سے بچایا۔ جس میں تجھے مبتلا کیا اور اس نے مجھے بہت سی مخلوق پر فضیلت اور بزرگی عطا کی۔ مگر اُسے یہ بلا و مصیبت نہ پہنچے گی۔ جو بھی بلا و مصیبت ہو۔[1]

(رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَرَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ عَنِ ابْنِ عُمَرَ)

اسے ترمذی نے روایت کیا اور ابن ماجہ نے اسے حضرت ابن عمر سے روایت کیا۔

وَقَالَ التِّرْمِذِیُّ هٰذَا حَدِیْثٌ غَرِیْبٌ وَّعَمْرُو بْنُ دِیْنَارٍ الرَّاوِیْ لَیْسَ بِالْقَوِیِّ.

اور ترمذی نے فرمایا یہ حدیث غریب ہے اور عمرو ابن دینار راوی قوی نہیں۔

[1] لیکن علمائے کرام نے فرمایا ہے کہ یہ کہنا اور ان کلمات سے مخاطب کرنا اُس شخص کے لیے ہے جو فسق و معصیت میں مبتلا ہو اور اعلانیہ فسق و معصیت کا ارتکاب کرتا ہو تاکہ وہ یہ سن کر متاثر ہو۔ اور فسق و معصیت کو ترک کر دے لیکن اگر کسی بیمار ناقص الجسم انسان کو دیکھے یا ایسے فاسق کو دیکھے جس کا حال پوشیدہ ہو تو اُسے مخاطب نہ کرے اور بلند آواز سے یہ کلمات نہ پڑھے بلکہ دل میں کہے اور بس۔ تاکہ وہ تکلیف اور اذیت محسوس نہ کرے اور ملول نہ ہو جائے۔

وَعَنْ عُمَرَ رض اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ دَخَلَ السُّوْقَ فَقَالَ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ لَہُ الْمُلْکُ وَلَہُ الْحَمْدُ یُحْیِیْ وَیُمِیْتُ وَھُوَ حَیٌّ لَّا یَمُوْتُ بِیَدِہِ الْخَیْرُ وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ کَتَبَ اللّٰہُ لَہٗ اَلْفَ اَلْفِ حَسَنَۃٍ وَّمَحَاعَنْہُ اَلْفَ اَلْفِ سَیِّئَۃٍ وَّ رَفَعَ لَہٗ اَلْفَ اَلْفِ دَرَجَۃٍ وَّبَنٰی لَہٗ بَیْتًا فِی الْجَنَّۃِ (رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَابْنُ مَاجَۃَ) وَقَالَ التِّرْمِذِیُّ ھٰذَا حَدِیْثٌ غَرِیْبٌ وَفِیْ شَرْحِ السُّنَّۃِ مَنْ قَالَ فِیْ سُوْقٍ جَامِعٍ یُبَاعُ فِیْہِ بَدَلَ مَنْ دَخَلَ السُّوْقَ۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص بازار میں داخل ہونے پر یہ کہہ لیا کرے اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ اکیلا ہے اُس کا کوئی شریک نہیں ملک اُسی کا ہے اسی کی تعریف ہے زندگی اور موت وہی دیتا ہے، وہ خود زندہ ہے کہ کبھی نہ مرے گا اُس کے قبضہ میں خیر ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے تو اللہ تعالیٰ اُس کے لیے دس لاکھ نیکیاں لکھتا ہے اور اُس کے عوض لاکھ گناہ مٹاتا ہے اور اُس کے دس لاکھ درجے بلند کرتا ہے اور اُس کے لیے جنت میں گھر بناتا ہے[1] (ترمذی۔ ابن ماجہ)

ترمذی نے فرمایا یہ حدیث غریب ہے اور شرح سنت میں اس طرح ہے کہ جو بھرے بازار میں جائے جہاں تجارت ہوتی ہے یہ الفاظ دخل السوق کے بجائے کہے۔

[1] علامہ طیبی نے اس حدیث کی تقریر میں دراز گفتگو فرمائی ہے۔ اور جامع بیان سپرد قلم کیا۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ تمام ثواب اس وجہ سے ہے کہ ایسا شخص درحقیقت اہل بازار سے جو کہ جھوٹ اور جھوٹی قسموں کی جگہ ہے غفلت کی تاریکی کو دور کرتا ہے۔ اور جبکہ بازار میں یہ تاریکی گنی اور عفونت ہوتی ہے تو ان کلمات کے پڑھنے پر ثواب بھی کثیر اور عظیم مقرر کیا۔ چونکہ جو شخص یہ کلمات پڑھتا ہے وہ ہدایت کے اعلیٰ مرتبے پر فائز ہوتا ہے اس لیے اُسے اجر بھی بہت زیادہ ملتا ہے۔

وَعَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ رض قَالَ سَمِعَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ رَجُلًا یَّدْعُوْا یَقُوْلُ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ تَمَامَ النِّعْمَۃِ فَقَالَ

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو دعا کرتے ہوئے یہ کہتے سنا الٰہی میں تجھ سے پوری نعمت مانگتا ہوں۔

اَیُّ شَیْءٍ تَمَامُ النِّعْمَةِ فَقَالَ دَعْوَةٌ اَرْجُوْ بِهَا خَيْرًا فَقَالَ اِنَّ مِنْ تَمَامِ النِّعْمَةِ دُخُوْلَ الْجَنَّةِ وَالْفَوْزَ مِنَ النَّارِ وَ سَمِعَ رَجُلًا يَقُوْلُ يَا ذَا الْجَلَالِ وَ الْاِكْرَامِ فَقَالَ قَدِ اسْتُجِيْبَ لَكَ فَسَلْ فَسَمِعَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجُلًا وَ هُوَ يَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْئَلُكَ الصَّبْرَ فَقَالَ سَاَلْتَ اللّٰهَ الْبَلَاءَ فَسَلْهُ الْعَافِيَةَ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

حضور علیہ السلام نے فرمایا پوری نعمت کیا چیز[1] ہے اس نے عرض کیا یہ ایک دعا ہے جس سے میں بھلائی کی اُمید کرتا ہوں[2] فرمایا کہ پوری نعمت جنت میں جانا اور آگ سے نجات[3] ہے۔ اور آپ نے ایک شخص کو کہتے سنا اے بزرگی و اکرام والے تو فرمایا تیری دعا قبول ہوگی اب مانگ لے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو یہ کہتے سنا الٰہی میں تجھ سے صبر مانگتا ہوں فرمایا تو نے اللہ سے مصیبت اور آفت[4] مانگی ہے۔ اللہ تعالیٰ سے عافیت[5] مانگ۔ (ترمذی)

۱؎ یعنی وہ تمام نعمت جو تو مانگ رہا ہے کیا ہے۔

۲؎ یعنی میں مجمل طور پر جانتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے پاس پوری نعمت ہے اور میں اُسے ہی طلب کرتا ہوں مگر اُس کی حقیقت تفصیل سے نہیں جانتا تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اُسے پوری نعمت سے آگاہ فرمایا۔

۳؎ کہ بندہ دنیا میں اللہ تعالیٰ کی طرح طرح کی نعمتوں سے محظوظ و مسرور زندگی بسر کرے آخرت میں عذاب دوزخ سے محفوظ رہتے ہوئے جنت میں داخل ہو جائے اور وہاں اللہ تعالیٰ کے دیدار و مشاہدہ سے مشرف ہو جائے تو اس سے زیادہ مکمل نعمت اور کیا ہوگی۔

۴؎ کیونکہ صبر بلا و مصیبت کے وقت ہوتا ہے۔

۵؎ یعنی خدائے تعالیٰ سے عافیت طلب کر اور وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تجھے تمام آفات و بلاؤں سے محفوظ رکھے کیونکہ مصیبت کو برداشت کرنا در حقیقت بلا و مصیبت ہے۔ جو نہیں طلب کرنی چاہیے اور اگر بلا نازل ہو تو صبر کرنا چاہیے یہی طریقہ یہ ہے اور بندے کے حال کی بہتری اور آداب کی اصلاح اسی سے تعلق رکھتی ہیں۔

وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ جَلَسَ مَجْلِسًا فَكَثُرَ فِيْهِ لَغَطُهٗ فَقَالَ قَبْلَ اَنْ يَّقُوْمَ سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو کسی جگہ بیٹھے جہاں شور و شغف[1] زیادہ ہو تو اٹھنے سے پہلے یہ کہہ دے پاک ہے تو اے اللہ اور تیری حمد ہے میں گواہی دیتا ہوں

وَ بِحَمْدِكَ أَشْهَدُ أَنْ لَّآ إِلٰهَ إِلَّآ أَنْتَ أَسْتَغْفِرُكَ وَ أَتُوْبُ إِلَيْكَ إِلَّا غُفِرَ لَهٗ مَا كَانَ فِيْ مَجْلِسِهٖ ذٰلِكَ۔

کہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں میں تجھ سے معافی مانگتا ہوں اور تیری بارگاہ میں توبہ کرتا ہوں مگر اس کی وہ تمام حرکات معاف کر دی جائیں گی جو اس مجلس میں ہوئیں۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَ الْبَيْهَقِيُّ فِي الدَّعْوَاتِ الْكَبِيْرِ)

ترمذی شریف اور بیہقی نے دعوات الکبیر میں۔

لہ یہاں حدیث میں لفظ لغط آیا ہے۔ قاموس میں فرمایا لفظ غین کی زبر اور جزم سے بھی آیا ہے۔ بمعنی آواز یا ایسی آوازیں جن کا معنی سمجھ نہ آئے۔ یہاں بے فائدہ اور لایعنی کلام مراد ہے۔

وَعَنْ عَلِيٍّ رضی اللہ عنہ أَنَّهٗ أُتِيَ بِدَآبَّةٍ لِيَرْكَبَهَا فَلَمَّا وَضَعَ رِجْلَهٗ فِي الرِّكَابِ قَالَ بِسْمِ اللّٰهِ فَلَمَّا اسْتَوٰى عَلٰى ظَهْرِهَا قَالَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ ثُمَّ قَالَ سُبْحَانَ الَّذِيْ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَ مَا كُنَّا لَهٗ مُقْرِنِيْنَ وَ إِنَّا إِلٰى رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ ثُمَّ قَالَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ ثَلٰثًا وَ اللّٰهُ أَكْبَرُ ثَلٰثًا سُبْحَانَكَ إِنِّيْ ظَلَمْتُ نَفْسِيْ فَاغْفِرْ لِيْ فَإِنَّهٗ لَا يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ إِلَّآ أَنْتَ ثُمَّ ضَحِكَ فَقِيْلَ مِنْ أَيِّ شَيْءٍ ضَحِكْتَ يَا أَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ قَالَ رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَنَعَ كَمَا صَنَعْتُ ثُمَّ ضَحِكَ فَقُلْتُ مِنْ أَيِّ شَيْءٍ

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بے شک آپ کی سواری کے لیے ایک گھوڑا لایا گیا آپ نے جب رکاب میں اپنا پیر مبارک رکھا تو فرمایا بسم اللہ جب اس کی پیٹھ پر بیٹھ گئے تو فرمایا الحمد للہ پھر فرمایا پاک ہے وہ رب جس نے اسے ہمارا تابعدار بنا دیا۔ اور ہم اسے مطیع نہ کر سکتے تھے۔ اور ہم اپنے رب کی طرف لوٹنے والے ہیں پھر تین بار کہا الحمد للہ پھر تین بار اللہ اکبر پاک ہے تو میں نے یقیناً اپنی جان پر ظلم کیا، تو مجھے بخش دے تیرے سوا کوئی گناہ نہیں بخش سکتا پھر آپ ہنس پڑے عرض کیا گیا یا امیر المومنین آپ کس چیز سے ہنسے ہیں فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ نے وہی کیا جو میں نے کیا پھر آپ ہنسے میں نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ کس چیز سے ہنسے ہیں فرمایا تمہارا رب اپنے بندے

ضَحِكْتَ يَا رَسُوْلَ اللهِ قَالَ اِنَّ رَبَّكَ لَيَعْجَبُ مِنْ عَبْدِهٖ اِذَا قَالَ رَبِّ اغْفِرْلِيْ ذُنُوْبِيْ يَقُوْلُ يَعْلَمُ اَنَّهٗ لَا يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ غَيْرِيْ۔

(رَوَاهُ اَحْمَدُ وَ التِّرْمِذِيُّ وَ اَبُوْ دَاوُدَ)

سے خوش ہوتا ہے جب وہ کہتا ہے خدایا میرے گناہ بخش دے رب تعالیٰ فرماتا ہے میرا بندہ جانتا ہے کہ میرے سوا کوئی گناہ نہیں بخشتا۔[۱]

(احمد، ترمذی، ابوداؤد)

[۱] اس کا ترجمہ فصل اول میں گزر چکا ہے۔

[۲] حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام رب العزت جل شانہ کے قول مبارک سے ہنس پڑے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضور کی اتباع کے ارادے سے ایسا کیا۔ یا آپ بھی اللہ تعالیٰ کے مذکورہ قول مبارک سے ہنس پڑے۔

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا وَدَّعَ رَجُلًا اَخَذَ بِيَدِهٖ فَلَا يَدَعُهَا حَتّٰى يَكُوْنَ الرَّجُلُ هُوَ يَدَعُ يَدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ يَقُوْلُ اَسْتَوْدِعُ اللهَ دِيْنَكَ وَ اَمَانَتَكَ وَ اٰخِرَ عَمَلِكَ وَ فِيْ رِوَايَةٍ وَخَوَاتِيْمَ عَمَلِكَ۔

رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَ اَبُوْ دَاوُدَ وَ فِيْ رِوَايَتِهِمَا لَمْ يُذْكَرْ وَ اٰخِرَ عَمَلِكَ۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی شخص کو وداع فرماتے تو اس کا ہاتھ پکڑ لیتے خود اسے نہ چھوڑتے[۱] یہاں تک کہ وہ شخص خود حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ کو چھوڑ دیتا[۲] اور فرماتے میں تیرا دین تیری امانت[۳] اور تیرا آخری عمل اللہ تعالیٰ کے سپرد کرتا ہوں اور ایک روایت میں ہے کہ تیرے عمل کے خاتموں کو تیرے حوالے کرتا ہوں۔

ترمذی۔ ابوداؤد۔ ابن ماجہ۔ ان دونوں کی روایت میں آخر عملک[۴] کا ذکر نہیں۔

[۱] آپ کا یہ طرز عمل غایت تواضع اور امت کے ساتھ انتہائی نرمی اور شفقت کی بنا پر ہوتا تھا۔

[۲] تعجب اس مرد کے حال پر کرنا چاہیے جو اپنا ہاتھ حضور کے ہاتھ میں دے اور پھر جلدی اپنا ہاتھ چھڑا لے ع

خوش دولتی است اینکہ ترا دست دادہ ست

ترجمہ۔ یہ کتنی اعلیٰ درجے کی دولت ہے کہ تیرے ہاتھ میں ہاتھ دے دیں۔

یعنی وہ مال جس کے ذریعے تو لوگوں سے لین دین کرتا ہے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس شخص کے لیے اُس کے امور دین دنیا کی حفاظت کی دعا فرمائی۔ اُس کی وجہ یہ تھی کہ انسان کو سفر کی وجہ سے مشقت اور تکلیف پہنچتی ہے جس کی وجہ سے انسان لبا اوقات طاعات واوراد سے محروم رہتا ہے اور لوگوں کے ساتھ اچھا معاملہ اور اچھی معاشرت اختیار نہیں کر سکتا۔ بعض کہتے ہیں کہ امانت سے اہل و اولاد مراد ہیں۔

۴ یعنی ایک روایت میں آخر عملک کی بجائے خاتمہ عملک آیا ہے۔ آخر عمل کی تخصیص اس لیے فرمائی کہ اعتبار خاتمے کا ہے۔ اُس روایت میں خواتیم عملک بھی موجود نہیں ہے۔

وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ الْخَطْمِيِّ رضی قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اَرَادَ اَنْ يَّسْتَوْدِعَ الْجَيْشَ قَالَ اَسْتَوْدِعُ اللّٰهَ دِيْنَكُمْ وَ اَمَانَتَكُمْ وَ خَوَاتِيْمَ اَعْمَالِكُمْ۔
(رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ)

حضرت عبداللہ خطمی[۱] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی لشکر کو وداع کرنا چاہتے تو فرماتے ہیں تم لوگوں کا دین تم لوگوں کی امانت اور تم لوگوں کے آخری عمل اللہ تعالیٰ کے سپرد کرتا ہوں۔
(ابو داؤد)

[۱] خا کی زبر طا کی جزم آپ انصاری صحابی ہیں۔ آپ سترہ سال کی عمر کے تھے کہ غزوہ حدیبیہ میں حاضر ہوئے۔

وَعَنْ اَنَسٍ رضی قَالَ جَآءَ رَجُلٌ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنِّيْ اُرِيْدُ سَفَرًا فَزَوِّدْنِيْ فَقَالَ زَوَّدَكَ اللّٰهُ التَّقْوٰى قَالَ زِدْنِيْ قَالَ وَغَفَرَ ذَنْبَكَ قَالَ زِدْنِيْ بِاَبِيْ اَنْتَ وَ اُمِّيْ قَالَ وَيَسَّرَ لَكَ الْخَيْرَ حَيْثُ مَا كُنْتَ۔
(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)
وَ قَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں ایک شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا میں سفر کا ارادہ کر رہا ہوں مجھے کچھ سفر خرچ عطا فرمائیے آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ تجھے پرہیزگاری کا توشہ عطا کرے عرض کیا کچھ زیادہ دیجیے فرمایا تیرے گناہ بخش دے عرض کیا میرے ماں باپ فدا کچھ اور عطا کیجیے۔ فرمایا اللہ تجھے بھلائی عطا کرے تو جہاں بھی ہو۔ ترمذی شریف۔ اور ترمذی نے کہا یہ حدیث غریب ہے۔

لہ یعنی میرے لیے برکت اور سفر میں امن و عافیت کی دعا فرمائیں جو سفر خرچ کی طرح ہے۔ یہ بھی احتمال ہے کہ توشہ سے ظاہری اور مشہور سفر خرچ مراد ہو اس کے جواب میں حضور علیہ السلام نے اس کے لیے تقوے کی دعا فرمائی جو راہ آخرت کا توشہ ہے۔

وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رض اَنَّ رَجُلًا قَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنِّیْ اُرِیْدُ اَنْ اُسَافِرَ فَاَوْصِنِیْ قَالَ عَلَیْكَ بِتَقْوَی اللّٰهِ وَالتَّكْبِیْرِ عَلٰی كُلِّ شَرَفٍ فَلَمَّا وَلَّی الرَّجُلُ قَالَ اَللّٰهُمَّ اَطْوِلَهُ الْبُعْدَ وَهَوِّنْ عَلَیْهِ السَّفَرَ۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ میں سفر کا ارادہ کر رہا ہوں مجھے کچھ وصیت فرمائیے فرمایا اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اپنے پر لازم کرے اور ہر بلندی پر تکبیر کہہ جب اس شخص نے پیٹھ پھیری تو حضور نے فرمایا الٰہی اس کے لیے دوری لپیٹ دے اور اس پر سفر آسان کر دے۔

(ترمذی)

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رض قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا سَافَرَ فَاَقْبَلَ اللَّیْلُ قَالَ یَا اَرْضُ رَبِّیْ وَرَبُّكِ اللّٰهُ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شَرِّكِ لہ وَشَرِّ مَا فِیْكِ وَشَرِّ مَا خُلِقَ فِیْكِ وَشَرِّ مَا یَدُبُّ عَلَیْكِ وَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ اَسَدٍ وَاَسْوَدَ وَمِنَ الْحَیَّةِ وَالْعَقْرَبِ وَمِنْ شَرِّ سَاكِنِ الْبَلَدِ وَمِنْ وَّالِدٍ وَّمَا وَلَدَ۔

(رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب سفر کرتے اور رات آ جاتی تو فرماتے اے زمین تیرا اور میرا رب اللہ ہے میں تیرے لہ اور تیری اندرونی چیزوں اور جو کچھ تجھ میں پیدا کیا گیا ہے اس کی اور جو تجھ پر چلتے ہیں ان کے شر سے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں میں شیر سے، کالے سانپ سے تمام سانپوں سے اور بچھوؤں سے اور شہر میں رہنے والوں کے شر سے اور ہر جننے والے اور جنے ہوئے کے شر سے۔ اللہ کی پناہ لیتا ہوں۔

(ابوداؤد)

لہ یعنی اس شر سے جو تیری ذات میں پیدا ہو جیسے زمین میں دھنسنا اور صحراؤں میں حیران اور سرگردان ہونا۔

۲؎ یعنی حیوانات کیڑوں کوڑوں اور جنوں وانس سے۔
۳؎ جیسے غاریں اور گڑھے وغیرہ۔
۴؎ کہ یہ سانپوں کی ایک بدترین قسم ہے۔
۵؎ ایک روایت میں اور کا لفظ نہیں ہے۔
۶؎ اس سے مراد انسان ہیں۔ بعض نے کہا اس سے مراد جن ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ اس سے مراد جن ہیں جو ہر شہر اور ہر زمین میں بستے ہیں اور ساکن سے دونوں مراد لیے جائیں تو بھی ٹھیک ہے۔
۷؎ جلنے والے سے ابلیس مراد ہے اور جنے ہوئے سے اُس کی نسل۔ اور اگر عام چیزیں مراد لی جائیں تو زیادہ مناسب ہے تاکہ سب کو شامل ہو جائے۔ واللہ اعلم۔

وَ عَنْ اَنَسٍ رضہ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا غَزَا قَالَ اللّٰهُمَّ اَنْتَ عَضُدِیْ وَ نَصِيْرِیْ بِكَ اَحُوْلُ وَ بِكَ اَصُوْلُ وَ بِكَ اُقَاتِلُ۔
(رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَ اَبُوْ دَاوٗدَ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب جہاد کرتے تو فرماتے الٰہی تو میری قوت[۱] بازو ہے میرا مددگار ہے تیرے بھروسے ہی سے دفع کرتا ہے تیری مدد سے حملہ کرتا ہوں[۲] تیری اُمید سے جہاد کرتا ہوں[۳]۔
(ترمذی۔ ابوداؤد)

۱؎ یہاں حدیث میں لفظ عضد عین کی زبر ض کی پیش سے یہ اس لفظ کا مشہور استعمال ہے اور یہ مشہور عضو کا نام ہے یعنی بازو اور عرف میں بمعنی ناصر و معین آتا ہے۔ پس اس سے اگلا قول ونصیری اس کی تفسیر اور اس کا بیان ہے۔
۲؎ تاکہ دشمنوں کو دفع کردوں یا میں تیرے ساتھ ایک حال سے دوسرے حال کی طرف حرکت کرتا ہوں۔
۳؎ یعنی تیری تائید و نصرت سے جہاد کرتا ہوں۔

وَ عَنْ اَبِیْ مُوْسٰی رضہ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ اِذَا خَافَ قَوْمًا قَالَ اللّٰهُمَّ اِنَّا نَجْعَلُكَ فِیْ نُحُوْرِهِمْ وَ نَعُوْذُبِكَ مِنْ شُرُوْرِهِمْ۔
(رَوَاهُ اَحْمَدُ وَ اَبُوْ دَاوٗدَ)

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بے شک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی قوم سے خطرہ محسوس کرتے تو فرماتے اے اللہ ہم اُن کے مقابل[۱] تجھے کرتے ہیں اور اُن کے شر سے تیری پناہ لیتے ہیں۔
(احمد و ابوداؤد)

لہ یہاں حدیث میں لفظ نحور آیا ہے جو نحر کی جمع ہے نحر سینے کے اوپر کے حصے کو کہتے ہیں جہاں سے جانور کو ذبح کرتے ہیں۔ عرب کہتے ہیں میں نے اسے دشمن کے سینے میں کر دیا۔ یہ کلمہ اس وقت بولتے ہیں جبکہ کسی کو دشمن کے مقابلے میں مقرر کرتے ہیں تاکہ وہ اُن کی طرف سے لڑے اور جنگ کرے اور درمیان میں حائل ہو جائے۔ سینے کا ذکر اس لیے کیا کہ لڑائی کے وقت دشمن سینے کے مقابل ہی کھڑا ہوتا ہے یا اس میں اس جانب اشارہ ہے کہ ہم اُسے ذبح اور قتل کر کے ہی رہیں گے۔

وَعَنْ اُمِّ سَلَمَةَ رضہ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ کَانَ اِذَا خَرَجَ مِنْ بَیْتِهٖ قَالَ بِسْمِ اللّٰهِ تَوَکَّلْتُ عَلَی اللّٰهِ اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَعُوْذُ بِكَ مِنْ اَنْ نَّزِلَّ اَوْ نَضِلَّ اَوْ نَظْلِمَ اَوْ نُظْلَمَ اَوْ نَجْهَلَ اَوْ یُجْهَلَ عَلَیْنَا۔ (رَوَاهُ اَحْمَدُ وَ التِّرْمِذِیُّ وَالنَّسَائِیُّ) وَقَالَ التِّرْمِذِیُّ هٰذَا حَدِیْثٌ حَسَنٌ صَحِیْحٌ وَّ فِیْ رِوَایَةِ اَبِیْ دَاوٗدَ وَ ابْنِ مَاجَةَ قَالَتْ اُمُّ سَلَمَةَ مَا خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مِنْ بَیْتِیْ قَطُّ اِلَّا رَفَعَ طَرْفَهٗ اِلَی السَّمَآءِ فَقَالَ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِكَ اَنْ اَضِلَّ اَوْ اَظْلِمَ اَوْ اُظْلَمَ اَوْ اَجْهَلَ اَوْ یُجْهَلَ عَلَیَّ۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے بے شک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب اپنے گھر سے نکلتے تو فرماتے شروع اللہ کے نام سے اللہ پر بھروسہ کرتا ہوں خدایا ہم تیری پناہ مانگتے ہیں اس سے کہ ہم پھسل[1] جائیں یا بھٹک[2] جائیں یا کسی کو ستائیں[3] یا ستائے جائیں یا کسی سے جہالت سے پیش آئیں یا کوئی ہم سے جہالت سے پیش آئے۔ (احمد۔ ترمذی۔ نسائی)

اور ترمذی نے فرمایا یہ حدیث حسن ہے ابوداؤد ابن ماجہ کی روایت میں یوں ہے کہ ام سلمہ فرماتی ہیں کہ میرے گھر سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کبھی نہ نکلے مگر آسمان کی طرف نگاہ اٹھاتے پھر فرماتے الٰہی میں تیری پناہ لیتا ہوں اس سے کہ بھٹکوں یا بہکایا جاؤں یا ظلم کروں یا ستایا جاؤں یا جہالت سے پیش آؤں یا کوئی مجھ سے جہالت سے پیش آئے۔

لہ یہ لفظ زلت سے بنا ہے یعنی راستے میں چلتے ہوئے پاؤں کا پھسلنا اور گر پڑنا دراصل یہ کنایہ ہے۔ اس بات سے کہ انسان بلا ارادہ گناہ میں گر پڑے۔

؎۲ یا راہ راست چھوڑ دیں اور ٹیڑھے راستے پر چل پڑیں اور اتفاقاً ہم سے گناہ واقع ہو جائے۔

؎۳ یہاں حدیث میں لفظ نَظْلِمُ آیا ہے نون کی زبر لام کی زیر سے اس سے اگلا لفظ وَنُظْلَمُ نون کی پیش لام کی زبر سے معنی یہ ہے کہ ہم کسی پر ظلم کریں یا کوئی ہم پر ظلم کرے کیونکہ یہ بھی ناپسندیدہ اور مذموم ہے اس لیے کہ ذلت و خواری اور خستہ حالی پر اگرچہ انسان کو اجر ملتا ہے مگر اس میں ایک دوسرا نقصان بھی ہے کہ شاید بندہ تنگ آ کر ظالم کے لیے بددعا کرے یا بدلہ لینے میں حد سے بڑھ جائے ایسی صورت میں ظلم اُس بندے کی طرف لوٹ آئے گا تو سلامتی اسی میں ہے کہ نہ ظالم بنے نہ مظلوم۔

؎۴ یعنی کسی کو ایذا یا نقصان پہنچائیں یا کوئی ہمیں ایذا پہنچائے۔

؎۵ اس روایت میں لفظ ازل نہیں ہے اور لفظ ضَلّ صیغہ مجہول زیادہ آیا ہے اور دعا لفظ مفرد سے کی گئی ہے۔

وَعَنْ اَنَسٍؓ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا خَرَجَ رَجُلٌ مِّنْ بَيْتِهٖ فَقَالَ بِسْمِ اللّٰهِ تَوَكَّلْتُ عَلَى اللّٰهِ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ يُقَالُ لَهٗ حِيْنَئِذٍ هُدِيْتَ وَكُفِيْتَ وَوُقِيْتَ فَيَتَنَحّٰى لَهُ الشَّيْطَانُ وَيَقُوْلُ شَيْطَانٌ اٰخَرُ كَيْفَ لَكَ بِرَجُلٍ قَدْ هُدِيَ وَكُفِيَ وَوُقِيَ. (رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ وَرَوَى التِّرْمِذِيُّ اِلٰى قَوْلِهٖ لَهُ الشَّيْطَانُ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب کوئی شخص اپنے گھر سے نکلے تو کہے اللہ کے نام سے میں نے اللہ پر بھروسہ کیا اللہ کے بغیر نہ طاقت ہے نہ قوت تو اُس سے کہا جاتا ہے تجھے ہدایت؎۱ اور کفایت؎۲ دی گئی اور تو محفوظ کر لیا گیا۔ پھر شیطان دور بھاگ جاتا ہے؎۳۔ اور اُس سے دوسرا شیطان؎۴ کہتا ہے تجھے اُس شخص سے کیا تعلق ہے جسے ہدایت اور کفایت؎۵ دی گئی اور جو محفوظ کیا گیا۔ ابوداؤد۔ اور ترمذی نے لَہُ الشیطان تک روایت کیا۔

؎۱ یعنی تیرے گھر سے نکلنے کے بعد تجھے صحیح راستہ ملے اور تو درست و ٹھیک کام کرے یا مراد یہ ہے کہ تو نے خدا کا نام لیا اُس پر توکل کیا اپنی قوت و طاقت سے تو باہر نکل آیا تو تو نے ہدایت پالی۔ اور تجھے سیدھا راستہ دکھا دیا یہ چیز اُس وقت انسان کو نصیب ہوتی ہے کہ بندہ خدا کی یاد میں ہو اور اپنے کام اُس کے حوالے کر دے۔ بیت

کار خود را بخدا باز گزار ۔۔۔ کت نمی بنیم ازیں بہتر کار

ترجمہ۔ اپنا کام خدا کے حوالے کر دے کیونکہ اس سے بہتر میرے نزدیک کوئی کام نہیں ہے۔

۲ یعنی تمام مہمات میں تیری حفاظت کی گئی اور تمام شرور سے تمہیں بچا لیا گیا۔
۳ اور اُسے گمراہ کرنے بہکانے اور ایذا پہنچانے سے رک جاتا ہے۔
۴ دوسرا شیطان اُس شیطان سے کہتا ہے جو ایک طرف ناکام و نامراد ہو کر کھڑا ہو جاتا ہے اور اُسے بہکانے اور گمراہ کرنے سے عاجز آ جاتا ہے یہ اُس کی تسلی کے لیے کہتا ہے۔
۵ یعنی تجھے اُس سے کوئی چھیڑ چھاڑ کی گنجائش نہیں جو کہ ہدایت کی راہ پر قائم ہو گیا اور جس کے لیے اللہ کافی ہو گیا اور جسے اللہ تعالیٰ نے بچا لیا۔ امام طیبی کی تقریر یہی ہے۔ اور ہو سکتا ہے کہ وہ شیطان بندے سے ہٹتے وقت حسرت کھاتے نامراد و ناکام ہونے کے بعد پھر اُسے اغوا کرنے اور گمراہی میں ڈالنے کا خیال کرے اور کسی دوسرے فکر و مکر اور حیلے میں مبتلا کرنے لگے اور اس کام کے لیے اٹھ کھڑا ہو اتنے میں دوسرا شیطان اُس سے کہے کہ یہ خیال چھوڑ دے کیونکہ اب تیرا اس کے گمراہ کرنے کی فکر میں پڑنا بالکل بے فائدہ ہے۔

وَعَنْ اَبِیْ مَالِكٍ الْاَشْعَرِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا وَلَجَ الرَّجُلُ بَيْتَهٗ فَلْيَقُلِ اللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْاَلُكَ خَيْرَ الْمَوْلِجِ وَ خَيْرَ الْمَخْرَجِ بِسْمِ اللّٰهِ وَلَجْنَا وَ عَلَى اللّٰهِ رَبِّنَا تَوَكَّلْنَا ثُمَّ لِيُسَلِّمْ عَلٰى اَهْلِهٖ۔
(رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ)

حضرت مالک اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب کوئی شخص اپنے گھر میں داخل ہو تو کہے اے اللہ میں تجھ سے داخلے کی اور نکلنے کی بھلائی مانگتا ہوں[۱] اللہ کے نام سے ہم داخل ہوئے اور اپنے رب اللہ پر ہم نے بھروسہ کیا پھر گھر والوں کو سلام کرے[۲]۔
(ابو داؤد)

۱ کہ میرا گھر سے نکلنا اور گھر میں آنا نیکی پر مشتمل ہو اور اس میں نیکی ہی نیکی پائی جاتی ہو یہاں حدیث میں مولج آیا ہے لام کی زیر اور مخرج را کی زبر سے۔
۲ علماء نے فرمایا ہے کہ اگر گھر میں کوئی بھی نہ ہو تب بھی سلام کہے اور یوں کہے السلام علینا وعلیٰ عباد اللہ الصالحین اور ملائکہ کی نیت کرے۔ جو وہاں موجود ہوتے ہیں۔

وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رض اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ اِذَا رَفَّاَ الْاِنْسَانَ اِذَا

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی شخص کے نکاح پر دعا کرتے تو فرماتے

تَزَوَّجَ قَالَ بَارَكَ اللّٰهُ لَكَ وَ بَارَكَ عَلَيْكُمَا وَ جَمَعَ بَيْنَكُمَا فِيْ خَيْرٍ

اللہ تجھے برکت دے[1] اور تم دونوں پر برکت کرے اور تم دونوں کو بھلائی میں جمع رکھے۔[2]

(رَوَاهُ اَحْمَدُ وَ التِّرْمِذِيُّ وَ اَبُوْ دَاوُدَ وَ ابْنُ مَاجَةَ)

(احمد۔ ترمذی) (ابوداؤد۔ ابن ماجہ)

[1] یہ مرد کو خطاب ہے پھر آپ مرد و عورت دونوں کو مخاطب کر کے فرماتے تھے۔ اللہ تعالیٰ تم دونوں کو برکت عطا کرے۔ برکت کا معنیٰ لغت میں زیادہ کرنے کا ہے۔ تبریک کا معنیٰ ہے برکت کی دعا کرنا۔

[2] یعنی تم دونوں کو اتفاق اور حسن سلوک عطا کرے۔ یہاں حدیث میں لفظ رفاء آیا ہے فا کی شد آخر میں ہمزہ یہ لفظ ترفیہ سے نکلا ہے۔ لغت میں رفو کا معنیٰ ہے آپس میں ملنا اور نیکی میں کپڑا پہننا اور کاٹنا اور پھاڑنا۔ جاہلیت میں نکاح کے وقت ان الفاظ سے دعا کی جاتی تھی بالرفاء والبنین یعنی تم دونوں کے درمیان اتفاق رہے اور تمہیں نرینہ اولاد عطا ہو شرع میں یہ دعا کرنا منع ہے۔ کیونکہ اس میں بچیوں سے نفرت کا اظہار پایا جاتا ہے حضور علیہ الصلاۃ والسلام جب اس موقع پر دعا کرتے تو یوں فرماتے بارک اللہ لک۔

وَ عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا تَزَوَّجَ اَحَدُكُمُ امْرَاَةً اَوِ اشْتَرٰى خَادِمًا فَلْيَقُلِ اللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْئَلُكَ خَيْرَهَا وَ خَيْرَ مَا جَبَلْتَهَا عَلَيْهِ وَ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّهَا وَ شَرِّ مَا جَبَلْتَهَا عَلَيْهِ وَ اِذَا اشْتَرٰى بَعِيْرًا فَلْيَاْخُذْ بِذِرْوَةِ سَنَامِهٖ وَلْيَقُلْ مِثْلَ ذٰلِكَ وَ فِيْ رِوَايَةٍ فِي الْمَرْاَةِ وَ الْخَادِمِ ثُمَّ لِيَاْخُذْ بِنَاصِيَتِهَا وَ لْيَدْعُ

حضرت عمرو ابن شعیب اپنے باپ سے اور اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں وہ حضور علیہ الصلاۃ والسلام سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی شخص کسی عورت سے نکاح کرے یا خادم خرید لے تو یوں کہے اے اللہ بے شک میں تجھ سے اس کی خیر مانگتا ہوں اور اس چیز کی خیر مانگتا ہوں جس پر تو نے اسے پیدا کیا اور بے شک میں تیرے ساتھ پناہ پکڑتا ہوں اس کے شر سے اور اس چیز کے شر سے جس پر تو نے اسے پیدا کیا اور جب تم میں سے کوئی اونٹ خریدے تو اس کی کوہان[1] پکڑے اور یہی کلمات کہے ایک روایت میں اس طرح ہے کہ عورت اور خادم خریدتے

بِالْبَرَكَةِ .

(رَوَاهُ أَبُوْ دَاوُدَ وَابْنُ مَاجَةَ)

وقت اُن کی پیشانی کو پکڑے اور برکت کی دعا کرے۔

(ابوداؤد۔ ابن ماجہ)

لہ یہاں حدیث میں لفظ ذُروہ یا ذِروہ یعنی پیش یا زیر سے ہر چیز کی بلندی کو کہتے ہیں اور کوہان کی بلندی اور پہاڑ کی بلندی اور سنام بمعنی پہاڑ۔

وَعَنْ أَبِيْ بَكْرَةَ[1] قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَعَوَاتُ الْمَكْرُوْبِ اَللّٰهُمَّ رَحْمَتَكَ أَرْجُوْ فَلَا تَكِلْنِيْ إِلٰى نَفْسِيْ طَرْفَةَ عَيْنٍ وَأَصْلِحْ لِيْ شَأْنِيْ كُلَّهٗ لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ .

(رَوَاهُ أَبُوْ دَاوُدَ)

حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا غمگین بندے[2] کی دعائیں یہ ہیں۔ الٰہی میں تیری رحمت کا اُمیدوار ہوں تو مجھے ایک لمحہ کے بقدر بھی میرے نفس کے حوالے نہ کر میرے سارے کام بنا، تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔

(ابوداؤد)

لہ بکرہ با کی زبر ک ساکن آخر میں تا آپ مشہور صحابی ہیں جیسا کہ گزر چکا ہے۔

سلہ یعنی وہ دعا جو غمگین آدمی پڑھے تو کوئی غم واندوہ باقی نہ رہے اور جبکہ یہ دعا معانی کثیرہ پر مشتمل ہے۔ اس لحاظ سے گویا یہ کئی دعائیں ہیں اس لیے اس ایک دعا کے لیے لفظ جمع یعنی دعوات کا لفظ لایا گیا۔

وَعَنْ أَبِيْ سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ قَالَ قَالَ رَجُلٌ هُمُوْمٌ لَزِمَتْنِيْ وَدُيُوْنٌ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ أَفَلَا أُعَلِّمُكَ كَلَامًا إِذَا قُلْتَهٗ أَذْهَبَ اللّٰهُ هَمَّكَ وَقَضٰى عَنْكَ دَيْنَكَ قَالَ قُلْتُ بَلٰى قَالَ قُلْ إِذَا أَصْبَحْتَ وَإِذَا أَمْسَيْتَ اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْهَمِّ وَالْحُزْنِ وَأَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْعَجْزِ وَ

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں ایک شخص نے عرض کیا یارسول اللہ مجھے غم[1] و قرض چمٹ گئے تو فرمایا میں تجھے وہ دعا نہ سکھا دوں کہ جب تو اُسے پڑھے تو اللہ تعالیٰ تیرے سارے غم مٹا دے اور تیرا قرض اتار دے۔ فرماتے ہیں میں نے عرض کیا ضرور فرمایا روزانہ صبح و شام کے وقت یہ پڑھ[2] لیا کر الٰہی میں رنج و غم سے تیری پناہ لیتا ہوں اور عاجزی و سستی سے بھی تیری ہی پناہ لیتا ہوں اور کنجوسی و بزدلی

اَلْكَسَلِ وَ اَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْبُخْلِ وَ الْجُبْنِ وَ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ غَلَبَةِ الدَّيْنِ وَ قَهْرِ الرِّجَالِ قَالَ فَفَعَلْتُ ذٰلِكَ فَاَذْهَبَ اللّٰهُ هَمِّيْ وَ قَضٰى عَنِّيْ دَيْنِيْ۔ (رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ)

سے تیری پناہ میں آتا ہوں اور قرض کے چھا جانے اور لوگوں کے غالب آجانے سے تیری پناہ لیتا ہوں یہ صحابی فرماتے ہیں میں نے اس[۳] پر عمل کیا تو اللہ تعالیٰ نے میرا غم مٹا دیا اور میرا قرض ادا کر دیا۔ (ابوداؤد)

[۱] حدیث میں لفظ ہم آیا ہے یعنی الیسا غم اور الیسی بیماری جو جسم کو پگھلا کر رکھ دے۔
[۲] حدیث میں لفظ ہم و حزن آیا ہے دونوں کا معنیٰ غم ہے مگر اتنا سا فرق ہے کہ ہم اُسے کہتے ہیں جس کی توقع ہو اور حزن وہ غم جس میں بندہ مبتلا ہو چکا ہو۔
[۳] یعنی میں نے صبح و شام یہ کلمات پڑھے۔

وَ عَنْ عَلِيٍّ رض اَنَّهٗ جَاءَهٗ مُكَاتَبٌ فَقَالَ اِنِّيْ عَجَزْتُ عَنْ كِتَابَتِيْ فَاَعِنِّيْ قَالَ اَلَا اُعَلِّمُكَ كَلِمَاتٍ عَلَّمَنِيْهِنَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوْ كَانَ عَلَيْكَ مِثْلُ جَبَلٍ كَبِيْرٍ دَيْنًا اَدَّاهُ اللّٰهُ عَنْكَ قُلِ اللّٰهُمَّ اكْفِنِيْ بِحَلَالِكَ عَنْ حَرَامِكَ وَ اَغْنِنِيْ بِفَضْلِكَ عَمَّنْ سِوَاكَ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَ الْبَيْهَقِيُّ فِي الدَّعْوَاتِ الْكَبِيْرِ)

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ بے شک آپ کے پاس ایک مکاتب[۱] آیا اور کہنے لگا میں اپنی ادائے کتابت سے عاجز آگیا ہوں میری کچھ مدد فرمائیے[۲]۔ فرمایا میں تجھے وہ کلمات نہ سکھا دوں جو مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سکھائے ہیں اگر تجھ پر پہاڑ برابر بھی قرض ہو تو اللہ تجھ سے ادا کرا دے۔ یہ پڑھا کر خدایا مجھے اپنے حلال کے ساتھ اپنے حرام[۳] سے تو کافی ہوجا اور مجھے تو اپنی مہربانی سے اپنے سوا سے بے نیاز کر دے۔ ترمذی و بیہقی دعوات الکبیر۔

وَ سَنَذْكُرُ حَدِيْثَ جَابِرٍ اِذَا سَمِعْتُمْ نُبَاحَ الْكِلَابِ فِيْ بَابِ تَغْطِيَةِ الْاَوَانِيْ اِنْ شَاءَ

اور ہم حضرت جابر کی یہ حدیث کہ جب تم کتوں کا رونا سنو الی آخرہ۔ برتن ڈھکنے کے باب میں انشاء اللہ تعالیٰ ذکر کریں گے۔

۱؎ مکاتب اُس غلام کو کہتے ہیں جس نے اپنی قیمت اپنی آزادی کے لیے مقرر کرلی جب وہ ادا کر دے تو آزاد ہو جائے۔

۲؎ یعنی آپ مجھے ایسی چیز دیں جو میرے لیے بدلِ کتابت بن جائے مصارف زکوٰۃ میں سے ایک مصرف مکاتب بھی ہے کہ زکوٰۃ میں سے بدلِ کتابت دینا جائز ہے یا اُس کا مطلب یہ تھا کہ مجھے آپ ایسی دعا سکھلائیں کہ میں اُس کی برکت سے بدلِ کتابت ادا کر کے غلامی سے نجات حاصل کروں۔

۳؎ یعنی مجھے رزقِ حلال دے تاکہ میں حرام سے بے نیاز ہو جاؤں۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ — تیسری فصل

عَنْ عَائِشَةَ رضی قَالَتْ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ اِذَا جَلَسَ مَجْلِسًا اَوْ صَلّٰى تَكَلَّمَ بِكَلِمَاتٍ فَسَاَلْتُهُ عَنِ الْكَلِمَاتِ فَقَالَ اِنْ تُكُلِّمَ بِخَيْرٍ كَانَ طَابِعًا عَلَيْهِنَّ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ وَاِنْ تُكُلِّمَ بِشَرٍّ كَانَ كَفَّارَةً لَّهٗ سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ اَسْتَغْفِرُكَ وَاَتُوْبُ اِلَيْكَ ۔ (رَوَاهُ النَّسَائِيُّ)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی جگہ بیٹھتے یا نماز پڑھتے تو کچھ کلمات کہتے۔ میں نے حضور سے ان کلمات کے متعلق پوچھا تو فرمایا اگر اچھی[1] بات کی جائے تو اُن پر روز قیامت مُہر[2] لگ جاتی ہے۔ اور اگر بُری بات کی گئی ہو تو یہ کلمات اُس کا کفارہ بن جاتے ہیں وہ کلمات یہ ہیں۔ الٰہی تو پاک ہے تیری حمد ہے تیرے سوا کوئی معبود نہیں تجھ سے معافی مانگتا ہوں اور تیرے حضور توبہ کرتا ہوں۔ (النسائی)

۱؎ اُس کلام میں اچھی بات کی جائے تو اُس پر ثواب ہے یا اُس میں عذاب نہیں اس صورت میں حدیث میں واقع لفظ تکلم ہوگا یعنی تا کی زیر کاف ساکن یا اگر تکلم پڑھا جائے۔ اس صورت میں تینوں حرفوں پر زبر ہوگی یعنی تا کاف اور لام پر۔

۲؎ یعنی اُن کے صحیح ہونے کی دلیل بن جائے گی۔

۳؎ یعنی ان کلمات کے سوا اُس کا گناہ چھپا دیا جائے اور اُسے بخش دیا جائے گا اور یہ کلمات یا تو مجلس میں کہے جائیں یا بعد نماز۔

وَعَنْ قَتَادَةَ[1] بَلَغَهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا رَاَى الْهِلَالَ قَالَ هِلَالُ خَيْرٍ وَّ رُشْدٍ هِلَالُ خَيْرٍ وَّ رُشْدٍ هِلَالُ خَيْرٍ وَّ رُشْدٍ اٰمَنْتُ بِالَّذِيْ خَلَقَكَ ثَلٰثَ مَرَّاتٍ ثُمَّ يَقُوْلُ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ ذَهَبَ بِشَهْرِ كَذَا وَجَاءَ بِشَهْرِ كَذَا۔ (رَوَاهُ اَبُوْ دَاوُدَ)

حضرت قتادہ[1] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہیں یہ خبر پہنچی کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب چاند دیکھتے تو فرماتے[2] بھلائی اور ہدایت کا چاند ہو۔ بھلائی اور ہدایت کا چاند ہو۔ بھلائی اور خیر کا چاند ہو پھر فرماتے اُس رب کا شکر ہے جو فلاں مہینہ لے گیا اور فلاں مہینہ[3] لے آیا۔ (ابوداؤد)

[1] آپ جلیل القدر علماے تابعین اور اُن کے مشاہیر میں سے ہوئے ہیں آپ اکثر روایات حضرت انس سے روایت کرتے ہیں۔ اور ابوطفیل و سعید ابن المسیب سے بھی روایت کرتے ہیں۔

[2] یہ لفظ آپ نے تین بار فرمایا رشد را کی پیش شین ساکن بمعنی صحیح راستے پر چلنا اور گمراہی سے بچنا۔

[3] اور آپ آیندہ ماہ کا نام لیتے اور آپ شکر ادا کرتے تھے آپ کا مطلب یہ ہوتا تھا کہ گزرنے والا مہینہ اور آنے والا مہینہ دونوں خیر والے ہوں یا یہ کہ ان میں عمر اور سلامتی باقی رہے۔

وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ رض اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ كَثُرَ هَمُّهُ فَلْيَقُلِ اللّٰهُمَّ اِنِّيْ عَبْدُكَ وَ ابْنُ عَبْدِكَ وَ ابْنُ اَمَتِكَ وَ فِيْ قَبْضَتِكَ نَاصِيَتِيْ بِيَدِكَ مَاضٍ فِيَّ حُكْمُكَ عَدْلٌ فِيَّ قَضَاؤُكَ اَسْاَلُكَ بِكُلِّ اسْمٍ هُوَ لَكَ سَمَّيْتَ بِهٖ نَفْسَكَ اَوْ اَنْزَلْتَهٗ فِيْ كِتَابِكَ اَوْ

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس پر رنج و غم زیادہ چھا جائے وہ یہ دعا پڑھے الٰہی میں تیرا بندہ ہوں تیرے بندے اور تیری بندی کا بچہ ہوں میری پیشانی تیرے قبضے[1] میں ہے۔ مجھ میں تیرا حکم جاری[2] ہے میرے بارے میں تیرا فیصلہ عین انصاف ہے۔ میں تجھ سے تیرے ہر اُس نام کی برکت سے جو تو نے اپنا[3] رکھا یا جو نام تو نے اپنی کتاب میں اتارا یا جو نام اپنی مخلوق میں سے کسی کو سکھایا یا جو

عَلَّمْتَهٗ اَحَدًا مِّنْ خَلْقِكَ اَوِ اسْتَاْثَرْتَ بِهٖ فِيْ مَكْنُوْنِ الْغَيْبِ عِنْدَكَ اَنْ تَجْعَلَ الْقُرْاٰنَ رَبِيْعَ قَلْبِيْ وَجِلَاءَ هَمِّيْ وَ غَمِّيْ مَا قَالَهَا عَبْدٌ قَطُّ اِلَّا اَذْهَبَ اللّٰهُ غَمَّهٗ وَ اَبْدَلَهٗ بِهٖ فَرَجًا۔

(رَوَاهُ رَزِيْنٌ)

نام اپنے پاس پردہ غیب میں پوشیدہ ہے یہ مانگتا ہوں کہ تو قرآن کو میرے دل کی بہار اور میرے رنج و غم کا علاج اور دفعیہ بنا دے۔ یہ کلمات کوئی بندہ نہیں کہتا مگر اللہ تعالیٰ اس کا غم دور کر دیتا اور اس کے عوض کشادگی عطا کرتا ہے

(زرین)

[۱] یعنی تیری ملک اور تیرے تصرف میں ہے۔ چنانچہ کہتے ہیں کہ فلاں تیرے قبضے میں ہے یعنی تیری ملک میں ہے اور لفظ قبضہ کاف کی پیش اور زبر دونوں طرح پڑھا گیا ہے۔

[۲] یعنی اسے کوئی روک نہیں سکتا نہ اس میں کوئی دیر ہو سکتی ہے تو جو چاہتا ہے اور کہتا ہے وہی ہوتا ہے۔

[۳] یہ عام ہے اور تمام اقسام کو شامل ہے اس کے بعد خود ان اقسام کا ذکر فرمایا۔

[۴] بعض نسخوں میں حاشیے میں جیم کی علامت آئی ہے اور اس کے بعد لفظ انزلتہ فی کتابک۔

[۵] یعنی جس طرح موسم بہار زمین میں زندگی اور آثار رحمت کے ظہور کا سبب ہے معارف قرآنی سے بھی میرا دل زندہ کر دے اور اسے نزول رحمت کی جگہ بنا دے۔

[۶] رنج و غم دونوں کا ایک ہی معنی ہے مگر لفظ ہم مستقبل کے لیے اور غم ماضی کے لیے استعمال ہوتا ہے۔

[۷] یہاں حدیث میں لفظ فرج آیا ہے یا فا اور را کی زبر بمعنی کشائش۔ چنانچہ کہتے ہیں فرج اللہ عنک غمک یعنی اللہ تعالیٰ تیرا غم دور کرے اور یہاں فرج کی جگہ فرحا بمعنی خوشی بھی آیا ہے۔ احادیث کی کتابوں میں ایسے مقامات میں جیم کے ساتھ ہی آتا ہے۔ مگر اس جگہ بعض نسخوں میں حا کے ساتھ فرحا بھی آیا ہے۔

وَعَنْ جَابِرٍؓ قَالَ كُنَّا اِذَا صَعِدْنَا كَبَّرْنَا وَ اِذَا نَزَلْنَا سَبَّحْنَا۔

(رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ جب ہم اونچی جگہ چڑھتے تو تکبیر کہتے اور جب اترتے تو تسبیح[۱] کہتے تھے۔

(بخاری)

[۱] بعض روایات میں لا الٰہ الا اللہ پڑھنا بھی آیا ہے۔ اس کی وجہ تسبیح تکبیر اور تہلیل کے باب میں گزر چکی ہے

وَعَنْ اَنَسٍؓ اَنَّ رَسُوْلَ

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے

اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ اِذَا کَرَبَہٗ اَمْرٌ یَقُوْلُ یَا حَیُّ یَا قَیُّوْمُ بِرَحْمَتِکَ اَسْتَغِیْثُ۔ (رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ)

بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب کوئی چیز غمگین کرتی تو فرماتے اے دائمی زندہ اے قائم رکھنے والے تیری رحمت سے مدد مانگتا ہوں۔ (ترمذی)

وَقَالَ ھٰذَا حَدِیْثٌ غَرِیْبٌ وَلَیْسَ بِمَحْفُوْظٍ۔

اور ترمذی نے فرمایا یہ حدیث غریب ہے اور محفوظ نہیں۔

وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ قَالَ قُلْنَا یَوْمَ الْخَنْدَقِ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ ھَلْ شَیْءٌ نَقُوْلُہٗ فَقَدْ بَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ قَالَ نَعَمْ اَللّٰھُمَّ اسْتُرْ عَوْرَاتِنَا وَاٰمِنْ رَوْعَاتِنَا قَالَ فَضَرَبَ اللّٰہُ وُجُوْہَ اَعْدَآئِہٖ بِالرِّیْحِ۔ (رَوَاہُ اَحْمَدُ)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں ہم نے خندق کے دن عرض کیا یارسول اللہ کوئی ایسا وظیفہ ہے جو ہم پڑھیں کیونکہ دل گلوں[1] میں پہنچ گئے ہیں فرمایا ہاں اے اللہ ہمارے عیب ڈھک[2] دے ہمارے خوفوں کو امن سے بدل دے فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہوا کے ذریعے اپنے دشمنوں کے منہ پھیر دیے اللہ تعالیٰ نے انہیں ہوا کے ساتھ بھگا دیا۔[3] (احمد)

[1] یہ غم اور تنگ دلی سے کنایہ ہے۔ علامہ بیضاوی نے فرمایا کہ یعنی ہر طرف سے ہم پر غم کے بادل چھا رہے ہیں خوف کی سختی بڑھ رہی ہے جس سے ہمارے دل گلے میں اور گلے کے باہر کے حصے میں پہنچنے کو تیار ہیں جو کہ کھانے اور پانی کے داخل ہونے کی جگہ ہے مگر بیضاوی کا یہ کہنا کہ دل اس جگہ پہنچ جائے جو کھانے پینے کی جگہ ہے۔ قابل اعتراض ہے بہتر یہ ہے کہ یوں کہا جائے کہ دل اس رگ کے اوپر کے سرے تک پہنچ جائے جو سانس کی گزرگاہ ہے۔ طعام اور پانی کی گزرگاہ وہ رگ ہے جسے مری کہتے ہیں۔ اور یہ سانس کی رگ سے پیچھے ہوتی ہے۔

[2] یہاں حدیث میں لفظ عورات آیا ہے بمعنیٰ بہت سے عیب۔ لفظ عورت کا معنیٰ اصل میں یہ ہے کہ ایسی چیز ظاہر ہونا یا دیکھنا جس سے شرم لاحق ہو۔ یہاں دوسرا لفظ روعات آیا ہے۔ بمعنیٰ ڈرنا جبکہ ر کی زبر سے ہو اور بمعنیٰ دل جبکہ را کی پیش سے ہو۔

[3] یہ واقعہ قرآن میں صراحتاً مذکور ہے اور یہ غزوہ خندق کا قصہ ہے اسے غزوہ احزاب بھی کہتے ہیں۔ مفصل واقعہ سیرت کی کتابوں میں مذکور ہے۔

وَعَنْ بُرَیْدَۃَ قَالَ کَانَ

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔

النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا دَخَلَ السُّوْقَ قَالَ بِسْمِ اللّٰهِ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْأَلُكَ خَيْرَ هٰذِهِ السُّوْقِ وَ خَيْرَ مَا فِيْهَا وَ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّهَا وَ شَرِّ مَا فِيْهَا اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُ بِكَ اَنْ اُصِيْبَ فِيْهَا صَفْقَةً خَاسِرَةً۔

(رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِي الدَّعْوَاتِ الْكَبِيْرِ)

فرماتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب بازار میں داخل ہوتے تو فرماتے اللہ کے نام سے الہٰی میں تجھ سے اس بازار کی خیر اور جو اس میں ہے اس کی بھلائی مانگتا ہوں اور اس بازار کے شر اور جو اس میں ہے اس کے شر سے پناہ مانگتا ہوں۔ الہٰی میں تیری پناہ مانگتا ہوں اس سے کہ کوئی گھاٹے[1] کا سودا کروں۔

اسے بیہقی نے دعوات کبیر میں روایت کیا۔

[1] یہاں حدیث میں لفظ صفقہ آیا ہے یعنی سودا کرتے وقت ہاتھ پر ہاتھ مارنا جس سے آواز پیدا ہو۔ یہ چیز سودا بیچتے وقت اور بیعت کرتے وقت کی جاتی ہے۔

بَابُ الْاِسْتِعَاذَةِ

پناہ طلب کرنے کا باب

لغت کے مطابق لفظ عوذ و عیاذ۔ معاذ استعاذہ بمعنیٰ پناہ حاصل کرنا چنانچہ کہتے ہیں عذت بہ واستعذت بہ میں نے اس سے پناہ لی۔ وھو عیاذی یعنی وہ میری پناہ ہے۔ علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ افضل اعوذ باللہ ہے یا استعیذ باللہ اکثر دوسرے قول پر ہیں کیونکہ ظاہر قرآن بھی اسی پر دلالت کرتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ فَاِذَا قَرَأْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ۔ ترجمہ۔ جب تو قرآن پڑھنے لگے تو شیطان مردود سے اللہ کے پاس پناہ لے اخبار و آثار اول کلمے میں بھی وارد ہوئی ہیں اور یہ قرآن پڑھنے میں ہے ماثورہ دعاؤں میں لفظ اعوذ کے ساتھ واقع ہوا ہے۔ معنیٰ سب کا ایک ہے۔ اختلاف و گفتگو صرف لفظ میں ہے۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

پہلی فصل

عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔

رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَعَوَّذُوْا بِاللّٰهِ مِنْ جَهْدِ الْبَلَآءِ وَ دَرْكِ الشَّقَآءِ وَ سُوْءِ الْقَضَآءِ وَ شَمَاتَةِ الْاَعْدَآءِ۔
(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کی پناہ مانگو آفت کی شقتوں[1] سے اور بدبختی کے پہنچنے سے اور برے فیصلے سے اور دشمنوں کے طعنوں سے۔
(بخاری ومسلم)

[1] یعنی بلا کی مشقت اور اس کی انتہا اور شدت سے انسان کا حال یہ ہے کہ انسان کو امتحان کے طور پر مشقت اور بلا کے فتنے میں ڈالا جاتا ہے انسان اس سے گزرنے میں دشواری محسوس کرتا ہے۔ یہاں حدیث میں لفظ جہد آیا ہے جیم کی پیش سے بمعنیٰ طاقت اور وسعت زبر سے بھی پڑھا گیا ہے بمعنیٰ مشقت و انتہا۔ یہاں زبر سے پڑھنا مناسب ہے بعض نے کہا اس سے مراد وہ حالت ہے کہ انسان موت کو زندگی پر اختیار کرنے لگے۔ بعض نے کہا قلت مال اور کثرت عیال مراد ہے۔ مگر صحیح تر یہ ہے کہ اس سے ہر طرح کی مشقت اور تکلیف مراد ہے۔ اس حدیث میں واقع اگلا لفظ درک الشقاء ہے بمعنیٰ سختی و دشواری کا پیش آنا شقا شین کی زبر سے بمعنیٰ شدت اور تنگ دستی۔ حدیث میں واقع تیسرا لفظ سوء القضاء ہے یعنی بری قضا سے بھی پناہ مانگو۔ اس سے وہ قضا مراد ہے جس میں انسان کو بری اور ناپسندیدہ چیزیں پیش آتی ہیں۔ اور بری قضا کیے گئے کام سے تعلق رکھتی ہے قضا سے تعلق نہیں رکھتی اور یہ اس کے عکس ہے جو کہتے ہیں کہ قضا پر راضی ہونا واجب ہے تاکہ اس تکلیف ومحنتی پر جو قضا کردی گئی ہے راضی ہو جائے اگلا لفظ شماتۃ الاعدا یعنی دینی و دنیوی دشمنوں کے خوش ہونے سے بھی پناہ مانگو۔ لیکن اگر کوئی شخص ایسا ہو جو دنیا کی چیزوں میں اسراف کرے اور فسق و فجور اور ظلم وستم پھیلائے اور دشمن ایسے شخص کے زوال پر خوش ہوں تو اس سے پناہ مانگنا جائز نہیں۔ اس سے پناہ مانگنا تو طلب فسق وظلم ہوگا اور اس طلب کے لیے دعا کرنا جائز نہیں۔

وَ عَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُبِكَ مِنَ الْهَمِّ وَ الْحُزْنِ وَ الْعَجْزِ وَ الْكَسَلِ وَ الْجُبْنِ وَ الْبُخْلِ وَ ضَلَعِ الدَّيْنِ وَ غَلَبَةِ الرِّجَالِ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یہ پڑھا کرتے تھے الٰہی میں تیری پناہ مانگتا ہوں رنج وغم سے۔ عاجزی اور سستی سے بزدلی اور کنجوسی سے۔ اور قرض چڑھ[1] جانے اور لوگوں کے غلبہ سے۔
(بخاری ومسلم)

لہ یہاں حدیث میں لفظ مُلَع من کی زبر لام کی زیر بمعنی بھاری بوجھ۔

وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْكَسَلِ وَالْهَرَمِ وَالْمَغْرَمِ وَالْمَاْثَمِ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ عَذَابِ النَّارِ وَفِتْنَةِ النَّارِ وَفِتْنَةِ الْقَبْرِ وَعَذَابِ الْقَبْرِ وَمِنْ شَرِّ فِتْنَةِ الْغِنٰى وَشَرِّ فِتْنَةِ الْفَقْرِ وَمِنْ شَرِّ فِتْنَةِ الدَّجَّالِ اَللّٰهُمَّ اغْسِلْ خَطَايَايَ بِمَاءِ الثَّلْجِ وَالْبَرَدِ وَنَقِّ قَلْبِيْ كَمَا يُنَقَّى الثَّوْبُ الْاَبْيَضُ مِنَ الدَّنَسِ وَبَاعِدْ بَيْنِيْ وَبَيْنَ خَطَايَايَ كَمَا بَاعَدْتَ بَيْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یہ پڑھا کرتے تھے۔ الٰہی میں تیری پناہ لیتا ہوں سستی سے بڑھاپے سے قرض سے اور گناہ سے۔ الٰہی میں تیری پناہ لیتا ہوں آگ کے عذاب سے اور آگ کے فتنہ[1] سے اور قبر کے فتنہ سے اور قبر کے عذاب سے اور مالداری اور فقیری کے فتنہ[2] سے اور مسیح دجال[3] کے فتنہ سے۔ اللہ میری خطائیں دھودے برف کے اولوں کے[4] پانی سے۔ اور میرا دل ایسا صاف کر دے جیسے سفید کپڑا[5] میل سے صاف کیا جاتا ہے اور میری اور میری خطاؤں کے درمیان ایسا فاصلہ کر دے جیسا مشرق و مغرب[6] میں کیا ہے۔ (بخاری و مسلم)

لہ یعنی ایسے فتنے سے پناہ لیتا ہوں جو عذاب نار میں پہنچانے کا باعث بنے۔

لہ اس عبارت میں زیادہ شر کی جانب اشارہ ہے حقیقت میں یہ اس جانب اشارہ ہے کہ بندہ مالداری اور محتاجی دونوں حالتوں میں فتنہ میں مبتلا ہو سکتا ہے۔ اور انسان کے فتنے میں مبتلا ہونے میں اس کا بڑا عمل دخل ہے۔ پھر انسان دولت کی وجہ سے فسق و اسراف میں مبتلا ہوتا ہے اور محتاجی کی وجہ سے بے صبری کے فتنے میں مبتلا ہوتا ہے۔

لہ اس کا بیان کتاب کے ابتدا میں گزر چکا ہے۔ و علامات قیامت میں انشاء اللہ العزیز مزید آئے گا۔

لہ بعض روایتوں میں پانی اور برف اور اولوں کا الگ الگ ذکر آیا ہے۔

لہ سفید کپڑے کی تخصیص اس لیے فرمائی کہ سفید کپڑے میں صفائی اور نکھار زیادہ ظاہر ہوتا ہے اور اس میں صفات

فطرت اور طہارت کی جانب اشارہ ہے اور اس جانب بھی اشارہ ہے کہ دل پر جو میل کچیل چڑھتی ہے وہ عارضی اور وقتی چیز ہے۔ بندے کی اصل فطرت طہارت کا تقاضا کرتی ہے۔

۶؎ اس کی شرح بھی کتاب الصلوٰۃ کے باب الحرہ بعد التکبیر میں آچکی ہے۔

وَعَنْ زَيْدِ بْنِ أَرْقَمَ رضی اللہ عنہ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْعَجْزِ وَالْكَسَلِ وَالْجُبْنِ وَالْبُخْلِ وَالْهَرَمِ وَعَذَابِ الْقَبْرِ اَللّٰهُمَّ اٰتِ نَفْسِيْ تَقْوٰهَا وَزَكِّهَا اَنْتَ خَيْرُ مَنْ زَكّٰهَا اَنْتَ وَلِيُّهَا وَمَوْلٰهَا اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ عِلْمٍ لَا يَنْفَعُ وَمِنْ قَلْبٍ لَا يَخْشَعُ وَمِنْ نَفْسٍ لَا تَشْبَعُ وَمِنْ دَعْوَةٍ لَا يُسْتَجَابُ لَهَا۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ[۱] سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ پڑھا کرتے تھے الٰہی میں عاجز رہ جانے سستی، بزدلی۔ کنجوسی۔ بڑھاپے اور عذاب قبر سے تیری پناہ لیتا ہوں۔ الٰہی تو میرے نفس کو اس کی پرہیز گاری دے۔ اسے پاک کر دے تو بہترین پاک کرنے والا ہے تو ہی نفس کا والی و وارث ہے۔ الٰہی میں تیری پناہ مانگتا ہوں اس علم سے جو نفع نہ[۲] دے اور اس دل سے جو عاجزی نہ کرے اور اس نفس سے جو سیر نہ ہو اور اس دعا سے جس کی قبولیت نہ ہو۔ (مسلم)

۱؎ آپ انصاری صحابی ہیں آپ سترہ غزوں میں حاضر ہوئے۔ امیر المؤمنین حضرت علی رضی اللہ عنہما کے خصوصی ساتھیوں میں سے ہیں۔

۲؎ جس طرح وہ علماء جو دین سے تعلق رکھتے ہیں مگر اس پر عمل نہیں کرتے۔

وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہ قَالَ كَانَ مِنْ دُعَاءِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ زَوَالِ نِعْمَتِكَ وَتَحَوُّلِ

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاؤں میں سے ایک دعا یہ تھی الٰہی میں تیری پناہ لیتا ہوں تیری نعمت کے زائل ہو جانے سے۔ اور تیری عافیت کے بدل جانے سے

عَافِیَتِكَ وَ فُجَاءَۃِ نِقْمَتِكَ وَ جَمِیْعِ سَخَطِكَ۔

اور تیرے اچانک عذاب[1] سے اور تیری تمام ناراضگیوں سے۔

(رَوَاہُ مُسْلِمٌ) (مسلم)

[1] یہاں حدیث میں لفظ فجارۃ تو فا کی پیش پھر ھمزہ اور ایک روایت میں فا کی زبر اور جیم ساکن بغیر مد کے بھی آیا ہے معنیٰ یہ ہے اچانک پکڑ لینا۔ اور لفظ نقمتک نون کی زبر اور زیر سے پڑھا گیا ہے۔

وَ عَنْ عَائِشَۃَ قَالَتْ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّ مَا عَمِلْتُ وَ مِنْ مَالَمْ اَعْمَلْ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے الٰہی میں تیری پناہ لیتا ہوں کیے کی برائی سے اور نہ[1] کیے کی برائی سے۔

(رَوَاہُ مُسْلِمٌ) (مسلم)

[1] یعنی مستقبل میں بھی مجھ سے ایسا کام نہ ہو جس سے تو راضی نہ ہو یا مجھ میں ایسا گمان پیدا نہ ہو کہ میں دعویٰ تو یہ کروں کہ مجھ سے برائی نہ ہو گی گر عملاً ہو جاتی ہو۔

وَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ یَقُوْلُ اَللّٰھُمَّ لَكَ اَسْلَمْتُ وَ بِكَ اٰمَنْتُ وَ عَلَیْكَ تَوَکَّلْتُ وَ اِلَیْكَ اَنَبْتُ وَ بِكَ خَاصَمْتُ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِعِزَّتِكَ لَآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنْتَ اَنْ تُضِلَّنِیْ اَنْتَ الْحَیُّ الَّذِیْ لَا یَمُوْتُ وَ الْجِنُّ وَ الْاِنْسُ یَمُوْتُوْنَ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے الٰہی میں تیرا مطیع ہوا میں تجھ پر ایمان لایا اور تجھ پر بھروسہ کیا اور تیری طرف رجوع کیا اور تیرے بھروسے پر کفار سے جھگڑتا ہوں الٰہی میں تیری عزت کی پناہ لیتا ہوں تیرے سوا کوئی معبود نہیں اس سے کہ تو مجھے گمراہ کرے تو وہ زندہ ذات ہے جسے موت نہیں۔ اور تمام جن و انسان مر جائیں گے۔

(مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ) (مسلم بخاری)

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

دوسری فصل

عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رض قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِكَ مِنَ الْاَرْبَعِ مِنْ عِلْمٍ لَّا يَنْفَعُ وَ مِنْ قَلْبٍ لَّا يَخْشَعُ وَمِنْ نَفْسٍ لَا تَشْبَعُ وَ مِنْ دُعَاءٍ لَّا يُسْمَعُ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پڑھا کرتے تھے الٰہی میں چار چیزوں سے تیری پناہ لیتا ہوں اُس علم سے جو نفع نہ دے اُس دل سے جس میں عاجزی نہ ہو اُس نفس سے جو سیر نہ ہو اور اُس دعا سے جو سنی نہ جائے۔

(رَوَاهُ اَحْمَدُ وَ اَبُوْدَاؤدَ وَابْنُ مَاجَةَ)

احمد ابوداؤد ابن ماجہ

وَ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو وَ النَّسَائِيُّ عَنْهُمَا۔

اور ترمذی نے لے حضرت عبداللہ بن امر سے روایت کیا اور نسائی نے ان دونوں سے۔

وَعَنْ عُمَرَ رض قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَعَوَّذُ مِنْ خَمْسٍ مِّنَ الْجُبْنِ وَ الْبُخْلِ وَ سُوْءِ الْعُمُرِ وَ فِتْنَةِ الصَّدْرِ وَ عَذَابِ الْقَبْرِ۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پانچ چیزوں سے پناہ مانگتے تھے۔ بزدلی سے بخل سے بری عمر[1] سے سینوں کے فتنوں[2] سے اور عذاب قبر سے۔

(رَوَاهُ اَبُوْدَاؤدَ وَ النَّسَائِيُّ)

(ابوداؤد و نسائی)

[1] یعنی اُس کی ایسی درازی سے جس میں قویٰ حواس قوت و طاقت اور بندگی کی سکت نہ رہے۔

[2] یعنی بُرے اخلاق و عقائد باطلہ سے جن سے دلوں کو تنگی لاحق ہوتی ہے اور وہ قبول حق اور مشقت برداشت کرنے سے منحرف ہو جاتے ہیں۔

وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رض اَنَّ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے

رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُبِكَ مِنَ الْفَقْرِ وَ الْقِلَّةِ وَ الذِّلَّةِ وَ اَعُوْذُبِكَ مِنْ اَنْ اَظْلِمَ اَوْ اُظْلَمَ۔

(رَوَاهُ اَبُوْدَاؤُدَ وَالنَّسَائِيُّ)

بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہا کرتے تھے یا اللہ میں تیری پناہ مانگتا ہوں۔ فقیری اور کمی[1] اور ذلت[2] سے اور تیری پناہ مانگتا ہوں اس سے کہ کسی کو ستاؤں یا ستایا جاؤں۔

(ابوداؤد و نسائی)

[1] یعنی خیرات اور نیکوں کی کمی سے۔

[2] ذلت ذ کی زیر سے یعنی نفس کی خواہش سے جو خدائے تعالیٰ اور اہل دین کے نزدیک خواری سمجھی جاتی ہے بلکہ مجھے عزت عطا فرما جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں فرمایا۔ وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ۔ عزت اللہ کے لیے اس کے رسول کے لیے اور اس کے ایمان والوں کے لیے ہے۔

وَعَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُبِكَ مِنَ الشِّقَاقِ وَ النِّفَاقِ وَ سُوْءِ الْاَخْلَاقِ۔

(رَوَاهُ اَبُوْدَاؤُدَ وَالنَّسَائِيُّ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہی روایت ہے بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے یا اللہ میں تیری پناہ لیتا ہوں عداوت[1] منافقت[2] اور بدخلقی سے۔

(ابوداؤد و نسائی)

[1] یہاں حدیث میں لفظ شقاق ہے شین کی زیر سے یعنی اہل دین سے عداوت کرنا اور اُن سے مخالفت کرنے سے پناہ لینا۔

[2] نفاق کا اصل معنی کفر کا چھپانا اور ایمان کا ظاہر کرنا ہے یہاں شاید اس سے بھی عام معنی مراد ہے جو ریا کو بھی شامل ہے نفاق کی علامتیں جھوٹ خیانت۔ خلاف وعدہ اور اپنے احباب و اصحاب کے ساتھ اس کے خلاف ظاہر کرنا ہے جو دل میں ہو۔

وَعَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُبِكَ مِنَ الْجُوْعِ فَاِنَّهٗ بِئْسَ الضَّجِيْعُ وَ اَعُوْذُبِكَ مِنَ الْخِيَانَةِ فَاِنَّهَا بِئْسَتِ الْبِطَانَةُ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہا کرتے تھے الٰہی میں بھوک سے تیری پناہ مانگتا ہوں کیونکہ یہ بستر کی بُری ساتھی ہے۔ اور خیانت[1] سے تیری پناہ مانگتا ہوں کہ یہ بدترین مشورہ دینے[2] والی اور بُری صفت ہے

(رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ وَالنَّسَآئِیُّ وَابْنُ مَاجَةَ) ابوداؤد۔ نسائی ابن ماجہ

سلہ بھوک سے پناہ لینا اس وجہ سے ہوتا ہے کہ انسان کے بدن اور اس کی قوتوں، ظاہری اور باطنی حواس کو اس سے نقصان پہنچتا ہے اور بندے کی دلجمعی اور حضور قلب میں فتور لاحق ہوتا ہے۔ اور بندہ اللہ تعالیٰ کی خدمت و طاعت سے رک جاتا ہے اس لیے حضور علیہ السلام نے ایسی بھوک کو بستر کا ساتھی قرار دیا جو اس کے ساتھ بستر پر بھی چمٹا رہتا ہے اس میں اس جانب اشارہ ہے کہ انسان کے لیے وہ بھوک مذموم ہے جو اس کے ساتھ چمٹی رہے اور جو بھوک عبرت نصیحت اور ریاضت کے طور پر اعتدال کی حد تک ہو اور بندے کے باطنی حال کی درستی کے موافق ہو وہ مضر نہیں ہے۔ بلکہ وہ باطن کی صفائی، دل کی نورانیت بدن کی صحت اور سلامتی کی موجب ہے کیونکہ بندہ ایسی بھوک کی برکت سے غیر متعلق امور سے منہ پھیرے رکھتا ہے۔

سلہ یعنی بے امانتی اور بے دیانتی سے بھی پناہ لیتا ہوں۔ صراح میں لکھا ہے خیانت ناراستی اور کسی کا حق کم کرنا

سلہ یہاں حدیث میں لفظ بطانہ آیا ہے با کی زیر سے اصل میں بطانہ کوٹ وغیرہ کے اندر کے کپڑے کو کہتے ہیں جو جسم سے لگا ہوتا ہے کوٹ کے ظاہری کپڑے کو ظہارہ اور ابرہ کہتے ہیں۔ درحقیقت اس میں اشارہ ہے کہ وہ خیانت بہت ہی بدترین ہے جو بندے کے باطن میں گھس چکی ہو۔ اور اس کے باطن کا مزاج بن چکی ہو۔ اور بندہ اُسے اپنے اندر چھپا کر رکھتا ہو۔ گہری دوستی کو بھی بطانہ کہتے ہیں۔

وَعَنْ اَنَسٍ رضی اللہ عنہ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْبَرَصِ وَالْجُذَامِ وَالْجُنُوْنِ وَمِنْ سَيِّئِ الْاَسْقَامِ۔ (رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ وَالنَّسَآئِیُّ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ پڑھا کرتے تھے۔ یا اللہ میں تیری پناہ لیتا ہوں برص[۱] کی بیماری سے کوڑھ[۲] سے دیوانگی سے اور بری بیماریوں سے۔ (ابوداؤد و نسائی)

سلہ با اور را کی زبر یعنی جسم کے بعض حصوں کا سفید ہو جانا جو مزاج میں خرابی کی وجہ سے ہوتا ہے۔

سلہ یہاں حدیث میں لفظ جذام آیا ہے جیم کی پیش اس کے بعد ذال یہ ایک مشہور بیماری ہے جو بدن میں سودا کے پھیلنے سے پیدا ہوتی ہے اُس سے اعضاء کا مزاج اور ان کی شکلیں خراب ہو جاتی ہیں۔

وَعَنْ قُطْبَةَ بْنِ مَالِكٍ رضی اللہ عنہ قَالَ كَانَ النَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ

حضرت قطبہ بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ مُنْكَرَاتِ الْاَخْلَاقِ وَ وَالْاَعْمَالِ وَ الْاَهْوَاءِ۔
(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

پڑھا کرتے تھے یا اللہ میں تیری پناہ لیتا ہوں بری عادتوں سے برے کاموں سے اور بری خواہشوں سے[۲]۔
(ترمذی)

[۱] ق کی پیش طا ساکن اُس کے بعد بلا آپ کوفی صحابی ہیں رضی اللہ عنہ۔
[۲] یعنی ایسی خواہشوں سے جن کی طرف نفس میلان کرے اور منکر وہ چیزیں ہیں جو شرع میں ناپسندیدہ اور دین میں نا آشنا ہوں۔

وَ عَنْ شُتَيْرِ بْنِ شَكَلِ بْنِ حُمَيْدٍ رض عَنْ اَبِيْهِ قَالَ قُلْتُ يَا نَبِيَّ اللّٰهِ عَلِّمْنِيْ تَعْوِيْذًا اَتَعَوَّذُ بِهٖ قَالَ قُلِ اللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّ سَمْعِيْ وَ شَرِّ بَصَرِيْ وَ شَرِّ لِسَانِيْ وَ شَرِّ قَلْبِيْ وَ شَرِّ مَنِيِّيْ۔
(رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَ النَّسَائِيُّ)

حضرت شُتیر[۱] بن شکل[۲] بن حمید[۳] سے وہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں۔ انہوں نے فرمایا کہ میں نے عرض کیا یا نبی اللہ مجھے کوئی ایسا تعویذ سکھائیے جس سے میں تعویذ[۴] کیا کروں فرمایا کہہ یا اللہ میں پناہ لیتا ہوں اپنے کان[۵] اپنی آنکھ۔ اپنی زبان۔ اپنے دل اور اپنی منی کے شر سے۔
ابوداؤد۔ ترمذی نسائی۔

[۱] شین کی پیش تا کی زبر یا ساکن آخر میں را۔
[۲] شین اور کاف کی زبر ہے۔
[۳] حا کی پیش میم کی زبر ہے۔ آپ کوفی تابعی ہیں ان کے باپ حضرت شکل ابن حمید کوفی صحابی ہیں۔ یاد رہے کہ ان کے بیٹے کے سوا کسی نے ان سے کوئی حدیث روایت نہیں کی۔
[۴] صحاح میں ہے تعویذ بمعنی ایسی چیز جس کے ساتھ پناہ حاصل کی جائے۔
[۵] اس سے بری باتیں سننا۔ آنکھ کا شر یہ ہے کہ اس سے بری باتیں دیکھنا۔ اور زبان کا شر یہ کہ اس سے بری باتیں سنی جائیں دل میں جو برے برے خیالات آئیں انہیں زبان پر لانا اور منی کا شر یہ کہ انسان اس کی وجہ سے زنا کی برائی میں گر سے۔ غیر محرموں کو دیکھے اور شہوت کے فتنے میں مبتلا ہو کیونکہ ان چیزوں کی بنیاد یہ مادہ ہے۔

وَعَنْ اَبِی الْيَسَرِ رض اَنَّ رَسُوْلَ
حضرت ابوالیسر[۱] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے

اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَدْعُوْا اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُبِكَ مِنَ الْهَدَمِ وَ اَعُوْذُبِكَ مِنَ التَّرَدِّيْ وَ مِنَ الْغَرَقِ وَ الْحَرَقِ وَ الْهَرَمِ وَ اَعُوْذُبِكَ مِنْ اَنْ يَّتَخَبَّطَنِيَ الشَّيْطَانُ عِنْدَ الْمَوْتِ وَ اَعُوْذُبِكَ مِنْ اَنْ اَمُوْتَ فِيْ سَبِيْلِكَ مُدْبِرًا وَ اَعُوْذُبِكَ مِنْ اَنْ اَمُوْتَ لَدِيْغًا۔

بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا مانگا کرتے تھے الٰہی میں تیری پناہ لیتا ہوں عمارت[2] گرنے سے اور تیری پناہ لیتا ہوں اوپر سے گر جانے اور ڈوب جانے، جل جانے[3] اور بڑھاپے سے اور تیری پناہ لیتا ہوں اس سے کہ مجھے شیطان وسوسے میں ڈالے موت[4] کے وقت اور تیری پناہ لیتا ہوں اس سے کہ تیری راہ میں پیٹھ پھیرتا[5] مروں اور تیری پناہ لیتا ہوں اس سے کہ سانپ سے ڈسا ہوا مروں۔

(رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ وَ النَّسَائِيُّ وَ زَادَ فِيْ رِوَايَةٍ اُخْرٰى وَالْغَمِّ)

ابو داؤد۔ نسائی۔ اور دوسری روایت میں یہ زیادتی ہے کہ غم سے

[1] یا کی زبر سے۔ آپ مشہور صحابی ہیں انصار میں سے ہیں۔ بیعت عقبہ اور جنگ بدر میں حاضر تھے۔

[2] حدیث میں لفظ ہدم آیا ہے ہا کی زبر سے اس مکان کو کہتے ہیں جو گر جائے دال کی زیر سے بھی آیا ہے اس کا معنی ہوتا ہے وہ آدمی جو دیوار کے نیچے آکر مر جائے۔ حدیث کی مشہور روایت میں یہاں د ساکن سے ہے جیسا کہ اس کے ساتھ والے الفاظ میں ہے اور د کی زبر سے بھی پڑھا گیا ہے۔

[3] یہ دونوں لفظ غرق اور حرق ہیں۔ یعنی غین و را کی زبر اور حا و را کی زبر اور ایک روایت میں دونوں میں را کو ساکن بھی کہا گیا ہے۔ مگر تورپشتی نے کہا کہ را کو زبر سے پڑھنا خطا ہے۔

[4] یعنی اس بات سے کہ شیطان وسوسہ اندازی کرے ایذا پہنچائے اور تباہ کر دے۔ صراح میں ہے کہ لفظ تخبط کا معنی ہے کسی کو جن وغیرہ کا دیوانہ بنا دینا۔ قرآن مجید میں ہے۔ کَالَّذِیْ یَتَخَبَّطُهُ الشَّیْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ یعنی اس شخص کی طرح جسے شیطان چھو کر خرابی میں ڈال دے۔

[5] یعنی میں اس بات سے بھی پناہ لیتا ہوں کہ تیرے راستے میں پیٹھ پھیرتے اور بھاگتے ہوئے مجھے موت آئے۔ بھاگنے سے کافروں کی جنگ سے بھاگنا مراد ہے اور ہو سکتا ہے کہ شیطانی لشکر سے بھاگنا مراد ہو یہ بھی ہو سکتا ہے کہ طلب حق اور سلوک طریقت سے بھاگنا مراد ہو اور ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ سے اُنس حاصل ہونے کے بعد پھر اس سے عدم لگاؤ مراد ہو نیز یہ کہ اللہ کے رستے میں گرمی اور طلب پیدا ہونے کے بعد جذبات کا سرد ہو جانا مراد ہو ہم ایسی

حالت سے اللہ کے پاس پناہ لیتے ہیں۔

وَعَنْ مُعَاذٍ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اسْتَعِيذُوْا بِاللّٰهِ مِنْ طَمَعٍ يَهْدِيْ إِلَى طَبْعٍ۔ (رَوَاهُ أَحْمَدُ وَ الْبَيْهَقِيُّ فِي الدَّعَوَاتِ الْكَبِيْرِ)

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا اللہ کی پناہ مانگو اس طمع[1] سے جو مہر لگ جانے تک پہنچا دے۔ احمد وبیہقی دعوات کبیر

[1] یعنی ایسے طمع سے پناہ لیتا ہوں جو عیب اور برائی اور دین میں نقصان و شرافت اور انسانیت کے لیے نقصان کا موجب ہو لفظ طمع دو زبروں کے ساتھ ہے یعنی لوگوں سے مال کی اُمید رکھنا اور طبع طا کی زبر سے اصل میں تلوار وغیرہ پر زنگ وغیرہ آ جانے کے معنیٰ میں آتا ہے یہاں مراد عیب اور نقص کا پیدا ہونا ہے۔ مجمع البحار میں فرمایا کہ طبع باساکن سے یعنی مہر لگانا اور اگر با پر بھی زبر پڑھی جائے یعنی طَبَعًا تو اس کا معنیٰ میل کا آتا ہے۔

شیخ رحمہ اللہ نے فرمایا کہ طمع ایسے مال کی اُمید رکھنا ہے جس کا ملنا بندے کے لیے مشکوک ہو اور اگر یقین ہو جیسا کہ تنخواہ یا وظیفہ یا وعدہ صادق یا محبت راسخ تو اُسے طمع نہیں کہتے اور میرے شیخ نے فرمایا جب ہماری کشتی جزیرہ کمران میں پہنچی تو تین عرب صوفیوں کے لباس میں ہمارے پاس آئے اور کہا کہ جب کشتی کا موسم ختم ہو جائے گا اس سے ہمارے باطن میں اُمید پیدا ہوگی کہ کچھ لوگ ہمارے پاس پہنچیں گے اور ہمیں کچھ دیں گے۔ فرمایا یہ چیز اور یہ امید طمع میں داخل تھی یا نہیں۔ ایک گروہ کے نزدیک ایسی اُمید طمع میں داخل اور مذموم ہے ہم نے اُن کے جواب میں کہا کہ کشتی کا موسم تمہارے حق اور ہمارے حق میں بارش کے موسم کی طرح ہے اگر کوئی شخص بارش کے موسم میں بارش کی امید رکھے تو وہ مذموم نہیں ہے۔

وَعَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَظَرَ إِلَى الْقَمَرِ فَقَالَ يَا عَائِشَةُ اسْتَعِيْذِيْ بِاللّٰهِ مِنْ شَرِّ هٰذَا فَإِنَّ هٰذَا هُوَ الْغَاسِقُ إِذَا وَقَبَ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے بے شک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے چاند دیکھا تو فرمایا اے عائشہ اس کے شر سے اللہ کی پناہ مانگ۔ یہ وہی غائب ہو جانے والا ہے گرہن لگنے کے وقت[1]۔ (ترمذی)

[1] یعنی یہی ہے غائب ہونے والا جبکہ غروب ہو جاتا ہے۔ قرآن مجید میں سورۂ فلق میں واقع ہے۔ ومن شر غاسق اذا

وقب، یعنی اُس کے شر سے جو غاسق ہے جبکہ وہ ڈوب جاتا ہے۔ مفسرین نے غاسق کی تفسیر شب تاریک سے کی ہے جبکہ سورج کی سرخی اور چاند کے روپوشش ہونے سے تاریکی چھاتی ہے اور غاسق سے مرد کا مخصوص آلہ بھی مراد لیا گیا ہے جبکہ وہ عورت کے اندام نہانی میں چھپ جاتا ہے یا جبکہ وہ قائم ہوتا ہے اسی طرح وقب کا معنی آفتاب وغیرہ غروب ہو جانے کا بھی آتا ہے۔ نیز تاریکی کا آنا اور چاند و آفتاب کو چھپا لینا یہ معنی بھی کیا گیا ہے۔ اس حدیث میں غاسق کی تفسیر چاند سے کی گئی ہے۔ جبکہ اُسے گرہن لگ جائے۔ اس سے پناہ لینے کی وجہ یہ ہے کہ سورج یا چاند گرہن اللہ تعالیٰ کی ان نشانیوں میں سے ہیں جو خوف اور ڈر پیدا کرتی ہیں اور اس امر کو ظاہر کرتی ہیں کہ یہ وقت حادثات اور مصائب کے نازل ہونے کا ہے جیسا کہ ایک حدیث میں آیا ہے کہ جب سورج گرہن ہوا تو آپ ڈر اور خوف کی حالت میں کھڑے ہو گئے مگر اس سے وہ حوادث و مسائل مراد نہیں ہیں جو نجومی لوگ سورج یا چاند کے گرہن کے وقت ثابت کرتے ہیں کیونکہ نجومیوں کے قاعدوں کا اہل اسلام کے نزدیک کوئی اعتبار نہیں بلکہ اس سے خدائی نشانیاں مراد ہیں۔ مثلاً یہ کہ لوگ اس سے عبرت پکڑیں کہ جب چاند اس قدر نورانیت کے باوجود اس گھڑی میں بے نور ہو جاتا ہے اور اُس سے نور چھین لیا جاتا ہے تو بندے کو بھی ڈرنا چاہیے کہ اُس کے سینے سے ذرا سی غلطی کی بنا پر نور ایمان و عمل چھین نہ لیا جائے اسی طرح عبرت کی اور باتیں حاصل کرنی چاہئیں۔

وَعَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍؓ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِاَبِيْ يَا حُصَيْنُ كَمْ تَعْبُدُ الْيَوْمَ اِلٰهًا قَالَ اَبِيْ سَبْعَةً سِتًّا فِي الْاَرْضِ وَ وَاحِدًا فِي السَّمَآءِ قَالَ فَاَيُّهُمْ تَعُدُّ لِرَغْبَتِكَ وَ رَهْبَتِكَ قَالَ الَّذِيْ فِي السَّمَآءِ قَالَ يَا حُصَيْنُ اَمَا اِنَّكَ لَوْ اَسْلَمْتَ عَلَّمْتُكَ كَلِمَتَيْنِ تَنْفَعَانِكَ قَالَ فَلَمَّا اَسْلَمَ حُصَيْنٌ قَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ عَلِّمْنِيَ الْكَلِمَتَيْنِ اللَّتَيْنِ وَ

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے والد سے فرمایا اے ابوحصین تم آج کل کتنے معبودوں کو پوجتے ہو۔ میرے والد نے عرض کیا سات معبودوں کو۔ چھ زمین کے اور ایک آسمان کا فرمایا ان میں سے اُمید اور ڈر کس سے رکھتے ہو۔ عرض کیا اُس آسمان والے سے فرمایا اے حصین اگر تم مسلمان ہو جاؤ تو میں تمہیں دو دعائیں ایسی سکھاؤں گا جو تمہیں بہت فائدہ دیں گی فرماتے ہیں جب حصین مسلمان ہو گئے تو عرض کیا یا رسول اللہ مجھے وہ دعائیں سکھائیے جن کا آپ نے مجھ سے وعدہ فرمایا تھا۔ فرمایا یہ

عَلِّمْنِيْ فَقَالَ قُلِ اللّٰهُمَّ اَلْهِمْنِيْ رُشْدِيْ وَ اَعِذْنِيْ مِنْ شَرِّ نَفْسِيْ۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

پڑھا کرو۔ یا اللہ مجھے میری ہدایت کا الہام کر اور مجھے میرے نفس کی شرارت سے پناہ دے۔

(ترمذی)

سلہ اور وہ یغوث یعوق نسر لات منات اور عزیٰ ہیں ان چند بتوں کا ذکر قرآن مجید میں بھی ہے اور ایک آسمان میں ہے جو تمام اشیاء کا خالق ہے۔

وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا فَزِعَ اَحَدُكُمْ فِي النَّوْمِ فَلْيَقُلْ اَعُوْذُ بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامَّةِ مِنْ غَضَبِهٖ وَ عِقَابِهٖ وَ شَرِّ عِبَادِهٖ وَمِنْ هَمَزَاتِ الشَّيَاطِيْنِ وَاَنْ يَّحْضُرُوْنِ فَاِنَّهَا لَنْ تَضُرَّهٗ وَ كَانَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عَمْرٍو يُعَلِّمُهَا مَنْ بَلَغَ مِنْ وُّلْدِهٖ وَ مَنْ لَّمْ يَبْلُغْ مِنْهُمْ كَتَبَهَا فِيْ صَكٍّ ثُمَّ عَلَّقَهَا فِيْ عُنُقِهٖ۔

(رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ وَ التِّرْمِذِيُّ وَ هٰذَا لَفْظُهٗ)

حضرت عمرو ابن شعیب اپنے باپ اور اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی اپنی خواب سے گھبرائے تو کہہ دے میں اللہ کے پورے کلمات[1] کی پناہ لیتا ہوں اس کی ناراضگی اور اس کے عذاب سے اور اس کے بندوں کے شر اور شیطانوں کے وسوسوں[2] سے اُن کی حاضری سے تو ان سے کچھ نقصان[3] نہ پہنچے گا۔ حضرت عبداللہ بن عمر[4] اپنی بالغ اولاد کو یہ دعا سکھاتے تھے اور اُن میں سے نابالغوں کے گلے میں کسی کاغذ پر لکھ کر ڈال دیتے تھے

ابوداؤد۔ ترمذی اور ترمذی کے یہ لفظ ہیں۔

سلہ یعنی ایسے کلمات جو کامل اور نقصان سے مبرا ہیں۔

سلہ جنہیں وہ لوگوں کے دلوں میں ڈالتا ہے۔

سلہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خواب میں ڈرنا شیطان کی مداخلت سے ہوتا ہے۔

سلہ جو حضرت شعیب کے دادا اور اس حدیث کے راوی ہیں اپنی بالغ اولاد کو یہ کلمات سکھایا کرتے تھے۔

۵اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تعویذ لکھ کر گردن میں ڈالنا جائز ہے۔ علماء کا یہاں اختلاف ہے مختار و پسندیدہ یہ ہے کہ مونگے وغیرہ گلے میں لٹکانا حرام اور مکروہ ہے۔ مگر قرآن پاک یا اسمائے الٰہی لکھ کر گلے میں ڈالنا جائز ہے۔ اس میں کوئی حرج نہیں جیسا کہ تعویذات کی تفسیر میں بیان ہوا ہے۔

وَعَنْ اَنَسٍؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ سَاَلَ اللّٰهَ الْجَنَّةَ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ قَالَتِ الْجَنَّةُ اَللّٰهُمَّ اَدْخِلْهُ الْجَنَّةَ وَ مَنِ اسْتَجَارَ مِنَ النَّارِ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ قَالَتِ النَّارُ اَللّٰهُمَّ اَجِرْهُ مِنَ النَّارِ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَالنَّسَائِيُّ)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اللہ تعالیٰ سے تین بار جنت مانگتا ہے تو جنت کہتی ہے یا اللہ اسے جنت میں داخل فرما۔ اور جو تین بار آگ سے پناہ مانگتا ہے تو آگ کہتی ہے یا اللہ اسے آگ سے امن دے دے۔

(ترمذی و نسائی)

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

عَنِ الْقَعْقَاعِؓ اَنَّ كَعْبَ الْاَحْبَارِ قَالَ لَوْ لَا كَلِمَاتٌ اَقُوْلُهُنَّ لَجَعَلَتْنِيْ يَهُوْدُ حِمَارًا فَقِيْلَ لَهٗ مَا هُنَّ قَالَ اَعُوْذُ بِوَجْهِ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ الَّذِيْ لَيْسَ شَيْءٌ اَعْظَمَ مِنْهُ وَ بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامَّاتِ الَّتِيْ لَا يُجَاوِزُهُنَّ بَرٌّ وَّلَا فَاجِرٌ وَبِاَسْمَاءِ اللّٰهِ الْحُسْنٰى مَا عَلِمْتُ مِنْهَا وَمَا لَمْ اَعْلَمْ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ وَذَرَاَ وَبَرَاَ۔ (رَوَاهُ مَالِكٌ)

حضرت قعقاع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بے شک حضرت کعب احبار نے فرمایا کہ اگر میں تین کلمات نہ کہہ لیا کرتا تو یہود مجھے گدھا بنا دیتے اُن سے عرض کیا گیا وہ کلمات کیا ہیں فرمایا پناہ لیتا ہوں میں اللہ تعالیٰ کی ذات پاک کی جو عظمت والا ہے۔ جس سے بڑی کوئی چیز نہیں اور اللہ تعالیٰ کے پورے کلموں کی جن سے کوئی نیک کار اور بدکار آگے نہیں بڑھ سکتا اور اللہ تعالیٰ کے اچھے ناموں کی جو مجھے معلوم ہیں اور جو مجھے معلوم نہیں اُن تمام چیزوں کے شر سے جنہیں اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا اور پھیلایا اور ٹھیک کیا۔

(مالک)

لہ ق کی زبر عین ساکن آپ تابعی ہیں۔کعب احبار بھی تابعی ہیں یہ یہود کے دانشوروں میں سے ہیں نبوت کا زمانہ پایا مگر حضور علیہ السلام کی زیارت سے مشرف نہ ہو سکے۔حضرت عمر ابن الخطاب کے زمانے میں ایمان لائے

۲ یعنی جادو کے زور سے کیونکہ میرا ایمان لانا انہیں بڑا دشوار گزرا اور گدھا بنانے سے مراد یا تو انہیں ذلیل کرنا یا کند ذہن بنانا۔یا بے عقل کرنا ہے۔یا واقعتہً انہیں گدھے کی شکل میں تبدیل کر دینا بھی مراد لیا گیا ہے۔جیسا کہ طیبی نے ذکر کیا۔

۳ کلمات سے اُس کے اسماء و صفات مراد ہیں۔پس تمام اشیاء اُس کے احاطے سے باہر نہیں ہیں اور اگر کلمات سے قرآن کے کلمات مراد ہوں جیسے اُس کا وعدہ وعید۔ثواب و عذاب تو اس سے بھی کوئی چیز خارج نہیں۔

۴ یہ تینوں الفاظ معنیٰ میں ایک دوسرے کے نزدیک ہیں تھوڑے تھوڑے فرق سے اور تفسیر کے حواشی میں لفظ برء کا لکھا گیا ہے یعنی اُس نے مخلوق کو نقصان اور کمی بیشی سے پاک پیدا کیا اور اُس کی حکمت جس کا تقاضا کرتی تھی اُس کے مطابق پیدا کیا۔

وَ عَنْ مُسْلِمِ بْنِ اَبِیْ بَکْرَۃَ ؓ قَالَ کَانَ اَبِیْ یَقُوْلُ فِیْ دُبُرِ الصَّلٰوۃِ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنَ الْکُفْرِ وَ الْفَقْرِ وَ عَذَابِ الْقَبْرِ فَکُنْتُ اَقُوْلُھُنَّ فَقَالَ اَیْ بُنَیَّ عَمَّنْ اَخَذْتَ ھٰذَا قُلْتُ عَنْکَ قَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ یَقُوْلُھُنَّ فِیْ دُبُرِ الصَّلٰوۃِ رَوَاہُ النَّسَآئِیُّ وَ التِّرْمِذِیُّ اِلَّآ اَنَّہٗ لَمْ یَذْکُرْ فِیْ دُبُرِ الصَّلٰوۃِ وَ رَوٰی اَحْمَدُ لَفْظَ الْحَدِیْثِ وَعِنْدَہٗ فِیْ دُبُرِ کُلِّ صَلٰوۃٍ۔

حضرت مسلم بن ابی بکرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میرے والد ہر نماز کے بعد یہ پڑھا کرتے تھے یا اللہ میں تیری پناہ لیتا ہوں کفر محتاجی اور قبر کے عذاب سے تو میں بھی یہ دعا پڑھنے لگا۔آپ نے فرمایا اے میرے بچے تو نے یہ دعا کس سے حاصل کی میں نے کہا آپ سے تو فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر نماز کے بعد یہ کلمات پڑھتے تھے۔ (ترمذی۔نسائی) لیکن ترمذی نے نماز کے بعد کا ذکر نہیں کیا۔ اور احمد نے اس حدیث کے الفاظ روایت کیے اور اُن کے نزدیک ہر نماز کے پیچھے کا لفظ آیا ہے۔

لہ آپ ثقہ تابعی ہیں۔

۲ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اوراد و اذکار مشائخ اور بزرگوں سے حاصل کرنا اور اُن سے اجازت لے کر شروع کرنا

اچھی بات ہے۔

۳؎ اس روایت میں لفظ کل زیادہ آیا ہے۔ ظاہر یہ ہے کہ نسائی کی روایت میں بھی ایسا ہی ہے۔

وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الْکُفْرِ وَالدَّیْنِ فَقَالَ رَجُلٌ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اَتَعْدِلُ الْکُفْرَ بِالدَّیْنِ فَقَالَ نَعَمْ وَفِیْ رِوَایَۃٍ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِکَ مِنَ الْکُفْرِ وَالْفَقْرِ قَالَ رَجُلٌ وَیُعْدَلَانِ قَالَ نَعَمْ۔

(رَوَاہُ النَّسَآئِیُّ)

حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا میں اللہ کی پناہ لیتا ہوں کفر اور قرض سے ایک شخص نے عرض کیا۔ یارسول اللہ کیا آپ کفر کو قرض کے برابر سمجھتے ہیں فرمایا ہاں[1] اور ایک روایت میں اس طرح آیا ہے یا اللہ میں تیری پناہ لیتا ہوں کفر اور محتاجی سے تو ایک شخص بولا کیا یہ دونوں برابر[2] ہیں فرمایا ہاں۔

(نسائی)

۱؎ مگر آپ نے اس کی وجہ بیان نہ فرمائی وجہ یہ ہے کہ لوگ قرض کی وجہ سے جھوٹ بولتے ہیں اور خلاف وعدہ کرتے ہیں اور یہ صفات کفار و منافقین کی ہیں۔ جیسا کہ احادیث میں آچکا ہے۔

۲؎ یعنی اس شخص نے بطور استفہام پوچھا کہ کیا یہ دونوں برابر ہیں فرمایا ہاں کیونکہ فقر بھی انسان کو کفر تک پہنچا دیتا ہے جبکہ انسان اس پر صبر نہ کرے اور ایسی باتیں کہے اور ایسے کام کرے جن سے کفر لازم آجائے۔

بَابُ جَامِعِ الدُّعَآءِ

جامع دعا کا باب

گزشتہ ابواب میں جو کچھ مذکور ہوا وہ استغفار یا استعاذہ سے خاص تھا اور اوقات و حالات سے مخصوص تھا۔ اس باب میں جو دعائیں ذکر کی گئی ہیں وہ تمام مقاصد و مطالب کو جامع ہیں کسی خاص وقت یا حالت کے ساتھ مخصوص نہیں ہیں۔ یا جامع سے مراد ایسی دعائیں ہیں جن کے الفاظ کم اور معانی بہت زیادہ ہیں جیسے

وہ احادیث اور دعائیں جو جوامع الکلم کہلاتی ہیں۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

پہلی فصل

عَنْ اَبِیْ مُوْسَی الْاَشْعَرِیِّ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنَّہٗ کَانَ یَدْعُوْا بِھٰذَا الدُّعَاءِ اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِیْ خَطِیْئَتِیْ وَ جَھْلِیْ وَ اِسْرَافِیْ فِیْ اَمْرِیْ وَ مَا اَنْتَ اَعْلَمُ بِہٖ مِنِّیْ اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِیْ جِدِّیْ وَھَزْلِیْ وَ خَطَائِیْ وَ عَمَدِیْ وَ کُلُّ ذٰلِکَ عِنْدِیْ اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِیْ مَا قَدَّمْتُ وَمَا اَخَّرْتُ وَ مَا اَسْرَرْتُ وَمَا اَعْلَنْتُ وَ مَا اَنْتَ اَعْلَمُ بِہٖ مِنِّیْ اَنْتَ الْمُقَدِّمُ وَ اَنْتَ الْمُؤَخِّرُ وَ اَنْتَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ

(مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)

حضرت موسٰی اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ یہ دعا مانگا کرتے تھے یا اللہ میری خطائیں میری نادانی اور میرے ہر کام میں حد سے بڑھ جانے کو بخش دے اور جو کچھ تو مجھ سے زیادہ جانتا ہے اسے بخش دے یا اللہ میری دانستہ نادانستہ اور ساری خطائیں اور برے ارادے جو میرے پاس[1] ہیں بخش دے الٰہی وہ بخش دے جو میں نے آگے کیے اور جو پیچھے کیے[2] جو چھپ کر کیے اور جو تو مجھ سے زیادہ جانتا ہے تو ہی آگے بڑھانے والا ہے اور تو ہی پیچھے کر دینے والا اور تو ہر چیز پر قادر ہے۔

(بخاری و مسلم)

[1] یعنی یہ سب قسمیں میرے پاس ہیں۔ یہ تواضع اور کسر نفسی اور اللہ کے حضور میں اظہار عجز ہے حقیقت میں یہ امت کو تعلیم ہے کہ وہ اس طرح استغفار کیا کریں۔ اللہ تعالٰی کے قول لیغفر لک اللہ میں جو توجیہات علماء نے بیان کی ہیں وہ اس میں بھی جاری ہوتی ہیں۔

[2] یہ تمام گناہوں سے کنایہ ہے یا اگلے پچھلے گناہوں سے قطع نظر صرف یہ معنٰی مراد ہے کہ میرے تمام گناہ بخش دے یا نبوت سے پہلے اور نبوت کے بعد کی تمام خطائیں اگر سرزد ہوتی ہوں مراد ہیں یا بعض گناہوں کا بعض کے اعتبار سے واقع ہونا مراد ہے یعنی کچھ پہلے اور کچھ بعد یا پیچھے والے گناہوں سے وہ گناہ مراد ہیں جو ابھی سرزد نہیں ہوئے ان کی بخشش سے مراد یہ ہے کہ اگر وہ سرزد ہو جائیں تو انہیں بھی بخش دے۔

۳؎ یعنی اپنی درگاہ قرب کی طرف قریب کرنے والا ہے جسے توفیق دیتا ہے اور تو ہی پیچھے ڈالنے والا ہے جسے چاہتا ہے اس معنیٰ کی تحقیق باب اسماء اللہ تعالیٰ میں گزر چکی ہے۔

وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ اَصْلِحْ لِیْ دِیْنِیَ الَّذِیْ هُوَ عِصْمَةُ اَمْرِیْ وَ اَصْلِحْ لِیْ دُنْیَایَ الَّتِیْ فِیْهَا مَعَاشِیْ وَ اَصْلِحْ لِیْ اٰخِرَتِیَ الَّتِیْ فِیْهَا مَعَادِیْ وَاجْعَلِ الْحَیٰوةَ زِیَادَةً لِّیْ فِیْ كُلِّ خَیْرٍ وَّ اجْعَلِ الْمَوْتَ رَاحَةً لِّیْ مِنْ كُلِّ شَرٍّ۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا مانگا کرتے تھے یا اللہ میرا دین ٹھیک کردے جو میرے کام کی حفاظت کرنے[۱] اور میری دنیا درست کردے جس میں میری زندگی ہے اور میری آخرت درست فرمادے[۲] جہاں مجھے لوٹ کر جانا ہے۔ اور میری زندگی کو ہر بھلائی میں زیادتی[۳] بنا اور میری موت کو ہر تکلیف سے راحت[۴] قرار دے۔

(مسلم)

۱؎ اس لیے کہ نفس مال اور عزت دین سے حاصل ہوتی ہے اور گناہوں سے بچنے اور عذاب آخرت سے امن ایمان کامل سے نصیب ہوتا ہے۔

۲؎ درستی فساد کی ضد ہے۔ دنیا کی اصلاح اس چیز میں ہے کہ انسان جتقدر ہو سکے حلال روزی حاصل کرے تاکہ اُس سے اُس کی ضروری معیشت پوری ہوتی رہے۔ حلال روزی میں یہ برکت ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طاعت و عبادت کے لیے معاون و مددگار ہوتی ہے اور دینی و دنیوی آفات کے رونما ہونے کے خلل اور تشویش سے بچاتی ہے۔ یہ بھی آخرت کی اصلاح ہے کہ انسان کو ایسے کاموں کی توفیق ملے جو اُس کے لیے عذاب سے نجات کا سبب ہوتے ہیں اور جس سے سعادت آخرت نصیب ہوتی ہے۔

۳؎ کہ میں زیادہ دیر زندہ رہوں اور وہ سارا وقت زیادہ سے زیادہ نیک کاموں میں ہی بسر کروں اس میں کوئی شک نہیں کہ کار خیر میں لگے رہنا دراز زندگی ملنے اور اُس میں برکت کا سبب ہے۔

۴؎ یعنی اگر کوئی فتنہ پیدا ہو جو گناہ کے ارتکاب کا باعث بنے اور جس سے دین اور احکام ایمان سے برگشتہ ہونے کا خطرہ پیدا ہو تب مجھے اس سے پہلے دنیا سے اٹھا لینا۔ اور مجھے اس فتنے میں مبتلا نہ کرنا۔ یہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

کے اُس قول کی طرف اشارہ ہے جو فرمایا کہ جب تو کسی قوم کو فتنے میں ڈالنے کا ارادہ کرے تو مجھے اُس فتنے میں پڑنے سے پہلے ہی موت دے دینا۔

وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهٗ كَانَ يَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْٓ اَسْاَلُكَ الْهُدٰى وَ التُّقٰى وَ الْعَفَافَ وَ الْغِنٰى۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ بے شک آپ عرض کرتے یا اللہ بے شک میں تجھ سے راہ راست پر چلنا، پرہیز گاری، پاک دامنی[1] اور دولتمندی[2] مانگتا ہوں۔ (مسلم شریف)

[1] پاک دامنی یعنی اُس چیز سے بچے رہنا جو شریعت میں حلال و محمود نہ ہو جیسے مانگنا گداگری کرنا اور خوار ہونا۔ لغت کی کتاب صراح میں ہے عفت بمعنیٰ پارسائی اور حرام کام اور سوال سے باز رہنا۔

[2] دولتمندی سے مال اور دل کی دولتمندی مراد ہے کیونکہ اصل دولتمندی دل کی اور ماسوائے حق سے بے نیاز ہونا ہے۔

وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ قَالَ لِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قُلِ اللّٰهُمَّ اهْدِنِيْ وَ سَدِّدْنِيْ وَ اذْكُرْ بِالْهُدٰى هِدَايَتَكَ الطَّرِيْقَ وَ بِالسَّدَادِ سَدَادَ السَّهْمِ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے فرمایا اے علی یوں کہو یا اللہ مجھے ہدایت دے، مجھے ٹھیک رکھ[1] اور (دعا میں) ہدایت سے راستہ کی ہدایت کا خیال کرنا[2]۔ اور درستی سے تیر جیسی درستی مراد لینا۔ (مسلم)

[1] یہاں حدیث میں لفظ سدد آیا ہے صراح میں ہے سداد بمعنیٰ کردار و گفتار کی درستی۔

[2] جیسا کہ ایک راستہ سیدھا اور درمیانہ ہو اور اس کے ساتھ کئی راستے ٹیڑھے ہوں تو جب تو یہ کہے کہ یا اللہ مجھے ہدایت دے تو اس سے سیدھے راستے پر چلنے کا تصور کرنا درحقیقت اس کلام میں عقلی چیز کو حسی چیز کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے تاکہ بات بہتر طور پر سمجھ میں آ جائے۔

وَعَنْ اَبِيْ مَالِكٍ الْاَشْجَعِيِّ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ كَانَ رَجُلٌ

حضرت ابو مالک اشجعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا

إِذَا أَسْلَمَ عَلَّمَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الصَّلٰوةَ ثُمَّ أَمَرَهُ أَنْ يَّدْعُوَ بِهٰؤُلَآءِ الْكَلِمٰتِ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِيْ وَارْحَمْنِيْ وَاهْدِنِيْ وَعَافِنِيْ وَارْزُقْنِيْ۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

کہ کوئی شخص جب اسلام لاتا تھا تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اُسے نماز کی تعلیم دیتے تھے۔ پھر آپ اُسے حکم دیتے تھے کہ وہ ان کلمات کے ساتھ دعا کیا کرے یا اللہ مجھے بخش دے مجھ پر رحم فرما مجھے عافیت عطا کر اور مجھے رزق دے۔

(مسلم)

وَعَنْ أَنَسٍ رض قَالَ كَانَ أَكْثَرُ دُعَاءِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَللّٰهُمَّ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اکثر و بیشتر یہ دعا ہوتی تھی۔ اے اللہ ہمیں دنیا میں حسنہ عطا فرما اور آخرت میں حسنہ عطا فرما۔ اور نار کے عذاب[1] سے بچا۔

(بخاری و مسلم)

[1] یہ دعا تمام خیرات و حسنات کی جامع ہے۔ طالب صادق اگر حضور مناجات کے وقت خلوت و صفائی باطن کی حالت میں دنیوی اور اخروی اور ظاہری اور باطنی تمام حسنات و بھلائیوں کا تصور کر کے اللہ تعالیٰ سے مانگے اور چاہے اور اس بات کو جانے کہ سب کچھ اللہ تعالیٰ ہی عطا فرمانے والا ہے تو اُسے بہت زیادہ ذوق و شوق جمعیت و نورانیت اور سعادت حاصل ہوگی پھر حسنات کا سب سے اونچا اور اعلیٰ فرد یہ ہے کہ حسنہ سے دنیا میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع اور تحصیل کمال کا ارادہ کرے اور حسنہ آخرت سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور اللہ تعالیٰ کے جمال کے دیدار کا ارادہ کرے کیونکہ یہی معنیٰ اتم و اکمل ہے۔ اے اللہ ہمیں یہ سعادت عطا فرما۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِيْ

دوسری فصل

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رض قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدْعُوْ وَيَقُوْلُ رَبِّ أَعِنِّيْ وَلَا

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب دعا مانگتے تو یوں عرض کرتے یا رب میری

تُعِنْ عَلَيَّ وَانْصُرْنِيْ وَلَا تَنْصُرْ عَلَيَّ وَامْكُرْلِيْ وَلَا تَمْكُرْ عَلَيَّ وَاهْدِنِيْ وَيَسِّرِ الْهُدٰى لِيْ وَانْصُرْنِيْ عَلٰى مَنْ بَغٰى عَلَيَّ رَبِّ اجْعَلْنِيْ لَكَ شَاكِرًا لَّكَ ذَاكِرًا لَّكَ رَاهِبًا لَّكَ مِطْوَاعًا لَّكَ مُخْبِتًا اِلَيْكَ اَوَّاهًا مُّنِيْبًا رَبِّ تَقَبَّلْ تَوْبَتِيْ وَاغْسِلْ حَوْبَتِيْ وَاَجِبْ دَعْوَتِيْ وَثَبِّتْ حُجَّتِيْ وَسَدِّدْ لِسَانِيْ وَاهْدِ قَلْبِيْ وَاسْلُلْ سَخِيْمَةَ صَدْرِيْ۔
(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْدَاؤدَ وَابْنُ مَاجَةَ)

مدد کر[۱] میرے خلاف دوسروں کی مدد نہ کر[۲] مجھے مدد و نصرت عطا فرما میرے مقابل کسی کو مدد و نصرت نہ دے میرے لیے تدبیر[۳] فرما میرے خلاف تدبیر نہ فرما۔ مجھے ہدایت دے اور میرے لیے ہدایت آسان کر مجھے اُن پر فتح عطا فرما جو میرے خلاف بغاوت کریں۔ یارب مجھے اپنا بندہ شکر گزار[۴] اپنا ذکر کرنے والا اپنے سے خوف کرنے والا[۵] تیرا مطیع تیری طرف رجوع کرنے[۶] والا آہ زاری کرنے والا[۷]۔ تیری طرف لوٹنے والا بنا۔ یارب میری توبہ قبول کر میرے گناہ دھو دے[۸] میری دعا قبول فرما میری دلیل مضبوط کر میری زبان درست رکھ میرے دل کو ہدایت دے میرے سینے کی سیاہی[۹] دور کر دے۔

(ترمذی۔ ابوداؤد۔ ابن ماجہ)

۱؎ مجھے دین و دنیا میں میرے دشمن پر اور نفس و شیطان۔ جن و انس پر غلبہ عطا فرما۔

۲؎ یعنی اور اُن پر مجھے فتح اور کامیابی عطا فرما۔ انھیں مجھ پر فتح اور کامیابی نہ عطا کر۔ یہاں حدیث میں لفظ نصر آیا ہے یعنی مدد کرنا ہم نے یہاں مدد سے اُس کا اثر اور نتیجہ مراد لیا۔ تاکہ معنیٰ اعانت سے ذرا الگ معنیٰ سامنے آئے۔ لغت کی کتاب صراح میں نصر بمعنیٰ عطا بھی آیا ہے۔

۳؎ یعنی میرے دشمنوں کے لیے مجھے تدبیر عطا فرما، اور میری مدد فرما۔ میرے خلاف تدبیر نہ کر۔ یہاں حدیث میں لفظ مکر آیا ہے بمعنیٰ دھوکا اور خدا کے مکر سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ دشمنوں پر ایسی مصیبت مسلط کرے جس کا انہیں گمان نہ ہو جیسا کہ استدراج کے معنیٰ میں کہا گیا ہے۔ صراح میں کہا کہ مکر بمعنیٰ حیلہ اور بمعنیٰ بُرا سوچنا اور کسی پر فریفتہ ہونا۔

۴؎ یعنی مجھے ایسا بندہ شکر گزار بنا کہ میں تیری تمام نعمتوں کا شکر ادا کروں اور ہر حالت میں تیرے ذکر میں رہوں۔

۵؎ یعنی وہ ڈر عطا فرما جو تیری محبت اور تعظیم کی وجہ سے ہو اور وہ تیری فرماں برداری اور تیرے احکام کی بجا آوری کا شوق پیدا کرے۔ وحشت و نفرت کا خوف دل میں نہ ڈال جو کہ فرار اور فراق کا باعث بنے۔ دوسری روایات میں بطور مبالغہ یہ الفاظ آئے ہیں شکّارًا، ذکّارًا اور ہّابًا۔

۶؎ یہاں حدیث میں لفظ مُخْبِتْ آیا ہے یعنی تیرے حضور تواضع اور عاجزی کرنے والا یہ لفظ خبت سے بنا ہے

یعنی پست اور ریتلی زمین۔

ے یہاں حدیث میں لفظ اواہ آیا ہے و کی شد سے یعنی گناہوں کی وجہ سے بہت آہ و زاری کرنے والا اور ہر وہ کلام جو غم و حزن ظاہر کرے اُسے بھی آہ و زاری سے تعبیر کرتے ہیں اسی طرح اواہ کا معنیٰ دعا میں یقین کرنے والا مہربان نرم دل بہت نقہ جاننے والا مومن اور عاجزی کرنے والے کا بھی آتا ہے۔

ے یہاں حدیث میں لفظ حوبتی حا کی زبر اور پیش سے بمعنی گناہ ہے۔

ے تاکہ کھوٹ کینے حسد اور باقی تمام صفات ذمیمہ سے پاک اور صاف ہو جائے۔

وَعَنْ اَبِیْ بَكْرٍؓ قَالَ قَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ عَلَی الْمِنْبَرِ ثُمَّ بَكٰی فَقَالَ سَلُوا اللّٰهَ الْعَفْوَ وَالْعَافِیَةَ فَاِنَّ اَحَدًا لَّمْ یُعْطَ بَعْدَ الْیَقِیْنِ خَیْرًا مِّنَ الْعَافِیَةِ۔
(رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَابْنُ مَاجَةَ)
وَقَالَ مَاجَةَ وَقَالَ التِّرْمِذِیُّ هٰذَا حَدِیْثٌ حَسَنٌ غَرِیْبٌ اِسْنَادًا۔

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر تشریف فرما ہوئے پھر رو پڑے تو فرمایا اللہ تعالیٰ سے معافی اور امن[1] مانگو کیونکہ کسی کو ایمان کے بعد اس سے بہتر نعمت نہیں دی گئی[2]
(ترمذی۔ ابن ماجہ)
اور ترمذی نے فرمایا یہ حدیث اسناد کے لحاظ سے حسن غریب ہے۔

ے[1] یعنی گناہوں سے معافی اور فتنہ و بلا سے امن۔

ے[2] یعنی یقین و ایمان کے بعد امن و عافیت سے بہتر کوئی نعمت نہیں گویا حضور علیہ السلام کا گریہ اُمت کے فتنوں میں مبتلا ہونے کی وجہ سے تھا اور وہ فتنے یہ تھے کہ میری امت جنگ و قتال خواہش و حرص غفلت و تقصیرات اور بری عادات میں ملوث ہو گی۔ واللہ اعلم۔

وَعَنْ اَنَسٍؓ اَنَّ رَجُلًا جَاۗءَ اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَیُّ الدُّعَاۗءِ اَفْضَلُ قَالَ سَلْ رَبَّكَ الْعَافِیَةَ وَالْمُعَافَاةَ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ ثُمَّ اَتَاهُ فِی الْیَوْمِ الثَّانِیْ فَقَالَ

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے بے شک ایک شخص حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ کونسی دعا افضل[1] ہے فرمایا اپنے رب تعالیٰ سے دنیا اور آخرت میں امن و چین[2] مانگ پھر وہ دوسرے دن حاضر ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ

يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَيُّ الدُّعَآءِ اَفْضَلُ فَقَالَ لَهٗ مِثْلَ ذٰلِكَ ثُمَّ اَتَاهُ فِي الْيَوْمِ الثَّالِثِ فَقَالَ لَهٗ مِثْلَ ذٰلِكَ قَالَ فَاِذَا اُعْطِيْتَ الْعَافِيَةَ وَالْمُعَافَاةَ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ فَقَدْ اَفْلَحْتَ۔

کونسی دعا افضل ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی طرح پھر فرمایا۔ پھر وہ شخص تیسرے دن حاضر ہوا اور اسی طرح عرض کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب دنیا و آخرت میں امن و معافی دے دی جائے تو تو کامیاب ہو جائے گا۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ غَرِيْبٌ اِسْنَادًا۔

ترمذی نے فرمایا یہ حدیث حسن اور اسناد کے لحاظ سے غریب ہے۔

۱؎ اور بہتر اور نفع کے لحاظ سے بڑھ کر ہے۔

۲؎ یعنی ظاہری و باطنی آفات و بلیات سے امن و چین۔ کہ اللہ تعالیٰ تجھے لوگوں سے امن میں رکھے اور ان کا آزار تجھ سے دور کرے اور تیرے آزار سے انہیں بچائے تاکہ ہر ایک ایک دوسرے کے شر سے محفوظ رہے۔

وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ يَزِيْدَ الْخَطْمِيِّ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهٗ كَانَ يَقُوْلُ فِيْ دُعَآئِهٖ اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنِيْ حُبَّكَ وَحُبَّ مَنْ يَّنْفَعُنِيْ حُبُّهٗ عِنْدَكَ اَللّٰهُمَّ مَا رَزَقْتَنِيْ مِمَّا اُحِبُّ فَاجْعَلْهُ قُوَّةً لِّيْ فِيْمَا تُحِبُّ اَللّٰهُمَّ مَا زَوَيْتَ عَنِّيْ مِمَّا اُحِبُّ فَاجْعَلْهُ فَرَاغًا لِّيْ فِيْمَا تُحِبُّ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

حضرت عبداللہ بن یزید خطمی[۱] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ اپنی دعا میں فرمایا کرتے تھے۔ یا اللہ مجھے اپنی محبت نصیب کر اور اس کی محبت بھی جس کی محبت تیرے ہاں مجھے نفع دے۔ یا اللہ مجھے جو تو میری پسندیدہ چیز دے تو مجھے اس کی قوت بخش جسے تو پسند کرے[۲]۔ یا اللہ جو میری محبوب چیز مجھ سے دور رکھے تو اسے میرے لیے اپنی محبوب چیز میں فراغت بنا دے[۳]۔ (ترمذی)

۱؎ خا کی زبر طا ساکن۔ قبیلہ خطمہ کی طرف نسبت ہے جو کہ قبیلہ اوس کی ایک شاخ ہے آپ صحابی ہیں سترہ سال کی عمر میں حدیبیہ میں حاضر ہوئے۔

۲؎ یعنی مجھے اُسے توانائی کا سبب بنا دے جن چیزوں کو تو پسند کرتا ہے یعنی جو نعمتیں تو نے مجھے مال و عافیت اور

امن وچین کی شکل میں اور باقی نعمتیں بھی جو دنیا میں دی ہیں، انہیں شکر و طاعت کا باعث بنا۔

؎۳ یعنی جو چیز تو نے مجھ سے لے لی جو میں ان مذکورہ چیزوں میں چاہتا تھا تو اس چیز کو میرے لیے فارغ البالی کا سبب بنا اس چیز میں جسے تو چاہتا ہے تاکہ میں فارغ البالی سے بغیر رکاوٹوں اور موانع کے تیری عبادت میں مشغول رہوں۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ اگر دنیا کی کوئی چیز تو مجھے عطا کرے تو اس پر مجھے شکر کی توفیق عطا فرما تاکہ میں شکر گزار دولتمندوں میں سے بن جاؤں اور اگر کوئی محبوب چیز مجھ سے روک لے اور مجھے نہ دے تو میرے دل کو اس سے فارغ کر دینا۔ میرے دل کو اس سے لگنے نہ دینا تاکہ میں صابر فقیروں میں سے ہو جاؤں۔

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَؓ قَالَ قَلَّمَا كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْمُ مِنْ مَّجْلِسٍ حَتّٰى يَدْعُوَ بِهٰٓؤُلَاءِ الدَّعَوَاتِ لِاَصْحَابِهٖ اَللّٰهُمَّ اقْسِمْ لَنَا مِنْ خَشْيَتِكَ مَا تَحُوْلُ بِهٖ بَيْنَنَا وَ بَيْنَ مَعَاصِيْكَ وَ مِنْ طَاعَتِكَ مَا تُبَلِّغُنَا بِهٖ جَنَّتَكَ وَمِنَ الْيَقِيْنِ مَا تُهَوِّنُ بِهٖ عَلَيْنَا مُصِيْبَاتِ الدُّنْيَا وَمَتِّعْنَا بِاَسْمَاعِنَا وَ اَبْصَارِنَا وَ قُوَّتِنَا مَا اَحْيَيْتَنَا وَاجْعَلْهُ الْوَارِثَ مِنَّا وَاجْعَلْ ثَارَنَا عَلٰى مَنْ ظَلَمَنَا وَانْصُرْنَا عَلٰى مَنْ عَادَانَا وَلَا تَجْعَلْ مُصِيْبَتَنَا فِيْ دِيْنِنَا وَلَا تَجْعَلِ الدُّنْيَا اَكْبَرَ هَمِّنَا وَلَا مَبْلَغَ عِلْمِنَا وَلَا تُسَلِّطْ عَلَيْنَا مَنْ لَّا يَرْحَمُنَا۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بہت کم کسی مجلس سے اٹھتے تھے۔ یہاں تک کہ اپنے صحابہ کے لیے یہ دعائیں مانگ لیتے تھے یا الٰہی ہمیں اپنے خوف سے وہ حصہ عطا فرما جس سے تو ہمارے اور اپنی نافرمانیوں کے درمیان آڑ اور رکاوٹ بن جائے؎۱ اور ہمیں اپنی طاعت سے وہ حصہ عطا کر جس سے تو ہمیں اپنی جنت میں پہنچا دے اور یقین کا وہ حصہ نصیب فرما جس سے تو ہم پر دنیا کی مصیبتیں آسان کرے؎۲ اور ہمیں اپنی آنکھوں کانوں اور قوت؎۳ سے نفع دے جب تک تو ہمیں زندہ رکھے۔ اور اُسے ہمارا وارث بنا؎۴۔ اور ہمارا غضب وغصہ اُس پر ڈال جو ہم پر ظلم کرے؎۵ اور ہمیں اُن پر فتح دے جو ہم سے دشمنی کریں؎۶ اور ہمارے دین میں ہمارے اوپر مصیبت نہ ڈال اور دنیا کو ہمارا بڑا اور اہم مقصود نہ بنا؎۷ اور نہ ہمارے علم کا منتہا بنا اور ہم پر ایسا شخص مسلط نہ کر جو ہم پر رحم نہ کرے۔ (ترمذی)

وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ غَرِيْبٌ اور فرمایا یہ حدیث حسن غریب ہے۔

ؔ۱ یعنی جب ہم تیرے گناہ کا ارادہ کریں تو تیرا ڈر اور خوف درمیان میں رکاوٹ بن جائے اور ہمیں ایسا موقع فراہم نہ کرنے دے جس سے ہم گناہ میں پڑ جائیں۔

ؔ۲ مصیبت سختی اور غم کو کہتے ہیں جو کسی کو پہنچتا ہے۔

ؔ۳ بعض روایتوں میں قوت کی بجائے قوانا آیا ہے یعنی تاف کی پیش جمع قوت کہ دوسرے الفاظ میں اُسے حواس کہتے ہیں۔

ؔ۴ یعنی ہمارے اس جہان سے جانے کے بعد اُسے باقی اور موجود رکھ کیونکہ مردے کا وارث وہ ہوتا ہے جو اُس کے بعد باقی رہتا ہے۔ باقی رہنے سے مراد خیرات کے بارے میں اچھی وصیت بھی ہو سکتی ہے۔ یا مذکورہ چیزوں کو یعنی کانوں آنکھوں اور قوتوں کو وارث بنا۔ مطلب یہ کہ موت تک انہیں باقی رکھ۔ یعنی مدت حیات تک اعضاء و حواس کو سلامت رکھ۔

ؔ۵ یعنی ہمیں ظالموں پر قدرت عطا فرما یا ہماری طرف سے تو اُن پر اپنا غصہ ڈال بغیر اس کے کہ ہم اپنی کینہ کشی کا اظہار کریں۔ علماء فرماتے ہیں اس عبارت کا معنیٰ یہ ہے کہ ہماری کینہ کشی ظالموں کے لیے ہی خاص رکھ ایسا نہ ہو کہ ہم کینہ کشی میں حد سے بڑھیں اور غیر ظالم کو اُس کا نشانہ بنائیں جیسا کہ لوگ جاہلیت میں کرتے تھے کہ ظالم کے تعلق داروں کو بھی اپنے کینے کا نشانہ بناتے تھے اور ظالم کے قبیلے اور اُس کے خویش و اقارب کو بھی قتل کر دیتے اور مار دیتے تھے۔

ؔ۶ یعنی ہمارے دین و دنیا کے دشمن۔

ؔ۷ کہ ہم کامل طور پر دنیا کی فکر میں ہی ڈوب جائیں اور اُسی کی مہمات کے اہتمام میں لگے رہیں۔ اہم کا لفظ اس لیے فرمایا کہ کھانے پینے اور لباس وغیرہ دنیوی ضروریات سے تو کوئی بھی مستغنی نہیں ہے۔

وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ انْفَعْنِيْ بِمَا عَلَّمْتَنِيْ وَعَلِّمْنِيْ بِمَا يَنْفَعُنِيْ وَزِدْنِيْ عِلْمًا اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰى كُلِّ حَالٍ وَّاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ حَالِ اَهْلِ النَّارِ۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ فرمایا کرتے تھے یا اللہ تو مجھے اُس سے نفع دے جو تو نے مجھے سکھایا اور مجھے نافع چیزیں سکھا اور میرا علم زیادہ کر۔ ہر حال میں اللہ کا شکر ہے اور دوزخیوں کے حال سے اللہ تعالیٰ کی پناہ لیتا ہوں۔ ترمذی اور ابن ماجہ ترمذی نے فرمایا یہ حدیث اسناد کے لحاظ سے

غَرِیْبٌ اِسْنَادًا۔ غریب ہے۔

سلہ مجھے اس عمل کی توفیق عطا فرما۔

سلہ اس میں اس جانب اشارہ ہے جو وارد ہوا ہے کہ جو شخص اپنے سیکھے ہوئے علم کے مطابق عمل کرتا ہے اللہ تعالیٰ اُسے نا سیکھا ہوا علم عطا فرماتا ہے۔ جیسا کہ آگے فرمایا کہ یا اللہ میرا علم زیادہ کر۔

سلہ یعنی نعمت بلا شدت اور کشادگی ہر حالت میں خدا کا شکر ہے کیونکہ کوئی بھی حال اللہ تعالیٰ کے لطف مہربانی سے خالی نہیں وہ لطف و مہربانی ظاہر ہو یا پوشیدہ اور اُس کا کم سے کم لطف یہ ہے کہ اُس نے موجود مصیبت سے بڑھ کر زیادہ مصیبت میں مبتلا نہ کیا اس میں اُس بات کی دلیل بھی موجود ہے جو بعض عارفین نے کہی ہے کہ بلا اور مصیبت کے وقت وظیفہ جاری رکھنا بھی شکر ہے کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کے لطف خفی کا مشاہدہ ہے اور یہ جزا اور ثواب آخرت کو شامل ہے اور اس میں اللہ تعالیٰ کی صفات قہریہ جلالیہ کی بندے کو پہچان نصیب ہوتی ہے۔ مگر طبیعت اور بشریت کے ضعف کا لحاظ کرتے ہوئے صبر کے بیان پر کفایت کی گئی ہے۔

سلہ اس میں اشارہ ہے ایمان کی نعمت کے شکر کی جانب جو تمام نعمتوں کو شامل ہے اگر فرضاً دنیا میں ہمیشہ مصیبتوں میں ہی بندہ رہے تو آخرت میں آتش دوزخ سے نجات پانے کی نعمت ہی کافی اور بس ہے کہ بندہ اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا رہے۔

وَعَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِؓ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اُنْزِلَ عَلَيْهِ الْوَحْيُ سُمِعَ عِنْدَ وَجْهِهٖ دَوِيٌّ كَدَوِيِّ النَّحْلِ فَاُنْزِلَ عَلَيْهِ يَوْمًا فَمَكَثْنَا سَاعَةً فَسُرِّيَ عَنْهُ فَاسْتَقْبَلَ الْقِبْلَةَ وَرَفَعَ يَدَيْهِ وَقَالَ اللّٰهُمَّ زِدْنَا وَلَا تَنْقُصْنَا وَاَكْرِمْنَا وَلَا تُهِنَّا وَاَعْطِنَا وَلَا تَحْرِمْنَا وَاٰثِرْنَا وَلَا تُؤْثِرْ عَلَيْنَا وَاَرْضِنَا وَارْضَ عَنَّا ثُمَّ قَالَ اُنْزِلَ عَلَيَّ عَشْرُ اٰيَاتٍ مَّنْ

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر جب وحی نازل ہوتی تھی تو آپ کے چہرہ انور کے پاس شہد کی مکھیوں کی سی بھنبھناہٹ سنی جاتی تھی ایک دن آپ پر وحی نازل ہوئی تو ہم کچھ دیر ٹھہرے پھر وہ حالت جاتی رہیلہ تو حضور علیہ السلام نے قبلہ کی جانب منہ کیا دونوں ہاتھ اٹھائے اور دعا کی یا الٰہی ہم سب کو بڑھا دے گھٹا مت‌لہ ہمیں عزت دے ذلیل نہ کرلہ ہمیں عطائیں دے محروم نہ کر ہم کو ترجیح دے ہم پر اوروں کو ترجیح نہ دے ہمیں راضی کر ہم سے راضی ہو جالہ پھر فرمایا مجھ پر دس آیتیں اتری ہیں‌لہ جو انہیں قائم کرے گا یعنی اُن پر عمل کرے گا تو جنت

اَفَا مَهُنَّ دَخَلَ الْجَنَّةَ ثُمَّ قَرَءَ قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى خَتَمَ عَشْرَ اٰيَاتٍ۔

(رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ)

میں جائے گا۔ پھر تلاوت فرمائی۔ قد افلح المومنون سے دس آیتوں تک۔

(احمد، ترمذی)

۱؎ یہاں حدیث میں لفظ دوی د کی زبر واؤ کی زیر یا کی شد بمعنیٰ آواز۔ لفظ دوی الریح یعنی ہوا کی آواز۔ اسی طرح دوی نحل وطائر بھی آتا ہے یہ آواز یا تو وحی کی آواز تھی جسے صحابہ نے سنا مگر ان پر اس کا مطلب واضح طور پر منکشف نہ ہوا اور انہوں نے جو کچھ سنا اسے سمجھ نہ سکے جیسا کسی آدمی سے کوئی شخص گنگناہٹ سنے مگر مطلب نہ سمجھے یا یہ وہ آواز تھی جو حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے آپ کے سانس کی تنگی اور سختی کی آواز ہوتی تھی جو وحی کے بوجھ کی وجہ سے ہوتی تھی مگر اول معنیٰ سب سے ظاہر ہے۔ کیونکہ وحی کی آواز کی صفت گھنٹی کی آواز کی صفت سے بھی کی گئی ہے۔

۲؎ یعنی جو حالت عارض ہوئی تھی وہ ختم ہو گئی۔ یہ لفظ تسریہ سے بنا ہے یعنی غم کا دور ہو جانا۔

۳؎ یعنی دنیا اور آخرت کی نعمتیں زیادہ کر انہیں کم نہ کر۔

۴؎ یہ لفظ حدیث میں اہانت سے آیا ہے اور ہوان و مہانت سے بنا ہے جس کا معنیٰ ہے خواری، ذلت اور تنگ کرنا اور معمولی سمجھنا۔

۵؎ اور ہمیں اتنا دے کہ ہم راضی ہو جائیں اور تو بھی ہم سے راضی ہو جا یعنی ہمیں ایسے کاموں کی توفیق دے جو تیری رضا کا سبب بن جائیں رضا کا معنیٰ ہے خوش ہونا اور پسند کر لینا۔

۶؎ جو انہیں قائم کرتا ہے یعنی انہیں پڑھتا اور ان پر عمل کرتا ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

عَنْ عُثْمَانَ بْنِ حُنَيْفٍ قَالَ اِنَّ رَجُلًا ضَرِيْرَ الْبَصَرِ اَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ ادْعُ اللّٰهَ اَنْ يُّعَافِيَنِيْ فَقَالَ اِنْ شِئْتَ دَعَوْتُ وَاِنْ شِئْتَ صَبَرْتَ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكَ قَالَ فَادْعُهُ قَالَ فَاَمَرَهُ اَنْ

حضرت عثمان بن حنیف[۱] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں بے شک ایک نابینا شخص حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور عرض کیا حضور اللہ سے دعا کیجیے کہ مجھے آرام دے فرمایا اگر تو چاہے تو دعا کروں۔ اور اگر چاہے تو صبر کر۔ یہ صبر تیرے لیے اچھا ہے[۲] اس نے عرض کی حضور رب تعالیٰ سے دعا کریں[۳]۔

يَتَوَضَّأَ فَيُحْسِنَ الْوُضُوْءَ وَ يَدْعُوْ بِهٰذَا الدُّعَآءِ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْاَلُكَ وَاَتَوَجَّهُ اِلَيْكَ بِنَبِيِّكَ مُحَمَّدٍ نَّبِيِّ الرَّحْمَةِ اِنِّيْ تَوَجَّهْتُ بِكَ اِلٰى رَبِّيْ لِيَقْضِيَ لِيْ حَاجَتِيْ هٰذِهٖ اَللّٰهُمَّ فَشَفِّعْهُ فِيَّ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ) وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ غَرِيْبٌ۔

ملاقی فرماتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اُسے حکم دیا کہ اچھی طرح وضو کرے۔ اور یہ دعا کرے۔ یا اللہ میں تجھ سے مانگتا ہوں اور تیری طرف تیری رحمت والے نبی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے توسل سے متوجہ ہوتا ہوں یارسول اللہ میں آپ کے توسّل سے اپنے رب کی طرف متوجہ ہوتا ہوں تاکہ وہ میری یہ حاجت پوری کرے۔ الٰہی میرے بارے میں اُن کی شفاعت قبول کر (ترمذی) اور ترمذی نے فرمایا یہ حدیث حسن غریب ہے۔

لہ حا کی پیش نون کی زبر یا ساکن آپ صحابی ہیں انصار کے معززین میں سے ہیں آپ کا شمار اہل کوفہ میں ہوتا ہے۔

سلہ کیونکہ اس پر آخرت کا ثواب ملے گا کہ اس کا ثواب بہشت ہے۔ حدیث میں آیا ہے کہ خداوند تعالیٰ نے فرمایا۔ جس بندے کی آنکھیں میں لے لیتا ہوں اور وہ بندہ اُس پر صبر کرتا ہے تو میں اُس کے عوض اُسے بہشت دوں گا۔

سلہ اُس شخص نے کہا میں آنکھوں کی بیماری کا آرام چاہتا ہوں تو آپ خدائے تعالیٰ سے دعا کریں اُس نے یہ بات پریشانی اور بے صبری کی وجہ سے کہی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اُس کے لیے ثواب چاہتے تھے اسی لیے آپ اُس سے راضی نہ ہوئے اور اُس کے لیے دعا میں مشغول نہ ہوئے بلکہ اُسے یہی فرمایا کہ تو دعا کر تاہم جب آپ نے اُسے مجبور دیکھا تو اُسے دعا سکھلائی اور اپنے آپ کو شفیع اور وسیلہ قبولیت دعا بنایا جیسا کہ فرمایا۔

سکہ کہ آپ کو رحمۃ العالمین بنا کر بھیجا گیا ہے اور نبی الرحمت آپ کے ناموں میں سے ایک نام ہے۔

شہ یہ حضور علیہ السلام کو خطاب ہے اور بعض روایات میں صریحًا یا محمد اِنِّیْ تَوَجَّہْتُ بِکَ اِلٰی ربی یعنی اے محمد بے شک میں آپ کے طفیل اپنے رب کی طرف متوجہ ہوتا ہوں۔

سلہ یہاں کلمہ فی زیادہ آیا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے قول مبارک واصلح لی فی ذریتی میں۔

وَعَنْ اَبِي الدَّرْدَآءِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ مِنْ دُعَآءِ دَاؤُدَ

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ حضرت داؤد علیہ السلام کی دعا میں سے یہ دعا بھی تھی

يَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْاَلُكَ حُبَّكَ وَحُبَّ مَنْ يُّحِبُّكَ وَالْعَمَلَ الَّذِيْ يُبَلِّغُنِيْ حُبَّكَ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ حُبَّكَ اَحَبَّ اِلَيَّ مِنْ نَفْسِيْ وَمَالِيْ وَاَهْلِيْ وَمِنَ الْمَآءِ الْبَارِدِ وَقَالَ وَكَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا ذَكَرَ دَاوُدَ يُحَدِّثُ عَنْهُ يَقُوْلُ كَانَ اَعْبَدَ الْبَشَرِ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ غَرِيْبٌ)

کہ آپ عرض کیا کرتے تھے یا اللہ بے شک میں تجھ سے تیری رحمت اور اس کی محبت جو تجھ سے محبت کرتا ہے اور اس عمل کی محبت جو مجھے تیری محبت تک پہنچائے مانگتا ہوں۔ یا اللہ تو اپنی محبت میرے نزدیک میری ذات میرے مال اور میرے اہل اور ٹھنڈے پانی[1] سے بھی زیادہ کر دے حضرت ابو دردا فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب حضرت داؤد کا ذکر فرماتے اور اُن کی باتیں بیان فرماتے تو یوں کہتے کہ حضرت داؤد علیہ السلام اپنے زمانے میں تمام لوگوں سے زیادہ عبادت کرنے والے تھے اسے ترمذی نے روایت کیا اور فرمایا یہ حدیث حسن غریب ہے۔

[1] بعض روایات میں یہ الفاظ بھی آئے ہیں الی العطشان یعنی پیاسے آدمی کے نزدیک ٹھنڈے پانی کی محبت سے بھی زیادہ اپنی محبت میرے دل میں کر۔

وَعَنْ عَطَآءِ بْنِ السَّآئِبِ رضی اللہ عنہ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ صَلّٰى بِنَا عَمَّارُ بْنُ يَاسِرٍ صَلٰوةً فَاَوْجَزَ فِيْهَا فَقَالَ لَهٗ بَعْضُ الْقَوْمِ لَقَدْ خَفَّفْتَ وَاَوْجَزْتَ الصَّلٰوةَ فَقَالَ اَمَا عَلَيَّ ذٰلِكَ لَقَدْ دَعَوْتُ فِيْهَا بِدَعَوَاتٍ سَمِعْتُهُنَّ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا قَامَ تَبِعَهٗ رَجُلٌ مِّنَ الْقَوْمِ هُوَ اَبِيْ غَيْرَ اَنَّهٗ كَنٰى عَنْ نَّفْسِهٖ فَسَاَلَهٗ عَنِ الدُّعَآءِ ثُمَّ جَآءَ

حضرت عطاء بن السائب[1] سے روایت ہے وہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں فرماتے ہیں کہ ہمیں حضرت عمار ابن یاسر[2] نے نماز پڑھائی تو اس میں اختصار فرمایا اس پر اُن سے بعض لوگوں نے عرض کیا کہ آپ نے نماز بہت ہلکی اور مختصر پڑھی تو فرمایا مجھے اس کا کوئی نقصان نہیں میں نے اس میں وہ دعائیں مانگ لی ہیں جو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنی تھیں۔ جب آپ اُٹھے تو لوگوں میں سے ایک شخص آپ کے پیچھے چل پڑا وہ میرے والد[3] تھے ہاں انھوں نے اپنی ذات کو اشارۃً ذکر کیا۔ تو اُن سے وہ دعا پوچھی پھر آئے اور وہ دعا لوگوں کو بتائی کہ الٰہی

فَاَخْبَرَ بِهِ الْقَوْمَ اَللّٰهُمَّ بِعِلْمِكَ الْغَيْبَ وَقُدْرَتِكَ عَلَى الْخَلْقِ اَحْيِنِيْ مَا عَلِمْتَ الْحَيٰوةَ خَيْرًا لِّيْ وَ تَوَفَّنِيْ اِذَا عَلِمْتَ الْوَفَاةَ خَيْرًا لِّيْ اَللّٰهُمَّ اَسْأَلُكَ خَشْيَتَكَ فِي الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ وَ اَسْأَلُكَ كَلِمَةَ الْحَقِّ فِي الرِّضَا وَالْغَضَبِ وَ اَسْأَلُكَ الْقَصْدَ فِي الْفَقْرِ وَ الْغِنٰى وَ اَسْأَلُكَ نَعِيْمًا لَّا يَنْفَدُ وَ اَسْأَلُكَ قُرَّةَ عَيْنٍ لَّا تَنْقَطِعُ وَ اَسْأَلُكَ الرِّضَا بَعْدَ الْقَضَاءِ وَ اَسْأَلُكَ بَرْدَ الْعَيْشِ بَعْدَ الْمَوْتِ وَ اَسْأَلُكَ لَذَّةَ النَّظَرِ اِلٰى وَجْهِكَ وَالشَّوْقَ اِلٰى لِقَائِكَ فِيْ غَيْرِ ضَرَّاءَ مُضِرَّةٍ وَّلَا فِتْنَةٍ مُّضِلَّةٍ اَللّٰهُمَّ زَيِّنَّا بِزِيْنَةِ الْاِيْمَانِ وَاجْعَلْنَا هُدَاةً مُّهْتَدِيْنَ۔

(رَوَاهُ النَّسَائِيُّ)

اپنے علم غیب سے اور مخلوق اسا اپنی قدرت کے طفیل مجھے اس وقت تک زندہ رکھنا جب تک کہ زندگی کو میرے لیے بہتر جانے اور مجھے وفات دے دینا جب موت کو میرے لیے بہتر جانے الٰہی میں تجھ سے تیرا خوف مانگتا ہوں ظاہر و باطن میں اور تجھ سے خوشی و ناخوشی[ا] کی حالت میں سچی بات کی توفیق مانگتا ہوں اور تجھ سے امیری و غریبی میں میانہ روی[۲] مانگتا ہوں اور تجھ سے نہ ختم ہونے والی نعمت[۳] مانگتا ہوں اور تجھ سے آنکھ کی وہ ٹھنڈک مانگتا ہوں جو بند نہ ہو[۴] اور تجھ سے تقدیر کے بعد رضا مانگتا ہوں اور تجھ سے موت کے بعد ٹھنڈی اور چین کی زندگی مانگتا ہوں اور تجھ سے تیری ذات کو دیکھنے کی لذت[۵] اور تیری ملاقات[۶] کا شوق مانگتا ہوں۔ بغیر مضر چیز کے نقصان[۷] اور بغیر گمراہ کن فتنے[۸] کے یا اللہ ہمیں ایمان کی زینت سے آراستہ فرما اور ہمیں ہدایت دینے والا اور ہدایت[۹] یافتہ بنا۔

(نسائی)

لہ حضرت عطاء ثقہ تابعین میں سے ہیں یہ اپنے باپ حضرت سائب صحابی سے روایت کرتے ہیں۔

سلہ یعنی ہماری امامت کی۔

سلہ یعنی قراءت لمبی نہ کی یا زیادہ لمبی دعا نہ مانگی جیسا کہ انداز حدیث سے معلوم ہوتا ہے۔

سلہ ظاہر یہ ہے کہ یہ دعائیں آپ نے تشہد میں پڑھی ہوں گی اور یہ بھی احتمال ہے کہ شروع نماز میں ہی پڑھ لی ہوں یہ جواب اس صورت میں ہے جبکہ اختصار سے قراءت میں اختصار مراد ہو مطلب یہ ہوگا کہ میں نے اگر قراءت میں اختصار کیا ہے تو دعائیں زیادہ مانگ لی ہیں لہٰذا اس نقصان کی کمی میں نے پوری کر دی ہے اور اگر دعا میں اختصار مراد ہو تو

پھر مطلب ظاہر ہے یعنی میں نے وہ دعا مانگ لی ہے جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے میں نے سنی تھی اس لیے بات کرنے کی کوئی گنجائش نہیں۔

۵ یعنی حضرت عطاء نے بتایا کہ وہ میرے والد حضرت سائب تھے انہوں نے اپنا ذکر کنایہ کے طور پر کیا۔

۶ یعنی لوگوں کی رضامندی اور ان کے غصے کی حالت میں، مطلب یہ ہے کہ میں حق ہی کہوں مخلوق راضی ہو یا ناراض جیسا کہ کہا گیا ہے ہمیشہ حق بات ہی کہو اگرچہ وہ کڑوی ہی کیوں نہ ہو۔ یا اس سے مراد یہ ہے کہ لوگوں سے راضی ہونے کی حالت میں اور ان کے ناراض ہونے کی حالت میں میری زبان پر سچی بات ہی آئے۔ ایسا نہ ہو کہ جب میں اُن سے راضی ہوں تو اُن کی صفت وثنا کروں اور جب ناراض ہوں تو اُن کی برائی بیان کروں جیسا کہ عوام کی عادت ہے۔

۷ کہ نہ تو زیادہ غریب ہو جاؤں اور محنت و شفقت میں پڑ جاؤں اور نہ زیادہ امیر ہو جاؤں کہ اسراف و فضول خرچی شروع کر دوں۔ بزرگوں نے فرمایا ہے بقدر کفایت روزی فقر و غنا سے بہتر ہے۔

۸ یعنی بہشت کی نعمت یا دنیا کی ایسی نعمت جس کے خیر و بھلائی کے نشان تا ابد باقی رہیں۔

۹ مراد یہ ہے کہ میرے بعد میری اولاد باقی رہے جیسا کہ قرآن مجید میں فرمایا (وَهَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ) یا اللہ ہماری بیویوں اور ہماری اولاد کو ہمارے لیے آنکھوں کی ٹھنڈک بنا۔ یا ہمیں پابند نماز بنا۔ اور اس کا ثواب ہمارے لیے ہمیشہ باقی رکھ۔ جیسا کہ حدیث پاک میں فرمایا گیا میرے لیے میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں رکھی گئی ہے۔ آنکھوں کی ٹھنڈک یعنی آنکھوں کا سرور و قرار اور محبوب کو دیکھنا جس سے آنکھ قرار اور ٹھنڈک پاتی ہے اور اُسے دائیں بائیں دیکھنے کی حاجت نہیں رہتی۔

۱۰ اگر آنکھ سے دیکھنا مراد ہو تو پھر یہ لذت آخرت میں نصیب ہوگی اور اگر دل کی آنکھ سے دیکھنا مراد ہو تو پھر یہ لذت دنیا میں بھی حاصل ہے۔

۱۱ یعنی ایسی موت جو مجھے تیرے وصال سے ہمکنار کر دے۔

۱۲ اس کا تعلق یا تو شوق ملاقات سے ہے مراد یہ ہے کہ میں ایسا شوق چاہتا ہوں جو میری طریقت کے سیر و سلوک میں مجھے نقصان نہ پہنچائے بلکہ احکام شرعی کی رعایت اور طریق ادب کے مطابق استقامت سے بہرہ ور ہو کیونکہ جو شوق سالک کو غلبہ حال کے وقت نقصان پہنچائے اور بے ہوشی میں غیر شرعی حرکات میں مبتلا کرے مجھے اُس سے محفوظ رکھ۔

۱۳ اس کا تعلق یا تو اس سے ہے جو پیچھے فرمایا کہ مجھے زندگی عطا فرما تا کہ یہ لفظ سب الفاظ سے متعلق ہو جائے یعنی مجھے ان مذکورہ تمام نعمتوں کے ساتھ زندہ رکھ۔ اور اس غربت میں بھی زندہ رکھ جس میں مجھے صبر نصیب ہو اور میں تیری شکر گزاری میں رہوں۔

۱۴ یعنی جس طرح ہم دوسروں کو راستہ دکھائیں خود بھی راہ راست پر قائم رہیں اور اُن لوگوں میں سے نہ ہوں جن کے بارے میں قرآن حکیم میں فرمایا (لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ) اے لوگو ایسی بات کیوں کہتے ہو جو خود نہیں کرتے۔

وَعَنْ اُمِّ سَلَمَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقُوْلُ فِيْ دُبُرِ الْفَجْرِ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْاَلُكَ عِلْمًا نَّافِعًا وَّ عَمَلًا مُّتَقَبَّلًا وَّ رِزْقًا طَيِّبًا۔

(رَوَاهُ اَحْمَدُ وَابْنُ مَاجَةَ وَ الْبَيْهَقِيُّ فِي الدَّعَوَاتِ الْكَبِيْرِ)

حضرت ام سلمیٰ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔ بے شک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نماز[۱] فجر کے بعد یہ کہا کرتے تھے الٰہی میں تجھ سے نفع بخش علم مقبول عمل اور حلال وطیب[۲] روزی مانگتا ہوں۔

احمد۔ ابن ماجہ بیہقی دعوات کبیر میں

۱ بعض روایتوں میں فجر کے بعد کا لفظ آیا ہے۔ یعنی بَعْدَ الْفَجْرِ

۲ یہاں نماز فجر کا ذکر اتفاقی ہے۔ یا راوی نے اس وقت دعا کے یہ الفاظ سنے یا فجر کی نماز کی تخصیص اس وجہ سے ہے کہ جب دن کی ابتداء علم وعمل اور حصول رزق طیب سے ہوگی تو دن نیکیوں اور خیر میں گزرے گا۔

وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ دُعَاءٌ حَفِظْتُهُ مِنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا اَدَعُهُ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِيْ اُعْظِمُ شُكْرَكَ وَ اُكْثِرُ ذِكْرَكَ وَ اَتَّبِعُ نُصْحَكَ وَ اَحْفَظُ وَصِيَّتَكَ۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک دعا ایسی یاد کی ہے جسے میں کبھی نہیں چھوڑتا یعنی الٰہی مجھے ایسا کردے کہ تیرا بہت ہی شکر[۱] کروں اور تیرا بہت ہی ذکر کروں اور تیری نصیحت[۲] کی پیروی کروں اور تیری وصیت کی حفاظت کروں۔

(ترمذی)

۱ یہاں حدیث میں لفظ اعظم آیا ہے جو اعظام اور تعظیم دونوں طرح ضبط کیا گیا ہے۔ اسی طرح لفظ اکثر دونوں طرح پڑھا گیا ہے یعنی اکثار سے یا تکثیر سے

۲ نصیحت کا معنیٰ خالص ہونے کا ہے۔ چنانچہ کہتے ہیں عَسَلِ نَاصِح یعنی شہد خالص۔ یعنی تیرے حقوق کے ادا کرنے میں صدق وخلوص کے راستے پر گامزن رہوں اور تو نے جو وصیتیں فرمائی ہیں ان کی حفاظت کروں اُن کے حقوق پورے کروں۔ علامہ طیبی نے فرمایا لفظ نصح اور وصیت جو حدیث میں آئے ہیں، دونوں کا ایک ہی معنیٰ ہے۔

وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے

قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَسْأَلُكَ الصِّحَّةَ وَالْعِفَّةَ وَالْأَمَانَةَ وَحُسْنَ الْخُلُقِ وَالرِّضَا بِالْقَدَرِ۔

روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا کیا کرتے تھے یا اللہ میں تجھ سے صحت[1] پاک دامنی[2]، امانت[3] حسن اخلاق اور تقدیر پر راضی رہنا مانگتا ہوں۔

[1] یعنی صحت بدن۔

[2] یعنی حرام اور گداگری سے پاک رہنا۔

[3] یعنی لوگوں کے مالوں میں یا تمام حقوق شرعی میں۔

وَعَنْ أُمِّ مَعْبَدٍ[1] قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اللّٰهُمَّ طَهِّرْ قَلْبِيْ مِنَ النِّفَاقِ وَعَمَلِيْ مِنَ الرِّيَاءِ وَلِسَانِيْ مِنَ الْكَذِبِ وَعَيْنِيْ مِنَ الْخِيَانَةِ فَإِنَّكَ تَعْلَمُ خَائِنَةَ الْأَعْيُنِ وَمَا تُخْفِي الصُّدُوْرُ۔

حضرت ام معبد رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ دعا کرتے سنا یا اللہ میرے دل کو نفاق[2] سے پاک کر اور میرے عمل کو ریا[3] سے میری زبان کو جھوٹ سے اور میری آنکھ کو خیانت[4] سے پاک کر بے شک تو خیانت کرنے والی آنکھ کو جانتا ہے اور اُن چیزوں کو بھی جانتا ہے جنہیں سینے اپنے اندر[5] چھپا کر رکھتے ہیں۔

(رَوَاهُمَا الْبَيْهَقِيُّ فِي الدَّعَوَاتِ الْكَبِيْرِ)

ان دونوں حدیثوں کو بیہقی نے دعوات کبیر میں روایت کیا۔

[1] یہ دو عورتوں کے نام ہیں اور دونوں صحابیہ ہیں، ایک تو وہ ہیں کہ سفر ہجرت میں حضور نبی پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اُن کے پاس نزول فرمایا۔ دوسری بنت کعب بن مالک ہے ظاہر یہ ہے کہ یہاں دوسری مراد ہے۔ واللہ اعلم۔

[2] اور اس کی صفات اور علامتوں سے بھی پاک کر۔

[3] اپنا نیک عمل لوگوں کو دکھلانا۔

[4] یعنی نظر حرام سے، صراح میں ہے خیانت بمعنی غلط دوی اور کسی کا حق کم کرنا۔

[5] یعنی شہوت اور گناہوں کے ارادے سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے خائنۃ الاعین کی تفسیر میں مروی ہے کہ مثلاً مردوں کی ایک جماعت بیٹھی ہو کہ اچانک کوئی عورت اُن کے سامنے سے گزرے اور وہ ایک دوسرے کے شرم

کی وجہ سے اُس عورت کو نہ دیکھیں اور جب وہ سب اپنی آنکھیں بند کرلیں تو ایک آدمی اپنی آنکھ اٹھا کر اُن سے چوری چوری اُس کو دیکھے تو یہ نگاہ کی خیانت ہوگی۔

وَعَنْ اَنَسٍؓ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَادَ رَجُلًا مِّنَ الْمُسْلِمِيْنَ قَدْ خَفَتَ فَصَارَ مِثْلَ الْفَرْخِ فَقَالَ لَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَلْ كُنْتَ تَدْعُو اللّٰهَ بِشَيْءٍ اَوْ تَسْاَلُهٗ اِيَّاهُ قَالَ نَعَمْ كُنْتُ اَقُوْلُ اللّٰهُمَّ مَا كُنْتَ مُعَاقِبِيْ بِهٖ فِي الْاٰخِرَةِ فَعَجِّلْهُ لِيْ فِي الدُّنْيَا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سُبْحَانَ اللّٰهِ لَا تُطِيْقُهٗ وَلَا تَسْتَطِيْعُهٗ اَفَلَا قُلْتَ اللّٰهُمَّ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ قَالَ فَدَعَا اللّٰهَ بِهٖ فَشَفَاهُ اللّٰهُ۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مسلمان کی بیمار پرسی کی جو بہت کمزور[1] ہو چکا تھا گویا چوزے کی طرح ہوگیا تھا۔ اُس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا تو اللہ تعالیٰ سے کوئی خاص دعا کیا کرتا تھا[2] یا کوئی خاص چیز مانگا کرتا تھا اُس نے عرض کیا ہاں میں یہ کہتا تھا الٰہی تو جو سزا مجھے آخرت میں دینے والا ہے وہ مجھے دنیا ہی میں دے دے اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سبحان اللہ تو اُس کی طاقت اور قدرت نہیں رکھتا تو نے یہ کیوں نہ کہا خدایا ہمیں دنیا میں بھلائی دے اور ہمیں آخرت میں بھلائی دے اور ہمیں آگ کے عذاب سے بچالے۔ فرماتے ہیں اُس شخص نے اللہ تعالیٰ سے یہی دعا مانگی تو اللہ نے اُسے شفا بخش دی۔

(مسلم)

[1] یہاں تک کہ اُس کی آواز بھی سنائی نہ دیتی تھی۔ حدیث میں لفظ خفت آیا ہے بمعنی پستی اور آواز کا بیٹھ جانا کہتے ہیں۔ خفت المیت جبکہ مرنے والا خاموش ہو جائے اور کلام کرنا بند کر دے۔

[2] یہاں کلمہ یا میں شک کا احتمال بھی ہے یہ بھی ہو سکتا ہے کہ دو مختلف چیزیں بیان کرنا مطلوب ہوں

وَعَنْ حُذَيْفَةَؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَنْبَغِيْ لِلْمُؤْمِنِ اَنْ يُّذِلَّ

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مومن کو لائق نہیں کہ اپنے آپ کو ذلیل کرے لوگوں

نَفْسَهٗ قَالُوْا وَكَيْفَ يُذِلُّ نَفْسَهٗ قَالَ يَتَعَرَّضُ مِنَ الْبَلَآءِ لِمَا لَا يُطِيْقُ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَالْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْإِيْمَانِ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ غَرِيْبٌ)

نے پوچھا حضور ذلیل کرنے سے کیا مراد ہے فرمایا کہ اپنے آپ کو اُن آفتوں پر پیش کرے جن کی طاقت نہ رکھتا ہو۔

ترمذی۔ ابن ماجہ۔ بیہقی۔ شعب الایمان اور ترمذی نے فرمایا یہ حدیث حسن غریب ہے

وَعَنْ عُمَرَ قَالَ عَلَّمَنِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ قُلِ اللّٰهُمَّ اجْعَلْ سَرِيْرَتِيْ خَيْرًا مِّنْ عَلَانِيَتِيْ وَاجْعَلْ عَلَانِيَتِيْ صَالِحَةً اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْأَلُكَ مِنْ صَالِحِ مَا تُؤْتِي النَّاسَ مِنَ الْاَهْلِ وَالْمَالِ وَالْوَلَدِ غَيْرِ الضَّآلِّ وَالْمُضِلِّ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے سکھایا اور فرمایا یوں کہو یا اللہ میرے باطن کو میرے ظاہر سے بہتر بنا۔ اور میرے ظاہر کو نیک بنا[1]۔ اے اللہ بے شک میں تجھ سے وہ نیک ترین چیز مانگتا ہوں جو تو لوگوں کو اہل۔ مال اور اولاد میں سے دیتا ہے جو نہ گمراہ ہو اور نہ گمراہ کن ہو۔ (ترمذی)

[1] یہ اس لیے فرمایا کہ شاید کہ باطن ظاہر سے بہتر ہو جائے مگر ساتھ ہی فرما دیا کہ ظاہر بھی نیک ہو اور باطن اُس سے بھی نیک ہو۔

[2] اللہ تبارک وتعالیٰ جو عطائیں کرنے والا ہے اُس کی توفیق سے کتاب الدعوات مکمل ہوگئی۔ اس کے بعد اس سے متصل کتاب المناسک ہے۔

کِتَابُ الْمَنَاسِكِ

احکامِ حج کا بیان

لفظ مناسک منسک سین کی زبر یا سین کی زیر سے بمعنیٰ قربانی کرنا قربانی کی جگہ اور قربانی کا مکان اور اگر یہ کلمہ نسک نون اور سین کی پیش سے مشتق ہو تو بمعنیٰ عبادت ہوگا اور منسک بمعنیٰ جائے ذبح بھی آتا ہے۔ نسکیہ ذبیحہ کو کہتے ہیں اس لفظ کا اکثر استعمال حج کے امور کے لیے ہوتا ہے اور لفظ حج میں حا کی زبر اور زیر دونوں لغات آئی ہیں اور دونوں طرح پڑھا گیا ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے قول مبارک وَلِلّٰہِ عَلَی النَّاسِ حِجُّ الْبَیْتِ اس آیت میں حج ابیت اور حج البیت دونوں طرح پڑھا گیا ہے۔

صحیح یہ ہے کہ حج ہجرت کے بعد فرض ہوا حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ہجرت سے پہلے حج کرنے کا جو ذکر آیا ہے تو وہ دورِ جاہلیت میں قریش کی عادت کے طور پر آیا ہے کہ وہ لوگ زمانہ جاہلیت میں حج کرتے تھے جمہور علماء اس پر ہیں کہ ہجرت کے چھٹے سال حج فرض ہوا۔ علماء کا ایک گروہ اس پر ہے کہ ۹ھ ہجری میں حج فرض ہوا اور اسی سال میں خود حضور نبی کریم اسباب سفرِ حج کی تیاری میں مصروف ہوئے تھے۔ لیکن غزوات، احکام شریعت کی پختگی اور مختلف وفود کو تعلیم دینے کی مصروفیت کی بناء پر اس سال حج کو نہ جا سکے تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ امیر الحاج بنا کر مکہ شریف بھیجا تاکہ لوگوں کے ساتھ حج ادا کریں، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پیچھے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو بھیجا جب حضرت علی وہاں پہنچے تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ آپ امیر بن کر آئے ہیں یا میرے ماتحت بن کر آئے ہیں آپ نے عرض کیا بلکہ میں آپ کے ماتحت رہنے کے لیے آیا ہوں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو اور مصلحت کے لیے بھیجا تھا وہ یہ تھی کہ آپ مجمع حج میں لوگوں کے سامنے سورۃ توبہ کی تلاوت کریں اور منافقین کے ساتھ کیے گئے معاہدوں کو توڑ ڈالیں اور معاہدہ توڑنے کے لیے اہل بیت میں سے آدمی ہونا چاہیے۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ — پہلی فصل

عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ خَطَبَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں ہمارے سامنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

فَقَالَ يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ فُرِضَ عَلَيْكُمُ الْحَجُّ فَحُجُّوْا فَقَالَ رَجُلٌ أَكُلَّ عَامٍ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَسَكَتَ حَتّٰى قَالَهَا ثَلٰثًا فَقَالَ لَوْ قُلْتُ نَعَمْ لَوَجَبَتْ وَلَمَا اسْتَطَعْتُمْ ثُمَّ قَالَ ذَرُوْنِيْ مَا تَرَكْتُكُمْ فَإِنَّمَا هَلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ بِكَثْرَةِ سُؤَالِهِمْ وَاخْتِلَافِهِمْ عَلٰى أَنْبِيَائِهِمْ فَإِذَا أَمَرْتُكُمْ بِشَيْءٍ فَأْتُوْا مِنْهُ مَا اسْتَطَعْتُمْ وَإِذَا نَهَيْتُكُمْ عَنْ شَيْءٍ فَدَعُوْهُ۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

نے خطبہ پڑھا تو فرمایا اے لوگو تم پر حج فرض کر دیا گیا ہے تو حج کرو۔ ایک شخص[1] نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا ہر سال[2] حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام خاموش رہے یہاں تک کہ اس شخص نے تین بار کہا تو فرمایا اگر میں ہاں کہہ دیتا تو ہر سال واجب[3] ہو جاتا اور تم نہ کر سکتے پھر فرمایا مجھے چھوڑے رہو جس کام میں میں تم کو آزادی[4] دیے رکھوں کہ تم سے اگلے لوگ اپنے نبیوں سے زیادہ پوچھ گچھ اور زیادہ جھگڑنے کی وجہ سے ہی ہلاک ہوئے[5]۔ اس لیے جب میں تمہیں کسی چیز کا حکم دوں تو جہاں تک ہو سکے اسے کرو[6] اور جب تمہیں کسی چیز سے منع کروں۔ تو اسے چھوڑ دو۔ (مسلم)

[1] یہ عرض کرنے والے حضرت اقرع بن حابس تھے۔

[2] گویا اس مرد نے دوسرے فرائض پر قیاس کیا تھا جو بار بار کیے جاتے ہیں۔

[3] اس حدیث کا ظاہر یہ ہے کہ شرعی احکام حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے کر دیے گئے ہیں یعنی آپ جو کچھ فرمائیں وہی شرعی حکم بن جاتا ہے جیسا کہ بعض لوگوں کا مذہب یہی ہے۔ چنانچہ بعض روایتوں میں آیا ہے کہ اس مرد سے فرمایا گیا تجھے دوبارہ جواب دیا جائے گا کیونکہ قول عام ہے وحی سے ہو یا اپنی طرف سے اسے سمجھ لو۔

[4] یعنی مجھ سے یہ سوال نہ کرو کہ کتنا ہے اور کیوں ہے جب تک کہ میں اس تفسیر میں نہ جاؤں اور میں خود بیان نہ کر دوں کہ کتنا ہے اور کیوں ہے یعنی جو کچھ میں کہوں تم اسے کرو۔ اگر میں مطلق حکم دوں بغیر کسی قید کے قائم سے مطابق عمل کرو۔ اور اگر میں یہ کہوں کہ اتنی بات کرو یا اس طرح کرو تو پھر اس کے مطابق کرو۔ کیونکہ مجھے شرعی احکام کے بیان کرنے کے لیے بھیجا گیا اور شرعی احکام کی تبلیغ کے لیے مبعوث کیا گیا ہے جو کچھ ہے میں اسے خود بیان کروں گا۔ تمہارے پوچھنے کی کوئی ضرورت نہیں۔

[5] جیسا کہ بنی اسرائیل کے واقعات منقول ہیں۔

[6] یہ احکام الٰہیہ کے ادا کرنے میں مبالغہ اور تاکید ہے اور یہ بات بھی بیان کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری میں اپنی پوری طاقت خرچ کر دو یا جہاں تک تم میں طاقت ہے اس لفظ میں آسانی اور رفع حرج کی جانب اشارہ ہے جیسا کہ نماز اس کے ارکان اور شرائط وغیرہ میں ہے کہ جب کسی رکن یا شرط کے بجا لانے سے عاجز ہو تو اس حد تک کرو

جتنا کہ کر سکتے ہو۔ یہ کرنے کے احکام میں ہے نہ کرنے کے احکام میں چاہیے کہ احتیاط کرے اور نہ کرنے میں پوری کوشش صرف کرے جہاں تک کہ وہ کر سکتا ہے جیسا کہ اپنے قول مبارک سے حضور نے اس جانب اشارہ کیا۔

وَعَنْهُ قَالَ سُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَيُّ الْعَمَلِ اَفْضَلُ قَالَ اِيْمَانٌ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ قِيْلَ ثُمَّ مَاذَا؟ قَالَ الْجِهَادُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ قِيْلَ ثُمَّ مَاذَا؟ قَالَ حَجٌّ مَبْرُوْرٌ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا بہتر عمل کونسا ہے فرمایا اللہ اور اُس کے رسول پر ایمان لانا۔ عرض کیا گیا پھر کونسا عمل بہتر ہے فرمایا اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کرنا عرض کیا گیا پھر کونسا فرمایا حج۔[1] (بخاری و مسلم)

[1] واضح ہو کہ حج مبرور کونسا ہوتا ہے۔ علماء نے اس کی وضاحت میں فرمایا ہے حج مبرور وہ ہے جس میں حاجی خلاف شرع چیزوں کا ارتکاب نہ کرے اور نہ ہی ریا اور نمائش کا دل میں خیال آئے یہ صحیح ہے۔ مگر زیادہ صحیح یہ ہے کہ حج مبرور سے وہ حج مراد ہے جو خدائے تعالیٰ کی درگاہ میں قبول ہو جائے اور اگرچہ قبولیت کا حج سبب وہی ہے جو علماء نے بیان فرمایا ہے کہ ممنوعات سے بچے لیکن خدا کا فضل بہت وسیع ہے وہ کبھی بندے کی نیکی قبول کر لیتا ہے اور اُس کے گناہوں اور تقصیرات سے درگزر فرما دیتا ہے۔ علمائے کرام نے یہ بھی فرمایا ہے کہ حج مبرور کی نشانی یہ ہے کہ حج سے واپس آنے کے بعد اُس کی عملی حالت پہلے سے بہتر ہو چکی ہو۔ اور آخرت کی طرف رغبت بڑھ چکی ہو۔ دنیا سے بے رغبتی میں اضافہ ہو چکا ہو اور گناہوں کی طرف جانے کا خیال دوبارہ اُس میں نہ آئے۔

تنبیہ۔ احادیث افضل اعمال کے بیان میں مختلف ہیں اُن میں موافقت کی وجہ جہات، حیثیات مقامات سوال کرنے والوں اور مخاطبین کے حال کا اختلاف ہے۔ جیسا کہ کتاب الصلوٰۃ کے ابتداء میں ہم اس جانب اشارہ کر چکے ہیں اس کو ذہن نشین کر لو۔

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ حَجَّ لِلّٰهِ فَلَمْ يَرْفُثْ وَلَمْ يَفْسُقْ رَجَعَ كَيَوْمٍ وَّلَدَتْهُ اُمُّهٗ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے اللہ کے لیے حج کیا اس میں کوئی فحش کلامی[1] نہ کی نہ فسق کی باتیں کیں تو حج سے ایسا ہو کر واپس لوٹے گا جیسے اُسے ماں نے آج ہی جنا۔ (بخاری و مسلم)

لہ یعنی جس نے صرف خدا کے لیے حج کیا دکھلاوے یا کسی اور غرض کے لیے نہ کیا پھر اس نے رفث یعنی فحش کلامی نہ کی۔ اور فسق کا مرتکب نہ ہوا۔ رفث را اور فا کی زبر سے یعنی عورت سے مجامعت کرنا اور عورتوں سے مجامعت کی حالت میں ننگی باتیں کرنا۔ اور بنایہ میں فرمایا وہ رفث جس سے منع کیا گیا ہے یہ ہے کہ عورت کو مخاطب کر کے فحش اور بے حیائی کی بات کی جائے اگر عورت کو سنانے کے بغیر کوئی ایسی بات کرے تو یہ رفث نہ ہوگا اور فسوق سے مراد یہ ہے کہ انسان شرع کی حدود سے نکل کر حرام کا ارتکاب کرے۔ قرآن مجید میں حج کے دوران جدال سے منع کیا گیا ہے۔ جدال سے مراد یہ ہے کہ اپنے رفیقوں خادموں سے لڑے جھگڑے اور ایک دوسرے کو گالیاں دیں۔ اس حدیث میں جدال کا ذکر نہیں آیا گویا اسے بھی فسوق میں داخل فرمایا۔

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْعُمْرَةُ اِلَى الْعُمْرَةِ كَفَّارَةٌ لِّمَا بَيْنَهُمَا وَالْحَجُّ الْمَبْرُوْرُ لَيْسَ لَهٗ جَزَآءٌ اِلَّا الْجَنَّةَ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک عمرہ دوسرے عمرے تک کفارہ[لہ] بن جاتا ہے ان کے درمیانی مدت کے لیے یعنی ان دونوں کے درمیان ہونے والے گناہ معاف کر دیے جاتے ہیں اور حج مبرور کی جزا اور اس کا بدلہ جنت کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ (بخاری و مسلم)

لہ جیسا کہ وضو نماز اور رمضان شریف کے بارے میں بھی وارد ہوا ہے۔ علمائے کرام وہاں صغیرہ گناہوں سے خاص کرتے ہیں۔ ظاہر یہ ہے کہ یہاں بھی صغیرہ گناہ ہی مراد ہیں۔ کبیرہ گناہوں کی معافی حج کے ساتھ خاص ہے۔ اسے سمجھ لو۔

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ عُمْرَةً فِيْ رَمَضَانَ تَعْدِلُ حَجَّةً۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک رمضان شریف میں عمرہ کرنا حج کے برابر ہے[لہ]۔ (بخاری و مسلم)

لہ یعنی ثواب میں اور بعض روایتوں میں آیا ہے کہ یہ عمرہ اس حج کے برابر ہے جو اس نے حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ کیا۔ یہ مبالغہ ہے اور اس میں ناقص کو کامل سے لاحق کیا گیا ہے جیسا کہ اس طرح کی دوسری مثالوں میں بھی واقع ہوا ہے۔

وَعَنْهُ قَالَ اِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَقِيَ رَكْبًا

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے فرماتے ہیں بے شک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

بِالرَّوْحَاءِ فَقَالَ مَنِ الْقَوْمُ قَالُوْا الْمُسْلِمُوْنَ فَقَالُوْا مَنْ اَنْتَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ فَرَفَعَتْ اِلَيْهِ امْرَاَةٌ صَبِيًّا فَقَالَتْ اَلِهٰذَا حَجٌّ قَالَ نَعَمْ وَلَكِ اَجْرٌ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

مقام روحا[1] میں کچھ سواروں سے ملے فرمایا یہ کون لوگ ہیں انہوں نے عرض کیا ہم مسلمان ہیں پھر وہ بولے آپ کون ہیں فرمایا اللہ کا رسول ہوں تب آپ کی خدمت میں کسی عورت نے ایک بچہ آپ کی طرف اٹھایا اور بولی کیا اس کا بھی حج ہو سکتا ہے[2] فرمایا ہاں اور ثواب تجھے ملے گا۔ (مسلم)

[1] یعنی را کی زبر واو ساکن حا کی مد سے یہ ایک جگہ کا نام ہے۔ جو مدینہ منورہ سے جانب مکہ تین منزل کے فاصلے پر ہے۔

[2] یعنی اگر بچہ حج کرے تو اسے اجر و ثواب ملے گا حالانکہ یہ بالغ نہیں ہے نہ اس پر حج فرض ہے۔ آپ نے فرمایا ہاں اور اسے بھی ثواب ملے گا اور تجھے بھی کیونکہ تو نے اسے اٹھایا ہوا ہے اور اٹھا کرے جا رہی ہے اس کی دیکھ بھال کر رہی ہے مگر یہاں مسئلہ یہ ہے کہ اگر بچہ نابالغی کی حالت میں حج کرے تو اس پر بالغ ہونے کے بعد حج فرض ہوگا۔ اسی طرح غلام اگر آزاد ہو جائے تو پھر اس پر حج فرض ہوگا مگر فقیر اگر حج کرے تو وہ فرض کی ادائیگی میں شمار ہوگا اور امیر ہونے کے بعد اس پر حج کرنا فرض نہ ہوگا۔

وَعَنْهُ قَالَ اِنَّ امْرَاَةً مِّنْ خَثْعَمَ قَالَتْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ فَرِيْضَةَ اللّٰهِ عَلٰى عِبَادِهٖ فِي الْحَجِّ اَدْرَكَتْ اَبِيْ شَيْخًا كَبِيْرًا لَا يَثْبُتُ عَلَى الرَّاحِلَةِ اَفَاَحُجُّ عَنْهُ قَالَ نَعَمْ وَذٰلِكَ فِيْ حَجَّةِ الْوَدَاعِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے فرماتے ہیں بے شک قبیلہ خثعم[1] کی ایک عورت نے عرض کیا یا رسول اللہ اللہ کے فریضہ میں جو کہ حج ہے اس نے میرے باپ کو بہت بڑھاپے میں پایا ہے جو سواری پر بیٹھ نہیں سکتا تو کیا میں اس کی طرف سے حج کر سکتی ہوں فرمایا ہاں[2] اور یہ واقعہ حجۃ الوداع میں ہوا۔ (بخاری و مسلم)

[1] خا کی زبر پھر عین کی زبر یہ ایک قبیلے کا نام ہے۔

[2] مسئلہ یہ ہے کہ غیر کی جانب سے اگر اس پر حج فرض ہو تو کرنا جائز ہے جبکہ وہ خود عاجز ہو اور اس کا یہ عجز موت تک باقی رہے اور وہ غیر کو حج پر بھیجنے والے کو حکم دے اور خرچہ بھی دے اور موت کے بعد اگر وصیت کر جائے تو بھی اس کی طرف سے حج کیا جائے۔ اور اگر نفل ہو تو خود حج کی قدرت کے باوجود دوسرے کو اپنی طرف سے بھیجنا مطلقاً جائز ہے بعض روایات میں آیا ہے کہ والدین کی طرف سے ان کے حکم دینے اور ان کے وصیت کرنے کے بغیر بھی

جائز ہے اس کی تفسیر فقہ کی کتابوں میں موجود ہے۔

۳ے یعنی اس عورت کا یہ کہنا ، اپنے باپ کی حالت بیان کرنا اور حضور علیہ السلام کا اسے جواب دینا حجۃ الوداع میں ہوا وہاں ایک قصہ اور بھی ہے وہ یہ ہے کہ حضرت فضل بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سواری پر حضور علیہ السلام کے پیچھے بیٹھے ہوئے تھے آپ نہایت حسین وجمیل اور اٹھتی جوانی کی عمر میں تھے یہ عورت حضرت فضل کے حسن وجمال کو دیکھ کر اُن پر شیدا ہوگئی اور انہیں دیکھنے لگی یہ عورت بھی صاحب حسن وجمال تھی اور قبیلہ خثعم کی اکثر عورتیں حسین وجمیل ہوتی ہیں۔ دونوں نے اپنی اپنی آنکھیں ایک دوسرے کی نگاہ میں سی دیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جب اس حالت کا مشاہدہ فرمایا تو حضرت فضل بن عباس کی آنکھوں پر اپنا ہاتھ مبارک رکھ دیا اور اُن کی گردن دوسری طرف موڑ دی۔ حضرت عباس نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ نے اپنے چچے کے بیٹے کی گردن کیوں دوسری طرف پھیر دی ہے۔ فرمایا اے چچا کے بیٹے شیطان آدم کے بیٹے پر مسلط ہو جاتا ہے اور اُس کی رگوں اور چمڑے میں گھس جاتا ہے

وَعَنْهُ قَالَ اَتٰی رَجُلٌ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اِنَّ اُخْتِيْ نَذَرَتْ اَنْ تَحُجَّ وَاِنَّهَا مَاتَتْ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوْ كَانَ عَلَيْهَا دَيْنٌ اَكُنْتَ قَاضِيَهُ قَالَ نَعَمْ قَالَ فَاقْضِ دَيْنَ اللّٰهِ فَهُوَ اَحَقُّ بِالْقَضَاءِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہی روایت ہے فرماتے ہیں ایک شخص حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی میری بہن نے حج کی نذر مانی تھی مگر وہ فوت ہوگئی۔ اس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر اُس پر قرض ہوتا تو تو ادا کرتا۔ اُس نے عرض کی ہاں ضرور کرتا فرمایا اللہ کا قرض بھی ادا کر کہ وہ قضا کے زیادہ لائق ہے[1]۔ (بخاری ومسلم)

[1] کیونکہ وہ خدائے تعالیٰ کا قرض ہے اور اللہ تعالیٰ اس بات کے زیادہ لائق ہے کہ اُس کا قرض ادا کیا جائے مگر اس صورت میں بھی اُسی وقت جائز ہوگا جبکہ وہ وصیت کر جائے اور خرچہ بھی دے جائے۔ یہ ہم حنفیوں کا مذہب ہے شافعی رحمۃ اللہ کے نزدیک جو کوئی مرگیا اور اُس کی گردن پر خدا کا حق تھا حج ہو یا غیر حج اُس حق کا ادا کرنا لازم ہے۔ اُس کے چھوڑے ہوئے مال سے اور اس قرضہ کی ادائیگی وصیت اور وارثوں میں تقسیم سے پہلے کرنا ضروری ہے۔

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَخْلُوَنَّ رَجُلٌ بِامْرَاَةٍ وَّلَا تُسَافِرَنَّ امْرَاَةٌ اِلَّا وَمَعَهَا مَحْرَمٌ فَقَالَ رَجُلٌ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی شخص کسی عورت سے خلوت[1] نہ کرے اور کوئی عورت سفر نہ کرے مگر یہ کہ اُس کے ساتھ اُس کا

يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اكْتُتِبْتُ فِيْ غَزْوَةِ كَذَا وَكَذَا وَخَرَجَتِ امْرَاَتِيْ حَاجَّةً قَالَ اذْهَبْ فَاحْجُجْ مَعَ امْرَاَتِكَ -

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

محرم بننا چاہیے ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ میں فلاں جہاد میں لکھ لیا گیا ہوں[۳] اور میری بیوی حج کو جا رہی ہے فرمایا جا اپنی بیوی کے ساتھ حج کر۔

(بخاری ومسلم)

[۱] یعنی بیگانی عورت کے ساتھ چاہے وہ جوان ہو چاہے بوڑھی خلوت کا معنی ہے تنہائی۔

[۲] محرم وہ ہوتا ہے جس کے ساتھ کبھی نکاح جائز نہ ہو سکے چاہے وہ جوان ہو یا بوڑھی۔ بعض فقہی روایات میں آیا ہے کہ اگر سفر میں اُس کے ساتھ کوئی با اعتماد با وثوق اور با اعتماد اور نیک عورت ہو تو بغیر محرم کے بھی سفر جائز ہے بعض نے فرمایا کہ متعدد با اعتبار عورتیں ہونی چاہییں جن کے ساتھ وہ سفر میں جائے۔ بعض نے فرمایا کہ ہجرت کے وقت کفار کے ملک سے نکلنے کے لیے ساتھی کا ہونا کوئی شرط نہیں ہے۔ کیونکہ کفار کے ملک میں ٹھہرنا حرام ہے۔

[۳] یہ لفظ حدیث میں اُكْتُتِبْتُ یعنی ہمزہ کی پیش کاف ساکن پھر پہلی تا کی پیش دوسری تا کی زیر پھر باساکن بمعنی میرا نام لکھا گیا ہے۔ مجاہدین کے دفتر میں فلاں فلاں جنگ میں کہ میں نے بھی اُن کے ساتھ جانا ہے۔ اور میری عورت حج کے ارادہ سے خانہ کعبہ کی طرف اپنے گھر سے نکل پڑی ہے تو میرے متعلق کیا حکم ہے کہ میں جہاد کو جاؤں اور عورت کو تنہا حج کے لیے جانے دوں یا جہاد پر جانے کی بجائے اپنی عورت کے ساتھ حج کو جاؤں۔ حضور نبی پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا تم اپنی بیوی کے ساتھ حج کو جاؤ کیونکہ اُس کے ساتھ کوئی نہیں اور جہاد کو جانے والے بہت ہیں

وَعَنْ عَائِشَةَ رض قَالَتِ اسْتَأْذَنْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْجِهَادِ فَقَالَ جِهَادُكُنَّ الْحَجُّ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں میں نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے جہاد میں جانے کی اجازت چاہی[۱] تو آپ نے فرمایا تمہارا جہاد حج ہے[۲]۔

(بخاری ومسلم)

[۱] یعنی میں نے حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے اجازت چاہی کہ میں جہاد کے لیے جاؤں۔

[۲] یعنی عورتوں کے لیے یہی کافی ہے کہ وہ حج کے لیے باہر نکلیں۔ انہیں جہاد کو جانے کی ضرورت نہیں۔

وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تُسَافِرُ امْرَاَةٌ مَسِيْرَةَ يَوْمٍ وَّلَيْلَةٍ اِلَّا وَمَعَهَا ذُوْ مَحْرَمٍ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی عورت ایک دن رات کے سفر پہ نہ نکلے مگر اس حالت میں کہ اُس کے ساتھ

(مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ) اُس کا محرم ہونا چاہیئے۔ (بخاری و مسلم)

لہ یہاں حدیث میں لفظ ذومحرم آیا ہے یہاں لفظ ذو رنا مذہے بعض روایات میں تین دن کی مسافت کا ذکر آیا ہے علماء نے فرمایا ہے کہ ہر تقدیر پر کوئی معینہ حد مراد نہیں مطلق سفر مراد ہے۔ لمبا ہو یا چھوٹا محدثین کے نزدیک سفر اور اُس کے احکام میں شارع علیہ السلام سے کوئی حد معین ثابت نہیں اس کی تحقیق باب نماز سفر میں گزر چکی ہے۔

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ وَقَّتَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لِاَھْلِ الْمَدِیْنَۃِ ذَا الْحُلَیْفَۃِ وَ لِاَھْلِ الشَّامِ الْجُحْفَۃَ وَلِاَھْلِ نَجْدٍ قَرْنَ الْمَنَازِلِ وَلِاَھْلِ الْیَمَنِ یَلَمْلَمَ فَھُنَّ لَھُنَّ وَلِمَنْ اَتٰی عَلَیْھِنَّ مِنْ غَیْرِ اَھْلِھِنَّ لِمَنْ کَانَ یُرِیْدُ الْحَجَّ وَالْعُمْرَۃَ فَمَنْ کَانَ دُوْنَھُنَّ فَمُھَلُّہٗ مِنْ اَھْلِہٖ وَکَذَاکَ وَکَذَاکَ حَتّٰی اَھْلُ مَکَّۃَ یُھِلُّوْنَ مِنْھَا۔

(مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اہل مدینہ کے لیے ذوالحلیفہ[1] کو میقات مقرر فرمایا۔ اور اہل شام کے لیے مقام جحفہ[2] کو اور اہل نجد کے لیے قرن المنازل[3] اور اہل یمن کے لیے یلملم[4] کو تو یہ مقامات ان جگہوں کے میقات ہیں اور اُن لوگوں کے بھی میقات ہیں جو ان جگہوں کا رہنے والا نہ ہو تو جو شخص حج اور عمرے کا ارادہ کرتا ہو[5] پھر جو ان میقاتوں کے اندر کا باشندہ ہو تو اُس کا احرام[6] اپنے گھر سے ہے اسی طرح اور اسی طرح[7] حتیٰ کہ مکہ والے مکہ سے ہی احرام باندھیں[8]۔ (بخاری و مسلم)

لہ ذوالحلیفہ ایک جگہ کا نام ہے جو مدینہ منورہ سے جانب مکہ پانچ چھ میل کے فاصلے پر ایک جگہ ہے۔ میقات بمعنی کام کا وقت اور کام کی جگہ پھر یہ نام اُس جگہ کے لیے استعمال ہونے لگا جہاں سے حاجی کے لیے بغیر احرام کے آگے گزرنا منع ہے یاد رہے کہ ان جگہوں سے باہر کے لوگوں کے لیے چند جگہیں ایسی مقرر ہیں جہاں سے بغیر احرام کے مکہ کی طرف جانا بالکل منع ہے۔ پس اہل مدینہ کے لیے ذوالحلیفہ کو میقات مقرر کیا گیا ہے۔

سلہ یعنی اہل شام کی میقات مقام جحفہ ہے جیم کا پیش حا ساکن اُس کے بعد فا یہ بھی مدینہ منورہ اور مکہ معظمہ کے درمیان ایک جگہ کا نام ہے۔

سلہ اور اہل نجد کے لیے میقات قرن المنازل ہے یہ بھی ایک جگہ کا نام ہے نجد اصل میں نشیبی زمین کے بالمقابل اونچی زمین کو کہتے ہیں۔ آج کل نجد اُن تمام بلاد عرب کو کہتے ہیں جو یمامہ سے سرزمین عراق تک پھیلے ہوئے ہیں۔ قرن بفتح کاف وسکون را اسے قرن المنازل بھی کہتے ہیں۔ یہ بھی طائف کے نزدیک ایک جگہ کا نام ہے لیکن وہ قرن جس کی

طرف حضرت اویس قرنی منسوب ہیں وہ را کی زبر سے ہے یعنی قرنی۔ یہ بلاد یمن میں سے ایک شہر ہے جیسا کہ قاموس میں مذکور ہے۔

۴ے یعنی اہل یمن کا میقات یلملم ہے۔ یا کی زبر لام کی زبر اور دونوں میم ساکن یہ بھی ایک جگہ کا نام ہے۔ پس یہ مذکورہ جگہیں حج کے لیے جانے والے لوگوں کے لیے میقات ہیں جو ان کے پاس سے گزر کر خانہ کعبہ کی طرف جاتے ہیں اور وہ تمام لوگ جو دوسرے ممالک سے آتے اور ان مقامات سے گزر کر حج کے لیے بیت اللہ شریف جاتے ہیں۔ چنانچہ اہل مدینہ براستہ شام مکہ کو آئیں تو انہیں جحفہ سے احرام باندھنا ہوگا حالانکہ ان کا اصل میقات ذاالحلیفہ ہے اور ہندوستانی یمن کی سمت سے مکہ جاتے ہیں تو انہیں یلملم سے احرام باندھنا ہوگا۔

۵ے یعنی یہ میقات اُن لوگوں کے لیے ہے جو حج اور عمرے کا ارادہ رکھتے ہوں۔ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جو شخص میقات سے گزرے مگر اس کا ارادہ حج و عمرے کا نہ ہو تو اس کے مکے میں داخل ہونے کے لیے احرام لازم نہیں۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا صحیح مذہب یہی ہے مگر ہم احناف کے نزدیک بے احرام مکہ میں داخل ہونا جائز نہیں۔ اگرچہ حج اور عمرے کا ارادہ نہ بھی ہو، کیونکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ کوئی شخص بغیر احرام میقات کے آگے نہ گزرے یہ حدیث مطلق ہے اس میں حج اور عمرہ کے ارادہ کی کوئی قید نہیں۔ بلکہ احرام کا وجود اس مقدس مقام کی تعظیم کے لیے ہے لہٰذا حاجی اور عمرہ کرنے والا اور ان کے ماسوا سب کے لیے یہ حکم مساوی ہے ہاں وہ شخص جو میقات کے اندر رہتا ہو اس کے لیے بغیر احرام مکہ میں داخل ہونا جائز ہے۔ جبکہ وہ کسی کام کے لیے مکہ شریف آ رہا ہو کیونکہ جو لوگ اپنے ذاتی کام کاج کے لیے مکہ شریف آتے ہوں ان کے لیے ہر بار احرام کی شرط لگانا تنگی اور دقت کا باعث ہے لہٰذا ایسے شخص کا حکم اہل مکہ کا حکم ہے۔ جیسا کہ ہدایہ میں مذکور ہے۔"

۶ے یہاں حدیث میں لفظ مُهَلَّهٗ آیا ہے یعنی میم کی پیش ھا کی زبر اور لام کی شد سے۔ مطلب یہ ہے کہ جو شخص ان مذکورہ جگہوں کے اندر رہتا ہو وہ اسی جگہ سے احرام باندھے جہاں وہ رہتا ہو یہ لفظ اہلال سے بنا ہے جس کا اصل معنیٰ ہے آواز بلند کرنا۔ مگر یہاں احرام مراد ہے کیونکہ اس میں بھی لبیک کہتے ہوئے آواز بلند کی جاتی ہے۔

ے یعنی جو شخص جہاں جہاں بھی میقات کے اندر رہتا ہے تو اس کی جائے احرام وہی ہے جہاں وہ رہتا ہے۔

۸ے مگر یہ احرام حج کے ساتھ خاص ہے یعنی حج کا احرام مکے کے اندر سے باندھا جائے۔ البتہ عمرے کے لیے احرام اہل مکہ کو حرم کی حدود سے باہر نکل کر باندھنا پڑے گا۔ اور آج کل اہل مکہ کے لیے عمرے کا احرام باندھنے کے لیے ایک جگہ مشہور ہے جسے تنعیم کہتے ہیں۔ یہ جگہ حدود حرم سے باہر حرم مکہ کی حدود کے سب سے زیادہ قریب ترین جگہ ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے اسی جگہ سے عمرے کا احرام باندھا تھا۔ آپ نے یہ احرام حضور صلی اللہ علیہ وسلم

کے حکم سے باندھا تھا یہاں ایک جگہ ہے جسے مسجد عائشہ کہتے ہیں یعنی یہ مسجد اس جگہ تعمیر کی گئی ہے جہاں حضرت عائشہ نے نماز ادا کی اور احرام باندھا جیسا کہ حجۃ الوداع کے باب میں یہ واقعہ آ رہا ہے۔

وَعَنْ جَابِرٍ عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مُهَلُّ اَهْلِ الْمَدِيْنَةِ مِنْ ذِی الْحُلَيْفَةِ وَالطَّرِيْقُ الْاٰخَرُ الْجُحْفَةُ وَمُهَلُّ اَهْلِ الْعِرَاقِ مِنْ ذَاتِ عِرْقٍ وَمُهَلُّ اَهْلِ نَجْدٍ قَرْنٌ وَمُهَلُّ اَهْلِ الْيَمَنِ يَلَمْلَمَ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ حضور سے روایت کرتے ہیں کہ فرمایا مدینہ والوں کی احرام گاہ ذاالحلیفہ ہے اور ان کا دوسرا راستہ جحفہ ہے اور عراق والوں کی احرام گاہ ذات عرق ہے اور نجد والوں کی احرام گاہ قرن ہے اور یمن والوں کی احرام گاہ یلملم ہے۔ (مسلم[1])

[1] اس حدیث کا ترجمہ گزشتہ حدیث کی شرح سے معلوم ہو چکا ہے، حضور علیہ السلام کے قول مبارک کہ دوسرا راستہ جحفہ ہے سے مراد یہ ہے کہ اہل مدینہ جب شام کے راستے سے آئیں تو ان کا میقات جحفہ ہوتا ہے اور جائز ہے کہ وہ یہاں سے احرام باندھیں اور ذات عرق جو اہل عراق کی میقات ہے وہ حدیث میں مذکور نہیں ہے۔ پھر عراق مشہور علاقے کا نام ہے جس کی لمبائی عبادان سے موصل تک اور چوڑائی قادسیہ سے حلوان تک ہے۔ اس علاقے کا نام عراق اس بناء پر رکھا گیا ہے کہ یہ علاقہ دجلہ اور فرات کے کنارے واقع ہے۔ عراق ساحل سمندر کو کہتے ہیں ذات عرق ایک جگہ ہے۔ مکہ سے مشرق کی جانب دو منزل کے فاصلے پر یہ جگہ قرن کے بالمقابل ہے۔ عرق عین کی زیر سے چھوٹے ٹیلے کو کہتے ہیں۔

وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ اعْتَمَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَرْبَعَ عُمَرٍ كُلُّهُنَّ فِیْ ذِی الْقَعْدَةِ اِلَّا الَّتِیْ كَانَتْ مَعَ حَجَّتِهٖ عُمْرَةً مِّنَ الْحُدَيْبِيَةِ فِیْ ذِی الْقَعْدَةِ وَعُمْرَةً مِّنَ الْجِعْرَانَةِ حَيْثُ قَسَمَ غَنَائِمَ حُنَيْنٍ فِیْ ذِی الْقَعْدَةِ وَعُمْرَةً مَّعَ حَجَّتِهٖ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے چار عمرے کیے سب کے سب ذالقعدہ میں کیے گر وہ عمرہ جو آپ نے اپنے حج کے ساتھ کیا[1]۔ ان عمروں میں سے ایک عمرہ[2] آپ نے ذالقعدہ میں حدیبیہ سے کیا، دوسرا عمرہ اسکلے[3] سال ذالقعدہ میں ہی کیا تیسرا عمرہ جعرانہ[4] سے کیا جہاں آپ نے حنین کی غنیمتیں تقسیم کیں یہ بھی ذالقعدہ میں کیا اور ایک عمرہ آپ نے اپنے حج کے ساتھ کیا[5]۔ (بخاری و مسلم)

۱ کہ وہ عمرہ آپ نے ذوالحجہ میں حج کے ایام میں کیا۔

۲ یہاں حدیث میں عمرہ کے لفظ پر پیش و زبر دونوں پڑھے گئے ہیں ان چار میں سے یہ پہلا عمرہ جو آپ نے کیا مقام حدیبیہ سے کیا۔ حا کی پیش دکی زبر۔ پھر با کی زیر اور یا پر شد اور بغیر شد کے دونوں طرح آیا ہے بغیر شد کے پڑھنا زیادہ مشہور و اکثر ہے یہ ایک بستی کا نام ہے جو کہ معظمہ سے نو میل کے فاصلے پر ہے۔ اس بستی کا اکثر حصہ حرم کی حدود میں ہے باقی حصہ حل میں داخل ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ حدیبیہ ایک کنوئیں کا نام ہے بعض نے کہا ایک درخت کا نام ہے اور یہ جگہ اُس درخت کے نام پر مشہور ہے بیعت الرضوان جو اس درخت کے نیچے لی گئی تھی اور قرآن مجید میں جس کی شان میں فرمایا (لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ إِذْ يُبَايِعُونَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ) یعنی بے شک اللہ تعالیٰ ایمان والوں سے راضی ہوگیا جبکہ وہ آپ سے بیعت ہو رہے تھے۔ درخت کے نیچے یہ درخت اسی جگہ میں تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ سے پیر کے دن سال چھ ہجری ذوالقعدہ کا چاند طلوع ہونے پر بقصد عمرہ چودہ سو یا اس سے زیادہ افراد کے ساتھ اس مقام پر جمع ہوئے مگر قریش نے حضور علیہ السلام کو روک دیا کہ آپ مکے میں داخل نہیں ہو سکتے آپ نے اُن سے صلح کر کے واپسی اختیار فرمائی اور قریش سے معاہدہ ہو گیا کہ آپ آئندہ سال آئیں اور عمرہ ادا کریں۔ حقیقت میں یہ عمرہ نہ تھا مگر اسے عمرہ شمار کر لیا گیا۔ اور محرم کے لیے راہ حج میں رکاوٹ کا مسئلہ یہیں سے شروع ہوا۔ اس صلح حدیبیہ کو فتح بھی کہتے ہیں کیونکہ یہ فتح دوسری فتوحات کی بنیاد بنی۔ چنانچہ اس کے بعد فتح خیبر وغیرہ کے واقعات پیش آئے۔ حدیبیہ کا مکمل قصہ سیرت کی کتابوں میں مذکور ہے۔ کتاب الجہاد میں اس کا کچھ حصہ مزید بیان کیا جائے گا۔

۳ یہ عمرہ بھی ذوالقعدہ میں آپ نے کیا۔ یہ گزشتہ سال کی صلح کے نتیجے میں آپ نے کیا چنانچہ آپ مکہ معظمہ میں داخل ہوئے عمرہ کیا تین دن وہاں ٹھہرے چوتھے روز مکہ معظمہ سے برآمد ہوئے۔ اس عمرہ کو احادیث میں عمرۂ قضا کہا گیا ہے۔ یہ واقعہ حنفیہ کے مذہب کی تائید کرتا ہے جو یہ کہتے ہیں کہ محرم رکاوٹ کی وجہ سے جب راستے میں ہی احرام کھول دے تو فوت شدہ عمرہ کی قضا لازم ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک لازم نہیں اور احادیث میں اس کے لیے جو لفظ قضا آیا ہے وہ بمعنی صلح ہے۔ قضاء کا معنی صلح بھی آتا ہے۔

شافعی حضرات کے نزدیک عمرہ قضاء باین معنی ہے کہ سال آئندہ کے لیے حضور علیہ السلام کی اُن کے ساتھ عمرہ کرنے کے بارے میں صلح ہوگئی۔

۴ تیسرا عمرہ آپ نے جعرانہ سے کہ شریف آ کر کیا کیونکہ جعرانہ میں فتح حنین کی غنیمتیں تقسیم کرتے رہے۔ جعرانہ جیم کی زیر عین کی زیر اور را کی شد یہ بھی مکہ معظمہ سے ایک منزل کے فاصلے پر ایک جگہ ہے آپ فتح مکہ کے بعد ۸ھ ہجری کو غزوہ حنین کے لیے چل پڑے۔ اللہ تعالیٰ نے اس دفعہ میں آپ کو بے شمار مال غنیمت عطا فرمایا۔ اور آپ

مقام جعرانہ میں پندرہ یا سولہ دن اقامت پذیر رہے اور مال غنیمت تقسیم کرتے رہے۔ علماء فرماتے ہیں کہ آپ رات کے وقت عشاء کی نماز ادا کرنے کے بعد سوار ہوئے اور مکے شریف آئے عمرہ ادا فرمایا اور اسی رات واپس ہو گئے اور صبح کی نماز جعرانہ میں جاکر ادا فرمائی۔

۵ یعنی چوتھا عمرہ جو آپ نے حج فرمانے کے بعد حج کے ساتھ کیا یہ عمرہ بہر حال ذوالحجۃ میں ادا فرمایا یہ چار عمرے ہیں جو پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے کیے۔ مگر آپ کا اسلامی حج صرف ایک ہی تھا۔ ایام جاہلیت میں قریش حج کیا کرتے تھے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی اس وقت حج کیا کرتے تھے جن کی تعداد علماء نے بیان نہیں فرمائی۔ واللہ اعلم۔

وَعَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ قَالَ اعْتَمَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ ذِي الْقَعْدَةِ قَبْلَ اَنْ يَّحُجَّ مَرَّتَيْنِ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ذوالقعدہ کے مہینے میں حج سے پہلے دو عمرے[1] کیے۔ (بخاری[2])

۱ گویا حضرت براء بن عازب نے عمرہ حدیبیہ کو شمار نہ کیا۔ کیونکہ حدیبیہ میں فی الحقیقت آپ نے عمرہ نہیں کیا تھا۔ جیسا کہ معلوم ہو چکا ہے۔ پس حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے عمرے تین ہی ہوئے دو حج سے پہلے ایک عمرہ قضا دوسرا وہ عمرہ جو آپ نے جعرانہ سے کیا اور ایک حج کے بعد جو حجۃ الوداع کے ساتھ کیا۔

۲ حج اور عمرے کی کیفیت آگے آرہی ہے اس کا مجمل بیان یہ ہے کہ حج عرفات میں کھڑے ہونے، بیت اللہ کا طواف اور صفا مروہ کے درمیان سعی کرنے کا نام ہے۔ اور عمرہ طواف اور سعی کرنے کا۔ احرام دونوں میں شرط ہے حج فرض بھی ہوتا ہے اور نفل بھی اور عمرہ نفل ہی ہوتا ہے۔ مگر وہ شخص جو اپنے ذمے اس کی نذر مان لے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ — دوسری فصل

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا اَيُّهَا النَّاسُ اِنَّ اللّٰهَ كَتَبَ عَلَيْكُمُ الْحَجَّ فَقَامَ الْاَقْرَعُ بْنُ حَابِسٍ فَقَالَ اَفِيْ كُلِّ عَامٍ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ لَوْ قُلْتُهَا نَعَمْ لَوَجَبَتْ وَلَوْ وَجَبَتْ لَمْ تَعْمَلُوْا بِهَا وَلَمْ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے لوگو بے شک اللہ تعالیٰ نے تم پر حج لکھ دیا ہے یعنی فرض کر دیا ہے اس پر حضرت اقرع بن حابس[1] کھڑے ہوئے اور عرض کی کیا ہر سال میں حج فرض ہے۔ یا رسول اللہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا اگر میں اس پر ہاں کہہ دیتا[2] تو وہ ہر سال فرض ہو جاتا اور

تَسْتَطِيعُوا وَالْحَجُّ مَرَّةٌ فَمَنْ زَادَ فَتَطَوُّعٌ ۔
(رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالنَّسَائِيُّ وَالدَّارِمِيُّ)

اگر وہ ہر سال فرض ہو جاتا تو تم اس پر عمل نہ کر سکتے ۔ نہ تم اس کی طاقت[۳] رکھتے ہو تو حج ایک ہی بار فرض ہے جو ایک بار سے زیادہ کرے وہ نفل حج کرے گا۔
(احمد ۔ نسائی ۔ دارمی)

[۱] یہ فتح مکہ کے دن کا واقعہ ہے ۔ یہ صاحب بنی تمیم کے وفد میں اسلام لانے کے لیے آئے تھے ۔ پہلے آپ مؤلفۃ القلوب میں سے تھے ۔ اسلام اور جاہلیت دونوں میں بڑے شریف الطبع انسان تھے ، بڑی بلند شان کے مالک تھے ۔

[۲] یعنی اگر میں اس کی فرضیت کے لیے لفظ ہاں کہہ دیتا تو ہر سال میں حج فرض ہو جاتا ۔

[۳] کیونکہ اس میں بڑی سخت مشقت ہے کہ اس سفر میں مال خرچ کرنا پڑتا ہے ۔ اہل و اولاد کی جدائی برداشت کرنا پڑتی ہے ۔ اپنے وطنوں سے دور رہنا پڑتا ہے بخصوصًا ان لوگوں کے لیے جن کے شہر اور علاقے مکہ معظمہ سے بہت دور واقع ہیں ۔

وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ مَلَكَ زَادًا وَرَاحِلَةً تُبَلِّغُهُ إِلَى بَيْتِ اللَّهِ وَلَمْ يَحُجَّ فَلَا عَلَيْهِ أَنْ يَمُوتَ يَهُودِيًّا أَوْ نَصْرَانِيًّا وَذَالِكَ أَنَّ اللَّهَ تَبَارَكَ وَتَعَالَى يَقُولُ وَلِلَّهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا ۔
رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هَذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ وَفِي إِسْنَادِهِ مَقَالٌ وَهِلَالُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ مَجْهُولٌ وَالْحَارِثُ يُضَعَّفُ فِي الْحَدِيثِ ۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص سفر خرچ اور سواری کا مالک ہو جو اُسے خانہ کعبہ تک پہنچا سکتی ہے پھر اس نے حج نہ کیا تو[۱] اُس کے لیے کوئی فرق نہیں کہ وہ کافر بن کر یہودی دین پر یا نصاریٰ کے دین پر مر جائے یہ اس لیے ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اللہ کے لیے لوگوں کے ذمے بیت اللہ کا حج لازم ہے جو بھی اس تک پہنچنے کے راستے کی طاقت[۲] رکھتا ہے ۔
اسے ترمذی نے روایت کیا اور کہا یہ حدیث غریب ہے اور اس کے اسناد میں قیل و قال ہے اور ہلال بن عبداللہ مجہول ہے اور حارث راوی حدیث میں ضعیف ہے ۔

[۱] ان الفاظ میں تارک حج کے لیے سخت ملامت و شدت کا اظہار ہے ۔ آپ نے یہود اور نصاریٰ کا ذکر کیا کیونکہ یہ دونوں آسمانی کتاب اور دین کے مدعی ہیں اگرچہ کافر ہیں ۔ مشرکوں اور مجوسیوں وغیرہ میں سے نہیں ہیں جو کہ ایمان اور دین سے

محروم اور دور ہوں۔

۲ے اس آیت کے آخر میں فرمایا اور جس نے کفر کیا تو بے شک اللہ تعالیٰ سب جہان والوں سے بے نیاز ہے۔ یعنی جو شخص کفر اختیار کرے اور کفران نعمت کرے تو خدائے تعالیٰ تمام اہل جہان سے بے نیاز ہے۔ لوگ حج کریں یا نہ کریں اُسے اُس سے کوئی نفع یا نقصان نہیں پہنچتا نفع اور نقصان خود اُن کا اپنا ہے۔ یہاں آیت میں جس قسم کی شدت کا اظہار کیا گیا ہے وہ اس حدیث میں واقع شدت اور ڈانٹ کے بالکل موافق ہے۔ گویا بڑی شدت اور ڈانٹ کا اظہار کیا گیا ہے۔

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا صَرُوْرَةَ فِي الْإِسْلَامِ۔
(رَوَاهُ أَبُوْ دَاوٗدَ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسلام میں ترک[۱] دنیا نہیں ہے۔
(ابوداؤد)

[۱] یہاں حدیث میں لفظ صرورت آیا ہے۔ صرورت بروزن ضرورت بمعنی نکاح نہ کرنا اور حج نہ کرنا لغت کی کتاب صراح میں ہے اُس شخص کو جس نے حج نہ کیا ہو، عورت کے قریب نہ گیا ہو کو صارورہ اور صرارہ کہتے ہیں۔ اصل کلمہ صر سے بنا ہے بمعنی روکنا اور منع کرنا یعنی مسلمان کو چاہیے کہ نکاح اور حج ترک نہ کرے۔

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ أَرَادَ الْحَجَّ فَلْيُعَجِّلْ۔
(رَوَاهُ أَبُوْ دَاوٗدَ وَالدَّارِمِيُّ)

انہی حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے حج کا ارادہ کیا اور وہ اُس پر قادر بھی ہو اور اس کی استطاعت رکھتا ہو تو اُسے چاہیے کہ جلدی[۱] کرے۔
(ابوداؤد۔ دارمی)

[۱] اور فرصت کو غنیمت جانے تاخیر نہ کرے۔ ع

کہ آنہاست در تاخیر طالب را زیان دارد

ترجمہ۔ تاخیر میں بڑی خرابیاں ہیں اور طالب کو نقصان پہنچتا ہے۔

وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَابِعُوْا بَيْنَ الْحَجِّ وَالْعُمْرَةِ فَإِنَّهُمَا يَنْفِيَانِ الْفَقْرَ وَالذُّنُوْبَ كَمَا

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حج اور عمرہ کے درمیان متابعت کرو یعنی ہر ایک کو دوسرے کے پیچھے کرو کہ بے شک یہ دونوں فقر اور

يَنْفِي الْكِيْرُ خَبَثَ الْحَدِيْدِ وَالذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَ لَيْسَ لِلْحَجَّةِ الْمَبْرُوْرَةِ ثَوَابٌ اِلَّا الْجَنَّةُ۔

گناہوں کو بندے سے دور کر دیتے ہیں جس طرح بھٹی لوہے اور سونے اور چاندی کی میل کچیل کو دور کر دیتی[1] ہے اور نہیں ہے حج مقبول کا ثواب مگر جنت۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَالنَّسَائِيُّ وَرَوَاهُ اَحْمَدُ وَابْنُ مَاجَةَ عَنْ عُمَرَ اِلٰى قَوْلِهٖ خَبَثَ الْحَدِيْدِ۔)

اسے ترمذی اور نسائی نے روایت کیا اور احمد وابن ماجہ نے خبث الحدید تک روایت کیا۔

[1] یہاں حدیث میں بھٹی کے لیے کیر آیا ہے۔ کاف کی زیر اُس کے بعد یا اصل میں اُس مشک کو کہتے ہیں جس میں لوہار ہوا بھرتے ہیں اور کور یعنی کاف کی پیش سے اُس خانے کو کہتے ہیں جسے لوہار مٹی سے تیار کرتا ہے۔ جیسا کہ قاموس میں آیا ہے۔ بعض کیر کو بھی اُس بھٹی کے معنیٰ میں استعمال کر لیتے ہیں۔ اس کے بعد حدیث میں لفظ خبث آیا ہے خا اور با کی زبر سے بمعنیٰ وہ میل کچیل جسے بھٹی کی آگ معدنی جواہر سے الگ کرتی ہے۔ خا کی پیش با ساکن سے بھی روایت کی گئی ہے بمعنیٰ خبیث وردی مگر اول روایت زیادہ مشہور و زیادہ ظاہر ہے بے شک حج وعمرہ بندے سے فقر و گناہوں کو دور کرتے ہیں اس کا سبب یہ ہے کہ اس میں دوسروں سے سوال کرنے کی بجائے سوال کا رخ اللہ تعالیٰ کی طرف ہی کیا جاتا ہے اور بہت سا مال بھی اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کرنا پڑتا ہے اور بندہ کئی گنا ثواب پاتا ہے اور حاجی بڑی مشقت اور تھکاوٹ سے دوچار ہوتے ہیں جو کہ عفو و مغفرت کا موجب ہے۔

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَؓ قَالَ جَآءَ رَجُلٌ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَا يُوْجِبُ الْحَجَّ قَالَ الزَّادُ وَالرَّاحِلَةُ۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے فرماتے ہیں ایک شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا۔ کونسی چیز حج کو فرض کرتی ہے (یعنی بلوغت کے بعد مکلف ہونے پر) آپ نے فرمایا زادِ راہ[2] اور سواری کا موجود ہونا حج کو فرض کرتا ہے۔ (ترمذی وابن ماجہ)

[2] یعنی اتنا سفر خرچ جس سے بندہ مکہ معظمہ جا سکے اور آ سکے اور پیچھے اپنے عیال کے لیے بھی اتنے دنوں کا خرچہ کافی ہو۔ سواری سے مراد ایسی سواری ہے جس پر وہ جا آ سکے۔ امام مالک فرماتے ہیں اگر پیدل چل کر حج کرنے کی طاقت موجود ہو تو پھر سواری کی شرط نہیں ہے۔

وَعَنْهُ قَالَ سَاَلَ رَجُلٌ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ

انہی حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں ایک شخص نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

مَا الْحَاجُّ قَالَ الشَّعِثُ التَّفِلُ فَقَامَ اٰخَرُ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَيُّ الْحَجِّ اَفْضَلُ قَالَ الْعَجُّ وَالثَّجُّ فَقَامَ اٰخَرُ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَا السَّبِيْلُ قَالَ زَادٌ وَّ رَاحِلَةٌ۔

رَوَاهُ فِيْ شَرْحِ السُّنَّةِ وَرَوَى ابْنُ مَاجَةَ فِيْ سُنَنِهِ اِلَّا اَنَّهٗ لَمْ يَذْكُرِ الْفَصْلَ الْاَخِيْرَ)

سے پوچھا اور کہا حج کرنے والا کیسا ہوتا ہے اور اس کی حالت کیا ہونی چاہیے آپ نے فرمایا پراگندہ بال[1] اور پراگندہ سر اور میلا کچیلا[2] ہونا چاہیے۔اس پر ایک دوسرے شخص نے کہا یا رسول اللہ افضل حج کونسا ہے فرمایا بلند آواز سے لبیک[3] کہنا اور قربانی کا خون بہانا، ایک اور شخص کھڑا ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ قرآن کی آیت میں واقع راستے کی طاقت[4] سے کیا مراد ہے فرمایا سفر خرچ اور سواری

اسے شرح سنت میں روایت کیا اور ابن ماجہ نے اپنے سنن میں روایت کیا۔مگر انہوں نے راستے والے الفاظ کا ذکر نہیں کیا۔

۞ ۞

[1] یہاں حدیث میں لفظ شعث آیا ہے یعنی شین کی زبر عین کی زیر بمعنی پراگندہ بال اور گرد آلودہ سر۔

[2] یہاں حدیث میں تفل آیا ہے ت کی زبر ف کی زیر یعنی ناک سے بہنے والا پسینہ اور میل کچیل محرم میں یہ دو صفتیں جتنی زیادہ ہوں گی ریاضت و مشقت بھی زیادہ ہوگی۔اسی لیے ان دو صفتوں کا ذکر کیا گیا۔

[3] یہاں حدیث میں عج آیا ہے۔عین کی زبر جیم کی شد بمعنی تلبیہ کے لیے آواز بلند کرنا۔اس کے بعد دوسرا لفظ ثج ہے یعنی ث کی زبر جیم کی شد بمعنی قربانی کا خون بہانا۔

[4] یعنی آیت میں جو راستے کی طاقت کا ذکر آیا ہے۔اس سے مراد یہ ہے کہ سواری اور سفر خرچ موجود ہو

وَعَنْ اَبِيْ رَزِيْنٍ الْعُقَيْلِيِّ اَنَّهٗ اَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ اَبِيْ شَيْخٌ كَبِيْرٌ لَا يَسْتَطِيْعُ الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ وَلَا الظَّعْنَ قَالَ حُجَّ عَنْ اَبِيْكَ وَاعْتَمِرْ

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْ دَاؤدَ وَالنَّسَائِيُّ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ۔)

حضرت ابو رزین[1] العقیلی سے روایت ہے بے شک وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی یا رسول اللہ بے شک میرا باپ بہت بوڑھا ہے حج و عمرے کی طاقت نہیں رکھتا[2] نہ ہی سوار ہونے کی طاقت رکھتا ہے[3]۔آپ نے فرمایا کہ اپنے باپ کی طرف سے حج اور عمرہ کر[4]۔ اسے ترمذی۔ابو داؤد اور نسائی نے روایت کیا اور ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

[1] راکی زبر زا کی زیر العقیلی یعنی عین کی پیش کاف کی زبر۔آپ کا نام لقیط ہے۔آپ مشہور صحابی ہیں آپ کا شمار

اہل طائف میں ہوتا ہے۔

۲ کیونکہ اُس کے لیے اسباب سفر یعنی زاد راہ اور سواری موجود نہیں۔

۳ یہاں حدیث میں لفظ ظعن آیا ہے۔ ظا کی پیش عین ساکن اور عین کی زبر بمعنی سیر و سفر۔ سراج میں آیا ہے کہ ظعین عین ساکن اور اُس کی حرکت سے بمعنی جانا اور کوچ کرنا۔

۴ یعنی اُس کی طرف سے حج و عمرہ کر اگر اُس پر حج فرض ہے جیسا کہ ظاہر یہی ہے۔ یا اُس کا نفقہ مراد ہو گا اور اگر حج نفل ہے تو اُس کا ثواب اپنے باپ کو بخش دے اور یہ درست ہے اُس اختلاف کے ساتھ جو بدنی عبادت میں ہے بعض کے نزدیک والدین کی طرف سے مطلقاً حج کرنا ٹھیک ہے۔ یہ حدیث اور اسی طرح کی دوسری احادیث اُن کی دلیل و حجت ہیں۔ واللہ اعلم۔

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَمِعَ رَجُلًا يَقُوْلُ لَبَّيْكَ عَنْ شُبْرُمَةَ قَالَ مَنْ شُبْرُمَةُ قَالَ اَخٌ لِّيْ اَوْ قَرِيْبٌ لِّيْ قَالَ اَحَجَجْتَ عَنْ نَّفْسِكَ قَالَ لَا قَالَ حُجَّ عَنْ نَّفْسِكَ ثُمَّ حُجَّ عَنْ شُبْرُمَةَ۔ (رَوَاهُ الشَّافِعِيُّ وَاَبُوْ دَاؤُدَ وَابْنُ مَاجَةَ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی کو سنا جو کہہ رہا تھا لبیک عن شبرمۃ[۱] فرمایا شبرمۃ کون ہیں اُس نے کہا میرا بھائی ہے یا میرا قریبی[۲] ہے۔ آپ نے فرمایا کیا تو اپنی طرف سے حج کر چکا ہے اس نے کہا نہیں۔ فرمایا پہلے تو اپنی طرف سے حج کر پھر شبرمۃ کی طرف سے[۳] حج کر۔ اسے شافعی ابو داؤد اور ابن ماجہ نے روایت کیا۔

۱ شین کی پیش با ساکن را کی پیش یہ اُس شخص کا نام ہے جس کی طرف سے یہ شخص تلبیہ کہہ رہا تھا۔ اور اُس کی جانب سے حج کرنا چاہتا تھا۔

۲ یہ راوی کا شک ہے۔

۳ یہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ دوسرے کی طرف سے نائب بن کر حج کرنا اُس وقت تک جائز نہیں جب تک کہ خود اپنا فرض حج نہ کرے۔ اس مسئلے کی جانب آئمہ کی ایک جماعت گئی ہے۔ امام شافعی اور امام احمد اسی جماعت میں سے ہیں۔ اور ایک جماعت اس جانب گئی ہے کہ خود اپنا حج نہ بھی کیا ہو تو بھی دوسرے کی طرف سے حج کرنا درست ہے۔ فقہائے احناف اور امام مالک کا یہی مذہب ہے۔

وَعَنْهُ قَالَ وَقَّتَ رَسُوْلُ اللّٰهِ

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہی روایت ہے

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِاَهْلِ الْمَشْرِقِ الْعَقِيْقَ۔
(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَ اَبُوْ دَاوٗدَ)

فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل مشرق کے لیے موضع عقیق[1] کو میقات مقرر کیا۔
(ترمذی۔ ابوداؤد)

[1] عقیق عین کی زبر قاف کی زیر یہ ایک جگہ ہے ذات عرق کے قریب جو اہل عراق کی میقات ہے۔ لیکن یہ یعنی ذات عرق عقیق سے کچھ پہلے آتی ہے۔

پس امام شافعی یہ کہتے ہیں کہ چاہیے کہ عقیق سے احرام باندھا جائے احتیاطاً دونوں حدیثوں پر عمل پیرا ہونے کے لیے۔ پھر عقیق اس وادی کا نام بھی ہے جو مدینہ طیبہ سے تین میل کے فاصلے پر ہے۔ ظاہر یہ ہے کہ اس عقیق سے مدینہ منورہ کی وادی عقیق مراد نہیں۔ مگر جبکہ کوئی شخص اس جانب سے آنا چاہے۔ واللہ اعلم۔
طیبی نے کہا کہ صحیح ترین بات یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل مشرق کے لیے کوئی میقات بیان نہیں فرمائی بلکہ امیر المومنین حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے جب عراق فتح کیا تو ان کے لیے حد بندی فرمائی۔

وَعَنْ عَائِشَةَ رضی اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَّتَ لِاَهْلِ الْعِرَاقِ ذَاتَ عِرْقٍ۔
(رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ وَالنَّسَائِيُّ)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل عراق کے لیے ذات[1] عرق کو میقات مقرر فرمایا۔
(ابوداؤد۔ نسائی)

[1] یاد رہے اہل مشرق اور اہل عراق دونوں کے لیے ذات عرق ہی میقات ہے۔ موضع عقیق بھی ذات عرق میں ہی شامل ہے۔ کیونکہ دونوں جگہیں ایک دوسرے کے قریب ہیں جیسا کہ کہا گیا ہے۔

وَعَنْ اُمِّ سَلَمَةَ رضی قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ اَهَلَّ بِحَجَّةٍ اَوْ عُمْرَةٍ مِّنَ الْمَسْجِدِ الْاَقْصٰى اِلَى الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ غُفِرَ لَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ وَمَا تَاَخَّرَ اَوْ وَجَبَتْ لَهُ الْجَنَّةُ۔
(رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ وَابْنُ مَاجَةَ)

حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سنا آپ فرماتے تھے جس نے حج اور عمرے کا احرام مسجد اقصیٰ[1] سے باندھا اور مسجد خانہ کعبہ تک گیا اس کے پچھلے اگلے تمام گناہ بخش دیے گئے[2]۔ یا اس کے لیے جنت واجب ہو گئی۔
(ابوداؤد۔ ابن ماجہ)

[1] یہ بیت المقدس کا نام ہے جو شام میں واقع ہے۔
[2] یعنی از اول تا آخر سارے گناہ بخش دیے جائیں گے۔

؎۳ یہ راوی کا شک ہے جب کوئی شخص مسجد اقصیٰ سے جو کہ ملک شام میں واقع ہے، مکہ معظمہ کو آتا ہے تو راستے میں مدینہ منورہ بھی آتا ہے تو یہ شخص افضل مقامات سے مشرف ہوتا ہے۔ یعنی ابتدا میں بھی کہ مسجد اقصیٰ سے روانہ ہوتا ہے درمیان میں بھی کہ مدینہ منورہ کی زیارت سے مشرف ہوتا ہے اور آخرکار خانہ کعبہ پہنچتا ہے تو لازماً ایسا شخص ثواب عظیم کا مستحق ہوتا ہے اسے خوب سمجھ لو۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی قَالَ كَانَ اَهْلُ الْيَمَنِ يَحُجُّوْنَ فَلَا يَتَزَوَّدُوْنَ وَ يَقُوْلُوْنَ نَحْنُ الْمُتَوَكِّلُوْنَ فَاِذَا قَدِمُوْا مَكَّةَ سَاَلُوا النَّاسَ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ تَعَالٰى وَتَزَوَّدُوْا فَاِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں اہل یمن حج کے لیے روانہ ہوتے تھے مگر وہ زاد راہ ساتھ نہیں لیتے تھے۔ اور کہتے تھے کہ ہم لوگ متوکل ہیں۔ جب وہ مکہ شریف پہنچتے تو لوگوں سے مانگتے اور گداگری کرتے تھے اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ اور زاد راہ اپنے ساتھ لے کر چلو کہ بہتر زاد راہ تقویٰ ہے[1]۔

(بخاری)

؎۱ اور تقویٰ اختیار کرو یعنی سوال و گداگری سے پرہیز کرو کیونکہ تقویٰ سفر آخرت کے لیے بہترین زاد راہ ہے۔ گویا کہ ان اہل یمن نے تقویٰ کی بجائے توکل کو زاد راہ خیال کر لیا تھا۔ تو انہیں حکم دیا کہ بہترین زاد راہ تقویٰ ہے۔ اُسے اپنا توشہ اور زاد راہ بناؤ۔ ان کا توکل حقیقت میں توکل نہ تھا۔ کیونکہ اگر وہ فی الواقع متوکل ہوتے تو اُس کا حق ادا کرتے کسی سے سوال نہ کرتے۔ اسے سمجھ لو۔

وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ عَلَى النِّسَآءِ جِهَادٌ قَالَ نَعَمْ عَلَيْهِنَّ جِهَادٌ لَا قِتَالَ فِيْهِ الْحَجُّ وَالْعُمْرَةُ۔ (رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا یا رسول اللہ عورتوں پر جہاد ہے فرمایا ہاں اُن پر جہاد ہے جس میں کوئی لڑائی نہیں[1] وہ حج و عمرہ ہے۔

(ابن ماجہ)

؎۱ چونکہ حضور علیہ السلام کے یہ فرمانے پر یہ وہم ہوتا تھا کہ وہ کونسا جہاد ہے جس میں لڑائی نہیں تو آپ نے اس وہم کو دور کرتے ہوئے فرمایا کہ وہ جہاد حج و عمرہ ہے یعنی حج و عمرہ عورتوں کے لیے جہاد کی طرح ہے۔

وَعَنْ اَبِيْ اُمَامَةَ رضی قَالَ قَالَ

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں

رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ لَمْ يَمْنَعْهُ مِنَ الْحَجِّ حَاجَةٌ ظَاهِرَةٌ اَوْ سُلْطَانٌ جَائِرٌ اَوْ مَرَضٌ حَابِسٌ فَمَاتَ وَلَمْ يَحُجَّ فَلْيَمُتْ اِنْ شَآءَ يَهُوْدِيًّا وَّاِنْ شَآءَ نَصْرَانِيًّا۔ (رَوَاهُ الدَّارِمِيُّ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص کو حج پر جانے سے کسی ظاہری حاجت[1] یا کسی ظالم بادشاہ[2] یا روک دینے والی بیماری نے نہ روکا اور وہ حج کرنے کے بغیر ہی مرگیا تو اسے چاہیے کہ اگر وہ چاہے تو یہودی ہو کر مرے اور اگر چاہے تو عیسائی ہو کر مرے[3]۔ (دارمی)

[1] یعنی زاد راہ اور سواری۔

[2] یہاں حدیث میں لفظ سلطان جائر آیا ہے۔ سلطان دراصل بمعنیٰ سلطنت و غلبہ آتا ہے پھر اس کا استعمال صاحب سلطنت کے لیے بھی ہونے لگا۔

[3] اس حدیث کی شرح حضرت علی کی حدیث میں فصل ثانی میں گزر چکی ہے۔ مؤلف نے ترمذی سے اس حدیث کے بعض راویوں پر طعن کیا ہے مگر دارمی کی اس حدیث میں کوئی طعن مذکور نہیں ہے۔ واللہ اعلم۔

وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهٗ قَالَ اَلْحَاجُّ وَالْعُمَّارُ وَفْدُ اللّٰهِ اِنْ دَعَوْهُ اَجَابَهُمْ وَاِنِ اسْتَغْفَرُوْهُ غَفَرَ لَهُمْ۔ (رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے وہ حضور سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا حج و عمرہ کرنے والے[1] اللہ کی جماعت[2] ہیں اگر یہ اللہ تعالیٰ سے دعا کریں تو اللہ تعالیٰ ان کی دعا قبول کرے گا اور اگر یہ اس سے مغفرت طلب کریں تو انہیں بخش دے گا۔ (ابن ماجہ)

[1] یعنی وہ لوگ جو حج و عمرہ کی نیت سے گھروں سے باہر آتے ہیں یا وہ لوگ جو حج و عمرہ کر لیتے ہیں۔ یہ لفظ دونوں کو شامل ہے حج دراصل بمعنیٰ ارادہ ہے۔

[2] یہاں حدیث میں لفظ وفد آیا ہے یعنی آنے والے اور خدا کی درگاہ میں پہنچنے والے۔ یہ لفظ وفادت سے بنا ہے یعنی فاکی زبر سے بمعنی قاصد بن کر آنا۔ اسی سے وافد بنا ہے بمعنیٰ قاصد۔ وفد واؤ کی زبر فا ساکن کو وفود اور رفقا کی طرح ہے بمعنیٰ جماعت۔

وَعَنْهُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ وَفْدُ اللّٰهِ ثَلٰثَةٌ اَلْغَازِيْ وَالْحَاجُّ وَالْمُعْتَمِرُ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا اللہ کا وفد تین لوگ ہیں غازی، حاجی، عمرہ کرنے والا۔

(رَوَاهُ النَّسَآئِيُّ وَالْبَيْهَقِيُّ فِي شُعَبِ الْاِيْمَانِ۔)

نسائی شریف اور بیہقی شعب الایمان میں۔

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا لَقِيْتَ الْحَآجَّ فَسَلِّمْ عَلَيْهِ وَصَافِحْهُ وَمُرْهُ اَنْ يَّسْتَغْفِرَ لَكَ قَبْلَ اَنْ يَّدْخُلَ بَيْتَهٗ فَاِنَّهٗ مَغْفُوْرٌ لَّهٗ۔

(رَوَاهُ اَحْمَدُ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تو حاجی کو ملے اور اسے دیکھے تو اسے سلام کہہ اور اس سے مصافحہ[1] کر اور اسے کہہ کر وہ اپنے گھر میں داخل ہونے سے پہلے پہلے تیرے لیے دعائے مغفرت کرے کیونکہ وہ حاجی بخشا[2] ہوا ہوتا ہے۔ (احمد)

[1] مصافحہ کا معنی ہے ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑنا۔ لفظ حاج اسم مفرد ہے اور جماعت کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے۔
[2] لہٰذا بخشے ہوئے کا استغفار اور اس کی دعا مستجاب ہے۔ اس کے گھر میں داخل ہونے سے پہلے کی قید اس لیے لگائی کہ ابھی وہ خدا کے راستے میں ہے اور اپنے اہل و عیال سے جا کر مشغول نہیں ہوا۔ تو یہ وقت خاص۔ اور حالت بھی خاص ہے اس حالت میں اس کی دعا قبول ہونے کے قریب ہے۔ در حقیقت مراد یہ ہے کہ حاجی کا ثواب اور اس کا اللہ کے وفد میں سے ہونا گھر سے نکلنے سے لے کر واپس گھر میں داخل ہونے تک بدستور موجود ہے۔ حج سے واپسی پر ابھی تک منقطع نہیں ہوا۔

وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ خَرَجَ حَآجًّا اَوْ مُعْتَمِرًا اَوْ غَازِيًا ثُمَّ مَاتَ فِيْ طَرِيْقِهٖ كَتَبَ اللّٰهُ لَهٗ اَجْرَ الْغَازِيْ وَالْحَآجِّ وَالْمُعْتَمِرِ۔

(رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص نکلا حاجی بن کر یا عمرے کے لیے یا جہاد کے لیے پھر وہ اس راستے میں فوت ہو گیا تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے غازی، حاجی اور عمرہ کرنے[1] والے کا ثواب لکھ دیتا ہے۔ اسے بیہقی نے شعب الایمان میں روایت کیا۔

[1] اور اسی کے حکم میں ہے وہ شخص جو تعلیم علم اور احکام دین سیکھنے کے لیے گھر سے نکلا۔

بَابُ الْاِحْرَامِ وَالتَّلْبِيَةِ

احرام اور تلبیہ کا باب

احرام وتحریم کا معنیٰ ہے کسی چیز کو حرام کر لینا۔ حج اور عمرے میں چند چیزیں حرام ہو جاتی ہیں جن کا بیان آگے آ رہا ہے۔ تحریمہ نماز بھی اسی باب میں سے ہے۔ یعنی جب تکبیر تحریمہ کہہ لی جاتی ہے تو نماز کے علاوہ باقی کام حرام ہو جاتے ہیں۔ یا احرام کا معنیٰ ہے حرم شریف کے اندر آنا۔ اور چونکہ احرام حرم شریف کے اندر داخل ہونے کے جواز کا سبب ہے۔ اس لیے اسے احرام کہتے ہیں۔ تلبیہ کا معنیٰ ہے لبیک کہنا جیسا کہ آگے آ رہا ہے۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

پہلی فصل

عَنْ عَائِشَةَ رضی قَالَتْ كُنْتُ اُطَيِّبُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِاِحْرَامِهٖ قَبْلَ اَنْ يُّحْرِمَ وَلِحِلِّهٖ قَبْلَ اَنْ يَّطُوْفَ بِالْبَيْتِ بِطِيْبٍ فِيْهِ مِسْكٌ كَاَنِّيْ اَنْظُرُ اِلٰى وَبِيْصِ الطِّيْبِ فِيْ مَفَارِقِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ مُحْرِمٌ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے خوشبو تیار کیا کرتی تھی آپ کے احرام کے لیے احرام باندھنے سے پہلے اور آپ کے کھلنے کے لیے طواف[۱] بیت اللہ سے پہلے ایسی خوشبو جس میں مشک[۲] ہوتی تھی۔ گویا میں اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مانگ میں خوشبو کی چمک بحالت احرام دیکھ[۳] رہی ہوں۔ (بخاری ومسلم)

[۱] یعنی عید کے دن جبکہ لوگ مزدلفہ سے منیٰ میں آتے ہیں اس کے بعد آخری جمرو اشیطان کو رمی کرتے اور احرام سے باہر آتے ہیں۔ اس احرام سے باہر آنے کے ساتھ ہی عورتوں کے سوا حاجی کے لیے تمام چیزیں حلال ہو جاتی ہیں۔ پھر مکہ آتے اور طواف کرتے ہیں اس کے بعد پھر منیٰ چلے جاتے ہیں۔ پھر طواف کے بعد عورتیں بھی حلال ہو جاتی ہیں۔

[۲] یعنی میں نے آپ کے لیے خوشبو تیار کی جس میں مشک ملی ہوئی تھی۔ مستحب ہے کہ احرام میں مشک و گلاب استعمال کیا جائے۔ یعنی احرام باندھنے سے پہلے پہلے۔

۳ حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ گویا کہ میں آپ کے سر کی مانگ میں خوشبو کی چمک دمک دیکھ رہی ہوں۔ یہاں حدیث میں لفظ وبیص، ص کے ساتھ آیا ہے یعنی بجلی وغیرہ کا چمکنا۔ یہاں دوسرا لفظ مفارق آیا ہے جو مفرق کی جمع ہے۔ ر کی زیر سے بمعنی سر کی مانگ اور مفارق بلفظ جمع بھی لاتے ہیں۔ جمع لانے کی وجہ یہ ہے گویا کہ ماتھے سے لے کر پیچھے تک مانگ کے کئی حصے ہیں تو ہر حصے کے لحاظ سے لفظ جمع لایا گیا ہے۔ اور ہر ہر حصے کو گویا الگ ایک مانگ قرار دیا گیا۔ حالانکہ آپ محرم تھے یعنی خوشبو کا اثر سر مبارک میں دکھائی دے رہا تھا۔

۴ اس حدیث میں دلیل ہے کہ احرام کے بعد بحالت احرام خوشبو کا اثر باقی رہنا احرام کو نہیں توڑتا بلکہ احرام باندھ کر خوشبو کا استعمال کرنا احرام کو توڑ دیتا ہے۔ وہ خوشبو جو احرام باندھنے کے وقت استعمال کر لی جائے اور پھر اُس کا اثر باقی رہے اُس کا کوئی نقصان نہیں۔ ہم احناف اور امام احمد کا مذہب یہی ہے۔ جو اس حدیث سے ثابت ہے۔ البتہ امام مالک امام شافعی اور امام احمد سے ایک روایت کے مطابق ایسی خوشبو لگانا جس کا اثر احرام کے بعد بھی باقی رہے مکروہ ہے۔ اور علامہ طیبی نے امام شافعی کے قول کی اباحت اور امام مالک کے قول کی کراہت اور امام ابوحنیفہ کے قول کے مطابق فدیے کا واجب ہونا بیان کیا ہے جو کچھ ہم نے ذکر کیا ہے وہ ہدایہ اور اس کی شرح میں مذکور تھا اور کتاب خرقی جو امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب کی کتاب ہے اس میں مذکور ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے ایک شخص کے بارے میں پوچھا گیا جس نے شبگاہ کو احرام باندھا اور خوشبو لگائی۔ جب صبح کو اٹھا تو اُس سے خوشبو کی مشک مہک رہی تھی حضرت عبداللہ بن عمر نے فرمایا میرا اپنے جسم پر گندھک کو مل لینا میرے نزدیک ایسا کرنے سے بہتر ہے۔ یہ خبر حضرت عائشہ تک پہنچی تو حضرت عائشہ نے اُن کی اس بات پر اعتراض کیا اور اس حدیث کو روایت کیا۔ اور لوگوں نے حضرت عبداللہ بن زبیر کو دیکھا کہ آپ نے احرام باندھا ہوا تھا اور آپ کے سر اور داڑھی مبارک میں خوشبو لگی ہوئی تھی۔ واللہ اعلم۔

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُهِلُّ مُلَبِّدًا يَقُوْلُ لَبَّيْكَ اَللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ لَبَّيْكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ لَبَّيْكَ اِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَكَ وَالْمُلْكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ لَا يَزِيْدُ عَلٰى هٰؤُلَاءِ الْكَلِمَاتِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں، میں نے سنا کہ آپ نے اپنے بال مبارک ایک دوسرے سے کسی چیز کے ساتھ جوڑتے ہوئے تھے[1] مثلاً گوند وغیرہ کے ساتھ اور آپ اس طرح تلبیہ کہہ رہے تھے لبیک[2] اللھم لبیک۔ لاشریک لک لبیک ان الحمد[3] والنعمۃ لک والملک[4] لاشریک لک۔ آپ ان کلمات سے زیادہ نہ پڑھتے تھے[5]۔ (بخاری و مسلم)

[1] یعنی جبکہ آپ تلبیہ کہہ رہے تھے اُس وقت آپ نے اپنے بالوں کو ایک دوسرے کے ساتھ جوڑا ہوا تھا جیسے گوند اور خطمی وغیرہ سے تاکہ بال ایک دوسرے کے ساتھ چپاں ہو جائیں تاکہ پراگندہ اور غبار آلودہ نہ ہوں اور ہوا سے بھی محفوظ رہیں۔

۲؎ میں تیری خدمت و طاعت کے لیے کھڑا ہوں یا خدا تیرا کوئی شریک نہیں خدمت و طاعت میں
۳؎ ان الحمد میں لفظ انّ کے ہمزہ پر زیر و زبر پڑھنا دونوں طرح مروی ہے۔
۴؎ میم کی پیش سے معنی بادشاہی۔
۵؎ بعض روایات میں زیادہ الفاظ بھی آئے ہیں مگر ابن عمر فرماتے ہیں تلبیہ کے جو الفاظ میں نے سنے وہ یہی ہیں ان سے زیادہ نہیں ہیں۔ اتنی مقدار ہی کافی ہے۔ اسے سمجھ لو۔

وَعَنْهُ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَدْخَلَ رِجْلَهٗ فِي الْغَرْزِ وَاسْتَوَتْ بِهٖ نَاقَتُهٗ قَائِمَةً أَهَلَّ مِنْ عِنْدِ مَسْجِدِ ذِي الْحُلَيْفَةِ۔
(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہی روایت ہے۔ فرماتے ہیں بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنا پاؤں مبارک جب رکاب[۱] میں داخل کرتے اور آپ کا ناقہ مبارک آپ کے ساتھ سیدھا کھڑا ہو جاتا تو آپ مسجد ذا الحلیفہ[۲] کے پاس سے تلبیہ پڑھنا شروع کر دیتے۔
(بخاری و مسلم[۳])

۱؎ یہاں حدیث میں لفظ غرز آیا ہے غین کی زبر را ساکن آخر میں زا۔ یہ اُس رکاب کو کہتے ہیں جو چمڑے کی بنی ہو اور جو لکڑی اور لوہے کی بنی ہو اُسے عربی میں رکاب کہتے ہیں۔

۲؎ جو کہ اہل مدینہ کی میقات ہے یہاں مسجد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانے کے بعد تعمیر کی گئی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانے میں یہاں مسجد نہ تھی راوی نے مسجد کا ذکر بعد کے زمانے کے مطابق کر دیا۔ حضور نبی پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مدینہ پاک میں ظہر کی نماز ادا فرمائی۔ مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے اور نماز عصر ذا الحلیفہ میں آکر ادا فرمائی۔ پھر رات بھی یہیں بسر کی۔ صبح کو احرام باندھا۔ جب اونٹنی کی پشت مبارک پر ٹھیک طرح تشریف فرما ہو گئے اور اونٹنی کھڑی ہو گئی تو آپ نے لبیک اللھم لبیک الی آخرہ تک پڑھنا شروع کیا۔

۳؎ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اونٹنی کی پشت پر بیٹھ کر اور اونٹنی کے کھڑے ہونے کے بعد تلبیہ کہا۔ اسی کو امام شافعی نے لیا ہے۔ حنفیوں کے نزدیک نماز کے بعد تلبیہ کہنا مسنون ہے۔ امام مالک کا قول بھی یہی ہے۔

ہدایہ میں فرماتے ہیں کہ تلبیہ کہنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے نماز کے بعد مروی ہے لیکن اگر سواری کی پشت پر ٹھیک طرح بیٹھنے کے بعد تلبیہ شروع کرے تو بھی درست ہے۔ لیکن نماز کے بعد کہنا افضل ہے۔ امام احمد کا مشہور مذہب یہ ہے کہ نماز کے بعد شروع کر دینا چاہیے مگر اُن کے بعض ساتھیوں کے نزدیک سواری پر ٹھیک طرح بیٹھ جانے کے بعد تلبیہ شروع کرنا پسندیدہ طریقہ ہے۔

کتاب خرقی کی شرح میں فرمایا کہ حضرت سعید ابن جبیر فرماتے ہیں میں نے حضرت ابن عباس سے کہا کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ پر تعجب ہوتا ہے کہ انہوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نماز کے بعد تلبیہ کہنے یا اونٹنی کی پشت پر ٹھیک طرح بیٹھ جانے کے بعد تلبیہ کہنے میں اختلاف کیا ہے۔ اس پر حضرت ابن عباس نے فرمایا میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے تلبیہ کہنے کی حقیقت کو سب سے زیادہ جانتا ہوں۔ آپ نے احرام کی دو رکعت سے فارغ ہونے کے بعد تلبیہ کہا تو اسے کچھ لوگوں نے سنا اور یاد کر لیا۔ اس کے بعد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اونٹنی پر سوار ہوئے پھر تلبیہ کہا تو اسے کچھ اور لوگوں نے سنا تو انہوں نے یہ کہہ دیا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تلبیہ ابھی اونٹنی پر سوار ہو کر ہی کہا ہے۔ اس کے بعد حضور نبی پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام وہاں سے روانہ ہوئے اور ایک بلند جگہ جس کا نام بیداء ہے پر پہنچے تو تلبیہ کہا لوگوں نے اسے سنا تو گمان کیا کہ حضور علیہ السلام نے اب تلبیہ کہنا شروع کیا۔ حالانکہ میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے تلبیہ کی ابتدا کو جانتا ہوں کہ آپ نے مصلّٰی نماز پر ہی تلبیہ کہنا شروع کر دیا۔ اس گفتگو سے روایات میں مطابقت واقع ہو گئی۔ چونکہ حج کے اس موقع پر صحابہ کرام کا اجتماع اور ہجوم بہت تھا۔ یہاں تک کہ کہا گیا ہے کہ شمار سے باہر تھا۔ کہ ایک لاکھ سے زیادہ افراد آپ کے ساتھ تھے۔ ہر طرف جہاں تک نگاہ پہنچتی تھی آدمی ہی آدمی نظر آتے تھے۔

وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ قَالَ قَالَ خَرَجْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نَصْرُخُ بِالْحَجِّ صُرَاخًا۔ (رَوَاہُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں ہم لوگ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نکلے کہ حج کا خوب شور مچاتے تھے[1] یعنی بلند آواز سے تلبیہ کہتے تھے۔ (مسلم)

[1] یعنی ہم نے صرف حج کی نیت کی تھی یہ اختلاف کا مقام ہے آئندہ احادیث میں اس اختلاف کی شرح بیان ہوگی۔ یہاں حدیث میں لفظ صراخ ص کی پیش سے آخر میں خا بمعنی فریاد کرنا ہے۔

وَعَنْ اَنَسٍؓ قَالَ كُنْتُ رَدِيْفَ اَبِیْ طَلْحَةَ وَاِنَّهُمْ لَيَصْرُخُوْنَ بِهِمَا جَمِيْعًا اَلْحَجِّ وَالْعُمْرَةِ۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں حضرت ابو طلحہ کے ساتھ سواری پر اُن کے پیچھے بیٹھا ہوا تھا اور بے شک صحابہ کرام سب کے سب بلند آواز سے حج اور عمرے کے لیے تلبیہ کہہ رہے تھے۔ (بخاری)

وَعَنْ عَائِشَةَؓ قَالَتْ خَرَجْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَامَ حَجَّةِ الْوَدَاعِ فَمِنَّا مَنْ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں ہم لوگ حجۃ الوداع کے سال نکلے تو ہم میں سے بعض وہ تھے جنہوں نے صرف عمرے کا احرام باندھا تھا۔ اور ہم

اَهَلَّ بِعُمْرَةٍ وَّمِنَّا مَنْ اَهَلَّ بِحَجٍّ وَّعُمْرَةٍ وَّمِنَّا مَنْ اَهَلَّ بِالْحَجِّ وَاَهَلَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْحَجِّ فَاَمَّا مَنْ اَهَلَّ بِعُمْرَةٍ فَحَلَّ وَاَمَّا مَنْ اَهَلَّ بِالْحَجِّ اَوْ جَمَعَ الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ فَلَمْ يَحِلُّوْا حَتّٰى كَانَ يَوْمُ النَّحْرِ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

ہیں سے کچھ وہ تھے جنہوں نے حج و عمرہ دونوں کا احرام باندھا تھا۔ کچھ ایسے تھے جنہوں نے صرف حج کا احرام باندھا تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کا احرام باندھا تھا جس نے عمرے کا احرام باندھا تھا وہ عمرے کے احرام سے عمرہ کرنے کے بعد باہر آگیا لیکن جس نے حج کا احرام باندھا تھا یا حج و عمرہ دونوں کا احرام باندھا تھا وہ دسویں تاریخ تک احرام سے باہر نہ نکلا[2]

(بخاری و مسلم)

[1] حجۃ الوداع کو حجۃ الوداع کہنے کی وجہ آگے معلوم ہوگی۔

[2] یہاں حدیث میں لفظ فلم یحل آیا ہے اور بعض نسخوں میں فلم یحلو جمع کی ضمیر سے آیا ہے۔ یہاں تک کہ دسویں تاریخ یعنی عید کا دن آگیا جو حج کے مکمل ہونے اور احرام سے باہر آنے کا دن ہے۔ اگرچہ ابھی طواف باقی ہوتا ہے۔

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ تَمَتَّعَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِىْ حَجَّةِ الْوَدَاعِ بِالْعُمْرَةِ اِلَى الْحَجِّ بَدَاَ فَاَهَلَّ بِالْعُمْرَةِ ثُمَّ اَهَلَّ بِالْحَجِّ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے دن عمرے سے حج کا تمتع کیا[1] تو آپ نے پہلے عمرے کا احرام باندھا پھر حج کا۔

(بخاری و مسلم[2])

[1] اس کی تفسیر یہ ہے کہ آپ نے پہلے عمرہ کیا پھر عمرے سے فارغ ہو کر احرام کھول دیا اس کے بعد حج کا احرام باندھا۔

[2] ارکان حج ادا کرنے والوں کی تین قسمیں ہیں ایک مُفرد۔ میم کی پیش فا ساکن را کی زیر سے یعنی حج مفرد کرنے والا جو صرف حج کے لیے یا صرف عمرے کے لیے احرام باندھتا ہے۔ دوسرا قارن یعنی قران کرنے والا جو حج و عمرہ دونوں کے لیے احرام باندھتا ہے۔ تیسرا متمتع تمتع کی صورت یہ ہے کہ اول عمرہ کرے اگر قربانی کا جانور ساتھ لے گیا ہو تو عمرہ کرنے کے بعد احرام کی حالت میں ہی رہے اور اگر قربانی کا جانور ساتھ نہ لے گیا ہو تو عمرہ کرنے کے بعد احرام سے باہر آ جائے۔ اور مکے میں ہی ٹھہرا رہے جب حج کے ایام آئیں تو پھر حج کا احرام باندھے اور حج کرے جیسا کہ ان احکام کے بیان میں آ رہا ہے۔ حج تمتع کی فضیلت یہ ہے کہ یہ دونوں عبادتیں ایک ہی سال میں میسر آ جاتی ہیں۔

احادیث و اخبار مختلف ہیں کہ صحابہ حج مفرد کرتے تھے یا حج قران یا حج تمتع اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل مبارک میں بھی صحیح احادیث آئی ہیں کہ حضور علیہ الصلاۃ والسلام نے حج قران کیا، سترہ صحابہ نے اُسے روایت کیا ہے۔ حج مفرد کے بارے میں بھی بہت سی احادیث آئی ہیں اور تمتع میں بھی احادیث مروی ہیں۔

علمائے کرام نے ان احادیث و روایات کی موافقت و تطبیق میں گفتگو فرمائی ہے۔ اور قران کو ترجیح دی ہے یہ ساری بحث شرح سفر السعادۃ میں بیان کر دی گئی ہے۔ وہاں دیکھ لی جائے۔ بعض بے دین لوگوں نے یہاں اہل اسلام پر اعتراض کرتے ہوئے کہا ہے کہ اے مسلمانو! تمہیں کیا ہو گیا کہ اپنے پیغمبر کے اصل حال کو بھی محفوظ نہیں رکھ سکے۔ کہ آپ قارن تھے یا مفرد حالانکہ اس وقت تمہاری بڑی کثرت اور ہجوم تھا۔ مگر یہ اعتراض کرنے والے نادان لوگ یہ نہ جان سکے کہ یہی کثرت و اجتماع اور ہجوم تشخیص و تعیین میں رکاوٹ بن گیا اور اس کے باوجود کہ تحقیق و تطبیق سے حالت کا تعین ہو گیا۔ مگر تم لوگ بلا وجہ زبان اعتراض کھولے ہوئے ہو۔ ع

غرض بد را بہانہ بسیار است

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ — دوسری فصل

عَنْ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ اَنَّهٗ رَاٰى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَجَرَّدَ لِاِهْلَالِهٖ وَاغْتَسَلَ ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَالدَّارِمِيُّ)

حضرت زید ابن ثابت[1] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے بے شک انہوں نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ اپنے احرام[2] کے لیے برہنہ ہوئے اور غسل فرمایا۔ (ترمذی و دارمی)

[1] حضرت زید ابن ثابت فقہائے صحابہ اور اُن کے اکابر میں سے ہیں آپ کاتب وحی بھی ہیں قرآن کے جامع بھی ہیں۔ علم میراث کے مسائل کے ماہر تھے۔

[2] یہاں حدیث میں لفظ اہلال آیا ہے بمعنی تلبیہ کے لیے آواز بلند کرنا۔ یہاں احرام مراد ہے جو کہ تلبیہ کا سبب ہے۔ مصابیح کے نسخے میں لاحرامہ آیا ہے احرام کے لیے غسل کرنا افضل و اکمل ہے۔ اور اگر صرف وضو کرے تو بھی کافی ہے۔

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَبَّدَ رَاْسَهٗ بِالْغِسْلِ ۔ (رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے بے شک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بال مبارک خطمی سے چپکائے۔[1] (ابو داؤد)

لہ یہاں حدیث میں لفظ تلبّد آیا ہے یعنی سر کو خطمی اور مٹی وغیرہ سے آپس میں چپکا یا تاکہ بال منتشر و پراگندہ نہ ہوں جیساکہ فصل اول میں گزرا ۔ —— بعض نے حدیث میں واقع لفظ غسل کو عسل پڑھا ہے بمعنی شہد مگر یہ بالکل غلط ہے ۔

وَعَنْ خَلَّادِ بْنِ السَّائِبِ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَتَانِيْ جِبْرِيْلُ فَاَمَرَنِيْ اَنْ اٰمُرَ اَصْحَابِيْ اَنْ يَّرْفَعُوْا اَصْوَاتَهُمْ بِالْاِهْلَالِ اَوِ التَّلْبِيَةِ۔ (رَوَاهُ مَالِكٌ وَالتِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْدَاؤُدَ وَالنَّسَائِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَالدَّارِمِيُّ)

حضرت خلاد بن السائب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے پاس حضرت جبرائیل آئے اور مجھے حکم دیا کہ میں اپنے صحابہ کو بلند آواز سے لبیک کہنے کا حکم دوں یا میں انہیں کہوں کہ بلند آواز سے تلبیہ کہو۔ ۲ (مالک۔ ترمذی۔ ابو داؤد۔ نسائی۔ ابن ماجہ دارمی۔)

لہ خلاد یعنی خا کی زبر لام مشدد آپ ثقہ تابعین میں سے ہیں۔

۲ یعنی یا آپ نے اہلال کی بجائے لفظ تلبیہ ارشاد فرمایا مراد ایک ہی ہے۔ ذکر میں اگرچہ اخفاء افضل ہے مگر یہاں بلند آواز کرنا افضل ہے۔

وَعَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ مُسْلِمٍ يُّلَبِّيْ اِلَّا لَبّٰى مَنْ عَنْ يَّمِيْنِهٖ وَشِمَالِهٖ مِنْ حَجَرٍ اَوْ شَجَرٍ اَوْ مَدَرٍ حَتّٰى يَنْقَطِعَ الْاَرْضُ مِنْ هٰهُنَا وَهٰهُنَا۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ)

حضرت سہل بن سعد ۱ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی مسلمان لبیک نہیں کہتا اور نہیں پڑھتا مگر اس کے دائیں اور بائیں پتھر ۲ درخت یا مٹی کے ڈھیلے سب پڑھتے ہیں۔ یہاں سے لے کر زمین کے آخری کنارے تک۔ ۳ (ترمذی، ابن ماجہ)

لہ یعنی حضرت سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہ جو اکابر صحابہ میں سے ہیں۔ مدینہ منورہ میں سب سے آخر فوت ہونے والے صحابی یہی ہیں۔

۲ یہاں حدیث میں لفظ من حجر او شجر او مدر آیا ہے۔ ایک روایت میں ما من یمینہ وشمالہ آیا ہے۔

۳ یعنی اس بندے کے دائیں اور بائیں زمین کے آخری کنارے تک حجر و شجر جتنی بھی چیزیں ہوتی ہیں سب تلبیہ کہہ رہی ہوتی ہیں۔

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے فرماتے ہیں

اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَرْکَعُ بِذِی الْحُلَیْفَۃِ رَکْعَتَیْنِ ثُمَّ اِذَا اسْتَوَتْ بِہِ النَّاقَۃُ قَائِمَۃً عِنْدَ مَسْجِدِ ذِی الْحُلَیْفَۃِ اَھَلَّ بِھٰؤُلَاءِ الْکَلِمَاتِ وَیَقُوْلُ لَبَّیْکَ اَللّٰھُمَّ لَبَّیْکَ لَبَّیْکَ وَسَعْدَیْکَ وَالْخَیْرُ فِیْ یَدَیْکَ لَبَّیْکَ وَالرَّغْبَاءُ اِلَیْکَ وَالْعَمَلُ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ وَلَفْظُہٗ لِمُسْلِمٍ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مقام ذاالحلیفہ میں دو رکعت نماز برائے احرام ادا فرماتے تھے۔ پھر آپ مسجد ذوالحلیفہ کے پاس جب اپنی ناقہ مبارکہ پر جو کہ کھڑی ہوتی تھی صحیح طرح بیٹھ جاتے تھے تو ان کلمات کے ساتھ تلبیہ کہتے تھے یعنی لبیک اللّٰھم لبیک۔ لبیک و سعدیک[۱] والخیر فی یدیک[۲] لبیک والرغبا[۳] الیک والعمل[۴]

بخاری و مسلم۔ اور لفظ مسلم کے ہیں۔

[۱] لبیک کے معنی تو معلوم ہو چکے ہیں سعدیک کا معنی یہ ہے میں بار بار تیری موافقت کرتا ہوں اور ہمیشہ تیرے دین کی نصرت و تقویت اور تیرے حکم کی بجا آوری میں مصروف رہتا ہوں۔

[۲] یعنی نیکی بھی تیرے ہاتھ میں ہے اور قدرت و تصرف بھی تیرا ہی ہے۔

[۳] یعنی میلان رغبت اور طلب بھی تیری ہی ہے۔ کیونکہ ہر طرح کی خیر تیرے ہاتھ میں ہے۔ لفظ رغبا را کی زبر غین کا جزم آخر میں مد اور ر کی پیش اور الف مقصورہ دونوں روایتیں ہیں۔

[۴] یعنی عمل کی انتہا بھی تیری طرف ہی ہے اور عمل سے مقصود بھی تو ہے اور ہر نیک عمل تیری طرف ہی چڑھتا ہے۔

وَعَنْ عُمَارَۃَ بْنِ خُزَیْمَۃَ بْنِ ثَابِتٍ رض عَنْ اَبِیْہِ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنَّہٗ کَانَ اِذَا فَرَغَ مِنْ تَلْبِیَتِہٖ سَاَلَ اللّٰہَ رِضْوَانَہٗ وَالْجَنَّۃَ وَاسْتَعْفَاہُ بِرَحْمَتِہٖ مِنَ النَّارِ۔

(رَوَاہُ الشَّافِعِیُّ)

حضرت عمارہ بن خزیمہ بن ثابت رضی اللہ عنہ اپنے باپ خزیمہ بن ثابت سے روایت کرتے ہیں وہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ بے شک حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام جب تلبیہ سے فارغ ہوتے تو اللہ تعالیٰ سے اس کی رضا[۱] اور جنت مانگتے اور اس کی رحمت کے ساتھ اس کی آگ سے بھی معافی طلب[۲] کرتے تھے۔

(شافعی)

[۱] کہ یہ حج و عمرہ اللہ تعالیٰ کے حضور پسندیدہ اور مقبول ہو، آپ یہ بھی سوال کرتے تھے کہ بہشت کی صورت میں مجھے ان کا ثواب ملے جیسا کہ ایک دوسری حدیث میں فرمایا کہ حج مبرور کا ثواب جنت ہے۔

[۲] سنت یہ ہے کہ جب بھی حاجی تلبیہ کہے تو یہ دعا بھی کرے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

عَنْ جَابِرٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا اَرَادَ الْحَجَّ اَذَّنَ فِي النَّاسِ فَاجْتَمَعُوْا فَلَمَّا اَتَى الْبَيْدَاءَ اَحْرَمَ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حج کا ارادہ فرمایا تو لوگوں میں اعلان کیا۔ چنانچہ لوگ اکٹھے ہو گئے پھر جب آپ مقام بیداء[1] میں پہنچے تو وہاں سے احرام باندھا۔ (بخاری)

[1] بیدا ایک جگہ کا نام ہے یہ لفظ جنگل و بیابان کے معنی میں بھی آتا ہے آپ نے احرام باندھا اور تلبیہ کہا۔ آپ نے احرام کو مسجد ذوالحلیفہ سے باندھا، مگر تلبیہ یہاں سے شروع کیا۔ ایک روایت کے مطابق تلبیہ بھی مسجد سے ہی کہنا شروع کر دیا اور ایک روایت کے مطابق اپنی اونٹنی کی پشت پر بیٹھ کر تلبیہ کہنا شروع کیا۔ ان روایات کے درمیان مطابقت کا بیان پیچھے گزر چکا ہے۔

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ الْمُشْرِكُوْنَ يَقُوْلُوْنَ لَبَّيْكَ لَاشَرِيْكَ لَكَ فَيَقُوْلُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَيْلَكُمْ قَدٍ قَدٍ اِلَّا شَرِيْكًا هُوَ لَكَ تَمْلِكُهُ وَمَا مَلَكَ يَقُوْلُوْنَ هٰذَا وَهُمْ يَطُوْفُوْنَ بِالْبَيْتِ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ مشرکین تلبیہ کہتے وقت کہا کرتے تھے لبیک لاشریک لک ان الفاظ پر جب وہ پہنچتے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تم پر افسوس بس کرو بس کرو[1] گروہ لوگ اس کے بعد اس طرح پڑھتے الا شریکا ھو لک تملکہ وما ملک یعنی ہم حاضر ہیں تیرا کوئی شریک نہیں حضور علیہ السلام ان کے اس کلمے کو سن کر فرماتے کہ بس یہی کلمات پڑھو گروہ لوگ اس کے بعد یہ بھی کہتے کہ تیرا کوئی شریک نہیں مگر وہ شریک جو تیرے لیے ہے جس کا تو مالک ہے اور جس کا وہ مالک ہے اس کا بھی تو مالک ہے یہ الفاظ کہتے اور بیت اللہ کا طواف کرتے[2]۔ (مسلم)

[1] یہاں حدیث میں لفظ قد قد آیا ہے کاف کی زبر دال ساکن اور ایک روایت میں تنوین سے بھی پڑھا گیا ہے۔ دونوں روایتیں ہیں۔

[2] مشرکین بھی حج و عمرہ طواف اور حجر اسود کو چومتے اور اس گھر کی ہمیشہ تعظیم کرتے تھے لیکن شرک میں مبتلا ہونے کی وجہ سے تلبیہ میں یہ الفاظ پڑھتے تھے جن کا ذکر اوپر ہوا ہے۔ وہ لوگ اس عبارت میں اگرچہ اللہ تعالیٰ سے شریک کی نفی کرتے تھے

گر اپنے بتوں کو مستثنیٰ کر لیتے اور کہتے تھے کہ وہ خدا کے شریک ہیں۔ مگر وہ اس کے مملوک ہیں اگر وہ بت کسی چیز کے مالک ہیں تو وہ بھی خدا ہی کی ملکیت ہے۔ جب یہ لوگ لبیک لا شریک لک تک پہنچتے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے بس بس اتنی مقدار سے آگے نہ کہو کیونکہ خدا کا کوئی شریک نہیں، اس سے بڑھ کر الا شریکا کے الفاظ نہ کہو۔ حقیقت یہ ہے کہ شرکت و ملکیت دونوں چیزیں اکٹھی نہیں ہو سکتیں کیونکہ مملوک مالک کا شریک نہیں ہوتا۔

بَابُ قِصَّةِ حَجَّةِ الْوَدَاعِ

قصہ حجۃ الوداع کا بیان

وَداع واو کی زبر سے کسی کو رخصت اور وداع کرنا پھر اس حج کو جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کیا، حجۃ الوداع کہتے ہیں کیونکہ آپ نے اس میں لوگوں کو شریعت کی تعلیم دی انہیں وداع فرمایا۔ اور اپنی رحلت کی خبر دی۔ اور انہیں ادائے رسالت و تبلیغ احکام پر گواہ بنایا یہ ۱۰ھ ہجری کا واقعہ ہے جو کہ حضور علیہ السلام کی عمر شریف کے سالوں کا آخری سال ہے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث پاک اس بارے میں نہایت جامع اور اتم حدیث ہے یہ حدیث حضرت امام جعفر سے ان کے باپ امام محمد باقر سے اور حضرت جابر سے روایت ہے۔ امام محمد باقر حضرت جابر کے شاگرد ہیں اور انہیں حضرت جابر سے حدیث سننے کا شرف حاصل ہے۔ علماء فرماتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کو بشارت دی تھی کہ میری اولاد میں سے ایک شخص تجھ سے خدا کا علم حاصل کرے گا۔ امام محمد باقر عظمائے تابعین اور اکابر علماء میں سے ہوئے ہیں۔ رضی اللہ عنہ وعن آبائہ الکرام۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ رض اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَكَثَ بِالْمَدِيْنَةِ تِسْعَ سِنِيْنَ لَمْ يَحُجَّ ثُمَّ اَذَّنَ فِى النَّاسِ بِالْحَجِّ فِى الْعَاشِرَةِ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَاجٌّ فَقَدِمَ

پہلی فصل

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نو برس مدینہ طیبہ میں مقیم رہے ان سالوں میں آپ نے حج نہ کیا پھر دسویں سال لوگوں میں حج کا اعلان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حج کو تشریف لے جانے والے ہیں چنانچہ مدینہ پاک میں بہت زیادہ لوگ جمع ہو گئے تو ہم لوگ آپ کے ساتھ نکلے یہاں تک کہ

الْمَدِيْنَةَ بَشَرٌ كَثِيْرٌ فَخَرَجْنَا مَعَهُ
حَتّٰى إِذَا أَتَيْنَا ذَا الْحُلَيْفَةِ فَوَلَدَتْ
أَسْمَاءُ بِنْتُ عُمَيْسٍ مُحَمَّدَ بْنَ أَبِيْ
بَكْرٍ فَأَرْسَلَتْ إِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى
اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَيْفَ أَصْنَعُ قَالَ
اغْتَسِلِيْ وَاسْتَثْفِرِيْ بِثَوْبٍ وَّأَحْرِمِيْ
فَصَلّٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ فِي الْمَسْجِدِ ثُمَّ رَكِبَ الْقَصْوَآءَ
حَتّٰى إِذَا اسْتَوَتْ بِهٖ نَاقَتُهٗ عَلَى
الْبَيْدَآءِ أَهَلَّ بِالتَّوْحِيْدِ لَبَّيْكَ اللّٰهُمَّ
لَبَّيْكَ لَبَّيْكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ لَبَّيْكَ
إِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَكَ وَالْمُلْكَ
لَا شَرِيْكَ لَكَ قَالَ جَابِرٌ لَسْنَا نَنْوِيْ
إِلَّا الْحَجَّ لَسْنَا نَعْرِفُ الْعُمْرَةَ حَتّٰى
إِذَا أَتَيْنَا الْبَيْتَ مَعَهُ اسْتَلَمَ الرُّكْنَ
فَطَافَ سَبْعًا فَرَمَلَ ثَلَاثًا وَّمَشٰى
أَرْبَعًا ثُمَّ تَقَدَّمَ إِلٰى مَقَامِ إِبْرَاهِيْمَ
فَقَرَأَ وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ إِبْرَاهِيْمَ
مُصَلًّى فَجَعَلَ الْمَقَامَ بَيْنَهٗ وَبَيْنَ
الْبَيْتِ وَفِيْ رِوَايَةٍ أَنَّهٗ قَرَأَ فِي
الرَّكْعَتَيْنِ قُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ وَقُلْ
يَا أَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ ثُمَّ رَجَعَ إِلَى الرُّكْنِ
فَاسْتَلَمَهٗ ثُمَّ خَرَجَ مِنَ الْبَابِ إِلَى
الصَّفَا فَلَمَّا دَنَا مِنَ الصَّفَا قَرَأَ
إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللّٰهِ

جب ہم ذوالحلیفہ میں پہنچے تو حضرت اسماء بنت عمیس
کے ہاں حضرت محمد بن ابوبکر صدیق پیدا ہوئے اُس بیوی
نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کہلا بھیجا کہ
اب میں کیا کروں؟ فرمایا نہالے اور کوئی کپڑا باندھ لے اور
احرام باندھ لے پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد میں
نماز ادا کی اور پھر آپ قصواء اونٹنی پر سوار ہو گئے یہاں تک کہ
جب اونٹنی آپ کو لے کر میدان میں سیدھی کھڑی ہوئی
تو حضور علیہ السلام نے کلمہ توحید بلند آواز سے پکارا یعنی
حاضر ہوں الٰہی میں حاضر ہوں تیرا کوئی شریک نہیں میں
حاضر ہوں بے شک تعریف، نعمت ملک تیرے ہی ہیں
تیرا کوئی شریک نہیں۔ حضرت جابر کہتے ہیں ہم صرف حج
کی نیت سے تھے عمرہ کو نہیں جانتے تھے یہاں تک کہ
جب ہم لوگ کعبہ شریف میں حضور نبی کریم علیہ السلام کے
ساتھ پہنچے تو حضور علیہ السلام نے رکن کو بوسہ دیا۔ پھر سات
پھیرے طواف کیا جس کے تین چکروں میں رمل فرمایا اور چار میں
معمول کے مطابق چال چلے پھر مقام ابراہیم پر تشریف لائے تو یہ
آیت تلاوت فرمائی کہ مقام ابراہیم کو جائے نماز بناؤ پھر دو
رکعتیں اس طرح پڑھیں کہ مقام کو اپنے اور بیت کے درمیان
کر لیا۔ ایک اور روایت میں ہے کہ آپ نے اُن دونوں
رکعتوں میں قل ھو اللہ احد اور قل یا ایھا الکافرون پڑھیں
پھر رکن اسود کی طرف لوٹے اور اُسے چوما۔ پھر دروازے
سے صفا پہاڑ کی طرف تشریف لے گئے۔ جب صفا کے
قریب ہوئے تو یہ آیت تلاوت کی بے شک صفا و
مروہ اللہ تعالیٰ کی دینی نشانیوں میں سے ہیں۔ ہم
اُس سے ابتدا کریں گے جس سے اللہ تعالیٰ نے

اَبْدَأُ بِمَا بَدَءَ اللّٰهُ بِهٖ فَبَدَأَ بِالصَّفَا فَرَقِيَ عَلَيْهِ حَتّٰى رَاَى الْبَيْتَ فَاسْتَقْبَلَ الْقِبْلَةَ فَوَحَّدَ اللّٰهَ وَكَبَّرَهٗ وَقَالَ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ اَنْجَزَ وَعْدَهٗ وَنَصَرَ عَبْدَهٗ وَهَزَمَ الْاَحْزَابَ وَحْدَهٗ ثُمَّ دَعَا بَيْنَ ذٰلِكَ قَالَ هٰذَا مِثْلَ هٰذَا ثَلٰثَ مَرَّاتٍ ثُمَّ نَزَلَ وَمَشٰى اِلَى الْمَرْوَةِ حَتّٰى انْصَبَّتْ قَدَمَاهُ فِيْ بَطْنِ الْوَادِيْ ثُمَّ سَعٰى حَتّٰى اِذَا صَعِدَتَا مَشٰى حَتّٰى اَتَى الْمَرْوَةَ فَفَعَلَ عَلَى الْمَرْوَةِ كَمَا فَعَلَ عَلَى الصَّفَا حَتّٰى اِذَا كَانَ اٰخِرُ طَوَافٍ عَلَى الْمَرْوَةِ نَادٰى وَهُوَ عَلَى الْمَرْوَةِ وَالنَّاسُ تَحْتَهٗ فَقَالَ لَوْ اَنِّي اسْتَقْبَلْتُ مِنْ اَمْرِيْ مَا اسْتَدْبَرْتُ لَمْ اَسُقِ الْهَدْيَ وَجَعَلْتُهَا عُمْرَةً فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ لَيْسَ مَعَهٗ هَدْيٌ فَلْيَحِلَّ وَلْيَجْعَلْهَا عُمْرَةً فَقَامَ سُرَاقَةُ بْنُ مَالِكِ بْنِ جُعْشُمٍ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَلِعَامِنَا هٰذَا اَمْ لِاَبَدٍ فَشَبَّكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَصَابِعَهٗ وَاحِدَةً فِي الْاُخْرٰى

ابتدا کی۔ چنانچہ آپ نے صفا سے سعی شروع کی اُس پر چڑھے یہاں تک کہ کعبہ معظمہ کو دیکھ لیا۔[۱۱] تو کعبہ شریف کی طرف منہ کیا اللہ تعالیٰ کی توحید اور اُس کی تکبیر بیان کی۔ اور فرمایا اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اُس کا کوئی شریک نہیں اُسی کا ملک ہے اُسی کے لیے تعریف ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اللہ اکیلے کے سوا کوئی معبود نہیں جس نے اپنا وعدہ[۱۷] پورا کر دیا اپنے بندے کی مدد[۱۸] کی اُس اکیلے رب نے گروہوں کو بھگایا پھر اُن اذکار کے درمیان دعا مانگی۔ تین[۱۹] بار یہ فرمایا پھر اترے اور مروہ کی طرف[۲۰] چلے یہاں تک کہ جب نیچے وادی میں پہنچے اور آپ کے قدم مبارک سیدھے برابر ہو گئے تو پھر دوڑے[۲۱] یہاں تک کہ جب آپ کے قدم چڑھنے[۲۲] لگے تو معمول کی چال چلے۔ حتیٰ کہ مروہ[۲۳] پر پہنچ گئے۔ پھر مروہ پر بھی وہی کیا جیسا[۲۴] صفا پر کیا تھا یہاں تک کہ جب مروہ پر آخری چکر ہوا تو آپ نے آواز دی جبکہ آپ مروہ پر تشریف فرما تھے اور لوگ آپ سے نیچے تھے فرمایا اگر ہم اس کام کا پہلے سے خیال کرتے جس کا بعد میں خیال آیا تو ہم ھدی[۲۵] نہ چلاتے اور اسے عمرہ قرار دیتے[۲۶] لہٰذا تم میں سے جس کے ساتھ ھدی نہ ہو وہ احرام کھول دے اور اسے عمرہ بنائے[۲۷] اُس وقت حضرت سراقہ[۲۸] بن مالک بن جعشم[۲۹] کھڑے ہو کر بولے یارسول اللہ کیا یہ حکم ہمارے اسی سال کے لیے ہے یا ہمیشہ کے لیے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ایک ہاتھ کی انگلیاں دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں داخل فرمائیں اور دو بار فرمایا کہ عمرہ حج

وَ قَالَ دَخَلَتِ الْعُمْرَةُ فِي الْحَجِّ
مَرَّتَيْنِ لَا بَلْ لِأَبَدِ أَبَدٍ وَّ قَدِمَ
عَلِيٌّ مِّنَ الْيَمَنِ بِبُدْنِ النَّبِيِّ صَلَّى
اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ مَاذَا قُلْتَ
حِيْنَ فَرَضْتَ الْحَجَّ قَالَ قُلْتُ اللّٰهُمَّ
إِنِّيْ أُهِلُّ بِمَا أَهَلَّ بِهٖ رَسُوْلُكَ
قَالَ فَإِنَّ مَعِيَ الْهَدْيَ فَلَا تَحِلَّ
قَالَ فَكَانَ جَمَاعَةُ الْهَدْيِ الَّذِيْ
قَدِمَ بِهٖ عَلِيٌّ مِّنَ الْيَمَنِ وَالَّذِيْ
أَتٰى بِهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
مِائَةً قَالَ فَحَلَّ النَّاسُ كُلُّهُمْ وَ
قَصَّرُوْا إِلَّا النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ وَ مَنْ كَانَ مَعَهٗ هَدْيٌ
فَلَمَّا كَانَ يَوْمُ التَّرْوِيَةِ تَوَجَّهُوْا
إِلٰى مِنًى فَأَهَلُّوْا بِالْحَجِّ وَرَكِبَ
النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَصَلّٰى
بِهَا الظُّهْرَ وَالْعَصْرَ وَالْمَغْرِبَ وَ
الْعِشَاءَ وَالْفَجْرَ ثُمَّ مَكَثَ قَلِيْلًا
حَتّٰى طَلَعَتِ الشَّمْسُ وَ أَمَرَ بِقُبَّةٍ
مِّنْ شَعْرٍ تُضْرَبُ لَهٗ بِنَمِرَةَ فَسَارَ
رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
وَلَا تَشُكُّ قُرَيْشٌ إِلَّا أَنَّهٗ وَاقِفٌ عِنْدَ
الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ كَمَا كَانَتْ قُرَيْشٌ
تَصْنَعُ فِي الْجَاهِلِيَّةِ فَأَجَازَ رَسُوْلُ
اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتّٰى

میں داخل ہو گیا۔ یہ حکم ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ہے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ یمن[31] سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہدی کے اونٹ[32] لے کر آئے تو ان سے حضور علیہ السلام نے پوچھا جب تم نے حج کی نیت کی تھی تو کیا کہا تھا[33] میں نے عرض کیا میں نے کہا تھا الٰہی میں اس کا احرام باندھتا ہوں جس کا احرام تیرے رسول نے باندھا ہے فرمایا میرے ساتھ ہدی ہے اس لیے تم احرام نہ کھولنا راوی[34] فرماتے ہیں کہ ان ہدیوں کا مجموعہ جو حضرت علی مرتضیٰ یمن سے لائے تھے اور جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم لائے[35] تھے کل سو تھا۔ فرماتے[36] ہیں پھر تمام لوگوں نے احرام کھول دیے اور بال کٹوائے[37] سوائے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اور سوائے ان حضرات کے جن کے ساتھ ہدی کا جانور تھا پھر جب بقرعید کی آٹھویں تاریخ ہوئی تو لوگوں نے[38] منیٰ کا رخ کیا اور حج کا احرام باندھا[39]۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سوار ہوئے اور منیٰ میں ظہر عصر مغرب عشا اور فجر پڑھی۔ پھر تھوڑا ٹھہرے[40] یہاں تک کہ سورج نکل آیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا تو نمرہ[41] میں آپ کے لیے اونی خیمہ لگا دیا گیا۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چلتے رہے۔ قریش کو اس میں شک و تردد نہ تھا کہ آپ مشعر الحرام[42] کے پاس قیام کریں گے یعنی ٹھہر جائیں گے جیسے اسلام سے پہلے جاہلیت[43] میں قریش کرتے تھے۔ مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں سے آگے بڑھ گئے یہاں تک کہ عرفہ[44] پہنچ گئے تو آپ نے مقام نمرہ میں خیمہ لگا ہوا پایا وہیں اتر پڑے یہاں تک کہ سورج ڈھل گیا تو اونٹنی

أَتَى عَرَفَةَ فَوَجَدَ الْقُبَّةَ قَدْ ضُرِبَتْ
لَهُ بِنَمِرَةَ فَنَزَلَ بِهَا حَتَّى إِذَا زَاغَتِ
الشَّمْسُ أَمَرَ بِالْقَصْوَاءِ فَرُحِلَتْ لَهُ
فَأَتَى بَطْنَ الْوَادِيْ فَخَطَبَ النَّاسَ
وَقَالَ إِنَّ دِمَاءَكُمْ وَأَمْوَالَكُمْ
حَرَامٌ عَلَيْكُمْ كَحُرْمَةِ يَوْمِكُمْ هٰذَا
فِيْ شَهْرِكُمْ هٰذَا فِيْ بَلَدِكُمْ هٰذَا
أَلَا كُلُّ شَيْءٍ مِنْ أَمْرِ الْجَاهِلِيَّةِ
تَحْتَ قَدَمَيَّ مَوْضُوْعٌ وَدِمَاءُ
الْجَاهِلِيَّةِ مَوْضُوْعَةٌ وَإِنَّ أَوَّلَ دَمٍ
أَضَعُ مِنْ دِمَائِنَا دَمُ ابْنِ رَبِيْعَةَ بْنِ الْحَارِثِ
وَكَانَ مُسْتَرْضَعًا فِيْ بَنِيْ سَعْدٍ
فَقَتَلَهُ هُذَيْلٌ وَرِبَا الْجَاهِلِيَّةِ
مَوْضُوْعٌ وَأَوَّلُ رِبًا أَضَعُ مِنْ رِبَانَا رِبَا
عَبَّاسِ ابْنِ عبد المطلب فانه موضوعٌ
كُلُّهُ فَاتَّقُوا اللّٰهَ فِي النِّسَاءِ فَإِنَّكُمْ
أَخَذْتُمُوْهُنَّ بِأَمَانِ اللّٰهِ وَاسْتَحْلَلْتُمْ
فُرُوْجَهُنَّ بِكَلِمَةِ اللّٰهِ وَلَكُمْ عَلَيْهِنَّ
أَنْ لَا يُوْطِئْنَ فُرُشَكُمْ أَحَدًا
تَكْرَهُوْنَهُ فَإِنْ فَعَلْنَ ذٰلِكَ فَاضْرِبُوْهُنَّ
ضَرْبًا غَيْرَ مُبَرِّحٍ وَلَهُنَّ عَلَيْكُمْ
رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ وَ
قَدْ تَرَكْتُ فِيْكُمْ مَا لَنْ تَضِلُّوْا بَعْدَهُ
إِنِ اعْتَصَمْتُمْ بِهِ كِتَابُ اللّٰهِ وَ
أَنْتُمْ تُسْأَلُوْنَ عَنِّيْ فَمَا أَنْتُمْ

قصواء[۴۶] کا حکم دیا اُس پر کجاوا کس دیا۔ پھر آپ وادی[۴۷] کے
نشیب میں تشریف لے گئے لوگوں کو خطبہ دیا اور
فرمایا تمہارے خون تمہارے آپس کے مال تم پر ایسے ہی
حرام ہیں۔ جیسے تمہارے اس دن کی اس مہینہ اور اس
شہر[۴۸] میں حرمت ہے خبردار رہو زمانہ جاہلیت کی تمام
رسمیں میرے قدموں کے نیچے روندی[۴۹] گئیں اور زمانہ
جاہلیت کے خون ختم کر دیے گئے[۵۰] ہیں میں اپنے خونوں
میں سے پہلا خون ختم کرتا ہوں وہ ابن ربیعہ بن حارث[۵۱]
کا خون ہے یہ بنی سعد[۵۲] میں شیر خوار بچے تھے تو انہیں
قوم ہذیل نے قتل کیا اور زمانہ جاہلیت کے تمام
سود ختم کر دیے گئے ہیں۔ سب سے پہلا سود جسے
میں ختم کرتا ہوں وہ عباس بن عبد المطلب کا سود ہے
وہ سارا ہی ختم ہے[۵۳]۔ عورتوں کے معاملہ میں اللہ تعالیٰ[۵۴] سے
ڈرو کہ تم نے انہیں اللہ تعالیٰ کے امان میں لیا[۵۵] ہے
اور کلمۃ اللہ[۵۶] سے اُن کی شرمگاہوں کو حلال کیا ہے
تمہارے اُن پر یہ حقوق ہیں کہ وہ تمہارے بستروں
کو اُن سے پامال نہ کرائیں جنہیں تم ناپسند[۵۷] کرتے ہو
پھر اگر وہ عورتیں ایسا کریں تو تم انہیں غیر مہلک[۵۸]
مار مار سکتے ہو اور عورتوں کی تم پر بھلائی[۵۹] سے
روزی اور بھلائی سے اُن کا کپڑا ہے۔ میں تم میں
وہ چیز چھوڑ کر جا رہا ہوں کہ اُس کے ہوتے ہوئے
تم کبھی گمراہ نہ ہو گے جب تک کہ تم اُسے تھامے
رہو گے یعنی قرآن حکیم[۶۰] اور تم سے میرے متعلق[۶۱] پوچھا
جائے گا تو تم کیا کہو گے سب بولے ہم گواہی دیں
گے کہ آپ نے تبلیغ فرمائی اور امانت ادا کر دی

قَائِلُوْنَ قَالُوْا نَشْهَدُ اَنَّكَ قَدْ
بَلَّغْتَ وَ اَدَّيْتَ وَ نَصَحْتَ فَقَالَ
بِاِصْبَعِهِ السَّبَّابَةِ يَرْفَعُهَا اِلَى
السَّمَآءِ وَ يَنْكُتُهَا اِلَى النَّاسِ اَللّٰهُمَّ
اشْهَدْ اَللّٰهُمَّ اشْهَدْ ثَلٰثَ مَرَّاتٍ
ثُمَّ اَذَّنَ بِلَالٌ ثُمَّ اَقَامَ فَصَلَّى
الظُّهْرَ ثُمَّ اَقَامَ فَصَلَّى الْعَصْرَ وَلَمْ
يُصَلِّ بَيْنَهُمَا شَيْئًا ثُمَّ رَكِبَ
حَتّٰى اَتَى الْمَوْقِفَ فَجَعَلَ بَطْنَ
نَاقَتِهِ الْقَصْوَآءِ اِلَى الصَّخَرَاتِ
وَجَعَلَ حَبْلَ الْمُشَاةِ بَيْنَ يَدَيْهِ
وَاسْتَقْبَلَ الْقِبْلَةَ فَلَمْ يَزَلْ وَاقِفًا
حَتّٰى غَرَبَتِ الشَّمْسُ وَذَهَبَتِ الصُّفْرَةُ
قَلِيْلًا حَتّٰى غَابَ الْقُرْصُ وَ اَرْدَفَ
اُسَامَةَ وَ دَفَعَ حَتّٰى اَتَى الْمُزْدَلِفَةَ
فَصَلّٰى بِهَا الْمَغْرِبَ وَالْعِشَآءَ بِاَذَانٍ
وَّاحِدٍ وَّ اِقَامَتَيْنِ وَلَمْ يُسَبِّحْ
بَيْنَهُمَا شَيْئًا ثُمَّ اضْطَجَعَ حَتّٰى
طَلَعَ الْفَجْرُ فَصَلَّى الْفَجْرَ حِيْنَ تَبَيَّنَ لَهُ
الصُّبْحُ بِاَذَانٍ وَّ اِقَامَةٍ ثُمَّ رَكِبَ
الْقَصْوَآءَ حَتّٰى اَتَى الْمَشْعَرَ الْحَرَامَ
فَاسْتَقْبَلَ الْقِبْلَةَ فَدَعَاهُ وَكَبَّرَهُ
وَهَلَّلَهُ وَ وَحَّدَهُ فَلَمْ يَزَلْ وَاقِفًا
حَتّٰى اَسْفَرَ جِدًّا فَدَفَعَ قَبْلَ اَنْ
تَطْلُعَ الشَّمْسُ وَ اَرْدَفَ الْفَضْلَ

اور پوری خیر خواہی فرمائی۔ اس پر آپ نے اپنی شہادت
کی انگلی آسمان کی طرف اٹھائی اور لوگوں کی طرف[62]
جھکائی فرمایا اے خدا گواہ ہو جا اے خدا گواہ ہو جا تین بار[63]
فرمایا پھر حضرت بلال نے اذان دی پھر تکبیر کہی حضور
انور نے نماز ظہر پڑھی پھر تکبیر کہی تو عصر پڑھ لی۔
ان دو نمازوں کے درمیان کچھ نہ پڑھا[64] پھر آپ سوار
ہوئے یہاں تک کہ عرفات میں پہنچے اور جائے قیام
پر تشریف فرما ہوئے تو اپنی قصواء کا پیٹ بڑے پتھروں[65]
کی طرف کر دیا اور جبل مشاۃ[66] کو اپنے سامنے لیا
اور قبلہ شریف کو منہ کیا پھر وہاں اتنی دیر ٹھہرے
رہے کہ سورج ڈوب گیا اور کچھ زردی غائب
ہو گئی یہاں تک کہ سورج کی ٹکیہ[67] پورے طور پر
چھپ گئی۔ اور حضرت اسامہ کو اپنے پیچھے اپنی
سواری پر بٹھایا اور روانہ ہوئے[68] یہاں تک کہ
مزدلفہ پہنچ گئے[69] پھر وہاں ایک اذان اور دو
تکبیروں[70] سے نماز مغرب و عشا پڑھیں درمیان
میں کچھ نفل نہ پڑھے پھر کچھ لیٹ گئے حتی کہ فجر
طلوع[71] ہو گئی پھر سویرا چمکتے ہی[72] اذان و تکبیر[73] کے
ساتھ فجر پڑھی پھر قصواء پر سوار ہو گئے یہاں تک کہ
مشعر الحرام[74] پہاڑ کے پاس تشریف لے گئے پھر قبلہ کو
منہ کیا اور رب تعالیٰ سے دعا مانگی تکبیر و تہلیل اور
توحید کہتے رہے وہاں ٹھہرے رہے یہاں تک کہ
خوب اجالا ہو گیا[75] تو سورج نکلنے سے پہلے وہاں سے
روانہ ہوئے اور حضرت فضل ابن عباس کو
اپنے پیچھے سوار کر لیا[76] یہاں تک بطن وادی میں[77]

بْنِ عَبَّاسٍ حَتّٰى اَتٰى بَطْنَ مُحَسِّرٍ فَحَرَّكَ
قَلِيْلًا ثُمَّ سَلَكَ الطَّرِيْقَ الْوُسْطٰى
الَّتِيْ تَخْرُجُ عَلَى الْجَمْرَةِ الْكُبْرٰى
حَتّٰى اَتَى الْجَمْرَةَ الَّتِيْ عِنْدَ الشَّجَرَةِ
فَرَمَاهَا بِسَبْعِ حَصَيَاتٍ يُكَبِّرُ مَعَ كُلِّ
حَصَاةٍ مِّنْهَا مِثْلَ حَصَى الْخَذْفِ
رَمٰى مِنْ بَطْنِ الْوَادِيْ ثُمَّ انْصَرَفَ
اِلَى الْمَنْحَرِ فَنَحَرَ ثَلٰثًا وَّسِتِّيْنَ بَدَنَةً
بِيَدِهٖ ثُمَّ اَعْطٰى عَلِيًّا فَنَحَرَ مَا غَبَرَ
وَاَشْرَكَهٗ فِيْ هَدْيِهٖ ثُمَّ اَمَرَ
مِنْ كُلِّ بَدَنَةٍ بِبَضْعَةٍ فَجُعِلَتْ
فِيْ قِدْرٍ فَطُبِخَتْ فَاَكَلَا مِنْ
لَحْمِهَا وَشَرِبَا مِنْ مَرَقِهَا ثُمَّ رَكِبَ
رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
فَاَفَاضَ اِلَى الْبَيْتِ فَصَلّٰى بِمَكَّةَ
الظُّهْرَ فَاَتٰى عَلٰى بَنِيْ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ
يَسْقُوْنَ عَلٰى زَمْزَمَ فَقَالَ انْزِعُوْا
بَنِيْ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ فَلَوْلَا اَنْ يَّغْلِبَكُمُ
النَّاسُ عَلٰى سِقَايَتِكُمْ لَنَزَعْتُ مَعَكُمْ
فَنَاوَلُوْهُ دَلْوًا فَشَرِبَ مِنْهُ ۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

آئے تو اپنی اونٹنی کو کچھ حرکت[78] دی پھر درمیانی[79] راستے پر پڑ گئے جو بڑے جمرے پر جا نکلتا[80] ہے حتیٰ کہ اس جمرہ پر پہنچے جو درخت کے پاس[81] ہے تو اسے سات کنکر مارے جن میں سے ہر کنکر کے ساتھ تکبیر کہتے تھے ۔ جو کنکر ٹھیکری جیسے[82] تھے ۔ وادی کے نشیب[83] سے رمی کی پھر قربان گاہ[84] کی طرف لوٹ پڑے تو تریسٹھ اونٹ اپنے ہاتھ سے قربانی[85] کیے پھر حضرت علی کو مرحمت فرمائے تو باقی[86] انھوں نے قربانی کیے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انہیں اپنی قربانی میں شریک کر لیا پھر حکم دیا تو ہر اونٹ کی ایک بوٹی[87] لے کر ہانڈی میں ڈالی اور پکائی گئی تو ان دونوں صاحبوں نے وہ گوشت کھایا[88] اور اس کا شوربہ[89] پیا پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سوار ہوئے اور بیت اللہ شریف کی طرف گئے[90] نماز ظہر مکہ میں[91] پڑھی پھر بنی عبد[92] المطلب کے پاس تشریف لائے جو زمزم پر پانی کھینچ رہے تھے فرمایا اے بنی عبد المطلب پانی کھینچے جاؤ اگر یہ خطرہ نہ ہوتا کہ سب لوگ تمہارے پانی کھینچنے میں تم پر غلبہ[93] کریں گے تو میں تمہارے ساتھ پانی کھینچتا پھر لوگوں نے حضور علیہ السلام کو ڈول پیش کیا تو آپ نے اس سے پانی پیا۔[94]

(مسلم)

[1] یعنی آپ حج کے ارادے سے باہر تشریف لے جانا چاہتے ہیں۔

[2] بعض روایات میں آیا ہے کہ لوگ حد شمار سے زیادہ اکٹھے ہو گئے۔ ان کی گنتی کی مقدار بیان نہیں کی گئی ۔ غزوہ تبوک میں جو کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری غزوہ ہے ایک لاکھ افراد تھے ۔ حجۃ الوداع میں جو اس کے بعد ہوا اس میں لامحالہ غزوہ تبوک سے بھی زیادہ لوگ جمع تھے ۔ ایک روایت میں ایک لاکھ چودہ ہزار کا ذکر آیا ہے اور ایک

روایت میں ایک لاکھ چوبیس ہزار واللہ اعلم۔

۳ یعنی حضرت اسماء جو عمیس کی بیٹی ہیں عین کی پیش میم کی زبر سے۔ حضرت اسماء حضرت ابو بکر صدیق کی بیوی، اور محمد بن ابو بکر کی والدہ ہیں یہ اسماء بنت عمیس نہایت خوب صورت اور دانا عورت تھیں۔ سب لوگ اُن کو چاہتے تھے۔ سب سے پہلے حضرت ابو بکر صدیق کے نکاح میں آئیں اُس کے بعد حضرت علی مرتضیٰ نے اُن کے ساتھ نکاح کیا اُن کے بعد حضرت جعفر بن ابی طالب کے نکاح میں آئیں۔ اور جس وقت کہ آپ حج کے لیے روانہ ہوئی تھیں اُس وقت حضرت ابو بکر کے نکاح میں تھیں۔ اور ان کے ہاں حضرت محمد بن ابو بکر پیدا ہوئے۔

۴ یعنی میرے متعلق کیا حکم ہے میں احرام باندھے رکھوں یا نہ اور اگر باندھوں تو کیسے باندھوں۔

۵ یعنی خون نکلنے کی جگہ پر کپڑا باندھے اور جائے خون پر کپڑا باندھنے کی صورت یہ ہے یہاں حدیث میں لفظ استثفار یعنی ثا اور فا کے ساتھ آیا ہے اُس چیز کو کہتے ہیں جو کمر سے باندھی جاتی ہے اور وہ کپڑے کا ایک چوڑا ٹکڑا ہوتا ہے۔ جسے خون نکلنے کی جگہ پر رکھ دیتے ہیں۔ اُس کے دونوں کناروں کو کمر کے آگے پیچھے مضبوطی سے باندھ دیتے ہیں۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حالت کو ثفر سے تشبیہ دی ہے ثفر یعنی ثا اور فا کے ساتھ بمعنی خون کا ٹکڑا۔ یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ نفاس والی عورت کا احرام صحیح ہے اور اس پر سب کا اتفاق ہے۔

۶ یعنی اُس اونٹنی پر سوار ہوئے جس کا نام قصواء تھا۔ کاف کی زبر ص ساکن اس کا نام قصواء اس بنا پر رکھا گیا کہ یہ چلنے میں سب سے تیز چلتی تھی رفتار میں بڑی تیز اور دلیر تھی۔ بعض کہتے ہیں اس کا نام قصواء اس لیے رکھا گیا۔ کہ اُس کے کان کی ایک جانب کٹی ہوئی تھی۔ اور قصواء اُس اونٹنی کو کہتے ہیں جس کے کان کی کوئی طرف کٹی ہوئی ہو۔ چنانچہ عرب کہتے ہیں۔ شاۃ قصواء وناقۃ القصواء وجمل اقصیٰ اُس بکری یا اونٹنی یا اونٹ کو کہتے ہیں جس کے کان کا کوئی حصہ کٹا ہوا ہو۔ علمائے کرام فرماتے ہیں کہ قصواء اور عضباء عین کی زبر ض ساکن آخر میں با اور جدعاء جیم اور دال سے یہ حضور علیہ السلام کی ناقہ مبارکہ کا نام ہے۔ علماء نے یہ بھی فرمایا ہے کہ اگر کان چوتھے حصے سے کم کٹا ہو تو اُسے جدعاء کہتے ہیں اور اگر چوتھے حصے تک کٹا ہو تو اُسے قصواء کہتے اور اگر چوتھے حصے سے زیادہ کٹا ہو تو اُسے عضباء کہتے ہیں اور اگر کسی اونٹنی کے کان جڑ سے ہی کٹے ہوں تو اُسے صلماء کہتے ہیں۔ ص کے ساتھ ان تمام الفاظ کے ساتھ روایات آئی ہیں۔ علماء نے یہ بھی فرمایا ہے کہ حضور علیہ السلام کی اونٹنی مبارک کے کان بالکل کٹے ہوئے نہ تھے بلکہ پیدائشی طور پر ہی ایسے تھے۔

۷ یعنی حج کے مہینے میں عمرہ کرنا ہمارے علم میں نہ تھا۔

۸ یعنی حجر اسود کو بوسہ دیا۔ رکن کرنے کو کہتے ہیں مراد اس سے وہ کونہ ہے جس میں حجر اسود رکھا گیا ہے۔ اسے رکن اسود بھی کہتے ہیں۔ اور جب رکن کا لفظ مطلق بولا جائے تو اس سے یہی کونہ مراد ہوتا ہے۔ استلام سے مراد بوسہ دینا ہے یا ہاتھ سے اشارہ کرکے ہاتھ کو چومنا ہے۔ استلام سلام سے باب افتعال ہے۔ اس کا معنیٰ ہے کسی پر سلام کرنا اور

اُس پتھر پر یہی سلام ہے کہ اُس کو بوسہ دیا جائے۔ اسی لیے اہل یمن اس رکن کو محیا کہتے ہیں۔ میم کی پیش یا کی شد سے یعنی اُسے سلام کرتے ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ سلام سین کی زیر سے ہے۔ بمعنیٰ پتھر اس کا واحد سلمہ ہے۔ لام کی زیر سے۔ پھر اس سے لفظ استلام بنا۔ جیسا کہ لفظ اکتحال کحل سے بنا بمعنیٰ سرمہ ڈالنا۔ عرب لوگ کہتے ہیں استلمت الحجر یعنی میں نے اُس پتھر کو چھوا اس کی اور وجہیں بھی ہیں۔ جو ہم نے شرح میں ذکر کی ہیں۔

۹ یعنی آپ نے طواف کے تین چکروں میں رمل کیا اور چار چکر عادت کے مطابق پورے کیے۔ یہاں حدیث میں طواف کا ذکر نہیں آیا کیونکہ ان الفاظ سے طواف پوری طرح سمجھا جاتا ہے۔ بعض نسخوں میں یوں لکھا ہے کہ آپ نے طواف کے سات چکر لگائے تو رمل فرمایا الی آخرہ۔ لفظ رمل را اور میم کی زبر سے بمعنیٰ چلنے میں اچھل اچھل کر چلنا گر اچھلنے کی کیفیت زیادہ نہ ہو۔ یا اپنے دونوں کندھوں کو پہلوانوں اور صف جنگ میں آنے والوں کی طرح ہلانا اور جنبش دینا اور چاہیے کہ رمل میں قدم نزدیک نزدیک ڈالیں۔ شریعت میں اس فعل کی اصل یہ ہے کہ جب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عمرۂ قضاء کے لیے مکہ تشریف لائے تو مشرکین نے مسلمانوں کو دیکھ کر کہا ان لوگوں کو یثرب کے بخار نے لاغر اور سست کر دیا۔ اس پر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ رمل کی شکل میں کاندھے ہلاتے ہوئے پہلوانوں کی طرح چلیں۔ اس طرح حرکت سے قوت و مضبوطی کا اظہار کریں۔ علت کے ختم ہونے کے بعد یہ حکم باقی رہا۔ اور حجۃ الوداع میں بھی ایسا ہی کیا۔ اگرچہ بعض دفعہ علت کے زوال سے حکم بھی زائل ہو جاتا ہے۔

۱۰ جیسا کہ مؤلفۃ القلوب کا حصہ مگر یہاں رمل کا حکم ہمیشہ کے لیے باقی ہے۔ رمل ہر اُس طواف میں مسنون ہے جس کے بعد سعی کرنی ہوتی ہے۔ جیسا کہ طواف عمرہ و طواف قدوم، طواف افاضہ، طواف وداع میں رمل نہیں ہے کیونکہ اس کے بعد سعی نہیں ہے جیسا کہ کہا گیا ہے۔ خطبہ یوم النحر کے باب کے آخر میں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے آتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے طواف افاضہ میں رمل نہ کیا اس میں غور کرو۔ ان الفاظ کے معانی احادیث کی شرح میں انشاء اللہ العزیز آ رہے ہیں۔ اس حدیث میں اضطباع (رمل اور با)، کے ساتھ کا ذکر نہیں ہے۔ حالانکہ اضطباع بھی مسنون ہے۔ دوسری احادیث میں اُس کا ذکر آ رہا ہے۔ اضطباع کی کیفیت یہ ہے کہ چادر دائیں بغل کے نیچے سے گزار کر بائیں کندھے پر ڈالی جائے۔ لفظ ضبع کا معنیٰ بازو ہے۔ زیر بغل کے معنیٰ میں بھی آتا ہے۔ اس صورت میں بھی اپنی قوت کا اظہار ہے۔ جیسا کہ رمل میں۔

۱۰ مقام ابراہیم ایک پتھر کا نام ہے جس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاؤں مبارک کا نشان ہے۔ اس وقت خانہ کعبہ کے سامنے ایک حجرہ میں اُسے رکھا گیا۔

۱۱ یہاں آیت میں لفظ اتخذوا یعنی خا کی زیر و زبر سے دونوں طرح پڑھا گیا ہے مگر یہاں حدیث میں خا کی زیر سے ہے۔

۱۲؎ یہ دو رکعتیں احناف کے نزدیک واجب ہیں اور یہ ہر طواف کے بعد پڑھنی چاہئیں کیونکہ اس کے بارے میں صریحًا حکم آ چکا ہے۔ امام شافعی کے نزدیک یہ دو رکعتیں سنت ہیں۔

۱۳؎ یعنی آپ مقام ابراہیم کے پیچھے کھڑے ہوئے، یہ جگہ ان دو رکعتوں کے ادا کرنے کی سب سے افضل جگہ ہے ویسے جہاں بھی یہ دو رکعتیں ادا کرے جائز ہے۔

۱۴؎ یہاں قل ھو اللہ احد کو یاایہا الکافرون سے پہلے بیان کیا گیا ہے۔ صحیح مسلم میں ایسے ہی آیا ہے۔ شرح سنۃ کی ایک روایت میں بھی ایسا ہی ہے اس کی توجیہ اس طرح کرتے ہیں کہ قل ھو اللہ ھو احد اثبات توحید کے لیے ہے اور قل یاایہا الکافرون شرک سے بیزاری کے لیے، لہٰذا اثبات توحید کی اہمیت کے پیش نظر سورہ قل ھو اللہ احد پہلی رکعت میں پڑھنے کا ذکر آیا ہے۔

بعض روایات میں یاایہا الکافرون پہلے بھی آیا ہے جیسا کہ ظاہر ہے یہ حدیث اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ پچھلی سورت کو پہلی رکعت میں پڑھنا جائز ہے احادیث میں اس کے شواہد بہت ہیں۔

۱۵؎ یعنی صفا کے دروازے سے برآمد ہوئے صفا لغت میں بڑے اور سخت پتھر کو کہتے ہیں اب یہ اس پہاڑ کا نام ہے جو ابو قبیس سے متصل ہے۔

۱۶؎ اس زمانے میں خانہ کعبہ صفا پہاڑ کے اوپر سے دکھائی دیتا تھا۔ درمیان میں کوئی پردہ نہ تھا۔ آج کل حرم کی تعمیر کی وجہ سے پوشیدہ ہو گیا ہے۔ اس کے باوجود حرم کے بعض دروازوں سے جو صفا کے بالمقابل ہیں۔ حجر اسود پر نگاہ پڑ سکتی ہے۔

۱۷؎ یعنی مکہ معظمہ فتح کیا اور دوسری عظیم فتوحات بھی حاصل ہوئیں۔

۱۸؎ یعنی حضور نبی پاک علیہ السلام کی ذات مبارک کی۔

۱۹؎ یعنی آپ نے ذکر کیا اور دعا کی پھر ذکر کیا اور دعا کی آپ نے اس طرح تین دفعہ کیا۔

۲۰؎ مروہ بھی ایک پہاڑ ہے جو صفا کے بالمقابل ہے۔

۲۱؎ یعنی بلندی سے پستی میں آ گئے، پھر اس میں شتابی چلنے لگے۔ یہاں حدیث میں لفظ انصبت آیا ہے جو انصباب سے بنا ہے۔ اصل میں اس کا معنیٰ پانی گرانے کا ہے۔ صبب دو زبروں کے ساتھ بمعنیٰ نشیب جبکہ پاؤں بلندی سے پستی کی طرف تیزی کے ساتھ نیچے آتے ہیں۔ اس لیے لفظ انصباب سے تعبیر فرمایا۔ حدیث میں واقع لفظ بطن کا معنیٰ شکم اور زمین کا گڑھا ہے۔

۲۲؎ حدیث میں اصعد آیا ہے ہمزہ کی زبر ص ساکن سے یعنی آپ نے چڑھنا شروع کیا۔ یعنی آپ پستی سے بلندی کی طرف جانے لگے اور آہستہ ہو گئے اور سعی کو چھوڑ دیا۔ اصعد کا معنیٰ اصل لغت میں زمین کے اندر دور جانے کا ہے چاہے

بلندی میں جائے چاہے پستی میں یہاں بلندی کی طرف جانا مراد ہے ۔ جیسا کہ کہا گیا ہے ۔ امام قاضی عیاض نے مشارق میں فرمایا کہ صعود و اصعاد کا ایک ہی معنیٰ ہے ۔ اس باب کا اصل واقعہ یہ ہے کہ جب حضرت ہاجرہ جیم کی زبر سے یعنی حضرت اسماعیل علیہ السلام کی والدہ ایک دن جبکہ حضرت اسماعیل بچے تھے پانی کی تلاش کے لیے نکلی جب آپ صفا مروہ کے درمیان نیچے وادی میں پہنچی تو حضرت اسماعیل آپ کی نظروں سے پوشیدہ ہو گئے تو حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا صفا اور مروہ کے اوپر آئے تاکہ وہ حضرت اسماعیل کو دیکھ سکیں پس یہ سنت ان سے باقی رہی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھی سعی فرمائی اور اب چونکہ زمین بلند کو خاک سے پر کر کے گڑھا نہیں چھوڑا گیا اس لیے صفا سے نیچے اترنے کے بعد نیچے کی طرف جانا موجود نہیں رہا اس لیے تکلف کرنا چاہیے کہ سعی میں انسان دوڑے سنت بجالانے کے لیے ۔

۲۳ہ جو کہ صفا کے بالمقابل ایک پہاڑ ہے مروہ دراصل سفید چمکنے والے پتھر کو کہتے ہیں جس سے آگ ٹپکتی ہو ۔

۲۴ہ مگر تکرار توحید تکبیر اور دعا نہ کی یاد رہے صفا مروہ کے درمیان سات بار سعی کرنا واجب ہے ۔ صفا سے مروہ تک ایک چکر ہوگا اور مروہ سے صفا تک دوسرا پس صفا سے ابتدا کرے اور مروہ پر ختم کرے ۔

۲۵ہ ھدی ھا کی زبر ساکن سے بمعنیٰ وہ قربانی جو حرم میں بھیجی جاتی ہے ۔

۲۶ہ اور احرام سے باہر نکل آتے ۔

۲۷ہ اس کلام کی شرح تفسیر چاہتی ہے ۔ اس کا حاصل یہ ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ معظمہ پہنچے عمرہ کرنے کے بعد صحابہ کرام کو حکم دیا کہ جو اپنے ساتھ ھدی لے کر نہیں آیا (وہ قربانی جو ایام نحر میں ذبح کی جاتی ہے ۔) ساتھ نہ لایا ایسا شخص عمرہ کرے اور احرام سے باہر نکل آئے ۔ اور عمرے کے ساتھ حج کو فسخ کر دے اس کے بعد پھر حج کے ایام میں احرام باندھے اور حج کرے مگر جس شخص نے اپنے ساتھ ھدی لائی ہو وہ عمرہ کرے اور حالت احرام میں ہی رہے ۔ تاکہ حج کرنے کے بعد احرام سے باہر آئے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خود ھدی اپنے ساتھ لائی تھی اور آپ اپنے احرام پر باقی رہے تھے یہ معنیٰ کئی وجوہ سے صحابہ پر گراں گزرا ایک یہ کہ خود وہ تو احرام سے باہر آجائیں مگر حضور علیہ السلام حالت احرام میں ہی رہیں ۔ ایسی صورت میں صحابہ کے لیے حضور کی متابعت کا ترک لازم آتا ہے ۔ دوسری وجہ یہ تھی کہ انہوں نے کہا ہمارے اور عرفہ کے درمیان پانچ دن سے زیادہ عرصہ نہیں ، تو مناسب نہیں ہے کہ ہم لوگ احرام سے باہر نکل جائیں اور اپنی عورتوں کے قریب پہنچ جائیں ۔ اور ابھی ہمارے عضو مخصوص سے منی ٹپک رہی ہو کہ ہم فوراً بعد حج کا احرام باندھ کر عرفات میں پہنچ جائیں ۔ تیسری بات صحابہ کو یہ ناگوار گزری کہ حج کے مہینوں میں جاہلیت کے زمانہ میں عمرہ کرنا بہت برا سمجھا جاتا تھا ۔ پس حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم غصے میں آگئے اور فرمایا میں کیا کروں حکم الٰہی ایسا ہی ہے اگر میں یہ جانتا کہ تمہارا احرام سے باہر آنا تمہیں گراں گزرے گا تو میں اپنی ھدی ساتھ نہ لاتا اور احرام سے باہر نہ آتا ۔ اور میں بھی عمرے کے ساتھ احرام کو فسخ کر دیتا مجھے معلوم نہ ہوا کہ حکم الٰہی ایسا ہی ہوگا ۔

۲۸ سین کی پیش سے۔

۲۹ جیم کی پیش عین ساکن اس کے بعد شین۔

۳۰ مقصود جاہلیت کے طریقے کو باطل کرنا تھا۔ جو کہ حج کے دنوں میں عمرے کو ممنوع قرار دیتے تھے۔

۳۱ یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ جو کہ یمن کے قاضی بن کر بھیجے گئے تھے۔ انہی ایام حج میں مکہ شریف آئے۔

۳۲ یہاں حدیث میں لفظ بدن آیا ہے یہ بُدْنَۃٌ کی جمع ہے یعنی با کی پیش اور دال ساکن سے۔ جمع بَدَنَۃٌ با کی زبر اور دسے یعنی اونٹ وگائے کی قربانی جو حرم میں لا کر کرتے ہیں۔ امام شافعی کے نزدیک بدنہ کا لفظ اونٹ کے ساتھ خاص ہے۔ یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ آئے اور بہت سے قربانی کے جانور حضور علیہ السلام کے لیے لائے۔

۳۳ اور تو نے کیا نیت کی تھی جبکہ تو نے حج فرض کا ارادہ کیا اور احرام باندھا۔

۳۴ یعنی حضرت جابر جو اس حدیث کے راوی ہیں۔

۳۵ یعنی مدینہ منورہ سے اپنے ساتھ لائے تھے۔

۳۶ یعنی حضرت جابر۔

۳۷ گویا کہ بال کٹوانا سر منڈانے کے افضل ہونے کے باوجود جیسا کہ حدیث میں آیا ہے اس وجہ سے تھا تاکہ جو بال بچ جائیں اُن کو حج میں منڈایا جائے۔ یا ابھی تک ان کی طبیعتوں میں احرام سے باہر آنے کی تنگی موجود تھی۔ تو انہوں نے سر منڈانے کی بجائے بال کاٹے اور بقدر کفایت پر انہوں نے کفایت کی۔ واللہ اعلم۔

۳۸ منیٰ کو منیٰ اس لیے کہتے ہیں کہ اُس میں خون بہائے جاتے ہیں یا اس وجہ سے منیٰ کہتے ہیں کہ جب جبرائیل علیہ الصلوٰۃ والسلام حضرت آدم علیہ السلام سے جدا ہونے لگے تو ان سے پوچھا آپ جس چیز کی تمنا کرتے ہیں بتائیں۔ فرمایا میں بہشت چاہتا ہوں۔

۳۹ یعنی سب نے یوم ترویہ کے دن جو ذالحجہ کی چھ تاریخ ہوتی ہے اس کا نام ترویہ اس لیے رکھا گیا کہ اُس میں لوگ اونٹوں کو پانی سے سیراب کرتے تھے یا اس وجہ سے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے رات کے دن کی اساتی خواب کے بارے میں غور و فکر کیا جو کہ آپ نے حضرت اسماعیل کے ذبح کے بارے میں دیکھا تھا جیسا کہ قاموس میں آچکا ہے۔ آٹھویں تاریخ کو منیٰ میں جانا اور رات گزارنا احناف کے نزدیک واجب نہیں بلکہ سنت ہے۔

۴۱ یعنی وادی نمرہ میں نمرہ نون کی زبر میم کی زیر سے۔ یہ وادی عرفات کے قریب ہے۔ زمین حرم کے اختتام پر واقع ہے۔ وہاں ایک پہاڑ ہے پہاڑ پر ایک مینارہ ہے کہ امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حرم کا نشان قائم کیا ہے۔ عرفات حرم سے باہر حل میں واقع ہے۔ نمر ایک مشہور حیوان کا نام ہے جسے چیتا بھی کہتے ہیں۔ اس پہاڑ پر سیاہ اور سفید نکتے ہیں۔ اس وجہ سے اس پہاڑ کو چیتے سے تشبیہ دی گئی ہے۔

۴۲؎ یہ ایک پہاڑ کا نام ہے جو مزدلفہ میں واقع ہے اور اسے قزح بھی کہتے ہیں۔

۴۳؎ کیونکہ قریش عرفات کی بجائے مزدلفہ میں قیام کرتے تھے اور اسے موقف حمس اور اہل حرم اللہ کہتے تھے عرفات میں نہیں جاتے تھے بخلاف باقی عرب کے کہ وہ عرفات میں جاتے اور عرفات میں قیام کرتے تھے اُن کا گمان تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی مزدلفہ میں قیام و وقوف کریں گے۔

۴۴؎ عرفہ یعنی را کی زبر یہ عرفات کا مفرد ہے۔ زمانے اور مکان دونوں کے لیے آتا ہے۔ مگر لفظ عرفات جو کہ جمع ہے مکان کے ساتھ خاص ہے۔ عرفہ کی وجہ تسمیہ آگے آرہی ہے۔

۴۵؎ کہ اُس پر پالان رکھ دیا جائے۔

۴۶؎ یعنی اُس پر حضور علیہ السلام کے لیے پالان کس دیا گیا۔

۴۷؎ یعنی وادی نمرہ میں تشریف لے گئے۔

۴۸؎ یعنی مکہ معظمہ میں اور یہ خون اور مال کے حرام ہونے کی تاکید و توثیق ہے۔ تمام عرب اس دن اس مہینے اور اس شہر کی حرمت کے قائل تھے کہ اس میں کوئی غیر مناسب کام نہیں کرنا چاہیے۔

۴۹؎ یعنی خوار و باطل اور متروک کر دی گئی ہیں۔

۵۰؎ یعنی متروک اور ضائع کر دیے ہیں اہل جاہلیت کی یہ رسم تھی کہ وہ لوگ کینہ دلوں میں بٹھا رکھتے تھے۔ ہر شخص ہر قبیلے میں سے جس نے خون کیا ہوتا تھا چاہے کتنی بھی مدت وہ خون ہوئے گزر چکی ہوتی تھی کینہ اُن کے دلوں میں موجود ہی رہتا تھا اور وہ قتل کر کے ہی رہتے تھے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ تمام خون باطل کر دیے۔

۵۱؎ یعنی حارث بن عبدالمطلب۔ حارث حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے چچا ہیں اور ربیعہ اُن کے بیٹے صحابی ہیں انہوں نے خلافت امیرالمؤمنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ میں وفات پائی۔ ان کا ایک بیٹا تھا جس کا نام آدم یا تمام یا ایاس تھا۔ وہ ایک جنگ میں جو سعد اور ہذیل کے درمیان ہوئی تھی ایک پتھر لگنے سے مارا گیا تھا۔

۵۲؎ یعنی ربیعہ کے بیٹے قبیلہ بنی سعد میں شیر خوار تھے تو اُسے ہذیل نے قتل کر دیا۔ ہذیل ہا کی پیش ذ کی زبر یعنی یہ سعد اور ہذیل کے درمیان جنگ کی وجہ سے قتل ہو گئے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صحیح خون ابن ربیعہ کا تھا۔ لفظ ابن کی زیادتی کے ساتھ، جیسا کہ مسلم کی روایت سے مشکوٰۃ کی عبارت میں واقع ہوا ہے۔ اور مصابیح کے نسخوں میں ربیعہ کا خون واقع ہوا ہے۔ اس میں ابن کے لفظ کا ذکر نہیں ہے۔ اہل علم کی ایک جماعت نے کہا ہے کہ اس حدیث کے راویوں نے خطا کی ہے کہ ربیعہ کا خون کہہ دیا۔ صحیح ابن ربیعہ کا خون ہے تو بعض لوگوں نے لفظ ابن کو مصابیح کے نسخوں کے مطابق کر دیا۔ تورپشتی فرماتے ہیں کہ ہم تسلیم نہیں کرتے کہ یہ خطا معنیٔ حدیث کے صحیح طور پر بیان ہونے کے باوجود راویان حدیث کو خطا پہ مانا جائے حالانکہ یہ بخاری کی روایت ہے۔ علماء کی ایک جماعت نے نقل کیا ہے اور حفاظ حدیث نے بھی روایت کیا ہے کہ وہ ربیعہ کا

خون تھا اس کے صحیح ہونے کی وجہ یہ ہے کہ خون کی نسبت ربیعہ کی طرف اس بناء پر ہے کہ وہ خون کے ولی ہیں اور خون کی نسبت جس طرح کہ مقتول کی طرف کی جا سکتی ہے اُس کے والی اور وارث کی طرف بھی کی جا سکتی ہے اور کان میں جو ضمیر ہے وہ مقتول کی طرف لوٹتی ہے۔ اسے سمجھ لو۔

۵۳ے اور باطل ہے عباس ابن عبدالمطلب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے چچا دورِ جاہلیت میں لوگوں سے سود کھاتے تھے۔ اُن کے مال سود کے طور پر لوگوں کے ذمے تھے آپ نے اُن سب کو لوگوں کے ذمے سے گرا دیا اور باطل کر دیا۔

۵۴ے یعنی اُن کے حقوق ادا کرو۔

۵۵ے اور تمہارے ساتھ اُس کا عہد ہو چکا ہے یا وہ عہد جو تم نے اُن کے ساتھ کیا ہے کہ اُن کے حقوق کی رعایت کرو۔

۵۶ے اور وہ کلمہ خدا کا یہ حکم ہے کہ نکاح کرو ایجاب و قبول کی صورت میں جس کا تمہیں حکم دیا گیا ہے۔ یا کلمہ سے کلمہ توحید مراد ہے کیونکہ مسلمان عورت مسلمان مرد کے لیے ہی حلال ہے۔

۵۷ے یہاں حدیث میں لفظ لا یوطئن آیا ہے یہ لفظ ایطاء سے بنا ہے، ایطاء وطی سے نکلا ہے۔ یعنی پامال کرنا یہ کنایہ ہے کہ عورت غیر مرد کو اپنے آپ پر قادر کر دے اور غیر مرد سے میل جول قائم کرے۔ اور اُن سے باتیں کرنے میں دریغ نہ کرے جیسا کہ عربوں کی عادت تھی۔

۵۸ے یہاں حدیث میں لفظ غیر مبرح آیا ہے یعنی حا کے ساتھ یعنی سختی اور نقصان و مشقت اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عورت کا بستر کو پامال کرانا زنا سے کنایہ نہیں ہے۔ ورنہ اُس کی سزا تو وہی ہے جو زنا کی ہوتی ہے۔

۵۹ے یعنی شریعت کے مطابق اور اعتدال کے دائرے میں رزق کے معنیٰ اُن کی خوراک کا انتظام ہے اور کپڑے سے انہیں کپڑا پہنانا مراد ہے۔

۶۰ے یعنی اس پر عمل کرو گے اور اُسے مضبوطی سے پکڑ لو گے اور اُس کے پاس پناہ لو گے۔ کتاب اللہ سے قرآن مجید مراد ہے، سنت رسول کتاب اللہ کے حکم میں ہے۔ اور اس کی مراد کو پورا کرنے والی ہے۔ یا اس سے مراد وہ ہے جو اللہ نے لکھ دیا عورتوں پر فرض کر دیا۔

۶۱ے کہ میں نے تمہارے ساتھ کیا معاملہ کیا اور میں نے تمہیں دین کے احکام پہنچائے یا نہ پہنچائے اور میں نے امانت و نصیحت ادا کی یا نہ کی۔

۶۲ے صراح میں ہے کہ لفظ نکتہ نقطہ کی طرح ہے یعنی نیچے جھکانا۔

۶۳ے تین بار یہ کلمہ فرمایا یا تین بار اشارہ کیا اور انگلی نیچے جھکائی، لوگوں کو گواہ بنایا۔ بعض کہتے ہیں کہ یہاں حدیث

یں واقع لفظ ینکبھا کے بارے میں بعض نے فرمایا کہ ینکبھا ہے یعنی با کے ساتھ تا کے بجائے کتاب مشارق میں فرمایا کہ روایت یاتا سے زیادہ بہتر ہے اور بعض ماہرین نے فرمایا کہ درست ایک نقطے کے ساتھ ہے تنکیب کا معنی ہے پھیرنا اور کیسو کرنا یعنی انگلیاں اٹھا کر لوگوں کی طرف اشارہ کرنا کیونکہ حضور علیہ السلام سواری کی حالت میں تھے۔ مشارق کی عبارت ختم ہوئی۔ انصاف یہ ہے کہ تا کی روایت غیر ظاہر ہے۔ اگرچہ کلمہ الی کے قرینہ سے مجازاً اشارہ کیا جا سکتا ہے اور مجمع البحار میں دونوں روایتیں لائیں اور فرمایا کہ تا والی روایت معنی کے لحاظ سے بعید ہے۔

۶۴ یعنی سنت مؤکدہ اور نوافل کچھ نہ پڑھے اس میں عرفات کے میدان میں جلدی کھڑے ہونے کی طرف اشارہ ہے یہاں سوال کیا جاتا ہے کہ کوئی ایسی جگہ ہے جہاں سنتوں کو نفل کی وجہ سے ترک کیا جائے اس کا جواب یہ ہے کہ ہاں عرفات کے میدان میں فرض نماز وقت عصر میں ہے۔ مگر جلدی عرفات میں کھڑا ہونے کے لیے جو کہ نفل ہے۔ اس فرض کو ترک کیا گیا ہے۔

۶۵ یہاں حدیث میں لفظ صخرات آیا ہے جو کہ صخر کی جمع ہے۔ یعنی بڑا پتھر ایک روایت میں تصغیر کے ساتھ لفظ صخیرات آیا ہے۔ یعنی چھوٹے اور سیاہ پتھر جو کہ جبل رحمت کے قریب ہیں۔ وہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وقوف فرمایا تھا۔

۶۶ یہ ایک جگہ کا نام ہے جو وہیں عرفات میں ہے۔ یعنی اس جگہ کو آپ نے اپنے سامنے لیا اور رخ مبارک قبلہ کی طرف کیا۔ حبل المشاۃ حبل یعنی حا کا زبر اور با ساکن سے یعنی دور دراز پھیلی ہوئی ریت بعض کہتے ہیں کہ ریت کے بڑے ٹیلے کو حبل کہتے ہیں۔ اور اس کی جمع حبال آتی ہے۔ بعض نے کہا حبال حا کے ساتھ ریت کے لیے آتا ہے۔ جس طرح جبال جیم کے ساتھ غیر ریت کے لیے آتا ہے اور مشاۃ میم کی پیش سے ماشی کی جمع ہے یعنی چلنے والے۔ اور حبل کی اضافت مشاۃ کی طرف اس وجہ سے ہے کہ حاجی لوگ وہاں جمع ہوتے ہیں۔

قاضی عیاض نے فرمایا کہ حبل المشاۃ سے مراد مشاۃ کی صف ، اور ان کے جمع ہونے کی جگہ ہے اس میں ان کی صفت کو ریت کے میدان سے تشبیہ دی۔ حضور علیہ الصلاۃ والسلام کا عرفات میں موقف اسی جگہ تھا اور اگرچہ آپ کا موقف شریف بشخصہ متعین نہیں ہو سکا مگر ہو سکتا ہے کہ اسی جگہ کے ارد گرد ہوا ہو کبھی اس جگہ اور کبھی اس جگہ جو کہ وہاں قدیم عمارت کے قریب ہے۔ جسے عام لوگ حضرت آدم علیہ السلام کا باورچی خانہ قرار دیتے ہیں شاید کوئی اس موقف شریف سے فائز اور اس نعمت سے مشرف ہو۔

۶۷ یہ سورج کے ڈوبنے کی تاکید ہے تاکہ کوئی شخص یہ گمان نہ کرے کہ مراد سورج کا قریب الغروب ہونا ہے۔

۶۸ اور میدان عرفات سے باہر آئے اور جلدی جلدی چلنے لگے۔

۶۹ مزدلفہ عرفات اور منیٰ کے درمیان ایک جگہ ہے۔ احناف کے نزدیک یہاں رات گزارنی واجب ہے۔ اسی طرح امام احمد اور بعض شافعیہ کے نزدیک بھی اور ان میں سے بعض کے نزدیک فرض ہے۔

اس جگہ کو مزدلفہ کہنے کی وجہ یہ ہے کہ مزدلفہ زلف سے بنا ہے بمعنی نزدیک لوگ اس میں منٰی کے قریب جو کہ ارکان حج کی جگہ ہے میں آتے ہیں اسی طرح زلف ہموار زمین کو بھی کہتے ہیں جسے جھاڑو دے کر صاف کیا گیا ہو اور اس جگہ کی زمین ایسی ہے اور مزدلفہ کو جمع (میم کی زبر و میم ساکن سے) بھی کہتے ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت آدم و حوا کے درمیان اسی جگہ ملاپ ہوا اور دونوں اسی جگہ اکٹھے ہوئے۔ اور عرفات میں دونوں کا تعارف ہوا۔ واللہ اعلم بالصواب۔

۷۰ یہ امام شافعی کا مذہب ہے۔ امام زفر بھی اسی کے قائل ہیں اور بعض دوسرے ائمہ بھی یہی کہتے ہیں امام ابوحنیفہ اور ایک روایت کے مطابق امام احمد اور بہت سے علماء ایک اذان اور ایک اقامت سے ادا کرتے ہیں کیونکہ عشا یہاں اپنے وقت میں ہے لہٰذا اس کے لیے جدا اقامت اعلان کی ضرورت نہیں اور عصر چونکہ اپنے غیر وقت میں پڑھی جا رہی ہے لہٰذا اس میں اعلان کی ضرورت زیادہ ہے۔ صحیح مسلم میں اسے ابن عمر سے روایت کیا۔ ترمذی نے بھی اسے اچھا اور صحیح قرار دیا۔

۷۱ اس رات میں آپ تہجد کی نماز کے لیے بھی نہ اٹھے حالانکہ یہ آپ کی دائمی سنت تھی۔

۷۲ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دوسرے لوگوں کو معلوم نہ ہوا تھا کہ صبح ہوئی ہے یہاں تک کہ بعد میں یہ روایت کر دیا کہ آپ نے فجر کی نماز غیر وقت میں پڑھی۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ آپ نے یہ نماز تاریکی میں ادا کی مگر صحیح یہ ہے کہ آپ نے وقت میں نماز ادا کی۔ لیکن لوگوں کو شک گزرا کہ صبح ہوئی ہے یا نہیں کہ حضور نبی پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لیے وحی یا کمال علم کی بنا پر ظاہر ہو گیا کہ طلوع فجر ہو چکی ہے۔ اور یہ لفظ کہ آپ نے غیر وقت میں نماز ادا کی۔ اس سے مراد یہ ہے کہ آپ نے آج کی صبح اس وقت میں نماز ادا نہ کی جس وقت میں عادتاً آپ نماز ادا فرماتے تھے اس بارے میں گفتگو باب مواقیت الصلوٰۃ میں گزر چکی ہے۔

۷۳ یہ اس وہم کو دور کرنے کے لیے فرمایا کہ باوجود اس کے کہ آپ نے جلدی کی اور بہت سویرے نماز پڑھی مگر اذان و اقامت جو آپ کی سنت دائمہ تھی اسے ترک نہ کیا۔

۷۴ یہ بھی مزدلفہ میں ایک جگہ کا نام ہے جسے قزح کہتے ہیں کاف کی پیش زکی زبر آخر میں حا کہ قریش زمانہ جاہلیت میں اس جگہ وقوف کرتے تھے۔ مشاعر مشعر کی جمع ہے اور شعائر شعیرہ کی جمع اس سے مراد حج کے امور و ارکان اور اس کی علامتیں ہیں۔ اصل شعور بمعنی علم ہے۔

۷۵ یہاں حدیث میں لفظ جدًا آیا ہے بمعنی کسی کام میں خوب کوشش کرنا۔ مزدلفہ میں یہ وقوف احناف کے نزدیک واجب ہے۔

۷۶ جس طرح کہ عرفات میں حضرت اسامہ بن زید کو اپنے پیچھے سوار کیا تھا۔

۵۸ یعنی بطن وادی محسر میں آئے میم کی پیش حا کی زیر سین مشدد یہ مزدلفہ ومنیٰ کے درمیان ایک وادی ہے ، دونوں کے درمیان گویا یہ ایک پردہ اور برزخ ہے اس کا کچھ حصہ مزدلفہ میں شامل ہے ، کچھ منیٰ میں یہ لفظ حسور سے مشتق ہے بمعنیٰ تھک جانا اسی سے تحسیر بنا ہے بمعنیٰ تھکا دینا یہ وادی گزرنے والوں کو تھکا دیتی ہے ۔ یا اصحاب فیل کو اس نے تھکا دیا تھا جیسا کہ اس کی حکمت میں معلوم ہوگا ۔

۵۹ اور تیز چلایا بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے اسے بہت ہی تیز چلایا ، شاید کہ قلت زمانے کے اعتبار سے تھی جو کہ وادی کی مسافت کے مطابق ہے ، اس وادی سے جلدی نکل جانا مستحب ہے اگر پیادہ پاؤں ہو تو جلدی چلے اگر سوار ہو تو سواری تیز چلائے اس ارادے سے کہ اسے بھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اتباع نصیب ہو ، اس وادی میں تیز چلنے کے سبب اور حکمت میں علماء کا اختلاف ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہاں اپنی ناقہ کو کیوں تیز چلایا تھا ، مشہور یہ ہے کہ یہ وادی اصحاب فیل پر نزول عذاب کی جگہ ہے ۔ اصحاب فیل وہ لوگ ہیں جو بیت اللہ شریف زادہا اللہ تعظیما وتکریما کے گرانے کے ارادے سے آئے تھے اس بناء پر حضور نبی پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہاں سے جلدی جانے کو مستحب جانا ۔ صحیح روایات سے ثابت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے قوم لوط اور قوم ثمود کے علاقوں میں سے گزرنے والوں کو تیز چلنے کا حکم دیا ۔ اور یہ بھی حکم دیا کہ ان علاقوں کو دیکھ کر روئیں اور ان سے عبرت پکڑیں اسی طرح آپ کی عادت مبارک تھی کہ جن جن جگہوں میں اللہ تعالیٰ کا عذاب نازل ہوا تھا وہاں سے جلدی گزرتے تھے ۔

کتاب مواہب لدنیہ میں امام اسنوی سے جو علمائے شافعیہ میں سے ہیں ، منقول ہے کہ اس کا سبب یہ تھا کہ اس جگہ میں نصاریٰ کھڑے ہوئے تھے ۔ جیسا کہ امام رافعی نے کہا یا مشرکین عرب اس جگہ کھڑے تھے ۔ جیسا کہ کتاب وسیط میں کہا گیا ہے تو ہمیں اُن کی مخالفت کرنے کا حکم دیا گیا ۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے املا میں فرمایا کہ یہ جگہ کھلی اور کشادہ نہیں ہے ۔ بعض نے فرمایا اس کی یہ وجہ ہو سکتی ہے کہ یہ شیاطین کی جگہ ہے ۔ یہاں طاعون کے مرض سے بھاگنے والوں کے لیے دلیل اختیار کرنے کی کوئی گنجائش نہیں ہے کہ جب نزول عذاب کی جگہ سے تیز گزر جانا جائز ہے تو طاعون کی جگہ سے بھاگنا بھی جائز ہو کیونکہ یہ خیال عدم فہم اور محض غلط ہے کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اس مقام سے تیز گزرنے کا حکم خوف حق اور اللہ تعالیٰ کے قہر وجلال کے مشاہدے کی وجہ سے تھا اور اس وجہ سے بھی کہ وہ جگہ منحوس ہو چکی تھی یہ وجہ نہیں تھی کہ وہاں عذاب نازل ہوا تھا ۔ اور اگر آپ بھی کھڑے ہو جاتے تو عذاب نازل ہو جاتا ۔ لہٰذا اس کا اس بات سے کوئی تعلق نہیں ۔ اس کے باوجود طاعون سے بھاگنے کی صریح نہی اور منع اور ڈانٹ وارد ہو چکی ہے اور یہ قیاس نص کے مقابلے میں ہے جس کا کچھ فائدہ نہیں ۔ دوسری بعض جگہوں سے بھی بھاگ جانے کا ذکر آیا ہے جس طرح کوئی شخص کسی گھر میں بیٹھا ہو اور وہاں زلزلہ آ جائے اور یہ گمان ہو جائے کہ یہ مکان گر پڑے گا یا ایسی جگہ جہاں آگ لگ جائے اور اگر وہ وہیں رہے گا تو جل جائے گا تو ایسی جگہوں سے باہر آ جانا چاہیے ۔ اور اگر طاعون کو ان جگہوں پر قیاس کریں تو یہ بھی صحیح نہیں کیونکہ ان جگہوں

سے بھاگنے کی وجہ یہ ہے کہ یہاں ہلاک ہونے کا ظن غالب ہے اور طاعون کی جگہ صرف وہم ہے کہ طاعون کی بیماری مجھے بھی لگے گی۔ اور وہ اسباب جو فنا کرتے ہیں اور وہ اسباب جن سے فنا کرنے کا محض وہم ہوتا ہے ان دونوں میں فرق ہے جہاں ہلاکت کا ظن غالب ہو وہاں سے بھاگنا توکل کے منافی نہیں ہے اور جہاں ہلاکت کا صرف وہم ہو وہاں سے بھاگنا توکل کے منافی ہے لہٰذا ایسی جگہوں سے بھاگنا ممنوع و ناروا آیا ہے اور اس کے مرتکب ہونے پر ڈانٹ ڈپٹ آئی ہے۔ جب طاعون کی جگہ سے بھاگنا ناروا ہے تو ایسی دوسری جگہوں سے بھاگنا کب جائز ہوگا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے غضب اور عذاب کے اسباب و موجبات سے اپنی پناہ میں رکھے۔

۷۹ اور یہ اس راستے کے علاوہ راستہ تھا جس راستے سے آپ پہلے گئے تھے۔ اس پہلے راستے کو طریق ضب کہتے ہیں۔ ضب ض اور با مشدد سے۔ اس راستے کو طریق مازمین کہتے ہیں۔ یہ دو پہاڑوں کا نام ہے اس میں زا کی زیر اور میم کی زبر ہے۔ لہٰذا حضور علیہ الصلاۃ والسلام جاتے وقت وادی محسر سے نہ گزرے تھے۔

۸۰ جو کہ مزدلفہ کی جانب سے مسجد خیف کے قریب ہے مقصود راستے کی تعیین ہے مگر آج کل اس جمرہ کے پاس سے گزرتے ہیں اور اس جمرے تک پہنچتے ہیں جو جانب مکہ ہے جسے جمرہ عقبہ کہتے ہیں۔ عقبہ عین اور کاف کی زبر سے۔ پہاڑ کے اندر سے گزرنے والے راستے کو عقبہ کہتے ہیں جس کا ترجمہ اردو میں گھاٹی ہے۔ یہ جمرہ اس پہاڑ کے نیچے ہے اور بیعۃ العقبہ جہاں انصار نے بیعت کی تھی وہ بھی اسی کی طرف منسوب ہے۔ ان جمروں کو کنکریاں مارنے کے احکام اپنے اگلے باب میں آرہے ہیں۔

۸۱ اس سے مراد یہی گزشتہ جمرہ عقبہ ہے جس کا ذکر ہوا۔

۸۲ یہاں حدیث میں لفظ خذف آیا ہے۔ خذف خا کی زبر ذ ساکن سے بمعنیٰ انگلیوں سے کنکری پھینکنا۔ یہاں ایک لفظ مخذفہ ہے۔ میم کی زیر خا ساکن بمعنیٰ غلیل۔ کنکری پھینکنے کی صورت یہ ہے کہ کنکری شہادت اور دوسری انگلی کے درمیان پکڑی جائے یا انگوٹھے اور شہادت کی انگلی پر رکھی جائے اور پھر اسے پھینکا جائے یا لکڑی سے غلیل بنائی جائے اور اس سے کنکری پھینکی جائے۔ حدیث میں اس طرح پھینکنے سے نہی واقع ہوئی ہے۔ اس تشریح سے مقصود سنگریزوں کی مقدار ہے کہ وہ سنگریزے بڑے ہوں کہ چھوٹے۔ بعض علماء پھینکی جانے والی کنکریوں کی مقدار لوبیا کے دانے جتنی بتلاتے ہیں بعض کہتے ہیں کہ چنے سے ذرا بڑی ہو اور بندوق کی گولی سے ذرا چھوٹے بعض بکری کی مینگنی جتنی مقدار بتلاتے ہیں۔

۸۳ جہاں پر یہ جمرہ واقع ہے۔

۸۴ جو کہ منیٰ میں ہے۔

۸۵ یہاں حدیث میں لفظ نحر آیا ہے بمعنیٰ اونٹ کے سینے پر نیزہ مارنا۔ نحر و ذبح اور جو کچھ اس بارے میں

سنت ہے کہ اونٹ میں نحر کیا جائے اور اس کے غیر میں ذبح اس کی پوری تحقیق باب الضحیہ میں گزر چکی ہے۔

۸۶ یعنی اونٹ یا چری حضرت علی کو دی۔ تو آپ نے باقی از حول کا نحر کیا۔ گزشتہ بیان میں مذکور ہو چکا ہے کہ کل اونٹ سو تھے پس باقی سینتیس رہ گئے تھے۔

۸۷ یہاں حدیث میں لفظ بَدَنَہ آیا ہے تینوں پہلے حرفوں پر زبر یہ بدن کا واحد ہے یعنی با کی پیش د ساکن۔

۸۸ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اُن قربانیوں کے گوشت سے یا ہانڈی میں پکے ہوئے گوشت سے کھایا۔ یاد رہے کہ ہانڈی مونث استعمال ہوتی ہے۔

۸۹ یہاں حدیث میں لفظ مَرَق آیا ہے میم اور را کی زبر سے بمعنی شوربہ کیونکہ اپنی قربانی کے جانور سے کچھ کھانا مستحب ہے۔ باقی گوشت بخش دیا جائے یعنی تقسیم کر دیا جائے۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ باقی گوشت آپ نے تقسیم کروا دیا اور فرمایا کہ جو چاہے لے جائے۔

۹۰ اور خانہ کعبہ کا طواف کیا۔ اسے طواف افاضہ کہتے ہیں یہ عرفات میں وقوف کے بعد حج کا دوسرا رکن ہے۔ اس طواف کے ساتھ حج مکمل ہو جاتا ہے۔ دسویں کے دن ہی یہ طواف کر لینا افضل ہے۔ اور اگر گیارہویں بارہویں کو کریں تب بھی جائز ہے۔

۹۱ یہ حضرت جابر کی روایت ہے اور حضرت عائشہ بھی اسی جانب ہیں۔ ابن عمر کی روایت میں آیا ہے کہ آپ نے ظہر کی نماز مکہ سے واپس آ کر منیٰ میں ادا فرمائی یہ دونوں روایتیں صحیح میں موجود ہیں یہاں کافی گفتگو کی گئی ہے۔ شرح میں اسے بیان کر دیا گیا ہے۔ واللہ اعلم۔

۹۲ یعنی آپ عبد المطلب کے بیٹوں اور اولاد کے پاس آئے جیسے حضرت عباس اور ان کی اولاد عبد المطلب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا کا نام ہے۔ زمزم سے پانی پلانے کا عہدہ اُن کے ہاتھ میں تھا۔

۹۳ یہ خطرہ اس بنا پر تھا کہ اگر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی پانی سے ڈول کھینچنے لگتے تو سب لوگ آپ کی اتباع میں یہ کام کرنا شروع کر دیتے اسی طرح یہ عہدہ تمہارے ہاتھ سے نکل جاتا۔ اور ڈول سے پانی کھینچنے کی خواہش میرے دل میں اس وجہ سے ہے کہ یہ کام اپنے اندر فضیلت اور شرف رکھتا ہے۔

۹۴ حج کے یہ احکام حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں واقع ہوئے ہیں دوسرے احکام جو طواف کے بعد ہیں جنہیں منیٰ کے ایام میں کرتے ہیں، اپنی جگہ پر انشاء اللہ مذکور ہوں گے۔

وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ خَرَجْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ حَجَّةِ الْوَدَاعِ فَمِنَّا مَنْ أَهَلَّ	حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں ہم لوگ حجۃ الوداع کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نکلے ہم میں سے بعض نے عمرے

بِعُمْرَةٍ وَّمِنَّا مَنْ اَهَلَّ بِحَجٍّ فَلَمَّا قَدِمْنَا مَكَّةَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اَهَلَّ بِعُمْرَةٍ وَّلَمْ يُهْدِ فَلْيَحْلِلْ وَمَنْ اَحْرَمَ بِعُمْرَةٍ وَّاَهْدٰى فَلْيُهِلَّ بِالْحَجِّ مَعَ الْعُمْرَةِ ثُمَّ لَا يَحِلُّ مِنْهُمَا وَفِيْ رِوَايَةٍ فَلَا يَحِلُّ حَتّٰى يَحِلَّ بِنَحْرِ هَدْيِهٖ وَمَنْ اَهَلَّ بِحَجٍّ فَلْيُتِمَّ حَجَّهٗ قَالَتْ فَحِضْتُ وَلَمْ اَطُفْ بِالْبَيْتِ وَلَا بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ فَلَمْ اَزَلْ حَائِضًا حَتّٰى كَانَ يَوْمُ عَرَفَةَ وَلَمْ اُهْلِلْ اِلَّا بِعُمْرَةٍ فَاَمَرَنِي النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ اَنْقُضَ رَاْسِيْ وَاَمْتَشِطَ وَاُهِلَّ بِالْحَجِّ وَاَتْرُكَ الْعُمْرَةَ فَفَعَلْتُ حَتّٰى قَضَيْتُ حَجِّيْ بَعَثَ مَعِيَ عَبْدَ الرَّحْمٰنِ بْنَ اَبِيْ بَكْرٍ وَّاَمَرَنِيْ اَنْ اَعْتَمِرَ مَكَانَ عُمْرَتِيْ مِنَ التَّنْعِيْمِ قَالَتْ فَطَافَ الَّذِيْنَ كَانُوْا اَهَلُّوْا بِالْعُمْرَةِ بِالْبَيْتِ وَبَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ ثُمَّ حَلُّوْا ثُمَّ طَافُوْا طَوَافًا بَعْدَ اَنْ رَجَعُوْا مِنْ مِّنًى وَّاَمَّا الَّذِيْنَ جَمَعُوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ فَاِنَّمَا طَافُوْا طَوَافًا وَّاحِدًا۔
(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

کا احرام باندھا اور بعض نے حج کا جب ہم مکہ پہنچے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے عمرے کا احرام باندھا ہو اور قربانی ساتھ نہ لایا ہو وہ احرام سے باہر نکل آئے[1] اور جس نے عمرے کا احرام باندھا ہو اور قربانی ساتھ لایا ہو وہ عمرے کے ساتھ حج کا احرام باندھ لے اور احرام سے باہر نہ نکلے یہاں تک کہ اُن دونوں سے فارغ ہو جائے اور ایک روایت میں اس طرح ہے کہ پھر احرام سے باہر نہ نکلے یہاں تک کہ ہدی کی قربانی کر لے[2] اور جس نے حج کا احرام باندھا ہو وہ اپنا حج پورا کرے۔ حضرت عائشہ صدیقہ فرماتی ہیں کہ مجھے بحالت احرام خون حیض آنا شروع ہو گیا حالانکہ میں نے ابھی نہ تو بیت اللہ کا طواف کیا تھا نہ صفا مروہ کے درمیان سعی[3] کی تھی تو میں اسی حالت حیض میں رہی حتیٰ کہ عرفہ کا دن آگیا اور میں نے صرف عمرہ ہی کا احرام باندھا ہوا تھا۔ مجھے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ میں اپنے بال کھول دوں اور کنگھی کر لوں[4]۔ حج کا احرام باندھ لوں اور عمرہ چھوڑ دوں چنانچہ میں نے ایسا ہی کیا یہاں تک کہ میں نے اپنا حج پورا کر لیا۔ میرے ساتھ عبدالرحمٰن بن ابوبکر صدیق کو بھیجا اور مجھے حکم دیا کہ میں اپنے چھوٹے[5] ہوئے عمرہ کی جگہ مقام تنعیم سے[6] عمرہ کروں فرماتی ہیں جن لوگوں نے عمرہ کا احرام باندھا انہوں نے بیت اللہ کا طواف کیا اور صفا مروہ کے درمیان سعی کی، پھر احرام سے باہر آگئے پھر منیٰ سے لوٹنے کے بعد ایک طواف[7] کیا لیکن جنہوں نے حج و عمرہ جمع کیا تھا انہوں نے ایک ہی طواف کیا۔ (بخاری و مسلم)

۱؎ یعنی اس کے بعد حج کے لیے ایام حج میں نیا احرام باندھے۔
۲؎ عمرے کا احرام باندھنے والے کا یہی حکم ہے۔
۳؎ یاد رہے کہ سعی پر بھی طواف کا لفظ بول دیا جاتا ہے۔
۴؎ یعنی احرام سے باہر نکل آؤں اور وہ کام اپنے لیے مباح کرلوں جو حالت احرام میں میرے لیے حرام تھے۔
۵؎ عبدالرحمٰن حضرت عائشہ کے بھائی ہیں ان دونوں کی ماں بھی ایک ہے۔
۶؎ جو کہ حیض کی وجہ سے چھوٹ گیا تھا اور اس کی وجہ سے مجھے احرام سے باہر آنا پڑا تھا۔
۷؎ تنعیم مکہ معظمہ سے باہر تین میل کے فاصلے پر ایک جگہ ہے جو کہ حرم سے باہر حل کے اندر واقع ہے۔ یہ جگہ زمین حرم کے نزدیک ترین ہے۔ اس جگہ کو مسجد عائشہ بھی کہتے ہیں یعنی وہ جگہ جہاں سے حضرت عائشہ نے احرام باندھا تھا۔ عوام الناس اس تنعیم کو عمرہ کہتے ہیں کیونکہ یہاں سے عمرہ کے لیے احرام باندھتے ہیں۔
۸؎ یعنی یوم نحر کو منیٰ سے واپس آنے کے بعد طواف زیارت کیا۔

وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہ قَالَ تَمَتَّعَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ حَجَّةِ الْوَدَاعِ بِالْعُمْرَةِ اِلَى الْحَجِّ فَسَاقَ مَعَهُ الْهَدْيَ مِنْ ذِي الْحُلَيْفَةِ وَبَدَأَ فَاَهَلَّ بِالْعُمْرَةِ ثُمَّ اَهَلَّ بِالْحَجِّ فَتَمَتَّعَ النَّاسُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْعُمْرَةِ اِلَى الْحَجِّ فَكَانَ مِنَ النَّاسِ مَنْ اَهْدٰى وَمِنْهُمْ مَنْ لَمْ يُهْدِ فَلَمَّا قَدِمَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَكَّةَ قَالَ لِلنَّاسِ مَنْ كَانَ مِنْكُمْ اَهْدٰى فَاِنَّهُ لَا يَحِلُّ مِنْ شَيْءٍ حَرُمَ مِنْهُ حَتّٰى يَقْضِيَ حَجَّهُ وَمَنْ لَمْ يَكُنْ مِّنْكُمْ اَهْدٰى فَلْيَطُفْ بِالْبَيْتِ وَ

حضرت عبداللہ عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع میں حج و عمرہ کا تمتع کیا تو اپنے ساتھ ذا الحلیفہ سے ھدی لے کر گئے تو ابتدا یوں فرمائی کہ پہلے عمرہ کا پھر حج کا احرام باندھا لوگوں نے بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حج و عمرہ کا تمتع کیا۔ بعض لوگ توھدی لے گئے تھے اور بعض نہیں لے گئے تھے جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو لوگوں سے فرمایا کہ تم میں سے جو ھدی لایا ہو وہ کسی حرام شدہ چیز سے حلال نہ ہو[۱] تا آنکہ حج پورا کرے اور جو ھدی نہ لایا ہو وہ کعبہ کا طواف کرے اور صفا مروہ میں دوڑے اور بال کٹوائے[۲] اور احرام سے باہر نکل آئے[۳] پھر حج کا احرام

بِالصَّفَا وَالْمَرْوَةِ وَلْيُقَصِّرْ وَلْيَحْلِلْ ثُمَّ لِيُهِلَّ بِالْحَجِّ وَلْيُهْدِ فَمَنْ لَمْ يَجِدْ هَدْيًا فَلْيَصُمْ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ فِي الْحَجِّ وَسَبْعَةً اِذَا رَجَعَ اِلٰى اَهْلِهٖ فَطَافَ حِيْنَ قَدِمَ مَكَّةَ وَاسْتَلَمَ الرُّكْنَ اَوَّلَ شَيْئٍ ثُمَّ خَبَّ ثَلٰثَةَ اَطْوَافٍ وَّمَشٰى اَرْبَعًا فَرَكَعَ حِيْنَ قَضٰى طَوَافَهٗ بِالْبَيْتِ عِنْدَ الْمَقَامِ رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ سَلَّمَ فَانْصَرَفَ فَاَتَى الصَّفَا فَطَافَ بِالصَّفَا وَالْمَرْوَةِ سَبْعَةَ اَطْوَافٍ ثُمَّ لَمْ يَحِلَّ مِنْ شَيْئٍ حَرُمَ مِنْهُ حَتّٰى قَضٰى حَجَّهٗ وَنَحَرَ هَدْيَهٗ يَوْمَ النَّحْرِ وَاَفَاضَ فَطَافَ بِالْبَيْتِ ثُمَّ حَلَّ مِنْ كُلِّ شَيْئٍ حَرُمَ مِنْهُ حَتّٰى نَسَاءٌ فَعَلَ مِثْلَ مَا فَعَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ سَاقَ الْهَدْيَ مِنَ النَّاسِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

باندھے اور قربانی کرے اور جسے قربانی میسر نہ آئے وہ تین روزے رکھے زمانۂ حج میں اور سات روزے گھر لوٹتے وقت[۱] پھر جب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ شریف آئے تو طواف کیا سب سے پہلے حجراسود کو چوما پھر تین چکروں میں رمل فرمایا۔ اور چار میں عام رفتار[۲] سے چلے پھر جب طواف کعبہ پورا کر لیا تو مقام ابراہیم کے پاس دو رکعتیں پڑھیں پھر سلام پھیرا اور لوٹے تو صفا پر آئے اور صفا مروہ کا سات[۳] بار طواف کیا پھر آپ کسی حرام شدہ چیز سے حلال نہ[۴] ہوئے حتیٰ کہ حج پورا فرما لیا۔ اور قربانی کی ھدی ذبح کر دی اور منیٰ سے[۵] چلے تو آکر بیت اللہ کا طواف کیا پھر تمام حرام چیزوں سے حلال ہوگئے اور یہاں تک کہ عورتیں بھی حضور نبی کریم[۶] صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح کے تمام کام ھدی لانے والے لوگوں نے بھی کیے۔

(بخاری و مسلم)

[۱] یعنی احرام سے باہر نہ آئے بلکہ حالت احرام پر ہی قائم و ثابت رہے۔

[۲] یہ ادنیٰ درجہ ہے ورنہ سارا سر منڈانا افضل ہے۔

[۳] اور ارکان حج ادا اعمال عمرہ کو بجا لائے۔ جیسا کہ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث میں گزرا یہاں مزید گفتگو یہ ہے کہ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حج حج تمتع کیا۔ مگر صحیح تر یہ ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ حج حج قران کیا تھا۔ اس حدیث کی تاویل یہ ہے کہ تمتع سے اس کا لغوی معنیٰ مراد ہے یعنی نفع اور لذت حاصل کرنا اس میں کوئی شک نہیں کہ نفع اور لذت کا معنیٰ حج قران میں بھی موجود ہے کیونکہ اس میں بندہ دو ارکان ادا کرنے کی بجائے

ایک ہی رکن ادا کرنے سے عہدہ برا ہو جاتا ہے۔ یا مراد یہ ہے کہ حضور نبی پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے صحابہ کرام کو حج تمتع کا حکم دیا۔ اور سو آپ کی طرف تمتع کی نسبت آپ کے سبب بننے کی وجہ سے کر دی۔ جیسا کہ کہتے ہیں کہ فلاں بادشاہ نے فلاں شہر تعمیر کیا۔ حالانکہ تعمیر کرنے والے معمار ہوتے ہیں نہ کہ بادشاہ خود تعمیر کرتا ہے مگر چونکہ وہ کاریگروں کو شہر تعمیر کرنے کا حکم دیتا ہے اس لیے شہر کی تعمیر کی نسبت بادشاہ کی طرف کر دیتے ہیں۔ باقی رہی یہ روایت کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حج مفرد کیا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ نے پہلے احرام حج کا باندھا اس کے بعد عمرہ کی نیت فرمائی۔ اور آپ قارن بن گئے تو جس نے پہلے لفظ کو سنا یعنی مفرد کو اس نے یہ خیال کیا کہ آپ نے صرف حج کے لیے احرام باندھا اور حج مفرد کیا۔ یہ تاویلات روایات کے درمیان مطابقت کے لیے کی گئی ہیں۔ اس مقام میں کافی کلام ہے جو شرح سفر السعادت میں کر دیا گیا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

اس کے بعد متمتع کا حال بیان فرمایا جو ھدی سے کر نہیں چلتا کہ جب متمتع احرام سے باہر آ جائے اور طواف وسعی کر کے عمرے کو مکمل کرے تو پھر وہ حج کے لیے احرام باندھے۔

۴ یاد رہے کہ ھدی لے جانے کا مطلب یہ ہے کہ متمتع کے لیے خون بہانا ضروری ہے۔ اس وقت کی شکر گزاری کے لیے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے دونوں ارکان یعنی حج و عمرہ ادا کرنے کی توفیق دی۔

۵ افضل یہ ہے کہ یہ تین روزے چاند کی ساتویں آٹھویں اور نویں کو رکھے اور بعض نے کہا کہ یہ تین روزے نویں تاریخ سے پہلے پہلے رکھ لے۔

۶ پہلے تین کے ساتھ یہ سات روزے ملنے سے کل دس روزے ہو گئے۔ قرآن مجید میں صرف لوٹنے کا ذکر آیا ہے کیونکہ فرمایا وسبعۃ اذا رجعتم تو بعض نے لوٹنے کی تفصیل اپنے گھر والوں کی طرف لوٹنے سے کی اور بعض نے لوٹنے سے اعمال حج سے فارغ ہونا۔ اور منیٰ سے مکہ کی جانب آنا مراد لیا۔ بیضاوی نے کہا کہ امام ابو حنیفہ کا مذہب یہی ہے طیبی نے بھی اسی کے موافق کہا لیکن ہدایہ میں کہا کہ یہ سات روزے اس وقت رکھے جب اپنے اہل کی طرف واپس لوٹ آئے۔ اس حدیث کا ظاہر اس مذہب کی تائید کرتا ہے۔ جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام مکہ شریف تشریف لائے تو صحابہ کرام کو حدیث میں مذکور اگلی بات کا حکم دیا۔

۷ جیسا کہ پیچھے گزرا یعنی تین طوافوں میں یاد رہے کہ ایک دفعہ خانہ کعبہ کے گرد گھومنے کو ایک چکر کہتے ہیں۔

۸ مجموعہ سات چکر ہوئے۔ اسی عمل کو طواف کہتے ہیں۔

۹ یہاں طواف سے ان دونوں کے درمیان سات چکر لگانا مراد ہے۔ اسے صفا مروہ کے درمیان سعی بھی کہتے ہیں۔

۱۰ اور احرام سے باہر نہ آئے کیونکہ آپ قارن تھے۔ اگرچہ آپ متمتع بھی تھے اور اپنے ساتھ ھدی لائے تھے۔

۱۱ یعنی منیٰ سے چل کر مکہ شریف آئے۔

۱۲ قربانی کے بعد اور طواف زیارت سے پہلے عورتیں حلال نہیں ہوتیں۔ جب طواف زیارت کر لیا جاتا ہے تو عورتیں بھی حلال ہو جاتی ہیں ان ارکان کے ادا کرنے سے حج مکمل ہو جاتا ہے۔ اور حاجی احرام سے بھی مکمل طور پہ باہر آ جاتا ہے۔

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هٰذِهٖ عُمْرَةٌ اسْتَمْتَعْنَا بِهَا فَمَنْ لَمْ يَكُنْ عِنْدَهُ الْهَدْيُ فَلْيَحِلَّ الْحِلَّ كُلَّهُ فَاِنَّ الْعُمْرَةَ قَدْ دَخَلَتْ فِي الْحَجِّ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ۔ رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَهٰذَا الْبَابُ خَالٍ عَنِ الْفَصْلِ الثَّانِيْ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ ایسا عمرہ ہے جس سے ہم نے نفع اٹھایا تو جس کے پاس ھدی نہ ہو وہ احرام سے مکمل طور پہ باہر نکل آئے۔ بے شک عمرہ قیامت کے لیے حج میں داخل ہو گیا ہے۔ (اس معنیٰ کی شرح گزر چکی ہے) اسے مسلم نے روایت کیا اور یہ باب دوسری فصل سے خالی ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

عَنْ عَطَاءٍ قَالَ سَمِعْتُ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ فِيْ نَاسٍ مَّعِيَ قَالَ اَهْلَلْنَا اَصْحَابُ مُحَمَّدٍ بِالْحَجِّ خَالِصًا وَّحْدَهُ قَالَ عَطَاءٌ قَالَ جَابِرٌ فَقَدِمَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صُبْحَ رَابِعَةٍ مَضَتْ مِنْ ذِي الْحِجَّةِ فَاَمَرَنَا اَنْ نَّحِلَّ قَالَ عَطَاءٌ قَالَ حِلُّوْا وَاَصِيْبُوا النِّسَاءَ قَالَ عَطَاءٌ وَّلَمْ يَعْزِمْ عَلَيْهِمْ وَلٰكِنْ اَحَلَّهُنَّ لَهُمْ فَقُلْنَا لَمَّا لَمْ يَكُنْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ عَرَفَةَ اِلَّا خَمْسٌ اَمَرَنَا اَنْ نُّفْضِيَ اِلٰى نِسَائِنَا فَنَاْتِيَ عَرَفَةَ

حضرت عطاء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نے اپنے ساتھ لوگوں کی جماعت میں حضرت جابر بن عبداللہ کو سنا وہ فرماتے تھے ہم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ نے خالص حج کے لیے احرام باندھا فرماتے ہیں کہ حضرت جابر نے فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بقرعید کی چوتھی رات گزرنے پر صبح کو مکہ معظمہ پہنچے۔ تو ہمیں احرام سے باہر آنے کا حکم دیا عطا فرماتے ہیں کہ فرمایا حلال ہو جاؤ اور عورتوں سے صحبت کرو۔ عطا کہتے ہیں صحبت ان پر واجب نہ کی مگر ان کے لیے عورتیں حلال فرما دیں۔ ہم نے خیال کیا کہ جب ہمارے اور عرفہ کے درمیان صرف پانچ دن باقی رہ گئے ہیں تو ہم کو بیویوں

تَقْطُرُ مَذَاكِيْرُنَا الْمَنِيَّ قَالَ يَقُوْلُ جَابِرٌ بِيَدِهٖ كَاَنِّيْ اَنْظُرُ اِلٰى قَوْلِهٖ بِيَدِهٖ يُحَرِّكُهَا قَالَ فَقَامَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْنَا فَقَالَ قَدْ عَلِمْتُمْ اَنِّيْ اَتْقٰكُمْ لِلّٰهِ وَاَصْدَقُكُمْ وَاَبَرُّكُمْ وَلَوْلَا هَدْيِيْ اَحْلَلْتُ كَمَا تَحِلُّوْنَ وَلَوِ اسْتَقْبَلْتُ مِنْ اَمْرِيْ مَا اسْتَدْبَرْتُ لَمْ اَسُقِ الْهَدْيَ فَحِلُّوْا فَحَلَلْنَا وَسَمِعْنَا وَاَطَعْنَا قَالَ عَطَاءٌ قَالَ جَابِرٌ فَقَدِمَ عَلِيٌّ مِنْ سِعَايَتِهٖ فَقَالَ بِمَ اَهْلَلْتَ قَالَ بِمَا اَهَلَّ بِهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَهْدِ وَامْكُثْ حَرَامًا قَالَ وَاَهْدٰى لَهٗ عَلِيٌّ هَدْيًا فَقَالَ سُرَاقَةُ بْنُ مَالِكِ بْنِ جُعْشُمٍ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَلِعَامِنَا هٰذَا اَمْ لِاَبَدٍ قَالَ لِاَبَدٍ۔
(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

کے پاس جانے کی اجازت دے دی تو کیا ہم لوگ عرفہ کو اس حال میں جائیں کہ ہمارے آلہ ہائے[1] تناسل منی ٹپکاتے ہوں۔ راوی کہتے ہیں حضرت جابر اپنے ہاتھ سے اشارہ[2] کرتے تھے گویا میں ان کا ہاتھ ہلنا دیکھ رہا ہوں فرماتے ہیں تو ہم میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے اور فرمایا تم جانتے ہو کہ میں تم سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے[3] والا سب سے زیادہ سچا اور سب سے زیادہ نیک عمل والا ہوں اگر میری ہدی ہوتی تو جیسے تم حلال ہو رہے ہو میں بھی حلال ہو جاتا اور جو بات بعد میں کھلی اگر پہلے سے ہم جانتے تو ہدی ہی[4] نہ لاتے لہٰذا حلال ہو جاؤ۔ چنانچہ ہم حلال ہو گئے ہم نے آپ کا حکم سنا اور بجا لائے۔ عطا فرماتے ہیں کہ حضرت جابر نے کہا پھر حضرت علی اپنے دار العمال سے آئے تو حضور انور نے پوچھا تم نے کونسا احرام باندھا ہے عرض کیا وہ جو اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے باندھا حضور نے فرمایا ہدی ذبح کرو۔ اور احرام میں ٹھہرو۔ حضرت علی ہدی لائے تھے حضرت سراقہ بن مالک بن جعشم نے عرض کیا۔ یارسول اللہ کیا یہ ہمارے اسی سال کے لیے ہے یا ہمیشہ کے لیے فرمایا ہمیشہ کے لیے
(مسلم)

[1] یعنی عمرہ کی ملاوٹ کے بغیر۔
[2] حضرت جابر کے قول کی تفسیر کرتے ہوئے کہ ہمیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے عمرہ کھول دینے کا حکم فرمایا۔
[3] اور آپ نے عورتوں سے مخصوص صحبت کرنا جائز قرار دیا۔
[4] یہاں حدیث میں لفظ مذاکیر آیا ہے جو لفظ ذکر کی جمع ہے یعنی ذ اور کاف کی زبر سے۔ یہ جمع خلاف قیاس ہے۔

۵ھ یعنی تشبیہ سے حقیقت کو دافع کرنے کے لیے ہاتھ سے اشارہ کرکے دکھاتے تھے۔
۶ھ بعض نسخوں میں لفظ علی اللہ آیا ہے یعنی تم سب سے بڑھ کر اللہ کے نزدیک بزرگ اور متقی میں ہوں۔
۷ھ یعنی اگر میں یہ بات جان لیتا کہ تمہارا احرام سے باہر آنا تمہیں اس قدر شاق گزرے گا تو میں ھدی اپنے ساتھ چلا کر نہ لاتا اور میں بھی احرام سے باہر آجاتا۔
۸ھ اور احرام سے باہر آجاؤ کہ خدائے تعالیٰ کا حکم ایسا ہی ہے۔
۹ھ یعنی ہم نے رضا و اطاعت کے ساتھ آپ کا قول مبارک سنا۔
۱۰ھ یعنی یمن سے تشریف لائے آپ یمن لوگوں سے صدقات وصول کرنے کے لیے گئے ہوئے تھے۔ یہاں حدیث میں لفظ سعایۃ آیا ہے۔ یہ لفظ خراد اور مالیہ کے لیے استعمال ہوتا ہے۔
۱۱ھ یعنی ھدی اپنے ساتھ لے کر چل اور حالت احرام میں ہی ٹھہرا رہ۔ جیسا کہ میں نے کیا ہے۔
۱۲ھ جیسا کہ فصل اول میں گزرا۔

وَعَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا اَنَّهَا قَالَتْ قَدِمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِاَرْبَعٍ مَّضَيْنَ مِنْ ذِى الْحَجَّةِ اَوْ خَمْسٍ فَدَخَلَ عَلَيَّ وَهُوَ غَضْبَانُ فَقُلْتُ مَنْ اَغْضَبَكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَدْخَلَهُ اللّٰهُ النَّارَ قَالَ اَوَمَا شَعَرْتِ اَنِّيْ اَمَرْتُ النَّاسَ بِاَمْرٍ فَاِذَا هُمْ يَتَرَدَّدُوْنَ وَلَوْ اَنِّي اسْتَقْبَلْتُ مِنْ اَمْرِيْ مَا اسْتَدْبَرْتُ مَا سُقْتُ الْهَدْيَ مَعِيَ حَتّٰى اَشْتَرِيَهُ ثُمَّ اَحِلَّ كَمَا حَلُّوْا۔
(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب عید بقر کے چار یا پانچ دن گزر گئے تو مکہ معظمہ میں داخل ہوئے اور میرے پاس غصے کی حالت میں تشریف لائے میں نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ کو کس نے غصے میں ڈالا۔ خدا اسے دوزخ میں ڈالے۔ فرمایا کیا تمہیں خبر نہیں کہ میں نے لوگوں کو ایک حکم دیا تو وہ اس میں تردد کرتے ہیں اور اگر یہ شک میں پہلے سے وہ جانتا جو بعد میں جانا تو میں اپنے ساتھ ھدی نہ لاتا۔ بلکہ یہاں سے ہی قربانی خرید لیتا پھر جیسے یہ لوگ احرام سے باہر آئے ہیں بھی احرام سے باہر آجاتا ہے۔
(مسلم)

سلہ یعنی میرے حکم کی بجا آوری میں یہ لوگ دلیر اور توقف کر رہے تھے۔
۲ھ یعنی احرام کے بعد قربانی خریدتا۔

بَابُ دُخُولِ مَكَّةَ وَالطَّوَافِ

مکہ میں داخل ہونے اور طواف کا باب

مصنف نے اس باب میں مکہ شریف میں داخل ہونے کی کیفیت بیان فرمائی ہے کہ کس طرف سے مکے میں داخل ہو۔ اور کس وقت مکہ داخل ہو پھر اس باب میں طواف کی کیفیت بھی ذکر کی گئی ہے۔ اور یہ بھی کہ حجر اسود کو چومنا لازم ہے۔ علاوہ ازیں اور بھی مسائل بیان کیے۔ مکہ مک سے بنا ہے بمعنیٰ ہلاک کرنا ، نقصان کرنا اس مقدس شہر کو مکہ اس لیے کہتے ہیں کہ یہ شہر گناہوں کو ہلاک اور فانی کر دیتا ہے اور اُسے بھی ہلاک کر دیتا ہے جو اس شہر میں ظلم کرتا ، اور الحاد و بے دینی پھیلاتا ہے۔ اس شہر کا دوسرا نام بکہ ہے بکہ بک سے بنا ہے۔ بک بمعنیٰ کوٹنا ہے چونکہ یہ جابر لوگوں کی گردنوں کو کوٹ دیتا ہے۔ اس لیے اس کو بکہ کہتے ہیں یا اس وجہ سے اس کا نام بکہ ہے کہ یہاں زبردست ہجوم کی وجہ سے لوگوں کی گردنیں پس جاتی ہیں یا اس وجہ سے اسے بکہ کہتے ہیں کہ یہ شہر لوگوں کو پیس ڈالتا ہے یعنی ریاضت و مجاہدے کی وجہ سے لوگوں کی قوت نفس اور تیزی کو پیس ڈالتا ہے۔ لفظ طواف کا معنیٰ ہے کسی چیز کے ارد گرد گھومنا، پھر یہ لفظ خانہ کعبہ کے گرد گھومنے کے لیے ہی اکثر اور بیشتر استعمال ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ خانہ کعبہ کی تعظیم و بزرگی ہمیشہ بڑھاتا رہے۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

پہلی فصل

عَنْ نَافِعٍ قَالَ اِنَّ ابْنَ عُمَرَ كَانَ لَا يَقْدَمُ مَكَّةَ اِلَّا بَاتَ بِذِي طُوًى حَتّٰى يُصْبِحَ وَ يَغْتَسِلَ وَ يُصَلِّيَ فَيَدْخُلَ مَكَّةَ نَهَارًا وَ اِذَا نَفَرَ مِنْهَا مَرَّ بِذِي طُوًى وَ بَاتَ بِهَا حَتّٰى يُصْبِحَ وَ يَذْكُرُ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ كَانَ يَفْعَلُ ذٰلِكَ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت نافع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں بے شک حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کبھی مکہ معظمہ میں داخل نہ ہوتے مگر پہلے صبح تک مقام ذی طویٰ میں رات گزار دیتے یہاں تک کہ آپ غسل کرتے۔ نماز پڑھتے پھر دن کے وقت مکہ معظمہ میں داخل ہوتے۔ اور جب مکہ شریف سے واپس ہوتے تو ذی طویٰ سے گزرتے وہاں رات گزارتے یہاں تک کہ صبح ہو جاتی اور فرماتے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اسی طرح کرتے تھے۔

(بخاری و مسلم)

ؔلہ ذِی طوی کی زبر یا پیش اور زیر بھی آئی ہے مگر زبر زیادہ صحیح زیادہ فصیح اور زیادہ مشہور ہے پھر یہ لفظ تنوین اور بے تنوین بھی پڑھا گیا ہے یہ حرم شریف کے اندر مکہ معظمہ کے قریب عمرہ کے راستہ پر ایک جگہ ہے۔

ؔ۲ ظاہر یہ ہے کہ اس سے نماز نفل مراد ہے جو کہ اس مقدس مقام میں داخل ہونے کی عظمت کے لیے آپ پڑھتے تھے۔

ؔ۳ یعنی جس طرح حضرت ابن عمر مقام ذی طوی میں رات بسر کرتے غسل کرتے اور نماز پڑھتے تھے ایسا ہی حضور علیہ السلام کرتے تھے۔ اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ مکہ معظمہ میں دن کے وقت داخل ہونا مستحب ہے تاکہ کعبہ شریف پر نگاہ پڑے اور وہاں بندہ دعا کرے اور اب یہ عادت جاری ہے کہ لوگ جو جدہ سے آتے ہیں وہ سحری کے وقت خانہ کعبہ میں داخل ہوتے ہیں مگر سنت اول تحقیق کے مطابق ہے اور اگرچہ خانہ کعبہ میں سحری کے وقت داخل ہونے کا ذوق و حال کچھ اور ہی ہے مگر بیت اللہ شریف کی عظمت، عزت اور جلالت و بزرگی وقت چاشت میں زیادہ ظاہر و واضح معلوم ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس بیت اللہ شریف کی تعظیم و بندگی کو ہمیشہ بڑھاتا ہے۔ دن میں داخل ہوتے وقت خانہ کعبہ کی بزرگی کا احساس اہل ذوق کو محسوس ہوتا ہے و الحمد اللہ۔

وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ اِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا جَآءَ اِلٰى مَكَّةَ دَخَلَهَا مِنْ اَعْلَاهَا وَ خَرَجَ مِنْ اَسْفَلِهَا۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں بے شک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب مکہ معظمہ تشریف لاتے تو اس کے اوپر کے[1] حصے سے اس میں داخل ہوتے تھے، اور اس کے نیچے کے حصے سے باہر تشریف[2] لے جاتے تھے۔ (بخاری و مسلم)

ؔلہ اور یہ وہی ذی طوی کی جانب ہے۔ اور اسی جانب مکہ معظمہ کا قبرستان ہے جسے جنت المعلی کہتے ہیں۔ معلی میم کی زبر عین ساکن اور لام مخفف کے ساتھ۔ عامۃ الناس اسے معلی کہتے ہیں۔ یعنی میم کی پیش اور لام کی شد سے۔

ؔ۲ جو اس سے دوسری جانب ہے۔

وَعَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ قَالَ قَدْ حَجَّ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَخْبَرَتْنِيْ عَائِشَةُ اَنَّ اَوَّلَ شَيْئٍ بَدَءَ بِهٖ حِيْنَ قَدِمَ مَكَّةَ اَنَّهٗ تَوَضَّاَ ثُمَّ طَافَ بِالْبَيْتِ ثُمَّ لَمْ تَكُنْ عُمْرَةٌ ثُمَّ حَجَّ اَبُوْبَكْرٍ فَكَانَ اَوَّلُ

حضرت عروہ[1] بن زبیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں بے شک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کیا تو مجھے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بتایا کہ پہلا وہ کام جس سے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ معظمہ آکر ابتدا کی یہ تھا کہ آپ نے وضو فرمایا پھر بیت اللہ شریف کا طواف[2] کیا پھر عمرہ نہ ہوا پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ

شَیْءٍ بَدَءَ بِہِ الطَّوَافُ بِالْبَیْتِ ثُمَّ لَمْ تَکُنْ عُمْرَۃٌ ثُمَّ عُمَرُ ثُمَّ عُثْمَانُ۔
(مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)

نے حج کیا تو پہلا وہ کام جس سے ابتداکی یہ تھا کہ بیت اللہ کا طواف کیا پھر عمرہ نہ ہوا پھر حضرت عمر نے پھر حضرت عثمان نے بھی اسی طرح عمل کیا۔ (بخاری و مسلم)

لہ آپ اکابر تابعین اور اُن میں سے ثقہ اور معتبر شخصیت ہیں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی ہمشیرہ کے صاحبزادے ہیں اور حضرت اسماء بنت ابوبکر کے بیٹے ہیں۔

ٹہ اس طواف کو طواف قدوم کہتے ہیں۔

ٹلہ یعنی حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور تینوں خلفاء مکہ شریف میں آتے تو پہلا کام جو کرتے وہ خانہ کعبہ کا طواف ہوتا تھا اور وہ عمرہ بجا نہ لاتے تھے۔ یہاں بعض روایات میں لفظ ثم لم یکن غیرہ آیا ہے یعنی طواف کے سوا کچھ نہ ہوتا تھا بعض نے کہا کہ یہ دوسری روایت غلط ہے لیکن معنی صحیح ہے۔ واضح ہو کہ گزشتہ حدیث سے معلوم ہوا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام مکہ معظمہ میں آنے کے بعد عمرہ کرتے تھے اور جو اپنے ساتھ قربانی کا جانور لایا ہوتا تھا وہ اپنے احرام پر ہی قائم رہتا تھا۔ اور جو قربانی ساتھ نہیں لایا ہوتا تھا وہ احرام سے باہر آجاتا تھا مگر یہ کہ عمرہ کی نفی سے عمرہ کے ذریعے حج کو فسخ کرنا اور احرام سے باہر آنا مراد ہو۔ حضرت عروہ نے یہ کلام کسی ایسے شخص کے رد میں کہا جس نے یہ گمان کیا کہ حضور علیہ السلام نے حج کو عمرے سے فسخ کیا تھا اور بیان فرمایا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے قران پر باقی رہے ہاں وہ حضرات احرام سے باہر آگئے، جو قربانی کے جانور اپنے ساتھ نہیں لائے تھے انہیں فرمایا کہ وہ احرام سے باہر آجائیں اور عمرہ کے ساتھ حج کو فسخ کردیں پھر حج کے لیے دوسرا احرام باندھیں۔

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا طَافَ فِی الْحَجِّ اَوِالْعُمْرَۃِ اَوَّلَ مَا یَقْدَمُ سَعٰی ثَلٰثَۃَ اَطْوَافٍ وَّمَشٰی اَرْبَعَۃً ثُمَّ سَجَدَ سَجْدَتَیْنِ ثُمَّ یَطُوْفُ بَیْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَۃِ۔
(مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب حج یا عمرہ کو آتے تو طواف کرتے اور تین چکروں میں تیز چلتے اور چار لہ میں درمیانی چال چلتے پھر دو رکعتیں پڑھتے پھر صفا مروہ کا طواف فرماتے۔ (بخاری و مسلم)

لہ یہ کل سات چکر بنتے ہیں ہر چکر کو شوط کہتے ہیں ارکان حج کے مسائل میں یہی لفظ شوط واقع ہوا ہے قاموس میں فرمایا کہ فقہا کی ایک جماعت نے طواف کی بجائے اس لفظ کا اطلاق مکروہ جانا ہے مگر اس کی وجہ بیان نہیں کی شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ لفظ طواف تعظیم پر دلالت کرتا ہے اور لفظ شوط جاہلیت کا لفظ ہے جیسا کہ مدینہ طیبہ کے لیے

لفظ یثرب کا اطلاق مکروہ قرار دیا گیا ہے۔

وَعَنْهُ قَالَ رَمَلَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الْحَجَرِ إِلَى الْحَجَرِ ثَلٰثًا وَّ مَشٰى أَرْبَعًا وَكَانَ يَسْعٰى بِبَطْنِ الْمَسِيْلِ إِذَا طَافَ بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

انہی حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجر اسود سے حجر اسود تک تین چکروں میں رمل فرمایا یعنی تیز چلے اور چار میں معمولی رفتار سے اور جب صفا مروہ کا طواف کیا تو نشیب وادی میں دوڑتے تھے۔ (مسلم)

وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ إِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا قَدِمَ مَكَّةَ أَتَى الْحَجَرَ فَاسْتَلَمَهُ ثُمَّ مَشٰى عَلٰى يَمِيْنِهِ فَرَمَلَ ثَلٰثًا وَّ مَشٰى أَرْبَعًا۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب مکہ معظمہ تشریف لائے تو حجر اسود کے پاس پہنچے[1] اسے چوما پھر اس کی داہنی طرف چلے تو تین چکروں میں رمل کیا اور چار میں معمول کی چال اختیار کی۔ (مسلم)

[1] یعنی طواف کی ابتدا حجر اسود سے کی۔

وَعَنِ الزُّبَيْرِ بْنِ عَرَبِيٍّ قَالَ سَأَلَ رَجُلٌ ابْنَ عُمَرَ عَنِ اسْتِلَامِ الْحَجَرِ فَقَالَ رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْتَلِمُهُ وَيُقَبِّلُهُ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

حضرت زبیر بن عربی[1] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں ایک شخص نے حضرت ابن عمر سے حجر اسود کو چومنے کے متعلق پوچھا تو آپ نے فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اسے ہاتھ لگاتے اور چومتے دیکھا۔[2] (بخاری)

[1] آپ تابعی ہیں اور ابن زبیر وغیرہ سے روایت کرتے ہیں۔ حجر اسود کو چومنے کے بارے میں ان سے یہ ایک حدیث مروی ہے۔

[2] گزشتہ ایک روایت سے معلوم ہو چکا ہے کہ ہاتھ سے چھونے پر بھی چومنے کا اطلاق ہوتا ہے اور منہ سے چومنا بھی آیا ہے گویا یہاں چومنے سے ہاتھ سے چھونا مراد ہے کیونکہ آگے چومنے کا ذکر الگ آ رہا ہے۔

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ لَمْ أَرَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْتَلِمُ مِنَ الْبَيْتِ إِلَّا الرُّكْنَيْنِ الْيَمَانِيَيْنِ۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بیت اللہ شریف کے دو یمانی گوشوں[1] کے سوا کسی اور چیز

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ) کو چومتے نہیں دیکھا۔ (بخاری و مسلم)

لہ کہ ان میں سے ایک حجر اسود والا کونہ اور دوسرا کونہ جو اس کے بالمقابل ہے۔ یمانی اسی رکن کا نام ہے لیکن یہاں دونوں کو بطور تغلیب یمانی کہہ دیتے ہیں۔ بیت اللہ شریف کے دو کونے اور بھی ہیں ایک عراقی دوسرا شامی اور دونوں کو شامی کہتے ہیں۔ دونوں یمانی کونے افضل ہیں کیونکہ یہ دونوں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اصل بنا اور بنیاد پر قائم ہیں اسی بنا پر ان دونوں کے چومنے کی تخصیص آئی ہے۔ حجر اسود والا کونہ سب سے افضل ہے کیونکہ اس میں حجر اسود ہے اور اسی لیے اسے چوما جاتا ہے۔ اور رکن یمانی میں صرف چھونے پر کفایت کرتے ہیں۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے رکن یمانی کو چومنا ثابت نہیں ہے۔ جمہور علماء اسی پر ہیں اور دو شامی رکنوں کو چومنے میں کلام ہے۔ جس کا ذکر ہم نے شرح سفر السعادت میں کیا ہے۔ لفظ یمانی کی تصحیح بھی شرح میں کردی گئی ہے۔

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رض قَالَ طَافَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي حَجَّةِ الْوَدَاعِ عَلٰى بَعِيْرٍ يَسْتَلِمُ الرُّكْنَ بِمِحْجَنٍ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حجۃ الوداع میں اونٹ پر سوار ہو کر طواف فرمایا۔ آپ ہاتھ میں پکڑی ہوئی چیز کے ساتھ رکن کو چومتے تھے۔ (بخاری و مسلم)

لہ یعنی آپ حجر اسود کو اس لکڑی سے اشارہ کرکے لکڑی کو چومتے تھے۔ یہاں حدیث میں لفظ محجن آیا ہے میم کی زیر حا ساکن اور جیم کی زبر ایسی لکڑی جس کا سر آگے سے ٹیڑھا ہو جیسے ہاکی وغیرہ۔

وَعَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ طَافَ بِالْبَيْتِ عَلٰى بَعِيْرٍ كُلَّمَا اَتٰى عَلَى الرُّكْنِ اَشَارَ اِلَيْهِ بِشَيْءٍ فِيْ يَدِهٖ وَكَبَّرَ۔

(رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

انہی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اونٹ پر سوار بیت اللہ شریف کا طواف فرمایا جب بھی آپ حجر اسود کے سامنے آتے تھے تو آپ اس چیز سے اس کی جانب اشارہ کرتے تھے جو آپ کے ہاتھ میں تھی اور تکبیر بھی کہتے تھے۔ (بخاری)

لہ یعنی وہ لکڑی جو آپ کے دست مبارک میں تھی۔

۲ اس حدیث میں اس چیز کو بوسہ دینے کا ذکر نہیں۔

وَعَنْ اَبِي الطُّفَيْلِ رض قَالَ رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَطُوْفُ بِالْبَيْتِ وَيَسْتَلِمُ الرُّكْنَ

حضرت ابو طفیل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ بیت اللہ شریف کا طواف کر رہے تھے اور حجر اسود

بِمِحْجَنٍ مَعَهُ وَيُقَبِّلُ الْمِحْجَنَ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

کر اپنے ہاتھ کی لکڑی سے چومتے تھے اور لکڑی کو بھی[۲] چومتے تھے۔

[۱] آپ صحابی ہیں اور وفات کے لحاظ سے سب سے آخری صحابی ہیں۔ امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خاص ساتھیوں اور پیروکاروں میں سے ہیں۔

[۲] اس حدیث میں حجر اسود کو لکڑی سے اور لکڑی کو منہ سے چومنے کا ذکر ہے۔ گزشتہ حدیث میں یہ آیا ہے کہ آپ نے لکڑی سے اشارہ فرمایا تھا۔ مختصر یہ کہ جس چیز کی استطاعت رکھتا ہو وہ کرے خود حجر اسود کو بوسہ دینے کی طاقت رکھتا ہو تو وہ کرے یا ہاتھ سے اس کی طرف اشارہ کرے یا لکڑی وغیرہ سے اس کی جانب اشارہ کرے۔

وَعَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ خَرَجْنَا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَانَذْكُرُ إِلَّا الْحَجَّ فَلَمَّا كُنَّا بِسَرِفَ طَمِثْتُ فَدَخَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَنَا أَبْكِي فَقَالَ لَعَلَّكِ نَفِسْتِ قُلْتُ نَعَمْ قَالَ فَإِنَّ ذٰلِكِ شَيْءٌ كَتَبَهُ اللّٰهُ عَلَى بَنَاتِ آدَمَ فَافْعَلِي مَا يَفْعَلُ الْحَاجُّ غَيْرَ أَنْ لَا تَطُوفِي بِالْبَيْتِ حَتّٰى تَطْهُرِي۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ روانہ ہوئے اور حج کے سوا کسی چیز کا خیال بھی نہیں کرتے تھے جب ہم مقام سرف[۱] میں پہنچے تو مجھے خون حیض آنا شروع ہو گیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو میں رو رہی[۲] تھی۔ فرمایا شاید تم مخصوص ایام[۳] میں داخل ہو گئی ہو۔ میں نے عرض کیا ہاں فرمایا کہ یہ تو وہ شے ہے جو اللہ تعالیٰ نے آدم کی بیٹیوں[۴] پر مقرر فرما دی ہے تو جو کچھ حاجی کریں تم بھی کرو سوائے اس کے کہ طواف بیت اللہ نہ کرو یہاں تک کہ پاک ہو جاؤ۔ (مسلم بخاری)

[۱] سرف سین کی زبر را کی زیر آخر میں فا یہ ایک جگہ کا نام ہے جو کہ ایک منزل مکہ سے دور ہے۔ اسی جگہ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کا مرقد مبارک ہے۔ آپ کا نکاح اور آپ کی شب زفاف اور موت تینوں کام اتفاق سے اسی جگہ ہوئے۔

[۲] اس وجہ سے کہ مجھے یہاں حیض آنا شروع ہو گیا تب مجھے خطرہ لاحق ہوا کہ شاید یہ میرے حج ادا کرنے میں مانع نہ بن جائے۔

[۳] یہاں حدیث میں لفظ نفاس آیا ہے مگر یہاں نفاس سے حیض مراد ہے۔ بچے کی پیدائش کے وقت جو خون آتا ہے اسے نفاس کہتے ہیں اور وہاں لفظ نفست مجہول استعمال ہوتا ہے۔

۴؎ لہٰذا آپ کو کوئی اندیشہ نہیں کرنا چاہیے کیونکہ خون حیض ایک ایسی چیز ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بغیر کسی واسطے کے آدم کی بیٹیوں کے لیے لکھ دی گئی ہے بعض روایات میں آیا ہے کہ خون حیض کی ابتدا بنی اسرائیل کی عورتوں سے ہوئی اس میں مفصل گفتگو باب حیض میں گزر چکی ہے۔

وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ بَعَثَنِیْ اَبُوْبَكْرٍ فِی الْحَجَّةِ الَّتِیْ اَمَّرَهُ النَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ عَلَیْهَا قَبْلَ حَجَّةِ الْوَدَاعِ یَوْمَ النَّحْرِ فِیْ رَهْطٍ اَمَرَهٗ اَنْ یُّؤَذِّنَ فِی النَّاسِ اَلَا لَا یَحُجُّ بَعْدَ الْعَامِ مُشْرِكٌ وَّلَا یَطُوْفَنَّ بِالْبَیْتِ عُرْیَانٌ۔
(مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں مجھے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس حج میں جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں امیر الحج بنایا تھا یعنی حجۃ الوداع[۱] سے پہلے بقرعید کے دن مجھے ایک جماعت میں بھیجا جسے آپ نے حکم دیا کہ لوگوں میں یہ اعلان[۲] کر دو کہ خبردار اس سال کے بعد کوئی کافر حج نہ کرے[۳] اور نہ کوئی ننگا طواف[۴] کرے۔
(بخاری و مسلم)

۱؎ جس میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام خود تشریف لے گئے گزشتہ بیان سے معلوم ہو چکا ہے کہ جب حج فرض ہوا تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام غزوں میں مصروفیت کی بنا پر خود حج کے لیے نہ جا سکے۔ بلکہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو امیر الحاج بنا کر بھیجا۔

۲؎ یہاں احتمال ہے کہ حدیث میں واقع لفظ امرہ میں ضمیر منصوب متصل حضرت ابوہریرہ کی طرف لوٹتی ہو۔

۳؎ بلکہ حج مسلمانوں کے ساتھ ہی خاص کر دیا گیا۔

۴؎ یہ اہل جاہلیت کی عادت تھی کہ وہ لوگ برہنہ طواف کرتے تھے اور کہتے تھے کہ ہم لوگ ان کپڑوں میں خدائے تعالیٰ کی عبادت نہیں کریں گے جن سے ہم گناہ کرتے رہے ہیں۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ — دوسری فصل

عَنِ الْمُهَاجِرِ الْمَكِّیِّ قَالَ سُئِلَ جَابِرٌ عَنِ الرَّجُلِ یَرَى الْبَیْتَ یَرْفَعُ یَدَیْهِ فَقَالَ قَدْ حَجَجْنَا مَعَ النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَلَمْ نَكُنْ نَّفْعَلُهٗ۔

حضرت مہاجر مکی[۱] سے روایت ہے فرماتے ہیں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کو ایسے شخص کے بارے میں پوچھا گیا جو بیت اللہ شریف کو دیکھ کر اپنے دونوں ہاتھ اٹھا لیتا ہے تو حضرت جابر نے فرمایا کہ ہم لوگوں نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حج کیا ہم لوگ حضور علیہ السلام

(رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَاَبُوْدَاوٗدَ) کے ساتھ ایسا نہیں کرتے تھے۔[۲] (ترمذی۔ابوداؤد)

[۱] آپ تابعین میں سے ہیں۔

[۲] یہاں لفظ نفعلہ نون کے ساتھ آیا ہے۔ ایک روایت میں یا کے ساتھ بھی آیا ہے۔ نون کی صورت میں معنیٰ یہ ہوگا کہ ہم ایسا نہیں کرتے تھے۔ یا کی صورت میں معنیٰ یہ ہوگا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایسا نہیں کرتے تھے۔ تینوں ائمہ کا مذہب یہی ہے۔ البتہ امام احمد نے فرمایا کہ دونوں ہاتھ اٹھائے اور دعا کرے۔ اور کتاب خرقی کی شرح میں جو امام احمد کے مذہب کی کتاب ہے۔ اس باب میں ایک حدیث روایت کی ہے۔ بعض رسائل میں جو مذہب حنفی میں لکھے گئے ہیں، مذکور ہے کہ بیت اللہ شریف پر پہلی نگاہ پڑنے کے ساتھ دعا کرے۔ اور دعا میں ہاتھ اٹھانا دعا کا صحیح اور مناسب طریقہ ہے۔

وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ اَقْبَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَدَخَلَ مَكَّةَ فَاَقْبَلَ اِلَی الْحَجَرِ فَاسْتَلَمَهٗ ثُمَّ طَافَ بِالْبَیْتِ ثُمَّ اَتَی الصَّفَا فَعَلَاهُ حَتّٰی یَنْظُرَ اِلَی الْبَیْتِ فَرَفَعَ یَدَیْهِ فَجَعَلَ یَذْكُرُ اللّٰهَ مَا شَآءَ وَیَدْعُوْ۔

(رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور مکہ شریف میں داخل ہوئے تو حجر اسود کی طرف بڑھے اور اسے چوما پھر بیت اللہ کا طواف کیا پھر صفا پہاڑ پر آئے تو اس پر چڑھ گئے۔ یہاں تک کہ آپ خانہ کعبہ کو دیکھتے تھے اور آپ نے دونوں ہاتھ بلند کیے تو آپ اللہ کا ذکر کرتے تھے جتنا آپ نے چاہا اور آپ نے دعا بھی کی۔[۱] (ابوداؤد)

[۱] اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خانہ کعبہ پر نظر ڈالتے وقت آپ نے دونوں ہاتھ بلند کیے اور دعا بھی فرمائی مگر گزشتہ حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے یہ کام صفا پر چڑھنے کی حالت کے علاوہ دوسری حالت میں کیا۔ واللہ اعلم۔

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الطَّوَافُ حَوْلَ الْبَیْتِ مِثْلُ الصَّلٰوةِ اِلَّا اَنَّكُمْ تَتَكَلَّمُوْنَ فِیْهِ فَمَنْ تَكَلَّمَ فِیْهِ فَلَا یَتَكَلَّمَنَّ اِلَّا بِخَیْرٍ۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَالنَّسَآئِیُّ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے بے شک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بیت اللہ شریف کے گرد طواف کرنا نماز کی طرح ہے۔ مگر اتنی بات ہے کہ بے شک تم لوگ اس میں بات چیت کر سکتے ہو[۱] تو جو آدمی بحالت طواف کوئی بات کرے تو خیر[۲] کی بات ہی کرے

اسے ترمذی نسائی اور دارمی نے روایت کیا اور امام ترمذی نے

وَالدَّارِمِيُّ وَ ذَكَرَ التِّرْمِذِيُّ جَمَاعَةً وَّقَفُوْهُ عَلَى ابْنِ عَبَّاسٍ)

ایک جماعت کا ذکر کیا جنہوں نے اس حدیث کو ابن عباس پر ہی موقوف رکھا ہے[3]

[1] مگر ان دونوں میں فرق یہ ہے کہ تم اس میں بات چیت کر سکتے ہو مگر نماز میں بات کرنے کی اجازت نہیں ، اس عبارت میں اس جانب اشارہ ہے کہ بات نہ کرنا ہی بہتر ہے۔

[2] یعنی نیک بات ہی کرے اگرچہ لوگوں کے کلام کی جنس میں سے ہی ہو۔ اس حدیث سے یہ دلیل اخذ کی گئی ہے کہ حقیقتاً ہر اعتبار سے تشبیہ مراد نہیں ہے کیونکہ جیسا کہ نماز میں شرط ہے۔ ائمہ کا مذہب یہی ہے گر پوشیدہ نہ رہے کہ حقیقتاً ہر اعتبار سے تشبیہ مراد نہیں ہے۔ کپڑوں کی طہارت، قبلہ شریف کی طرف رخ ، قرارت ، باقی ارکان کا اس میں اعتبار نہیں ہے. تاہم احناف کے نزدیک باوضو ہونا افضل ہے اور اس بات پر بھی اتفاق ہے کہ نماز طواف سے افضل ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ مسافروں کے لیے طواف افضل ہے کہ وہ اُن کے لیے غنیمت ہے کیونکہ وہ کسی اور جگہ نہیں ہو سکتا۔

[3] اور کہتے ہیں کہ یہ حضرت ابن عباس کا قول ہے لیکن ظاہر یہ ہے کہ یہ موقوف حدیث مرفوع کے حکم میں ہوگی واللہ اعلم۔

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَزَلَ الْحَجَرُ الْاَسْوَدُ مِنَ الْجَنَّةِ وَهُوَ اَشَدُّ بَيَاضًا مِّنَ اللَّبَنِ فَسَوَّدَتْهُ خَطَايَا بَنِيْٓ اٰدَمَ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حجر اسود جنت سے اس حالت میں اترا تھا کہ وہ دودھ سے زیادہ سفید تھا اُسے آدمیوں کے گناہوں نے سیاہ کر دیا۔

(رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَ قَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ)

ترمذی نے فرمایا یہ حدیث حسن[1] صحیح ہے۔

[1] علمائے کرام فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں ایمان کا امتحان مراد ہے اگر کامل الایمان ہے تو وہ اسے بلا تردد اور بلا تاویل قبول کرے گا۔ اور اگر ضعیف الایمان ہوگا تو اُسے اس میں تردد رہے گا۔ اور کافر انکار کرے گا۔ مجھے اپنی عمر کی قسم کہ اس حدیث میں کوئی ایسی چیز نہیں جو دلیل قاطع کی مخالف اور ناممکن ہو۔ تاکہ تاویل کی ضرورت پیش آئے اور الفاظ کا معنیٰ ظاہر سے پھیرا جائے۔ کج رو لوگوں کا قول ہے کہ ہم واضح دلائل سے جانتے ہیں کہ بہشت اور جو کچھ اس میں ہے، سب حقیقتاً اُن چیزوں سے بالکل الگ ہے جو اس دنیا فانی میں پیدا کی گئی ہیں اور دنیا کی چیزوں اور آخرت کی چیزوں کی خاصیتیں اور لوازمات بالکل الگ الگ ہیں کہ دنیا کی چیزیں زوال و فنا اور آفات میں گھری ہوئی ہیں۔ اور اس پتھر کو

بھی بہت سی آفات پہنچی ہیں۔ یہاں تک کہ قرامطہ اور سلاحدہ کے ہاتھوں سے ٹوٹ گیا۔ ابھی تک اُس ٹوٹنے کا اثر اس میں باقی ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ہو سکتا ہے کہ دنیا میں اترنے کے بعد اس پتھر کے حالات میں تغیر و تبدل پیدا ہوا ہو جیسا کہ آدم علیہ السلام میں بھی تبدیلی واقع ہوئی کہ دنیا میں آکر آپ کو بھوک اور پیاس لگنے لگی، دوسرے عوارض بھی لاحق ہونے لگے۔ بعض علماء یہ فرماتے ہیں کہ اس پتھر کے جنت سے آنے کا یہ مطلب ہے کہ اس میں یمن و برکت اور شرف و کرامت اس قدر زیادہ ہے کہ گویا یہ جنت کی چیز ہے اور وہاں سے آیا ہوا ہے اور اس کے سفید ہونے پھر لوگوں کے گناہوں سے سیاہ ہو جانے سے اس امر کی جانب تنبیہ ہے کہ لوگوں کو چاہیے کہ اپنے گناہوں سے عبرت پکڑیں کہ جب گناہ پتھر میں اثر کر سکتے ہیں تو دلوں میں وہ کیوں اثر نہ کریں گے۔ اس بارے میں اگر کسی کو تردد و شک ہو اور تاویل کی ضرورت محسوس کرے تو یہ اُس کی ظلمت باطن اور حیلہ نفس ہے۔ راہ راست یہ ہے کہ اس کے ظاہر پر ایمان لائیں۔ اور اس کی حقیقت کو علم الٰہی کے حوالے کریں اور یوں کہیں کہ ان اللہ علی کل شیء قدیر عربی شرح میں اس سے زیادہ وضاحت و تفصیل سے سیر حاصل لمبی گفتگو کر دی گئی ہے۔ وباللہ التوفیق۔

فائدہ:۔

لوگوں میں یہ مشہور ہے کہ حجر اسود میں ابھی تک کچھ نہ کچھ سفیدی موجود ہے۔ جب سفیدی بالکل ختم ہو جائے گی تو قیامت آجائے گی یا قیامت نزدیک آجائے گی۔ یہ فقیر حقیر اس بات میں متحیر تھا کہ اس کی کوئی اصل ہے یا نہیں تو تاریخ مکہ میں جو فارسی زبان میں تصنیف کی گئی ہے، کہا گیا ہے کہ ابن حجر نے ذکر کیا ہے کہ حجر اسود میں ایک چھوٹا سا سفید چمکدار نقطہ اب تک موجود ہے حضرت ابن حجر پانچسو اناسی ہجری ۵۷۹ھ میں ہوئے ہیں اور فقیہ سلیمان عسقلانی نے اپنے مناسک میں فرمایا کہ میں نے حجر اسود میں تین جگہ سفیدی دیکھی ہے اُس کے بعد میں نے دیکھا کہ وہ سفیدی ہر وقت کم سے کم تر ہوتی چلی گئی یہ بزرگ ۶۰۰ھ ہجری میں ہوئے ہیں۔ واللہ اعلم۔

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْحَجَرِ وَاللّٰهِ لَيَبْعَثَنَّهُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ لَهُ عَيْنَانِ يُبْصِرُ بِهِمَا وَلِسَانٌ يَّنْطِقُ بِهٖ يَشْهَدُ عَلٰى مَنِ اسْتَلَمَهٗ بِحَقٍّ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَالدَّارِمِيُّ۔)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجر اسود کے متعلق فرمایا اللہ کی قسم رب تعالیٰ اسے اس طرح اٹھائے گا کہ اُس کی دو آنکھیں ہوں گی جن سے وہ دیکھتا ہوگا، ایک زبان ہوگی جس سے وہ بولتا ہوگا ایمان کے ساتھ چومنے والوں کی گواہی دے گا۔

ترمذی۔ ابن ماجہ
دارمی

سلہ یعنی اُس کی شان میں۔
سلہ جن کے ساتھ وہ دیکھے گا اور جنہوں نے اُسے چوما ہوگا انہیں پہچانے گا۔
سلہ اور اُن کا محافظ و نگہبان بنے گا۔ یہاں حدیث میں لفظ حق آیا ہے یعنی جو ایمان پر ہوگا اور صدق و یقین سے اُسے چومے گا۔ یہ حدیث بھی ظاہر پر محمول ہے کیونکہ حق سبحانہ وتعالیٰ پتھر میں بھی دیکھنے اور بولنے کی طاقت پیدا کرسکتا ہے مگر جن لوگوں کے دلوں میں کجی اور فلسفے کا اثر ہے وہ اس کی تاویل کرتے اور کہتے ہیں کہ یہ چومنے والے کے ثواب کے ثبوت اور اجر وسعی کے ضائع نہ ہونے سے کنایہ ہے۔
علامہ بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ پر تعجب ہے وہ یہ کہتے ہیں کہ ظن غالب یہی ہے کہ مراد یہی تاویلی معنیٰ ہے۔ اگرچہ ظاہری معنیٰ بھی ناممکن نہیں مگر علامہ بیضاوی کے اس قسم کے کلام پر تعجب کرنے کی ضرورت نہیں کہ اُن کے مزاج میں ہی قرآن مجید کی تفسیر اور احادیث کی شرح میں تاویل وفلسفیت پائی جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اُن سے درگزر فرمائے۔

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اِنَّ الرُّكْنَ وَالْمَقَامَ يَاقُوْتَتَانِ مِنْ يَاقُوْتِ الْجَنَّةِ طَمَسَ اللّٰهُ نُوْرَهُمَا وَلَوْلَمْ يَطْمِسْ نُوْرَهُمَا لَاَضَاءَ مَا بَيْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ۔
(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ رکن اسود[1] اور مقام ابراہیم جنت کے یاقوتوں میں سے یاقوت ہیں جن کی روشنی اللہ تعالیٰ نے چھپالی ہے۔ اگر ان کی روشنی نہ چھپاتا تو یہ مشرق اور مغرب[2] کے درمیان کو جگمگا دیتے۔
(ترمذی[3])

سلہ یعنی حجر اسود اور مقام سے مقام ابراہیم مراد ہے اور وہ ایک پتھر ہے جس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاؤں کے اثر کا نشان ہے۔ یاقوت مشہور موتی کا نام ہے۔
سلہ یعنی تمام دنیا گویا ان کے نور کے چھپانے میں حکمت یہ ہے تا کہ ایمان بالغیب قائم رہے۔ اس صورت میں ایمان کا امتحان بھی ہے۔
سلہ امام احمد بن حنبل نے اپنے مسند میں اور ابن حبان نے اپنی صحیح میں بھی اسے روایت کیا ہے۔

وَعَنْ عُبَيْدِ بْنِ عُمَيْرٍ رضی اَنَّ ابْنَ عُمَرَ كَانَ يُزَاحِمُ عَلَى الرُّكْنَيْنِ زِحَامًا مَّا رَاَيْتُ

حضرت عبید بن عمیر[1] سے روایت ہے کہ بے شک ابن عمر رضی اللہ عنہ دو رکنوں پر اس قدر بھیڑ میں گھس جاتے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ

اَحَدًا مِّنْ اَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُزَاحِمُ عَلَيْهِ قَالَ اِنْ اَفْعَلْ فَاِنِّيْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اِنَّ مَسْحَهُمَا كَفَّارَةٌ لِّلْخَطَايَا وَسَمِعْتُهٗ يَقُوْلُ مَنْ طَافَ بِهٰذَا الْبَيْتِ اُسْبُوْعًا فَاَحْصَاهُ كَانَ كَعِتْقِ رَقَبَةٍ وَسَمِعْتُهٗ يَقُوْلُ لَا يَضَعُ قَدَمًا وَّلَا يَرْفَعُ اُخْرٰى اِلَّا حَطَّ اللّٰهُ عَنْهُ بِهَا خَطِيْئَةً وَّكَتَبَ لَهٗ بِهَا حَسَنَةً۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

سے کسی کو وہاں اس قدر گھستے نہ دیکھا فرماتے ہیں اگر میں یہ کرتا ہوں تو درست ہے[2] کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ ان دو رکنوں کا چھونا گناہوں کا کفارہ ہے اور میں نے آپ کو فرماتے سنا کہ جو اس بیت اللہ شریف کا ایک ہفتہ نہایت حفاظت اور احتیاط[3] سے طواف کرے تو وہ غلام آزاد کرنے کی طرح ہوگا اور میں نے آپ کو فرماتے سنا کہ طواف کرنے والا ایک قدم نہیں رکھتا اور دوسرا قدم نہیں اٹھاتا۔ مگر اللہ تعالیٰ اُن کی برکت سے ایک گناہ مٹاتا اور ایک نیکی لکھتا ہے[4]

(ترمذی شریف)

[1] یہ دونوں لفظ یعنی عبید و عمیر اسم تصغیر ہیں۔ حضرت عبید تابعین اور ثقہ لوگوں میں سے ہیں زمانہ نبوت میں آپ پیدا ہو چکے تھے۔ بعض کہتے ہیں کہ آپ نے حضور علیہ السلام کو دیکھا بھی تھا۔ واللہ اعلم۔

[2] اور اس کے منکر نہ ہو کیونکہ میرے پاس اس کے لیے دلیل موجود ہے۔ وہ یہ کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے یعنی حدیث کا اگلا مضمون میں نے خود حضور سے سنا ہے۔

[3] یعنی واجبات سنتوں اور آداب کی حفاظت کرتا ہے۔

[4] یعنی ہر قدم پر ایک گناہ کم ہوتا ہے اور ایک نیکی لکھی جاتی ہے۔

وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ السَّائِبِ رض قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَا بَيْنَ الرُّكْنَيْنِ رَبَّنَا اٰتِنَا فِی الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِی الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ۔ (رَوَاهُ اَبُوْدَاؤدَ)

حضرت عبداللہ بن السائب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دو رکنوں کے درمیان (رکن یمانی و رکن اسود) یہ دعا پڑھتے ہوئے سنا[1] یعنی ربنا آتنا فی الدنیا حسنۃ وفی الآخرۃ حسنۃ وقنا عذاب النار۔

(ابوداؤد)

ل علماء فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے طواف کی حالت میں سوائے اس دعا کے اور کوئی دعا کرنا صحیح روایت سے ثابت نہیں دوسری دعائیں جو لوگ پڑھتے ہیں وہ صحابہ، تابعین اور سلف صالحین سے مروی ہیں۔ واللہ اعلم۔

وَعَنْ صَفِيَّةَ بِنْتِ شَيْبَةَ قَالَتْ اَخْبَرَتْنِيْ بِنْتُ اَبِيْ تَجْرَاةَ قَالَتْ دَخَلْتُ مَعَ نِسْوَةٍ مِّنْ قُرَيْشٍ دَارَ اٰلِ اَبِيْ حُسَيْنٍ تَنْظُرُ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ يَسْعٰى بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ فَرَاَيْتُهٗ يَسْعٰى وَاِنَّ مِئْزَرَهٗ لِيَدُوْرُ مِنْ شِدَّةِ السَّعْىِ وَسَمِعْتُهٗ يَقُوْلُ اسْعَوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَتَبَ عَلَيْكُمُ السَّعْىَ۔

(رَوَاهُ فِيْ شَرْحِ السُّنَّةِ وَرَوٰى اَحْمَدُ مَعَ اخْتِلَافٍ)

حضرت صفیہ[1] بنت شیبہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں مجھے ابو تجراۃ[2] کی بیٹی نے خبر دی کہ میں چند قریشی عورتوں کے ساتھ ابو حسین کے خاندان کے گھر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھنے گئی۔ جبکہ آپ صفا مروہ کے درمیان سعی کر رہے تھے۔ میں نے آپ کو دیکھا کہ آپ کا تہہ بند[3] شریف تیز دوڑنے کے باعث گردش کر رہا تھا اور میں نے آپ کو یہ فرماتے سنا کہ لوگو سعی کرو کیونکہ بے شک اللہ تعالیٰ نے تم پر سعی واجب[4] کر دی ہے۔

شرح سنہ۔ اور احمد نے کچھ اختلاف[5] سے روایت کیا۔

ل بعض علماء فرماتے ہیں کہ انہوں نے حضور علیہ السلام کو دیکھا تھا۔ بعض کہتے ہیں نہیں دیکھا تھا اور محدث ابن حبان نے کتاب ثقات میں تابعین میں لکھا ہے۔ آپ صفیہ بنت شیبہ بن عثمان بن طلحہ حجبی ہیں۔ خانہ کعبہ کی چابی جن کے ہاتھ میں تھی۔

۲ تا کی پیش جیم ساکن را کی زیر بعض نسخوں میں یہاں الف کی بجائے ہمزہ آیا ہے۔

۳ یہاں حدیث میں تہہ بند کے لیے لفظ میزر آیا ہے، میم کی زیر سے لحاف و لحفہ کے معنی میں بھی آتا ہے وہ لباس جو نیچے والے کپڑوں کے اوپر پہنا ہو اس جگہ یہی مراد ہے۔

۴ امام مالک، امام شافعی اور امام احمد کے نزدیک سعی کرنا فرض ہے۔ احناف کے نزدیک واجب ہے۔ بعض اسے نفل قرار دیتے ہیں۔ اس آیۃ کے ظاہری الفاظ کو دیکھتے ہوئے یعنی فلا جناح علیہ ان یطوف بہما ترجمہ، حاجی کے لیے کوئی حرج نہیں کہ وہاں دونوں کا طواف بھی کرے۔

۵ یعنی کتاب شرح سنہ میں اس حدیث کو ان لفظوں سے روایت کیا جو بیان گزرے ہیں اور امام احمد سے جو روایت آئی ہے اس کے الفاظ اس حدیث سے کچھ مختلف ہیں۔

وَعَنْ قُدَامَةَ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمَّارٍ قَالَ رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْعٰى بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ عَلٰى بَعِيْرٍ لَّا ضَرْبَ وَلَا طَرْدَ وَلَا اِلَيْكَ اِلَيْكَ۔ (رَوَاهُ فِیْ شَرْحِ السُّنَّةِ)

حضرت قدامہ[1] بن عبداللہ بن عمار فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو صفا مروہ کے درمیان اونٹ پر سعی کرتے دیکھا۔ جس میں نہ اونٹ کا مارنا پیٹنا[2] تھا نہ لوگوں کو ہٹانا۔ نہ ہٹو بچو فرمانا۔ (شرح سنہ)

[1] قدامہ کاف کی پیش وساکن آپ قدیم الاسلام صحابی ہیں مکہ شریف میں ہی رہائش پذیر رہے وہاں سے ہجرت نہ کی۔
[2] یعنی آپ کی سعی کے دوران نہ تو راستہ صاف کرنے کے لیے کسی کو مارا گیا نہ کسی کو دور کیا گیا۔ اور نہ کسی کو ہٹایا گیا جس طرح کہ بادشاہوں اور حاکموں کے لیے کیا جاتا ہے۔

وَعَنْ يَعْلَى بْنِ أُمَيَّةَ قَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ طَافَ بِالْبَيْتِ مُضْطَبِعًا بِبُرْدٍ اَخْضَرَ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَاَبُوْدَاؤُدَ وَابْنُ مَاجَةَ وَالدَّارِمِیُّ)

حضرت یعلی[1] بن امیہ[2] سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سبز چادر بغل سے نکالتے[3] ہوئے بیت اللہ شریف کا طواف کیا۔ (ترمذی۔ ابوداؤد۔ ابن ماجہ دارمی)

[1] یا کی زبر عین ساکن۔
[2] ہمزہ کی پیش میم کی زبر یا کی شد آپ صحابی ہیں۔ قریش کے حلیف ہیں۔ فتح مکہ کے دن اسلام لائے۔ جنگ حنین طائف اور تبوک میں شامل ہوئے۔ حضرت عمر ابن خطاب رضی اللہ عنہ کی طرف سے نجران کے حاکم تھے۔
[3] یہاں حدیث میں لفظ مضطبعا آیا ہے جس کا معنی ہے چادر داہنی بغل کے نیچے سے گزار کر بائیں کندھے پر ڈالنا۔

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَصْحَابَهٗ اعْتَمَرُوْا مِنَ الْجِعِرَّانَةِ فَرَمَلُوْا بِالْبَيْتِ ثَلٰثًا ثُمَّ جَعَلُوْا اَرْدِيَتَهُمْ تَحْتَ اٰبَاطِهِمْ ثُمَّ قَذَفُوْ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ نے مقام جعرانہ[1] سے عمرہ کیا تو بیت اللہ شریف کا تین بار رمل کیا۔ اور اپنی چادروں کو اپنی بغلوں کے نیچے سے لیا پھر انہیں اپنے

قَذَفُوْهَا عَلٰى عَوَاتِقِهِمُ الْيُسْرٰى۔ (رَوَاهُ اَبُوْدَاؤُدَ)

بائیں کندھوں پر ڈالا۔ (ابوداؤد)

لہ یہ ایک جگہ کا نام ہے جیسا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے عمرہ کرنے کے بیان میں پیچھے مذکور ہوا۔

۲ جو کہ اضطباع کا معنیٰ ہے۔ مشہور یہ ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جعرانہ سے رات میں ہی مکہ تشریف لائے اور رات کو ہی واپس تشریف لے گئے۔ کسی کو خبر نہ ہونے دی۔ ظاہر یہ ہے کہ صحابہ کرام نے عمرہ کسی دوسرے وقت میں کیا ہوگا۔ راوی اُس کی روایت کرتے ہیں۔ واللہ اعلم۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

عَنِ ابْنِ عُمَرَ رض قَالَ مَا تَرَكْنَا اسْتِلَامَ هٰذَيْنِ الرُّكْنَيْنِ الْيَمَانِيْ وَالْحَجَرِ فِيْ شِدَّةٍ وَّلَا رُخَاءٍ مُنْذُ رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْتَلِمُهُمَا مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَفِيْ رِوَايَةٍ لَهُمَا قَالَ نَافِعٌ رَاَيْتُ ابْنَ عُمَرَ يَسْتَلِمُ الْحَجَرَ بِيَدِهٖ ثُمَّ قَبَّلَ يَدَهٗ وَقَالَ مَا تَرَكْتُهٗ مُنْذُ رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَفْعَلُهٗ۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں ہم نے رکن یمانی اور رکن اسود کا چومنا سہولت یا دشواری[1] میں کبھی نہ چھوڑا۔ جب سے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو انہیں چومتے دیکھا (بخاری و مسلم)

اُن کی دوسری روایت میں اس طرح ہے کہ حضرت نافع فرماتے ہیں میں نے حضرت ابن عمر کو دیکھا کہ آپ حجر اسود کو اپنا ہاتھ لگاتے ؟ پھر ہاتھ چوم لیتے اور فرمایا جب سے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کرتے دیکھا اُس وقت سے کبھی نہیں چھوڑا۔

لہ یعنی ہجوم و خلوت میں کبھی ان کو چومنا ترک نہ کیا۔

وَعَنْ اُمِّ سَلَمَةَ رض قَالَتْ شَكَوْتُ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنِّيْ اَشْتَكِيْ فَقَالَ طُوْفِيْ مِنْ وَّرَآءِ النَّاسِ وَاَنْتِ رَاكِبَةٌ فَطُفْتُ وَرَسُوْلُ

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔ فرماتی ہیں۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں عرض کی کہ بے شک میں بیمار ہوں۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لوگوں کے پیچھے سے سوار ہو کر طواف کر لے۔ تو میں نے (سوار ہو کر)

اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيْ إِلٰى جَنْبِ الْبَيْتِ يَقْرَأُ بِالطُّوْرِ وَكِتَابٍ مَّسْطُوْرٍ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

طواف کیا اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خانہ کعبہ کی ایک جانب نماز پڑھ رہے تھے۔ اور نماز میں سورۂ والطور و کتاب مسطور پڑھ رہے۔

(بخاری و مسلم)

۱؎ کہ پیدل چل کر طواف نہیں کر سکتی۔ یہاں حدیث میں لفظ شکوت آیا ہے۔ جو لفظ شکوٰی و شکایت سے نکلا ہے۔ بمعنی گلہ کرنا۔ بیمار ہونے کے معنیٰ میں بھی آتا ہے۔ مگر حقیقتہً یہ دوسرا معنیٰ بھی پہلے معنیٰ کی جانب ہی رجوع کرتا ہے۔ گویا بیماری میں بیمار عضو اپنی بیماری کے حال کی شکایت کرتا ہے۔

وَعَنْ عَابِسِ بْنِ رَبِيْعَةَ رض قَالَ رَأَيْتُ عُمَرَ يُقَبِّلُ الْحَجَرَ وَيَقُوْلُ إِنِّيْ لَأَعْلَمُ أَنَّكَ حَجَرٌ مَّا تَنْفَعُ وَلَا تَضُرُّ وَلَوْلَا أَنِّيْ رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُقَبِّلُكَ مَا قَبَّلْتُكَ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت عابس۱؎ بن ربیعہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ حجرِ اسود کو چوم رہے ہیں اور یہ فرما رہے ہیں۔ بے شک میں جانتا ہوں تو ایک پتھر ہے۲؎ کسی کو نفع نقصان نہیں دے سکتا۔ اور اگر میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تجھے چومتے نہ دیکھا ہوتا تو میں تجھے نہ چومتا۳؎۔

(بخاری و مسلم)

۱؎ عابس عین مہملہ با مکسورہ آخر میں سین بعض علماء ان کو صحابہ میں شمار کرتے ہیں۔ بعض تابعین میں اکثر اسی پر ہیں کہ آپ تابعین میں سے ہیں۔

۲؎ یعنی دنیا میں ظاہراً ایک پتھر ہے۔ کسی کو نفع نقصان نہیں پہنچا سکتا۔

۳؎ آپ نے یہ اس لیے فرمایا کہ لوگ بتوں اور پتھروں کی پوجا چھوڑ کر ابھی نئے نئے مسلمان ہوئے تھے اس لیے اس امر کا اندیشہ تھا کہ اس پتھر کی عبادت کے فتنہ میں مبتلا نہ ہو جائیں۔ مروی ہے کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حجرِ اسود کو یہ فرمایا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا یا امیر المومنین یہ لفظ نہ کہیں کہ یہ پتھر باذن اللہ تعالیٰ لوگوں کو نفع نقصان دیتا ہے

وَعَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رض أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ وُكِّلَ بِهٖ سَبْعُوْنَ مَلَكًا يَعْنِي الرُّكْنَ الْيَمَانِيَ فَمَنْ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ بے شک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس پر یعنی رکن یمانی پر ستر فرشتے مقرر کیے گئے ہیں تو جو شخص یہ دعا پڑھتا ہے۔ سلے اللہ میں تجھ سے دنیا و آخرت

قَالَ اللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْأَلُكَ الْعَفْوَ وَ الْعَافِيَةَ فِی الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ رَبَّنَا اٰتِنَا فِی الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّ فِی الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ قَالُوْا اٰمِیْنَ۔
(رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ)

میں عفو و عافیت مانگتا ہوں۔ اے ہمارے رب ہمیں دنیا میں حسنہ عطا فرما اور آخرت میں بھی حسنہ عطا کر اور ہمیں آتش دوزخ کے عذاب سے بچا۔ تو وہ ستر فرشتے اس دعا کرنے والے کی دعا پر آمین کہتے ہیں[1]۔
(ابن ماجہ)

[1] جب رکن یمانی کی یہ فضیلت ہے تو اس سے رکن اسود (حجر اسود) کی فضیلت خود بخود ثابت ہوگئی بلکہ اس سے زیادہ ثابت ہوگئی۔ ہو سکتا ہے کہ یہ فضیلت و خاصیت رکن یمانی سے خاص ہو اور رکن اسود کے اور فضائل ہوں جو اس سے بھی اعظم و اجل اور زیادہ ہوں۔

وَعَنْهُ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ طَافَ بِالْبَيْتِ سَبْعًا وَّلَا يَتَكَلَّمُ اِلَّا بِسُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ مُحِيَتْ عَنْهُ عَشْرُ سَيِّئَاتٍ وَّكُتِبَ لَهٗ عَشْرُ حَسَنَاتٍ وَّ رُفِعَ لَهٗ عَشْرُ دَرَجَاتٍ وَّ مَنْ طَافَ فَتَكَلَّمَ وَهُوَ فِیْ تِلْكَ الْحَالِ خَاضَ فِی الرَّحْمَةِ بِرِجْلَيْهِ كَخَآئِضِ الْمَآءِ بِرِجْلَيْهِ۔
(رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے بے شک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص بیت اللہ شریف کا طواف سات چکر کرے۔ اور اس کے سوا اور بات چیت نہ کرے کہ اللہ پاک ہے اللہ کی تعریف ہے اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اللہ بہت بڑا ہے اللہ کے سوا نہ طاقت ہے نہ قوت[1] تو اس کے دس گناہ مٹا دیے جائیں گے اور اس کے لیے دس نیکیاں لکھی جائیں گی اور اس کے دس درجے بلند ہوں گے۔ اور جو شخص طواف کرے اور ساتھ باتیں بھی کرے تو رحمت میں اپنے دونوں پاؤں سے ایسے گھس جائے گا جیسے پانی میں پاؤں سے گھس جاتا ہے[2]۔
(ابن ماجہ)

[1] یعنی انہی کلمات کو پڑھے۔

[2] علامہ طیبی نے اس حدیث کے معنی میں یہی تقریر کی ہے۔ بندہ ضعیف اللہ اسے محفوظ رکھے کہتا ہے کہ دل میں یہ بات آتی ہے کہ اگر گفتگو کرے بھی تو لوگوں جیسی گفتگو کرے، تسبیح، تحمید، تہلیل اور تکبیر نہ کہے کیونکہ یہ الفاظ ولا یتکلم

الاسماء اللہ کے مقابلے میں آتے ہیں۔ تو اس کلام کرنے والے کو بھی ثواب ملتا ہے کہ یہ شخص اس شخص کی طرح ہو جاتا ہے جو دریائے رحمت میں دونوں پاؤں سے داخل ہو جائے۔ اور بدن کے نچلے حصے تک اللہ کی رحمت پہنچ جائے اس کے اوپر کے حصے تک رحمت نہ پہنچے۔ کیونکہ وہ غیر خدا کے ذکر میں مشغول ہوا۔ اور جب وہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرے تو سر تا پا نیچے سے اوپر تک اللہ کی رحمت میں ڈوب جاتا ہے۔ واللہ اعلم۔ اسے سمجھ اور توفیق اللہ تعالیٰ سے ہی ملتی ہے۔

بَابُ الْوُقُوْفِ بِعَرَفَةَ

عرفات میں کھڑے ہونے کا باب

واضح ہو کہ عرفات میں کھڑا ہونا حج کے دو رکنوں میں ایک رکن ہے۔ یہ رکن عظیم ہے جیسا کہ وارد ہوا ہے۔ کہ حج عرفہ ہی ہے۔ عرفہ مخصوص مکان کا نام ہے تاہم زمانے کے لیے جو کہ عرفے کا دن ہے کبھی آتا ہے۔ لیکن بصورت جمع یعنی لفظ عرفات صرف مکان کے لیے آتا ہے اور شاید کہ جمع اس وجہ سے آتا ہو کہ جہاں کھڑے ہوتے ہیں اس کے اطراف و اکناف اور مختلف جگہوں میں کھڑے ہونے کی وجہ سے ہو۔ اس جگہ کو عرفات اس لیے کہتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام کے جنت سے اترنے کے بعد اسی جگہ حضرت آدم و حوا کا تعارف ہوا تھا۔ جیسا کہ مشہور ہے۔ یا اس وجہ سے کہ اس مقام میں حضرت جبرائیل علیہ السلام نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ارکان حج کی تعلیم دی تھی اور فرمایا تھا آپ نے پہچان لیا ہے اس کے جواب میں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا تھا کہ ہاں میں نے پہچان لیا ہے یا اس جگہ کو اس لیے عرفات کہتے ہیں کہ یہ جگہ معظم اور مشہور ہے۔ گویا پہچان ہونے سے پہلے ہی یہ پہچانی ہوئی جگہ ہے۔ بعض نے کہا ہے۔ اس کو عرفات کہنے کی وجہ یہ ہے کہ اس میں بندے اللہ تعالیٰ سے اپنی عبادتوں سے جان پہچان پیدا کرتے، اور دعائیں کرتے ہیں اگرچہ یہ معنیٰ اس جگہ اور دوسری جگہوں کے لیے مشترک ہے لیکن یہ ایک عظیم ترین جگہ ہے کہ زمین کی کوئی اور جگہ اس کے برابر و مساوی نہیں ہو سکتی اس لیے اس جگہ کا نام عرفات رکھ دیا گیا۔ جیسا کہ کہا گیا ہے۔ ان وجوہات کے اعتبار سے یہ لفظ معرفت سے مشتق ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ لفظ عرف عین کی زبر رسا کن سے مشتق ہے۔ اس لفظ کا زیادہ استعمال خوشبو کے لیے آتا ہے اور جبکہ منیٰ شریف میں جانوروں کے ذبح ہونے کی بنا پر گندی بو پھیلتی ہے تو اس کے مقابل جگہ یعنی عرفات کو عرفہ کہتے ہیں کیونکہ وہ منیٰ جیسی بو سے پاک اور خالی ہے۔ پھر عرفہ میں کھڑا ہونا اس سے عبارت ہے۔ کہ انسان وادی عرفات میں کھڑا ہو اگرچہ ایک گھڑی کے لیے اگرچہ نیند کی حالت میں ایک گھڑی کھڑا ہو۔ جو شخص ایک گھڑی کے لیے بھی یہاں کھڑا ہوا وہ حاجی ہو گیا اس کے بعد طواف ہے۔ جیسا کہ پیچھے گزرا۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

پہلی فصل

عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ اَبِیْ بَکْرٍ الثَّقَفِیِّ اَنَّہٗ سَاَلَ اَنَسَ بْنَ مَالِكٍ وَّ هُمَا غَادِیَانِ مِنْ مِّنًی اِلٰی عَرَفَةَ كَیْفَ كُنْتُمْ تَصْنَعُوْنَ فِیْ هٰذَا الْیَوْمِ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ كَانَ یُهِلُّ مِنَّا الْمُهِلُّ فَلَا یُنْكَرُ عَلَیْهِ وَیُكَبِّرُ الْمُكَبِّرُ مِنَّا فَلَا یُنْكَرُ عَلَیْهِ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ)

حضرت محمد بن ابو بکر ثقفی[1] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے منیٰ سے عرفہ جاتے ہوئے[2] حضرت انس بن مالک سے پوچھا کہ آپ حضرات اس دن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ کیا کیا کرتے تھے وہ کہنے لگے کہ ہم میں تلبیہ کہنے والا لبیک کہتا تھا اور اس پر کوئی اعتراض نہ ہوتا تھا اور ہم میں سے تکبیر کہنے والا اللہ اکبر کہتا تھا اس پر بھی کوئی اعتراض نہ ہوتا تھا۔[3]

(بخاری و مسلم)

[1] آپ ثقہ تابعی ہیں۔

[2] یعنی صبح کے وقت عرفات کی طرف جاتے ہوئے۔

[3] یعنی یہ لازم نہ تھا کہ تلبیہ ہی کہیں اگر تکبیر کہیں تو بھی جائز ہے۔ لیکن علماء نے کہا ہے کہ تکبیر کہنا رخصت ہے سنت یہ ہے کہ تلبیہ کہیں عرفہ کے دن حاجیوں کے لیے تکبیر کہنا سنت نہیں ہے۔ سنت یہ ہے کہ جمرہ العقبہ کی رمی تک تلبیہ کہیں تکبیر کہنا نمازوں کے بعد سنت ہے چاہے حاجی ہو یا غیر حاجی۔

وَعَنْ جَابِرٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ نَحَرْتُ هٰهُنَا وَمِنًی كُلُّهَا مَنْحَرٌ فَانْحَرُوْا فِیْ رِحَالِكُمْ وَوَقَفْتُ هٰهُنَا وَعَرَفَةُ كُلُّهَا مَوْقِفٌ وَّوَقَفْتُ هٰهُنَا وَجَمْعٌ كُلُّهَا مَوْقِفٌ۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہم نے یہاں[1] قربانی کی ہے مگر سارا منیٰ ہی قربان گاہ[2] ہے لہذا اپنی منزلوں[3] میں قربانی کر سکتے ہو اور ہم نے یہاں قیام فرمایا ہے مگر سارا عرفہ [illegible] گاہ ہے اور ہم نے یہاں وقوف[4] مزدلفہ کیا ہے مگر سارا مزدلفہ ٹھہرنے کی جگہ[5] ہے۔

(مسلم)

۱؎ یہاں منیٰ کی جگہوں میں سے معین جگہ کی طرف اشارہ ہے جہاں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے قربانی کی اب بھی وہ جگہ معلوم ومعروف ہے۔ کہ اُسے منحر النبی کہتے ہیں۔ یہاں تبرکاً ایک عمارت بنا دی گئی ہے۔

۲؎ ورنہ سارا مقام قربانی کی جگہ ہے۔

۳؎ جہاں تمہارا سامان وغیرہ پڑا ہوا ہے یہ بات آپ نے منیٰ کے بارے میں فرمائی۔ عرفات کے بارے میں آگے فرمایا۔

۴؎ مزدلفہ کو جمع بھی کہتے ہیں جیم کی زبر سے اس بناء پر کہ یہاں حضرت آدم وحوا جمع ہوئے تھے۔ یہ لفظ از دلاف سے نکلا ہے جس کے معنی قرب اور جمع ہونے کے بھی آتے ہیں۔

۵؎ اس میں شک نہیں کہ وہ جگہ جہاں حضور علیہ السلام کھڑے ہوئے تھے سب سے افضل و اشرف ہے مگر کھڑا ہونا ہر جگہ جائز ہے۔

وَ عَنْ عَائِشَةَ رض قَالَتْ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا مِنْ يَوْمٍ اَكْثَرَ مِنْ اَنْ يُّعْتِقَ اللّٰهُ فِيْهِ عَبْدًا مِّنَ النَّارِ مِنْ يَّوْمِ عَرَفَةَ وَ اِنَّهٗ لَيَدْنُوْا ثُمَّ يُبَاهِيْ بِهِمُ الْمَلٰٓئِكَةَ فَيَقُوْلُ مَا اَرَادَ هٰٓؤُلَآءِ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عرفہ سے بڑھ کر ایسا کوئی دن نہیں جس میں اللہ تعالیٰ اپنے بہت سے بندوں کو آگ سے آزاد کرے اُس دن بہت ہی قریب ۱؎ ہوتا ہے پھر اُن سے فرشتوں پر فخر کرتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ لوگ کیا چاہتے ۲؎ ہیں۔ (مسلم)

۱؎ یعنی رحمت اور مغفرت کے ساتھ۔

۲؎ یعنی لفظ استفہام سے تعجب کرتا ہے تاکہ فرشتے اولاد آدم کی فضیلت کا اعتراف کریں۔ اور اپنے اعتراض سے جو انہوں نے ان پر کیا تھا نادم و پشیمان ہوں۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِيْ — دوسری فصل

عَنْ عَمْرِو بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ صَفْوَانَ رض عَنْ خَالٍ لَّهٗ يُقَالُ لَهٗ يَزِيْدُ بْنُ شَيْبَانَ

حضرت عمرو بن عبداللہ بن صفوان ۱؎ سے روایت ہے وہ اپنے ماموں سے روایت کرتے ہیں جنہیں یزید بن شیبان ۲؎ کہا جاتا تھا۔ فرماتے ہیں ہم لوگ عرفات میں

قَالَ كُنَّا فِیْ مَوْقِفٍ لَّنَا يُعَرِّفُهُ يُبَاعِدُهٗ عَمْرٌو مِّنْ مَّوْقِفِ الْاِمَامِ جِدًّا فَاَتَانَا ابْنُ مِرْبَعِ الْاَنْصَارِيُّ فَقَالَ اِنِّیْ رَسُوْلُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلَيْكُمْ يَقُوْلُ لَكُمْ قِفُوْا عَلٰى مَشَاعِرِكُمْ فَاِنَّكُمْ عَلٰى اِرْثٍ مِّنْ اِرْثِ اَبِيْكُمْ اِبْرَاهِيْمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَ اَبُوْدَاوٗدَ وَالنَّسَائِیُّ وَابْنُ مَاجَةَ)

اپنی منزل[۳] میں تھے۔ عمرو نے فرمایا کہ وہ جگہ امام کی[۴] جگہ سے بہت دور تھی تو ہمارے پاس ابن مربع[۵] انصاری آئے اور بولے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تمہاری طرف قاصد ہوں۔ حضور علیہ السلام تم سے فرماتے ہیں کہ لوگو اپنی جگہ ٹھہرے رہو تم لوگ اپنے والد ابراہیم علیہ السلام کی وراثت[۶] پر ہو۔

ترمذی۔ ابوداؤد۔ نسائی ابن ماجہ

۱؎ آپ قرشی تابعی ہیں۔ ابن حبان نے انہیں ثقہ راویوں میں شمار کیا۔

۲؎ یہ یزید بن شیبان صحابی ہیں۔

۳؎ جو کہ زمانہ جاہلیت میں قدیم عرصہ سے ہمارے آباؤ اجداد کی طرف سے میراث چلی آرہی تھی۔ لوگ اس جگہ میں کھڑے ہوتے تھے۔

۴؎ یعنی عمرو بن عبداللہ نے امام کے موقف سے اپنے موقف کو بہت دور بیان کیا۔

۵؎ مربع میم کی زیر را ساکن باکی زبر سے ان کا نام زید ہے یا یزید یا عبداللہ ہے۔

۶؎ حدیث کا حاصل معنی یہ ہے کہ اسلام سے پہلے عربوں کے ہر قبیلے کی عرفات میں کھڑے ہونے کی جگہ معین اور الگ تھی کہ ہر قبیلہ اپنی اپنی جگہ میں کھڑا ہوتا تھا۔ یزید بن شیبان کے قبیلے کی جائے وقوف حضور علیہ السلام کی کھڑے ہونے کی جگہ سے بہت دور تھی اور آپ امام کی حیثیت سے تشریف فرما تھے، انہوں نے چاہا کہ حضور علیہ السلام کے قریب کھڑے ہوں یا حضور نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام نے فراست باطنی سے خود جان لیا ہوگا کہ وہ یہ چاہتے ہیں تو حضور علیہ الصلاۃ والسلام نے ایک صحابی کو جنہیں ابن مربع کہتے تھے، ان کے پاس بھیجا کہ اپنی اپنی پرانی جگہوں پر ہی کھڑے رہو جہاں تمہارے باپ دادا کھڑے ہوتے تھے اور جو ان کی مخصوص جگہیں تھیں۔ ان سے دوسری جگہ نہ کھڑے ہو کیونکہ میدان عرفات سارے کا سارا وقوف کی جگہ ہے۔ امام سے دور ہونے یا نزدیک ہونے سے کوئی فرق نہیں پڑتا آپ نے یہ اس لیے فرمایا کہ ان کے آپس کے درمیان کوئی تنازعہ یا مخالفت نہ اٹھ کھڑی ہو۔

وَعَنْ جَابِرٍ رضی اللہ عنہ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ كُلُّ عَرَفَةَ مَوْقِفٌ وَكُلُّ مِنًى مَنْحَرٌ وَ كُلُّ الْمُزْدَلِفَةِ مَوْقِفٌ وَّكُلُّ فِجَاجِ مَكَّةَ طَرِيْقٌ وَّ مَنْحَرٌ۔

(رَوَاهُ اَبُوْ دَاؤُدَ وَالدَّارِمِيُّ)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سارا عرفہ ٹھہرنے کی جگہ ہے اور سارا منیٰ قربانی گاہ ہے اور سارا مزدلفہ قیام گاہ ہے۔ اور مکہ معظمہ کی ہر سڑک راستہ اور جائے[1] قربانی ہے۔

(ابوداؤد و دارمی)

[1] یہاں حدیث میں لفظ فجاج آیا ہے فا کی زیر سے فج کی جمع یعنی دو پہاڑوں کے درمیان کشادہ راستہ یعنی جس راستے سے بھی مکہ شریف میں داخل ہوں درست ہے اور مکہ معظمہ میں جس جگہ بھی قربانی کریں جائز ہے۔ چاہیے تو یہ کہ قربانی حرم کے اندر ہو کیونکہ مکہ شریف حرم ہے لیکن منیٰ میں ذبح کرنا ایک عادت بن چکی ہے۔ اور اس بنا پر بھی منیٰ میں ذبح کرتے ہیں کہ حاجی لوگ دسویں ذوالحجہ کو منیٰ میں ہوتے ہیں تو وہیں قربانی کر لیتے ہیں اور ہدی شکر تمتع اور نذر وغیرہ کی قربانی اگر مکہ میں کریں تو کوئی حرج نہیں۔ حرم کی تمام جگہیں اصل جواز کے لحاظ سے برابر ہیں۔ ان میں سے کسی جگہ بھی قربانی کرنے سے حاجی قربانی کی ذمہ داری پوری کر دیتا ہے۔ ورنہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام جہاں ٹھہرے اور جہاں قربانی کی اور جس راستے سے چلے اُس کی فضیلت اپنی جگہ باقی ہے۔ جیسا کہ مخفی نہیں۔

وَعَنْ خَالِدِ بْنِ هَوْذَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ رَاَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخْطُبُ النَّاسَ يَوْمَ عَرَفَةَ عَلٰى بَعِيْرٍ قَائِمًا فِى الرِّكَابَيْنِ۔

(رَوَاهُ اَبُوْ دَاؤُدَ)

حضرت خالد بن ہوذہ[1] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا آپ عرفہ کے دن[2] اپنے دونوں رکابوں میں کھڑے ہو کر لوگوں کو خطبہ دے رہے تھے۔

(ابوداؤد)

[1] ہوذہ ہا کی زبر و ساکن اور زسے۔

[2] یعنی میدان عرفات میں سواری پر اُس کی رکابوں میں پاؤں رکھے ہوئے بحالت قیام خطبہ ارشاد فرما رہے تھے۔ آپ اس طرح اس لیے خطبہ دے رہے تھے تاکہ آپ لوگوں سے بلند ہو جائیں اور کلام میں قوت پیدا ہو جائے۔ اس طرح دور نزدیک والے سب لوگ سن لیں گے۔

وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ رضی اللہ عنہ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ اَنَّ النَّبِيَّ

حضرت عمرو بن شعیب رضی اللہ عنہ اپنے باپ سے اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ بے شک نبی کریم

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ خَيْرُ الدُّعَاءِ دُعَاءُ يَوْمِ عَرَفَةَ وَخَيْرُ مَا قُلْتُ اَنَا وَالنَّبِيُّوْنَ مِنْ قَبْلِيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۔

صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بہترین دعا عرفہ[1] کے دن کی دعا ہے اور یہ بہترین دعا اور ذکر ہے جو میں نے اور مجھ سے پہلے نبیوں نے کیا۔ اور وہ یہ ہے۔ لا الہ الا اللہ وحدہٗ لا شریک لہٗ لہ الملک ولہ الحمد وھو علی کل شیٔ قدیر۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَرَوٰى مَالِكٌ عَنْ طَلْحَةَ بْنِ عُبَيْدِ اللّٰهِ اِلٰى قَوْلِهٖ لَا شَرِيْكَ لَهٗ)

اسے ترمذی نے روایت کیا اور امام مالک نے طلحہ بن عبید اللہ سے لا شریک لہٗ تک روایت کیا۔

[1] جو کہ میدان عرفات میں یا ہر جگہ کرتے ہیں اس سے اصل مقصود حج اور حاجیوں کا بیان کرنا ہے۔

وَعَنْ طَلْحَةَ بْنِ عُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ كَرِيْزٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا رُئِيَ الشَّيْطٰنُ يَوْمًا هُوَ فِيْهِ اَصْغَرُ وَلَا اَدْحَرُ وَلَا اَحْقَرُ وَلَا اَغْيَظُ مِنْهُ فِيْ يَوْمِ عَرَفَةَ وَمَا ذَاكَ اِلَّا لِمَا يَرٰى مِنْ تَنَزُّلِ الرَّحْمَةِ وَتَجَاوُزِ اللّٰهِ عَنِ الذُّنُوْبِ الْعِظَامِ اِلَّا مَا رُئِيَ يَوْمَ بَدْرٍ فَاِنَّهٗ قَدْ رَاٰى جِبْرَائِيْلَ يَزَعُ الْمَلٰئِكَةَ۔

حضرت طلحہ بن عبید اللہ بن کریز[1] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عرفہ کے دن سے زیادہ کسی دن شیطان بہت چھوٹا بہت پھٹکارا[2] ہوا اور بہت ذلیل و غمناک نہ دیکھا گیا۔ یہ سب اس لیے ہے کہ وہ آج کے دن رحمت باری کا نزول[3] اور اللہ تعالیٰ کا بڑے گناہوں کی معافی دینا دیکھتا ہے اُس کے سوا[4] جو بدر کے دن دیکھا گیا۔ عرض کیا گیا حضور بدر کے دن کیا دیکھا گیا فرمایا اُس نے حضرت جبرائیل[5] علیہ السلام کو دیکھا کہ وہ فرشتوں کی صفیں بنا رہے ہیں۔

(رَوَاهُ مَالِكٌ مُرْسَلًا وَفِيْ شَرْحِ السُّنَّةِ بِلَفْظِ الْمَصَابِيْحِ ۔

مالک نے اسے مرسلاً روایت کیا اور شرح سنہ میں مصابیح سے۔

[1] کریز کاف کی زبر را کی زیر اور یا ساکن آخر میں زا۔ عبید اللہ لفظ تصغیر کے ساتھ۔ مشکوٰۃ کے نسخوں میں اسی طرح واقع ہوا ہے۔ یہ مصابیح اور ذہبی کی کاشف کے بعض نسخوں کے مطابق ہے۔ بعض دوسری کتابوں میں بھی ایسا ہی

آیا ہے مگر صحیح عبداللہ ہے یعنی یا کے بغیر اور یہ اسماء الرجال کی اکثر کتابوں کے موافق ہے۔ آپ تابعی ہیں ان سے حمید الطویل حماد بن سلمہ اور مالک وغیرہ روایت کرتے ہیں۔ ان کی حدیث مرسل ہے اور طلحہ بن عبیداللہ عشرہ مبشرہ میں سے ہیں۔ آپ طلحہ بن عبیداللہ بن عثمان ہیں۔ اور عثمان حضرت ابو قحافہ کا نام ہے۔ آپ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے والد ہیں۔

۲؎ یہاں حدیث میں لفظ ادحر آیا ہے یعنی دال اور حا کے ساتھ بمعنی بہت دور پھینکا ہوا۔ یعنی شیطان ہمیشہ انسانوں کی طرف سے خیر و خوبی دیکھنے کے وقت سخت غصے ہوتا اور ذلیل و خوار ہوتا ہے۔ مگر عرفہ کے دن باقی تمام دنوں سے زیادہ غصے اور خواری میں پڑتا ہے۔

۳؎ یعنی لوگوں پر اللہ کی رحمت نازل ہوتے دیکھتا ہے۔

۴؎ یعنی بدر کے دن مسلمانوں کی فتح و نصرت اور اسلام کی عزت و شوکت کو جب شیطان نے دیکھا تو عرفہ کے دن کی طرح یا اس سے بھی زیادہ ذلیل و خوار ہوا۔

۵؎ کہ وہ صف بنا رہے ہیں مشرکوں سے جنگ کرنے کے لیے یہاں حدیث میں لفظ یزع آیا ہے جو وزع (زا اور عین) کے ساتھ بمعنی باز رکھنا اور روکنا اور لشکر کو جمع کرنا۔ اسی سے ایک لفظ وزع بنا ہے واؤ کی زبر سے بمعنی لشکر کا سردار اور روک کر رکھنے والا۔

وَعَنْ جَابِرٍؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا كَانَ يَوْمُ عَرَفَةَ اِنَّ اللّٰهَ يَنْزِلُ اِلَى السَّمَآءِ الدُّنْيَا فَيُبَاهِيْ بِهِمُ الْمَلٰئِكَةَ فَيَقُوْلُ انْظُرُوْا اِلٰى عِبَادِيْ اَتَوْنِيْ شُعْثًا غُبْرًا ضَاجِّيْنَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيْقٍ اُشْهِدُكُمْ اَنِّيْ قَدْ غَفَرْتُ لَهُمْ فَيَقُوْلُ الْمَلٰئِكَةُ يَارَبِّ فُلَانٌ كَانَ يُرَهَّقُ وَفُلَانٌ وَفُلَانَةٌ قَالَ يَقُوْلُ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ قَدْ غَفَرْتُ لَهُمْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَمَا مِنْ

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب عرفے کا دن ہوتا ہے تو بے شک اللہ تعالیٰ آسمان دنیا پر نزول فرماتا ہے۱؎ تو لوگوں سے فرشتوں پر فخر و ناز کرتا ہے۔ چنانچہ فرماتا ہے اے فرشتو میرے بندوں کی طرف دیکھو کہ وہ میرے پاس پراگندہ۲؎ بالوں سے اور فریاد کنندہ آئے ہیں ہر دور دراز اور کشادہ راستہ سے چل کر میں تم کو گواہ بناتا ہوں کہ بے شک میں نے ان کو بخش دیا تو ملائکہ عرض کرتے ہیں کہ یارب فلاں شخص تو ظالم اور بدکار۳؎ تھا اور فلاں مرد فلاں عورت بھی حضور علیہ السلام نے فرمایا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میں نے ان کو بخش دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عرفہ

يَوْمٍ اَكْثَرَ عَتِيْقًا مِّنَ النَّارِ مِنْ يَّوْمِ عَرَفَةَ۔

(رَوَاهُ فِي شَرْحِ السُّنَّةِ)

کے دن سے زیادہ اللہ تعالیٰ کسی دن بھی دوزخ کی آگ سے آزاد نہیں کرتا۔

(شرح سنہ)

۱؎ یعنی وہ اپنی رحمت، احسان اور کرم سے بندوں کے نزدیک ہو جاتا ہے۔

۲؎ یہاں حدیث میں لفظ شعث آیا ہے شین کی پیش سے جمع اشعث اسی طرح لفظ غبر کی پیش سے جمع اغبر۔ بمعنی غبار آلودہ اور ایک لفظ ضاجین آیا ہے یہ ضج سے بنا ہے ضل کے ساتھ بمعنی آواز دینا اور فریاد کرنا۔

۳؎ یہاں حدیث میں لفظ یرہق آیا جو رہق سے بنا ہے بمعنی بدی کرنا حرام کا مرتکب ہونا اور جرم کرنا اسی طرح ملائکہ یہ بھی عرض کرتے ہیں کہ یا رب فلاں مرد اور فلاں عورت بھی غلط کار تھے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

عَنْ عَائِشَةَ رض قَالَتْ كَانَ قُرَيْشٌ وَمَنْ دَانَ دِيْنَهَا يَقِفُوْنَ بِالْمُزْدَلِفَةِ وَكَانُوْا يُسَمَّوْنَ الْحُمْسَ فَكَانَ سَائِرُ الْعَرَبِ يَقِفُوْنَ بِعَرَفَةَ فَلَمَّا جَاءَ الْإِسْلَامُ اَمَرَ اللهُ نَبِيَّهٗ اَنْ يَّاْتِيَ عَرَفَاتٍ فَيَقِفَ بِهَا ثُمَّ يُفِيْضَ مِنْهَا فَذَالِكَ قَوْلُهٗ عَزَّوَجَلَّ ثُمَّ اَفِيْضُوْا مِنْ حَيْثُ اَفَاضَ النَّاسُ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں۔ قریش اور ان کا طریقہ[۱] اختیار کرنے والے مزدلفہ میں ہی ٹھہر جاتے تھے[۲] انہیں بہادر[۳] کہا جاتا تھا۔ باقی عرب عرفات میں ٹھہرتے تھے پھر جب اسلام آیا تو اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا کہ عرفات پہنچیں وہاں ہی ٹھہریں پھر وہاں سے واپس[۴] آئیں۔ یہ حکم ہے اللہ تعالیٰ کا کہ تم وہاں سے چلو جہاں سے لوگ[۵] چلیں۔

(بخاری و مسلم)

۱؎ یعنی ان کی متابعت کرنے والے۔

۲؎ لوگوں پر اپنی برتری اور فوقیت ظاہر کرنے کے لیے یہ لوگ کہا کرتے تھے ہم اہل اللہ اور اس کے حرم میں رہنے والے ہیں۔ ہم حدود حرم سے باہر نہ نکلیں گے۔ اور مزدلفہ حرم ہے عرفات حرم سے باہر ہے۔

۳؎ یہاں حدیث میں لفظ حمس آیا ہے یہ احمس کی جمع ہے۔ بمعنی بہادر اور شجاع یہ لفظ حماسہ سے بنا ہے۔

یعنی شدت و شجاعت یا انکے اپنے دین میں شدید ہونے کی وجہ سے ان کو حمس کہا جاتا تھا۔ یا چونکہ اُن کی التجا نسبت خانہ کعبہ کی طرف زیادہ تھی کہ خانہ کعبہ کو حمسا بھی کہتے ہیں کیونکہ وہاں ایسے پتھر تھے جو سیاہ مائل سفیدی ہوتے ہیں نیز سخت بھی ہوتے ہیں تو یہ لوگ اپنے آپ کو اس کی طرف منسوب کرتے ہوئے حمس کہتے ہیں۔

سکہ یہاں حدیث میں لفظ لیفیض آیا ہے یا کی پیش سے یہ افاضت سے بنا ہے یعنی آنسو اور پانی کثرت سے بہانا اور عرفات سے یکبارگی روانہ ہو پڑنا

شہ یہ قریش کو خطاب ہے اس سے تمام مسلمانوں پر بھی یہ حکم لاگو آتا ہے۔

وَعَنْ عَبَّاسِ بْنِ مِرْدَاسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَعَا لِاُمَّتِهٖ عَشِيَّةَ عَرَفَةَ بِالْمَغْفِرَةِ فَاُجِيْبَ اِنِّىْ قَدْ غَفَرْتُ لَهُمْ مَا خَلَا الْمَظَالِمِ فَاِنِّىْ اٰخُذُ لِلْمَظْلُوْمِ مِنْهُ قَالَ اَىْ رَبِّ اِنْ شِئْتَ اَعْطَيْتَ الْمَظْلُوْمَ مِنَ الْجَنَّةِ وَغَفَرْتَ الظَّالِمَ فَلَمْ يُجَبْ عَشِيَّتَهٗ فَلَمَّا اَصْبَحَ بِالْمُزْدَلِفَةِ اَعَادَ الدُّعَاءَ فَاُجِيْبَ اِلٰى مَا سَاَلَ قَالَ فَضَحِكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَوْ قَالَ تَبَسَّمَ فَقَالَ لَهٗ اَبُوْبَكْرٍ وَعُمَرُ بِاَبِىْ اَنْتَ وَاُمِّىْ اِنَّ هٰذِهٖ لَسَاعَةٌ مَا كُنْتَ تَضْحَكُ فِيْهَا فَمَا الَّذِىْ اَضْحَكَكَ اَضْحَكَ اللّٰهُ سِنَّكَ قَالَ اِنَّ عَدُوَّ اللّٰهِ اِبْلِيْسَ لَمَّا عَلِمَ اَنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ قَدِ اسْتَجَابَ دُعَائِىْ وَغَفَرَ لِاُمَّتِىْ

حضرت عباس ابن مرداس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عرفہ کی شام اپنی اُمت کے لیے دعائے مغفرت کی تو جواب ملا کہ حقوق العباد کے سوا باقی گناہ بخش دیے البتہ مظالم کا حق ضرور لوں گا۔ عرض کیا یا رب اگر تو چاہے تو مظلوم کو جنت دے دے اور ظالم کو بخش دے اس شام کو جواب نہ ملا مگر جب مزدلفہ میں حضور نے صبح کی وہی دعا دوبارہ کی تو آپ کا سوال پورا کر دیا گیا۔ راوی فرماتے ہیں کہ سوال پورا ہونے پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہنس پڑے یا مسکرائے۔ خدمت عالی میں حضرت ابو بکر و عمر نے عرض کیا ہمارے ماں باپ آپ پر فدا ہوں۔ اس گھڑی آپ تبسم نہ کرتے تھے اللہ تعالی آپ کو خوش و خرم رکھے کیا چیز آپ کو ہنسا رہی ہے فرمایا جب اللہ کے دشمن ابلیس نے دیکھا کہ اللہ تعالی نے میری دعا قبول کر لی اور میری اُمت کو بخش دیا تو مٹی اٹھا کر اپنے سر پر ڈالنے اور ہائے ہائے کرنے لگا۔ ہم نے

اَخَذَ التُّرَابَ فَجَعَلَ يَحْثُوْهُ عَلٰى رَأْسِهٖ وَيَدْعُوْ بِالْوَيْلِ وَالثُّبُوْرِ فَاَضْحَكَنِيْ مَا رَأَيْتُ مِنْ جَزَعِهٖ۔ (رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ وَرَوَى الْبَيْهَقِيُّ فِيْ كِتَابِ الْبَعْثِ وَالنُّشُوْرِ نَحْوَهٗ)	اُس کی گھبراہٹ دیکھی تو اُس سے ہنسی[۹] آگئی۔ (ابن ماجہ) اور بیہقی نے کتاب البعث والنشور میں اس کی مثل روایت کی۔

[۱] آپ صحابی ہیں۔ مولفۃ القلوب میں سے ہیں۔ فتح مکہ سے ذرا پہلے اسلام لائے آپ کا اسلام صحیح اور مضبوط ہوگیا اپنی قوم میں بڑے سمجھے جاتے تھے فتح مکہ کے دن اپنی قوم کے اُن پانچسو آدمیوں کو لے کر حضور کے ساتھ آکر ملے جنہوں نے زمانہ جاہلیت میں شراب کو اپنے اوپر حرام کر رکھا تھا۔

[۲] اُمت سے مراد یا تو وہ لوگ ہیں جو اُس دن عرفات میں حاضر تھے یا مطلق امت مراد ہے۔ اول معنی زیادہ ظاہر ہے

[۳] مظالم سے مراد حقوق العباد ہیں۔ یہ مظلمہ لام کی زیر یا زبر سے ہے بعض لوگ زبر کے منکر ہیں، بعض پیش کو بھی جائز رکھتے ہیں۔ لفظ مظالم عام ہے جو مال وعزت سب کو شامل ہے تو حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے بے شک میں مظلوم کا حق ضرور لوں گا اور اس قسم کے گناہ نہیں بخشوں گا۔ یہاں حدیث میں لفظ اخذ لفظ متکلم سے بھی روایت ہے۔

[۴] یعنی ظالم کے ظلم کے بدلے مظلوم کو جنت کی نعمتیں عطا کر۔

[۵] کہ امت کے تمام گناہ بخش دیے گئے۔ اگرچہ مظالم ہی کیوں نہ ہوں۔

[۶] یعنی اس حالت کی شان اور تقاضا یہ نہیں ہے کہ آپ ہنسیں یا تبسم فرمائیں یا اس گھڑی کی مثل مراد ہے۔ یہ تاویل میں اس لیے کر رہا ہوں کہ ابوبکر وعمر نے حضور علیہ السلام کو اس سے پہلے کبھی مزدلفہ میں نہ دیکھا تھا تاکہ انہیں یہ کہنا پڑے کہ آپ اس گھڑی میں ہنسا نہیں کرتے تھے۔

[۷] یعنی آپ ہمیشہ خوش اور خوشحال رہیں۔

[۸] یہاں حدیث میں یا ویلا یا ثبورا ویل بمعنی ہائے اور سختی اور ثبور بمعنی ہلاکت ہے۔ قاموس میں فرمایا ویل بمعنی شر کا اُترنا اور ثبور رنا کے ساتھ بمعنی شرمندگی ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ ویل دوزخ میں ایک وادی کا نام ہے۔

[۹] یعنی اُس کی بے صبری اور اُس کے نالہ وفریاد کو دیکھ کر۔ واضح ہو کہ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حج سے حقوق العباد بھی بخش دیے جاتے ہیں، طبرانی نے کہا یہ ایسے ظالم کے لیے ہے جو توبہ کر چکا ہو اور ادائے حقوق سے عاجز آچکا ہو۔ بیہقی نے کہا اس حدیث کے اور بہت سے شواہد ہیں۔ اگر یہ حدیث صحیح ہے اور حجت ہے ورنہ حق سبحانہ وتعالیٰ کا قول ویغفر ما دون ذلک (اور شرک کے ماسوا باقی تمام گناہوں کو بخش دے گا) کافی ہے اور ظلم شرک

کے ماسوا میں داخل ہے۔ مواہب لدنیہ میں فرماتے ہیں کہ ترمذی نے کہا جو کچھ حدیث میں آیا ہے جو کوئی حج کرے کہ اس میں فسق اختیار نہ کرے وہ گناہوں سے اس طرح باہر آ جاتا ہے جس طرح اُسے آج ہی ماں نے جنا ہو۔ یہ حدیث اُن معاصی سے متعلق ہے جو حقوق اللہ ہیں نہ کہ حقوق العباد اور حقوق اللہ میں بھی نفس حق بندے کے ذمے سے ساقط نہیں ہوتا پس وہ شخص جس کے ذمے نماز یا کفارہ یا اس طرح کا کوئی اور حق اللہ ہو وہ ساقط نہ ہوگا کیونکہ یہ چیزیں حقوق ہیں ذنوب نہیں ہیں۔ یہاں گناہ یہ ہے کہ اُس نے حقوق کے ادا کرنے میں دیر کی توحج کرنے سے تاخیر کا گناہ ساقط ہو جاتا ہے نہ کہ اصل حقوق حج مبرور مخالفت کے گناہ کو ساقط کرتا ہے۔ حقوق کو نہیں مٹا سکتا۔ ابن تیمیہ نے جو مشہور علمائے محدثین میں سے ہے۔ کہا ہے جو شخص یہ اعتقاد رکھتا ہو کہ حج اُس چیز کو ساقط کر دیتا ہے جو اللہ کے حقوق میں سے بندے پر واجب و لازم ہے جیسے نماز جو اُس کے ذمے ہوتی ہے تو اُس کے بخشے جانے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اُسے اس قول سے تجربہ کرنے کی توفیق دیتا ہے، اگر وہ توبہ نہیں کرتا تو اُسے قتل کر دیا جائے۔ مگر آدمی کا حق حج سے کسی طرح بھی ساقط نہیں ہوتا۔ اس کلام میں بڑی زیادہ تشدید اور تنگی پائی جاتی ہے۔ جو پڑھنے والوں سے پوشیدہ نہیں ہے۔ مشہور یہ ہے کہ حج کے ذریعے حقوق اللہ بخش دیے جاتے ہیں۔ حقوق عباد کے بخشے جانے میں اختلاف ہے۔ اکثر علماء اس پر ہیں کہ وہ حج سے نہیں بخشے جاتے۔ مگر ظاہر حدیث سے عموم محسوس ہوتا ہے۔ واللہ اعلم

بَابُ الدَّفْعِ مِنْ عَرَفَةَ وَالْمُزْدَلِفَةِ

عرفہ اور مزدلفہ سے واپسی کا باب

یہ باب عرفہ اور مزدلفہ سے واپس آنے، وہاں سے باہر نکلنے اور جلد چلنے کے بیان میں ہے۔ ظاہر یہ ہے کہ یہاں دفع کی بجائے اندفاع کا لفظ ہونا چاہیے کیونکہ دفع پھیرنے اور باہر لانے کے معنیٰ میں آتا ہے نہ کہ واپس آنے اور باہر آنے کے معنیٰ میں ہے۔ لیکن یہاں دفع نکلنے اور جانے کے معنیٰ میں ہے۔ اس معنیٰ کو لفظ دفع سے اس بنا پر تعبیر کیا گیا کہ جب واپس لوٹنے کے وقت بہت ہجوم ہوتا ہے تو لوگ ایک دوسرے کو دھکیلتے ہیں۔ یا دفع سے مراد سواری ہوتی ہے اُس کا ذکر فصول سابقہ کی احادیث سے معلوم ہو چکا ہے۔ یہاں اُس کی کیفیت بیان کرتے ہیں۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ
پہلی فصل

عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ رضـ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ سُئِلَ اُسَامَةُ بْنُ زَيْدٍ

حضرت ہشام بن عروہ سے روایت ہے وہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا حضرت اسامہ بن

كَيْفَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسِيْرُ فِيْ حَجَّةِ الْوَدَاعِ حِيْنَ دَفَعَ قَالَ كَانَ يَسِيْرُ الْعَنَقَ فَاِذَا وَجَدَ فَجْوَةً نَصَّ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

زید رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا گیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم حجۃ الوداع کے دن جب عرفات سے واپس لوٹے تو آپ کے چلنے کی کیا کیفیت تھی حضرت اسامہ نے فرمایا کہ آپ تیز چلتے تھے جب آپ راستہ پاتے تھے تو زیادہ تیز چلتے تھے۔ (بخاری و مسلم)

۱ حضرت ہشام اپنے باپ کی طرح تابعی ہیں۔

۲ یہاں حدیث میں لفظ عنق آیا ہے۔ دو زبروں کے ساتھ یعنی تیزی سے چلنا بعض کہتے ہیں اس کا معنی وہ رفتار ہے جو تیزی اور آہستگی کے درمیان ہوتی ہے۔ بعض نے کہا قدم لمبے لمبے رکھنا مراد ہے۔

۳ یہاں حدیث میں لفظ فجوۃ آیا ہے۔ صراح میں ہے کہ فجوۃ فا کی زبر جیم ساکن سے ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اصحاب کہف کے قصہ میں فرمایا (وھم فی فجوۃ منہ) (اور وہ اصحاب کہف اُس غار کے اندر کھلی جگہ میں ہیں۔)

۴ یہاں حدیث میں لفظ نص آیا ہے ایسی رفتار جو خوب تیز ہو۔ صراح میں فرمایا نص اونٹنی تیز چلانے کو کہتے ہیں ایسی تیز کہ جتنی وہ تیز چل سکتی ہو چلے اس کا اصل معنی کسی چیز کی نہایت تک پہنچنے کا ہے۔

وَعَنْ اَنَّ اُسَامَةَ كَانَ رِدْفَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ عَرَفَةَ اِلَى الْمُزْدَلِفَةِ ثُمَّ اَرْدَفَ الْفَضْلَ مِنَ الْمُزْدَلِفَةِ اِلٰى مِنًى فَكِلَاهُمَا قَالَا لَمْ يَزَلِ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُلَبِّيْ حَتّٰى اَتٰى جَمْرَةَ الْعَقَبَةِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے بے شک اُسامہ بن زید عرفہ سے مزدلفہ تک حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سواری پر حضور کے پیچھے بیٹھے ہوئے تھے پھر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت[۱] فضل کو مزدلفہ سے منیٰ تک اپنے پیچھے بٹھایا تو یہ دونوں حضرات فرماتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جمرۂ[۲] عقبہ کی رمی کرنے تک سارا وقت تلبیہ کہتے رہے۔ (بخاری و مسلم)

۱ یعنی حضرت فضل بن عباس کو۔

۲ یعنی دسویں کے دن جمرہ عقبہ کی رمی جب شروع کی تو رمی کے بعد تلبیہ پڑھنا ختم کر دیا۔ جمرہ عقبہ کا ذکر گزشتہ احادیث میں گزر چکا ہے۔ اور رمی جمار کے باب میں مزید آرہا ہے۔

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رض اَنَّهُ دَفَعَ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَرَآءَهُ زَجْرًا شَدِيْدًا وَّضَرْبًا

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ حضور علیہ السلام کے ساتھ عرفہ کے دن چلے تو حضور نے اپنے پیچھے بڑی ڈانٹ ڈپٹ اور اونٹوں کو مارنے کی آواز[۱] سنی تو آپ نے

لِلْاِبِلِ فَاَشَارَ بِسَوْطِهٖ اِلَيْهِمْ وَ قَالَ يَا اَيُّهَا النَّاسُ عَلَيْكُمْ بِالسَّكِيْنَةِ فَاِنَّ الْبِرَّ لَيْسَ بِالْاِيْضَاعِ - رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ

ان کی جانب اپنے چابک سے اشارہ کیا اور فرمایا لوگو! سکون اور سنجیدگی اختیار کرو کہ نیکی انہیں تیز چلانے میں نہیں[۲] ہے۔ (بخاری شریف)

[۱] یہ لوگ انہیں تیز چلانے جلدی کرنے اور بے چینی ظاہر کرنے کے لیے مار رہے تھے۔

[۲] کہ حج وغیرہ میں سواریوں کو مارنے انہیں تیز چلانے ۔جلدی کرنے ۔افراتفری کرنے میں نہیں ہے بلکہ نیکی محرمات و مکروہات اور رفث و فسوق سے اجتناب کرنے میں ہے۔

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رض قَالَ جَمَعَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَغْرِبَ وَالْعِشَاءَ بِجَمْعٍ كُلُّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا بِاِقَامَةٍ وَّلَمْ يُسَبِّحْ بَيْنَهُمَا وَلَا عَلٰى اِثْرِ كُلِّ وَاحِدَةٍ مِّنْهُمَا - رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مغرب اور عشاء کو مزدلفہ میں اکٹھا[۱] کرکے پڑھا۔ ہر ایک کے لیے الگ اقامت کہی گئی[۲]۔ اور دونوں نمازوں کے درمیان اور ان کے پیچھے کوئی نفل نماز نہ پڑھی[۳]۔ (بخاری)

[۱] یہاں حدیث میں لفظ جمع آیا ہے یہ بھی مزدلفہ کا ہی نام ہے جیسا کہ پیچھے گزرا۔

[۲] اگرچہ اذان ایک ہی دی۔ جیسا کہ حجۃ الوداع کے باب کی فصل اول میں گزرا۔

[۳] یعنی آپ نے ان دونوں نمازوں کے بعد بالکل کوئی نفل نماز نہ پڑھی۔ یہاں تک کہ مغرب اور عشاء کے بعد کی سنتیں بھی نہ پڑھیں۔

وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ رض قَالَ مَا رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلّٰى صَلٰوةً اِلَّا لِمِيْقَاتِهَا اِلَّا صَلٰوةَ الْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ بِجَمْعٍ وَصَلَّى الْفَجْرَ يَوْمَئِذٍ قَبْلَ مِيْقَاتِهَا - مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں دیکھا کہ آپ نے کوئی نماز اس کے وقت کے علاوہ پڑھی ہو مگر دو نمازیں مغرب اور عشاء۔ آپ نے یہ دونوں نمازیں مزدلفہ میں ایک ہی وقت[۱] میں پڑھیں۔ اور آپ نے فجر کی نماز اس دن اپنے وقت سے[۲] پہلے پڑھی۔ (بخاری و مسلم)

[۱] اس سے معلوم ہوا کہ سفر میں چند نمازوں کو جمع کرکے ایک وقت میں پڑھنا اس طریقہ پر جو شافعی حضرات نے سمجھا ہے درست نہیں ہے۔ ظہر اور عصر کو عرفات میں اکٹھے پڑھنے کا یہاں ذکر نہ فرمایا۔ اس کی وجہ وہ مشہور

بات ہے جس کے ذکر کرنے کی ضرورت نہیں۔

ے یعنی آپ فجر کی نماز ہمیشہ جس وقت ادا فرمایا کرتے تھے اور جو آپ کی عادت مبارک تھی اس وقت میں نہ پڑھی بلکہ تاریکی میں پڑھی۔ چنانچہ لوگوں کو شک و شبہ ہوا کہ وقت ہو گیا یا نہیں اور فجر طلوع ہو گئی ہے یا ابھی نہیں ہوئی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے وحی سے جان لیا تھا کہ فجر ہو چکی ہے یا آپ نے اپنی زیادتی علم کے ذریعے جان لیا۔ ایک دوسری روایت جو صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ بن مسعود سے ہی مروی ہے آیا ہے وہ حدیث اس حدیث کی تفسیر کرتی ہے۔ اور وہ دوسری حدیث اس امر کی وضاحت کرتی ہے کہ آپ نے فجر کی نماز طلوع فجر کے بعد پڑھی نا کہ پہلے۔

بخاری شریف کی ہی بعض روایتوں میں جو حضرت ابن مسعود سے ہی مروی ہیں فرمایا کہ حضور علیہ السلام نے مزدلفہ میں فجر کی نماز طلوع فجر کے بعد پڑھی۔ حضرت عبداللہ بن مسعود نے فرمایا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فجر کی نماز اس گھڑی میں ادا کی تھی۔ بعض لوگوں کا یہ وہم ہے۔ کہ آپ نے مزدلفہ میں فجر کی نماز دخول وقت سے پہلے ہی ادا فرمائی تھی۔ مگر یہ بات غلط اور خلاف اجماع ہے۔

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضؓ قَالَ اَنَا مِمَّنْ قَدَّمَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَیْلَةَ الْمُزْدَلِفَةِ فِیْ ضَعَفَةِ اَهْلِهٖ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے فرماتے ہیں میں ان لوگوں میں سے ہوں جنہیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کی کمزوری کی وجہ سے اپنے اہل وعیال کے ساتھ پہلے ہی آگے بھیج دیا تھا یعنی مزدلفہ کی رات میں۔ (بخاری ومسلم)

لہ چنانچہ آپ نے اپنے گھر کے بچوں عورتوں کو پہلے بھیج دیا خود فجر کے سفید ہونے پر وہاں سے چلے طلوع آفتاب سے پہلے سوار ہوئے سنت یہی ہے اور اپنے اہل وعیال کو پہلے بھیج دیا۔ اور فرمایا جمرہ عقبہ کو رمی نہ کرنا مگر سورج نکلنے کے بعد۔ جیسا کہ حضرت ابن عباس کی حدیث میں آرہا ہے۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول یہی ہے بعض احادیث میں مطلق آیا ہے کہ جاؤ اور جمرہ عقبہ کو رمی کرو۔ اس کے اطلاق کی طرف نظر کرتے ہوئے امام شافعی اور امام احمد نصف رات کے بعد رمی کرنا جائز قرار دیتے ہیں۔ پوشیدہ نہ رہے کہ شافعی حضرات کے مستقل قاعدے کے مطابق مطلق کو مقید پر حمل کرتے ہیں۔

وَعَنْهُ عَنِ الْفَضْلِ بْنِ عَبَّاسٍ رضؓ وَکَانَ رَدِیْفَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهٗ قَالَ فِیْ عَشِیَّةِ عَرَفَةَ وَغَدَاةِ جَمْعٍ لِلنَّاسِ حِیْنَ دَفَعُوْا عَلَیْکُمْ بِالسَّکِیْنَةِ وَهُوَ کَافٌّ نَاقَتَهٗ حَتّٰی دَخَلَ

حضرت فضل ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سواری پر آپ کے پیچھے بیٹھے ہوئے تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عرفہ کی شام اور مزدلفہ کی صبح سویرے جب لوگ[لہ] روانہ ہوئے تو ان سے فرمایا۔ سکون اختیار کرو حضور علیہ السلام خود بھی اپنی اونٹنی کی لگام کھینچتے[لہ]

مُحَسِّرًا وَّ هُوَ مِنْ مِّنًى قَالَ عَلَيْكُمْ بِحَصَى الْخَذْفِ الَّذِي يُرْمٰى بِهِ الْجَمْرَةُ وَقَالَ لَمْ يَزَلْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُلَبِّيْ حَتّٰى رَمَى الْجَمْرَةَ۔

ہوئے تھے۔ حتیٰ کہ وادی محسر[۳] میں داخل ہو گئے جو منیٰ کا ہی حصہ ہے۔ فرمایا کنکریاں چن لو ٹھیکری[۴] کی طرح جن سے جمرہ کو مارا[۵] جائے۔ اور فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جمرہ کی رمی تک تلبیہ کہتے رہے۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ) (مسلم شریف)

[۱] جبکہ انہوں نے سواری تیز چلائی اور سواریاں کی ڈانٹ ڈپٹ کی اور بہت مارا۔

[۲] یہاں حدیث میں لفظ کاف آیا ہے۔ فا کی شد سے یعنی روک رکھنا۔

[۳] محسر سین مشدد کی زیر سے۔

[۴] بعض کہتے ہیں مزدلفہ کا حصہ ہے۔ تحقیق یہ ہے کہ یہ دونوں کے درمیان سرحد اور برزخ ہے۔ جیسا کہ پیچھے گزرا۔

[۵] گزشتہ صفحات میں ان کنکریوں کی مقدار اور مارنے کی کیفیت بیان ہو چکی ہے۔ حدیث کا ظاہر یہ ہے کہ وہ کنکریاں انہوں نے راستے سے اٹھائے تھے۔ بعض روایات میں ہے کہ مزدلفہ سے اٹھائے تھے۔ یہ حضرت ابن عمر اور سعید ابن جبیر رضی اللہ عنہما سے منقول ہے۔ مسئلہ یہ ہے کہ جہاں سے بھی اٹھا لیا جائے جائز ہے۔ اور اگر وہاں سے ہی اٹھائی جائیں تو بھی اصل جواز باقی ہے۔ لیکن خلاف اولیٰ اور خلاف افضل ہے پھر اس میں بھی اختلاف ہے کہ صرف سات کنکریاں اٹھائی جائیں جن کے ساتھ آج کے دن جمرہ عقبہ کو رمی کیا جائے گی یا اکٹھی ستر کنکریاں اٹھائی جائیں۔ سات آج کے لیے اور تریسٹھ باقی دنوں کے لیے۔

وَعَنْ جَابِرٍؓ قَالَ اَفَاضَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ جَمْعٍ وَّ عَلَيْهِ السَّكِيْنَةُ وَاَمَرَهُمْ بِالسَّكِيْنَةِ وَ اَوْضَعَ فِيْ وَادِيْ مُحَسِّرٍ وَّ اَمَرَهُمْ اَنْ يَّرْمُوْا بِمِثْلِ حَصَى الْخَذْفِ وَ قَالَ لَعَلِّيْ لَا اَرَاكُمْ بَعْدَ عَامِيْ هٰذَا لَمْ اَجِدْ هٰذَا الْحَدِيْثَ فِيْ

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سکون وقار کے ساتھ مزدلفہ سے لوٹے اور آپ نے لوگوں کو بھی سکون وقار سے لوٹنے کا حکم دیا۔ مگر وادی محسر میں آپ نے اپنی[۱] سواری کو تیز[۲] چلایا اور آپ نے ان کو حکم دیا کہ چنے کی مقدار کنکریوں کے ساتھ رمی کریں اور آپ نے فرمایا کہ شاید میں تمہیں اس سال کے بعد[۳] نہ دیکھوں گا مؤلف کہتے ہیں میں نے اس حدیث کو بخاری و مسلم

الصَّحِيْحَيْنِ اِلَّا فِيْ جَامِعِ التِّرْمِذِيِّ مَعَ تَقْدِيْمٍ وَّ تَاخِيْرٍ۔

میں نہیں پایا[۵] مگر جامع ترمذی میں اس کو پایا ہے۔ کچھ تقدیم اور تاخیر کے ساتھ۔

۱ وادی محسر کا بیان پیچھے گزر چکا ہے۔
۲ یا چھوٹی ٹیکنی کی مقدار جیسا کہ پیچھے گزرا۔
۳ اس لیے دین کے احکام سیکھ لو اور اسی وجہ سے اس حج کو حجۃ الوداع کہتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے اس میں احکام حج تعلیم فرمائے اور ساتھیوں کو الوداع کہا۔
۴ حالانکہ صاحب مصابیح کا اسے فصل اول میں ذکر کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ یہ حدیث بخاری و مسلم میں موجود ہے۔
۵ یعنی بعض الفاظ بعض سے پہلے آئے ہیں اور بعض بعض کے بعد۔ اس کی وجہ یہ ہے جو فصل ثانی میں ذکر کی جائے گی۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِيْ — دوسری فصل

عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ قَيْسِ بْنِ مَخْرَمَةَ قَالَ خَطَبَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اِنَّ اَهْلَ الْجَاهِلِيَّةِ كَانُوْا يَدْفَعُوْنَ مِنْ عَرَفَةَ حِيْنَ تَكُوْنُ الشَّمْسُ كَاَنَّهَا عَمَائِمُ الرِّجَالِ فِيْ وُجُوْهِهِمْ قَبْلَ اَنْ تَغْرُبَ وَ مِنَ الْمُزْدَلِفَةِ بَعْدَ اَنْ تَطْلُعَ الشَّمْسُ حِيْنَ تَكُوْنُ كَاَنَّهَا عَمَائِمُ الرِّجَالِ فِيْ وُجُوْهِهِمْ وَ اِنَّا لَا نَدْفَعُ مِنْ عَرَفَةَ حَتّٰى تَغْرُبَ الشَّمْسُ وَ نَدْفَعُ مِنَ الْمُزْدَلِفَةِ قَبْلَ اَنْ تَطْلُعَ الشَّمْسُ هَدْيُنَا مُخَالِفٌ لِهَدْيِ عَبَدَةِ الْاَوْثَانِ وَ الشِّرْكِ۔ (رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ)

حضرت محمد بن قیس بن مخرمہ[۱] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ دیا اور فرمایا اہل جاہلیت عرفہ سے چلتے تھے جبکہ سورج ایسا ہو جاتا تھا جیسے لوگوں کی پگڑیاں ان کے چہروں میں غروب[۲] سے پہلے اور مزدلفہ سے آفتاب چمکنے کے بعد جبکہ دھوپ ایسی ہوتی تھی جیسے لوگوں کی پگڑیاں ان کے چہروں میں اور ہم عرفہ سے سورج ڈوبنے تک روانہ ہوں گے اور مزدلفہ سے سورج نکلنے سے پہلے چلیں گے ہمارا طریقہ بت پرستوں اور مشرکوں کے خلاف ہے۔

بیہقی نے وہاں یہ بھی روایت کی کہ ہم پر حضور نے خطبہ ارشاد فرمایا پھر اس کی مثل[۳] روایت کی۔ (بیہقی)

۱؎ مخرمہ یعنی میم کی زبر خا ساکن را کی زبر میم کی زبر آپ ثقہ تابعی ہیں۔

۲؎ علامہ طیبی نے قاضی سے اس کی وجہ تشبیہ بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ آپ نے تشبیہ دی۔ ایک چیز کو جو آفتاب کی طرح ہوتی ہے۔ جبکہ وہ افق کے نزدیک ہو تو اُسے عمامہ سے تشبیہ دی کیونکہ نور آفتاب لوگوں کے چہروں میں اس طرح چمکتا ہے جس طرح عمامے کی سفیدی۔ بعض نے کہا گویا آفتاب جب غائب ہوتا ہے نصف گویا عمامہ ہے۔ پہاڑ کے اوپر کیونکہ عمامے کی شکل نصف دائرے کی ہوتی ہے۔

۳؎ یعنی گزشتہ حدیث کی طرح حدیث روایت کی یعنی حدیث کے الفاظ مختلف ہیں اور اصل کتاب میں بعض الفاظ کی جگہ سفید خالی جگہ ہے۔ اس عبارت کو جزری نے لکھا اور تخریج میں ابن حجر نے۔

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رض قَالَ قَدَّمَنَا رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْلَةَ الْمُزْدَلِفَةِ أُغَيْلِمَةَ بَنِيْ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ عَلٰى حُمَيْرَاتٍ فَجَعَلَ يَلْطَحُ اَفْخَاذَنَا وَيَقُوْلُ اُبَيْنِيَّ لَا تَرْمُوا الْجَمْرَةَ حَتّٰى تَطْلُعَ الشَّمْسُ۔ (رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں یعنی عبدالمطلب کے بچوں کو مزدلفہ کی رات گدھوں پر آگے بھیج دیا تو حضور علیہ السلام ہماری رانوں[۱] پر مارتے تھے اور فرماتے تھے اے میرے بیٹو[۲] جمرہ کو سورج طلوع ہونے سے پہلے رمی[۳] نہ کرو۔ (ابوداؤد۔ نسائی) (ابن ماجہ)

۱؎ یعنی بطور شفقت و مہربانی کے روانگی کے وقت یہاں حدیث میں لفظ یلطح آیا ہے جو کہ لطح سے بنا ہے۔ یعنی ل اور حا کے ساتھ بمعنی پشت پر ہتھیلی نرم نرم مارنا۔

۲؎ یہاں حدیث میں لفظ ابینی آیا ہے ہمزہ کی پیش با کی زبر یا ساکن نون کی زیر اور یا مشدد آخر میں یعنی اے میرے بیٹو۔ اس لفظ کی تصحیح میں بہت گفتگو کی گئی ہے جسے ہم نے شرح میں بیان کر دیا ہے۔

۳؎ کہ یہ رمی کا مستحب وقت ہے یعنی احناف کے نزدیک سورج نکلنے سے لے کر زوال تک رمی کا وقت حنفیوں کے نزدیک مستحب وقت ہے۔ تاہم طلوع فجر کے بعد بھی جائز ہے اگرچہ اس میں تھوڑی سی برائی ہے۔ امام شافعی کے نزدیک اور ایک روایت کے مطابق امام احمد کے نزدیک طلوع فجر سے پہلے بھی رمی کرنا بغیر کراہت و برائی کے جائز ہے بشرطیکہ نصف رات کے بعد ہو۔

وَعَنْ عَائِشَةَ رض قَالَتْ اَرْسَلَ

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا سے روایت ہے

النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِاُمِّ سَلَمَةَ لَيْلَةَ النَّحْرِ فَرَمَتِ الْجَمْرَةَ قَبْلَ الْفَجْرِ ثُمَّ مَضَتْ فَاَفَاضَتْ وَ كَانَ ذٰلِكَ الْيَوْمُ الْيَوْمَ الَّذِيْ يَكُوْنُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عِنْدَهَا۔

فرماتی ہیں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو دسویں رات فجر سے پہلے جمرے کی رمی کے لیے بھیجا۔ پھر آپ چلی گئیں اور آپ نے طواف افاضہ فرمایا۔ اور یہ وہ دن تھا کہ اس دن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے[1] پاس تھے۔

(رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ) (ابوداؤد)

[1] یعنی اس دن ان کی باری تھی۔ گویا یہ اس جانب اشارہ ہے کہ رمی اور طواف زیارت میں جلدی کرنی چاہیے۔ واللہ اعلم۔ علماء نے یہ بھی فرمایا ہے کہ یہ وہ رخصت ہے جو حضرت ام سلمہ کے ساتھ خاص تھی۔ اس حدیث میں قیل وقال ہے۔ علم حدیث کے ماہر علماء اس کے منکر ہیں۔ حضرت ام حبیبہ اور حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں بھی احادیث آئی ہیں۔ ظاہر یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام امہات المومنین کو بھیجا تھا۔

وَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رض قَالَ يُلَبِّي الْمُقِيْمُ اَوِ الْمُعْتَمِرُ حَتّٰى يَسْتَلِمَ الْحَجَرَ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں مقیم[1] یا عمرہ کرنے والا حجر اسود چومنے تک تلبیہ کہتے رہیں۔

(رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ قَالَ وَرُوِيَ مَوْقُوْفًا عَلَى ابْنِ عَبَّاسٍ)

ابوداؤد اور ابوداؤد نے کہا کہ یہ حدیث ابن عباس پر موقوفاً بھی روایت کی گئی ہے۔

[1] یہ راوی کا شک ہے اور مقیم سے ایسا شخص مراد ہے جس نے مکہ میں اقامت اختیار کرلی ہو۔ اور وہاں رہ کر وہ عمرہ بجالائے، پس عمرہ کرنے والے اور مقیم سے ایک ہی شخص مراد ہے مقصود یہ ہے کہ عمرہ میں حجر اسود کے چومنے کے ساتھ تلبیہ کہنا بند کرے۔ مگر حج میں جمرہ عقبہ کی رمی کے ساتھ تلبیہ بند کرے۔

[2] لیکن یہ موقوف حدیث مرفوع کے حکم میں ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

عَنْ يَعْقُوْبَ بْنِ عَاصِمِ بْنِ عُرْوَةَ رض اَنَّهُ سَمِعَ الشَّرِيْدَ يَقُوْلُ اَفَضْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ

حضرت یعقوب[1] بن عاصم بن عروۃ سے روایت ہے کہ بے شک انہوں نے حضرت شرید[2] سے سنا کہ وہ فرماتے تھے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَمَا مَسَّتْ قَدَمَاهُ الْاَرْضَ حَتّٰى اَتٰى جَمْعًا۔
(رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ)

کے ساتھ عرفات سے واپس لوٹا تو آپ کے دونوں قدم مبارک نے زمین کو نہ چھوا، یہاں تک کہ آپ مزدلفہ پہنچ آئے۔
(ابوداؤد)

۱ یعنی حضرت یعقوب بن عاصم بن عروۃ بن مسعود آپ ثقفی ہیں، اور ثقہ تابعی ہیں۔

۲ شین کی زبر را کی زیر یا ساکن آخر میں دال آپ صحابہ میں سے ہیں، ثقفی ہیں۔ بعض نے کہا آپ حضرموت کے رہنے والوں میں سے ہیں۔

۳ مقصد یہ ہے کہ آپ نے عرفات سے مزدلفہ تک کا فاصلہ سواری کی حالت میں طے کیا، پیدل نہ چلے مگر یہ مطلب نہیں کہ آپ کے سوا کہیں نیچے نہیں اترے۔ بخاری کی حدیث میں جو حضرت اسامہ سے آئی ہے مروی ہے کہ آپ راستے میں ایک گھاٹی کی جانب تشریف لے گئے وہاں بول کیا اور وضو فرمایا، پھر حضرت اسامہ نے عرض کیا۔ الصلاۃ یارسول اللہ۔ یارسول نماز آپ کے سامنے ہے یعنی مزدلفہ میں آپ نے نماز ادا کرنی ہے۔

وَعَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ اَخْبَرَنِيْ سَالِمٌ اَنَّ الْحَجَّاجَ ابْنَ يُوْسُفَ عَامَ نَزَلَ بِابْنِ الزُّبَيْرِ سَاَلَ عَبْدَ اللّٰهِ كَيْفَ نَصْنَعُ فِي الْمَوْقِفِ يَوْمَ عَرَفَةَ فَقَالَ سَالِمٌ اِنْ كُنْتَ تُرِيْدُ السُّنَّةَ فَهَجِّرْ بِالصَّلٰوةِ يَوْمَ عَرَفَةَ فَقَالَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ صَدَقَ اِنَّهُمْ كَانُوْا يَجْمَعُوْنَ بَيْنَ الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ فِي السُّنَّةِ فَقُلْتُ لِسَالِمٍ اَفَعَلَ ذٰلِكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ سَالِمٌ وَهَلْ يَتَّبِعُوْنَ ذٰلِكَ اِلَّا سُنَّتَهٗ۔
(رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

حضرت ابن شہاب ۱ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ مجھے سالم ۲ نے خبر دی کہ بے شک حجاج بن یوسف ۳ اس سال جس میں اس نے حضرت ابن زبیر سے جنگ کی، حضرت عبداللہ سے پوچھا کہ عرفہ کے دن ہم موقف میں کیا کریں۔ حضرت سالم نے فرمایا جو کہ عبداللہ بن عمر کے بیٹے ہیں اے حجاج اگر تو سنت پر عمل کرنے کا ارادہ رکھتا ہے تو عرفہ کے دن دوپہر ۴ کے وقت نماز ادا کر۔ حضرت عبداللہ بن عمر نے فرمایا کہ سالم نے ٹھیک کہا ہے۔ کیونکہ بے شک صحابہ کرام ظہر و عصر کی نماز سنت کے مطابق جمع کر کے پڑھتے ۵ تھے زہری کہتے ہیں میں نے سالم سے کہا کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا کیا ہے تو سالم نے کہا کیا صحابہ کرام پیغمبر علیہ السلام کی سنت کے علاوہ کسی اور چیز کی پیروی کر سکتے تھے ۶
(بخاری شریف)

۱؎ آپ مشہور تابعین میں سے ہیں انہی کو زہری بھی کہا جاتا ہے۔
۲؎ یعنی سالم بن عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم۔
۳؎ یعنی حجاج ابن یوسف ثقفی مشہور ظالم حکمران یہ شخص عبدالملک بن مروان کی طرف سے حضرت عبداللہ بن زبیر کے مقابلے میں جنگ کے لیے مکے میں اترا اور حج بھی کیا۔
۴؎ یہاں حدیث میں لفظ ہجر آیا ہے بمعنیٰ دوپہر۔ لفظ ہجر اور ہاجرہ دوپہر کے وقت کی گرمی کو کہتے ہیں تہجیر و اہجار بمعنیٰ دوپہر کو سفر کرنا۔
۵؎ ایک روایت میں اس طرح آیا ہے کہ حضرت ابن عمر نے فرمایا کہ سالم کی ماں نے سالم کا نام ٹھیک اور درست رکھا ہے۔ یعنی اُس نے ظالم کے سامنے کلمہ حق بیان کیا ہے۔ اور وہ مسئلہ بتانے میں مداہنت سے محفوظ رہا ہے حالانکہ ایسے ظالم کے سامنے انسان حق بات کہنے سے ہچکچا جاتا ہے۔
۶؎ یعنی دوپہر کرنے میں اور دوپہر کے وقت نماز ادا کرنے میں صحابہ کرام حضور علیہ السلام کی ہی پیروی کرتے تھے۔

بَابُ رَمْيِ الْجِمَارِ

کنکریاں مارنے کا باب

جمار دراصل چھوٹی کنکریوں کو کہتے ہیں یہاں حج اُن سنگریزوں کا نام ہے جن کے ساتھ رمی کی جاتی ہے اور ان جگہوں کو جنہیں کنکریاں مارتے ہیں جمرات کہتے ہیں اُن کا نام اس لیے رکھا گیا کہ وہاں کنکریاں ماری جاتی ہیں یا اس وجہ سے کہ وہ کنکریوں کے جمع ہونے کی جگہ ہے۔ جمر بمعنیٰ جمع کرنا۔ بعض کہتے ہیں کہ اجمار بمعنیٰ جلدی کرنا ہے کیونکہ آدم علیہ السلام نے منیٰ میں ابلیس کو کنکریاں ماریں تو ابلیس حضرت آدم علیہ السلام کے سامنے سے جلدی بھاگ کھڑا ہوا۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ — پہلی فصل

عَنْ جَابِرٍ قَالَ رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَرْمِي عَلٰى رَاحِلَتِهٖ يَوْمَ النَّحْرِ وَيَقُوْلُ لِتَاْخُذُوْا مَنَاسِكَكُمْ فَاِنِّيْ لَا

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی سواری پر نحر کے دن رمی کرتے دیکھا۔ آپ فرما رہے تھے چاہیے کہ تم لوگ احکام حج کو پکڑلو اور

اَدْرِیْ لَعَلِّیْ لَا اَحُجُّ بَعْدَ حَجَّتِیْ هٰذِهٖ۔
(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

سیکھو کہ بے شک میں نہیں جانتا شاید میں اس حج کے بعد اور حج نہ کروں۔
(مسلم)

لے یہاں حدیث میں لفظ مناسک آیا ہے جس کا معنیٰ عبادات کا ہے۔ اس کا زیادہ تر اطلاق استعمال حج کے اعمال اور اُس کی عبادت کے لیے ہوتا ہے۔ اس کلام میں اس جانب بھی اشارہ ہے کہ آپ نے سوار ہونے کے بعد یہ فرمایا تاکہ سب لوگ دیکھ لیں اور پالیں۔

لے اس حدیث میں اس امر کی دلیل ہے کہ سواری کی حالت میں بھی رمی جائز ہے۔ ہدایہ میں فرمایا ہر رمی جس کے بعد رمی ہو جیسا کہ جمرہ عقبہ کے بعد دوسرے جمرات کی رمی تو وہاں افضل یہ ہے کہ رمی پیادہ پا کرے کیونکہ اس رمی کے بعد کھڑے ہوتے اور دعا کرتے ہیں۔ اور گریہ وزاری کرتے ہیں، پیدل چلنے کی حالت گریہ وزاری کے زیادہ مناسب ہے۔ یہ افضلیت حضرت ابو یوسف سے مروی ہے۔ چنانچہ ابراہیم بن جراح سے ایک حکایت مروی ہے کہ میں حضرت ابو یوسف کے پاس اُن کی مرض موت کے وقت گیا تو انہوں نے آنکھیں کھولیں اور فرمایا رمی کرنا سواری پر افضل ہے۔ یا پیادہ پا۔ میں نے عرض کیا پیادہ پا کرنا افضل ہے فرمایا تو نے خطا کی پھر میں نے کہا سواری پر افضل ہے آپ نے فرمایا تو نے اس میں بھی خطا کی۔ اُس کے بعد فرمایا صحیح یہ ہے کہ ہر رمی جس کے بعد کھڑے ہوتے ہوں پیادہ پا افضل ہے اور وہ جس کے بعد کھڑے نہیں ہوتے سواری پر افضل ہے پھر میں آپ کے پاس سے اٹھ کھڑا ہوا اور ابھی گھر پہنچا ہی تھا کہ آپ کی وفات کی خبر مشہور ہو گئی۔ مجھے تعجب ہوا اور مجھے اُن کے علم پر حریص ہونے سے حیرت ہوئی کہ انہوں نے اس آخری وقت بھی مسئلہ بیان فرمایا اللہ تعالیٰ امام ابو یوسف پر اپنی بیش از بیش رحمتیں نازل فرمائے اور وہ جو احادیث صحیحہ میں آیا ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نحر کے دن جمرہ عقبہ کی رمی سواری کی حالت میں کی اور باقی دنوں میں آپ نے ہر جمرے کی رمی پیادہ پا کی۔

وَعَنْهُ قَالَ رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَمَى الْجَمْرَةَ بِمِثْلِ حَصَى الْخَذْفِ۔
(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ جمرے کو کنکری مار رہے تھے جتنی کنکری کہ چنے کے مانند جتنی ہوتی ہے۔ (مسلم)

لے اس کی شرح حجۃ الوداع کے باب میں گزر چکی ہے۔

وَعَنْهُ قَالَ رَمٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْجَمْرَةَ

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نحر کے دن چاشت

يَوْمَ النَّحْرِ ضُحًى وَاَمَّا بَعْدَ ذٰلِكَ فَاِذَا زَالَتِ الشَّمْسُ۔
(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

کے وقت جمرے کو رمی کی اور نحر کے دن کے بعد اُس وقت رمی کی جبکہ سورج ڈھل گیا[1]
(بخاری ومسلم)

[1] یعنی دسویں کے دن کے علاوہ باقی تین دنوں میں آپ نے سورج ڈھلے رمی کی جیسا کہ آگے آ رہا ہے۔

وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ اَنَّهُ انْتَهٰى اِلَى الْجَمْرَةِ الْكُبْرٰى فَجَعَلَ الْبَيْتَ عَنْ يَسَارِهٖ وَمِنًى عَنْ يَمِيْنِهٖ وَرَمٰى بِسَبْعِ حَصَيَاتٍ يُكَبِّرُ مَعَ كُلِّ حَصَاةٍ ثُمَّ قَالَ هٰكَذَا رَمَى الَّذِيْ اُنْزِلَتْ عَلَيْهِ سُوْرَةُ الْبَقَرَةِ۔
(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ بے شک وہ پہنچے جمرہ کبریٰ[1] پر تو آپ نے بیت اللہ شریف کو اپنی بائیں جانب لیا اور منیٰ کو دائیں جانب اور آپ نے سات کنکریاں ماریں۔ ہر کنکری کے ساتھ آپ تکبیر کہتے تھے۔ پھر حضرت عبداللہ بن مسعود نے فرمایا اسی طرح رمی کی تھی اُس ذات نے جس پر سورت بقرہ[2] نازل ہوئی تھی۔
(بخاری ومسلم)

[1] یعنی وہ جمرہ جو مسجد خیف کی جانب ہے۔

[2] اس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات شریف مراد ہے۔ سورہ بقرہ کی تخصیص کی وجہ یہ ہے کہ اس میں حج کے مناسک مذکور ہیں۔ یا مقصود قرآن کا اتارنا ہے اور سورۃ بقرہ تمام قرآنی سورتوں سے لمبی ارفع ہے جیسا کہ ایک حدیث میں آیا ہے کہ ہر چیز کی ایک کوہان ہوتی ہے، قرآن کی کوہان سورۃ بقرہ ہے۔

وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْاِسْتِجْمَارُ تَوٌّ وَرَمْيُ الْجِمَارِ تَوٌّ وَالسَّعْيُ بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ تَوٌّ وَالطَّوَافُ تَوٌّ وَاِذَا اسْتَجْمَرَ اَحَدُكُمْ فَلْيَسْتَجْمِرْ بِتَوٍّ۔
(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ استنجا کرنا طاق بار[1] ہے اور جمروں کی رمی طاق بار ہے اور صفا مروہ کے درمیان دوڑنا طاق بار ہے اور طواف طاق بار ہے اور جب تم میں سے کوئی شخص ڈھیلے لے تو طاق بار لے۔
(مسلم)

[1] یہاں حدیث میں لفظ تَوٌّ آیا ہے تا کی زبر اور کی شد سے بمعنی فرد و طاق۔ یہاں استجمار سے پتھروں سے استنجا کرنا مراد ہے یعنی جائے استنجا کو پاک کرنے میں سنت یہ ہے کہ تین ڈھیلے یا تین پتھر استعمال کیے جائیں۔ اس کی شرح کتاب الطہارت

کے باب- آداب الخلا میں گزر چکی ہے۔ بعض کہتے ہیں اس سے تین بار خوشبو سلگانا مراد ہے۔ یعنی خوشبو دار لکڑی کے تین ٹکڑے کیے جائیں۔ یا تین بار گھمائیں۔

۲ یعنی حج میں بھی طاق سنگریزے مارے جائیں جو کہ سات ہوتے ہیں بعض روایتوں میں جمار کی رمی مذکور نہیں ہے اور استجمار سے یہی مراد ہے۔ اسی طرح صفا مروہ کے درمیان سعی بھی سات بار ہے ، خانہ کعبہ کے اردگرد بھی سات چکر ہیں۔ حدیث کے آخر میں پھر جو فرمایا تم میں جو شخص استجمار کرے طاق عدد میں کرے تو یہ دوبارہ لانا پہلے حکم کی تاکید کے لیے ہے۔ کیونکہ مقصود تین کے عدد کی رعایت کا اہتمام مبالغہ ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

دوسری فصل

عَنْ قُدَامَةَ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمَّارٍ[1] قَالَ رَاَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَرْمِي الْجَمْرَةَ يَوْمَ النَّحْرِ عَلٰى نَاقَةٍ صَهْبَآءَ[2] لَيْسَ ضَرْبٌ وَّلَا طَرْدٌ وَّ لَيْسَ قِيْلُ اِلَيْكَ اِلَيْكَ۔

حضرت قدامہ بن عبداللہ بن عمار[1] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نے نحر کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ناقہ صہبا[2] پر جمرے کو رمی کرتے دیکھا۔ اس میں کسی کو مارنا اور ہٹانا نہ تھا[3] اور اس میں یہ کہنا نہ تھا کہ ایک طرف کو ہو جاؤ ایک طرف کو ہو جاؤ۔

(رَوَاهُ الشَّافِعِيُّ وَ التِّرْمِذِيُّ وَ النَّسَائِيُّ وَ ابْنُ مَاجَةَ وَالدَّارِمِيُّ)

اسے شافعی۔ ترمذی۔ نسائی، ابن ماجہ اور دارمی نے روایت کیا۔

۱ عمار عین کی زبر۔ میم کی شد سے آپ صحابی ہیں قدیم الاسلام ہیں اور کم حدیثیں روایت کرتے ہیں آپ نے مدینہ کی جانب ہجرت نہ کی بلکہ مکے میں ہی مقیم رہے۔

۲ یعنی صہبا سفید رنگ کی اونٹنی پر جس کے سر کے بال سرخ تھے۔ صراح میں ہے اصہب اس سفید اونٹ کو کہتے ہیں جس کے ساتھ سرخی ملی ہوئی ہو۔ اس طرح کہ پشم کا اوپر کا حصہ سرخ ہو اور اندر کا حصہ سفید۔

۳ یعنی اس میں نہ تو لوگوں کو ہٹایا جاتا تھا نہ مارا جاتا تھا جیسا کہ بادشاہوں اور امراء کے آگے کیا جاتا ہے۔

وَعَنْ عَائِشَةَ رضـ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّمَا جُعِلَ رَمْيُ الْجِمَارِ وَالسَّعْيُ بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ لِاِقَامَةِ ذِكْرِ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے بے شک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اس کے سوا نہیں کہ جمروں کی رمی اور صفا مروہ کے درمیان سعی اللہ کا ذکر قائم کرنے کے لیے[1] مقرر کی گئی ہے

اللّٰہِ۔

(رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَالدَّارِمِیُّ وَقَالَ التِّرْمِذِیُّ ھٰذَا حَدِیْثٌ حَسَنٌ صَحِیْحٌ)

اسے ترمذی اور دارمی نے روایت کیا اور ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

لہ جب کہ حج کے اکثر افعال اُس قبیلے میں سے ہیں کہ اُن کے اسرار عقل میں نہیں آسکتے اور ان میں عبادت کا معنیٰ محسوس نہیں ہوتا، خصوصًا سنگریزوں کو مخصوص کیفیت کے ساتھ پھینکنا اور اس جگہ سے اس جگہ تک دوڑنا کہ یہ تمام امور محض شارع علیہ السلام کے کہنے کے مطابق عبادت ہیں۔ اس لیے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس جانب اشارہ فرمایا کہ یہ امور اللہ کا ذکر اور اس کی یاد کرنے کے لیے مقرر و شروع قرار دیے گئے ہیں۔ اسی لیے ان کے ساتھ دعاؤں اور اذکار کو ملایا گیا ہے اگرچہ ان کا عبادت ہونا تمہاری عقل کے نزدیک بظاہر ان کا عبادت ہونا محسوس نہیں ہوتا یا یہ کہ عقل مند انسان اگر سعی و رمی میں مثلاً غور و فکر کرے گا تو اُسے حیرت لاحق ہوگی اور وہ اس میں حکم شرع کے مطابق ہی عبادت کا معنیٰ پائے گا، اپنی عقل کو معذور و مضمحل سمجھے گا۔ اس میں شارع علیہ السلام کے حکم کے سوا کچھ نہ دیکھے گا اور ماسوائے حق کے کچھ یاد میں نہ لائے گا۔ اور یہ بھی فنا کی قسموں میں سے ایک قسم ہے جو ذکر حقیقی کی خاص قسموں میں سے ہے یہ اصل کے اعتبار سے ہے۔ لیکن اب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے فعل کا تصور اور ان جگہوں میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا کھڑے ہونا، حضور کی اتباع میں اُن جگہوں میں کھڑے ہونا، آپ سے موافقت کرنا اور منہ اور ہاتھوں اور پاؤں کا اس جگہ لگنا اور پہنچنا جہاں حضور علیہ السلام کا منہ مبارک اور ہاتھ اور پاؤں پہنچے اور لگے۔ لذت و نورانیت اور ذوق و حالت بندہ مومن کو عطا کرتا ہے و ایسے اثرات، ذوق و حلاوت بندے میں پیدا کرتا ہے کہ زبان اُن کی تعبیر سے عاجز ہے۔ اُسے وہی پہچان سکتا ہے جس نے اُسے چکھا ہو۔ کسی نے کہا ہے۔

ذوق ایں مے نشناسی بخدا تا نچشی

یعنی خدا کی قسم تو اس شراب کا ذائقہ چکھنے سے پہلے نہیں جان سکتا۔ اے اللہ ہمیں یہ حالت عطا کر۔ اور اس کا مزا چکھا۔

وَعَنْهَا قَالَتْ قُلْنَا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اَلَا نَبْنِیْ لَکَ بِنَاءً یُظِلُّکَ بِمِنًی قَالَ لَا مِنًی مُنَاخُ مَنْ سَبَقَ۔

(رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَابْنُ مَاجَۃَ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں ہم اہل بیت نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا ہم لوگ آپ کے لیے منیٰ میں ایسا مکان نہ بنائیں جو آپ پر منیٰ میں سایہ کرے آپ نے فرمایا یہ منیٰ ہر اس شخص کی منزل لہ ہے جو وہاں پہلے پہنچ جائے۔ اسے ترمذی

(رَوَاہُ الدَّارِمِیُّ) ابن ماجہ اور دارمی نے روایت کیا۔

لہ یہاں حدیث میں لفظ مناخ آیا ہے۔ جس کا اصل لغت میں معنیٰ اونٹ بٹھانے کی جگہ ہے یہاں مراد منزل ہے۔ یعنی منیٰ ایسی جگہ نہیں ہے جو کسی کے لیے خاص کی جائے بلکہ یہ جائے عبادت ہے اگر وہاں مخصوص لوگوں کے لیے مکان بنا لیے جائیں تو بندگانِ خدا کے لیے جگہ تنگ ہو جائے گی۔ یہ مطلب شافعی حضرات کی توجیہ کے مطابق ہے۔ حنفیوں کے نزدیک اس ممانعت کی وجہ یہ ہے کہ حرم کی زمین وقف زمین ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ معظمہ کو فتح کیا اور حرم کی زمین کو وقف کر دیا لہٰذا کوئی شخص بھی اس کا مالک نہیں ہو سکتا۔ مگر اب عربوں نے بہت سی جگہیں اور وہاں بہت سے محل اور اونچی اونچی عمارتیں اپنی ملک کے طور پر تعمیر کر لی ہیں۔ کہ کوئی شخص ان میں بیٹھنے کی جرأت نہیں کر سکتا۔ ایک حکایت حضرت شیخ اجل اکرم عبدالوہاب متقی رحمۃ اللہ علیہ کی یاد آتی ہے کہ آپ کے خادموں نے منیٰ میں ایک جگہ کرائے کے طور پر لے کر آپ کے لیے متعین کر رکھی تھی جیسا کہ آج کل بھی عادت ہے۔ حضرت قاضی صالح سندی مدنی جو ایک مردِ صالح اور عالم و فاضل تھے تشریف لائے اور اس جگہ بیٹھ گئے۔ خادم حضرت شیخ کے پاس آئے اور شکایت کرنے لگے کہ قاضی صالح آئے ہیں اور زبردستی اس جگہ بیٹھ گئے ہیں جو ہم نے اپنے لیے متعین کی ہوئی تھی آپ نے فرمایا انہیں کچھ نہ کہو بیٹھے رہیں پھر آپ نے چند تھال کھانے اور پھلوں کے مہیا کر کے قاضی صالح موصوف کی خدمت میں بھیجے۔ اور فرمایا ان سے عرض کرو کہ آپ نے خوب ٹھیک کیا کہ یہاں آ کر بیٹھے یہ آپ کی جگہ ہے۔ اور آپ نے قاضی صاحب موصوف کے ساتھ نہایت حسن خلق اور وسعت ظرفی کا ثبوت دیا۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ — تیسری فصل

عَنْ نَافِعٍ قَالَ اِنَّ ابْنَ عُمَرَ كَانَ يَقِفُ عِنْدَ الْجَمْرَتَيْنِ الْاُوْلَيَيْنِ وُقُوْفًا طَوِيْلًا يُكَبِّرُ اللّٰهَ وَ يُسَبِّحُهٗ وَ يَحْمَدُهٗ وَ يَدْعُو اللّٰهَ وَلَا يَقِفُ عِنْدَ جَمْرَةِ الْعَقَبَةِ۔ (رَوَاهُ مَالِكٌ)

حضرت نافع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ بے شک حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما پہلے دو جمروں کے پاس بہت دیر کھڑے ہوتے تھے اور کافی دیر کھڑے رہتے تھے اس دوران اللہ اکبر کہتے، تسبیح کرتے اور اللہ تعالیٰ کی حمد کرتے اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے تھے اور جمرہ عقبہ کے پاس کھڑے نہ ہوتے تھے۔ (مالک)

لہ یہاں حدیث میں لفظ یکبر تخفیف اور تشدید دونوں طرح روایت ہے۔

لہ ان دو مقاموں میں زیادہ دیر کھڑے ہونا اور دعا و گریہ زاری کرنا مستحب و مسنون ہے۔ علماء نے کہا ہے کہ سورت بقرہ کی مقدار پڑھنے کے وقفے تک یہاں کھڑا ہونا چاہیے، یعنی اللہ تعالیٰ کی رحمت کے ٹھنڈے پانی کے پیاسے

یہاں اتنی دیر کھڑے ہوتے ہیں کہ ان کے پاؤں بھی سوج جاتے۔ وباللہ توفیق۔

۳ یعنی نہ تو دسویں کے دن اور نہ دوسرے دنوں میں۔ یوم نحر کے باب میں آرہا ہے کہ حضرت ابن عمر نے فرمایا میں نے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسے ہی کرتے دیکھا ہے۔ عقبہ پہاڑ سے باہر نکلنے کے راستے کو کہتے ہیں یہ جمرہ پہاڑ کے دامن میں واقع ہے۔ اس کے پاس نہ کھڑے ہوتے۔ دوسرے دو جمروں کے پاس زیادہ دیر کھڑے ہونے کی وجہ بھی اسی باب میں انشاء اللہ تعالیٰ مذکور ہو گی۔

بَابُ الْهَدْيِ

ہدی کا بیان

لفظ ھدی ہا کی زبر دال کی جزم اور مد کی زبر دال کی جزم اور یا کی شد دونوں طرح آیا ہے۔ پہلی لغت اہل حجاز اور قرآن کی لغت ہے۔ دوسری بنی تیم کی لغت ہے۔ دونوں قراتوں سے یہ لفظ پڑھا گیا ہے۔ دونوں کا واحد ھدیہ ہے یہ وہ چیز ہے جو چارپایوں کی قسم سے کعبہ بھیجی جاتی ہے تاکہ وہاں ذبح کی جائے کبھی یہ لفظ مطلق اونٹ کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے اسے ہدی کہنے کی وجہ یہ ہے کہ بندہ جناب حق تعالیٰ میں ھدیہ بھیجتا اور اس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کے ہاں قرب ڈھونڈتا ہے۔ ہدی اونٹ اور گائے دونوں سے جائز ہے۔ بکری کے ہدی ہونے میں اختلاف ہے۔ احناف کے نزدیک بکری کی ھدی بھی جائز ہے۔ پھر ہدی میں ہر وہ جانور جائز ہے جو قربانی میں جائز ہے۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

پہلی فصل

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ صَلّٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الظُّهْرَ بِذِي الْحُلَيْفَةِ ثُمَّ دَعَا بِنَاقَتِهِ فَاَشْعَرَهَا فِيْ صَفْحَةِ سَنَامِهَا الْاَيْمَنِ وَسَلَتَ الدَّمَ عَنْهَا وَقَلَّدَهَا نَعْلَيْنِ ثُمَّ رَكِبَ رَاحِلَتَهٗ فَلَمَّا اسْتَوَتْ بِهٖ عَلَى الْبَيْدَاءِ اَهَلَّ بِالْحَجِّ - (رواہ مسلم)

ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے آپ نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مقام ذوالحلیفہ میں نماز ظہر ادا فرمائی پھر آپ نے اپنی اونٹنی مبارک منگوائی تو آپ نے اس کی کوہان کے دائیں جانب کا شعار فرمایا یعنی اسے نیزہ سے زخمی کیا اور اسکا خون پاک وصاف کیا اور اسکے گلے میں دو جوتے لٹکا دیئے پھر آپ اپنی ناقہ قصوی پہ سوار ہوئے جب وہ ناقہ آپ کو لے کر مقام بیداء میں پہنچی تو آپ نے حج کا تلبیہ کہا۔ (مسلم)

۱ ذو الحلیفہ اہل مدینہ کا میقات ہے۔ جیسا کہ مذکور ہوا۔
۲ حدیث میں لفظ صفح آیا ہے۔ صراح میں ہے صفحہ انسان (وغیرہ) کے پہلو کو کہتے ہیں۔
۳ حدیث میں لفظ قَلَّدَ آیا ہے۔ جو تقلید سے مشتق ہے۔ صراح میں ہے تقلید بمعنیٰ کسی چیز کو قربانی کے جانور کے گلے میں ڈالنا۔ تاکہ وہ اس کے ہدی ہونے کی علامت قرار پائے۔ یہ زمانہ جاہلیت کی عادت تھی جو وہ کرتے تھے تاکہ لوگوں کو پتہ چل جائے کہ یہ ہدی و قربانی کا جانور ہے تاکہ کوئی اسے نہ مارے۔ اس طریقے کو اسلام میں بھی برقرار رکھا گیا کیونکہ اس کی غرض و مقصد درست ہے۔
۴ یہ ایک جگہ کا نام ہے۔
۵ واضح کہ اشعار کا معنیٰ ہے کوہان کی ایک جانب کو زخمی کرنا یہاں تک کہ اس سے خون بہنا شروع ہو جائے یہ لفظ شعور سے مشتق ہے بمعنیٰ علم یعنی تاکہ لوگ جان لیں کہ یہ ہدی ہے۔ اور دوسرے جانوروں سے رل مل جانے کے وقت وہ ممتاز و جدا نظر آئے۔ اور گم ہونے کی صورت میں اس کی شناخت ہو سکے۔ اور تاکہ اس کے مارنے وغیرہ سے لوگ باز رہیں۔ اور اگر وہ ہلاک ہو جائے تو اسے صرف فقراء ہی کھائیں۔ بکری کو اشعار نہ کرنے میں سب کا اتفاق ہے کیونکہ یہ کمزور جانور ہے۔ بکری کو اشعار نہ کرنے کی دوسری وجہ یہ ہے کہ اگر اسے زخمی کیا جائے گا تو وہ زخم اس کے بالوں میں چھپ جائے گا۔ لہٰذا بکری کے گلے میں جوتا وغیرہ لٹکا دینا کافی ہے۔ پھر اشعار جمہور ائمہ کے نزدیک سنت ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ سے ایک روایت یہ ہے کہ تقلید مستحب ہے۔ اور اشعار مکروہ ہے کیونکہ یہ مثلہ یعنی شکل بگاڑنا ہے اور ایک بے زبان حیوان کو عذاب دینا ہے۔ جو حرام ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مجبوری کے تحت اشعار کیا کہ مشرکین اشعار کے بغیر اس جانور کو چھیڑنے سے باز نہ آتے تھے۔ لوگوں نے اس بارے میں بہت پیچ و تاب کھایا ہے۔ چنانچہ کچھ کہنے والوں نے یہ کہا ہے کہ اشعار کو تسلیم نہ کرنا احادیث صحیحہ کے خلاف ہے۔ کیونکہ اشعار میں احادیث وارد ہوئی ہیں اور یہ شکل بگاڑنا نہیں بلکہ یہ فصد چھوڑنے سنگی لگانے ختنہ کرنے اور داغنے کے حکم میں ہے جو کہ مصلحت و ضروریات کے تحت کیا جاتا ہے۔ یہ جواب کوئی اہمیت نہیں رکھتا کہ مشرکین اشعار کے بغیر جانور کو چھیڑنے سے باز نہ آتے تھے۔ کیونکہ اسلام قوت و شوکت پکڑ چکا تھا۔ صحابہ کرام اس قدر کثرت اختیار کر چکے تھے کہ ان کا شمار کرنا مشکل ہو چکا تھا۔ قوم کے درمیان یہ کلام بہت مشہور ہو چکا ہے۔
علماء کرام نے یہ بھی کہا ہے کہ حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا اشعار کو مکروہ قرار دینا اپنے زمانہ کے اعتبار سے تھا کیونکہ اس زمانہ میں لوگ اشعار کرنے میں مبالغہ کرتے تھے (جانور کو زیادہ زخمی کر دیتے تھے) اس حد تک کہ اس سے یہ خطرہ لاحق ہو جاتا تھا کہ زخم جسم میں سرایت کر جائے اور کسی عضو کو ہی نقصان پہنچائے۔ اس نقصان کے اندیشے کے تحت احرام میں صرف تقلید کو کافی قرار دیا گیا۔ کیونکہ مقصد تقلید (گلے میں جوتا وغیرہ لٹکانے) سے پورا ہو جاتا ہے

اشعار کی کوئی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ یہ مطلب نہیں کہ حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ سرے سے اشعار کو ہی مکروہ و ناجائز قرار دیتے ہیں اور صرف تقلید کو درست قرار دیتے ہیں۔ دوسری بات یہ بھی ہے کہ حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں لوگ اشعار کو ترک کر چکے تھے اور جو لوگ کرتے تھے وہ سخت قسم کا اشعار کرتے تھے۔ اور امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے زمانہ میں اشعار احرام کی علامت نہ رہی تھی۔ اس لیے آپ نے اشعار کو مکروہ قرار دیا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

امام تورپشتی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی توجیہ میں کافی کچھ تحریر کیا ہے جسے ہم نے اپنی شرح عربی میں نقل کیا ہے وباللہ التوفیق۔

وَعَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ اَهْدَى النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرَّةً اِلَى الْبَيْتِ غَنَمًا فَقَلَّدَهَا۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں ایک دفعہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیت اللہ شریف کی طرف ایک بکری بطور ہدی روانہ کی۔ تو اس کے گلے میں قلادہ ڈالا لیے اشعار نہ کیا۔ (بخاری و مسلم)

وَعَنْ جَابِرٍ رضی اللہ عنہ قَالَ ذَبَحَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ عَائِشَةَ بَقَرَةً يَوْمَ النَّحْرِ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی جانب سے عید بقر کے دن ایک گائے ذبح کی۔[1] (مسلم)

[1] شاید حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اجازت و اذن سے کیا۔ کیونکہ دوسرے کی جانب سے قربانی کرنا اس کی اجازت کے بغیر جائز نہیں۔

وَعَنْهُ قَالَ نَحَرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ نِسَآئِهٖ بَقَرَةً فِيْ حَجَّتِهٖ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی عورتوں کی طرف سے اپنے حج کے دوران ایک گائے ذبح[1] فرمائی۔ (مسلم)

[1] یہاں حدیث پاک میں واقع لفظ نحر ذبح کے معنیٰ میں ہے۔ کیونکہ نحر کا اصل معنیٰ نیزہ مارنے کا ہے جو کہ اونٹ کے ساتھ خاص ہے۔ مشہور یہ ہے کہ گائے سات افراد کی طرف سے کافی ہو جاتی ہے۔ البتہ امام مالک رضی اللہ عنہ کے نزدیک گائے تمام گھر کے افراد کی جانب سے کافی ہے۔ یہ حدیث امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل بن سکتی ہے۔ اگر سات سے زیادہ افراد کی طرف سے ذبح کی گئی ہو۔

وَعَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا فَتَلْتُ قَلَائِدَ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں

بُدْنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِيَدَيَّ ثُمَّ قَلَّدَهَا وَ اَشْعَرَهَا وَاَهْدَاهَا فَمَا حَرُمَ عَلَيْهِ شَيْءٌ كَانَ اُحِلَّ لَهٗ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

میں نے اپنے ہاتھوں سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدی کے اونٹوں[۱] کے ہار بٹے۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ انہیں پہنائے۔ اور ان کا اشعار کیا اور ان کی ہدی بھیجی[۲]۔ اس سے کوئی حلال چیز آپ پر حرام نہ ہوئی[۳]۔ (بخاری و مسلم)

۱؎ یہاں حدیث میں لفظ بدن آیا ہے۔ ب اور دال کے ضمہ سے اور دال کی جزم سے بھی روایت ہے۔ یہ بَدَنَۃ تینوں زبردں کے ساتھ کی جمع ہے۔ لفظ بَدَنَۃ اس کا واحد ہے۔

۲؎ یعنی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہمراہ مکہ شریف روانہ کیے یہ حج کی فرضیت کے سال اول کا واقعہ ہے جب کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ امیر الحاج بن کر تشریف لائے تھے۔

۳؎ یعنی صرف ہدی روانہ کرنے سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر احکام احرام جاری نہ ہوئے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ اس لیے فرمایا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا تک یہ بات پہنچی تھی کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ یہ کہتے ہیں جو شخص اپنی ہدی مکہ شریف روانہ کر دیتا ہے۔ اس پر ہر چیز حرام ہو جاتی ہے۔ جو محرم پر حرام ہو جاتی ہے۔ یہ حرمت ہدی کے حرم میں پہنچنے اور ذبح ہونے تک باقی رہتی ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے اس قول کی تردید فرمائی۔

وَعَنْهَا قَالَتْ فَتَلْتُ قَلَائِدَهَا مِنْ عِهْنٍ كَانَ عِنْدِيْ ثُمَّ بَعَثَ بِهَا مَعَ اَبِيْ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ہی روایت ہے فرماتی ہیں میرے پاس جو اون[۱] تھی میں نے اس سے ہدی کے ہار بٹے پھر انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے باپ[۲] کے ساتھ (مکے) بھیجا۔ (بخاری و مسلم)

۱؎ یہاں حدیث میں لفظ عِہن آیا ہے۔ (عین کی زیر ھا ساکن) یعنی رنگین اون۔

۲؎ یعنی سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ۔

وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ رضی اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَاٰى رَجُلًا يَسُوْقُ بَدَنَةً فَقَالَ ارْكَبْهَا فَقَالَ اِنَّهَا بَدَنَةٌ قَالَ ارْكَبْهَا وَيْلَكَ فِي الثَّانِيَةِ اَوِ الثَّالِثَةِ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو دیکھا کہ اپنے اونٹ کو ساتھ ساتھ چلا رہا ہے۔ آپ نے فرمایا اس پر سوار ہو جا۔ اس نے عرض کیا یہ تو ہدی کا اونٹ ہے (میں اس پر کس طرح سوار ہوں) حضور صلی اللہ علیہ وسلم

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

نے فرمایا تجھ پر افسوس اس پر سوار ہو جا۔ آپ نے دوبارہ یا سہ بارہ بھی ایسا ہی فرمایا۔ (بخاری و مسلم)

لے کہ میں تجھے کہتا ہوں کہ اس پر سوار ہو جا مگر تو عذر کرتا ہے۔

لے وہ جو آپ نے اس حدیث میں فرمایا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے تیسری بار بھی فرمایا۔ یہ تو اس روایت میں ہے۔ ایک روایت میں دو بار کا ذکر آیا ہے۔ علماء کرام کا اس میں اختلاف ہے کہ ہدی پر سوار ہونا جائز ہے یا نا جائز۔ کچھ لوگ اس امر کے قائل ہیں کہ ہدی کو سواری سے کوئی نقصان نہ پہنچے تو جائز ہے۔ ایک جماعت یہ کہتی ہے کہ سوار ہونے پر مجبور ہو تو درست ہے ورنہ نہیں۔ یہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کا قول مبارک ہے۔ اور حدیث میں واقع شخص کا معلوم نہیں کہ کیا حال تھا۔ واللہ اعلم۔

وَعَنْ اَبِي الزُّبَيْرِ رض قَالَ سَمِعْتُ جَابِرَ بْنَ عَبْدِاللّٰهِ سُئِلَ عَنْ رُكُوْبِ الْهَدْيِ فَقَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ ارْكَبْهَا بِالْمَعْرُوْفِ اِذَا اُلْجِئْتَ اِلَيْهَا حَتّٰى تَجِدَ ظَهْرًا۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابو زبیرؓ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے سنا آپ سے دریافت کیا گیا کہ ہدی پر سوار ہونا جائز ہے آپ نے فرمایا میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا معروفؓ طریقہ سے اس پر سوار ہو جا جب کہ تو سوار ہونے پر مجبورؓ ہو۔ یہاں تک کہ تجھے دوسری سواری میسر آ جائے۔ (مسلم)

لے آپ کا نام محمد بن مسلم ہے۔ آپ مکی تابعی ہیں بڑے وسیع العلم تھے۔

لے یعنی حد اعتدال تک سوار ہو اس میں افراط و تفریط نہ کر۔

لے اور تجھے اس کی حاجت و ضرورت ہو یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ الفاظ لفظ معروف کا بیان اور اس کی تشریح ہو۔

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ بَعَثَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سِتَّةَ عَشَرَ بَدَنَةً مَعَ رَجُلٍ وَّ اَمَّرَهٗ فِيْهَا فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ كَيْفَ اَصْنَعُ بِمَا اُبْدِعَ عَلَيَّ مِنْهَا قَالَ انْحَرْهَا ثُمَّ اصْبُغْ نَعْلَيْهَا فِيْ دَمِهَا ثُمَّ اجْعَلْهَا عَلٰى صَفْحَتِهَا وَلَا

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سولہ اونٹ ایک شخصؓ کے ہمراہ کہ معظمہ روانہ کیے اور اسے ان اونٹوں کا نگران اور امیر مقررؓ فرمایا۔ اس شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ ان اونٹوں میں سے جو اونٹ چلنے سے عاجزؓ آ جائے اسے کیا کروں۔ آپ نے فرمایا اسے ذبح کر دینا پھر اس کے دونوں پاؤں کو اس کے خون سے رنگؓ دینا

تَأْكُلْ مِنْهَا اَنْتَ وَلَا اَحَدٌ مِّنْ اَهْلِ رُفْقَتِكَ -
(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

پھر اس کے جوتے (پاؤں) کو اس کے ایک پہلو پر رکھ دینا۔ اس میں سے تو اور تیرا کوئی ساتھی نہ کھائے (مسلم)

۱؎ اس شخص کا نام ناجیہ بن جندب اسلمی تھا۔

۲؎ تاکہ ان کی نگہبانی کرے اور ان کی خبر گیری رکھے۔

۳؎ یہاں حدیث میں لفظ اُبدِعَ آیا ہے۔ جو ابداع سے نکلا ہے۔ بمعنی اونٹ کا چلنے سے عاجز آ جانا یا زیادہ بوجھ کی وجہ سے نہ چل سکنا۔ لفظ اُبدع ہمزہ کی پیش، باساکن دال کی زیر سے اس لفظ کی قدرے تحقیق ہے۔ جس کی شرح عربی زبان میں شرح کے اندر کر دی گئی ہے۔ مگر اس کا خلاصہ یہی ہے جو یہاں ذکر کر دیا گیا ہے۔

۴؎ یعنی اس اونٹ کے دونوں پاؤں اسکے خون میں رنگ کر اس کے گلے کا ہار بنا دینا۔

۵؎ یعنی ایک پاؤں کو یا دونوں پاؤں کو دونوں کو ایک پاؤں سے تعبیر کرنا بھی درست ہے۔ کیونکہ دونوں اپنے مقصد کے اعتبار سے گویا ایک ہیں۔ اسی لیے ایک دوسری حدیث میں جو دوسری فصل میں آ رہی ہے۔ نعل کا لفظ مفرد استعمال فرمایا باقی کوہان کے ایک پہلو پہ رکھنے کا مقصد یہ ہے کہ رہگذر لوگ جان لیں کہ یہ ہدی ہے۔ اسے فقرا ہی کھا سکتے ہیں اغنیا نہیں کھا سکتے۔ کیونکہ اغنیا کے لیے ہدی میں سے کھانا حرام ہے۔

۶؎ یعنی تیرے وہ رفیق جو سفر میں تیرے ساتھ ہوں فقیر ہوں یا غنی۔ فقرا کو بھی اس کے کھانے سے منع کرنے میں حکمت یہ ہے کہ سب کے دل سے طمع اور خیانت کو کاٹ دیا جائے۔ تہمت کو ان سے اٹھایا جائے۔ تاکہ ایسا نہ ہو کہ ایک شخص ہدی کو عاجز آنے پر اسے ذبح کرے اور اسے کھا جائے کہ ایسی خیانت درست نہیں۔ حدیث میں واقع لفظ رفقہ را کی پیش اور زیر دونوں طرح آیا ہے۔ اور فا ساکن ہے۔ یہ رفیق کی جمع ہے۔ بمعنی راستے کا ساتھی و رفیق۔ بعض نسخوں میں رفقہ کے ساتھ لفظ اہل نہیں ہے۔ لیکن صحیح روایت میں اس کا ثبوت موجود ہے۔ اہل اضافیت بیانی ہے علما کرام نے فرمایا ہے یہ ممانعت اس اونٹ کے بارے میں ہے۔ جو کسی نے اپنے اوپر لازم رکھا ہو۔ نفلی اونٹ سے کھا لینے میں کوئی حرج نہیں اگر یہ سوال کیا جائے کہ اگر کوئی انسان نہ کھائے تو جنگلی درندے کھائیں گے اور یہ مال کو ضائع کرنا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ان کے جانے کے بعد اہل دیہات آ جاتے ہیں اس میں سے کھاتے اور نفع اٹھاتے ہیں۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ کوئی قافلہ آ جاتا ہے۔ وہ اس سے فائدہ اٹھاتا ہے۔

وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ نَحَرْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَامَ الْحُدَيْبِيَةِ الْبَدَنَةَ عَنْ

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں ہم لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حدیبیہ کے سال ایک اونٹ سات افراد کی طرف

سَبْعَةٍ وَّالْبَقَرَةُ عَنْ سَبْعَةٍ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

ہے اور ایک گائے سات اشخاص کی طرف سے ذبح کی گئی۔ (مسلم)

لہ یعنی حدیبیہ کے سال جبکہ حضور علیہ السلام صحابہ کے ساتھ عمرہ کے لیے تشریف لائے اور حدیبیہ میں آپ کو روک دیا گیا کہ اس سال آپ مکے نہیں جا سکتے۔ یاد رہے بدنہ کا لفظ شافعی حضرات کے نزدیک اونٹ کے ساتھ خاص ہے۔ حنفیہ کے نزدیک گائے کو بھی بدنہ کہتے ہیں۔ یہ حدیث بظاہر شافعیہ کی تائید کرتی ہے کہ بدنہ کے مقابل گائے کا ذکر فرمایا باب الجمعہ میں بھی ایسا ہی آیا ہے۔ غالب واکثر ایسا ہی ہے۔ لیکن احناف یہ کہتے ہیں کہ یہاں اونٹ کے مقابلہ کی وجہ سے گائے کو الگ بیان کیا گیا ہے۔ ورنہ لفظ بدنہ اونٹ گائے اور بکری تینوں کو شامل ہے۔ جیسا کہ اہل لغت نے فرمایا ہے۔

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّهٗ اَتٰى عَلٰى رَجُلٍ قَدْ اَنَاخَ بَدَنَتَهٗ يَنْحَرُهَا قَالَ ابْعَثْهَا قِيَامًا مُّقَيَّدَةً سُنَّةَ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت ابن عمر ایک شخص کے پاس تشریف لائے جس نے اونٹ بٹھا کر اسے ذبح کرنا چاہا۔ آپ نے فرمایا اس کا پاؤں بندھا ہوا ہی لے کھڑا کر اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتلہ کو لازم پکڑ۔ (بخاری و مسلم)

لہ اونٹ میں سنت نحر ہے۔ نحر کا طریقہ یہ ہے کہ اونٹ کا بایاں پاؤں رسی سے باندھ دیا جائے اور اس کے سینہ کے بلند حصہ پر نیزہ مارا جائے۔ یہاں تک کہ خون بہنا شروع ہو جائے اور وہ گر پڑے۔ گائے اور بکری میں ذبح سنت ہے اونٹ میں بھی ذبح جائز ہے لیکن مذکورہ طریقہ پر اسے نحر کرنا سنت ہے۔

وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ اَمَرَنِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ اَقُوْمَ عَلٰى بُدْنِهٖ وَاَنْ اَتَصَدَّقَ بِلَحْمِهَا وَجُلُوْدِهَا وَاَجِلَّتِهَا وَاَنْ لَّا اُعْطِيَ الْجَزَّارَ مِنْهَا قَالَ نَحْنُ نُعْطِيْهِ مِنْ عِنْدِنَا۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ میں ہدی کے اونٹوں کے کاروبار کی خبر گیری کروں۔ اور مجھے حکم دیا کہ ان کا گوشت صدقہ کر دوں۔ اور ان کی جھل اور کجاوے بھی صدقہ کروں۔ اور نحر کرنے والے کو اس میں سے بطور اجرت کچھ نہ دوں حضور علیہ السلام نے فرمایا نحر کرنے والے اور کاٹ کر گوشت بنانے والے کو ہم اپنے پاس سے (اجرت) دیں گے۔

(بخاری و مسلم)

وَ عَنْ جَابِرٍ قَالَ کُنَّا لَا نَاْکُلُ مِنْ لُحُوْمِ بُدْنِنَا فَوْقَ ثَلٰثٍ فَرَخَّصَ لَنَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ کُلُوْا وَ تَزَوَّدُوْا فَاَکَلْنَا وَ تَزَوَّدْنَا۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں ہم لوگ اپنی قربانیوں کے گوشت سے تین دن سے زیادہ عرصہ نہ کھاتے تھے[۱] پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں رخصت وا جازت دے دی[۲] اور فرمایا کھاؤ اور ذخیرہ بناؤ[۳] تو ہم نے کھایا بھی اور ذخیرہ بھی بنایا[۴]۔ (بخاری ومسلم)

[۱] یعنی ہم لوگ تین دن تک قربانیوں کا گوشت خود کھاتے اور لوگوں میں بانٹتے تھے۔ تین دن سے زیادہ کے لیے اس کا ذخیرہ نہ کرتے تھے۔

[۲] یعنی تین دن سے زیادہ دن رکھنے کی اجازت دے دی۔

[۳] جب کہ ابتدائے اسلام میں غربت کی وجہ سے لوگوں کو ضرورت زیادہ تھی اس وجہ سے حکم دیا تھا کہ گوشت صدقہ کر دیا کریں جمع نہ کریں۔ اور تین دن سے زیادہ وقت اپنے پاس نہ رکھیں۔ اس کے بعد جب ضرورت و محتاجی جاتی رہی اور سب لوگ قربانی کرنے لگے تو تین دن سے زیادہ وقت رکھنے کی اجازت و رخصت مل گئی۔ اور فرما دیا گیا کہ تین دن سے زیادہ وقت قربانی کا گوشت ذخیرہ کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ جیسا کہ حضرت سلمہ بن الاکوع رضی اللہ عنہ کی حدیث میں آرہا ہے۔

[۴] ان ذبح کردہ جانوروں میں ضابطہ اور دستور یہ ہے کہ قربانی، دم تمتع اور دم قران میں سے کھایا جائے مگر دم جنایات میں سے نہ کھائے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

دوسری فصل

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَھْدٰی عَامَ الْحُدَیْبِیَّۃِ فِیْ ھَدَایَا رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ جَمَلًا کَانَ لِاَبِیْ جَھْلٍ فِیْ رَاْسِہٖ بُرَۃٌ مِّنْ فِضَّۃٍ وَّ فِیْ رِوَایَۃٍ مِّنْ ذَھَبٍ یَغِیْظُ بِذٰلِکَ الْمُشْرِکِیْنَ۔ (رَوَاہُ اَبُوْدَاؤدَ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیبیہ کے سال اپنی ہدیوں میں ایک اونٹ بھیجا جو کہ ابوجہل کا تھا اس اونٹ کی ناک میں چاندی کا ایک چھلا تھا۔ آپ اس کے ساتھ مشرکین کو غیظ و غضب دلاتے تھے۔

(ابوداؤد شریف)

سلہ جس میں مصر تھے (آپ کو عمرہ کے لیے کہ آنے سے روک دیا گیا تھا) یہ اونٹ بدر کے دن مال غنیمت کے طور پر مسلمانوں کے ہاتھ لگا تھا۔

سلہ یہاں حدیث میں لفظ بُرَہ آیا ہے با کی زبر را مخفف بمعنی اونٹ کی ناک میں پڑا ہوا چھلا اور حلقہ۔ یا اونٹ کی ناک کے گوشت میں جو حلقہ ڈالتے ہیں۔ جیسا کہ قاموس میں ہے۔

سلہ تاکہ مشرکین اسے مسلمانوں کے ہاتھ میں دیکھیں اور مسلمان اپنے ہاتھ سے اسے ذبح کریں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مشرکین و کفار کو غمگین کرنا انہیں غصہ دلانا مستحسن و مستحب امر ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے لِيَغِيظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ تاکہ مسلمانوں کی ترقی و قوت سے اللہ تعالیٰ کفار کو غیظ و غضب میں مبتلا کرے۔

وَعَنْ نَاجِيَةَ الْخُزَاعِيِّ قَالَ قُلْتُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ كَيْفَ اَصْنَعُ بِمَا عَطِبَ مِنَ الْبُدْنِ قَالَ انْحَرْهَا ثُمَّ اغْمِسْ نَعْلَهَا فِيْ دَمِهَا ثُمَّ خَلِّ بَيْنَ النَّاسِ وَبَيْنَهَا فَيَاْكُلُوْنَهَا۔ (رَوَاهُ مَالِكٌ وَالتِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَرَوَاهُ اَبُوْ دَاوُدَ وَالدَّارِمِيُّ عَنْ نَاجِيَةَ الْاَسْلَمِيِّ)

حضرت ناجیۃ الخزاعی[1] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا یا رسول اللہ ہدی کا جو اونٹ ہلاک ہو جائے اسے کیا کروں فرمایا اسے ذبح کر پھر اس کے کھر کو اس کے خون سے رنگ دے پھر اس کے اور لوگوں کے درمیان سے رکاوٹ دور کر دے تاکہ لوگ اسے کھائیں۔[2] اسے مالک، ترمذی اور ابن ماجہ نے روایت کیا اور ابوداؤد اور دارمی نے اسے حضرت ناجیۃ الاسلمی[3] رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔

سلہ آپ صحابی ہیں، ان کا نام ذکوان تھا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نام ناجیہ رکھا، آپ نے اپنی ہدی کے جانوران کے سپرد کر کے مکہ معظمہ روانہ کیا۔ جیسا کہ فصل اول میں گزرا۔ ہو سکتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے قریش سے نجات پانے کی وجہ سے ان کا نام ناجیہ رکھا ہو۔

سلہ یعنی فقراء لوگ کھائیں وہ لوگ نہ کھائیں جو سفر کے رفیق ہوں جیسا کہ گزرا۔

سلہ ظاہر یہ ہے کہ یہ اختلاف نسبت میں ہے ذات ایک ہے۔ کیونکہ صحابہ میں ناجیہ نام کے ایک ہی صحابی ہیں۔ کتابوں میں انہیں اسلمی کہا گیا ہے۔ مؤلف نے انہیں خزاعی کہا۔

وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ قُرْطٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ اَعْظَمَ الْاَيَّامِ عِنْدَ اللّٰهِ

حضرت عبداللہ بن قرط[1] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دنوں میں سب سے

يَوْمُ النَّحْرِ ثُمَّ يَوْمُ الْقَرِّ قَالَ ثَوْرٌ وَهُوَ الْيَوْمُ الثَّانِيْ قَالَ وَقُرِّبَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَدَنَاتٌ خَمْسٌ اَوْ سِتٌّ فَطَفِقْنَ يَزْدَلِفْنَ اِلَيْهِ بِاَيَّتِهِنَّ يَبْدَأُ قَالَ فَلَمَّا وَجَبَتْ جُنُوْبُهَا قَالَ نَتَكَلَّمَ بِكَلِمَةٍ خَفِيَّةٍ لَمْ اَفْهَمْهَا فَقُلْتُ مَا قَالَ قَالَ مَنْ شَاءَ اقْتَطَعَ۔
رَوَاهُ اَبُوْ دَاوُدَ وَذُكِرَ حَدِيْثَا ابْنِ عَبَّاسٍ وَجَابِرٍ فِيْ بَابِ الْاُضْحِيَّةِ

بڑا دن اللہ تعالیٰ کے نزدیک نحر (دسویں ذی الحجۃ) کا دن ہے پھر قر کا دن ثور راوی حدیث فرماتے ہیں گیارہویں ذوالحجۃ کا دن ہے۔ حضرت عبداللہ بن قرط رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ پانچ یا چھ اونٹ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب کیے گئے تو ان میں سے ہر ایک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک ہونے کی کوشش کرتا تھا کہ آپ پہلے اسے ذبح کریں۔ نحر کے بعد جب ان کے پہلو زمین پر گر گئے تو راوی کہتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آہستہ اور خفیہ کوئی کلمہ زبان مبارک سے ادا کیا جسے میں نہ سمجھ سکا۔ راوی کہتا ہے میں نے کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا کہا ہے۔ اس نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص چاہے ان میں سے گوشت کا ٹکڑا کاٹ لے۔ اسے ابو داؤد نے روایت کیا اور حضرت ابن عباس اور حضرت جابر رضی اللہ عنہما کی حدیث باب الاضحیہ میں ذکر کی گئی ہے۔

۞ ۞

۱؎ قرط قاف کی پیش را ساکن آخر میں طا مہملہ آپ صحابی ہیں۔ جاہلیت میں ان کا نام شیطان تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نام عبداللہ رکھا۔

۲؎ قر قاف کی زبر را مشددہ سے۔

۳؎ یعنی یوم القر روز نحر کا دوسرا دن ہے۔ اس نام کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ یہ لوگوں کے قرار پذیر ہونے کا دن ہے۔ مناسک وارکان حج) کی مشقت ادا کرنے کے بعد اس دن لوگ منیٰ میں سکون پذیر ہوتے اور آرام کرتے ہیں۔ مراد یہ ہے کہ عظیم القدر ایام میں سے نحر کا دن بھی ہے۔ ورنہ حدیث میں آیا ہے کہ سب سے افضل دن عرفہ کا دن ہے (نویں ذوالحجۃ) نحر کا دن بھی عظیم الشان دنوں میں سے ہے۔ جمعہ کے دن کے متعلق بھی آیا ہے کہ افضل دن ہے۔ لوگوں نے جمعہ اور عرفہ کی افضلیت میں اختلاف کیا ہے۔ بعض نے کہا ہفتہ کے ایام میں افضل جمعہ کا دن ہے۔ اور سال کے ایام میں سب سے افضل عرفہ کا دن واللہ اعلم۔

۴؎ اور ان کے جسم سرد ہو گئے۔

۵؎ اس شخص سے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا۔ اور بعض نسخوں میں اس طرح آیا ہے فَسَأَلْتُ الَّذِیْ یَلِیْهِ یعنی

میں نے اس سے دریافت کیا جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا۔
؎۶ یہاں سے بعض علماء نے یہ استدلال کیا ہے کہ مالک کی اجازت سے اس کی چیز لوٹ لینا جائز ہو جاتا ہے۔
؎۷ یعنی ان دونوں حضرات کی حدیث جو یہاں باب الہدی میں ذکر کی گئی ہے مصابیح میں باب الاضحیہ میں مذکور ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

عَنْ سَلَمَةَ بْنِ الْاَكْوَعِ ؓ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ ضَحّٰى مِنْكُمْ فَلَا يُصْبِحَنَّ بَعْدَ ثَالِثَةٍ وَّ فِيْ بَيْتِهٖ مِنْهُ شَيْءٌ فَلَمَّا كَانَ الْعَامُ الْمُقْبِلُ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ نَفْعَلُ كَمَا فَعَلْنَا الْعَامَ الْمَاضِيَ قَالَ كُلُوْا وَ اَطْعِمُوْا وَادَّخِرُوْا فَاِنَّ ذٰلِكَ الْعَامَ كَانَ بِالنَّاسِ جَهْدٌ فَاَرَدْتُّ اَنْ تُعِيْنُوْا فِيْهِمْ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت سلمہ بن الاکوع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے جو شخص قربانی کرے وہ تیسرے دن اس حال میں صبح نہ کرے کہ اس کے گھر میں اس کے گوشت میں سے کوئی چیز موجود ہو پھر جب اگلا سال آیا تو لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ہم لوگ اس سال بھی اسی طرح کریں جس طرح گزشتہ سال کیا تھا؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کھاؤ، کھلاؤ اور گوشت بطور ذخیرہ بھی رکھ لو کیونکہ گزشتہ سال لوگ مقروض احتیاج اور تنگ دستی میں تھے۔ تو میں نے چاہا کہ ان کو مدد اعانت کرو۔[۳] (بخاری ومسلم)

؎۱ آپ مشہور صحابی ہیں بہادر اور نامی گرامی تیر اندازوں میں سے ہوئے ہیں آپ سواروں کے ساتھ پاپیادہ جنگ کیا کرتے تھے اور ان سے سبقت لے جاتے تھے۔
؎۲ یعنی تین دن سے زیادہ وقت قربانی کا گوشت نہ رکھیں۔
؎۳ کہ لوگوں کو بھی کھلاؤ جب اس سال وہ محتاجی اور تنگی جاتی رہی تو ذخیرہ کرنے کی ممانعت بھی ختم ہو گئی اب اگر تم لوگ رکھو تو اس کی اجازت ہے۔

وَعَنْ نُبَيْشَةَ ؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّا كُنَّا نَهَيْنَاكُمْ عَنْ لُحُوْمِهَا اَنْ تَاْكُلُوْهَا فَوْقَ ثَلٰثٍ لِكَيْ تَسَعَكُمْ

حضرت نبیشہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہم تم کو تین روز سے زیادہ وقت قربانی کا گوشت رکھنے سے منع کیا کرتے تھے تاکہ تم پر فراخی اور کشادگی کے دن آجائیں[۲] تو اللہ تعالیٰ

جَآءَ اللّٰهُ بِالسَّعَةِ فَكُلُوْا وَادَّخِرُوْا وَائْتَجِرُوْا اَلَا وَاِنَّ هٰذِهِ الْاَيَّامَ اَيَّامُ اَكْلٍ وَّ شُرْبٍ وَّذِكْرِ اللّٰهِ۔ (رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ)

تم پر فراخی اور کشادگی سے آیا ہے تو کھاؤ اور ذخیرہ بناؤ اور اس کے ذریعہ اجر و ثواب کے طلب گار بنو۔ سنو بے شک یہ دن کھانے پینے اور ذکر خدا کے دن ہیں۔ (ابوداؤد)

۱؎ نبیشہ نون کی پیش با کی زبر یا ساکن اور شین معجمہ۔ آپ صحابی ہیں آپ کو نبیشہ الخیر کہتے ہیں۔

۲؎ تاکہ سب لوگوں کو گوشت کھانا میسر آ جائے۔

۳؎ حدیث میں واقع لفظ ائتجروا ہے یعنی اجر و ثواب طلب کرو۔ یہ تجارت سے مشتق نہیں ورنہ تا مشدد سے ہوتا۔ کہ قربانی کے گوشت کی تجارت جائز نہیں مطلب یہ ہے کہ اے لوگو صدقہ کرو لوگوں کو کھلاؤ شاید اس گوشت کے خود کھانے میں بھی اجر و ثواب ہے کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی مہمانی کے دن ہیں جیسا کہ خود آگے فرمایا۔

۴؎ یعنی منیٰ شریف میں قیام کے یہ دن کھانے پینے کے دن ہیں۔ یعنی جب کہ تم نے سارا سال ریاضت و مشقت اٹھائی تھا اب ان چند دنوں میں کہ تم نے حج کر لیا اور تمہاری مغفرت ہو گئی تو کھاؤ اور پیو اور اپنے آپ کو آرام و راحت پہنچاؤ۔ مگر اس کے باوجود خدا تعالیٰ کی یاد ضرور کرتے رہو۔ اس کے ذکر سے غافل نہ ہو۔ جیسا کہ فرمایا کہ یہ دن خدا تعالیٰ کی یاد کے دن بھی ہیں۔

بَابُ الْحَلْقِ

سر منڈانے کا باب

حلق کا معنی بال مونڈنے کا ہے۔ اس پر سب ائمہ کا اتفاق ہے کہ حاجی اور عمرہ کرنے والے کے لیے بال کٹانے کے بجائے منڈوانا افضل و بہتر ہے۔ مگر عورتوں کے لیے حلق کرنا حرام ہے۔ قصر کی نسبت بال مونڈنا اس لیے افضل ہے کہ قصر کرنے والا اپنے لیے کچھ نہ کچھ زینت باقی رکھتا ہے حالانکہ حاجی اور عمرہ کرنے والے کے لیے حکم ہے کہ زینت ترک کر دیں اور تذلل و انکسار کر کے رسوائے کار لائیں۔ قصر میں کم تر درجہ یہ ہے کہ تین انگل کی مقدار بال کٹائیں۔ حلق میں اتنی مقدار سے کفایت ہو جاتی ہے کہ چوتھا حصہ سر کا مونڈ ڈالیں۔ تاہم سارے سر کا حلق سنت کے زیادہ قریب ہے۔ جیسا کہ وضو میں سر کے مسح میں۔ اور حج و عمرہ کے علاوہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے حلق ثابت نہیں اور سارے بدن کے بال منڈانے میں تفصیل ہے۔ جو اپنی جگہ مذکور ہے۔ بہر اصل جواز میں کوئی اختلاف نہیں۔ مگر اولیٰ اور بہتر اس کا ترک ہے۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ
پہلی فصل

عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَلَقَ رَأْسَهٗ فِيْ حَجَّةِ الْوَدَاعِ وَ اُنَاسٌ مِّنْ اَصْحَابِهٖ وَ قَصَّرَ بَعْضُهُمْ۔
(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے دن سر کا حلق کیا اور بعض صحابہ کرام نے بھی۔ اور بعض صحابہ نے حلق نہ کیا بلکہ کچھ بال کٹوائے۔
(بخاری و مسلم)

لہ شرف متابعت حاصل کرنے کے لیے۔ نیز حلق کی فضیلت حاصل کرنے کے لیے۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے محلقین (سر منڈانے والوں) کے لیے چند بار دعا فرمائی۔

لہ رخصت و اجازت پر عمل کرتے ہوئے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دعا کے آخر میں قصر کرنے والوں کی درخواست پر ان کے لیے بھی دعا فرمائی تھی۔ جیسا کہ آگے حدیث میں آ رہا ہے۔

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ لِيْ مُعَاوِيَةُ اِنِّيْ قَصَّرْتُ مِنْ رَأْسِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عِنْدَ الْمَرْوَةِ بِمِشْقَصٍ۔
(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں مجھے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سر مبارک سے کچھ بال کاٹے تھے (ان کا قصر کیا تھا) مروہ کے پاس قینچی سے۔
(بخاری و مسلم)

لہ اس حدیث میں ایک اشکال ہے جو شرح کے اندر بیان کر دیا گیا ہے۔ یہاں حدیث میں لفظ مشقص آیا ہے۔ میم کی زیر ظین ساکن قاف کی زبر سے۔ یعنی چوڑا یا لمبا بھالا۔ یا تیر یہ بھالا اس میں ہوتا ہے۔ بعض نے کہا مشقص بمعنی جلم (قینچی) جیم کی زبر بعد میں لام یعنی وہ قینچی جس سے بال، اون اور اونٹ کے بال کاٹتے ہیں۔ یہ معنی زیادہ مناسب و زیادہ ظاہر ہے۔

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فِيْ حَجَّةِ الْوَدَاعِ اَللّٰهُمَّ ارْحَمِ الْمُحَلِّقِيْنَ قَالُوْا وَالْمُقَصِّرِيْنَ

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقعہ پر فرمایا اے اللہ سر منڈانے والوں پر رحمت فرما صحابہ نے عرض کیا اور قصر کرنے والوں پر بھی

يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ اللّٰهُمَّ ارْحَمِ الْمُحَلِّقِيْنَ قَالُوْا وَالْمُقَصِّرِيْنَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ وَالْمُقَصِّرِيْنَ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

یارسول اللہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یا اللہ سر منڈنے والوں پر رحمت فرما۔ صحابہ کرام نے عرض کیا اور مقصرین پر بھی فرمایا اور مقصرین پر بھی[1]

(بخاری و مسلم)

[1] جب کہ آپ احرام سے باہر نکلے۔

[2] یعنی صحابہ کرام کے دوبارہ عرض کرنے پر مقصرین کے لیے بھی دعا فرمائی۔ اور فرمایا یا اللہ اور مقصرین پر بھی رحم فرما۔ اس روایت میں آپ نے دوبار سر منڈانے والوں کے لیے دعا فرمائی۔ تیسری مرتبہ قصر کرنے والوں کو بھی ان کے ساتھ دعائے رحمت میں شامل فرمایا۔ ایک روایت میں آپ نے تین بار سر مونڈانے والوں کے لیے دعا رحمت فرمائی چوتھی مرتبہ قصر کرنے والوں کو دعائے رحمت میں شامل کیا۔

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حلق کرنے والوں کے لیے اور درخواست کرنے پر قصر کرنے والوں کے لیے حجۃ الوداع کے موقعہ پر دعا فرمائی۔ یہاں دو احتمال ہیں ایک یہ کہ یہ دعا عمرہ میں تھی جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو احرام سے باہر آنے کا حکم صادر فرمایا۔ یا یہ حکم آپ نے نحر کے دن دیا جب کہ صحابہ حج کے احرام سے باہر آگئے۔ بعض نے کہا ہے کہ حدیبیہ کا واقعہ ہے جب کہ مسلمانوں کو عمرہ کرنے سے روک دیا گیا۔ تو احرام سے باہر آگئے اور حلق فرمایا اور صحابہ کرام کو بھی حلق کرنے کا حکم صادر فرمایا صحابہ نے اس حکم کی بجا آوری میں توقف کیا۔ جیسا کہ باب الاحصار میں آرہا ہے۔ واللہ اعلم۔

وَعَنْ يَحْيَى ابْنِ الْحُصَيْنِ[1] عَنْ جَدَّتِهِ[2] اَنَّهَا سَمِعَتِ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ حَجَّةِ الْوَدَاعِ دَعَا لِلْمُحَلِّقِيْنَ ثَلٰثًا وَلِلْمُقَصِّرِيْنَ مَرَّةً وَّاحِدَةً[3]۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت یحیی بن الحصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ اپنی دادی سے روایت کرتے ہیں کہ بے شک اس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حجۃ الوداع میں سنا کہ آپ نے حلق کرنے والوں کے لیے تین مرتبہ دعا فرمائی اور مقصر کرنے والوں کے لیے ایک مرتبہ۔

(مسلم)

[1] ماں کی بیٹی سے۔ آپ سچے اور ثقہ تابعی ہیں۔

[2] آپ صحابیہ ہیں۔ آپ کی کنیت ام الحصین ہے رضی اللہ عنہا۔

[3] ظاہر حدیث یہ ہے کہ آپ نے تین بار اللہم ارحم المحلقین فرمایا پھر چوتھی بار فرمایا والمقصرین۔ یہ بھی احتمال ہے کہ آپ نے دو بار حلق کرنے والوں کے لیے دعا کی ہو۔ تیسری مرتبہ مقصرین کے لیے دعا کی ہو اور یوں فرمایا ہو والمقصرین یعنی

حلق کرنے والوں کے ساتھ قصر کرنے والوں پر بھی رحم فرما۔ یہ انداز بیان دونوں کے لیے دعا میں اشتراک ظاہر کرتا ہے۔ والمقصرین کا لفظ ارشاد فرمانے کا یہ کیا عجب موقعہ ہے کہ ان سے آپ کے حکم کی بجا آوری میں کوتاہی سرزد ہوئی اس وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا سے بھی محروم رہے۔

وَ عَنْ اَنَسٍؓ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَتٰی مِنًی فَاَتَی الْجَمْرَۃَ فَرَمَاھَا ثُمَّ اَتٰی مَنْزِلَہٗ بِمِنًی وَنَحَرَ نُسُکَہٗ ثُمَّ دَعَا بِالْحَلَّاقِ وَ نَاوَلَ الْحَالِقَ شِقَّہُ الْاَیْمَنَ فَحَلَقَہٗ ثُمَّ دَعَا اَبَا طَلْحَۃَ الْاَنْصَارِیَّ فَاَعْطَاہُ اِیَّاہُ ثُمَّ نَاوَلَ الشِّقَّ الْاَیْسَرَ فَقَالَ احْلِقْ فَحَلَقَہٗ فَاَعْطَاہُ اَبَا طَلْحَۃَ فَقَالَ اقْسِمْہُ بَیْنَ النَّاسِ۔
(مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منیٰ میں تشریف لائے اور جمرہ عقبہ کے پاس پہنچے تو اسے رمی کی[۱] پھر آپ منیٰ میں اپنی جائے قیام میں آئے اور اپنی قربانی ذبح فرمائی۔ پھر سر تراشنے والے کو طلب فرمایا[۲] اور دایاں حصہ اس کے آگے کیا تو اس نے آپ کے سر کا دایاں حصہ مونڈ ڈالا۔ پھر آپ نے حضرت ابو طلحہ انصاری[۳] رضی اللہ عنہ کو بلایا اور اس حصہ کے بال اس کو عطا فرمائے۔ پھر آپ نے اپنے سر کا بایاں حصہ اس کے آگے کیا اور فرمایا۔ اسے بھی مونڈ۔ اس نے اسے بھی مونڈا۔ تو وہ بال بھی حضرت ابو طلحہ کو عطا فرمائے پس فرمایا۔ یہ بال لوگوں میں تقسیم کر دے[۴]۔

(بخاری و مسلم)

[۱] یوم نحر کے دن کا واقعہ ہے۔ جب کہ آپ مزدلفہ سے منیٰ تشریف لائے۔

[۲] ان کا نام معمر بن عبداللہ ہے۔ قرشی عدوی ہیں۔ اور قدیم الاسلام ہیں۔ امام احمد کی روایت میں آیا ہے کہ جب حضرت معمر حاضر ہوئے اور ہاتھ میں استرہ پکڑا اور حضور انور کے سر اقدس پر کھڑے ہوئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے معمر تجھے اللہ کے رسول نے اپنے کان کے دونوں پر تصرف و قدرت دی ہے اور تیرے ہاتھ میں استرہ ہے مطلب یہ ہے کہ ہوشیار ہو اور اس نعمت کی قدر پہچان حضرت معمر نے عرض کیا بے شک یہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں سے ہے۔ اور یہ اس کا مجھ پر احسان ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں ایسا ہی ہے۔

[۳] اس حدیث کا ظاہر اس امر کو واضح کرتا ہے معتبر ابتداء اس کے دائیں حصے کی ہے جس کا سر مونڈا جا رہا ہو بعض حضرات مونڈنے والے کی دائیں جانب مراد لیتے ہیں۔

[۴] جو کہ مشاہیر صحابہ کرام میں سے ہیں یہی وہ صحابی ہیں جنہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی لحد مبارک کھودی تھی

آپ حضرت ام سلیم کے خاوند ایں جو کہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی والدہ ہیں۔ اسی وجہ سے بعض روایتوں میں آیا ہے کہ بال مبارک ام سلیم کو دیے۔

۵ تو ہر شخص کو ایک یا دو موئے مبارک حصے میں آئے گویا ایک شاعر نے اپنے بیت میں اسی جانب اشارہ کیا ہے۔ بیت۔

مرا ز زلف تو موئے بسنداست فضول میکنم بوئے بسنداست

ترجمہ مجھے تیری زلف کا ایک ہی بال کافی ہے میں نے یہ بے کار بات کہہ دی مجھے اس کی صرف خوشبو ہی کافی ہے اسی طرح آپ نے ناخن مبارک ترشوا کر وہ بھی حاضرین میں تقسیم کیے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل مبارک کی برکتیں آج تک باقی ہیں کہ ان کا تذکرہ باقی ہے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود شریف کے اجزا کی یادداشت موجود ہے۔ گویا شاعر نے جو کہا کہ خوشبو ہی کافی ہے اس سے یہی مراد ہے۔

وَ عَنْ عَائِشَةَ رضی قَالَتْ كُنْتُ أُطَيِّبُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ قَبْلَ اَنْ يُّحْرِمَ وَيَوْمَ النَّحْرِ قَبْلَ اَنْ يَّطُوْفَ بِالْبَيْتِ بِطِيْبٍ فِيْهِ مِسْكٌ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کے احرام باندھنے سے پہلے خوشبو لگایا کرتی تھی اور نحر کے دن بھی پہلے اس سے کہ آپ بیت اللہ کا طواف کریں[1]، خوشبو لگاتی تھی۔ ایسی خوشبو جس میں کستوری ملی ہوتی تھی[2] (بخاری و مسلم)

[1] یعنی قبل اس کے کہ آپ حلق کریں یا احرام کے علاوہ دوسرے کپڑے پہنیں۔

[2] علماء کرام نے فرمایا ہے احرام کی خوشبوئیں اولیٰ و افضل مشک و گلاب ہے۔ جن کی خوشبو ہوتی ہے رنگ نہیں ہوتا۔ پھر نحر کے دن احرام سے باہر آ جاتے ہیں اور عورتوں کے سوا باقی تمام چیزیں جائز ہو جاتی ہیں۔ پھر طواف کے بعد عورتیں بھی حلال ہو جاتی ہیں۔

وَ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَفَاضَ يَوْمَ النَّحْرِ ثُمَّ رَجَعَ فَصَلَّى الظُّهْرَ بِمِنًى۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نحر کے دن طواف افاضہ فرمایا پھر واپس لوٹے اور منیٰ میں آکر نماز ظہر ادا فرمائی[1]۔ (مسلم)

[1] مگر حضرت جابر و حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں ہے کہ آپ نے ظہر کی نماز مکہ معظمہ میں ادا فرمائی۔ ان دو حدیثوں میں تعارض پایا جاتا ہے۔ رفع تعارض کے لیے ایک حدیث کو دوسری پر ترجیح دی گئی ہے۔ حضرت جابر و عائشہ کی

حدیث افراد مسلم اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث صحیحین میں ہے اور متفق علیہ ہے۔ اگرچہ یہاں صرف مسلم سے ان کی حدیث لائے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ — دوسری فصل

عَنْ عَلِیٍّ وَ عَائِشَۃَ قَالَا نَھٰی رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنْ تَحْلِقَ الْمَرْاَۃُ رَأْسَھَا۔ (رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ)

حضرت علی اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے۔ دونوں فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورت کو سر منڈانے سے منع فرمایا۔ (ترمذی)

وَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَیْسَ عَلَی النِّسَآءِ الْحَلْقُ اِنَّمَا عَلَی النِّسَاءِ التَّقْصِیْرُ۔ (رَوَاہُ اَبُوْ دَاوٗدَ وَالدَّارِمِیُّ وَ ھٰذَا الْبَابُ خَالٍ عَنِ الْفَصْلِ الثَّالِثِ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عورتوں پر حلق نہیں۔ بلکہ ان پر صرف قصر کرانا ہے (ابوداؤد اور دارمی) اور یہ باب تیسری فصل سے خالی ہے۔

گزشتہ مضمون کے تتمات و لواحقات کا باب

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ — پہلی فصل

عَنْ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَقَفَ فِیْ حَجَّۃِ الْوَدَاعِ بِمِنًی لِلنَّاسِ یَسْاَلُوْنَہٗ فَجَآءَہٗ رَجُلٌ فَقَالَ لَمْ اَشْعُرْ فَحَلَقْتُ قَبْلَ اَنْ اَذْبَحَ

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حجۃ الوداع کے دن منیٰ میں سب کھڑے ہوئے لوگ آپ سے مسائل دریافت کرتے تھے تو ایک شخص آپ کی خدمت میں آیا اور عرض کی میں نہ سمجھ سکا میں نے پہلے حلق کیا پھر قربانی کی ہے۔ فرمایا ایسا کرنے سے بھی

فَقَالَ اذْبَحْ وَلَا حَرَجَ فَجَآءَ اٰخَرُ فَقَالَ لَمْ اَشْعُرْ فَنَحَرْتُ قَبْلَ اَنْ اَرْمِیَ فَقَالَ ارْمِ وَلَا حَرَجَ فَمَا سُئِلَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ عَنْ شَیْءٍ قُدِّمَ وَلَا اُخِّرَ اِلَّا قَالَ افْعَلْ وَلَا حَرَجَ مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ

وَفِیْ رِوَایَةٍ لِّمُسْلِمٍ اَتَاهُ رَجُلٌ فَقَالَ حَلَقْتُ قَبْلَ اَنْ اَرْمِیَ قَالَ ارْمِ وَلَا حَرَجَ وَاَتَاهُ اٰخَرُ فَقَالَ اَفَضْتُ اِلَی الْبَیْتِ قَبْلَ اَنْ اَرْمِیَ قَالَ ارْمِ وَلَا حَرَجَ۔

کوئی حرج نہیں۔ پھر آپ کی خدمت میں ایک دوسرا شخص آیا اور عرض کی مجھے خیال نہیں رہا اور میں نے رمی کرنے سے پہلے قربانی کرلی ہے۔ آپ نے فرمایا اس طرح کرنے میں بھی کوئی حرج نہیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی کام کے بارے میں سوال نہ کیا گیا جو اپنی جگہ سے پہلے کیا گیا یا اپنے وقت سے موخر کیا گیا مگر آپ نے یہی فرمایا ایسا کرلو کہ ایسا کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ (بخاری و مسلم)

اور مسلم شریف کی ایک روایت میں اس طرح ہے کہ آپ کی خدمت میں ایک شخص آیا اور عرض کی میں نے رمی کرنے سے پہلے حلق کرلیا ہے۔ فرمایا رمی کرو کہ اس میں بھی کوئی حرج نہیں۔ اور ایک دوسرا شخص آیا اور کہا میں نے رمی کرنے سے پہلے طواف افاضہ (طواف زیارت) کرلیا ہے[۳]۔ آپ نے فرمایا رمی کرلے اور کوئی حرج نہیں۔

[۱] یعنی آپ لوگوں کے لیے کھڑے ہوئے۔ (ٹھہرے) لوگ آپ سے مسائل اور احکام دریافت کرتے۔ اور اپنے شکوک و شبہات دور کرتے تھے۔

[۲] حالانکہ پہلے قربانی پھر حلق کرنا چاہیے۔

[۳] یہاں دو تین درجے تقدیم و تاخیر پائی جاتی ہے۔

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍؓ قَالَ کَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یُسْئَلُ یَوْمَ النَّحْرِ بِمِنًی فَیَقُوْلُ لَا حَرَجَ فَسَاَلَهٗ رَجُلٌ فَقَالَ رَمَیْتُ بَعْدَ مَا اَمْسَیْتُ فَقَالَ لَا حَرَجَ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِیُّ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نحر کے دن منیٰ میں مختلف مسائل کے بارے میں سوالات کیے جاتے تھے تو آپ فرماتے تھے کوئی حرج و گناہ نہیں۔ ایک شخص نے آپ سے پوچھا میں نے شام کرنے کے بعد رمی کی ہے[۱] آپ نے فرمایا کوئی حرج نہیں[۲]۔ (بخاری شریف)

[۱] حالانکہ رمی کا وقت صبح ہے۔

؎۲ ائمہ کے نزدیک اگر غروب آفتاب تک رمی میں تاخیر کرے تو دم لازم آتا ہے یہاں شام سے مراد عصر کے بعد شام کے قریب کا وقت ہے۔ احناف کے نزدیک اگر رمی رات کو بھی کرے تو کچھ لازم نہیں آتا اور اگر کل تک تاخیر کرے تو دم لازم آتا ہے۔ واضح ہو کہ یوم نحر کے چار افعال ہیں رمی، ذبح، حلق اور طواف۔ علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ یہ ترتیب سنت ہے یا واجب۔ اکثر علماء اس پر ہیں اور شافعی و احمد ان میں سے ہیں کہ ترتیب سنت ہے وہ اس حدیث کو دلیل بناتے ہیں۔ علماء کی ایک جماعت کہ امام ابوحنیفہ اور امام مالک بھی اُن میں سے ہیں یہ فرماتے ہیں کہ یہ ترتیب واجب ہے وہ یہ بھی فرماتے ہیں کہ نفی حرج سے جہالت اور نسیان کی وجہ سے گناہ کا لازم نہ آنا مراد ہے لیکن ترتیب بدلنے سے دم ضرور لازم آتا ہے۔ علامہ طیبی نے کہا کہ حضرت ابن عباس نے اس حدیث کی مثل روایت کی ہے اور دم کو واجب قرار دیا ہے تو اگر حضرت ابن عباس حدیث سے یہ معنٰی نہ سمجھتے تو اس کے خلاف حکم نہ کرتے۔ واللہ اعلم۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ — دوسری فصل

عَنْ عَلِیٍّ قَالَ اَتَاہُ رَجُلٌ فَقَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اِنِّیْ اَفَضْتُ قَبْلَ اَنْ اَحْلِقَ قَالَ احْلِقْ اَوْ قَصِّرْ وَلَا حَرَجَ وَجَآءَ اٰخَرُ فَقَالَ ذَبَحْتُ قَبْلَ اَنْ اَرْمِیَ قَالَ ارْمِ وَلَا حَرَجَ۔ (رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ)

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس ایک شخص آیا اور کہا یا رسول اللہ میں نے حلق کرنے سے پہلے طواف افاضہ کر لیا ہے تو آپ نے اُس سے فرمایا کہ حلق کر یا قصر کر کوئی حرج نہیں؎۱ پھر ایک اور شخص آیا اور کہا میں نے رمی کرنے سے پہلے قربانی کر لی ہے فرمایا رمی کر لے اور کوئی حرج؎۲ نہیں۔ (ترمذی)

؎۱ جب کہ حضور علیہ السلام نے ترتیب میں اُس کے لیے آسانی مہیا کی تو اُسے مزید یہ اجازت بھی دے دی کہ اگر تو حلق نہ کرے تو قصر پر اکتفا کرنا بھی جائز ہے۔

؎۲ یہ دو صورتیں گزشتہ احادیث میں مذکور نہیں ہوئیں۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ — تیسری فصل

عَنْ اُسَامَۃَ بْنِ شَرِیْکٍ قَالَ خَرَجْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ حَاجًّا فَکَانَ

حضرت اسامہ بن شریک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حج کے لیے نکلا لوگ آپ کے پاس آتے تھے تو کوئی کہنے

النَّاسُ يَأْتُوْنَهٗ فَمِنْ قَائِلٍ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ سَعَيْتُ قَبْلَ اَنْ اَطُوْفَ اَوْ اَخَّرْتُ شَيْئًا اَوْ قَدَّمْتُ شَيْئًا فَكَانَ يَقُوْلُ لَا حَرَجَ اِلَّا عَلٰى رَجُلٍ اقْتَرَضَ عِرْضَ مُسْلِمٍ وَّهُوَ ظَالِمٌ فَذٰلِكَ الَّذِيْ حَرِجَ وَهَلَكَ۔

(رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ)

والا کہتا یا رسول اللہ میں نے طواف سے پہلے سعی کرلی یا کوئی رکن پیچھے کردیا یا آگے کرلیا اس پر آپ فرماتے تھے کہ کوئی حرج نہیں ہاں حرج اُس شخص پر ہے جو ظلم کرتے ہوئے کسی مسلمان کی آبروریزی کرے[۲] کہ یہ وہ شخص ہے جو نقصان میں پڑا اور ہلاک ہوگیا۔

(ابوداؤد)

[۱] شین کی زبر را کی زیر سے آپ صحابی ہیں۔ کوفے میں قیام فرمایا ان کی حدیث کوفیوں میں شمار ہوتی ہے۔

[۲] یعنی کسی کی غیبت کرے یا توہین وغیرہ کرے یہاں حدیث میں لفظ عرض آیا ہے عین کی زیر سے۔ صراح میں ہے عرض بمعنیٰ عزت وآبرو۔ قاموس میں ہے عرض بمعنیٰ مقام مدح وذم خواہ انسان کی ذات میں ہو یا اُس کے باپ میں یا ہر اُس چیز میں جو اُس کے لیے ضروری ہو اور جس پر وہ اپنی عزت، و شرافت میں سے فخر کرتا ہو اور جسے نقص وعیب سے بچاتا ہو۔ ایسا شخص ناحق دوسرے کو تکلیف پہنچاتا ہے کسی صحیح دینی غرض کے لیے نہیں کرتا جیسے راویوں پر جرح یا گمراہوں کو فاسق کہنا یا ان کی تکذیب کرنا وغیرہ۔ تو یہ شخص گنہگار ہے اور گناہ کی وجہ سے اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈال رہا ہے۔ یاد رہے کہ حدیث میں واقع لفظ حرج را کی زیر سے بروزن کتف ہے۔

بَابُ خُطْبَةِ يَوْمِ النَّحْرِ

باب خطبہ یوم نحر اور ایام تشریق میں رمی کرنا اور طواف وداع کرنا۔

خطبہ خطب سے بنا ہے خا اور طا کی زبر سے بمعنیٰ شان اور وہ کام جس میں گفتگو واقع ہو۔ خطبہ کلام ایسے کلام کو کہتے ہیں جو نثر بھی ہو اور مسجع بھی ہو جیسا کہ قاموس میں آیا ہے۔ یہ لفظ خطاب کرنے کے معنیٰ میں بھی آتا ہے عرف میں اس کا غالب استعمال پند ونصیحت کے کلام کے لیے ہوتا ہے۔ جیسا کہ لفظ خطبہ خا کی زیر سے عورت کی طلب کے لیے استعمال ہوتا ہے یعنی اُس کی منگنی کی طلب کے لیے ایام تشریق یوم نحر کے بعد کے تین دنوں کو کہتے ہیں۔ اصل میں لفظ تشریق کا معنیٰ

ہے گوشت خشک کرنا کیونکہ منیٰ میں قربانی کے گوشت ان دنوں میں خشک کیے جاتے تھے اس لیے ان دنوں کو ایام تشریق کہتے ہیں اور اس بناء پر بھی ایام تشریق کہتے ہیں کہ قربانیاں طلوع آفتاب کے وقت کرتے تھے سورج کی روشنی چمکنے کے بعد حدیث میں آیا ہے کہ جس نے سورج چمکنے سے پہلے جانور ذبح کر لیا وہ اپنی قربانی دوبارہ کرے۔ عنوان میں واقع لفظ تودیع سے مراد طواف کے ساتھ خانہ کعبہ کو وداع کرنا ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے لوگوں کو خانہ کعبہ کے طواف کے بعد وداع فرمایا اس لیے حضور علیہ السلام کے حج کا نام حجۃ الوداع رکھا گیا۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

پہلی فصل

عَنْ اَبِیْ بَکْرَۃَ قَالَ خَطَبَنَا النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَوْمَ النَّحْرِ قَالَ اِنَّ الزَّمَانَ قَدِ اسْتَدَارَ کَھَیْئَتِہٖ یَوْمَ خَلَقَ اللّٰہُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ السَّنَۃُ اثْنَا عَشَرَ شَھْرًا مِّنْھَا اَرْبَعَۃٌ حُرُمٌ ثَلٰثٌ مُّتَوَالِیَاتٌ ذُوالْقَعْدَۃِ وَذُوالْحَجَّۃِ وَالْمُحَرَّمُ وَرَجَبُ مُضَرَ الَّذِیْ بَیْنَ جُمَادٰی وَشَعْبَانَ وَقَالَ اَیُّ شَھْرٍ ھٰذَا قُلْنَا اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ فَسَکَتَ حَتّٰی ظَنَنَّا اَنَّہٗ سَیُسَمِّیْہِ بِغَیْرِ اِسْمِہٖ فَقَالَ اَلَیْسَ ذَاالْحَجَّۃِ قُلْنَا بَلٰی قَالَ اَیُّ بَلَدٍ ھٰذَا قُلْنَا اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ فَسَکَتَ حَتّٰی ظَنَنَّا اَنَّہٗ سَیُسَمِّیْہِ بِغَیْرِ اِسْمِہٖ قَالَ اَلَیْسَ الْبَلْدَۃَ قُلْنَا بَلٰی قَالَ فَاَیُّ یَوْمٍ ھٰذَا قُلْنَا

حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں عید بقر کے دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو خطبہ دیا فرمایا کہ زمانہ گھوم کر پھر اپنی اس دن کی حالت پر آگیا جس پر اللہ تعالیٰ نے اُسے زمین و آسمان بنانے کے دن کیا تھا۔ سال بارہ مہینے کا ہے جن میں سے چار مہینے عزت و حرمت والے ہیں۔ تین تو مسلسل ہیں یعنی ذلیقعدہ۔ ذالحجہ، محرم اور چوتھا قبیلہ مضر کا ماہ رجب جو دو جمادوں اور شعبان کے درمیان ہے اور فرمایا یہ کونسا مہینہ ہے ہم نے عرض کیا اللہ و رسول بہتر جانتے ہیں۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم خاموش رہے۔ یہاں تک کہ ہم نے گمان کیا کہ حضور علیہ السلام اُس کے نام کے سوا کوئی اور رکھیں گے تو فرمایا کیا یہ ذالحجہ نہیں ہے ہم نے عرض کیا ہاں فرمایا یہ کونسا شہر ہے۔ ہم نے عرض کیا اللہ و رسول بہتر جانتے ہیں آپ خاموش رہے یہانتک کہ ہم سمجھے کہ آپ اُس کے نام کے علاوہ کوئی اور نام رکھیں گے۔ فرمایا کیا یہ شہر مکہ معظمہ نہیں ہے ہم نے عرض کیا ہاں فرمایا اچھا یہ کونسا دن ہے ہم نے عرض کیا اللہ و رسول بہتر جانتے ہیں حضور خاموش رہے یہاں تک کہ

اَللّٰہُ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ فَسَکَتَ حَتّٰی ظَنَنَّا اَنَّہٗ سَیُسَمِّیْہِ بِغَیْرِ اِسْمِہٖ قَالَ اَلَیْسَ یَوْمَ النَّحْرِ قُلْنَا بَلٰی قَالَ فَاِنَّ دِمَآءَکُمْ وَ اَمْوَالَکُمْ وَ اَعْرَاضَکُمْ عَلَیْکُمْ حَرَامٌ کَحُرْمَۃِ یَوْمِکُمْ ھٰذَا فِیْ بَلَدِکُمْ ھٰذَا فِیْ شَھْرِکُمْ ھٰذَا وَسَتَلْقَوْنَ رَبَّکُمْ فَیَسْاَلُکُمْ عَنْ اَعْمَالِکُمْ اَلَا فَلَا تَرْجِعُوْا بَعْدِیْ ضُلَّالًا یَّضْرِبُ بَعْضُکُمْ رِقَابَ بَعْضٍ اَلَا ھَلْ بَلَّغْتُ قَالُوْا نَعَمْ قَالَ اَللّٰھُمَّ اشْھَدْ فَلْیُبَلِّغِ الشَّاھِدُ الْغَآئِبَ فَرُبَّ مُبَلَّغٍ اَوْعٰی مِنْ سَامِعٍ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)

ہمیں گمان ہوگیا کہ آپ اس کا کوئی اور نام رکھیں گے (اُس کے اصل نام کے سوا) فرمایا کیا یہ قربانی کا دن نہیں ہے۔ ہم نے کہا ہاں فرمایا تو تمہارے خون تمہارے مال تمہاری آبروئیں تم میں سے ایک دوسرے پر ایسی ہی حرام ہیں[۵] جیسے تمہارے اس دن کی حرمت تمہارے اس شہر اور اس مہینہ[۶] میں۔ عنقریب تم لوگ اپنے رب سے ملو گے[۷] وہ تم سے تمہارے اعمال کے متعلق پوچھے گا تو خبردار[۸] میرے بعد[۹] گمراہ ہوکر واپس گمراہی کی طرف لوٹ نہ جانا کہ تم میں سے بعض بعض کی گردنیں[۱۰] مارنے لگیں۔ خبردار رہو کیا میں نے تبلیغ کردی سب بولے ہاں فرمایا اے اللہ تو گواہ[۱۱] ہوجا لازم ہے کہ موجود اور حاضر لوگ غائبوں تک پہنچا دیں بہت سے پہنچائے ہوئے سننے والوں سے زیادہ یاد رکھنے والے ہوں گے۔ (بخاری و مسلم)

۱ با کی زبر کاف ساکن آپ مشہور صحابی ہیں۔

۲ یعنی سال بلا شک و شبہ اپنی حالت پر واپس لوٹ آیا۔ مطلب یہ ہے کہ اس کی بناوٹ اور اُس کا حساب پھر واپس آگئے جس پر کہ آسمانوں اور زمینوں کو اُس نے بنایا تھا۔

۳ یعنی اول پیدائش کے دن سے سال کے بارہ مہینے ہیں جیسا کہ قرآن مجید میں فرمایا ہے اِنَّ عِدَّۃَ الشُّھُوْرِ عِنْدَ اللّٰہِ اثْنَا عَشَرَ شَھْرًا فِیْ کِتٰبِ اللّٰہِ یَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ (بے شک اللہ کے نزدیک مہینوں کی گنتی بارہ مہینے ہے۔ اللہ کی کتاب میں جس دن سے اُس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا فرمایا ہے) حضور علیہ السلام کے کلام مبارک کا معنیٰ یہ ہے کہ عرب لوگ محرم کو صفر کے مہینے تک پیچھے کر دیتے تھے تاکہ اُس میں جنگ جاری رکھ سکیں ایسا وہ ہر سال کرتے تھے اور ہر سال سے ایک روز کی چوری کرتے تھے۔ یہاں تک کہ چند سالوں کے بعد ایک سال تیرہ مہینوں کا ہوجاتا تھا اور اسے کبیسۃ العرب کہتے ہیں۔ یہ سال جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حج ادا فرمایا اسی زمانے سے مخصوص تھا تو آپ نے فرمایا کہ زمانہ اپنی اصل حالت پر واپس آگیا اور محرم کا مہینہ اپنی اصل حالت پر آگیا۔ اسی طرح ہر مہینہ اپنی اصل حالت پر واپس آگیا۔ علماء فرماتے ہیں" اسی وجہ سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے حج کو مؤخر کیا تاکہ

آپ کا یہ قول ذالحجہ کے مہینے میں واقع ہوا جو کہ اس کا صحیح وقت ہے۔

۳ ان مہینوں کو حُرُم اس لیے کہتے ہیں کہ ان میں جنگ کرنا حرام ہے۔ لفظ حرم حرام کی جمع ہے۔

۵ قعدہ کاف کی زبر سے اور زیر بھی پڑھی گئی ہے قعدہ یعنی بیٹھ جانا اس مہینے میں عرب چونکہ سفر کرنے سے بیٹھ جاتے تھے اس لیے اس کا یہ نام رکھا گیا۔ ذالحجہ حا کی زیر سے وہ مہینہ جس میں حج کیا جاتا ہے۔ بعض کے نزدیک حا پر زبر بھی جائز ہے۔

۶ میم پر پیش ض پر زبر یعنی مضر بن نزار جو قبیلے کا باپ ہے۔ مضر اصل میں کھٹے دودھ کو کہتے ہیں۔ چونکہ مضر ایسے دودھ کو پسند کرتا تھا اور اسے بہت کھاتا تھا۔ اس لیے اس کا نام مضر پڑ گیا یا اس کے رنگ کی سفیدی کی وجہ سے اسے مُضر کہا گیا پھر رجب کی نسبت مضر کی طرف اس بنا پر کی گئی کہ وہ لوگ اس مہینے کی بڑی حفاظت کرتے تھے۔ یہ مہینہ جمادی الاخری اور شعبان کے درمیان ہے اس لیے فرمایا تاکہ اس مہینے کی شناخت اچھی طرح سے ہو جائے۔

۷ اس سوال سے بیان مقصود کی تمہید و تاسیس اور اسے ذہنوں میں اچھی طرح بٹھانا مقصود ہے۔

۸ صحابہ کرام کی عادت مبارک تھی کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سوال کرنے پر یہ کلام کرتے اور ادب کا اظہار کرتے تھے۔ اگرچہ آپ کے سوال کا جواب جان رہے ہوتے تھے۔ خصوصاً اس جگہ باوجودیکہ انہیں اس مہینے کا نام معلوم اور ان کے ذہنوں میں متعین تھا مگر انہوں نے یہی کہا کہ اللہ و رسول بہتر جانتے ہیں۔ شاید کہ وہ یہ خیال کرتے تھے کہ اس کے پوچھنے سے کوئی غرض متعلق ہے۔

۹ یہاں حدیث میں لفظ بلدہ آیا ہے لام کی جزم سے یعنی ہر شہر پھر غالب طور پر اس کا استعمال صرف مکہ معظمہ کے لیے ہونے لگا کیونکہ یہی شہر تمام شہروں سے کامل ۔ اور یہی شہر خیرات و برکات اور فضائل و کمالات کا جامع ہے گویا شہر صرف یہی ہے جیسا کہ لفظ بیت کعبہ کے ساتھ مخصوص ہے۔ لفظ بلدہ کا معنی لغت میں ٹھہرنا ہے۔

۱۰ کہ بے حق شرع کسی کی عزت پر ہاتھ نہیں ڈال سکتے۔

۱۱ یہ اُس کی حرمت و عزت کی تاکید ہے کہ یہ تینوں حرمت و احتیاط کا مقام ہیں۔ خصوصاً لوگوں کے اجتماع کے وقت

۱۲ اور اُس کی بارگاہ میں پہنچو گے۔

۱۳ یعنی دانا اور آگاہ رہو۔

۱۴ یعنی میرے دنیا سے جانے کے بعد گمراہوں میں سے نہ ہو جانا اور ایک روایت میں لفظ کفارا آیا ہے یعنی میرے بعد کافر نہ بن جانا۔

۱۵ یہ ضلالت جو گمراہی کی سب سے بڑی قسم ہے مقصود ظلم اور اس بات سے روکنا کہ خون مال اور عزت کی حرمت میں حد شرع سے نہ بڑھنا۔ اور اگر یہاں کفارا کی روایت کو لیا جائے تو اُس کی توجیہ میں چند وجہیں

بیان کی گئی ہیں ایک یہ کہ کفر کا لفظ ظلم کو حلال جاننے والے کے لیے ہے۔ یا کفر سے کفران نعمت اور حق اسلام کا ضائع کرنا مراد ہے۔ یا یہاں کفر کے نزدیک پہنچنا مراد ہے۔ کیونکہ حرام فعل کا ارتکاب کرنا انسان کو کفر تک پہنچا دیتا اور کفر کے نزدیک کر دیتا ہے یا اس سے مراد ہے کہ ان کے افعال خونریزی وغیرہ میں، کفار کے افعال کے مشابہ ہوں۔ بعض نے کہا کہ کفر سے ہتھیار پہننے مراد ہیں کیونکہ لفظ کفر ہتھیار پہننے کے معنی میں بھی آتا ہے۔ اس خطبے کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا دانا اور آگاہ رہو کہ کیا ایسا نہیں ہے کہ میں نے رسالت اور حکم شریعت لوگوں تک پہنچا نہیں دیا۔

۱۶ گواہ ہو جا کہ انہوں نے میرے احکام الٰہی پہنچانے کا اقرار کر لیا ہے تاکہ قیامت کے دن منکر نہ ہو جائیں اور نہ کوئی عذر پیش کر سکیں۔

وَعَنْ وَبَرَةَ قَالَ سَأَلْتُ ابْنَ عُمَرَ مَتٰى اَرْمِي الْجِمَارَ قَالَ اِذَا رَمٰى اِمَامُكَ فَارْمِهٖ فَاَعَدْتُ عَلَيْهِ الْمَسْاَلَةَ فَقَالَ كُنَّا نَتَحَيَّنُ فَاِذَا زَالَتِ الشَّمْسُ رَمَيْنَا۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

حضرت وبرہ[۱] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نے ابن عمر رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ میں کس وقت جمروں کی رمی کروں فرمایا جب تیرا امام رمی کرے تو تو بھی[۲] رمی کر میں نے ان سے یہ سوال دوبارہ کیا تو فرمایا ہم لوگ رمی کے وقت کا انتظار کیا کرتے تھے جب سورج ڈھل جاتا تو ہم رمی کرتے۔ (بخاری)

۱ؔ و کی زبر باکی زبر اور جزم سے آپ تابعین سے ہیں۔ ابن عمر اور سعید بن جبیر سے حدیث روایت کرتے ہیں۔

۲ؔ ظاہر یہ ہے کہ امام سے سلطان وقت یا امیر مراد ہے جو مناسک حج ادا کرنے میں سلطان وقت کا نائب ہوتا ہے لیکن امام کی اقتداء کرنے کی شرط یہ ہے کہ وہ علم میں زیادہ ہو اسی لیے علامہ طیبی نے اس کی یہی تفسیر کی ہے اور کہا ہے کہ اس کی اقتداء کر جو تجھ سے زیادہ علم والا ہو۔ اس کے بعد حضرت وبرہ نے فرمایا کہ میں نے یہ سوال دوبارہ حضرت عمر سے کیا تو انہوں نے اگلا جواب ارشاد فرمایا۔

وَعَنْ سَالِمٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّهٗ كَانَ يَرْمِي جَمْرَةَ الدُّنْيَا بِسَبْعِ حَصَيَاتٍ يُكَبِّرُ عَلٰى اِثْرِ كُلِّ حَصَاةٍ ثُمَّ يَتَقَدَّمُ حَتّٰى يُسْهِلَ فَيَقُوْمُ مُسْتَقْبِلَ الْقِبْلَةِ طَوِيْلًا وَّيَدْعُوْ وَيَرْفَعُ يَدَيْهِ ثُمَّ يَرْمِي الْوُسْطٰى بِسَبْعِ حَصَيَاتٍ يُكَبِّرُ كُلَّمَا رَمٰى

حضرت سالم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ حضرت ابن عمر سے روایت کرتے ہیں کہ بے شک حضرت ابن عمر سب سے قریبی[۱] جمرے کو سات کنکریوں سے رمی کرتے تھے۔ ہر کنکری کے پیچھے تکبیر کہتے تھے پھر آگے بڑھتے تھے یہاں تک کہ نرم زمین میں پہنچ جاتے[۲] تھے تو قبلہ کی طرف منہ کر کے دیر تک کھڑے[۳] رہتے تھے اور دعا کرتے اور دونوں ہاتھ اٹھاتے تھے۔ پھر

بِحَصَاةٍ ثُمَّ يَأْخُذُ بِذَاتِ الشِّمَالِ فَيُسْهِلُ وَيَقُومُ مُسْتَقْبِلَ الْقِبْلَةِ ثُمَّ يَدْعُوْ وَيَرْفَعُ يَدَيْهِ وَيَقُوْمُ طَوِيْلاً ثُمَّ يَرْمِيْ جَمْرَةَ ذَاتِ الْعَقَبَةِ مِنْ بَطْنِ الْوَادِيْ بِسَبْعِ حَصَيَاتٍ يُكَبِّرُ عِنْدَ كُلِّ حَصَاةٍ وَلَا يَقِفُ عِنْدَهَا ثُمَّ يَنْصَرِفُ فَيَقُوْلُ هٰكَذَا رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَفْعَلُهٗ ۔

(رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

درمیانی جمرے کو سات کنکریوں سے مارتے تھے ہر کنکری مارنے کے وقت تکبیر کہتے تھے پھر بائیں طرف کو ہوتے تھے یہاں تک کہ نرم زمین میں پہنچتے اور قبلے کی طرف منہ کر کے کھڑے ہوتے پھر دونوں ہاتھ اٹھاتے اور دیر تک کھڑے رہتے تھے پھر وادی کے نشیب سے جمرہ عقبہ کو سات کنکریوں سے مارتے تھے ہر کنکری کے ساتھ تکبیر کہتے تھے اور اس کے پاس کھڑے نہ ہوتے تھے۔ پھر آپ واپس مڑتے تو فرماتے تھے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ ایسا ہی کرتے تھے۔ (بخاری شریف)

سلہ جو کہ مسجد خیف کی جانب مکانات کے قریب تر ہے۔

سلہ یہاں حدیث میں لفظ یسہل آیا ہے یہ لفظ سہل سے بنا ہے۔ یعنی نرم زمین یہ حزن کی ضد ہے۔ حزن حا کی زیر زا ساکن یعنی پتھریلی زمین۔

سلہ علماء فرماتے ہیں اتنی دیر تک کھڑے رہتے تھے جتنی دیر میں انسان سورہ بقرہ پڑھ سکتا ہے۔ جیسا کہ پیچھے گزرا۔

سلہ واضح ہو کہ سنت اسی طرح واقع ہے کہ پہلے دو جمروں کی رمی کے ساتھ کھڑا ہونا چاہیے اور کافی دیر کھڑے ہو کر دعا میں مشغول رہنا چاہیے پھر آخری جمرے کو کنکریاں مارتے اور واپس لوٹ جاتے ہیں نہ کھڑے ہوتے ہیں نہ دعا کرتے ہیں اس کا راز شارع علیہ السلام کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ یاد رہے کہ حج کے بڑے بڑے ارکان و افعال سب کے سب ایسی عبادت ہیں جن کی حقیقت دریافت کرنے کے لیے عقل کے لیے کوئی راستہ نہیں۔ جمرہ اخیر کے پاس نہ کھڑے ہونا اور نہ دعا کرنا بھی اسی قبیلہ میں سے ہے۔ اسی لیے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسا ہی کرتے دیکھا ہے۔ بعض علماء نے فرمایا ہے کہ یہاں نہ کھڑے ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس دن بہت زیادہ مصروفیت ہوتی ہے مثلاً قربانی کرنا، سر منڈانا اور مکے شریف جا کر طواف افاضہ کرنا مگر یہ معنیٰ منیٰ کے ایام میں مفقود ہے۔ بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ جمرہ عقبہ کیونکہ راستے میں واقع ہے لہٰذا اس کے پاس کھڑے ہونا، ہجوم کا موجب اور راستہ تنگ کرنے کا باعث ہے اس سے گزرنے والوں کو تکلیف پہنچ سکتی ہے۔ بخلاف دوسرے دو جمروں کے کہ وہ راستے سے ہٹ کر واقع ہیں۔ درمیان میں واقع نہیں۔ بعض نے یوں کہا ہے کہ دعا عبادت کے ابتدا اور وسط میں ہوتی ہے نہ کہ بالکل آخر میں نیز دعا عبادت کے اندر افضل ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اکثر دعائیں نماز میں التحیات کے اندر سلام سے پہلے ہوتی تھیں

اور نماز سے باہر آنے کے بعد پہلے دو جمرے درمیان میں ہیں اس لیے ان میں دعا کی مگر جمرہ عقبہ کے بعد عبادت ختم ہو گئی کتاب ہدایہ میں اس وجہ کی جانب اشارہ آیا ہے شمنی نے بھی ایسا ہی کہا ہے۔ کتاب سفر السعادت میں بھی ایسا ہی ذکر کیا گیا ہے۔ تاہم یہ وجہ بھی ضعف و کمزوری سے خالی نہیں، کیونکہ عبادت سے فارغ ہونے کے بعد بھی دعا کرنا جائز و مشروع ہے کتنی ہی دعائیں اور اذکار نماز کے بعد منقول ہیں اسی طرح روزہ افطار کرنے کے بعد بھی دعا کا ذکر آیا ہے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ قبولیت دعا کے حالات میں سے ایک حالت فرض نماز کے بعد اور قرآن پاک کی تلاوت وغیرہ کے بعد بھی ہے۔
بندہ ضعیف اللہ تعالیٰ اس سے درگزر کرے اور معافی عطا فرمائے جبکہ اس عبادت سے مشرف ہوا تو اس کے دل میں بغیر کسی پیشگی غور و فکر کے بطریق الہام یہ نکتہ ڈالا گیا کہ اس جمرہ یعنی جمرہ عقبہ کے پاس نہ کھڑے ہونے کی وجہ (اور امید ہے کہ یہ وجہ ٹھیک ہی ہوگی) یہ ہے کہ اس جمرے کے پاس کھڑا نہ ہونے میں اس جانب اشارہ ہے کہ رب رحیم اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے جب بندے نے پہلے دو جمروں میں مجاہدہ کیا ریاضت و مشقت اٹھائی اور اس میں مبالغے سے کام لیا اور رحمت و دعا کے دروازے پر کھڑا ہوا، سوال کیا اور اپنی وسعت و طاقت کے مطابق حق خدمت ادا کیا تو اللہ تعالیٰ نے اس کے کام کو اس کے لیے آسان کر دیا اور اس کے لیے اپنے فضل و کرم کی بنا پر آسودگی و رحمت کو مباح کر دیا اور اس پر اپنی رحمت و عفو و مغفرت کا فیضان بہا دیا خاص کر اس عبادت میں کہ عبادت حج ہے جو کہ انتہائی رحمت کے آثار کی ثمر اور نتائج مغفرت میں سے ہے۔ جس طرح کہ عرفات شریف میں ایک بار ہی کھڑے ہونے سے اللہ تعالیٰ تمام گناہ بخش دیتا ہے۔ تو جمرہ عقبہ کو کنکریاں مارنے کے وقت گویا خدائے تعالیٰ نے یوں فرمایا اے میرے بندو تم نے بڑی مشقت اٹھائی بہت مجاہدہ کیا اب ایک گھڑی کے لیے آرام کرلو اور آسودہ ہو جاؤ کہ میں نے تمہارے گناہوں کو بخش دیا اور میں نے تم پر اپنی رحمت کر دی۔ میں نے اکابر علمائے مکہ معظمہ کے سامنے ایک مجلس میں یہ نکتہ پیش کیا خصوصاً ہمارے شیخ و مولا حضرت قاضی علی بن قاضی جار اللہ القرشی الظاہری مفتی مکہ معظمہ مشہور بابن ظہیرہ تو سب نے اسے قبول کیا و پسند کیا۔ انہوں نے فقیر کے لیے دعائے خیر و برکت فرمائی۔

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ اسْتَأْذَنَ الْعَبَّاسُ بْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يَبِيْتَ بِمَكَّةَ لَيَالِيَ مِنًى مِنْ أَجْلِ سِقَايَتِهِ فَأَذِنَ لَهُ.
(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت چاہی کہ وہ منیٰ کی راتیں مکے میں بسر کریں کیونکہ لوگوں کو آب زمزم پلانے کی ذمہ داری حضرت عباس رضی اللہ عنہ پر تھی۔ تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کو اس کی اجازت دے دی۔ (بخاری و مسلم)

۱ کیونکہ آب زم زم پلانے کا عہدہ بنی عبدالمطلب کے پاس تھا۔ اور ان دنوں بنی عبدالمطلب کے سردار حضرت عباس تھے، یہاں عربی میں لفظ سقایہ آیا ہے یعنی پانی دینے کی جگہ۔

۲ واضح ہو کہ منیٰ میں عرفات سے آکر راتیں گزارنا جمہور علماء کے نزدیک واجب، اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک سنت ہے اسی طرح ایک روایت کے مطابق امام شافعی اور امام احمد کے نزدیک بھی سنت ہے وہاں رات بسر کرنے سے مراد رات کا اکثر حصہ ہے۔ اسی طرح وہ تمام جگہیں جہاں رات گزارنا مستحب ہے اُس سے رات کا اکثر حصہ گزارنا مراد ہے بعض علماء نے کہا ہے کہ وہاں ایک گھڑی رہنا بھی کافی ہے۔ اس کے سنت ہونے کی دلیل یہ حدیث ہے کیونکہ اگر وہاں رہنا واجب ہوتا تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام حضرت عباس کو مکہ میں راتیں بسر کرنے کی اجازت کیوں دیتے۔ مگر اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ یہ اجازت عذر و ضرورت کے تحت تھی۔ بعض روایات میں لفظ اذن کی بجائے لفظ رخصت آیا ہے۔ کبھی یہ دلیل پیش کی جاتی ہے کہ اگر وہاں راتیں بسر کرنا سنت ہوتا واجب نہ ہوتا تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے اجازت لینے کی کیا ضرورت تھی۔ آپ یعنی حضرت عباس بلا اجازت بھی جا سکتے تھے مگر یہ بات کمزور ہے۔ کیونکہ سنت کی مخالفت بھی بڑی خطرناک بات ہے۔ خصوصًا صحابہ کرام کے نزدیک خصوصًا ایسے مقام میں کیونکہ حضرت عباس کا حضور کے پاس سے چلے جانا حضور علیہ السلام سے علیحدگی کو ظاہر کرتا ہے، اس میں دوسرے تمام لوگوں کی مخالفت لازم آتی ہے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ نہ رہنا لازم آتا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ترک سنت میں بھی گناہ پایا جاتا ہے۔ حضرت عباس کا آپ سے اجازت لینا اس گناہ سے بچنے کی جانب اشارہ کرتا ہے۔ ہدایہ میں فرمایا کہ منیٰ میں راتیں بسر کرنا حج کے مناسک میں مقصود لذاتہٖ نہیں بلکہ رمی کی آسانی کے لیے ہے تو اگر کوئی شخص منیٰ میں رات نہ رہے۔ مگر رمی کے وقت وہاں حاضر ہو جائے تو اس پر کچھ بھی لازم نہیں آتا۔ البتہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت کا ترک ضرور لازم آتا ہے۔ اسی لیے امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ اُس کے ترک پر لوگوں کو سزا دیا کرتے تھے۔

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ[۱] اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَآءَ اِلَى السِّقَايَةِ فَاسْتَسْقٰى فَقَالَ الْعَبَّاسُ يَا فَضْلُ اذْهَبْ اِلٰى اُمِّكَ فَأْتِ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِشَرَابٍ مِّنْ عِنْدِهَا فَقَالَ اسْقِنِيْ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّهُمْ يَجْعَلُوْنَ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آب زم زم پینے کی جگہ تشریف لائے تو پانی طلب فرمایا اس پر حضرت عباس نے فرمایا اے فضل اپنی ماں کے پاس جا۔ اور اُس کے پاس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے پانی لے کر آ۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا مجھے پانی پلا تو حضرت عباس نے عرض کیا یا رسول اللہ بے شک لوگ اپنے ہاتھ اس پانی میں ڈالتے ہیں۔ آپ نے فرمایا مجھے پانی پلا

أَيْدِيهِمْ فِيهِ قَالَ اسْقِنِي فَشَرِبَ مِنْهُ ثُمَّ أَتَى زَمْزَمَ وَهُمْ يَسْقُونَ وَيَعْمَلُونَ فِيهَا فَقَالَ اعْمَلُوا فَإِنَّكُمْ عَلَى عَمَلٍ صَالِحٍ ثُمَّ قَالَ لَوْلَا أَنْ تُغْلَبُوا لَنَزَلْتُ حَتَّى أَضَعَ الْحَبْلَ عَلَى هٰذِهٖ وَأَشَارَ إِلَى عَاتِقِهٖ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

تو آپ نے اس سے پانی پیا پھر آپ آب زم زم کے پاس تشریف لائے اس حالت میں کہ اولاد عبد المطلب لوگوں کو پانی پلا رہی تھی اور آب زم زم پر کام کاج کر رہی تھی حضور علیہ السلام نے فرمایا یہ عمل کرتے رہو بے شک تم لوگ عمل صالح[۴] بجا لا رہے ہو۔ پھر حضور علیہ السلام نے فرمایا اگر تمہارے مغلوب ہونے کا اندیشہ[۵] نہ ہوتا تو میں نیچے[۶] اترتا یہاں تک کہ رسی اس[۷] پر رکھتا یہ کہتے ہوئے آپ نے اپنے کندھے کی طرف اشارہ فرمایا۔ (بخاری)

۱؎ یعنی اپنے بیٹے کو فرمایا جن کا نام فضل تھا۔

۲؎ یعنی مجھے یہیں سے آب زم زم پلا گھر سے پانی نہ منگا۔

۳؎ کیونکہ لوگ اگر اس میں ہاتھ ڈالتے ہیں تو اس سے کیا ہوگا۔

۴؎ یعنی یہ پانی پلانا اور پانی پلانے کی خدمت انجام دینا نیک عمل ہے۔

۵؎ یعنی اگر یہ اندیشہ نہ ہوتا کہ لوگ میری سنت کی اتباع کی وجہ سے خود پانی کھینچنا شروع کر دیں گے، اس فعل میں تم پر غالب آ جائیں گے اور تمہیں آب زم زم کھینچنے کی مہلت نہ دیں گے۔ تو یہ کام تمہارے ہاتھ سے نکل جاتا۔

۶؎ نیچے اترتا یعنی اپنی اونٹنی سے نیچے اترتا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اس دن اونٹنی پر سوار تھے تاکہ لوگ آپ کو دیکھیں اور آپ سے احکام سیکھیں۔

۷؎ یعنی اس لفظ سے حضور علیہ السلام نے اپنے کندھے کی طرف اشارہ فرمایا۔

وَعَنْ أَنَسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَّى الظُّهْرَ وَالْعَصْرَ وَالْمَغْرِبَ وَالْعِشَاءَ ثُمَّ رَقَدَ رَقْدَةً بِالْمُحَصَّبِ ثُمَّ رَكِبَ إِلَى الْبَيْتِ فَطَافَ بِهٖ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے بے شک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر وعصر مغرب اور عشا کی نماز پڑھی پھر آپ محصب[۱] میں تھوڑی دیر کے لیے سو گئے پھر آپ سوار ہو کر بیت اللہ شریف کی طرف آئے اور اس کا طواف کیا[۲]۔ (بخاری)

۱؎ محصب ص کی زبر اور شد سے ہر ایسی جگہ کو کہتے ہیں جہاں کثرت سے کنکریاں ہوں۔ آج کل ایک معین جگہ کا نام ہے جو مکے سے باہر جانب منیٰ معلیٰ کے قریب واقع ہے اس جگہ کو ابطح اور بطحا بھی کہتے ہیں۔ خیف بنی کنانہ بھی

اسی جگہ کا نام ہے۔ آپ کا یہاں ٹھہرنا اور کچھ دیر سونا منیٰ سے باہر مکے کی طرف تشریف لانے کے وقت تھا یہ یوم نحر کا چوتھا دن اور ذوالحجہ کی تیرہویں تاریخ تھی۔

۲ یعنی طواف وداع۔

وَعَنْ عَبْدِ الْعَزِيْزِ بْنِ رُفَيْعٍ قَالَ سَأَلْتُ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ قُلْتُ أَخْبِرْنِي بِشَيْءٍ عَقَلْتَهُ عَنْ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَيْنَ صَلَّى الظُّهْرَ يَوْمَ التَّرْوِيَةِ قَالَ بِمِنًى قَالَ فَأَيْنَ صَلَّى الْعَصْرَ يَوْمَ النَّفْرِ قَالَ بِالْأَبْطَحِ ثُمَّ قَالَ افْعَلْ كَمَا يَفْعَلُ أُمَرَاءُكَ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت عبدالعزیز رفیع[۱] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے پوچھا جس نے کہا آپ مجھے ایسی چیز کے بارے میں خبر دیں جو آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی کہ حضور نے ذوالحجہ کی آٹھویں تاریخ[۲] کو ظہر کی نماز کہاں پڑھی انہوں نے فرمایا کہ منیٰ[۳] میں انہوں نے پھر پوچھا حضور نے روانگی کے دن[۴] عصر کی نماز کہاں پڑھی۔ فرمایا مقام ابطح میں۔ پھر حضرت انس نے فرمایا اُس طرح کہ جس طرح تیرے امراء اور احکام کرتے ہیں۔ (بخاری و مسلم)

۱ راکی پیش۔ فاکی زبر سے۔ آپ مشہور اور ثقہ تابعین میں سے ہیں۔

۲ حدیث میں لفظ ترویہ آیا ہے۔ اس دن لوگ مکہ سے منیٰ کو جاتے ہیں۔ اس نام کی وجہ حجۃ الوداع کے باب میں حضرت جابر کی حدیث میں گزر چکی ہے۔

۳ اس سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام مکہ معظمہ سے ظہر سے پہلے نکلے۔

۴ یعنی حضرت ابن رفیع نے حضرت انس سے یوں کہا حدیث کا ظاہر اسلوب عبارت کے موافق یہ ہے کہ یوں کہا جائے کہ میں نے کہا۔

۵ یہاں حدیث میں اس کے لیے یوم نفر آیا ہے نفر نون کی زبر فا ساکن اور فا پر زبر بھی جائز ہے نفر یا نفر۔ یہ ایام نحر کے چوتھے دن کا نام ہے جبکہ حاجی لوگ منیٰ سے باہر نکلتے ہیں۔ صراح میں ہے نفر فا کی جزم سے یعنی حاجیوں کا گروہ گروہ بن کر منیٰ سے واپس لوٹنا۔

۶ ابطح وہی جگہ ہے جسے گزشتہ حدیث میں محصب کہا گیا ہے۔

۷ یعنی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تو خود ایسا ہی کیا جیسا کہ بیان ہوا ہے۔ تو اُس طرح کر جس طرح تیرے امراء کریں۔ اور اُن کی مخالفت نہ کرتا کہ کوئی فتنہ نہ بھڑک اٹھے اور یہ کوئی ضروری بھی نہیں ہے کہ مقام ابطح میں ہی نماز پڑھی جائے۔

وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ نُزُوْلُ الْاَبْطَحِ لَيْسَ بِسُنَّةٍ اِنَّمَا نَزَلَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِاَنَّهُ كَانَ اَسْمَحَ لِخُرُوْجِهٖ اِذَا خَرَجَ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں وادی ابطح میں اترنا سنت نہیں ہے[1] سوائے اس کے نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس جگہ اترے کیونکہ آپ واپس روانگی کے لیے آسانی چاہتے تھے[2]۔ (بخاری ومسلم)

[1] یعنی حضور نبی پاک علیہ السلام کا وادی ابطح میں اترنا سنت کے طور پر نہ تھا، نہ ہی مناسک حج کے طور پر تھا اور نہ نیت عبادت آپ وہاں اترے۔

[2] یعنی آپ کا اس جگہ اترنا مدینہ منورہ کی جانب روانگی کے لیے سہل تر اور آسان تر تھا۔ اس لیے کہ جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مقام ابطح میں نزول فرمایا اور اپنا سامان وغیرہ وہاں چھوڑا۔ خود مکہ شریف تشریف لائے اور طواف کیا تو پھر اسی راستے سے واپس مدینے جانا آپ کے لیے آسان ہو گیا۔

واضح ہو کہ وادی محصب میں اترنے کے سنت یا عدم سنت ہونے میں اختلاف ہے۔ بعض یہ کہتے ہیں اور یہی حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے کہ یہاں اترنا حج کی سنتوں اور مناسک حج کے تتمہ میں سے ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منیٰ میں فرمایا تھا کہ ہم لوگ کل ان شاء اللہ خیف بنی کنانہ میں اتریں گے کیونکہ وہاں مشرکین نے ایک دوسرے کے ساتھ عہد کیا تھا اور قسم اٹھائی تھی کہ وہ بنی ہاشم اور بنی عبدالمطلب کے ساتھ میل جول رشتہ نکاح خرید وفروخت اور تعلقات کو ختم کر دیں گے جب تک کہ وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ہمارے سپرد اور حوالے نہ کریں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے چاہا کہ آپ اس جگہ اسلام کے نشانات کو ظاہر کریں جہاں کفار نے کفر کے نشانات ظاہر کیے تھے۔ اور رضائے تعالیٰ کی نعمت وفضل کا شکر ادا کریں۔

طبرانی نے اوسط میں حضرت عمر ابن الخطاب رضی اللہ عنہ سے یہ روایت نقل کی ہے کہ آپ نے فرمایا روانگی کی رات ابطح میں اترنا سنت ہے۔ اور آپ لوگوں کو اس بات کا حکم دیا کرتے تھے۔

ہدایہ میں کہا صحیح تر یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا محصب میں اترنا مشرکین کو دکھانے کے لیے یعنی اللہ تعالیٰ کے لطف وکرم کے اظہار کے لیے تھا۔ لہٰذا یہاں اترنا سنت قرار پایا جیسا کہ طواف میں رمل کرنا۔ صاحب ہدایہ کا کلام ختم ہوا۔

بعض علماء نے کہا ہے کہ یہ سنت نہیں ہے بلکہ آپ کا یہاں اترنا اتفاقی امر تھا۔ حضرت ابورافع جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے آزاد کردہ غلام تھے ان کی یہ ذمہ داری ہوتی تھی کہ آپ کے ذاتی سامان کی دیکھ بھال کیا کریں۔ یہ ابورافع حضور

حضور علیہ السلام سے پہلے یہاں پہنچے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے خیمہ نصب فرمایا آپ نے یہ کام اپنی رائے اور اپنے خیال سے کیا حضور علیہ السلام کے حکم کے تقاضا کے تحت نہ کیا۔ جیسا کہ مسلم نے حضرت ابو رافع سے روایت کی ہے، یہی قول حضرت ابن عباس کا ہے۔ جیسا کہ امام بخاری نے اُن سے نقل کیا ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بھی اسی جانب ہیں جیسا کہ متفق علیہ حدیث میں آیا ہے۔

مخفی نہ رہے کہ اگرچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اس جگہ نزول فرمانا اتفاقی امر تھا تاہم حضور کی اتباع بہت محبوب و احسن ہے۔ صحابہ وخلفائے راشدین رضی اللہ عنہم بھی ایسا ہی کرتے تھے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے موطا میں کہا کہ محصب میں اترنا احسن و اچھا ہے۔ اور اگر کوئی شخص نہ اترے تو کوئی چیز لازم نہیں آتی۔ یہ حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے بندہ مسکین عبد الحق بن سیف الدین اللہ تعالیٰ اس کے حال کی اصلاح کرے اور اس کی ابتداء اور انتہا اچھی کرے کو جب شیخ امام اجل اکرم یگانہ وقت حضرت عبد الوہاب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں اور اُن کے زیر سایہ حج ادا کرنے کی سعادت نصیب ہوئی، پھر منیٰ سے جانب مکہ آپ روانہ ہوئے اور محصب میں پہنچے تو آپ نے وہاں نزول فرمایا، حضرت شیخ موصوف نے اس جگہ نماز ظہر ادا فرمائی اور سو گئے اور وہیں عصر کی نماز ادا فرمائی اُس کے بعد فرمایا سوار ہو جاؤ یہاں اتنی مقدار میں ٹھہرنا اتباع سنت کی سعادت حاصل کرنے کے لیے کافی ہے اور آپ نے فرمایا یکفی بناھذہ یعنی ہمارے لیے یہاں اتنی دیر ٹھہرنا ہی کافی ہے۔ حضرت شیخ موصوف کا یہ قول اس پر مبنی ہے جو علماء نے کہا ہے کہ محصب میں اترنا سنت ہے۔ تاہم حضور نبی پاک علیہ السلام کا یہاں عشاء تک قیام فرمانا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے عمرے کے لیے تھا۔ جیسا کہ آگے آ رہا ہے۔ واللہ اعلم

وَعَنْهَا قَالَتْ اَحْرَمْتُ مِنَ التَّنْعِيْمِ بِعُمْرَةٍ فَدَخَلْتُ فَقَضَيْتُ عُمْرَتِيْ وَانْتَظَرَنِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْاَبْطَحِ حَتّٰى فَرَغْتُ فَاَمَرَ النَّاسَ بِالرَّحِيْلِ فَخَرَجَ فَمَرَّ بِالْبَيْتِ فَطَافَ بِهٖ قَبْلَ صَلٰوةِ الصُّبْحِ ثُمَّ خَرَجَ اِلَى الْمَدِيْنَةِ هٰذَا الْحَدِيْثُ مَا وَجَدْتُّهٗ بِرِوَايَةِ الشَّيْخَيْنِ بَلْ بِرِوَايَةِ اَبِيْ دَاؤُدَ مَعَ اخْتِلَافٍ يَسِيْرٍ فِيْ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ہی روایت ہے فرماتی ہیں میں نے مقام تنعیم سے عمرے کا احرام باندھا تو میں مکے میں داخل ہوئی اور اپنا عمرہ قضا کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میری انتظار مقام ابطح میں کرتے رہے یہاں تک کہ میں عمرے سے فارغ ہوئی تو آپ نے لوگوں کو جانب مدینہ کوچ کرنے کا حکم ارشاد فرمایا۔ چنانچہ آپ محصب سے نکلے اور خانہ کعبہ پہنچے تو نماز صبح سے پہلے اُس کا طواف کیا پھر مدینہ منورہ کی طرف نکل پڑے۔ مؤلف فرماتے ہیں میں نے اس حدیث کو بخاری ومسلم میں نہیں پایا۔ بلکہ

اٰخِرِہٖ۔

میں نے اسے تھوڑے سے اختلاف کے ساتھ ابوداؤد کی روایت کے ساتھ پایا ہے۔

ؔلہ جو کہ حیض شروع ہو جانے کی وجہ سے فوت ہو چکا تھا جیسا کہ باب قصہ حجۃ الوداع میں گزرا ہے۔

ؔلہ یہ طواف وداع ہے اور اسے طواف صدر (د کی زبر سے) بھی کہتے ہیں۔ اس طواف میں رمل نہیں ہے نہ اس کے بعد سعی ہے۔

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ النَّاسُ يَنْصَرِفُوْنَ فِيْ كُلِّ وَجْهٍ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَنْفِرَنَّ اَحَدُكُمْ حَتّٰى يَكُوْنَ اٰخِرُ عَهْدِهٖ بِالْبَيْتِ اِلَّا اَنَّهٗ خُفِّفَ عَنِ الْحَائِضِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے فرماتے ہیں لوگ ہر طرف[1] سے جاتے آتے تھے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک کوچ نہ کرے جب تک کہ اس کا آخری[2] کام بیت اللہ شریف میں آنا نہ ہو مگر آنی بات ہے کہ حیض والی عورت کے لیے تخفیف کر دی گئی ہے[3]۔ (بخاری و مسلم)

ؔلہ یعنی لوگ ہر طرف سے مکے میں آتے جاتے تھے اور طواف وداع نہ کرتے تھے۔

ؔلہ یعنی جب تک کہ طواف وداع نہ کرے۔

ؔلہ یعنی حیض والی عورت کے ذمے سے طواف وداع ساقط کر دیا گیا ہے جبکہ وہ طواف زیارت کر چکی ہو واضح ہو کہ یہ حدیث اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ طواف وداع واجب ہے۔ یہی امام ابو حنیفہ اور امام احمد کا مذہب ہے، امام شافعی کا صحیح مذہب بھی یہی ہے۔ امام مالک کے نزدیک سنت ہے۔ مگر باتفاق ائمہ فرض نہیں ہے۔ لیکن گزشتہ حدیث کا ظاہر اگرچہ اس بارے میں ہے کہ مکے سے روانہ ہونے کا حکم طواف کی قید کے بغیر ہے مگر یہ حکم طواف کر کے جانے پر محمول ہے۔ اس حدیث کے قرینے کی بناء پر۔

وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ حَاضَتْ صَفِيَّةُ لَيْلَةَ النَّفْرِ فَقَالَتْ مَا اُرَانِيْ اِلَّا حَابِسَتُكُمْ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَقْرٰى حَلْقٰى اَطَافَتْ يَوْمَ النَّحْرِ قِيْلَ نَعَمْ قَالَ فَانْفِرِيْ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں کہ روانگی کی رات[1] حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کو حیض آنا شروع ہو گیا تو حضرت صفیہ نے فرمایا میں نہیں جانتی اپنے آپ کو مگر یہ کہ میں نے تمہیں مدینہ کی جانب روانگی سے روک لیا ہے[2]۔ اس پر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ارے[3] بانجھ منڈی ہوئی کیا اس نے نحر کے دن طواف زیارت کر لیا ہے

عرض کیا گیا ہاں تو حضور علیہ السلام نے حضرت صفیہ سے مخاطب ہوتے ہوئے فرمایا کہ رکنے کی ضرورت نہیں۔ باہر نکل اور روانہ ہو چل۔ (بخاری و مسلم)

سلہ روانگی کی رات سے یہی رات مراد ہے جس میں حضور علیہ السلام محصب میں تھے۔ حج کے باب میں رات گزشتہ دن سے تعلق رکھنے والی مراد ہوتی ہے نہ کہ آنے والی رات جیسا کہ مشہور ہے۔

سلہ کیونکہ مجھے حیض آنا شروع ہو گیا ہے اور میں طواف نہیں کر سکی۔

سلہ یہاں حدیث میں عقری آیا ہے عین کی زبر کاف ساکن اور الف مکسورہ سے دوسرا لفظ حلق آیا ہے حا کی زبر لام ساکن آخر میں الف مکسورہ یہ بددعائیہ کلمہ ہے مگر حقیقت میں بددعا مراد نہیں ہوتی۔ یہ کلمہ عربوں کی زبان پر عادت کے طور پر چڑھا ہوا ہے جس طرح کہ اور بہت سے کلمات اُن کی زبان پر چڑھے ہوتے ہیں مگر اُن کا معنیٰ مراد نہیں ہوتا۔ عقری عقر سے بنا ہے بمعنیٰ زخمی کرنا قتل کرنا اور ہلاک کرنا یا بمعنیٰ بچہ جننا۔ حلق بمعنیٰ گلے میں درد ہونا یا کوئی چیز حلق میں مارنا۔ اصمعی کہتے ہیں یہ وہ کلمہ ہے جو تعجب کے مقام میں استعمال کرتے ہیں ان دو کلموں کی اس سے زیادہ بھی تحقیق ہے جو شرح میں ذکر کر دی گئی ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

عَنْ عَمْرِو بْنِ الْاَحْوَصِ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ فِیْ حَجَّةِ الْوَدَاعِ اَیُّ يَوْمٍ هٰذَا قَالُوْا يَوْمُ الْحَجِّ الْاَكْبَرِ قَالَ فَاِنَّ دِمَآءَكُمْ وَ اَمْوَالَكُمْ وَاَعْرَاضَكُمْ بَيْنَكُمْ حَرَامٌ كَحُرْمَةِ يَوْمِكُمْ هٰذَا فِیْ بَلَدِكُمْ هٰذَا اَلَا لَا يَجْنِیْ جَانٍ عَلٰی وَلَدِهٖ وَلَا مَوْلُوْدٌ عَلٰی وَالِدِهٖ اَلَا وَ اِنَّ الشَّيْطَانَ قَدْ اَيِسَ اَنْ يُّعْبَدَ فِیْ بَلَدِكُمْ هٰذَا اَبَدًا

دوسری فصل

حضرت عمرو بن الاحوص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سنا کہ آپ حجۃ الوداع کے دن فرما رہے تھے یہ کونسا دن ہے لوگوں نے کہا حج اکبر کا دن ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو بے شک تمہارے خون تمہارے مال اور تمہاری عزتیں تمہارے درمیان اسی طرح حرام ہیں جس طرح کہ تمہارے اس دن کی حرمت۔ تمہارے اس شہر میں آگاہ رہو کوئی زیادتی کرنے والا اپنی ذات پر زیادتی نہ کرے۔ آگاہ رہو کوئی زیادتی کرنے والا اپنے فرزند پر زیادتی کرے اور نہ کوئی فرزند اپنے والد پر زیادتی کرے سو بے شک شیطان

وَلٰكِنْ سَتَكُوْنُ لَهٗ طَاعَةٌ فِيْمَا تَحْتَقِرُوْنَ مِنْ اَعْمَالِكُمْ فَسَيَرْضٰى بِهٖ رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَصَحَّحَهٗ۔

البتہ مایوس ہوگیا کہ اُس کی عبادت کی جائے اس شہر میں ہمیشہ کے لیے۔ لیکن عنقریب اُس کے لیے فرمانبرداری ہوگی اُن اعمال میں جنہیں تم حقیر جانتے ہو تو وہ اُسی پر راضی ہو جائے گا۔ ابن ماجہ و ترمذی اور ترمذی نے اسے صحیح حدیث قرار دیا۔

لے عمرو کی زبر صاساکن آخر میں ص آپ صحابی ہیں آپ سے آپ کے بیٹے حضرت سلیمان روایت کرتے ہیں۔

سے یاد رہے حج اکبر مطلق حج کو کہتے ہیں جیسا کہ قرآن مجید میں واقع ہے۔ بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ اکبر اصغر کے مقابلہ میں ہے۔ یعنی اصغر حج عمرہ ہے اور اکبر حج ہے۔ وہ جو لوگوں نے آج کل جمعہ کے دن حج کو حج اکبر کہنا شروع کر دیا ہے تو یہ علم و شریعت کی بات نہیں ہے اس بارے میں ایک حدیث بھی روایت کرتے ہیں کہ جمعہ کے دن کا حج ستر حج کے برابر ہے۔ علماء نے کہا ہے کہ یہ حدیث موضوع و باطل ہے ہاں وہ حج جو حضور علیہ السلام نے کیا تھا جمعہ کے دن تھا اور بے شک جمعہ کے دن کے حج میں خاص فضیلت ہے۔ کیونکہ جگہ اور وقت دونوں کی بزرگی اس میں جمع ہو جاتی ہے۔

سے اس سے مقصود گناہ سے روکنا اور دوسرے پر ظلم کرنے سے منع کرنا ہے کیونکہ جو شخص دوسرے پر ظلم کرتا ہے حقیقت میں اپنے پر کرتا ہے کیونکہ گناہ اور اُس کا بدلہ اُسی کی جانب لوٹتا ہے۔ پس یہ خبر نہی کے معنیٰ میں ہے۔ اور ایک روایت میں اِلا علی نفسہ۔ اس صورت میں یہ جملہ خبر کے معنیٰ میں ہے نہی کے معنیٰ میں نہیں ہے۔

سے اس حدیث کا ذکر اس بناء پر ہے کہ اپنوں کے ساتھ زیادتی کرنا اجنبی لوگوں پر زیادتی کرنے سے زیادہ قبیح و بُرا ہے۔ یا اس بناء پر بھی کہ عرب لوگ اپنی عادت جاریہ کے مطابق ایک آدمی کے زیادتی کرنے سے اُس کے قریبیوں میں سے کسی کو پکڑ لیتے تھے اس وجہ کے مطابق یہ حکم سابق کی تاکید ہوگی اسے سمجھ لو۔

۵ یہ تمہارے شہر میں بت پوجنے سے کنایہ ہے۔ یعنی ہمیشہ قیامت تک تمہارے اس شہر میں بت پرستی نہ ہوگی۔

سے یعنی تم ایسے کام کرو گے اور گناہ کے مرتکب ہو گے اور انہیں چھوٹا اور حقیر گمان کرو گے حالانکہ چھوٹی برائیوں میں بھی شیطان کی طاعت پائی جاتی ہے۔ جس سے وہ راضی ہوتا ہے پھر چھوٹے درجے کے گناہ فتنے اور جنگ و شر بھڑکانے کا باعث بنیں گے۔

وَعَنْ رَافِعِ بْنِ عَمْرٍو الْمُزَنِيِّ قَالَ رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخْطُبُ النَّاسَ بِمِنًى

حضرت رافع بن عمرو مزنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو صہبا اونٹنی پر سوار ہو کر منیٰ میں چاشت کے وقت لوگوں کو

حِيْنَ ارْتَفَعَ الضُّحٰى عَلٰى بَغْلَةٍ شَهْبَاءَ وَعَلِيٌّ يُعَبِّرُ عَنْهُ وَالنَّاسُ بَيْنَ قَائِمٍ وَّ قَاعِدٍ۔

(رَوَاهُ اَبُوْدَاؤدَ)

خطبہ دیتے ہوئے دیکھا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ آپ کی طرف سے تکبیر و تفسیر فرما رہے تھے اور لوگ کچھ کھڑے اور کچھ بیٹھے ہوئے تھے۔

(ابوداؤد)

لہ میم کی پیش زا کی زبر نون نسبت کا قبیلہ یہ مزینہ کی طرف نسبت ہے آپ صحابی ہیں آپ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دو حدیثیں روایت کی ہیں۔

لہ صبہا ایسی اونٹنی کو کہتے ہیں جس کے بالوں کا اوپر کا حصہ سُرخ اور اندر کا سفید ہو۔ جیسے شقرا شین اور قاف کے ساتھ۔

سلہ اور لوگوں کو سنا رہے اور سمجھا رہے تھے اور اُن لوگوں تک باتیں پہنچا رہے تھے۔ جو دور تھے۔

سلہ حج میں تین خطبے مسنون ہیں ایک آٹھویں ذوالحجہ کے دن مکہ معظمہ میں دوسرا نویں ذوالحجہ کے دن عرفات میں تیسرا منیٰ شریف میں ہر جگہ کے جو احکام ہیں وہ آپ سکھاتے اور اُن کی تلقین کرتے تھے۔

وَعَنْ عَائِشَةَ وَابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَخَّرَ طَوَافَ الزِّيَارَةِ يَوْمَ النَّحْرِ اِلَى اللَّيْلِ۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَ اَبُوْدَاؤدَ وَابْنُ مَاجَةَ)

حضرت عائشہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے طواف زیارت دسویں ذوالحجہ کے روز رات تک مؤخر کیا۔[1]

(ترمذی۔ ابوداؤد) (ابن ماجہ)

لہ اس حدیث کا ظاہر حضرت عائشہ کی اس حدیث کے معارض ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے طواف (زیارت) کیا اور مکہ معظمہ ہی میں نماز ظہر ادا فرمائی۔ یہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں اضطراب ہے اس کی وجہ سے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں جو بخاری و مسلم کی حدیث ہے، میں تقدیم و تاخیر کی گئی ہے۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر منیٰ میں ادا فرمائی۔

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ يَرْمُلْ فِي السَّبْعِ الَّذِيْ اَفَاضَ فِيْهِ۔

(رَوَاهُ اَبُوْدَاؤدَ وَابْنُ مَاجَةَ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے طواف افاضہ (طواف زیارت) کے سات چکروں میں رمل نہ کیا۔[1]

(ابوداؤد۔ ابن ماجہ)

لہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ رمل طواف زیارت اور طواف وداع میں نہیں ہے ۔ لہٰذا رمل صرف طواف قدوم میں ہے۔

وَعَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا رَمٰی اَحَدُكُمْ جَمْرَةَ الْعَقَبَةِ فَقَدْ حَلَّ لَهٗ كُلُّ شَیْءٍ اِلَّا النِّسَآءَ۔ (رَوَاهُ فِیْ شَرْحِ السُّنَّةِ وَ قَالَ اِسْنَادُهٗ ضَعِیْفٌ وَّ فِیْ رِوَايَةِ اَحْمَدَ وَالنَّسَائِیِّ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ اِذَا رَمَی الْجَمْرَةَ فَقَدْ حَلَّ لَهٗ كُلُّ شَیْءٍ اِلَّا النِّسَآءَ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے بے شک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم سے کوئی شخص جمرہ عقبہ کی رمی کرے تو اس کے لیے عورتوں کے سوا ہر چیز حلال ہو جاتی ہے[1]

اسے شرح سنۃ میں روایت کیا اور کہا اس کا اسناد ضعیف ہے۔ اور احمد و نسائی کی روایت میں جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، یہ ہے کہ آپ نے فرمایا کہ جب جمرہ کی رمی کر لی تو اس کے لیے تمام چیزیں حلال ہوگئیں سوائے عورتوں کے۔

لہ اور عورتیں بھی طواف کے بعد حلال ہو جاتی ہیں۔

وَعَنْهَا قَالَتْ اَفَاضَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مِنْ اٰخِرِ يَوْمِهٖ حِيْنَ صَلَّی الظُّهْرَ ثُمَّ رَجَعَ اِلٰی مِنًی فَمَكَثَ بِهَا لَيَالِیَ اَيَّامِ التَّشْرِيْقِ يَرْمِی الْجَمْرَةَ اِذَا زَالَتِ الشَّمْسُ كُلَّ جَمْرَةٍ بِسَبْعِ حَصَيَاتٍ يُكَبِّرُ مَعَ كُلِّ حَصَاةٍ وَّ يَقِفُ عِنْدَ الْاُوْلٰی وَالثَّانِيَةِ فَيُطِيْلُ الْقِيَامَ وَ يَتَضَرَّعُ وَ يَرْمِی الثَّالِثَةَ فَلَا يَقِفُ عِنْدَهَا۔ (رَوَاهُ اَبُوْدَاؤدَ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم روانہ ہوئے بجانب مکہ برائے طواف زیارت اس دن کے آخری حصہ میں جبکہ آپ نے ظہر ادا فرمائی[1] پھر آپ منیٰ واپس تشریف لائے تو ایام تشریق کی راتوں میں آپ نے منیٰ میں ہی قیام فرمایا۔ آپ ہر جمرے کی رمی کرتے تھے جب سورج ڈھل جاتا[2]۔ ہر جمرے کو سات کنکریاں مارتے تھے اور ہر کنکری کے ساتھ تکبیر کہتے تھے اور آپ پہلے اور دوسرے جمرے کے پاس دیر تک کھڑے رہتے، اور گریہ وزاری کرتے پھر تیسرے جمرے کو رمی کرتے تو اس کے پاس کھڑے نہ ہوتے۔ (ابوداؤد)

لہ اس حدیث کا ظاہر بھی یہی ہے کہ آپ نے ظہر کی نماز منیٰ میں ادا فرمائی۔

۲لہ یعنی شرق سے مغرب کی جانب ڈھل جاتا۔

۳؎ یعنی آپ اس کی رمی کرتے اور چل پڑتے۔

وَعَنْ اَبِی الْبَدَّاحِ بْنِ عَاصِمِ بْنِ عَدِیٍّ عَنْ اَبِیْهِ قَالَ رَخَّصَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لِرِعَآءِ الْاِبِلِ فِی الْبَیْتُوْتَةِ اَنْ یَّرْمُوْا یَوْمَ النَّحْرِ ثُمَّ یَجْمَعُوْا رَمْیَ یَوْمَیْنِ بَعْدَ یَوْمِ النَّحْرِ فَیَرْمُوْهُ فِیْ اَحَدِهِمَا.

حضرت ابو البداح[۱] بن عاصم بن عدی رضی اللہ عنہ سے وہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اونٹ چرانے والوں کو رات بسر کرنے کی رخصت دی[۲] کہ نحر کے دن رمی کرلیں۔ پھر یوم نحر کے دن کے بعد کہ دونوں کی رمی ایک ہی دن میں کریں۔

(رَوَاهُ مَالِكٌ وَّالتِّرْمِذِیُّ وَالنَّسَائِیُّ وَقَالَ التِّرْمِذِیُّ هٰذَا حَدِیْثٌ صَحِیْحٌ)

مالک۔ ترمذی۔ نسائی اور ترمذی نے کہا یہ حدیث صحیح ہے

۱؎ با کی زبر دال کی شد آخر میں ح۔ عاصم یہ بداح کے باپ ہیں۔ ابوالبداح ثقہ تابعی ہیں۔ ان کے باپ صحابی ہیں۔

۲؎ یعنی اگر منیٰ میں رات بسر نہ کریں تو انہیں اس کی اجازت ہے۔

بَابُ مَا یَجْتَنِبُهُ الْمُحْرِمُ

باب اس چیز کا جس سے مُحرِم بچتا ہے

یعنی ان چیزوں کے بیان کا باب جن سے محرم پرہیز کرتا ہے یعنی جن کا کرنا محرم کے لیے حرام ہے۔ خواہ اس کے کرنے سے دم واجب آئے یا صدقہ یا کچھ لازم نہ آئے۔ صدقہ سے مراد نصف صاع گندم یا ایک صاع جو یا کوئی تھوڑی سی چیز جس کی مقدار معین نہ ہو۔ اس قسم کے تمام مسائل کتب فقہ میں مذکور ہیں۔ نیز مناسک حج کے رسائل وغیرہ میں بھی مذکور ہیں ہم نے خود ایک فارسی رسالہ میں ان سب کو جمع کر دیا ہے۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

پہلی فصل

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَؓ اَنَّ رَجُلًا سَاَلَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا يَلْبَسُ الْمُحْرِمُ مِنَ الثِّيَابِ فَقَالَ لَا تَلْبَسُوا الْقُمُصَ وَلَا الْعَمَآئِمَ وَلَا السَّرَاوِيْلَاتِ وَلَا الْبَرَانِسَ وَلَا الْخِفَافَ اِلَّا اَحَدٌ لَّا يَجِدُ نَعْلَيْنِ فَيَلْبَسُ خُفَّيْنِ وَلْيَقْطَعْهُمَا اَسْفَلَ مِنَ الْكَعْبَيْنِ وَلَا تَلْبَسُوْا مِنَ الثِّيَابِ شَيْئًا مَّسَّهٗ زَعْفَرَانٌ وَّلَا وَرْسٌ۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ محرم کس قسم کا لباس پہنے تو آپ نے فرمایا قمیص[1] نہ پہنو نہ پگڑیاں، اور نہ شلوار[2]۔ اور نہ ٹوپیاں[3]۔ نہ موزے مگر وہ شخص جو جوتا نہ پائے۔ مگر انہیں ٹخنوں سے نیچے کاٹ[4] لے۔ اور ایسے کپڑے نہ پہنو جنہیں ذرا سا زعفران بھی لگا ہو۔ نہ وہ کپڑا جسے ورس[5] لگا ہو۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَزَادَ الْبُخَارِيُّ فِيْ رِوَايَةٍ وَّلَا تَنْتَقِبُ الْمَرْأَةُ الْمُحْرِمَةُ وَلَا تَلْبَسُ الْقُفَّازَيْنِ)

(بخاری ومسلم)

اور بخاری نے ایک روایت میں یہ الفاظ زیادہ روایت کیے اور احرام والی عورت چہرے پر نقاب نہ ڈالے[6]۔ اور دستانے بھی نہ پہنے۔

[1] حدیث میں لفظ قمص آیا جو قمیص کی جمع ہے۔

[2] قمیص وشلوار اس صورت میں پہننے کی ممانعت ہے جب کہ مشہور ومتعارف طریقہ پر انہیں پہنا جائے۔ یعنی قمیص گلے میں ڈالی جائے اور شلوار کو کمر بند سے باندھا جائے۔ اگر انہیں چادر کی طرح بدن پر ڈالا جائے تو کچھ لازم نہیں آتا۔ کیونکہ اس صورت میں نہیں کہتے کہ اس نے قمیص یا شلوار پہنی ہے۔

[3] حدیث میں لفظ برانس آیا ہے جو برنس کی جمع ہے۔ باکی پیش نون کی پیش را ساکن۔ یعنی لمبی ٹوپی۔ مگر یہ تفسیر برنس کی پوری تفسیر کرنے سے قاصر ہے۔ برنس کا مشہور معنیٰ یہ ہے کہ وہ ایک ایسا کپڑا ہے جو بلاد شام سے لایا جاتا ہے۔ وہ تمام بدن سر وگردن کو اپنے اندر چھپا لیتا ہے۔ اسے بارش کے وقت بھی پہنتے ہیں۔

[4] تاکہ وہ موزہ ہونے کی حد سے نکل جائے۔

[5] ورس واؤ کی زبر را ساکن۔ یہ ایک قسم کی زرد رنگ کی گھاس ہے جس سے کپڑے رنگے جاتے ہیں۔

اسے فارسی میں اسپرگ بھی کہتے ہیں۔

ۓ یہاں حدیث میں تنتقب آیا ہے۔ بعض نسخوں میں تَتَنَقَّبُ آیا ہے یعنی دو تا اور قاف کی شد سے نقاب نون کی زیر سے بمعنی چہرے کو چھپانے والی چیز۔

ۓ یہاں حدیث میں لفظ قفازین آیا ہے۔ قفاز کا تثنیہ ہے۔ قاف کی پیش فا کی شد آخر میں زا۔ یہ بھی ایک قسم کی پوشش ہے جسے عرب کی عورتیں پہنتی پانے ہاتھوں کو سردی و گرمی بچائیں جس سے ان کے ہاتھوں کی انگلیاں ہتھیلیاں اور کلائیاں سب چھپ جاتی ہیں۔ بعض نے کہا یہ ایک قسم کا زیور ہے جسے عورتیں اپنے ہاتھوں کو پہنتی ہیں۔

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخْطُبُ وَهُوَ يَقُوْلُ إِذَا لَمْ يَجِدِ الْمُحْرِمُ نَعْلَيْنِ لَبِسَ خُفَّيْنِ وَ إِذَا لَمْ يَجِدْ إِزَارًا لَبِسَ سَرَاوِيْلَ۔
(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خطبہ دیتے سنا کہ آپ فرما رہے تھے جب محرم جوتے نہ پائے تو موزے پہن لے اور جب تہہ بند نہ ملے تو شلوار[ا] پہن لے۔
(بخاری و مسلم)

ا؎ لیکن موزوں کو ٹخنوں کے نیچے سے کاٹ لے جیسا کہ گزشتہ حدیث میں بیان فرمایا۔ جمہور کا مذہب یہی ہے اور اگر اُسی طرح ٹھیک طور پر پہن لے تو فدیہ دے۔ امام احمد فرماتے ہیں کہ موزے نہ کاٹے کیونکہ یہ مال کا ضائع کرنا ہے۔ بلکہ ضرورت کے تحت جیسے ہیں ویسے ہی پہن لے اس صورت میں فدیہ بھی لازم نہیں۔ اسی طرح شلوار میں بھی اختلاف ہے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ شلوار کو ادھیڑ کر اس کا تہہ بند بنالے۔

وَعَنْ يَعْلَى ابْنِ أُمَيَّةَ قَالَ كُنَّا عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْجِعِرَّانَةِ إِذْ جَاءَهُ رَجُلٌ أَعْرَابِيٌّ عَلَيْهِ جُبَّةٌ وَهُوَ مُتَضَمِّخٌ بِالْخَلُوْقِ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ إِنِّيْ أَحْرَمْتُ بِالْعُمْرَةِ وَهٰذِهٖ عَلَيَّ فَقَالَ أَمَّا الطِّيْبُ الَّذِيْ بِكَ فَاغْسِلْهُ ثَلٰثَ مَرَّاتٍ وَ أَمَّا الْجُبَّةُ فَانْزِعْهَا ثُمَّ

حضرت یعلیٰ ابن امیہ[ا] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم لوگ جعرانہ[۲] میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے جبکہ ایک اعرابی شخص آیا اُس پر ایک جبہ تھا اور وہ مرد خلوق[۳] خوشبو کے ساتھ آلودہ تھا۔ اُس نے کہا یا رسول اللہ بے شک میں نے عمرے کا احرام باندھا ہے اور یہ لباس میرے بدن پر ہے اس پر حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ خوشبو جو تیرے ساتھ لگی ہوئی ہے اُسے تین بار دھو ڈال اور جبہ بدن

اِصْنَعْ فِیْ عُمْرَتِكَ كَمَا تَصْنَعُ فِیْ حَجِّكَ۔

سے آتار دے پھر اپنے عمرے میں وہی کام کر جو تو اپنے حج میں کرتا ہے۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ) (بخاری و مسلم)

لہ یعنی یا کی زبر عین ساکن۔

لہ اُمیہ ہمزہ کی پیش میم کی زبر اور یا مشدد آپ صحابی ہیں۔ فتح مکہ کے دن اسلام لائے۔ جنگ حنین و طائف میں شریک ہوئے۔

لہ یہ جگہ مکہ معظمہ سے ایک منزل کے فاصلے پر ہے آپ وہاں سے عمرے کے لیے تشریف لائے تھے۔

لہ خا کی زبر آخر میں قاف یہ ایک خوشبو کا نام ہے جسے عرب لوگ بناتے ہیں اور اس میں زعفران ڈالتے ہیں۔ یہ ان کے ہاں ایک مشہور خوشبو ہے۔ آلودہ کرنے کے لیے حدیث میں لفظ ضمخ آیا ہے یعنی جسم کو خوشبو سے اس طرح آلودہ کرنا گویا کہ وہ اس سے ٹپک رہی ہے۔

لہ کیونکہ زعفران کا استعمال مردوں کے لیے حرام ہے اس وجہ سے نہیں کہ احرام کے بعد خوشبو کا اثر باقی رہنا احرام کو فاسد کرنے والا ہے اسے سمجھ لو۔

لہ گویا وہ شخص حج کے احکام جانتا تھا عمرے کے نہیں جانتا تھا تو حضور علیہ السلام نے عمرے کو حج سے تشبیہ دیتے ہوئے فرمایا جو احکام وارکان حج کے ہیں یعنی احرام اور اس کی شرائط عمرے کے احکام بھی وہی ہیں اور حج و عمرہ میں ماسوائے اس کے کوئی فرق نہیں کہ حج میں عرفات کے اندر وقوف ہوتا ہے عمرے میں وقوف نہیں ہے

وَعَنْ عُثْمَانَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَنْكِحُ الْمُحْرِمُ وَلَا يُنْكِحُ وَلَا يَخْطُبُ۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ محرم شخص حالت احرام میں نہ تو اپنا نکاح کرے اور نہ کسی دوسرے کے نکاح کا سرپرست و وکیل بنے اور نہ اپنے نکاح کی کسی عورت سے منگنی کرلے۔ (مسلم)

لہ یہاں حدیث میں تینوں لفظ پیش اور جزم سے مروی ہیں۔ منگنی کے لیے یہاں لفظ خطبہ آیا ہے۔ یعنی خا کی زیر سے بمعنی عورت کی خواہش کرنا۔ یہ امام شافعی اور جمہور علماء کا مذہب ہے لیکن نکاح کرنے اور کرانے سے ممانعت تحریمی مراد ہے اور خطبہ سے نہی تنزیہی۔ ہمارے نزدیک سب کچھ جائز ہے۔ ہماری یعنی احناف کی دلیل حضرت میمونہ کا نکاح ہے۔

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رض اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَزَوَّجَ مَيْمُوْنَةَ وَهُوَ مُحْرِمٌ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے بے شک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت میمونہ سے نکاح کیا جبکہ آپ حالت احرام میں[1] تھے۔ (بخاری و مسلم)

[1] یعنی آپ نے عمرہ قضا کے لیے احرام باندھا ہوا تھا۔

وَعَنْ يَزِيْدَ رض ابْنِ الْاَصَمِّ رض ابْنِ اُخْتِ مَيْمُوْنَةَ رض عَنْ مَيْمُوْنَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَزَوَّجَهَا وَهُوَ حَلَالٌ[1]۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت یزید بن الاصم بن اخت[1] میمونہ سے روایت ہے وہ حضرت میمونہ سے روایت کرتے ہیں بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت میمونہ سے نکاح کیا اس وقت آپ حالت احرام میں نہ تھے۔ (مسلم شریف)

قَالَ الشَّيْخُ الْاِمَامُ مُحْيِ السُّنَّةِ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَالْاَكْثَرُوْنَ عَلٰى اَنَّهُ تَزَوَّجَهَا حَلَالًا وَظَهَرَ اَمْرُ تَزْوِيْجِهَا وَهُوَ مُحْرِمٌ ثُمَّ بَنٰى بِهَا وَهُوَ حَلَالٌ بِسَرِفَ فِيْ طَرِيْقِ مَكَّةَ۔

شیخ محی السنۃ رحمہ اللہ اور اکثر محدثین اس پر ہیں کہ آپ نے حضرت میمونہ سے نکاح اس وقت کیا جبکہ آپ احرام میں نہ تھے اور آپ کے نکاح کرنے کا معاملہ اس وقت ظاہر ہوا جبکہ آپ حالت احرام میں تھے پھر آپ نے حضرت میمونہ سے صحبت کی جبکہ آپ احرام سے باہر نکل آئے تھے صحبت کرنے کا معاملہ مقام سرف[2] میں ہوا جو کہ مکہ کے راستے میں ہے۔

[1] یعنی آپ ام المومنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے ہمشیرہ کے بیٹے ہیں بعض کہتے ہیں کہ انہوں نے حضور سے حدیث روایت کی ہے۔ آپ صحابی ہیں مگر صحیح یہ ہے کہ آپ تابعی ثقہ اور کثیر الحدیث ہیں۔

[2] سرف سین کی زبر را کی زیر آخر میں فا یہ ایک جگہ کا نام ہے جو مکہ کے راستے پر مکہ سے دو میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ یہ بات عجیب اتفاقات میں سے ہے کہ حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا وصال شریف بھی یہیں ہوا۔ اب اس جگہ آپ کے مرقد مبارک پر ایک عمارت بنی ہوئی ہے۔ جو بعض امراء نے تعمیر کی ہے۔

واضح ہو کہ حضرت ابن عباس کی حدیث اور حضرت یزید بن الاصم کی حدیث دونوں آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ متعارض ہیں۔ حضرت ابن عباس کی حدیث یہ بیان کرتی ہے کہ حضرت میمونہ کا نکاح حالت احرام میں ہوا۔ ابن الاصم کی

حدیث اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ وہ حالت احرام کی بجائے حالت غیر احرام میں ہوا۔ ہمارے اصحاب حنفیہ حدیث ابن عباس کو حدیث ابن الاصم پر ترجیح دیتے ہیں کیونکہ ابن عباس حفظ و اتقان و فقہ میں افضل و اکمل ہیں اور ان کی حدیث متفق علیہ ہے۔ باقی رہی یہ بات کہ امیر المومنین حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث جو حالت احرام میں نکاح کی ممانعت پر دلالت کرتی ہے۔ تو اس کی تاویل کی گئی ہے۔ وہ تاویل یہ ہے کہ نکاح کرنا یا نکاح کرانا محرم کے حال کے مناسب نہیں ہے کیونکہ وہ دوسرے کام میں مصروف ہے۔ یہ مطلب نہیں کہ اس کے لیے ایسا کرنا حرام ہے۔ اور وہ جو شافعی حضرات نے حدیث ابن عباس کو اس پر محمول کیا ہے کہ ان کے نکاح کا معاملہ حالت احرام میں ظاہر ہوا اس وجہ سے کہہ دیا کہ حضرت میمونہ کا نکاح حالت احرام میں ہوا تو یہ تاویل تکلف پر مبنی ہے اور اس بات پر کہ یہ حلت قبل احرام والی اصل حلت تھی۔ حالانکہ اکثر روایات اس بارے میں ہیں کہ یہ حلت عارضی تھی جو کہ احرام کے بعد حاصل ہوئی تھی اس مفہوم کے مطابق ابن الاصم کی حدیث کو بھی اس پر حمل کیا جا سکتا ہے۔ کہ مراد یہ ہے کہ آپ کے نکاح کرنے کا معاملہ اس وقت ظاہر ہوا جبکہ آپ حالت حلت میں تھے۔ علم اصول کی کتابوں میں یہاں اس سے زیادہ گفتگو کی گئی ہے۔ اور میں نے شرح کے اندر اس کا بہت سا حصہ بیان کر دیا ہے۔ اس میں غور کرو۔

وَعَنْ اَبِیْ اَیُّوْبَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ کَانَ یَغْسِلُ رَاْسَهٗ وَهُوَ مُحْرِمٌ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ)

حضرت ابوایوب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنا سر دھو رہے تھے حالانکہ آپ محرم تھے۔[1]

(بخاری و مسلم)

[1] واضح ہو کہ محرم کے لیے جنابت کی بناء پر اپنا سر دھونا بالاتفاق جائز ہے، صرف ٹھنڈک حاصل کرنے کے لیے سر کے دھونے میں اختلاف ہے۔ اسی طرح خطمی وغیرہ کے ساتھ سر دھونے میں بھی اختلاف ہے۔ ہدایہ میں کہا غسل کرنے میں کوئی حرج نہیں اور حمام میں جانے میں بھی کوئی حرج نہیں۔ شرح میں کہا کیونکہ صرف پانی کے دھونے سے بالوں کی پراگندگی دور نہیں ہوتی بلکہ اور زیادہ ہوتی ہے ہاں سر اور داڑھی خطمی کے ساتھ نہیں دھونی چاہیے۔ کیونکہ خطمی بھی ایک قسم کی خوشبو ہے جو سر کی جوؤں وغیرہ کو مارتی ہے اس لیے منع ہے۔

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ احْتَجَمَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ مُحْرِمٌ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سینگی لگائی حالانکہ آپ حالت احرام میں تھے۔[1]

(بخاری و مسلم)

[1] اکثر علماء محرم کے لیے سینگی لگانے کو جائز قرار دیتے ہیں۔ جبکہ بال نہ ٹوٹیں۔

وَعَنْ عُثْمَانَ حَدَّثَ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الرَّجُلِ اِذَا اشْتَكٰى عَيْنَيْهِ وَهُوَ مُحْرِمٌ ضَمَّدَهُمَا بِالصَّبِرِ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث روایت کرتے ہیں ایک شخص کے بارے میں جس کی دونوں آنکھیں درد کر رہی تھیں۔ حالانکہ وہ حالت احرام میں تھا آپ نے فرمایا دونوں آنکھوں کو صبر کے ساتھ لیپ[1] کرے۔ (مسلم)

[1] دونوں آنکھوں کی قید اتفاقی ہے اگر ایک آنکھ بھی درد کر رہی ہو تو اسے لیپ کرنا بطریق اولیٰ ٹھیک ہے لفظ صبر ص کی زبر باکی زیر اور جزم دونوں طرح جائز ہے یہ لیپ کرنا جائز نہیں یعنی حالت احرام میں مگر بالوں کی ضرورت کے تحت صبر دراصل ایک مشہور کڑوی دوا ہے جس سے درد چشم کا علاج کرتے ہیں۔ اور آنکھ میں ڈالتے ہیں، یہاں لیپ کرنے کے لیے لفظ تضمید آیا ہے جس کا معنی ہے پٹی کے ساتھ زخم کو باندھنا۔ زخم پر دوائی لگانے کے معنی میں بھی آتا ہے اگرچہ اس پر پٹی نہ باندھی گئی ہو۔ ظاہر یہ ہے کہ یہاں پٹی کا باندھنا مراد ہے کیونکہ پٹی چہرے کے کچھ حصے کو چھپاتی ہے۔ اس لیے یہ بیان کرنا ضروری ہے کہ یہ سب کچھ ضرورت کے تحت ہوا۔ حالت احرام میں ایسا کرنے سے کوئی جرم لازم نہیں آتا۔

وَعَنْ اُمِّ الْحُصَيْنِ قَالَتْ رَاَيْتُ اُسَامَةَ وَبِلَالًا وَاَحَدُهُمَا اٰخِذٌ بِخِطَامِ نَاقَةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالْاٰخَرُ رَافِعٌ ثَوْبَهٗ يَسْتُرُهٗ مِنَ الْحَرِّ حَتّٰى رَمٰى جَمْرَةَ الْعَقَبَةِ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت ام الحصین[1] رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں میں نے حضرت اسامہ اور حضرت بلال کو دیکھا اور ان دونوں میں سے ایک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی مبارک کی مہار پکڑے ہوئے تھے اور دوسرے اپنا کپڑا اوپر اٹھائے ہوئے تھے جس کے ساتھ وہ حضور علیہ السلام کو گرمی سے محفوظ کر رہے تھے۔ یہاں تک کہ آپ نے جمرہ عقبہ کی رمی[2] کی۔ (مسلم شریف)

[1] آپ صحابیہ ہیں حجۃ الوداع میں حاضر تھیں۔

[2] ایک روایت میں اس طرح ہے کہ ان دونوں نے آپ کے سر مبارک پر تاج کی طرح ایک چیز اٹھا رکھی تھی یہ حدیث اس بات کے جواز کی دلیل ہے۔ کہ محرم کا سائے کے نیچے ہونا ٹھیک ہے۔ طیبی نے کہا کہ یہ اکثر علماء کا قول ہے۔ مالک اور احمد اسے مکروہ کہتے ہیں۔

وَعَنْ كَعْبِ بْنِ عُجْرَةَ اَنَّ النَّبِيَّ

حضرت کعب بن عجرہ[1] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرَّ بِهٖ وَهُوَ بِالْحُدَيْبِيَّةِ قَبْلَ اَنْ يَّدْخُلَ مَكَّةَ وَهُوَ مُحْرِمٌ وَ هُوَ يُوْقِدُ تَحْتَ قِدْرٍ وَّ الْقَمْلُ تَتَهَافَتُ عَلٰى وَجْهِهٖ فَقَالَ اَتُؤْذِيْكَ هَوَآمُّكَ قَالَ نَعَمْ قَالَ فَاحْلِقْ رَاْسَكَ وَ اَطْعِمْ فَرَقًا بَيْنَ سِتَّةِ مَسَاكِيْنَ وَالْفَرَقُ ثَلٰثَةُ اٰصُعٍ اَوْصُمْ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ اَوِانْسُكْ نَسِيْكَةً۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اُن کے پاس سے گزرے جبکہ آپ مکہ میں داخل ہونے سے پہلے حدیبیہ کے مقام میں تھے اور انہوں نے یعنی حضرت کعب نے احرام باندھا ہوا تھا اور وہ ہانڈی کے نیچے آگ جلا رہے تھے اور ان کی جوئیں اُن کے چہرے پر گر رہی تھیں تو حضور علیہ السلام نے فرمایا کیا تیری جوئیں تجھے تکلیف دے رہی ہیں عرض کیا ہاں فرمایا تو اپنا سر منڈا دے اور چھ مسکینوں کو بارہ سیر کھانا کھلا دے یا تین دن روزہ رکھے یا ایک جانور ذبح کر دے۔ (بخاری و مسلم)

لہ عجرہ عین کی پیش جیم کی جزم آپ انصاری صحابی ہیں، اصحاب شجرۃ الرضوان میں سے ہیں کہا گیا ہے کہ اسلام لانے سے پہلے ان کا ایک بت تھا جسے یہ پوجا کرتے تھے حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ ان کے دوست تھے۔ حضرت عبادہ ایک دن ان کے پاس آئے دیکھا کہ وہ بت کو پوج کر مکان سے باہر نکلے ہیں حضرت عبادہ ان کے مکان میں داخل ہو گئے اور ان کے بت کو توڑ دیا۔ جب حضرت کعب اپنے گھر میں داخل ہوئے اور بت کو ٹوٹا ہوا دیکھا تو غصے میں آگئے۔ اور چاہا کہ حضرت عبادہ کو گالیاں دیں مگر پھر سوچا کہ اگر اس بت میں کچھ طاقت ہوتی تو یہ اپنے آپ کو ٹوٹنے سے بچا لیتا۔ یہ خیال آنے پر آپ نے اسلام قبول کر لیا۔

سلہ یہاں حدیث میں لفظ فرق فا کی زبر سے آیا ہے یعنی تین صاع کا ایک فرق ہوتا ہے اس طرح ہر مسکین کو گندم کا نصف صاع دے جہاں ایک لفظ آصع آیا ہے جو کہ صاع کی جمع ہے یہ اصل میں اصوع تھا تو بدل کر آصع پڑھنے لگے جس طرح آدر دار کی جمع ہے۔

سلہ یہاں حدیث میں لفظ انسک آیا ہے بصیغہ امر

اَلْفَصْلُ الثَّانِيْ

دوسری فصل

عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّهٗ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَنْهَى النِّسَآءَ فِيْ اِحْرَامِهِنَّ عَنِ الْقُفَّازَيْنِ

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے بے شک انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سنا کہ آپ عورتوں کو اُن کے احرام کی حالت میں منع فرماتے تھے

وَالنِّقَابِ وَمَا مَسَّ الْوَرْسُ وَالزَّعْفَرَانُ مِنَ الثِّيَابِ وَالْتَلْبَسْ بَعْدَ ذٰلِكَ مَا اَحَبَّتْ مِنْ اَلْوَانِ الثِّيَابِ مُعَصْفَرٍ اَوْخَزٍّ اَوْ حُلِيٍّ اَوْ سَرَاوِيْلَ اَوْ قَمِيْصٍ اَوْ خُفٍّ۔ (رَوَاهُ اَبُوْ دَاؤُدَ)

کہ وہ حالت احرام میں دستانے استعمال نہ کریں اور چہرے پر نقاب نہ ڈالیں۔ اور ایسا کپڑے کو بھی نہ پہنیں جیسے ورس اور زعفران لگا ہوا ہو اس کے علاوہ جس رنگ کے بھی کپڑے پہنیں تو انہیں اجازت ہے۔ جیسے پیلے رنگ کا کپڑا۔ لباس خز اور زیور یا قمیص یا موزے۔ (ابو داؤد)

۱ اس حدیث کا ترجمہ ابن عمر کی حدیث سے ظاہر ہو جاتا ہے جو فصل اول میں گزری۔
۲ یعنی احرام سے باہر آنے کے بعد کپڑوں میں سے جو کپڑا بھی پسند کرے پہن سکتی ہے۔
۳ خاد رلے سے یہ کپڑے کی ایک قسم ہے۔ قاموس میں ہے کہ عصفر ایک مشہور بوٹی ہے اس سے لفظ معصفر بنا ہے یعنی وہ کپڑا جو اس بوٹی میں رنگا ہوا ہو اس حدیث میں زیور کو بھی لباس میں داخل فرمایا۔

وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ الرُّكْبَانُ يَمُرُّوْنَ بِنَا وَنَحْنُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُحْرِمَاتٌ فَاِذَا حَاذُوْا بِنَا سَدَلَتْ اِحْدَانَا جِلْبَابَهَا مِنْ رَاْسِهَا عَلٰى وَجْهِهَا فَاِذَا جَاوَزُوْنَا كَشَفْنَاهُ۔ (رَوَاهُ اَبُوْ دَاؤُدَ وَلِابْنِ مَاجَةَ مَعْنَاهُ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں سوار ہمارے پاس سے گزرتے تھے اور ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حالت احرام میں تھیں تو جب وہ سوار ہمارے نزدیک سے گزرتے ہم ازواج مطہرات اپنی چادریں اپنے منہوں پر ڈال لیتی تھیں جب وہ ہمارے پاس سے گزر جاتے تو ہم اپنے چہرے ننگے کر لیتی تھیں۔ اسے ابو داؤد نے روایت کیا اور ابن ماجہ کے ہاں اس کے معنیٰ کو روایت کیا ہے۔

۱ حدیث میں لفظ حاذوا اسی طرح واقع ہوا ہے یہ حواز سے مشتق ہے۔ سنن ابو داؤد میں ایسے ہی آیا ہے اور مصابیح میں لفظ جاوزونا آیا ہے جو مجاوزت سے نکلا ہے۔ حدیث کے بعض الفاظ میں حاذوا حا اور زے کے ساتھ آیا ہے۔

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَدَّهِنُ بِالزَّيْتِ وَهُوَ مُحْرِمٌ غَيْرَ الْمُقَتَّتِ يَعْنِيْ غَيْرَ الْمُطَيَّبِ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے بے شک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خوب تیل لگایا کرتے تھے حالانکہ آپ محرم ہوتے تھے تاہم آپ ایسا تیل لگاتے تھے جس میں خوشبو نہ ہوتی تھی۔ (ترمذی)

لہ یہاں حدیث میں لفظ غیر المقتت آیا ہے یعنی ایسا تیل جس میں خوشبو نہ ملائی گئی ہو۔ مقتت میم کی پیش تا کی شد سے بمعنٰی ایسا تیل جس میں خوشبوئیں ملائی گئی ہوں یا ایسا تیل جس میں خوشبودار روغن ڈالے ہوئے ہوں وقت اور تقتیت بمعنٰی پھول میں روغن کی پرورش کرنا۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ہر تیل میں خوشبو پائی جاتی ہے کیونکہ تیل میں خوشبو اصل ہے جیسا کہ علماء نے کہا ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

عَنْ نَافِعٍ اَنَّ ابْنَ عُمَرَ وَجَدَ الْقُرَّ فَقَالَ اَلْقِ عَلَيَّ ثَوْبًا يَا نَافِعُ فَاَلْقَيْتُ عَلَيْهِ بُرْنُسًا فَقَالَ تُلْقِيْ عَلَيَّ هٰذَا وَقَدْ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يَّلْبَسَهُ الْمُحْرِمُ۔

(رَوَاهُ اَبُوْ دَاؤُدَ)

حضرت نافع سے روایت ہے بے شک حضرت ابن عمر کو سردی محسوس ہوئی تو فرمایا اے نافع میرے اوپر کپڑا ڈال دو۔ نافع کہتے ہیں میں نے آپ پر برنس (ایک قسم کا سلا ہوا جبہ ڈال دیا) اس پر حضرت ابن عمر نے فرمایا کیا تو میرے اوپر یہ کپڑا ڈالتا ہے حالانکہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے محرم کے لیے یہ کپڑا پہننے سے[۲] منع فرمایا۔ (ابو داؤد)

لہ کیونکہ مجھے سردی لگ رہی ہے۔

[۲] حضرت ابن عمر کا ظاہر مذہب یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ سلے ہوئے کپڑے سے مطلقاً پرہیز کرتے تھے جیسے بھی اس کو پہنیں۔ گزشتہ ایک حدیث سے معلوم ہو چکا ہے کہ اگر سلے ہوئے کپڑے کو متعارف طریقے سے نہ پہنیں تو کوئی حرج نہیں یا آپ نے زیادہ احتیاط کی بنا پر ایسا کیا۔

وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَالِكٍ ابْنِ بُحَيْنَةَ قَالَ احْتَجَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ مُحْرِمٌ بِلَحْيِ جَمَلٍ مِّنْ طَرِيْقِ مَكَّةَ فِيْ وَسَطِ رَأْسِهٖ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت عبداللہ بن مالک سے روایت ہے جو عبداللہ بحینہ کے بیٹے ہیں۔ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا خون کشید کیا جب کہ آپ حالت احرام میں تھے آپ نے یہ کام لحی جمل میں کیا جو کہ مکہ کے راستے میں ہے آپ نے وہ خون اپنے سر کے وسط سے کشید کیا۔ (بخاری و مسلم)

لہ یہاں لفظ مالک پر تنوین ہے اور یہ عبداللہ کی صفت ثانی ہے۔ بحینہ با کی پیش حا کی زبر یا ساکن سے

عبداللہ کی ماں کا نام ہے ۔ مالک اُن کے باپ کا نام ہے اور اگر مالک کو تنوین سے پڑھا جائے تو لازم آتا ہے کہ بحینہ مالک کی ماں ہو حالانکہ وہ ان کی بیوی ہیں ۔ میں نے اس بات کو دوسری جگہوں میں بھی ذکر کیا ہے اس میں غور کرو ۔

۲ لام کی زبر اور حا ساکن سے اور جمل بلفظ عیان مشہور یہ کہ اور مدینہ کے درمیان ایک جگہ کا نام ہے ۔

۳ یہاں لفظ وسط سین کی زبر سے ہے وَسَط اور وَسْط کے درمیان فرق مشہور ہے اور کہا گیا ہے کہ آپ نے ایسا مجبوری کے تحت کیا کیونکہ سر کے درمیان سے خون کشید کرنا بالوں کے کاٹنے کے بغیر نہیں ہوسکتا اور اگر کسی ایسی جگہ سے خون کشید کیا جائے جہاں بال ہی نہ ہوں تو بغیر فدیے کے جائز ہے ۔

وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ احْتَجَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ مُحْرِمٌ عَلٰى ظَهْرِ الْقَدَمِ مِنْ وَجَعٍ كَانَ بِهٖ ۔
(رَوَاهُ اَبُوْدَاؤُدَ وَالنَّسَائِيُّ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پاؤں کی پشت ۱ سے خون کشید کیا حالانکہ آپ حالت احرام میں تھے ۔ بوجہ اُس درد کے جو آپ کے پاؤں کو ہو رہا تھا ۔ (ابوداؤد و نسائی)

۱ اور غالباً پاؤں کی پشت پر بال نہیں ہوتے اور اس کے باوجود آپ کو درد بھی ہو رہا تھا لہٰذا یہاں سے خون کشید کرنے میں مجبوری تھی ۔

وَعَنْ اَبِىْ رَافِعٍ قَالَ تَزَوَّجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَيْمُوْنَةَ وَهُوَ حَلَالٌ وَّبَنٰى بِهَا وَهُوَ حَلَالٌ وَكُنْتُ اَنَا الرَّسُوْلُ بَيْنَهُمَا ۔
(رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ)

حضرت ابورافع ۱ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت میمونہ سے نکاح کیا اُس وقت آپ حالت احرام میں نہ تھے اور اُن سے صحبت بھی کی اُس وقت بھی آپ حالت احرام میں نہ تھے اور میں اُن دونوں کے درمیان پیغام رساں تھا ۔ اسے احمد اور ترمذی نے روایت کیا ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن ہے ۔

۱ حضرت ابورافع حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام ہیں پہلے آپ حضرت عباس کے غلام تھے انہوں نے انہیں حضور کی خدمت میں پیش کیا آپ قبطی النسل تھے ۔ حضرت ابن عباس کو جب ان کے اسلام لانے کی خبر لوگوں نے پہنچائی تو آپ نے خوشی میں ان کو آزاد کر دیا حضرت ابورافع جنگ خندق اور احد میں شامل ہوئے بعض نے ان کا نام مصعب بیان کیا ہے بعض ابراہیم بتلاتے ہیں اور کچھ لوگ اس کے سوا اور نام بیان کرتے ہیں آپ جنگ بدر سے پہلے ایمان لاچکے تھے مگر بدر میں حاضر نہ ہو سکے ۔

بَابُ الْمُحْرِمِ يَجْتَنِبُ الصَّيْدَ

محرم کا شکار سے بچنے کا بیان

واضح ہو کہ محرم کا شکار کرنا یا دوسرے کو شکار کا راستہ دکھانا یا شکار کی طرف اشارہ کرنا بالاتفاق حرام ہے۔ اگر ان افعال میں سے کوئی فعل محرم کرے گا تو اُس کا بدلہ اُس کے ذمے لازم آئے گا مگر محرم کے شکار کا گوشت کھانے میں قدرے تفصیل ہے اگر وہ خود شکار کرے یا دوسرے محرم کو شکار کا حکم دے تو اُس شکار کا کھانا بھی حرام ہے اور اگر غیر محرم اپنے لیے شکار کرے یا محرم کے لیے اُن کی اجازت یا بغیر اجازت شکار کرے تو اس میں مختلف مذاہب اور اقوال ہیں بعض صحابہ و تابعین اور ان کے بعد کے لوگوں اور ابن عباس و طاؤس و ثوری کا مذہب یہ ہے کہ محرم کے لیے شکار کا گوشت کھانا مطلقاً حرام ہے۔ اس کی دلیل حضرت صعب بن جثامہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے جو کہ آرہی ہے۔ اور مالک و شافعی و احمد کا مذہب یہ ہے کہ محرم اگر خود شکار کرے یا کوئی دوسرا اُس کے لیے شکار کرے اُس کی اجازت یا بغیر اجازت کے تو اُس کا کھانا بھی حرام ہے اور اگر غیر محرم اپنے لیے شکار کرے مگر اُس میں سے کچھ بطور ہدیہ محرم کو دے تو اُس کا کھانا محرم کے لیے حلال ہے۔ امام ابو حنیفہ اور اُن کے ساتھیوں کا مذہب یہ ہے کہ دوسرے محرم کے لیے شکار کا گوشت کھانا حلال ہے جبکہ نہ تو محرم نے خود شکار کیا ہو، نہ اُس کا حکم دیا ہو اور نہ اس پر دلالت یا اشارہ یا اعانت کی ہو۔ خود اُس نے یا دوسرے محرم نے کسی نے بھی ایسا کیا ہو تو اگرچہ وہ شکار محرم کے لیے کیا ہو تو بھی اُس شکار کا گوشت کھانا محرم کے لیے حلال ہے۔ جیسا کہ حضرت ابو قتادہ کی حدیث اس پر دلالت کرتی ہے یہ ہے اس بارے میں مذاہب کی تحریر۔ اس بارے میں احادیث ظاہر کے اعتبار سے مخالف و متعارض آئی ہیں جو ہم نے شرح سفر السعادت میں پوری تفصیل سے بیان کر دی ہیں وہاں سے دیکھ لی جائیں۔ واللہ اعلم

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

پہلی فصل

عَنِ الصَّعْبِ بْنِ جَثَّامَةَ أَنَّهُ أَهْدَى لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِمَارًا وَحْشِيًّا وَهُوَ بِالْاَبْوَاءِ اَوْ بِوَدَّانَ فَرَدَّ عَلَيْهِ فَلَمَّا

حضرت صعب بن جثامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بے شک انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جنگلی گائے جو انہوں نے شکار کی ہوئی تھی بطور ہدیہ پیش کی جبکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام

رَاٰی مَا فِیْ وَجْہِہٖ قَالَ اِنَّا لَمْ نَرُدَّہٗ عَلَیْکَ اِلَّا اَنَّا حُرُمٌ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)

مقام[2] ابواء یا مقام ودان[3] میں تشریف فرما تھے تو حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے وہ ہدیہ حضرت صعب کو واپس کر دیا اور اُسے قبول نہ کیا۔ جب آپ نے اُن کے چہرے پر[4] ناخوشی محسوس کی تو حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے اُن سے فرمایا کہ بیشک ہم نے وہ ہدیہ تجھ پر واپس نہیں کیا مگر بات یہ ہے کہ ہم حالت احرام[5] میں ہیں۔ (بخاری ومسلم)

[1] ص کی زبر عین کی جزم سے جثامہ جیم کی زبر ثا پر شد آپ صحابی ہیں۔ حضرت ابن عباس اُن سے روایت کرتے ہیں آپ نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت میں وصال فرمایا۔

[2] ابواء ھمزہ کی زبر با ساکن سے۔

[3] ودان و کی زبر د کی شد ابواء اور ودان کہ اور مدینہ کے درمیان دو جگہوں کا نام ہے یہ جگہیں مدینہ کے زیادہ قریب ہیں کہتے ہیں کہ حضور کے والد حضرت عبداللہ کی قبر وہاں ہے۔ یہ حضرت صعب بن جثامہ اس جگہ کے باشندے تھے۔

[4] یعنی ناخوشی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اُن کا ہدیہ نہ قبول کرنے کی وجہ سے اُن کے چہرے سے غم واندوہ محسوس کیا۔

[5] یہاں حدیث میں لفظ حُرُم آیا ہے جو کہ حرم بکسر حا بمعنی احرام کی جمع ہے جیسا کہ قاموس میں آچکا ہے۔ صحاح میں فرمایا کہ حرام کی جمع ہے۔

پوشیدہ نہ رہے کہ حدیث کا ظاہر اس بارے میں ہے کہ حضرت صعب بن جثامہ نے جنگلی گائے زندہ بطور ہدیہ پیش کی تھی۔ محرم کے لیے اس کا قبول کرنا جائز نہیں لیکن یہاں گفتگو شکار کے گوشت میں ہے کہ اس کا گوشت محرم کے لیے کھانا جائز ہے یا نہیں۔ روایات میں آیا ہے کہ یہ جنگلی گائے کے گوشت کا ہدیہ تھا۔ مسلم کی روایات میں آیا ہے کہ جنگلی گائے کی ران بطور ہدیہ پیش کی تھی جس سے خون ٹپک رہا تھا۔

ایک روایت میں یوں لائے کہ اس کا ایک شق بکسر شین حصہ بطور ہدیہ پیش کیا۔ ایک روایت میں اس کے ایک عضو کے ہدیہ کا ذکر ہے۔ پس ان روایات کے قرینہ کی بنا پر اس حدیث میں بھی گوشت ہی مراد ہوگا۔

وَعَنْ اَبِیْ قَتَادَۃَ[1] اَنَّہٗ خَرَجَ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَتَخَلَّفَ مَعَ بَعْضِ اَصْحَابِہٖ

حضرت ابو قتادہ[1] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے بے شک وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ باہر نکلے تو اپنے بعض ساتھیوں کے ساتھ جو حالت

وَهُمْ مُحْرِمُوْنَ وَهُوَ غَيْرُ مُحْرِمٍ فَرَأَوْا حِمَارًا وَّحْشِيًّا قَبْلَ أَنْ يَّرَاهُ فَلَمَّا رَأَوْهُ تَرَكُوْهُ حَتّٰى رَاٰهُ أَبُوْ قَتَادَةَ فَرَكِبَ فَرَسًا لَّهٗ فَسَأَلَهُمْ أَنْ يُّنَاوِلُوْهُ سَوْطَهٗ فَأَبَوْا فَتَنَاوَلَهٗ فَحَمَلَ عَلَيْهِ فَعَقَرَهٗ ثُمَّ أَكَلَ فَأَكَلُوْا فَنَدِمُوْا فَلَمَّا أَدْرَكُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَأَلُوْهُ قَالَ هَلْ مَعَكُمْ مِّنْهُ شَيْءٌ قَالُوْا مَعَنَا رِجْلُهٗ فَأَخَذَهَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَكَلَهَا۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

وَفِيْ رِوَايَةٍ لَّهُمَا فَلَمَّا أَتَوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ أَمِنْكُمْ أَحَدٌ أَمَرَهٗ أَنْ يَّحْمِلَ عَلَيْهَا أَوْ أَشَارَ إِلَيْهَا قَالُوْا لَا قَالَ فَكُلُوْا مَا بَقِيَ مِنْ لَحْمِهَا)

احرام میں تھے پیچھے رہ گئے اور وہ خود غیر حالت احرام میں تھے تو انہوں نے یعنی احرام والے ساتھیوں نے جنگلی گائے کو حضرت قتادہ سے پہلے دیکھ لیا جب انہوں نے اُسے چھوڑ دیا تو کچھ دیر کے بعد حضرت قتادہ نے خود اُسے دیکھ لیا اپنے گھوڑے پر سوار ہوئے اور اپنے ساتھیوں سے کہا کہ مجھے میرا کوڑا پکڑاؤ[۲] انہوں نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا[۳] اس پر حضرت ابو قتادہ نے خود نیچے اُتر کر کوڑے کو پکڑا اور جنگلی گائے پر حملہ کر کے اُسے زخمی کر دیا پھر اُس کا گوشت خود حضرت ابو قتادہ نے بھی کھایا اور اُن کے ساتھیوں نے بھی کھایا بعد میں پشیمان ہوئے جب یہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچے تو آپ سے اُس کے بارے میں سوال کیا آپ نے فرمایا تمہارے پاس اُس کے گوشت میں سے کچھ ہے انہوں نے عرض کیا ہمارے پاس اُس کا پاؤں ہے۔ آپ نے اُس پاؤں کو پکڑا اور اسے کھایا۔ (بخاری ومسلم) اور مسلم بخاری کی ایک روایت میں اس طرح آیا ہے کہ جب وہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے تو آپ نے اُن سے فرمایا کہ تم میں سے کوئی ایسا ہے جس نے اس پر حملہ کرنے کا حکم دیا ہو، یا اُس کی جانب اشارہ کیا ہو انہوں نے کہا ہم میں کسی نے ایسا نہیں کیا۔ آپ نے فرمایا تو اُس کے بچے ہوئے گوشت میں سے کھاؤ

۱ حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ مشہور صحابی ہیں۔ یہ واقعہ ۶ھ ہجری۔ حدیبیہ کے سال کا ہے۔

۲ بعض کہتے ہیں کہ یہاں کوڑے سے تلوار مراد ہے۔ بعض روایات میں کوڑے کے ساتھ نیزے کا ذکر بھی ہے۔

۳ انکار کی وجہ یہ تھی کہ وہ حالت احرام میں تھے۔ احرام کی حالت میں شکاری کی مدد کرنا بھی منع ہے۔

۴؎ ایک روایت میں کوڑے کے ساتھ نیزے کا ذکر بھی آیا ہے۔

۵؎ اس بات پر پشیمان ہوئے کہ ہم نے حالت احرام میں شکار کا گوشت کیوں کھایا۔ حضرت ابوقتادہ نے گوشت کا کچھ حصہ اپنے پاس محفوظ کر لیا۔

۶؎ ایک روایت میں اُس کے بازو کا ذکر آیا ہے۔

۷؎ یعنی اُس کے شکار کرنے میں کسی قسم کی مدد کی ہو۔

۸؎ یہ حدیث پاک اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ محرم کے لیے شکار کے گوشت میں سے کھانا جائز ہے جب کہ اُسے خود شکار نہ کیا ہو یا شکار کی جانب رہنمائی نہ کی ہو۔ یا اُس کی جانب اشارہ نہ کیا ہو یا اُس کے شکار کرنے میں مدد نہ کی ہو گزشتہ حدیث مطلقاً حرمت پر دلالت کرتی ہے۔ احادیث و آثار دونوں جانب بہت ہیں تو ضروری طور پر بعض ناسخ اور بعض منسوخ ہوں گی جیسا کہ اپنی جگہ پر اس کی تحقیق ہو چکی ہے۔

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رض عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ خَمْسٌ لَّا جُنَاحَ عَلَى مَنْ قَتَلَهُنَّ فِي الْحَرَمِ وَالْإِحْرَامِ اَلْفَارَةُ وَالْغُرَابُ وَالْحِدَأَةُ وَالْعَقْرَبُ وَالْكَلْبُ الْعَقُوْرُ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ جس نے پانچ چیزوں کو حرم میں اور حالت احرام میں قتل کیا اُس کے ذمے کوئی گناہ نہیں چوہے[1] کو۔ کوے کو۔ گدھ کو[2]۔ بچھو کو اور بہکے کتے کو۔ (بخاری و مسلم)

۱؎ یہاں حدیث میں لفظ الفارہ آیا ہے یعنی را مخفف سے۔

۲؎ حدیث میں لفظ حداۃ آیا ہے یعنی حا کی زیر دکی زبر ہمزہ کی زبر سے بر وزن عنبہ یہ ایک مشہور جانور ہے اسے غلیواز بھی کہتے ہیں۔ صراح میں اسے خات کہا۔

وَعَنْ عَائِشَةَ رض عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ خَمْسٌ فَوَاسِقُ يُقْتَلْنَ فِي الْحِلِّ وَالْحَرَمِ اَلْحَيَّةُ وَالْغُرَابُ الْاَبْقَعُ وَالْفَارَةُ وَالْكَلْبُ الْعَقُوْرُ وَالْحُدَيَّا۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے بے شک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پانچ جانور فاسق یعنی شریر ہیں انہیں حل و حرم دونوں جگہوں میں قتل کر دیا جائے[1] سانپ، جنگلی کوا[2]، چوہا لڑنے والا کتا اور گدھ[3] (بخاری و مسلم)

۱؎ محرم کے لیے ان کا قتل کرنا جائز ہے۔

ے یہاں حدیث میں لفظ ابقع آیا ہے یعنی بااورق سے یعنی جنگلی کوا جس میں سیاہی اور سفیدی دونوں رنگ ہوتے ہیں، اس کی پشت اور پیٹ پر بھی سفیدی ہوتی ہے۔ یہ صفت اور یہ رنگ اڑنے والے پرندوں اور کتوں دونوں میں پایا جاتا ہے۔ صراح میں بقع کا معنی پرندے کی سفیدی کا کیا ہے۔ حدیث میں سیدنا حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے قاتل کے بارے میں واقع ہوا ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا گویا کہ میں ایک سفید رنگ کے کتے کی طرف دیکھ رہا ہوں جو اپنا منہ اہل بیت کے خون میں ڈالے ہوئے ہے۔ شمر ملعون کی رنگت واقعی ایسی ہی تھی کیونکہ اسے برص کی بیماری تھی۔

ے یہاں حدیث میں لفظ حدیا حداۃ کی تصغیر کی صورت میں آیا ہے۔ جیسا کہ گزشتہ حدیث میں مذکور ہوا۔ واضح ہو کہ ان دونوں حدیثوں میں پانچ موذی چیزوں کا ذکر ہوا ہے لیکن گزشتہ حدیث میں بچھو کا ذکر تھا سانپ کا نہ تھا۔ بعد والی حدیث میں اس کے الٹ ہے۔ یعنی سانپ کا ذکر ہے بچھو کا نہیں اور کوا کبھی مطلق مذکور ہوتا ہے اور کبھی ابقع کے ساتھ موصوف ہو کر مراد ہوتا ہے۔ علماء نے کہا ہے کہ وہ جانور جسے حل و حرم میں محرم اور غیر محرم دونوں قتل کر سکتے ہیں ان پانچ میں منحصر نہیں، بلکہ تمام موذی جانوروں کا یہی حکم ہے۔ اسی طرح تمام درندے جیسے شیر، بھیڑیا۔ اور چیتا سب کاٹنے والے کتے میں داخل ہیں۔ سب علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ محرم کے لیے انہیں قتل کرنا جائز ہے بلکہ حل و حرم میں ہر موذی جانور کا قتل جائز ہے مگر جرم کرنے والے انسان کا قتل جس نے حرم میں جرم کیا ہو یا حل میں کیا ہو۔ امام شافعی کے نزدیک جائز ہے۔ اور احناف کے نزدیک اگر جرم حرم میں کیا ہو یا حرم میں پناہ حاصل کی ہو اس کے لیے یہ حکم ہے کہ اس پر جینا تنگ کر دیا جائے یعنی اس کے کھانے پینے کی چیزیں اس تک نہ پہنچنے دی جائیں تاکہ وہ حرم سے نکلنے پر مجبور ہو جائے جب وہ مجبور ہو کر حرم سے باہر نکلے تو اسے قتل کر دیا جائے اور اس پر سزا جاری کر دی جائے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

دوسری فصل

عَنْ جَابِرٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ لَحْمُ الصَّیْدِ لَکُمْ فِی الْاِحْرَامِ حَلَالٌ مَا لَمْ تَصِیْدُوْا اَوْ یُصَادُ لَکُمْ۔

(رَوَاہُ اَبُوْ دَاوٗدَ وَالتِّرْمِذِیُّ وَالنَّسَائِیُّ)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا شکار کا گوشت تمہارے لیے حلال ہے جبکہ تم نے اسے شکار نہ کیا ہو۔[1] یا تمہارے لیے شکار نہ کیا گیا ہو۔

(ابوداؤد۔ ترمذی۔ نسائی)

[1] یعنی جبکہ تم حالت احرام میں ہو۔

۲ے اگر شکار کرنے والا محرم نہ ہو۔ امام مالک اور امام شافعی کا مذہب یہی ہے ۔ یہ مذہب دو دوسرے مذہبوں کے درمیان ہے جیسا کہ مذکور ہوا۔

وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْجَرَادُ مِنْ صَیْدِ الْبَحْرِ۔

(رَوَاهُ اَبُوْ دَاؤُدَ وَالتِّرْمِذِیُّ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے بیشک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مکڑی سمندری[۱] شکار میں سے ہے۔

(ابوداؤد و ترمذی)

[۱] یعنی سمندری شکار کے حکم میں داخل ہے روایات میں آیا ہے کہ مکڑی مچھلی کے ناک چھینکنے سے پیدا ہوئی ہے بعض کہتے ہیں مکڑی مچھلی سے پیدا ہوتی ہے جیسے کیڑے پیدا ہوتے ہیں پھر دریا انہیں ساحل پر پھینک دیتا ہے تو وہ خشکی میں پرورش پاتی ہیں۔ اس حدیث سے بعض علماء نے جائز قرار دیا ہے کہ مکڑی کا شکار دریائی شکار میں سے ہے۔ اور دریائی شکار اللہ تعالیٰ کے قول مبارک (واحل لکم صید البحر ما دمتم حرما) (یعنی تمہارے لیے دریائی شکار حلال ہے باوجودیکہ تم حالت احرام میں ہو) کے مطابق حلال ہے۔ لیکن جو لوگ مکڑی کا شکار جائز قرار نہیں دیتے وہ اسے خشکی کے شکار میں شمار کرتے ہیں کیونکہ یہ خشکی میں رہتی ہے۔ زمین میں انڈا دیتی ہے۔ نباتات اور پھلوں کو جو زمین سے پیدا ہوتے ہیں اپنی خوراک بناتی ہے۔ بعض نے یوں کہا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مکڑی کو دریائی شکار کے حکم میں اس لیے شمار کیا کہ اسے دریائی شکار کی طرح بغیر ذبح کے کھانا جائز ہے۔ واللہ اعلم۔

وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ یَقْتُلُ الْمُحْرِمُ السَّبُعَ الْعَادِیَ۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَاَبُوْ دَاؤُدَ وَ ابْنُ مَاجَةَ)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ حضور علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا محرم حملہ آور درندے کو قتل کر سکتا ہے[۱]۔

(ترمذی۔ ابوداؤد) (ابن ماجہ)

[۱] یہ حملہ آور درندہ کاٹنے والے کتے کے حکم میں ہے جیسا کہ پیچھے بیان کیا گیا۔

وَعَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ اَبِیْ عَمَّارٍ قَالَ سَاَلْتُ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ عَنِ الضَّبُعِ اَصَیْدٌ هِیَ فَقَالَ نَعَمْ فَقُلْتُ اَیُؤْکَلُ فَقَالَ نَعَمْ فَقُلْتُ سَمِعْتَهٗ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ

حضرت عبدالرحمان بن ابوعمار رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے بجو کے بارے میں پوچھا کہ کیا وہ شکار ہے جس کا قتل محرم کے لیے حرام ہے تو آپ نے فرمایا ہاں پھر میں نے کہا کیا اس کا کھانا حلال ہے حضرت جابر

قَالَ نَعَمْ۔
(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَالنَّسَائِيُّ وَالشَّافِعِيُّ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ)

نے فرمایا ہاں اس کا کھانا حلال ہے تو میں نے کہا آپ نے اس کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے فرمایا ہاں۔ ترمذی. نسائی. شافعی اور ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

لہ عین کی زبر میم کی شد آپ تابعی ہیں کی اور قرشی ہیں عبادت کا بڑا ہی شوق رکھتے تھے ہمیشہ پاک دامنی اور ہر قسم کی آلائش سے پاک زندگی گزاری۔

۲ یہاں حدیث میں لفظ ضبع آیا ہے ض کی زبر با کی پیش مشہور جانور ہے۔

۳ واضح ہو کہ بجو کے گوشت کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے آیا ہے کہ وہ اسے کھایا کرتے تھے۔ حضرت ابن عباس سے بھی اس کا جواز مروی ہے۔ امام شافعی اور امام احمد اسی طرف گئے ہیں۔ امام ابوحنیفہ اور امام مالک اسکی کراہت کی طرف گئے ہیں کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر پھاڑنے والے دانت رکھنے والے درندے کے کھانے سے منع فرمایا ہے۔ پھر خاص اس کے گوشت کی کراہت میں بھی مروی ہے لیکن کہتے ہیں کہ وہ حدیث ضعیف ہے۔ شافعی حضرات یہ کہتے ہیں کہ بجو کو ہر درندے کے عموم کی ممانعت سے حضرت جابر کی حدیث کی بناء پر خاص کر لیا گیا ہے۔ واللہ اعلم۔

وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ سَأَلْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الضَّبُعِ قَالَ هُوَ صَيْدٌ وَّ يَجْعَلُ فِيْهِ كَبْشًا اِذَا اَصَابَهُ الْمُحْرِمُ۔
(رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ وَابْنُ مَاجَةَ وَالدَّارِمِيُّ)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بجو کے بارے میں دریافت کیا آپ نے فرمایا کہ وہ شکار[1] ہے اگر اسے محرم قتل کر ڈالے تو اس کے عوض ایک مینڈھا دے دے۔ (ابوداؤد۔ ابن ماجہ۔ دارمی)

لہ کہ اُن کو اگر محرم مار ڈالے تو اس کے ذمے جرم ثابت ہو جائے گا۔

وَعَنْ خُزَيْمَةَ بْنِ جَزْءٍ قَالَ سَأَلْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ اَكْلِ الضَّبُعِ قَالَ اَوَ يَأْكُلُ الضَّبُعَ اَحَدٌ وَسَأَلْتُهُ عَنْ اَكْلِ الذِّئْبِ قَالَ اَوَيَأْكُلُ الذِّئْبَ اَحَدٌ فِيْهِ خَيْرٌ۔

حضرت خزیمہ[1] بن جزء سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بجو کے کھانے کے متعلق پوچھا تو حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ کیا بجو کو بھی کوئی کھاتا ہے[2]۔ اور میں نے آپ سے بھیڑیے کے بارے میں پوچھا آپ نے فرمایا کیا بھیڑیے کو بھی کوئی کھاتا ہے جس میں خیر اور

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ لَيْسَ إِسْنَادُهُ بِالْقَوِيِّ)

بھلائی ہو۔ ترمذی شریف اور کہا کہ اس کا اسناد قوی نہیں۔

لہ خا کی پیش زا کی زبر۔

۲ جیم کی زبر زا ساکن اُس کے بعد ھمزہ اور جیم کی زبر زا کی زیر اُس کے بعد یا بھی پڑھا گیا ہے۔ بعض حضرت زا کی شد اور یا کے بغیر اسے پڑھتے ہیں۔

۳ یعنی بجو ایسی چیز نہیں ہے کہ اسے کوئی کھائے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عُثْمَانَ التَّيْمِيِّ قَالَ كُنَّا مَعَ طَلْحَةَ بْنِ عُبَيْدِ اللّٰهِ وَنَحْنُ حُرُمٌ فَأُهْدِيَ لَهُ طَيْرٌ وَطَلْحَةُ رَاقِدٌ فَمِنَّا مَنْ أَكَلَ وَمِنَّا مَنْ تَوَرَّعَ فَلَمَّا اسْتَيْقَظَ طَلْحَةُ وَافَقَ مَنْ أَكَلَهُ قَالَ فَأَكَلْنَاهُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔
(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت عبدالرحمٰن[1] بن عثمان تیمی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں ہم لوگ حضرت طلحہ بن عبیداللہ کے ساتھ تھے اور ہم نے احرام باندھا ہوا تھا حضرت طلحہ کے لیے بھنے ہوئے پرندے بطور ہدیہ لائے گئے طلحہ اُس وقت سو رہے تھے تو ہم میں سے کچھ لوگوں نے کھایا اور ہم میں سے کچھ ایسے تھے جنہوں نے اُس کے کھانے سے گریز کیا جب حضرت طلحہ بیدار ہوئے تو آپ نے کھانے والوں کی موافقت[2] کی فرمایا ہم نے اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کھایا ہے[3]۔
(مسلم شریف)

لہ حضرت عبدالرحمٰن بن عثمان بن عبداللہ صحابی ہیں۔ حضرت طلحہ بن عبداللہ کے بھائی کے بیٹے ہیں۔ یہ بیعت الرضوان کے بعد اسلام لائے۔ بعض کہتے ہیں فتح مکہ کے دن اسلام لائے جس دن حضرت عبداللہ بن زبیر شہید کیے گئے یہ بھی اُسی دن شہید ہوئے۔

۲ یہ موافقت خواہ زبان سے کی یا عمل سے عمل سے اس طرح کہ ان کا جو گوشت بچا ہوا تھا وہ آپ نے کھا لیا۔

۳ یعنی حضور نبی پاک علیہ السلام کے لیے بھی بھنے ہوئے پرندے بطور ہدیہ لائے گئے تھے، آپ نے انہیں کھایا تھا۔ اس لیے کہ وہ پرندے ان کے لیے شکار نہیں کیے گئے تھے۔ یہ اُس شخص کی تاویل ہے جو کہتا ہے کہ محرم اُس میں سے کھا سکتا ہے جو غیر محرم نے شکار کیا ہو۔ اس حدیث کا ظاہر مطلق ہے اور جنہوں نے کھانے

سے پرہیز کیا انہوں نے دوسرے احتمالات کی وجہ سے پرہیز کیا یعنی یہ کہ شاید محرم نے شکار کی طرف رہنمائی کی ہو یا اس کی طرف اشارہ کیا ہو یا شکار کرنے والے کی مدد کی ہو۔ واللہ اعلم۔

بَابُ الْاِحْصَارِ وَفَوْتِ الْحَجِّ

روکے جانے اور حج کے فوت ہو جانے کا باب

حصر واحصار یعنی منع کرنا، روکنا اور کسی کو سفر یا کسی اور کام سے باز رکھنا اور کسی کو تنگی میں ڈالنا عربی میں یہ فقرہ استعمال کرتے ہیں (احصرہ المرض او السلطان) یعنی بیماری یا بادشاہ نے اسے روک لیا یہ الفاظ اس وقت کہتے ہیں جب کہ بیماری یا بادشاہ بندے کو اس کے کام یا مقصد سے روک دیں اسی طرح کہتے ہیں حصرہم اللہ یعنی اللہ نے انہیں روک لیا جب کوئی شخص جو محرم ہو حج کرنے سے روک دیا گیا چونکہ اس صورت میں وہ اپنے مقصد تک نہیں پہنچ سکتا اس لیے وہ احرام سے باہر آ جائے لیکن تین ائمہ یہ کہتے ہیں کہ رکاوٹ صرف دشمن کی بنا پر ہو سکتی ہے جیسا کہ واقعہ حدیبیہ میں ہوا۔ ان کے نزدیک مریض اپنے احرام پر باقی رہے گا اور اگر عذر ختم ہو گیا اور حج بھی فوت ہو گیا تو عمرہ کے عمل کے ساتھ احرام سے باہر نکل آئے۔ احناف کے نزدیک بیماری بھی رکاوٹ کا سبب ہے حدیث میں آیا ہے جو شخص لنگڑا ہو گیا یا اس کا پاؤں ٹوٹ گیا تو احرام سے باہر آ جائے اور اگلے سال اس کے ذمے حج لازم ہے۔ اس باب میں ایک دوسرا اختلاف بھی ہے وہ یہ ہے کہ احناف کے نزدیک حرم شریف میں قربانی کا جانور بھیجے۔ کیونکہ خون بہانا قربت و عبادت شمار نہیں کیا گیا مگر مخصوص زمانے اور مکان میں اس کے برعکس شافعی حضرات کے نزدیک حرم شریف میں جانور کا پہنچانا موقوف نہیں بلکہ جہاں اسے رکاوٹ لاحق ہوئی ہو وہیں قربانی کا جانور ذبح کرے جیسا خود حضور علیہ السلام اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حدیبیہ میں قربانی کے جانور ذبح کیے اور حدیبیہ حرم کی زمین سے باہر حل میں واقع ہے۔ احناف کی طرف سے اس کا جواب یہ ہے کہ ان حضرات کے لیے حرم میں قربانی کے جانور کا پہنچانا ممکن نہ تھا اس لیے مجبوراً ان کو وہاں ذبح کرنا پڑا۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ حدیبیہ کا کچھ حصہ حل میں ہے اور کچھ حرم میں تو ہو سکتا ہے کہ انہوں نے حرم کی زمین میں ذبح کیا ہو۔ کتاب مواہب لدنیہ میں محب طبری سے لائے کہ حدیبیہ کا اکثر رقبہ حرم میں سے ہے۔ یہاں ایک اختلاف اور بھی ہے وہ یہ کہ جس کو حج سے روک دیا گیا وہ موقع ملنے پر اس کی قضا کرے لیکن امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک قضا نہیں ہے۔ مگر حضور علیہ السلام کے عمرے کا عمرۃ القضا نام رکھنا احناف کے مذہب کی تائید کرتا ہے شافعی حضرات اس کا یہ جواب دیتے ہیں کہ یہاں قضا بمعنی صلح ہے۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

پہلی فصل

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍؓ قَالَ قَدْ اُحْصِرَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَحَلَقَ رَأْسَہٗ وَ جَامَعَ نِسَآءَہٗ وَ نَحَرَ ھَدْیَہٗ حَتّٰی اعْتَمَرَ عَامًا قَابِلًا۔

(رَوَاہُ الْبُخَارِیُّ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو روک دیا گیا تو آپ نے اپنے سر مبارک کا حلق کیا اپنی عورتوں کے ساتھ مجامعت کی اور اپنی قربانی کے اونٹ ذبح کیے جو کہ آپ ساتھ لے گئے تھے۔ یہاں تک کہ آپ نے اگلے سال اہل مکہ کے ساتھ صلح کر لینے کی بنا پر عمرہ کیا۔ (بخاری)

وَعَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عُمَرَ قَالَ خَرَجْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَحَالَ کُفَّارُ قُرَیْشٍ دُوْنَ الْبَیْتِ فَنَحَرَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ھَدَایَاہُ فَحَلَقَ وَ قَصَّرَ اَصْحَابُہٗ۔

(رَوَاہُ الْبُخَارِیُّ)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں ہم لوگ حضور علیہ السلام کے ساتھ نکلے یعنی عمرہ کے لیے حدیبیہ سے تو قریش کے کفار ہمارے اور بیت اللہ شریف کے درمیان حائل ہو گئے یعنی وہاں جانے سے روک دیا تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی قربانیوں کو ذبح کیا جو آپ ساتھ لے گئے تھے اور سر مبارک کا حلق کیا اور آپ کے صحابہ نے بال کٹوائے[1]

(بخاری شریف)

[1] یعنی بعض نے بال کٹوائے اور بعض نے کافی دیر توقف کرنے کے بعد حلق کیا احرام سے باہر آنے کے لیے توقف اس لیے کیا کہ انہیں مکہ شریف جانے سے کفار کے روکنے کا بڑا غم و صدمہ لاحق ہوا حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا یا رسول اللہ پہلے آپ خود احرام سے باہر آئیں اور حلق کریں تاکہ دوسرے بھی یہ کام کریں تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام احرام سے باہر آئے اور حلق فرمایا حضور کی متابعت کی ضرورت کے تحت صحابہ کرام میں سے بھی بعض نے حلق کیا اور بعض نے بال کٹوائے حالانکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حلق کی فضیلت بیان کی تھی اس کے باوجود بعض افراد نے صرف بال کٹوانے پر کفایت کی۔

وَعَنِ الْمِسْوَرِ بْنِ مَخْرَمَۃَ قَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نَحَرَ قَبْلَ اَنْ یَّحْلِقَ

حضرت مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حلق کرنے سے پہلے قربانی کی اور اپنے اصحاب

وَ اَمَرَ اَصْحَابَهٗ بِذَالِكَ۔ کو بھی اس کا حکم دیا۔

(رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ) (بخاری شریف)

سلہ میم کی زیر سین کی جزم اور و کی زبر ہے۔

سلہ میم کی زبر خا کی جزم سے اور خا کے بعد را۔

سلہ جیسا کہ دستور ہے۔ ہدایہ میں کہا کہ امام ابو حنیفہ اور امام احمد رحمہم اللہ کے نزدیک روک لیے جانے کی صورت میں ایک قول کے مطابق حلق یا تقصیر نہیں ہے۔ امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ حلق یا قصر کرنا چاہیے، اگر نہ کرے تو بھی کوئی جرمانہ مقرر نہیں کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیبیہ کے سال حلق کیا مگر پہلے دو امام یہ فرماتے ہیں کہ حلق اُس صورت میں قربت وعبادت ہے جبکہ وہ افعال حج وعمرہ پر مرتب ہو۔ اس کے بغیر وہ عبادت نہیں اور حضور علیہ السلام اور صحابہ نے جو کیا وہ اسی لیے کیا تاکہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ حضور علیہ السلام اور صحابہ کرام یہیں سے واپس لوٹنے کا پختہ ارادہ کر چکے ہیں۔ واللہ اعلم۔

وَ عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّهٗ قَالَ اَلَيْسَ حَسْبُكُمْ سُنَّةُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنْ حُبِسَ اَحَدُكُمْ عَنِ الْحَجِّ طَافَ بِالْبَيْتِ وَ بِالصَّفَا وَ الْمَرْوَةِ ثُمَّ حَلَّ مِنْ كُلِّ شَيْئٍ حَتّٰى يَحُجَّ عَامًا قَابِلًا فَيُهْدِيَ اَوْ يَصُوْمَ اِنْ لَّمْ يَجِدْ هَدْيًا۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے بے شک انہوں نے فرمایا کہ کیا تمہارے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کافی نہیں ہے؟ سنت یہ ہے اگر تم میں سے کسی شخص کو حج سے روک دیا گیا ہو تو وہ بیت اللہ شریف اور صفا مروہ کا طواف کرے یعنی عمرہ کرے۔ پھر وہ ہر چیز کے لیے حلال ہو جائے گا۔ اور احرام سے باہر آجائے گا یہاں تک کہ پھر وہ اگلے سال حج کرے تو ہدی کا جانور ذبح کرے اور اگر ہدی میسر نہ آئے تو روزہ رکھے۔ (بخاری شریف)

سلہ اس حدیث میں حج سے روکے جانے کے احکام بیان فرمائے گویا بعض لوگ ان احکام سے بے خبر تھے یا اس کے خلاف کرتے تھے تو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا حضور علیہ السلام کی سنت یہ ہے کہ اگر کوئی شخص حج سے روک لیا جائے تو عمرہ کرے اور احرام سے باہر آجائے اس کے بعد حج کی قضا کرے۔

وَ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ دَخَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى ضُبَاعَةَ بِنْتِ الزُّبَيْرِ فَقَالَ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت زبیر کی بیٹی حضرت ضباعہ کے پاس تشریف لے گئے تو فرمایا شاید کہ تو

لَهَا لَعَلَّكِ اَرَدْتِ الْحَجَّ قَالَتْ وَاللّٰهِ مَا اَجِدُنِيْ اِلَّا وَجِعَةً فَقَالَ لَهَا حُجِّيْ وَاشْتَرِطِيْ وَقُوْلِيْ اَللّٰهُمَّ مَحِلِّيْ حَيْثُ حَبَسْتَنِيْ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حج کا ارادہ رکھتی ہے حضرت ضباعہ نے عرض کیا ہاں میں حج کا ارادہ رکھتی ہوں لیکن اللہ کی قسم نہیں پاتی میں اپنے آپ کو مگر بیمار تو حضور علیہ السلام نے اس سے فرمایا حج کر اور شرط لگا لے چنانچہ یوں کہہ اے اللہ میں وہیں احرام سے باہر آ جاؤں گی جہاں تو مجھے روک لے گا۔ (بخاری و مسلم)

سلہ ض کی پیش با مخفف اس کے بعد عین آپ حضور علیہ السلام کے چچے کی بیٹی ہیں اور زبیر عبد المطلب کے بیٹے ہیں جو حضور علیہ السلام کے چچوں میں سے ایک ہیں۔ یہ زبیر مشرف با اسلام نہ ہوئے مگر حضرت ضباعہ صحابیہ ہیں۔ اور ان خواتین اسلام میں سے ہیں جنہیں حضور علیہ السلام کے ساتھ ہجرت کی سعادت نصیب ہوئی۔

سلہ یہ شفقت اور مہربانی کے لہجے میں حج سے متعلق استفسار ہے۔ مطلب یہ ہے کہ کیا تو حج کرنا چاہتی ہے۔

سلہ یعنی اپنے اندر ضعف محسوس کرتی ہوں اور نہیں جانتی کہ حج پورا کرنے کی قدرت مجھ میں ہے یا نہیں۔ یہاں درد کے لیے لفظ وجعۃ جو جیم کی زبر اور زیر دونوں سے پڑھا گیا ہے۔ بمعنی بہت تکلیف جیسے لفظ ورع و ورع۔

سلہ اور مجھے باز رکھے گا یہاں احرام سے باہر آنے کے لیے لفظ محل آیا ہے جیم کی زبر اور حا کی زیر سے یعنی احرام سے باہر آنے کا مکان یا وقت۔

یہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ حج سے رکاوٹ بیماری کی وجہ سے بھی ہوتی ہے۔ لیکن اس بات پر بھی دلالت کرتی ہے کہ شرط لگانا بھی ٹھیک ہے اور وہ جماعت جو یہ کہتی ہے کہ صرف دشمن کی وجہ سے ہی حج سے رکاوٹ ہو سکتی ہے یہ کہتی ہے کہ اگر مرض ایسا ہوتا جس کی وجہ سے احرام سے باہر آنا جائز ہوتا تو شرط لگانے کی کیا ضرورت تھی مگر اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ شرط احرام سے باہر آنے کے لیے احرام سے باہر آنے میں جلدی ہو سکتی ہے اور اگر یہ شرط نہ لگائی جاتی تو ہدی کے اپنے مقام میں جو کہ حرم ہے احرام سے باہر آنے کو پیچھے کیا جاتا۔ جب یہ شرط لگائی گئی تو قربانی کے ذبح ہونے سے پہلے بھی احرام سے باہر آنا جائز ہو جاتا ہے۔

امام ابو حنیفہ اور جو لوگ ان کے موافق ہیں سب کا یہی مذہب ہے کہ بیماری بھی حج سے رکاوٹ ہے بعض نے کہا ہے کہ شرط لگانے کے باوجود احرام سے باہر آنا جائز نہیں اور یہ حکم جو اس حدیث میں مذکور ہے صرف حضرت ضباعہ کے ساتھ خاص تھا۔ واللہ اعلم۔

صحیح روایات سے ثابت ہو چکا ہے کہ حضرت ابن عمر حج میں شرط لگانے کے منکر تھے اور گزشتہ حدیث میں

آپ کا ارشاد کہ تمہارے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کافی نہیں؟ اسی وجہ سے ہے، یہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابن عمر بیماری کی وجہ سے رکاوٹ پیدا ہونے کے قائل ہیں۔ اسے سمجھ لو۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِيْ — دوسری فصل

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَمَرَ اَصْحَابَہٗ اَنْ یُّبْدِلُوا الْھَدْیَ الَّذِیْ نَحَرُوْا عَامَ الْحُدَیْبِیَۃِ فِیْ عُمْرَۃِ الْقَضَاءِ۔

(رَوَاہُ اَبُوْدَاؤدَ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کرام کو حکم دیا اپنی قربانی کو عمرہ قضا میں تبدیل کریں جو انہوں نے حدیبیہ میں ذبح کی تھی[۱]

(ابوداؤد)

[۱] یعنی گزشتہ سال جو انہوں نے وقت رکاوٹ قربانی ذبح کی تھی آئندہ سال عمرہ قضا میں پھر قربانی کرے تاکہ یہ قضا والی قربانی حرم کی زمین میں ذبح ہو کیونکہ رکاوٹ والی قربانی حرم کے سوا کسی اور جگہ ذبح کرنا جائز نہیں جیسا کہ حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب ہے۔ مگر یہ اس صورت میں تبدیلی کا حکم ہے جب کہ حدیبیہ کے اندر گزشتہ سال غیر حرم میں ذبح کی ہو اور یہ ظاہر بات ہے۔ اور اگر ہم یہ کہیں کہ حدیبیہ میں بھی حرم کے اندر ذبح کی تھی۔ کیونکہ موضع حدیبیہ کا اکثر حصہ حرم میں ہے۔ جیسا کہ ترجمے کی شرح میں ہم نے اس کی جانب اشارہ کر دیا ہے تو اس صورت میں تبدیلی کا حکم احتیاط اور دوبارہ فضیلت حاصل کرنے اور استحباب کے طور پر ہوگا

[۲] بعض نسخوں میں یہ عبارت زیادہ ہے وہ عبارت یہ ہے وفیہ ضعف وفی سندہ محمد بن اسحٰق یعنی اس روایت میں ضعف ہے اور اس کی سند میں محمد بن اسحٰق راوی ہے۔

وَعَنِ الْحَجَّاجِ بْنِ عَمْرٍو الْاَنْصَارِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ کُسِرَ اَوْ عَرِجَ فَقَدْ حَلَّ وَعَلَیْہِ الْحَجُّ مِنْ قَابِلٍ۔

(رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَاَبُوْدَاؤدَ وَالنَّسَائِیُّ وَابْنُ مَاجَۃَ وَالدَّارِمِیُّ وَزَادَ اَبُوْدَاؤدَ فِیْ رِوَایَۃٍ اُخْرٰی اَوْ

حضرت حجاج بن عمرو انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس کا پاؤں ٹوٹ گیا یا وہ لنگڑا ہو گیا تو وہ احرام سے باہر آ جائے اور اس پر اگلے سال حج لازم ہے۔ ترمذی ابوداؤد۔ نسائی۔ ابن ماجہ۔ دارمی۔ اور ابوداؤد نے یہ الفاظ زیادہ بیان کیے۔ کہ ایک دوسری روایت میں یوں ہے یا بیمار ہو گیا اور ترمذی نے

مَرِضَ۔ وَقَالَ التِّرْمِذِیُّ هٰذَا حَدِیْثٌ حَسَنٌ وَ فِی الْمَصَابِیْحِ ضَعِیْفٌ)

کہا یہ حدیث حسن[۵] ہے۔ اور مصابیح میں کہا کہ یہ حدیث ضعیف[۶] ہے۔

[۱] آپ صحابی ہیں۔ اہل مدینہ میں شمار ہوتے ہیں آپ کی حدیث حجاز والوں کے پاس ہے ان سے حضرت عکرمہ اور دوسرے حضرات روایت کرتے ہیں۔

[۲] یہاں حدیث میں لفظ کسر بصیغہ مجہول آیا ہے۔

[۳] یہاں حدیث میں لفظ عرج آیا ہے را کی زیر سے۔

[۴] یہ حدیث بھی دلالت کرتی ہے کہ حج میں رکاوٹ دشمن کے علاوہ دوسری مجبوریوں کے تحت بھی ہوسکتی ہے جیسا کہ حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب ہے۔ اور شرط لگانے کی قید تکلف ہے۔

[۵] ایک نسخے میں اس طرح ہے کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

[۶] توریشتی نے کہا کہ اس حدیث کو ضعیف کہنا باطل ہے۔ اور کہا کہ اس حدیث کا قول عکرمہ سے تمہ موجود ہے اور یہ حجاج ابن عمرو کے راویوں میں سے ایک بداری ہے وہ قول یہ ہے کہ کہا یعنی عکرمہ نے کہ میں نے ابوہریرہ اور ابن عباس سے اس کا ذکر کیا کہ حجاج ابن عمرو یوں کہتے ہیں تو حضرت ابوہریرہ اور حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ انہوں نے ٹھیک فرمایا ہے۔

وَعَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ یَعْمُرَ الدِّیْلِیِّ[۱] قَالَ سَمِعْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ اَلْحَجُّ عَرَفَةُ مَنْ اَدْرَكَ عَرَفَةَ لَیْلَةَ جَمْعٍ قَبْلَ طُلُوْعِ الْفَجْرِ فَقَدْ اَدْرَكَ الْحَجَّ اَیَّامُ مِنًی ثَلٰثَةٌ فَمَنْ تَعَجَّلَ فِیْ یَوْمَیْنِ فَلَا اِثْمَ عَلَیْهِ وَمَنْ تَاَخَّرَ فَلَا اِثْمَ عَلَیْهِ۔

حضرت عبدالرحمان بن یعمر دیلی[۱] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو سنا کہ حج عرفہ کا نام[۲] ہے جس شخص نے عرفہ کو جمع ہونے کی رات میں طلوع فجر سے پہلے پالیا اُس نے حج کو پالیا[۳] اور منیٰ کے تین[۴] ایام ہیں تو جو شخص دو دنوں میں ہی جلدی[۵] کر کے منیٰ سے باہر نکلا اُس کے ذمے کوئی گناہ نہیں اور جو شخص دیر کرے تو اُس کے ذمے بھی کوئی گناہ نہیں[۶]۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَ اَبُوْدَاؤُدَ وَالنَّسَائِیُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَالدَّارِمِیُّ وَقَالَ التِّرْمِذِیُّ هٰذَا حَدِیْثٌ حَسَنٌ صَحِیْحٌ۔

ترمذی۔ ابوداؤد۔ نسائی۔ ابن ماجہ اور دارمی اور ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

سلہ یا کی زبر عین ساکن اور میم بھی زبر سے۔

سلہ وکی زیر اور یا ساکن سے آپ صحابی ہیں کوفہ میں رہائش پذیر رہے۔ خراسان میں وفات پائی۔

سلہ یعنی حج کا دارومدار اور ارکان حج میں بڑا رکن عرفات میں وقوف ہے اگرچہ طواف بھی رکن ہے لیکن یہ اس سے عظیم تر ہے کیونکہ اس کے بغیر حج کی قطعاً کوئی صورت نہیں ہو سکتی۔

سلہ یعنی جس شخص نے عرفات میں وقوف مزدلفہ والی رات میں جو کہ ذالحجہ کی دسویں رات ہے، کر لیا صبح صادق طلوع ہونے سے پہلے پہلے تو بے شک اس نے حج پا لیا عرفات میں کھڑے ہونے کا اول وقت نویں کے دن زوال کے بعد سے شروع ہوتا ہے اس کا آخر وقت عید کے دن کی صبح صادق سے پہلے تک ہے۔ وقوف کا معنیٰ اس وادی میں کھڑا ہونا ہے اگرچہ ایک گھڑی کے لیے اگرچہ نیند کی حالت میں ہو۔ یہاں ایک مسئلہ ہے علماء بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص اگر رات کے آخری حصے میں وہاں پہنچا اور اس نے ابھی نماز عشاء پڑھنی ہو تو وہ کیا کرے یعنی کھڑا ہو یا نماز پڑھے کیونکہ اگر وہ کھڑا ہوتا ہے تو نماز کا وقت نکل جاتا ہے اور اگر وہ نماز میں مشغول ہوتا ہے تو حج ہاتھ سے جاتا ہے ایسا شخص کیا کرے نماز پڑھے یا حج کرے۔ بعض کہتے ہیں کہ نماز پڑھے کیونکہ وہ افضل عبادت ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ حج کرے کیونکہ حج کے قضا کرنے میں بہت تنگی اور عظیم مشقت ہے۔ پسندیدہ بات یہی ہے کہ حج کرے۔

ھہ یعنی گیارہواں دبارہواں اور تیرھواں دن انہیں ایام تشریق بھی کہتے ہیں یہ تین دن منیٰ میں ہی گزارنے چاہئیں اور وہیں رہ کر رمی کرنی چاہیے۔

سلہ یعنی دوسرے دن ہی وہاں سے باہر آ گیا تو اس پر کوئی گناہ نہیں کیونکہ اس میں کسی واجب کا ترک نہیں پایا جاتا۔

ٹہ اور تیرھویں کے دن بھی ٹھہرے تو اس پر بھی کوئی حرج نہیں اور اس نے کسی خلاف سنت کام کا ارتکاب نہ کیا۔ یعنی دونوں صورتیں برابر ہیں اگرچہ ٹھہرنا اور تاخیر کرنا افضل ہے کیونکہ اس میں کثرت عبادت اور زیادہ مشقت ہے بیان کرتے ہیں کہ زمانہ جاہلیت میں دو گروہ پائے جاتے تھے ایک گروہ جلدی کو گناہ جانتا تھا دوسرا تاخیر کو اس بارے میں قرآن پاک کا نزول ہوا اور فرمایا گیا کہ تعجیل و تاخیر دونوں برابر ہیں ان میں سے کسی ایک کے بھی گناہ اور حرج نہیں ہے۔

بَابُ حَرَمِ مَكَّةَ حَرَسَهَا

باب حرم مکہ اللہ تعالیٰ اس کی حفاظت کرے

حرم مکہ مشہور قطعہ زمین ہے جس کا احاطہ کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی تعظیم و بزرگی کرنے کا حکم دیا اُس قطعے کا نام حرم اس وجہ سے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس میں بہت سی چیزوں کو وہاں حرام قرار دیا ہے جو کہ دوسری جگہ حرام نہیں بعض نے حرام قرار دینے کا سبب یہ بیان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو جب زمین پر بھیجا تو آپ ڈر گئے کہ شیاطین آپ کو ہلاک ہی نہ کر دیں اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی حفاظت و نگہبانی کے لیے فرشتوں کو بھیجا تاکہ وہ آپ کی پاسبانی کریں وہ فرشتے حدود حرم کے ہر جانب کھڑے ہو گئے تو زمین کا وہ ٹکڑا جو مکہ معظمہ اور فرشتوں کے کھڑا ہونے کے درمیان میں تھا حرم قرار پایا۔ بعض کہتے ہیں جب حضرت خلیل الرحمان صلوٰۃ اللہ والسلام علیہ وعلیٰ نبینا نے تعمیر کعبہ کے وقت حجر اسود کو رکھا تو اس کے دائیں بائیں اور مشرق و مغرب میں زمین کا کچھ حصہ روشن ہو گیا۔ پس حجر اسود کے نور سے زمین کا جو حصہ روشن ہو گیا وہ حرم کہلایا۔ حدود حرم کی علامات اور نشانیاں ہیں اور وہ مینار سے ہیں جو جدہ اور جعرانہ کی جانب کے سوا باقی اطراف میں تعمیر کیے گئے ہیں ان دو جانبوں میں تعمیر کرنے کا اتفاق نہ ہو سکا سب سے پہلے حضرت جبرائیل علیہ السلام کے بتانے سے جس نے نشانات نصب کیے وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں اُن کے بعد قصی ابن کلاب نے نصب کیے بعض کہتے ہیں کہ یہ نشانات حضرت اسماعیل علیہ السلام نے اپنے باپ کے بعد نصب کیے اُن کے بعد قصی نے نصب کیے۔ کہنے والے یہ بھی کہتے ہیں کہ سب سے پہلے جس شخص نے علامات نصب کیں وہ عدنان ابن ادس ہے جبکہ اُسے خوف لاحق ہوا کہ حرم کی حدود کہیں مٹ ہی نہ جائیں اُس کے بعد قریش نے نشانات نصب کیے پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے سال نشانات نصب فرمائے اُس کے بعد حضرت عمر ابن خطاب پھر اُن کے بعد حضرت عثمان ابن عفان نے نصب کیے پھر اُس کے بعد حضرت معاویہ بن ابو سفیان نے پھر حرم کی حدود ہر طرف سے مساوی نہیں۔ خانہ کعبہ کے سب سے زیادہ نزدیک جانب تنعیم ہے۔ تاریخ مکہ میں تمام اطراف و جوانب کی تفصیل بیان کر دی گئی ہے۔ واللہ اعلم۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ — پہلی فصل

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ — حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَوْمَ فَتْحِ مَکَّۃَ لَا ھِجْرَۃَ وَلٰکِنْ جِھَادٌ وَنِیَّۃٌ وَّاِذَا اسْتُنْفِرْتُمْ فَانْفِرُوْا وَقَالَ یَوْمَ فَتْحِ مَکَّۃَ اِنَّ ھٰذَا الْبَلَدَ حَرَّمَہُ اللّٰہُ یَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فَھُوَ حَرَامٌ بِحُرْمَۃِ اللّٰہِ اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَۃِ وَاِنَّہٗ لَمْ یَحِلَّ الْقِتَالُ فِیْہِ لِاَحَدٍ قَبْلِیْ وَلَمْ یَحِلَّ لِیْ اِلَّا سَاعَۃً مِّنْ نَّھَارٍ فَھُوَ حَرَامٌ بِحُرْمَۃِ اللّٰہِ اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَۃِ لَا یُعْضَدُ شَوْکُہٗ وَلَا یُنَفَّرُ صَیْدُہٗ وَلَا یُلْتَقَطُ لُقَطَتُہٗ اِلَّا مَنْ عَرَّفَھَا وَلَا یُخْتَلٰی خَلَاھَا فَقَالَ الْعَبَّاسُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اِلَّا الْاِذْخَرَ فَاِنَّہٗ لِقَیْنِھِمْ وَلِبُیُوْتِھِمْ فَقَالَ اِلَّا الْاِذْخَرَ۔
(مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ وَفِیْ رِوَایَۃِ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ لَا یُعْضَدُ شَجَرُھَا وَلَا یَلْتَقِطُ سَاقِطَتَھَا اِلَّا مُنْشِدٌ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے دن فرمایا کہ اب ہجرت نہیں ہے لیکن جہاد اور نیت[1] باقی ہے اور جب تمہیں نکالا جائے[2] تو نکل پڑو اور آپ نے فتح مکہ کے دن فرمایا بے شک اللہ تعالیٰ نے اس شہر کو حرم قرار دیا ہے جب سے اس نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کیا ہے[3] تو وہ اللہ تعالیٰ کی حرمت کی وجہ سے قیامت تک بلد الحرام بن گیا ہے اور بے شک واقعہ یہ ہے کہ مجھ سے پہلے کسی کے لیے اس میں جنگ کرنا کسی کے لیے حلال نہیں ہوا اور میرے لیے بھی حلال نہیں ہوا مگر دن کی ایک گھڑی میں پس وہ قیامت تک کے لیے اللہ تعالیٰ کی حرمت کی وجہ سے بلد الحرام بن چکا ہے اس کے کانٹے نہ کاٹے جائیں اس کے شکار کو تکلیف نہ دی جائے اور اس میں پڑی ہوئی گمشدہ چیز کو نہ اٹھائے مگر وہ شخص جو اس کی پہچان کرانا چاہتا ہو اور اس کی گھاس بھی نہ کاٹی جائے اس پر حضرت عباس نے عرض کیا یا رسول اللہ گر اذخر گھاس کاٹنے کی اجازت دی جائے کیونکہ یہ گھاس ان کے لہاروں کے کام آتی ہے اور ان کے گھروں میں بھی کام آتی ہے کیونکہ ہم اس گھاس کو اپنی چھتوں میں اور لیپ کر کے گھروں میں ڈالتے ہیں۔ تو آپ نے فرمایا کہ ہاں اذخر گھاس کاٹ سکتے ہو۔ (بخاری و مسلم) اور ایک روایت میں ابوہریرہ سے اس طرح مروی ہے کہ اس کے درخت نہ کاٹے جائیں اور اس کے گرے ہوئے سامان کو نہ اٹھائے کوئی شخص مگر وہ جو اس کا اعلان کرنے والا ہو۔

[1] یعنی جہاد اور نیت اب بھی باقی ہے اس کا بیان یہ ہے کہ مکہ سے مدینہ کی جانب ہجرت ہر اس شخص پر فرض تھی جو ہجرت کی استطاعت رکھتا تھا یعنی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مکہ معظمہ سے مدینہ کی جانب ہجرت کرنے پر دوسرے

صاحب استطاعت مسلمانوں پر بھی ہجرت فرض تھی جب مکہ معظمہ فتح ہو گیا تو جو ہجرت فرض تھی وہ ختم ہو گئی کیونکہ کہ دارالحرب نہ رہا لیکن دیار کفر سے دار اسلام کی طرف دین اور اسلام کے احکام کی حفاظت کے لیے ہجرت اب بھی باقی ہے : یہ ہجرت جہاد اور نیت کے لفظ کے تحت داخل ہے۔ یعنی جہاد اب بھی باقی ہے کیونکہ جہاد کے ذریعے وہ ثواب اور فضیلت حاصل کی جا سکتی ہے جو ہجرت کے ختم ہونے پر موجود ہے باقی رہی نیت کہ نیت کا درست رکھنا ہر عمل کو صحیح نیت سے کرنا یہ بھی ہمیشہ کے لیے باقی ہے اور اس میں بھی ہجرت کا معنیٰ پایا جاتا ہے یعنی ترک ہوائے نفس اور بشریت کے وطن سے باہر آنا اور شارع علیہ السلام نے جس چیز سے منع کیا ہو اُسے ترک کر دینا کہ یہ بھی ایک قسم کی ہجرت ہے۔

سلے یعنی جب تمہیں بلایا جائے اور جہاد کے لیے گھر سے باہر نکالا جائے یعنی حاکم وقت حکم دے کہ کافروں کے ساتھ جنگ کے لیے گھروں سے باہر نکلو مسلمانوں کی مدد اور نصرت کرو تو نکل پڑو اور حکم کی بجا آوری کرو۔

سلے یعنی بے شک خدائے تعالیٰ نے شہر مکہ کو بلد حرام بنایا ۔ اور چند چیزوں کے ارتکاب سے یہاں منع فرمایا ہے جس دن سے کہ اُس نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کیا ہے یعنی اس شہر کی حرمت قدیم چیز اور سابقہ شریعت ہے۔ یہ چیز نئی پیدا ہونے والی چیزوں میں سے نہیں اور کسی ایک شریعت کے ساتھ بھی خاص نہیں ہے یا مراد یہ ہے کہ اس شہر کی زمین جب سے پیدا کی ہے حرمت والی پیدا کی ہے، یہ صفت اُس میں رکھ دی اگر کہا جائے کہ باب حرم المدینہ میں آرہا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مکے کو حرمت والا بنایا ہے اور اُسے حرم ٹھہرایا میں نے مدینہ کو حرم بنایا اور حرمت والا ٹھہرایا ہے اگر خانہ کعبہ کو حرم بنانا قدیم بات ہوتی تو پھر اسے با حرمت بنانے کی نسبت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف کیوں ہوتی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف اس کی حرمت کی نسبت اس وجہ سے ہے کہ حضرت ابراہیم نے حکم الٰہی لوگوں تک پہنچایا اور اُس سے لوگوں کو آگاہ کیا حقیقت میں شریعتوں اور احکام کا حکم دینے والا خدائے تعالیٰ ہے اُس کا حکم قدیم ہے۔ انبیاء علیہم السلام احکام پہنچانے والے ہیں یا جب بیت المعمور تک جو آسمانوں میں ہے طوفان نوح کے وقت خانہ کعبہ کو اٹھا لیا گیا اور اُس عمارت کے نشانات بالکل مٹ گئے جو حضرت آدم علیہ السلام نے تعمیر کی تھی۔ اور اُس کی حرمت ختم کر دی گئی اور شریعت سابقہ بالکل چھوڑ دی گئی اور فراموش کر دی گئی۔ تو یہ کیفیت ایک عرصہ تک برقرار رہی یہاں تک کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دوبارہ آکر اس حرمت کو زندہ کیا۔

سکے یہ اُس لڑائی کی طرف اشارہ ہے جو حضرت خالد بن ولید کی طرف سے وقوع پذیر ہوئی اور یہ ضروری اور ظاہر بات ہے کہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے امر و اذن سے ہی جنگ کی ہو گی ایسے اکثر علماء اور امام ابوحنیفہ بھی اُن علماء میں سے ہیں جو کہتے ہیں کہ فتح مکہ قہر و غلبہ سے فتح ہوا جسے فقہ کی کتابوں میں فتح عنوہ کہتے ہیں۔ امام شافعی کا مذہب اور ایک روایت کے مطابق امام احمد کا مذہب یہ ہے کہ مکہ شریف صلح کی شکل میں فتح ہوا کیونکہ وہ

لوگ جنگ کے لیے تیار نہ تھے اور جو جنگ ہوئی وہ حضرت خالد رضی اللہ عنہ کے مکہ میں داخل ہونے پر اتفاقاً ہو گئی کیونکہ بعض مشرکین نے اُن سے چھیڑ چھاڑ کی تھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا مکہ شریف میں ایک گھڑی کے لیے جنگ کرنے سے عذر کرنا اس بات میں صریح ہے کہ مکہ میں جنگ واقع ہوئی اور فتح جبر و قہر سے ہوئی اختلاف کا ثمرہ یہ ہے کہ جو گروہ یہ کہتا ہے کہ مکہ شریف کا فتح کرنا جنگ سے ہوا وہ مکہ معظمہ کی زمین کے مکانات کے فروخت کرنے وہاں کی زمین اور مکانات کو کرائے پر دینا جائز قرار نہیں دیتا کیونکہ حضور علیہ السلام نے اُسے کفار سے لیا اور مسلمانوں کے اندر وقف کر دیا جو حضرات یہ کہتے ہیں کہ مکہ شریف پر قبضہ صلح صفائی سے ہوا وہ شہر مکہ کی زمین کی خرید و فروخت اور کرائے پر دینا جائز قرار دیتے ہیں کیونکہ اس صورت میں وہ زمین اُس کے مالکوں کی ہے اور اُن کی ملک پر اب تک باقی ہے۔

۵ جبکہ اُس کے کانٹے کاٹنے کی اجازت نہیں تو درخت کاٹنے کی اجازت کیسے ہوگی۔ کتاب ہدایہ میں فرمایا کہ جس نے حرم کی گھاس یا درخت کو کاٹا جو کسی کی ملکیت نہیں بلکہ خود بخود اُگا ہوا ہے تو اُس گھاس یا درخت کی قیمت ادا کرنا لازم ہے مگر وہ جو اُس میں سے خشک ہو چکا ہو کہ خشک شدہ گھاس یا درخت میں تاوان نہیں ہے کیونکہ وہ بڑھنے والا نہیں ہے اگرچہ حرم کی گھاس مویشیوں کو چرانا بھی منع اور اُسے کاٹنا بھی منع ہے مگر اذخر گھاس کہ اس کی اجازت ہے۔ امام ابو یوسف نے فرمایا کہ مویشیوں کو چرانے میں کوئی حرج نہیں کیونکہ اُس کی ضرورت ہے اور مویشیوں کو اُس کے چرنے سے روکا بھی نہیں جا سکتا اس کے برعکس امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف کی دلیل یہ حدیث ہے اور گھاس چرانا اس وجہ سے بھی منع ہے کہ گھاس حرم کے باہر زمین سے بھی لائی جا سکتی ہے لہٰذا حرم میں سے چرانے کی کوئی مجبوری نہیں۔ البتہ اذخر گھاس مستثنیٰ ہے جیسا کہ حدیث میں آ رہا ہے اس کا کاٹنا اور اسے چرانا بھی جائز ہے۔ اسی طرح کھنبی بھی مستثنیٰ ہے کیونکہ وہ نباتات میں سے ہے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور جو لوگ اُن کے موافق ہیں حرم کی گھاس مویشیوں کو چرانا جائز قرار دیتے ہیں۔ امام احمد کا مذہب احناف کے مذہب کی طرح ہے۔ شیخ امام اجل عارف نہایت متقی بہت بڑے عالم حضرت عبدالوہاب متقی جب اپنی عمر شریف کے آخری حصہ میں نابینا ہو گئے۔ اس وقت یہ حکایت بیان کیا کرتے تھے کہ اُن کے ساتھیوں میں سے ایک شخص جسے احمد سقا کہتے تھے۔ ایک دن حرم کی حدود سے ہاتھ میں پھول لیے حاضر ہوئے وہ پھول اُس نے ہمارے ہاتھ میں دیا تقدیر الٰہی کہ بھول واقع ہو گئی اور ہم نے اُس پھول کو سونگھ لیا جیسے ہی کہ اُس کی خوشبو ہم نے محسوس کی ہماری ناک میں درد شروع ہو گیا جیسے کہ ناک میں چیونٹی دوڑ رہی ہو درد ناک سے دماغ میں پہنچا اور دماغ سے دونوں آنکھوں میں آیا پھر ملن بدلن وہ درد بڑھتا گیا حتیٰ کہ اُس حد تک پہنچ گیا جہاں تک کہ مقدر تھا۔

۶ جب شکار کو تکلیف پہنچانا حرام ہے تو اُسے قتل کرنا اور ضائع کرنا بطریق اولیٰ حرام ہوگا اور اگر اُسے تکلیف پہنچائی گئی اور وہ بھاگ پڑا اور ٹھہرنے اور سکون حاصل کرنے سے پہلے ہی ہلاک ہو گیا تو اُس کا تاوان لازم آئے گا۔

۵۷ یعنی زمین سے گری ہوئی چیز کا اٹھانا بھی منع ہے مگر اس شخص کے لیے جو اُس کی پہچان اور شناخت کرائے یعنی حرم میں گری ہوئی چیز کو اُس کی پہچان کرنے کے سوا کچھ نہیں کر سکتا بلکہ جب مالک ملے تو اُسے دے اُسے خرچ نہیں کر سکتا نہ اُس کا مالک بن سکتا ہے نہ بطور صدقہ کسی کو دے سکتا ہے جیسا کہ دوسری جگہوں میں گری ہوئی چیزوں کا حکم ہے کہ اُس کی شناخت کرائے اور اگر فقیر ہو تو خود استعمال کرے اُس کے بعد اگر اُس کا مالک آجائے تو اُسے دے دے مگر یہاں نہیں دے سکتا یعنی حرم میں گری ہوئی چیز کی صرف پہچان کرا سکتا ہے۔ یہ امام شافعی کے دو قولوں میں سے زیادہ ظاہر قول ہے اور اکثر علماء حرم میں گری اور غیر حرم میں گری ہوئی چیز کے درمیان فرق نہیں کرتے۔ احناف کا مذہب بھی یہی ہے اس کی دلیل وہ احادیث ہیں جو گری ہوئی چیز کے بارے میں مطلق وارد ہوئی ہیں۔ جیسا کہ باب لقطہ میں ان شاء اللہ آئے گا بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ اس حدیث میں واقع لفظ الا من عرفہا کا معنیٰ یہ ہے کہ اٹھانے والا اوپر ایک سال اعلان کرے جیسا کہ ہر جگہ کرتے ہیں۔ یہ اعلان موسم حج کے ساتھ خاص نہیں مگر یہ معنیٰ ظاہر عبارت کے خلاف ہے نیز اسلوب کلام حرم مکہ کی فضیلت اور اُس کے خصائص کے بیان میں ہے اور اگر اس کے لقطے کا حکم دوسری جگہوں پر لقطے کے حکم میں ہو تو مجھے اس میں کوئی فائدہ نظر نہیں آتا۔ اس میں غور کرو۔

۵۸ یہاں حدیث میں گھاس کے لیے لفظ خلا استعمال ہوا ہے الف مکسورہ کے ساتھ۔ یعنی تر گھاس اور حشیش خشک گھاس کو کہتے ہیں اور اس لیے خشک گھاس کا کاٹنا بھی جائز نہیں کیونکہ وہ کانٹوں کے حکم میں ہے۔ بعض حضرات لفظ خلا کو مد سے روایت کرتے ہیں مگر یہ غلط ہے جیسا کہ تورپشتی نے کہا۔

۵۹ یعنی آپ گھاس میں سے اذخر گھاس کاٹنے کی اجازت دیں اسے ممانعت سے مستثنیٰ کریں۔ اذخر ہمزہ کی زیر ز ساکن سے ایک مشہور خوشبودار گھاس کا نام ہے۔

۶۰ بعض روایات میں لفظ قیوننا آیا ہے قیون قین بفتح قاف وسکون یا ساکن کے ساتھ بمعنیٰ لوہار۔ صاحب نہایہ نے کہا کہ لوہار اور سنار دونوں کو اس گھاس کی ضرورت پڑتی ہے کیونکہ یہ دونوں قسم کے لوگ لوہے اور سونے کو اس سے پگھلاتے ہیں۔

۶۱ کہ اس سے مکانات کی چھتیں تیار کرتے ہیں۔ جیسا کہ مسلم اور بخاری کی روایت میں آیا ہے کہ یا رسول اللہ ہم اس گھاس کو اپنی قبروں اور گھروں میں بھی ڈالتے ہیں عرب لوگ اس گھاس کو قبر کے اندر نیچے بچھاتے ہیں حضرت عباس کے عرض کرنے پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر وحی نازل ہوئی اور آپ نے الا الاذخر فرماتے ہوئے اس گھاس کے کاٹنے کی اجازت دے دی۔ بعض علماء کا مذہب یہ ہے کہ شریعت کے احکام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے کر دیے گئے ہیں آپ جو چاہتے ہیں جس کے لیے چاہتے ہیں کوئی چیز حلال فرما دیتے اور حرام کر دیتے ہیں۔ بعض علماء یہ فرماتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس گھاس کے کاٹنے کی اجازت اپنے اجتہاد سے دی مگر پہلا مذہب صحیح تر اور ظاہر تر ہے۔ واللہ اعلم

وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَحِلُّ لِاَحَدِكُمْ اَنْ يَّحْمِلَ بِمَكَّةَ السِّلَاحَ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نے سنا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرمارہے تھے تم میں سے کسی کے لیے حلال نہیں کہ مکہ شریف کے اندر ہتھیار لے کر چلے پھرے[1]۔ (مسلم)

[1] یعنی بے ضرورت اور بلا حاجت بعض نے کہا مکہ شریف میں ہتھیار لے کر چلنا مطلقاً مکروہ ہے مگر قول اول زیادہ صحیح اور جمہور علماء کا قول ہے کیونکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عمرہ قضا میں ہتھیار بند ہو کر شہر میں داخل ہوئے لیکن کافروں نے کہا کہ حضور علیہ السلام اسلحہ کو پردے میں لے کر آئے ہیں اور فتح مکہ کے دن بھی آپ مسلح داخل ہوئے تھے۔

وَعَنْ اَنَسٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَخَلَ مَكَّةَ يَوْمَ الْفَتْحِ وَعَلٰى رَاْسِهِ الْمِغْفَرُ فَلَمَّا نَزَعَهٗ جَاءَ رَجُلٌ وَّ قَالَ اِنَّ ابْنَ خَطَلٍ مُّتَعَلِّقٌ بِاَسْتَارِ الْكَعْبَةِ فَقَالَ اقْتُلْهُ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے بے شک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ معظمہ میں فتح مکہ کے دن اسی حالت میں داخل ہوئے کہ آپ کے سر پر خود تھا[1] جب آپ نے اس کو اتارا تو ایک شخص آپ کے پاس آیا اور اس نے کہا کہ ابن خطل[2] کعبہ کے پردوں سے چمٹا ہوا ہے تو آپ نے اسے فرمایا کہ اسے قتل کر دو۔ (بخاری و مسلم)

[1] حدیث میں خود کے لیے لفظ مغفر استعمال ہوا ہے یعنی میم کی زیر غین ساکن اور فا کی زبر بمعنی وہ زرہ جو ٹوپی کے نیچے پہنتے ہیں۔ جیسے کہ صراح میں ہے۔

[2] خا کی اور طا کی زبر سے ابن خطل کا نام عبداللہ ہے بعض کہتے ہیں اس کا نام غالب ہے یہ شخص مرتد ہو گیا تھا اور ایک مسلمان کو قتل کر کے بھاگا ہوا تھا نیز یہ شخص حضور علیہ السلام اور مسلمانوں کی مذمت کیا کرتا تھا بعض کہتے ہیں اس کی دو لونڈیاں تھیں جو گاتی بجاتی تھیں اور گانے میں مسلمانوں کی مذمت کرتی تھیں۔

امام نووی نے کہا اس حدیث میں اس شخص کے لیے دلیل ہے جو اس امر کو جائز رکھتا ہے کہ حرم مکہ میں حدود و قصاص قائم کرنا جائز ہے۔ جیسا کہ امام مالک و شافعی کہتے ہیں۔ امام ابو حنیفہ کے نزدیک حرم کعبہ میں حدود و قصاص قائم کرنا جائز ہے اور اس حدیث کا جواب وہ یہ دیتے ہیں کہ ابن خطل کو اس سے مستثنیٰ کر دیا گیا۔ جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول سے معلوم ہوتا ہے کہ جو شخص مسجد میں داخل ہو گیا وہ امن میں ہو گیا۔ یہ بھی کہتے ہیں کہ اس کے قتل کی اجازت اس گھڑی میں ہوئی تھی جس میں کہ حرم کے اندر جنگ کرنے کی اجازت ہوئی تھی اور شاید کہ اسے باہر سے ہی قتل کیا ہوا لایا گیا ہو۔ واللہ اعلم۔

وَعَنْ جَابِرٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے بے شک

صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَخَلَ يَوْمَ فَتْحِ مَكَّةَ وَعَلَيْهِ عِمَامَةٌ سَوْدَاءُ بِغَيْرِ إِحْرَامٍ - (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خانہ کعبہ میں فتح مکہ کے دن بغیر احرام داخل ہوئے اور آپ کے سر پر سفید رنگ کی دستار مبارک تھی۔ (مسلم)

لہ یعنی آپ بغیر احرام کے داخل ہوئے اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ سیاہ کپڑا پہننا مستحب ہے جیسا کہ حنفی مذہب ہے۔ بعض کہتے ہیں سیاہ نہیں تھا مگر تیل کے استعمال اور لوہے کی رگڑ سے سیاہ دکھائی دیتا تھا اس حدیث میں یہ دلیل بھی ہے کہ مکہ میں داخل ہونے کے لیے احرام شرط نہیں، مگر اس صورت میں جبکہ حج وعمرہ کی نیت سے داخل ہو۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے دو قولوں میں سے صحیح قول یہی ہے۔ حنفیہ کا جواب یہ ہے کہ ایک گھڑی کے لیے آپ کو اس کی بھی اجازت دے دی گئی۔

وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَغْزُو جَيْشٌ الْكَعْبَةَ فَإِذَا كَانُوا بِبَيْدَاءَ مِنَ الْأَرْضِ يُخْسَفُ بِأَوَّلِهِمْ وَآخِرِهِمْ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللهِ وَكَيْفَ يُخْسَفُ بِأَوَّلِهِمْ وَآخِرِهِمْ وَفِيهِمْ أَسْوَاقُهُمْ وَمَنْ لَيْسَ مِنْهُمْ قَالَ يُخْسَفُ بِأَوَّلِهِمْ وَآخِرِهِمْ ثُمَّ يُبْعَثُونَ عَلَى نِيَّاتِهِمْ - (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک لشکر کعبہ میں لڑائی کرے گا جب وہ باہر جنگلی زمین میں پہنچے گا تو ان کے اول وآخر سب زمین میں دھنسا دیے جائیں گے میں نے کہا یا رسول اللہ کس طرح ان کے اول وآخر دھنسا دیے جائیں گے جبکہ ان میں بازار والے بھی ہوں گے اور وہ بھی ہوں گے جو ان میں سے نہیں ہوں گے آپ نے فرمایا ہاں ان کے اول وآخر سب دھنسا دیے جائیں گے پھر انہیں نیتوں کے مطابق اٹھایا جائے گا۔ (بخاری ومسلم)

لہ یہ ایک خبر ہے جو آئندہ آخر زمانے میں واقع ہونے والی ہے اور لشکر سے لشکر سفیانی مراد ہے جو مہدی موعود کے زمانے میں بادشاہ مصر کی طرف سے نکلے گا اس کی تفصیل سیرت وتاریخ کی کتابوں میں تلاش کرنی چاہیے۔

سلہ یعنی بیابان میں پہنچیں گے بعض کہتے ہیں کہ بیداء مکہ اور مدینہ کے درمیان ایک جگہ کا نام ہے۔

سلہ بعض نے کہا کہ یہاں حدیث میں لفظ اسواق سوقہ کی جمع ہے بمعنی رعیت۔

سلہ یعنی جو ان کے ساتھ کفر ومعصیت تخریب کعبہ کے ارادے اور اہل مکہ کے ساتھ جنگ کرنے والے لوگوں میں سے نہیں ہوں گے بلکہ مثال کے طور پر کمزور وقیدی ہوں گے۔

ھ اللہ تبارک وتعالیٰ کی عادت اسی طرح جاری ہے کہ وہ برے لوگوں کی نحوست کی بناء پر ان نیک لوگوں کو بھی

ہلاک کر دیتا ہے جو ان کے ساتھ رل مل کر رہ رہے ہوتے ہیں اس کے بعد قیامت کے دن ان کے آپس میں جدائی ڈال دی جائے گی۔

وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یُخَرِّبُ الْکَعْبَةَ ذُو السُّوَیْقَتَیْنِ مِنَ الْحَبَشَةِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حبشے کا ایک ذوالسویقتین[1] کعبہ کو ویران کرے گا۔ (بخاری و مسلم)

[1] السویقتین، سویقہ سے بنا ہے جو ساق کی تصغیر ہے۔ سویقتین اس کا تثنیہ ہے۔ اکثر اہل حبشہ کی پنڈلیاں چھوٹی نحیف اور باریک ہوتی ہیں۔ ظاہر یہ ہے کہ اس کی پنڈلیاں ان سب سے زیادہ باریک اور چھوٹی ہوں گی۔ اللہ کا حکم یوں ہی جاری ہو چکا ہے کہ کعبہ کی ہلاکت و بربادی اہل حبشہ کے ہاتھ آئے گی، یہ محض عبرت ہے کہ خانہ کعبہ اس قدر عظمت و بزرگی کے باوجود حقیر ترین لوگوں کے ہاتھوں برباد و ویران ہوگا اور سفیانی لوگ اپنی عظیم شوکت و عظمت کے باوجود جب خانہ کعبہ کو ہلاک کرنے کا ارادہ کریں گے تو زمین میں دھنسا دیے جائیں گے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ جب کعبہ ویران ہو جائے گا تو قیامت قائم ہو جائے گی، دنیا کا ملک خراب و برباد ہو جائے گا کیونکہ اس عالم کی بقاء و بربادی اس معظم اور مکرم گھر کے وجود سے وابستہ ہے۔

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ کَاَنِّیْ بِهٖ اَسْوَدَ اَفْحَجَ یَقْلَعُهَا حَجَرًا حَجَرًا۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِیُّ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ حضور نبی کریم علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا گویا کہ میں خانہ کعبہ کو ویران کرنے والے کو دیکھ رہا ہوں اور یوں محسوس کرتا ہوں کہ وہ میرے پاس حاضر ہے وہ سیاہ رنگ کا ہے اس کے دونوں پاؤں کافی کھلے ہیں[1] وہ خانہ کعبہ کو ایک ایک پتھر[2] کر کے اکھیڑے گا۔ (بخاری)

[1] یہاں حدیث میں لفظ افحج ہے یعنی فا اور جیم سے پہلے حا یعنی ایسا شخص جس کے دو پاؤں کے درمیان کافی فاصلہ ہو اور اس کے دونوں پاؤں ایک دوسرے سے دور ہوں اور چلنے میں وہ اپنے پاؤں کے نزدیک دکھائی دیتا ہے بعض کہتے ہیں کہ اس کی دونوں رانوں کے درمیان فاصلہ ہوگا جیسا کہ اونٹ، گائے اور بکری کے درمیان دودھ دھونے کے وقت ہوتا ہے۔

[2] اس حدیث کا ظاہر یہ بیان کرتا ہے کہ وہ ایک آدمی ہوگا جو خانہ کعبہ کو ویران کرے گا۔ یہ بھی احتمال ہے کہ

وہ قوم کا سردار ہو اور اس کے ساتھ ویران کرنے والی فوج ہو۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ — دوسری فصل

عَنْ یَعْلَی بْنِ اُمَیَّۃَ قَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اِحْتِکَارُ الطَّعَامِ فِی الْحَرَمِ اِلْحَادٌ فِیْہِ۔

(رَوَاہُ اَبُوْ دَاؤُدَ)

حضرت یعلیٰ بن اُمیہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حرم شریف میں غلے کو روک کر رکھنا بے دینی اور اللہ تعالیٰ کی صریح نافرمانی ہے[1]۔

(ابوداؤد شریف)

[1] اگرچہ تمام شہروں میں غلے کو روک رکھنا حرام و منع ہے مگر مکہ معظمہ میں ایسا کرنا سخت تر منع اور حرام ہے۔ یہاں حدیث میں لفظ الحاد آیا ہے جس کا معنیٰ ہے دین سے پھر جانا اور حرم میں حرام فعل کا ارتکاب کرنا۔

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لِمَکَّۃَ مَا اَطْیَبَکِ مِنْ بَلَدٍ وَّاَحَبَّکِ اِلَیَّ وَلَوْلَا اَنَّ قَوْمِیْ اَخْرَجُوْنِیْ مِنْکِ مَا سَکَنْتُ غَیْرَکِ۔

(رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَقَالَ ھٰذَا حَدِیْثٌ حَسَنٌ صَحِیْحٌ غَرِیْبٌ اِسْنَادًا)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ کو فرمایا کہ تو کتنا اچھا شہر ہے تو مجھے سب سے زیادہ محبوب ہے اگر میری قوم مجھے تجھ سے نہ نکالتی تو میں تیرے سوا کسی اور جگہ سکونت اختیار نہ کرتا۔

اسے ترمذی نے روایت کیا اور کہا یہ حدیث اسناد کے اعتبار سے حسن صحیح غریب ہے۔

وَعَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عَدِیِّ بْنِ حَمْرَاءَ قَالَ رَاَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَاقِفًا عَلَی الْحَزْوَرَۃِ فَقَالَ وَاللّٰہِ اِنَّکِ لَخَیْرُ اَرْضِ اللّٰہِ وَاَحَبُّ اَرْضِ اللّٰہِ اِلَی اللّٰہِ وَلَوْلَا اَنِّیْ اُخْرِجْتُ مِنْکِ مَا خَرَجْتُ۔

(رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَابْنُ مَاجَۃَ)

حضرت عبداللہ عدی بن حمراء[1] سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مقام حزورہ پر کھڑے ہوئے دیکھا تو فرمایا اللہ کی قسم بے شک تو اللہ کی زمین میں اللہ کے نزدیک سب سے محبوب ہے اگر مجھے تجھ سے نہ نکالا جاتا تو میں نہ نکلتا۔

(ترمذی۔ ابن ماجہ)

[1] آپ قرشی زہری ہیں۔ بعض نے کہا ثقفی ہیں۔ بنی زہرہ کے حلیف ہیں آپ صحابی ہیں۔ اہل حجاز میں شمار ہوتے ہیں۔

۲؎ حزورہ حا کی زبر زا ساکن و کی زبر آخر میں تا۔ بعض زا اور و کو شد سے پڑھتے ہیں۔ مکہ کے عوام اس لفظ کو عزورہ کہہ کر پکارتے ہیں یعنی عین کے ساتھ جو کہ غلط ہے۔ اس لفظ کا معنیٰ ہے چھوٹا ٹیلا اور اب منارہ مسجد خانہ کعبہ کے نزدیک ایک جگہ کا نام ہے جو کہ باب اجیاد کے متصل ہے۔

۳؎ بعض روایات میں اللہ کے نزدیک کی بجائے میرے نزدیک کا لفظ آیا ہے یعنی میرے نزدیک تو سب سے محبوب ترین جگہ ہے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ قول مبارک اُس وقت فرمایا جبکہ آپ مکہ معظمہ سے عمرہ قضا کے وقت باہر نکلے کیونکہ قریش نے کہا تھا کہ تین روز کے بعد یہاں سے نکل جائیں اور یہاں نہ بیٹھیں بعض کا گمان یہ ہے کہ یہ بات آپ نے ہجرت کے وقت نکلتے ہوئے فرمائی۔ مگر یہ صحیح نہیں کیونکہ حدیث کے بعض طریقوں میں آیا ہے کہ حضور علیہ السلام نے یہ الفاظ اُس وقت فرمائے جبکہ آپ سواری پر سوار تھے اور ہجرت کے لیے نکلتے وقت آپ اس حالت میں نہ تھے بلکہ آپ خفیہ طریقے سے ہجرت کے وقت مکہ معظمہ سے نکلے اور اس سے بھی بہت دور بات ہے جو تاریخ ازرقی میں مذکور ہے کہ یہ بات آپ نے فتح مکہ کے دن فرمائی یہ اس لیے دور ہے کہ فتح مکہ کے دن آپ نکالے نہیں جا رہے تھے بلکہ اُس میں داخل ہو رہے تھے مگر یہ کہ گزشتہ حال یاد کر کے آپ نے ایسا فرمایا ہو۔ واللہ اعلم۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

عَنْ اَبِیْ شُرَیْحِ الْعَدَوِیِّ اَنَّهٗ قَالَ لِعَمْرِو بْنِ سَعِیْدٍ وَّ هُوَ یَبْعَثُ الْبُعُوْثَ اِلٰی مَكَّةَ اَئْذَنْ لِیْ اَیُّهَا الْاَمِیْرُ اُحَدِّثْكَ قَوْلًا قَامَ بِهٖ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَلْغَدَ مِنْ یَّوْمِ الْفَتْحِ سَمِعَتْهُ اُذُنَایَ وَوَعَاهُ قَلْبِیْ وَاَبْصَرَتْهُ عَیْنَایَ حِیْنَ تَكَلَّمَ بِهٖ حَمِدَ اللّٰهَ وَاَثْنٰی عَلَیْهِ ثُمَّ قَالَ اِنَّ مَكَّةَ حَرَّمَهَا اللّٰهُ وَلَمْ یُحَرِّمْهَا النَّاسُ فَلَا یَحِلُّ لِامْرِئٍ یُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ اَنْ یَّسْفِكَ بِهَا دَمًا وَّلَا یَعْضُدَ بِهَا

تیسری فصل

حضرت ابو شریح عدوی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے بے شک انہوں نے عمرو ابن سعید سے فرمایا جبکہ وہ مکہ معظمہ پر لشکر بھیج رہا تھا کہ اے امیر مجھے اجازت دے کہ میں تجھے وہ فرمان پاک سناؤں جسے کل فتح مکہ کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہو کر فرمایا جسے میرے کانوں نے سنا میرے دل نے محفوظ کیا حضور علیہ السلام کو میری آنکھوں نے کلام کرتے وقت دیکھا آپ نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کی پھر فرمایا کہ مکہ معظمہ کو اللہ تعالیٰ نے حرم بنایا ہے کسی انسان نے نہیں بنایا تو کسی بھی شخص کو جو اللہ تعالیٰ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتا ہو۔ جائز نہیں کہ وہاں خون بہائے نہ وہاں کا درخت کاٹے اگر کوئی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

شَجَرَةً فَاِنْ اَحَدٌ تَرَخَّصَ بِقِتَالِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْهَا فَقُوْلُوْا لَهٗ اِنَّ اللّٰهَ قَدْ اَذِنَ لِيْ فِيْهَا سَاعَةً مِّنْ نَّهَارٍ وَّ قَدْ عَادَتْ حُرْمَتُهَا الْيَوْمَ كَحُرْمَتِهَا بِالْاَمْسِ وَلْيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ فَقِيْلَ لِاَبِيْ شُرَيْحٍ مَّا قَالَ لَكَ عَمْرٌو قَالَ قَالَ اَنَا اَعْلَمُ بِذٰلِكَ مِنْكَ يَا اَبَا شُرَيْحٍ اِنَّ الْحَرَمَ لَا يُعِيْذُ عَاصِيًا وَّلَا فَارًّا بِدَمٍ وَلَا فَارًّا بِخُرْبَةٍ -

کے جہاد سے اجازت سمجھے تو اسے کہو کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو اس کی اجازت دی تھی تمہیں اجازت نہیں دی۔ رب تعالیٰ نے مجھے دن کی ایک گھڑی میں اجازت تھی اب آج اس کی حرمت کل کی طرح ہی لوٹ آئی حاضرین غائبین کو پہنچا دیں۔ ابو شریح سے کہا گیا تو پھر تم سے عمرو نے کیا کہا فرمایا وہ بولا اے ابو شریح میں تجھ سے زیادہ جانتا ہوں۵ ۔ حرم شریف نہ تو مجرم کو پناہ دیتا ہے نہ خون کرکے بھاگے ہوئے کو نہ فساد۶ کرکے بھاگنے والے کو۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَفِي الْبُخَارِيِّ الْخُرْبَةُ الْجِنَايَةُ -)

(بخاری و مسلم۔ اور بخاری میں ہے کہ خربہ خیانت۷ ہے۔

۱ؔ ابو شریح العدوی عین اور دال کی زبر سے آپ صحابی ہیں۔

۲ؔ یعنی عمرو ابن سعید بن عاص اموی کو جو عبدالملک بن مروان کی طرف سے مدینہ منورہ کا حاکم تھا۔

۳ؔ حضرت عبداللہ بن زبیر کے ساتھ جنگ کرنے کے لیے۔

۴ؔ یعنی تھوڑے سے وقت کے لیے۔

۵ؔ جانتا ہوں کہ مکہ حرم ہے۔

۶ؔ یہاں حدیث میں لفظ خربہ آیا ہے خا کی پیش را ساکن اور زبر دونوں طرح پڑھا گیا ہے۔ را کے بعد با بمعنی دین میں فساد و خیانت یعنی اگر کوئی شخص دین میں فساد یا کسی دوسرے سے خیانت کرے کہ کسی کا مال تلف کرے یا کسی کا حق ضائع کرے اور حرم میں بھاگ آئے تو اس کی سزا اس کے ذمے لازم رہتی ہے۔ مطلب یہ تھا کہ عبداللہ بن زبیر معصیت کے مرتکب ہوئے ہیں۔ امام کی فرمانبرداری سے باہر نکل گئے ہیں اگر یہ حرم سے باہر نکل آئے تو میں ان کو سزا دوں گا ورنہ حرم میں ہی ان کو قتل کردوں گا۔

۷ؔ یعنی صحیح بخاری میں خربہ کی تفسیر خیانت سے کی۔

وَعَنْ عَيَّاشِ بْنِ اَبِيْ رَبِيْعَةَ

حضرت عیاش۱ بن ربیعہ مخزومی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے

الْمَخْزُوْمِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَزَالُ هٰذِهِ الْاُمَّةُ بِخَيْرٍ مَا عَظَّمُوْا هٰذِهِ الْحُرْمَةَ حَقَّ تَعْظِيْمِهَا فَاِذَا ضَيَّعُوْا ذٰلِكَ هَلَكُوْا۔

(رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ)

فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ امت ہمیشہ خیر پر قائم رہے گی جب تک کہ وہ اس حرمت کی تعظیم کرتی رہے گی جیسا کہ اس کی تعظیم کا حق ہے جب وہ اس تعظیم کو ضائع کر دیں گے تو ہلاک ہو جائیں گے۔

(ابن ماجہ)

لہ عین کی زبر اور یا کی شد بعد میں شین۔ ربیعہ را کی زبر اور با کی زیر سے۔ مخزومی خالد کے ساتھ آپ صحابی ہیں قدیم الاسلام ہیں۔ ماں کی طرف سے ابوجہل کے بھائی ہیں حضور علیہ السلام نے اُن کے لیے قنوت میں دعا کی تھی اور کہا تھا اے اللہ عیاش بن ربیعہ کو نجات دے جیسا کہ باب القنوت میں گزر چکا ہے۔

سلہ یعنی کہ اور حرم کی حرمت بجالاتے رہیں گے اس میں ہر ممنوع فعل کے ارتکاب سے اجتناب کریں گے جیسا کہ اس کی تعظیم کا حق ہے یعنی حرم کعبہ کی احتیاط کرنے میں پوری توجہ دیں گے۔

بَابُ حَرَمِ الْمَدِيْنَةِ حَرَسَهَا اللّٰهُ تَعَالٰى

باب حرم مدینہ۔ اللہ تعالیٰ اس کی حفاظت کرے

مدینہ مطہرہ کی عزت وحرمت میں بہت سی احادیث آئی ہیں علماء نے اس کی چیزوں پر حرمت کا حکم مرتب ہونے میں اختلاف کیا ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا اس بارے میں مذہب یہ ہے کہ یہاں حرمت کا معنیٰ صرف تعظیم و تکریم ہے دوسرے احکام کے ثبوت کے بغیر جیسے شکار کی حرمت۔ درخت کاٹنے کی حرمت اور اس پر سزا کا حکم مرتب ہونا اور جو کوئی ان کاموں میں سے کوئی کام کرے تو گناہ گار نہ ہو گا اور اس پر کوئی سزا بھی نہیں عائد ہو گی یہی امام مالک کا قول ہے اور ایک روایت میں امام احمد اور ایک قول امام شافعی کا بھی یہی ہے۔ امام نووی نے کہا کہ امام مالک۔ امام شافعی اور جمہور علماء کا مشہور مذہب یہ ہے کہ مدینہ پاک کے شکار اور اس کے درخت کاٹنے میں کوئی تاوان لازم نہیں ہاں البتہ شکار کرنا اور درخت کاٹنا بغیر تاوان کے بھی حرام ہے۔ تورپشتی نے کہا کہ مدینہ منورہ کے شکار کو حرام قرار دینے کے قائل نہیں ہوئے مگر گنتی کے چند صحابہ۔ صحابہ کی اکثریت مدینہ منورہ کے پرندوں کے شکار کے جواز کی منکر نہیں ہے اور ہم تک کسی بھی

معتد طریقہ سے اس کے بارے میں کوئی ممانعت وارد نہیں ہوئی۔ البتہ بعض علماء نے کہا ہے کہ اس میں بھی جزا اور بدلہ لازم ہے جیسا کہ حرم مکہ میں۔ بعض نے یہ کہا ہے کہ حرم مدینہ کی خلاف ورزی کرنے کی جزا یہ ہے کہ اس شخص کا سامان چھین لیا جائے کیونکہ اس بارے میں حضرت سعد بن ابی وقاص سے مسلم شریف کی ایک حدیث آرہی ہے۔ قاضی عیاض نے کہا کہ اس کے قائل نہیں ہیں مگر امام شافعی وہ بھی اپنے قول قدیم میں۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

عَنْ عَلِيٍّ قَالَ مَا كَتَبْنَا عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلَّا الْقُرْاٰنَ وَمَا فِيْ هٰذِهِ الصَّحِيْفَةِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَدِيْنَةُ حَرَامٌ مَّا بَيْنَ عَيْرٍ اِلٰى ثَوْرٍ فَمَنْ اَحْدَثَ فِيْهَا حَدَثًا اَوْ اٰوٰى مُحْدِثًا فَعَلَيْهِ لَعْنَةُ اللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ لَا يُقْبَلُ مِنْهُ صَرْفٌ وَّلَا عَدْلٌ ذِمَّةُ الْمُسْلِمِيْنَ وَاحِدَةٌ يَّسْعٰى بِهَا اَدْنَاهُمْ فَمَنْ اَخْفَرَ مُسْلِمًا فَعَلَيْهِ لَعْنَةُ اللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ لَا يُقْبَلُ مِنْهُ صَرْفٌ وَّلَا عَدْلٌ وَّ مَنْ وَّالٰى قَوْمًا بِغَيْرِ اِذْنِ مَوَالِيْهِ فَعَلَيْهِ لَعْنَةُ اللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ لَا يُقْبَلُ مِنْهُ صَرْفٌ وَّلَا عَدْلٌ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

پہلی فصل

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ نہیں لکھا مگر قرآن اور جو کچھ اس صحیفہ میں ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مدینہ حرمت والا ہے۔ عیر سے کر ثور کے درمیان زمین کے ٹکڑے تک تو جو شخص اس میں ایسی چیز ظاہر کرے گا جو ممنوع ہے یا کسی بے دین کو پناہ دے گا تو اس پر اللہ تعالیٰ فرشتوں اور تمام لوگوں کی لعنت ہے اور نہیں قبول کیا جائے گا اس کا فرض، نہ نفل۔ سب مسلمانوں کا عہد ایک ہے۔ کم اور ادنیٰ درجے کا مسلمان بھی اس کے پورا کرنے کی کوشش کرے گا تو جو شخص کسی مسلمان کے ساتھ عہد شکنی کرے گا تو اس پر بھی اللہ تعالیٰ فرشتوں اور تمام لوگوں کی لعنت ہے۔ نہیں قبول ہوگا اس کی طرف سے فرض نہ نفل اور جو شخص کسی قوم سے دوستی کرے گا بغیر اس کے دوستوں کی اجازت کے تو اس پر بھی اللہ تعالیٰ اور فرشتوں اور تمام لوگوں کی لعنت اور نہ قبول ہوگا اس کا فرض نہ نفل۔ (بخاری و مسلم۔)

وَفِیْ رِوَایَةٍ لَّهُمَا مَنِ ادَّعٰی اِلٰی غَیْرِ اَبِیْهِ اَوْ تَوَلّٰی غَیْرَ مَوَالِیْهِ فَعَلَیْهِ لَعْنَةُ اللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ لَا یُقْبَلُ مِنْهُ صَرْفٌ وَّلَا عَدْلٌ۔

بخاری و مسلم کی ایک دوسری روایت میں یوں ہے کہ جو اپنے کو اپنے غیر باپ کی طرف نسبت کرے یا اپنے غیر مولاؤں سے ولا کرے تو اُس پر اللہ کی، فرشتوں کی اور تمام لوگوں کی لعنت ہے نہ اُس کے فرض قبول ہوں نہ نفل۔

۱؎ جب کہ لوگوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو قرآن کے علاوہ ایک اور صحیفے سے بھی مخصوص کیا ہے یہ بات سن کر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہم نے قرآن کے سوا اور جو کچھ اس صحیفے میں ہے اس کے سوا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کچھ لکھ کر نہیں رکھا وہ صحیفہ ایک ورق تھا جس میں دیتوں کے احکام اور بعض دوسرے احکام تھے یہ صحیفہ اس وقت تلوار کے اس میان میں موجود ہے اور حرم مدینہ کا یہ حکم بھی اس میں ہے جو اگلے لفظ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان فرما رہے ہیں۔

۲؎ یعنی حرم مدینہ کی حد عیر (عین کی زیر یا ساکن) اور ثور (ثا کی زبر و ساکن) یہ مدینہ منورہ کے دو پہاڑوں کا نام ہے۔ ان دونوں پہاڑوں کی درمیانی حدود حرم مدینہ کہلاتا ہے۔

۳؎ اور اعانت کرے گا، یہاں حدیث میں لفظ محدث یعنی بے دین آدمی کی خلاف سنت نکالی ہوئی چیز یہاں پناہ کے لیے لفظ آوی آیا ہے یعنی جو شخص خود بدعت کا مرتکب ہوگا یا دوسرے کی بدعت سے راضی ہوگا تو اُس پر لعنت۔

۴؎ یہاں حدیث میں فرض کے لیے لفظ صَرف آیا ہے۔ بعض نے صَرف کی تفسیر شفاعت سے کی ہے کیونکہ شفاعت مستحق عذاب سے عذاب کو پھیر دیتی ہے۔ صَرف کی تفسیر توبہ سے بھی کی ہے کیونکہ توبہ بندے کو گناہ سے روک لیتی ہے۔ عدل کی تفسیر فدیے سے بھی کی ہے کیونکہ فدیہ اُس چیز کے مساوی اور برابر ہوتا ہے جس کے بدلے دیا جاتا ہے پھر صحیفے میں جو احکام درج تھے اُن میں سے ایک حکم یہ بھی تھا کہ مسلمانوں کا عہد ایک ہے یعنی جو شخص مسلمانوں میں سے اگرچہ حقیر درجے کا ہی ہو جیسے غلام اور عورت کسی کافر کو امن دے دے یا اس سے معاہدہ کرے اور اپنی پناہ میں لے آئے تو سب پر اُس معاہدے کی رعایت و حفاظت لازم ہے کسی کے لیے بھی اس عہد کا توڑنا جائز نہیں۔ اور عہد کو عربی میں ذمہ اس لیے کہتے ہیں کہ اس کا توڑنا موجب مذمت ہے۔

۵؎ یعنی عہد اور وثیقہ جو مسلمان کے ساتھ کیا ہو جو اُسے توڑے اور غدر کرے یا مسلمان کے اس عہد کو توڑے جوذمی کے ساتھ کیا ہے جیسا کہ کلام کا انداز اس معنیٰ کو ظاہر کرتا ہے۔

۶؎ واضح ہو کہ وِلا دو قسم ہے ایک کو ولائے موالاۃ کہتے ہیں۔ عربوں کی عادت تھی کہ ایک دوسرے کے ساتھ دوستی اور پیوستگی کرتے اور عہد باندھتے تھے۔ اور اس بات کی قسم اٹھاتے تھے کہ نیکی بدی میں ایک دوسرے

کے شریک مددو معاون ہوں گے اور دوست آپس میں ایک دوسرے کے دوست رہیں گے اور دشمنوں کے دشمن۔ دور جاہلیت میں باطل و ناحق کے اندر بھی ایک دوسرے کی امداد و معاونت کرتے تھے اور اسلام میں حق کے اندر معاونت کرتے تھے اکثر عجمی لوگ جو تابعین اور تبع تابعین میں سے تھے عربستان میں آئے اور صحابہ کے ساتھ عقد دوستی قائم کیا دوسری ولا ولائے عتاقہ ہے کہ جو کوئی غلام کو آزاد کرے گا تو آزاد کرنے والے کیلئے اس کا حق ولایت ثابت ہوگا اور قریبی وارثوں کے نہ ہونے کی صورت میں اس کا وارث وہ بنے گا یہاں حدیث میں احتمال ہے کہ موالی سے ولاء موالات والے مراد ہوں اور معنیٰ یہ ہوگا کہ اس کے لیے موالی ہوں تو نہیں چاہیے کہ وہ اپنے موالی کی اجازت کے بغیر دوسروں کو موالی بنائے۔ اور ان کے مشورے کے بغیر ایسا کرے کہ اس میں ایک قسم کی بدعہدی پائی جاتی ہے اور اس سے ایذا بھی پہنچتی ہے جس کا مرتکب نہیں ہونا چاہیے۔ بعض کہتے ہیں مسلمانوں کو ایذا پہنچانے کے لیے کافروں سے موالات کرنا مراد ہے جو کہ سخت ممنوع ہے۔ یہ بھی احتمال ہے کہ ولا سے ولائے عتاقہ مراد ہو اس صورت میں معنیٰ یہ ہوگا کہ جو شخص اپنی نسبت اپنے آزاد کرنے والے کے سوا کسی دوسرے کی طرف کرے گا وہ مستحق لعنت ہے۔ جس طرح کوئی شخص اپنی نسبت اپنے باپ کے علاوہ کسی اور کی طرف کرے تو لعنت کا مستحق ٹھہرتا ہے۔

ےھ یہ روایت تائید کرتی ہے کہ ولایت عتاقہ مراد ہے۔ جیسا کہ ایک حدیث میں آیا ہے کہ آزادی نسب کے رابطے کی طرح ایک رابطہ ہے۔

تنبیہ۔

اس حدیث میں ایک اشکال ہے کہ عیر تو مدینہ منورہ کا ایک پہاڑ ہے مگر جبل ثور تو مکے میں ہے نہ کہ مدینے میں اور یہ وہ پہاڑ ہے جس کی غار میں ہجرت کے وقت حضور علیہ السلام چھپے تھے۔ مدینہ منورہ میں کوئی مشہور پہاڑ نہیں جسے ثور کہتے ہوں اسی بناء پر بخاری شریف کے اکثر راوی اس کو مبہم چھوڑ گئے۔ بعض نے علامت کذا لکھ دی۔ بعض نے ثور کی جگہ سفید چھوڑ دی۔ فتح الباری میں کہا ظاہر یہ ہے کہ اصل عبارت اس طرح ہوگی کہ عیر اور احد کے درمیان۔ امام احمد اور طبرانی کے نزدیک ایسا ہی واقع ہوا ہے۔ بعض نے کہا کہ عیر مکہ میں واقع ایک پہاڑ کا نام ہے اور حدیث کا معنیٰ یہ ہے کہ حرم مدینہ کی مقدار مسافت اتنی ہے جتنا کہ مکہ میں عیر و ثور کے درمیان فاصلہ ہے۔

شیخ مجدالدین نے قاموس میں کہا ثور مدینہ میں احد پہاڑ کے سامنے ایک چھوٹا سا پہاڑ ہے۔ لہٰذا ثور کا ذکر صحیح ہے وہم نہیں ہے جیسا کہ ائمہ کو گمان ہوا ہے۔ شیخ موصوف نے اس کے ثابت کرنے میں انتہائی تحقیق سے کام لیا ہے۔ میں نے شرح عربی میں اسے نقل کیا ہے۔

وَعَنْ سَعْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنِّيْ	حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک

أُحَرِّمُ مَا بَيْنَ لَابَتِيِ الْمَدِيْنَةِ اَنْ يُّقْطَعَ عِضَاهُهَا اَوْ يُقْتَلَ صَيْدُهَا وَ قَالَ الْمَدِيْنَةُ خَيْرٌ لَّهُمْ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ لَا يَدَعُهَا اَحَدٌ رَغْبَةً عَنْهَا اِلَّا اَبْدَلَ اللّٰهُ فِيْهَا مَنْ هُوَ خَيْرٌ مِّنْهُ وَلَا يَثْبُتُ اَحَدٌ عَلٰى لَأْوَائِهَا وَجُهْدِهَا اِلَّا كُنْتُ لَهٗ شَفِيْعًا اَوْ شَهِيْدًا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

میں حرام قرار دیتا ہوں مدینہ منورہ کے دو لابے[1] کے درمیانی حصہ کو کہ اس کے درخت کاٹے جائیں یا اس کے شکار کو قتل کیا جائے اور حضور علیہ السلام نے فرمایا مدینہ ان کے لیے بہتر ہے اگر وہ جان[2] لیتے نہیں چھوڑے گا اسے کوئی بھی۔ اس سے اعراض کرتے ہوئے مگر اللہ تعالیٰ بدل کرے گا اس میں اس کو جو اس سے بہتر ہوگا اور نہیں ثابت قدم رہے گا کوئی بھی اس کی بھوک اور سختی پر اور اس کی مشقت محنت پر مگر میں اس کے لیے قیامت کے دن اس کی شفاعت[3] کرنے والا اور اس کا گواہ بنوں گا۔

(مسلم شریف)

[1] بالتخفیف سے وہ پتھریلی زمین جو مدینہ منورہ کے دونوں طرف واقع ہے اور مدینہ منورہ ان کے درمیان ہے۔ لفظ عضاہ عین کی زیر اس کے بعد ض آخر میں ہا۔ جمع عضہ بمعنی بڑے بڑے کانٹے دار درخت۔

[2] دوسری حدیث میں آیا ہے کہ علاقے اور شہر فتح ہوں گے اور لوگ مدینہ سے باہر نکل کر ادھر جانا چاہیں گے حالانکہ مدینہ ان کے لیے بہتر ہے اگر وہ اسے جان لیں۔

[3] یعنی اس کے گناہوں کی شفاعت کرنے والا اور قیامت کے روز اس کی نیکیوں پر اس کا گواہ بننے والا ہوں گا علماء نے کہا ہے کہ لفظ مشقت کے لیے حدیث میں جو لفظ جہد آیا ہے اسے جیم کی پیش سے صحیح قرار دیا گیا ہے مگر ظاہر یہ ہے کہ یہ جیم کی زبر سے ہے بمعنی مشقت اور اگر جیم کی پیش سے ہو تو اس کا معنی ہوتا ہے وسعت اور طاقت بعض نے کہا یہ دونوں لغتیں دونوں معنوں کے لیے استعمال ہوتی ہیں۔

وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يَصْبِرُ عَلٰى لَأْوَاءِ الْمَدِيْنَةِ وَشِدَّتِهَا اَحَدٌ مِّنْ اُمَّتِيْ اِلَّا كُنْتُ لَهٗ شَفِيْعًا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہیں صبر کرے گا مدینہ منورہ کی محنت و شدت پر میرے امتیوں میں سے میرا کوئی امتی مگر یہ کہ میں اس کے لیے قیامت کے دن شفاعت کرنے والا ہوں گا۔

(مسلم شریف)

وَعَنْهُ قَالَ كَانَ النَّاسُ اِذَا

انہیں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے

رَاَوْا اَوَّلَ الثَّمَرِ جَآءُوْا بِهٖ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاِذَا اَخَذَهٗ قَالَ اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِيْ ثَمَرِنَا وَ بَارِكْ لَنَا فِيْ مَدِيْنَتِنَا وَ بَارِكْ لَنَا فِيْ صَاعِنَا وَبَارِكْ لَنَا فِيْ مُدِّنَا اَللّٰهُمَّ اِنَّ اِبْرَاهِيْمَ عَبْدُكَ وَ خَلِيْلُكَ وَ نَبِيُّكَ وَ اِنِّيْ عَبْدُكَ وَ نَبِيُّكَ وَ اِنَّهٗ دَعَاكَ لِمَكَّةَ وَاَنَا اَدْعُوْكَ لِلْمَدِيْنَةِ بِمِثْلِ مَا دَعَاكَ لِمَكَّةَ وَ مِثْلِهٖ مَعَهٗ ثُمَّ قَالَ يَدْعُوْا اَصْغَرَ وَلِيْدٍ لَّهٗ فَيُعْطِيْهِ ذٰلِكَ الثَّمَرَ۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

فرماتے ہیں لوگ جب پہلا پھل دیکھتے تو اُسے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لاتے جب آپ اُس میوے کو پکڑ لیتے تو یوں دعا کرتے اے اللہ برکت[1] ڈال ہمارے لیے ہمارے پھل میں اور برکت ڈال ہمارے لیے ہمارے شہر میں اور برکت ڈال ہمارے لیے ہمارے صاع میں اور برکت ڈال ہمارے لیے ہمارے مُدّ[2] میں اے اللہ بے شک ابراہیم تیرا بندہ ہے تیرا دوست ہے اور تیرا پیغمبر ہے اور بے شک میں تیرا بندہ اور تیرا نبی ہوں[3] اور بے شک ابراہیم نے تجھ سے مکہ[4] کے لیے دعا کی اور میں تجھ سے مدینہ کے لیے اتنی مثل کی دعا کرتا ہوں جتنی کہ حضرت ابراہیم نے مکے کے لیے کی اور اُس جتنی اُس کے ساتھ اور[5] بھی دعا کرتا ہوں پھر آپ اپنے اہل بیت میں سے کسی چھوٹے بچے کو بلاتے تو اسے وہ پھل دے دیتے[6]۔

(مسلم شریف)

[1] برکت را کی زبر سے بمعنی کسی چیز کا زیادہ ہونا اور ثبات و دوام کے معنیٰ میں بھی آتا ہے۔

[2] مُد میم کی پیش دکی شد سے۔ صاع اور مُد دونوں پیمانے ہیں لیکن مُد ایک رطل اور تیسرا حصہ رطل کا ہوتا ہے یعنی اہل حجاز کے نزدیک اور اہل عراق کے نزدیک مُد دو رطل کا ہوتا ہے ، صاع چار مد کا۔ تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے رزق میں وسعت و برکت کی دعا فرمائی۔

[3] حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہاں اپنے لیے خلت اور دوستی کو ثابت نہ فرمایا باوجودیکہ آپ کی ذات شریف میں حضرت ابراہیم علیہ السلام سے اتم و اکمل خلت پائی جاتی ہے اور نہ حُبّ اپنے لیے ثابت فرمائی جو کہ خلت سے بھی اکمل ہے کیونکہ حبیب وہ محب ہوتا ہے جو محبوبیت کے مقام پر پہنچ چکا ہوتا ہے۔ یہ محبوبیت بھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات شریف کا خاصہ ہے۔ یہ انداز آپ نے تواضع کی بنا پر اختیار فرمایا اور عبودیت کے ثبوت پر اکتفا فرمایا جو کہ اکمل صفات اور ارفع مقامات کا خاصہ ہے حقیقتاً عبودیت جو کہ اکمل صفات اور ارفع مقامات میں سے ہے، مقام محمدیت کا خاصہ ہے جو کوئی بھی آپ کے سوا ہے وہ اس میں آپ سے پیچھے ہے جیسا کہ اہل تحقیق نے بیان کیا ہے اور یہ بھی

احتمال ہے کہ حضور علیہ السلام اس وقت کے بعد ان مقامات سے ملقب ہوئے ہوں۔ واللہ اعلم۔

۴ کہ اُسے حرم بنایا جائے۔

۵ یعنی میں مدینے کے لیے مکہ سے دوگنی دعا کرتا ہوں۔

۶ چھوٹے بچوں کو دینے کی تخصیص اُن پر زیادہ رحم و شفقت کی بنا پر ہوتی تھی اور اس بنا پر بھی کہ چھوٹے بچوں اور نئے پھل کے درمیان مناسبت پائی جاتی ہے کیونکہ چھوٹے بچے زیادہ راغب زیادہ مائل اور زیادہ خوش ہوتے ہیں۔ اور دوسروں کو اُس پھل کے دینے میں اُمت کو اس بات کی ہدایت و تعلیم ہے کہ شہوت کی جڑ کاٹنی چاہیے خصوصاً اُس چیز میں جس کی طرف طبیعت زیادہ مائل ہو۔ جیسے نئے پھل کی طرف طبیعت زیادہ مائل و راغب ہوتی ہے۔

وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍؓ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ اِبْرَاھِیْمَ حَرَّمَ مَکَّۃَ فَجَعَلَھَا حَرَامًا وَّ اِنِّیْ حَرَّمْتُ الْمَدِیْنَۃَ حَرَامًا مَّا بَیْنَ مَازِمَیْھَا اَنْ لَّا یُھْرَاقَ فِیْھَا دَمٌ وَّلَا یُحْمَلَ فِیْھَا سِلَاحٌ لِّقِتَالٍ وَّلَا تُخْبَطَ فِیْھَا شَجَرَۃٌ اِلَّا لِعَلَفٍ۔ (رَوَاہُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ حضور نے فرمایا بے شک ابراہیم نے مکہ کو حرم بنا کر مکۃ الحرام بنایا۔ اور بے شک میں نے مدینہ کو حرام قرار دے کر مدینۃ الحرام بنایا ہے یعنی اُس حصے کو جو اس کی دو طرفوں[۱] کے درمیان ہے کہ نہ بہایا جائے اس میں خون اور نہ اٹھایا جائے اس میں ہتھیار لڑائی کے لیے اور نہ جھاڑا جائے اس میں کوئی درخت[۲] مگر چارے کے لیے۔ (مسلم شریف)

۱ یہاں حدیث میں لفظ مازمے آیا اس کا مفرد مازم ہے بمعنیٰ دو پہاڑوں کے درمیان کی تنگ جگہ اس سے مراد اُس کی دو طرفیں ہیں جیسا کہ حضرت سعد کی حدیث میں گزرا۔

۲ یعنی درخت کے پتے۔ مویشیوں کی خوراک کے لیے یہاں لفظ خبط استعمال ہوا ہے بمعنیٰ درخت کے پتوں کو لاٹھی وغیرہ سے جھاڑنا اس لفظ کو اگر خَبط پڑھا جائے۔ خا اور با کی زبر سے تو معنیٰ ہوگا درخت کے جھڑے ہوئے پتے یعنی مدینہ منورہ کے درختوں کے پتے جھاڑنا بھی جائز نہیں تو کاٹنا بطریق اولیٰ ناجائز ہوگا۔

وَعَنْ عَامِرِ بْنِ سَعْدٍؓ اَنَّ سَعْدًا رَکِبَ اِلٰی قَصْرِہٖ بِالْعَقِیْقِ فَوَجَدَ عَبْدًا یَّقْطَعُ شَجَرًا اَوْ یَخْبِطُہٗ فَسَلَبَہٗ

حضرت عامر ابن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے بے شک حضرت سعد سوار ہو کر وادی عقیق[۱] میں واقع اپنے محل کی طرف تشریف لے گئے تو آپ نے ایک

فَلَمَّا رَجَعَ سَعْدٌ جَآءَهٗ اَهْلُ الْعَبْدِ فَكَلَّمُوْهُ اَنْ يَّرُدَّ عَلٰى غُلَامِهِمْ اَوْ عَلَيْهِمْ مَّا اَخَذَ مِنْ غُلَامِهِمْ فَقَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ اَنْ اَرُدَّ شَيْئًا نَفَّلَنِيْهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَبٰى اَنْ يَّرُدَّ عَلَيْهِمْ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

غلام کو پایا جو درخت کاٹ رہا ہے یا اور پتے جھاڑ رہا ہے تو آپ نے اُس کے کپڑے اور ہتھیار اُس سے چھین لیے جب حضرت سعد واپس لوٹے تو اُس غلام کے مالک آئے اور اُن سے اس بارے میں گفتگو کی کہ ہمارے غلام کو واپس کر دیں یا اُن پر واپس کر دیں[۳] حضرت سعد نے فرمایا اللہ کی پناہ کہ میں وہ چیز واپس کروں جو مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عطا فرمائی[۴]۔ اور آپ نے انکار کر دیا کہ اُس کے مالکوں کو اُس کا سامان واپس کریں[۵]۔ (مسلم)

[۱] آپ ثقہ تابعی ہیں اور سعد سے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ مراد ہیں۔

[۲] وادی عقیق مدینہ منورہ کے پاس ایک مشہور و متبرک جگہ کا نام ہے جس کا ذکر اشعار میں بھی آتا ہے اس وادی کو وادی مقدس بھی کہتے ہیں۔

[۳] یہ راوی کا شک ہے کہ لفظ علی غلامہم یا علیہم ہے۔

[۴] یہاں حدیث میں لفظ نفل آیا ہے دو زبروں کے ساتھ بمعنی غنیمت۔ انفال اس کی جمع ہے۔ تنفیل کا معنی غنیمت دینا۔

[۵] یہ اُس غلام کی سزا تھی کہ اُس نے حرم مدینہ کو نقصان پہنچایا جیسا کہ شرح ترجمہ میں اُس کی طرف اشارہ گزر چکا ہے۔

وَعَنْ عَآئِشَةَ رض قَالَتْ لَمَّا قَدِمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَدِيْنَةَ وُعِكَ اَبُوْبَكْرٍ وَّ بِلَالٌ فَجِئْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَخْبَرْتُهٗ فَقَالَ اَللّٰهُمَّ حَبِّبْ اِلَيْنَا الْمَدِيْنَةَ كَحُبِّنَا مَكَّةَ اَوْ اَشَدَّ وَصَحِّحْهَا وَبَارِكْ لَنَا فِيْ صَاعِهَا وَمُدِّهَا وَانْقُلْ حُمَّاهَا فَاجْعَلْهَا بِالْجُحْفَةِ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں جب حضور علیہ السلام مدینہ منورہ تشریف لائے تو حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو بخار آنا شروع ہو گیا تو میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور آپ کو اُن کے بخار کی خبر دی اس پر حضور علیہ السلام نے دعا کی یا اللہ ہماری طرف مدینے کو محبوب بنا دے جیسا کہ تو نے مکے کو ہمارا محبوب بنایا یا اُس سے بھی زیادہ محبوب بنا دے اور مدینہ کی آب و ہوا درست کر دے[۲] اور ہمارے لیے اُس کے صاع اور مد میں

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

برکت ڈال اور اس کے بخار کو یہاں سے لے جا اور جحفہ میں اس کو رکھ دے۔ (بخاری و مسلم)

لے یہاں حدیث میں بخار کے لیے لفظ وعک استعمال ہوا ہے جس کا معنی ہے بخار یا بخار کی تکلیف۔ صراح میں ہے کہ وعک بخار کی تیزی کو کہتے ہیں۔

سے کہ اہل مدینہ کو اس کی آب و ہوا سے تندرستی نصیب ہو۔

سے جحفہ جیم کی پیش حا ساکن اس کے بعد فا یہ مدینہ اور مکہ کے درمیان ایک جگہ کا نام ہے۔ اس وقت وہاں یہودنا مسعود آباد تھے۔ بیان کرتے ہیں کہ حضور سید البشر صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت سے پہلے مدینہ منورہ وبا، بلا، بخار اور بیماری کی جگہ تھی حضور علیہ السلام نے اس کے لیے دعا کی کہ یہ چیزیں کفار کی زمین پر بھیج دے اس حدیث میں اس عمل کی دلیل ہے کہ کفار کے لیے بیماریوں اور موت ہلاکت اور ان کے شہروں کی بربادی کی بد دعا کرنا جائز ہے۔

وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہ فِيْ رُءْيَا النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْمَدِيْنَةِ رَاَيْتُ امْرَاَةً سَوْدَاءَ ثَائِرَةَ الرَّاْسِ خَرَجَتْ مِنَ الْمَدِيْنَةِ حَتّٰى نَزَلَتْ مَهْيَعَةَ فَتَاَوَّلْتُهَا اَنَّ وَبَاءَ الْمَدِيْنَةِ نُقِلَ اِلٰى مَهْيَعَةَ وَهِيَ الْجُحْفَةُ۔

(رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خواب جو انہوں نے مدینہ میں دیکھی کہ میں کیا دیکھتا ہوں کہ ایک کالے رنگ کی عورت ہے جس کا سر پراگندہ ہے وہ مدینہ سے نکلی یہاں تک کہ مہیعہ کے مقام پر جا اتری ہے تو میں نے اس کی تعبیر کی ہے کہ مدینہ کی وبا مہیعہ کی طرف منتقل کر دی گئی ہے۔ اور مہیعہ جحفہ کا نام ہے۔ (بخاری شریف)

لے مہیعہ ایک جگہ کا نام ہے۔ میم کی زبر ہا ساکن یا کی زبر پھر عین آخر میں تا مہیعہ دراصل جحفہ ہی کا نام ہے جیسا کہ گزشتہ حدیث میں مذکور ہوا۔ یہاں حدیث میں لفظ وبا آیا ہے جو کہ مد اور قصر دونوں طرح پڑھنا جائز ہے۔ یعنی عام بیماری کہ اسے فارسی میں مرگا مرگی بھی کہتے ہیں۔ قاموس میں فرمایا وبا یعنی طاعون کی بیماری یا ہر بیماری اور حضرت [illegible] فرمایا طاعون وبا ہے۔ صراح میں فرمایا طاعون موت کی وبا ہے۔

وَعَنْ سُفْيَانَ بْنِ اَبِيْ زُهَيْرٍ رضی اللہ عنہ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ يُفْتَحُ الْيَمَنُ فَيَاْتِيْ قَوْمٌ يُبِسُّوْنَ فَيَتَحَمَّلُوْنَ بِاَهْلِيْهِمْ

حضرت سفیان بن ابو زہیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے یمن فتح ہوگا تو ایک قوم سیر کرتے ہوئے آئے گی اور اگر اپنے اہل و عیال اور ان لوگوں کو لے

وَمَنْ اَطَاعَهُمْ وَالْمَدِيْنَةُ خَيْرٌ لَّهُمْ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ وَيُفْتَحُ الشَّامُ فَيَأْتِيْ قَوْمٌ يَبُسُّوْنَ فَيَتَحَمَّلُوْنَ بِاَهْلِيْهِمْ وَمَنْ اَطَاعَهُمْ وَالْمَدِيْنَةُ خَيْرٌ لَّهُمْ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ وَيُفْتَحُ الْعِرَاقُ فَيَأْتِيْ قَوْمٌ يَبُسُّوْنَ فَيَتَحَمَّلُوْنَ بِاَهْلِيْهِمْ وَمَنْ اَطَاعَهُمْ وَالْمَدِيْنَةُ خَيْرٌ لَّهُمْ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

جائیں گی جو اُن کی بات مانیں گے حالانکہ مدینہ اُن کے لیے بہتر ہوگا اگر وہ اس کو جان لیتے اور شام فتح ہوگا تو ایک قوم آہستہ آہستہ چل کر مدینہ آئے گی اور اپنے بال بچوں اور جو اُن کی بات مانے گا انہیں لے کر مدینہ سے کوچ کر جائیں گے حالانکہ مدینہ اُن کے لیے بہتر تھا اگر وہ اس کو جان لیتے اور عراق[۴] فتح ہوگا تو کچھ لوگ آہستہ آہستہ چل کر آئیں گے تو اپنے اہل وعیال اور جو اُن کی بات مانیں گے انہیں ساتھ لے کر مدینہ سے چلے جائیں گے حالانکہ مدینہ اُن کے لیے بہتر تھا اگر وہ جان لیتے۔

(بخاری و مسلم)

[۱] زا کی پیش حا کی زبر اور یا ساکن سے آپ صحابی ہیں اہل مدینہ میں شمار ہوتے ہیں۔

[۲] یہاں حدیث میں لفظ یبسّون یا کی زبر با کی پیش سین کی شد سے ہے۔ یعنی حضرت سفیان فرماتے ہیں کہ میں نے حضور علیہ السلام کو سنا آپ فرما رہے تھے کہ یمن فتح ہوگا تو وہاں سے ایک گروہ آہستہ آہستہ چل کر آئے گا اپنے مویشیوں کو چراتے ہوئے۔ یبسون بس سے بنا ہے بمعنی آہستہ چلنا اور مویشیوں کو چلانا۔ جیسا کہ قرآن مجید میں واقع ہے ترجمہ[۱] (پہاڑوں کو چلایا جائے گا آہستہ آہستہ)

[۳] یعنی اُن کے متبع اور اُن سے تعلق رکھنے والے۔

[۴] یعنی اسلام اسلامی ولایت کے تحت بہت سے علاقے فتح ہوں گے تو لوگ روزی کی وسعت دنیا کے مال و متاع اور فانی لذتوں کے لیے مدینہ منورہ سے باہر چلے جائیں گے اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے پڑوس و وحی کے اترنے کی جگہ اور منزل برکات سے منہ پھیریں گے، اگر وہ حقیقت حال اور سعادت مبداء و مآل کو جان لیں تو مدینہ میں ہی رہائش رکھیں کیونکہ مدینے میں رہائش رکھنا بہتر ہے درحقیقت اس ارشاد میں لوگوں کے حال کی تحقیر و مذمت بیان کی گئی ہے۔ بعض نے کہا مراد یہ ہے کہ لوگ مختلف علاقوں اور شہروں سے آئیں گے اور مدینہ میں سکونت اختیار کریں گے اس صورت میں اس حدیث میں رہائش اختیار کرنے والوں اور اس میں ٹھہرنے والوں کی مدح مقصود ہوگی مگر اول معنی صحیح تر بہتر اور ظاہر تر ہے۔ واللہ اعلم۔

وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے ایک

[۱] وَبُسَّتِ الْجِبَالُ بَسًّا ۱۲

اُمِرْتُ بِقَرْيَةٍ تَأْكُلُ الْقُرٰى يَقُوْلُوْنَ يَثْرِبَ وَهِيَ الْمَدِيْنَةُ تَنْفِي النَّاسَ كَمَا يَنْفِي الْكِيْرُ خَبَثَ الْحَدِيْدِ - (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

بستی میں جانے کا حکم دیا گیا ہے جو کہ تمام بستیوں کو کھا جائے گی[۱] لوگ اُسے یثرب[۲] کہتے ہیں حالانکہ وہ مدینہ ہے۔ مدینہ لوگوں کو اپنے اندر سے اس طرح دور کرے گا جس طرح بھٹی لوہے کی میل کچیل[۳] کو دور کرتی ہے۔

(بخاری و مسلم)

[۱] یعنی مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں اُس بستی کی طرف ہجرت کروں جو دوسری بستیوں کو کھا جائے گی یعنی غالب آجائے گی اور سب کو اپنے پیچھے کرے گی یعنی جو بھی اُس بستی میں سکونت اختیار کرے گا، اُسے وطن بنائے گا تو وہ دوسروں پر غالب آجائے گا اور تمام شہروں کو فتح کرے گا یہ خصوصیت اس بلدۂ عظیم الشان یعنی مدینہ منورہ کی ہے کہ جو شخص بھی اس میں آتا ہے وہ باقی شہروں پر غالب ہو جاتا ہے۔ چنانچہ سب سے پہلے یہاں عمالقہ آئے تو وہ غالب ہوئے اور انہوں نے شہروں اور علاقوں کو فتح کیا اُس کے بعد یہاں یہود سکونت پذیر ہوئے تو وہ عمالقہ پر غالب آئے۔ بعد ازاں یہاں انصار پہنچے تو انہیں یہودیوں پر غلبہ حاصل ہوا اُس کے بعد حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم اور مہاجرین رضی اللہ عنہم یہاں تشریف لائے تو وہ غالب آئے اور ایسے غالب آئے کہ انہوں نے مشرق سے مغرب تک سارے جہان پر اپنی فتح کے جھنڈے گاڑ دیے اس متبرک و باعظمت شہر کے باشندوں کے حالات کتاب جذب القلوب الی دیار المحبوب میں جو مدینہ مطہرہ کی تاریخ ہے، میں نے ذکر کر دیا، میں اس شہر پاک کے اسماء میں سے ایک اسم اکالۃ القری اور اکالۃ البلدان ہے یعنی بستیوں اور شہروں کو ہڑپ کر جانے والی۔ اس لیے کہ اس شہر کو تمام شہروں، علاقوں پر غلبہ اور تسلط حاصل ہے۔ اور تمام اطراف کے لوگوں پر اس کا حکم نافذ و جاری ہے۔ بعض علماء نے مدینہ منورہ کو فضائل اور کرامت میں باقی تمام جگہوں پر فضیلت و عزت دی ہے گویا باقی تمام جگہوں کے فضائل اور عزتیں اس کے فضائل کے آگے مضمحل و پوشیدہ ہیں جیسا کہ مکہ معظمہ کو اس بناء پر ام القریٰ کہتے ہیں کہ یہ تمام بستیوں کی اصل و بنیاد ہے باقی تمام بستیاں وجود میں آنے میں اس کے تابع ہیں۔ علماء نے کہا ہے کہ لفظ اکالۃ القری کا مضمون ام القریٰ کے معنی سے زیادہ بلیغ و اکمل ہے کیونکہ امومت یعنی اصل ہونا مٹنے اور ہلاک کرنے کا تقاضا نہیں کرتا بلکہ وہ اس امر کا تقاضا کرتا ہے کہ وہ اصل و بنیاد ہے بخلاف اکالۃ القری کے کہ اس میں کھا جانے کا معنی پایا جاتا ہے کہ اس شہر کے سامنے باقی تمام علاقے اور شہر مضمحل اور چھپے ہوئے ہیں پھر اس شہر کے بہت سے اسماء اور القاب ہیں جو کہ سو سے بھی زیادہ ہیں میں نے اُن میں سے بعض کو کتاب مذکور میں نقل کر دیا ہے۔

[۲] یعنی لوگ اسے اپنی قدیم زبان میں یثرب کہتے ہیں مگر یہ تو مدینہ ہے اور اب اس مبارک جگہ کا نام مدینہ ہے زمانہ نبوت سے پہلے اس کا نام یثرب بروزن مسجد تھا حضور علیہ السلام نے اس کا نام مدینہ رکھا جو کہ لوگوں کے تمدن اور

اجتماع کی طرف اشارہ کرتا ہے اور لوگوں کی آپس میں انسیت اور الفت کو ظاہر کرتا ہے، حضور علیہ السلام نے اسے یثرب کہنے سے منع کر دیا۔ یا تو اس لیے کہ یہ جاہلیت کا نام ہے یا اس لیے کہ یہ لفظ ثرب بمعنی فساد و ہلاک سے نکلا ہے تثریب بمعنی ڈانٹنا اور ملامت کرنا یا اس مناسبت سے اس شہر کا نام یثرب رکھا گیا تھا کہ یثرب ایک بت کا نام تھا یا اس وجہ سے کہ یہ جابر بادشاہوں میں سے کسی جابر بادشاہ کا نام تھا۔

امام بخاری نے اپنی تاریخ میں ایک حدیث نقل کی ہے جو شخص ایک بار یثرب کہے اسے چاہیے کہ دس بار مدینہ کہے تاکہ اس کا تدارک اور تلافی کر سکے ایک دوسری روایت میں آیا ہے کہ جو شخص یثرب کہے اسے استغفار کرنا چاہیے۔ بعض نے کہا کہ یثرب کہنے والے کو سزا دینی چاہیے اور وہ جو قرآن مجید میں آیا یا اہل یثرب تو یہ منافقوں کی زبان سے ہے کیونکہ وہ قصداً اہانت کے طور پر یہ نام لیتے تھے بڑے تعجب کی بات ہے کہ بعض اکابر نے بھی اپنے اشعار میں یثرب کا لفظ استعمال کیا ہے۔

۳؎ یہاں حدیث میں لفظ کیر آیا ہے کاف کی زیر ساکن بمعنی وہ بھٹی جو مٹی سے بناتے اور اس میں لوہے کو پگھلاتے ہیں یا کیر وہ مشک ہے جس کے ساتھ بھٹی میں ہوا داخل کرتے ہیں بعض نے کہا کہ مٹی سے بنائی ہوئی بھٹی کو کورہ کہتے اور ہوا بھرنے والی مشک کو کیر کہتے ہیں۔ یہ قول زیادہ درست اور زیادہ راجح ہے۔ لوگوں سے مراد اہل کفر و شرک ہیں جو مدینہ منورہ سے اسلام کے قوی ہونے کی بنا پر وہاں سے نکال دیے گئے اور اس مبارک جگہ کو ان کے وجود سے پاک کر دیا گیا۔

وَعَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ رضی قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى سَمَّى الْمَدِيْنَةَ طَابَةَ۔

حضرت جابر ابن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے مدینے منورہ کا طابہ رکھا۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ) (مسلم شریف)

۱؎ اسی طرح اس کا نام اپنے حبیب کی زبان سے طیبہ رکھا یعنی طا کی زبر اور یا ساکن اور طیبہ بھی رکھا ی کی شد سے اس کا نام طائب بھی رکھا۔ اس کے ہر قسم کے شرک سے پاک ہونے کی وجہ سے اور اس کی آب و ہوا طباع سلیمہ کے موافق ہونے کی بنا پر طیب عیش اور خوشی کی زندگانی جو اس میں گزرتی ہے۔ اور اس کی اچھی خوشبو کی وجہ سے بھی اسے طیب کہتے ہیں۔ اس کی تمام چیزوں کے عمدہ ہونے کی وجہ سے بھی اس کا نام طیب یا طیبہ آیا ہے بعض عارفین نے فرمایا ہے کہ مدینہ منورہ کی خاک اور در و دیوار سے خوشبودار ہوائیں مہکتی ہیں انہیں ہر وہ شخص محسوس کرتا ہے جس کے باطن کے سونگھنے کی قوت ٹھیک، اور جو کفر و نفاق اور خبث اعتقاد کے زکام سے محفوظ ہے۔ شاید کہ بعض عارفین

کے سونگھنے کی قوت اُن کے خلوص و شوق کی وجہ سے اُس خوشبو تک پہنچتی ہو اور انہوں نے اُس خوشبو کو ظاہراً بھی محسوس کیا ہو۔ بیت۔

دران زمین کہ نسیمے وزد ز طرۂ دوست چہ جائے دم زدن نافہائے تاتاریست۔

ترجمہ۔ اُس زمین میں کہ جہاں دوست کی زلف سے خوشبو مہکتی ہے تاتاری ہرنوں کے خون (نافہ) کے دم مارنے کی وہاں کوئی جگہ نہیں۔

ابو عبداللہ عطار رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ؎

بطيب رسول الله طاب نسيمها فما المسك والكافور والمندل والرطب

ترجمہ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشبو سے مدینہ کی ہوا خوشبودار ہو گئی تو کستوری، کافور اور اچھی تر و تازہ خوشبو کی اُس کے سامنے کوئی حیثیت نہیں۔

وَعَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ ؓ اَنَّ اَعْرَابِيًّا بَايَعَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَصَابَ الْاَعْرَابِيَّ وَعْكٌ بِالْمَدِيْنَةِ فَاَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا مُحَمَّدُ اَقِلْنِيْ بَيْعَتِيْ فَاَبٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ جَاءَهٗ فَقَالَ اَقِلْنِيْ بَيْعَتِيْ فَاَبٰى ثُمَّ جَاءَهٗ فَقَالَ اَقِلْنِيْ بَيْعَتِيْ فَاَبٰى فَخَرَجَ الْاَعْرَابِيُّ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّمَا الْمَدِيْنَةُ كَالْكِيْرِ تَنْفِيْ خَبَثَهَا وَتَنْصَعُ طِيْبَهَا۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے بے شک ایک دیہاتی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت کی تو اعرابی کو مدینہ منورہ میں بخار شروع ہو گیا وہ حضور علیہ السلام کی خدمت میں آیا اور کہا اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) میری بیعت مجھے واپس کر دیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے انکار کر دیا پھر وہ اعرابی آگیا کہنے لگا میری بیعت مجھے واپس کریں آپ نے انکار کر دیا اس نے پھر کہا میری بیعت مجھے واپس کر دیں (تیسری بار بھی کہا) وہ اعرابی مدینہ سے باہر چلا گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک مدینہ بھٹی کی طرح ہے جو اس کی میل کچیل کو دور کر دیتا ہے اور اچھی اور خالص چیز کو اپنے اندر رکھتا ہے[1]۔ (بخاری و مسلم)

[1] یعنی پلید لوگوں کو اپنے سے دور کرتا، اور باہر نکال دیتا ہے اور پاک لوگوں کو پلید لوگوں سے پاک کر لیتا ہے۔ یہاں حدیث میں خالص کرنے کے لیے لفظ تنصع ص اور عین سے ہے بمعنی پاک، اور خالص کرتا ہے یہ لفظ نصوع سے بنا ہے بمعنی خلوص۔ ناصع بمعنی ہر چیز میں خالص چیز اس صورت میں حدیث میں واقع لفظ طیبہا مرفوع ہو گا۔ بعض نے کہا

کہ یہ لفظ نصع بمعنی خالص کرنے سے بنا ہے۔ اس صورت میں لفظ طیبہا پر زبر ہوگی۔ اور یہ لفظ تنصع بھی پڑھا گیا ہے یعنی ت کی پیش نون کی زبر ص کی زیر اور شد سے تنصیع سے مشتق بھی ایک روایت ہے اسی طرح تبیع یعنی نون کی جگہ با کی بھی روایت لائے ہیں یہ بیع سے بنا ہے بمعنی جمع کرنا اور یفنع سے بھی پڑھا گیا ہے یعنی یا اور نش بمعنی گوشت کا نکلا جیسا کہ مجمع البحار میں ہے تا کی زبر اور یا ساکن سے اور تا کی زیر اور یا کی زیر اور شد دونوں روایتیں ہیں۔ ثانی روایت صحیح تر اور قوی تر ہے۔

علماء نے کہا ہے کہ مدینہ منورہ کا غلط لوگوں کو دور کرنا اور پاک لوگوں کو پلید لوگوں سے پاک کرنا حضور علیہ السلام کے زمانے میں تھا یا آخر زمانے میں ہوگا جبکہ دجال برآمد ہوگا۔ مدینہ منورہ کو اس وقت تین دفعہ ہلایا اور جھاڑا جائے گا جس سے ہر کافر و منافق مدینہ منورہ سے باہر نکل کر دجال کی طرف چلا جائے گا۔ یہ بھی احتمال ہے کہ یہ بات ہر زمانے میں ہوتی ہو۔

حکایت۔

بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز ھشام بن عبدالملک کی طرف سے ایک مدت تک مدینہ طیبہ کے حاکم رہے جب آپ کو وہاں سے باہر نکالا گیا تو آپ نے فرمایا میں ڈرتا ہوں کہ میرا شمار بھی ان لوگوں میں نہ ہو جن کو مدینہ اپنے پاس سے دور کر دے اسی طرح ہر وہ شخص ڈرتا ہے جو اس مکان شریف سے باہر نکلتا ہے یارب اگر ضرورت کے تحت حکم شرع کے مطابق نکلنے کی اجازت ہے کیونکہ حق شرع کے لیے وہاں سے نکل کر کسی دوسری جگہ جانا جائز ہے۔

بیت۔

ضرورت ست وگرنہ خدائے میداند — کہ ترک صحبت جاناں نہ اختیار امن ست

دوری ز حضرت تو نجستم باختیار! — خود ذرہ راز مہر جدائی چہ درخورست

ترجمہ (۱) ضرورت کی بنا پر تیری صحبت کو چھوڑتا ہوں وگرنہ خدا جانتا ہے کہ معشوق کی صحبت ترک کرنا میرے اختیار کے تحت نہیں ہے۔

(۲) تیری بارگاہ سے دور ہونا میں نے اپنے اختیار سے قبول نہیں کیا ایک ذرہ سورج کی جدائی کیسے برداشت کر سکتا ہے۔

ہم اللہ تعالیٰ سے عافیت اور اچھے انجام کی دعا کرتے ہیں۔

وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ ؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰی تَنْفِیَ الْمَدِیْنَةُ شِرَارَهَا كَمَا یَنْفِی الْكِیْرُ خَبَثَ الْحَدِیْدِ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت قائم نہ ہوگی یہاں تک کہ مدینہ اپنے اندر سے شریر لوگوں کو اس طرح دور کر دے گا جس طرح بھٹی لوہے کی میل کچیل کو دور کر دیتی ہے۔ (مسلم)

۱؎ اس حدیث کے ظاہر سے معلوم ہوتا ہے کہ مدینہ منورہ کا خبیث لوگوں کو اپنے اندر سے دور کرنا آخر زمانہ میں ہوگا۔

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى اَنْقَابِ الْمَدِيْنَةِ مَلَائِكَةٌ لَا يَدْخُلُهَا الطَّاعُوْنُ وَلَا الدَّجَّالُ ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مدینہ کے راستوں۱؎ پر فرشتے مقرر ہوں گے، نہ داخل ہو سکے گا اُس میں طاعون اور نہ دجال۔ (بخاری ومسلم)

۱؎ یہاں حدیث میں لفظ انقاب آیا ہے جو نقب کی جمع ہے نون کی زبر اور پیش سے اور قاف ساکن بمعنٰی وہ راستہ جو دو پہاڑوں کے درمیان ہو۔ یا وہ سوراخ جو دو پہاڑوں کے درمیان ہو۔ دجال کا آنا بے شک آخر زمانے میں ہوگا۔ اور نگہبانی اُس کے آنے تک رہے گی یا اس وقت کے لیے ہوگی یا ہمیشہ کے لیے ہے۔

وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ مِنْ بَلَدٍ اِلَّا سَيَطَاُهُ الدَّجَّالُ اِلَّا مَكَّةَ وَالْمَدِيْنَةَ لَيْسَ نَقْبٌ مِنْ اَنْقَابِهَا اِلَّا عَلَيْهِ الْمَلٰئِكَةُ صَافِّيْنَ يَحْرُسُوْنَهَا فَيَنْزِلُ السَّبِخَةَ فَتَرْجُفُ الْمَدِيْنَةُ بِاَهْلِهَا ثَلٰثَ رَجَفَاتٍ فَيَخْرُجُ اِلَيْهِ كُلُّ كَافِرٍ وَّ مُنَافِقٍ ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں ہے کوئی شہر مگر عنقریب اُسے پامال کرے گا دجال مگر مکہ اور مدینہ کو کہ نہیں ہے کوئی راستہ اس کے راستوں سے مگر اس پر فرشتے مقرر ہیں صفیں باندھے ہوئے جو اس کی حفاظت کرتے ہیں تو دجال مدینہ سے باہر شور۱؎ والی زمین میں اترے گا۔ مدینہ اپنے باشندوں کے ساتھ تین دفعہ جنبش میں آئے گا تو دجال کی طرف نکل جائے گا ہر کافر و منافق۔ (بخاری ومسلم)

۱؎ یہاں حدیث میں لفظ سبخہ آیا ہے سین اور با اور خا تینوں کی زبروں سے اور با ساکن بھی آئی ہے یعنی سبخہ یا سبخہ۔

وَعَنْ سَعْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَكِيْدُ اَهْلَ الْمَدِيْنَةِ اَحَدٌ اِلَّا انْمَاعَ كَمَا يَنْمَاعُ الْمِلْحُ فِي الْمَاءِ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اہل مدینہ کو ایذا نہ پہنچائے گا مگر وہ پگھل جائے گا جس طرح نمک پانی میں پگھل۱؎ جاتا ہے۔ (بخاری ومسلم)

لہ جس طرح کہ یزید بدبخت کا مال واقعہ حرہ کے تھوڑے دنوں بعد ہو گیا کہ ہلاک ہوا عذاب الٰہی میں گرفتار ہوا اور دق اور سل کی بیماری سے پگھلا اور فانی ہو گیا۔

وَعَنْ اَنَسٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ اِذَا قَدِمَ مِنْ سَفَرٍ فَنَظَرَ اِلٰی جُدُرَاتِ الْمَدِیْنَۃِ اَوْضَعَ رَاحِلَتَہٗ وَاِنْ کَانَ عَلٰی دَابَّۃٍ حَرَّکَھَا مِنْ حُبِّھَا۔ (رَوَاہُ الْبُخَارِیُّ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے بے شک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب سفر سے واپس تشریف لاتے اور مدینہ کی دیواروں کو دیکھتے تو اپنی سواری کو تیز کر دیتے اور اگر اونٹ کے سوا کسی اور سواری پر ہوتے تو اُسے حرکت دیتے مدینہ منورہ کی محبت کی وجہ[لہ] سے۔ (بخاری شریف)

لہ یعنی تیز چلانا تو اونٹ کے ساتھ خاص ہے اور پاؤں سے حرکت دینا غیر اونٹ کے لیے آتا ہے۔

وَعَنْہُ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ طَلَعَ لَہٗ اُحُدٌ فَقَالَ ھٰذَا جَبَلٌ یُّحِبُّنَا وَنُحِبُّہٗ اَللّٰھُمَّ اِنَّ اِبْرَاھِیْمَ حَرَّمَ مَکَّۃَ وَاِنِّیْ اُحَرِّمُ مَا بَیْنَ لَابَتَیْھَا۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ حضور علیہ السلام کے سامنے اُحد پہاڑ نمودار[لہ] ہوا تو فرمایا یہ ایک پہاڑ ہے جو ہم سے محبت کرتا ہے اور ہم اس سے محبت کرتے ہیں اے اللہ بے شک ابراہیم نے مکے کو حرم بنایا اور بے شک میں دو پتھریلی زمینوں کے درمیان مدینے کی وادی کو حرم بناتا ہوں۔ (بخاری و مسلم)

لہ یعنی آپ کی نظر شریف اُحد پہاڑ پر پڑی۔ اُحد پہاڑ کی محبت کے متعلق بعض لوگ تاویل کرتے ہوئے یہ کہتے ہیں کہ یہ مجاز کے طور پر کلام کیا گیا ہے مطلب یہ ہے کہ اس کے اہل اور اس میں رہنے والے سے مجھے محبت ہے یعنی اس میں بسنے والے مومنوں اور اہل توحید سے جو کہ انصار ہیں مجھے اُن سے بڑی محبت ہے جیسا کہ ایک شاعر نے کہا۔ ع

وَمَا حُبُّ الدِّیَارِ شَغَفْنَ قَلْبِیْ … [illegible]

ترجمہ: میرے مذہب میں سے یہ بھی ہے کہ میں گھروں سے محبت رکھتا ہوں اُن کے اہل سے محبت کی بناء پر۔ بعض روایات میں اس کے مقابل یہ الفاظ زیادہ آئے ہیں کہ جبل عیر ایک پہاڑ ہے جو ہم سے دشمنی رکھتا ہے اور ہم اس سے رکھتے ہیں۔ عیر مدینہ کی نذیر سے ایک پہاڑ ہے جو ہم سے دشمنی رکھتا ہے اور ہم اُس سے رکھتے ہیں کیونکہ اس میں رہنے والے منافق لوگ ہیں مگر تحقیقی بات یہ ہے کہ حدیث کے یہ الفاظ ظاہر پر محمول ہیں کیونکہ علم و فہم اور لوازم محبت اسی طرح عداوت و دشمنی جمادات میں بھی اُن کے حال کے لائق پائی جاتی ہے۔ خصوصاً انبیاء اور اولیاء کے ساتھ خصوصاً سید الانبیاء اور سلطان اولیاء کے ساتھ جو کہ محبوب عالمین اور محبوب پروردگار عالمین ہیں۔ اور جسے خدائے تعالیٰ اپنا دوست بنا لیتا ہے۔

ہر چیز اور سب لوگ اُسے دوست بنا لیتے ہیں کیونکہ ہر چیز کی پیدائش اللہ تعالیٰ نے فرمائی ہے اور ہر چیز اُس کے حکم کے تابع ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فراق میں ستون حنانہ کا رونا اس کی بہت بڑی دلیل ہے۔ اس ستون کے رونے کی حدیث مشہور ہے جو حد تواتر کو پہنچ چکی ہے۔

وَعَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اُحُدٌ جَبَلٌ يُّحِبُّنَا وَنُحِبُّهٗ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اُحد ایک پہاڑ ہے جو ہم سے پیار کرتا ہے اور ہم اُس سے پیار کرتے ہیں۔ (بخاری شریف)

اَلْفَصْلُ الثَّانِيْ

دوسری فصل

عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ اَبِيْ عَبْدِ اللّٰهِؒ قَالَ رَاَيْتُ سَعْدَ بْنَ اَبِيْ وَقَّاصٍ اَخَذَ رَجُلًا يَّصِيْدُ فِيْ حَرَمِ الْمَدِيْنَةِ الَّذِيْ حَرَّمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَلَبَهٗ ثِيَابَهٗ فَجَاءَ مَوَالِيْهِ فَكَلَّمُوْهُ فِيْهِ فَقَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَرَّمَ هٰذَا الْحَرَمَ وَقَالَ مَنْ اَخَذَ اَحَدًا يَصِيْدُ فِيْهِ فَلْيَسْلُبْهُ فَلَا اَرُدُّ عَلَيْكُمْ طُعْمَةً اَطْعَمَنِيْهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلٰكِنْ اِنْ شِئْتُمْ دَفَعْتُ اِلَيْكُمْ ثَمَنَهٗ۔ (رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ)

حضرت سلیمان بن ابو عبداللہ[1] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نے حضرت سعد بن ابی وقاص کو دیکھا کہ انہوں نے ایک شخص کو پکڑا ہوا تھا جو حرم مدینہ میں شکار کر رہا تھا اس حرم مدینہ میں جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حرم بنایا تو حضرت سعد نے اُس کے کپڑے چھین لیے۔ تو اُس کے مالک آئے اور انہوں نے حضرت سعد سے اُس کے بارے میں گفتگو کی کہ آپ اُس کے کپڑے واپس کر دیں آپ نے فرمایا بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حرم کو حرم[2] بنایا اور فرمایا ہے کہ جو شخص بھی اس میں شکار کرتے ہوئے آدمی کو پکڑے تو وہ اُس کے کپڑے اور سامان چھین لے لہٰذا میں اُس رزق کو واپس نہیں کروں گا جو مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عطا فرمایا[3] لیکن اگر تم چاہتے ہو تو میں اُس کی قیمت تمہیں دے دیتا ہوں۔ (ابو داؤد شریف)

* *

[1] آپ تابعی ہیں آپ نے بہت سے مہاجرین کا زمانہ پایا۔ آپ سعد بن ابی وقاص حضرت ابو ہریرہ

اور حضرت صہیب سے حدیث روایت کرتے ہیں اور آپ ثقہ راوی ہیں۔

۲؎ اور اس کی حدود متعین کی ہیں اور لوگوں کو اس میں شکار وغیرہ کرنے سے منع فرمایا ہے۔

۳؎ یعنی جو چیز آپ نے مجھے عطا فرمائی۔ یہاں حدیث میں لفظ طعمہ آیا ہے بمعنیٰ خوراک آپ کی بات کا مطلب یہ تھا کہ میں اس کا سامان واپس نہیں کروں گا کیونکہ یہ حضور علیہ السلام کی مجھے عطا اور مہربانی ہے جو حضور کے فرمان سے مجھے حاصل ہوئی۔

وَعَنْ صَالِحٍ مَّوْلًى لِّسَعْدٍ اَنَّ سَعْدًا وَّجَدَ عَبِيْدًا مِّنْ عَبِيْدِ الْمَدِيْنَةِ يَقْطَعُوْنَ مِنْ شَجَرِ الْمَدِيْنَةِ فَاَخَذَ مَتَاعَهُمْ وَقَالَ يَعْنِيْ لِمَوَالِيْهِمْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَنْهٰى اَنْ يُّقْطَعَ مِنْ شَجَرِ الْمَدِيْنَةِ شَيْءٌ وَّقَالَ مَنْ قَطَعَ مِنْهُ شَيْئًا فَلِمَنْ اَخَذَهٗ سَلَبُهٗ۔

(رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ)

حضرت صالح رضی اللہ عنہ جو حضرت سعد کے آزاد کردہ غلام ہیں، سے روایت ہے کہ بے شک حضرت سعد نے مدینہ کے غلاموں میں سے کچھ غلام دیکھے جو مدینہ منورہ کے درخت کاٹ رہے تھے آپ نے ان کا سامان یعنی کپڑے وغیرہ چھین لیے اور ان کے مالکوںسے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سنا ہے آپ منع فرماتے تھے کہ مدینہ منورہ کے درختوں میں سے کوئی چیز کاٹی جائے اور حضور علیہ السلام نے فرمایا تھا جو شخص مدینہ پاک میں سے کوئی چیز کاٹے گا تو جو بھی کاٹنے والے کو پکڑے گا وہ اس کا سامان چھین کر لے جا سکتا ہے۔ (ابوداؤد)

۱؎ جبکہ انہوں نے اپنے غلاموں کا سامان واپس طلب کیا۔

وَعَنِ الزُّبَيْرِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ صَيْدَ وَجٍّ وَّعِضَاهَهٗ حُرُمٌ مُّحَرَّمٌ لِّلّٰهِ۔ (رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ وَقَالَ مُحْيِي السُّنَّةِ وَجٌّ ذَكَرُوْا اَنَّهَا مِنْ نَّاحِيَةِ الطَّائِفِ وَقَالَ الْخَطَّابِيُّ اَنَّهٗ بَدَلَ اَنَّهَا)

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بے شک وادی وج اور اسکے درختوں کا شکار اللہ تعالیٰ کے لیے حرام کر دیا گیا ہے۔ ابوداؤد شریف۔ اور محی السنہ رحمہ اللہ نے فرمایا کہ وج کے بارے میں علما نے کہا ہے کہ یہ طائف کی ایک جانب کا نام ہے اور خطابی نے کہا کہ یہاں لفظ انہا کی جگہ انہ ۱؎ ہے۔

۱؎ یعنی محی السنہ کی روایت میں جو ضمیر مونث آئی ہے۔ خطابی نے کہا کہ وہ ضمیر مذکر ہے۔ بہرصورت یہ ضمیر وج کی جانب

لوٹتی ہے اور جگہوں کے ناموں میں مذکر و مونث دونوں ضمیریں لانا درست ہے ضمیر مونث تو بقعہ اور ناحیہ کے اعتبار سے ہوتی ہے اور ضمیر مذکر موضع اور مکان کے اعتبار سے علماء نے کہا ہے کہ موضع وج کو اس لیے حرام قرار دیا گیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جگہ کو صدقہ کے اونٹوں کے لیے چراگاہ قرار دیا۔ بطریق حرم حرام قرار نہیں دیا۔ اور اگر بطریق حرم حرام قرار دیا تھا تو پھر یہ حرمت کچھ وقت کے لیے تھی۔ بعد میں منسوخ ہوگئی۔ شافعی حضرات کا یہی مسلک ہے۔ حنفیہ اسی کی مثل حرم مدینہ کے لیے بھی کہتے ہیں۔ اکثر علماء اس پر ہیں کہ حرم مدینہ اور وج تعظیم و احترام کے لحاظ سے ہے۔ تحریم اور جرم اور اس کی سزا کے لحاظ سے نہیں ہے۔

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنِ اسْتَطَاعَ اَنْ يَّمُوْتَ بِالْمَدِيْنَةِ فَلْيَمُتْ بِهَا فَاِنِّيْ اَشْفَعُ لِمَنْ يَّمُوْتُ بِهَا۔ (رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ غَرِيْبٌ اِسْنَادًا)

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص گنجائش رکھتا ہو کہ مدینہ میں مرے تو اسے چاہیے کہ مدینے میں ہی مرے۔ کیونکہ میں مدینہ طیبہ میں مرنے والوں کی شفاعت[1] کروں گا۔ اسے احمد و ترمذی نے روایت کیا اور ترمذی نے کہا کہ یہ حدیث اسناد کے لحاظ سے حسن صحیح غریب ہے۔

[1] بعض نسخوں میں اَشفع کی جگہ اَشفّع فا کی شد سے آیا ہے۔ یعنی مدینہ میں مرنے والوں کے لیے میری شفاعت قبول ہوگی۔ امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ دعا کیا کرتے تھے کہ یا اللہ مجھے تو اپنے راستے میں شہادت کی موت عطا فرما۔ اور تیرے رسول کے شہر میں موت نصیب فرما۔ خدا کی شان کہ آپ کی یہ دعا قبول ہوئی ہم بھی یہ دعا کرتے ہیں کہ اس اُمید پر کہ ان شاء اللہ اللہ تعالیٰ ہماری دعا قبول ہوگی۔ حضور علیہ السلام ہمارے حق میں دعا کریں گے تمام مسلمان مدینہ منورہ میں موت کی اُمید رکھتے ہیں کہ اس طرح حضور کی شفاعت اُن سب کے لیے ہوگی۔ یا مدینہ میں مرنے والوں کے لیے حضور علیہ السلام خاص شفاعت فرمائیں گے جس سے اُن کے سب گناہ مٹ جائیں گے اور وہ بلند درجات پر فائز ہوں گے یا اس میں اس جانب اشارہ ہے کہ جو شخص مدینہ طیبہ میں مرتا ہے وہ ضرور ایمان پر مرتا ہے۔ کیونکہ مومن کے علاوہ حضور علیہ السلام کسی اور کی شفاعت نہیں کریں گے جس طرح کہ حضور علیہ السلام کی قبر کی زیارت کرنے والوں کے لیے بھی ایسی بشارتیں آئی ہیں، وہاں بھی ایسی ہی توجیہات کی گئی ہیں۔ ایسی ہی بشارت حرم مکہ میں مرنے والوں کے لیے بھی آئی ہے جیسا کہ آگے آرہا ہے۔

وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اٰخِرُ قَرْيَةٍ مِّنْ قُرَى الْاِسْلَامِ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسلام کی بستیوں میں سے ویران ہونے کے لحاظ سے سب

خَرَابًا اَلْمَدِيْنَةُ۔ سے آخری بستی مدینہ منورہ ہوگی۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ غَرِيْبٌ) ترمذی شریف۔ اور ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن غریب ہے۔

لہ یعنی قیامت کے نزدیک سارا جہان اُجڑ جائے گا۔ اور مدینہ منورہ سب سے آخر میں اجڑے گا کہ حکم الٰہی کے تحت مدینہ منورہ پر سب سے آخر میں ویرانی چھائے گی۔ یہاں بستی کے لیے لفظ قریہ استعمال ہوا ہے بمعنی موضع دیگر ترتیب اس طرح ہے کہ قریہ کہتے ہیں بستی کو اُس سے بڑی بستی کو بلد اور بلد سے بھی بڑے شہر کو مدینہ کہتے ہیں اور سب سے بڑے اور جامع شہر کو مصر کہتے ہیں۔ بعض نے بلد اور مدینہ کو ایک ہی مرتبے میں رکھا ہے۔ اس وقت مدینہ اُس شہر کا نام ہے جس میں حضرت سید کائنات تشریف فرما ہیں۔ یہ شہر شرف و فضیلت کے لحاظ سے تمام شہروں سے اُوپر ہے۔

وَعَنْ جَرِيْرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ اللهَ اَوْحٰى اِلَيَّ اَيَّ هٰؤُلَاءِ الثَّلَاثَةِ نَزَلْتَ فَهِيَ دَارُ هِجْرَتِكَ الْمَدِيْنَةِ اَوِ الْبَحْرَيْنِ اَوْ قِنَّسْرِيْنَ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

حضرت جریر[1] بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ حضور سے روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی پاک علیہ السلام نے فرمایا۔ بے شک اللہ تعالیٰ نے میری طرف وحی فرمائی کہ ان تین جگہوں[2] میں سے جس جگہ بھی تو اترے گا وہی تیرا ہجرت کا گھر ہوگا ان تین میں سے ایک مدینہ ہے۔ دوسرا بحرین[3] اور تیسرا قنسرین[4] ہے۔ (ترمذی شریف)

لہ آپ مشہور صحابی ہیں بڑے شریف بلند مرتبہ لوگوں کے مخدوم جلیل القدر اور نہایت خوبصورت تھے۔ جیسا کہ امیرالمومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے جریر سے بڑھ کر امت میں کوئی خوبصورت انسان نہیں دیکھا۔ مگر یہ کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے حسن کی شہرت سنی گئی ہے۔ ان کی اچھی صفات شمار سے زیادہ ہیں۔

۲ یعنی مجھے ہجرت کے لیے ان تینوں جگہوں میں سے کسی جگہ میں اترنے کا اختیار دیا گیا۔

۳ بحرین ایک جزیرہ ہے جو بحر عمان کے علاقے میں پایا جاتا ہے۔

۴ ق کی زیر نون مشدد کی زبر سین ساکن را کی زیر یا زبر سے اور نون کی زیر سے بھی پڑھا گیا ہے۔ یہ شام کے شہروں میں سے ایک شہر ہے۔ تاریخ مدینہ میں آگیا ہے کہ حضور علیہ السلام کو پہلے ان تین جگہوں میں سے کسی بھی جگہ اترنے کا اختیار دیا گیا مگر بعد میں مدینہ طیبہ کو ہجرت کے لیے متعین کر دیا گیا۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

عَنْ اَبِیْ بَکْرَۃَ[1] عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ سَلَّمَ قَالَ لَا یَدْخُلُ الْمَدِیْنَۃَ رُعْبُ الْمَسِیْحِ الدَّجَّالِ لَهَا یَوْمَئِذٍ سَبْعَۃُ اَبْوَابٍ عَلٰی کُلِّ بَابٍ مَلَکَانِ۔ (رَوَاہُ الْبُخَارِیُّ)

حضرت ابوبکرہ[1] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ نبی پاک علیہ السلام نے فرمایا مدینہ منورہ کے اندر مسیح دجال کا ڈر داخل نہ ہوگا اس وقت مدینہ طیبہ کے سات دروازے ہوں گے ہر دروازے پر دو فرشتے کھڑے ہوں گے۔ (بخاری شریف)

[1] بکرہ با کی زبر کاف ساکن آپ مشہور صحابی ہیں۔ اہل طائف میں سے ہیں جب حضور علیہ السلام نے طائف کا محاصرہ کیا تو انہوں نے اپنے آپ کو کنوئیں کے راہٹ سے باندھا۔ اور اپنے آپ کو نیچے گرا کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لشکر میں پہنچے اور اسلام قبول کر لیا۔ ان کا نام آپ نے ابوبکرہ رکھا۔ بکرہ یعنی کنوئیں کا راہٹ۔

وَ عَنْ اَنَسٍ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اللّٰھُمَّ اجْعَلْ بِالْمَدِیْنَۃِ ضِعْفَیْ مَا جَعَلْتَ بِمَکَّۃَ مِنَ الْبَرَکَۃِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے یہ دعا کی یا اللہ مدینہ منورہ میں مکہ معظمہ سے دگنی برکت رکھ دے[1]۔ (بخاری ومسلم)

[1] جیسا کہ فصل اول میں گزرا کہ حضور علیہ السلام نے فصل اول کی حدیث میں یہ دعا کی تھی مثلہ معہ یعنی مکہ کی مثل اس میں ایک گنا اور برکت رکھ یہ حدیث اور اس قسم کی احادیث دلالت کرتی ہیں کہ مدینہ منورہ کو مکہ معظمہ پر فضیلت حاصل ہے۔ یہ مسئلہ علماء کے درمیان مختلف فیہ ہے۔ جانبین کے دلائل کو میں نے اپنی کتاب جذب القلوب میں ذکر کر دیا ہے وہاں دیکھ لیا جائے۔

وَ عَنْ رَجُلٍ مِنْ اٰلِ الْخَطَّابِ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ سَلَّمَ قَالَ مَنْ زَارَنِیْ مُتَعَمِّدًا کَانَ فِیْ جِوَارِیْ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ وَ مَنْ سَکَنَ الْمَدِیْنَۃَ وَ صَبَرَ عَلٰی بَلَآئِهَا کُنْتُ لَهٗ شَهِیْدًا وَّ شَفِیْعًا یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ

آل خطاب میں سے ایک مرد سے روایت ہے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا جس[1] نے قصداً میری زیارت کی وہ قیامت کے دن میرے پڑوس میں ہوگا اور جو شخص مدینہ منورہ میں سکونت اختیار کرے گا اور اس کی تکلیفوں[2] پر صبر کرے گا میں اس کے لیے قیامت کے دن گواہ اور سفارشی ہوں گا

وَمَنْ مَاتَ فِیْ اَحَدِ الْحَرَمَیْنِ بَعَثَهُ اللّٰهُ مِنَ الْاٰمِنِیْنَ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ۔

اور جو شخص دو حرموں میں سے ایک حرم میں وفات پائے گا اللہ تعالیٰ اُسے قیامت کے دن امن والے لوگوں میں اٹھائے گا۔[۳]

[۱] یعنی اس طرح زیارت نہیں کرے گا کہ آیا کسی اور کام کے لیے اور اُس کام کے طفیل میری بھی زیارت کر لی بلکہ وہ آیا ہی میری زیارت کے لیے ہو تو ایسا شخص قیامت کے دن میری ہمسائیگی اور میری پناہ میں ہوگا۔ بعض عارفین سے منقول ہے کہ وہ حج کے لیے گئے مگر حضور کی زیارت کے لیے نہ آئے اور فرمایا میں اس لیے حضور کی زیارت اس وقت نہیں چاہتا کہ یہ زیارت تو حج کے تابع اور طفیل ہوئی۔ جو مناسب نہیں اُن کی یہ بات حضور علیہ السلام کی جانب غایت شوق و نہایت ادب کو ظاہر کرتی ہے لیکن درست یہ ہے کہ حج کا ارادہ زیارت کے ارادے سے کوئی ٹکراؤ نہیں رکھتا۔ علمائے وقت ادائے حج کے بعد زیارت کے لیے مدینہ منورہ جاتے ہیں۔ حدیث کا مقصد یہ ہے کہ کسی دنیوی غرض اور سیر و سیاحت کے ارادے سے نہ آیا ہو۔ بیت۔

رفت بر بوے سر زلف تو سوئے چمن !! ورنہ کے بود سے نسیم سحری بود غرض

ترجمہ۔ چمن میں آنے سے تیری زلف کی بو کا سونگھنا مقصود تھا ورنہ سحری کی ہوا کھانے سے کوئی غرض نہ تھی۔

حقیقت یہ ہے کہ دونوں مکان یعنی مدینہ و مکہ حضور کے کمال و جمال کی جگہ ہیں۔ مطلوب حضور کی اتباع اور آپ کے احکام کی بجا آوری ہے۔ شعر

ہر دو جائے تست یا بدر الدجی

ترجمہ۔ اے اندھیروں میں روشنی پھیلانے والے چاند دونوں جگہیں تیری ہی ہیں۔

[۲] جیسا کہ حضور کے زمانے میں تھا بعض روایات میں لفظ بلا کی جگہ لفظ لاوائھا آیا ہے یعنی اس کی شدتوں پر صبر کرے جیسا کہ پیچھے گزرا۔ تو میں اُس کی نیکیوں کی شہادت دوں گا اور اُس کے گناہ کی معافی کی شفاعت کروں گا۔

[۳] یعنی اُسے روز قیامت کے عذاب سے امن میں رکھے گا۔ روایات میں آیا ہے کہ مکہ مدینہ کے قبرستان والوں کو بہشت میں جا بٹھائیں گے۔ اُن سے سوال و جواب نہ ہوگا۔

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ مَرْفُوْعًا مَّنْ حَجَّ فَزَارَ قَبْرِیْ بَعْدَ مَوْتِیْ كَانَ كَمَنْ زَارَنِیْ فِیْ حَیَاتِیْ۔
(رَوَاهُمَا الْبَیْهَقِیُّ فِیْ شُعَبِ الْاِیْمَانِ)

حضرت ابن عمر سے مرفوعاً روایت ہے جس نے حج کیا پھر میری موت کے بعد میری قبر کی زیارت کی گویا اُس نے میری زندگی میں میری زیارت کی ان دونوں حدیثوں کو بیہقی نے شعب الایمان میں روایت کیا۔

[۱] زیارت شریف کے فوائد۔ بشارتوں میں سے ایک یہ ہے کہ حضور کی زیارت کرنے والے کو آپ کی معنوی صحبت

اور اُس کے آثار و لوازمات میں سے حصہ ملتا ہے۔ یہ بات اس پر مبنی ہے کہ حضور نبی کریم علیہ السلام اپنی قبر انور میں حیات حقیقی دنیاوی کے ساتھ زندہ ہیں۔ بخلاف شہداء کے کہ وہ حیات معنوی کے ساتھ مشرف ہیں۔ میں نے اس مسئلے کو مکمل تر تفصیل کے ساتھ اپنی کتاب جذب القلوب میں بیان کر دیا ہے۔

وَعَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيْدٍ[1] اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ جَالِسًا وَّقَبْرٌ يُّحْفَرُ بِالْمَدِيْنَةِ فَاطَّلَعَ رَجُلٌ فِي الْقَبْرِ فَقَالَ بِئْسَ مَضْجَعُ الْمُؤْمِنِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِئْسَ مَا قُلْتَ قَالَ الرَّجُلُ اِنِّيْ لَمْ اُرِدْ هٰذَا اِنَّمَا اَرَدْتُ الْقَتْلَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَامِثْلَ الْقَتْلِ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ مَا عَلَى الْاَرْضِ بُقْعَةٌ اَحَبَّ اِلَيَّ اَنْ يَّكُوْنَ قَبْرِيْ بِهَا مِنْهَا ثَلٰثَ مَرَّاتٍ۔ (رَوَاهُ مَالِكٌ مُرْسَلًا)

حضرت یحییٰ بن سعید[1] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھے ہوئے تھے اور ایک قبر مدینہ میں کھودی جا رہی تھی ایک شخص نے قبر میں جھانک کر دیکھا تو کہا مومن کے سونے کی جگہ بری ہے اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو نے برا حرف زبان سے ادا کیا اُس آدمی نے کہا میں نے یہ ارادہ نہیں کیا[2] سوائے اس کے نہیں میں نے یہ ارادہ کیا ہے کہ فی سبیل اللہ قتل ہونا بہت بہتر ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، راہ خدا میں قتل ہو جانا بھی مدینہ منورہ میں مرنے سے افضل نہیں ہے۔ زمین پر کوئی ٹکڑا ایسا نہیں جو مجھے زیادہ پیارا ہو کہ میری اس میں قبر بنے۔ مدینہ منورہ کے سوا آپ نے یہ بات تین[3] دفعہ ارشاد فرمائی۔ اسے مالک نے مرسلاً روایت کیا۔

[1] یحییٰ بن سعید دو ہیں۔ ایک یحییٰ بن سعید قطان جو کا برائمہ حدیث میں سے ہیں۔ اور اُن میں ثقہ شخصیت ہیں یہ مالک شعبہ ثوری وغیرہ سے روایت کرتے ہیں۔ دوسرے یحییٰ بن سعید انصاری ہیں جو تابعین میں سے ہیں ان سے امام مالک شعبہ اور ثوری روایت کرتے ہیں۔

[2] یعنی اس سے میری مراد موت کی مذمت نہیں، بلکہ میری مراد یہ ہے کہ راہ خدا میں شہید ہونا اور مسافری میں جان دینا اپنے بستر پر مرنے سے بہتر ہے۔

[3] اس حدیث کی تقریر علامہ طیبی نے اسی طرح کی ہے کیونکہ یہاں سے لازم آتا ہے کہ مدینہ پاک میں مرنا اور اُس میں دفن ہونا شہادت اور دوسری جگہ دفن ہونے سے افضل ہے۔ یہ حدیث مدینہ منورہ کی فضیلت کے بیان کرنے اور اس میں دفن ہونے میں بہت واضح اور نمایاں ہے۔ لیکن یہ بات پوشیدہ نہ رہے کہ اس صورت میں ظاہر یہ تھا کہ یوں کہا جاتا کہ راہ خدا

میں قتل ہونا مدینہ منورہ میں موت سے بہتر نہیں ہے حدیث کے الفاظ اس کا احتمال بھی رکھتے ہیں کہ کہا جائے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں فرمایا ہو کہ ہاں مدینے میں موت بھی راہ خدا میں شہید ہونے سے افضل نہیں ہے بلکہ شہادت فی سبیل اللہ سب سے افضل و اعظم ہے۔ اور اگر یہ چیز نصیب نہ ہو تو پھر مدینہ منورہ میں موت اور اس میں قبر باقی تمام شہروں اور وہاں کی قبروں سے افضل ہے۔ اس تقریر سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ مدینہ منورہ میں موت دوسری جگہوں میں مرنے سے افضل ہے لیکن راہ خدا میں شہید و قتل ہونے کی افضلیت اپنی جگہ باقی ہے۔ واللہ اعلم بالمراد۔

۴؎ یعنی امام مالک نے اس حدیث کو بطریق ارسال روایت کیا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں یحیی بن سعید سے یحیی بن سعید انصاری مراد ہیں جو کہ تابعی ہیں۔ امام مالک، ھشام بن عروہ شعبہ اور سفیان ثوری ان سے روایت کرتے ہیں یحیی بن سعید بن قطان مراد نہیں ہیں۔ جو ثقہ اور ائمہ حدیث اور ان کے اکابر میں سے ہیں کیونکہ یہ امام مالک، ھشام بن عروہ، یحیی بن سعید انصاری حضرت شعبہ اور سفیان ثوری سے روایت کرتے ہیں۔ اس میں غور کرو۔

وَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ وَ هُوَ بِوَادِ الْعَقِيْقِ يَقُوْلُ اَتَانِى اللَّيْلَةَ اٰتٍ مِنْ رَّبِّى فَقَالَ صَلِّ فِى هٰذَا الْوَادِ الْمُبَارَكِ وَ قُلْ عُمْرَةً فِى حَجَّةٍ وَّ فِى رِوَايَةٍ وَّ قُلْ عُمْرَةً وَّ حَجَّةً۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِىُّ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں حضرت عمر بن الخطاب نے فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سنا جبکہ آپ وادی[۱] عقیق میں تھے آپ فرما رہے تھے آج رات میرے رب کی طرف سے ایک آنے والا[۲] آیا اور مجھ سے کہا کہ اس مبارک وادی میں نماز ادا کر اور کہہ کہ عمرہ[۳] حج میں ہے اور ایک روایت میں اس طرح ہے کہ یوں کہہ عمرہ[۴] اور حج۔ (بخاری شریف)

۱؎ وادی عقیق مدینہ منورہ کی وادیوں میں سے ایک وادی کا نام ہے۔ اس وادی کا ذکر اشعار و احادیث میں کثرت سے آیا ہے حضور علیہ السلام اس وادی میں جا کر نماز ادا کیا کرتے تھے۔

۲؎ یعنی میرے پروردگار کی طرف سے ایک فرشتہ آیا۔

۳؎ یعنی اس نماز کا اس طرح حساب کر کہ اسے اس عمرے کے برابر سمجھ جو حج میں ہوتا ہے۔ لفظ قول فعل کے معنی میں بھی آتا ہے۔

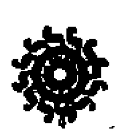
۴؎ اس سے مقصود اس بقعہ شریفہ میں نماز کی فضیلت کا بیان ہے کہ یہاں نماز ادا کرنا گویا حج اور عمرہ کے برابر ہے۔

تمت بالخیر

۳۱ اکتوبر ۱۹۸۵ء۔ ۱۶ صفر المظفر ۱۴۰۶ھ ہجری بروز جمعرات

اعتذار

اشعۃ اللمعات اردو جلد دوم کو زیورِ طبع سے آراستہ ہوئے سال سے زیادہ عرصہ گزر چکا ہے۔ میری خواہش اور کوشش تھی کہ چھ سات ماہ کے اندر اندر اس کی تیسری جلد (جو اس وقت آپ کے سامنے ہے) بھی شائقین کے ہاتھوں میں پہنچ جائے مگر میری یہ خواہش شرمندہ تعبیر نہ ہو سکی اُس کی ایک بڑی وجہ یہ تھی کہ راقم ۱۹۶۶ء کے اواخر سے مرض شوگر کی گرفت میں ہے مصروفیات کے ساتھ ساتھ مختلف ذہنی صدمات کے باعث یہ مرض روز بروز بڑھتا چلا گیا۔ مصنف اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ سے دلی عقیدت اور تبلیغ و اشاعت اسلام کی لگن کی بناء پر ناچیز کی زبردست خواہش تھی کہ کتاب کے مکمل ترجمہ کی سعادت نصیب ہو مگر افسوس کہ مرض کی شدت نے مجھے بہت حد تک بے بس کر دیا۔ ۱۹۸۵ء کے ماہ اپریل سے شوگر کی تیزی کے نتیجے میں بلڈ پریشر کا عارضہ بھی لاحق ہو گیا جس سے بینائی بھی بہت زیادہ کمزور ہو گئی۔ ماہ جون ۱۹۸۵ء میں بعض مخلص دوستوں کی کوشش سے عمرہ اور زیارت مدینہ منورہ کی سعادت نصیب ہوئی یہ رمضان المبارک کا مہینہ تھا۔ مدینہ منورہ پہنچ کر بلڈ پریشر کا سخت حملہ ہوا اور مدینہ طیبہ میں ہی ہسپتال داخل ہونا پڑا۔ اس صورت حال سے پیشتر اس تیسری جلد کے صرف دو صد صفحات لکھ پایا تھا کہ مذکورہ امراض نے زور پکڑ لیا اور تالیف و ترجمہ کا یہ کام قریب قریب رک گیا جس سے راقم کو بہت پریشانی کا سامنا کرنا پڑا۔ ناچیز اس سرگردانی کے عالم میں تھا کہ اللہ تعالیٰ نے یکایک ایک ایسا معاون پیدا فرما دیا جو جانثار و بے لوث اللہ کے واسطے بیگانہ تھا اُس نے فراخدلی سے دست تعاون دراز کیا۔ وہ زود نویس اور صحت نقلی میں بھی بہت حد تک قابل اعتماد تھا میں سمجھتا ہوں کہ یہ انتظام بعض بزرگوں کے تصرف اور اُن کی توجہ کا مرہون منت ہے الحمدللہ کہ آج ترجمہ کی تیسری جلد کی تکمیل سے بھی فراغت حاصل ہو گئی۔ اللہ تعالیٰ اس ترجمہ کو بھی پہلی دو جلدوں کی طرح قبولیت عام کا درجہ عطا کرے اور مصنف و مترجم کیلئے ذخیرہ آخرت بنائے۔ فالحمد للہ رب العلمین والصلوٰۃ والسلام علی حبیبہ محمد والہ واصحابہ اجمعین برحمتك یا ارحم الراحمین۔



فہرست مضامین



بسم اللہ الرحمن الرحیم

وَمَن یُطِعِ الرَّسُولَ فَقَد اَطَاعَ اللّٰہَ (الآیہ)
اور جس نے رسول کا حکم مانا تو یقیناً اُس نے اللہ کا حکم مانا
(ترجمہ کنز الایمان)

مِشکوٰۃ شریف

(عربی، اردو)

قیمت مکمل سیٹ ۳ جلدیں /=۲۱۰ روپے

تصنیف

امام ولی الدین محمد بن عبداللہ الخطیب رحمہ اللہ تعالیٰ (متوفی ۷۴۲ھ)

ترجمہ

فاضل شہیر مولانا عبدالحکیم خاں اختر شاہجہانپوری
(مترجم بخاری شریف، ابوداؤد شریف، ابن ماجہ شریف)

فرید بک سٹال ۴۰- اردو بازار، لاہور ۲

